تفسیر ابن کثیر

تالیف راس المفسرین

علامہ عماد الدین ابن کثیرؒ

مترجم مولانا محمد صاحب جوناگڑھی

شمع بک ایجنسی

یوسف مارکیٹ اردو بازار لاہور

فہرست

تفسیر ابن کثیر پارہ نمبر ۲۵ تا ۳۰

﴿الحمدللہ تفسیر ابن کثیر کی فہرست پایۂ تکمیل تک پہنچی﴾

بسم الله الرحمن الرحيم

اِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ ؕ وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٰتٍ مِّنْ اَكْمَامِهَا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ؕ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ اَيْنَ شُرَكَآءِيْ ۙ قَالُوْٓا اٰذَنّٰكَ ۙ مَا مِنَّا مِنْ شَهِيْدٍ ﴿٤٧﴾ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَدْعُوْنَ مِنْ قَبْلُ وَظَنُّوْا مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ﴿٤٨﴾

قیامت کا علم اللہ ہی کی طرف لوٹایا جاتا ہے اور جو جو پھل اپنے شگوفوں میں سے نکلتے ہیں اور جو مادہ حمل سے ہوتی ہے اور جو بچے انہیں ہوتے ہیں سب کا علم اسے ہے۔ جس دن اللہ تعالیٰ ان مشرکوں کو بلا کر دریافت فرمائے گا کہ میرے شریک کہاں ہیں؟ وہ جواب دیں گے کہ ہم نے تو تجھے کہہ سنایا کہ ہم میں سے تو کوئی اس کا مدعی نہیں۔ یہ جن جن کی پرستش اس سے پہلے کرتے تھے وہ ان کی نگاہ سے گم ہو گئے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ اب ان کے لئے کوئی بچاؤ نہیں۔

قیامت سمیت ہر چیز کا علم اللہ کو ہے: اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ قیامت کب آئے گی؟ اس کا علم اس کے سوا کسی اور کو نہیں۔ تمام انسانوں کے سردار حضرت محمد مصطفی ﷺ سے جب فرشتوں کے سرداروں میں سے ایک سردار حضرت جبرائیل علیہ السلام نے قیامت کے آنے کا وقت پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ جس سے پوچھا جاتا ہے وہ بھی پوچھنے والے سے زیادہ جاننے والا نہیں۔ قرآن کریم کی اور آیت میں ہے ﴿اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا﴾ یعنی قیامت کب ہو گی؟ اس کے علم کا مدار تیرے رب کی طرف ہی ہے۔ اسی طرح اللہ جل شانہ نے اور جگہ فرمایا ہے ﴿لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ﴾ مطلب یہی ہے کہ قیامت کے وقت کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ پھر فرماتا ہے کہ ہر چیز کو اس اللہ کا علم گھیرے ہوئے ہے یہاں تک کہ جو پھل شگوفہ کھلا کر نکلے جس عورت کو حمل رہے جو بچہ اسے ہو یہ سب اس کے علم میں ہے زمین و آسمان کا ایک ذرہ اس کے وسیع علم سے باہر نہیں۔ اور آیت میں ہے ﴿وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا﴾ یعنی جو پتا جھڑتا ہے اسے بھی وہ جانتا ہے۔ ہر مادہ کو جو حمل رہتا ہے اور رحم جو کچھ گھٹاتے بڑھاتے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔ اس کے پاس ہر چیز کا اندازہ ہے۔ عمریں جو گھٹیں بڑھیں وہ بھی کتاب میں لکھی ہوتی ہیں۔ ایسا کوئی کام نہیں جو اللہ تعالیٰ پر مشکل ہو قیامت کے دن مشرکوں سے تمام مخلوق کے سامنے اللہ تعالیٰ سوال کرے گا کہ جنہیں تم میرے ساتھ پرستش میں شریک کرتے تھے وہ آج کہاں ہیں؟ وہ جواب دیں گے کہ ہم تو تجھے معلوم کرا چکے کہ آج تو ہم میں سے کوئی بھی اس کا اقرار نہ کرے گا کہ کوئی تیرا شریک بھی ہے۔ آج ان کے معبودان باطل سب گم ہو جائیں گے۔ کوئی نظر نہ آئے گا جو انہیں نفع پہنچا سکے اور یہ خود جان لیں گے کہ آج اللہ کے عذابوں سے چھٹکارے کی کوئی صورت نہیں۔ یہاں ظن یقین کے معنی میں ہے۔

قرآن کریم کی اور آیت میں اس مضمون کو اس طرح بیان کیا گیا ہے ﴿وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا﴾ یعنی گنہگار لوگ جہنم کو دیکھ لیں گے اور انہیں یقین ہو جائے گا کہ وہ اس میں گرنے والے ہیں۔ اور اس سے بچنے کی کوئی راہ نہ پائیں گے۔

لَا يَسْـَٔمُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَآءِ الْخَيْرِ ۡ وَاِنْ مَّسَّهُ الشَّرُّ فَيَـُٔوْسٌ قَنُوْطٌ ﴿٤٩﴾ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ ۙ وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى

رَبِّیْۤ اِنَّ لِیْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰی ۚ فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِمَا عَمِلُوْا ۫ وَ لَنُذِیْقَنَّهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِیْظٍ ﴿۵۰﴾ وَ اِذَاۤ اَنْعَمْنَا عَلَی الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَ نَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِیْضٍ ﴿۵۱﴾

بھلائی کے مانگنے سے انسان تھکتا نہیں اور اگر اسے کوئی تکلیف پہنچ جائے تو مایوس اور نا امید ہو جاتا ہے۔ اور جو مصیبت اسے پہنچ چکی ہے اس کے بعد اگر ہم اسے کسی رحمت کا مزہ چکھائیں تو وہ کہہ اٹھتا ہے کہ اس کا تو میں حقدار ہی تھا اور میں تو باور نہیں کر سکتا کہ قیامت قائم ہو اور اگر میں اپنے رب کے پاس واپس کیا گیا تو بھی یقیناً میرے لئے اسکے پاس بھی بہتری ہے یقیناً ہم ان کفار کو ان کے اعمال سے خبر دار کریں گے اور انہیں سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔ اور جب ہم انسان پر اپنا انعام کرتے ہیں تو وہ منہ پھیر لیتا ہے اور کروٹ بدل لیتا ہے اور جب اسے مصیبت پڑتی ہے تو بڑی لمبی چوڑی دعائیں کرنیوالا بن جاتا ہے۔

انسان کی مایوسی اور طمع: اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ مال صحت وغیرہ بھلائیوں کی دعاؤں سے تو انسان تھکتا ہی نہیں اور اگر اس پر بلا آ پڑے یا فقر و فاقہ کا موقعہ آ جائے تو اس قدر ہراساں اور مایوس ہو جاتا ہے کہ گویا اب کسی بھلائی کا منہ نہیں دیکھے گا۔ اور اگر کسی برائی یا سختی کے بعد اسے کوئی راحت مل جائے تو کہنے بیٹھ جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر یہ تو میرا حق تھا۔ میں اسی کے لائق تھا۔ اب اس نعمت پر پھولتا ہے اللہ تعالیٰ کو بھولتا ہے اور صاف منکر بن جاتا ہے قیامت کے آنے کا صاف انکار کر جاتا ہے۔ مال و دولت راحت و آرام اس کے کفر کا سبب بن جاتا ہے۔

جیسے اور آیت میں ہے ﴿ كَلَّاۤ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰۤی اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰی ﴾ یعنی انسان نے جہاں آسائش و آرام پایا وہیں اس نے سر اٹھایا اور سرکشی کی۔ پھر فرماتا ہے کہ اتنا ہی نہیں بلکہ اس بد اعمالی پر بھلی امیدیں بھی کرتا ہے اور کہتا ہے کہ بالفرض اگر قیامت آئی بھی اور میں وہاں کھڑا بھی کیا گیا تو جس طرح یہاں سکھ چین میں ہوں وہاں بھی ہوں گا۔ غرض انکار قیامت بھی کرتا ہے۔ مرنے کے بعد جینے کو بھی مانتا نہیں اور پھر امیدیں لمبی باندھتا ہے اور کہتا ہے جیسے میں یہاں ہوں ویسے ہی وہاں بھی رہوں گا۔ پھر ان لوگوں کو ڈراتا ہے کہ جن کے یہ اعمال و عقائد ہوں انہیں ہم سخت سزا دیں گے۔ پھر فرماتا ہے کہ جب انسان اللہ کی نعمتیں پا لیتا ہے تو اطاعت سے اور پھر جاتا ہے اور ماننے سے جی چراتا ہے۔ جیسے فرمایا ﴿فَتَوَلّٰی بِرُكْنِهٖ ﴾ اور جب اسے کچھ نقصان پہنچتا ہے تو بڑی لمبی چوڑی دعائیں کرنے لگتا ہے۔ عریض کلام اسے کہتے ہیں جس کے الفاظ بہت زیادہ ہوں اور معنی بہت کم ہوں اور جو کلام اس کے خلاف ہو یعنی الفاظ تھوڑے ہوں اور معنی زیادہ ہوں تو اسے وجیز کلام کہتے ہیں وہ بہت کم اور بہت کافی ہوتا ہے۔ اسی مضمون کو اور جگہ اس طرح بیان کیا گیا ہے ﴿وَ اِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖۤ ﴾ جب انسان کو مصیبت پہنچتی ہے تو اپنے پہلو پر لیٹ کر اور بیٹھ کر اور کھڑے ہو کر غرض ہر وقت ہم سے مناجات کرتا رہتا ہے اور جب وہ تکلیف ہم دور کر دیتے ہیں تو اس بے پرواہی سے چلا جاتا ہے کہ گویا اس مصیبت کے وقت اس نے ہمیں پکارا ہی نہ تھا۔

قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهٖ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِیْ شِقَاقٍۭ بَعِیْدٍ ﴿۵۲﴾ سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَ فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ؕ اَوَ لَمْ

يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۵۳﴾ اَلَاۤ اِنَّهُمْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآءِ رَبِّهِمْ ؕ اَلَاۤ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ ﴿۵۴﴾

ع ۱

تو کہہ کہ بھلا یہ تو بتاؤ کہ اگر یہ قرآن اللہ کی طرف سے آیا ہوا ہو پھر تم نے اسے نہ مانا بس اس سے بڑھ کر بہکا ہوا کون ہو گا جو حق سے دور پڑ کر مخالفت میں رہ جائے۔ عنقریب ہم انہیں اپنی نشانیاں آفاق عالم میں بھی دکھائیں گے اور خود ان کی اپنی ذاتوں میں بھی یہاں تک کہ ان پر کھل جائے کہ حق یہی ہے۔ کیا تیرے رب کا ہر چیز سے واقف وآگاہ ہونا کافی نہیں۔ یقین جانو کہ یہ لوگ اپنے رب کے روبرو جانے سے شک میں ہیں یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔

قرآن کی حقانیت کا انکار: اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرماتا ہے کہ قرآن کے جھٹلانے والوں مشرکوں سے کہہ دو کہ مان لو کہ یہ قرآن سچ مچ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہو اور تم اسے جھٹلا رہے ہو تو اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہارا کیا حال ہو گا؟ اس سے بڑھ کر گمراہ اور کون ہو گا جو اپنے کفر اور اپنی مخالفت کی وجہ سے راہ حق اور مسلک ہدایت سے بہت دور جا پڑا ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ عزوجل فرماتا ہے کہ قرآن کریم کی حقانیت کی نشانیاں اور حجتیں انہیں ان کے گردونواح میں دنیا کے چو طرف دکھا دیں گے۔ اسلامیوں کو فتوحات ہوں گی۔ وہ سلطنتوں کے سلطان بنیں گے۔ تمام اور دینوں پر اس دین کو غلبہ ہو گا۔ فتح بدر اور فتح مکہ کی نشانیاں خود ان کی اپنی جانوں میں ہوں گی کہ یہ لوگ تعداد میں اور شان و شوکت میں بہت زیادہ ہوں گے پھر بھی مٹھی بھر اہل حق انہیں زیر و زبر کر دیں گے۔ اور ممکن ہے یہ مراد ہو کہ حکمت الٰہی کی ہزار ہا نشانیاں خود انسان کے اپنے وجود میں موجود ہیں۔ اس کی صنعت و بناوٹ اس کی ترکیب و جبلّت اسکے جداگانہ اخلاق اور مختلف صورتیں اور رنگ و روپ وغیرہ اس کے خالق و صانع کی بہترین یادگاریں ہر وقت اس کے سامنے ہیں بلکہ اس کی اپنی ذات میں موجود ہیں۔ اس کا ہیر پھیر کبھی کوئی حالت بچپن جوانی بڑھاپا بیماری تندرستی فراخی ورنج وراحت وغیرہ اوصاف جو اس پر طاری ہوتے ہیں۔

شیخ ابو جعفر قرشی نے اپنے اشعار میں بھی اسی مضمون کو ادا کیا ہے۔ الغرض یہ بیرونی اور اندرونی آیاتِ قدرت اس قدر ہیں کہ انسان اللہ کی باتوں کی حقانیت کے ماننے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی گواہی بس ہے اور بالکل کافی ہے وہ اپنے بندوں کے اقوال و افعال سے بخوبی واقف ہے وہ جب فرما رہا ہے کہ پیغمبر صاحب ﷺ سچے ہیں پھر تمہیں کیا ہو گیا جیسے ارشاد ہے ﴿لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ﴾ لیکن اللہ تعالیٰ بذریعہ اس کتاب کے جس کو تمہارے پاس بھیجی ہے اور اپنے علم کے ساتھ نازل فرمائی ہے خود گواہی دے رہا ہے اور فرشتے اس کی تصدیق کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی گواہی کافی ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ دراصل ان لوگوں کو قیامت کے قائم ہونے کا یقین ہی نہیں۔ اسی لئے بے فکر ہیں۔ نیکیوں سے غافل ہیں۔ برائیوں سے بچتے نہیں حالانکہ اس کا آنا یقینی ہے۔

ابن ابی الدنیا میں ہے کہ خلیفۃ المسلمین حضرت عمر ابن عبد العزیزؒ منبر پر چڑھے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا لوگو میں نے تمہیں کسی نئی بات کیلئے جمع نہیں کیا۔ بلکہ صرف اس لئے تمہیں جمع کیا کہ تمہیں یہ سنادوں کہ روز جزا کے بارے میں میں نے خوب غور کیا۔ میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اسے سچا جاننے والا احمق ہے اور اسے جھوٹا جاننے والا ہلاک ہونے والا ہے۔ پھر آپ منبر سے اتر آئے۔ آپ کے اس فرمان کا کہ اسے سچا جاننے والا احمق ہے یہ مطلب ہے کہ سچ جانتا ہے پھر تیاری نہیں کرتا اور اس کی دل ہلا دینے والی دہشتناک حالتوں سے غافل ہے اس سے ڈر کر وہ اعمال نہیں کرتا جو اسے اس روز کے ڈر سے امن

دے سکیں۔ پھر اپنے تئیں اس کا سچا جاننے والا بھی کہتا ہے لہو و لعب غفلت و شہوت گناہ اور حماقت میں مبتلا ہے اور قیامت کے قریب ہو رہا ہے۔ واللہ اعلم۔

پھر رب العالمین اپنی قدرت کاملہ کو بیان فرما رہا ہے کہ ہر چیز پر اس کا احاطہ ہے۔ قیام قیامت اس پر بالکل سہل ہے ساری مخلوق اس کے قبضہ میں ہے جو چاہے کرے کوئی اس کا ہاتھ تھام نہیں سکتا۔ جو اس نے چاہا ہوا جو چاہے گا ہو کر رہے گا۔ اس کے سوا حقیقی حاکم کوئی نہیں نہ اس کے سوا کسی اور کی ذات کسی قسم کی عبادت کے قابل ہے۔

الحمد للہ سورہ حم السجدۃ کی تفسیر ختم ہوئی۔

تفسیر سورۂ شوریٰ مکیہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حٰمٓ ﴿۱﴾ عٓسٓقٓ ﴿۲﴾ کَذٰلِکَ یُوۡحِیۡۤ اِلَیۡکَ وَ اِلَی الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِکَ ۙ اللّٰہُ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۳﴾ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ وَ ہُوَ الۡعَلِیُّ الۡعَظِیۡمُ ﴿۴﴾ تَکَادُ السَّمٰوٰتُ یَتَفَطَّرۡنَ مِنۡ فَوۡقِہِنَّ وَ الۡمَلٰٓئِکَۃُ یُسَبِّحُوۡنَ بِحَمۡدِ رَبِّہِمۡ وَ یَسۡتَغۡفِرُوۡنَ لِمَنۡ فِی الۡاَرۡضِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ اللّٰہَ ہُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِیۡمُ ﴿۵﴾ وَ الَّذِیۡنَ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اَوۡلِیَآءَ اللّٰہُ حَفِیۡظٌ عَلَیۡہِمۡ ۫ۖ وَ مَاۤ اَنۡتَ عَلَیۡہِمۡ بِوَکِیۡلٍ ﴿۶﴾

عنایت و مہربانی کرنے والے معبود برحق کے نام سے شروع۔ اللہ تعالیٰ جو زبردست ہے اور حکمت والا ہے اسی طرح تیری طرف اور تجھ سے اگلوں کی طرف وحی بھیجتا رہا ہے۔ آسمانوں کی تمام چیزیں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کا ہے۔ وہ برتر اور عظیم الشان ہے۔ قریب ہے آسمان اپنے اوپر سے پھٹ پڑیں تمام فرشتے اپنے رب کی پاکی تعریف کے ساتھ بیان کر رہے ہیں اور زمین والوں کیلئے استغفار کر رہے ہیں۔ خوب سمجھ رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہی معاف فرمانے والا رحمت کرنے والا ہے۔ جن لوگوں نے اس کے سوا دوسروں کو کارساز بنالیا ہے اللہ تعالیٰ انہیں خوب دیکھ بھال رہا ہے تو ان کا ذمہ دار نہیں ہے۔

حروف مقطعات کی بحث: حروف مقطعات کی بحث پہلے گزر چکی ہے۔ ابن جریرؒ نے یہاں پر ایک عجیب و غریب اثر وارد کیا ہے۔ اس میں ہے کہ ایک شخص ابن عباسؓ کے پاس آیا اس وقت آپ کے پاس حضرت حذیفہ بن یمانؓ بھی تھے اس نے ان حروف کی تفسیر آپ سے پوچھی آپ نے ذرا سی دیر سر نیچا کر لیا پھر منہ پھیر لیا۔ اس شخص نے دوبارہ یہی سوال کیا۔ آپ نے پھر بھی منہ پھیر لیا اور اس کے سوال کو برا جانا۔ اس نے پھر تیسری مرتبہ پوچھا۔ آپ نے پھر بھی کوئی جواب نہ دیا۔ اس پر حضرت حذیفہؓ نے کہا میں تجھے بتاتا ہوں اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ حضرت ابن عباسؓ اسے کیوں ناپسند کر رہے ہیں۔ ان کے اہل بیت

میں سے ایک شخص کے بارے میں یہ نازل ہوئی ہے جسے عبدالالہ اور عبداللہ کہا جاتا ہو گا۔ وہ مشرق کی نہروں میں سے ایک نہر کے پاس اترے گا اور وہاں دو شہر بسائے گا۔ نہر کو کاٹ کر دونوں شہروں میں لے جائیگا۔ جب اللہ تعالیٰ ان کے ملک کے زوال کا اور ان کی دولت کے استیصال کا ارادہ کرے گا اور ان کا وقت ختم ہونے کو ہو گا تو ان دونوں شہروں میں سے ایک پر رات کے وقت آگ آئے گی جو اسے جلا کر بھسم کر دے گی۔ وہاں کے لوگ صبح کو دیکھ کر تعجب کریں گے۔ یہ معلوم ہو گا کہ گویا یہاں کچھ تھا ہی نہیں۔ صبح ہی صبح وہاں تمام بڑے بڑے سرکش متکبر مخالف حق لوگ جمع ہوں گے اسی وقت اللہ تعالیٰ ان سب کو اس شہر سمیت غارت کر دے گا۔ یہی معنی ہیں ﴿حٰمٓ عٓسٓقٓ﴾ کے یعنی اللہ کی طرف سے یہ عزیمت یعنی ضروری ہے یہ فتنہ قضا کیا ہوا یعنی فیصل شدہ ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ﴿عین﴾ سے مراد عدل ﴿سین﴾ سے مراد ﴿سَيَكُوْنُ﴾ یعنی یہ عنقریب ہو کر رہے گا ق سے مراد واقع ہونے والا۔ ان دونوں شہروں میں اس سے بھی زیادہ غربت والی ایک اور روایت مسند حافظ ابویعلیٰ کی دوسری جلد میں مسند ابن عباس میں ہے جو مرفوع بھی ہے لیکن اس کی سند بالکل ضعیف ہے اور منقطع بھی ہے اس میں ہے کہ حضرت عمر بن خطاب ؓ منبر پر چڑھے اور لوگوں سے دریافت کیا کہ تم میں سے کسی نے ان حروف کی تفسیر آنحضرت ﷺ سے سنی ہے۔ حضرت ابن عباس ؓ جلدی کھڑے ہوئے اور فرمایا ہاں میں نے سنی ہے حم اللہ تعالیٰ کے ناموں سے ایک نام ہے ﴿عین﴾ سے مراد ﴿عَايَنَ الْمُوَلُّوْنَ عَذَابَ يَوْمِ بَدْرٍ﴾ ہے۔ ﴿سین﴾ سے مراد ﴿سَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ﴾ ﴿ق﴾ سے کیا مراد ہے اسے آپ نہ بتلا سکے تو حضرت ابوذر ؓ کھڑے ہوئے اور حضرت ابن عباس ؓ کی تفسیر کے مطابق تفسیر کی اور فرمایا ﴿ق﴾ سے مراد قارعہ آسمانی ہے جو تمام لوگوں کو ڈھانپ لے گا۔ ترجمہ یہ ہوا کہ بدر کے دن پیٹھ موڑ کر بھاگنے والے کفار نے عذاب کا مزہ چکھ لیا۔ ان ظالموں کو عنقریت معلوم ہو جائے گا کہ ان کا کتنا برا انجام ہوا؟ ان پر آسمانی عذاب آئے گا جو انہیں تباہ و برباد کر دے گا۔ پھر فرماتا ہے کہ اے نبی! جس طرح تم پر اس قرآن کی وحی نازل ہوئی ہے اسی طرح تم سے پہلے کے پیغمبروں پر کتابیں اور صحیفے نازل ہو چکے ہیں۔ یہ سب اس اللہ تعالیٰ کی طرف سے اترے ہیں جو اپنا انتقام لینے میں غالب اور زبردست ہے۔ جو اپنے افعال و اقوال میں حکمت والا ہے۔

حضرت حارث بن ہشام ؓ نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ آپ پر وحی کس طرح نازل ہوتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کبھی تو گھنٹی کی مسلسل آواز کی طرح جو مجھ پر بہت بھاری پڑتی ہے۔ جب وہ ختم ہوتی ہے تو مجھے جو کچھ کہا گیا وہ سب یاد ہوتا ہے اور کبھی فرشتہ انسانی صورت میں میرے پاس آتا ہے مجھ سے باتیں کرتا ہے اور جو وہ کہتا ہے میں اسے یاد رکھ لیتا ہوں۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ سخت جاڑوں کے ایام میں بھی جب آپ ﷺ پر وحی اترتی تھی تو شدت وحی سے آپ ﷺ پانی پانی ہو جاتے تھے۔ یہاں تک کہ پیشانی سے پسینہ کی بوندیں ٹپکنے لگتی تھیں۔ (بخاری مسلم) مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ نے حضور ﷺ سے وحی کی کیفیت پوچھی تو آپ نے فرمایا میں ایک زنجیر کی سی گھڑگھڑاہٹ سنتا ہوں پھر کان لگالیتا ہوں ایسی وحی میں مجھ پر اتنی شدت ہوتی ہے کہ ہر مرتبہ اپنی روح نکل جانے کا گمان ہوتا ہے۔ شرح صحیح بخاری کے شروع میں ہم کیفیت وحی پر مفصل کلام کر چکے ہیں۔ فالحمد للہ۔

پھر فرماتا ہے کہ زمین و آسمان کی تمام مخلوق اس کی غلام ہے۔ اس کی ملکیت ہے۔ اسکے دباؤ تلے اور اس کے سامنے عاجز و مجبور ہے۔ وہ بلندیوں والا اور بڑائیوں والا ہے۔ وہ بہت بڑا اور بہت بلند ہے۔ وہ اونچائی والا اور کبریائی والا ہے۔ اس کی عظمت و جلالت کا یہ حال ہے کہ قریب ہے آسمان پھٹ پڑیں۔ فرشتے اس کی عظمت سے کپکپائے ہوئے اس کی پاکی اور تعریف بیان کرتے رہتے ہیں اور زمین والوں کے لئے مغفرت تلاش کرتے رہتے ہیں۔ جیسے اور جگہ ارشاد ہے ﴿اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ

﴿ الْعَرْشَ وَ مَنْ حَوْلَهُ ﴾ یعنی حاملان عرش اور اس کے قرب و جوار کے فرشتے اپنے ربّ کی تسبیح اور حمد بیان کرتے رہتے ہیں اس پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان والوں کیلئے استغفار کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! تو نے اپنی رحمت و علم سے ہر چیز کو گھیر رکھا ہے پس تو انہیں بخش دے جنھوں نے توبہ کی ہے اور تیرے راستے کے تابع ہیں انہیں عذاب جہنم سے بھی بچالے۔ پھر فرمایا کہ جان لو اللہ غفور و رحیم ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ مشرکوں کے اعمال کی دیکھ بھال میں آپ کر رہا ہوں انہیں خود ہی پورا پورا بدلہ دوں گا۔ تیرا کام صرف انہیں آگاہ کر دینا ہے۔ تو کچھ ان پر داروغہ نہیں۔

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ ۷ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَاۗءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ وَالظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۸

اسی طرح ہم نے تیری طرف عربی قرآن کی وحی کی ہے اس لئے کہ تو مکہ والوں کو اور اس کے آس پاس کے لوگوں کو آگاہ کر دے اور جمع ہو چکنے دن سے جسکے آنے میں کوئی شک نہیں ڈرا دے۔ ایک گروہ جنت میں ہو گا اور ایک جہنم میں ہو گا۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان سب کو ایک ہی طریقے کا بنا دیتا لیکن وہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کر لیتا ہے۔ ظالموں کا حامی اور مددگار کوئی نہیں۔

مکہ مکرمہ کی فضیلت اور قیامت کا اجتماع: یعنی جس طرح اے نبی آخر الزمان تم سے پہلی انبیاء پر وحی الٰہی آتی رہی تم پر بھی یہ قرآن وحی کے ذریعہ نازل کیا گیا ہے یہ عربی زبان میں بہت واضح بالکل کھلا ہوا اور سلجھے ہوئے بیان والا ہے تاکہ تو شہر مکہ کے رہنے والوں کو اللہ کے احکام اور اللہ کے عذابوں سے آگاہ کر دے۔ نیز تمام اطراف عالم کے آس پاس سے مراد مشرق مغربّ کی ہر سمت پر مکہ مکرمہ کو اُمّ القریٰ اس لئے کہا گیا ہے کہ یہ تمام شہروں سے افضل و بہتر ہے اس کے دلائل بہت سارے ہیں جو اپنی اپنی جگہ مذکور ہیں۔ ہاں یہاں پر ایک دلیل جو مختصر بھی ہے اور صاف بھی ہے سن لیجئے۔ ترمذی/نسائی ابن ماجہ/مسند احمد وغیرہ میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عدی بن حمراء زہری فرماتے ہیں کہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے سنا آپ ﷺ مکہ مکرمہ کے بازار حزورہ میں کھڑے ہوئے فرما رہے تھے کہ اے مکہ قسم ہے اللہ کی تو اللہ کی ساری زمین سے اللہ کے نزدیک زیادہ محبوب اور زیادہ افضل ہے اگر میں تجھ میں سے نہ نکالا جاتا تو قسم ہے اللہ کی ہرگز تجھے نہ چھوڑتا۔

امام ترمذی اس حدیث کو حسن صحیح فرماتے ہیں اور اس لئے کہ تو قیامت کے دن سے سب کو ڈرا دے جس دن تمام اوّل و آخر کے لوگ ایک میدان میں جمع ہوں گے۔ جس دن کے آنے میں کوئی شک شبہ نہیں۔ جس دن کچھ لوگ جنّتی ہوں گے اور کچھ جہنمی یہ وہ دن ہو گا کہ جنّتی نفع میں رہیں گے اور جہنمی گھاٹے میں۔

دوسری آیت میں فرمایا گیا ہے ﴿ ذٰلِکَ یَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ لَّهُ النَّاسُ ﴾ یعنی ان واقعات میں اس شخص کے لئے بڑی عبرت ہے جو آخرت کے عذاب سے ڈرتا ہو۔ آخرت کا وہ دن ہے جس میں تمام لوگ جمع کئے جائیں گے اور وہ سب کی حاضری کا دن ہے ہم تو اسے تھوڑی سے مدت معلوم کیلئے موخر کئے ہوئے ہیں اس دن کوئی شخص بغیر اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بات تک نہ کر سکے گا پھر ان میں سے بعض تو بد قسمت ہوں گے اور بعض خوش نصیب۔

مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہؓ کے پاس ایک مرتبہ دو کتابیں دونوں ہاتھوں میں لے کر آئے اور ہم سے پوچھا جانتے ہو یہ کیا ہے؟ ہم نے کہا ہمیں تو خبر نہیں آپ فرمائیے۔ آپ نے اپنی داہنے ہاتھ کی کتاب کی طرف اشارہ کر کے فرمایا یہ ربُّ العالمین کی کتاب ہے جس میں جنتیوں کے نام ہیں مع ان کے والد کے اور ان کے قبیلے کے نام کے اور آخر میں حساب کر کے میزان لگا دی گئی ہے اب ان میں نہ ایک بڑھے نہ ایک گھٹے۔ پھر اپنے بائیں ہاتھ کی کتاب کی طرف اشارہ کر کے فرمایا یہ دوزخیوں کے ناموں کا رجسٹر ہے ان کے نام ان کی ولدیت اور ان کی قوم سب اس میں لکھی ہوئی ہے پھر آخر میں میزان لگا دی گئی ہے۔ ان میں بھی کمی بیشی ناممکن ہے۔ صحابہؓ نے پوچھا پھر ہمیں عمل کی کیا ضرورت ہے؟ جبکہ سب لکھا جا چکا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ٹھیک ٹھاک رہو۔ بھلائی کی نزدیکی لئے رہو۔ اہل جنت کا خاتمہ نیکیوں اور بھلے احوال پر ہی ہو گا۔ گو وہ کیسے ہی اعمال کرتا ہو۔ اور اہل نار کا خاتمہ جہنمی اعمال پر ہی ہو گا گو وہ کیسے ہی کاموں کا مرتکب رہا ہو۔ پھر آپ نے اپنی دونوں مٹھیاں بند کر لیں اور فرمایا تمہارا رب عزوجل بندوں کے فیصلوں سے فراغت حاصل کر چکا ہے۔ ایک فرقہ جنت میں ہے اور ایک جہنم میں اس کے ساتھ ہی آپ نے اپنے دائیں بائیں ہاتھوں سے اشارہ کیا۔ گویا کوئی چیز پھینک رہے ہیں۔

یہ حدیث ترمذی اور نسائی میں ہے۔ بقول حضرت امام ترمذیؒ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔ یہی حدیث اور کتابوں میں بھی ہے۔

کسی میں یہ بھی ہے کہ تمام عدل ہی عدل ہے حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے جب آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور ان کی تمام اولاد ان میں سے نکالی اور چیونٹیوں کی طرح وہ میدان میں پھیل گئی تو اسے اپنی دونوں مٹھیوں میں لے لیا اور فرمایا ایک حصہ نیکوں کا دوسرا بدوں کا۔

پھر انہیں پھیلا دیا دوبارہ انہیں سمیٹ لیا اور اسی طرح اپنی مٹھیوں میں لے کر فرمایا ایک حصہ جنتی اور دوسرا جہنمی۔ یہ روایت موقوف ہی ٹھیک ہے۔ واللہ اعلم۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ حضرت ابو عبداللہ نامی صحابی بیمار تھے ہم لوگ ان کی بیمار پرسی کیلئے گئے دیکھا کہ رو رہے ہیں۔ تو کہا کہ آپ کیوں روتے ہیں؟ آپ سے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اپنی مونچھیں کم رکھا کرو یہاں تک کہ مجھ سے ملو۔ اس پر صحابی نے فرمایا یہ تو ٹھیک ہے لیکن مجھے تو حدیث رلا رہی ہے کہ میں نے حضور ﷺ سے سنا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی دائیں مٹھی میں مخلوق لی اور اسی طرح دوسرے ہاتھ کی مٹھی میں بھی اور فرمایا یہ لوگ اس کیلئے ہیں یعنی جنت کیلئے اور یہ اس کیلئے ہیں یعنی جہنم کیلئے اور مجھے کچھ پرواہ نہیں۔

پس مجھے خبر نہیں کہ اللہ کی کس مٹھی میں میں تھا۔ اس طرح کی اثبات تقدیر کی اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں۔ پھر فرماتا ہے اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو سب کو ایک ہی طریقے پر کر دیتا یعنی یا تو ہدایت پر یا گمراہی پر لیکن رب تعالیٰ نے ان میں تفاوت رکھا بعض کو حق کی ہدایت کی اور بعض کو اس سے بھلا دیا۔ اپنی حکمت کو وہی جانتا ہے۔ وہ جسے چاہے اپنی رحمت تلے کھڑا کر لے ظالموں کا حمایتی اور مددگار کوئی نہیں۔

ابن جریر میں ہے اللہ تعالیٰ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی اے میرے رب تو نے اپنی مخلوق کو پیدا کیا۔ پھر تو ان میں سے کچھ کو تو جنت میں لے جائیگا اور کچھ اوروں کو جہنم میں کیا اچھا ہوتا کہ سب ہی جنت میں جاتے۔ جناب باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا موسیٰ! اپنا پیرہن اونچا کرو۔ آپ نے اونچا کیا۔ پھر فرمایا اور اونچا کرو۔ آپ نے اور اونچا کیا۔ فرمایا اور اوپر کو اٹھاؤ۔ جواب دیا اے اللہ اب تو سارے جسم سے اونچا کر لیا بجز اس جگہ کے جس کے اوپر سے ہٹانے میں خیر نہیں۔ فرمایا پس اسی طرح میں بھی اپنی تمام مخلوق کو جنت میں داخل کروں گا بجز ان کے جو بالکل ہی خیر سے خالی ہیں۔

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ ۚ فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُـحْيِ الْمَوْتٰى ۡ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبِّيْ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ڰ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ۝ فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّمِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا ۚ يَذْرَؤُكُمْ فِيْهِ ۭ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيَقْدِرُ ۭ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

کیاان لوگوں نے اللہ کے سوااور کارساز بنالئے ہیں۔ حقیقتاً تو اللہ ہی کارساز ہے۔ وہی مردوں کو زندہ کرے گا اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔ اور جس جس چیز میں تمہارا اختلاف ہو اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہے۔ یہی اللہ میرا پالنے والا ہے جس پر میں نے بھروسہ کر رکھا ہے اور جس کی طرف میں جھکتا ہوں۔ وہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنیوالا ہے۔ اس نے تمہارے لئے تمہاری جنس کے جوڑے بنا دیئے ہیں اور چوپایوں کے جوڑے بنائے ہیں۔ تمہیں وہ اس میں پھیلا رہا ہے۔ اس جیسی کوئی چیز نہیں۔ وہ سنتا دیکھتا ہے۔ آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اسی کی ہیں۔ جسکی چاہے روزی کشادہ کردے اور تنگ کردے۔ یقیناً وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

خالق اور معبود وہی ہے: اللہ تعالیٰ مشرکین کے اس مشرکانہ فعل کی قباحت بیان فرماتا ہے جو وہ اللہ کے ساتھ شریک کیا کرتے تھے اور دوسروں کی پرستش کرتے تھے اور بیان فرماتا ہے کہ سچا ولی اور حقیقی کارساز تو میں ہوں۔ مردوں کا جلانا میری صفت ہے۔ ہر چیز پر قابو اور قدرت رکھنا میرا وصف ہے۔ پھر میرے سوا اور کی عبادت کیسی؟ پھر فرماتا ہے جس کسی امر میں تم میں اختلاف رونما ہو جائے اس کا فیصلہ اللہ کی طرف لے جاؤ۔ یعنی تمام دینی اور دنیوی اختلاف کے فیصلے کی چیز کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کو مانو۔ جیسے فرمان عالی شان ہے ﴿ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ ﴾ اگر تم میں کوئی جھگڑا ہو تو اسے اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول ﷺ کی طرف لوٹا لے جاؤ پھر فرماتا ہے کہ وہ اللہ جو ہر چیز پر حاکم ہے وہی میرا رب ہے۔ میرا توکل اسی پر ہے اور میں اپنے تمام کام اسی پر سونپتا ہوں اور ہر وقت اسی کی جانب رجوع کرتا ہوں۔ وہ آسمان و زمین اور اس کے درمیان کی کل مخلوق کا خالق ہے۔ اس کا احسان دیکھو کہ اس نے تمہاری ہی جنس اور تمہاری ہی شکل کے تمہارے جوڑے بنا دیئے۔ یعنی مرد و عورت اور چوپایوں کے بھی جوڑے پیدا کئے جو آٹھ ہیں۔ وہ اسی پیدائش میں تمہیں پیدا کرتا ہے۔ یعنی اسی صفت پر یعنی جوڑ جوڑ پیدا کرتا جا رہا ہے نسلیں کی نسلیں پھیلا دیں۔ قرنوں گزر گئے اور سلسلہ اسی طرح چلا آ رہا ہے ادھر انسانوں کا ادھر جانوروں کا۔ بغوی ؒ فرماتے ہیں مراد رحم میں پیدا کرنا ہے۔ بعض کہتے ہیں پیٹ میں۔ بعض کہتے ہیں اسی طریق پر پھیلانا ہے۔ حضرت مجاہد ؒ فرماتے ہیں نسلیں پھیلانی مراد ہے۔

بعض کہتے ہیں یہاں ﴿فیه﴾ معنی میں ﴿به﴾ کے ہے یعنی مرد اور عورت کے جوڑے سے نسل انسانی کو وہ پھیلا اور پیدا کر رہا ہے۔ حق یہ ہے کہ خالق جیسا کوئی اور نہیں۔ وہ فرد و صمد ہے۔ وہ بے نظیر ہے۔ وہ سمیع و بصیر ہے۔ آسمان و زمین کی کنجیاں اسی کے ہاتھوں میں ہیں۔

سورہ زمر میں اس کی تفسیر گزر چکی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ سارے عالم کا متصرف مالک حاکم وہی یکتا لاشریک ہے جسے چاہے کشادہ روزی دے۔ جس پر چاہے تنگی کر دے اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ کسی حالت میں وہ کسی پر ظلم کرنے والا نہیں اس کا وسیع علم ساری مخلوق کو گھیرے ہوئے ہے۔

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ۭ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ۭ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ﴿۱۳﴾ وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۱۴﴾

اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے وہی شریعت مقرر کر دی ہے جس کے قائم کرنے کا اس نے نوح علیہ السلام کو حکم دیا تھا اور جو بذریعہ وحی کے ہم نے تیری طرف بھی بھیج دی ہے اور جس کا تاکیدی حکم ہم نے ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کو دیا تھا کہ اس دین کو قائم رکھنا اور اس میں پھوٹ نہ ڈالنا۔ جس چیز کی طرف تو انہیں بلا رہا ہے وہ تو ان مشرکین پر بڑی گراں گزرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنا برگزیدہ بنالے اور جو بھی اس کی طرف رجوع کرے وہ اس کی صحیح رہنمائی کرتا ہے۔ ان لوگوں نے اپنے پاس علم آ جانے کے بعد ہی اختلاف کیا اور وہ بھی باہمی ضد بحث سے ہی۔ اور اگر تیرے رب کی بات ایک وقت مقرر تک کیلئے پہلے ہی سے قرار پا گئی ہوئی نہ ہوتی تو یقیناً ان کا فیصلہ ہو چکا ہوتا۔ اور جن لوگوں کو ان کے بعد کتاب دی گئی ہے وہ بھی اس کی طرف سے شک اور تردد میں پڑے ہوئے ہیں۔

تمام انبیاء کی مشترکہ دعوت توحید: اللہ تعالیٰ نے جو انعام اس اُمت پر کیا ہے اس کا ذکر یہاں فرماتا ہے کہ تمہارے لئے جو شرع مقرر کی ہے وہ وہ ہے جو حضرت آدم علیہ السلام کے بعد دنیا کے سب سے پہلے پیغمبر اور دنیا کے سب سے آخری پیغمبر اور ان کے درمیان اولوالعزم پیغمبروں کی تھی۔

پس یہاں جن پانچ پیغمبروں کا ذکر ہوا ہے انہیں پانچ کا ذکر سورہ احزاب میں بھی کیا گیا ہے فرمایا ﴿وَ اِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ﴾ وہ دین جو تمام انبیاء کا مشترک طور پر ہے وہ اللہ واحد کی عبادت ہے۔ جیسے اللہ جل وعلا کا فرمان ہے ﴿وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ﴾ یعنی تجھ سے پہلے جتنے بھی رسول آئے ہیں ان سب کی طرف ہم نے یہی وحی کی ہے کہ معبود میرے سوا کوئی نہیں۔ پس تم سب میری ہی عبادت کرتے رہو۔ حدیث میں ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی جماعت آپس میں علاتی بھائیوں کی طرح ہیں۔ ہم سب کا دین ایک ہی ہے۔ جیسے علاتی بھائیوں کا باپ ایک ہوتا ہے۔

الغرض احکام شرع میں گو جزوی اختلاف ہو لیکن اصولی طور پر دین ایک ہی ہے اور وہ توحید باری تعالیٰ عزاسمہ ہے۔

فرمان الٰہی ہے ﴿ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَ مِنْهَاجًا ﴾ تم میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے شریعت و راہ بنا دی ہے۔ یہاں اس وحی کی تفصیل یوں بیان ہو رہی ہے کہ دین کو قائم رکھو۔ جماعت بندی کے ساتھ اتفاق سے رہو۔ اختلاف اور پھوٹ نہ کرو۔ پھر فرماتا ہے یہی توحید کی صدائیں ان مشرکوں کو ناگوار گزرتی ہیں۔ حق یہ ہے کہ ہدایت اللہ کے ہاتھ ہے جو مستحق ہدایت ہوتا ہے وہ رب کی طرف رجوع کرتا ہے اور اللہ اس کا ہاتھ تھام کر ہدایت کے راستے پر لا کھڑا کرتا ہے۔ اور جو از خود برے راستے کو اختیار کر لیتا ہے اور صاف راہ چھوڑ دیتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس کے ماتھے پر ضلالت لکھ دیتا ہے جب ان کے پاس حق آ گیا۔ حجت ان پر قائم ہو چکی۔ اس وقت آپس کی ضد بحث کی بنا پر آپس میں مختلف ہوئے۔ اگر قیامت کا دن حساب کتاب جزا سزا کیلئے مقرر شدہ نہ ہوتا۔ تو ان کے ہر بد عمل کی سزا انہیں یہیں اسی وقت مل جایا کرتی۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ پچھلے جو پہلوں سے کتابیں پائے ہوئے ہیں یہ صرف تقلیدی طور پر مانتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ مقلد کا ایمان شک شبہ سے خالی نہیں ہوتا۔ انہیں خود یقین نہیں دلیل و حجت کی بنا پر ان کا ایمان نہیں۔ بلکہ یہ اپنے اگلوں کے جو حق کے جھٹلانے والے تھے مقلد ہیں۔

فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ؕ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ؕ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ؕ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ؕ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ؕ﴿۱۵﴾

پس تو لوگوں کو اسی طرف بلاتا رہ اور جو کچھ تجھ سے کہا گیا ہے اس پر مضبوطی سے جم جا اور ان کی خواہشوں پر نہ چل۔ اور کہہ دے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنی کتابیں نازل فرمائی ہیں میرا ان پر ایمان ہے۔ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تم میں انصاف کرتا رہوں۔ ہمارا اور تم سب کا پروردگار اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ ہمارے اعمال ہمارے لئے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لئے ہیں۔ ہم تم میں کوئی گفتگو نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو جمع کرے گا۔ اور اسی کی طرف لوٹنا ہے۔

دس مستقل کلمے: اس آیت میں ایک لطیفہ ہے جو قرآن کریم کی صرف ایک اور آیت میں پایا جاتا ہے باقی کسی اور آیت میں نہیں۔ وہ یہ کہ اس میں دس کلمے ہیں جو سب مستقل ہیں۔ الگ الگ ایک ایک کلمہ اپنی ذات میں ایک مستقل حکم ہے یہی بات دوسری آیت یعنی آیت الکرسی میں بھی ہے۔ پس

ا۔ پہلا حکم تو یہ ہوتا ہے کہ وحی تجھ پر نازل کی گئی ہے اور وہی وحی تجھ سے پہلے کے تمام انبیاء پر آتی رہی ہے اور جو شرع تیرے لئے مقرر کی گئی ہے اور وہی تجھ سے اگلے تمام انبیاء کرام کیلئے بھی مقرر کی گئی تھی۔ تو تمام لوگوں کو اس کی دعوت دے۔ ہر ایک کو اسی کی طرف بلا اور اس کے منوانے اور پھیلانے کی کوشش میں لگا رہ۔

۲۔ اور اللہ تعالیٰ کی عبادت و وحدانیت پر تو آپ استقامت کر اور اپنے ماننے والوں سے استقامت کرا۔

۳۔ مشرکین نے جو کچھ اختلاف کر رکھے ہیں جو تکذیب و افترا ان کا شیوہ ہے جو عبادت غیر اللہ ان کی عادت ہے۔ خبردار تو ہرگز ہرگز ان کی خواہشوں اور ان کی چاہتوں میں نہ آنا ان کی ایک بھی نہ ماننا

۴۔ اور علی الاعلان اپنے اس عقیدے کی تبلیغ کر کہ اللہ کی نازل کردہ تمام کتابوں پر میرا ایمان ہے۔ میرا یہ کام نہیں کہ ایک کو مانوں اور دوسری سے انکار کروں ایک کو لوں اور ایک کو چھوڑوں۔

۵۔ میں تم میں وہی احکام جاری کرنا چاہتا ہوں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے میرے پاس پہنچائے گئے ہیں اور جو سراسر عدل اور یکسر انصاف پر مبنی ہیں۔
۶۔ معبود برحق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ ہمارا تمہارا معبود برحق وہی ہے اور وہی سب کا پالنہار ہے۔ گو کوئی اپنی خوشی سے اس کے سامنے نہ جھکے لیکن دراصل ہر شخص بلکہ ہر چیز اس کے آگے جھکی ہوئی ہے اور سجدے میں پڑی ہوئی ہے۔
۷۔ ہمارے عمل ہمارے ساتھ تمہاری کرنی تمہیں بھرنی۔ ہم تم میں کوئی تعلق نہیں۔ جیسے اور آیت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا ہے اگر تجھے جھٹلائیں تو تو کہہ دے کہ میرے لئے میرے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال ہیں۔ تم میرے اعمال سے بری اور میں تمہارے اعمال سے بری اور میں تمہارے اعمال سے بیزار
۸۔ ہم تم میں کوئی خصومت اور جھگڑا نہیں کسی بحث مباحثے کی ضرورت نہیں۔ حضرت سدیؒ فرماتے ہیں یہ حکم تو مکہ میں تھا لیکن مدینہ میں جہاد کے احکام اترے ممکن ہے ایسا ہی ہو کیونکہ یہ آیت مکیہ ہے اور جہاد کی آیتیں ہجرت کے بعد کی ہیں۔
۹۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہم سب کو جمع کرے گا جیسے اور آیت میں ہے ﴿قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا﴾ یعنی تو کہہ دے کہ ہمیں ہمارا رب جمع کریگا پھر ہم میں حق کے ساتھ فیصلے کرے گا۔ اور وہی فیصلے کرنے والا اور علم والا ہے۔
۱۰۔ پھر فرماتا ہے لوٹنا اللہ ہی کی طرف ہے۔

وَالَّذِيْنَ يُحَآجُّوْنَ فِي اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مَا اسْتُجِيْبَ لَهٗ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ﴿۱۶﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِيْزَانَ ؕ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيْبٌ ﴿۱۷﴾ يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا ۚ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا ۙ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ ؕ اَلَآ اِنَّ الَّذِيْنَ يُمَارُوْنَ فِي السَّاعَةِ لَفِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۱۸﴾

جو لوگ اللہ تعالیٰ کی باتوں میں جھگڑے ڈالتے ہیں اس کے بعد کہ مخلوق اسے مان چکی ان کی کٹ حجتی اللہ کے نزدیک باطل ہے اور ان پر غضب ہے اور ان کے لئے سخت مار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حق کے ساتھ کتاب نازل فرمائی ہے اور ترازو بھی اتاری ہے۔ اور تجھے کیا خبر شاید قیامت قریب ہی ہو۔ اس کی جلدی انہیں پڑی ہے جو اسے نہیں مانتے اور جو اس پر یقین رکھتے ہیں وہ تو اس سے لرزاں و ترساں ہیں انہیں اس کے حق ہونے کا پورا علم ہے۔ یاد رکھو جو لوگ قیامت کے معاملہ میں لڑ جھگڑ رہے ہیں وہ دور کی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔

مسلمان قیامت سے خوف زدہ ہیں: اللہ تبارک وتعالیٰ ان لوگوں کو ڈراتا ہے جو ایمان داروں سے فضول حجتیں کیا کرتے ہیں۔ انہیں راہ ہدایت سے بہکانا چاہتے ہیں۔ اور دین اللہ میں جھگڑے نکالتے ہیں۔ ان کی حجت باطل ہے ان پر رب غضبناک ہے اور انہیں قیامت کے روز سخت ناقابل برداشت مار ماری جائے گی۔ ان کی طمع پوری ہونی یعنی مسلمانوں میں پھر دوبارہ جاہلیت کی خوبو آنی محال ہے۔ ٹھیک اسی طرح یہود ونصاریٰ کا بھی جادو نہیں چلنے دیگا۔ ناممکن ہے کہ مسلمان ان کے موجودہ دین کو اپنے سچے اصلی اور بے ملونی کے دین پر ترجیح دیں اور اس دین کو لیں جس میں جھوٹ ملا ہوا ہے جو محرف ومبدل ہے۔ پھر

فرماتا ہے اللہ تعالیٰ نے حق کے ساتھ کتاب نازل فرمائی اور عدل وانصاف اتارا۔ جیسے فرمان باری تعالیٰ ہے ﴿ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ ﴾ یعنی ہم نے اپنے رسولوں کو ظاہر دلیلوں کے ساتھ بھیجا اور ان کے ہمراہ کتاب اور میزان اتارا تا کہ لوگ انصاف پر قائم ہو جائیں۔ اور آیت میں ہے ﴿ وَ السَّمَآءَ رَفَعَهَا ﴾ یعنی آسمان کو اسی نے اونچا کیا اور ترازو کو اسی نے رکھا تا کہ تم تولنے میں کمی بیشی نہ کرو۔ اور انصاف کے ساتھ وزن کو ٹھیک رکھو اور تول کو مت گھٹاؤ۔ پھر فرماتا ہے کہ تو نہیں جان سکتا کہ قیامت بالکل قریب ہے۔ اس میں خوف اور لالچ دونوں ہی ہیں۔ اور اس میں دنیا سے بے رغبت کرنا بھی مقصود ہے۔ پھر فرمایا اس کے منکر تو جلدی مچارہے ہیں کہ قیامت کیوں نہیں آتی؟ وہ کہتے ہیں کہ اگر سچے ہو تو قیامت قائم کردو کیونکہ ان کے نزدیک قیامت کا ہونا محال ہے۔ لیکن ان کے برخلاف ایماندار اس سے کانپ رہے ہیں۔ کیونکہ ان کا عقیدہ ہے کہ روز جزا کا آنا ضروری اور حتمی ہے یہ اس سے ڈر کر وہ اعمال بجالا رہے ہیں جو انہیں اس روز کام دیں۔ ایک بالکل صحیح حدیث میں ہے جو تقریباً تواتر کے درجے کو پہنچی ہوئی ہے کہ ایک شخص نے بلند آواز سے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ یارسول اللہ ﷺ قیامت کب ہوگی؟ یہ واقعہ سفر کا ہے وہ حضرت ﷺ سے کچھ دور تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں ہاں وہ یقیناً آنے والی ہے تو بتا کہ تو نے اسکے لئے کیا تیاری کر رکھی ہے؟ اس نے کہا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی محبت۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو ان کے ساتھ ہوگا جن سے تو محبت رکھتا ہے۔ اور حدیث میں حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ ہر شخص اس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت رکھتا تھا۔ یہ حدیث یقیناً متواتر ہے۔ الغرض حضور نے اس سوال کے جواب میں قیامت کے وقت کی تعیین نہیں کی۔ بلکہ سائل کو اس دن کے لئے تیاری کرنے کو فرمایا۔ پس قیامت کے آنے کے وقت کا علم بجز اللہ تعالیٰ کے کسی اور کو نہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ قیامت کے آنے میں جو لوگ جھگڑ رہے ہیں اور اس کے منکر ہیں اسے محال جانتے ہیں وہ نرے جاہل ہیں۔ سچی سمجھ صحیح عقل سے دور پڑے ہوئے ہیں۔ سیدھے راستے سے بھٹک کر بہت دور نکل گئے ہیں۔ تعجب ہے کہ زمین وآسمان کا ابتدائی خالق اللہ تعالیٰ کو مانیں اور انسان کو مار ڈالنے کے بعد دوبارہ زندہ کردینے پر اسے قادر نہ جانیں جس نے بغیر کسی نمونے کے اور بغیر کسی جز کے ابتداءً اسے پیدا کردیا تو دوبارہ جب کہ اس کے اجزاء بھی کسی نہ کسی صورت میں کچھ نہ کچھ موجود ہیں اسے پیدا کرنا اس پر کیا مشکل ہے۔ بلکہ عقل سلیم بھی تسلیم کرتی ہے کہ اب تو اور بھی آسان ہے۔

اَللّٰهُ لَطِيْفٌۢ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ﴿۱۹﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ﴿۲۰﴾ اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ۚ وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۗ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۱﴾ تَرَى الظّٰلِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا كَسَبُوْا وَهُوَ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ ۚ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۗ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ﴿۲۲﴾

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑے ہی لطف کرنیوالا ہے جسے چاہتا ہے کشادہ روزی دیتا ہے۔ وہ بڑی طاقت اور بڑے غلبہ والا ہے۔ جس کا ارادہ

آخرت کی کھیتی کا ہو ہم اسے اس کی کھیتی میں اور ترقی دیں گے اور جو دنیا کی کھیتی کی طلب رکھتا ہو ہم اسے اس میں سے ہی کچھ دے دیں گے۔ ایسے شخص کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ کیا ان لوگوں نے ایسے اللہ کے شریک مقرر کر رکھے ہیں جنہوں نے ایسے احکام دین مقرر کر دیئے ہیں جو اللہ کے فرمائے ہوئے نہیں ہیں۔ اگر فیصلے کے دن کا وعدہ نہ ہوتا تو (ابھی ہی) ان میں فیصلہ کر دیا جاتا۔ یقیناً ان ظالموں کے لئے ہی دردناک عذاب ہیں۔ تو دیکھے گا کہ یہ ظالم اپنے اعمال سے ڈر رہے ہوں گے جو یقیناً ان پر واقع ہونے والے ہیں۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کئے وہ بہشتوں کے باغات میں ہوں گے۔ وہ جو چاہت کریں اپنے رب کے پاس موجود پائیں گے یہی ہے بڑا فضل۔

آخرت کا طالب اور دنیا کا طالب: اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ وہ اپنے بندوں پر بڑا مہربان ہے۔ ایک کو دوسرے کے ہاتھ روزی پہنچا رہا ہے۔ ایک بھی نہیں جسے اللہ تعالیٰ بھول جائے نیک بد ہر ایک اس کے ہاں کا وظیفہ خوار ہے جیسے فرمایا ﴿ وَ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا ﴾ زمین پر چلنے والے تمام جانداروں کی روزیوں کا ذمہ دار اللہ تعالیٰ ہے۔ وہ ہر ایک کی رہنے سہنے کی جگہ کو بخوبی جانتا ہے اور سب کچھ لوح محفوظ میں لکھا ہوا بھی ہے وہ جس کے لئے چاہتا ہے کشادہ روزی مقرر کرتا ہے وہ طاقتور غالب ہے جسے کوئی چیز مغلوب نہیں کر سکتی۔ پھر فرماتا ہے جو آخرت کے اعمال کی طرف توجہ کرتا ہے ہم خود اس کی مدد کرتے ہیں۔ اسے قوت طاقت دیتے ہیں۔ اس کی نیکیاں بڑھاتے رہتے ہیں۔ کسی نیکی کو دس گنی کر دیتے ہیں۔ کسی کو سات سو گنی کسی کو اس سے بھی زیادہ۔ الغرض آخرت کی چاہت جس دل میں ہوتی ہے۔ اس شخص کو نیک اعمال کی توفیق اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا فرمائی جاتی ہے اور جس کی تمام کوشش دنیا حاصل کرنے کی ہوتی ہے آخرت کی طرف اس کی توجہ نہیں ہوتی تو وہ دونوں جہان سے محروم رہتا ہے۔ دنیا کا ملنا اللہ تعالیٰ کے ارادے پر موقوف ہے ممکن ہے وہ ہزاروں جتن کرے اور دنیا سے بھی محروم رہ جائے۔ بدنیتی کے باعث عقبیٰ تو برباد کر ہی چکا تھا دنیا بھی نہ ملی تو دونوں جہان سے گیا گزرا۔ اور اگر تھوڑی سی دنیا مل بھی گئی تو کیا۔

چنانچہ دوسری آیت میں اس مضمون کو مقید بیان کیا گیا ہے فرمان ہے ﴿ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ﴾ یعنی جو شخص دنیا طلب ہو گا ایسوں میں سے ہم جسے چاہیں اور جتنا چاہیں دے دیں گے پھر اس کے لئے جہنم تجویز کریں گے جس میں وہ بدحال اور راندہ درگاہ ہو کر داخل ہو گا اور جو آخرت کی طلب کرے گا اور اس کے لئے جو کوشش کرنی چاہیے کرے گا اور ہو گا بھی وہ باایمان تو ناممکن ہے کہ ایسوں کی کوشش کی قدردانی نہ کی جائے دنیوی بخشش و عطا تو عام ہے اس سے ان کی ان کی سب کی امداد ہم کیا کرتے ہیں اور تیرے رب کی یہ دنیوی عطا کسی پر بند نہیں۔ خود دیکھ لو کہ ہم نے ایک کو دوسرے پر کس طرح فوقیت دے رکھی ہے۔ یقین مان لو کہ درجوں کے اعتبار سے بھی اور فضیلت کی حیثیت سے بھی آخرت بہت بڑی ہے۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ اس اُمت کو برتری اور بلندی کی نصرت اور سلطنت کی خوشخبری ہو۔ ان میں سے جو شخص دینی عمل دنیا کے لئے کرے گا۔ اسے آخرت میں کوئی حصہ نہ ملے گا۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ مشرکین دین اللہ تعالیٰ کی تو پیروی کرتے نہیں بلکہ جن شیاطین اور انسانوں کو انہوں نے اپنا بڑا سمجھ رکھا ہے۔ یہ جو احکام انہیں بتاتے ہیں یہ انہی احکام کے مجموعے کو دین سمجھتے ہیں۔ حلال و حرام اپنے ان بڑوں کے کہنے پر سمجھتے ہیں عبادتوں کے طریقے انہیں کے ایجاد کردہ ہیں جو یہ برت رہے ہیں۔ اسی طرح مال کے احکام بھی از خود تراشیدہ ہیں جنہیں شرعی سمجھ بیٹھے ہیں۔ چنانچہ جاہلیت میں بعض جانوروں کو انہوں نے از خود حرام کر لیا تھا۔ مثلاً وہ جانور جس کا کان چیر کر اپنے معبودان باطل کے نام پر چھوڑ دیتے تھے۔ اور داغ دے کر سانڈ چھوڑ دیتے تھے اور مادہ بچے کو حمل کی صورت میں ہی ان کے نام کر دیتے تھے۔ جس اونٹ سے دس بچے حاصل کر لیں اسے

ان کے نام چھوڑ دیتے تھے پھر انہیں ان کی تعظیم کے خیال سے اپنے اوپر حرام سمجھتے تھے۔ اور بعض چیزوں کو حلال کر لیا تھا جیسے مردار اور خون اور جوا۔ صحیح حدیث میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں میں نے عمرو بن لحی بن قمعہ کو دیکھا کہ وہ جہنم میں اپنی آنتیں گھسیٹ رہا تھا۔ یہی وہ شخص ہے جس نے سب سے پہلے غیر اللہ کے نام پر جانوروں کا چھوڑنا بتلایا۔ یہ شخص خزاعہ کے بادشاہوں میں سے ایک تھا۔ اسی نے سب سے پہلے ان کاموں کی ایجاد کی تھی جو جاہلیت کے عربوں میں مروج تھے۔ اسی نے قریشیوں کو بت پرستی میں ڈال دیا۔ اللہ تعالیٰ اس پر اپنی پھٹکار نازل فرمائے۔ فرماتا ہے کہ اگر میری یہ بات پہلے ہی سے میرے ہاں طے شدہ نہ ہوتی کہ میں گنہگاروں کو قیامت کے آنے تک ڈھیل دوں گا تو میں آج ہی ان کفار کو اپنے عذاب میں دھر گھسیٹتا۔ اب انہیں قیامت کے دن جہنم کے المناک اور بڑے سخت عذاب ہوں گے۔ میدان قیامت میں تم دیکھو گے کہ یہ ظالم لوگ اپنے کرتوتوں سے لرزاں وترساں ہوں گے۔ مارے خوف کے ترساں ہوں گے لیکن آج کوئی چیز نہ ہو گی جو انہیں بچا سکے۔ آج تو یہ اعمال کا مزہ چکھ کر ہی رہیں گے۔ ان کے بالکل برعکس ایماندار نیکو کار لوگوں کا حال ہو گا کہ وہ امن چین سے جنتوں کے باغات میں مزے کر رہے ہوں گے۔ ان کی ذلت رسوائی ڈر خوف ان کی عزت بڑائی امن چین کو خیال کر لو۔ وہ طرح طرح کی مصیبتوں تکلیفوں میں ہوں گے۔ یہ طرح طرح کی راحتوں اور لذتوں میں ہوں گے عمدہ بہترین غذائیں بہترین لباس بہترین مکانات بہترین بیویاں اور بہترین ساز و سامان انہیں ملے ہوں گے جن کا دیکھنا سننا تو کہاں کسی انسان کے ذہن اور تصور میں بھی یہ چیزیں نہیں آسکتیں۔ حضرت ابو طیبہ ؒ فرماتے ہیں جنتیوں کے سروں پر ابر آئے گا اور انہیں ندا ہو گی کہ بتلاؤ کس چیز کا برسنا چاہتے ہو؟ پس جو لوگ جس چیز کا برسانا چاہیں گے وہی چیز ان پر اس بادل سے برسے گی۔ یہاں تک کہ کہیں گے ہم پر ابھرے ہوئے سینے والی ہم عمر عورتیں برسائی جائیں۔ چنانچہ وہی برسیں گی۔ اسی لئے فرمایا کہ فضل کبیر یعنی زبردست کامیابی کامل نعمت یہی ہے۔

ذٰلِكَ الَّذِیْ یُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ قُلْ لَّاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی ؕ وَمَنْ یَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِیْهَا حُسْنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿۲۳﴾ اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا ۚ فَاِنْ یَّشَاِ اللّٰهُ یَخْتِمْ عَلٰی قَلْبِكَ ؕ وَیَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ وَیُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۲۴﴾

یہی وہ ہے جسکی بشارت اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دے رہا ہے جو ایمان لائے۔ اور سنت کے مطابق عمل کئے۔ تو کہدے کہ میں اس پر تم سے کوئی بدلہ نہیں چاہتا مگر محبت رشتہ داری کی۔ جو شخص کوئی نیکی کرے ہم اس کیلئے اس کی نیکی میں اور حسن بڑھا دیں گے۔ بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور بہت قدردان ہے۔ کیا یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر ﷺ نے اللہ پر جھوٹ افترا کر لیا ہے اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو تیرے دل پر مہر لگا دے۔ اللہ تعالیٰ اپنی باتوں سے جھوٹ کو مٹا دیتا ہے اور سچ کو ثابت رکھتا ہے۔ وہ سینے کی باتوں کو جاننے والا ہے۔

مودۃ فی القربیٰ کا مفہوم: اوپر کی آیتوں میں جنت کی نعمتوں کا ذکر کر کے بیان فرما رہا ہے کہ ایماندار نیک کار بندوں کو اس کی بشارت ہو۔ پھر اپنے نبی ﷺ سے فرماتا ہے کہ قریش کے ان مشرکین سے کہہ دو کہ اس تبلیغ پر اور اس تمہاری خیر خواہی پر میں تم سے کچھ طلب تو نہیں کر رہا۔ تمہاری بھلائی تو ایک طرف رہی تم اگر اپنی برائی سے ہی ٹل جاؤ اور مجھے ربّ کی رسالت پہنچانے دو اور قرابت داری کے رشتے کو سامنے رکھ کر میری ایذا رسانی سے ہی رک جاؤ تو یہی بہت ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ

حضرت ابن عباسؓ سے اس آیت کی تفسیر دریافت کی گئی تو حضرت سعید بن جبیرؒ نے کہا اس سے مراد قرابت آل محمد ﷺ ہے۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا تم نے عجلت سے کام لیا۔ سنو قریش کے جس قدر قبیلے تھے سب کے ساتھ حضور اکرم ﷺ کی رشتہ داری تھی تو مطلب یہ ہے کہ تم اس رشتے داری کا لحاظ رکھو جو مجھ میں اور تم میں ہے۔

حضرت مجاہدؒ حضرت عکرمہؒ حضرت قتادہؒ حضرت سدیؒ حضرت ابو مالکؒ حضرت عبدالرحمنؒ وغیرہ بھی اس آیت کی یہی تفسیر کرتے ہیں۔ طبرانی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کفار قریش سے کہا کہ میں تم سے اس کی کوئی اجرت طلب نہیں کرتا۔ مگر یہ کہ تم اس قرابت داری کا خیال رکھو جو مجھ میں اور تم میں ہے۔ اس میری قرابت کا حق جو تم پر ہے وہ ادا کرو۔

مسند احمد میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تمہیں جو دلیلیں دی ہیں جس ہدایت کا راستہ بتلایا ہے اس پر کوئی اجر تم سے نہیں چاہتا۔ سوائے اس کے کہ تم اللہ تعالیٰ کو چاہنے لگو اور اس کی اطاعت کی وجہ سے قرب اور نزدیکی حاصل کرلو۔ حضرت حسن بصریؒ سے بھی یہی تفسیر منقول ہے۔ تو یہ دوسرا قول ہوا۔ پہلا قول حضور ﷺ کا اپنی رشتہ داری کو یاد دلانا۔

دوسرا قول آپ کی یہ طلب کہ لوگ اللہ تعالیٰ کی نزدیکی حاصل کرلیں۔ تیسرا قول جو حضرت سعید بن جبیرؒ کی روایت سے گزرا کہ تم میری قرابت کے ساتھ احسان اور نیکی کرو۔ ابوالدیلم کا بیان ہے کہ جب حضرت علی بن حسینؒ کو قید کر کے لایا گیا اور دمشق کے بالاخانے میں رکھا گیا تو ایک شامی نے کہا اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے تمہیں قتل کرایا اور تمہارا ناس کرادیا اور فتنہ کی ترقی کو روک دیا۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا کیا تو نے قرآن بھی پڑھا ہے؟ اس نے کہا کیوں نہیں۔ فرمایا اس میں حم والی سورتیں بھی پڑھی ہیں؟ اس نے کہا واہ سارا قرآن پڑھ لیا اور حمٓ والی سورتیں نہیں پڑھیں؟ آپ نے فرمایا پھر کیا ان میں اس آیت کی تلاوت تو نے نہیں کی ﴿ قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِى الْقُرْبٰى ﴾ یعنی میں تم سے کوئی اجر طلب نہیں کرتا مگر محبت قرابت کی۔ اس نے کہا پھر کیا تم وہ ہو؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ حضرت عمرو بن شعیبؒ سے جب اس آیت کی تفسیر پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا مراد قرابت رسول ﷺ ہے۔

ابن جریر میں ہے کہ انصارؓ نے اپنی خدمات اسلام گنوائیں گویا فخر کے طور پر۔ اس پر ابن عباسؓ یا حضرت عباسؓ نے فرمایا ہم تم سے افضل ہیں۔ جب یہ خبر حضور ﷺ کو ملی تو آپ ﷺ ان کی مجلس میں آئے اور فرمایا انصاریو! کیا تم ذلت کی حالت میں نہ تھے؟ پھر اللہ نے تمہیں میری وجہ سے عزت بخشی انہوں نے کہا بے شک آپ ﷺ سچے ہیں۔ فرمایا کیا تم گمراہ نہ تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تمہیں میری وجہ سے ہدایت کی؟ انہوں نے کہا ہاں بے شک آپ ﷺ نے سچ فرمایا۔ پھر فرمایا اب تم مجھے کیوں نہیں کہتے؟ انہوں نے کہا کیا کہیں؟ فرمایا کیوں نہیں کہتے کہ کیا تیری قوم نے تجھے نکال نہیں دیا تھا؟ اس وقت ہم نے تجھے پناہ دی۔ کیا انہوں نے تجھے جھٹلایا نہ تھا۔ اس وقت ہم نے تیری تصدیق کی۔ کیا انھوں نے تجھے پست کرنا نہیں چاہا تھا اس وقت ہم نے تیری مدد کی؟ اسی طرح کی آپ ﷺ نے اور بھی بہت سی باتیں کہیں یہاں تک کہ انصارؓ اپنے گھٹنوں پر جھک پڑے اور انہوں نے کہا حضور ہماری اولادیں اور جو کچھ ہمارے پاس ہے سب اللہ تعالیٰ کا اور اس کے رسول ﷺ کے لئے ہے۔

پھر یہ آیت ﴿ قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ ﴾ نازل ہوئی۔ ابن ابی حاتم میں بھی اسی کے قریب ضعیف سند سے مروی ہے۔ بخاری مسلم میں یہ حدیث ہے اس میں ہے کہ یہ واقعہ حنین کی غنیمت کی تقسیم کے وقت پیش آیا تھا اور اس میں آیت کے اترنے کا بھی ذکر نہیں اور اس آیت کو مدینہ میں نازل شدہ ماننے میں بھی قدرے تامل ہے اس لئے کہ یہ سورہ مکیہ ہے۔ پھر جو واقعہ حدیث میں مذکور ہے اس واقعہ میں اور اس آیت میں کچھ ایسی زیادہ ظاہر مناسبت بھی نہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ لوگوں نے پوچھا اس

آیت سے کون لوگ مراد ہیں؟ جن کی محبت رکھنے کا ہمیں حکم باری ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا حضرت فاطمہ اور ان کی اولاد۔ لیکن اس کی سند ضعیف ہے اور اس کا راوی مبہم ہے جو معروف نہیں۔ پھر اس کا استاد ایک شیعہ ہے جو بالکل ثقاہت سے گرا ہوا ہے اس کا نام حسین اشقر ہے اس جیسی حدیث بھلا ان کی روایت سے کیسے مان لی جائی گی؟ پھر مدینے میں آیت کا نازل ہونا مستبعد ہے۔ حق یہ ہے کہ آیت مکیہ ہے اور مکہ مکرمہ میں حضرت فاطمہؓ کا عقد ہی نہ ہوا تھا اولاد کیسی؟ آپ کا عقد تو حضرت علیؓ کے ساتھ جنگ بدر کے بعد سنہ 2ھ میں ہوا۔ صحیح تفسیر اس کی وہی ہے جو حبر الامتہ ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے کی ہے جو بحوالہ بخاری پہلے گزر چکی۔ ہم اہل بیت کے ساتھ خیر خواہی کرنے کے منکر نہیں۔ ہم مانتے ہیں کہ ان کے ساتھ احسان و سلوک اور ان کا اکرام واحترام ضروری چیز ہے۔ روئے زمین پر ان سے زیادہ پاک اور صاف ستھرا گھرانا اور نہیں۔ حسب و نسب میں اور فخر ومباہات میں بلاشک یہ سب سے اعلیٰ ہیں۔ بالخصوص ان میں سے وہ جو متبع سنت نبی ہوں جیسے کہ اسلاف کی روش تھی یعنی حضرت عباس اور آل عباس اور حضرت علی اور آل علی کی رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے خطبے میں فرمایا ہے میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں کتاب اللہ اور میری عترت اور یہ دونوں جدا نہ ہوں گے جب تک کہ حوض پر میرے پاس نہ آ جائیں۔

مسند احمد میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب نے رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی کہ قریشی جب آپس میں ملتے ہیں تو بڑی خندہ پیشانی سے ملتے ہیں۔ لیکن ہم سے ہنسی خوشی کے ساتھ نہیں ملتے۔ یہ سن کر آپ ﷺ بہت رنجیدہ ہوئے اور فرمانے لگے اللہ کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے کسی کے دل میں ایمان داخل نہیں ہو سکتا جب تک وہ اللہ تعالیٰ کے لئے اور اس کے رسول کی وجہ سے تم سے محبت نہ رکھے۔

اور روایت میں ہے کہ حضرت عباسؓ نے کہا قریشی باتیں کرتے ہوتے ہیں ہمیں دیکھ کر چپ ہو جاتے ہیں۔ اسے سن کر مارے غصہ کے آپ ﷺ کی پیشانی پر بل پڑ گئے اور فرمایا واللہ کسی مسلمان کے دل میں ایمان جا گزیں نہیں ہو گا جب تک وہ اللہ تعالیٰ کے لئے اور میری قرابت داری کی وجہ سے محبت نہ رکھے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا لوگو! حضور ﷺ کا لحاظ حضور ﷺ کے اہل بیت میں رکھو۔ ایک اور صحیح روایت میں ہے کہ آپؓ نے حضرت علیؓ سے فرمایا اللہ کی قسم رسول اللہ ﷺ کے قرابت داروں سے سلوک کرنا مجھے اپنے قرابت داروں کے سلوک سے بھی پیارا ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت عباسؓ سے فرمایا واللہ تمہارا اسلام لانا مجھے اپنے والد خطاب کے اسلام لانے سے بھی زیادہ اچھا لگا۔ اس لئے کہ تمہارا اسلام حضور ﷺ کو خطاب کے اسلام سے زیادہ محبوب تھا۔ پس اسلام کے ان دو چمکتے ستاروں کا مسلمانوں کے ان دونوں سیدوں کا جو معاملہ آل رسول ﷺ اور اقربا پیغمبر ﷺ کے ساتھ تھا وہی عزت و محبت کا معاملہ مسلمانوں کو آپ ﷺ کے اہل بیت اور قرابت داروں سے رکھنا چاہیے۔ کیونکہ نبیوں اور رسولوں کے بعد تمام دنیا سے افضل یہی دونوں بزرگ خلیفہ رسول ﷺ تھے۔ پس مسلمانوں کو ان کی پیروی کر کے حضور ﷺ کے اہل بیت اور کنبے قبیلے کے ساتھ حسن عقیدت سے پیش آنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں خلیفہؓ سے اور اہل بیتؓ سے اور حضور ﷺ کے کل صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے خوش ہو جائے اور سب کو اپنی رضامندی میں لے لے۔

صحیح مسلم وغیرہ میں حدیث ہے کہ یزید بن حیان اور حصین بن میسرہ اور عمر بن مسلم حضرت زید بن ارقمؓ کے پاس گئے۔ حضرت حصینؓ نے کہا اے حضرت! آپ کو تو بڑی بڑی خیر و برکت مل گئی۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ﷺ کی باتیں اپنے کانوں سے سنیں آپ ﷺ کے ساتھ جہاد کئے۔ آپ ﷺ کے ساتھ

نمازیں پڑھیں۔ حق تو یہ ہے کہ بڑی بڑی فضیلتیں آپ نے سمیٹ لیں۔ اچھا اب کوئی حدیث ہمیں بھی تو سنائیے۔ اس پر حضرت زید ؓ نے فرمایا میرے بھتیجے سنو میری عمر اب بڑی ہو گئی۔ حضور ﷺ کی رحلت کو عرصہ گزر چکا بعض چیزیں ذہن میں محفوظ بھی نہیں رہیں۔ اب تو یہی رکھو جو از خود سنا دوں اسے مان لیا کرو ورنہ مجھے تکلیف نہ دو کہ تکلف سے بیان کرنا پڑے۔

اہل بیت کی شان میں خطبہ: پھر آپ نے فرمایا کہ مکے اور مدینے کے درمیان پانی کی جگہ کے پاس جسے خم کہا جاتا تھا کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے ہمیں یہ خطبہ سنایا۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی وعظ و پند کیا۔ پھر فرمایا لوگو! میں ایک انسان ہوں کیا عجب کہ ابھی ابھی میرے پاس قاصد اللہ تعالیٰ پہنچ جائے اور میں اس کی مان لوں۔ سنو! میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ ایک تو کتاب اللہ جس میں نور و ہدایت ہے۔ تم اللہ تعالیٰ کی کتاب کو مضبوط تھام لو اور اس پر چنگل مارے رہو۔ پس اس کی بڑی رغبت دلائی اور بہت کچھ تاکیدیں کیں۔ پھر فرمایا میری اہل بیت میں تمہیں اپنی اہل بیت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو یاد دلاتا ہوں۔ یہ سن کر حصین ؒ نے حضرت زید ؓ سے پوچھا۔ اے زید آپ ﷺ کے اہل بیت کون ہیں؟ کیا آپ ﷺ کی بیویاں اہل بیت میں داخل نہیں؟ فرمایا بے شک آپ ﷺ کی بیویاں بھی آپ ﷺ کے اہل بیت میں ہیں لیکن آپ ﷺ کے اہل بیت وہ ہیں جن پر آپ ﷺ کے بعد صدقہ حرام ہے پوچھا وہ کون ہیں؟ فرمایا آل علی آل عقیل آل جعفر آل عباس ؓ پوچھا کیا ان سب پر صدقہ حرام ہے؟ فرمایا ہاں۔ ترمذی میں ہے حضور ﷺ نے فرمایا میں تم میں ایسی چیز چھوڑے جا رہا ہوں کہ اگر تم اسے مضبوط تھامے رہو تو بھٹکو گے نہیں۔ ایک دوسری سے زیادہ عظمت والی ہے۔ کتاب اللہ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک لٹکائی ہوئی رسی ہے جو آسمان سے زمین تک آئی ہے اور دوسری چیز میری عترت میری اہل بیت ہے اور یہ دونوں جدا نہ ہوں گی یہاں تک کہ دونوں میرے پاس حوض کوثر پر آئیں۔ پس دیکھ لو کہ میرے بعد کس طرح ان میں میری جانشینی کرتے ہو؟ امام صاحب ؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ صرف ترمذی ہی میں یہ روایت ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ ؓ کی روایت سے ترمذی میں ہے کہ عرفے والے دن رسول اللہ ﷺ نے اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر جسے قصواء کہا جاتا تھا خطبہ دیا۔ جس میں فرمایا لوگو! میں تم میں ایسی چیز چھوڑے جا رہا ہوں کہ اگر تم اسے لئے رہے تو ہرگز گمراہ نہیں ہو گے۔ کتاب اللہ اور میری عترت اہل بیت۔ ترمذی کی اور روایت میں ہے کہ اللہ کی نعمتوں کو مدنظر رکھ کر تم لوگ اللہ تعالے سے محبت رکھو۔ اور اللہ تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے مجھ سے محبت رکھو۔ اور میری محبت کی وجہ سے میری اہل بیت سے محبت رکھو۔ یہ حدیث اور اوپر کی حدیث حسن غریب ہے۔ اس مضمون کی اور احادیث ہم نے ﴿اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ﴾ کی تفسیر میں وارد کر دی ہیں۔ یہاں ان کے دہرانے کی ضرورت نہیں ﴿فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ ایک ضعیف حدیث مسند ابویعلیٰ میں ہے کہ حضرت ابوذر ؓ نے بیت اللہ کے دروازے کا کنڈا تھامے ہوئے فرمایا لوگو! جو مجھے جانتے ہیں وہ تو جانتے ہی ہیں جو نہیں پہچانتے وہ اب پہچان لیں کہ میرا نام ابوذر ہے۔ سنو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ تم میں میرے اہل بیت کی مثال مثل نوح علیہ السلام کی کشتی کے ہے۔ اس میں جو چلا گیا اس نے نجات پالی اور جو اس میں داخل نہ ہوا ہلاک ہوا۔ پھر فرماتا ہے جو نیک عمل کرے ہم اس کا ثواب اور بڑھا دیتے ہیں۔ جیسے اور آیت میں فرمایا اللہ تعالیٰ ایک ذرے کی برابر ظلم نہیں کرتا۔ اگر نیکی ہو تو اور بڑھا دیتا ہے اور اپنے پاس سے اجر عظیم عنایت فرماتا ہے۔ بعض سلف کا قول ہے کہ نیکی کا ثواب اس کے بعد نیکی ہے اور برائی کا بدلہ اس کے بعد برائی ہے۔ پھر فرمان ہوا کہ اللہ تعالیٰ گناہوں کو بخشنے والا ہے اور نیکیوں کی قدر دانی کرنے والا ہے۔ انہیں بڑھا چڑھا کر دیتا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ جاہل کفار جو کہتے ہیں کہ قرآن تو نے گھڑ لیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے نام لگا دیا ہے ایسا نہیں۔ اگر ہوتا تو اللہ تعالیٰ تیرے دل پر مہر لگا دیتا اور تجھے کچھ یاد نہ رہتا جیسے فرمان ہے ﴿وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَیْنَا﴾ یعنی اگر رسول ہمارے ذمہ کچھ باتیں لگا دیتے تو

ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑ کر ان کے دل کی رگ کاٹ ڈالتے اور تم میں سے کوئی انہیں اس سزا سے نہ بچا سکتا۔ یعنی یہ اگر ہمارے کلام میں کچھ بھی زیادتی کرتے تو ایسا انتقام لیتے کہ دنیا کی کوئی ہستی اسے نہ بچا سکتی۔ اس کے بعد کا جملہ ﴿یَمْحُ اللّٰهُ یَخْتِمْ﴾ پر معطوف نہیں بلکہ یہ مبتدا ہے اور مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے ﴿یَخْتِمْ﴾ پر عطف نہیں جو مجزوم ہو۔ واو کا کتابت میں نہ آنا یہ صرف امام کے رسم خط کی موافقت کی وجہ سے ہے جیسے ﴿سَنَدْعُ الزَّبَانِیَةَ﴾ میں واو لکھنے میں نہیں آئی اور ﴿یَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ﴾ میں واؤ نہیں لکھی گئی۔ ہاں اس کے بعد کے جملے ﴿وَ یُحِقُّ الْحَقَّ﴾ کا عطف ﴿یَمْحُ اللّٰهُ﴾ پر ہے یعنی اللہ تعالیٰ حق کو واضح اور مبین کر دیتا ہے۔ اپنے کلمات سے یعنی دلائل بیان فرما کر حجت پیش کر کے وہ خوب دانا بینا ہے۔ دلوں کے راز سینوں کے بھید اس پر کھلے ہوئے ہیں۔

وَهُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَ یَعْفُوْا عَنِ السَّیِّاٰتِ وَ یَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۲۵﴾ وَ یَسْتَجِیْبُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ یَزِیْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ وَ الْكٰفِرُوْنَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ﴿۲۶﴾ وَ لَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِی الْاَرْضِ وَ لٰكِنْ یُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا یَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِیْرٌۢ بَصِیْرٌ ﴿۲۷﴾ وَ هُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ الْغَیْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَ یَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ ؕ وَ هُوَ الْوَلِیُّ الْحَمِیْدُ ﴿۲۸﴾

وہی جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور گناہوں سے درگزر فرماتا ہے اور جو کچھ تم کر رہے ہو سب جانتا ہے۔ ایمان والوں اور نیک کار لوگوں کی سنتا ہے۔ اور انہیں اپنے فضل سے اور زیادتی عطا فرماتا ہے۔ اور کفار کے لئے سخت مار ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنے سب بندوں کی روزی فراخ کر دیتا تو وہ زمین میں فساد برپا کر دیتے لیکن وہ اندازے کے ساتھ جو کچھ چاہتا ہے نازل فرماتا ہے۔ وہ اپنے بندوں سے پورا خبردار ہے اور خوب دیکھنے والا ہے۔ وہی ہے جو لوگوں کے ناامید ہو جانے کے بعد بارش برساتا ہے اور اپنی رحمت پھیلا دیتا ہے۔ وہی ہے کارساز اور قابل حمد و ثناء۔

سچی توبہ گناہوں کو مٹا دیتی ہے: اللہ تعالیٰ اپنا احسان اور اپنا کرم بیان فرماتا ہے کہ وہ اپنے غلاموں پر اس قدر مہربان ہے کہ بد سے بد گنہگار بھی جب اپنی بدکرداری سے باز آئے اور خلوص کے ساتھ اس کے سامنے جھکے اور سچے دل سے توبہ کرے تو وہ اپنے کرم و رحم سے اس کی پردہ پوشی کرتا ہے۔ اس کے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔ اور اپنا فضل اس کے شامل حال کر دیتا ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے ﴿وَ مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ یَظْلِمْ نَفْسَهٗ﴾ جو شخص بدعملی کرے یا اپنی جان پر ظلم کرے پھر اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کو غفور و رحیم پائے گا۔

صحیح مسلم میں ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ سے اس سے زیادہ خوش ہوتا ہے جس کی اونٹنی جنگل بیابان میں گم ہو گئی ہو جس پر اس کا کھانا پینا بھی ہو یہ اس کی جستجو کر کے عاجز آ کر درخت تلے پڑ رہا اور اپنی جان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا اونٹنی سے بالکل مایوس ہو گیا کہ یکایک وہ دیکھتا ہے کہ اونٹنی اس کے پاس ہی کھڑی ہے یہ فوراً ہی اٹھ بیٹھتا ہے اس کی نکیل تھام لیتا ہے اور اس قدر خوش ہوتا ہے کہ بے تحاشا اس کی زبان سے نکل جاتا ہے کہ یا اللہ بے شک تو میرا غلام ہے اور میں تیرا رب ہوں۔ وہ اپنی

خوشی کی وجہ سے خطا کر جاتا ہے۔ ایک مختصر حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ سے اس قدر خوش ہوتا ہے کہ اتنی خوشی اس کو بھی نہیں ہوتی جو ایسی جگہ میں ہو جہاں پیاس کے مارے ہلاک ہو رہا ہو اور وہیں اس کی سواری کا جانور گم ہو گیا ہو جو اسے دفعتاً مل جائے۔ حضرت ابن مسعودؓ سے جب یہ مسئلہ پوچھا گیا کہ ایک شخص ایک عورت سے برا کام کرتا ہے پھر اس سے نکاح کر سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا نکاح میں کوئی حرج نہیں پھر آپ نے یہی آیت پڑھی۔ توبہ تو مستقبل کے لئے قبول ہوتی ہے اور برائیاں گزشتہ معاف کر دی جاتی ہیں۔ تمہارے ہر قول و فعل اور ہر عمل کا اسے علم ہے۔ باوجود اس کے کہ جھکنے والے کی طرف مائل ہوتا ہے اور قبول فرمالیتا ہے۔ وہ ایمان والوں اور نیک کاروں کی دُعا قبول فرماتا ہے وہ خواہ اپنے لئے دُعا کریں خواہ دُوسروں کے لئے۔ حضرت معاذؓ ملک شام میں خطبہ پڑھتے ہوئے اپنے مجاہد ساتھیوں سے فرماتے ہیں تم ایماندار ہو اور جنّتی ہو اور مجھے اُمید ہے کہ یہ رُومی اور فارسی جنھیں تم قید کر لاتے ہو۔ کیا عجب کہ یہ بھی جنت میں پہنچ جائیں۔ کیونکہ ان میں سے جب تمہارا کوئی کام کوئی کر دیتا ہے تو تم اسے کہتے ہو اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم کرے تو نے بہت اچھا کام کیا اللہ تجھے برکت دے تو نے بہت اچھا کیا وغیرہ اور قرآن کا وعدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایمان لانے اور نیک عمل کرنے والوں کی دُعا قبول فرماتا ہے۔ پھر آپ نے اسی آیت کا ترجمہ تلاوت فرمایا۔ معنی اس کے یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی سنتا ہے ﴿ اَلَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ ﴾ کی یہ تفسیر کی گئی ہے کہ جو بات کو مان لیتے ہیں اور اس کی اتباع کرتے ہیں اور جیسے فرمایا ﴿اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ ﴾ ابن ابی حاتم میں ہے کہ اپنے فضل سے زیادتی دینا یہ ہے کہ ان کے حق میں ایسے لوگوں کی سفارش قبول فرمائے گا جن کے ساتھ انہوں نے کچھ سلوک کیا ہو۔

حضرت ابراہیم نخعیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے وہ اپنے بھائیوں کی سفارش کریں گے اور انہیں زیادہ فضل ملے گا یعنی بھائیوں کے بھائیوں کی بھی شفاعت کی اجازت ہو جائے گی۔ مومنوں کی اس عزوشان کو بیان فرما کر کفار کی بد حالی بیان فرمائی کہ انہیں سخت دردناک اور گھبراہٹ والے عذاب ہوں گے۔ پھر فرمایا اگر ان بندوں کو ان کی روزیوں میں وسعت مل جاتی ان کی ضرورت سے زیادہ ان کے پلے پڑ جاتا تو یہ خرمستی میں آ کر دنیا میں ہلڑ مچا دیتے اور دنیا کے امن کو آگ لگا دیتے ایک دوسرے کو پھونک دینا بھون کھانا سرکشی اور طغیان تکبر اور بے پرواہی حد سے بڑھ جاتی۔ اسی لئے حضرت قتادہؒ کا فلسفیانہ مقولہ ہے کہ زندگی کا سامان اتنا ہی اچھا ہے جتنے میں سرکشی اور لاابالی پن نہ آئے۔ اس مضمون کی پوری حدیث کہ مجھے تم پر سب سے زیادہ ڈر دنیا کی نمائش کا ہے پہلے بیان ہو چکی ہے۔ پھر فرماتا ہے وہ ایک اندازے سے روزیاں پہنچا رہا ہے۔ بندے کی صلاحیت کا اسے علم ہے۔ غنا اور فقیری کے مستحق کو وہ خوب جانتا ہے۔

قدسی حدیث میں ہے میرے بندے ایسے بھی ہیں جن کی صلاحیت مالداری میں ہے۔ اگر میں انہیں فقیر بنا دوں تو وہ دینداری سے بھی جاتے رہیں گے۔ اور بعض میرے بندے ایسے بھی ہیں کہ ان کے لائق فقیری ہی ہے۔ اگر وہ مال حاصل کر لیں اور تونگر بن جائیں تو اس حالت میں میں گویا ان کا دین فاسد کر دوں۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ لوگ باران رحمت کا انتظار کرتے کرتے مایوس ہو جاتے ہیں۔ ایسی پوری حاجت اور سخت مصیبت کے وقت میں بارش برساتا ہوں۔ ان کی ناامیدی اور خشک سالی کٹ جاتی ہے اور عام طور پر میری رحمت پھیل جاتی ہے۔

امیر المومنین خلیفۃ المسلمین فاروق اعظم حضرت عمر بن خطابؓ سے ایک شخص کہتا ہے امیر المومنین قحط سالی ہو گئی اور اب تو لوگ بارش سے بالکل مایوس ہو گئے۔ تو آپ نے فرمایا جاؤ اب بارش انشاء اللہ ضرور ہو گی۔ پھر اسی آیت کی تلاوت کی۔ وہ ولی و حمید ہے یعنی مخلوقات کے تصرفات اسی کے قبضہ میں ہیں اس کے کام قابل ستائش و تعریف ہیں مخلوق کے بھلے کو وہ جانتا ہے

اور ان کے نفع کا اسے علم ہے اس کے کام نفع سے خالی نہیں۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَثَّ فِيْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ ۭ وَهُوَ عَلٰي جَمْعِهِمْ اِذَا يَشَاۗءُ قَدِيْرٌ ۝۲۹ وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۝۳۰ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ښ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝۳۱

اس کی نشانیوں میں سے آسمان وزمین کی پیدائش ہے اور ان میں جانداروں کا پھیلانا ہے۔ وہ اس پر بھی قادر ہے کہ جب چاہے انہیں جمع کر دے۔ تمہیں جو کچھ مصیبتیں پہنچتی ہے وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کے کرتوت کا بدلہ ہے اور ابھی تو بہت سی باتوں سے درگزر فرمالیتا ہے۔ تم ہمیں زمین میں عاجز کرنے والے نہیں ہو۔ تمہارے لئے سوائے اللہ تعالٰی کے نہ کوئی کارساز ہے نہ مددگار۔

مصیبت وپریشانی گناہوں کی معافی کا ذریعہ ہے: اللہ تعالٰی کی عظمت قدرت اور سلطنت کا بیان ہو رہا ہے کہ آسمان وزمین اسی کا پیدا کیا ہوا ہے۔ اور ان میں ساری مخلوق بھی اسی کی رچائی ہوئی ہے۔ فرشتے انسان جنات اور مختلف قسموں کے حیوانات جو کونے کونے میں پھیلے ہوئے ہیں قیامت کے دن وہ ان سب کو ایک ہی میدان میں جمع کرے گا جب کہ ان کے حواس اُڑے ہوئے ہوں گے اور ان میں عدل وانصاف کیا جائے گا۔ پھر فرماتا ہے اے لوگو! تمہیں جو کچھ مصیبتیں پہنچتی ہیں وہ سب دراصل تمہارے اپنے کئے گناہوں کا بدلہ ہیں اور ابھی تو وہ غفور ورحیم اللہ تمہاری بہت سی حکم عدولیوں سے چشم پوشی فرماتا ہے اور انہیں معاف فرمادیتا ہے اگر ہر گناہ پر پکڑے تو تم زمین پر چل پھر بھی نہ سکو۔ صحیح حدیث میں ہے کہ مومن کو جو تکلیف سختی غم اور پریشانی ہوتی ہے اس کی وجہ سے اللہ تعالٰی اس کی خطائیں معاف فرماتا ہے یہاں تک کہ ایک کانٹا لگنے کے عوض بھی۔ جب آیت ﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا﴾ الخ اتری اس وقت حضرت صدیق اکبرؓ کھانا کھا رہے تھے آپ نے اسے سن کر کھانے سے ہاتھ ہٹالیا اور کہا یا رسول اللہ! کیا ہر ہر برائی بھلائی کا بدلہ دیا جائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا سنو! طبیعت کے خلاف جو چیزیں ہوتی ہیں یہ سب برائیوں کے بدلے ہیں اور ساری نیکیاں اللہ تعالٰی کے پاس جمع شدہ ہیں حضرت ابوادریسؒ فرماتے ہیں۔ یہی مضمون اس آیت میں بیان ہوا ہے۔ امیر المومنین حضرت علیؓ فرماتے ہیں آؤ میں تمہیں کتاب اللہ کی افضل تر آیت سناؤں اور ساتھ ہی حدیث بھی۔ حضور ﷺ نے ہمارے سامنے یہ آیت تلاوت کی اور میرا نام لے کر فرمایا سن میں اس کی تفسیر بھی تجھے بتادوں تجھے جو بیماریاں سختیاں اور بلائیں آفتیں دنیا میں پہنچتی ہیں وہ سب بدلہ ہے تمہارے اپنے اعمال کا۔ اللہ تعالٰی کا حلم اس سے بہت زیادہ ہے کہ پھر ان ہی پر آخرت میں بھی سزا کرے اور اکثر برائیاں معاف فرمادیتا ہے تو اس کے کرم سے میں بالکل ناممکن ہے کہ دنیا میں معاف کی ہوئی خطاؤں پر آخرت میں پکڑے۔ (مسند احمد)

ابن ابی حاتم میں یہی روایت حضرت علیؓ ہی کے قول سے مروی ہے اس میں ہے کہ ابوجحیفہؒ جب حضرت علیؓ کے پاس گئے تو آپ نے فرمایا میں تمہیں ایک ایسی حدیث سناتا ہوں جسے یاد رکھنا ہر مومن کا فرض ہے۔ پھر یہ تفسیر اپنی طرف سے اس آیت کی سنائی۔ مسند میں ہے کہ مسلمان کے جسم میں جو تکلیف ہوتی ہے اس کی وجہ سے اللہ تعالٰی اس کے گناہ معاف فرماتا ہے۔ مسند ہی کی اور حدیث میں ہے کہ جب ایماندار بندے کے گناہ بڑھ جاتے ہیں اور اس کے کفارے کی کوئی چیز اس کے پاس نہیں ہوتی تو

اللہ تعالیٰ اسے کسی رنج و غم میں مبتلا کر دیتا ہے اور وہی اس کے ان گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے۔ ابن ابی حاتم میں حضرت حسن بصریؒ سے مروی ہے کہ اس آیت کے اترنے پر حضور ﷺ نے فرمایا اس اللہ تعالیٰ کی قسم جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے کہ اس لکڑی کی ذرا سی کھرچ ہڈی کی ذرا سی تکلیف یہاں تک کہ قدم کا پھسلنا بھی کسی نہ کسی گناہ پر ہے اور ابھی اللہ تعالیٰ کے عفو کئے ہوئے بہت سے گناہ تو یونہی جاتے ہیں۔ ابن ابی حاتم ہی میں ہے کہ جب حضرت عمران ابن حصینؓ کے جسم میں تکلیف ہوئی اور لوگ ان کی عیادت کو گئے تو حضرت حسنؒ نے کہا کہ آپ کی یہ حالت تو دیکھی نہیں جاتی ہمیں بڑا صدمہ ہو رہا ہے۔ آپ نے فرمایا ایسا نہ کرو جو تم دیکھ رہے ہو یہ سب گناہوں کا کفارہ ہے اور ابھی بہت سے گناہ تو اللہ تعالیٰ معاف کر چکا ہے۔ پھر اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ ابو البلادؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علاء بن بدرؒ سے کہا کہ قرآن میں تو یہ آیت ہے اور میں ابھی نابالغ بچہ ہوں اور اندھا ہو گیا ہوں۔ آپ نے فرمایا یہ تیرے ماں باپ کے گناہوں کا بدلہ ہے۔ حضرت ضحاکؒ فرماتے ہیں کہ قرآن پڑھ کر بھول جانے والا یقیناً اپنے گناہ میں پکڑا گیا ہے اس کی اور کوئی وجہ نہیں۔ پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کر کے فرمایا بتلاؤ تو اس سے بڑی مصیبت اور کیا ہو گی کہ انسان یاد کر کے کلام اللہ بھول جائے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ﴿۳۲﴾ اِنْ يَّشَاْ يُسْكِنِ الرِّيْحَ فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلٰى ظَهْرِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۳۳﴾ اَوْ يُوْبِقْهُنَّ بِمَا كَسَبُوْا وَيَعْفُ عَنْ كَثِيْرٍ ﴿۳۴﴾ وَّيَعْلَمَ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا ۭ مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ﴿۳۵﴾

دریا میں چلنے والی پہاڑوں جیسی کشتیاں اس کی نشانیوں میں سے ہیں۔ اگر وہ چاہے تو ہوا بند کر دے اور یہ کشتیاں سمندروں پر رکی رہ جائیں۔ یقیناً اس میں ہر صبر کرنے والے شکر گزار کے لئے نشانیاں ہیں۔ یا انھیں ان کے کرتوتوں کے باعث تباہ کر دے وہ تو بہت سی تقصیروں سے درگزر فرمایا کرتا ہے۔ تا کہ جو لوگ ہماری نشانیوں میں جھگڑتے ہیں وہ معلوم کر لیں کہ ان کے لئے کوئی چھٹکارا نہیں۔

دریاؤں میں کشتیوں کی آمد و رفت: اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی قدرت کے نشان اپنی مخلوق کے سامنے رکھتا ہے کہ اس نے سمندروں کو مسخر کر رکھا ہے تا کہ کشتیاں ان میں برابر آئیں جائیں۔ بڑی بڑی کشتیاں سمندروں میں ایسی ہی معلوم ہوتی ہیں جیسے زمین میں اونچے پہاڑ۔ ان کشتیوں کو ادھر سے ادھر لے جانے والی ہوائیں اس کے قبضہ میں ہیں اگر وہ چاہے تو ان ہواؤں کو روک لے۔ پھر تو بادبان بیکار ہو جائیں اور کشتی رک کر کھڑی ہو جائے۔ ہر ایک وہ شخص جو سختیوں میں صبر کا اور آسانیوں میں شکر کا عادی ہو اس کے لئے تو بڑی عبرت کی جا ہے۔ وہ رب تعالیٰ کی عظیم الشان قدرت اور اس کی بے پایاں سلطنت کو ان نشانوں سے سمجھ سکتا ہے اور جس طرح ہوائیں بند کر کے کشتیوں کو کھڑا کر لینا اور روک لینا اس کے بس میں ہے اسی طرح ان پہاڑوں جیسی کشتیوں کو دم بھر میں ڈبو دینا بھی اس کے ہاتھ میں ہے۔ اگر وہ چاہے تو اہل کشتی کے گناہوں کے باعث انہیں غرق کر دے۔ ابھی تو وہ بہت سے گناہوں سے درگزر فرما لیتا ہے اور اگر سب گناہوں پر پکڑے تو جو بھی کشتی میں بیٹھے سیدھا سمندر میں ڈوبے۔ لیکن اس کی بے پایاں رحمت ان کو اس پار سے اس پار کر دیتی ہے۔ علما تفسیر نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اگر وہ چاہے تو اسی ہوا کو ناموافق کر دے تیز و تند آندھی چلا دے جو کشتی کو سیدھی راہ چلنے ہی نہ دے۔ ادھر سے ادھر کر دے سنبھالے نہ سنبھل سکے۔ جہاں جانا ہے اس طرف جا ہی نہ سکے اور یونہی سرگشتہ و حیران ہو ہو کر اہل کشتی تباہ ہو جائیں۔ الغرض اگر بند کر دے تو کھڑے کھڑے ناکام رہیں اگر تیز کر دے تو ناکامی۔ لیکن یہ اس کا لطف و کرم ہے کہ خوشگوار موافق ہوائیں چلاتا ہے اور لمبے

لمبے سفر ان کشتیوں کے ذریعہ بنی آدم طے کرتا ہے اور اپنے مقصد کو پالیتا ہے۔ یہی حال پانی کا ہے کہ اگر بالکل نہ برسائے خشک سالی رہے دنیا تباہ ہو جائے۔ اگر بہت ہی برسادے تو تر سالی کوئی چیز پیدا نہ ہونے دے اور دنیا ہلاک ہو جائے۔ ساتھ ہی مینہ کی کثرت طغیانی کا مکانوں کے گرنے کا اور پوری بربادی کا سبب بن جائے۔ یہاں تک کہ رب تعالیٰ کی مہربانی سے جن شہروں میں اور جن زمینوں میں زیادہ بارش کی ضرورت ہے وہاں کثرت سے مینہ برستا ہے اور جہاں کم کی ضرورت ہے وہاں کمی سے۔ پھر فرماتا ہے کہ ہماری نشانیوں میں جھگڑنے والے ایسے موقعوں پر تو مان لیتے ہیں کہ وہ ہماری قدرت سے باہر نہیں ہم اگر انتقام لینا چاہیں ہم اگر عذاب کرنا چاہیں تو وہ چھوٹ نہیں سکتے سب ہماری قدرت اور مشیت تلے ہیں ﴿ فَسُبْحَانَهُ مَا اَعْظَمَ شَانَهُ ﴾

فَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۪ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ۪ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴿۳۹﴾

تمہیں جو کچھ دیا گیا ہے وہ زندگانی دنیا کا کچھ یونہی سا اسباب ہے اور اللہ تعالیٰ کی پاس جو ہے وہ اس سے درجہا بہتر ہے اور پائیدار ہے۔ وہ ان کے لئے ہے جو ایمان لائے اور صرف اپنے رب تعالیٰ ہی پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ اور کبیرہ گناہوں سے اور بےحیائیوں سے بچتے رہتے ہیں اور غصے کے وقت بھی معاف کر دیا کرتے ہیں۔ اور اپنے رب تعالیٰ کے فرمان کو قبول کرتے ہیں اور نماز کی پابندی کرتے ہیں اور ان کا ہر کام آپس کے مشورے سے ہوتا ہے اور جو ہم نے انہیں دے رکھا ہے اس میں سے ہمارے نام دیتے رہتے ہیں۔ اور جب ان پر ظلم وزیادتی ہو تو وہ صرف بدلہ لے لیتے ہیں۔

دنیا کی مذمت: اللہ تعالیٰ نے دنیا کی بے قدری اور اس کی حقارت بیان فرمائی کہ اسے جمع کر کے کسی کو پھولنا نہ چاہئے کیونکہ یہ فانی چیز ہے بلکہ آخرت کی طرف رغبت کرنا چاہئے نیک اعمال کر کے ثواب جمع کرنا چاہئے جو سرمدی اور باقی چیز ہے پس فانی کو باقی پر کمی کو زیادتی پر ترجیح دینا عقلمندی نہیں۔ اب اس ثواب کے حاصل کرنے کے طریقے بتلائے جاتے ہیں کہ ایمان مضبوط ہو تا کہ دنیاوی لذتوں کے ترک پر صبر ہو سکے اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسہ ہو تا کہ صبر پر اس کی امداد ملے اور احکام اللہ کی بجا آوری اور نافرمانیوں سے اجتناب آسان ہو جائے۔ کبیرہ گناہوں اور فحش کاموں سے پرہیز چاہیئے۔ اس جملہ کی تفسیر سورۂ اعراف میں گزر چکی ہے۔ غصہ پر قابو چاہیئے کہ عین غصے اور غضب کی حالت میں بھی خوش خلقی اور درگزر کی عادت نہ چھوٹے۔ چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی بھی اپنے نفس کا بدلہ کسی سے نہیں لیا۔ ہاں اگر اللہ تعالیٰ کے احکام کی بے عزتی اور بے توقیری ہوتی ہو تو اور بات ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ بہت زیادہ غصہ کی حالت میں بھی آپ ﷺ کی زبان مبارک سے اس کے سوا اور کچھ الفاظ نہ نکلتے کہ فرماتے اسے کیا ہو گیا ہے۔ اس کے ہاتھ خاک آلود ہوں۔ حضرت ابراہیمؒ فرماتے ہیں کہ مسلمان پست وذلیل ہونا تو پسند نہیں کرتے تھے لیکن غالب آ کر انتقام بھی نہیں لیتے تھے بلکہ درگزر کر جاتے اور معاف فرما دیتے۔

ان کی اور صفت یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کہا کرتے ہیں رسول ﷺ کی اتباع کرتے ہیں۔ جس کا وہ حکم کرے بجالاتے ہیں جس سے وہ روکے رک جاتے ہیں۔ نماز کے پابند ہوتے ہیں جو سب سے اعلیٰ عبادت ہے۔

اہل علم سے مشورہ کرنا: بڑے بڑے امور میں بغیر آپس کی مشاورت کے ہاتھ نہیں ڈالتے۔ خود رسول اللہ ﷺ کو حکم الٰہی ہوتا ہے کہ ﴿شَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ﴾ یعنی ان سے مشورہ کر لیا کرو۔ اسی لئے حضور ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ جہاد وغیرہ کے موقعہ پر لوگوں سے مشورہ کر لیا کرتے تاکہ ان کے جی خوش ہو جائیں اور اسی بنا پر امیر المومنین حضرت عمرؓ نے جب کہ آپ کو زخمی کر دیا گیا اور وفات کا وقت آ گیا چھ آدمی مقرر کر دیئے کہ یہ اپنے مشورے سے کسی کو میرا جانشین مقرر کریں۔ ان چھ بزرگوں کے نام یہ ہیں۔ عثمان، علی، طلحہ، زبیر، سعد اور عبدالرحمٰن بن عوف رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین۔

پس سب نے باتفاق رائے حضرت عثمانؓ کو اپنا امیر مقرر کیا۔ پھر ان کا جن کے لئے آخرت کی تیاری اور وہاں کے ثواب ہیں ایک اور وصف بیان فرمایا کہ جہاں یہ حق اللہ تعالیٰ ادا کرتے ہیں وہاں لوگوں کے حقوق کی ادائیگی میں بھی کمی نہیں کرتے۔ اپنے مال میں محتاجوں کا حصہ بھی رکھتے ہیں اور درجہ بدرجہ اپنی طاقت کے مطابق ہر ایک کے ساتھ سلوک واحسان کرتے رہتے ہیں۔ اور یہ ایسے ذلیل وپست اور بے ہمتے نہیں ہوتے کہ ظالم کے ظلم کی کوئی روک تھام نہ کر سکیں بلکہ اتنی قوت اپنے اندر رکھتے ہیں کہ ظالموں سے انتقام لیں اور مظلوم کو اس کے پنجے سے نجات دلوائیں لیکن ہاں! اپنی بھل منساہت کی وجہ سے غالب آ کر پھر چھوڑ دیتے ہیں۔ جیسے کہ نبی اللہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں پر قابو فرما کر فرما دیا کہ جاؤ تمہیں میں وئی ڈانٹ ڈپٹ نہیں کرتا بلکہ میری خواہش ہے اور دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی تمہیں معاف فرما دے۔ اور جیسے کہ سردار انبیاء رسول اللہ احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے حدیبیہ میں کیا جب کہ اسی (۸۰) کفار غفلت کا موقعہ ڈھونڈ کر چپ چاپ لشکر اسلام میں گھس آئے جب یہ پکڑ لئے گئے اور گرفتار ہو کو حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیئے گئے تو آپ نے ان سب کو معافی دے دی اور چھوڑ دیا۔

اور جیسے کہ آپ نے غورث بن حارث کو معاف فرما دیا۔ یہ وہ شخص ہے کہ حضور ﷺ کے سوتے ہوئے اس نے آپ کی تلوار پر قبضہ کر لیا۔ جب آپ جاگے اور اسے ڈانٹا اور تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی اور آپ نے تلوار لے لی اور وہ مجرم گردن جھکائے آپ کے سامنے کھڑا ہو گیا آپ ﷺ نے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کو بلا کر یہ منظر بھی دکھایا اور یہ قصہ بھی سنایا پھر اسے معاف فرما دیا اور جانے دیا۔ اسی طرح لبید بن اعصم نے جب آپ ﷺ پر جادو کیا تو باوجود علم وقدرت کے آپ نے اس سے درگزر فرما لیا۔ اور اسی طرح جس یہودیہ عورت نے آپ ﷺ کو زہر دیا تھا آپ ﷺ نے اس سے بھی بدلہ نہ لیا۔ اور باوجود قابو پانے اور معلوم ہو جانے کی بھی آپ نے اتنے بڑے واقعہ کو آنا جانا کر دیا۔ اس عورت کا نام زینب تھا۔ یہ مرحب یہودی کی بہن تھی جو جنگ خیبر میں حضرت محمود بن سلمہؓ کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ اس نے بکری کے شانے کے گوشت میں زہر ملا کر خود حضور ﷺ کے سامنے پیش کیا تھا۔ خود شانے نے ہی آنحضرت ﷺ کو اپنے زہر آلود ہونے کی خبر دی تھی۔ جب آپ ﷺ نے اسے بلا کر دریافت فرمایا تو اس لئے اقرار کیا تھا اور وجہ یہ بیان کی تھی کہ اگر آپ ﷺ سچے نبی ہیں تو یہ آپ ﷺ کو کچھ نقصان نہ پہنچا سکے گا اور اگر آپ ﷺ اپنے دعوے میں جھوٹے ہیں تو ہمیں آپ ﷺ سے راحت حاصل ہو جائے گی۔ یہ معلوم ہو جانے پر اور اس کے اقبال کر لینے پر بھی اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے اسے چھوڑ دیا معاف فرما دیا۔ گو بعد میں وہ قتل کر دی گئی۔ اس لئے کہ اسی زہر سے اور اسی زہریلے کھانے سے حضرت بشر بن براءؓ فوت ہو گئے تب قصاصاً یہ یہودیہ عورت بھی قتل کرائی گئی۔ اور بھی حضور ﷺ کے ایسے واقعات بہت سے ہیں۔

وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ۝ۭ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝ۧ

برائی کا بدلہ اسی جیسی برائی ہے اور جو معاف کر دے اور صلح کرے اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے۔ فی الواقع اللہ تعالیٰ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا۔ اور جو شخص اپنے مظلوم ہونے کے بعد برابر کا بدلہ لے لے تو ایسے لوگوں پر الزام کا کوئی راستہ نہیں۔ یہ راستہ صرف ان لوگوں پر ہے جو خود دوسروں پر ظلم کریں اور زمین میں ناحق فساد کرتے پھریں۔ یہی لوگ ہیں جن کے لئے دردناک عذاب ہیں۔ جو شخص صبر کر لے اور معاف کر دے یقیناً یہ بڑی ہمت کے کاموں میں سے ایک کام ہے۔

کسی کی ایذاءرسانی پر بدلہ اور معافی: ارشاد ہوتا ہے کہ برائی کا بدلہ لینا جائز ہے جیسے فرمایا ﴿ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ﴾ اور آیت میں ہے ﴿ وَ اِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ﴾ ان سب آیات کا مطلب یہی ہے۔ لیکن افضلیت اسی میں ہے کہ عفو ودرگزر کیا جائے۔ جیسے فرمایا ﴿ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ﴾ یعنی خاص زخموں کا بھی بدلہ ہے پھر جو شخص اسے معاف کر دے تو وہ اس کے لئے کفارہ ہو جائیگا۔ یہاں بھی فرمایا جو شخص معاف کر دے اور صلح وصفائی کرے اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے۔ حدیث میں ہے درگزر کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بندے کی عزت اور بڑھا دیتا ہے لیکن جو بدلے میں اصل جرم سے بڑھ جائے وہ اللہ کا دشمن ہے۔ پھر برائی کی ابتداء اسی کی طرف سے سمجھی جائے گی۔ پھر فرماتا ہے جس پر ظلم ہوا اسے بدلہ لینے میں کوئی گناہ نہیں۔ ابن عونؒ فرماتے ہیں میں اس لفظ ﴿ اِنْتَصَرَ ﴾ کی تفسیر کی طلب میں تھا تو مجھ سے علی بن زید بن جدعان نے بروایت اپنی والدہ اُم محمد کے جو حضرت عائشہؓ کے پاس جایا آیا کرتی تھیں بیان کیا کہ حضرت عائشہؓ کے ہاں حضور ﷺ گئے۔ اس وقت حضرت زینبؓ وہاں موجود تھیں۔ آپ ﷺ کو معلوم نہ تھا۔ صدیقہؓ کی طرف جب آپ ﷺ نے ہاتھ بڑھایا تو صدیقہؓ نے اشارے سے بتایا۔ اس وقت آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا (حضرت زینبؓ نے حضرت صدیقہؓ کو برا بھلا کہنا شروع کیا۔ حضور ﷺ کی ممانعت پر بھی خاموش نہ ہوئیں تو آپ ﷺ نے حضرت عائشہؓ کو اجازت دی کہ جواب دیں۔ اب جو جواب ہوا تو حضرت زینبؓ عاجز آ گئیں اور سیدھی حضرت علیؓ کے پاس گئیں اور کہا کہ عائشہؓ تمہیں یوں کہتی ہیں اور ایسا ایسا کرتی ہیں۔

یہ سن کر حضرت فاطمہؓ حاضر حضور ہوئیں۔ آپ نے ان سے فرمایا قسم رب کعبہ کی عائشہؓ سے میں محبت رکھتا ہوں یہ تو اسی وقت واپس چلی گئیں اور حضرت علیؓ سے سارا واقعہ کہہ سنایا۔ پھر حضرت علیؓ آئے اور آپ سے باتیں کیں۔

یہ روایت ابن جریر میں اسی طرح ہے۔ لیکن اس کے راوی اپنے روایتوں میں عموماً منکر حدیثیں لایا کرتے ہیں اور یہ روایت بھی منکر ہے۔ نسائی اور ابن ماجہ میں اس طرح ہے کہ حضرت زینبؓ غصہ میں بھری ہوئی بلا اطلاع حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر چلی آئیں اور حضور ﷺ سے حضرت صدیقہ کی نسبت کچھ کہا۔ پھر حضرت عائشہ سے لڑنے لگیں۔ لیکن مائی صاحبہؓ نے خاموشی اختیار کی۔ جب وہ کہہ چکیں تو آپ ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا تو اپنا بدلہ لے لے۔ پھر جو صدیقہؓ نے جواب

دینے شروع کئے تو حضرت زینبؓ کا تھوک خشک ہو گیا کوئی جواب نہ دے سکیں اور حضور ﷺ کے چہرے سے وہ صدمہ ہٹ گیا۔ الغرض اختصار یہ ہے کہ مظلوم ظالم کو جواب دے اور اپنا بدلہ لے لے۔ بزار میں ہے کہ ظالم کیلئے جس نے بددعا کی اس نے بدلہ لے لیا۔ یہی حدیث ترمذی میں ہے لیکن اس کے راوی میں کچھ کلام ہے۔ پھر فرماتا ہے حرج و گناہ ان پر ہے جو لوگوں پر ظلم کریں زمین میں بلاوجہ شر و فساد کریں۔

چنانچہ صحیح حدیث میں ہے دو برا کہنے والے جو کچھ کہیں سب کا بوجھ شروع کرنے والے پر ہے۔ جب تک کہ مظلوم بدلے کی حد سے آگے نہ نکل جائے ایسے فسادی قیامت کے دن دردناک عذابوں میں مبتلا کئے جائیں گے حضرت محمد بن واسعؒ فرماتے ہیں میں مکہ میں جانے لگا تو دیکھا کہ خندق پر پل بنا ہوا ہے۔ میں ابھی وہیں تھا جو گرفتار کر لیا گیا اور امیر بصرہ مروان بن مہلب کے پاس پہنچا دیا گیا۔ اس نے مجھ سے کہا ابو عبداللہ تم کیا چاہتے ہو میں نے کہا یہی کہ اگر تم سے ہو سکے تو بنو عدی کے بھائی جیسے بن جاؤ۔ پوچھا وہ کون ہے؟ کہا علاء بن زیاد کہ اپنے ایک دوست کو ایک مرتبہ کسی صیغہ پر عامل بنایا تو انہوں نے اسے لکھا کہ حمد و صلوۃ کے بعد اگر تجھ سے ہو سکے تو یہ کرنا کہ تیری کمر بوجھ سے خالی رہے تیرا پیٹ حرام سے بچ جائے تیرے ہاتھ مسلمانوں کے خون و مال سے آلودہ نہ ہوں۔ تو جب یہ کرے گا تو تجھ پر کوئی گناہ کی راہ باقی نہ رہے گی۔ یہ راہ تو ان پر ہے جو لوگوں پر ظلم کریں اور بے وجہ ناحق زمین میں فساد پھیلائیں۔ مروان نے کہا اللہ جانتا ہے اس نے سچ کہا اور خیر خواہی کی بات کہی اچھا اب کیا آرزو ہے؟ فرمایا یہی کہ تم مجھے میرے گھر پہنچا دو۔ مروان نے کہا بہت اچھا (ابن ابی حاتم) پس ظلم و اہل ظلم کی مذمت بیان کر کے بدلے کی اجازت دے کر اب افضلیت کی طرف رغبت دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ جو ایذا سہہ لے اور برائی سے درگزر کر لے اس نے بڑی بہادری کا کام کیا۔ جس پر وہ بڑے ثواب اور پورے بدلے کا مستحق ہے۔ حضرت فضیل بن عیاضؒ کا فرمان ہے کہ جب تم سے آ کر کوئی شخص کسی اور کی شکایت کرے تو اسے تلقین کرو کہ بھائی معاف کر دو۔ معافی میں ہی بہتری ہے اور یہی پرہیز گاری کا ثبوت ہے۔ اگر وہ نہ مانے اور اپنے دل کی کمزوری کا اظہار کرے تو خیر کہہ دو کہ جاؤ بدلہ لے لو لیکن اس صورت میں کہ پھر کہیں تم بڑھ نہ جاؤ ورنہ ہم تو اب بھی یہی کہیں گے کہ معاف کر دو یہ دروازہ بہت وسعت والا ہے اور بدلے کی راہ بہت تنگ ہے۔ سنو معاف کر دینے والا تو باآرام میٹھی نیند سو جاتا ہے اور بدلے کی دھن والا دن رات متفکر رہتا ہے اور توڑ جوڑ سوچتا ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو برا بھلا کہنا شروع کیا۔ حضور ﷺ بھی وہیں تشریف فرما تھے آپ مسکرانے لگے حضرت صدیقؓ خاموش تھے لیکن جب اس نے بہت گالیاں دیں تو آپ نے بھی بعض کا جواب دیا اس پر حضور ناراض ہو کر وہاں سے چل دیئے۔ حضرت ابو بکرؓ سے نہ رہا گیا آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ وہ مجھے برا کہتا رہا تو آپ بیٹھے رہے سنتے رہے اور جب میں نے اس کی دو ایک باتوں کا جواب دیا تو آپ ناراضی سے اٹھ چلے؟ آپ ﷺ نے فرمایا سنو جب تک تم خاموش تھے فرشتہ تمہاری طرف سے جواب دیتا تھا جب تم آپ بولے تو فرشتہ ہٹ گیا اور شیطان بیچ میں آ گیا۔ پھر بھلا میں شیطان کی موجودگی میں کیسے بیٹھا رہتا؟ پھر فرمایا سنو ابو بکر! تین چیزیں بالکل برحق ہیں (1) جس پر کوئی ظلم کیا جائے اور وہ اس سے چشم پوشی کرے تو ضرور اللہ تعالیٰ اسے عزت دے گا اور اس کی مدد کرے گا (2) جو شخص سلوک اور احسان کا دروازہ کھولے گا اور صلہ رحمی کے ارادے سے لوگوں کو دیتا رہے گا اللہ تعالیٰ اسے برکت دے گا اور زیادتی عطا فرمائیگا۔ (3) اور جو شخص بڑھانے کے لئے سوال کا دروازہ کھول لے گا اس سے اس سے مانگتا پھرے گا اللہ تعالیٰ اس کے ہاں بے برکتی کر دیگا اور کمی میں ہی مبتلا رکھے گا۔ یہ روایت ابوداود میں بھی ہے اور مضمون کے اعتبار سے یہ بڑی پیاری حدیث ہے۔

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ وَّلِيٍّ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَتَرَى الظّٰلِمِيْنَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ يَقُوْلُوْنَ هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيْلٍ ۚ﴿۴۴﴾ وَتَرٰىهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا خٰشِعِيْنَ مِنَ الذُّلِّ يَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ ؕ وَقَالَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَآ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ فِيْ عَذَابٍ مُّقِيْمٍ ﴿۴۵﴾ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ اَوْلِيَآءَ يَنْصُرُوْنَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ﴿۴۶﴾

جسے اللہ تعالیٰ بہکا دے اس کا اس کے بعد کوئی چارہ ساز نہیں۔ تو دیکھے گا کہ ظالم لوگ عذابوں کو دیکھ کر کہہ رہے ہوں گے کہ کیا واپس جانے کی کوئی راہ ہے؟ اور تو انہیں دیکھے گا کہ وہ جہنم کے سامنے لا کھڑے کئے جائیں گے مارے ذلت کے کبڑے ہوئے جاتے ہوں گے اور جھکی ہوئی آنکھ کے گوشہ سے دیکھ رہے ہوں گے۔ ایماندار صاف کہیں گے کہ حقیقی زیاں کار وہ ہیں جنھوں نے آج قیامت کے دن اپنے تئیں اور اپنے گھر والوں کے تئیں نقصان میں ڈال دیا۔ یاد رکھو کہ یقیناً ظالم لوگ دائمی عذاب میں ہیں۔ ان کے کوئی مددگار نہیں جو اللہ تعالیٰ سے الگ ان کی امداد کر سکیں۔ جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے اس کے لئے کوئی راستہ ہی نہیں۔

ظالموں کی جہنم کے پاس بدحواسی: اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ وہ جو چاہتا ہے ہوتا ہے اسے کوئی روک نہیں سکتا اور جو نہیں چاہتا نہیں ہوتا اور نہ اسے کوئی کر سکتا ہے۔ وہ جسے چاہے راہ راست دکھادے اسے کوئی نہیں بہکا سکتا اور جس سے وہ راہ حق گم کر دے اسے کوئی اس راہ کو دکھا نہیں سکتا۔ اور جگہ فرمان ہے ﴿ وَ مَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَ لِيًّا مُّرْشِدًا ﴾ جسے وہ گمراہ کر دے اس کا کوئی چارہ ساز اور رہبر نہیں۔ پھر فرماتا ہے یہ مشرکین قیامت کے عذابوں کو دیکھ کر دوبارہ دنیا میں آنے کی تمنا کریں گے۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿ وَ لَوْ تَرٰۤى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ ﴾ کاش کہ تو انہیں دیکھتا جب کہ یہ دوزخ کے پاس کھڑے کئے جائیں گے اور کہیں گے ہائے کیا اچھی بات ہو کہ ہم دوبارہ واپس بھیج دیئے جائیں تو ہم ہرگز اپنے ربّ کی آیتوں کو جھوٹ نہ بتلائیں بلکہ ایمان لے آئیں۔ سچ تو یہ ہے کہ یہ لوگ جس چیز کو اس سے پہلے پوشیدہ کئے ہوئے تھے وہ ان کے سامنے آ گئی۔ بات یہ ہے کہ اگر یہ دوبارہ بھی بھیج دیئے جائیں تب بھی وہی کریں گے جس سے منع کئے جاتے ہیں یقیناً یہ جھوٹے ہیں۔ پھر فرمایا یہ جہنم کے پاس لائے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کی وجہ سے ان پر ذلت برس رہی ہو گی۔ عاجزی سے جھکے ہوئے ہوں گے اور نظریں بچا کر جہنم تک رہے ہوں گے۔ لیکن جس سے ڈر رہے ہیں اس سے بچ نہ سکیں گے۔ نہ صرف اتنا ہی بلکہ ان کے وہم و گمان سے بھی زیادہ عذاب انہیں ہو گا اللہ تعالیٰ ہمیں محفوظ رکھے۔ اس وقت ایماندار لوگ کہیں گے کہ حقیقی نقصان یافتہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے ساتھ اپنے والوں کو بھی جہنم واصل کیا۔ یہاں کی آج کی ابدی نعمتوں سے محروم رہے اور انہیں بھی محروم رکھا۔ آج وہ سب الگ الگ عذاب میں مبتلا ہیں۔ دائمی ابدی اور سرمدی سزائیں بھگت رہے ہیں۔ اور یہ ناامید ہو جائیں۔ آج کوئی ایسا نہیں جو ان عذابوں سے چھڑا سکے یا تخفیف کرا سکے۔ ان گمراہوں کو خلاصی دینے والا کوئی نہیں۔

اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ ۭ مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ يَّوْمَىِٕذٍ وَّمَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ ﴿۴۷﴾ فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۭ اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ ۭ وَاِنَّآ اِذَآ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ كَفُوْرٌ ﴿۴۸﴾

اپنے رب کا حکم مان لو اس سے پہلے کہ وہ اللہ کا دن آ جائے جسکا ہٹ جانا ناممکن ہے تمہیں اس روز نہ تو کوئی پناہ کی جگہ ملے گی نہ چھپ کر انجان بن جانے کی۔ اگر یہ منہ پھیرلیں تو ہم نے تجھے ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا۔ تیرے ذمے تو صرف پیغام پہنچا دینا ہے۔ ہم جب کبھی انسان کو اپنی مہربانی کا مزہ چکھاتے ہیں تو وہ اس پر اترا جاتا ہے۔ اور اگر انہیں ان کے اعمال کی وجہ سے کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو بے شک انسان بڑا ہی ناشکرا ہے۔

جہنم سے بچاؤ کی تدبیر: چونکہ اوپر یہ ذکر تھا کہ قیامت کے دن بڑے ہیبت ناک واقعات ہونگے وہ سخت مصیبت کا دن ہو گا۔ تو اب یہاں اس سے ڈرا رہا ہے اور اس دن کی لئے تیار رہنے کو فرماتا ہے کہ اس اچانک آ جانے والے دن سے پہلے ہی پہلے فرمان اللہ تعالیٰ پر پوری طرح عمل کرلو۔ جب وہ دن آ جائے گا تو تمہیں نہ تو کوئی جائے پناہ ملے گی نہ ایسی جگہ کہ وہاں انجان بن کر ایسے چھپ جاؤ کہ پہچانے نہ جاؤ اور نہ نظر پڑو۔ پھر فرماتا ہے کہ اگر یہ مشرک نہ مانیں تو آپ ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجے گئے ۔ انہیں ہدایت پر لا کھڑا کر دینا آپ کے ذمہ نہیں۔ یہ کام اللہ تعالیٰ کا ہے۔ آپ پر صرف تبلیغ ہے حساب ہم خود لے لیں گے۔ انسان کی حالت یہ ہے کہ راحت میں بدمست بن جاتا ہے اور تکلیف میں ناشکراپن کرتا ہے۔ اس وقت اگلی نعمتوں کا بھی منکر بن جاتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے عورتوں سے فرمایا صدقہ کرو میں نے تمہیں زیادہ تعداد میں جہنم میں دیکھا ہے۔ کسی نے پوچھا یہ کس وجہ سے آپ ﷺ نے فرمایا تمہاری شکایت کی زیادتی اور اپنے خاوندوں کی ناشکری کی وجہ سے۔ اگر تو ان میں سے کسی کے ساتھ ایک زمانہ تک احسان کرتا رہے پھر ایک دن چھوڑ دے تو کہہ دے گی کہ میں نے تو تجھ سے کبھی کوئی راحت پائی ہی نہیں۔ فی الواقع اکثر عورتوں کا یہی حال ہے لیکن جس پر اللہ تعالیٰ رحم کرے اور نیکی کی توفیق دیدے اور حقیقی ایمان نصیب فرمائے پھر تو اس کا یہ حال ہوتا ہے کہ ہر راحت پر شکر ہر رنج پر صبر۔ پس ہر حال میں نیکی حاصل ہوتی ہے اور یہ وصف بجز مومن کے کسی اور میں نہیں ہوتا۔

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ الذُّكُوْرَ ﴿۴۹﴾ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَاۗءُ عَقِيْمًا ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ﴿۵۰﴾

آسمانوں کی اور زمین کی سلطنت اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے بیٹیاں دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے بیٹے دیتا ہے۔ یا انہیں جمع کر دیتا ہے۔ بیٹے بھی اور بیٹیاں بھی اور جسے چاہے بانجھ کر دیتا ہے۔ وہ بڑے علم والا اور کامل قدرت والا ہے۔

ہر قسم کی پیدائش اللہ کے اختیار میں: فرماتا ہے کہ خالق مالک اور متصرف زمین وآسمان کا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے وہ جو چاہتا ہے ہوتا ہے جو نہیں چاہتا نہیں ہوتا جسے چاہے دے جسے چاہے نہ دے جو چاہے پیدا کرے اور بنائے جسے چاہے صرف لڑکیاں دے جیسے حضرت لوط علیہ السلام اور جسے چاہے صرف لڑکے ہی عطا فرماتا ہے جیسے ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اور جسے چاہے لڑکے لڑکیاں سب کچھ دیتا ہے جیسے حضرت محمد ﷺ اور جسے چاہے لاولد رکھتا ہے جیسے حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام۔ پس یہ چار قسمیں ہوئیں لڑکیوں والے لڑکوں والے دونوں والے اور دونوں سے خالی ہاتھ وہ علیم ہے ہر مستحق کو جانتا ہے۔ قادر ہے جس طرح کا چاہے تفاوت رکھتا ہے۔ پس یہ مقام بھی مثل اس فرمان الٰہی کے ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ہے کہ تا کہ ہم اسے لوگوں کے لئے نشان بنائیں یعنی دلیل قدرت بنائیں اور دکھادیں کہ ہم نے مخلوق کو چار طور پر پیدا کیا۔ حضرت آدم علیہ السلام صرف مٹی سے پیدا ہوئے نہ ماں نہ باپ۔ حضرت حوا صرف مرد سے پیدا ہوئیں۔ باقی کل انسان مرد عورت دونوں سے سوائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کہ وہ صرف عورت سے بغیر مرد کے پیدا کئے گئے۔ پس آپ ﷺ کی پیدائش سے یہ چاروں قسمیں پوری ہوگئیں۔ پس یہ مقام ماں باپ کے بارے میں تھا اور وہ مقام اولاد کے بارے میں اس کی بھی چار قسمیں اور اس کی بھی چار قسمیں۔ سبحان اللہ یہ ہے اس اللہ تعالیٰ کے علم وقدرت کی نشانی۔

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ۭ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ﴿۵۱﴾ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ۭ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ۭ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۲﴾ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ اَلَآ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ ﴿۵۳﴾

رکوع ۵

ناممکن ہے کہ کسی بندہ سے اللہ تعالیٰ کلام کرے مگر بطور وحی کے یا پردے کے پیچھے سے یا کسی فرشتہ کو بھیجے اور وہ بحکم الٰہی جو وہ چاہے وحی کرے بیشک وہ بزرگ ہے حکمت والا ہے۔ اور اسی طرح ہم نے تیری طرف اپنے حکم سے روح کو اتارا ہے۔ تو اس سے پہلے یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ کتاب کیا چیز ہے؟ اور ایمان کیا چیز ہے؟ لیکن ہم نے اسے نور بنا کر اس کے ذریعہ سے اپنے بندوں میں سے جسے چاہا ہدایت کر دی۔ بیشک تو راہ راست کی رہبری کر رہا ہے۔ اس اللہ تعالیٰ کی راہ کی جس کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے آگاہ رہو سب کام اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹتے ہیں۔

وحی کی مختلف صورتیں: مقامات ومراتب وکیفیات وحی کا بیان ہو رہا ہے کہ کبھی تو حضور ﷺ کے دل میں وحی ڈال دی جاتی ہے جس کے وحی الٰہی ہونے میں آپ کو کوئی شک نہیں رہتا۔ جیسے صحیح ابن حبان کی حدیث میں ہے کہ روح القدس نے میرے دل میں یہ بات پھونکی ہے کہ کوئی شخص بھی جب تک اپنی روزی اور اپنا وقت پورا نہ کرے ہرگز نہیں مرتا۔ پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور روزی کی طلب میں اچھائی اختیار کرو۔ یا پردے کی اوٹ سے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام ہوا۔ کیونکہ انہوں نے کلام سن کر جمال دیکھنا چاہا لیکن وہ پردے میں تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جابر بن عبداللہؓ سے فرمایا تھا کہ اللہ

تعالیٰ نے کسی سے کلام نہیں کیا مگر پردے کے پیچھے سے لیکن تیرے باپ سے آمنے سامنے کلام کیا۔ یہ جنگ اُحد میں کفار کے ہاتھوں سے شہید کئے گئے تھے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ یہ کلام عالم برزخ کا ہے اور جس کلام کا ذکر ہے اس سے مراد دار دنیا کا کلام ہے یا اپنے قاصد کو بھیج کر اپنی بات اس تک پہنچائے جیسے حضرت جبرئیل علیہ السلام وغیرہ فرشتے انبیاء اللہ کے پاس آتے رہے۔ وہ علو اور بلندی اور بزرگی والا ہے۔ ساتھ ہی حکیم اور حکمت والا ہے۔ روح سے مراد قرآن ہے فرماتا ہے کہ اس قرآن کو بذریعہ وحی کے ہم نے تیری طرف اتارا ہے۔ کتاب اور ایمان کو اس تفصیل کے ساتھ جو ہم نے اپنی کتاب میں کی ہے تو اس سے پہلے جانتا بھی نہ تھا لیکن ہم نے اس قرآن کو نور بنایا ہے تاکہ اس کے ذریعہ سے ہم اپنے ایماندار بندوں کو راہ راست دکھلائیں جیسے اور آیت میں ہے ﴿ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ الخ کہہ دے کہ یہ ایمان والوں کے واسطے ہدایت و شفا ہے۔ اور بے ایمانوں کے کان بہرے اور آنکھیں اندھی ہیں۔ پھر فرمایا کہ اے نبی! تم صریح اللہ مضبوط حق کی رہنمائی کر رہے ہو۔ پھر صراط مستقیم کی تشریح کی اور فرمایا اسے شرع مقرر کرنے والا خود اللہ تعالیٰ ہے جس کی شان یہ ہے کہ آسمانوں زمینوں کا مالک اور رالله تعالیٰ وہی ہے۔ ان میں تصرف کرنے والا اور حکم چلانے والا بھی وہی ہے کوئی اس کے کسی حکم کو ٹال نہیں سکتا۔ تمام امور اس کی طرف پھیرے جاتے ہیں وہی سب کاموں کے فیصلے کرتا ہے اور حکم کرتا ہے۔ وہ پاک اور برتر ہے ہر اس چیز سے جو اس کی نسبت ظالم اور منکرین کہتے ہیں۔ وہ بلندیوں اور بڑائیوں والا ہے۔

﴿اَلْحَمْدُلِلّٰه﴾ سورہ شوریٰ کی تفسیر ختم ہوئی۔

تفسیر سورۂ زخرف (مکیہ)

سُوْرَةُ الزُّخْرُفِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ تِسْعٌ وَّثَمَانُوْنَ اٰيَةً وَّسَبْعُ رُكُوْعَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ﴿١﴾ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿٢﴾ اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿٣﴾ وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ ﴿٤﴾ اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ ﴿٥﴾ وَكَمْ اَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِيٍّ فِي الْاَوَّلِيْنَ ﴿٦﴾ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٧﴾ فَاَهْلَكْنَآ اَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا وَّمَضٰى مَثَلُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٨﴾

مہربان عنایت فرما معبود برحق کے نام سے شروع۔ قسم ہے اس واضح کتاب کی۔ ہم نے عربی زبان کا قرآن نازل فرمایا ہے کہ تم سمجھ لو۔ یقیناً یہ لوح محفوظ میں ہے اور ہمارے نزدیک بلند مرتبہ حکمت والی ہے۔ کیا ہم اس نصیحت کو تم سے اس بنا پر ہٹالیں کہ تم حد سے گزر جانے والے لوگ ہو۔ اور ہم نے اگلے لوگوں میں بھی بہت سے نبی بھیجے۔ جو نبی ان کے پاس آیا انھوں نے اسے ہنسی مذاق میں اڑایا۔ پس ہم نے ان کے زیادہ زور آوروں کو تباہ کر ڈالا اور اگلوں کی حقیقت گزر چکی ہے۔

قرآن کی نورانیت اور عظمت: قرآن کی قسم کھائی جو واضح ہے جسکے معانی روشن ہیں جس کے الفاظ نورانی ہیں جو سب سے زیادہ فصیح و بلیغ عربی زبان میں نازل ہوا ہے۔ یہ اس لئے کہ لوگ سوچیں سمجھیں اور وعظ و پند نصیحت و عبرت حاصل کریں۔ ہم نے اس قرآن کو عربی زبان میں نازل فرمایا ہے۔

جیسے اور جگہ ہے عربی واضح زبان میں اسے نازل فرمایا ہے۔ اسکی شرافت و مرتبت جو عالم بالا میں ہے اسے بیان فرماتا کہ زمین والے اس کی منزلت و توقیر معلوم کرلیں۔ فرمایا کہ یہ لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے ﴿ لَدَيْنَا ﴾ سے مراد ہمارے پاس ﴿لَعَلِیٌّ﴾ سے مراد مرتبے والا عزت والا شرافت اور فضیلت والا ہے ﴿ حَكِيْمٌ ﴾ سے مراد محکم مضبوط جو باطل کے ملنے اور ناحق سے خلط ملط ہو جانے سے پاک ہے اور آیت میں اس پاک کلام کی بزرگی کا بیان ان الفاظ میں ہے ﴿ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ﴾ اور جگہ ہے ﴿ كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ﴾ یعنی یہ قرآن کریم لوح محفوظ میں درج ہے اسے بجز پاک فرشتوں کے اور کوئی ہاتھ لگانے نہیں پاتا۔ یہ ربّ العالمین کی طرف سے اترا ہوا ہے۔

اور فرمایا قرآن نصیحت کی چیز ہے جس کا جی چاہے اسے قبول کرے۔ وہ ایسے صحیفوں میں ہے جو معزز ہیں بلند مرتبہ ہیں اور مقدس ہیں جو ایسے لکھنے والوں کے ہاتھوں میں ہیں جو ذی عزت اور پاک ہیں۔ ان دونوں آیتوں سے علماء نے استنباط کیا ہے کہ بے وضو قرآن کو ہاتھ میں نہیں لینا چاہیئے جیسے کہ ایک حدیث میں بھی آیا ہے بشرطیکہ وہ صحیح ثابت ہو جائے۔ اس لئے کہ عالم بالا میں فرشتے اس کتاب کی عزت و تعظیم کرتے ہیں۔ جس میں یہ قرآن لکھا ہوا ہے۔ پس اس عالم میں ہمیں بطور اولیٰ اس کی بہت زیادہ تعظیم و تکریم کرنی چاہیئے۔ کیونکہ یہ زمین والوں کی طرف ہی بھیجا گیا ہے اور اس کا خطاب ان ہی سے ہے تو انہیں اس کی بہت زیادہ تعظیم اور ادب کرنا چاہیئے اور ساتھ ہی اس کے احکام کو تسلیم کر کے ان پر عامل بن جانا چاہئے کیونکہ ربّ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ یہ ہمارے ہاں اُمُ الکتاب میں ہے اور بلند پایہ اور باحکمت ہے۔ اس کے بعد کی آیت کے ایک معنی تو یہ کئے گئے ہیں کہ کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ باوجود اطاعت گزاری اور فرمانبرداری نہ کرنے کے ہم تم کو چھوڑ دیں گے اور تمہیں عذاب نہ کریں گے۔

دوسرے معنی یہ ہیں کہ اس اُمّت کے اگلوں نے جب اس قرآن کو جھٹلایا اسی وقت اگر یہ اٹھالیا جاتا تو تمام دنیا ہلاک کر دی جاتی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی وسیع رحمت نے پسند نہ فرمایا اور برابر بیس سال سے زیادہ تک یہ قرآن اترتا رہا۔ اس قول کا مطلب یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی لطف و رحمت ہے کہ وہ نہ ماننے والوں کے انکار اور بد باطن لوگوں کی شرارت کی وجہ سے انہیں نصیحت و موعظت کرنی نہیں چھوڑتا تا کہ جو ان میں نیکی والے ہیں وہ درست ہو جائیں اور جو درست نہیں ہوتے ان پر حجت تمام ہو جائے۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے نبی اکرم آنحضرت محمد ﷺ کو تسلی دیتا ہے اور فرماتا ہے کہ آپ اپنی قوم کی تکذیب پر نہ گھبرائیں صبر و سہار کیجئے۔ ان سے پہلے کی جو قومیں تھیں ان کے پاس ہم نے اپنے رسول و نبی بھیجے تھے۔ اور سب نے ہی اپنے اپنے نبیوں سے تمسخر کیا۔ پھر ہم نے انہیں ہلاک کر دیا۔ وہ آپ ﷺ کے زمانہ کے لوگوں سے زیادہ زور آور باہمت اور دراز دست تھے۔ جیسے اور آیت میں ہے کیا انھوں نے زمین میں چل پھر کر نہیں دیکھا؟ کہ ان سے اگلے لوگوں کا کیا انجام ہوا؟ جو ان سے تعداد میں اور قوت میں بہت زیادہ بڑھے ہوئے تھے۔ اور بھی آیتیں اس مضمون کی بہت سی ہیں۔

پھر فرماتا ہے اگلوں کی مثالیں گزر چکیں یعنی عادتیں سزائیں عبرتیں۔ جیسے اس سورہ کے آخر میں فرمایا ہے کہ ہم نے انہیں گزرے ہوئے اور بعد والوں کے لئے عبرتیں بنا اور جیسے فرمان ہے ﴿ سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِیْ ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کا طریقہ جو اپنے بندوں میں پہلے سے چلا آیا ہے اور تو اسے بدلتا ہوا نہ پائے گا۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ﴿۹﴾ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّجَعَلَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰﴾ وَالَّذِيْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَالَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ ﴿۱۲﴾ لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۴﴾

اگر تو ان سے دریافت کرے کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا؟ تو یقیناً ان کا یہی جواب ہوگا کہ انہیں غالب و دانا اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا کیا ہے۔ وہی ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش اور بچھونا بنایا اور اس میں تمہارے لئے راستے کر دیئے تاکہ تم راہ پالیا کرو۔ اسی نے آسمان سے ایک انداز کے مطابق پانی نازل فرمایا اس نے مردہ شہر کو زندہ کر دیا۔ اسی طرح تم نکالے جاؤ گے۔ جس نے تمام چیزوں کے جوڑے بنائے اور تمہارے لئے کشتیاں بنائیں اور تمہاری سواری کے لئے چوپائے جانور پیدا کئے۔ تاکہ تم ان کی پیٹھ پر جم کر سوار ہوا کرو پھر اپنے رب تعالیٰ کی نعمت کو یاد کرو جب ٹھیک ٹھاک بیٹھ جاؤ اور کہو پاک ذات ہے اس اللہ کی جس نے اسے ہمارے بس میں کر دیا باوجود یہ کہ ہمیں اسے قابو کرنے کی طاقت نہ تھی۔ اور بالیقین ہم اپنے رب تعالیٰ کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

خالق کل اللہ ہی ہے: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے نبی! اگر تم ان مشرکین سے دریافت کرو تو یہ اس بات کا اقرار کریں گے کہ زمین و آسمان کا خالق اللہ تعالے ہے پھر بھی اس کی وحدانیت کو جانتے اور مانتے اس کی عبادت میں دوسروں کو شریک ٹھہرا رہے ہیں جس نے زمین کو فرش اور قرار گاہ ٹھہری ہوئی اور ثابت و مضبوط بنائی جس پر تم چلو پھرو رہو سہو اٹھو بیٹھو سوؤ جاگو۔ حالانکہ یہ زمین خود پانی پر ہے۔ لیکن مضبوط پہاڑوں کے ساتھ اسے ہلنے جلنے سے روک دیا گیا ہے اور اس میں راستے بنا دیئے ہیں تاکہ تم ایک شہر سے دوسرے شہر کو ایک ملک سے دوسرے ملک کو پہنچ سکو۔ اسی نے آسمان سے ایسے انداز سے بارش برسائی جو کفایت ہو جائے کھیتیاں اور باغات سرسبز رہیں پھلیں پھولیں اور پانی تمہارے اور تمہارے جانوروں کے پینے میں بھی آئے۔ پھر اس بارش میں سے مردہ زمین زندہ کر دی خشکی تری سے تبدیل ہو گئی جنگل لہلہا اٹھے پھل پھول اگنے لگے اور طرح طرح کے خوشگوار میوے پیدا ہو گئے۔ پھر اسے دلیل بنائی مردہ انسانوں کے جی اٹھنے کی اور فرمایا اسی طرح تم قبروں سے نکالے جاؤ گے۔ اس نے ہر قسم کے جوڑے پیدا کئے۔ کھیتیاں پھل پھول ترکاریاں اور میوے وغیرہ طرح طرح کی چیزیں اس نے پیدا کر دیں۔ مختلف قسم کے حیوانات تمہارے نفع کے لئے پیدا کئے۔ کشتیاں سمندروں کے سفر کو چوپائے جانور خشکی کے سفر کو مہیا کر دیئے ان میں سے بہت سے جانوروں کے گوشت تم کھاتے ہو بہت سے تمہیں دودھ دیتے ہیں۔ بہت سے تمہاری سواریوں میں کام آتے ہیں۔ تمہارے بوجھ ڈھوتے ہیں۔ تم ان پر سواریاں لیتے ہو اور خوب مزے سے ان پر سوار ہوتے ہو۔ اب تمہیں چاہیئے کہ جم کر بیٹھ جانے کے بعد اپنے رب تعالیٰ کی نعمت یاد کرو کہ اس نے کیسے کیسے طاقتور وجود تمہارے قابو میں کر دیئے اور یوں کہو کہ وہ اللہ تعالیٰ پاک ذات والا ہے جس نے اسے ہمارے قابو میں کر دیا اگر وہ اسے ہمارا مطیع نہ کرتا تو ہم اس قابل نہ تھے نہ ہم میں اتنی

طاقت تھی اور ہم اپنی موت کے بعد اسی کی طرف جانے والے ہیں۔ اس آمد و رفت سے اور اس مختصر سفر سے سفر آخرت یاد کرو۔ جیسے کہ دنیا کے توشے کا ذکر کر کے اللہ تعالیٰ نے آخرت کے توشے کی جانب توجہ دلائی اور فرمایا توشہ لے لیا کرو لیکن بہترین توشہ آخرت کا توشہ ہے اور دنیوی لباس کے ذکر کے موقعہ پر اخروی لباس کی طرف متوجہ کیا اور فرمایا لباس تقویٰ افضل و بہتر ہے۔

سواری پر سوار ہونے کی دعائیں: سواری پر سوار ہونے کے وقت کی دعاؤں کی حدیثیں۔ حضرت علیؓ بن ربیعہ فرماتے ہیں حضرت علیؓ جب اپنی سواری پر سوار ہونے لگے تو رکاب میں پیر رکھتے ہی فرمایا ﴿ بِسْمِ اللّٰهِ ﴾ جب جم کر بیٹھ گئے تو فرمایا ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَ مَا کُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ وَ اِنَّا اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ﴾ پھر تین مرتبہ ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ﴾ کہا اور تین مرتبہ ﴿ اَللّٰهُ اَکْبَرُ ﴾ کہا۔ پھر فرمایا ﴿ سُبْحَانَکَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ قَدْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْلِیْ ﴾ پھر ہنس دیئے۔ میں نے پوچھا امیر المومنین آپ ہنسے کیوں؟ فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہی سوال کیا۔ آپ نے جواب دیا کہ جب بندے کے منہ سے اللہ تعالیٰ سنتا ہے کہ وہ کہتا ہے ﴿ رَبِّ اغْفِرْلِیْ ﴾ میرے رب تعالیٰ مجھے بخش دے تو وہ بہت ہی خوش ہوتا ہے اور فرماتا ہے میرا بندہ جانتا ہے کہ میرے سوا کوئی گناہوں کو بخش نہیں سکتا۔

یہ حدیث ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور مسند احمد میں بھی ہے۔ امام ترمذیؒ اسے حسن صحیح بتلاتے ہیں۔ اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو اپنی سواری پر اپنے پیچھے بٹھایا۔ ٹھیک جب بیٹھ گئے تو آپ ﷺ نے تین مرتبہ ﴿ اَللّٰهُ اَکْبَرُ ﴾ کہا اور تین مرتبہ ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ﴾ کہا اور تین مرتبہ ﴿ سُبْحَانَ اللّٰهِ ﴾ کہا اور ایک مرتبہ ﴿ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ﴾ کہا پھر اس پر چت لیٹنے کی طرح ہو کر ہنس دیئے اور حضرت عبداللہؓ کی طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے جو شخص کسی جانور پر سوار ہو کر اس طرح کرے جس طرح میں نے کیا تو اللہ عزوجل اس کی طرف متوجہ ہو کر اسی طرح ہنس دیتا ہے جس طرح میں تیری طرف دیکھ کر ہنسا (مسند احمد۔)

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ جب کبھی اپنی سواری پر سوار ہوتے تین مرتبہ تکبیر کہہ کر ان دونوں آیات قرآنی کی تلاوت کرتے پھر یہ دعا مانگتے ﴿ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ فِیْ سَفَرِیْ هٰذَا الْبِرَّ وَ التَّقْوٰی وَ مِنَ الْعَمَلِ مَا تَرْضٰی اَللّٰهُمَّ هَوِّنْ عَلَیْنَا السَّفَرَ وَ اطْوِلَنَا الْبُعْدَ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِی السَّفَرِ وَ الْخَلِیْفَةُ فِی الْاَهْلِ اَللّٰهُمَّ اصْحَبْنَا فِیْ سَفَرِنَا وَ اخْلُفْنَا فِیْ اَهْلِنَا ﴾ یا اللہ میں تجھ سے اپنے اس سفر میں نیکی اور پرہیز گاری کا طالب ہوں اور ان اعمال کا جن سے تو خوش ہو جائے اے اللہ! ہم پر ہمارا سفر آسان کر دے اور ہمارے لئے دوری کو لپیٹ لے۔ پروردگار! تو ہی سفر کا ساتھی اور اہل و عیال کا نگہبان ہے میرے معبود ہمارے سفر میں ہمارا ساتھ دے اور ہمارے گھروں میں ہماری جانشینی فرما۔ اور جب سفر سے آپ ﷺ واپس گھر کی طرف لوٹتے تو فرماتے ﴿ اٰئِبُوْنَ تَائِبُوْنَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ ﴾ یعنی واپس لوٹنے والے توبہ کرنے والے۔ انشاء اللہ عبادتیں کرنے والے اپنے ربّ کی تعریفیں کرنے والے (مسلم ابوداود نسائی وغیرہ۔) ابولاس خزاعیؓ فرماتے ہیں کہ صدقہ کے اونٹوں میں سے ایک اونٹ رسول للہ ﷺ نے ہماری سواری کے لئے ہمیں عطا فرمایا کہ ہم اس پر سوار ہو کر حج کو جائیں۔ ہم نے کہا یا رسول اللہ ﷺ ہم نہیں دیکھتے کہ آپ ہمیں اس پر سوار کرائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہر اونٹ کی کوہان میں شیطان ہوتا ہے تم جب اس پر سوار ہو تو جس طرح میں تمہیں حکم دیتا ہوں اللہ تعالیٰ کا نام یاد کرو پھر اسے اپنے لئے خادم بنالو۔ یاد رکھو اللہ تعالیٰ ہی سوار کراتا ہے (مسند احمد۔) حضرت ابولاس کا نام محمد بن اسود بن خلف ہے۔ مسند کی ایک اور حدیث میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں ہر اونٹ کی پیٹھ پر شیطان ہے تو تم جب اس پر سواری کرو تو اللہ تعالیٰ کا نام لیا کرو پھر اپنی حاجتوں میں کمی نہ کرو۔

وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا ۭ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ۭ اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنٰتٍ وَّاَصْفٰىكُمْ بِالْبَنِيْنَ ﴿۱۶﴾ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۱۷﴾ اَوَمَنْ يُّنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ ﴿۱۸﴾ وَجَعَلُوا الْمَلٰۗىِٕكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ۭ اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ ۭ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْـَٔــلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَقَالُوْا لَوْ شَاۗءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ ۭ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۤ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿۲۰﴾ۭ

انہوں نے اللہ تعالٰی کے بعض غلاموں کو اس کا جز ٹھہرا دیا۔ یقیناً انسان کھلم کھلا ناشکرا ہے۔ کیا اللہ تعالٰی نے اپنی مخلوق میں سے بیٹیاں تو خود رکھ لیں اور تمہیں بیٹوں سے برگزیدہ کیا۔ ان میں سے کسی کو جب اس چیز کی خبر دی جائے۔ جس کی مثال اس نے اللہ رحمٰن کے لئے بیان کی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور غمگین ہو جاتا ہے۔ کیا (اللہ کی اولاد لڑکیاں ہیں؟) جو زیورات کی نمائش میں پلیں اور جھگڑے میں ظاہر نہ ہو سکیں؟ انہوں نے اللہ تعالٰی رحمٰن کے عبادت گزار فرشتوں کو عورتیں قرار دے لیا۔ کیا ان کی پیدائش کے موقعہ پر یہ موجود تھے۔ ان کی یہ گواہی لکھ لی جائے گی اور ان سے اس چیز کی باز پرس کی جائے گی۔ کہتے ہیں اگر اللہ تعالٰی چاہتا تو ہم ان کی عبادت نہ کرتے۔ انہیں اس کی کچھ خبر نہیں۔ یہ تو صرف اٹکل پچو جھوٹ باتیں کہتے ہیں۔

مُشرکوں کی خود ساختہ تقسیم: اللہ تعالٰی مشرکوں کے اس افترا اور کذب کا بیان فرماتا ہے جو انہوں نے اللہ تعالٰی کے ذمے باندھ رکھا ہے۔ جس کا ذکر سورۂ انعام کی آیت ﴿وَجَعَلُوْا لِلّٰہِ﴾ الخ میں ہے یعنی اللہ تعالٰی نے جو کھیتی اور مویشی پیدا کئے ہیں ان مشرکین نے ان میں سے کچھ حصہ تو اللہ تعالٰی کا مقرر کیا اور اپنے طور پر کہہ دیا کہ یہ تو اللہ تعالٰی کا ہے اور یہ ہمارے معبودوں کا۔ اب جو ان کے معبودوں کا نام کا ہے وہ اللہ تعالٰی کی طرف نہیں پہنچتا اور جو چیز اللہ تعالٰی کی ہوتی ہے وہ ان کے معبودوں کو پہنچ جاتی ہے۔ کیسی بری ان کی یہ تجویز ہے؟ اسی طرح مشرکین نے لڑکے لڑکیوں کی تقسیم کر کے لڑکیاں تو اللہ تعالٰی کے لئے ثابت کیں جو ان کے خیال میں ذلیل و خوار تھیں اور لڑکے اپنے لئے پسند کئے۔

جیسے کہ باری تعالٰی کا فرمان ہے۔ ﴿اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى﴾ کیا تمہارے لئے تو بیٹے ہوں اور اللہ تعالٰی کے لئے بیٹیاں؟ یہ تو بڑی بے ڈھنگی تقسیم ہے۔ پس یہاں بھی فرماتا ہے کہ ان مشرکین نے اللہ تعالٰی کے بندوں کو اللہ تعالٰی کا جز قرار دے لیا ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ ان کی اس بد تمیزی کو دیکھو کہ جب یہ لڑکیوں کو خود اپنے لئے ناپسند کرتے ہیں پھر اللہ تعالٰی کے لئے کیسے پسند کرتے ہیں؟ ان کی یہ حالت ہے کہ جب ان میں سے کسی کو یہ خبر پہنچتی ہے کہ تیرے ہاں لڑکی ہوئی تو منہ بسور لیتا ہے گویا ایک شرمناک اندوہناک خبر سن لی کسی سے ذکر تک نہیں کرتا اندر ہی اندر گھٹتا رہتا ہے۔ ذرا سا منہ نکل آتا ہے لیکن پھر اپنی حماقت کا مظاہرہ کرنے بیٹھتا ہے اور کہتا ہے کہ اللہ تعالٰی کی لڑکیاں ہیں۔ یہ خوب مزے کی بات ہے کہ خود جس چیز س

گھبرائیں اللہ تعالیٰ کے لئے وہ ثابت کریں۔

عورت کی فطری کمزوریاں: پھر فرماتا ہے عورتیں جو ناقص سمجھی جاتی ہیں جن کے نقصانات کی تلافی زیورات اور آرائش سے کی جاتی ہے اور بچپن سے مرتے دم تک وہ بناؤ سنگھار کی محتاج سمجھی جاتی ہے۔ پھر بحث مباحثے اور لڑائی جھگڑے کے وقت اس کی زبان نہیں چلتی دلیل نہیں دے سکتی۔ عاجز رہ جاتی ہے مغلوب ہو جاتی ہے ایسی چیز کو جناب باری علی و عظیم کی طرف منسوب کرتے ہیں جو ظاہری اور باطنی نقصان اپنے اندر رکھتی ہے جس کی ظاہری نقصان کو زینت اور زیورات سے دور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے جیسے کہ بعض عرب شاعروں کے اشعار ہیں۔

﴿وَمَا الْحُلِيُّ اِلَّا زِيْنَةٌ مِّنْ نَّقِيْصَةٍ ۔۔۔ يُتَمِّمُ مِنْ حُسْنٍ اِذَا الْحُسْنُ قَصَّرَا﴾

﴿وَاَمَّا اِذَا كَانَ الْجَمَالُ مُوَفَّراً ۔۔۔ كَحُسْنِكَ لَمْ يُحْتَجْ اِلٰى اَنْ يُزَوَّرَا﴾

یعنی زیورات کمی حُسن کو پورا کرنے کے لئے ہوتے ہیں۔ بھرپور جمال کو زیورات کی کیا ضرورت؟ اور باطنی نقصانات بھی ہیں جیسے بدلہ نہ لے سکنا نہ زبان سے نہ ہمت سے اس مضمون کو بھی عربوں نے ادا کیا ہے کہ یہ صرف رونے دھونے سے ہی مدد کر سکتی ہے اور چوری چھپے کوئی بھلائی کر سکتی ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ انہوں نے فرشتوں کو عورتیں سمجھ رکھا ہے ان سے پوچھو کہ کیا جب وہ پیدا ہوئے تو تم وہاں موجود تھے؟ تم یہ نہ سمجھو کہ ہم تمہاری ان باتوں سے بے خبر ہیں سب ہمارے پاس لکھی ہوئی ہیں اور قیامت کے دن تم سے ان کا سوال بھی ہو گا جس سے تمہیں ڈرنا چاہیئے اور ہوشیار رہنا چاہئے۔ پھر ان کی مزید حماقت بیان فرماتا ہے کہ کہتے ہیں کہ ہم نے فرشتوں کو عورتیں سمجھا پھر ان کی مورتیاں بنائیں اور پھر انہیں پوج رہے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ہم میں ان میں حائل ہو جاتے اور ہم انہیں نہ پوج سکتے۔ پس جب کہ ہم انہیں پوج رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہم میں اور ان میں حائل نہیں ہوتا تو ظاہر ہے کہ ہماری یہ پوجا غلطی نہیں بلکہ صحیح ہے۔ پس پہلی خطا تو ان کی یہ کہ اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد ثابت کی۔ دوسری خطا یہ کہ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی لڑکیاں قرار دیں۔ تیسری خطا یہ کی کہ انہیں کی پوجا پاٹ شروع کر دی جس پر کوئی دلیل و حجت نہیں صرف اپنے بڑوں اور اگلوں اور باپ داداوں کی کورانہ تقلید ہے۔ چوتھی خطا یہ کی کہ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر مانا اور اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ اگر رب تعالیٰ اس سے ناخوش ہوتا تو ہمیں اتنی طاقت ہی نہ دیتا کہ ہم ان کی پرستش کریں اور یہ ان کی صریح جہالت و غباوت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے سراسر ناخوش ہے۔ ایک ایک پیغمبر اس کی تردید کرتا رہا۔ ایک ایک کتاب اس کی برائی بیان کرتی رہی۔ جیسے فرمان ہے ﴿ وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ﴾ یعنی ہر اُمّت میں ہم نے رسول بھیجا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے سوا دوسرے کی عبادت سے بچو۔ پھر بعض تو ایسے نکلے جنھیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی اور بعض ایسے بھی نکلے جن پر گمراہی کی بات ثابت ہو چکی۔ تم زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیسا برا حشر ہوا؟ اور آیت میں ہے ﴿ وَاسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَا ﴾ الخ یعنی تو ان رسولوں سے پوچھ لے جنھیں ہم نے تجھ سے پہلے بھیجا تھا۔ کیا ہم نے اپنے سوا دوسروں کی پرستش کی اجازت دی تھی؟ پھر فرماتا ہے یہ دلیل تو ان کی بڑی بودی ہے اور بودی یوں ہے کہ یہ بے علم ہیں باتیں بنا لیتے ہیں اور جھوٹ بول لیتے ہیں یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی اس پر قدرت جو ہے اسے نہیں جانتے۔

اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا مِّنْ قَبْلِهٖ فَهُمْ بِهٖ مُسْتَمْسِكُوْنَ ﴿۲۱﴾ بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ

نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَاۤ ۙ اِنَّا وَجَدْنَاۤ اٰبَآءَنَا عَلٰۤى اُمَّةٍ وَّ اِنَّا عَلٰۤى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ﴿۲۳﴾ قٰلَ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَآءَكُمْ ؕ قَالُوْۤا اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۲۴﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۵﴾

کیا ہم نے انہیں اس سے پہلے کوئی اور کتاب دی ہے جسے یہ مضبوط تھامے ہوئے ہیں؟ نہیں نہیں بلکہ یہ تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک مذہب پر پایا اور ہم انہی کے قدموں پر راہ یافتہ ہیں۔ اسی طرح تجھ سے پہلے بھی ہم نے جس بستی میں کوئی ڈرانے والا بھیجا وہاں کے آسودہ حال لوگوں نے یہی جواب دیا کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک راہ پر اور ایک دین پر پایا اور ہم تو انہی کے نقش پا کی پیروی کرنے والے ہیں۔ نبی ﷺ نے کہا بھی کہ اگرچہ میں اس سے بہت زیادہ مقصود تک پہنچانے والا طریقہ لے کر آیا ہوں جس پر تم نے اپنے باپ دادوں کو پایا۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم اسکے منکر ہیں جسے دے کر تمہیں بھیجا گیا ہے۔ پس ہم نے ان سے انتقام لیا اور دیکھ لے جھٹلانے والوں کا کیسا انجام ہوا؟

باپ دادوں کے مقلد مشرک: جو لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی عبادت کرتے ہیں ان کا بے دلیل ہونا بیان فرمایا جارہا ہے کہ کیا ہم نے ان کے اس شرک سے پہلے کوئی کتاب دے رکھی ہے۔ جس سے وہ سند لاتے ہوں یعنی حقیقت میں ایسا نہیں جیسے فرمایا ﴿ اَمْ اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا ﴾ الخ۔ یعنی کیا ہم نے ان پر ایسی سلطان اتاری ہے جو ان سے شرک کو کہے؟ یعنی ایسا نہیں ہے۔ پھر فرماتا ہے یہ تو نہیں بلکہ شرک کی سند ان کے پاس ایک اور صرف ایک ہے اور وہ اپنے باپ دادوں کی تقلید کہ وہ جس دین پر تھے ہم اسی پر ہیں اور رہیں گے۔ اُمت سے مراد یہاں دین ہے۔ اور آیت ﴿ اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ﴾ میں بھی اُمت سے مراد دین ہی ہے۔ ساتھ ہی کہا کہ ہم ان ہی کی راہوں پر چل رہے ہیں۔ پس ان کے بے دلیل دعوی کو سنا کر اب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہی روش ان سے اگلوں کی بھی رہی۔ ان کا جواب بھی نبیوں کی تعلیم کے مقابلہ میں یہی تقلید کو پیش کرنا تھا۔ اور جگہ ہے ﴿ كَذٰلِكَ مَاۤ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴾ یعنی ان سے اگلوں کے پاس بھی جو رسول آئے ان کی امتوں نے انہیں بھی جادوگر اور دیوانہ بتلایا۔ پس گویا کہ اگلے پچھلوں کے منہ میں یہ الفاظ بھر گئے ہیں حقیقت یہ ہے کہ سرکشی میں یہ سب یکساں ہیں۔ پھر ارشاد ہے کہ گویا یہ معلوم کرلیں اور جان لیں کہ نبیوں کی تعلیم باپ دادوں کی تقلید سے بدرجہا بہتر ہے۔ تاہم ان کا برا قصد اور ضد اور ہٹ انہیں حق کی قبولیت کی طرف نہیں آنے دیتی۔ پس ایسے اڑیل لوگوں سے ہم بھی ان کی باطل پرستی کا انتقام نہیں چھوڑتے۔ مختلف صورتوں سے انہیں تہ و بالا کر دیا کرتے ہیں۔ ان کے قصے مذکور و مشہور ہیں غور و تامل کے ساتھ دیکھ پڑھ لو اور سوچ سمجھ لو کہ کس طرح کفار برباد کئے جاتے ہیں اور کس طرح مومن نجات پاتے ہیں۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖۤ اِنَّنِىْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲۶﴾ اِلَّا الَّذِىْ فَطَرَنِىْ فَاِنَّهٗ سَيَهْدِيْنِ ﴿۲۷﴾ وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِىْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾ بَلْ مَتَّعْتُ

هٰؤُلَآءِ وَ اٰبَآءَهُمْ حَتّٰى جَآءَهُمُ الْحَقُّ وَ رَسُوْلٌ مُّبِیْنٌ ﴿۲۹﴾ وَ لَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ وَّ اِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَ قَالُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْیَتَیْنِ عَظِیْمٍ ﴿۳۱﴾ اَهُمْ یَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ؕ نَحْنُ قَسَمْنَا بَیْنَهُمْ مَّعِیْشَتَهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ رَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِیًّا ؕ وَ رَحْمَتُ رَبِّكَ خَیْرٌ مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَ لَوْ لَاۤ اَنْ یَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ یَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُیُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّ مَعَارِجَ عَلَیْهَا یَظْهَرُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَ لِبُیُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّ سُرُرًا عَلَیْهَا یَتَّكِـُٔوْنَ ﴿۳۴﴾ وَ زُخْرُفًا ؕ وَ اِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ؕ وَ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِیْنَ ﴿۳۵﴾ ع ۹

جبکہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد سے اور اپنی قوم سے فرمایا کہ میں ان چیزوں سے بیزار ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو۔ بجز اس اللہ تعالیٰ کے جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور وہی مجھے ہدایت بھی کرے گا۔ ابراہیم علیہ السلام اسی کو اپنی اولاد میں بھی باقی رہنے والی بات پر قائم کر گئے تا کہ لوگ باز آتے رہیں۔ بلکہ میں نے ان لوگوں کو اور ان کے باپ دادوں کو سامان اور اسباب دیا یہاں تک کہ ان کے پاس حق اور صاف صاف سنانے والا رسول آ گیا۔ حق کے پہنچتے ہی یہ بول پڑے کہ یہ تو جادو ہے ہم اس کے منکر ہیں۔ اور کہنے لگے یہ قرآن ان دونوں بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہ نازل کیا گیا۔ کیا تیرے رب تعالیٰ کی رحمت کو یہ تقسیم کرتے ہیں؟ ہم نے ہی ان کی زندگانی دنیا کی روزی ان میں تقسیم کی ہے اور ایک کو دوسرے سے بلند کیا ہے تا کہ ایک دوسرے کو ماتحت کر لے۔ جسے یہ لوگ سمیٹتے پھرتے ہیں اس سے تیرے رب تعالیٰ کی رحمت بہت ہی بہتر ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تمام لوگ ایک ہی گروہ ہو جائیں تو اللہ رحمان کے ساتھ کفر کرنے والوں کے گھروں کی چھتوں کو ہم چاندی کی بنا دیتے اور زینوں کو بھی جن پر چڑھا کرتے۔ اور ان کے گھروں کے دروازے اور تخت بھی جن پر وہ تکیہ لگا لگا کر بیٹھتے ہیں۔ اور سونے کے بھی۔ اور یہ سب کچھ یونہی سا دنیاوی فائدہ ہے۔ آخرت تو تیرے رب تعالیٰ کے نزدیک صرف پرہیزگاروں کے لئے ہی ہے۔

شرک کا قلع قمع سنت ابراہیمی ہے: قریشی کفار نسب کے اور دین کے اعتبار سے چونکہ خلیل اللہ امام الحنفاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے سنت ابراہیمی ان کے سامنے رکھی کہ دیکھو جو اپنے بعد آنے والے تمام نبیوں کے باپ اللہ تعالیٰ کے رسول امام الوحدین تھے۔ انہوں نے کھلے لفظوں میں نہ صرف اپنی قوم سے بلکہ اپنے سگے باپ سے بھی کہہ دیا کہ مجھ میں تم میں کوئی تعلق نہیں۔ میں سوائے اپنے سچے اللہ تعالیٰ کے جو میرا خالق اور میرا ہادی ہے تمہارے ان معبودوں سے بیزار ہوں سب سے بے تعلق ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی ان جرات حق گوئی اور جوش توحید کا بدلہ یہ دیا کہ کلمہ توحید کو ان کی اولاد میں ہمیشہ کے لئے باقی رکھ لیا۔ ناممکن ہے کہ آپ کی اولاد میں اس پاک کلمہ کے قائل نہ ہوں انہی کی اولاد اس توحیدی کلمہ کی اشاعت کرے گی اور سعید روحیں اور نیک نصیب لوگ اسی گھرانے سے توحید سیکھیں گے۔ غرض اسلام اور

توحید کا معلم یہ ٹھہرانا قرار پایا گیا۔ پھر فرماتا ہے بات یہ ہے کہ یہ کفار کفر کرتے رہے اور میں انہیں متاع دنیا دیتا رہا یہ اور بہکتے گئے اور اس قدر بدمست بن گئے کہ جب ان کے پاس دین حق اور رسول حق گو آئے تو انہوں نے ہانک لگائی کہ کلام اللہ اور معجزات انبیاء جادو ہیں اور ہم ان کے منکر ہیں۔ سرکشی اور ضد میں آ کر کفر کر بیٹھے۔ عناد اور بغض سے حق کے مقابلہ پر اُتر آئے اور باتیں بنانے لگے کہ کیوں صاحب اگر یہ قرآن سچ مچ اللہ تعالیٰ ہی کا کلام ہے تو پھر مکے اور طائف کے کسی رئیس پر کسی بڑے آدمی پر کسی دنیوی وجاہت والے پر کیوں نہ اترا اور بڑے آدمی سے ان کی مراد ولید بن مغیرہ عروہ بن مسعود عمیر بن عمرو عتبہ بن ربیعہ حبیب بن عمرو ابن عبدیالیل کنانہ بن عمرو وغیرہ سے تھی۔ غرض یہ تھی کہ ان دونوں بستیوں میں سے کسی بڑے مرتبے کے آدمی پر قرآن نازل ہونا چاہئے تھا۔

اس اعتراض کے جواب میں فرمان باری سرزد ہوتا ہے کہ کیا رحمت الٰہی کے یہ مالک ہیں؟ جو یہ اسے تقسیم کرنے بیٹھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی چیز اللہ تعالیٰ کی ملکیت وہ جسے جب جتنا چاہے دے پھر کہاں اس کا علم اور کہاں تمہارا علم؟ اسے بخوبی علم ہے کہ رسالت الٰہی کا حقدار صحیح معنی میں کون ہے؟ یہ نعمت اس کو دی جاتی ہے جو تمام مخلوق سے زیادہ پاک دل ہو سب سے زیادہ پاک نفس ہو۔ سب سے بڑھ کر اشرف گھر کا ہو اور سب سے زیادہ پاک اصل کا ہو۔

پھر فرماتا ہے کہ یہ رحمت الٰہی کے تقسیم کرنے والے کہاں سے ہو گئے؟ اپنی روزیاں بھی ان کے اپنے قبضے کی نہیں۔ وہ بھی ان میں ہم بانٹتے ہیں۔ اور فرق و تفاوت کے ساتھ جسے جب جتنا چاہیں دیں۔ جس سے جب جو چاہیں چھین لیں۔ عقل فہم قوت طاقت وغیرہ بھی ہماری ہی دی ہوئی ہے اور اس میں بھی مراتب جدا گانہ ہیں۔ اس میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ ایک دوسرے سے کام لے کیونکہ اس کی اسے اور اس کی اسے ضرورت اور حاجت رہتی ہے۔ ایک ایک کے ماتحت رہے۔ پھر ارشاد ہوا کہ تم جو کچھ دنیا میں جمع کر رہے ہو اس سے ربّ تعالیٰ کہ رحمت بہت ہی بہتر اور افضل ہے۔ زاں بعد اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ لوگ مال کو میرا افضل اور میری رضامندی کی دلیل جان کر مالداروں کے مثل بن جائیں تو میں تو کفار کو یہ دنیائے دوں اتنی دیتا کہ ان کے گھر کی چھتیں بلکہ ان کے کوٹھوں کی سیڑھیاں بھی چاندی کی ہوتیں جن کے ذریعے یہ بالا خانوں پر پہنچتے اور ان کے دروازے ان کے بیٹھنے کے تخت بھی چاندی کے ہوتے اور سونے کے بھی۔ میرے نزدیک دنیا کوئی قدر کی چیز نہیں یہ فانی ہے زائل ہونے والی ہے اور ساری مل جائے جب بھی آخرت کے مقابلے میں بہت ہی کم ہے۔ ان لوگوں کی اچھائیوں کے بدلے انہیں یہیں مل جاتے ہیں۔ کھانے پینے رہنے سہنے برتنے برتانے میں کچھ سہولتیں بہم پہنچ جاتی ہیں۔ آخرت میں تو محض خالی ہاتھ ہوں گے۔ ایک نیکی باقی نہ ہو گی۔ جو اللہ تعالیٰ سے کچھ حاصل کر سکیں۔

جیسے کہ صحیح حدیث میں وارد ہوا ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ اگر دنیا کی قدر اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کسی کافر کو یہاں پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ پلاتا۔ پھر فرمایا آخرت کی بھلائیاں صرف ان کے لئے ہیں جو دنیا میں پھونک پھونک کر قدم رکھتے رہے۔ ڈر ڈر کر زندگی گزارتے رہے۔ وہاں ربّ تعالیٰ کی خاص نعمتیں اور مخصوص رحمتیں جو انہیں ملیں گی ان میں کوئی ان کا شریک نہ ہو گا۔ چنانچہ جب حضرت عمرؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس آپ ﷺ کے بالا خانہ میں گئے ۔ اور آپ ﷺ نے اس وقت اپنی ازواج مطہرات سے ایلا کر رکھا تھا۔ تو دیکھا کہ آپ ﷺ ایک چٹائی کے ٹکڑے پر لیٹے ہوئے ہیں جس کے نشان آپ ﷺ کے جسم مبارک پر نمایاں ہیں۔ تو رو دیئے اور کہا یا رسول اللہ! یہ ہیں قیصر و کسریٰ کس آن بان اور کس شوکت و شان سے زندگی گزار رہے ہیں اور آپ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ پیارے رسول ہو کر کس حال میں ہیں؟ حضور ﷺ یا تو تکیہ لگائے ہوئے بیٹھے تھے یا فوراً تکیہ چھوڑ دیا اور فرمانے لگے اے ابن خطاب! کیا تو شک میں ہے؟ یہ تو وہ لوگ ہیں جن کی

نیکیاں جلدی سے انہیں یہیں مل گئیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ کیا تو اس سے خوش نہیں کہ انہیں دنیا ملے اور ہمیں آخرت۔ بخاری و مسلم وغیرہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں سونے چاندی کے برتنوں میں کھاؤ پیو نہیں یہ دنیا میں ان کے لئے ہیں اور آخرت میں ہمارے لئے ہیں۔ اور دنیا میں یہ ان کے لئے یوں ہیں کہ ربّ تعالیٰ کی نظروں میں دنیا ذلیل و خوار ہے۔ ترمذی وغیرہ کی ایک حسن صحیح حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا اگر دنیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی وقعت رکھتی تو کسی کافر کو اللہ تعالیٰ ایک گھونٹ پانی نہ پلاتا۔

وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ﴿۳۶﴾ وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۳۷﴾ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَنَا قَالَ يٰلَيْتَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ الْقَرِيْنُ ﴿۳۸﴾ وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ اَنَّكُمْ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿۳۹﴾ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ اَوْ تَهْدِي الْعُمْيَ وَمَنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۰﴾ فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ ﴿۴۱﴾ اَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِيْ وَعَدْنٰهُمْ فَاِنَّا عَلَيْهِمْ مُّقْتَدِرُوْنَ ﴿۴۲﴾ فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴۳﴾ وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ وَسَوْفَ تُسْئَلُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ﴿۴۵﴾

ع ۱۰

اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی یاد سے غفلت کرے ہم اس پر ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں وہی اس کا ساتھی رہتا ہے۔ وہ انہیں راہ سے روکتے ہیں اور یہ اسی خیال میں رہتے ہیں کہ یہ راہ یافتہ ہیں۔ یہاں تک کہ جب ہمارے پاس آئے گا کہے گا کاش میرے اور تیرے درمیان مشرق اور مغرب کی دوری ہوتی تو بڑا برا ساتھی ہے۔ جب کہ تم ظالم ٹھیر چکے تو تمہیں آج ہرگز تمہارا سب کا عذاب میں شامل ہونا کوئی نفع نہ دے گا۔ کیا پس تو بہرے کو سنا سکتا ہے یا اندھے کو راہ دکھا سکتا ہے؟ اور اسے جو کھلی گمراہی میں ہو؟ ہم اگر تجھے یہاں سے لے بھی جائیں تو بھی ہم ان سے بدلہ لینے والے ہیں۔ یا جو کچھ ان سے وعدہ کیا ہے وہ تجھے دکھا دیں یقیناً ہم اس پر بھی قدرت رکھتے ہیں۔ پس جو وحی تیری جانب کی گئی تو اسے مضبوط تھامے رہ۔ یقین مان کہ تو راہ راست پر ہے۔ اور یقیناً یہ خود تیرے لئے اور تیری قوم کے لئے نصیحت ہے اور عنقریب تم پوچھے جاؤ گے۔ اور ہمارے ان نبیوں کا حال معلوم کرو جنہیں ہم نے تم سے پہلے بھیجا تھا کہ کیا ہم نے سوائے رحمٰن کے اور معبود مقرر کئے تھے جن کی عبادت کی جائے؟

اللہ کے ذکر سے غفلت کا نتیجہ: ارشاد ہوتا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ رحیم و کریم کے ذکر سے غفلت و بے رغبتی کرے اس پر شیطان قابو پالیتا ہے اور اس کا ساتھی بن جاتا ہے۔ آنکھ کی بینائی کی کمی کو عربی زبان میں ﴿عَشْیٌ فِی الْعَیْنِ﴾ کہتے ہیں۔ یہی مضمون قرآن کریم کی اور بھی بہت سی آیتوں میں ہے۔ جیسے فرمایا ﴿وَ مَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ﴾ الخ۔ یعنی جو شخص ہدایت

ظاہر ہو چکنے کے بعد مخالفت رسول کر کے مومنوں کی راہ کے سوااور راہ کی پیروی کرے ہم اسے وہیں چھوڑیں گے اور جہنم واصل کریں گے جو بڑی بری جگہ ہے۔ اور آیت میں ارشاد ہے ﴿ فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ﴾ یعنی جب وہ ٹیڑھے ہو گئے اللہ تعالیٰ نے ان کے دل بھی کج کر دیئے۔ اور آیت میں فرمایا ﴿ وَ قَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ ﴾ یعنی ان کے جو ہم نشین ہم نے مقرر کر دیئے ہیں وہ ان کے آگے پیچھے کی چیزوں کو زینت والی بنا کر انہیں دکھاتے ہیں۔ یہاں ارشاد ہوتا ہے کہ ایسے غافل لوگوں پر شیطان اپنا قابو کر لیتا ہے اور انہیں راہ اللہ تعالیٰ سے روکتا ہے اور ان کے دل میں یہ خیال جما دیتا ہے کہ ان کی روش بہت اچھی ہے۔ یہ بالکل صحیح دین پر قائم ہیں۔ قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوگا اور معاملہ کھل جائے گا تو اپنے اس شیطان سے جو اس کا ساتھی تھا۔ برات ظاہر کرے گا اور کہے گا کاش میرے اور تیرے درمیان اتنا فاصلہ ہوتا جتنا مشرق اور مغرب میں ہے۔ یہاں باعتبار غلبے کے مشرقین یعنی دو مشرقوں کا لفظ کہہ دیا گیا ہے۔ جیسے سورج چاند کو قمرین یعنی دو چاند کہہ دیا جاتا ہے۔ اور ماں باپ کو ﴿ اَبَوَيْن ﴾ یعنی دو باپ کہہ دیا جاتا ہے۔

ایک قرآت میں ﴿ جَآءَ انَا ﴾ بھی ہے یعنی شیطان اور یہ غافل انسان دونوں جب ہمارے پاس آئیں گے۔ حضرت سعید جریری فرماتے ہیں کہ کافر کے اپنی قبر سے اٹھتے ہی شیطان آکر اس کے ہاتھ سے ہاتھ ملا لیتا ہے پھر جدا نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ جہنم میں بھی دونوں کو ساتھ ڈالا جاتا ہے۔

پھر فرماتا ہے جہنم میں تم سب کا جمع ہونا اور وہاں کے عذابوں میں سب کا شریک ہونا تمہارے لئے نفع دینے والا نہیں۔

اس کے بعد اپنے نبی ﷺ سے فرماتا ہے کہ ازلی بہروں کے کان میں تو ہدایت کی صدا نہیں ڈال سکتا۔ مادر زاد اندھوں کو تو راہ نہیں دکھا سکتا۔ صریح گمراہی میں پڑے ہوئے تیری ہدایت نہیں قبول کر سکتے۔ یعنی تجھ پر ہماری جانب سے یہ فرض نہیں کہ خواہ مخواہ ہر ہر شخص مسلمان ہو ہی جائے۔ ہدایت تیرے قبضے کی چیز نہیں۔ جو حق کی طرف کان ہی نہ لگائے جو سیدھی راہ کی طرف آنکھ ہی نہ اٹھائے جو بہکے اور اسی میں خوش رہے تو تجھے ان کی بابت اتنا کیوں خیال ہے؟ تجھ پر ضروری کام صرف تبلیغ کرنا ہے ہدایت و ضلالت ہمارے ہاتھ کی چیزیں ہیں ہم عادل ہیں۔ ہم حکیم ہیں ہم جو چاہیں گے کریں گے تم تنگ دل نہ ہو جایا کرو۔ پھر فرماتا ہے کہ اگرچہ ہم تجھے یہاں سے لے جائیں پھر بھی ہم ان ظالموں سے بدلہ لئے بغیر تو رہیں گے نہیں۔ یا اگر ہم تجھے تیری آنکھوں سے وہ دکھا دیں جس کا وعدہ ہم نے ان سے کیا ہے تو ہم اس سے عاجز نہیں۔ غرض اس طرح اور اس طرح دونوں صورتوں میں کفار پر عذاب تو آئیگا ہی۔ لیکن پھر وہ صورت پسند کی گئی جس میں پیغمبر ﷺ کی عزت زیادہ تھی یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو فوت نہ کیا جب تک کہ آپ ﷺ کے دشمنوں کو مغلوب نہ کر دیا۔ آپ ﷺ کی آنکھیں ٹھنڈی نہ کر دیں۔ آپ ﷺ ان کی جانوں اور مالوں اور ملکیتوں کے مالک نہ بن گئے۔ یہ تو ہے تفسیر حضرت سدی وغیرہ کی۔ لیکن حضرت قتادہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ دنیا سے اٹھا لئے گئے اور انتقام باقی رہ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو آپ ﷺ کی اُمت میں زندگی میں وہ معاملات نہ دکھائے جو آپ ﷺ کو ناپسندیدہ تھے۔ بجز حضور ﷺ کے اور تمام انبیاء علیہم السلام کے سامنے ان کی امتوں پر عذاب آئے۔ ہم سے یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب سے حضور ﷺ کو یہ معلوم کرا دیا گیا کہ آپ ﷺ کی اُمت پر کیا کیا وبال آئیں گے۔ اس وقت سے لے کر وصال کے وقت تک کبھی حضور ﷺ کھل کھلا کر ہنستے ہوئے دیکھے نہیں گئے۔ حضرت حسن سے بھی اسی طرح کی روایت ہے۔ ایک حدیث میں ہے ستارے آسمان کے بچاؤ کا سبب ہیں۔ جب ستارے جھڑ جائیں گے تو آسمان پر مصیبت آ جائے گی۔ میں اپنے اصحاب کا ذریعہ امن ہوں۔ میرے جانے کے بعد میرے اصحاب پر وہ آ جائے گا جسکا یہ وعدہ دیئے جاتے ہیں۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ جو قرآن تجھ پر نازل کیا گیا ہے۔ جو سراسر حق وصدق ہے۔ جو حقانیت کی سیدھی اور صاف راہ کی رہنمائی کرتا ہے۔ تو اسے مضبوطی کے ساتھ لئے رہ یہی جنت نعیم اور راہ مستقیم کا رہبر ہے اس پر چلنے والا اس کے احکام کو تھامنے والا بہک اور بھٹک نہیں سکتا۔ یہ تیرے لئے اور تیری قوم کے لئے ذکر ہے۔ یعنی شرف اور بزرگی ہے۔ بخاری میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا یہ امر (یعنی خلافت وامامت) قریش میں ہی رہیگا جو ان سے جھگڑے گا اور چھینے گا اسے اللہ تعالیٰ اوندھے منہ گرائے گا جب تک دین کو قائم رکھیں۔ اس لئے بھی آپ کی شرافت قومی اس میں ہے کہ قرآن آپ ﷺ ہی کی زبان میں اترا ہے۔ لغت قریش میں ہی نازل ہوا ہے ظاہر ہے کہ سب سے زیادہ اسے یہی سمجھیں گے۔ انہیں لائق ہے کہ سب سے زیادہ مضبوطی کے ساتھ عمل بھی انہی کا اس پر رہے بالخصوص اس میں بڑی بھاری بزرگی ہے ان مہاجرین کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی جنھوں نے اوّل اوّل سبقت کر کے اسلام قبول کیا اور ہجرت میں بھی سب سے پیش پیش رہے اور جو ان کے قدم بقدم چلے۔ ذکر کے معنی نصیحت کے بھی لئے گئے ہیں اس صورت میں یہ یاد رہے کہ آپ کی قوم کے لئے اس کا نصیحت ہونا دوسروں کے لئے نصیحت نہ ہونے کے معنی میں نہیں جیسے فرمان ہے ﴿ لَقَدْ اَنْزَلْنَا اِلَيْكُمْ كِتَابًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴾ یعنی بالیقین ہم نے تمہاری طرف کتاب نازل فرمائی ہے جس میں تمہارے لئے نصیحت ہے کیا پس تم عقل نہیں رکھتے؟ اور آیت میں ہے ﴿ وَ اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴾ یعنی اپنے خاندانی قرابت داروں کو ہوشیار کر دے۔ غرض نصیحت قرآنی رسالت نبوی ﷺ عام ہے کنبہ والوں کو قوم کو اور دنیا کے کل لوگوں کو شامل ہے۔

پھر فرماتا ہے تم سے عنقریب سوال ہو گا کہ کہاں تک کلام اللہ پر عمل کیا اور کہاں تک اسے مانا؟ تمام رسولوں نے اپنی اپنی قوم کو وہی دعوت دی جو اے آخر الزماں رسول! آپ اپنی اُمت کو دے رہے ہیں۔ کل انبیاء علیہم السلام کے دعوت ناموں کا خلاصہ صرف اس قدر ہے کہ انہوں نے توحید پھیلائی اور شرک کو مٹایا۔ جیسے خود قرآن میں ہے کہ ہم نے ہر اُمت میں رسول بھیجا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے سوا اوروں کی عبادت نہ کرو۔ حضرت عبداللہ ؓ کی قرات میں یہ آیت اس طرح ہے ﴿ وَ اسْئَلِ الَّذِيْنَ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ قَبْلَكَ رُسُلَنَا ﴾ پس یہ مثل تفسیر کے ہے نہ کہ تلاوت کے واللہ اعلم۔ تو مطلب یہ ہوا کہ ان سے دریافت کر لے جن میں تجھ سے پہلے ہم اپنے اور رسولوں کو بھیج چکے ہیں۔ عبدالرحمٰن ؒ فرماتے ہیں نبیوں سے پوچھ لے۔ یعنی معراج والی رات کو جب کہ انبیاء علیہم السلام آپ ﷺ کے سامنے جمع تھے کہ ہر نبی توحید سکھانے اور شرک مٹانے کی ہی تعلیم لے کر ہماری جانب سے مبعوث ہوتا رہا۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَقَالَ اِنِّىْ رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۶﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِاٰيٰتِنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَضْحَكُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَمَا نُرِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ اِلَّا هِىَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا ۫ وَاَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَ السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿۵۰﴾

ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنے دلائل دے کر فرعون اور اس کے امراء کے پاس بھیجا موسیٰ علیہ السلام ظاہر کیا میں تمام جہانوں کے پروردگار کا رسول ہوں۔ جب ہماری نشانیاں لے کر ان کے پاس آئے تو وہ بے ساختہ ان پر ہنسنے لگے۔ ہم انہیں جو نشانی دکھاتے تھے وہ دوسری سے

بڑھی چڑھی ہوتی تھی۔ اور ہم نے انہیں عذاب میں پکڑا تا کہ وہ باز آ جائیں۔ وہ کہنے لگے اے جادو گر ہمارے لئے اپنے رب تعالیٰ سے اس کی دعا کر جس کا اس نے تجھ سے وعدہ کر رکھا ہے یقین مان کہ ہم راہ پر لگ جائیں گے۔ پھر جب ہم نے وہ عذاب ان سے ہٹا لیا انھوں نے اسی وقت اپنا قول و قرار توڑ دیا۔

موسیٰ علیہ السلام دلائل و براہین کے ساتھ فرعون کی طرف: حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جناب باری تعالیٰ نے اپنا رسول و نبی بنا کر فرعون اور اس کے امراء اور اس کی رعایا قبطیوں اور بنی اسرائیل کی طرف بھیجا تا کہ آپ علیہ السلام انہیں توحید سکھائیں اور شرک سے بچائیں۔ آپ علیہ السلام کو بڑے بڑے معجزے بھی عطا فرمائے۔ جیسے کہ ہاتھ کا روشن ہو جانا۔ لکڑی کا اژدہا بن جانا وغیرہ لیکن فرعونیوں نے اپنے نبی علیہ السلام کی کوئی قدر نہ کی بلکہ تکذیب کی اور تمسخر اڑایا۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا تا کہ انہیں عبرت بھی ہو اور نبوت موسیٰ علیہ السلام پر دلیل بھی ہو۔ پس طوفان آیا ٹڈیاں آئیں جوئیں آئیں۔ مینڈک آئے اور کھیت مال جان پھل وغیرہ کی کمی میں مبتلا ہوئے۔ جب کوئی عذاب آتا تو تلملا اٹھتے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خوشامد کرتے انہیں رضامند کرتے ان سے قول قرار کرتے آپ علیہ السلام دعا مانگتے عذاب ہٹ جاتا۔ پھر سرکشی پر اتر آتے۔ پھر عذاب آتا پھر یہی ہوتا۔ ساحر یعنی جادوگر سے وہ بڑا عالم مراد لیتے تھے۔ ان کے زمانے کے علماء کا یہی لقب تھا اور انہی لوگوں میں علم تھا۔ اور ان کے زمانے میں یہ علم مذموم نہیں سمجھا جاتا تھا بلکہ قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ پس ان کا جناب موسیٰ علیہ السلام کو اے جادوگر! کہہ کر خطاب کرنا بطور عزت کے تھا اعتراض کے طور پر نہ تھا کیونکہ انہیں تو اپنا کام نکالنا تھا۔ ہر بار اقرار کرتے تھے کہ ہم مسلمان ہو جائیں گے اور بنی اسرائیل کو بھی تمہارے ساتھ کر دیں گے۔ پھر جب عذاب ہٹ جاتا تو وعدہ شکنی کرتے اور قول و قرار توڑ دیتے۔ جیسے اور آیت ﴿ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوفَانَ ﴾ میں اس پورے واقعہ کو بیان کیا ہے۔

وَنَادٰى فِرْعَوْنُ فِىْ قَوْمِهٖ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَيْسَ لِىْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِىْ ۚ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۵۱﴾ اَمْ اَنَا خَيْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِىْ هُوَ مَهِيْنٌ ۙ وَّلَا يَكَادُ يُبِيْنُ ﴿۵۲﴾ فَلَوْلَاۤ اُلْقِىَ عَلَيْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِيْنَ ﴿۵۳﴾ فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ ۚ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۵۴﴾ فَلَمَّاۤ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۵﴾ فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا وَّمَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ ﴿۵۶﴾

فرعون نے اپنی قوم میں منادی کرائی اور کہا اے میری قوم! کیا مصر کا ملک میرا نہیں؟ اور میرے محلوں کے نیچے یہ نہریں بہہ رہی ہیں۔ کیا تم دیکھتے نہیں رہے؟ بلکہ میں بہتر ہوں بہ نسبت اس کے جو بے توقیر ہے۔ اور صاف بول بھی نہیں سکتا۔ اچھا اس پر سونے کے کنگن کیوں نہیں آ پڑے یا اس کے ساتھ پرا باندھ کر فرشتے ہی آ جاتے۔ اس نے اپنی قوم کی عقل کھو دی اور انہوں نے اسی کی مان لی۔ یقیناً یہ سارے ہی بے حکم لوگ تھے۔ پھر جب انہوں نے ہمیں غصہ دلایا تو ہم نے ان سے انتقام لیا اور سب کر ڈبو دیا۔ پس ہم نے گیا گزرا کر دیا اور پچھلوں کے لئے مثال بنا دی۔

فرعون کا تکبر اور سرکشی: فرعون کی سرکشی اور خود بینی بیان ہو رہی ہے کہ اس نے اپنی قوم کو جمع کر کے ان میں ڈینگ لی اور کہا کیا میں تنہا ملک مصر کا بادشاہ نہیں ہوں؟ کیا میرے باغات اور محلات میں نہریں جاری نہیں؟ کیا تم میری عظمت و سلطنت کو دیکھ نہیں رہے؟ پھر موسیٰ علیہ السلام اور اس کے ساتھیوں کو دیکھو جو فقراء اور ضعفا ہیں۔

کلام پاک میں اور جگہ ہے اس نے جمع کر کے سب سے کہا میں تمہارا بلند و بالا رب ہوں جس پر اللہ تعالیٰ نے اسے یہاں کے اور وہاں کے عذابوں میں گرفتار کیا۔ ﴿اَمْ﴾ معنی میں ﴿بَلْ﴾ کے ہے۔ بعض قاریوں کے قرات ﴿اَمَآ اَنَا﴾ بھی ہے۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں اگر یہ قرات صحیح ہو جائے تو معنی تو بالکل واضح اور صاف ہو جاتے ہیں لیکن یہ قرات تمام شہروں کی قرات کے خلاف ہے۔ سب کی قرات ﴿اَمْ﴾ استفہام کا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ فرعون ملعون اپنے تئیں حضرت کلیم اللہ علیہ السلام سے بہتر و برتر بنا رہا ہے اور یہ دراصل اس ملعون کا جھوٹ ہے ﴿مَهِيْن﴾ کے معنی حقیر ضعیف بے مال بے شان۔

پھر کہتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام تو صاف بولنا بھی نہیں جانتا۔ اس کا کلام فصیح نہیں وہ اپنا ما فے الضمیر ادا نہیں کر سکتا۔ بعض کہتے ہیں بچپن میں آپ علیہ السلام نے اپنے منہ میں آگ کا انگارہ رکھ لیا تھا جس کا اثر زبان پر باقی رہ گیا تھا۔ یہ بھی فرعون کا مکر جھوٹ اور دجل ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام صاف گو صحیح کلام کرنے والے ذی عزت بارعب و قار تھے۔ لیکن چونکہ یہ ملعون اپنی کفر کی آنکھ سے نبی اللہ کو دیکھتا تھا۔ اس لئے اسے یہی دکھتا تھا۔ حقیقتاً ذلیل و غبی خود تھا۔ گو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں بوجہ اس انگارے کے جسے بچپن میں منہ میں رکھ لیا تھا کچھ لکنت تھی لیکن آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی اور آپ کی زبان کی گرہ کھل گئی تاکہ آپ علیہ السلام لوگوں کو باآسانی اپنا مدعا سمجھا سکیں۔ اور اگر مان لیا جائے کہ تاہم کہ کچھ باقی رہ گئی تھی کیونکہ دعا کلیم میں اتنا ہی تھا کہ میری زبان کی اس قدر گرہ کھل جائے کہ لوگ میری بات سمجھ لیں تو یہ بھی کوئی عیب کی بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جس کسی کو جیسا بنا دیا وہ ویسا ہی ہے۔ اس میں عیب کی کونسی بات ہے؟ دراصل فرعون ایک کلام بنا کر ایک مسودہ گھڑ کر اپنی جاہل رعایا کو بھڑکانا اور بہکانا چاہتا تھا۔

دیکھئے وہ آگے چل کر کہتا ہے کہ کیوں جی اس پر آسمان سے ہن کیوں نہیں برستا۔ مالداری تو اسے اتنی ہونی چاہئے کہ ہاتھ سونے سے پر ہوں لیکن یہ تو محض مفلس ہے۔ اچھا یہ بھی نہیں تو اللہ اس کے ساتھ فرشتے ہی کر دیتا جو کم از کم ہمیں باور کرا دیتے کہ یہ اللہ کے نبی ہیں۔ غرض ہزار جتن کر کے لوگوں کو بیوقوف بنا لیا اور انہیں اپنا ہم خیال اور ہم سخن کر لیا۔ یہ خود فاسق فاجر تھے۔

فسق و فجور کی پکار پر فوراً ریجھ گئے۔ پس جب ان کا پیمانہ چھلک گیا اور انہوں نے دل کھول کر نافرمانی ربّ تعالیٰ کر لی اور ربّ تعالیٰ کو خوب ناراض کر دیا۔ تو پھر الٰہی کوڑا ان کی پیٹھ پر برسا اور اگلے پچھلے سارے کرتوت پکڑ لئے گئے۔ جہاں ایک ساتھ پانی میں غرق کر دیئے گئے وہاں جہنم میں جلتے بھلستے رہیں گے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جب کسی انسان کو اللہ دنیا دیتا چلا جائے اور وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں پر جما ہوا ہو تو سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ نے اسے ڈھیل دے رکھی ہے۔ پھر حضور ﷺ نے یہی آیت تلاوت فرمائی (ابن ابی حاتم۔)

حضرت عبداللہؓ کے سامنے جب اچانک موت کا ذکر آیا تو آپ نے فرمایا ایماندار پر یہ تخفیف ہے اور کافر پر حسرت ہے۔ پھر آپ نے اسی آیت کو پڑھ سنایا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں انتقام غفلت کے ساتھ ہے۔ پھر اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے انہیں نمونہ بنا دیا کہ ان کے لئے کام کرنے والے ان کے انجام کو دیکھ لیں۔ اور یہ مثال یعنی باعث عبرت بن گئے کہ پچھلے ان کے واقعات میں غور کریں اور اپنا بچاؤ ڈھونڈیں۔

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا إِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّونَ ﴿۵۷﴾ وَقَالُوا أَآلِهَتُنَا خَيْرٌ أَمْ هُوَ ۚ مَا ضَرَبُوهُ لَكَ إِلَّا جَدَلًا ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُونَ ﴿۵۸﴾ إِنْ هُوَ إِلَّا عَبْدٌ أَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنَاهُ مَثَلًا لِبَنِي إِسْرَائِيلَ ﴿۵۹﴾ وَلَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَلَائِكَةً فِي الْأَرْضِ يَخْلُفُونَ ﴿۶۰﴾ وَإِنَّهُ لَعِلْمٌ لِلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُونِ ۚ هَٰذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ﴿۶۱﴾ وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطَانُ ۖ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ﴿۶۲﴾ وَلَمَّا جَاءَ عِيسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِأُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي تَخْتَلِفُونَ فِيهِ ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿۶۳﴾ إِنَّ اللَّهَ هُوَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۚ هَٰذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ﴿۶۴﴾ فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ ۖ فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ أَلِيمٍ ﴿۶۵﴾

جب ابن مریم کی مثال بیان کی گئی تو اس سے تیری قوم پکار اُٹھی۔ اور کہنے لگے کہ ہمارے معبود اچھے ہیں یا وہ؟ تجھ سے ان کا یہ کہنا محض جھگڑے کی غرض سے ہے بلکہ یہ لوگ ہیں ہی جھگڑالو۔ عیسیٰ علیہ السلام بھی صرف بندہ ہی ہے جس پر ہم نے احسان کیا اور اسے بنی اسرائیل کے لئے نشان قدرت بنایا۔ اگر ہم چاہتے تو تمہارے عوض فرشتے کر دیتے جو زمین میں جانشینی کرتے۔ اور یقیناً عیسیٰ علیہ السلام قیامت کی علامت ہے پس تم قیامت کے بارے میں شک نہ کرو اور میری تابعداری کرو یہی سیدھی راہ ہے۔ شیطان تمہیں روک نہ دے۔ یقیناً وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔ جب عیسیٰ علیہ السلام معجزے لائے اور کہہ دیا کہ میں تمہارے پاس حکمت لایا ہوں اور اس لئے آیا ہوں کہ جن بعض چیزوں میں تم مختلف ہو انہیں واضح کر دوں۔ پس تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔ میرا اور تمہارا رب فقط اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ پس تم سب اس کی عبادت کرو۔ راہ راست یہی ہے۔ پھر بنی اسرائیل کی جماعتوں نے آپس میں اختلاف کیا۔ پس ظالموں کے لئے خرابی ہے دکھ والے دن کی آفت سے۔

مشرکین کے کون سے معبود جہنمی ہیں: ﴿ يَصِدُّوْنَ ﴾ کے معنی حضرت ابن عباسؓ مجاہدؒ عکرمہؒ اور ضحاکؒ نے کئے ہیں کہ وہ ہنسنے لگے یعنی اس سے انہیں تعجب معلوم ہوا۔

قتادہؒ فرماتے ہیں گھبرا کر بول پڑے۔ ابراہیم نخعیؒ کا قول ہے منہ پھیرنے لگے۔ اس کی وجہ جو امام محمد بن اسحٰقؒ نے اپنی سیرت میں بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ ولید بن مغیرہ وغیرہ قریشیوں کے پاس تشریف فرما تھے جو نضر بن حارث بھی آ گیا اور آپ ﷺ سے کچھ باتیں کرنے لگا۔ جس میں وہ لاجواب ہو گیا۔ پھر حضور ﷺ نے قرآن کریم کی آیت ﴿ اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ﴾ الخ کئی آیتوں تک پڑھ کر سنائیں یعنی تم اور تمہارے معبود سب جہنم میں جھونک دیئے جاؤ گے۔ پھر حضور ﷺ وہاں سے چلے گئے۔ تھوڑی ہی دیر میں عبداللہ بن زبعری تمیمی آیا تو ولید بن مغیرہ نے اس سے کہا کہ نضر بن حارث تو ابن عبدالمطلب سے ہار گیا اور بالآخر ابن عبدالمطلب ہمیں اور ہمارے معبودوں کو جہنم کا ایندھن

کہتے ہوئے چلے گئے۔ اس نے کہا اگر میں ہوتا تو خود انہیں لاجواب کر دیتا جاؤ ذرا ان سے پوچھو تو کہ جب ہم اور ہمارے سارے معبود دوزخی ہیں تو لازم آیا کہ سارے فرشتے اور حضرت عزیر اور حضرت مسیح علیہ السلام بھی جہنم میں جائیں۔ کیونکہ ہم فرشتوں کو پوجتے ہیں۔ یہود حضرت عزیر کی پرستش کرتے ہیں۔ نصرانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت کرتے ہیں۔ اس پر مجلس کے کفار بہت خوش ہوئے اور کہا ہاں یہ جواب بہت ٹھیک ہے۔ لیکن جب حضور ﷺ تک یہ بات پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا ہر وہ شخص جو غیر اللہ کی عبادت کرے اور ہر وہ شخص جو اپنی عبادت اپنی خوشی کرائے یہ دونوں عابد و معبود جہنمی ہیں۔ فرشتوں یا نبیوں نے نہ اپنی عبادت کا حکم دیا نہ وہ اس سے خوش۔ ان کے نام سے دراصل یہ شیطان کی عبادت کرتے ہیں وہی انہیں شرک کا حکم دیتا ہے اور یہ بجالاتے ہیں۔ اس پر آیت ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ ﴾ الخ نازل ہوئی۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت عزیر علیہ السلام اور ان کے علاوہ جن احبار و رہبان کی پرستش یہ لوگ کرتے ہیں۔ اور خود وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر تھے۔ شرک سے بیزار اور اس سے روکنے والے تھے اور ان کے بعد ان گمراہوں جاہلوں نے انہیں معبود بنالیا تو وہ محض بے قصور ہیں۔ اور فرشتوں کو جو مشرکین اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں مان کر پوجتے تھے۔ ان کی تردید میں ﴿ و قَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ﴾ سے کئی آیتوں تک نازل ہوئیں اور ان کے اس باطل عقیدے کی پوری تردید کر دی۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اس نے جو جواب دیا تھا جس پر مشرکین خوش ہوئے تھے یہ آیتیں اتریں کہ تیرے اس قول کو سنتے ہی کہ معبودان باطل بھی اپنے عابدوں کے ساتھ جہنم میں جائیں گے انہوں نے جھٹ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات گرامی کو پیش کر دیا اور یہ سنتے ہی مارے خوشی کے آپ علیہ السلام کی قوم کے مشرک اچھل پڑے اور بڑھ چڑھ کر باتیں بنانے لگے کہ ہم نے دبالیا۔ ان سے کہو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کسی سے اپنی یا کسی اور کی پرستش نہیں کرائی۔ وہ تو خود برابر ہماری غلامی میں لگے رہے اور ہم نے بھی انہیں اپنی بہتیری نعمتیں عطا فرمائیں۔ ان کے ہاتھوں جو معجزات دنیا کو دکھائے وہ قیامت کی دلیل تھے۔ حضرت ابن عباس ؓ سے ابن جریر میں ہے کہ مشرکین نے اپنے معبودوں کا جہنمی ہونا حضور ﷺ کی زبانی سن کر کہا کہ پھر آپ ابن مریم کی نسبت کیا کہتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا وہ اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں اور اس کے رسول ہیں۔ اب کوئی جواب ان کے پاس نہ رہا تو کہنے لگے۔ واللہ یہ تو چاہتے ہیں کہ جس طرح عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ مان لیا ہے ہم بھی انہیں رب مان لیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ تو صرف بکواس ہے۔ کھسیانے ہو کر بے جوڑ باتیں کہنے لگے ہیں۔

مسند احمد میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا کہ قرآن میں ایک آیت ہے مجھ سے کسی نے اس کی تفسیر نہیں پوچھی۔ میں نہیں جانتا کہ کیا ہر ایک اسے جانتا ہے یا نہ جان کر پھر بھی جاننے کی کوشش نہیں کرتے؟ پھر اور باتیں بیان فرماتے رہے یہاں تک کہ مجلس ختم ہوئی اور آپ چلے گئے۔ اب ہمیں بڑا افسوس ہونے لگا کہ وہ آیت پھر بھی رہ گئی۔ اور ہم میں سے کسی نے دریافت ہی نہ کیا۔ اس پر ابن عقیل انصاری کے مولیٰ ابو یحییٰ نے کہا کہ اچھا کل صبح جب تشریف لائیں گے تو میں پوچھ لوں گا۔ دوسرے دن جو آئے تو میں نے ان کی کل کی بات دہرائی اور ان سے دریافت کیا کہ وہ کونسی آیت ہے؟ آپ ؓ نے فرمایا ہاں سنو! حضور ﷺ نے ایک مرتبہ قریش سے فرمایا کوئی ایسا نہیں جس کی عبادت اللہ تعالیٰ کے سوا کی جاتی ہو اور اس میں خیر ہو۔

اس پر قریش نے کہا کیا عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت نہیں کرتے؟ اور کیا آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا نبی اور اس کا برگزیدہ نیک بندہ نہیں مانتے؟ پھر اس کہنے کا کیا مطلب ہوا کہ اللہ کے سوا جس کی عبادت کی جاتی ہے وہ خیر سے خالی ہے؟ اس پر یہ آیتیں اتریں کہ جب عیسیٰ علیہ السلام بن مریم کا ذکر آیا تو یہ لوگ ہنسنے لگے وہ قیامت کا علم ہیں۔ یعنی عیسیٰ

بن مریم علیہ السلام کا قیامت کے دن سے پہلے نکلنا۔

ابن ابی حاتم میں بھی یہ روایت پچھلے جملے کے علاوہ ہے۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں ان کے اس قول کا کہ کیا ہمارے معبود بہتر ہیں یا یہ؟ مطلب یہ ہے کہ ہمارے معبود محمد ﷺ سے بہتر ہیں۔ یہ تو اپنے تئیں پجوانا چاہتے ہیں۔ ابن مسعودؓ کی قرات میں ﴿اَمْ هٰذَا﴾ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ ان کا مناظرہ نہیں بلکہ مجادلہ اور مکابرہ ہے۔ یعنی بے دلیل جھگڑا اور بے وجہ حجت بازی ہے۔ خود یہ جانتے ہیں کہ نہ یہ مطلب ہے نہ ہمارا اعتراض اس پر وارد ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اولاً تو آیت میں لفظ ﴿مَا﴾ ہے جو غیر ذوی العقول کے لئے ہے دوسرے یہ کہ آیت میں خطاب کفار قریش سے ہے جو اصنام و انداد کو بتوں اور پتھروں کو پوجتے تھے۔ وہ مسیح علیہ السلام کے پجاری نہ تھے جو یہ اعتراض بر محل مانا جائے۔ پس یہ صرف جدل ہے یعنی وہ بات کہتے ہیں جس کے غیر صحیح ہونے کو ان کا اپنا دل بھی جانتا ہے۔ ترمذی وغیرہ میں فرمان رسول ﷺ ہے کہ کوئی قوم اس وقت تک ہلاک نہیں ہوتی جب تک بے دلیل حجت بازی ان میں نہ آ جائے۔ پھر آپ ﷺ نے اسی آیت کی تلاوت کی۔ ابن ابی حاتم میں اس حدیث کے شروع میں یہ بھی ہے کہ ہر اُمت کی گمراہی کی پہلی بات اپنے نبی کے بعد تقدیر کا انکار کرنا ہے۔ ابن جریر میں ہے کہ ایک بار حضور ﷺ صحابہؓ کے مجمع میں آئے اس وقت وہ قرآن کی آیتوں میں نزاع کر رہے تھے۔ آپ ﷺ سخت غضب ناک ہوئے اور فرمایا اس طرح اللہ تعالیٰ کی کتاب کی آیتوں کو ایک دوسرے کے ساتھ ٹکراؤ نہیں۔ یاد رکھو جدال کی اسی عادت نے اگلے لوگوں کو گمراہ کر دیا۔ پھر آپ ﷺ نے ﴿مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ﴾ کی تلاوت فرمائی۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ اللہ عزوجل کے بندوں میں سے ایک بندے تھے جن پر نبوت و رسالت کا انعام باری تعالیٰ ہوا تھا۔ اور انہیں قدرت اللہ تعالیٰ کی ایک نشانی بنا کر بنی اسرائیل کی طرف بھیجا گیا تھا تاکہ وہ جان لیں کہ اللہ تعالیٰ جو چاہے اس پر قادر ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اگر ہم چاہتے تو تمہارے جانشین بنا کر فرشتوں کو اس زمین میں آباد کر دیتے۔ یا یہ کہ جس طرح تم ایک دوسرے کے جانشین ہوتے ہو۔ یہی بات ان میں کر دیتے۔ مطلب دونوں صورتوں میں ایک ہی ہے۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں یعنی بجائے تمہارے زمین کی آبادی ان سے ہوتی۔ اس کے بعد جو فرمایا ہے کہ وہ قیامت کی نشانی ہے اس کا مطلب جو ابن اسحاقؒ نے بیان کیا ہے وہ کچھ ٹھیک نہیں۔ اور اس سے بھی زیادہ دور کی بات یہ ہے کہ بقول قتادہؒ حضرت حسن بصریؒ اور حضرت سعید بن جبیرؒ کہتے ہیں کہ ﴿هٗ﴾ ضمیر کا مرجع قرآن ہے یہ دونوں قول غلط ہیں بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ ضمیر عائد ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کی ایک نشانی ہیں۔ اس لئے کہ اوپر سے ہی آپ علیہ السلام کا بیان چلا آ رہا ہے۔ اور یہ واضح رہے کہ مراد یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قیامت سے پہلے کا نازل ہونا ہے جیسے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَ اِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ﴾ یعنی ان کی موت سے پہلے ایک ایک اہل کتاب ان پر ایمان لائے گا۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے پہلے پھر قیامت کے دن یہ ان پر گواہ ہوں گے۔ اس مطلب کی پوری وضاحت اسی آیت کی دوسری قرات سے ہوتی ہے۔ جس میں ہے ﴿ اِنَّهٗ لَعَلَمٌ لِّلسَّاعَةِ ﴾ یعنی جناب روح اللہ نشان اور علامت ہیں قیامت کے قائم ہونے کی۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں یہ نشان ہیں قیامت کے یعنی حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا قیامت سے پہلے آنا۔ اسی طرح روایت کی گئی ہے حضرت ابو ہریرہؓ سے اور حضرت ابن عباسؓ سے اور یہی مروی ہے ابو العالیہ ابو مالک، عکرمہ حسن قتادہ ضحاک وغیرہ سے ﴿رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى﴾ اور متواتر احادیث میں رسول اللہ ﷺ نے خبر دی ہے کہ قیامت کے دن سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام امام عادل اور حاکم باانصاف ہو کر نازل ہوں گے پس تم قیامت کا ہونا یقینی جانو اس میں شک شبہ نہ کرو اور جو خبریں تمہیں دے رہا ہوں اس میں میری تابعداری کرو۔ یہی صراط مستقیم ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ شیطان جو تمہارا کھلا

دشمن ہے تمہیں صحیح راہ سے اور میری واجب اتباع سے روک دے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ میں حکمت یعنی نبوت لے کر تمہارے پاس آیا ہوں اور دینی امور میں جو اختلافات تم نے ڈال رکھے ہیں ان میں اس میں جو حق ہے اسے ظاہر کرنے کے لئے بھیجا گیا ہوں۔ ابن جریرؒ یہی فرماتے ہیں اور یہی قول بہتر اور پختہ ہے پھر امام صاحب نے ان لوگوں کے قول کی تردید کی ہے جو کہتے ہیں کہ بعض کا لفظ یہاں پر ﴿کُلّ﴾ کے معنی میں ہے۔ اور اس کی دلیل میں لبید شاعر کا ایک شعر پیش کرتے ہیں لیکن وہاں بھی بعض سے مراد قائل کا خود اپنا نفس ہے نہ کہ سب نفس۔ امام صاحبؒ نے شعر کا جو مطلب بیان کیا ہے یہ بھی ممکن ہے۔ پھر فرمایا جو میں تمہیں حکم دیتا ہوں اس میں اللہ تعالیٰ کا لحاظ رکھو اس سے ڈرتے رہو اور میری اطاعت گزاری کرو۔ جو لایا ہوں اسے مانو۔ یقین مانو کہ تم سب اور خود میں اس کے غلام ہیں اس کے محتاج ہیں اس کے در کے فقیر ہیں۔ اس کی عبادت ہم سب پر فرض ہے۔ وہ واحد ہے لاشریک ہے۔ بس یہی توحید کی راہ راہ مستقیم ہے۔ اب لوگ آپس میں متفرق ہو گئے۔ بعض تو کلمتہ اللہ کو اللہ تعالیٰ کا بندہ اور رسول ہی کہتے تھے اور یہی حق والی جماعت تھی۔ اور بعض نے ان کی نسبت دعویٰ کیا کہ اللہ تعالیٰ کے فرزند ہیں اور بعض نے کہا کہ آپ علیہ السلام ہی اللہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے ان دونوں دعووں سے پاک ہے اور بلند وبرتر ہے۔ اسی لئے ارشاد فرماتا ہے کہ ان ظالموں کے لئے خرابی ہے۔ قیامت کے دن انہیں المناک عذاب اور دردناک سزائیں ہوں گی۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۶۶﴾ اَلْاَخِلَّاۗءُ يَوْمَىِٕذٍۢ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ﴿۶۷﴾ يٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۶۸﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ﴿۶۹﴾ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُوْنَ ﴿۷۰﴾ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّاَكْوَابٍ ۚ وَفِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ ۚ وَاَنْتُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۲﴾ لَكُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ كَثِيْرَةٌ مِّنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۷۳﴾

یہ لوگ صرف قیامت کے منتظر ہیں کہ وہ اچانک ان پر آ پڑے اور انہیں خبر بھی نہ ہو۔ اس دن گہرے دوست بھی ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے سوائے پرہیزگاروں کے۔ میرے بندو! آج نہ تو تم پر کوئی خوف وہراس ہے اور نہ تم بددل اور غمزدہ ہو گے۔ جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے اور تھے بھی وہ فرمانبردار مسلمان۔ تم اور تمہاری جوڑ کے لوگ ہشاش بشاش راضی خوشی جنت میں چلے جاؤ۔ ان کے چاروں طرف سے سونے کی رکابیاں اور سونے کے گلاسوں کا دور لگا دیا جائے گا۔ ان کے جی جس چیز کی خواہش کریں اور جس سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں سب وہاں ہو گا۔ اور تم یہاں ہمیشہ رہو گے۔ یہی وہ بہشت ہے کہ تم اپنے اعمال کے بدلے اس کے وارث بنائے گئے ہو۔ یہاں تمہارے لئے بکثرت میوے ہیں جنہیں تم کھاتے رہو گے۔

قیامت کے دن دوستی دشمنی میں بدل جائے گی: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ دیکھو تو یہ مشرک قیامت کا انتظار کر

رہے ہیں جو محض بے سود ہے اس لئے کہ اس کے آنے کا کسی کو صحیح وقت تو معلوم نہیں وہ اچانک یونہی بے خبری کی حالت میں آ جائے گی۔ اس وقت گو نادم ہوں لیکن اس سے کیا فائدہ یہ گو اسے ناممکن سمجھے ہوئے ہیں لیکن وہ نہ صرف ممکن بلکہ یقیناً آنے والی ہی ہے۔ اور اس وقت کا یہ اس کے بعد کا کوئی عمل کسی کو کچھ نفع نہ دے گا۔ اس دن تو جن کی دوستیاں غیر اللہ کیلئے تھیں وہ سب عداوت سے بدل جائیں گی۔ ہاں جو دوستی صرف اللہ تعالیٰ کے واسطے تھی وہ باقی اور دائم رہے گی۔ جیسے خلیل الرحمٰن علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا کہ تم نے بتوں سے جو دوستیاں کر رکھی ہیں یہ صرف دنیا کے رہنے تک ہی ہیں قیامت کے دن تو ایک دوسرے کا نہ صرف انکار کریں گے بلکہ ایک دوسرے پر لعنت بھیجیں گے اور تمہارا ٹھکانا جہنم ہو گا اور کوئی نہ ہو گا جو تمہاری امداد پر آئے۔ ابن ابی حاتم میں مروی ہے کہ امیر المومنین حضرت علیؓ فرماتے ہیں دو ایماندار جو آپس میں دوست ہوتے ہیں جب ان میں سے ایک کا انتقال ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے جنت کی خوشخبری ملتی ہے تو وہ اپنے دوست کو یاد کرتا ہے اور کہتا ہے اے اللہ! فلاں شخص میرا دلی دوست تھا جو مجھے تیری اور تیرے رسول ﷺ کی اطاعت کا حکم دیتا تھا بھلائی کی ہدایت کرتا تھا برائی سے روکتا تھا اور مجھے یقین دلایا کرتا تھا کہ ایک روز اللہ تعالیٰ سے ملنا ہے پس اے باری تعالیٰ! تو اسے راہ حق پر ثابت قدم رکھ یہاں تک کہ اسے بھی تو وہ دکھائے جو تو نے مجھے دکھایا ہے اور اس سے بھی تو اسی طرح راضی ہو جائے جس طرح مجھ سے راضی ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب ملتا ہے تو ٹھنڈے کلیجوں چلا جا۔ اس کے لئے جو کچھ میں نے تیار کیا ہے اگر تو اسے دیکھ لیتا تو تو بہت ہنستا اور بالکل آزردہ نہ ہوتا۔ پھر جب دوسرا دوست مرتا ہے اور ان کی روحیں ملتی ہیں تو کہا جاتا ہے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کا تعلق بیان کرو۔ پس ہر ایک دوسرے سے کہتا ہے کہ یہ میرا بڑا اچھا بھائی تھا اور نہایت نیک ساتھی تھا اور بہت بہتر دوست تھا۔ دو کافر جو آپس میں ایک دوسرے کی دوست تھے جب ان میں سے ایک مرتا ہے اور جہنم کی خبر دیا جاتا ہے تو اسے بھی اپنا دوست یاد آتا ہے اور کہتا ہے باری تعالیٰ! فلاں شخص میرا دوست تھا تیری اور تیرے نبی کی نافرمانی کی مجھے تعلیم دیتا تھا برائیوں کی رغبت دلاتا تھا بھلائیوں سے روکتا تھا اور تیری ملاقات نہ ہونے کا مجھے یقین دلاتا تھا پس تو اسے میرے بعد ہدایت نہ کرتا کہ وہ بھی وہی دیکھے جو میں نے دیکھا اور اس پر تو اسی طرح ناراض ہو جس طرح مجھ پر غضبناک ہوا۔ پھر جب دوسرا دوست مرتا ہے اور ان کی روحیں جمع ہوتی ہیں تو کہا جاتا ہے کہ تم دونوں ایک دوسرے کے اوصاف بیان کرو تو ہر ایک کہتا ہے تو بڑا برا بھائی تھا اور برا ساتھی تھا اور بدترین دوست تھا۔ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت مجاہدؒ اور حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں ہر دوستی قیامت کے دن دشمنی سے بدل جائے گی مگر پرہیزگاروں کی دوستی۔ ابن عساکر میں ہے کہ جن دو شخصوں نے اللہ تعالیٰ کے لئے آپس میں دوستانہ کر رکھا ہے خواہ ایک مشرق میں ہو اور دوسرا مغرب میں لیکن قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انہیں جمع کر کے فرمائے گا کہ یہی ہے جسے تو میری وجہ سے چاہتا تھا۔

پھر فرمایا کہ ان متقین سے روز قیامت میں کہا جائے گا کہ تم غم و ہراس سے دور رہو ہر طرح سے امن چین سے رہو سہو۔ یہ ہے تمہارے ایمان و اسلام کا بدلہ یعنی باطن میں یقین و اعتقاد کامل اور ظاہر میں شریعت پر عمل۔ حضرت معتمر بن سلیمانؒ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ قیامت کے دن جب کہ لوگ اپنی اپنی قبروں سے کھڑے کئے جائیں گے تو سب کے سب گھبراہٹ اور بے چینی میں ہوں گے۔ اس وقت ایک منادی ندا کرے گا کہ اے میرے بندو! آج کے دن نہ تم پر خوف ہے نہ ہراس تو سارے کے سارے اسے عام سمجھ کر خوش ہو جائیںگے۔ وہیں منادی کہے گا وہ لوگ جو دل سے ایمان لائے تھے اور جسم سے نیک کام کئے تھے۔ اس وقت سوائے سچے پکے مسلمانوں کے باقی سب مایوس ہو جائیں گے۔ پھر ان سے کہا جائے گا کہ تم اور تم جیسے نعمت و سعادت کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ۔ سورہ روم میں اس کی تفسیر گزر چکی ہے۔ چو طرف سے ان کے سامنے

طرح طرح کے ملذ مرغن خوش ذائقہ مرغوب کھانوں کی کشتیاں رکابیاں اور قابیں پیش ہوں گی اور چھلکتے ہوئے جام ہاتھوں میں لئے غلمان ادھر ادھر گردش کر رہے ہوں گے ﴿ تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ ﴾ اور ﴿ تَشْتَهِي الْاَنْفُسُ ﴾ دونوں قرائتیں ہیں۔

یعنی انہیں مزیدار خوش بو والے اچھی رنگت والے من مانے کھانے پینے ملیں گے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں سب سے نیچے درجہ کا جنّتی جو سب سے آخر میں جائے گا اس کی نگاہ سو سال کے راستے تک جاتی ہو گی لیکن برابر وہاں تک اسے اپنے ہی ڈیرے خیمے اور محل سونے کے اور زمرد کے نظر آئیں گے جو تمام کے تمام قسم قسم اور رنگ برنگ کے ساز و سامان سے پر ہوں گے۔ صبح شام ستر ستر ہزار رکابیاں پیالے الگ الگ وضع کے کھانے سے پر اس کے سامنے رکھے جائیں گے جن میں سے ہر ایک اس کی خواہش کے مطابق ہو گا اور اوّل سے آخر تک اس کی اشتہا برابر اور یکساں رہے گی۔ اگر وہ روئے زمین والوں کی دعوت کرے تو سب کو کفایت ہو جائے اور کچھ نہ گھٹے (عبدالرزاق۔)

ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضور ﷺ نے جنت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ جنّتی ایک لقمہ اٹھائے گا اور اس کے دل میں خیال آئے گا کہ فلاں قسم کا کھانا ہوتا' چنانچہ وہ نوالہ اس کے منہ میں وہی چیز بن جائے گا جس کی اس نے خواہش کی تھی۔ پھر آپ ﷺ نے اسی آیت کی تلاوت کی۔ مسند احمد میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں سب سے ادنی مرتبہ کے جنّتی کے بالا خانے کی سات منزلیں ہو نگی۔ یہ چھٹی منزل میں ہو گا اور اس کے اوپر ساتویں ہو گی۔ اس کے تیس خادم ہوں گے جو صبح شام تین سو سونے کے برتنوں میں اس کے لئے طعام و شراب پیش کریں گے ہر ایک میں الگ الگ قسم کا عجیب و غریب اور نہایت لذیذ کھانا ہو گا۔ اوّل سے آخر تک اسے کھانے کی اشتہا ویسی ہی رہے گی اسی طرح تین سو سونے کے پیالوں اور کٹوروں اور گلاسوں میں اسے پینے کی چیزیں دی جائیں گی۔ وہ بھی ایک سے ایک سوا ہو گی۔ یہ کہے گا کہ اے اللہ! اگر تو مجھے اجازت دے تو میں تمام جنتیوں کی دعوت کروں سب بھی اگر میرے ہاں کھا جائیں تو بھی میرے کھانے میں کمی نہیں آسکتی۔ اور اس کی بہتر بیویاں حور عین میں سے ہوں گی۔ اور دنیا کی اور بیویاں الگ ہوں گی۔ ان میں سے ایک ایک میل میل بھر کی جگہ میں بیٹھے گی۔ پھر ساتھ ہی ان سے کہا جائے گا کہ یہ نعمتیں بھی ہمیشگی والی ہیں۔ اور تم بھی یہاں ہمیشہ ہی رہو گے نہ موت آئے نہ گھاٹا آئے' نہ جگہ بدلے نہ تکلیف پہنچے۔ پھر ان پر اپنا فضل و احسان بتلایا جاتا ہے کہ تمہارے اعمال کا بدلہ میں نے اپنی وسیع رحمت سے تمہیں یہ دیا ہے کیونکہ کوئی شخص بغیر اللہ کی رحمت کے صرف اپنے اعمال کی بناء پر نہیں جا سکتا۔ ہاں البتہ جنت کے درجوں میں تفاوت جو ہو گا وہ نیک اعمال کے تفاوت کی وجہ سے۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول مقبول ﷺ فرماتے ہیں جہنمی اپنی جنت کی جگہ جہنّم میں سے دیکھیں گے اور حسرت و افسوس سے کہیں گے اگر اللہ تعالیٰ مجھے بھی ہدایت کرتا تو میں بھی متقیوں میں ہو جاتا۔ اور ہر ایک جنّتی بھی اپنی جہنّم کی جگہ جنت میں سے دیکھے گا اور اللہ تعالیٰ کا شکر کرتے ہوئے کہے گا کہ ہم خود اپنے طور پر راہ راست کے حاصل کرنے پر قادر نہ تھے اگر اللہ تعالیٰ خود ہماری رہنمائی نہ کرتا۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں ہر ہر شخص کی ایک جگہ جنت میں ہے۔ اور ایک جگہ جہنّم میں۔ پس کافر مومن کی جہنّم کی جگہ کا وارث ہو گا۔ اور مومن کافر کی جنت کی جگہ کا وارث ہو گا۔ یہی فرمان باری تعالیٰ ہے کہ اس جنت کے وارث تم بسبب اپنے اعمال کے بنائے گئے ہو۔

کھانے پینے کے ذکر کے بعد اب میووں اور ترکاریوں کا بیان ہو رہا ہے کہ یہ بھی بکثرت مرغوب طبع انہیں ملیں گی جس قسم کی یہ چاہیں اور ان کی خواہش ہو۔ غرض بھرپور نعمتوں کے ساتھ رب تعالیٰ کی رضامندی کے گھر میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی نصیب فرمائے آمین۔

إِنَّ الْمُجْرِمِينَ فِي عَذَابِ جَهَنَّمَ خَلِدُونَ ﴿۷۴﴾ لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيهِ مُبْلِسُونَ ﴿۷۵﴾ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوا هُمُ الظّٰلِمِينَ ﴿۷۶﴾ وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ط قَالَ إِنَّكُمْ مّٰكِثُونَ ﴿۷۷﴾ لَقَدْ جِئْنٰكُمْ بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُونَ ﴿۷۸﴾ أَمْ أَبْرَمُوا أَمْرًا فَإِنَّا مُبْرِمُونَ ﴿۷۹﴾ أَمْ يَحْسَبُونَ أَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰهُمْ ط بَلٰى وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُونَ ﴿۸۰﴾

بے شک گنہگار لوگ عذاب دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ عذاب کبھی بھی ان سے ہلکا نہ کیا جائے گا۔ اور وہ اسی میں مایوس پڑے رہیں گے۔ اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ یہ خود ہی ظالم تھے۔ اور پکار پکار کر کہیں گے کہ اے مالک! تیرا رب تعالیٰ ہمارا کام ہی تمام کر دے۔ وہ کہے گا کہ تمہیں تو ہمیشہ رہنا ہے۔ ہم تو تمہارے پاس حق لے آئے لیکن تم میں سے اکثر لوگ حق سے نفرت رکھنے والے ہیں۔ کیا انھوں نے کسی کام کا پختہ ارادہ کر لیا ہے تو یقین مانو کہ ہم بھی پختہ کام کرنیوالے ہیں۔ کیا ان کا یہ خیال ہے کہ ہم ان کی پوشیدہ باتوں کو اور ان کے مشوروں کو نہیں سنتے؟ برابر سن رہے ہیں بلکہ ہمارے بھیجے ہوئے ان کے پاس ہی لکھ رہے ہیں۔

جہنم موت کی تمنا کریں گے: اوپر چونکہ نیک لوگوں کا حال بیان ہوا تھا اس لئے یہاں بد بختوں کا حال بیان ہو رہا ہے کہ یہ گنہگار جہنم کے عذابوں میں ہمیشہ رہیں گے۔ ایک ساعت بھی انہیں ان عذابوں میں تخفیف نہ ہو گی اور اس میں وہ ناامید محض ہو کر پڑے رہیں گے ہر بھلائی سے وہ مایوس ہو جائیں گے۔ ہم ظلم کرنے والے نہیں بلکہ انہوں نے خود اپنی بد اعمالیوں کی وجہ سے اپنی جان پر آپ ہی ظلم کیا۔ ہم نے رسول بھیجے کتابیں نازل فرمائیں۔ حجت قائم کر دی لیکن یہ اپنی سرکشی سے عصیان سے طغیان سے باز نہ آئے اس پر یہ بدلہ پایا۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا کوئی ظلم نہیں اور نہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم کرتا ہے۔ یہ جہنمی مالک کو یعنی داروغہ جہنم کو پکاریں گے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضور ﷺ نے منبر پر اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا یہ موت کی آرزو کریں گے تاکہ عذاب سے چھوٹ جائیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ ہو چکا ہے کہ ﴿ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا ﴾ یعنی نہ تو انہیں موت آئے گی اور نہ عذاب کی تخفیف ہو گی۔ اور فرمان باری تعالیٰ ہے ﴿ وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى الَّذِيْ يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى۔ ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ﴾ یعنی وہ بد بخت اس نصیحت سے علیحدہ ہو جائیگا جو بڑی سخت آگ میں پڑے گا پھر وہاں نہ مرے گا اور نہ جئے گا۔ پس جب یہ داروغہ جہنم سے نہایت لجاجت سے کہیں گے کہ آپ ہماری موت کی دعا اللہ تعالیٰ سے کیجئے۔ تو وہ جواب دے گا کہ تم اسی میں پڑے رہنے والے ہو مرو گے نہیں۔ ابن عباس ؓ فرماتے ہیں مکث ایک ہزار سال ہے یعنی نہ مرو گے نہ چھٹکارا پاؤ گے نہ بھاگ سکو گے۔ پھر ان کی سیاہ کاری کا بیان ہو رہا ہے کہ جب ہم نے ان کے سامنے حق کو پیش کر دیا واضح کر دیا تو انہوں نے اسے مانا تو ایک طرف اس سے نفرت کی ان کی طبیعت ہی اس طرف مائل نہ ہوئی حق اور حق والوں سے نفرت کرتے رہے اس سے رکتے رہے۔ ہاں ناحق کی طرف مائل رہے ناحق والوں سے ان کی خوب بنتی رہی۔ پس تم اپنے نفس کو ہی ملامت کرو اور اپنے اوپر ہی افسوس کرو۔ لیکن آج کا افسوس بھی بے فائدہ ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ انہوں نے بد ترین مکر اور زبردست داؤں کھیلنا چاہا تو ہم نے بھی ان کے ساتھ یہی کیا۔ حضرت مجاہدؒ کی یہی تفسیر ہے اور اس کی شہادت اس آیت میں ہے ﴿ وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴾ یعنی انہوں نے مکر کیا اور ہم نے بھی اس طرح مکر کیا کہ انہیں پتہ بھی نہ چلا۔ مشرکین حق کو ٹالنے کیلئے طرح طرح کی حیلہ سازی کرتے رہتے

تھے اللہ تعالیٰ نے بھی انہیں دھوکے میں ہی رکھا اور اس کا وبال جب تک ان کے سروں پر نہ آ گیا ان کی آنکھیں نہ کھلیں۔ اسی لئے اس کے بعد ہی فرمایا کہ کیا ان کا گمان ہے کہ ہم ان کی پوشیدہ باتیں اور خفیہ سرگوشیاں سن نہیں رہے۔ ان کا یہ گمان بالکل غلط ہے۔ ہم تو ان کی سرشت تک سے واقف ہیں بلکہ ہمارے مقرر کردہ فرشتے بھی ان کے پاس بلکہ ان کے ساتھ ہیں جو نہ صرف دیکھ ہی رہے ہیں بلکہ لکھ بھی رہے ہیں۔

قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ﴿٨١﴾ سُبْحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿٨٢﴾ فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَيَلْعَبُوْا حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿٨٣﴾ وَهُوَ الَّذِيْ فِي السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِي الْاَرْضِ اِلٰهٌ ۭ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ﴿٨٤﴾ وَتَبٰرَكَ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٨٥﴾ وَلَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿٨٦﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿٨٧﴾ وَقِيْلِهٖ يٰرَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٨٨﴾ فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلٰمٌ ۭ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿٨٩﴾

وقف لازم

ع ۱۳

کہہ دے اگر بالفرض رحمان کی اولاد ہو تو میں سب سے پہلے عبادت گزار ہوتا۔ آسمان و زمین اور عرش کا رب جو کچھ یہ بیان کرتے ہیں اس سے بہت پاک ہے۔ اب تو انہیں اسی بحث مباحثہ اور کھیل کود میں چھوڑ دے یہاں تک کہ انہیں اس دن سے سابقہ پڑ جائے جن کا یہ وعدہ دیئے جاتے ہیں۔ وہی آسمانوں میں بھی معبود ہے۔ اور زمین میں بھی وہی قابل عبادت ہے اور وہ بڑی حکمت والا اور پورے علم والا ہے۔ اور وہ بہت برکتوں والا ہے جس کے پاس آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی بادشاہت ہے۔ قیامت کا علم بھی اسی کے پاس ہے۔ اور اسی کی جانب تم سب لوٹائے جاؤ گے۔ جنہیں یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا پکارتے ہیں وہ شفاعت کرنے کا اختیار نہیں رکھتے۔ ہاں مستحق شفاعت وہ ہیں جو حق بات کا اقرار کریں اور انہیں علم بھی ہو۔ اگر تو ان سے دریافت کرے کہ انہیں کس نے پیدا کیا ہے؟ تو یقیناً یہ جواب دیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے پھر یہ کہاں الٹے جاتے ہیں۔ اور پیغمبر کا اکثر یہ کہنا کہ اے میرے رب یقیناً یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان نہیں لاتے۔ پس تو ان سے منہ پھیر لے اور رخصتانہ سلام کہدے۔ انہیں خود ہی معلوم ہو جائے گا۔

اگر اللہ کی اولاد ہوتی تو؟ اے نبی آپ اعلان کر دیجئے کہ اگر بالفرض اللہ تعالیٰ کی اولاد ہو تو مجھے سر جھکانے میں کیا تامل ہے؟ نہ میں اس کے فرمان سے سرتابی کروں نہ اسکے کسی حکم کو ٹالوں اگر ایسا ہوتا تو سب سے پہلے میں اسے مانتا اور اس کا اقرار کرتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات ایسی نہیں جس کا کوئی ہمسر اور جس کا کوئی کفو ہو۔ یاد رہے کہ بطور شرط کے جو کلام وارد کیا جائے اس کا وقوع ضروری نہیں بلکہ امکان بھی ضروری نہیں۔ جیسے فرمان باری تعالیٰ ہے ﴿لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ﴾ الخ۔ یعنی اگر حضرت حق جل وعلا اولاد کی خواہش کرتا تو اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا چن لیتا لیکن وہ اس سے پاک ہے۔ اسکی شان وحدانیت اسکے خلاف ہے اس کا تنہا غلبہ اور قہاریت اسکی صریح منافی ہے بعض مفسرین نے

﴿عَابِدِيْنَ﴾ کے معنے انکاری کے بھی کئے ہیں جیسے حضرت سفیان ثوریؒ ۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ﴿عَابِدِيْن﴾ سے مراد یہاں ﴿اَوَّلُ الجَاحِدِيْنِ﴾ ہے یعنی پہلا انکار کرنے والا۔ اور یہ ﴿عَبِدَ يَعْبُدُ﴾ کے باب سے ہے اور جو عبادت کے معنی میں ہوتا ہے وہ ﴿عَبَدَ يَعْبُدُ﴾ سے ہوتا ہے۔ اسی کی شہادت میں یہ واقعہ بھی ہے کہ ایک عورت کے نکاح کے چھ ماہ بعد بچہ ہوا۔ حضرت عثمانؓ نے اسے رجم کرنے کا حکم دیا۔ لیکن حضرت علیؓ نے اس کی مخالفت کی اور فرمایا اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ہے ﴿وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا﴾ یعنی حمل کی اور دودھ چھٹائی کی مدت ڈھائی سال کی ہے۔ اور جگہ اللہ عزوجل نے فرمایا ﴿وَ فِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ﴾ دو سال کے اندر اندر دودھ چھڑانے کی مدت ہے۔ حضرت عثمانؓ ان کا انکار نہ کر سکے اور فوراً آدمی بھیجا کہ اس عورت کو واپس کرو۔ یہاں بھی لفظ ﴿عَبِدَ﴾ ہے یعنی انکار نہ کر سکے ابن وہب کہتے ہیں ﴿عَبِدَ﴾ کے معنی نہ ماننا' انکار کرنا ہے۔ شاعر کے شعر میں بھی ﴿عَبِدَ﴾ انکار کے اور نہ ماننے کے معنے میں ہے۔ لیکن اس قول میں نظر ہے اس لئے کہ شرط کے جواب میں یہ کچھ ٹھیک طور پر لگتا نہیں۔ اسے ماننے کے بعد مطلب یہ ہو جائے گا کہ اگر رحمٰن کی اولاد ہے تو میں پہلے انکاری ہوں۔ اور اس میں کلام کی خوبصورتی قائم نہیں رہتی ہاں صرف یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان شرط کے لئے نہیں بلکہ نفی کے لئے ہے۔ جیسے کہ ابن عباسؓ سے منقول بھی ہے۔ تو اب مضمون کلام یہ ہوگا کہ چونکہ رحمان کی اولاد نہیں پس میں اس کا پہلا گواہ ہوں۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ یہ کلام عرب کے محاورے کے مطابق ہے یعنی نہ رحمان کی اولاد نہ میں اس کا قائل وعابد۔ ابوصخرؒ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ میں تو پہلے ہی اس کا عابد ہوں کہ اس کی اولاد ہے ہی نہیں اور میں اس کی توحید کو ماننے میں بھی آگے آگے ہوں۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں میں اس کا پہلا عبادت گزار ہوں اور موحد ہوں اور تمہاری تکذیب کرنے والا ہوں۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں میں پہلا انکاری ہوں۔ یہ دونوں لغت ہیں ﴿عابد﴾ اور ﴿عبد﴾ اور اوّل ہی زیادہ قریب ہے اس وجہ سے کہ یہ شرط و جزا ہے لیکن ہے یہ ممتنع اور محال محض ناممکن۔ سدیؒ فرماتے ہیں اگر اس کی اولاد ہوتی تو میں اسے پہلے مان لیتا کہ اس کی اولاد ہے لیکن وہ اس سے پاک ہے۔ ابن جریرؒ اسی کو پسند فرماتے ہیں اور جو لوگ ان کو نافیہ بتلاتے ہیں ان کے قول کی تردید کرتے ہیں۔ اسی لئے باری تعالیٰ عزوجل فرماتے ہیں کہ آسمان وزمین اور تمام چیزوں کا خالق اس سے پاک بہت دور اور بالکل منزہ ہے کہ اس کی اولا ہو وہ فرد واحد وصمد ہے اس کی نظیر کفو اولاد کوئی نہیں۔ ارشاد ہوتا ہے کہ اے نبی! انہیں اپنی جہالت میں غوطے کھاتے چھوڑو اور دنیا کے کھیل تماشوں میں مشغول رہنے دو۔ اسی غفلت میں ان پر قیامت ٹوٹ پڑے گی۔ اس وقت اپنا انجام معلوم کر لیں گے۔

پھر ذات حق کی بزرگی اور عظمت اور جلال کا مزید بیان ہوتا ہے کہ زمین وآسمان کی تمام مخلوقات اس کی عابد ہے اس کے سامنے پست اور عاجز ہے وہ حکیم وعلیم ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے کہ زمین وآسمان میں اللہ تعالیٰ وہی ہے۔ ہر پوشیدگی اور ظاہر کو اور تمہارے ہر ہر عمل کو جانتا ہے۔ وہ سب کا خالق ومالک سب کار چلانے اور بنانے والا سب پر حکومت اور سلطنت رکھنے والا بڑی برکتوں والا ہے وہ تمام عیبوں سے کل نقصانات سے پاک ہے وہ سب کا مالک ہے بلندیوں اور عظمتوں والا ہے کوئی نہیں جو اس کا حکم ٹال سکے کوئی نہیں جو اس کی مرضی بدل سکے ہر ایک پر قابض وہی ہے ہر ایک کام اس کی قدرت کے ماتحت ہے۔ قیامت کے آنے کے وقت کو وہی جانتا ہے اس کے سوا کسی کو اس کے آنے کا ٹھیک وقت کا علم نہیں۔ ساری مخلوق اسی کی طرف لوٹائی جائے گی وہ ہر ایک کو اپنے اپنے اعمال کا بدلہ دے گا۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ان کفاروں کے معبودان باطل جنھیں یہ اپنا سفارشی خیال کئے بیٹھے ہیں ان میں سے کوئی بھی سفارش کے لئے آگے بڑھ نہیں سکتا کسی کی شفاعت انہیں کام نہ آئیگی۔ اس کے بعد کا استثناء منقطع ہے یعنی لیکن جو شخص حق کا اقراری اور شاہد ہو اور وہ خود بھی بصیرت وبصارت پر یعنی علم ومعرفت والا ہو اسے اللہ تعالیٰ کے حکم سے نیک لوگوں کی شفاعت

کارآمد ہو گی۔ ان سے اگر تو پوچھے کہ ان کا خالق کون ہے؟ تو یہ اقرار کریں گے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ افسوس کہ خالق اسی ایک کو مان کر پھر عبادت دوسروں کی بھی کرتے ہیں جو محض مجبور اور بالکل بے قدرت ہیں اور کبھی اپنی عقل کو کام میں نہیں لاتے کہ جب پیدا اسی ایک نے کیا تو ہم دوسرے کی عبادت کیوں کریں؟ جہالت و عباوت کند ذہنی اور بے وقوفی اتنی بڑھ گئی ہے کہ ایسی سیدھی سی بات مرتے دم تک سمجھ میں نہ آئی بلکہ سمجھانے سے بھی نہ سمجھے۔ اسی لئے تعجباً ارشاد ہوا کہ اتنا مانتے ہوئے پھر کیوں اوندھے ہوئے جاتے ہو؟ پھر ارشاد ہے کہ محمد ﷺ نے اپنا یہ کہنا کہا یعنی اپنے رب تعالیٰ کی طرف شکایت کی اور اپنی قوم کی تکذیب کا بیان کیا کہ یہ ایمان قبول نہیں کرتے جیسے اور آیت میں ہے ﴿ وَ قَالَ الرَّسُوْلُ یٰا رَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ﴾ یعنی رسول ﷺ کی یہ شکایت اللہ تعالیٰ کے سامنے ہو گی کہ میری اُمّت نے اس قرآن کو چھوڑ رکھا تھا۔ امام ابن جریر بھی یہی تفسیر کرتے ہیں۔ امام بخاری فرماتے ہیں ابن مسعودؓ کی قرات ﴿وَ قَالَ الرَّسُوْلُ یٰارَبِّ هٰٓؤُلَآءِ ﴾ الخ ہے۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں اللہ عزوجل اپنے نبی ﷺ کا قول نقل فرما رہا ہے۔

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ یہ تمہارے نبی ﷺ کا قول ہے اپنے رب تعالیٰ کے سامنے اپنی قوم کی شکایت پیش کرتے ہیں۔ ابن جریرؒ نے ﴿قِیْلِهٖ﴾ کی دوسری قرائت لام کے زبر کے ساتھ بھی نقل کی ہے۔ اس کی ایک توجیہ تو یہ ہو سکتی ہے کہ یہ ﴿ نَسْمَعُ سِرَّ هُمْ وَ نَجْوٰهُمْ ﴾ پر معطوف ہے۔ دوسرے یہ کہ یہاں فعل مقدر مانا جائے یعنی ﴿قَالَ﴾ کو مقدر مانا جائے۔ دوسری قرات یعنی لام کے زیر کے ساتھ جب ہو تو یہ عطف ہو گا ﴿وَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ﴾ پر تو تقدیر یوں ہو گی کہ قیامت کا علم اور اس قول کا علم اس کے پاس ہے۔ ختم سورہ پر ارشاد ہوتا ہے کہ مشرکین سے منہ موڑ لو اور ان کی بدزبانی کا بد کلامی سے جواب نہ دو۔ بلکہ ان کے دل پر چانے کی خاطر قول میں اور فعل میں دونوں میں نرمی برتو۔ کہدو کہ سلام ہے۔ انہیں ابھی حقیقت حال معلوم ہو جائے گی۔ اس میں ربّ قدوس کی طرف سے مشرکین کو بڑی دھمکی ہے اور یہی ہو کر بھی رہا کہ ان پر عذاب آیا جو ان سے ٹل نہ سکا۔ حضرت حق جل وعلا نے اپنے دین کو بلند و بالا کیا اپنے کلمہ کو چو طرف پھیلا دیا۔ اپنے موحد مومن اور مسلم بندوں کو قوی کر دیا اور پھر انہیں جہاد کے اور جلاوطن کرنے کے احکام دے کر اس طرح دنیا میں غالب کر دیا کہ خدا تعالیٰ کے دین میں بیشمار آدمی داخل ہوئے اور مشرق و مغرب میں اسلام پھیل گیا۔ فالحمد للہ واللہ اعلم۔

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے سورہ زخرف کی تفسیر ختم ہوئی۔

تفسیر سورۂ دخان مکیہ

جامع ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جو شخص رات کو ﴿سُوْرَةَ حٰمٓ دُخَانْ﴾ پڑھے اس کے لئے صبح تک ستر ہزار فرشتے استغفار کرتے رہتے ہیں۔ یہ حدیث غریب ہے اور اس کے ایک راوی عمرو بن ابی خثعم ضعیف ہیں۔ امام بخاریؒ انہیں منکر الحدیث کہتے ہیں۔ ترمذی کی ایک اور حدیث میں ہے کہ جس نے اس سورۃ کو جمعہ کی رات پڑھا اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ یہ حدیث بھی غریب ہے اور اس کے ایک راوی ابوالمقدام ہشام ضعیف ہیں اور دوسرے راوی حسن کا حضرت ابوہریرہؓ سے سننا ثابت نہیں۔ مسند بزار میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابن صیاد کے سامنے اپنے دل میں سورہ دخان کو پوشیدہ کر کے اس سے پوچھا کہ بتا میرے دل میں کیا ہے؟ اس نے کہا دخ۔ آپ نے فرمایا بس پرے ہٹ جا نامراد رہ گیا جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے ہوتا ہے۔ پھر آپ ﷺ لوٹ گئے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حٰمٓ ۚ ﴿۱﴾ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۙ ﴿۲﴾ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ﴿۳﴾ فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ۙ ﴿۴﴾ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا ۭ اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ﴿۵﴾ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۙ ﴿۶﴾ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۘ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ﴿۷﴾ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۭ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَاۗىِٕكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۸﴾

اللہ تعالیٰ مہربان و کرم فرما کے نام سے شروع قسم ہے اس وضاحت والی کتاب کی یقیناً ہم نے اسے بابرکت رات میں اتارا ہے۔ بیشک ہم ہوشیار کر دینے والے ہیں۔ اسی رات میں ہر ایک مضبوط کام کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ ہمارے پاس سے حکم ہو کر۔ ہم ہی ہیں رسول بنا کر بھیجنے والے۔ تیرے ربّ تعالیٰ کی مہربانی سے۔ وہ ہے بہت بڑا سننے والا جاننے والا۔ جو ربّ ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اگر تم یقین کرنے والے ہو۔ کوئی معبود نہیں اس کے سوا وہی جلاتا ہے اور مارتا ہے۔ وہی تمہارا ربّ تعالیٰ ہے اور تمہارے اگلے باپ دادوں کا۔

لیلۃ القدر رمضان میں ہے نہ کہ شعبان میں: اللہ تبارک و تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ اس عظیم الشان قرآن کریم کو بابرکت رات یعنی لیلۃ القدر میں نازل فرمایا ہے جیسے ارشاد ہے ﴿ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ﴾ ہم نے اسے لیلۃ القدر میں نازل فرمایا ہے۔ اور یہ رات رمضان المبارک میں ہے جیسے اور آیت ہے ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ ﴾ رمضان کا مہینہ ہو مہینہ ہے جس میں قرآن کریم اتارا گیا۔ سورہ بقرہ میں اس کی پوری تفسیر گزر چکی ہے اس لئے دوبارہ نہیں لکھتے بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ لیلہ مبارکہ جس میں قرآن کریم نازل ہوا وہ شعبان کی پندرھویں رات ہے لیکن یہ قول سراسر تکلف والا ہے اس لئے کی نص قرآن میں قرآن کا رمضان میں نازل ہونا ثابت ہے۔ اور جس حدیث میں مروی ہے کہ شعبان میں اگلے شعبان تک کے تمام کام مقرر کر دیئے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ نکاح کا اور اولاد کا اور میت کا ہونا بھی۔ وہ حدیث مرسل ہے اور ایسی احادیث میں سے نص قرآنی کا معارضہ نہیں کیا جا سکتا۔ ہم لوگوں کو آگاہ کر دینے والے ہیں یعنی انہیں خیر و شر نیکی بدی معلوم کرا دینے والے ہیں تا کہ مخلوق پر حجت ثابت ہو جائے اور لوگ علم شرعی حاصل کر لیں اسی شب ہر محکم کام طے کیا جاتا ہے یعنی لوح محفوظ سے کاتب فرشتوں کے حوالے کیا جاتا ہے تمام سال کے کل اہم کام عمر روزی وغیرہ سب طے کر لی جاتی ہے۔ حکیم کے معنی محکم اور مضبوط کے ہیں جو بدلے نہیں۔ وہ سب ہمارے حکم سے ہوتا ہے۔ ہم رسولوں کو ارسال کرتے ہیں تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیتیں اللہ تعالیٰ کے بندوں کو پڑھ سنائیں جس کی انہیں سخت ضرورت اور پوری حاجت ہے۔ یہ تیرے ربّ تعالیٰ کی رحمت ہے اس رحمت کا کرنے والا قرآن کو اتارنے والا اور رسولوں کو بھیجنے والا وہ اللہ تعالیٰ ہے جو آسمان زمین اور کل چیز کا مالک ہے اور سب کا خالق ہے۔ تم اگر یقین کرنے والے ہو تو اس کے باور کرنے کے کافی وجوہ موجود ہیں۔ پھر ارشاد ہوا کہ معبود برحق بھی وہی ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ ہر ایک کی موت زیست اسی کے ہاتھ ہے تمہارا اور تم سے اگلوں کا سب کا پالنے پوسنے والا وہی ہے۔ اس آیت کا مضمون اس آیت جیسا ہے ﴿ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ﴾ الخ یعنی تو اعلان کر دے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں وہ اللہ تعالیٰ جسکی بادشاہت ہے آسمان و زمین کی۔ جسکے سوا کوئی معبود نہیں جو جلاتا اور مارتا ہے۔

بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ يَّلْعَبُوْنَ ﴿۹﴾ فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۰﴾ يَّغْشَى النَّاسَ ۭ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۱﴾ رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲﴾ اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى وَقَدْ جَاۗءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ ﴿۱۴﴾ اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيْلًا اِنَّكُمْ عَاۗىِٕدُوْنَ ﴿۱۵﴾ يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى ۚ اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ ﴿۱۶﴾

وقف لازم وقف لازم

بلکہ وہ شک میں ہیں کھیل میں پڑے ہیں۔ تو اس دن کا منتظر رہ جب کہ آسمان ظاہر دھواں لائے جو لوگوں کو گھیر لے۔ یہ ہے دکھ کی مار۔ کہیں گے کہ اے ہمارے رب! یہ آفت ہم سے دور کر ہم ایمان قبول کرتے ہیں۔ ان کے لئے نصیحت کہاں ہے؟ کھول کھول کر بیان کرنے والے پیغمبران کے پاس آ چکے۔ پھر بھی انہوں نے ان سے منہ موڑا اور کہہ دیا کہ سکھایا پڑھایا ہوا باؤلا ہے۔ ہم عذاب کو کچھ دنوں دور کر دیں گے تو تم پھر اپنی اسی حالت پر آ جاؤ گے۔ جس دن ہم بڑی سخت پکڑ پکڑیں گے۔ بالیقین ہم بدلہ لینے والے ہیں۔

مشرکین مکہ پر دھواں کا عذاب: فرماتا ہے کہ حق آ چکا اور یہ شک شبہ میں اور لہو ولعب میں مشغول و مصروف ہیں۔ انہیں اس دن سے آگاہ کر دے جس دن آسمان سے سخت دھواں آئے گا۔ حضرت مسروق فرماتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ کوفہ کی مسجد میں گئے جو کندہ کے دروازوں کے پاس ہے تو دیکھا کہ ایک حضرت اپنے ساتھیوں میں قصہ گوئی کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس آیت میں جس دھوئیں کا ذکر ہے اس سے مراد وہ دھواں ہے جو قیامت کے دن منافقوں کے کانوں اور آنکھوں میں بھر جائے گا اور مومنوں کو مثل زکام کے ہو جائے گا۔ ہم وہاں سے جب واپس لوٹے اور حضرت ابن مسعودؓ سے اس کا ذکر کیا تو آپ لیٹے لیٹے بیتابی کے ساتھ بیٹھ گئے اور فرمانے لگے اللہ عزوجل نے اپنے نبی ﷺ سے فرمایا ہے میں تم سے اس پر کوئی بدلہ نہیں چاہتا اور میں تکلف کرنے والوں میں نہیں ہوں یہ بھی علم ہے کہ انسان جس چیز کو نہ جانتا ہو کہہ دے کہ اللہ تعالیٰ جانے۔ سنو میں تمہیں اس آیت کا صحیح مطلب بتاؤں جب کہ قریشیوں نے اسلام قبول کرنے میں تاخیر کی اور حضور ﷺ کو ستانے لگے تو آپ نے ان پر بددعا کی کہ یوسف علیہ السلام کے زمانے جیسا قحط ان پر آئے چنانچہ وہ دعا قبول ہوئی اور ایسی خشک سالی آئی کہ انہوں نے ہڈیاں اور مردار چبانا شروع کیا اور آسمان کی طرف نگاہیں ڈالتے تھے تو دھوئیں کے سوا کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ بوجہ بھوک کے ان کی آنکھوں میں چکر آنے لگا جب آسمان کی طرف نظر اٹھاتے تو درمیان میں ایک دھواں نظر آتا۔ اسی کا بیان ان دو آیتوں میں ہے لیکن پھر اس کے بعد لوگ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی ہلاکت کی شکایت کی۔ آپ ﷺ کو رحم آ گیا اور آپ ﷺ نے جناب باری تعالیٰ میں التجا کی چنانچہ بارش برسی۔ اسی کا بیان اس کے بعد والی آیت میں ہے کہ عذاب کے ہٹتے ہی یہ پھر کفر کرنے لگیں گے۔ اس سے صاف ثابت ہے کہ یہ دنیا کا عذاب ہے کیونکہ آخرت کے عذاب تو ہٹتے کھلتے اور دور ہوتے نہیں۔ حضرت ابن مسعودؓ کا قول ہے کہ پانچ چیزیں گزر چکیں۔ دخان/روم/قمر/بطشہ اور لزام (بخاری و مسلم) یعنی آسمان سے دھویں کا آنا رومیوں کا اپنی شکست کے بعد غلبہ پانا چاند کا دو ٹکڑے ہونا بدر کی بڑائی میں کفار کا پکڑا جانا اور ہارنا اور چمٹ جانے والا عذاب۔ بڑی سخت پکڑ سے مراد بدر کے دن کی لڑائی ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ جو مراد دھوئیں سے لیتے ہیں یہی قول مجاہدؒ، ابو العالیہؒ، ابراہیم نخعیؒ، ضحاکؒ، عطیہ عوفیؒ، وغیرہ کا ہے اور اسی کو ابن جریرؒ بھی ترجیح دیتے ہیں۔ عبدالرحمٰن اعرجؒ سے مروی ہے کہ یہ فتح مکہ کے دن ہوا۔ یہ قول غریب بلکہ منکر ہے۔

قیامت کا دھواں: اور بعض حضرات فرماتے ہیں یہ گزر نہیں گیا بلکہ قریب قیامت کے آئے گا۔ پہلے حدیث گزر چکی ہے کہ جب صحابہؓ قیامت کا ذکر کر رہے تھے اور حضور ﷺ آ گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا جب تک دس نشانات تم نہ دیکھ لو قیامت نہیں آنے کی۔ سورج کا مغرب سے نکلنا دھواں یاجوج ماجوج کا آنا حضرت عیسیٰ بن مریم کا آنا' دجال کا آنا' مشرق مغرب اور جزیرۃ العرب میں زمین کا دھنسایا جانا' آگ کا عدن سے نکل کر لوگوں کو ہانک کر یکجا کرنا' جہاں یہ رات گزاریں گے آگ بھی گزارے گی اور جہاں یہ دوپہر کو سوئیں گے آگ بھی قیلولہ کرے گی (مسلم۔) بخاری مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابن صیاد کے لئے دل میں ﴿فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ﴾ چھپا کر اس سے پوچھا کہ بتا میں نے اپنے دل میں کیا چھپا رکھا ہے؟ اس نے کہا دخ۔ آپ نے فرمایا بس برباد ہو اس سے آگے تیری نہیں چلنے کی۔ اس میں بھی ایک قسم کا اشارہ ہے کہ ابھی اس کا انتظار باقی ہے اور یہ کوئی آنے والی چیز ہے۔ چونکہ ابن صیاد بطور کاہنوں کے بعض باتیں دل کی زبان سے بتانے کا مدعی تھا اس کے جھوٹ کو ظاہر کرنے کے لئے آپ ﷺ نے یہ کیا اور جب وہ پورا نہ بتا سکا تو آپ ﷺ نے لوگوں کو اس کی حالت سے واقف کر دیا کہ اس کے ساتھ شیطان ہے۔ کلام صرف چرا لیتا ہے اور یہ اس سے زیادہ پر قدرت نہیں پانے کا۔ ابن جریرؒ میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں قیامت کی اولین نشانیاں یہ ہیں دجال کا آنا اور عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا نازل ہونا اور آگ کا بیچ عدن سے نکلنا جو لوگوں کو محشر کی طرف لے جائے گی۔ قیلولہ کے وقت اور رات کی نیند کے وقت بھی ان کے ساتھ رہے گی اور دھوئیں کا آنا۔ حضرت حذیفہؓ نے سوال کیا کہ حضور دھواں کیسا؟ آپ ﷺ نے اسی آیت کی تلاوت کی اور فرمایا یہ دھواں چالیس دن تک گھٹا رہے گا جس سے مسلمانوں کو تو مثل نزلے کے ہو جائے گا اور کافر بے ہوش بدحواس ہو جائے گا اس کے نتھنوں سے کانوں سے اور دوسری جگہ سے دھواں نکلتا رہے گا یہ حدیث اگر صحیح ہوتی پھر تو دخان کے معنے مقرر ہو جانے میں کوئی بات باقی نہ رہتی لیکن اس کی صحت کی گواہی نہیں دی جا سکتی۔ اس کے راوی رواد سے محمد بن خلف عسقلانی نے سوال کیا کہ کیا سفیان ثوریؒ سے تو نے خود یہ حدیث سنی ہے؟ اس نے انکار کیا۔ پوچھا کیا تو نے پڑھی اور اس نے سنی ہے کہا نہیں۔ پوچھا اچھا تمہاری موجودگی میں ان کے سامنے یہ حدیث پڑھی گئی؟ کہا نہیں۔ کہا اس حدیث کو کیسے بیان کرتے ہو؟ کہا میں نے تو بیان نہیں کی میرے پاس کچھ لوگ آئے اس روایت کو پیش کیا پھر جا کر میرے نام سے اسے بیان کرنی شروع کر دی۔ بات بھی یہی ہے۔ یہ حدیث بالکل موضوع ہے۔

ابن جریرؒ اسے کئی جگہ لائے ہیں اور اس میں بہت سی منکرات ہیں خصوصاً مسجد اقصیٰ کے بیان میں جو سورۂ بنی اسرائیل کے شروع میں ہے واللہ اعلم۔ اور حدیث میں ہے کہ تمہارے رب تعالیٰ نے تمہیں تین چیزوں سے ڈرایا ہے دھواں جو مومن کو زکام کر دیگا اور کافر کا تو سارا جسم پھلا دے گا روئیں روئیں سے دھواں اٹھے گا ﴿دَابَّةُ الْأَرْضِ﴾ اور دجال' اس کی سند بہت عمدہ ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں دھواں پھیل جائے گا مومن کو تو مثل زکام کے لگے گا اور کافر کے جوڑ جوڑ سے نکلے گا۔ یہ حدیث حضرت ابو سعید خدریؓ کے قول سے بھی مروی ہے اور حضرت حسنؒ کے اپنے قول سے بھی مروی ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں دخان گزر نہیں گیا بلکہ اب آئے گا۔ حضرت ابن عمرؓ سے دھوئیں کی بابت اوپر کی حدیث کی طرح روایت ہے۔ ابن ابی ملیکہؒ فرماتے ہیں کہ ایک دن صبح کے وقت میں حضرت ابن عباسؓ کے پاس گیا تو آپ فرمانے لگے رات کو میں بالکل نہیں سویا۔ میں نے پوچھا کیوں؟ فرمایا اس لئے کہ لوگوں سے سنا کہ دم دار ستارہ نکلا ہے تو مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں یہی دخان نہ ہو پس صبح تک میں نے آنکھ سے آنکھ نہیں ملائی۔ اسکی سند صحیح ہے اور حبر الامۃ ترجمان القران حضرت ابن عباسؓ کی ساتھ صحابہؓ اور تابعین بھی ہیں اور مرفوع حدیثیں بھی ہیں جن میں صحیح حسن اور ہر طرح کی ہیں اور ان سے ثابت ہوتا ہے کہ دخان ایک

علامت قیامت ہے جو آنے والی ہے۔ ظاہری الفاظ قرآن بھی اسی کی تائید کرتے ہیں کیونکہ قرآن نے اسے واضح اور ظاہر دھواں کہا ہے جسے ہر شخص دیکھ سکے۔ اور بھوک کے دھوئیں سے اسے تعبیر کرنا ٹھیک نہیں۔ کیونکہ وہ تو ایک خیالی چیز ہے بھوک پیاس کی سختی کی وجہ سے دھواں سا آنکھوں کے آگے نمودار ہو جاتا ہے جو دراصل دھواں نہیں۔ اور قرآن کے الفاظ ہیں دخان مبین کے پھر یہ فرمان کہ لوگوں کو ڈھانک لے گا۔ یہ بھی ابن عباسؓ کے تفسیر کی تائید کرتا ہے کیونکہ بھوک کے اس دھوئیں نے صرف اہل مکہ کو ڈھانکا تھا نہ کہ تمام لوگوں کو۔

پھر فرماتا ہے کہ یہ ہے المناک عذاب یعنی ان سے یوں کہا جائے گا جیسے اور آیت میں ہے ﴿يَوْمَ يُدَعُّوْنَ﴾ الخ جس دن انہیں جہنم کی طرف دھکیلا جائے گا کہ یہ وہ آگ ہے جسے تم جھٹلا رہے تھے' یا یہ مطلب کہ وہ خود ایک دوسرے سے یوں کہیں گے۔ کافر جب اس عذاب کو دیکھیں گے تو اللہ تعالیٰ سے اس کے دور ہونے کی دعا کریں گے۔ جیسے کہ اس آیت میں ہے ﴿وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ﴾ الخ یعنی کاش کہ تو انہیں دیکھتا جب یہ آگ کے پاس کھڑے کئے جائیں گے اور کہیں گے کاش کہ ہم لوٹائے جاتے تو ہم اپنے ربّ کی آیتوں کو نہ جھٹلاتے اور باایمان بن کر رہتے۔ اور آیت میں ہے کہ لوگوں کو ڈراوے کے ساتھ آگاہ کر دے جس دن ان کے پاس عذاب آئے گا اس دن گنہگار کہیں گے پروردگار ہمیں تھوڑے سے وقت تک اور ڈھیل دے دے تو ہم تیری پکار پر لبیک کہہ لیں اور تیرے رسولوں کی فرمانبرداری کر لیں۔ پس یہاں یہی کہا جاتا ہے کہ ان کے لئے نصیحت کہاں؟ ان کے پاس میرے پیغامبر آ چکے انہوں نے ان کے سامنے میرے احکام واضح طور پر رکھ دیئے لیکن ماننا تو کجا؟ انھوں نے پرواہ تک نہ کی بلکہ انہیں جھوٹا کہا ان کی تعلیم کو غلط کہا اور صاف کہہ دیا کہ یہ تو سکھائے پڑھائے ہیں انہیں جنون ہو گیا ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے اس دن انسان نصیحت حاصل کرے گا لیکن اب اس کے لئے نصیحت کہاں ہے؟ اور جگہ فرمایا ہے ﴿وَ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِهٖ وَ اَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ﴾ الخ یعنی اس دن عذابوں کو دیکھ کر ایمان لانا سراسر بے سود ہے۔ پھر جو ارشاد ہوتا ہے اس کے دو معنے ہو سکتے ہیں ایک تو یہ کہ اگر بالفرض ہم عذاب ہٹا لیں اور تمہیں دوبارہ دنیا میں بھیج دیں تو بھی تم وہاں جا کر یہی کرو گے جو اس سے پہلے کر کے آئے ہو جیسے فرمایا ﴿وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَ كَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ﴾ الخ۔ یعنی اگر ہم ان پر رحم کریں اور برائی ان سے ہٹا لیں تو پھر یہ اپنی سرکشی میں آنکھیں بند کر کے منہمک ہو جائیں۔

اور جیسے فرمایا ﴿وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ﴾ الخ یعنی اگر یہ لوٹائے جائیں تو قطعاً دوبارہ پھر ہماری نافرمانیاں کرنے لگیں گے اور محض جھوٹے ثابت ہوں گے۔ دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ اگر عذاب کے اسباب قائم ہو چکنے اور عذاب آ جانے کے بعد بھی گو ہم اسے تھوڑی دیر ٹھہرا لیں تاہم یہ اپنے بدباطنی اور خباثت سے باز نہیں آنے کے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ عذاب انہیں لگ گیا اور پھر ہٹ گیا' جیسے قوم یونس علیہ السلام کے حضرت حق تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے کہ قوم یونس جب ایمان لائی ہم نے ان سے عذاب ہٹا لیا۔ پس عذاب انہیں ہونا شروع نہیں ہوا تھا ہاں اس کے اسباب موجود و فراہم ہو چکے تھے۔ ان تک عذاب اللہ تعالیٰ پہنچ چکا تھا اور اس سے یہ بھی لازم نہیں آتا کہ وہ اپنے کفر سے ہٹ گئے تھے پھر اس کی طرف لوٹ گئے۔ چنانچہ حضرت شعیب علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں سے جب قوم نے کہا کہ یا تو تم ہماری بستی چھوڑ دو یا ہمارے مذہب میں لوٹ آؤ تو جواب میں اللہ تعالیٰ کے رسول علیہ السلام نے فرمایا کہ گو ہم اسے برا جانتے ہوں جب کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس سے نجات دے رکھی ہے۔ پھر بھی اگر ہم تمہاری ملت میں لوٹ آئیں تو ہم سے بڑھ کر جھوٹا اور اللہ تعالیٰ کے ذمے بہتان باندھنے والا اور کون ہو گا؟ ظاہر ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے اس سے پہلے بھی کبھی کفر میں قدم نہیں رکھا تھا۔

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ تم لوٹنے والے ہو اس سے مطلب عذاب اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنا ہے۔ بڑی اور سخت پکڑ

سے مراد جنگ بدر ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ اور آپ کے ساتھ کی وہ جماعت جو دخان کو ہو چکا ہوا مانتی ہے وہ تو بطشہ کے معنی یہی کرتی ہے بلکہ حضرت ابن عباسؓ سے حضرت ابی ابن کعبؓ اور ایک جماعت سے یہی منقول ہے گو یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے لیکن بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد قیامت کے دن کی پکڑ ہے گو بدر کا دن بھی پکڑ کا اور کفار پر سخت دن تھا۔ ابن جریر میں ہے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ گو حضرت ابن مسعودؓ اسے بدر کا دن بتاتے ہیں لیکن میرے نزدیک تو اس سے مراد قیامت کا دن ہے۔ اس کی اسناد صحیح ہے۔ حضرت حسن بصریؒ اور عکرمہ سے بھی دونوں روایتوں میں سے زیادہ صحیح روایت یہی ہے۔ واللہ اعلم۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَآءَهُمْ رَسُولٌ كَرِيمٌ ﴿۱۷﴾ أَنْ أَدُّوٓا إِلَيَّ عِبَادَ اللَّهِ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿۱۸﴾ وَأَن لَّا تَعْلُوا عَلَى اللَّهِ إِنِّي آتِيكُم بِسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ﴿۱۹﴾ وَإِنِّي عُذْتُ بِرَبِّي وَرَبِّكُمْ أَن تَرْجُمُونِ ﴿۲۰﴾ وَإِن لَّمْ تُؤْمِنُوا لِي فَاعْتَزِلُونِ ﴿۲۱﴾ فَدَعَا رَبَّهُ أَنَّ هَٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُونَ ﴿۲۲﴾ فَأَسْرِ بِعِبَادِي لَيْلًا إِنَّكُم مُّتَّبَعُونَ ﴿۲۳﴾ وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا إِنَّهُمْ جُندٌ مُّغْرَقُونَ ﴿۲۴﴾ كَمْ تَرَكُوا مِن جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿۲۵﴾ وَزُرُوعٍ وَمَقَامٍ كَرِيمٍ ﴿۲۶﴾ وَنَعْمَةٍ كَانُوا فِيهَا فَاكِهِينَ ﴿۲۷﴾ كَذَٰلِكَ وَأَوْرَثْنَاهَا قَوْمًا آخَرِينَ ﴿۲۸﴾ فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْأَرْضُ وَمَا كَانُوا مُنظَرِينَ ﴿۲۹﴾ وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِي إِسْرَآءِيلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِينِ ﴿۳۰﴾ مِن فِرْعَوْنَ إِنَّهُ كَانَ عَالِيًا مِّنَ الْمُسْرِفِينَ ﴿۳۱﴾ وَلَقَدِ اخْتَرْنَاهُمْ عَلَىٰ عِلْمٍ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿۳۲﴾ وَآتَيْنَاهُم مِّنَ الْآيَاتِ مَا فِيهِ بَلَٰٓؤٌا مُّبِينٌ ﴿۳۳﴾

یقیناً ان سے پہلے ہم قوم فرعون کو بھی آزما چکے ہیں جن کے پاس اللہ کا ذی عزت رسول آیا کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کو میرے حوالے کر دو یقین مانو کہ میں تمہارا باامانت رسول ہوں۔ تم اللہ تعالیٰ کے سامنے سرکشی نہ کرو۔ میں تمہارے پاس کھلی سند لانے والا ہوں اور میں اپنے اور تمہارے رب کی پناہ میں آتا ہوں اس سے کہ تم مجھے سنگسار کر دو۔ اور اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو مجھ سے الگ ہی رہو۔ پھر اپنے رب سے دعا کی کہ یہ سب گنہ گار لوگ ہیں۔ ہم نے کہہ دیا کہ راتوں رات تو میرے بندوں کو لے کر نکل یقیناً تمہارا پیچھا کیا جائے گا۔ تو دریا کو ساکن چھوڑ کر چلا جا۔ بلاشبہ یہ لشکر غرق کر دیا جائے گا۔ وہ بہت سے باغات اور چشمے چھوڑ گئے۔ اور کھیتیاں اور بہترین مکانات اور وہ آرام کی چیزیں جن میں عیش کر رہے تھے اسی طرح ہو گیا اور ہم نے ان سب کا وارث دوسری قوم کو بنا دیا۔ سو ان پر نہ تو آسمان و زمین روئے اور نہ انہیں مہلت ملی۔ بے شک ہم نے ہی بنی اسرائیل کو سخت ذلیل سزا سے نجات دی۔ جو فرعون کے طرف سے ہو رہی تھی۔ فی الواقع وہ سرکش اور حد سے گزر جانے والوں میں تھا۔ اور ہم نے دانستہ طور پر بنی اسرائیل کو دنیا جہاں والوں پر فوقیت دی۔ اور ہم نے انہیں ایسی نشانیاں دیں جن میں صریح آزمائش تھی۔

نیک آدمی کی وفات پر آسمان وزمین روتے ہیں: ارشاد ہوتا ہے کہ ان مشرکین سے پہلے مصر کے قبطیوں کو ہم نے جانچا۔ ان کی طرف اپنے بزرگ رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھیجا۔ انہوں نے میرا پیغام پہنچایا کہ بنی اسرائیل کو میرے ساتھ کر دو اور انہیں دکھ نہ دو۔ میں اپنی نبوت پر گواہی دینے والے معجزے اپنے ساتھ لایا ہوں اور ہدایت کے ماننے والے سلامتی سے رہیں گے۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی کا امانت دار بنا کر تمہاری طرف بھیجا ہے۔ میں تمہیں اس کا پیغام پہنچا رہا ہوں تمہیں رب تعالیٰ کی باتوں کے ماننے سے سرکشی نہ کرنی چاہئے۔ اس کے بیان کردہ دلائل واحکام کے سامنے سر تسلیم خم کرنا چاہئے۔ اس کی عبادتوں سے جی چرانے والے ذلیل خوار ہو کر جہنم واصل ہوتے ہیں۔ میں تو تمہارے سامنے کھلی دلیل اور واضح آیت رکھتا ہوں۔ میں تمہاری بدگوئی اور اتہام سے اللہ تعالیٰ کی پناہ لیتا ہوں۔ ابن عباسؓ اور ابو صالحؒ تو یہی کہتے ہیں۔ اور قتادہ کہتے ہیں مراد پتھراؤ کرنا' پتھروں سے مار ڈالنا ہے۔ یعنی زبانی ایذا سے اور دستی ایذا سے میں اپنے رب تعالیٰ کی جو تمہارا بھی مالک ہے پناہ چاہتا ہوں۔ اچھا اگر تم میری نہیں مانتے مجھ پر بھروسہ نہیں کرتے اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے تو کم از کم میری تکلیف دہی اور ایذاء رسانی سے تو باز رہو۔ اور اس وقت کے منتظر رہو جب کہ خود خدا تعالیٰ ہم میں تم میں فیصلہ کر دے گا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ کے نبی کلیم اللہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک لمبی مدت ان میں گزاری خوب دل کھول کر تبلیغ کر لی ہر طرح خیر خواہی کی ان کی ہدایت کیلئے ہر چند جتن کر لئے اور دیکھا کہ وہ روز بروز اپنے کفر میں بڑھتے جا رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ سے ان کے لئے بد دعا کی۔ جیسے اور آیت میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا اے ہمارے رب تو نے فرعون اور اس کے اُمراء کو دینوی نمائش اور مال متاع دے رکھی ہے اے اللہ یہ اس سے دوسروں کو بھی تیری راہ سے بھٹکا رہے ہیں تو ان کا مال غارت کر اور ان کے دل اور سخت کر دے تاکہ دردناک عذابوں کے معائنہ تک انہیں ایمان نصیب ہی نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب ملا کہ اے موسیٰ علیہ السلام اور اے ہارون علیہ السلام میں نے تمہاری دُعا قبول کر لی۔ اب تم استقامت پر تل جاؤ۔ یہاں فرماتا ہے کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ میرے بندوں یعنی بنی اسرائیل کو راتوں رات فرعون اور فرعونیوں کی بے خبری میں یہاں سے لے کر چلے جاؤ یہ کفار تمہارا پیچھا کریں گے لیکن تم بے خوف وخطر چلتے جاؤ میں تمہارے لئے دریا کو خشک کر دوں گا۔ اس کے بعد جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر چل پڑے فرعونی لشکر مع فرعون کے ان کے پکڑنے کو چلا بیچ میں دریا حائل ہوا۔ آپ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر اس میں اتر گئے۔ دریا کا پانی سوکھ گیا اور آپ علیہ السلام اپنے ساتھیوں سمیت پار ہو گئے تو چاہا کہ دریا پر لکڑی مار کر اس سے کہہ دیں کہ اب تو اپنی روانی پر آ جا تاکہ فرعون اس پار نہ آ سکے۔ وہیں اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ اسے اسی حال میں سکون کے ساتھ ہی رہنے دو ساتھ ہی اس کی وجہ بھی بتلا دی کہ یہ سب اسی میں ڈوب مریں گے۔ پھر تم سب بالکل ہی مطمئن اور بے خوف ہو جاؤ گے۔ غرض حکم ہوا تھا کہ دریا کو خشک چھوڑ کر چل دیں ﴿رَهْوًا﴾ کے معنی سوکھا راستہ جو اپنی اصلی حالت پر ہو۔ مقصد یہ ہے کہ پار ہو کر دریا کو روانی کا حکم نہ دینا۔ یہاں تک کہ دشمنوں میں سے ایک ایک اس میں نہ آ جائے۔ اب اسے جاری ہونے کا حکم ملتے ہی سب کو غرق کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے دیکھو کیسے غارت ہو گئے۔ باغات کھیتیاں نہریں مکانات اور بیٹھکیں سب چھوڑ کر فنا ہو گئے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں مصر کا دریائے نیل مشرق ومغرب کے دریاؤں کا سردار ہے اور سب نہریں اس کے ماتحت ہیں جب اس کی روانی اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتی ہے تو تمام نہروں کو اس میں پانی پہنچانے کا حکم ہوتا ہے۔ جہاں تک رب تعالیٰ کو منظور ہو اس میں پانی آ جاتا ہے پھر اللہ تبارک وتعالیٰ اور نہروں کو روک دیتا ہے اور حکم دے دیتا ہے' کہ اب اپنی اپنی جگہ چلی جاؤ۔ ان فرعونیوں کے یہ باغات دریائے نیل کے دونوں کناروں پر مسلسل چلے گئے تھے اسوان سے لے کر رشید تک اس کا سلسلہ

تھا اور اس کی نو خلیجیں تھیں۔ خلیج اسکندریہ ' خلیج دمیاط ' خلیج سردوس ' خلیج منف ' خلیج فیوم ' خلیج منتہیٰ ' اور ان سب میں اتصال تھا ایک دوسرے سے متصل تھی اور پہاڑوں کے دامن میں ان کی کھیتیاں تھیں جو مصر سے لے کر دریا تک برابر چلی آتی تھیں۔ ان تمام کو بھی دریا سیراب کرتا تھا۔ بڑے امن چین کی زندگی گزار رہے تھے لیکن مغرور ہو گئے اور آخر ساری نعمتیں یونہی چھوڑ کر تباہ کر دیئے گئے۔ مال و اولاد ' جاہ و منال ' سلطنت و عزت ایک ہی رات میں چھوٹ گئے اور بھس کی طرح اڑا دیئے گئے اور گزشتہ کل کی طرح بے نشان کر دیئے گئے ایسے ڈبوئے گئے کہ ابھر نہ سکے ' جہنم واصل رہ گئے اور بدترین جگہ پہنچ گئے ان کی یہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو دے دیں جیسے اور آیت میں فرمایا ہے کہ ہم نے ان کمزوروں کو ان کے صبر کے بدلے اس سرکش قوم کی کل نعمتیں عطا فرما دیں اور بے ایمانوں کا بھرکس نکال ڈالا۔ یہاں بھی دوسری قوم جسے وارث بنایا اس سے مراد بھی بنی اسرائیل ہیں۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ان پر زمین و آسمان نہ روئے ' کیونکہ ان پاپیوں کے نیک اعمال تھے ہی نہیں جو آسمانوں پر چڑھتے ہوں اور اب ان کے نہ چڑھنے کی وجہ سے وہ افسوس کریں۔ نہ زمین میں ان کی ایسی جگہیں تھیں کہ جہاں بیٹھ کر یہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہوں اور آج انہیں نہ پا کر زمین کی وہ جگہ ان کا ماتم کرے ' انہیں مہلت ہی نہ دی گئی۔ مسند ابویعلیٰ موصلی میں ہے ہر بندے کیلئے آسمان میں دو دروازے ہیں ' ایک سے اس کی روزی اترتی ہے۔ دوسرے سے اس کے اعمال اور اس کے کلام چڑھتے ہیں۔ جب یہ مر جاتا ہے اور وہ عمل و رزق کو گمشدہ پاتے ہیں ' تو روتے ہیں۔ پھر اسی آیت کی حضور ﷺ نے تلاوت کی۔ ابن ابی حاتم میں فرمان رسول ﷺ ہے کہ اسلام غربت سے شروع ہوا اور پھر غربت پر آ جائے گا۔ یاد رکھو مومن کہیں انجان مسافر کی طرح نہیں۔ مومن جہاں کہیں سفر میں مرتا ہے ' جہاں اس کا کوئی رونے والا نہ ہو ' وہاں بھی اس کے رونے والے آسمان و زمین موجود ہیں۔ پھر حضور ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کر کے فرمایا یہ دونوں کفار پر روتے نہیں۔ حضرت علیؓ سے کسی نے پوچھا کہ آسمان و زمین کبھی کسی پر روئے بھی ہیں؟ آپ نے فرمایا آج تو نے وہ بات دریافت کی کہ تجھ سے پہلے مجھ سے اس کا سوال کسی نے نہیں کیا۔ سنو ہر بندے کے لئے زمین میں ایک نماز کی جگہ ہوتی ہے اور ایک جگہ آسمان میں اس کے عمل کے چڑھنے کی ہوتی ہے ' اور آل فرعون کے نیک اعمال ہی نہ تھے ' اس وجہ سے نہ زمین ان پر روئی نہ آسمان کو ان پر رونا آیا ' اور نہ انہیں ڈھیل دی گئی کہ کوئی نیکی بجا لا سکیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے یہ سوال ہوا تو آپ نے قریب قریب یہی جواب دیا۔ بلکہ آپ سے مروی ہے کہ چالیس دن تک زمین مومن پر روتی رہتی ہے۔ حضرت مجاہدؒ نے جب یہ بیان فرمایا تو کسی نے اس پر تعجب کا اظہار کیا۔ آپ نے فرمایا سبحان اللہ اس میں تعجب کی کونسی بات ہے؟ جو بندہ زمین کو اپنے رکوع و سجود سے آباد رکھتا تھا ' جس بندے کی تکبیر و تسبیح کی آوازیں آسمان برابر سنتا رہتا تھا۔ بھلا یہ دونوں اس عابد اللہ تعالیٰ پر روئیں گے نہیں؟ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں فرعونیوں جیسے ذلیل و خوار لوگوں پر کیوں روتے؟

شہادت حسینؓ میں مبالغہ آمیزی: حضرت ابراہیمؒ فرماتے ہیں ' دنیا جب سے رچائی گئی ہے تب سے آسمان صرف دو شخصوں پر رویا ہے۔ ان کے شاگرد سے سوال ہوا کہ کیا آسمان و زمین ہر ایماندار پر روتے نہیں؟ فرمایا صرف اتنا حصہ جس حصہ سے اس کا نیک عمل چڑھتا تھا۔ سن آسمان کا رونا اس کا سرخ ہونا اور مثل نری کے گلابی رنگ ہو جانا ہے ' سو یہ حال دو شخصوں کی شہادت پر ہوا ہے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے قتل کے موقعے پر تو آسمان سرخ ہو گیا اور خون برسانے لگا اور دوسرے حضرت حسینؓ کے قتل پر بھی آسمان کا رنگ سرخ ہو گیا تھا۔ (ابن ابی حاتم) یزید بن ابو زیاد کا قول ہے کہ قتل حسینؓ کی وجہ سے چار ماہ تک آسمان کے کنارے سرخ رہے اور یہی سرخی اس کا رونا ہے۔ حضرت عطاءؒ فرماتے ہیں کہ اس کے کناروں کا سرخ ہو جانا

اس کا رونا ہے۔ یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ قتل حسینؓ کے دن جس پتھر کو الٹا جاتا تھا اس کے نیچے منجمد خون نکلتا تھا۔ اس دن سورج کو بھی گہن لگا ہوا تھا۔ آسمان کے کنارے بھی سرخ تھے اور پتھر گرے تھے۔ لیکن یہ سب باتیں بے بنیاد ہیں اور شیعوں کے گھڑے ہوئے افسانے ہیں۔ ان میں کوئی شک نہیں کہ نواسہ رسول ﷺ کی شہادت کا واقعہ نہایت درد انگیز اور حسرت وافسوس والا ہے' لیکن اس پر شیعوں نے جو حاشیہ چڑھایا ہے اور گھڑا گھڑا کر جو باتیں پھیلا دی ہیں وہ محض جھوٹ اور بالکل گپ ہیں۔ خیال تو فرمائیے کہ اس سے بہت زیادہ اہم واقعات ہوئے اور قتل حسینؓ سے بہت بڑی وارداتیں ہوئیں لیکن ان کے ہونے پر بھی آسمان وزمین وغیرہ میں یہ انقلاب نہ ہوا۔ آپؓ کے ہی والد ماجد حضرت علیؓ بھی قتل کئے گئے جو بالا جماع آپؓ سے افضل تھے۔ نہ تو پتھر تلے خون نکلا نہ اور کچھ ہوا۔ حضرت عثمان بن عفانؓ کو گھیر لیا جاتا ہے اور نہایت بے دردی سے بلاوجہ ظلم وستم کے ساتھ انہیں قتل کیا جاتا ہے۔ فاروق اعظم عمر بن خطابؓ کو صبح کی نماز پڑھتے ہوئے نماز کی جگہ ہی قتل کیا جاتا ہے یہ وہ زبردست مصیبت تھی کہ اس سے پہلے مسلمان کبھی ایسی مصیبت نہیں پہنچائے گئے تھے۔ لیکن ان واقعات میں سے کسی واقعہ کے وقت ان میں سے ایک بھی بات نہیں ہوئی جو شیعوں نے مقتل حسینؓ کی نسبت مشہور کر رکھی ہیں۔ ان سب کو بھی جانے دیجئے۔ تمام انسانوں کے دینی اور دینوی سردار سید البشر رسول اللہ ﷺ کو لیجئے۔ جس روز آپ ﷺ رحلت فرماتے ہیں' ان میں سے کچھ بھی نہیں ہوتا۔ اور سنئے جس روز حضور ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؓ کا انتقال ہوتا ہے' اتفاقاً اسی روز سورج گہن ہوتا ہے اور کوئی کہہ دیتا ہے کہ ابراہیمؓ کے انتقال کی وجہ سے گہن لگا ہے تو رسول اللہ گہن کی نماز ادا کر کے فوراً خطبے پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور فرماتے ہیں' سورج چاند اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں۔ کسی کی موت زندگی کی وجہ سے انہیں گہن نہیں لگتا۔ اس کے بعد کی آیت میں اللہ تعالے بنی اسرائیل پر اپنا احسان جتاتا ہے کہ ہم نے انہیں فرعون جیسے متکبر مسرف کے ذلیل عذابوں سے نجات دی۔ اس نے بنی اسرائیل کو پست وخوار کر رکھا تھا۔ ذلیل خدمتیں ان سے لیتا تھا اور سخت بیگاری کے کام بغیر معاوضہ کے ان سے کراتا تھا۔ اپنے نفس کو تولتا رہتا تھا۔ خودی اور خود بینی میں لگا ہوا تھا۔ بیوقوفی سے کسی چیز کی حدبندی کا خیال نہیں کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی زمین میں سرکشی کئے ہوئے تھا اور ان بدکاریوں میں اس کی قوم بھی اس کے ساتھ تھی۔ پھر بنی اسرائیل پر ایک اور مہربانی کا ذکر فرما رہا ہے کہ اس زمانے کے تمام لوگوں پر انہیں فضیلت عطا فرمائی۔ ہر زمانے کو عالم کہا جاتا ہے یہ مراد نہیں کہ اگلوں پچھلوں پر انہیں بزرگی دی۔ یہ آیت بھی اس آیت کی طرح ہے جس میں فرمان ہے ﴿ یٰمُوْسٰۤی اِنِّی اصْطَفَیْتُکَ عَلَی النَّاسِ ﴾ اے موسیٰ میں نے تمہیں لوگوں پر بزرگی عطا فرمائی' یعنی اس زمانے کے لوگوں پر۔ جیسے حضرت مریم علیہا السلام کے لئے فرمایا ﴿ واصْطَفَاکِ عَلٰی نِسَآءِ الْعٰلَمِیْنَ ﴾ اس سے بھی یہی مطلب ہے کہ اس زمانے کی تمام تر عورتوں پر آپ کو فضیلت ہے۔ اس لئے ام المومنین حضرت خدیجہؓ ان سے یقیناً افضل ہیں یا کم از کم برابر۔ اسی طرح حضرت آسیہ بنت مزاحمؓ جو فرعون کی بیوی تھیں۔ اور ام المومنین حضرت عائشہؓ کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہی ہے جیسی فضیلت شوربے میں بھگوئی روٹی کی اور کھانوں پر۔ پھر بنی اسرائیل پر ایک اور احسان بیان ہو رہا ہے کہ ہم نے انہیں وہ حجت وبرہان دلیل ونشان ومعجزات وکرامات عطا فرمائے جن میں ہدایت کی تلاش کرنے والوں کے لئے صاف صاف امتحان تھا۔

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۳۴﴾ اِنْ هِیَ اِلَّا مَوْتَتُنَا الْاُوْلٰی وَمَا نَحْنُ بِمُنْشَرِيْنَ ﴿۳۵﴾ فَاْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۶﴾ اَهُمْ خَيْرٌ اَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ ۙ وَّالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ اَهْلَكْنٰهُمْ ۫ اِنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۳۷﴾

یہ لوگ تو یہی کہتے ہیں کہ آخری چیز یہی ہمارا دنیا سے مر جانا ہے اور پھر دوبارہ اٹھائے نہیں جائیں گے۔ اگر تم سچے ہو تو ہمارے باپ دادا‌ؤں کو لے آ‌ؤ۔ کیا یہ لوگ بہتر ہیں یا تبع کی قوم کے اور جو ان سے بھی پہلے تھے؟ ہم نے ان سب کو ہلاک کر دیا یقیناً وہ گنہگار تھے۔

تبع کون اور کیا تھا: یہاں مشرکین کا انکار قیامت اور اس کی دلیل بیان فرما کر اللہ تعالیٰ اس کی تردید کرتا ہے۔ ان کا خیال تھا کہ قیامت آنی نہیں، مرنے کی بعد جینا نہیں، حشر اور نشر سب غلط ہے۔ دلیل یہ پیش کرتے تھے کہ ہمارے باپ دادا جو مر گئے وہ کیوں دوبارہ جی کر نہیں آئے؟ خیال کیجئے یہ کس قدر بودی اور بیہودہ دلیل ہے۔ دوبارہ اٹھ کھڑا ہونا مرنے کے بعد کا جینا قیامت کو ہوگا نہ کہ دنیا میں پھر لوٹ کر آئیں گے اس دن یہ ظالم جہنم کا ایندھن بنیں گے اس وقت یہ اُمت اگلی امتوں پر گواہی دے گی، اور ان پر ان کے نبی ﷺ گواہی دیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ انہیں ڈرا رہا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمارے جو عذاب اسی جرم پر اگلی قوموں پر آئے وہ تم پر بھی آجائیں اور ان کی طرح بے نام و نشان کر دیئے جا‌ؤ۔ ان کے واقعات سورہ سبا میں گزر چکے ہیں۔ وہ لوگ بھی قحطان کے عرب تھے جیسے کہ یہ عدنان کے عرب ہیں۔

حمیر جو سبا کے تھے وہ اپنے بادشاہ کو تبع کہتے تھے، جیسے فارس کے ہر بادشاہ کو کسریٰ اور روم کے ہر بادشاہ کو قیصر اور مصر کے ہر بادشاہ کو فرعون اور حبشہ کے ہر بادشاہ کو نجاشی کہا جاتا ہے۔ ان میں سے ایک تبع یمن سے نکلا اور زمین میں پھرتا رہا سمرقند پہنچ گیا۔ ہر جگہ کے بادشاہوں کو شکست دیتا رہا اور اپنا بہت بڑا ملک کر لیا۔ زبردست لشکر اور بے شمار رعیت اس کے ماتحت تھی۔ اس نے حیرہ نامی بستی بسائی یہ اپنے زمانے میں مدینہ میں بھی آیا تھا اور یہاں کے باشندوں سے بھی لڑا لیکن اسے لوگوں نے اس سے روکا۔ خود اہل مدینہ کا بھی اس سے یہ سلوک رہا کہ دن کو تو لڑتے تھے اور رات کو ان کی مہمانداری کرتے تھے۔ آخر اس کو بھی لحاظ آ گیا اور لڑائی بند کر دی۔ اس کے ساتھ یہاں کے دو یہودی عالم ہو گئے تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سچے دین کے عامل بھی تھے وہ اسے ہر وقت بھلائی برائی سمجھاتے رہتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ آپ مدینہ کو تاخت و تاراج نہیں کر سکتے کیونکہ یہ آخر زمانہ کے پیغمبر کی ہجرت گاہ ہے۔ پس یہ یہاں سے لوٹ گیا اور دونوں عالموں کو اپنے ساتھ لیتا چلا۔ جب یہ مکہ پہنچا تو اس نے بیت اللہ کو گرانا چاہا لیکن ان دونوں نے اسے روکا۔ اور اس پاک گھر کی عظمت و حرمت اس کے سامنے بیان کی اور کہا کہ اس کے بانی خلیل اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں اور اس نبی آخر الزمان کے ہاتھوں پھر اس کی اصلی عظمت آشکار ہو جائے گی۔ چنانچہ یہ اپنے ارادے سے باز آیا بلکہ بیت اللہ کی بڑی تعظیم تکریم کی، طواف کیا، غلاف چڑھایا اور یہاں سے واپس یمن چلا گیا۔ خود حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دین میں داخل ہوا، اور تمام یمن میں یہی دین پھیلایا۔ اس قوت تک حضرت مسیح علیہ السلام کا بھی ظہور نہیں ہوا تھا اور اس زمانے والوں کے لئے یہی سچا دین تھا۔ اس تبع کے واقعات بہت تفصیل سے سیرۃ ابن اسحاق میں موجود ہیں اور حافظ ابن عساکر بھی اپنی کتاب میں بہت بسط کے ساتھ لائے ہیں۔ اس میں ہے کہ اس کا پائے تخت دمشق میں تھا۔ اس کے لشکروں کی صفیں دمشق سے لے کر یمن تک پہنچتی تھیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں میں نہیں جان سکا کہ حد لگنے سے گناہ کا کفارہ ہو جاتا ہے یا نہیں؟ اور نہ مجھے یہ معلوم ہے کہ تبع ملعون تھا یا نہیں؟ اور نہ مجھے یہ خبر ہے کہ ذوالقرنین نبی تھے یا بادشاہ۔ اور روایت میں ہے کہ یہ بھی فرمایا کہ حضرت عزیز پیغمبر تھے یا نہیں۔ (ابن ابی حاتم۔) دارقطنی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی روایت صرف عبدالرزاق سے ہی ہے۔ اور سند سے مروی ہے کہ حضرت عزیر علیہ السلام کا نبی ہونا نہ ہونا مجھے معلوم نہیں، نہ میں یہ جانتا ہوں کہ تبع پر لعنت کروں یا نہیں؟ اسے وارد کرنے کے بعد حافظ ابن عساکر نے وہ روایتیں درج کی ہیں جن میں تبع کو گالی دینے اور لعنت کرنے سے ممانعت آئی ہے جیسے کہ ہم ابھی وارد کریں گا، انشاء اللہ۔

معلوم ہوتا ہے کہ یہ پہلے کافر تھے پھر مسلمان ہو گئے یعنی حضرت موسیٰ کلیم اللہ کے دین میں داخل ہوئے اور اس زمانے کے علماء کے ہاتھوں ایمان قبول کیا۔ بعثت مسیح علیہ السلام سے پہلے کا یہ واقعہ ہے' جرہم کے زمانہ میں بیت اللہ کا حج بھی کیا' غلاف بھی چڑھایا اور بڑی تعظیم و تکریم کی چھ ہزار اونٹ اللہ کے نام قربان کئے اور بھی بہت بڑا طویل واقعہ ہے جو حضرت ابی بن کعب' حضرت عبداللہ بن سلامؓ' حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے اور اصل قصہ کا دارومدار حضرت کعب احبارؒ اور حضرت عبداللہؓ بن سلام پر ہے۔ وہب بن منبہ نے بھی اس قصہ کو وارد کیا ہے۔ حافظ ابن عساکرؒ نے اس تبع کے قصہ کے ساتھ دوسرے تبع کے قصہ کو بھی ملا دیا ہے جو ان کے بہت بعد تھا۔ اس کی قوم تو اس کے ہاتھ پر مسلمان ہو گئی تھی پھر ان کے انتقال کے بعد وہ کفر کی طرف لوٹ گئی اور دوبارہ آگ اور بتوں کی پرستش شروع کر دی جیسے کہ سورہ سبا میں مذکور ہے اسی کی تفسیر میں ہم نے بھی وہاں اس کی پوری تفصیل کر دی ہے' فالحمد للہ۔ حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں اس تبع نے کعبہ پر غلاف چڑھایا تھا۔ آپ لوگوں کو منع کرتے تھے کہ اس تبع کو برا نہ کہو یہ درمیان کا تبع ہے اس کا نام اسعد ابو کریب بن ملیکرب یمانی ہے اس کی سلطنت تین سو چھبیس سال تک رہی اس سے زیادہ لمبی مدت ان بادشاہوں میں سے کسی نے نہیں پائی۔ حضور ﷺ سے تقریباً سات سو سال پہلے اس کا انتقال ہوا ہے۔ مورخین نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ ان دونوں موسوی عالموں نے جو مدینہ کے تھے انہوں نے جب تبع بادشاہ کو یقین دلایا کہ یہ شہر نبی آخر الزمان حضرت احمد ﷺ کا ہجرت گاہ ہے تو اس نے ایک قصیدہ کہا تھا اور اہل مدینہ کو بطور امانت دے گیا تھا جو ان کے پاس ہی رہا اور بطور میراث کے ایک دوسرے کے ہاتھ لگتا رہا۔ اور اس کی روایت سند کے ساتھ برابر چلی آتی رہی یہاں تک کہ حضور ﷺ کی ہجرت کے وقت اس کے حافظ حضرت ابو ایوب خالد بن زیدؓ تھے اور اتفاق سے بلکہ بحکم رب تعالیٰ آنحضرت ﷺ کا نزول اجلال بھی یہیں ہوا تھا۔ اس قصیدے کے یہ اشعار ملاحظہ ہوں

﴿ شَهِدْتُ عَلٰى اَحْمَدَ اَنَّهُ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ بَارِي النَّسَمِ ﴾

﴿فَلَوْ مُدَّ عُمْرِيْ اِلٰى عُمْرِهٖ لَكُنْتُمْ وَزِيْرًا لَّهُ وَابْنَ عَمٍّ ﴾

﴿جَاهَدْتُ بِالسَّيْفِ اَعْدَاءَهٗ وَفَرَّجْتُ عَنْ صَدْرِهٖ كُلَّ غَمٍّ ﴾

یعنی میری تہ دل سے گواہی ہے کہ (حضرت) احمد مجتبیٰ ﷺ اس اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں جو تمام جانداروں کا پیدا کرنے والا ہے۔ اگر میں آپ کے زمانہ تک زندہ رہا تو قسم اللہ کی آپ کا ساتھی اور آپ کا معاون بن کر رہوں گا اور آپ کے دشمنوں سے تلوار کے ساتھ جہاد کروں گا اور کسی کھٹکے اور غم کو آپ کے پاس تک پھٹکنے نہ دوں گا۔ ابن ابی الدنیا میں ہے کہ دور اسلام میں صنعاء شہر میں اتفاق سے قبر کھد گئی تو دیکھا گیا کہ دو عورتیں مدفون ہیں جن کے جسم بالکل صحیح سالم ہیں اور سرہانے پر چاندی کی ایک تختی لگی ہوئی ہے جس میں سونے کے حروف سے یہ لکھا ہوا ہے کہ یہ قبر حیی اور تمیس کی ہے۔ اور ایک روایت میں ان کے نام حیی اور تماضر ہیں۔ یہ دونوں تبع کی بہنیں ہیں' یہ دونوں مرتے وقت تک اس بات کی شہادت پر رہیں کہ لائق عبادت صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ یہ دونوں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتی تھیں۔ ان سے پہلے کے تمام نیک صالح لوگ بھی اس شہادت کے ادا کرتے ہوئے انتقال فرماتے رہے ہیں۔ سورہ سبا میں ہم نے اس واقعہ کے متعلق سبا کے اشعار بھی نقل کر دیئے ہیں۔ حضرت کعبؒ فرمایا کرتے تھے کہ تبع کی تعریف قرآن سے اس طرح معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی قوم کی مذمت کی' ان کی نہیں کی۔ حضرت عائشہؓ سے منقول ہے کہ تبع کو برا نہ کہو وہ صالح شخص تھا۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تبع کو گالی نہ دو وہ مسلمان ہو چکا تھا۔ طبرانی اور مسند احمد میں بھی یہ روایت ہے۔ عبدالرزاق میں حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ مجھے معلوم نہیں کہ تبع نبی تھا یا نہ تھا؟ اور روایت اس سے پہلے گزر چکی کہ میں نہیں جانتا تبع ملعون تھا یا نہیں؟ فاللہ اعلم۔ یہی روایت حضرت ابن عباسؓ سے بھی مروی ہے۔ حضرت عطاء بن ابو رباحؒ فرماتے ہیں تبع کو گالی نہ دو' رسول اللہ ﷺ نے انہیں برا کہنا منع فرمایا ہے' واللہ تعالیٰ اعلم۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ۝ مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيْقَاتُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ يَوْمَ لَا يُغْنِيْ مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى شَيْـًٔا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ اللّٰهُ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝

ہم نے زمین وآسمان اور ان کے درمیان کی چیزوں کو فعل عبث کرتے ہوئے پیدا نہیں کیا۔ بلکہ ہم نے انہیں درست تدبیر کے ساتھ ہی پیدا کیا ہے ہاں البتہ ان میں کے اکثر لوگ بے علم ہیں۔ یقیناً فیصلے کا دن ان سب کے وعدے کا ہے۔ جس دن کوئی دوست کسی دوست کے کچھ بھی کام نہ آئے گا' اور نہ ان کی امداد کی جائے گی' مگر جس پر اللہ کی مہربانی ہو جائے' وہ زبردست اور رحم والا ہے۔

قیامت کے دن تعلقات ختم ہو جائیں گے: یہاں اللہ عزوجل اپنے عدل کا بیان فرما رہا ہے اور بے فائدہ لغو اور عبث کاموں سے اپنی پاکی کا اظہار فرماتا ہے۔ جیسے اور آیت میں ارشاد ہے کہ ہم نے اپنی مخلوق کو باطل پیدا نہیں کیا ایسا گمان ہماری نسبت صرف ان کا ہے جو کفار ہیں اور جن کا ٹھکانا جہنم ہے۔ اور ارشاد ہے ﴿ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ﴾ الخ یعنی کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم نے تمہیں بیکار و عبث پیدا کیا ہے اور تم لوٹ کر ہماری طرف آنے ہی کے نہیں؟ اللہ حق' مالک' بلندیوں اور بزرگیوں والا ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ عرش کریم کا رب ہے۔ فیصلوں کا دن یعنی قیامت کا دن جس دن باری تعالیٰ اپنے بندوں کے درمیان حق فیصلے کرے گا۔ کافروں کو سزا اور مومنوں کو جزا ملے گی۔ اس دن تمام اگلے پچھلے اللہ تعالیٰ کے سامنے جمع ہوں گے۔ یہ وہ وقت ہو گا کہ ایک دوسرے سے جدا ہو جائے گا۔ رشتہ دار رشتہ دار کو کوئی نفع نہ پہنچا سکے گا۔ جیسے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے ﴿ فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ ﴾ الخ۔ یعنی جب صور پھونک دیا جائے گا تو نہ تو کوئی نسب باقی رہے گا نہ پوچھ گچھ۔ اور آیت میں ہے کوئی دوست اس دن اپنے دوست کو پریشان حالی میں دیکھتے ہوئے بھی کچھ نہ پوچھے گا اور نہ کوئی اس دن کسی کی کسی طرح کی مدد کرے گا' نہ اور کوئی بیرونی مدد آئے گی' مگر ہاں رحمت الٰہی جو مخلوق پر شامل۔ وہ بڑا غالب اور وسیع رحمت والا ہے۔

اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ۝ طَعَامُ الْاَثِيْمِ ۝ كَالْمُهْلِ ۚ يَغْلِيْ فِي الْبُطُوْنِ ۝ كَغَلْيِ الْحَمِيْمِ ۝ خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ اِلٰى سَوَاۗءِ الْجَحِيْمِ ۝ ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيْمِ ۝ ذُقْ ڌ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ ۝ اِنَّ هٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ ۝

بیشک زقوم کا درخت۔ گنہگار کا کھانا ہے۔ جو مثل تلچھٹ کے ہے اور پیٹ میں کھولتا رہتا ہے۔ مثل تیز گرم پانی کھولنے کے۔ اسے پکڑ لو پھر گھسیٹتے ہوئے بیچ جہنم تک پہنچاؤ۔ پھر اس کے سر پر سخت گرم پانی کا عذاب بہاؤ۔ چکھتا جا تو تو بڑا ذی عزت اور بڑے اکرام والا تھا' یہی وہ چیز ہے جس میں تم شک کیا کرتے تھے۔

منکرین قیامت کی ہولناک سزا: منکرین قیامت کو جو سزا وہاں دی جائے گی' اس کا بیان ہو رہا ہے کہ ان مجرموں کو جو اپنے قول اور فعل کو گناہگاری میں ملوث کئے ہوئے تھے' آج زقوم کا درخت کھلایا جائے گا۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد

ابو جہل ہے، گو دراصل وہ بھی اس آیت کی وعید میں داخل ہے، لیکن یہ نہ سمجھا جائے کہ آیت صرف اسی کے حق میں نازل ہوئی ہے حضرت ابو درداءؓ ایک شخص کو یہ آیت پڑھا رہے تھے۔ مگر اس کی زبان سے لفظ ﴿اَثِيْم﴾ ادا نہیں ہوتا تھا' اور وہ بجائے اس کے یتیم کہہ دیا کرتا تھا' تو آپ نے اسے ﴿طَعَامُ الْفَاجِرِ﴾ پڑھوایا۔ یعنی اسے اس کے سوا کھانے کو اور کچھ نہ دیا جائے گا۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ اگر اس زقوم کا ایک قطرہ بھی زمین پر ٹپک جائے تو تمام زمین والوں کی معاش خراب کر دے۔ ایک مرفوع حدیث میں بھی یہ آیا ہے جو پہلے بیان ہو چکی ہے۔ یہ مثل تلچھٹ کے ہو گا۔ اپنی حرارت' بدمزگی اور نقصان کے باعث پیٹ میں جوش مارتا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ جہنم کے داروغوں سے فرمائے گا کہ اس کافر کو پکڑلو۔ وہیں ستر ہزار فرشتے دوڑیں گے۔ اسے اوندھا کر کے منہ کے بل گھسیٹ لے جاؤ اور بیچ جہنم میں ڈال دو پھر اس کے سر پر جوش مارتا گرم پانی ڈالو۔ جیسے فرمایا ﴿يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ﴾ الخ یعنی ان کے سروں پر جہنم کا جوش مارتا گرم پانی بہایا جائے گا' جس سے ان کی کھالیں اور پیٹ کے اندر کی تمام چیزیں سوخت ہو جائیں گی۔ اور یہ بھی ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ فرشتے انہیں لوہے کے ہتھوڑے ماریں گے جن سے ان کے دماغ پاش پاش ہو جائیں گے پھر اوپر سے یہ حمیم ان پر ڈالا جائے گا۔ یہ جہاں جہاں پہنچے گا ہڈیوں کو کھال سے جدا کر دے گا یہاں تک کہ اس کی آنتیں کاٹتا ہوا پنڈلیوں تک پہنچ جائے گا اللہ ہمیں محفوظ رکھے۔ پھر انہیں شرمسار کرنے کے لئے اور زیادہ پشیمان بنانے کے لیے کہا جائے گا کہ لو مزہ چکھو تم ہماری نگاہوں میں نہ عزت والے ہو نہ بزرگی والے۔ مغازی اموی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابو جہل ملعون سے کہا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا ہے کہ تجھ سے کہہ دوں تیرے لئے ویل ہے۔ تجھ پر افسوس ہے۔ پھر مکرر کہتا ہوں کہ تیرے لیے خرابی اور افسوس ہے۔ اس پاجی نے اپنا کپڑا آپ کے ہاتھ سے گھسیٹتے ہوئے کہا' جا تو اور تیرا رب میرا کیا بگاڑ سکتے ہو' اس تمام وادی میں سب سے زیادہ عزت و تکریم والا میں ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ نے بدر والے دن قتل کرایا اور اسے ذلیل کیا اور اس سے کہا جائے گا کہ لے اب اپنی عزت کا اور اپنی تکریم کا اور اپنی بزرگی اور بڑائی کا لطف اٹھا اور ان کافروں سے کہا جائے گا کہ یہ ہے جس میں تم ہمیشہ شک و شبہ کرتے رہے۔ جیسے اور آیتوں میں ہے کہ جس دن انہیں دھکے دے کر جہنم پہنچایا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ وہ دوزخ ہے جسے تم جھٹلاتے رہے کیا یہ جادو ہے یا تم دیکھ نہیں رہے؟ اسی کو یہاں بھی فرمایا ہے کہ یہ ہے جس میں تم شک کر رہے تھے۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ مَقَامٍ اَمِيْنٍ ﴿۵۱﴾ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۵۲﴾ يَّلْبَسُوْنَ مِنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۵۳﴾ كَذٰلِكَ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ﴿۵۴﴾ يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ اٰمِنِيْنَ ﴿۵۵﴾ لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى وَوَقٰهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ﴿۵۶﴾ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكَ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۵۷﴾ فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۸﴾ فَارْتَقِبْ اِنَّهُمْ مُّرْتَقِبُوْنَ ﴿۵۹﴾

بے شک اللہ سے ڈرنے والے امن چین کی جگہ میں ہوں گے باغوں اور چشموں میں باریک اور دبیز ریشم کے لباس پہنے ہوئے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے' یہ اسی طرح ہے اور ہم بڑی بڑی آنکھوں والی حوروں سے ان کا نکاح کر دیں گے۔ دل جمعی کے ساتھ وہاں ہر طرح کے میووں کی

فرمائش کرتے ہوں گے وہاں وہ موت چکھنے کے نہیں ہاں پہلی موت جو وہ مر چکے' انہیں اللہ تعالیٰ نے دوزخ کی سزا سے بچادیا یہ صرف تیرے رب کا فضل ہے۔ یہی ہے بڑی مراد ملنی' ہم نے اس قرآن کو تیری زبان میں آسان کر دیا تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں' اب تو منتظر رہ یہ بھی منتظر ہیں۔

جنّتی خوراک اور جنّتی لباس: بدبختوں کا ذکر کر کے اب نیک بختوں کا حال بیان ہو رہا ہے' اسی لئے قرآن کریم کو مثانی کہا گیا ہے۔ دار دنیا میں جو اللہ تعالے مالک و خالق و قادر سے ڈرتے دبتے رہے وہ قیامت کے دن جنت میں نہایت امن و امان سے ہوں گے موت سے' وہاں سے نکلنے سے' غم رنج سے' گھبراہٹ اور مشکلوں سے' دکھ درد سے' تکلیف اور مشقت' شیطان اور اس کے مکر سے' رب کی ناراضگی سے غرض تمام آفتوں اور مصیبتوں سے نڈر بے فکر مطمئن اور بے اندیشہ ہوں گے۔ انہیں تو زقوم کا درخت اور آگ جیسا گرم پانی ملے گا' اور انہیں جنتیں اور نہریں ملیں گی' مختلف قسم کے ریشمی پارچہ جات انہیں پہننے کو ملیں گے' جن میں نرم باریک بھی ہو گا' اور دبیز چمکیلا بھی ہو گا۔ یہ تختوں پر بڑے طمطراق سے تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے اور کسی کی کسی کی طرف پیٹھ نہ ہو گی' بلکہ سب ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے ہوئے ہوں گے' اس عطا کے ساتھ ہی انہیں حوریں دی جائیں گی جو گورے چٹے پنڈے کی بڑی بڑی رسیلی آنکھوں والی ہوں گی جن کے پاک جسم کو ان سے پہلے کسی نے چھوا بھی نہ ہو گا۔ وہ یاقوت و مرجان کی طرح کی ہوں گی۔ اور کیوں نہ ہو جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کا ڈر دل میں رکھا اور دنیا کی خواہشوں کی چیزوں سے محض فرمان باری تعالیٰ کو مدنظر رکھ کر بچے رہے' تو اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ یہ بہترین سلوک کیوں نہ کرتا؟ ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ ان حوروں میں سے کوئی کھاری سمندر میں تھوک دے تو اس کا سارا پانی میٹھا ہو جائے۔ پھر وہاں یہ جس میوے کی طلب کریں گے موجود ہو گا۔ جو مانگیں گے ملے گا۔ ادھر ارادہ کیا ادھر موجود ہوا خواہش ہوئی اور حاضر ہوا۔ پھر نہایت بے فکری سے کمی کا خوف نہیں ختم ہو جانے کا کھٹکا نہیں۔ پھر فرمایا وہاں انہیں کبھی موت نہیں آنے کی پھر استثنا منقطع لا کر ان کی تاکید کر دی۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ موت کو بھیڑے کی صورت میں لا کر جنت و دوزخ کے درمیان ذبح کر دیا جائے گا اور ندا کر دی جائے گی کہ جنتیو اب ہمیشگی ہے کبھی موت نہیں اور اے دوزخیو تمہارے لیے بھی ہمیشگی ہے کبھی موت نہ آئے گی سورہ مریم کی تفسیر میں بھی یہ حدیث گزر چکی ہے۔ صحیح مسلم وغیرہ میں ہے کہ جنتیوں سے کہہ دیا جائے گا کہ تم ہمیشہ تندرست رہو گے۔ کبھی بیمار نہ پڑو گے اور ہمیشہ زندہ رہو گے کبھی مرو گے نہیں اور ہمیشہ نعمتوں میں رہو گے' کبھی کمی نہ ہو گی اور ہمیشہ نوجوان بنے رہو گے' کبھی بوڑھے نہ ہو گے۔ اور حدیث میں ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے گا' جنت میں جائے گا جہاں نعمتیں پائے گا کبھی محتاج نہ ہو گا' جہاں جئے گا' کبھی مرے گا نہیں۔ جہاں کپڑے میلے نہ ہوں گے اور جوانی فنا نہ ہو گی۔ حضور ﷺ سے سوال ہوا کہ جنّتی سوئیں گے بھی؟ آپ نے فرمایا نیند موت کی بہن ہے۔ جنّتی سوئیں گے نہیں ہر وقت راحت و لذت میں مشغول رہیں گے۔ یہ حدیث اور سندوں سے بھی مروی ہے' اور اس سے پہلے سندوں کا خلاف گزر چکا ہے' واللہ اعلم۔ اس راحت و نعمت کے ساتھ یہ بھی بڑی نعمت ہے کہ انہیں پروردگار عالم نے عذاب جہنم سے نجات دے دی ہے' تو مطلوب حاصل ہے اور خوف زائل ہے' اسی لیے ساتھ ہی فرمایا کہ یہ صرف اللہ تعالیٰ کا احسان و فضل ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ تم ٹھیک ٹھاک رہو قریب قریب رہو اور یقین مانو کہ کسی کے اعمال اسے جنت میں نہیں لے جا سکتے۔ لوگوں نے کہا کیا آپ کے اعمال بھی؟ فرمایا ہاں میرے اعمال بھی مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت میرے شامل حال ہو۔

ہم نے اپنے نازل کردہ اس قرآن کریم کو بہت سہل بالکل آسان صاف ظاہر بہت واضح مدلل اور روشن کر کے تجھ پر تیری زبان میں نازل فرمایا ہے جو بہت فصیح و بلیغ بڑی شیریں اور پختہ ہے' تا کہ لوگ باآسانی سمجھ لیں اور بخوشی عمل کریں۔ باوجود

اس کے بھی جو لوگ اسے جھٹلائیں' نہ مانیں تو انہیں ہوشیار کر دے اور کہہ دے کہ اچھا اب تم بھی انتظار کرو میں بھی منتظر ہوں' تم دیکھ لوگے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کس کی تائید ہوتی ہے؟ کس کا کلمہ بلند ہوتا ہے؟ کسے دنیا اور آخرت ملتی ہے؟ مطلب یہ ہے کہ اے نبی ﷺ تم تسلی رکھو فتح و ظفر تمہیں ہوگی۔ میری عادت ہے کہ اپنے نبیوں اور ان کے ماننے والوں کو اونچا کروں جیسے ارشاد ہے ﴿كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ﴾ الخ یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول ہی غالب رہیں گے۔ اور آیت میں ہے ﴿اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا﴾ الخ یعنی یقیناً ہم اپنے پیغمبروں کی اور ایمان والوں کی دنیا میں بھی مدد کریں گے' اور قیامت میں بھی جس دن گواہ قائم ہوں گے۔ اور ظالموں کو ان کے عذر نفع نہ دیں گے ان پر لعنت ہوگی اور ان کے لیے برا گھر ہوگا۔ ﴿اَلْحَمْدُلِلّٰه﴾ سورہ دخان کی تفسیر ختم ہوئی اللہ کا شکر و احسان ہے۔ اسی کی طرف سے نیکی کی توفیق میسر ہوتی ہے' اور وہی برائیوں سے بچانے والا ہے۔

تفسیر سورۂ جاثیہ مکیہ

سُوْرَةُ الْجَاثِيَةِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سَبْعٌ وَّثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّاَرْبَعُ رُكُوْعَاتٍ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ۝۱ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝۲ اِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝۳ وَفِيْ خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝۴ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝۵

معبود برحق رحم و کرم والے اللہ کے نام سے شروع

یہ کتاب اللہ غالب حکمت والے کی طرف سے نازل ہوئی ہے' آسمانوں اور زمین میں ایمانداروں کے لیے یقیناً بہت سے دلائل ہیں' اور خود تمہاری پیدائش میں اور جانوروں کے پھیلانے میں یقین رکھنے والی قوم کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں' اور رات دن کے بدلنے میں اور جو کچھ روزی اللہ تعالیٰ آسمان سے نازل فرما کر زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کر دیتا ہے اس میں اور ہواؤں کے بدلنے میں بھی ان لوگوں کے لیے جو عقل رکھتے ہیں دلائل ہیں۔

غور کرو تو ہر طرف اس کی قدرت ہے: اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو ہدایت فرماتا ہے کہ وہ قدرت کی نشانیوں میں غور و فکر کریں۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو جانیں اور پہچانیں پھر ان کا شکر بجالائیں۔ دیکھیں کہ اللہ کتنی بڑی قدرتوں والا ہے جس نے آسمان و زمین اور مختلف قسم کی تمام مخلوق کو پیدا کیا ہے۔ فرشتے' جن' انسان' چوپائے' پرند' جنگلی جانور' درند' کیڑے پتنگے سب اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ سمندر کی بے شمار مخلوق کا خالق بھی وہی ایک ہے۔ دن کو رات کے بعد اور رات کو دن کے پیچھے وہی لا رہا ہے۔ رات کا اندھیرا دن کا اجالا اسی کے قبضے کی چیزیں ہیں۔ حاجت کے وقت اندازے کے مطابق بادلوں سے پانی وہی برساتا ہے۔ رزق سے مراد بارش ہے اس لیے کہ اسی سے کھانے کی چیزیں اگتی ہیں۔ خشک بنجر زمین سبز و شاداب ہو جاتی ہے اور

طرح طرح کی پیداوار اگاتی ہے۔ شمالی جنوبی پروا پچھوا تر و خشک کم و بیش رات اور دن کی ہوائیں وہی چلاتا ہے۔ بعض ہوائیں بارش کو لاتی ہیں۔ بعض بادلوں کو پانی والا کر دیتی ہیں۔ بعض روح کی غذا بنتی ہیں۔ اور ان کے سوا اور کاموں کے لیے چلتی ہیں۔ پہلے فرمایا کہ اس میں ایمان والوں کے لیے نشانیاں ہیں' پھر یقین والوں کے لیے فرمایا۔ پھر عقل والوں کے لیے فرمایا۔ یہ ایک عزت والے حال سے دوسرے عزت والے حال کی طرف ترقی کرنا ہے۔ اسی کے مثل سورہ بقرہ کی آیت ﴿ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ الخ ہے۔ امام ابن ابی حاتم نے یہاں پر ایک طویل اثر وارد کیا ہے لیکن وہ غریب ہے اس میں انسان کو چار قسم کے اخلاط سے پیدا کرنا بھی ہے' واللہ اعلم۔

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَيْلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ۝ يَّسْمَعُ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُتْلٰى عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ وَاِذَا عَلِمَ مِنْ اٰيٰتِنَا شَيْئًا اتَّخَذَهَا هُزُوًا ۗ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ مِنْ وَّرَآئِهِمْ جَهَنَّمُ ۚ وَلَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ مَّا كَسَبُوْا شَيْئًا وَّلَا مَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ هٰذَا هُدًى ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ۝

ع ۱۷

یہ ہیں اللہ کی آیتیں جنہیں ہم تجھے راستی سے سنا رہے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ اور اس کی آیتوں کے بعد یہ کس پر ایمان لائیں گے' ویل اور افسوس ہے ہر ایک جھوٹے گنہگار پر۔ جو اللہ کی آیتیں اپنے سامنے پڑھی جاتی ہوئی سنے پھر بھی غرور کرتا ہوا اس طرح اڑا رہے کہ گویا سنی ہی نہیں تو ایسے لوگوں کو درد دینے والے عذاب کی خبر پہنچا دے۔ وہ جب ہماری آیتوں میں سے کسی آیت کی خبر پالیتا ہے تو اس کی ہنسی اڑاتا ہے' یہی لوگ ہیں جن کے لیے رسوائی کی مار ہے' ان کے پیچھے دوزخ ہے جو کچھ انہوں نے حاصل کیا تھا وہ انہیں کچھ بھی نفع نہ دے گا اور نہ وہ کچھ کام آئیں گے جن کو انہوں نے اللہ کے سوا رفیق دوست بنا رکھا تھا ان کے لیے تو بہت بڑا عذاب ہے۔ یہ سر تا پا ہدایت ہے' اور جن لوگوں نے اپنے رب کی آیتوں کو نہ مانا ان کے لیے بہت سخت دردناک عذاب ہے۔

اگر قرآن پر نہیں تو کس چیز پر ایمان لائیں گے: مطلب یہ ہے کہ قرآن جو حق کی طرف سے نہایت صفائی اور وضاحت سے نازل ہوا ہے' اس کی آیتیں تجھ پر تلاوت کی جارہی ہیں جسے یہ سن رہے ہیں اور پھر بھی نہ ایمان لاتے ہیں' نہ عمل کرتے ہیں تو پھر آخر ایمان کس چیز پر لائیں گے۔ ان کے لیے ویل ہے اور ان پر افسوس ہے جو زبان کے جھوٹے کام کے گنہگار اور دل کے کافر ہیں۔ اللہ کی باتیں سنتے ہوئے اپنے کفر انکار اور بدباطنی پر اڑے ہوئے ہیں۔ گویا سنا ہی نہیں۔ انہیں سنا دو کہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں دکھ کی مار ہے۔ قرآن کی آیتیں ان کے مذاق کی چیز رہ گئی ہیں۔ تو جس طرح یہ میرے کلام کی آج اہانت کرتے ہیں' کل میں انہیں ذلت کی سزا دوں گا۔ حدیث میں ہے کہ قرآن لے کر دشمنوں کے ملک میں نہ جاؤ ایسا نہ ہو کہ وہ اس کی اہانت و بے قدری کریں۔ پھر اس ذلیل کرنے والے عذاب کا بیان فرمایا کہ ان خصلتوں والے لوگ جہنم میں ڈالے جائیں گے۔ ان کے مال و اولاد اور ان کے وہ جھوٹے معبود جنہیں یہ زندگی بھر پوجتے رہے انہیں کچھ کام نہ آئیں گے۔ انہیں زبردست اور

بہت بڑے عذاب بھگتنے پڑیں گے۔ پھر ارشاد ہوا کہ یہ قرآن سراسر ہدایت ہے اور اس کی آیتوں سے جو منکر ہیں ان کے لیے سخت المناک عذاب ہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِيَ الْفُلْكُ فِيْهِ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۳﴾ قُلْ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا لِلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ لِيَجْزِيَ قَوْمًۢا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۴﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَاۗءَ فَعَلَيْهَا ۡ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۵﴾

اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لیے دریا کو مطیع بنادیا تا کہ اس کے حکم سے اس میں کشتیاں چلیں اور تم اس کا فضل تلاش کرو اور ممکن ہے کہ تم اللہ کا شکر بجالاؤ' اور آسمان و زمین کی ہر ہر چیز کو بھی اس نے اپنی طرف سے تمہاری مطیع کر دی ہے۔ جو غور کریں یقیناً وہ اس میں بہت سی دلیلیں پالیں گے' تو ایمان والوں سے کہہ دے کہ وہ ان لوگوں سے درگزر کریں جو اللہ کے دنوں کی توقع نہیں رکھتے تا کہ اللہ تعالیٰ ایک قوم کو ان کے کرتوتوں کا بدلہ دے' جو نیکی کرے گا وہ اپنے ذاتی بھلے کے لیے' اور جو برائی کرے گا اس کا وبال اسی پر ہے' پھر تم سب اپنے پروردگار کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

تجارت کے ذرائع اللہ نے پیدا کیے: اللہ تعالیٰ اپنی نعمتیں بیان فرمارہا ہے کہ اسی کے حکم سے سمندر میں اپنی مرضی کے مطابق سفر طے کرتے ہو۔ بڑی بڑی کشتیاں مال سے اور سواری سے لدی ہوئی ادھر سے ادھر لے جاتے ہو۔ تجارتیں اور کمائی کرتے ہو۔ یہ اس لیے بھی ہے کہ تم شکر بجالاؤ' نفع حاصل کر کے رب کا احسان مانو۔ پھر اس نے آسمان کی چیز جیسے سورج چاند ستارے اور زمین کی چیز جیسے پہاڑ نہریں اور تمہارے فائدے کی بے شمار چیزیں تمہارے لیے مسخر کر دیں' یہ سب اس کا فضل و احسان انعام و اکرام ہے اور اسی ایک کی طرف سے ہے' جیسے ارشاد ہے ﴿وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ﴾ الخ یعنی تمہارے پاس جو نعمتیں ہیں سب اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہیں۔ اور اب بھی تم سختی کے وقت اس کی طرف گڑگڑاتے ہو۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں' ہر چیز اللہ ہی کی طرف سے ہے اور یہ نام اس میں نام ہے اس کے ناموں میں سے' پس یہ سب اسی کی جانب سے ہے۔ کوئی نہیں جو اس سے چھینا جھپٹی یا جھگڑا کر سکے۔ ہر ایک اس یقین پر ہے کہ وہ اسی طرح ہے۔ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے سوال کیا کہ مخلوق کس چیز سے بنائی گئی ہے۔ آپ نے فرمایا نور سے اور آگ سے اور اندھیرے سے اور مٹی سے' اور کہا جاؤ ابن عباسؓ کو اگر دیکھو تو ان سے بھی دریافت کر لو۔ اس نے آپ سے بھی پوچھا' یہی جواب پایا۔ پھر فرمایا' واپس ان کے پاس جاؤ اور پوچھو کہ یہ سب کس چیز سے پیدا کیے گئے۔ وہ لوٹا اور سوال کیا تو آپ نے یہی آیت پڑھ سنائی۔ یہ اثر غریب ہے اور ساتھ ہی منکر بھی ہے۔ غور و فکر رکھنے والوں کے لیے اس میں بھی بہت نشانیاں ہیں۔ پھر فرماتا ہے' صبر و تحمل کی عادت ڈالو منکرین قیامت کی کڑوی کسیلی سن لیا کرو۔ مشرک اور اہل کتاب کی ایذاؤں کو سہار لیا کرو۔ یہ حکم شروع اسلام میں تھا لیکن بعد میں جہاد اور جلا وطنی کے احکام نازل ہوئے اللہ کے دنوں کی امید نہیں رکھتے یعنی اللہ کی نعمتوں کے حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔ پھر

فرمایا کہ ان سے تم چشم پوشی کرو ان کے اعمال کی سزا خود ہم انہیں دیں گے۔ اسی لیے اس کے بعد ہی فرمایا کہ تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور ہر نیکی بدی کی جزا سزا پاؤ گے ﴿ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم ﴾

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٦﴾ وَاٰتَيْنٰهُمْ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَهُمُ الْعِلْمُ ۙ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿١٧﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰي شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاۗءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٨﴾ اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَـيْــــًٔا ۭ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاۗءُ بَعْضٍ ۚ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿١٩﴾ هٰذَا بَصَاۗىِٕرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿٢٠﴾

یقیناً ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب حکومت اور نبوت دی تھی اور ہم نے انہیں پاکیزہ اور نفیس روزیاں دی تھیں اور انہیں دنیا والوں پر فضیلت دی تھی' اور ہم نے انہیں دین کی صاف صاف دلیلیں دیں' پھر انہوں نے اپنے پاس علم کے پہنچ جانے کے بعد آپس کی ضد بحث سے ہی اختلاف برپا کر ڈالا' یہ جن جن چیزوں میں اختلاف کر رہے ہیں ان کا فیصلہ قیامت والے دن ان کے درمیان خود اللہ کرلے گا' پھر ہم نے تجھے دین کی ظاہر راہ پر قائم کر دیا ہے سو تو اسی پر لگا رہ اور نادانوں کی خواہشوں کی پیروی میں نہ پڑ' یاد رکھ یہ لوگ اللہ کے کسی عذاب کو تجھ سے ہٹا نہیں سکتے۔ سمجھ لے کہ ظالم لوگ آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہوتے ہیں اور پرہیزگاروں کا رفیق اللہ تعالیٰ ہے' یہ قرآن ان لوگوں کے لیے دانشمندیاں اور ہدایت و رحمت ہے اس جماعت کے لیے جو یقین رکھتی ہے۔

بنی اسرائیل پر انعامات: بنی اسرائیل پر جو نعمتیں رحیم و کریم اللہ تعالیٰ نے انعام فرمائی تھیں' ان کا ذکر فرما رہا ہے کہ کتابیں ان پر اتاریں رسول ان میں بھیجے حکومت انہیں دی' بہترین غذائیں اور صاف ستھری چیزیں انہیں عطا فرمائیں اور اس زمانے کے اور لوگوں پر انہیں برتری دی اور انہیں امر دین کی عمدہ اور کھلی ہوئی دلیلیں پہنچا دیں اور ان پر حجت ربّ قائم ہو گئی' پھر ان لوگوں نے پھوٹ ڈالی اور مختلف گروہ بن گئے اور اس کا باعث بجز نفسانیت اور خودی کے اور کچھ نہ تھا۔ اے نبی تیرا رب ان کے ان اختلافات کا فیصلہ قیامت کے دن خود ہی کر دے گا۔ اس میں اس اُمت کو چوکنا کیا گیا ہے کہ خبردار تم ان جیسے نہ ہونا' ان کی چال نہ چلنا۔

اسی لیے اللہ جل وعلا نے فرمایا کہ تو اپنے رب کی وحی کا تابعدار بنا رہ مشرکوں سے کوئی مطلب نہ رکھ بے علموں کی ریس نہ کر یہ تجھے اللہ تعالیٰ کے ہاں کیا کام آئیں گے۔ ان کی دوستیاں تو ان میں آپس میں ہی ہیں یہ تو اپنے ملنے والوں کو نقصان ہی پہنچایا کرتے ہیں۔ پرہیزگاروں کا ولی و ناصر رفیق و کارساز خود پروردگار عالم ہے۔ جو انہیں اندھیریوں سے ہٹا کر نور کی طرف لے جاتا ہے اور کافروں کے دوست شیاطین ہیں جو انہیں روشنی سے ہٹا کر اندھیریوں میں جھونکتے ہیں۔ یہ قرآن ان لوگوں کے لیے جو یقین رکھتے ہیں دلائل کے ساتھ ہی ہدایت و رحمت ہے۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَاۗءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ۭ سَاۗءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿21﴾ وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿22﴾ اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰي عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰي سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰي بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ۭ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿23﴾

ع ۱۸

کیا ان لوگوں کا جو برے کام کرتے ہیں یہ گمان ہے کہ ہم انہیں ان لوگوں جیسا کر دیں گے جو ایمان لائے اور نیک کام کئے کہ ان کا مرنا جینا یکساں ہو جائے' برا حکم لگا رہے ہیں' آسمان و زمین کو اللہ تعالیٰ نے بہت ہی عدل کے ساتھ پیدا کیا ہے اور تا کہ ہر شخص کو اس کے کیے ہوئے کام کا پورا بدلہ دیا جائے ان پر ظلم نہ کیا جائے گا۔ کیا تو نے اسے بھی دیکھا؟ جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنا رکھا ہے اور باوجود سمجھ بوجھ کے اللہ نے گمراہ کر دیا ہے اور اس کے کان اور دل پر مہر لگا دی ہے اور اس کی آنکھ پر بھی پردہ ڈال دیا ہے' اب ایسے شخص کو اللہ کے بعد کون ہدایت دے سکتا ہے؟ کیا اب بھی تم نصیحت نہیں پکڑتے۔

دوزخی اور جنتی ہر گز برابر نہیں: اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ مومن و کافر برابر نہیں' جیسے اور آیت میں ہے کہ دوزخی اور جنتی برابر نہیں۔ جنتی کامیاب ہیں۔ یہاں بھی فرماتا ہے کہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ کفر و برائی والے اور ایمان و اچھائی والے موت و زیست میں دینا و آخرت میں برابر ہو جائیں۔ یہ تو ہماری ذات اور ہماری صفت عدل کے ساتھ پرلے درجے کی بد گمانی ہے۔ مسند ابو یعلی میں ہے حضرت ابوذر ؓ فرماتے ہیں' چار چیزوں پر اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی بنا رکھی ہے' جو ان سے ہٹ جائے اور ان پر عامل نہ بنے وہ اللہ تعالیٰ سے فاسق ہو کر ملاقات کرے گا۔ پوچھا گیا کہ وہ چاروں کیا ہیں؟ فرمایا یہ کہ کامل عقیدہ رکھے کہ حلال و حرام' حکم و ممانعت یہ چاروں صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں۔ اس کے حلال کو حلال اس کے حرام بتائے ہوئے کو حرام ماننا اس کے حکموں کو قابل تعمیل اور لائق تسلیم جاننا' اس کے منع کئے ہوئے کاموں سے باز آ جانا اور حلال و حرام امر و نہی کا مالک صرف اسی کو جاننا بس یہ دین کی اصل ہے۔ حضرت ابو القاسم ﷺ کا فرمان ہے کہ جس طرح ببول کے درخت سے انگور پیدا نہیں ہو سکتے اسی طرح بدکار لوگ نیک کاروں کا درجہ حاصل نہیں کر سکتے۔ یہ حدیث غریب ہے۔ سیرت محمد بن اسحٰق میں ہے کہ کعبۃ اللہ کی نیو میں سے ایک پتھر نکلا تھا جس پر لکھا ہوا تھا کہ تم برائیاں کرتے ہوئے نیکیوں کی امید رکھتے ہو یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی خاردار درخت میں سے انگور چننا چاہتا ہو۔ طبرانی میں ہے کہ حضرت تمیم داری ؓ رات بھر تہجد میں اسی آیت کو بار بار پڑھتے رہے یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔

پھر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کو عدل کے ساتھ پیدا کیا۔ وہ ہر ایک شخص کو اس کے کیے کا بدلہ دے گا اور کسی پر اس کی طرف سے ذرا سا بھی ظلم نہ کیا جائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ جل و علا فرماتا ہے کہ تم نے انہیں بھی دیکھا جو اپنی خواہشوں کو اللہ بنائے ہوئے ہیں۔ جس کام کی طرف طبیعت جھکی کر ڈالا جس سے دل رکا چھوڑ دیا۔ یہ آیت معتزلہ کے اس اصول کو رد کرتی ہے کہ اچھائی برائی عقلی ہے۔ حضرت امام مالک ؒ اس کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں جس کی عبادت کا اس کے جی

میں خیال گزرتا ہے' اسی کو پوجنا لگتا ہے۔ اس کے بعد کے جملے کے دو معنی ہیں ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کی بناء پر اسے مستحق گمراہی جان کر گمراہ کر دیا' دوسرا معنی یہ کہ اس کے پاس علم وحجت دلیل وسند آ گئی۔ پھر اسے گمراہ کیا۔ یہ دوسری بات پہلی کو بھی مستلزم ہے اور پہلی دوسری کو مستلزم نہیں۔ اس کے کانوں پر مہر ہے نفع دینے والی شرعی بات سنتا ہی نہیں۔ اس کے دل پر مہر ہے ہدایت کی بات دل میں اترتی ہی نہیں۔ اس کی آنکھوں پر پردہ ہے۔ کوئی دلیل اسے نظر ہی نہیں آتی۔ بھلا اب اللہ کے بعد اسے کون راہ دکھائے کیا تم عبرت حاصل نہیں کرتے؟ جیسے فرمایا﴿ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَيَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ﴾ جسے اللہ گمراہ کر دے اس کا ہادی کوئی نہیں' وہ انہیں چھوڑ دیتا ہے کہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں۔

وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿٢٤﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٢٥﴾ قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٢٦﴾

انہوں نے کہا کہ زندگی تو صرف دنیا کی زندگی ہی ہے۔ مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہمیں صرف زمانہ ہی مار ڈالتا ہے دراصل انہیں اس کی کچھ خبر ہی نہیں۔ یہ تو صرف قیاس اور اٹکل سے ہی کام لے رہے ہیں۔ اور جب ان کے سامنے ہماری واضح اور روشن آیتوں کی تلاوت کی جاتی ہے تو ان کے پاس اس قول کے سوا کوئی دلیل نہیں ہوتی کہ اگر تم سچے ہو تو ہمارے باپ دادوں کو لاؤ' تو کہہ دے کہ اللہ ہی تمہیں زندہ کرتا ہے۔ پھر تمہیں مار ڈالتا ہے پھر تمہیں قیامت کے دن جمع کرے گا جس میں کوئی شک نہیں لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔

فلسفیوں اور دہریوں کا رد: دہریہ کفار اور ان کے ہم عقیدہ مشرکین عربؔ کا بیان ہو رہا ہے کہ یہ قیامت کے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ دنیا ہی ابتدا اور انتہا ہے کچھ جیتے ہیں' کچھ مرتے ہیں' قیامت کوئی چیز نہیں' فلاسفہ اور علم کلام کے قائل بھی یہی کہتے تھے۔ یہ لوگ ابتدا انتہا کے قائل نہ تھے' اور فلاسفہ میں سے جو لوگ دہریہ اور دوریہ تھے وہ خالق کے بھی منکر تھے' ان کا خیال تھا کہ ہر چھتیس ہزار سال کے بعد زمانے کا ایک دور ختم ہوتا ہے اور ہر چیز اپنی اصلی حالت پر آ جاتی ہے' اور ایسے کئی دور کے وہ قائل تھے۔ دراصل یہ معقول سے بھی بیکار جھگڑتے تھے اور منقول سے بھی روگردانی کرتے تھے اور کہتے تھے کہ گردش زمانہ ہی ہلاک کرنے والی ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا' اس کی کوئی دلیل ان کے پاس نہیں اور بجز وہم وخیال کے کوئی وہ سند پیش نہیں کر سکتے۔ ابوداؤد وغیرہ کی صحیح حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مجھے ابن آدم ایذا دیتا ہے۔ وہ دہر کو (یعنی زمانے کو) گالیاں دیتا ہے۔ دراصل دہر میں ہوں تمام کام میرے ہاتھ ہیں۔ دن رات کا ہیر پھیر میں کرتا ہوں۔ ایک روایت میں ہے دہر کو گالی نہ دو اللہ تعالیٰ ہی دہر ہے۔ ابن جریرؒ نے اسے ایک بالکل غریب سند سے وارد کیا ہے۔ اس میں ہے' اہل جاہلیت کا خیال تھا کہ ہمیں دن رات ہی ہلاک کرتے ہیں' وہی ہمیں مارتے جلاتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کریم میں نقل فرمایا۔ وہ زمانہ کو برا کہتے تھے پس اللہ عزوجل نے فرمایا مجھے ابن آدم ایذا پہنچاتا ہے۔ وہ زمانہ کو برے کہتا ہے اور زمانہ میں ہوں۔ میرے ہاتھ میں سب کام ہیں۔ میں دن رات کا لے آنے لے جانے والا ہوں۔ ابن ابی حاتم میں ہے ابن آدم زمانے کو گالیاں دیتا ہے' میں زمانہ ہوں۔ دن رات میرے ہاتھ میں ہیں۔ اور حدیث میں ہے میں نے اپنے بندے سے قرض طلب

کیا اس نے مجھے نہ دیا۔ مجھے میرے بندے نے گالیاں دیں وہ کہتا ہے ہائے ہائے زمانہ اور زمانہ میں ہوں۔ امام شافعیؒ اور ابو عبیدہؒ وغیرہ آئمہ لغت و تفسیر اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ جاہلیت کے عربوں کو جب کوئی بلا اور شدت و تکلیف پہنچتی تو وہ اسے زمانے کی طرف نسبت کرتے اور زمانے کو برا کہتے۔ دراصل زمانہ خود تو کچھ کرتا نہیں۔ ہر کام کا کرتا دھرتا اللہ تعالیٰ ہی ہے اس لیے ان کا زمانے کو گالی دینا فی الواقع اسے برا کہنا تھا جس کے ہاتھ میں اور جس کے بس میں زمانہ ہے' جو راحت و رنج کا مالک ہے اور وہ ذات باری تعالیٰ عزاسمہ ہے پس وہ گالی حقیقی فاعل یعنی اللہ تعالیٰ پر پڑتی ہے اسلئے اس حدیث میں اللہ کے نبی علیہ ﷺ نے یہ فرمایا اور لوگوں کو اس سے روک دیا۔ یہی شرح بہت ٹھیک اور بالکل درست ہے۔ امام ابن حزمؒ وغیرہ نے اس حدیث سے جو یہ سمجھ لیا ہے کہ دہر اللہ کے اسماء حسنیٰ میں سے ایک نام ہے' یہ بالکل غلط ہے' واللہ اعلم۔ پھر ان بے علموں کی کٹ حجتی بیان ہو رہی ہے کہ قیامت قائم ہونے کی اور دوبارہ جلائے جانے کی بالکل صاف دلیلیں جب انہیں دی جاتی ہیں اور قائل معقول کر دیا جاتا ہے تو چونکہ کوئی جواب بن نہیں پڑتا جھٹ سے کہہ دیتے ہیں کہ اچھا پھر ہمارے مردہ باپ دادا ؤں پردادا ؤں کو زندہ کر کے' ہمیں دکھا دو تو ہم مان لیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تم اپنا پیدا کیا جانا اور مر جانا تو اپنی آنکھوں دیکھ رہے ہو کہ تم کچھ نہ تھے اور اس نے تمہیں موجود کر دیا۔ پھر وہ تمہیں مار ڈالتا ہے' تو جو ابتداً پیدا کرنے پر قادر ہے وہ دوبارہ جی اٹھانے پر قادر کیسے نہ ہو گا؟ بلکہ عقلاً بداہت کے ساتھ یہ بات ثابت ہے کہ جو شروع شروع کسی چیز کو بنا دے اس پر دوبارہ اس کا بنانا بہ نسبت پہلی دفعہ کے بہت ہی آسان ہوتا ہے۔ پس یہاں فرمایا کہ پھر وہ تمہیں قیامت کے دن جس کے آنے میں کوئی شک نہیں جمع کرے گا۔ وہ دنیا میں تمہیں دوبارہ لانے کا نہیں جو تم کہہ رہے ہو کہ ہمارے باپ دادا ؤں کو زندہ کر لاؤ۔ یہ تو دار عمل ہے دار جزا قیامت کا دن ہے۔ یہاں تو ہر ایک کو تھوڑی بہت تاخیر مل جاتی ہے جس میں وہ اگر چاہے اس دوسرے گھر کے لیے تیاریاں کر سکتا ہے۔ پس اپنی بے علمی کی بنا پر تمہیں اس کا انکار نہ کرنا چاہیے۔ تم گو اسے دور جان رہے ہو لیکن دراصل وہ قریب ہی ہے۔ تم گو اس کا آنا محال سمجھ رہے ہو لیکن فی الواقع اس کا آنا یقینی ہے۔ جو مومن باعلم اور ذی عقل ہیں وہ اس پر یقین کامل رکھ کر عمل میں لگے ہوئے ہیں۔

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَىِٕذٍ يَّخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً ۣ كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰٓى اِلٰى كِتٰبِهَا ۭ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾ هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ۭ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۹﴾

آسمان و زمین کی بادشاہی اللہ ہی کی ہے جس دن قیامت قائم ہو گی اس دن اہل باطل بڑے نقصان میں پڑیں گے۔ تو دیکھے گا کہ ہر اُمت گھٹنوں پر گری ہوئی ہو گی ہر فرقہ اپنے نامۂ اعمال کی طرف بلایا جائے گا' آج تمہیں اپنے کیے کا بدلہ دیا جائے گا۔ یہ ہے ہماری کتاب جو تمہارے بارے میں سچ سچ بول رہی ہے ہم تمہارے اعمال لکھواتے جاتے ہیں۔

جس دن حشر بپا ہو گا: اب سے لے کر ہمیشہ تک اور آج سے پہلے بھی تمام آسمانوں کا کل زمینوں کا مالک بادشاہ سلطان اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اللہ کے اور اس کی کتابوں کے اور اس کے رسولوں کے منکر قیامت کے روز بڑے گھاٹے میں رہیں گے۔ حضرت سفیان ثوریؒ جب مدینہ میں تشریف لائے تو آپ نے سنا کہ معافری ایک ظریف شخص ہیں لوگوں کو اپنے کلام سے ہنسایا کرتے ہیں' تو آپ نے انہیں نصیحت کی اور فرمایا کیوں جناب کیا آپ کو معلوم نہیں کہ ایک دن آئے گا جس میں باطل والے خسارے میں پڑیں گے۔ اس کا بہت اچھا اثر ہوا اور حضرت معافریؒ مرتے دم تک اس نصیحت کو نہ بھولے (ابن ابی حاتم)۔ وہ دن

ایسا ہولناک اور سخت تر ہوگا کہ ہر شخص گھٹنوں پر گرا ہوا ہوگا' یہ اس وقت جبکہ جہنم سامنے لائی جائے گی اور وہ ایک جھرجھری لے گی جس سے ہر شخص کانپ اٹھے گا اور اپنے گھٹنوں پر گر جائے گا۔ یہاں تک کہ خلیل اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور روح اللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی۔ ان کی زبان سے بھی اس وقت نفسی نفسی نکلے گا۔ صاف کہہ دیں گے کہ اللہ تعالیٰ آج ہم تجھ سے اور کچھ نہیں مانگتے صرف اپنی سلامتی چاہتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے کہ آج میں اپنی والدہ کے لیے بھی تجھ سے کچھ عرض نہیں کرتا بس مجھے بچالے۔ گو بعض مفسرین نے کہا کہ مراد یہ ہے کہ ہر گروہ جداگانہ الگ الگ ہوگا۔ لیکن اس سے اولیٰ اور بہتر تفسیر وہی ہے جو ہم نے کی یعنی ہر ایک اپنے زانو پر گرا ہوا ہوگا۔ ابن ابی حاتم میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں گویا میں تمہیں جہنم کے پاس زانو پر جھکے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔ اور مرفوع حدیث میں جس میں صور وغیرہ کا بیان ہے یہ بھی ہے کہ پھر لوگ جدا جدا کر دیے جائیں گے اور تمام امتیں زانو پر جھک پڑیں گی یہی فرمان الٰہی ہے ﴿وَ تَرٰی کُلَّ اُمَّةٍ جَاثِیَةً﴾ الخ اس میں دونوں حالتیں جمع کر دیں ہیں۔ پس دراصل دونوں تفسیروں میں ایک دوسرے کا خلاف نہیں' واللہ اعلم۔ پھر فرمایا ہر گروہ اپنے نامہ اعمال کی طرف بلایا جائے گا۔ جیسے ارشاد ہے ﴿وَوُضِعَ الْکِتٰبُ وَجِآیْءَ بِالنَّبِیّٖنَ﴾ الخ نامہ اعمال رکھا جائے گا اور نبیوں اور گواہوں کو لایا جائے گا۔ آج تمہیں تمہارے ہر ہر عمل کا بدلہ بھرپور دیا جائے گا جیسے فرمان ہے ﴿یُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ یَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَ اَخَّرَ﴾ انسان کو ہر اس چیز سے باخبر کر دیا جائے گا جو اس نے آگے بھیجی اور پیچھے چھوڑی۔ اس کے اگلے پچھلے تمام اعمال سے بلکہ خود انسان اپنے حال پر خوب مطلع ہو جائے گا گو اپنے تمام تر حیلے سامنے لا ڈالے۔ یہ اعمال نامہ جو ہمارے حکم سے ہمارے امین اور سچے فرشتوں نے لکھا ہے وہ تمہارے اعمال کو تمہارے سامنے پیش کر دینے کے لیے کافی وافی ہے' جیسے ارشاد ہے ﴿وَوُضِعَ الْکِتٰبُ فَتَرَی الْمُجْرِمِیْنَ مُشْفِقِیْنَ مِمَّا فِیْهِ﴾ الخ یعنی نامہ اعمال سامنے رکھ دیا جائے گا تو تو دیکھے گا کہ گنہگار اس سے خوف زدہ ہو جائیں گے اور کہیں گے ہائے ہماری کم بختی اس عمل نامہ کی تو صفت یہ ہے کہ کسی چھوٹے بڑے عمل کو قلم بند کیے بغیر چھوڑا ہی نہیں ہے جو کچھ انہوں نے کیا تھا سب سامنے حاضر پالیں گے۔ تیرا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ پھر فرماتا ہے کہ ہم نے محافظ فرشتوں کو حکم دے دیا تھا کہ وہ تمہارے اعمال لکھتے رہا کریں۔ حضرت ابن عباسؓ وغیرہ فرماتے ہیں کہ فرشتے بندوں کے اعمال لکھتے ہیں پھر انہیں لے کر آسمان پر چڑھتے ہیں۔ آسمان کے دیوان عمل کے فرشتے اس نامہ اعمال کو لوح محفوظ میں لکھے ہوئے اعمال سے ملاتے ہیں جو ہر رات اس کی مقدار کے مطابق ان پر ظاہر ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی پیدائش سے پہلے ہی لکھا ہے تو ایک حرف کی کمی زیادتی نہیں پاتے' پھر آپ نے اسی آخری جملہ کی تلاوت فرمائی۔

فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَیُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِیْ رَحْمَتِهٖ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِیْنُ ﴿۳۰﴾ وَاَمَّا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ۟ اَفَلَمْ تَكُنْ اٰیٰتِیْ تُتْلٰی عَلَیْكُمْ فَاسْتَكْبَرْتُمْ وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِیْنَ ﴿۳۱﴾ وَاِذَا قِیْلَ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّالسَّاعَةُ لَا رَیْبَ فِیْهَا قُلْتُمْ مَّا نَدْرِیْ مَا السَّاعَةُ ۙ اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَیْقِنِیْنَ ﴿۳۲﴾ وَبَدَا لَهُمْ سَیِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَقِیْلَ الْیَوْمَ نَنْسٰىكُمْ كَمَا نَسِیْتُمْ لِقَآءَ

يَوْمِكُمْ هٰذَا وَمَاْوٰكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿٣٤﴾ ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّغَرَّتْكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿٣٥﴾ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٣٦﴾ وَلَهُ الْكِبْرِيَاۗءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۠ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٣٧﴾

پس جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے انہیں ان کا رب اپنی رحمت تلے لے لے گا یہی صریح کامیابی ہے۔ لیکن جن لوگوں نے کفر کیا (ان سے میں کہوں گا) کیا میری آیتیں تمہیں سنائی نہیں جاتی تھیں؟ پھر بھی تم تکبر کرتے رہے اور تم تھے ہی گنہگار لوگ۔ اور جب کبھی کہا جاتا کہ اللہ کا وعدہ یقیناً سچا ہے اور قیامت کے آنے میں کوئی شک نہیں۔ تو تم جواب دیتے تھے کہ ہم نہیں جانتے قیامت کیا چیز ہے ہمیں یوں ہی۔ خیال ہو جاتا ہے لیکن ہمیں یقین نہیں اب ان پر اپنے اعمال کی برائیاں کھل گئیں اور جسے وہ مذاق میں اڑا رہے تھے اس نے انہیں گھیر لیا اور کہہ دیا گیا کہ آج ہم تمہیں بھلا دیں گے جیسے کہ تم نے اپنے اس دن سے ملنے کو بھلا دیا تھا تمہارا ٹھکانا جہنم ہے اور تمہارا مددگار کوئی نہیں یہ اس لیے ہے کہ تم نے اللہ کی آیتوں کی ہنسی اڑائی تھی اور دنیا کی زندگی نے تمہیں دھوکے میں ڈال رکھا تھا پس آج کے دن نہ تو یہ دوزخ سے نکالے جائیں اور نہ ان سے اللہ کی خفگی کا تدارک طلب کیا جائے پس اللہ کی تعریف ہے جو آسمانوں اور زمین اور تمام جہان کا پالنہار ہے تمام بزرگی اور بڑائی آسمانوں اور زمین میں اسی کی ہے اور وہی غالب اور حکمت والا ہے۔

قیامت کے دن جنتیوں اور دوزخیوں کا فیصلہ ہو گا: ان آیتوں میں اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے اس فیصلہ کی خبر دیتا ہے جو وہ آخرت کے دن اپنے بندوں کے درمیان کرے گا' جو لوگ اپنے دل سے ایمان لائے اور اپنے ہاتھ پاؤں سے مطابق شرع نیک نیتی کے ساتھ اچھے عمل کیے انہیں اپنے کرم ورحم سے جنت عطا فرمائے گا رحمت سے مراد جنت ہے جیسے صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت سے فرمایا تو میری رحمت ہے جسے میں چاہوں عطا فرماؤں گا۔ کھلی کامیابی اور حقیقی مراد کو حاصل کر لینا یہی ہے' اور جو لوگ ایمان سے رک گئے بلکہ کفر کیا ان سے قیامت کے دن بطور ڈانٹ ڈپٹ کے کہا جائے گا کہ کیا اللہ تعالیٰ کی آیتیں تمہارے سامنے نہیں پڑھی جاتی تھیں' یعنی یقیناً پڑھی جاتی تھیں اور تمہیں سنائی جاتی تھیں پھر بھی تم نے غرور ونخوت میں آ کر ان کی اتباع نہ کی بلکہ ان سے منہ پھیرے رہے اپنے دلوں میں اللہ تعالیٰ کے فرمان کی تکذیب لیے ہوئے تم نے ظاہراً اپنے افعال میں بھی اس کی نافرمانی کی گناہوں پر گناہ دلیری سے کرتے چلے گئے اور جب ایمان دار تم سے کہتے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ قطعاً سچا ہے اور قیامت ضرور قائم ہو گی اس کے آنے میں کوئی شک نہیں تو تم پلٹ کر جواب دے دیا کرتے تھے کہ ہم نہیں جانتے قیامت کسے کہتے ہیں؟ ہمیں گو کچھ یوں ہی سا وہم ہوتا ہے لیکن ہمیں ہرگز یقین نہیں کہ قیامت ضرور آئے گی ہی۔ اب ان کی بداعمالیوں کی سزا ان کے سامنے آ گئی۔ اپنی آنکھوں اپنے کرتوت کا بدلہ دیکھ چکے اور جس عذاب کے انکاری تھے جسے مذاق میں اڑاتے رہے تھے جس کا ہونا ناممکن سمجھ رہے تھے ان عذابوں نے انہیں چوطرف سے گھیر لیا اور انہیں ہر قسم کی بھلائی سے مایوس کرنے کے لیے کہہ دیا گیا کہ ہم تمہارے ساتھ وہی معاملہ کریں گے جیسے کوئی کسی کو بھول جاتا ہے یعنی جہنم میں جھونک کر۔ پھر کبھی تمہیں اچھائی سے یاد بھی نہ کریں گے یہ بدلہ ہے اس کا کہ تم اس دن کی ملاقات کو بھلائے ہوئے تھے' اس کے لیے تم نے کوئی عمل نہ کیا کیونکہ تم اس کے آنے کی صداقت کے قائل نہ تھے اب تمہارا ٹھکانا جہنم ہے اور کوئی نہیں جو تمہاری کسی قسم کی

مدد کر سکے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے قیامت کے دن فرمائے گا کیا میں نے تجھے بال بچے نہیں دیے تھے' کیا میں نے تجھ پر دنیا میں انعام واکرام نازل نہیں فرمائے تھے؟ کیا میں نے تیرے لیے اونٹوں اور گھوڑوں کو مطیع اور فرماں بردار نہیں کر دیا تھا؟ اور تجھے چھوڑ دیا تھا کہ سرور وخوشی کے ساتھ اپنے مکانات اور حویلیوں میں آزادی کی زندگی بسر کرے؟ یہ جواب دے گا کہ میرے پروردگار یہ سب سچ ہے بے شک تیرے یہ تمام احسانات مجھ پر تھے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا پس آج میں تجھے اسی طرح بھلا دوں گا جس طرح تو مجھے بھول گیا تھا۔

پھر فرماتا ہے یہ سزائیں تمہیں اس لیے دی گئی ہیں کہ تم نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا خوب مذاق اڑایا تھا اور دنیا کی زندگی نے تمہیں دھوکے میں ڈال رکھا تھا تم اسی پر مطمئن تھے اور اس قدر تم نے بے فکری برتی کہ آخر آج نقصان اور خسارے میں پڑ گئے اب تم دوزخ سے نکالے نہ جاؤ گے اور نہ تم سے ہماری خفگی کے دور کرنے کی کوئی وجہ طلب کی جائے گی۔ یعنی اس عذاب سے تمہارا چھٹکارا بھی محال اور اب میری رضامندی کا تمہیں حاصل ہونا بھی ناممکن جیسے کہ مومن بغیر عذاب و حساب کے جنت میں جائیں گے ایسے ہی تم بے حساب عذاب کیے جاؤ گے اور تمہاری توبہ بے سود رہے گی۔ اپنے اس فیصلہ کو جو مومنوں اور کافروں میں ہو گا بیان فرما کر اب ارشاد فرماتا ہے کہ تمام حمد' زمین وآسمان اور ہر چیز کے مالک' اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو کل جہان کا پالن ہار ہے اس کی کبریائی یعنی سلطنت اور بڑائی آسمانوں اور زمین میں ہے۔ وہ بڑی عظمت اور بزرگی والا ہے ہر چیز اس کے سامنے پست ہے ہر ایک اس کا محتاج ہے۔ صحیح مسلم کی حدث قدسی میں ہے اللہ تعالیٰ جل وعلا فرماتا ہے عظمت میرا تہمد ہے اور کبریائی میری چادر ہے جو شخص ان میں سے کسی کو بھی مجھ سے لینا چاہے گا میں اسے جہنم رسید کر دوں گا۔ یعنی بڑائی اور تکبر کرنے والا دوزخی ہے۔ وہ عزیز ہے یعنی غالب ہے جو کبھی کسی سے مغلوب نہیں ہونے کا۔ کوئی نہیں جو اس پر روک ٹوک کر سکے اس کے سامنے پڑ سکے۔ وہ حکیم ہے۔ اس کا کوئی قول کوئی فعل اس کی شریعت کا کوئی مسئلہ اس کی لکھی ہوئی تقدیر کا کوئی حرف حکمت سے خالی نہیں وہ بلندی اور برتری والا ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں نہ اس کے سوا کوئی مسجود۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کے لطف ورحم سے سورہ جاثیہ کی تفسیر ختم ہوئی اور اسی کے ساتھ
پچیسویں پارے کی تفسیر بھی ختم ہوئی' ﴿فَالْحَمْدُ لِلّٰه﴾

تفسیر سورۂ احقاف

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ۝١ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝٢ مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَمَّآ اُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَ ۝٣ قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ۭ اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝٤ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَاۗىِٕهِمْ غٰفِلُوْنَ ۝٥ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَاۗءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ۝٦

بہت بخشش کرنے والے بہت مہربان اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع۔

اس کتاب کا اتارنا اللہ تعالیٰ غالب حکمت والے کی طرف سے ہے ہم نے آسمان و زمین اور ان دونوں کے درمیان کی تمام چیزوں کو بہترین تدبیر کے ساتھ ہی ایک میعاد معین کیلئے بتایا ہے کافر لوگ جس چیز سے ڈرائے جاتے ہیں منہ موڑ لیتے ہیں تو کہہ بھلا دیکھو تو جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو مجھے بھی تو دکھاؤ کہ انہوں نے زمین کا کونسا ٹکڑا بنایا ہے؟ یا آسمانوں میں ان کا کون سا حصہ ہے؟ اگر تم سچے ہو تو اس سے پہلے ہی کی کوئی کتاب یا کوئی نقلی علم ہی میرے پاس لاؤ اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہوگا؟ جو اللہ کے سوا ایسوں کو پکارتا ہے جو قیامت تک اسکی دعا قبول نہ کر سکیں بلکہ ان کے پکارنے سے محض بے خبر ہوں اور جب لوگوں کا حشر کیا جائے گا تو یہ ان کے دشمن ہو جائیں گے اور ان کی پرستش سے صاف انکار کر جائیں گے۔

غیر اللہ کی عبادت کا کوئی ثبوت نہیں ہے: اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ اس قرآن کریم کو اس نے اپنے بندے اور اپنے سچے رسول حضرت محمد ﷺ پر نازل فرمایا ہے اور بیان فرماتا ہے کہ رب تعالیٰ ایسی بڑی عزت والا ہے جو کبھی زائل نہیں ہوگی اور ایسی زبردست حکمت والا ہے جس کا کوئی قول کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ آسمان و زمین وغیرہ تمام چیزیں اس نے عبث اور باطل پیدا نہیں کیں بلکہ سراسر حق کیساتھ اور بہترین تدبیر کے ساتھ بنائی ہیں اور ان سب کے لئے وقت مقرر ہے جو نہ گھٹے نہ بڑھے۔ اس رسول سے اس کتاب سے اور رب تعالیٰ کے ڈراوے کی اور نشانیوں سے جو بد باطن لوگ بے پرواہی اور لا ابالی کرتے ہیں انہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ انہوں نے کس قدر خود اپنا ہی نقصان کیا۔

پھر فرماتا ہے ذرا ان مشرکین سے پوچھو تو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا جن کے نام تم جپتے ہو جنہیں تم پکارتے ہو اور جن کی عبادت کرتے ہو ذرا مجھے بھی تو ان کی طاقت قدرت دکھاؤ بتلاؤ تو زمین کے کس ٹکڑے کو خود انہوں نے بنایا ہے؟ یا ثابت تو کرو کہ آسمانوں میں ان

کی شرکت کتنی ہے اور کہاں ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ آسمان ہوں یا زمینیں ہوں یا اور چیزیں ہوں ان سب کا پیدا کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے بجز اس کے کسی کو ایک ذرے کا بھی اختیار نہیں۔ تمام ملک کا مالک وہی ہے ہر چیز پر کامل تصرف اور قبضہ رکھنے والا وہی ہے۔ تم اس کے سوا دوسروں کی عبادت کیوں کرتے ہو؟ کیوں اس کے سوا دوسروں کو اپنی مصیبتوں میں پکارتے ہو؟ تمہیں یہ تعلیم کس نے دی؟ کس نے یہ شرک تمہیں سکھایا؟ دراصل کسی بھلے اور سمجھدار شخص کی یہ تعلیم نہیں ہو سکتی نہ اللہ تعالیٰ نے یہ تعلیم دی ہے۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کے سوا اوروں کی پوجا پر کوئی آسمانی دلیل رکھتے ہو تو اچھا اس کتاب کو تو جانے دو اور کوئی آسمانی صحیفہ ہی پیش کر دو۔ اچھا نہ سہی اپنے اس مسلک پر کوئی اور دلیل علم ہی قائم کرو۔ لیکن یہ تو جب ہو سکتا ہے کہ تمہارا یہ فعل صحیح بھی ہو' اس باطل فعل پر تو نہ تو تم کوئی نقلی دلیل پیش کر سکتے ہو نہ عقلی' ایک قرائت میں ﴿اَوْ اَثَرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ﴾ ہے یعنی کوئی صحیح علم کی نقل اگلوں سے ہی پیش کرو۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ کسی کو پیش کرو جو علم کی نقل کرے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس امر کی کوئی بھی دلیل لے آؤ۔ مسند احمد میں ہے اس سے مراد علمی تحریر ہے۔ راوی کہتے ہیں میرا تو خیال ہے کہ یہ حدیث مرفوع ہے۔ حضرت ابو بکر بن عیاشؒ فرماتے ہیں مراد بقیہ علم ہے۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کسی مخفی دلیل کو ہی پیش کر دو اور ان بزرگوں سے یہ بھی منقول ہے کہ مراد اس سے اگلی تحریریں ہیں۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کوئی خاص علم۔ اور یہ سب اقوال قریب قریب ہم معنی ہیں مراد وہی ہے جو ہم نے شروع میں بیان کر دی۔ امام ابن جریرؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے پھر فرماتا ہے اس سے بڑھ کر کوئی راہ گم کردہ نہیں جو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں کو پکارے اور ان سے حاجتیں طلب کرے جن حاجتوں کے بر لانے کی ان میں طاقت ہی نہیں' بلکہ وہ تو اس سے بھی بے خبر ہیں کہ کوئی انہیں پکار رہا ہے' قیامت تک یہ پکارتے رہیں لیکن وہ غافل ہی ہیں نہ سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں محض بے خبر ہیں نہ کسی چیز کو لے دے سکتے ہیں اس لئے کہ وہ تو پتھر ہیں' جمادات میں سے ہیں۔ قیامت کے دن جب سب لوگ اکٹھے کئے جائیں گے تو یہ معبودان باطل اپنے عابدوں کے دشمن بن جائیں گے اور اس بات سے کہ یہ لوگ ان کی پوجا کرتے تھے صاف انکار کر جائیں گے جیسے اللہ عزوجل کا اور جگہ ارشاد ہے۔ ﴿وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً﴾ یعنی ان لوگوں نے اللہ کے سوا اور معبود بنا رکھے ہیں تاکہ وہ ان کی عزت کا باعث بنیں۔ واقعہ ایسا نہیں بلکہ وہ تو ان کی عبادت کا انکار کر جائیں گے اور ان کے پورے مخالف ہو جائیں گے یعنی جب کہ یہ ان کے پورے محتاج ہوں گے اس وقت وہ ان سے منہ پھیر لیں گے۔ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے اپنی امت سے فرمایا تھا۔ ﴿اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا﴾ الخ۔ یعنی تم نے اللہ کے سوا بتوں سے جو تعلقات دنیا میں قائم کر لئے ہیں اس کا نتیجہ قیامت کے دن دیکھ لو گے جبکہ تم ایک دوسرے سے انکار کر جاؤ گے اور تمہاری جگہ جہنم مقرر اور متعین ہو جائے گی اور تم اپنا مددگار کسی کو نہ پاؤ گے۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۙ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِيْ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ۭ هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ۭ كَفٰى بِهٖ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۭ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ ۭ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ وَمَآ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝

انہیں جب ہماری واضح آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو منکر لوگ سچی بات کو جبکہ ان کے پاس آچکی کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو صریح جادو ہے۔ بلکہ کہہ دیتے ہیں کہ اسے تو اس نے خود بنالیا ہے تو کہہ اگر میں ہی اسے بنالایا ہوں تو تم میرے لئے اللہ کی طرف سے کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتے' تم اس قرآن کے بارے میں جو کچھ کہہ سن رہے ہو اسے اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔ میرے اور تمہارے درمیان اظہار حق کرنے والا وہی کافی ہے اور وہ بخشش کرنے والا مہربان ہے تو کہہ دے کہ میں کوئی بالکل نیا پیغمبر تو نہیں نہ مجھے یہ معلوم ہے کہ میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ میں تو صرف اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی بھیجی جاتی ہے اور میں تو صرف علی الاعلان آگاہ کر دینے والا ہوں۔

فرمان رسولؐ کہ مجھے نہیں معلوم میرے ساتھ کیا کیا جائے گا: مشرکوں کی سرکشی اور ان کا کفر بیان ہو رہا ہے کہ جب انہیں اللہ تعالیٰ کی ظاہر و باہر واضح اور صاف آیتیں سنائی جاتی ہیں تو یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو صریح جادو ہے۔ تکذیب وافترا ضلالت و کفر گویا ان کا شیوہ ہو گیا ہے۔ جادو کہہ کر ہی بس نہیں کرتے بلکہ یوں بھی کہتے ہیں کہ اسے تو خود محمد (ﷺ) نے گھڑ لیا ہے پس نبی کی زبانی اللہ تعالیٰ خوب جواب دلواتا ہے کہ اگر میں نے ہی اس قرآن کو بنالیا ہے اور میں اس کا سچا نبی نہیں تو یقیناً وہ مجھے میرے اس جھوٹ اور بہتان پر سخت تر عذاب کرے گا اور پھر تم تو کیا سارے جہان میں کوئی ایسا نہیں جو مجھے اس کے عذابوں سے چھڑا سکے۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿قُلْ اِنِّیْ لَنْ یُّجِیْرَنِیْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ﴾ الخ یعنی تو کہہ دے کہ مجھے اللہ کے ہاتھ سے کوئی نہیں بچا سکتا اور نہ اس کے سوا کہیں اور مجھے سر کنے کی جگہ مل سکے گی لیکن میں اللہ تعالیٰ کی تبلیغ اور اس کی رسالت کو بجالاتا ہوں۔ اور جگہ ہے ﴿وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا﴾ الخ یعنی اگر یہ ہم پر کوئی بات بنالیتا تو ہم اس کا داہنا ہاتھ پکڑ کر اس کی رگ گردن کاٹ ڈالتے' اور تم میں سے کوئی بھی اسے نہ بچا سکتا۔ پھر کفار کو دھمکایا جا رہا ہے کہ تمہاری گفتگو کا پورا علم اس علیم اللہ تعالیٰ کو ہے' وہی میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا۔ اس دھمکی کے بعد انہیں توبہ اور انابت کی رغبت دلائی جا رہی ہے اور فرماتا ہے وہ غفور و رحیم ہے' اگر تم اس کی طرف رجوع کرو اپنے کرتوت سے باز آؤ تو وہ بھی تمہیں بخش دے گا اور تم پر رحم کرے گا۔ سورہ فرقان میں بھی اسی مضمون کی آیت ہے۔ فرمان ہے ﴿وَقَالُوْا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا﴾ الخ یعنی یہ کہتے ہیں کہ یہ اگلوں کی کہانیاں ہیں جنہیں اس نے لکھ لیا ہے اور صبح شام لکھائی جا رہی ہیں۔ تو کہہ دے کہ اسے اس اللہ تعالیٰ نے اتارا ہے جو ہر پوشیدگی کو جانتا ہے خواہ آسمانوں میں ہو خواہ زمین میں ہو' وہ غفور و رحیم ہے۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ دنیا میں میں کوئی پہلا نبی تو نہیں؟ مجھ سے پہلے بھی تو دنیا میں لوگوں کی طرف رسول آتے رہے پھر میرے آنے سے تمہیں اس قدر اچنبھا کیوں ہوا؟ مجھے تو یہ بھی نہیں معلوم کہ میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا؟ بقول حضرت ابن عباسؓ اس آیت کے بعد آیت ﴿لِيَغْفِرَلَكَ اللّٰهُ﴾ الخ اتری ہے۔ اسی طرح حضرت عکرمہؒ حضرت حسنؒ حضرت قتادہؒ بھی اسے منسوخ بتلاتے ہیں یہ بھی مروی ہے کہ جب آیت بخشش اتری جس میں فرمایا گیا تاکہ اللہ تیرے اگلے پچھلے گناہ بخشے' تو ایک صحابی نے کہا حضور! یہ تو اللہ نے بیان فرمادیا کہ وہ آپ کے ساتھ کیا کرنے والا ہے پس وہ ہمارے ساتھ کیا کرنے والا ہے؟ اس پر آیت ﴿لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنَاتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَاالْاَنْهَارُ﴾ اتری یعنی تاکہ اللہ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو ایسی جنتوں میں داخل کرے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ صحیح حدیث سے بھی یہ تو ثابت ہے کہ مومنوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ آپ کو مبارک ہو فرمایئے ہمارے لئے کیا ہے؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔ حضرت ضحاکؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ مجھے نہیں معلوم کہ میں کیا حکم دیا جاؤں اور کس چیز سے روک دیا جاؤں؟ امام حسن بصریؒ کا قول ہے کہ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ آخرت کا انجام تو مجھے قطعاً معلوم ہے کہ میں جنت میں جاؤں گا ہاں دینوی حال معلوم نہیں کہ اگلے بعض انبیاء کی طرح قتل کیا جاؤں یا اپنی زندگی کے دن پورے کر کے اللہ تعالیٰ کے ہاں جاؤں؟ اور اسی طرح میں نہیں کہہ سکتا کہ تمہیں دھنسا دیا جائے یا تم پر پتھر برسائے جائیں۔ امام ابن جریرؒ اسی کو معتبر کہتے ہیں اور فی الواقع ہے بھی یہ ٹھیک آپ بالیقین جانتے تھے کہ آپ اور آپ کے پیرو جنت میں ہی

جائیں گے اور دنیا کی حالت کے انجام سے آپ بے خبر تھے کہ انجام کار آپ کا اور آپ کے مخالفین قریش کا کیا حال ہو گا؟ آیا وہ ایمان لائیں گے یا کفر پر ہی رہیں گے اور عذاب کئے جائیں گے یا بالکل ہی ہلاک کر دیئے جائیں گے۔ لیکن جو حدیث مسند احمد میں ہے حضرت ام العلاء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جنہوں نے حضور ﷺ سے بیعت کی تھی کہ جس وقت مہاجرین بذریعہ قرعہ اندازی انصاریوں میں تقسیم ہو رہے تھے اس وقت ہمارے حصے میں حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ آئے' آپ ہمارے ہاں بیمار ہوئے اور فوت بھی ہو گئے۔ جب ہم آپ کو کفن پہنا چکے' اور حضور ﷺ بھی تشریف لا چکے تو میرے منہ سے نکل گیا اے ابو السائب اللہ تجھ پر رحم کرے میری تو تجھ پر گواہی ہے کہ اللہ تعالیٰ یقیناً تیرا اکرام ہی کرے گا۔ اس پر جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہیں کیسے معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ یقیناً اس کا اکرام ہی کرے گا۔ میں نے کہا حضور پر میرے ماں باپ فدا ہوں مجھے کچھ معلوم نہیں۔ پس آپ نے فرمایا سنو انکے پاس تو ان کے رب کی طرف کا یقین آ پہنچا اور مجھے ان کے لئے بھلائی اور خیر کی امید ہے قسم ہے اللہ کی باوجود رسول اللہ ﷺ ہونے کے میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا؟ اس پر میں نے کہا اللہ تعالیٰ کی قسم اب اس کے بعد میں کسی کی برائت نہیں کروں گی اور مجھے اُس کا بڑا صدمہ ہوا لیکن میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت عثمان بن مظعونؓ کی ایک نہر بہہ رہی ہے۔ میں نے آ کر حضور ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا یہ ان کے اعمال ہیں۔ یہ حدیث بخاری میں ہے مسلم میں نہیں اور اسکی ایک سند میں ہے میں نہیں جانتا باوجودیکہ میں اللہ کا رسول ہوں کہ ان کے ساتھ کیا کیا جائے گا؟ دل کو تو کچھ ایسی لگتی ہے کہ یہی الفاظ موقع کے لحاظ سے ٹھیک ہیں کیونکہ اس کے بعد ہی یہ جملہ ہے کہ مجھے اس بات سے بڑا صدمہ ہوا۔ الغرض یہ حدیث اور اسی کی ہم معنی اور حدیثیں دلالت ہیں اس امر پر کہ کسی معین شخص کے جنتی ہونے کا قطعی علم کسی کو نہیں نہ کسی کو ایسی بات زبان سے کہنی چاہئے۔ بجز ان بزرگوں کے جن کا نام لے کر شارع علیہ السلام نے انہیں جنتی کہا کہ جیسے عشرہ مبشرہ اور حضرت ابن سلام اور عمیصا اور بلال اور سراقہ اور عبداللہ بن عمرو بن حرام جو حضرت جابر کے والد ہیں اور وہ ستر قاری جو بیر معونہ کی جنگ میں شہید کئے گئے اور زید بن حارثہ اور جعفر اور ابن رواحہ اور ان جیسے اور بزرگ رضی اللہ عنہم پھر فرماتا ہے نبی! تم کہہ دو کہ میں تو صرف اس وحی کا مطیع ہوں جو اللہ تعالیٰ کی جناب سے میری جانب آئے اور میں تو صرف ڈرانے والا ہوں کہ کھول کھول کر ہر شخص کو آگاہ کر رہا ہوں' ہر عقلمند میرے منصب سے باخبر ہے۔ واللہ اعلم۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٠﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ ۭ وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَيَقُوْلُوْنَ هٰذَآ اِفْكٌ قَدِيْمٌ ﴿١١﴾ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ۭ وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ڰ وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٢﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿١٣﴾ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ جَزَاۗءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٤﴾

تو کہہ اگر یہ قرآن اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہو اور تم نے اسے نہ مانا ہو اور بنی اسرائیل کا ایک گواہ اس کی گواہی بھی دے چکا ہو اور وہ ایمان بھی لا چکا ہو اور تم نے سرکشی کی ہو بیشک اللہ تعالیٰ ستم گار گروہ کو راہ نہیں دکھاتا۔ کافروں نے ایمانداروں کی نسبت کہا کہ اگر یہ دین بہتر ہوتا تو یہ لوگ اس کی طرف ہم سے سبقت کرنے نہ پاتے اور چونکہ انہوں نے اس قرآن سے ہدایت نہیں پائی تو یہ تو کہہ دیں گے کہ قدیمی جھوٹ ہے۔ اور اس سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کی کتاب پیشوا اور رحمت تھی اور یہ کتاب ہے سچا کرنے والی عربی زبان میں تاکہ ستم گاروں کو ڈرائے اور نیک کاروں کو بشارت ہو۔ بیشک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پالنہار اللہ ہے پھر اس پر جمے رہے تو ان پر نہ تو کوئی خوف ہوگا اور نہ غمگین ہوں گے۔ یہ تو اہل جنت ہیں جو سدا اسی میں رہیں گے ان اعمال کے بدلے جو کیا کرتے تھے۔

سرکشی اور تکبر کی مذمت: اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرماتا ہے کہ ان مشرکین کافرین سے کہو کہ اگر یہ قرآن سچ مچ رب تعالیٰ کی طرف سے ہے اور پھر بھی تم اس کا انکار کر رہے ہو تو بتلاؤ تو تمہارا کیا حال ہوگا؟ وہ اللہ تعالیٰ جس نے مجھے حق کے ساتھ تمہاری طرف یہ پاک کتاب دے کر بھیجا ہے وہ تمہیں کیسی کچھ سزائیں کریگا؟ تم اس کا انکار کرتے ہو اسے جھوٹا بتلاتے ہو حالانکہ اس کی سچائی اور صحت کی شہادت وہ کتابیں بھی دے رہی ہیں جو اس سے پہلے وقتاً فوقتاً اگلے انبیاء پر نازل ہوتی رہیں اور بنی اسرائیل کے جس شخص نے اس کی سچائی کی گواہی دی اس نے حقیقت کو پہچان کر اسے مانا اور اس پر ایمان لایا لیکن تم نے اس کی اتباع سے جی چرایا اور تکبر کیا' یہ بھی مطلب بیان کیا گیا ہے کہ اس شاہد نے اپنے نبی پر اور اس کی کتاب پر یقین کر لیا' لیکن تم نے اپنے نبی اور اپنی کتاب کے ساتھ کفر کیا۔ اللہ تعالیٰ ظالم گروہ کو ہدایت نہیں کرتا۔ ﴿شَاهِدٌ﴾ کا لفظ اسم جنس ہے اور یہ اپنے عام معنی کے لحاظ سے حضرت عبداللہؓ ابن سلامؓ وغیرہ سب کو شامل ہے۔ یہ یاد رہے کہ یہ آیت مکی ہے۔ حضرت عبداللہ بن سلام کے اسلام سے پہلے کی ہے۔ اسی جیسی آیت یہ بھی ہے ﴿وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ﴾ یعنی جب ان پر تلاوت کی جاتی ہے تو اقرار کرتے ہیں کہ یہ ہمارے رب کی جانب سے سراسر برحق ہے ہم تو اس سے پہلے ہی مسلمان ہیں اور فرمان ہے ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ﴾ یعنی جن لوگوں کو اس سے پہلے علم عطا فرمایا گیا ہے ان پر جب تلاوت کی جاتی ہے تو وہ بلا پس و پیش سجدے میں گر پڑتے ہیں اور زبان سے کہتے ہیں ہمارا رب پاک ہے اس کے وعدے یقیناً سچے اور ہو کر رہنے والے ہیں۔ مسروقؒ اور شعبیؒ فرماتے ہیں یہاں اس آیت سے مراد حضرت عبداللہؓ بن سلامؓ نہیں اس لئے کہ آیت مکہ میں اترتی ہے اور آپ مدینہ کی ہجرت کے بعد اسلام قبول کرتے ہیں۔ حضرت سعدؓ فرماتے ہیں کسی شخص کے بارے میں جو زندہ ہو اور زمین پر چل پھر رہا ہو میں نے حضور ﷺ کی زبانی اس کا جنتی ہونا نہیں سنا۔ بجز (حضرت) عبداللہ بن سلامؓ کے انہیں کے بارے میں آیت ﴿شَاهِدٌ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ﴾ الخ نازل ہوئی ہے (بخاری و مسلم وغیرہ)۔ حضرت عبداللہؓ ابن عباسؓ اور مجاہد ضحاک قتادہ' عکرمہ' یوسف بن عبداللہ بن ہلال بن بشار سدی ثوری مالک بن انس ابن زید رحمہم اللہ کا قول ہے کہ اس سے مراد حضرت ابن سلامؓ ہیں۔ یہ کفار کہا کرتے ہیں کہ اگر قرآن بہتری کی چیز ہوتی تم ہم جیسے شریف انسان جو اللہ کے مقبول بندے ہیں ان پر بھلا یہ نیچے درجے کے لوگ جیسے بلالؓ' عمارؓ' صہیبؓ' خبابؓ اور انہی جیسے اور گرے پڑے لونڈی غلام کیسے سبقت کر جاتے؟ پھر تو اللہ سب سے پہلے ہمیں ہی نوازتا۔ حالانکہ یہ قول بالبداہت باطل ہے' اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے ﴿وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ﴾ الخ یعنی ہم نے اسی طرح بعض کو بعض کے ساتھ فتنے میں ڈالا تاکہ کہیں کیا یہی لوگ ہیں کہ ہم سب میں سے انہی پر اللہ تعالیٰ نے اپنا احسان کیا؟ یعنی انہیں تعجب معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ کیسے ہدایت پا گئے؟ اگر یہ چیز بھلی ہوتی تو ہم اس کی طرف لپک کر جاتے پس یہ خیال ان کا تو خام تھا لیکن اتنی بات یقینی ہے کہ نیک سمجھ والے سلامت روی والے ہمیشہ بھلائی کی طرف سبقت کرتے ہیں اسی لئے اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ جو قول و فعل صحابہ رسول ﷺ سے ثابت نہ ہو وہ بدعت ہے اس لئے کہ اگر اس میں بہتری ہوتی تو وہ پاک جماعت جو کسی چیز میں پیچھے رہنے والی نہ تھی وہ اسے ترک نہ کرتی چونکہ اپنی بدنصیبی کے باعث یہ گروہ قرآن پر

ایمان نہیں لایا اس لئے یہ اپنی خجالت دفع کرنے کو قرآن ہی پر نام دھرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ تو پرانے لوگوں کی پرانی غلط باتیں ہیں یہ کہہ کر وہ قرآن اور قرآن والوں کو طعنہ دیتے ہیں یہی وہ تکبر ہے جس کی بابت حدیث میں ہے کہ تکبر نام ہے حق کو ہٹا دینے اور لوگوں کو حقیر سمجھنے کا۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے اس سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل شدہ کتاب تورات امام و رحمت تھی اور یہ کتاب یعنی قرآن مجید اپنے سے پہلے کی تمام کتابوں کو منزل من اللہ اور سچی کتابیں مانتا ہے۔ یہ عربی فصیح اور بلیغ زبان میں نہایت واضح کتاب ہے۔ اس میں کفار کے لئے ڈراوا ہے اور ایمانداروں کے لئے بشارت ہے۔ اس کے بعد کی آیت کی پوری تفسیر سورہ ﴿حٰمٓ السجدہ﴾ میں گذر چکی ہے۔ ان پر خوف نہ ہوگا یعنی آئندہ اور یہ غم نہ کھائیں گے۔ یعنی چھوڑی ہوئی چیزوں کا۔ یہ ہمیشہ جنت میں رہنے والے جنتی ہیں ان کے پاکیزہ اعمال تھے ہی ایسے کہ رحمت رحیم کرم کریم کی بدلیاں ان پر جھوم جھوم کر موسلادھار بارش برسائیں' واللہ اعلم۔

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا ۖ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا ۖ وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا ۚ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَبَلَغَ أَرْبَعِينَ سَنَةً قَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَصْلِحْ لِي فِي ذُرِّيَّتِي ۖ إِنِّي تُبْتُ إِلَيْكَ وَإِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿١٥﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّئَاتِهِمْ فِي أَصْحَابِ الْجَنَّةِ ۖ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِي كَانُوا يُوعَدُونَ ﴿١٦﴾

اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ سلوک کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس کی ماں نے اسے تکلیف جھیل کر پیٹ میں رکھا اور تکلیف برداشت کر کے اسے جنا۔ اسکے حمل کا اور اسکے دودھ چھڑانے کا زمانہ تیس مہینے کا ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ اپنی کمال قوت کے زمانے کو اور چالیس سال کی عمر کو پہنچا تو کہنے لگا اے میرے پروردگار مجھے توفیق دے کہ میں تیری اس نعمت کا شکر بجالاؤں جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر انعام کی ہے اور یہ کہ میں ایسے نیک عمل کروں جن سے تو خوش ہو جائے اور تو میری اولاد میں بھی صلاحیت پیدا کر۔ میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور میں مسلمانوں میں سے ہوں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے نیک اعمال تو ہم قبول فرما لیتے ہیں اور جن کے بداعمال سے درگذر کر لیتے ہیں جنتی لوگوں میں ہیں مطابق اس سچے وعدے کی جو ان سے کیا جاتا تھا۔

کم از کم مدت حمل چھ ماہ ہو سکتی ہے: اس سے پہلے چونکہ رب تعالیٰ کی توحید کا اور اس کی عبادت کے اخلاص کا اور اس پر استقامت کرنے کا حکم ہوا تھا اس لئے یہاں ماں باپ کے حقوق کی بجا آوری کا حکم ہو رہا ہے۔ اسی مضمون کی اور بہت سے آیتیں قرآن پاک میں موجود ہیں۔ جیسے فرمایا ﴿وَقَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاهُ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا﴾ یعنی تیرا رب یہ فیصلہ کر چکا ہے کہ تم اسکے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو۔ اور آیت میں ہے ﴿اَنِ اشْكُرْ لِیْ وَلِوَالِدَیْكَ اِلَیَّ الْمَصِیْرُ﴾ میرا شکر کر اور اپنے والدین کا' لوٹنا تو میری ہی طرف ہے۔ اور بھی اس مضمون کی بہت سی آیتیں ہیں۔ پس یہاں ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے انسان کو حکم کیا ہے کہ ماں باپ کے ساتھ احسان کرو ان سے بہ تواضع پیش آؤ۔ ابوداؤد طیالسی میں حدیث ہے کہ حضرت سعدؓ کی والدہ نے آپ سے کہا کہ کیا ماں باپ کی اطاعت کا حکم الٰہی نہیں' سن میں نہ کھاؤں گی نہ پانی پیوں گی جب تک کہ تو اللہ کے ساتھ

کفر نہ کرے۔ حضرت سعدؓ کے انکار پر اس نے یہی کیا کہ کھانا پینا چھوڑ دیا یہاں تک کہ لکڑی سے اس کا منہ کھول کر جبراً پانی وغیرہ چھوا دیتے تھے' اس پر یہ آیت اتری' یہ حدیث مسلم وغیرہ میں بھی ہے' ماں نے حالت حمل میں کیسی تکلیفیں برداشت کی ہیں؟ اسی طرح بچہ ہونے کے وقت کیسی کیسی مصیبتوں کا وہ شکار بنی ہے؟ حضرت علیؓ نے اس آیت سے اور اس کے ساتھ سورہ لقمان کی آیت ﴿ وَفِصَالُهٗ فِيْ عَامَيْنِ ﴾ اور اللہ عزوجل کا فرمان ﴿وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ﴾ یعنی مائیں اپنے بچوں کو دو سال کامل دودھ پلائیں' ان کے لئے جو دودھ پلانے کی مدت پوری کرنا چاہیں' ملا کر استدلال کیا ہے کہ حمل کی کم سے کم مدت چھ ماہ ہے۔ یہ استدلال بہت قوی اور بالکل صحیح ہے۔ حضرت عثمانؓ اور صحابہ کرام کی جماعت نے بھی اسی کی تائید کی ہے۔ حضرت معمر ابن عبداللہ جہنی فرماتے ہیں کہ ہمارے قبیلے کے ایک شخص نے جہنیہ کی ایک عورت سے نکاح کیا چھ مہینے پورے ہوتے ہی اسے بچہ تولد ہوا' اس کے خاوند نے حضرت عثمانؓ سے ذکر کیا۔ آپ نے اس عورت کے پاس آدمی بھیجا وہ تیار ہو کر آنے لگی تو ان کی بہن نے گریہ وزاری شروع کر دی۔ اس پر بیوی صاحبہ نے اپنی بہن کو تسکین دی اور فرمایا کیوں روتی ہو' اللہ تعالیٰ کی قسم مخلوق خالق میں سے کسی سے میں نہیں ملی میں نے کبھی کوئی برا فعل نہیں کیا' تو دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ میرے بارے میں کیا ہوتا ہے۔ جب حضرت عثمانؓ کے پاس یہ آئیں تو آپ نے انہیں رجم کرنے کا حکم دیا۔ جب حضرت علیؓ کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے خلیفۃ المسلمین سے دریافت کیا کہ یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ اس عورت کو نکاح کے چھ مہینے کے بعد بچہ ہوا ہے جو ناممکن ہے۔ یہ سنکر علی مرتضیٰؓ نے فرمایا کیا آپ نے قرآن نہیں پڑھا؟ فرمایا ہاں پڑھا ہے۔ فرمایا کیا یہ آیت نہیں پڑھی؟ ﴿وَحَمْلُهٗ وَ فِصَالُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ﴾ اور ساتھ ہی یہ آیت بھی ﴿حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ ﴾ پس مدت حمل اور مدت دودھ پلائی دونوں کے مل کر تیس مہینے اور اس میں سے جب دودھ پلائی کی کامل مدت دو سال کے چوبیس مہینے وضع کر دیئے جائیں تو باقی چھ مہینے رہ جاتے ہیں تو قرآن کریم سے معلوم ہوا کہ حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ ہے اور اس بیوی صاحبہؓ کو بھی اتنی ہی مدت میں بچہ ہوا پھر اس پر زنا کا الزام کیسے قائم کر رہے ہو؟ حضرت عثمانؓ نے فرمایا واللہ یہ بات بہت ٹھیک ہے۔ افسوس میرا خیال ہی اس طرف نہیں گیا۔ جاؤ اس عورت کو لے آؤ پس لوگوں نے اس عورت کو اس حال پر پایا کہ اس سے فراغت حاصل ہو چکی تھی۔ حضرت معمرؒ فرماتے ہیں واللہ ایک کوا اور دوسرے کوے سے اور ایک انڈا دوسرے انڈے سے بھی اتنا مشابہ نہیں ہوتا جتنا اس عورت کا یہ بچہ اپنے باپ سے مشابہ تھا خود اسکے والد نے بھی اسے دیکھ کر کہا اللہ تعالیٰ کی قسم اس بچے کے بارے میں مجھے اب کوئی شک نہیں رہا۔ اور اسے اللہ تعالیٰ نے ایک ناسور کے ساتھ مبتلا کیا جو اس کے چہرے پر تھا وہ ہی اسے گھلا تا رہا یہاں تک کہ وہ مر گیا (ابن ابی حاتم)۔ یہ روایت دوسری سند سے ﴿فَاَنَا اَوَّلُ الْعَابِدِيْنَ ﴾ کی تفسیر میں ہم نے وارد کی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں جب کسی عورت کو نو مہینے میں بچہ ہو تو اس کی دودھ پلائی کی مدت اکیس ماہ کافی ہیں اور جب سات مہینے میں ہو تو مدت رضاعت تئیس ماہ اور جب چھ ماہ میں بچہ ہو جائے تو مدت رضاعت دو سال کامل اسلئے کہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے کہ حمل اور دودھ چھڑانے کی مدت تیس مہینے ہے۔ جب وہ اپنی پوری قوت کے زمانے کو پہنچا یعنی قوی ہو گیا جوانی کی عمر میں پہنچ گیا مردوں کی گنتی میں آیا اور چالیس سال کا ہوا عقل پوری آئی' فہم کمال کو پہنچا' حلم اور بردباری آ گئی' یہ کہا جاتا ہے کہ چالیس سال کی عمر میں جو حالت اس کی ہوتی ہے عموماً پھر باقی عمر وہی حالت رہتی ہے۔ حضرت مسروقؒ سے پوچھا گیا کہ انسان کب اپنے گناہوں پر پکڑا جاتا ہے؟ تو فرمایا جب تو چالیس سال کا ہو جائے تو اپنا بچاؤ مہیا کر لے۔ ابو یعلی موصلی میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں جب مسلمان بندہ چالیس سال کا ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے حساب میں تخفیف کر دیتا ہے اور جب ساٹھ سال کا ہو جاتا ہے تو آسمان والے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں اور جب اسی سال کا ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی نیکیاں ثابت رکھتا ہے اور اس کی برائیاں مٹا دیتا ہے اور جب نوے سال کا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے اگلے پچھلے گناہ معاف فرماتا ہے اور اس کے گھرانے کے آدمیوں کے بارے میں اسے شفاعت کرنے والا بناتا ہے اور آسمانوں میں

لکھ دیا جاتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی زمین میں اس کا قیدی ہے۔ یہ حدیث دوسری سند سے مسند احمد میں بھی ہے۔ بنوامیہ کے دمشقی گورنر حجاج بن عبداللہ حلیمی فرماتے ہیں کہ چالیس سال کی عمر میں تو میں نے نافرمانیوں اور گناہوں کو لوگوں کی شرم وحیا سے چھوڑا تھا اسکے بعد گناہوں کے چھوڑنے کا باعث خود ذات الٰہی سے حیا تھی۔ عرب شاعر کہتا ہے کہ بچپنے میں ناسمجھی کی حالت میں تو جو کچھ ہو گیا ہو گیا لیکن جس وقت بڑھاپے نے منہ دکھایا تو سر کی سفیدی نے خود ہی برائیوں سے کہہ دیا کہ اب تم کوچ کر جاؤ۔ پھر اس کی دعا کا بیان ہو رہا ہے کہ اس نے کہا میرے پروردگار میرے دل میں ڈال کہ میں تیری نعمت کا شکر کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر انعام فرمائی اور میں وہ اعمال کروں جن سے تو مستقبل میں خوش ہو جائے اور میری اولاد میں میرے لئے اصلاح کر دے یعنی میری نسل اور میرے پیچھے والوں میں میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور میرا اقرار ہے کہ میں فرمانبرداروں میں ہوں۔ اس میں ارشاد ہے کہ چالیس سال کی عمر کو پہنچ کر انسان کو پختہ دل سے اللہ کی طرف توبہ کرنی چاہیئے اور نئے سرے سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع و رغبت کر کے اس پر جم جانا چاہئے۔ ابوداؤد میں ہے کہ صحابہ کو حضور ﷺ التحیات میں پڑھنے کے لئے اس دعا کی تعلیم کیا کرتے تھے ﴿اللّٰھُمَّ اَلِفْ بَیْنَ قُلُوْبِنَا وَ اَصْلِحْ ذَاتَ بَیْنِنَا وَ اھْدِ نَاسُبُلَ السَّلَامِ وَ نَجِّنَا مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَی النُّوْرِ وَ جَنِّبْنَا الْفَوَا حِشَ مَا ظَھَرَ مِنْھَا وَ مَا بَطَنَ وَ بَارِكْ لَنَا فِیْٓ اَسْمَاعِنَا وَ اَبْصَارِ نَا وَ قُلُوْبِنَا وَ اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّیَاتِنَا وَ تُبْ عَلَیْنَآ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ وَ اجْعَلْنَا شَاكِرِ یْنَ لِنِعْمَتِكَ مُثْنِیْنَ بِھَا عَلَیْكَ قَابِلِیْھَا وَ اَتِمَّھَا عَلَیْنَا﴾ یعنی اے اللہ ہمارے دلوں میں الفت ڈال اور ہمارے آپس میں اصلاح کر دے اور ہمیں سلامتی کی راہ دکھا اور ہمیں اندھیروں سے بچا کر نور کی طرف نجات دے اور ہمیں ہر برائی سے بچالے خواہ وہ ظاہر ہو خواہ چھپی ہوئی اور ہمیں ہمارے کانوں میں اور آنکھوں میں اور دلوں میں اور بیوی بچوں میں برکت دے اور ہم پر رجوع فرما یقیناً تو رجوع فرمانے والا مہربان ہے' اے اللہ ہمیں اپنی نعمتوں کا شکر گذار اور انکے باعث اپنا ثناخواں اور نعمتوں کا اقراری بنا اور اپنی بھرپور نعمتیں ہمیں عطا فرما۔

پھر فرماتا ہے کہ یہ جن کا بیان گذرا جو اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ کرنے والے اور جو نیکیاں چھوٹ جائیں انہیں کثرت استغفار سے پالینے والے ہی وہ ہیں جن کی اکثر لغزشیں ہم معاف فرما دیتے ہیں اور ان کے تھوڑے اعمال کے بدلے ہم انہیں جنتی بنا دیتے ہیں۔ ان کا یہی حکم ہے جیسے کہ وعدہ کیا اور فرمایا یہ وہ سچا وعدہ ہے جو ان سے کیا جاتا تھا۔ ابن جریر میں ہے حضور اکرم ﷺ بروایت روح الامین علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں انسان کی نیکیاں اور بدیاں لائی جائیں گی اور ایک کو ایک کے بدلے میں کیا جائے گا پس اگر ایک نیکی بھی بچ رہی تو اللہ تعالیٰ اسی کے عوض اسے جنت میں پہنچا دے گا۔ راوی حدیث نے اپنے استاد سے پوچھا اگر تمام نیکیاں ہی برائیوں کے بدلے میں چلی جائیں تو؟ آپ نے فرمایا ان کی برائیوں سے اللہ رب العزت تجاوز فرمالیتا ہے۔ دوسری سند میں بفرمان اللہ عزوجل مروی ہے۔ یہ حدیث غریب ہے اور اس کی سند بہت پختہ ہے۔

حضرت یوسف بن سعدؒ فرماتے ہیں کہ جب حضرت علیؓ اہل بصرہ پر غالب آگئے اس وقت میرے پاس (حضرت) محمد بن حاطبؒ آئے ایک دن مجھ سے فرمانے لگے میں حضرت علیؓ کے پاس تھا اور اس وقت حضرت عمار حضرت صعیصعہ حضرت اشتر حضرت محمد بن ابوبکر بھی تھے۔

بعض لوگوں نے حضرت عثمانؓ کا ذکر نکالا اور کچھ گستاخی کی حضرت علیؓ اس وقت تخت پر بیٹھے ہوئے تھے ہاتھ میں چھڑی تھی۔ حاضرین مجلس میں سے کسی نے کہا کہ آپ کے سامنے تو آپ کی اس بحث کا صحیح محاکمہ کرنے والے موجود ہی ہیں' چنانچہ سب لوگوں نے حضرت علیؓ سے سوال کیا۔ اس پر آپ نے فرمایا حضرت عثمانؓ ان لوگوں میں سے تھے جن کے بارے میں اللہ عزوجل فرماتا ہے ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْھُمْ﴾ الخ قسم اللہ تعالیٰ کی یہ لوگ جن کا ذکر اس آیت میں ہے۔ حضرت عثمانؓ ہیں اور ان کے ساتھی تین مرتبہ یہی فرمایا۔ راوی یوسف کہتے ہیں میں نے محمد بن حاطب سے پوچھا سچ کہو تمہیں رب کی قسم تم نے خود حضرت علیؓ کی زبانی یہ سنا ہے؟

فرمایاہاں قسم اللہ تعالیٰ کی میں نے خود حضرت علیؓ سے یہ سنا ہے۔

وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْهِ اُفٍّ لَّكُمَاۤ اَتَعِدٰنِنِیْۤ اَنْ اُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِیْ ۚ وَهُمَا یَسْتَغِیْثٰنِ اللّٰهَ وَیْلَكَ اٰمِنْ ۖۗ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚۖ فَیَقُوْلُ مَا هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۷﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ حَقَّ عَلَیْهِمُ الْقَوْلُ فِیْۤ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِیْنَ ﴿۱۸﴾ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۚ وَلِیُوَفِّیَهُمْ اَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَیَوْمَ یُعْرَضُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ؕ اَذْهَبْتُمْ طَیِّبٰتِكُمْ فِیْ حَیَاتِكُمُ الدُّنْیَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۚ فَالْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ ﴿۲۰﴾ ع

جس نے اپنے ماں باپ سے کہا کہ تم سے میں تنگ آ گیا کیا تم مجھ سے یہی کہتے رہو گے کہ میں مرنے کے بعد پھر زندہ کیا جاؤں گا باوجود یہ کہ مجھ سے پہلے بھی قرنوں گذر چکے ہیں' وہ دونوں جناب باری میں فریاد کرتے ہیں اور کہتے ہیں تجھے خرابی ہو تو ایماندار بن جا بیشک اللہ کا وعدہ حق ہے وہ جواب دیتا ہے کہ یہ تو صرف اگلوں کے افسانے ہیں' یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کے عذاب کا وعدہ صادق آ گیا من جملہ ان جنات اور انسانوں کے گروہ کے جو ان سے پہلے گذر چکے ہیں۔ جو یقیناً نقصان یافتہ تھے۔ اور ہر ایک کو اپنے اپنے اعمال کے مطابق درجے ملیں گے تاکہ انہیں ان کے اعمال کے پورے بدلے دے اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا۔ اور جس دن کفار جہنم کے سرے پر لائے جائیں گے (کہا جائے گا) تم نے اپنی نیکیاں دنیا کی زندگی میں ہی برباد کر دیں اور ان سے فائدے اٹھا چکے پس آج تمہیں ذلت کے عذابوں کی سزا دی جائیگی اسی باعث کہ تم زمین میں ناحق تکبر کیا کرتے تھے اور اس باعث بھی کہ تم عدول حکمی کیا کرتے تھے۔

نافرمان اولاد کا والدین سے رویہ: چونکہ اوپر ان لوگوں کا حال بیان ہوا تھا جو اپنے ماں باپ کے حق میں نیک دعائیں کرتے ہیں اور ان کی خدمتیں کرتے رہتے ہیں اور ساتھ ہی ان کے اخروی درجات کا اور وہاں نجات پانے اور اپنے رب کی نعمتوں سے مالا مال ہونے کا ذکر ہوا تھا۔ اسلئے اس کے بعد ان بدبختوں کا بیان ہو رہا ہے جو اپنے ماں باپ کے نافرمان ہیں' انہیں باتیں سناتے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ آیت حضرت ابو بکر صدیقؓ کے صاحبزادے حضرت عبدالرحمٰن کے حق میں نازل ہوئی ہے جیسے کہ عوفی بروایت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں جس کی صحت میں بھی کلام ہے اور جو قول نہایت کمزور ہے' اس لئے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابو بکرؓ تو مسلمان ہو گئے تھے اور بہت اچھے اسلام والوں میں سے تھے بلکہ اپنے زمانے کے بہترین لوگوں میں سے تھے۔ بعض مفسرین کا بھی یہ قول ہے لیکن ٹھیک یہی ہے کہ یہ آیت عام ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ مروان نے اپنے خطبے میں کہا کہ اللہ تعالیٰ نے امیر المومنین کو یزید کے بارے میں ایک اچھی رائے سجھائی ہے اگر وہ انہیں اپنے بعد بطور خلیفہ کے نامزد کر جائیں تو حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ نے بھی تو اپنے بعد خلیفہ مقرر کیا ہی ہے۔ اس پر حضرت عبدالرحمٰن بن ابو بکرؓ بول اٹھے کہ کیا ہرقل کے دستور پر اور نصرانیوں کے قانون پر عمل کرنا چاہتے ہو؟ قسم ہے اللہ تعالیٰ کی نہ تو خلیفہ اول نے اپنی اولاد میں سے کسی کو خلافت کے لئے منتخب کیا نہ اپنے کنبے قبیلے والوں میں سے کسی کو نامزد کیا اور معاویہؓ

نے جو اسے کیا وہ صرف بیٹے کی عزت افزائی اور اپنے بچوں پر رحم کھا کر۔ یہ سن کر مروان کہنے لگا کیا تو وہی نہیں جس نے اپنے والدین کو اف کہا تھا؟ تو عبدالرحمٰنؓ نے فرمایا کیا تو ایک ملعون شخص کی اولاد میں سے نہیں؟ تیرے باپ پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت کی تھی۔ حضرت صدیقہؓ نے یہ سنکر مروان سے کہا تو نے (حضرت) عبدالرحمٰنؓ سے جو کہا وہ بالکل جھوٹ ہے وہ آیت ان کے بارے میں نہیں بلکہ وہ فلاں بن فلاں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ پھر مروان جلدی ہی منبر سے اتر کر آپ کے حجرے کے دروازے پر آیا اور کچھ باتیں کر کے لوٹ گیا۔

بخاری میں یہ حدیث دوسری سند سے اور الفاظ کے ساتھ ہے' اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ کی طرف سے مروان حجاز کا امیر بنایا گیا تھا۔ اس میں یہ بھی ہے کہ مروان نے حضرت عبدالرحمٰن کو گرفتار کر لینے کا حکم اپنے سپاہیوں کو دیا لیکن یہ دوڑ کر اپنی ہمشیرہ صاحبہ ام المومنین حضرت عائشہؓ کے حجرے میں چلے گئے اس وجہ سے انہیں کوئی پکڑ نہ سکا اور اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت صدیقہ کبریٰؓ نے پردہ میں سے ہی فرمایا کہ ہمارے بارے میں بجز میری پاکدامنی کی آیتوں کے اور کوئی آیت نہیں اتری۔ نسائی کی روایت میں ہے کہ اس خطبہ سے مقصود یزید کی طرف سے بیعت حاصل کرنا تھا۔ حضرت عائشہؓ کے فرمان میں یہ بھی ہے کہ مروان اپنے اس قول میں جھوٹا ہے جس کے بارے میں یہ آیت اتری ہے مجھے بخوبی اس کا نام معلوم ہے لیکن میں اس وقت اسے ظاہر کرنا نہیں چاہتی لیکن ہاں رسول اللہ ﷺ نے مروان کے باپ کو ملعون کہا ہے اور مروان اس کی پشت میں تھا پس یہ اس لعنت الٰہی کا بقیہ ہے۔ یہ بیٹا اپنے ماں باپ کی بے ادبی کرتا ہے وہاں رب تعالیٰ کی بے ادبی سے بھی نہیں چوکتا۔ مرنے کے بعد کی زندگی کو جھٹلاتا ہے اور اپنے ماں باپ سے کہتا ہے کہ تم مجھے اس زندگی سے کیا ڈراتے ہو مجھ سے پہلے سینکڑوں زمانے گذر گئے لاکھوں کروڑوں انسان مرے میں نے تو کسی کو دوبارہ زندہ ہوتے نہیں دیکھا ان میں سے ایک بھی تو لوٹ کر خبر دینے نہیں آیا۔ ماں باپ بے چارے اس سے تنگ آ کر جناب باری سے اس کی ہدایت چاہتے ہیں اس کی بارگاہ میں اپنی فریاد پہنچاتے ہیں اور پھر اس سے کہتے ہیں کہ بدنصیب ابھی کچھ نہیں بگڑا' اب بھی مسلمان بن جا' لیکن یہ مغرور پھر جواب دیتا ہے کہ جسے تم ماننے کو کہتے ہو میں تو اسے ایک دیرینہ قصہ سے زیادہ وقعت کی نظر سے نہیں دیکھ سکتا۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ یہ لوگ اپنے جیسے گذشتہ جنات اور انسانوں کے زمرے میں داخل ہو گئے' جنہوں نے اپنا نقصان بھی کیا اور اپنے والوں کو بھی برباد کیا۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان میں یہاں لفظ ﴿أُولٰئِكَ﴾ ہے حالانکہ اس سے پہلے لفظ ﴿وَالَّذِىْ﴾ ہے اس سے بھی ہماری تفسیر کی پوری تائید ہوتی ہے کہ مراد اس سے عام ہے جو بھی ایسا ہو یعنی ماں باپ کا بے ادب اور قیامت کا منکر' اس کے لئے یہی حکم ہے' چنانچہ حضرت حسنؒ اور حضرت قتادہؒ بھی یہی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد کافر' فاجر ماں باپ کا نافرمان اور مر کر جی اٹھنے کا منکر ہے۔ ابن عساکر کی ایک غریب حدیث میں ہے کہ چار شخصوں پر اللہ عزوجل نے اپنے عرش پر سے لعنت کی ہے اور اس پر فرشتوں نے آمین کہی ہے' جو کسی مسکین کو بہکائے کہے (۱) کہ میں تجھے کچھ دونگا اور جب وہ آئے تو کہدے کہ میرے پاس تو کچھ نہیں اور جو برتنے کی چیز کی بابت کہے حالانکہ اس کے آگے کچھ نہ ہو۔ اور وہ لوگ جو کسی کو اس کے اس سوال کے جواب میں کہ فلاں کا مکان کونسا ہے؟ کسی دوسرے کا مکان بتا دیں اور وہ جو اپنے ماں باپ کو مارے یہاں تک کہ وہ تنگ آ جائیں اور چیخ پکار کرنے لگیں۔

پھر فرماتا ہے ہر ایک کے لئے اس کی برائی کے مطابق سزا ہے' رب تعالیٰ ایک ذرے کے برابر بلکہ اس سے بھی کم کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ حضرت عبدالرحمٰن فرماتے ہیں جہنم کے درجے نیچے ہیں اور جنت کے درجے اونچے ہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ جب جہنمی جہنم پر لا کھڑے کئے جائیں گے انہیں بطور ڈانٹ ڈپٹ کے کہا جائیگا کہ تم اپنی نیکیاں دنیا میں ہی وصول کر چکے ان سے فائدہ وہیں اٹھالیا۔ حضرت عمر بن خطابؓ نے بہت زیادہ مرغوب اور لطیف غذا سے اسی آیت کو پیش نظر رکھ کر اجتناب کر لیا تھا اور فرماتے تھے مجھے خوف ہے کہیں میں ان لوگوں میں سے نہ ہو جاؤں جنہیں اللہ تعالیٰ ڈانٹ ڈپٹ کے ساتھ یہ فرمائے گا۔ حضرت ابو جعفرؒ فرماتے ہیں کہ بعض لوگ ایسے بھی

ہیں جو دنیا میں کی ہوئی اپنی نیکیاں قیامت کے دن گم پائیں گے اور ان سے یہی کہا جائے گا۔ پھر فرماتا ہے آج انہیں ذلت کے عذابوں کی سزا دی جائے گی۔ ان کے تکبر اور ان کے فسق کی وجہ سے جیسا عمل تھا ویسا ہی بدلہ ملا۔ دنیا میں یہ ناز و نعمت سے اپنی جانوں کو پالنے والے اور نخوت و بڑائی سے اتباع حق کو چھوڑنے والے اور برائیوں اور نافرمانیوں میں ہمہ تن مشغول رہنے والے تھے تو آج قیامت کے دن انہیں اہانت اور رسوائی والے عذاب اور سخت دردناک سزائیں اور ہائے وائے اور افسوس و حسرت کے ساتھ جہنم کے نیچے کے طبقوں میں جگہ ملے گی۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہمیں ان سب باتوں سے محفوظ رکھے۔

وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ ؕ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖۤ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۲۱﴾ قَالُوْۤا اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۲﴾ قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۖ وَاُبَلِّغُكُمْ مَّاۤ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَلٰكِنِّیْۤ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ ۙ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ؕ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ؕ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۴﴾ تُدَمِّرُ كُلَّ شَیْءٍۭ بِاَمْرِ رَبِّهَا فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰۤى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۲۵﴾

عادیوں کے بھائی کو یاد کرو جبکہ اس نے اپنی قوم کو احقاف میں ڈرایا اور یقیناً اس سے پہلے بھی ڈرانے والے گذر چکے ہیں اور اس کے بعد بھی یہ کہ تم سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کی عبادت نہ کرو' بیشک میں تو تم پر بڑے دن کے عذاب سے خوف کھاتا ہوں۔ قوم نے جواب دیا کہ آپ ہمارے پاس اس لئے آئے ہیں کہ ہمیں اپنے معبودوں کی پرستش سے باز رکھیں؟ پس اگر آپ سچے ہیں تو جن عذابوں کا آپ ہم سے وعدہ کرتے ہیں انہیں ہم پر لا ڈالو (حضرت ہود نے) کہا (اسکا) علم تو اللہ ہی کے پاس ہے میں تو جو پیغام دے کر بھیجا گیا تھا وہ تمہیں پہنچا رہا ہوں لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم نادانی کر رہے ہو۔ پھر جب انہوں نے عذاب کو بصورت بادل دیکھا جو انکے میدانوں کا رخ کئے ہوئے تھا تو کہنے لگے یہ ابر ہم پر برسنے والا ہے (نہیں) بلکہ دراصل یہ ابر وہ چیز ہے جس کی تم جلدی کر رہے تھے' ہوا ہے جس میں دردناک عذاب ہے۔ جو اپنے رب کے علم سے ہر چیز کو ہلاک کر رہی تھی پس وہ ایسے ہو گئے کہ بجز ان کے مکانات کے اور کچھ دکھائی نہ دیتا تھا گنہگاروں کے گروہ کو ہم یونہی سزا دیتے ہیں۔

احقاف کا معنی و مطلب: جناب رسول ﷺ کی تسلی کے لئے اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر آپ کی قوم آپ کو جھٹلائے تو آپ اگلے انبیاء کے واقعات یاد کر لیجئے کہ ان کی قوم نے بھی انکی تکذیب کی۔ عادیوں کے بھائی سے مراد حضرت ہود پیغمبر ہیں' علیہ السلام و الصلوۃ۔ انہیں اللہ تبارک و تعالیٰ نے عاد اولیٰ کی طرف بھیجا تھا جو احقاف میں رہتے تھے۔ احقاف جمع ہے حقف کی اور حقف کہتے ہیں ریت کے پہاڑ کو۔ مطلق پہاڑ اور غار اور حضر موت کی وادی جس کا نام برہوت ہے جہاں کفار کی روحیں ڈالی جاتی ہیں۔ یہ مطلب بھی احقاف کا بیان کیا گیا ہے۔ قتادہؒ کا قول ہے کہ یمن میں سمندر کے کنارے ریت کے ٹیلوں میں ایک جگہ تھی جس کا نام شحر تھا' یہاں یہ لوگ آباد تھے۔ امام ابن ماجہؒ نے باب باندھا ہے کہ جب دعا مانگے تو اپنے نفس سے شروع کرے' اس میں ایک حدیث لائے ہیں کہ حضور ﷺ

نے فرمایا اللہ تعالیٰ ہم پر اور عادیوں کے بھائی پر رحم کرے۔ پھر فرماتا ہے کہ اللہ عزوجل نے ان کے اردگرد کے شہروں میں بھی اپنے رسول مبعوث فرمائے تھے۔ جیسے اور آیت میں ہے ﴿فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَ مَا خَلْفَهَا﴾ اور جیسے اللہ جل وعلا کا فرمان ہے ﴿فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً﴾ پھر فرماتا ہے کہ حضرت ہودؑ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم موحد بن جاؤ ورنہ تمہیں اس بڑے بھاری دن میں عذاب ہوگا جس پر قوم نے کہا کیا تو ہمیں ہمارے معبودوں سے روک رہا ہے؟ جا جس عذاب سے تو ہمیں ڈرا رہا ہے وہ لے آ۔ یہ تو اپنے ذہن میں اسے محال جانتے تھے تو جرات کر کے جلد طلب کیا۔ جیسے کہ اور آیت میں ہے ﴿يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا﴾ یعنی ایمان نہ لانے والے ہمارے عذابوں کے جلد آنے کی خواہش کرتے ہیں۔ اس کے جواب میں ان کے پیغمبر نے کہا کہ اللہ ہی کو بہتر علم ہے اگر وہ تمہیں اسی لائق جانے گا تو تم پر عذاب بھیج دے گا۔ میرا منصب تو صرف اتنا ہی ہے کہ میں اپنے رب کی رسالت تمہیں پہنچا دوں۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ تم بالکل بے عقل اور بے وقوف لوگ ہو۔ اب عذاب ربانی آ گیا۔ انہوں نے دیکھا کہ ایک کالا ابر ان کی طرف بڑھتا چلا آ رہا ہے چونکہ خشک سالی تھی گرمی سخت تھی یہ خوشیاں منانے لگے کہ اچھا ہوا ابر چڑھا ہے اور اسی طرف رخ ہے اب بارش برسے گی۔ دراصل ابر کی صورت میں یہ وہ قہر الٰہی تھا جس کے آنے کی وہ جلدی مچا رہے تھے اس میں وہ عذاب تھا جسے حضرت ہود علیہ السلام سے یہ طلب کر رہے تھے۔ وہ عذاب ان کی بستیوں کی تمام ان چیزوں کو جن کی بربادی ہونے والی تھی تہس نہس کرتا ہوا آیا اور اسی کا اسے حکم الٰہی تھا۔ جیسے اور آیت میں ہے ﴿مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ اَتَتْ عَلَيْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيْمِ﴾ یعنی جس چیز پر وہ گذر جاتی تھی اسے چورا چورا کر دیتی تھی۔ پس سب کے سب ہلاک و تباہ ہو گئے ایک بھی نہ بچ سکا۔

پھر فرماتا ہے ہم اسی طرح ان کا فیصلہ کرتے ہیں جو ہمارے رسولوں کو جھٹلائیں اور ہمارے احکام کے خلاف ورزی کریں۔ ایک بہت ہی غریب حدیث میں ان کا جو قصہ آیا ہے وہ بھی سن لیجئے۔ حضرت حارث بکری کہتے ہیں میں علاء بن حضرمی کی شکایت لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جا رہا تھا ربذہ میں مجھے بنو تمیم کی ایک بڑھیا ملی جس کے پاس سواری وغیرہ نہ تھی مجھ سے کہنے لگی اے اللہ کے بندے میرا ایک کام اللہ کے پیغمبر سے ہے کیا تو مجھے حضور ﷺ تک پہنچا دے گا؟ میں نے اقرار کیا اور انہیں اپنی سواری پر بٹھا لیا اور مدینہ منورہ پہنچا۔ میں نے دیکھا کہ مسجد نبوی لوگوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی ہے سیاہ رنگ کا جھنڈا لہرا رہا ہے اور حضرت بلالؓ تلوار لٹکائے حضور ﷺ کے سامنے کھڑے ہیں۔ میں نے دریافت کیا کہ کیا بات ہے؟ تو لوگوں نے مجھ سے کہا حضور ﷺ عمرو بن عاصؓ کو کسی طرف بھیجنا چاہتے ہیں' میں ایک طرف بیٹھ گیا۔ جب آں حضور ﷺ اپنی منزل یا اپنے خیمے میں تشریف لے گئے تو میں بھی گیا اجازت طلب کی اور اجازت ملنے پر آپ کی خدمت میں باریاب ہوا' سلام علیک کی تو آپ نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ کیا تمہارے اور بنو تمیم کے درمیان کچھ رنجش تھی؟ میں نے کہا ہاں اور ہم ان پر غالب رہے تھے اور اب میرے اس سفر میں بنو تمیم کی ایک نادار بڑھیا راستے میں مجھے ملی اور یہ خواہش ظاہر کی کہ میں اسے اپنے ساتھ آپ کی خدمت میں پہنچاؤں چنانچہ میں اسے اپنے ساتھ لایا ہوں اور وہ دروازے پر منتظر ہے۔ آپ نے فرمایا اسے بھی اندر بلا لو۔ چنانچہ وہ آ گئیں میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اگر آپ ہم میں اور بنو تمیم میں کوئی روک کر سکتے ہیں تو اسے کر دیجئے' اس پر بڑھیا کو حمیت لاحق ہوئی اور وہ بھرائی ہوئی آواز میں بول اٹھی کہ پھر یا رسول اللہ ﷺ آپ کا مضطر کہاں قرار کرے گا؟ میں نے کہا سبحان اللہ میری تو وہی مثل ہوئی کہ اپنے پاؤں میں آپ کلہاڑی ماری مجھے کیا خبر تھی کہ یہ میری ہی مخالفت کرے گی؟ ورنہ میں اسے لاتا ہی کیوں؟ اللہ تعالیٰ کی پناہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں بھی مثل عادیوں کے قاصد کے ہو جاؤں۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ عادیوں کے قاصد کا واقعہ کیا ہے؟ باوجودیکہ حضور ﷺ اس واقعہ سے بہ نسبت میرے بہت زیادہ واقف تھے لیکن آپ کے فرمان پر میں نے وہ قصہ بیان کیا کہ عادیوں کی بستیوں میں جب سخت قحط سالی ہوئی تو انہوں نے اپنا ایک قاصد قیل نامی روانہ کیا۔ یہ راستے میں معاویہ بن بکر کے ہاں آ کر ٹھیرا اور شراب پینے اور اس کی دونوں کنیزوں کا گانا سننے میں جن کا نام جرادہ تھا اس قدر مشغول ہوا کہ مہینہ

پھر تک یہی پڑا رہا' پھر چلا اور جبال مہرہ میں جا کر اس نے دعا کی کہ یااللہ تو خوب جانتا ہے میں کسی مریض کی دوا کے لئے یا کسی قیدی کا فدیہ ادا کرنے کے لئے تو آیا ہی نہیں الٰہی عادیوں کو وہ پلا جو تو انہیں پلانے والا ہے۔ چنانچہ چند سیاہ رنگ بادل اٹھے اور ان میں سے ایک آواز آئی کہ ان میں سے جسے تو چاہے پسند کر لے چنانچہ اس نے سخت سیاہ بادل کو پسند کر لیا اسی وقت اس میں سے آواز آئی کہ اسے راکھ اور خاک بنانیوالا کر کے لے تاکہ عادیوں میں سے کوئی باقی نہ رہے۔ کہا اور مجھے جہاں تک علم ہوا ہے یہی ہے کہ ہواؤں کے مخزن میں سے صرف اتنے ہی سوراخ سے ہوا چھوڑی گئی تھی جیسے میری اس انگوٹھی کا حلقہ اسی سے سب ہلاک ہو گئے۔ ابو وائل کہتے ہیں' یہ بالکل ٹھیک نقل ہے۔ عرب میں دستور تھا کہ جب کسی قاصد کو بھیجتے تو کہدیتے کہ عادیوں کے قاصد کی طرح نہ آنا۔ یہ روایت ترمذی' نسائی اور ابن ماجہ میں بھی ہے جیسے کہ سورۂ اعراف کی تفسیر میں گذرا۔ مسند احمد میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کبھی کھلکھلا کر اس طرح ہنستے ہوئے نہیں دیکھا کہ آپ کے مسوڑھے نظر آئیں۔ آپ تبسم فرمایا کرتے تھے اور جب ابر اٹھتا اور آندھی چلتی تو آپ کے چہرے سے فکر کے آثار نمودار ہو جاتے۔ چنانچہ ایک روز میں نے آپ سے کہا کہ یارسول اللہ ﷺ لوگ تو ابر و باد کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں کہ اب بارش برسے گی لیکن آپ کی اس کے بالکل برعکس حالت ہو جاتی ہے۔ آپ نے فرمایا عائشہ میں اس بات سے کہ کہیں اس میں عذاب ہو کیسے مطمئن ہو جاؤں؟ ایک قوم ہوا ہی سے ہلاک کی گئی' ایک قوم نے عذاب کے بادل کو دیکھ کر کہا تھا کہ یہ ابر ہے جو ہم پر بارش برسائے گا۔ صحیح بخاری و مسلم میں بھی یہ روایت دوسری سند سے مروی ہے۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ جب کبھی آسمان کے کنارے سے ابر اٹھتا ہوا دیکھتے تو اپنے تمام کام چھوڑ دیتے اگرچہ نماز میں ہوں اور یہ دعا پڑھتے۔ ﴿اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا فِیْهِ﴾ اے اللہ میں تجھ سے اس برائی سے پناہ چاہتا ہوں جو اس میں ہے پس اگر کھل جاتا تو اللہ عزوجل کی حمد کرتے اور اگر برس جاتا تو یہ دعا پڑھتے۔ ﴿اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ خَیْرَهَا وَ خَیْرَ مَا فِیْهَا وَ خَیْرَ مَآ اَرْسَلْتَ بِهٖ وَ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّهَا وَ شَرِّمَا فِیْهَا وَ شَرِّمَآ اَرْسَلْتَ بِهٖ﴾ یااللہ میں تجھ سے اس کی اور اس میں جو ہے اس کی اور جس کو یہ ساتھ لے کر آئی ہے اس کی بھلائی طلب کرتا ہوں اور تجھ سے اس کی اور اس میں جو ہے اس کی اور جس چیز کے ساتھ یہ بھیجی گئی ہے اس کی برائی سے پناہ چاہتا ہوں۔ اور جب ابر اٹھتا تو آپ کا رنگ متغیر ہو جاتا کبھی اندر کبھی باہر کبھی آتے کبھی جاتے جب بارش ہو جاتی تو آپ کی یہ فکرمندی دور ہو جاتی۔ حضرت عائشہؓ نے اسے سمجھ لیا اور آپ سے ایک بار سوال کیا تو آپ نے جواب دیا کیا عائشہ خوف اس بات کا ہوتا ہے کہ کہیں یہ اسی طرح نہ ہو جس طرح قوم ہود نے اپنی طرف بادل بڑھتا ہوا دیکھ کر خوشی سے کہا تھا کہ یہ ابر ہمیں سیراب کریگا۔ سورۂ اعراف میں عادیوں کی ہلاکت کا اور حضرت ہود علیہ السلام کا پورا واقعہ گذر چکا ہے اس لئے ہم اسے یہاں نہیں دہراتے' ﴿فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَ الْمِنَّةُ﴾ طبرانی کی مرفوع حدیث میں ہے کہ عادیوں پر اتنی ہی ہوا کھولی گئی تھی جتنا انگوٹھی کا حلقہ ہوتا ہے۔ یہ ہوا پہلے دیہات والوں اور بادیہ نشینوں پر آئی وہاں سے شہری لوگوں پر آئی جسے دیکھ کر یہ کہنے لگے کہ یہ ابر جو ہماری طرف بڑھا چلا آ رہا ہے یہ ضرور ہم پر بارش برسائے گا لیکن اس میں جنگلی لوگ تھے جو ان شہریوں پر گرا دیے گئے تھے اور سب ہلاک ہو گئے۔ ہوا کے خزانچیوں پر ہوا کی سرکشی اس وقت اتنی تھی کہ دروازوں کے سوراخوں سے وہ نکلی جا رہی تھی' ﴿وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَ تَعَالٰی اعلم﴾

وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَآ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّاَبْصَارًا وَّاَفْـِٕدَةً ۖ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَآ اَبْصَارُهُمْ وَلَآ اَفْـِٕدَتُهُمْ مِّنْ شَيْءٍ اِذْ كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٢٦﴾ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ

الْقُرٰى وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿٢٧﴾ فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً ۭ بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ ۚ وَذٰلِكَ اِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿٢٨﴾

بالیقین ہم نے قوم عاد کو وہ مقدور دیئے تھے جو تمہیں تو دیتے بھی نہیں اور ا ہم نے انہیں کان آنکھیں اور دل بھی دے رکھے تھے لیکن انکے کانوں اور دلوں نے انہیں کچھ بھی تو نفع نہ پہنچایا جبکہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرنے لگے اور جس چیز کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے وہی ان پر الٹ پڑی۔ یقیناً ہم نے تمہارے آس پاس کی بستیاں تباہ کر دیں اور طرح طرح کی ہم نے اپنی نشانیاں بیان کر دیں تاکہ وہ رجوع کر لیں، پس قرب الٰہی حاصل کرنے کے لئے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا جن جن کو اپنا معبود بنا رکھا تھا انہوں نے انکی مدد کیوں نہ کی بلکہ وہ تو ان سے کھوئے گئے بلکہ دراصل یہ انکا محض جھوٹ اور بالکل بہتان تھا۔

قوم عاد کے واقعہ میں عبرت و نصیحت ہے: ارشاد ہوتا ہے کہ اگلی امتوں کو جو اسباب دنیوی مال و اولاد وغیرہ ہماری طرف سے دیئے گئے تھے ویسے تو تمہیں اب تک مہیا بھی نہیں ان کے بھی کان آنکھیں اور دل تھے لیکن جس وقت انہوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا اور ہمارے عذابوں کا مذاق اڑایا تو بالآخر ان کے ظاہری اسباب انہیں کچھ کام نہ آئے اور وہ سزائیں ان پر برس پڑیں جن کی یہ ہمیشہ ہنسی کرتے رہے تھے، پس تمہیں ان کی طرح نہ ہونا چاہئے ایسا نہ ہو کہ انکے سے عذاب تم پر بھی آ جائیں اور تم بھی ان کی طرح جڑ سے کاٹ دیئے جاؤ۔ پھر ارشاد ہوتا ہے اے اہل مکہ تم اپنے آس پاس ہی ایک نظر ڈالو اور دیکھو کہ کس قدر قومیں نیست و نابود کر دی گئی ہیں اور کس طرح انہوں نے اپنے کرتوت کے بدلے پائے ہیں۔ احقاف جو یمن کے پاس ہی حضر موت کے علاقہ میں ہے یہاں کے بسنے والے عادیوں کے انجام پر نظر ڈالو، تمہارے اور شام کے درمیان ثمودیوں کا جو حشر ہوا اسے دیکھو، اہل یمن اور اہل مدین کی قوم سبا کے نتیجہ پر غور کرو، تم تو اکثر غزوات اور تجارت وغیرہ کے لئے وہاں سے آتے جاتے رہتے ہو۔ بحیرہ قوم لوط سے عبرت حاصل کرو وہ بھی تمہارے راستے میں ہی پڑتا ہے پھر فرماتا ہے ہم نے اپنی نشانیوں اور آیتوں کو خوب واضح اور ظاہر کر دیا ہے تاکہ لوگ برائیوں سے بھلائیوں کی طرف لوٹ آئیں۔ پھر فرماتا ہے کہ ان لوگوں نے رب تعالیٰ کے سوا جن جن معبودان باطل کی پرستش شروع کر رکھی تھی گو اس میں ان کا اپنا خیال یہ تھا کہ ان کی وجہ سے ہم قرب الٰہی حاصل کر لیں گے، لیکن کیا ہمارے عذابوں کے وقت جبکہ ان کو ان کی مدد کی پوری ضرورت تھی انہوں نے ان کی کسی طرح مدد کی؟ ہرگز نہیں بلکہ ان کی احتیاج اور مصیبت کے وقت وہ تو گم ہو گئے، ان سے بھاگ گئے ان کا پتہ بھی نہ چلا۔ الغرض ان کا پوجنا صریح غلطی تھی، محض جھوٹ تھا اور صاف افترا اور فضول بہتان تھا کہ یہ انہیں معبود سمجھ رہے تھے۔ پس ان کی عبادت کرنے میں اور ان پر اعتماد کرنے میں یہ دھوکے میں اور نقصان میں ہی رہے، واللہ اعلم۔

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿٢٩﴾ قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٣٠﴾ يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿٣١﴾ وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖٓ

اَوْلِیَآءُ اُولٰٓئِکَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۳۲﴾

اور یاد کر جب کہ ہم نے جنوں کی ایک جماعت کو تیری طرف متوجہ کیا وہ قرآن سن رہے تھے' پس جب نبی کے پاس پہنچ گئے تو ایک دوسرے سے کہنے لگے خاموش ہو جاؤ' پھر جب ختم ہو گیا تو اپنی قوم کو آگاہ کرنے کے لئے واپس لوٹ گئے' کہنے لگے اے ہماری قوم ہم نے یقیناً وہ کتاب سنی ہے جو موسیٰ کے بعد نازل کی گئی ہے جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے جو سچے دین کی اور راہ راست کی رہبری کرتی ہے' اے ہماری قوم اللہ کے بلانے والے کا کہا مانو اس پر ایمان لاؤ تو اللہ تمہارے کچھ گناہ بخش دے گا اور تمہیں المناک عذاب سے پناہ دے گا' اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے بلانے والے کا کہنا نہ مانے گا پس وہ زمین میں کہیں بھاگ کر اللہ تعالیٰ کو تھکا نہیں سکتا اور نہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی اس کے مددگار ہوں گے' یہ لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔

جنات کی حقیقت اور قرآن سننا نیز آقاء جنات کے بھی نبی ہیں: مسند امام احمد میں حضرت زبیرؓ سے اس آیت کی تفسیر میں مروی ہے کہ یہ واقعہ نخلہ کا ہے۔ رسول اللہ ﷺ اس وقت نماز عشاء ادا کر رہے تھے۔ یہ سب جنات سمٹ کر آپ کے ارد گرد بھیڑ کی شکل میں کھڑے ہو گئے۔ ابن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ یہ جنات نصیبین کے تھے تعداد میں سات تھے۔ کتاب دلائل النبوۃ میں یہ روایت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نہ تو حضور ﷺ نے جنات کو سنانے کی غرض سے قرآن پڑھا تھا نہ آپ نے انہیں دیکھا آپ تو اپنے صحابہؓ کے ساتھ عکاظ کے بازار جا رہے تھے۔ ادھر یہ ہوا کہ شیاطین کے اور آسمان کی خبروں کے درمیان روک ہو گئی تھی اور ان پر شعلے برسنے شروع ہو گئے تھے۔ شیاطین نے آکر اپنی قوم کو یہ خبر دی تو انہوں نے کہا کوئی نہ کوئی نئی بات پیدا ہوئی ہے۔ جاؤ تلاش کرو' پس یہ نکل کھڑے ہوئے۔ ان میں کی جو جماعت عرب کی طرف متوجہ ہوئی تھی وہ جب یہاں پہنچی تب رسول اللہ ﷺ عکاظ کی طرف جاتے ہوئے نخلہ میں اپنے اصحاب کو صبح کی نماز پڑھا رہے تھے۔ ان کے کانوں میں جب آپ کی تلاوت کی آواز پہنچی تو یہ ٹھہر گئے اور کان لگا کر بغور سننے لگے' اس کے بعد انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ بس یہی وہ چیز ہے جس کی وجہ سے تمہارا آسمانوں تک پہنچنا موقوف کر دیا گیا ہے۔ یہاں سے یہ فوراً ہی واپس لوٹ کر اپنی قوم کے پاس پہنچے اور ان سے کہنے لگے ہم نے عجیب قرآن سنا جو نیکی کا رہبر ہے۔ ہم تو اس پر ایمان لا چکے اور اقرار کرتے ہیں کہ اب ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہم کسی اور کو شریک کریں۔ اس واقعہ کی خبر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو سورہ جن میں دی۔ یہ حدیث بخاری و مسلم وغیرہ میں بھی ہے۔ مسند احمد میں ہے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں جنات وحی الٰہی سنا کرتے تھے۔ ایک کلمہ جب ان کے کان میں پڑ جاتا تو وہ اس میں دس اور ملا لیا کرتے' پس وہ ایک تو حق نکلتا باقی سب باطل نکلتے اور اس سے پہلے ان پر تارے پھینکے نہیں جاتے تھے۔ پس جب حضور ﷺ مبعوث ہوئے تو ان پر شعلہ باری ہونے لگی' یہ اپنے بیٹھنے کی جگہ پہنچتے اور ان پر شعلہ گرتا اور یہ ٹھہر نہ سکتے' انہوں نے آکر ابلیس سے شکایت کی تو اس نے کہا کہ کوئی نئی بات ضرور ہوئی ہے۔ چنانچہ اس نے اپنے لشکروں کو اس کی تحقیقات کے لئے چاروں طرف پھیلا دیا۔ انہوں نے نبی ﷺ کو نخلہ کی دونوں پہاڑیوں کے درمیان نماز پڑھتے ہوئے پایا اور جا کر انہوں نے خبر دی' اس نے کہا بس یہی وجہ ہے جو آسمان محفوظ کر دیا گیا اور تمہارا جانا بند ہوا۔ یہ روایت ترمذی اور نسائی میں بھی ہے۔ حسن بصریؒ کا قول بھی یہی ہے کہ اس واقعہ کی خبر تک رسول اللہ ﷺ کو نہ تھی جب آپ پر وحی آئی تب آپ نے یہ معلوم کیا۔ سیرت ابن اسحٰق میں محمد بن کعبؒ کا ایک لمبا بیان منقول ہے۔ جس میں حضور ﷺ کا طائف جانا' انہیں اسلام کی دعوت دینا ان کا انکار کرنا وغیرہ پورا واقعہ بیان ہے۔ حضرت حسنؒ نے اس دعا کا بھی ذکر کیا ہے جو آپ نے اس تنگی کے وقت کی تھی جو یہ ہے ﴿اَللّٰھُمَّ اِلَیْکَ اَشْکُوْ ضُعْفَ قُوَّتِیْ وَ قِلَّۃَ حِیْلَتِیْ وَ ھَوَانِیْ عَلَی النَّاسِ یَآاَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ وَ اَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِیْنَ وَ اَنْتَ رَبِّیْ اِلٰی مَنْ تَکِلُنِیْ اِلٰی عَدُوٍّ بَعِیْدٍ یَتَجَھَّمُنِیْ اَمْ اِلٰی صَدِیْقٍ قَرِیْبٍ مَلَّکْتَہٗ اَمْرِیْ اِنْ لَّمْ یَکُنْ

بِكَ غَضَبٌ عَلَيَّ فَلا أُبَالِيْ غَيْرَ اَنَّ عَافِيَتَكَ اَوْسَعُ لِيْ اَعُوْذُ بِنُوْرِ وَ جْهِكَ الَّذِيْ اَشْرَقَتْ لَهُ الظُّلُمَاتُ وَ صَلَحَ عَلَيْهِ اَمْرُ الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ اَنْ يَنْزِلَ لِيْ غَضَبُكَ اَوْ يَحُلَّ بِيْ سَخَطُكَ وَ لَكَ الْعُتْبٰى حَتّٰى تَرْضٰى وَ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلاَّ بِكَ ﴾ یعنی اپنی کمزوری اور بے سروسامانی اور کس میپرسی کی شکایت صرف تیرے سامنے کرتا ہوں۔ اے ارحم الراحمین تو دراصل سب سے زیادہ رحم و کرم کرنے والا ہے اور کمزوروں کا رب تو ہی ہے۔ میرا پالنہار بھی تو ہی ہے۔ تو مجھے کس کو سونپ رہا ہے۔ کسی دوری والے دشمن کو جو مجھے عاجز کر دے یا کسی قریب والے دوست کو جسے تو نے میرے بارے کا اختیار دے رکھا ہو' اگر تیری کوئی خفگی مجھ پر نہ ہو تو مجھے اس درد دکھ کی کوئی پرواہ نہیں لیکن تاہم اگر تو مجھے عافیت کے ساتھ ہی رکھے تو وہ میرے لئے بہت ہی راحت رساں ہے۔ میں تیرے چہرے کے اس نور کے باعث جس کی وجہ سے تمام اندھیریاں جگمگا اٹھی ہیں اور دین و دنیا کے تمام امور کی صلاح کا مدار اسی پر ہے۔ تجھ سے اس بات کی پناہ طلب کرتا ہوں کہ مجھ پر تیرا عتاب اور تیرا غصہ نازل ہو یا تیری ناراضگی مجھ پر آ جائے۔ مجھے تیری ہی رضامندی اور خوشنودیؓ درکار ہے اور نیکی کرنے اور بدی سے بچنے کی طاقت تیری ہی مدد سے ہے۔ اسی سفر کی واپسی میں آپ نے نخلہ میں رات گذاری اور اسی رات قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے نصیبین کے جنات نے آپ کو سنا' یہ ہے تو صحیح لیکن اس میں یہ قول تامل طلب ہے' اس لئے کہ جنات کا کلام اللہ سننے کا واقعہ وحی شروع ہونے کے زمانے کا ہے' جیسے کہ ابن عباسؓ کی اوپر بیان کردہ حدیث سے ثابت ہو رہا ہے اور آپ کا طائف جانا اپنے چچا ابو طالب کے انتقال کے بعد ہوا ہے جو ہجرت کے ایک یا زیادہ سے زیادہ دو سال پہلے کا واقعہ ہے جیسے کہ سیرت ابن اسحاق وغیرہ میں ہے' واللہ اعلم۔ ابن ابی شیبہ میں ان جنات کی گنتی نو کی ہے جن میں سے ایک کا نام زوبعہ ہے۔ انہیں کے بارے میں یہ آیتیں نازل ہوئی ہیں' پس یہ روایت اور اس سے پہلے کی حضرت ابن عباسؓ کی روایت کا اقتضا یہ ہے کہ اس مرتبہ جو جن آئے تھے ان کی موجودگی کا حضور ﷺ کو علم نہ تھا۔ یہ تو آپ کی بے خبری میں ہی آپ کی زبانی قرآن سن کر واپس لوٹ گئے۔ اس کے بعد بطور وفد نوجیں کی فوجیں اور جتھے کے جتھے ان کے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے' جیسے کہ اس ذکر کے احادیث و آثار اپنی جگہ آ رہے ہیں' انشاء اللہ۔

بخاری و مسلم میں ہے حضرت عبدالرحمٰنؒ نے حضرت مسروقؒ سے پوچھا کہ جس رات جنات نے حضور ﷺ سے قرآن سنا تھا اس رات کس نے حضور ﷺ سے ان کا ذکر کیا تھا؟ تو فرمایا مجھ سے تیرے والد حضرت ابن مسعودؓ نے کہا ہے' ان کی آگاہی حضور اکرم ﷺ کو ایک درخت نے دی تھی۔ تو ممکن ہے کہ یہ خبر پہلی دفعہ کی ہو اور اثبات کو ہم نفی پر مقدم مان لیں اور یہ بھی احتمال ہے کہ جب وہ سن رہے تھے آپ کو تو کوئی خبر نہ تھی' یہاں تک کہ اس درخت نے آپ کو ان کے اجتماع کی خبر دی' واللہ اعلم۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ واقعہ اس کے بعد والے کئی واقعات میں سے ایک ہو' واللہ اعلم۔ امام حافظ بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ پہلی مرتبہ تو نہ رسول اللہ ﷺ نے جنوں کو نہ دیکھا نہ خاص ان کے سنانے کے لئے قرآن پڑھا۔ ہاں البتہ اس کے بعد جن آپ کے پاس آئے اور آپ نے انھیں قرآن پڑھ کر سنایا اور اللہ عزوجل کی طرف بلایا' جیسے کہ حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے۔ اس کی روایتیں سنئے۔ حضرت علقمہ حضرت ابن مسعودؓ سے پوچھتے ہیں کہ کیا تم میں سے کوئی اس رات حضور ﷺ کے ساتھ موجود تھا؟ تو آپ نے جواب دیا کہ کوئی نہ تھا۔ آپ رات بھر ہم سے غائب رہے اور ہمیں رہ رہ کر بار بار یہی خیال گزرا کرتا تھا کہ شاید کسی دشمن نے آپ کو دھوکا دیدیا' خدانخواستہ آپ کے ساتھ کوئی ایسا ہی ناخوشگوار واقعہ پیش آیا' وہ رات ہماری بڑی بری طرح کٹی۔ صبح صادق سے کچھ ہی پہلے ہم نے دیکھا کہ آپ غار حرا سے واپس آ رہے ہیں پس ہم نے رات کی اپنی ساری کیفیت بیان کر دی تو آپ نے فرمایا میرے پاس جنات کا قاصد آیا تھا جس کے ساتھ جا کر میں نے انہیں قرآن سنایا۔ چنانچہ آپ ہمیں لیکر گئے اور ان کے نشانات اور ان کی آگ کے نشانات ہمیں دکھائے۔ شعبیؒ کہتے ہیں انہوں نے آپ سے توشہ طلب کیا تھا۔ عامر کہتے ہیں یعنی مکہ میں اور یہ جن جزیرے کے تھے تو آپ نے فرمایا ہر وہ ہڈی جس پر اللہ کا نام ذکر کیا گیا ہو وہ تمہارے ہاتھوں میں پہلے سے زیادہ گوشت والی ہو کر پڑے گی اور لید اور گوبر تمہارے جانوروں کا چارہ بنے گا۔ پس اے مسلمانو! ان

دونوں چیزوں سے استنجانہ کرو' یہ تمہارے جن بھائیوں کی خوراک ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ اس رات حضور ﷺ کو نہ پا کر ہم بہت ہی گھبرائے تھے اور تمام وادیوں اور گھاٹیوں میں تلاش کر آئے تھے۔ اور حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا آج رات میں جنات کو قرآن سناتا رہا اور جنوں میں ہی اسی شغل میں رات گذاری۔

ابن جریر میں حضرت عبداللہؓ بن مسعودؓ کی روایت ہے کہ آپ نے فرمایا تم میں سے جو چاہے آج کی رات جنات کے امر میں میرے ساتھ رہے۔ پس میں موجود ہو گیا۔ آپ مجھے لیکر چلے جب مکہ معظمہ کے اونچے والے حصہ میں پہنچے تو آپ نے اپنے پاؤں سے ایک خط کھینچ دیا اور مجھ سے فرمایا بس یہیں بیٹھے رہو۔ پھر آپ چلے اور ایک جگہ کھڑے ہو کر آپ نے قرائت شروع کی پھر تو اس قدر جماعت آپ کے ارد گرد ٹھٹ لگا کر کھڑی ہو گئی کہ میں تو آپ کی قرات سننے سے بھی رہ گیا۔ پھر میں نے دیکھا کہ جس طرح ابر کے ٹکڑے پھٹتے ہیں اس طرح وہ ادھر ادھر جانے لگے اور یہاں تک کہ اب بہت تھوڑے رہ گئے۔ پس حضور اکرم ﷺ صبح کے وقت فارغ ہوئے اور آپ وہاں سے دور نکل گئے اور حاجت سے فارغ ہو کر میرے پاس تشریف لائے اور پوچھنے لگے وہ باقی کے کہاں ہیں؟ میں نے کہا وہ یہ ہیں پس آپ نے انہیں ہڈی اور لید دی۔ پھر آپ نے مسلمانوں کو ان دونوں چیزوں سے استنجا کرنے سے منع فرما دیا۔ اس روایت کی دوسری سند میں ہے کہ جہاں حضور ﷺ نے عبداللہ بن مسعود کو بٹھا دیا تھا وہاں بٹھا کر فرمادیا تھا کہ خبردار یہاں سے نکلنا نہیں ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے اور روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے صبح کے وقت آ کر ان سے دریافت کیا کہ تم سو گئے تھے؟ آپ نے فرمایا نہیں نہیں اللہ تعالیٰ کی قسم میں نے تو کئی مرتبہ چاہا کہ لوگوں سے فریاد کروں لیکن میں نے سن لیا کہ آپ انہیں اپنی لکڑی سے دھمکا رہے تھے اور فرماتے جاتے تھے کہ بیٹھ جاؤ۔ حضور ﷺ نے فرمایا اگر تم یہاں سے باہر نکلتے تو مجھے تو خوف تھا کہ ان میں کے بعض تمہیں اچک نہ لے جائیں۔ پھر آپ نے دریافت فرمایا کہ اچھا تم نے کچھ دیکھا بھی؟ میں نے کہاں ہاں لوگ تھے سیاہ انجان خوف ناک سفید کپڑے پہنے ہوئے۔ آپ نے فرمایا یہ نصیبین کے جن تھے انہوں نے مجھ سے توشہ طلب کیا تھا پس میں نے ہڈی لید اور گوبر دیا۔ میں نے پوچھا حضور! اس سے انہیں کیا فائدہ؟ آپ نے فرمایا ہر ہڈی ان کے ہاتھ لگتے ہی ایسے ہو جائے گی جیسی اس وقت تھی جب کھائی گئی تھی یعنی گوشت والی ہو کر انہیں ملے گی اور لید میں بھی وہ ہی دانے پائیں گے جو اس روز تھے جب وہ دانے کھائے گئے تھے۔ پس ہم میں سے کوئی شخص بیت الخلا سے نکل کر ہڈی اور لید اور گوبر سے استنجانہ کرے۔ اس روایت کی دوسری سند میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا پندرہ جنات جو آپس میں چچا زاد اور پھوپھی زاد بھائی ہیں آج رات مجھ سے قرآن سننے کے لئے آنے والے ہیں اس میں ہڈی اور لید کے ساتھ کوئلے کا لفظ بھی ہے۔ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں' دن نکلے میں اسی جگہ گیا تو دیکھا کہ وہ کوئی ساٹھ اونٹ بیٹھنے کی جگہ ہے اور روایت میں ہے کہ جب جنات کا اژدحام ہو گیا تو ان کے سردار وردان نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں انہیں ادھر ادھر کر کے آپ کو اس تکلیف سے بچا لیتا ہوں' تو آپ نے فرمایا اللہ سے زیادہ مجھے کوئی بچانے والا نہیں۔ آپ فرماتے ہیں جنات والی رات میں مجھ سے حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کیا تمہارے پاس پانی ہے؟ میں نے کہا حضور پانی تو نہیں البتہ ایک ڈولچی میں نبیذ ہے' تو حضور ﷺ نے فرمایا عمدہ کھجوریں اور پاکیزہ پانی! (ابوداؤد ترمذی ابن ماجہ)۔ مسند احمد کی اس حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا مجھے اس سے وضو کراؤ۔ چنانچہ آپ نے وضو کیا اور فرمایا یہ تو پینے کی اور پاک چیز ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ جب آپ لوٹ کر آئے تو سانس چڑھ رہا تھا میں نے پوچھا حضور کیا بات ہے؟ آپ نے فرمایا میرے پاس میرے انتقال کی خبر آئی ہے۔ یہی حدیث قدرے زیادتی کے ساتھ حافظ ابو نعیمؒ کی کتاب دلائل النبوۃ میں بھی ہے' اس میں ہے کہ میں نے یہ سنکر کہا پھر یا رسول اللہ ﷺ اپنے بعد کسی کو خلیفہ نامزد کر جائیے۔ آپ نے کہا کس کو؟ میں نے کہا ابو بکر کو۔ اس پر آپ خاموش ہو گئے۔ چلتے چلتے پھر کچھ دیر بعد یہی حالت طاری ہوئی۔ میں نے وہی سوال کیا آپ نے وہی جواب دیا۔ میں خلیفہ مقرر کرنے کو کہا آپ نے پوچھا کسے؟ میں نے کہا عمر کو اس پر آپ پھر خاموش ہو گئے۔ کچھ دور چلنے کے بعد پھر یہی حالت اور یہی سوال جواب

ہوئے اب کی مرتبہ میں نے حضرت علی بن ابی طالبؓ کا نام پیش کیا تو آپ فرمانے لگے اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر لوگ ان کی اطاعت کریں تو سب جنت میں چلے جائیں۔ لیکن یہ حدیث بالکل ہی غریب ہے اور بہت ممکن ہے کہ یہ محفوظ نہ ہو اور اگر صحت تسلیم کر لی جائے تو اس واقعہ کو مدینہ کا واقعہ ماننا پڑے گا۔ وہاں بھی آپ کے پاس جنوں کے وفود آئے تھے جیسے کہ ہم عنقریب انشاء اللہ بیان کریں گے اس لئے کہ آپ کا آخری وقت فتح مکہ کے بعد تھا جبکہ دین الٰہی میں انسانوں اور جنوں کی فوجیں کی فوجیں داخل ہو گئیں اور سورہ ﴿اِذَا جَآءَ﴾ الخ اتر چکی جس میں آپ کو خبر انتقال دی گئی تھی' جیسے کہ حضرت ابن عباس کا قول ہے اور امیر المومنین حضرت عمر بن خطابؓ کی اس پر موافقت ہے' جو حدیثیں ہم اسی سورۃ کی تفسیر میں لائینگے' انشاء اللہ' واللہ اعلم۔

مندرجہ بالا حدیث دوسری سند سے بھی مروی ہے۔ لیکن اس کی اسناد بھی غریب اور سیاق بھی غریب ہے۔ حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں یہ جنات جزیرہ موصل کے تھے۔ ان کی تعداد بارہ ہزار کی تھی۔ ابن مسعودؓ اس خط کشیدہ جگہ میں بیٹھے ہوئے تھے لیکن جنات کے کھجوروں کے درختوں کے برابر کے قد و قامت وغیرہ دیکھ کر ڈر گئے اور بھاگ جانا چاہا لیکن فرمان رسول ﷺ یاد آ گیا کہ اس حد سے باہر نہ نکلنا۔ جب حضور ﷺ سے یہ ذکر آیا تو آپ نے فرمایا اگر تم اس حد سے باہر آ جاتے تو قیامت تک ہماری تمہاری ملاقات نہ ہو سکتی۔ اور روایت میں ہے کہ جنات کی یہ جماعت جن کا ذکر آیت ﴿وَ اِذْ صَرَفْنَا﴾ میں ہے نینویٰ کی تھی۔ آپ نے فرمایا تھا کہ مجھے حکم دیا گیا کہ انھیں قرآن سناؤں۔ تم میں سے میرے ساتھ کون چلے گا؟ اس پر سب خاموش ہو گئے' دوبارہ پوچھا پھر خاموشی رہی تیسری مرتبہ دریافت کیا تو قبیلہ ہذیل کے شخص حضرت ابن مسعودؓ تیار ہوئے۔ حضور ﷺ انہیں ساتھ لے کر حجون کی گھاٹی میں گئے۔ ایک لکیر کھینچ کر انہیں یہاں بٹھا دیا اور آپ آگے بڑھ گئے۔ یہ دیکھنے لگے کہ گدھوں کی طرح کے زمین سے بالکل قریب اڑتے ہوئے کچھ جانور سے آ رہے ہیں۔

تھوڑی دیر بعد غل غپاڑہ سنائی دینے لگا۔ یہاں تک کہ مجھے حضور ﷺ کی ذات پر ڈر لگنے لگا۔ جب آنحضرت ﷺ آئے تو میں نے کہا حضور! یہ غل شور کیا تھا؟ آپ نے فرمایا ان کے ایک مقتول کا قصہ تھا جس میں یہ مختلف تھے۔ ان کے درمیان صحیح فیصلہ کر دیا گیا۔ یہ واقعات صاف ہیں کہ حضور ﷺ نے قصداً جا کر جنات کو قرآن سنایا' انہیں اسلام کی طرف دعوت دی اور جن مسائل کی اس وقت انھیں ضرورت تھی وہ سب بتا دیئے۔ ہاں پہلی مرتبہ جب جنات نے آپ کی زبانی قرآن سنا اس وقت آپ کو معلوم نہ تھا نہ آپ نے انھیں سنانے کی غرض سے قرآن پڑھا تھا جیسے کہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ اسکے بعد وہ وفود کی صورت میں آئے اور حضور ﷺ عمداً تشریف لے گئے اور انہیں قرآن سنایا۔ حضرت ابن مسعودؓ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اس وقت نہ تھے جبکہ آپ نے ان سے بات چیت کی' انھیں اسلام کی دعوت دی۔ البتہ کچھ فاصلہ پر دور بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ کے ساتھ اس واقعہ میں سوائے حضرت ابن مسعودؓ کے اور کوئی نہ تھا اور دوسری تطبیق ان روایات میں جن میں ہے کہ آپ کے ساتھ ابن مسعودؓ تھے اور جن میں ہے کہ نہ تھے' یہ بھی ہو سکتی ہے کہ پہلی دفعہ نہ تھے دوسری مرتبہ تھے' واللہ اعلم۔ یہ بھی مروی ہے نخلہ میں جن جنوں نے آپ سے ملاقات کی تھی وہ نینوی کے تھے اور مکہ مکرمہ میں جو آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے وہ نصیبین کے تھے' اور یہ جو روایتوں میں آیا ہے کہ ہم نے وہ رات بہت بری طرح بسر کی' اس سے مراد ابن مسعودؓ کے سوا اور صحابہؓ ہیں جنھیں اس بات کا علم نہ تھا کہ حضور ﷺ جنات کو قرآن سنانے گئے ہیں لیکن یہ تاویل ہے ذرا دور کی' واللہ اعلم۔ بیہقی میں ہے کہ حضور ﷺ کی حاجت اور وضو کے لئے آپ کے ساتھ ساتھ حضرت ابوہریرہؓ پانی کی ڈولچی لئے ہوئے جایا کرتے تھے۔ ایک دن یہ پیچھے پیچھے پہنچے۔ آپ نے پوچھا کون ہے؟ جواب دیا کہ میں ابوہریرہ ہوں۔ فرمایا میرے استنجے کے لئے پتھر لاؤ لیکن ہڈی اور لید نہ لانا۔ میں اپنی جھولی میں پتھر بھر لایا اور آپ کے پاس رکھ دیئے۔ جب آپ فارغ ہو چکے اور چلنے لگے میں بھی آپ کے پیچھے چلا اور پوچھا حضور کیا وجہ ہے؟ جو آپ نے ہڈی اور لید سے منع فرما دیا۔ آپ نے جواب دیا میرے پاس نصیبین کے

جنوں کا وفد آیا تھا اور انھوں نے مجھ سے توشہ طلب کیا تھا تو میں نے اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ جس لید اور ہڈی پر گذریں اسے طعام پائیں صحیح بخاری میں بھی اسی کے قریب قریب مروی ہے۔ پس یہ حدیث اور اس سے پہلے کی حدیثیں دلالت کرتی ہیں کہ جنات کا وفد آپ کے پاس اس کے بعد بھی آیا تھا۔

اب ہم ان احادیث کا بیان کرتے ہیں جو دلالت کرتی ہیں کہ جنات آپ کے پاس کئی دفعہ حاضر ہوئے۔ ابن عباسؓ سے جو روایت اس سے پہلے بیان ہو چکی ہے اس کے سوا بھی آپ سے دوسری سند سے مروی ہے ابن جریر میں ہے آپ فرماتے ہیں یہ سات جن تھے نصیبین کے رہنے والے انہیں اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے اپنی طرف سے قاصد بنا کر جنات کی طرف بھیجا تھا۔ مجاہدؒ کہتے ہیں یہ جنات تعداد میں سات تھے۔ نصیبین کے تھے۔ انہیں رسول اللہ نے تین کو اہل حران سے کہا اور چار کو اہل نصیبین سے 'ان کے نام یہ ہیں' حسی' حسا' منسی' ساصر' ناصر' الاردد بیان' الاحتم۔ ابوحمزہ ثمالیؒ فرماتے ہیں' انہیں بنو شیصیان کہتے ہیں' یہ قبیلہ جنات کے اور قبیلوں سے تعداد میں بہت زیادہ تھا اور یہ ان میں نسب کے بھی شریف مانے جاتے تھے اور عموماً یہ ابلیس کے لشکروں میں سے تھے۔ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں یہ نو تھے 'ان میں سے ایک کا نام زوبعہ تھا' اصل نخلہ سے آئے تھے۔ بعض حضرات سے مروی ہے کہ یہ پندرہ تھے اور ایک روایت میں ہے کہ ساٹھ اونٹوں پر آئے تھے ان کے سردار کا نام وردان تھا۔ اور کہا گیا ہے کہ تین سو تھے اور یہ بھی مروی ہے کہ بارہ ہزار تھے۔ ان سب میں تطبیق یہ ہے کہ چونکہ وفود کئی ایک آئے تھے ممکن ہے کہ کسی میں چھ سات نو ہی ہوں کسی میں زیادہ کسی میں کم اس سے بھی زیادہ۔ اس پر دلیل صحیح بخاری کی یہ روایت بھی ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ جس چیز کی نسبت جب کبھی کہتے کہ میرے خیال میں یہ اس طرح ہو گی تو وہ عموماً اسی طرح نکلتی۔ ایک مرتبہ آپ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک حسین شخص گذرا۔ آپ نے اسے دیکھ کر فرمایا اگر میرا گمان غلط نہ ہو تو یہ شخص اپنے جاہلیت کے زمانے میں ان لوگوں کا کاہن تھا جانا ذرا اسے لے آنا' جب وہ آگیا تو آپ نے اپنا یہ خیال اس پر ظاہر فرمایا۔ وہ کہنے لگا مسلمانوں میں اس ذہانت و فطانت کا کوئی شخص آج تک میری نظر سے نہیں گذرا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اب میں تجھ سے کہتا ہوں کہ تو اپنی کوئی صحیح اور سچی خبر سنا' اس نے کہا بہت اچھا سنئے۔ میں جاہلیت کے زمانے میں ان کا کاہن تھا میرے پاس میرا جن جو سب سے زیادہ تعجب خیز خبر لایا وہ سنئے' میں ایک مرتبہ بازار میں جا رہا تھا کہ وہ آگیا اور سخت گھبراہٹ میں تھا اور کہنے لگا کیا تو نے جنوں کی بربادی' مایوسی اور ان کے پھیلنے کے بعد سمٹ جانا اور ان کی درگت نہیں دیکھی؟ حضرت عمرؓ فرمانے لگے یہ سچا ہے' ایک مرتبہ میں ان کے بتوں کے پاس سویا ہوا تھا ایک شخص نے وہاں ایک بچھڑا چڑھایا کہ ناگہاں ایک سخت پرزور آواز آئی' ایسی کہ اتنی بڑی بلند اور کرخت آواز میں نے کبھی نہیں سنی۔ اس نے کہا اے جلیح نجات دینے والا امر آ چکا ایک شخص ہے جو فصیح زبان سے ﴿لا اله الا الله﴾ کی منادی کر رہا ہے۔ سب لوگ تو مارے ڈر کے بھاگ گئے لیکن میں وہیں بیٹھا رہا کہ دیکھوں آخر یہ ہے کیا؟ کہ دوبارہ پھر اسی طرح وہی آواز سنائی دی اور اس نے وہی کہا پس کچھ ہی دن گذرے تھے جو نبی ﷺ کی نبوت کی آوازیں ہمارے کانوں میں پڑنے لگیں۔ اس روایت کے ظاہر الفاظ سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ خود حضرت فاروقؓ نے یہ آواز اس ذبح شدہ بچھڑے سے سنی اور ایک ضعیف روایت میں صریح طور پر یہ بھی آگیا ہے لیکن باقی اور روایتیں یہ بتلا رہی ہیں کہ اسی کاہن نے اپنے دیکھنے سننے کا ایک واقعہ یہ بھی بیان کیا' واللہ اعلم۔ امام بیہقیؒ نے یہی کہا ہے اور یہی کچھ اچھا معلوم ہوتا ہے' اس شخص کا نام سواد بن قارب تھا جو شخص اس واقعہ کی پوری تفصیل دیکھنا چاہتا ہو وہ میری کتاب سیرۃ عمرؓ دیکھ لے ﴿وَاللّٰهُ الحمد و المنه﴾ ۔ امام بیہقیؒ فرماتے ہیں ممکن ہے یہی وہ کاہن ہو جس کا ذکر بغیر نام کے صحیح حدیث میں ہے۔ حضرت عمر بن خطابؓ منبر نبوی پر ایک مرتبہ خطبہ سنا رہے تھے' اسی میں پوچھا کیا سواد ابن قارب یہاں موجود ہیں لیکن اس پورے سال تک کسی نے ہاں نہیں کہی اگلے سال آپ نے پھر پوچھا تو حضرت براءؓ نے کہا سواد بن قارب کون ہے؟ اس سے کیا مطلب ہے؟ آپ نے فرمایا اس کے اسلام لانے کا قصہ عجیب و غریب ہے' ابھی یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں جو حضرت سواد بن قاربؓ آگئے' حضرت عمرؓ نے ان سے

کہا سواد اپنے اسلام کا ابتدائی قصہ کہہ سناؤ' آپ نے فرمایا ہاں سنئے میں ہند گیا ہوا تھا میرا ساتھی جن ایک رات میرے پاس آیا۔ میں اس وقت سویا ہوا تھا۔ مجھے اس نے جگا دیا اور کہنے لگا اٹھ اور اگر کچھ عقل و ہوش ہیں تو سن لے اور سمجھ لے اور سوچ لے 'قبیلہ لوئی بن غالب میں سے اللہ تعالیٰ کے رسول مبعوث ہو چکے ہیں' میں جنات کی حس اور ان کے بوریہ بستر باندھنے پر تعجب کر رہا ہوں' اگر تو طالب ہدایت ہے تو فوراً مکے کی طرف کوچ کر۔ سمجھ لے کہ بہتر اور بدتر جن یکساں نہیں' جا جلدی جا اور بنو ہاشم کے اس دلارے کے منور مکھڑے پر نظریں تو ڈال لے' مجھے پھر غنودگی سی آ گئی تو اس نے دوبارہ جگایا اور کہنے لگا اے سواد بن قارب اللہ عزوجل نے اپنا رسول بھیج دیا ہے۔ تم ان کی خدمت میں پہنچو اور ہدایت اور بھلائی سمیٹ لو' دوسری رات پھر آیا اور مجھے جگا کر کہنے لگا مجھے جنات کے جستجو کرنے اور جلد جلد پالان اور جھولیں کسنے پر تعجب معلوم ہوتا ہے۔ اگر تو بھی ہدایت کا طالب ہے تو مکے کا قصد کر۔ سمجھ لے کہ اس کے دونوں قدم اس کی دموں کی طرح نہیں۔ تو اٹھ اور جلدی جلدی بنو ہاشم کے اس پسندیدہ شخص کی خدمت میں پہنچ اور اپنی آنکھیں اس کے دیدار سے منور کر۔ تیسری رات پھر آیا اور کہنے لگا مجھے جنات کے باخبر ہو جانے اور ان کے قافلوں کے فوراً تیار ہو جانے پر تعجب ہو رہا ہے۔ وہ سب طلب ہدایت کے لئے مکہ کی طرف دوڑے جا رہے ہیں۔ ان میں کے برے بھلوں کی برابری نہیں کر سکتے' تو بھی اٹھ اور اس بنو ہاشم کے چیدہ شخص کی طرف چل کھڑا ہو' مومن جنات کافروں کی طرح نہیں۔ تین راتوں تک برابر یہی سنتے رہنے کے بعد میرے دل میں بھی دفعتہً اسلام کا ولولہ اٹھا اور حضور ﷺ کی وقعت اور محبت سے دل پر ہو گیا۔ میں نے اپنی سانڈنی پر کجاوہ کسا اور بغیر کسی اور جگہ قیام کئے سیدھا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ اس وقت شہر مکہ میں تھے اور لوگ آپ کے آس پاس ایسے تھے جیسے گھوڑے پر ایال' مجھے دیکھتے ہی یکبارگی اللہ کے پیغمبر ﷺ نے فرمایا سواد بن قارب کو مرحبا ہو' آؤ' ہمیں معلوم ہے کہ کیسے اور کس لئے اور کس کے کہنے سننے سے آ رہے ہو؟ میں نے کہا حضور! میں نے کچھ اشعار کہے ہیں اگر اجازت ہو تو پیش کروں؟ آپ نے فرمایا سواد شوق سے کہو۔ تو حضرت سوادؓ نے وہ اشعار پڑھے جن کا مضمون یہ ہے۔ میرے پاس میرا جن میرے سو جانے کے بعد رات کو آیا اور اس نے مجھے ایک سچی خبر پہنچائی تین راتیں برابر وہ میرے پاس آتا رہا اور ہر رات کہتا رہا کہ لوئی بن غالب میں اللہ کے رسول مبعوث ہو چکے ہیں۔ میں نے بھی سفر کی تیاری کر لی اور جلد جلد راہ طے کرتا یہاں پہنچ ہی گیا اب میری گواہی ہے کہ بجز اللہ کے اور کوئی رب نہیں اور آپ اللہ تعالیٰ کے امانت دار رسول ہیں' آپ سے شفاعت کا آسرا سب سے زیادہ ہے' اے بہترین بزرگوں اور پاک لوگوں کی اولاد اے تمام رسولوں سے بہتر رسول جو حکم آسمانی آپ ہمیں پہنچائیں گے وہ کتنا ہی مشکل اور طبعیت کے خلاف کیوں نہ ہو۔ ناممکن ہے کہ ہم اسے ٹال دیں آپ قیامت کے دن ضرور میرے سفارشی بننا کیوں کہ وہاں بجز آپ کے۔ سواد بن قارب کا سفارشی اور کون ہو گا؟ اس پر حضور ﷺ بہت ہنسے اور فرمانے لگے سواد تم نے فلاح پالی۔ حضرت عمرؓ نے یہ واقعہ سن کر پوچھا کیا وہ جن اب بھی تیرے پاس آتا ہے؟ اس نے کہا جب سے میں نے قرآن پڑھا وہ نہیں آتا اور اللہ کا بڑا شکر ہے کہ اس کے عوض میں نے رب کی پاک کتاب پائی۔

اور اب جس حدیث کو ہم حافظ ابو نعیم کی کتاب دلائل النبوۃ سے نقل کرتے ہیں اس میں بھی اس کا بیان ہے کہ مدینہ منورہ میں بھی جنات کا وفد حضور ﷺ کی خدمت میں باریاب ہوا تھا۔ حضرت عمرو بن غیلان ثقفیؒ 'حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس جا کر ان سے دریافت کرتے ہیں کہ مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ جس رات جنات کا وفد حاضر حضور ﷺ ہوا تھا اس رات حضور کے ساتھ آپ بھی تھے جواب دیا کہ ہاں ٹھیک ہے۔ میں نے کہا ذرا واقعہ تو سنائیے فرمایا صفہ والے مساکین صحابہؓ کو لوگ اپنے اپنے ساتھ شام کا کھانا کھلانے کے لئے لے گئے اور میں یونہی رہ گیا۔ میرے پاس سے حضور ﷺ کا گذر ہوا پوچھا کون ہے؟ میں نے کہا ابن مسعود۔ فرمایا تمہیں کوئی لے نہیں گیا؟ فرمایا اچھا میرے ساتھ چلو شاید کچھ مل جائے تو دے دوں گا۔ میں ساتھ ہو لیا' آپ حضرت ام سلمہؓ کے حجرے میں گئے میں باہر ہی ٹھیر گیا۔ تھوڑی دیر میں اندر سے ایک لونڈی آئی اور کہنے لگی حضور ﷺ فرماتے ہیں ہم نے اپنے گھر میں کوئی چیز نہیں پائی

تم اپنی خواب گاہ میں چلے جاؤ میں واپس مسجد میں آ گیا اور مسجد میں کنکریوں کا ایک چھوٹا سا ڈھیر کر کے اس پر سر رکھ کر اپنا کپڑا لپیٹ کر سو گیا۔ تھوڑی ہی دیر گذری ہوگی جو وہی لونڈی پھر آئیں اور کہا رسول اللہ ﷺ آپ کو یاد فرما رہے ہیں۔ میں ساتھ ہو لیا اور مجھے امید پیدا ہو گئی کہ اب تو کھانا ضرور ملے گا۔ جب میں اپنی جگہ پہنچا تو حضور ﷺ گھر سے باہر تشریف لائے۔ آپ کے ہاتھ میں کھجور کے درخت کی ایک تر چھڑی تھی جسے میرے سینے پر رکھ کر فرمانے لگے جہاں میں جا رہاں ہوں کیا تم بھی میرے ساتھ چلو گے؟ میں نے کہا جو اللہ نے چاہا ہو' تین مرتبہ یہی سوال جواب ہوئے پھر آپ چلے اور میں بھی آپ کے ساتھ چلنے لگا' تھوڑی دیر میں بقیع غرقد جا پہنچے۔ پھر قریب قریب وہی بیان ہے جو اوپر کی روایتوں میں گذر چکا ہے۔ اس کی اسناد غریب ہے اور اس کی سند میں ایک مبہم راوی ہے جن کا نام ذکر نہیں کیا گیا۔ دلائل نبوت میں حافظ ابو نعیمؒ فرماتے ہیں کہ مدینہ کی مسجد میں رسول مقبول ﷺ نے صبح کی نماز ادا کی اور لوٹ کر لوگوں سے کہا آج رات کو جنات کے وفد کی طرف تم میں سے کون میرے ساتھ چلے گا؟ کسی نے جواب نہ دیا تین مرتبہ کے فرمان پر بھی کوئی نہ بولا۔ حضور ﷺ میرے پاس سے گذرے اور میرا ہاتھ تھام کر اپنے ساتھ لے چلے مدینے کے پہاڑوں سے بہت آگے نکل کر صاف چٹیل میدان میں پہنچ گئے' اب نیزوں کے برابر لانبے لانبے قد کے آدمی نیچے نیچے کپڑے پہنے ہوئے آنے شروع ہوئے ہیں تو انہیں دیکھ کر مارے ڈر کے کانپنے لگا۔ پھر اور واقعہ مثل حدیث ابن مسعودؓ کے بیان کیا۔ یہ حدیث بھی غریب ہے' واللہ اعلم۔ اسی کتاب میں ایک غریب حدیث میں ہے کہ حضرت عبداللہؓ کے ساتھی حج کو جا رہے تھے' راستے میں ہم نے دیکھا کہ ایک سفید رنگ سانپ راستے میں لوٹ رہا ہے اور اس سے مشک کی خوشبو آ رہی ہے۔ ابراہیمؒ کہتے ہیں میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا تم سب جاؤ میں یہاں ٹھیر جاتا ہوں۔ دیکھوں تو اس سانپ کا کیا ہوتا ہے؟ چنانچہ وہ چل دیئے اور میں ٹھیر گیا۔ تھوری ہی دیر گذری ہوگی جو وہ سانپ مر گیا۔ میں نے ایک سفید کپڑا لیکر اس میں لپیٹ کر راستے کے ایک طرف دفن کر دیا اور رات کے کھانے کے وقت اپنے قافلے میں پہنچ گیا اللہ تعالیٰ کی قسم میں بیٹھا ہوا تھا جو چار عورتیں مغرب کی طرف سے آئیں ان میں سے ایک نے پوچھا عمرو کو کس نے دفن کیا؟ ہم نے کہا کون عمرو؟ اس نے کہا تم میں سے کسی نے ایک سانپ کو دفن کیا ہے؟ میں نے کہا ہاں میں نے دفن کیا ہے؟ کہنے لگی قسم ہے اللہ تعالیٰ کی تم نے بڑے روزے دار بڑے پختہ نمازی کو دفن کیا ہے جو تمہارے نبی کو مانتا تھا اور جس نے آپ کے نبی ہونے سے چار سو سال پیشتر آسمان سے آپ کی صفت سنی تھی۔ ابراہیم کہتے ہیں اس پر ہم نے اللہ تبارک و تعالیٰ کی حمد و ثنا کی۔ پھر حج سے فارغ ہو کر جب ہم فاروق اعظمؓ کی خدمت میں پہنچے اور میں نے آپ کو یہ سارا واقعہ سنایا۔ تو آپ نے فرمایا اس عورت نے سچ کہا' میں نے جناب رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ مجھ پر ایمان لایا تھا میری نبوت کے چار سو سال پہلے۔ یہ حدیث بھی غریب ہے واللہ اعلم۔ ایک روایت میں ہے کہ دفن کفن کرنے والے حضرت صفوان بن معطلؓ تھے۔ کہتے ہیں کہ یہ صاحب جو یہاں دفن کئے گئے یہ ان نو جنات میں سے ایک ہیں جو حضور ﷺ کے پاس قرآن سننے کے لئے وفد بن کر آئے تھے' ان کا انتقال ان سب سے اخیر میں ہوا۔ ابو نعیم میں ایک روایت ہے کہ ایک شخص حضرت عثمان ذوالنورینؓ کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے امیر المومنین میں ایک جنگل میں تھا' میں نے دیکھا کہ دو سانپ آپس میں خوب لڑ رہے ہیں۔ یہاں تک کہ ایک نے دوسرے کو مار ڈالا۔ اب میں انھیں چھوڑ کر جہاں معرکہ ہوا تھا وہاں گیا۔ دیکھا تو بہت سے سانپ قتل کئے ہوئے پڑے ہیں اور بعضوں سے اسلام کی خوشبو آ رہی ہے پس میں نے ایک ایک کو سونگھنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ ایک زرد رنگ کے دبلے پتلے سانپ میں سے مجھے اسلام کی خوشبو آنے لگی۔ میں نے اپنے عمامے میں لپیٹ کر اسے دفنا دیا۔ اب میں چلا جا رہا تھا' جو میں نے ایک آواز سنی کہ اے اللہ کے بندے تجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت دی گئی۔ یہ دونوں سانپ جنات کے قبیلۂ بنو شعیبان اور بنو قیس میں سے تھے' ان دونوں میں جنگ ہوئی اور پھر جس قدر قتل ہوئے وہ تم نے خود دیکھ لئے۔ انہی میں ایک شہید جنہیں تم نے دفن کیا وہ تھے جنھوں نے خود رسول اللہ ﷺ کی زبانی وحی الٰہی سنی تھی۔ حضرت عثمانؓ اس قصے کو سن کر فرمانے لگے اے شخص اگر تو سچا ہے تو اس میں شک نہیں کہ تو نے عجب واقعہ دیکھا

اور اگر تو جھوٹا ہے تو جھوٹ کا بوجھ تجھ پر ہے۔

اب آیت کی تفسیر سنئے۔ارشاد ہے کہ جب ہم نے تیری طرف جنات کے ایک گروہ کو پھیرا جو قرآن سن رہا تھا۔جب وہ حاضر ہو گئے اور تلاوت شروع ہونے کو تھی تو انھوں نے آپس میں ایک دوسرے کو یہ ادب سکھایا کہ خاموشی سے سنو۔ان کا ایک اور ادب بھی حدیث میں آیا ہے۔ترمذی وغیرہ میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے صحابہ کرام کے سامنے سورہ رحمٰن کی تلاوت کی' پھر فرمایا کیا بات ہے؟ جو تم سب خاموش ہی رہے' تم سے تو بہت اچھے جواب دینے والے جنات ثابت ہوئے جب بھی میرے منہ سے انہوں نے یہ آیت ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ سنی تو انہوں نے جواب میں کہا ﴿وَلَا بِشَیْءٍ مِّنْ اٰلَآئِكَ اَوْ نِعَمِكَ رَبَّنَا نُكَذِّبُ فَلَكَ الْحَمْدُ﴾۔ پھر فرماتا ہے جب فراغت حاصل کی گئی۔ ﴿قُضِیَ﴾ کے معنی ان آیتوں میں بھی یہی ہیں' ﴿فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوةُ﴾ اور ﴿فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ﴾ اور ﴿فَاِذَا قَضَیْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ﴾ پھر فرمایا اور وہ اپنی قوم کو دھمکانے اور انہیں آگاہ کرنے کے لئے واپس ان کی طرف چلے۔ جیسے اللہ عزوجل وعلا کا فرمان ہے ﴿لِیَتَفَقَّهُوْا فِی الدِّیْنِ﴾ یعنی وہ دین کی سمجھ حاصل کریں۔اور جب واپس اپنی قوم کے پاس پہنچیں تو انہیں بھی ہوشیار کر دیں' بہت ممکن ہے کہ وہ بچاؤ اختیار کر لیں۔اس آیت سے استدلال کیا گیا ہے کہ جنات میں بھی اللہ تعالیٰ کی باتوں کو پہنچانے والے اور ڈر سنانے والے ہیں لیکن ان میں سے رسول نہیں بنائے گئے یہ بات بلا شک ثابت ہے کہ جنوں میں پیغمبر نہیں ہیں۔ فرمان باری ہے ﴿وَمَا اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا﴾ الخ یعنی ہم نے تجھ سے پہلے بھی جتنے رسول بھیجے وہ سب بستیوں کے رہنے والے انسان ہی تھے جن کی طرف ہم اپنی وحی بھیجا کرتے تھے۔اور آیت میں ہے ﴿وَمَا اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّا اِنَّهُمْ لَیَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَ یَمْشُوْنَ فِی الْاَسْوَاقِ﴾ یعنی تجھ سے پہلے ہم نے جتنے رسول بھیجے وہ سب کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے۔ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوۃ والسلام کی نسبت قرآن میں ہے ﴿وَجَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَ الْكِتٰبَ﴾ یعنی ہم نے ان کی اولاد میں نبوت اور کتاب رکھ دی۔ پس آپ کے بعد جتنے بھی نبی آئے وہ آپ ہی کے خاندان اور آپ ہی کی نسل میں سے ہوئے ہیں۔ لیکن سورہ انعام میں آیت ﴿یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ اَلَمْ یَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ﴾ یعنی اے جنوں اور انسانوں کے گروہ کیا تمہارے پاس تم میں سے رسول نہیں آئے تھے؟ اس کا مطلب اور اس سے مراد یہ دونوں جنس ہیں۔ پس اس کا مصداق صرف ایک جنس ہی ہو سکتی ہے جیسے فرمان ہے ﴿یَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَ الْمَرْجَانُ﴾ یعنی ان دونوں سمندروں میں سے موتی اور مونگا نکلتا ہے' حالانکہ دراصل ایک میں سے ہی نکلتا ہے۔اب بیان ہو رہا ہے جنات کے اس وعظ کا جو انہوں نے اپنی قوم میں کیا۔ فرمایا کہ ہم نے اس کتاب کو سنا ہے جو حضرت موسیٰ کے بعد نازل ہوئی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کتاب انجیل کا ذکر اس لئے چھوڑ دیا کہ وہ دراصل تورات کو پورا کرنے والی تھی۔ اس میں زیادہ تر وعظ کے اور دل کو نرم کرنے کے بیانات تھے۔ حرام حلال کے مسائل بہت کم تھے۔ پس اصل چیز تورات ہی رہی۔ اسی لئے ان مسلم جنات نے اسی کا ذکر کیا۔اور اسی بات کو پیش نظر رکھ کر حضرت ورقہ بن نوفل نے جس وقت حضور ﷺ کی زبانی حضرت جبرئیل کے اولی دفعہ آنے کا حال سنا تو کہا تھا کہ واہ واہ یہی تو وہ مبارک وجود اللہ تعالیٰ کے بھیدی کا ہے جو حضرت موسیٰ کے پاس آیا کرتے تھے' کاش کہ میں کچھ اور زمانہ زندہ رہتا' الخ۔ پھر قرآن کی اور صفت بیان کرتے ہیں کہ وہ اپنے سے پہلے کی تمام آسمانی کتابوں کو سچا بتلاتا ہے' وہ اعتقادی مسائل اور اخباری مسائل میں حق کی جانب رہبری کرتا ہے اور اعمال میں راہ راست دکھاتا ہے۔ قرآن میں دو چیزیں ہیں یا خبر یا طلب پس اس کی خبر سچی اور اس کی طلب عدل والی۔ جیسے فرمان ہے ﴿وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّ عَدْلًا﴾ یعنی تیرے رب کا کلمہ سچائی اور عدل کے لحاظ سے بالکل پورا ہی ہے۔اور آیت میں اللہ سبحانہ' و تعالیٰ فرماتا ہے ﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ﴾ وہ اللہ جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور حق دین کے ساتھ بھیجا ہے۔ پس ہدایت نفع دینے والا علم ہے اور دین حق نیک عمل ہے' یہی مقصد جنات کا تھا۔

پھر کہتے ہیں' اے ہماری قوم اللہ تعالیٰ کے داعی کی دعوت پر لبیک کہو۔ اس میں دلالت ہے اس امر کی کہ رسول اللہ ﷺ جن وانس کی دونوں جماعتوں کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں اس لئے کہ آپ نے جنات کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی اور ان کے سامنے قرآن کریم کی وہ سورت پڑھی جس میں ان دونوں جماعتوں کو مخاطب کیا گیا ہے اور ان کے نام احکام جاری فرمائے ہیں اور وعدہ وعید بیان کیا ہے' یعنی سورۂ الرحمٰن۔ پھر فرماتے ہیں ایسا کرنے سے وہ تمہارے بعض گناہ بخش دے گا۔ لیکن یہ اس صورت میں ہو سکتا ہے جب لفظ من کو زائدہ نہ مانیں' چنانچہ ایک قول مفسرین کا یہ بھی ہے اور قاعدے کے مطابق اثبات کے موقعہ پر لفظ من بہت ہی کم زائد آتا ہے اور اگر زائد مان لیا جائے تو مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف فرمائے گا اور تمہیں اپنے المناک عذابوں سے رہائی دے گا۔ اس آیت سے بعض علماء نے استدلال کیا ہے کہ ایماندار جنوں کو بھی جنت نہیں ملے گی ہاں عذاب سے وہ چھٹکارا پالیں گے۔ یہی ان کی نیک اعمالیوں کا بدلہ ہے اور اگر اس سے زیادہ مرتبہ بھی انہیں ملنے والا ہوتا تو اس مقام پر یہ مومن جن اسے ضرور بیان کر دیتے۔ حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ مومن جن جنت میں نہیں جائیں گے اس لئے کہ وہ ابلیس کی اولاد سے ہیں اور اولاد ابلیس جنت میں نہیں جائے گی۔ لیکن حق یہ ہے کہ مومن جن مثل ایماندار انسانوں کے ہیں اور وہ جنت میں جگہ پائیں گے جیسا کہ سلف کی ایک جماعت کا مذہب ہے۔ بعض لوگوں نے اس پر اس آیت سے استدلال کیا ہے ﴿لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ﴾ یعنی حوران بہشتی کو اہل جنت سے پہلے نہ کسی انسان کا ہاتھ لگا نہ کسی جن کا۔ لیکن اس استدلال میں نظر ہے۔ اس سے بہت بہتر استدلال تو اللہ عزوجل کے اس فرمان سے ہے ﴿وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ﴾ یعنی جو کوئی اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈر گیا اس کے لئے دو جنتیں ہیں۔ پھر اے جنو اور انسانو تم اپنے پروردگار کی کونسی نعمت کو جھٹلاتے ہو؟ اس آیت میں اللہ تعالیٰ انسانوں اور جنوں پر اپنا احسان جتاتا ہے کہ ان کے نیک کار کا بدلہ جنت ہے' اور اس آیت کو سنکر مسلمان انسانوں سے بہت زیادہ شکر یہ مسلمان جنوں نے کیا اور اسے سنتے ہی کہا کہ اللہ تعالیٰ ہم تیری نعمتوں میں سے کسی کے انکاری نہیں ہم تیرے بہت بہت شکر گزار ہیں۔ ایسا تو نہیں ہو سکتا کہ ان کے سامنے ان پر وہ احسان جتایا جائے جو دراصل انہیں ملنے کا نہیں۔ اور بھی ہماری ایک دلیل سنئے۔ جب کافر جنات کو جہنم میں ڈالا جائے گا جو مقام عدل ہے تو مومن جنات کو جنت میں کیوں نہ لے جایا جائے؟ جو مقام فضل ہے بلکہ یہ بہت زیادہ لائق اور بطور اولیٰ ہونے کے قابل ہے اور اس پر وہ آیتیں بھی دلیل ہیں جن میں عام طور پر ایمانداروں کو جنت کی خوشخبری دی گئی ہے مثلاً ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوْا الصّٰلِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا﴾ وغیرہ وغیرہ۔

یعنی ایمانداروں کا مہمان خانہ یقیناً جنت فردوس ہے۔ الحمد للہ میں نے اس مسئلہ کو بہت کچھ وضاحت کے ساتھ اپنی ایک مستقل تصنیف میں بیان کر دیا ہے۔ اور سنئے جنت کا تو یہ حال ہے کہ ایمانداروں کے کل کے داخل ہو جانے کے بعد بھی اس میں بے حد و حساب جگہ بچ رہے گی اور پھر ایک نئی مخلوق پیدا کر کے انھیں اس میں آباد کیا جائے گا پھر کوئی وجہ نہیں کہ ایماندار اور نیک عمل والے جنات جنت میں نہ بھیجے جائیں۔ اور سنئے یہاں دو باتیں بیان کی گئی ہیں "گناہوں کی بخشش اور عذابوں سے رہائی اور جب یہ دونوں چیزیں ہیں تو یقیناً یہ مستلزم ہیں دخول جنت کو اس لئے کہ آخرت میں یا جنت ہے یا جہنم۔ پس جو شخص جہنم سے بچا لیا گیا وہ قطعاً جنت میں جانا چاہئے اور کوئی نص صریح یا ظاہر اس بات کے بیان میں وارد نہیں ہوئی کہ مومن جن باوجود دوزخ سے بچ جانے کے جنت میں نہیں جائیں گے۔ اگر کوئی اس قسم کی صاف دلیل ہو تو بے شک ہم اس کے ماننے کے لئے تیار ہیں' واللہ اعلم۔ نوحؑ کو دیکھئے اپنی قوم سے فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کو (بوجہ ایمان لانے کے) بخش دے گا اور ایک وقت مقرر تک تمہیں مہلت دے گا تو یہاں بھی دخول جنت کا ذکر نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت نوحؑ کی قوم کے مسلمان جنت میں نہیں جائیں گے بلکہ بالاتفاق وہ سب جنتی ہیں' پس اسی طرح یہاں بھی سمجھ لیجئے اب چند اور اقوال بھی اس مسئلہ میں سن لیجئے۔ حضرت عمر ابن عبد العزیزؒ سے مروی ہے کہ بیچ جنت میں تو یہ پہنچیں گے

نہیں البتہ کناروں پر اور ادھر ادھر رہیں گے۔ بعض لوگ کہتے ہیں جنت میں تو وہ ہوں گے لیکن دنیا کے بالکل برعکس انسان انھیں دیکھیں گے اور یہ انسانوں کو دیکھ نہیں سکیں گے۔ بعض لوگوں کا قول ہے کہ وہ جنت میں کھائیں گے پیئیں گے نہیں صرف تسبیح و تحمید و تقدیس ان کا طعام ہوگا جیسے فرشتے اس لئے کہ یہ بھی انہیں کی جنس سے ہیں۔ لیکن ان تمام اقوال میں نظر ہے اور سب بے دلیل ہیں۔ پھر مومن واعظ فرماتے ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ کے داعی کی دعوت کو قبول نہ کریگا وہ زمین میں اللہ تعالیٰ کو ہرا نہیں سکتا بلکہ قدرت الٰہی اس پر شامل اور اسے گھیرے ہوئے ہے' اس کے عذابوں سے انہیں کوئی بچا نہیں سکتا' یہ کھلے بہکاوے میں ہیں' خیال فرمایئے کہ تبلیغ کا یہ طریقہ کتنا پیارا اور کس قدر موثر ہے' رغبت بھی دلائی اور دھمکایا بھی' اس لئے ان میں کے اکثر ٹھیک ہو گئے اور قافلے کے قافلے اور فوجیں کی فوجیں بن کر کئی کئی بار اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں باریاب ہوئے اور اسلام قبول کیا۔ جیسے کہ پہلے مفصلاً ہم نے بیان کر دیا ہے' جس پر ہم جناب باری کے احسان کے شکر گزار ہیں' واللہ اعلم۔

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَنْ يُحْيِيَ الْمَوْتَىٰ ۚ بَلَىٰ إِنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٣٣﴾ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ أَلَيْسَ هَٰذَا بِالْحَقِّ ۖ قَالُوا بَلَىٰ وَرَبِّنَا ۚ قَالَ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿٣٤﴾ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَهُمْ ۚ كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوعَدُونَ لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ ۚ بَلَاغٌ ۚ فَهَلْ يُهْلَكُ إِلَّا الْقَوْمُ الْفَاسِقُونَ ﴿٣٥﴾

کیا وہ نہیں دیکھتے کہ جس اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کر دیا اور ان کے پیدا کرنے سے وہ نہ تھکا وہ یقیناً مردوں کو زندہ کرنے پر قادر ہے؟ بے شک وہ ایسا ہی ہے وہ یقیناً ہر چیز پر قادر ہے وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا جس دن جہنم کے سامنے لائے جائیں گے' اور ان سے کہا جائیگا کہ کیا یہ حق نہیں ہے؟ تو جواب دیں گے کہ ہاں قسم ہے ہمارے رب کی حق ہے اللہ فرمائے گا اب اپنے کفر کے بدلے کے عذاب کا مزہ چکھو' پس (اے پیغمبر) تم ایسا صبر کرو جیسا صبر عالی ہمت رسولوں نے کیا اور ان کے لئے عذاب طلب کرنے میں جلدی نہ کرو' یہ جس دن اس عذاب کو دیکھ لیں گے جس کا وعدہ دیئے جاتے ہیں تو یہ معلوم ہونے لگے گا کہ دن کی ایک گھڑی ہی (دنیا میں) ٹھہرے تھے' یہ ہے پیغام پہنچا دینا' بدکاروں کے سوا کوئی ہلاک نہ کیا جائے گا۔

زمین و آسمان کی پیدائش انسانی پیدائش سے بڑی ہے: اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا ان لوگوں نے جو مرنے کے بعد جینے کے منکر ہیں اور قیامت کے دن جسموں سمیت جی اٹھنے کو محال جانتے ہیں یہ نہیں دیکھا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے کل آسمانوں کو اور تمام زمینوں کو پیدا کیا اور ان کی پیدائش نے اسے کچھ نہ تھکایا بلکہ صرف ہو جا کے کہنے سے ہی ہو گئیں۔ کون تھا جو اس کے حکم کی خلاف ورزی کرتا یا مخالفت کرتا بلکہ حکم برداری سے راضی خوشی ڈرتے دبتے سب موجود ہو گئے کیا اتنی کامل قدرت و قوت والا مردوں کے زندہ کر دینے کی سکت نہیں رکھتا؟ چنانچہ دوسری آیت میں ہے ﴿لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ یعنی انسانوں کی پیدائش سے تو بہت بھاری اور مشکل اور بہت بڑی اہم پیدائش آسمان و زمین کی ہے لیکن اکثر لوگ

بے سمجھ ہیں۔ جب زمین و آسمان کو اس نے پیدا کر دیا تو انسان کا پیدا کر دینا خواہ ابتداء ہو خواہ دوبارہ ہو اس پر کیا مشکل ہے؟ اسی لئے یہاں بھی فرمایا کہ ہاں وہ ہر شے پر قادر ہے اور انہی میں سے موت کے بعد زندہ کرنا ہے کہ اس پر بھی وہ صحیح طور پر قادر ہے۔ پھر اللہ جل و علا کافروں کو دھمکاتا ہے کہ قیامت والے دن جہنم میں ڈالے جائیں اس سے پہلے جہنم کے کنارے پر انہیں کھڑا کر کے ایک مرتبہ اور لاجواب اور بے حجت کیا جائے گا اور کہا جائے گا کیوں جی ہمارے وعدے اور یہ دوزخ کے عذاب اب تو صحیح نکلے یا اب بھی شک و شبہ اور انکار و تکذیب ہے؟ یہ جادو تو نہیں تمہاری آنکھیں تو اندھی نہیں ہو گئیں جو دیکھ رہے ہو صحیح دیکھ رہے ہو یا در حقیقت صحیح نہیں؟ اب سوائے اقرار کے کچھ نہ بن پڑے گا جواب دیں گے کہ ہاں ہاں سب حق ہے جو کہا گیا تھا وہی نکلا۔ قسم اللہ تعالیٰ کی اب ہمیں رتی برابر بھی شک نہیں۔ اللہ فرمائے گا' اب دو گھڑی پہلے کے کفر کا مزہ چکھو۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو تسلی دے رہا ہے کہ آپ کی قوم نے اگر آپ کو جھٹلایا آپ کی قدر نہ کی آپ کی مخالفت کی ایذار سانی کے درپے ہوئے تو یہ کوئی نئی بات تھوڑی ہی ہے؟ اگلے اولوالعزم پیغمبروں کو یاد کرو کہ کیسی کیسی ایذائیں اور مصیبتیں اور تکلیفیں سہیں اور کن کن زبردست مخالفوں کی مخالفت کو صبر سے برداشت کیا۔ ان رسولوں کے نام یہ ہیں۔ نوح' ابراہیم' موسیٰ عیسیٰ اور خاتم الانبیاء اللھم صل علیھم اجمعین۔ انبیاء کے بیان میں ان کے نام خصوصیت سے سورۂ احزاب اور سورۂ شوریٰ میں مذکور ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اولوالعزم رسول سے مراد سب پیغمبر ہوں تو من الرسل کا من بیان جنس کے لئے ہو گا' واللہ اعلم۔ ابن ابی حاتم میں ہے رسول اللہ ﷺ نے روزہ رکھا پھر بھوکے ہی رہے۔ پھر روزہ رکھا پھر بھوکے ہی رہے اور پھر روزہ رکھا پھر فرمانے لگے عائشہؓ! محمد اور آل محمد کے لائق تو دنیا ہے ہی نہیں عائشہ دنیا کی بلاؤں اور مصیبتوں پر صبر کرنے اور دنیا کی خواہش کی چیزوں سے اپنے تئیں بچائے رکھنے کا حکم اولوالعزم رسول کئے گئے اور وہی تکلیف مجھے بھی دی گئی ہے جو ان عالی ہمت رسولوں کو دی گئی تھی۔ قسم اللہ تعالیٰ کی میں بھی انہیں کی طرح اپنی طاقت بھر صبر و سہار سے ہی کام لوں گا۔ اللہ کی قوت کے بھروسے پر یہ بات زبان سے نکال رہا ہوں۔ پھر فرمایا اے نبی! یہ لوگ عذابوں میں مبتلا کئے جائیں اس کی جلدی نہ کرو جیسے اور آیت میں ہے ﴿فَذَرْنِیْ وَ الْمُکَذِّبِیْنَ﴾ مجھے اور ان جھٹلانے والے پیٹ بھروں مالداروں کو چھوڑ دے اور انہیں کچھ مہلت دے اور فرمان ﴿فَمَهِّلِ الْكَافِرِيْنَ﴾ یعنی کافروں کو مہلت دو انہیں تھوڑی دیر چھوڑ دو۔ پھر فرماتا ہے جس دن یہ ان چیزوں کا مشاہدہ کر لیں گے جن کے وعدے آج دیئے جاتے ہیں۔ اس دن انھیں یہ معلوم ہونے لگے گا کہ دنیا میں صرف دن کا کچھ ہی حصہ گذرا ہے۔ اور آیت میں ہے ﴿كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰهَا﴾ یعنی جس دن یہ قیامت کو دیکھ لیں گے تو ایسا معلوم ہو گا کہ گویا دنیا میں صرف ایک صبح یا ایک شام ہی گذاری تھی ﴿وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ﴾ یعنی جس دن ہم انہیں جمع کریں گے تو یہ محسوس کرنے لگیں گے کہ گویا دن کی ایک ساعت ہی دنیا میں رہے تھے۔ پھر فرمایا پہنچا دینا ہے۔ اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ دنیا کا ٹھیرنا صرف ہماری طرف سے ہماری باتوں کے پہنچا دینے کے لئے تھا۔ دوسرے یہ کہ یہ قرآن صرف پہنچا دینے کے لئے ہے' یہ کھلی تبلیغ ہے' پھر فرماتا ہے سوائے فاسقوں کے اور کو ہلاکی نہیں۔ یہ اللہ جل و علا کا عدل ہے جو خود ہلاک ہوا سے ہی وہ ہلاک کرتا ہے' عذاب اسی کو کہتے ہیں جو خود اپنے ہاتھوں اپنے لئے عذاب مہیا کرے اور اپنے تئیں مستحق عذاب کر دے' واللہ اعلم۔

تفسیر سورۂ قتال

(یعنی سورہ محمد ﷺ) مدنیہ

سُوْرَةُ مُحَمَّدٍ مَّدَنِيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانٍ وَّثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّاَرْبَعُ رُكُوْعَاتٍ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ① وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ② ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۭ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ③

شروع کرتا ہوں میں اللہ مہربان اور رحم کرنے والے کے نام سے

جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکا اللہ نے ان کے اعمال برباد کر دیئے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور بھلے کام کئے اور اس پر بھی یقین کیا جو محمد ﷺ پر اتاری گئی ہے اور دراصل ان کے رب کی طرف سے سچا دین بھی وہی ہے اللہ نے ان کے گناہ دور کر دیئے اور ان کے حال کی اصلاح کر دی' یہ اس لئے کہ کافروں نے باطل کی پیروی کی اور مومنوں نے اس دین حق کی اتباع کی جو ان کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے' اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے احوال اسی طرح بتاتا ہے۔

کفار کے اعمال خیر برباد ہیں: ارشاد ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے خود بھی اللہ کی آیتوں کا انکار کیا اور دوسروں کو بھی راہ الٰہی سے روکا' اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال ضائع کر دیئے' ان کی نیکیاں بے کار ہو گئیں۔ جیسے فرمان ہے ہم نے ان کے اعمال پہلے سے ہی غارت و برباد کر دیئے ہیں اور جو لوگ ایمان لائے دل سے اور مطابق شرع اعمال کئے بدن سے یعنی ظاہر باطن دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف جھکا دیئے اور وحی الٰہی کو بھی مان لیا جو موجودہ آخر الزماں پیغمبر ﷺ پر اتاری گئی ہے اور جو فی الواقع رب کی طرف سے ہی ہے اور جو سراسر حق و صداقت ہی ہے ان کی برائیاں برباد ہیں اور ان کے حال کی اصلاح کا ذمہ دار خود رحمٰن ہے' اس سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کے نبی ہو چکنے کے بعد ایمان کی شرط آپ پر اور قرآن پر ایمان لانا بھی ہے حدیث میں حکم ہے کہ جس کی چھینک پر رحم کرنے کا جواب دیا گیا ہو اسے چاہئے کہ ﴿يَهْدِيكُمُ اللّٰهُ وَ يُصْلِحُ بَالَكُمْ﴾ کہے یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں ہدایت دے اور تمہاری حالت سنبھالے پھر فرماتا ہے کفار کے اعمال غارت کر دینے کی اور مومنوں کی برائیاں معاف فرما دینے اور ان کی شان سنوار دینے کی وجہ یہ ہے کہ کفار تو ناحق کو اختیار کرتے ہیں حق کو چھوڑ کر اور مومن ناحق کو پرے پھینک کر حق کی پابندی کرتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ لوگوں کے انجام کو بیان فرماتا ہے اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ خوب جاننے والا ہے۔

فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ۭ حَتّٰٓى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۤ ۙ فَاِمَّا مَنًّاۢ بَعْدُ وَاِمَّا فِدَاۗءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ڔ ذٰلِكَ ړ وَلَوْ يَشَاۗءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ ۙ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَا بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ۭ وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ④ سَيَهْدِيْهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ⑤ وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ⑥ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ⑦ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَاَضَلَّ

اَعۡمَالَهُمۡ ۝۸ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ كَرِهُوۡا مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاَحۡبَطَ اَعۡمَالَهُمۡ ۝۹

جب کافروں سے گھمسان کارن پڑ جائے تو گردنوں پر وار مارو' جب ان کا خوب کٹاؤ کر چکو تو اب خوب مضبوط قید و بند سے گرفتار کرو پھر اختیار ہے کہ خواہ احسان رکھ کر چھوڑ دو یا فدیہ بدلہ لے کر تاوقتیکہ لڑائی اپنے ہتھیار رکھ دے۔ یہی حکم ہے۔ اور اگر اللہ چاہتا تو خود ہی ان سے بدلہ لے لیتا لیکن اس کی چاہت یہ ہے کہ تم میں سے ایک کا امتحان دوسرے سے لے لے' جو لوگ راہ اللہ تعالیٰ میں شہید کر دیئے جاتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے اعمال ہرگز ضائع نہ کرے گا۔ انھیں راہ دکھائے گا اور ان کے حالات کی اصلاح کر دے گا۔ اور انھیں اس جنت میں لے جائے گا جس سے انھی شناسا کر دیا ہے۔ اے ایمان والو اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرو گے تو وہ تمھاری مدد کرے گا اور تمھیں ثابت قدم رکھے گا۔ اور جو لوگ کافر ہوئے انھیں ہلاکی ہو اللہ ان کے اعمال غارت کر دے گا۔ یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ چیز سے یہ ناخوش ہوئے پس اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے اعمال ضائع کر دیئے۔

جہاد اور اس کے کچھ احکام: یہاں ایمانداروں کو جنگی احکام دیئے جاتے ہیں کہ جب کافروں سے مڈ بھیڑ ہو جائے اور دستی لڑائی شروع ہو جائے تو ان کی گردنیں اڑاؤ تلواریں چلا کر گردن دھڑ سے اڑا دو' پھر جب دیکھو کہ دشمن ہارا اس کے آدمی کافی کٹ چکے تو باقیماندہ کو مضبوط قید و بند کے ساتھ مقید کر لو' جب لڑائی ختم ہو چکے اور معرکہ پورا ہو جائے تو پھر تمہیں (صرف دو باتوں کا) اختیار ہے یا قیدیوں کو بطور احسان بغیر کچھ لئے ہی چھوڑ دو یا ان سے تاوان جنگ وصول کر کے چھوڑ دو۔ بہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ بدر کے غزوے کے بعد یہ آیت اتری ہے کیونکہ بدر کے معرکہ میں زیادہ تر مخالفین کو قید کرنے اور قید کرنے کی کمی کرنے میں مسلمانوں پر عتاب کیا گیا تھا اور فرمایا تھا ﴿مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى﴾ نبی کو لائق نہ تھا کہ اس کے پاس قیدی ہوں جب تک کہ ایک مرتبہ جی کھول کر مخالفین میں موت کی گرم بازاری نہ ہو لے' کیا تم دنیوی اسباب کی چاہت میں ہو؟ اللہ کا ارادہ تو آخرت کا ہے اور اللہ عزیز و حکیم ہے۔ اگر پہلے ہی سے اللہ تعالیٰ کا لکھا ہوا نہ ہوتا تو جو تم نے کیا اس کی بابت تمہیں بڑا عذاب ہوتا۔ بعض علماء کا قول ہے کہ یہ اختیار منسوخ ہے اور یہ آیت ناسخ ہے ﴿فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ﴾ یعنی حرمت والے مہینے جب گذر جائیں تو مشرکوں کو جہاں پاؤ وہیں قتل کرو۔ لیکن اکثر علماء کا فرمان ہے کہ منسوخ نہیں۔ اب بعض تو کہتے ہیں کہ امام کو دو باتوں میں سے ایک کا اختیار ہے یعنی یا تو احسان رکھ کر چھوڑ دے یا فدیہ لیکر چھوڑ دے (اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ لونڈی غلام کے بارے میں یہ آخری حکم ہے اس کے بعد ان کا رکھنا اور ان سے فائدہ اٹھانا ممنوع ہو گیا ہے' لیکن جمہور اس کے خلاف لونڈی غلام کے جواز کے قائل ہیں) لیکن بعض کہتے ہیں کہ قتل کر ڈالنے کا بھی اختیار ہے' اس کی دلیل یہ ہے کہ بدر کے قیدیوں میں سے نضر بن حارث اور عقبہ بن ابومعیط کو رسول اللہ ﷺ نے قتل کرا دیا تھا اور یہ بھی اس کی دلیل ہے کہ ثمامہ بن اثالؓ نے جب کہ وہ اسیری کی حالت میں تھے اور رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا تھا کہ کہو ثمامہ کیا خیال ہے؟ تو انہوں نے کہا اگر آپ قتل کریں گے تو ایک خون والے کو قتل کریں گے اور اگر آپ احسان رکھیں گے تو ایک شکر گذار پر احسان رکھیں گے اور اگر مال طلب کرتے ہیں تو جو آپ مانگیں مل جائے گا۔ حضرت امام شافعیؒ ایک چوتھی بات کا بھی اختیار بتلاتے ہیں یعنی قتل کا احسان کا بدلے کا اور غلام بنا کر رکھ لینے کا۔ اس مسئلے کے بسط کی جگہ فروعی مسائل کی کتابیں ہیں اور ہم نے بھی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کتاب الاحکام میں اس کے دلائل بیان کر دیئے ہیں۔ پھر فرماتا ہے یہاں تک کہ لڑائی اپنے ہتھیار رکھ دے یعنی بقول مجاہدؒ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہو جائیں۔ ممکن ہے حضرت مجاہدؒ کی نظریں اس حدیث پر ہوں جس میں ہے میری امت ہمیشہ حق کے ساتھ ظاہر رہے گی یہاں تک کہ ان کا آخری شخص دجال سے لڑیگا۔ مسند احمد و نسائی میں ہے کہ حضرت سلمہ بن نفیلؓ خدمت نبوی میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے میں نے گھوڑوں کو چھوڑ دیا اور ہتھیار الگ کر دیئے اور لڑائی سے اپنے ہتھیار رکھ دیئے اور میں نے کہہ دیا کہ اب لڑائی ہے ہی نہیں' حضور ﷺ نے انہیں فرمایا اب لڑائی آگئی میری امت میں سے ایک جماعت ہمیشہ

لوگوں پر ظاہر رہے گی جن لوگوں کے دل ٹیڑھے ہو جائیں گے یہ ان سے لڑیں گے اور اللہ تعالیٰ ان سے روزیاں دے گا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا امر آ جائے اور وہ اسی حالت پر ہوں گے' مومنوں کی زمین شام میں ہے۔ گھوڑوں کی ایال میں قیامت تک کے لئے خیر رکھ دی ہے۔ یہ حدیث امام بغویؒ نے بھی وارد کی ہے اور حافظ ابویعلی موصلیؒ نے بھی' اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ جو لوگ اس آیت کو منسوخ نہیں بتلاتے گویا کہ یہ حکم مشروع ہے جب تک کہ لڑائی باقی رہے گی یہ آیت مثل اس آیت کے ہے ﴿وَ قَاتِلُوْ هُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ﴾ الخ یعنی ان سے لڑتے رہو جب تک کہ فتنہ باقی ہے اور جب تک کہ دین اللہ ہی کے لئے نہ ہو جائے۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں لڑائی کے ہتھیار رکھ دینے سے مراد شرک کا باقی نہ رہنا ہے اور بعض سے مروی ہے کہ مشرکین اپنے شرک سے توبہ کر لیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ اپنی کوششیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں صرف کرنے لگ جائیں

پھر فرماتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو آپ ہی کفار کو برباد کر دیتا اپنے پاس سے ان پر عذاب بھیج دیتا لیکن وہ تو یہ چاہتا ہے کہ تمہیں آزما لے اسی لئے جہاد کے احکام جاری فرمائے ہیں۔ سورہ ال عمران اور برات میں بھی اس مضمون کو بیان کیا ہے ال عمران میں ہے ﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُو الْجَنَّةَ﴾ الخ کیا تمہارا یہ گمان ہے کہ بغیر اس بات کے کہ اللہ تعالیٰ جان لے کہ تم میں سے مجاہد کون ہے اور تم میں سے صبر کرنے والے کون ہیں تم جنت میں چلے جاؤ گے؟ سورۂ براۃ میں ہے ﴿قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ﴾ الخ ان سے جہاد کرو اللہ تمہارے ہاتھوں انہیں عذاب کریگا اور تمہیں ان پر نصرت عطا فرمائے گا اور ایمان والوں کے سینے شفا والے کر دے گا اور اپنے دلوں کے ولولے نکالنے کا انہیں موقعہ دیگا اور جس کی چاہے گا توبہ قبول فرمائے گا اللہ بڑا علیم و حکیم ہے۔ اب چونکہ یہ بھی تھا کہ جہاد میں مومن بھی شہید ہوں اس لئے فرماتا ہے کہ شہیدوں کے اعمال اکارت نہیں جائیں گے بلکہ بہت بڑھا چڑھا کر ثواب انہیں دیئے جائیں گے۔ بعض کو تو قیامت تک کے ثواب ملیں گے۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ شہید کو چھ انعامات حاصل ہوتے ہیں' (۱) اس کے خون کا پہلا قطرہ زمین پر گرتے ہی اس کے کل گناہ معاف ہو جاتے ہیں' (۲) اسے اس کا جنت کا مکان دکھلا دیا جاتا ہے اور (۳) نہایت خوبصورت بڑی بڑی آنکھوں والی حوروں سے اس کا نکاح کرا دیا جاتا ہے' (۴) وہ بڑی گھبراہٹ سے امن میں رہتا ہے' (۵) وہ عذاب قبر سے بچا لیا جاتا ہے' (۶) اسے ایمان کے زیور سے آراستہ کر دیا جاتا ہے۔ ایک اور حدیث میں یہ بھی ہے کہ اس کے سر پر وقار کا تاج رکھا جاتا ہے جو در و یاقوت کا جڑاؤ ہوتا ہے جس میں کا ایک یاقوت تمام دنیا اس کی تمام چیزوں سے گراں بہا ہے۔ اسے بہتر (۷۲) حور عین ملتی ہیں اور اپنے خاندان کے ستر شخصوں کے بارے میں اس کی شفاعت قبول کی جاتی ہے۔ یہ حدیث ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی ہے۔ صحیح مسلم میں ہے سوائے قرض کے شہیدوں کے سب گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ شہیدوں کے فضائل کی حدیثیں اور بھی بہت ہیں۔ پھر فرماتا ہے انہیں اللہ تعالیٰ جنت کی راہ سمجھا دیگا' جیسے یہ آیت ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْ وَ عَمِلُو الصّٰلِحَاتِ يَهْدِيهِمْ رَبُّهُمْ﴾ الخ یعنی جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے نیک کام کئے ان کے ایمان کے باعث ان کا رب انہیں ان جنتوں کی طرف راہبری کرے گا' جو نعمتوں سے پر ہیں اور جن کے چپے چپے میں چشمے بہہ رہے ہیں اللہ ان کے حال اور ان کے کام سنوار دے گا اور جن جنتوں کی پہلے ہی وہ پہچان کرا چکا ہے اور جن کی طرف ان کی رہبری کر چکا ہے آخر انہیں میں انہیں پہنچائے گا۔ یعنی ہر شخص اپنے مکان اور اپنی جگہ کو جنت میں اس طرح پہنچان لیگا جیسے دنیا میں پہچان لیا کرتا تھا۔ انہیں کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہ پڑے گی یہ معلوم ہو گا گویا شروع پیدائش سے یہیں مقیم ہیں۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ جس انسان کے ساتھ اس کے اعمال کا محافظ جو فرشتہ تھا وہی اس کے آگے آگے چلے گا۔ جب یہ اپنی جگہ پہنچے گا تو از خود پہچان لے گا کہ میری جگہ یہی ہے یونہی پھر اپنی زمین میں سیر کرتا ہوا جب سب دیکھ چکے گا تب فرشتہ ہٹ جائے گا اور یہ اپنی لذتوں میں مشغول ہو جائے گا۔ صحیح بخاری کی مرفوع حدیث میں ہے جب مومن آگ سے چھوٹ جائیں گے تو جنت دوزخ کے درمیان ایک پل پر روک لئے جائیں گے اور آپس میں ایک دوسرے پر جو مظالم تھے ان کے بدلے اتار لئے جائیں گے جب بالکل پاک صاف ہو جائیں گے تو جنت میں جانے کی اجازت مل

جائے گی، قسم اللہ تعالیٰ کی جس طرح تم میں سے ہر ایک شخص اپنے دنیوی گھر کی راہ جانتا ہے اور گھر کو پہچانتا ہے اس سے بہت زیادہ وہ لوگ اپنی منزل اور اپنی جگہ سے واقف ہوں گے۔ پھر فرماتا ہے ایمان والو! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم مضبوط کر دے گا جیسے اور جگہ ہے ﴿وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ﴾ اللہ ضرور اسکی مدد کرے گا جو اللہ کی کرے گا) اسلئے کہ جیسا عمل ہوتا ہے ویسی ہی اس کی جزا ہوتی ہے اور وہ تمہارے قدم بھی مضبوط کر دے گا۔ حدیث میں ہے جو شخص کسی اختیار والے کے سامنے ایک ایسے حاجت مند کی حاجت پہنچائے جو خود وہاں نہ پہنچ سکتا ہو تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ پل صراط پر اس کے قدم مضبوطی سے جما دے گا۔ پھر فرماتا ہے کافروں کا حال بالکل برعکس ہے یہ قدم قدم پر ٹھوکریں کھائیں گے۔ حدیث میں ہے بے دینار و درہم اور کپڑے لتے کا بندہ ٹھوکر کھا گیا وہ برباد ہوا اور ہلاک ہوا، وہ اگر بیمار پڑ جائے تو اللہ تعالیٰ کرے اسے شفا بھی نہ ہو، ایسوں کے نیک اعمال بھی اکارت ہیں اس لئے کہ یہ قرآن و حدیث سے ناخوش ہیں نہ اس کی عزت و عظمت ان کے دل میں نہ ان کا قصد و تسلیم کا ارادہ۔ پس ان کے جو کچھ اچھے کام تھے اللہ نے انھیں بھی غارت کر دیئے۔

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۡ وَلِلْكٰفِرِيْنَ اَمْثَالُهَا ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ۝ اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۝ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِيْٓ اَخْرَجَتْكَ ۚ اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ۝

کیا ان لوگوں نے زمین میں چل پھر کر اس کا معائنہ نہیں کیا کہ ان سے پہلے کے لوگوں کا نتیجہ کیا ہوا؟ اللہ نے انھیں ہلاک کر دیا اور کافروں کے لئے اسی طرح کی سزائیں ہیں یہ اس لئے کہ ایمان والوں کا کارساز خود رب تعالیٰ ہے۔ اور اس لئے کہ کافروں کا کوئی کارساز نہیں۔ جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کئے انھیں اللہ تعالیٰ یقیناً ایسے باغوں میں داخل کریگا جن کے درختوں کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ اور جو لوگ کافر ہوئے وہ (دنیا ہی کا) فائدہ اٹھا رہے ہیں اور مثل چوپایوں کے کھا رہے ہیں ان کا اصل ٹھکانا جہنم ہے۔ ہم نے کتنی ایک بستیوں کو جو طاقت میں تیری اس بستی سے زیادہ تھیں جس نے تجھے نکالا، ہلاک کر دیا ہے جن کا مددگار کوئی نہ اٹھا۔

مومن ایک آنت میں کھاتا ہے اور کافر سات آنتوں میں: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان لوگوں نے جو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہیں اور اس کے رسول کو جھٹلاتے ہیں۔ زمین کی سیر نہیں کی؟ جو یہ معلوم کر لیتے اور اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے کہ ان سے اگلے جو ان جیسے تھے ان کے انجام کیا ہوئے؟ کس طرح وہ تاخت و تاراج کر دیئے گئے اور ان میں سے صرف اسلام و ایمان والے ہی نجات پا سکے۔ کافروں کے لئے اسی مثل عذاب آیا کرتے ہیں۔ پھر بیان فرماتا ہے مسلمانوں کا خود اللہ تعالیٰ والی ہے اور کفار بے ولی ہیں۔ اسی لئے احد والے دن مشرکین کے سردار ابو سفیان صخر بن حرب نے فخر کے ساتھ جب نبی ﷺ اور آپ کے دونوں خلیفوں کی نسبت سوال کیا اور کوئی جواب نہ پایا تو کہنے لگا کہ یہ سب ہلاک ہو گئے۔ پھر اسے فاروق اعظمؓ نے جواب دیا اور فرمایا جن کی زندگی تجھے خار کی طرح کھٹکتی ہے اللہ نے ان سب کو اپنے فضل سے زندہ ہی رکھا ہے۔ ابو سفیان کہنے لگا سنو یہ دن بدلے کا دن ہے اور لڑائی تو مثل ڈولوں کے ہے کبھی کوئی

اوپر کبھی کسی کا اوپر۔ تم اپنے مقتولین میں بعض ایسے بھی پاؤ گے جن کے ناک کان وغیرہ ان کے مرنے کے بعد کاٹ لئے گئے ہیں۔ میں نے ایسا حکم نہیں دیا تھا لیکن مجھے کچھ برا بھی نہیں لگا۔ پھر اس نے رجز کے اشعار فخر یہ پڑھنے شروع کیے کہنے لگا ﴿اُعْلُ هُبَل اُعْلُ هُبَل﴾ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم اسے جواب کیوں نہیں دیتے؟ صحابہؓ نے پوچھا حضور! کیا جواب دیں؟ فرمایا کہو ﴿اللّٰهُ اَعْلٰى وَ اَجَلُّ﴾ یعنی وہ کہتا تھا ہبل بت کا بول بالا ہو جس کے جواب میں کہا گیا سب سے زیادہ بلندی والا اور سب سے زیادہ عزت و کرم والا اللہ ہی ہے۔ ابوسفیان نے پھر کہا ﴿لَنَا الْعُزّٰى وَ لَا عُزّٰى لَكُمْ﴾ ہمارا عزیٰ (بت) ہے اور تمہارا نہیں۔ اس کے جواب میں بفرمان حضور کہا گیا ﴿اللّٰهُ مَوْلَا نَا وَلَا مَوْلَا لَكُمْ﴾ اللہ ہمارا مولیٰ ہے اور تمہارا مولیٰ کوئی نہیں۔ پھر جناب باری خبر دیتے ہیں کہ ایماندار قیامت کے دن جنت نشین ہوں گے اور کفر کرنے والے دنیا میں تو خواہ کچھ یونہی سا نفع اٹھالیں لیکن ان کا اصلی ٹھکانا جہنم ہے۔ دنیا میں ان کی زندگی کا مقصد صرف کھانا پینا اور پیٹ بھرنا ہے 'اسے یہ لوگ مثل جانوروں کے پورا کر رہے ہیں جس طرح وہ ادھر ادھر منہ مار کر گیلا سوکھا پیٹ میں بھرنے کا ہی ارادہ رکھتا ہے اسی طرح یہ ہے کہ حلال حرام کی اسے کچھ تمیز نہیں' پیٹ بھرنا مقصود ہے۔ حدیث میں ہے مومن ایک آنت میں کھاتا ہے اور کافر سات آنتوں میں۔ جزا والے دن اپنے اس کفر کی پاداش میں ان کے لئے جہنم کی گوناگوں سزائیں ہیں۔ پھر کفار مکہ کو دھمکاتا ہے اور اپنے عذابوں سے ڈراتا ہے کہ دیکھو جن بستیوں والے تم سے بہت زیادہ طاقت والے تھے ان کو ہم نے بہ سبب ہمارے نبیوں کو جھٹلانے اور ہمارے احکام کی خلاف ورزی کرنے کے تہس نہس کر دیا تو تم جو ان سے کمزور اور کم طاقت ہو اس رسول کو جھٹلاتے اور ایذائیں پہنچاتے ہو جو خاتم الانبیاء اور سید المرسلین ہیں سمجھ لو کہ تمہارا انجام کیا ہوگا؟ مانا کہ اس نبی رحمت کے مبارک وجود کی وجہ سے اگر دنیوی عذاب تم پر نہ بھی آئے تو اخروی زبردست عذاب تو تم سے دور نہیں ہو سکتے؟ جب اہل مکہ نے رسول کریم ﷺ کو نکالا اور آپ نے غار میں آ کر اپنے تئیں چھپایا اس وقت مکہ کی طرف توجہ کی اور فرمانے لگے اے مکہ تو تمام شہروں سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو پیارا ہے اور اسی طرح مجھے بھی تمام شہروں سے زیادہ پیارا تو ہے اگر مشرکین مجھے تجھ میں سے نہ نکالتے تو میں ہرگز نہ نکلتا۔ پس تمام حد سے گزر جانے والوں میں سب سے بڑا حد سے گزر جانے والا وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی حدوں سے آگے نکل جائے یا حرم الٰہی میں کسی قاتل کے سوا کسی اور کو قتل کرے یا جاہلیت کے تعصب کی بنا پر قتل کرے' پس اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ پر یہ آیت اتاری۔

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ كَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَ اتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ﴿١٤﴾ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۭ فِيْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ڬ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ۭ وَلَهُمْ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ۭ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَاۗءَهُمْ ﴿١٥﴾

کیا پس وہ شخص جو اپنے پروردگار کی طرف سے دلیل پر ہو اس شخص جیسا ہو سکتا ہے؟ جس کے لئے اس کا برا کام زینت دیا گیا ہو اور وہ اپنی نفسانی خواہشوں کا پیرو ہو؟ اس جنت کی صفت جس کا پرہیزگاروں سے وعدہ کیا گیا ہے' یہ ہے کہ اس میں پانی کی نہریں ہیں جو بدبو کرنے والا نہیں' اور دودھ کی نہریں ہیں جن کا مزہ نہیں بدلا' اور شراب کی نہریں ہیں جن میں پینے والوں کو بڑی لذت ہے' اور نہریں ہیں شہد کی جو بہت صاف ہیں۔ اور ان کے لئے وہاں ہر قسم کے میوے ہیں اور ان کے رب کی طرف سے مغفرت ہے' کیا یہ مثل اس کے ہیں جو ہمیشہ آگ میں رہنے والا ہے؟ اور جنہیں گرم

کھولتا پانی پلایا جائے گا جس سے ان کی آنتیں ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گی۔

جنت کی نہریں اور اثمار وفواکہ: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو شخص دین الٰہی میں یقین کے درجے تک پہنچ چکا ہو' جسے بصیرت حاصل ہو چکی ہو' فطرت صحیحہ کے ساتھ ہی ہدایت وعلم بھی ہو' وہ اور وہ شخص جو بد اعمالیوں کو نیک کاریاں سمجھ رہا ہو' جو اپنی خواہش نفس کے پیچھے پڑا ہوا ہو' یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے' جیسے فرمان ہے ﴿اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى﴾ یعنی یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ کی وحی کو حق ماننے والا اور ایک اندھا برابر ہو جائے' اور ارشاد ہے ﴿لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ﴾ یعنی جہنمی اور جنتی برابر نہیں ہو سکتے جنتی کامیاب اور مراد کو پہنچے ہوئے ہیں۔ پھر جنت کے اوصاف بیان فرماتا ہے کہ اس میں پانی کے چشمے ہیں جو کبھی بگڑتا نہیں متغیر نہیں ہوتا سڑتا نہیں نہ بدبو پیدا ہوتی ہے' بہت صاف موتی جیسا ہے۔ کوئی گدلا پن نہیں کوڑا کرکٹ نہیں۔ حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں جنتی نہریں مشک کے پہاڑوں سے نکلتی ہیں۔ اس میں پانی کے علاوہ دودھ کی نہریں بھی ہیں جس کا مزہ کبھی نہیں بدلتا' بہت سفید بہت میٹھا اور نہایت صاف شفاف اور بامزہ پر ذائقہ' ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ یہ دودھ جانوروں کے تھن سے نکلا ہوا نہیں بلکہ قدرتی ہے' اور نہریں ہوں گی شراب صاف کی جو پینے والے کا دل خوش کر دیں دماغ کشادہ کریں۔ جو شراب نہ تو بدبودار ہے نہ تلخی والی نہ بدمنظر ہے' بلکہ دیکھنے میں بہت اچھی پینے میں بہت لذیذ نہایت خوشبودار' جس سے نہ عقل میں فتور آئے نہ دماغ میں چکر آئیں نہ بہکیں نہ بھٹکیں نہ نشہ چڑھے نہ عقل جائے۔ حدیث میں ہے کہ یہ شراب بھی کسی کے ہاتھوں سے کشید کی ہوئی نہیں بلکہ قادر مطلق کے حکم سے تیار ہوئی ہے۔ خوش ذائقہ اور خوش رنگ ہے۔ جنت میں شہد کی نہریں بھی ہیں جو بہت صاف ہیں اور خوشبودار اور ذائقہ کا تو کہنا ہی کیا ہے۔ حدیث میں ہے کہ یہ شہد بھی مکھیوں کے پیٹ سے نہیں۔ مسند احمد کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ جنت میں دودھ' پانی شہد اور شراب کے سمندر ہیں جن میں سے ان کی نہریں اور چشمے جاری ہوتے ہیں۔ یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے اور امام ترمذیؒ اسے حسن صحیح فرماتے ہیں۔ ابن مردویہ کی حدیث میں ہے یہ نہریں جنت عدن سے نکلتی ہیں پھر ایک حوض میں آتی ہیں وہاں سے بذریعہ اور نہروں کے تمام جنتوں میں جاتی ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے جب تم اللہ سے سوال کرو تو جنت الفردوس طلب کرو وہ سب سے بہتر اور سب سے اعلیٰ جنت ہے اسی سے جنت کی نہریں جاری ہوتی ہیں اور اس کے اوپر رحمٰن کا عرش ہے۔ طبرانی میں ہے حضرت لقیط بن عامر جب وفد میں آئے تھے تو رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ جنت میں کیا کچھ ہے؟ آپ ؐ نے فرمایا صاف شہد کی نہریں اور بغیر نشے کے سر درد نہ کرنے والی شراب کی نہریں اور نہ بگڑنے والی دودھ کی نہریں اور خراب نہ ہونے والے شفاف پانی کی نہریں اور طرح طرح کے میوہ جات عجیب وغریب بے مثل و بالکل تازہ اور پاک صاف بیویاں جو صالحین کو ملیں گی اور خود بھی صالحات ہوں گی' دنیا کی لذتوں کی طرح ان سے لذتیں اٹھائیں گے' ہاں وہاں بال بچے نہ ہوں گے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں یہ خیال کرنا کہ جنت کی نہریں بھی دنیا کی نہروں کی طرح کھدی ہوئی زمین میں اور گڑھوں میں بہتی ہیں نہیں نہیں قسم اللہ تعالیٰ کی وہ صاف زمین پر یکساں جاری ہیں ان کے کنارے کنارے لولو اور موتیوں کے خیمے ہیں ان کی مٹی مشک خالص ہے پھر فرماتا ہے وہاں ان کے لئے ہر طرح کے میوے اور پھول پھل ہیں جیسے اور جگہ فرماتا ہے ﴿يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ اٰمِنِيْنَ﴾ یعنی وہاں نہایت امن وامان کے ساتھ ہر قسم کے میوے وہ منگوائیں گے اور کھائیں گے۔ اور آیت میں ہے ﴿فِيْهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجٰنِ﴾ دونوں جنتوں میں ہر ہر قسم کے میووں کے جوڑ ہیں۔ ان تمام نعمتوں کے ساتھ یہ کتنی بڑی نعمت ہے کہ رب خوش ہے وہ اپنی مغفرت ان کے لئے حلال کر چکا ہے' انہیں نواز چکا ہے اور ان سے راضی ہو چکا ہے اب کوئی کھٹکا ہی نہیں جنتوں کی یہ دھوم دھام اور نعمتوں کے بیان کے بعد فرماتا ہے کہ دوسری جانب جہنمیوں کی یہ حالت ہے کہ وہ جہنم کے درکات میں جل بھلس رہے ہیں اور وہاں سے چھٹکارے کی کوئی سبیل نہیں اور سخت پیاس کے موقعہ پر وہ کھولتا ہوا گرم پانی جو دراصل آگ ہی ہے لیکن بہ شکل پانی انہیں پینے کے لئے ملتا ہے کہ ایک

گھونٹ اندر جاتے ہی آنتیں کٹ جاتی ہیں' اللہ ہمیں اپنی پناہ میں رکھے۔ پھر بھلا اس کا اور اس کا کیا میل؟ کہاں جنتی کہاں جہنمی کہاں نعمت کہاں زحمت یہ دونوں کیسے برابر ہو سکتے ہیں۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ حَتّٰۤى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا ۗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَاتَّبَعُوْۤا اَهْوَآءَهُمْ ﴿١٦﴾ وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ ﴿١٧﴾ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً ۚ فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا ۚ فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ ﴿١٨﴾ فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ ﴿١٩﴾

ان میں بعض ایسے بھی ہیں کہ تیری طرف کان لگاتے ہیں' یہاں تک کہ جب تیرے پاس سے جاتے ہیں تو اہل علم سے (بوجہ کند ذہنی کے پوچھتے ہیں کہ اس نے ابھی کیا کہا تھا؟ یہی لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ تعالیٰ نے مہر کر دی ہے اور وہ اپنی خواہشوں کی پیروی کرتے ہیں۔ اور جو لوگ ہدایت یافتہ ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں ہدایت میں اور بڑھا دیا ہے اور انہیں ان کی پرہیزگاری عطا فرمائی۔ پس یہ تو صرف قیامت کا انتظار کر رہے ہیں کہ وہ ان کے پاس اچانک آ جائے' پس یقیناً اس کی بھی علامتیں تو آ چکی ہیں' پھر جب کہ ان کے پاس قیامت آ جائے انہیں نصیحت کرنا کہاں ہو گا؟ سو (اے نبی!) تو یقین کر لے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اپنے گناہوں کی بخشش مانگا کر اور مومن مردوں اور عورتوں کے حق میں بھی' اللہ تمہاری آمد و رفت کی اور رہنے سہنے کی جگہ کو خوب جانتا ہے۔

اللہ سے معافی اور چند مسنون دعائیں: منافقوں کی کند ذہنی اور بے علمی' ناسمجھی اور بے وقوفی کا بیان ہو رہا ہے کہ باوجود مجلس میں شریک ہونے کے کلام الرسول سن لینے کے پاس بیٹھے ہوئے ہونے کے ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ مجلس کے خاتمے کے بعد اہل علم صحابہؓ سے پوچھتے ہیں کہ اس وقت کیا کیا کہا؟ یہ ہیں جن کے دلوں پر مہر الٰہی لگ چکی ہے' اور اپنے نفس کی خواہش کے پیچھے پڑ گئے ہیں۔ فہم صریح اور قصد صحیح ہے ہی نہیں۔ پھر اللہ عزوجل فرماتا ہے جو لوگ ہدایت کا قصد کرتے ہیں انہیں خود اللہ تعالیٰ بھی توفیق دیتا ہے اور ہدایت نصیب فرماتا ہے پھر اس پر جم جانے کی ہمت بھی عطا فرماتا ہے اور ان کی ہدایت بڑھاتا رہتا ہے اور انہیں رشد و ہدایت الہام فرماتا رہتا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ تو اسی انتظار میں ہیں کہ اچانک قیامت قائم ہو جائے تو یہ معلوم کر لیں کہ اس کے قریب ہونے کے نشانات تو ظاہر ہو چکے ہیں' جیسے اور موقعہ پر ارشاد ہوا ہے ﴿هٰذَا نَذِيْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰى﴾ یہ ڈرانے والا ہے اگلے ڈرانے والوں سے قریب آنے والی قریب آ چکی ہے' اور بھی ارشاد ہوتا ہے ﴿اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ﴾ قیامت قریب ہو گئی اور چاند پھٹ گیا اور فرمایا ﴿اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ﴾ لوگوں کا حساب قریب آ گیا۔ پھر بھی وہ غفلت میں منہ موڑے ہوئے ہی ہیں۔ پس حضور ﷺ کا نبی ہو کر دنیا میں آنا قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے اس لئے کہ آپ رسولوں کے ختم کرنے والے ہیں آپ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو کامل کیا اور اپنی حجت اپنی مخلوق پر پوری کی اور حضور ﷺ نے قیامت کی شرطیں اور اس کی علامتیں اس طرح بیان فرما دیں کہ آپ سے پہلے کے کسی نبی نے اس قدر وضاحت نہیں کی تھی' جیسے کہ اپنی جگہ وہ سب بیان ہوئیں ہیں۔ حسن بصریؒ فرماتے ہیں حضور ﷺ کا آنا قیامت کی شرطوں میں سے ہے' چنانچہ خود آپ کے نام حدیث میں یہ آئے ہیں ﴿نبی التوبہ' نبی الملحمہ'

حاشر ﴾ جس کے قدموں پر لوگ جمع کئے جائیں' عاقب جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو۔ بخاری کی حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے اپنی بیچ کی انگلی اور اس کے پاس والی انگلی کو اٹھا کر فرمایا میں اور قیامت مثل ان دونوں کے بھیجے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کافروں کو قیامت قائم ہو جانے کے بعد نصیحت وعبرت کیا سود مند ہو گی؟ جیسے ارشاد ہوتا ہے ﴿يَوْمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى﴾ اس دن انسان نصیحت حاصل کر لیگا لیکن اس کے لئے نصیحت ہے کہاں؟ یعنی آج کے دن کی عبرت بے سود ہے۔ اور آیت میں ہے ﴿وَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖ وَ اَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ﴾ یعنی اس وقت کہیں گے کہ ہم قرآن پر ایمان لائے حالانکہ اب انہیں ایسے دور مکان پر دسترس کہاں ہو سکتی ہے؟ یعنی ان کا ایمان اس وقت بے سود ہے۔ پھر فرماتا ہے اے نبی جان لو کہ اللہ ہی معبود برحق ہے کوئی اور نہیں یہ دراصل خبر دینا ہے اپنی وحدانیت کی' یہ تو ہو نہیں سکتا کہ اللہ تعالیٰ اس کے علم کا حکم دیتا ہو اسی لئے اس پر عطف ڈال کر فرمایا اپنے گناہوں کا اور مومن مرد وعورت کے گناہوں کا استغفار کرو۔ صحیح حدیث میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں ﴿اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ خَطِیْئَتِیْ وَجَهْلِیْ وَ اِسْرَافِیْ فِیْ اَمْرِیْ وَ مَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّیْ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ هَزْلِیْ وَجِدِّیْ وَ خَطَاءِیْ وَ عَمْدِیْ وَكُلُّ ذَالِكَ عِنْدِیْ﴾ یعنی اے اللہ میری خطاؤں کو اور میری جہالت کو اور میرے کاموں میں مجھ سے جو زیادتی ہو گئی ہو اس کو اور ہر اس چیز کو جسے تو مجھ سے بہت زیادہ جاننے والا ہے بخش اے اللہ میرے بے قصد گناہوں کو اور میرے عزم سے کئے ہوئے گناہوں کو اور میری خطاؤں کو اور میرے قصد کو بخش اور یہ تمام میرے پاس ہے۔ اور صحیح حدیث میں ہے کہ آپ اپنی نماز کے آخر میں کہتے ﴿اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ مَا قَدَّمْتُ وَمَآ اَخَّرْتُ وَمَآ اَسْرَرْتُ وَمَآ اَعْلَنْتُ وَمَآ اَسْرَفْتُ وَمَآ اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّیْ اَنْتَ اِلٰهِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ﴾ یعنی اے اللہ میں جو کچھ گناہ پہلے کئے ہیں اور جو کچھ پیچھے کئے ہیں اور جو چھپا کر کئے ہیں اور جو ظاہر کئے ہیں اور جو زیادتی کی ہے اور جنہیں تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے بخش دے تو ہی میرا اللہ ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں اور صحیح حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا اے لوگو اپنے رب کی طرف توبہ کرو پس تحقیق مین اپنے رب کی طرف توبہ کرتا ہوں ہر ہر دن ستر بار سے بھی زیادہ۔ مسند احمد میں ہے حضرت عبداللہؓ بن سرخسؓ فرماتے ہیں میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور میں نے آپ کے ساتھ آپ کے کھانے میں سے کھانا کھایا پھر میں نے کہا یارسول اللہ! اللہ آپ کو بخشے۔ آپ نے فرمایا اور تجھے بھی تو۔ میں نے کہا کیا میں آپ کے لئے استغفار کروں؟ آپ نے فرمایا ہاں اور اپنے لئے بھی۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی اپنے گناہوں اور مومن مردوں باایمان عورتوں کے گناہوں کی بخشش طلب کر۔ پھر میں نے آپ کے داہنے کھوے یا بائیں ہتھیلی کو دیکھا وہاں کچھ جگہ ابھری ہوئی تھی جس پر گویا تل تھے۔ اسے مسلم ترمذی نسائی وغیرہ نے بھی روایت کیا ہے۔ ابو یعلی میں حضور ﷺ نے فرمایا تم ﴿لا اله الا الله﴾ کا اور ﴿استغفر الله﴾ کا کہنا لازم پکڑو اور انہیں بکثرت کہا کرو اس لئے کہ ابلیس کہتا ہے میں نے لوگوں کو گناہوں سے ہلاک کیا اور انھوں نے مجھے ان دونوں کلموں سے ہلاک کیا میں نے جب یہ دیکھا تو انھیں خواہشوں کے پیچھے لگا دیا پس وہ سمجھتے ہیں کہ ہم ہدایت پر ہیں۔ ایک اور اثر میں ہے کہ ابلیس نے کہا اے اللہ مجھے تیری عزت اور تیرے جلال کی قسم جب تک کسی شخص کی روح اس کے جسم میں ہے میں اسے بہکاتا رہوں گا۔ پس اللہ عزوجل نے فرمایا مجھے بھی قسم ہے اپنی بزرگی اور بڑائی کی کہ میں بھی انہیں بخشتا ہی رہوں گا جب تک وہ مجھ سے استغفار کرتے رہیں۔ استغفار کی فضیلت میں اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمہارا دن میں ہیر پھیر اور تصرف کرنا اور تمہارا رات کو جگہ پکڑنا اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ جیسے فرمان ہے ﴿وَهُوَ الَّذِیْ يَتَوَفّٰكُمْ بِالَّيْلِ وَ يَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ﴾ یعنی اللہ وہ ہے جو تمہیں رات کو فوت کر دیتا ہے اور دن میں جو کچھ کرتے ہو وہ جانتا ہے۔ اور آیت میں ﴿الله سبحانه﴾ کا فرمان ہے ﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ﴾ یعنی زمین پر جتنے بھی چلنے والے ہیں ان سب کی روزی اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اور وہ ان کے رہنے کی جگہ اور دفن ہونے کا مقام جانتا ہے۔ یہ سب باتیں واضح کتاب میں لکھی ہوئی ہیں۔ ابن جریجؒ کا یہی قول ہے اور امام ابن جریرؒ بھی اسی کو پسند کرتے ہیں۔ ابن عباسؓ کا قول ہے کہ مراد آخرت کا ٹھکانا ہے۔ سدیؒ فرماتے

ہیں تمہارا چلنا پھرنا دنیا میں اور تمہاری قبروں کی جگہ اسے معلوم ہے۔ لیکن اول قول ہی زیادہ اولیٰ اور زیادہ ظاہر ہے' واللہ اعلم۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ ۚ فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَّذُكِرَ فِيْهَا الْقِتَالُ ۙ رَاَيْتَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۭ فَاَوْلٰى لَهُمْ ۚ﴿20﴾ طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ ۣ فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ ۣ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ﴿21﴾ ۚ فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ ﴿22﴾ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ ﴿23﴾

اور جو لوگ ایمان لائے وہ کہتے ہیں کوئی سورت کیوں نازل نہیں کی گئی' پھر جب کوئی صاف مطلب والی سورت نازل کی جاتی ہے اور اس میں جہاد کا ذکر کیا جاتا ہے تو تو دیکھتا ہے کہ جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے وہ تیری طرف اس طرح دیکھتے ہیں جیسے اس شخص کی نظر ہوتی ہے جس پر موت کی بے ہوشی طاری ہو' پس بہت بہتر تھا۔ ان کے لئے فرمان کا بجالانا اور اچھی بات کا کہنا' پھر جب کام مقرر ہو جائے تو اگر اللہ سے سچے رہیں تو ان کے لئے بہتری ہے۔ اور تم سے یہ بھی بعید نہیں کہ اگر تم کو حکومت مل جائے تو تم زمین میں فساد برپا کر دو اور رشتے ناتے توڑ ڈالو۔ یہ وہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کی پھٹکار ہے اور جن کی سماعت اور آنکھوں کی روشنی چھین لی گئی۔

جہاد سے جی چرانے والے منافق: اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ مومن تو جہاد کے حکم کی تمنا کرتے ہیں پھر جب اللہ تعالیٰ جہاد فرض کر دیتا ہے اور اس کا حکم نازل کر دیتا ہے تو اس سے اکثر لوگ ہٹ جاتے ہیں جیسے اور آیت میں ہے ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ﴾ یعنی کیا تو نے انہیں نہیں دیکھا جن سے کہا گیا کہ تم اپنے ہاتھوں کو روک لو اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو پھر جب ان پر جہاد فرض کیا گیا تو ان میں سے ایک فریق لوگوں سے اس طرح ڈرنے لگا جیسے اللہ کا ڈر ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ' اور کہنے لگے اے ہمارے رب ہم پر تو نے جہاد کیوں فرض کر دیا۔ تو نے ہم کو قریب کی مدت تک ڈھیل کیوں نہ دی؟ تو کہہ کہ دنیا کی متاع بہت ہی کم ہے اور پرہیزگاروں کے لئے آخرت بہت ہی بہتر ہے اور تم پر بالکل ذرا سا بھی ظلم نہ کیا جائے گا پس یہاں بھی فرماتا ہے کہ ایمان والے تو جہاد کے حکموں کی آیتوں کے نازل ہونے کی تمنا کرتے ہیں لیکن منافق لوگ جب ان آیتوں کو سنتے ہیں تو بوجہ اپنی گھبراہٹ بوکھلاہٹ اور نامردی کے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے اس طرح تجھے دیکھنے لگتے ہیں جیسے موت کی غشی والا پھر انہیں مرد میدان بننے کی رغبت دلاتے ہوئے فرماتا ہے ان کے حق میں بہتر تو یہ ہوتا کہ یہ سنتے مانتے اور جب موقعہ آ جاتا معرکہ کارزار گرم ہوتا تو نیک نیتی کے ساتھ جہاد کر کے اپنے خلوص کا ثبوت دیتے۔ پھر فرمایا قریب ہے کہ تم جہاد سے رک رہو اور اس سے بچنے لگو تو زمین میں فساد کرنے لگو اور صلہ رحمی توڑنے لگو یعنی زمانہ جاہلیت میں جو حالت تمہاری تھی وہی تم میں لوٹ آئے۔ پس فرمایا ایسوں پر اللہ تعالیٰ کی پھٹکار ہے اور یہ رب کی طرف سے بہرے اندھے ہیں۔ اس میں زمین پر فساد کرنے کی عموماً اور قطع رحمی کی خصوصاً ممانعت ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے زمین میں اصلاح اور صلہ رحمی کرنے کی ہدایت کی ہے اور ان کا حکم فرمایا ہے۔ صلہ رحمی کے معنی ہیں قرابت داروں کے ساتھ بات چیت میں کام کاج میں سلوک و احسان کرنا اور ان کی مالی مشکلات میں ان کے کام آنا۔ اس بارے میں بہت سی صحیح اور حسن حدیثیں مروی ہیں۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو پیدا کر چکا تو رحم کھڑا ہوا اور رحمٰن سے چمٹ گیا اس سے پوچھا گیا کیا بات ہے؟ اس نے کہا یہ

مقام ہے ٹوٹنے سے تیری پناہ میں آنے کا' اس میں اللہ عزوجل نے فرمایا کیا تو اس سے راضی نہیں؟ کہ تیرے ملانے والے کو میں ملاؤں اور تیرے کاٹنے والے کو میں کاٹ دوں؟ اس نے کہا ہاں اس پر میں بہت خوش ہوں۔ اس حدیث کو بیان فرما کر پھر راوی حدیث حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھ لو ﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ﴾ اور سند سے ہے کہ خود حضور ﷺ نے فرمایا۔ ابوداؤد' ترمذی' ابن ماجہ وغیرہ میں ہے کہ کوئی گناہ اتنا بڑا اور اتنا برا نہیں جس کی بہت جلدی سزا دنیا میں اور پھر اس کی برائی آخرت میں بہت بڑی پہنچتی ہو بہ نسبت سرکشی بغاوت اور قطع رحمی کے۔ مسند احمد میں ہے جو شخص چاہے کہ اس کی عمر بڑی ہو اور روزی کشادہ ہو وہ صلہ رحمی کرے۔ اور حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے کہا میرے نزدیکی قرابت دار مجھ سے توڑتے رہتے ہیں اور میں انھیں معاف کرتا رہتا ہوں وہ مجھ پر ظلم کرتے ہیں اور میں ان کے ساتھ احسان کرتا ہوں اور وہ میرے ساتھ برائیاں کرتے رہتے ہیں تو کیا میں ان سے بدلہ نہ لوں؟ آپ نے فرمایا نہیں اگر ایسا کرو گے تو تم سب کے سب چھوڑ دیئے جاؤ گے تو صلہ رحمی پر ہی رہ اور یاد رکھ کہ جب تک تو اس پر باقی رہے گا اللہ کی طرف سے تیرے ساتھ ہر وقت معاونت کرنے والا رہے گا۔ بخاری وغیرہ میں ہے حضور ﷺ نے فرمایا صلہ رحمی عرش کے ساتھ لٹکی ہوئی ہے۔ حقیقتاً صلہ رحمی کرنے والا وہ نہیں جو کسی احسان کے بدلے احسان کرے بلکہ صحیح معنی میں رشتے ناتے ملانے والا تو وہ ہے کہ گو تو اسے کاٹا جائے وہ تجھ سے ملاتا جائے۔ مسند احمد میں ہے صلہ رحمی قیامت کے دن رکھی جائے گی' اس کی رانیں ہوں گی مثل ہرن کی رانوں کے وہ بہت صاف اور تیز زبان سے بولے گی پس وہ کاٹ دیا جائیگا جو اسے کاٹتا تھا اور وہ ملایا جائے گا جو اسے ملاتا تھا۔ مسند کی ایک اور حدیث میں ہے رحم کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ بھی رحم کرتا ہے تم زمین والوں پر رحم کرو آسمانوں والا تم پر رحم کرے گا رحم رحمٰن کی طرف سے ہے۔ اس کے ملانے والوں کو اللہ تعالیٰ ملاتا ہے اور اس کے توڑنے والے کو خود اللہ تعالیٰ توڑ دیتا ہے۔ یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے اور امام ترمذیؒ اسے صحیح کہتے ہیں۔ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کی بیمار پرسی کے لئے لوگ گئے تو آپ فرمانے لگے تم نے صلہ رحمی کی ہے۔ حضور فرماتے ہیں اللہ عزوجل نے فرمایا ہے میں رحمٰن ہوں اور رحم کا نام میں نے اپنے نام پر رکھا ہے۔ اسے جوڑنے والے کو میں جوڑوں گا اور اس کے توڑنے والے کو میں توڑ دوں گا۔ اور حدیث میں ہے آپ فرماتے ہیں روحیں ملی جلی ہیں جو روز ازل میں میل کر چکی ہیں وہ یہاں یگانگت برتتی ہیں اور جن میں وہاں نفرت رہی ہے یہاں بھی دوری رہتی ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں جب زبانی دعوے بڑھ جائیں عمل گھٹ جائیں زبانی میل جول ہو دلی بغض وعداوت ہو رشتہ دار سے بدسلوکی کرے اور اس وقت ایسے لوگوں پر لعنت اللہ تعالیٰ نازل ہوتی ہے اور ان کے کان بہرے اور آنکھیں اندھی کر دی جاتی ہیں۔ اس بارے میں اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں' واللہ اعلم۔

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا ﴿٢٤﴾ إِنَّ الَّذِينَ ارْتَدُّوا عَلَىٰ أَدْبَارِهِم مِّن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى ۙ الشَّيْطَانُ سَوَّلَ لَهُمْ وَأَمْلَىٰ لَهُمْ ﴿٢٥﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لِلَّذِينَ كَرِهُوا مَا نَزَّلَ اللَّهُ سَنُطِيعُكُمْ فِي بَعْضِ الْأَمْرِ ۖ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِسْرَارَهُمْ ﴿٢٦﴾ فَكَيْفَ إِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ ﴿٢٧﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمُ اتَّبَعُوا مَا أَسْخَطَ اللَّهَ وَكَرِهُوا رِضْوَانَهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ ﴿٢٨﴾

کیا یہ قرآن میں غور و تامل نہیں کرتے؟ بلکہ ان کے دلوں پر ان کے تالے لگ گئے ہیں۔ جو لوگ اپنی پیٹھ پر الٹے پھر گئے اس کے بعد کہ ان کے لئے

ہدایت واضح ہو چکی یقیناً شیطان نے ان کے لئے مزین کر دیا ہے اور انہیں ڈھیل دے رکھی ہے۔ یہ اس لئے کہ انہوں نے ان لوگوں سے جنھوں نے اللہ کی نازل کردہ وحی کو برا سمجھا ہے یہ کہا کہ ہم بھی عنقریب بعض کاموں میں تمہارا کہا مانیں گے 'اللہ ان کی پوشیدہ باتیں خوب جانتا ہے۔ پس ان کی کیسی درگت ہوگی جب کہ فرشتے ان کے چہروں اور ان کی کمروں پر ماریں گے۔ یہ اس بنا پر کہ یہ وہ راہ چلے جس سے انہوں نے اللہ تعالیٰ کو بیزار کر دیا اور انہوں نے اس کی رضامندی کو برا جانا اللہ نے ان کے اعمال اکارت کر دیئے۔

قرآن میں غور و فکر کیوں نہیں کرتے؟: اللہ تعالیٰ اپنے کلام پاک میں غور و فکر کرنے سوچنے سمجھنے کی ہدایت فرماتا ہے اور اس سے بے پرواہی کرنے اور منہ پھیر لینے سے روکتا ہے۔ پس فرماتا ہے کہ غور و تامل تو کجا؟ ان کے تو دلوں پر قفل لگے ہوئے ہیں' کوئی کلام اس میں اثر ہی نہیں کرتا' جائے تو اثر کرے اور جائے کہاں سے جبکہ جانے کی راہ نہ پائے۔ ابن جریر میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ اس آیت کی تلاوت فرما رہے تھے کہ ایک نوجوان یمنی نے کہا بلکہ ان پر ان کے قفل ہیں جب تک اللہ تعالیٰ نہ کھولے اور الگ نہ کرے' پس حضرت عمرؓ کے دل میں یہ بات رہی یہاں تک کہ اپنی خلافت کے زمانے میں اس سے مدد لیتے رہے۔ پھر فرماتا ہے جو لوگ ہدایت ظاہر ہو چکنے کے بعد ایمان سے الگ ہو گئے اور کفر کی طرف لوٹ گئے' دراصل شیطان نے اس کار بد کو ان کی نگاہوں میں اچھا دکھا دیا ہے اور انہیں دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔ دراصل ان کا یہ کفر سزا ہے ان کے اس نفاق کی جو ان کے دل میں تھا جس کی وجہ سے وہ ظاہر کے خلاف اپنا باطن رکھتے تھے۔ کافروں سے مل جل کر انہیں اپنا کرنے کے لئے ان سے باطن میں باطل پر موافقت کر کے کہتے تھے گھبراؤ نہیں ابھی ابھی ہم بھی بعض امور میں تمہارا ساتھ دیں گے۔ لیکن یہ باتیں اس اللہ تعالیٰ سے تو چھپ نہیں سکتیں جو اندرونی اور بیرونی حالات سے یکسر اور یکساں واقف ہو' جو راتوں کے وقت کی پوشیدہ اور راز کی باتیں بھی سنتا ہو۔ جس کے علم کی انتہا نہ ہو۔ پھر فرماتا ہے ان کا کیا حال ہوگا؟ جب کہ فرشتے ان کی روحیں قبض کرنے کو آئیں گے اور ان کی روحیں جسموں میں چھپتی پھریں گی اور ملائکہ جبراً قہراً ڈانٹ جھڑک اور مار پیٹ سے انہیں باہر نکالیں گے جیسے ارشاد باری ہے ﴿وَلَوْ تَرٰۤی اِذْ یَتَوَفَّی الَّذِیْنَ کَفَرُوا الْمَلٰٓئِکَۃُ یَضْرِبُوْنَ وُجُوْھَھُمْ وَ اَدْبَارَھُمْ﴾ الخ کاش تو دیکھتا جبکہ ان کافروں کی روحیں فرشتے قبض کرتے ہوئے ان کے منہ پر طمانچے اور ان کی پیٹھ پر مکے مارتے ہیں الخ اور آیت میں ہے ﴿وَ لَوْ تَرٰۤی اِذِ الظّٰلِمُوْنَ﴾ الخ یعنی کاش کہ تو دیکھتا جب کہ یہ ظالم سکرات موت میں ہوتے ہیں اور فرشتے اپنے ہاتھ ان کی طرف مارنے کے لئے پھیلائے ہوئے ہوتے ہیں اور کہتے ہیں اپنی جانیں نکالو آج تمہیں ذلت کے عذاب کئے جائیں گے اس لئے کہ تم اللہ تعالیٰ کے ذمے ناحق کہا کرتے تھے اور اس کی آیتوں کے پیچھے لگے ہوئے تھے جن سے اللہ تعالیٰ ناخوش ہو اور رب رحیم کی رضا سے کراہیت کرتے تھے۔ پس ان کے اعمال اکارت ہو گئے۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ یُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ ﴿۲۹﴾ وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَیْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِیْمٰهُمْ ؕ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِیْ لَحْنِ الْقَوْلِ ؕ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۰﴾ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰی نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِیْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِیْنَ ۙ وَنَبْلُوَا اَخْبَارَكُمْ ﴿۳۱﴾

کیا ان لوگوں نے جن کے دلوں میں بیماری ہے یہ سمجھ رکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ انکے کینوں کو ظاہر ہی نہ کرے گا۔ اور اگر ہم چاہتے تو ان سب کو تجھے دکھا دیتے پس تو انہیں ان کے چہرے سے ہی پہچان لیتا' اور یقیناً تو انہیں ان کی بات کے ڈھب سے ہی پہچان لے گا' تمہارے سب کام اللہ کو معلوم ہیں۔ یقیناً ہم تمہارا امتحان کر کے تم میں سے جہاد کرنے والوں اور صبر کرنے والوں کو صاف معلوم کر لیں گے اور ہم تمہاری حالتوں کی بھی جانچ کریں گے

انسان کا ظاہر باطن کا غماز ہوتا ہے: یعنی کیا منافقوں کا خیال ہے کہ ان کی مکاری اور عیاری کا اظہار اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر کریگا ہی نہیں؟ یہ بالکل غلط خیال ہے' اللہ تعالیٰ ان کا مکر اس طرح واضح کر دے گا کہ ہر عقلمند انہیں پہچان لے اور ان کی بد باطنی سے بچ سکے۔ ان کے بہت کچھ احوال سورۃ براۃ میں بیان کئے گئے اور ان کے نفاق کی بہت سی خصلتوں کا ذکر وہاں کیا گیا۔ یہاں تک کہ اس سورت کا دوسرا نام ہی فاضحہ رکھ دیا گیا یعنی منافقوں کو فضیحت کرنے والی ﴿اَضْغَانَ﴾ جمع ہے ضغن کی ضغن کہتے ہیں دلی حسد و بغض کو۔ اس کے بعد اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ اے نبی اگر ہم چاہیں تو ان کے وجود تمہیں دکھا دیں پس تم انہیں کھلم کھلا جان جاؤ' لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا ان تمام منافقوں کو بتلا نہیں دیا۔ تاکہ اس کی مخلوق پر پردہ پڑا رہے۔ ان کے عیوب پوشیدہ رہیں ہر ایک کی نگاہ میں ان کی ذلت نہ ہو۔ امور اسلامی ظاہر داری پر رہیں اور باطنی حساب اسی ظاہر و باطن جاننے والے کے ہاتھ رہے۔ لیکن ہاں تم تو ان کی بات چیت کے طرز اور کلام کے ڈھنگ سے ہی صاف پہچان لو گے۔ امیر المومنین حضرت عثمان بن عفانؓ فرماتے ہیں جو شخص کسی پوشیدگی کو چھپاتا ہے' اللہ تعالیٰ اسے اس کے چہرے پر اور اس کی زبان پر ظاہر کر دیتا ہے۔

حدیث میں ہے جو شخص کسی راز کو پردہ میں رکھتا ہے' اللہ تعالیٰ اسے اس پر عیاں کر دیتا ہے وہ بہتر ہے تو اور بدتر ہے تو۔ ہم نے شرح صحیح بخاری کے شروع میں عملی اور اعتقادی نفاق کا بیان پوری طرح کر دیا ہے جس کے دہرانے کی یہاں ضرورت نہیں۔ حدیث میں منافقوں کی ایک جماعت کی تعیین آچکی ہے۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ نے اپنے ایک خطبے میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا تم میں بعض لوگ منافق ہیں پس جس کا میں نام لوں وہ کھڑا ہو جائے۔ پھر فرمایا اے فلاں کھڑا ہو جا اے فلاں کھڑا ہو جا' یہاں تک کہ چھتیس اشخاص کے نام لئے پھر فرمایا تم میں یا تم میں سے منافق ہیں پس اللہ سے ڈرو۔ اس کے بعد ان لوگوں میں سے ایک کے سامنے سے حضرت عمرؓ گزرے وہ اس وقت کپڑے سے اپنا منہ لپیٹے ہوا تھا۔ آپ اسے خوب جانتے تھے پوچھا کہ کیا ہے؟ اس نے حضور کی اوپر والی حدیث بیان کی تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تجھے غارت کرے۔ پھر فرماتا ہے ہم احکام دے کر روک ٹوک کر کے تمہیں خوب آزما کر معلوم کر لیں گے کہ تم میں سے مجاہد کون ہیں؟ اور صبر کرنے والے کون ہیں؟ اور ہم تمہارے احوال آزمائیں گے۔ یہ تو ہر مسلمان جانتا ہے کہ ظاہر ہونے سے پہلے ہی اس علام الغیوب کو ہر چیز اور ہر شخص اور اس کے اعمال معلوم ہیں۔ تو یہاں مطلب یہ ہے کہ دنیا کے سامنے کھول دے اور اس حال کو دیکھ لے اور دکھا دے' اسی لئے حضرت ابن عباسؓ اس جیسے مواقع پر ﴿لِنَعْلَمَ﴾ کے معنی کرتے تھے لنری یعنی تاکہ ہم دیکھ لیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَشَآقُّوا الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى ۙ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۭ وَسَيُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ ﴿۳۲﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۳﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ﴿۳۴﴾ فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْٓا اِلَى السَّلْمِ ڰ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ڰ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۵﴾

جن لوگوں نے کفر کیا اور راہ الٰہی سے لوگوں کو روکا اور رسول کی مخالفت کی اس کے بعد کہ ان کے لئے ہدایت ظاہر ہو چکی یہ یقیناً ہر گز ہر گز اللہ تعالیٰ کا کچھ نقصان نہ کریں گے۔ عنقریب ان کے اعمال وہ غارت کر دے گا۔ اے ایمان والو اللہ کی اطاعت اور رسول کا کہا مانو اور اپنے اعمال کو غارت نہ کرو۔

جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے اوروں کو روکا پھر کفر کی حالت میں ہی مر گئے یقین کر لو اللہ انہیں ہر گز نہ بخشے گا۔ پس تم بودے بن کر صلح کی درخواست پر اس حال میں نہ اتر آؤ کہ تم ہی بلند و غالب ہو اور اللہ تمہارے ساتھ ہے ناممکن ہے کہ وہ تمہارے اعمال ضائع کر دے۔

گمراہ ہونے والا اپنا ہی نقصان کرتا ہے: اللہ سبحانہ و تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ کفر کرنے والے راہ الٰہی کی بندش کرنے والے رسول کی مخالفت کرنے والے ہدایت کے ہوتے ہوئے گمراہ ہونے والے اللہ تعالیٰ کا تو کچھ نہیں بگاڑتے بلکہ اپنا ہی کچھ کھوتے ہیں' کل قیامت والے دن یہ خالی ہاتھ ہوں گے ایک نیکی بھی ان کے پاس نہ ہو گی۔ جس طرح نیکیاں گناہوں کو ہٹا دیتی ہیں اسی طرح ان کے بد ترین جرم و گناہ نے نیکیاں برباد کر دیں۔ امام محمد بن نصر مروزیؒ اپنی کتاب الصلوٰۃ میں حدیث لائے ہیں کہ صحابہؓ کا خیال تھا کہ ﴿لا اله الا الله﴾ کے ساتھ کوئی گناہ نقصان نہیں دیتا جیسے کہ شرک کے ساتھ کوئی نیکی نفع نہیں دیتی اس پر یہ آیت ﴿اطیعو الله﴾ الخ اتری اب اصحاب رسول اس سے ڈرنے لگے کہ گناہ نیکیوں کو باطل نہ کر دیں دوسری سند سے مروی ہے کہ صحابہ کرام کا خیال تھا کہ ہر نیکی بالیقین مقبول ہے یہاں تک کہ یہ آیت اتری تو کہنے لگے کہ ہمارے اعمال کو برباد کرنے والی چیز گناہ کبیرہ اور برائیاں ہیں' یہاں تک کہ آیت ﴿ان الله لا یغفر﴾ الخ نازل ہوئی' اب اس بارے میں کوئی بات کہنے سے رک گئے اور کبیرہ گناہ اور بدکاریاں کرنے والے پر انہیں خوف رہتا تھا اور ان سے بچنے والے کے لئے امید رہتی تھی۔ اسکے بعد اللہ تعالیٰ اپنے باایمان بندوں کو اپنی اور اپنے نبی کی اطاعت کا حکم دیتا ہے جو ان کے لئے دینا اور آخرت کی سعادت کی چیز ہے اور مرتد ہونے سے روک رہا ہے جو اعمال کو غارت کرنے والی چیز ہے۔ پھر فرماتا ہے اللہ سے کفر کرنے والے راہ رب سے روکنے والے اور کفر ہی میں مرنے والے اللہ تعالیٰ کی بخشش سے محروم ہیں۔ جیسے فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ شرک کو نہیں بخشتا۔ اس کے بعد جناب باری عزاسمہ فرماتا ہے کہ اے میرے مومن بندو تم دشمنوں کے مقابلے میں عاجزی کا اظہار نہ کرو اور ان سے دب کر صلح کی دعوت نہ دو حالانکہ قوت و طاقت میں زور و غلبہ میں تعداد و اسباب میں تم قوی ہو۔ ہاں جبکہ کافر قوت میں تعداد میں اسباب میں تم سب سے زیادہ ہوں اور مسلمانوں کا امام مصلحت صلح میں ہی دیکھے تو ایسے وقت بیشک صلح کی طرف جھکنا جائز ہے' جیسے کہ خود رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ کے موقعہ پر کیا جبکہ مشرکین مکہ نے آپ کو مکہ جانے سے روکا تو آپ نے دس سال تک لڑائی بند رکھنے اور صلح قائم رکھنے پر مصالحت کر لی۔ پھر ایمان والوں کو بہت بڑی بشارت و خوش خبری سناتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے اس وجہ سے نصرت و فتح تمہاری ہی ہے تم یقین مانو کہ تمہاری چھوٹی سے چھوٹی نیکی بھی وہ ضائع نہ کریگا بلکہ اس کا پورا پورا اجر و ثواب تمہیں عنایت فرمائے گا' واللہ اعلم۔

اِنَّمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا یُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَلَا یَسْـَٔلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ﴿۳۶﴾ اِنْ یَّسْـَٔلْكُمُوْهَا فَیُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَیُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ ﴿۳۷﴾ هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنْكُمْ مَّنْ یَّبْخَلُ ۚ وَمَنْ یَّبْخَلْ فَاِنَّمَا یَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ وَاللّٰهُ الْغَنِیُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا یَكُوْنُوْۤا اَمْثَالَكُمْ ﴿۳۸﴾

زندگانی دنیا تو صرف کھیل کود ہے۔ اگر تم یقین کرو گے اور بچ کر چلو گے تو اللہ تمہیں تمہارے ثواب دے گا اور وہ تم سے تمہارے مال نہیں مانگتا۔ اگر

وہ تم سے تمہارے مال مانگے اور زور دے کر مانگے تو تم اس وقت بخیلی کرنے لگو گے اور وہ بخیلی تمہارے کینے ظاہر کر دے گی‘ خبردار تم ہو وہ لوگ کہ بلائے جاتے ہو کہ تم راہ الٰہی میں خرچ کرو۔ پھر تم میں سے بعض بخیلی کرنے لگتے ہیں۔ جو بخل کرتا ہے وہ تو دراصل اپنی جان سے بخیلی کرتا ہے‘ اللہ تعالیٰ غنی اور بے نیاز ہے اور تم فقیر اور محتاج ہو‘ اور اگر تم روگرداں ہو جاؤ گے تو وہ تمہارے بدلے تمہارے سوا اور لوگوں کو لائے گا جو پھر تم جیسے نہ ہوں گے۔

دنیا کی بے ثباتی اور ناپائیداری: دنیا کی حقارت اور اس کی قلت و ذلت بیان ہو رہی ہے کہ اس سے بجز تماشے کے اور کچھ حاصل حصول نہیں‘ ہاں جو کام اللہ تعالیٰ کے لئے کئے جائیں وہ باقی رہ جاتے ہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بے پرواہ ہے‘ تمہارے بھلے کام تمہارے ہی نفع کے لئے ہیں‘ وہ تمہارے مالوں کا بھوکا نہیں‘ اس نے تمہیں جو خیر خیرات کا حکم دیا ہے وہ صرف اس لئے کہ تمہارے ہی غرباء فقراء کی پرورش ہو اور پھر تم دار آخرت میں مستحق ثواب بنو۔ پھر انسان کے بخیلی اور بخیلی کے بعد دلی کینے کے ظاہر ہونے کا حال بیان فرمایا۔ مال کے نکالنے میں یہ تو ہوتا ہی ہے کہ مال انسان کو محبوب ہوتا ہے اور اس کا نکالنا اس پر گراں گزرتا ہے۔ پھر بخیلوں کی بخیلی کے وبال کا ذکر ہو رہا ہے کہ فی سبیل اللہ خرچ کرنے سے مال کو روکنا دراصل اپنا ہی نقصان کرنا ہے کیونکہ بخیلی کا وبال اسی پر پڑے گا‘ صدقے کی فضیلت اور اس کے اجر سے محروم بھی رہے گا۔ اللہ سب سے غنی ہے اور سب اسکے در کے بھکاری ہیں۔ غنا خالق کائنات کا وصف لازم ہے اور احتیاج مخلوق کا وصف لازم ہے۔ نہ یہ کہ اس سے کبھی الگ ہوں نہ وہ اس سے پھر فرماتا ہے اگر تم اس کی اطاعت سے روگرداں ہو گئے اس کی شریعت کی تابعداری چھوڑ دی تو وہ تمہارے بدلے تمہارے سوا اور قوم لائے گا جو تم جیسی نہ ہو گی بلکہ وہ سننے اور ماننے والے حکم بردار نافرمانیوں سے بیزار ہوں گے۔ ابن ابی حاتم اور ابن جریر میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب یہ آیت تلاوت فرمائی تو صحابہؓ نے پوچھا کہ حضور! یہ کون لوگ ہیں‘ جو ہمارے بدلے لائے جاتے اور ہم جیسے نہ ہوتے‘ تو آپ نے اپنا ہاتھ حضرت سلمان فارسیؓ کے شانے پر رکھ کر فرمایا یہ اور ان کی قوم‘ اگر دین ثریا کے پاس بھی ہوتا تو اسے فارس کے لوگ لے آتے‘ اس کے ایک راوی مسلم بن خالد زنجی کے بارے میں بعض آئمہ جرح و تعدیل نے کچھ کلام کیا ہے‘ واللہ اعلم ﴿الحمد للہ﴾ اللہ کے فضل و کرم سے سورہ محمد کی تفسیر ختم ہوئی۔

تفسیر سورۂ فتح مدنیہ

بخاری و مسلم اور مسند احمد میں حضرت عبداللہؓ بن مغفل سے روایت ہے کہ فتح مکہ والے سال اثناء سفر میں راہ چلتے رسول اللہ ﷺ نے اپنی اونٹنی پر ہی سورہ فتح کی تلاوت کی اور ترجیع سے پڑھ رہے تھے۔ اگر مجھے لوگوں کے جمع ہو جانے کا ڈر نہ ہوتا تو میں آپ کی تلاوت کی طرح ہی تلاوت کر کے تمہیں سنا دیتا۔

سُوْرَةُ الْفَتْحِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ تِسْعٌ وَعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَفِيْهَا اَرْبَعُ رُكُوْعَاتٍ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ﴿۱﴾ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۲﴾ وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا ﴿۳﴾

شروع اللہ نہایت مہربان بہت رحم والے کے نام سے۔

بیشک (اے نبی!) ہم نے تجھے ایک ظاہر فتح دی ہے' تاکہ جو کچھ تیرے گناہ کئے ہوئے اور جو پیچھے رہے سب کو اللہ تعالٰی معاف فرمادے اور تجھ پر اپنا احسان پورا پورا کرے اور تجھے سیدھی راہ چلائے' اور تجھے ایک زبردست مدد دے۔

سورۃ فتح کا شان نزول نیز نبی کی عبادت کا حال: ذی قعدہ ۶ ہجری میں رسول اللہ ﷺ عمرہ ادا کرنے کے ارادے سے مدینہ سے مکہ کو چلے لیکن راہ میں مشرکین مکہ نے روک دیا اور مسجد الحرام کی زیارت سے مانع ہوئے پھر وہ لوگ صلح کی طرف جھکے اور حضور ﷺ نے بھی اس بات پر کہ آپ اگلے سال عمرہ ادا کریں گے ان سے صلح کر لی جسے صحابہؓ کی ایک بڑی جماعت پسند نہ کرتی تھی جس میں خاص قابل ذکر ہستی حضرت عمر فاروق کی ہے۔ آپ نے وہیں اپنی قربانیاں کیں اور لوٹ گئے جس کا پورا واقعہ ابھی اسی سورت کی تفسیر میں آرہا ہے' انشاء اللہ۔ پس لوٹتے ہوئے راہ میں یہ مبارک سورت آپ پر نازل ہوئی جس میں اس واقعہ کا ذکر ہے اور اس صلح کو باعتبار نتیجہ فتح کہا گیا۔ ابن مسعودؓ وغیرہ سے مروی ہے کہ تم تو فتح فتح مکہ کو کہتے ہو لیکن ہم صلح حدیبیہ کو فتح جانتے تھے۔ حضرت جابرؓ سے بھی یہی مروی ہے۔ صحیح بخاری میں ہے' حضرت براءؓ فرماتے ہیں تم فتح مکہ کو فتح شمار کرتے ہو اور ہم بیعت الرضوان کے واقعہ حدیبیہ کو فتح گنتے ہیں۔ ہم چودہ سو آدمی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اس موقعہ پر تھے' حدیبیہ نامی ایک کنواں تھا۔ ہم نے اس میں سے پانی اپنی ضرورت کے مطابق لینا شروع کیا۔ تھوڑی دیر میں پانی بالکل ختم ہو گیا ایک قطرہ بھی نہ بچا۔ آخر پانی کے نہ ہونے کی شکایت حضور ﷺ کے کانوں تک پہنچی آپ اس کنوئیں کے پاس آئے اس کے کنارے بیٹھ گئے اور پانی کا برتن منگوا کر وضو کیا جس میں کلی بھی کی پھر دعا کی اور وہ پانی اس کنوئیں میں ڈلوا دیا تھوڑی دیر بعد جو ہم نے دیکھا تو وہ پانی سے لبالب بھرا ہوا تھا ہم نے بھی پیا جانوروں نے بھی پیا اپنی حاجتیں پوری کیں اور سارے برتن بھر لئے۔ مسند احمد میں حضرت عمر بن خطابؓ سے مروی ہے کہ ایک سفر میں میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا تین مرتبہ میں نے آپ سے کچھ پوچھا۔ آپ نے کوئی جواب نہ دیا۔ اب تو مجھے سخت ندامت ہوئی اس امر پر کہ افسوس میں نے حضور ﷺ کو تکلیف دی آپ جواب دینا نہیں چاہتے اور میں خواہ مخواہ سر ہوتا رہا۔ پھر مجھے ڈر لگنے لگا کہ میری اس بے ادبی پر میرے بارے میں کوئی وحی آسمانی نہ نازل ہو' چنانچہ میں نے اپنی سواری کو تیز کیا اور آگے نکل گیا۔ تھوڑی دیر گذری تھی کہ میں نے سنا کوئی منادی میرے نام کی ندا کر رہا ہے۔ میں نے جواب دیا تو اس نے کہا چلو تمہیں حضور یاد فرماتے ہیں۔ اب تو میرا سناٹا نکل گیا کہ ضرور کوئی وحی نازل ہوئی اور میں ہلاک ہوا۔ جلدی جلدی حاضر حضور ہوا تو آپ نے فرمایا گذشتہ شب مجھ پر ایک سورت اتری ہے جو مجھے دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہے۔ پھر آپ نے ﴿اِنَّا فَتَحْنَا﴾ کی تلاوت کی۔ یہ حدیث بخاری ترمذی اور نسائی میں بھی ہے۔ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں حدیبیہ سے لوٹتے ہوئے لیغفر لک اللہ نازل ہوئی تو حضور ﷺ نے فرمایا مجھ پر ایک آیت اتاری گئی ہے جو مجھے روئے زمین سے زیادہ محبوب ہے پھر آپ نے یہ آیت پڑھ سنائی صحابہؓ آپ کو مبارک باد دینے لگے' اور کہا حضور ﷺ! یہ تو ہوئی آپ کے لئے ہمارے لئے کیا ہے؟ اس پر یہ آیت ﴿لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ سے ﴿عَظِيْمًا﴾ تک نازل ہوئی (بخاری و مسلم)۔ حضرت مجمع بن حارثہ انصاریؓ جو قاری قرآن تھے فرماتے ہیں حدیبیہ سے ہم واپس آرہے تھے جو میں نے دیکھا کہ لوگ اونٹوں کو بھگائے لئے جارہے ہیں پوچھا کیا بات ہے؟ معلوم ہوا کہ حضور ﷺ پر کوئی وحی نازل ہوئی ہے تو ہم لوگ بھی اپنے اونٹوں کو دوڑاتے ہوئے سب کے ساتھ پہنچے۔ آپ اس وقت کراع الغمیم میں تھے جب سب جمع ہو گئے تو آپ نے یہ سورت تلاوت کر کے سنائی تو ایک صحابی نے کہا یارسول اللہ کیا یہ فتح ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں قسم اس کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے یہ فتح ہے۔ خیبر کی تقسیم صرف انہیں پر کی گئی جو حدیبیہ میں موجود تھے۔ اٹھارہ حصے بنائے گئے کل لشکر پندرہ سو کا تھا جس میں تین سو گھوڑے سوار تھے پس سوار کو دوہرا حصہ ملا اور پیدل کو اکہرا (ابوداؤد وغیرہ)۔ حضرت عبداللہؓ بن مسعودؓ فرماتے ہیں' حدیبیہ سے آتے ہوئے ایک جگہ رات گزارنے کے لئے ہم اترے سو گئے تو ایسے سوئے کہ سورج نکلنے کے بعد جاگے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ بھی سوئے ہوئے ہیں۔ ہم نے کہا آپ کو جگانا چاہئے جو آپ خود

جاگ گئے اور فرمانے لگے جو کچھ کیا کرتے تھے کرو اور اسی طرح کرے جو سو جائے یا بھول جائے اسی سفر میں حضور ﷺ کی اونٹنی کہیں گم ہو گئی ہم ڈھونڈنے کو نکلے تو دیکھا کہ ایک درخت میں نکیل اٹک گئی ہے اور وہ رکی کھڑی ہے۔ اسے پکڑ کر حضور ﷺ کے پاس لائے آپ سوار ہوئے اور ہم نے کوچ کیا۔ ناگہاں راستے میں ہی آپ پر وحی آنے لگی۔ وحی کے وقت آپ پر بہت دشواری ہوتی تھی' جب وحی ہٹ گئی تو آپ نے ہمیں بتلایا کہ آپ پر سورۂ ﴿اِنَّا فَتَحْنَا﴾ الخ اتری ہے (ابوداؤد' نسائی' مسند وغیرہ)

حضور ﷺ نوافل تہجد وغیرہ میں اس قدر وقت لگاتے کہ پیروں پر ورم چڑھ جاتا تو آپ سے کہا گیا کہ کیا اللہ نے آپ کے اگلے پچھلے گناہ معاف نہیں فرما دیئے ؟ آپ نے جواب دیا کیا پھر میں اللہ تعالیٰ کا شکر گذار غلام نہ بنوں ؟ (بخاری و مسلم)۔ اور روایت میں ہے کہ یہ پوچھنے والی عائشہؓ تھیں (مسلم) پس مبین سے مراد کھلی صریح صاف ظاہر ہے اور فتح سے مراد صلح حدیبیہ ہے جس کی وجہ سے بڑی خیر و برکت حاصل ہوئی 'لوگوں میں امن و امان ہوا مومن کافر میں بول چال شروع ہو گئی۔ علم اور ایمان کے پھیلانے کا موقع ملا۔ آپ کے اگلے پچھلے گناہوں کی معافی یہ آپ کا خاصہ ہے جس میں کوئی اور آپ کا شریک نہیں۔ ہاں بعض اعمال کے ثواب میں یہ الفاظ اوروں کے لئے بھی آئے ہیں۔ اس میں حضور اکرم ﷺ کی بہت بڑی شرافت و عظمت ہے' آپ اپنے تمام کاموں میں بھلائی' استقامت اور اللہ کی فرمانبرداری پر مستقیم تھے ایسے کہ اولین و آخرین میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا۔ آپ تمام انسانوں میں سب سے زیادہ اکمل انسان اور دنیا و آخرت میں کل اولاد آدم کے سردار اور رہبر تھے' اور چونکہ حضور ﷺ سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار اور سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے احکام کا لحاظ کرنے والے تھے اسی لئے جب آپ کی اونٹنی آپ کو لے کے بیٹھ گئی تو آپ نے فرمایا اسے ہاتھیوں کے روکنے والے نے روک لیا ہے اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے آج یہ کفار مجھ سے جو مانگیں گے دوں گا بشرطیکہ اللہ تعالیٰ کی حرمت کی ہتک نہ ہو۔ پس جب آپ نے اللہ تعالیٰ کی مان لی صلح کو قبول کر لیا تو اللہ عزوجل نے فتح کی سورت اتاری اور دنیا اور آخرت میں اپنی نعمتیں آپ پر پوری کیں اور شرع عظیم اور دین قویم کی طرف آپ کی رہبری کی اور آپ کے خشوع و خضوع کی وجہ سے اللہ نے آپ کو بلند و بالا کیا' آپ کی تواضع فروتنی عاجزی اور انکساری کے بدلے آپ کو عز و جاہ مرتبہ و منصب عطا فرمایا' آپ کے دشمنوں پر آپ کو غلبہ دیا' چنانچہ خود آپ کا فرمان ہے بندہ درگزر کرنے سے عزت میں بڑھ جاتا ہے اور عاجزی اور انکساری کرنے سے بلندی اور عالی رتبہ حاصل کر لیتا ہے۔ حضرت عمر بن خطابؓ کا قول ہے کہ تو نے کسی کو جس نے تیرے بارے میں اللہ کی نافرمانی کی ہو ایسی سزا نہیں دی کہ تو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ ۭ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝ وَّيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ الظَّاۗنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ ۭ عَلَيْهِمْ دَاۗىِٕرَةُ السَّوْءِ ۚ وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ۝ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝

وہی ہے جس نے مسلمانوں کے دلوں میں سکون اور اطمینان ڈال دیا تاکہ اپنے ایمان کے ساتھ ہی ساتھ اور بھی ایمان میں بڑھ جائیں۔ آسمانوں اور زمین کے کل لشکر اللہ ہی کے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ دانا با حکمت ہے۔ انجام کار یہ ہے کہ مسلمان مردوں عورتوں کو ان جنتوں میں لے جائے جن کے

نیچے چشمے بہہ رہے ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے اور ان سے ان کے گناہ دور کر دے' اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بہت بڑی کامیابی حاصل کر لینا ہے۔ تاکہ منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرکہ عورتوں کو عذاب کرلے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ بدگمانیاں رکھنے والے ہیں' دراصل انہیں پر برائی کا پھیرا ہے' اللہ ان پر ناراض ہوا اور انہیں لعنت کی اور ان کے لئے دوزخ تیار کی۔ اور وہ بہت بری لوٹنے کی جگہ ہے۔ اور اللہ ہی کے لئے ہیں لشکر آسمانوں اور زمین کے' اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔

ایمان بڑھتا اور گھٹتا ہے: سکینہ کے معنی ہیں اطمینان رحمت اور وقار کے۔ فرمان ہے کہ حدیبیہ والے دن جن باایمان صحابہؓ نے اللہ اور اس کے رسول کی بات مان لی اللہ نے ان کے دلوں کو مطمئن کر دیا اور ان کے ایمان اور بڑھ گئے۔ اس سے حضرت امام بخاریؒ وغیرہ آئمہ کرام نے استدلال کیا ہے کہ دلوں میں ایمان بڑھتا ہے اور اسی طرح گھٹتا بھی ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لشکروں کی کمی نہیں وہ اگر چاہتا تو خود ہی کفار کو ہلاک کر دیتا ایک فرشتے کو بھیج دیتا تو وہ ان سب کو بے نشان اور برباد کر دینے کے لئے بس تھا' لیکن اس نے اپنی حکمت بالغہ سے ایمانداروں کو جہاد کا حکم دیا جس میں اس کی حجت بھی پوری ہو جائے اور دلیل بھی سامنے آ جائے' اس کا کوئی کام علم و حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ اس میں ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ ایمانداروں کو اپنی بہترین نعمتیں اس بہانے عطا فرمائے۔ پہلے یہ روایت گذر چکی ہے کہ صحابہؓ نے جب حضور ﷺ کو مبارک باد دی اور پوچھا کہ حضور ہمارے لئے کیا ہے؟ تو اللہ عزوجل نے یہ آیت اتاری کہ مومن مرد و عورتیں جنتوں میں جائیں گے جہاں چپے چپے پر نہریں جاری ہیں اور جہاں وہ ابد آلاباد تک رہیں گے اور اس لئے بھی کہ اللہ تعالیٰ ان کے گناہ اور ان کی برائیاں دور اور دفع کر دے انہیں ان کی برائیوں کی سزا نہ دے بلکہ معاف فرما دے درگذر کرے' بخش دے پردہ ڈال دے رحم کرے اور ان کی قدر دانی کرے' دراصل یہی اصل کامیابی ہے' جیسے کہ اللہ عزوجل نے فرمایا ﴿فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ﴾ الخ یعنی جو جہنم سے دور کر دیا گیا اور جنت میں پہنچا دیا گیا وہ مراد کو پہنچ گیا۔ پھر ایک اور وجہ اور غایت بیان کی جاتی ہے کہ اس لئے بھی کہ نفاق اور شرک کرنے والے مرد و عورت جو اللہ کے احکام میں بدظنی کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ اور اصحاب رسول کے ساتھ برے خیال رکھتے ہیں کہ یہ ہیں ہی کتنے؟ آج نہیں تو کل ان کا نام و نشان مٹا دیا جائے گا' اس جنگ میں بچ گئے تو اور کسی لڑائی میں تباہ ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ دراصل اس برائی کا دائرہ انہیں پر ہے ان پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے' یہ رحمت اللہ تعالیٰ سے دور ہیں ان کی جگہ جہنم ہے اور وہ بدترین ٹھکانا ہے۔ دوبارہ اپنی قوت قدرت اور اپنے بندوں کے دشمنوں سے انتقام لینے کی طاقت کو ظاہر فرماتا ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کے لشکر سب اللہ تعالیٰ ہی کے ہیں اور اللہ عزوجل عزیز و حکیم ہے۔

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ﴿٨﴾ لِتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ وَتُسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ﴿٩﴾ إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ ۚ فَمَنْ نَكَثَ فَإِنَّمَا يَنْكُثُ عَلَىٰ نَفْسِهِ ۖ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللَّهَ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿١٠﴾

یقیناً ہم نے تجھے اظہار حق کرنے والا اور خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے تاکہ اے مسلمانو تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کی مدد کرو اور اس کا ادب کرو' اور اللہ کی پاکی بیان کرو صبح اور شام' جو لوگ کہ تجھ سے بیعت کرتے ہیں وہ یقیناً اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں' ان کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے۔ پھر جو شخص عہد شکنی کرے وہ اپنے نفس پر ہی عہد شکنی کرتا ہے۔ اور جو شخص اس اقرار کو پورا کرے جو اس نے اللہ

تعالیٰ کے ساتھ کیا ہے تو اسے عنقریب اللہ تعالیٰ بہت بڑا اجر دے گا۔

صلح حدیبیہ کا واقعہ احادیث کی روشنی میں: اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو فرماتا ہے ہم نے تمہیں اپنی مخلوق پر شاہد بنا کر' مومنوں کو خوشخبریاں سنانے والا بنا کر' کافروں کو ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ اس آیت کی پوری تفسیر سورۂ احزاب میں گذر چکی ہے تاکہ تم لوگ اللہ پر اور اس کے نبی پر ایمان لاؤ' اس کی عظمت و احترام کرو' بزرگی اور پاکیزگی کو تسلیم کرو' اور اس کے لئے کہ تم اللہ تعالیٰ کی صبح و شام تسبیح کرو۔ پھر اللہ اپنے نبی کی تعظیم و تکریم بیان فرماتا ہے کہ جو لوگ تجھ سے بیعت کرتے ہیں وہ دراصل خود اللہ تعالیٰ سے ہی بیعت کرتے ہیں۔ ارشاد ہے ﴿مَنْ يُطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾ یعنی جس نے رسول ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کا کہا مانا۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے' یعنی وہ ان کے ساتھ ہے ان کی باتیں سنتا ہے ان کا مکان دیکھتا ہے ان کے ظاہر و باطن کو جانتا ہے' پس دراصل رسول اللہ ﷺ کے واسطے سے ان سے بیعت لینے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے' جیسے فرمایا ﴿اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ الخ یعنی اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید لئے ہیں اور ان کے بدلے میں جنت انہیں دے دی ہے۔ اور راہ الٰہی میں جہاد کرتے ہیں مرتے ہیں اور مارتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ سچا وعدہ تورات و انجیل میں بھی موجود ہے اور اس قرآن میں بھی' سمجھ لو کہ اللہ سے زیادہ سچے وعدے والا کون ہوگا؟ پس تمہیں اس خرید و فروخت پر خوش ہو جانا چاہئے دراصل سچی کامیابی یہی ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جس نے راہ الٰہی میں تلوار تول لی اس نے اللہ سے بیعت کر لی۔ اور حدیث میں ہے حجر اسود کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا اسے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کھڑا کرے گا اس کی دو آنکھیں ہوں گی جن سے دیکھے گا اور زبان ہوگی جس سے بولے گا اور جس نے اسے حق کے ساتھ بوسہ دیا ہے اس کی گواہی دے گا اسے بوسہ دینے والا دراصل اللہ تعالیٰ سے بیعت کرنے والا ہے۔ پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی۔ پھر فرمایا ہے جو بیعت کے بعد عہد شکنی کرے اس کا وبال خود اسی پر ہوگا اللہ کا وہ کچھ نہ بگاڑے گا اور جو اپنی بیعت کو نبھا جائے وہ بڑا ثواب پائے گا۔ یہاں جس بیعت کا ذکر ہے وہ بیعت الرضوان ہے جو ایک ببول کے درخت تلے حدیبیہ کے میدان میں ہوئی تھی' اس دن بیعت کرنے والے صحابہ کی تعداد تیرہ سو چودہ سو یا پندرہ سو تھی' ٹھیک یہ ہے کہ چودہ سو تھی۔ اس واقعہ کی حدیثیں ملاحظہ ہوں۔ بخاری شریف میں ہے ہم اس دن چودہ سو تھے۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ آپ نے اس پانی میں ہاتھ رکھا پس آپ کے انگلیوں کے درمیان سے پانی کی سوتیں ابلنے لگیں۔ یہ حدیث مختصر ہے اس حدیث سے جس میں ہے کہ صحابہ سخت پیاسے ہوئے پانی تھا نہیں' حضور ﷺ نے انہیں اپنے ترکش میں سے ایک تیر نکال کر دیا انہوں نے جا کر حدیبیہ کے کنویں میں اسے گاڑ دیا۔ اب تو پانی جوش کے ساتھ ابلنے لگا یہاں تک کہ سب کو کافی ہو گیا۔ حضرت جابرؓ سے پوچھا گیا کہ اس روز تم کتنے تھے؟ فرمایا چودہ سو لیکن اگر ایک لاکھ بھی ہوتے تو پانی اس قدر تھا کہ سب کو کافی ہو جاتا۔ بخاری کی اور روایت میں ہے کہ پندرہ سو تھے' حضرت جابرؓ سے ایک روایت میں پندرہ سو بھی مروی ہے' امام بیہقیؒ فرماتے ہیں فی الواقعہ تھے تو پندرہ سو اور یہی حضرت جابرؓ کا پہلا قول تھا پھر آپ کو کچھ وہم سا ہو گیا اور چودہ سو فرمانے لگے' ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ سوا پندرہ سو تھے لیکن آپ سے مشہور روایت چودہ سو کی ہے اکثر راویوں اور اکثر سیرت نویس بزرگوں کا یہی قول ہے کہ چودہ سو تھے۔ ایک روایت میں ہے اصحاب شجرہ چودہ سو تھے اور اس دن آٹھواں حصہ مہاجرین کا مسلمان ہوا۔ سیرت محمد بن اسحٰق میں ہے کہ حدیبیہ والے سال رسول مقبول ﷺ اپنے سات سو صحابہ کو لے کر زیارت بیت اللہ کے ارادے سے مدینہ منورہ سے چلے۔ قربانی کے ستر اونٹ بھی آپ کے ہمراہ تھے ہر دس اشخاص کی طرف سے ایک اونٹ۔ ہاں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ آپ کے ساتھی اس دن چودہ سو تھے۔ ابن اسحٰق اسی طرح کہتے ہیں اور یہ ان کے اوہام میں شمار ہے۔ بخاری و مسلم میں جو محفوظ ہے وہ یہ کہ ایک ہزار کئی سو تھے' جیسے ابھی آ رہا ہے' انشاء اللہ تعالیٰ۔

اس بیعت کا سبب سیرت محمد بن اسحٰق میں ہے کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرؓ کو بلوایا کہ آپ کو مکہ بھیج کر قریش کے

سرداروں سے کہلوائیں کہ حضور لڑائی بھڑائی کے ارادے سے نہیں آئے بلکہ آپ بیت اللہ کے عمرے کے لئے آئے ہیں' لیکن حضرت عمرؓ نے فرمایا یا رسول اللہ ﷺ میرے خیال سے تو اس کام کے لئے آپ (حضرت) عثمان کو بھیجیں کیونکہ مکہ میں میرے خاندان میں سے کوئی نہیں یعنی بنو عدی بن کعب کا قبیلہ نہیں جو میری حمایت کرے آپ جانتے ہیں کہ قریش سے میں نے کتنی کچھ اور کیا کچھ دشمنی کی ہے اور مجھ سے وہ کس قدر خار کھائے ہوئے ہیں تو مجھے تو وہ زندہ بھی نہیں چھوڑیں گے' چنانچہ حضور ﷺ نے اس رائے کو پسند فرما کر جناب عثمان ذوالنورینؓ کو ابوسفیان اور سرداران قریش کے پاس بھیجا۔ آپ جا ہی رہے تھے کہ راستے میں یا مکہ میں داخل ہوتے ہی ابان بن سعید بن عاص مل گئے اور اس نے آپ کو اپنے آگے اپنی سواری پر بٹھالیا اور اپنی امان میں انہیں اپنے ساتھ مکہ میں لے گئے۔ آپ قریش کے بڑوں کے پاس گئے اور حضور ﷺ کا پیغام پہنچایا۔ انہوں نے کہا کہ آپ اگر بیت اللہ کا طواف کرنا چاہیں تو کر لیجئے۔ آپ نے جواب دیا کہ یہ ناممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پہلے میں طواف کرلوں۔ اب ان لوگوں نے جناب ذوالنورین کو روک لیا۔ ادھر لشکر اسلام میں یہ خبر مشہور ہوگئی کہ حضرت عثمانؓ کو شہید کر ڈالا گیا۔ اس وحشت اثر خبر نے مسلمانوں کو اور خود اللہ کے رسول ﷺ کو بڑا صدمہ پہنچایا اور آپ نے فرمایا کہ اب تو ہم بغیر فیصلہ کئے یہاں سے نہیں ہٹنے کے چنانچہ آپ نے صحابہؓ کو بلوایا اور ان سے بیعت لی' ایک درخت تلے یہ بیعت الرضوان ہوئی۔ لوگ کہتے ہیں یہ بیعت موت پر لی تھی یعنی لڑتے لڑتے مر جائیں گے' لیکن حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ موت پر بیعت نہیں لی تھی بلکہ اس اقرار پر کہ ہم لڑائی سے بھاگیں گے نہیں۔ جتنے مسلمان صحابہ اس میدان میں تھے سب نے آپ سے بہ رضامندی بیعت کی بجز جد بن قیس کے جو قبیلہ بنو سلمہ کا ایک شخص تھا' یہ اپنی اونٹنی کی آڑ میں چھپ گیا۔ پھر حضور ﷺ کو اور صحابہ کو معلوم ہو گیا کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کی افواہ غلط تھی۔ اس کے بعد قریش نے سہیل بن عمرو حویطب ابن عبدالعزی اور مکرز بن حفص کو آپ کے پاس بھیجا یہ لوگ ابھی یہیں تھے جو بعض مسلمانوں اور بعض مشرکوں میں کچھ تیز کلامی شروع ہوگئی نوبت یہاں تک پہنچی کہ سنگ باری اور تیر باری بھی ہوئی اور دونوں طرف کے لوگ کھنچ گئے ادھر ان لوگوں نے حضرت عثمانؓ وغیرہ کو روک لیا ادھر یہ لوگ رک گئے اور رسول اللہ ﷺ کے منادی نے ندا کر دی کہ روح القدس اللہ کے رسول کے پاس آئے اور بیعت کا حکم دے گئے آؤ اللہ کا نام لے کر بیعت کر جاؤ۔ اب کیا تھا مسلمان بیتابانہ دوڑے ہوئے حاضر حضور ہوئے آپ اس وقت درخت تلے تھے سب نے بیعت کی اس بات پر کہ وہ ہرگز ہرگز کسی صورت میں میدان سے منہ موڑنے کا نام نہ لیں گے۔ اس سے مشرکین کانپ اٹھے اور جتنے مسلمان ان کے پاس تھے سب کو چھوڑ دیا اور صلح کی درخواست کرنے لگے۔

بیہقی میں ہے کہ بیعت کے وقت اللہ کے رسول نے فرمایا اے اللہ عثمان تیرے رسول کے کام کو گئے ہوئے ہیں۔ پس آپ نے خود اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر رکھا گویا حضرت عثمان کی طرف سے بیعت کی۔ پس حضرت عثمان کے لئے رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ ان کے اپنے ہاتھ سے بہت افضل تھا۔ اس بیعت میں سب سے پہل کرنے والے حضرت ابو سنان اسدی تھے' انہوں نے سب سے آگے بڑھ کر فرمایا حضور! ہاتھ پھیلائے تاکہ میں بیعت کرلوں۔ آپ نے فرمایا کس بات پر بیعت کرتے ہو؟ جواب دیا جو آپ کے دل میں ہو اس پر۔ آپ کے والد کا نام وہب تھا۔ صحیح بخاری میں حضرت نافع سے مروی ہے کہ لوگ کہتے ہیں حضرت عمرؓ کے لڑکے عبداللہ نے اپنے والد سے پہلے اسلام قبول کیا۔ دراصل واقعہ یوں نہیں بات یہ ہے کہ حدیبیہ والے سال حضرت عمرؓ نے اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ کو ایک انصاری کے پاس بھیجا کہ جا کر اپنا گھوڑا لے آؤ اس وقت رسول اللہ ﷺ لوگوں سے بیعت لے رہے تھے۔ حضرت عمرؓ کو اس کا علم نہ تھا یہ اپنے طور پر پوشیدگی سے لڑائی کی تیاریاں کر رہے تھے۔ حضرت عبداللہ نے دیکھا کہ حضور ﷺ کے ہاتھ پر بیعت ہو رہی ہے تو یہ تو بیعت سے مشرف ہوئے' پھر گھوڑا لینے گئے اور گھوڑا لاکر حضرت عمرؓ کے پاس آئے اور کہا کہ حضور ﷺ بیعت لے رہے ہیں' اب جناب فاروقؓ آئے اور حضور ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس بنا پر لوگ کہتے ہیں کہ بیٹے کا اسلام باپ سے پہلے کا ہے۔ بخاری کی دوسری

روایت میں ہے کہ لوگ الگ الگ درختوں تلے آرام کر رہے تھے جو حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ ہر ایک کی نگاہیں حضور ﷺ پر ہیں اور لوگ آپ کو گھیرے ہوئے ہیں حضرت عبداللہؓ سے فرمایا جاؤ ذرا دیکھو تو کیا ہو رہا ہے؟ یہ آئے دیکھا کہ بیعت ہو رہی ہے تو بیعت کر لی پھر جا کر حضرت عمرؓ کو خبر کی۔ چنانچہ آپ بھی فوراً آئے اور بیعت سے مشرف ہوئے۔ حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ جب ہم نے بیعت کی ہے اس وقت حضرت عمر فاروقؓ آپ کا ہاتھ تھامے ہوئے تھے اور آپ ایک ببول کے درخت تلے تھے الخ۔ حضرت معقل بن یسارؓ کا بیان ہے کہ اس موقعہ پر درخت کی ایک جھکی ہوئی شاخ کو آپ کے سر سے اوپر کو اٹھا کر میں تھامے ہوئے تھا' ہم نے آپ سے موت پر بیعت نہیں کی بلکہ نہ بھاگنے پر۔ حضرت سلمہ بن اکوع فرماتے ہیں ہم نے مرنے پر بیعت کی تھی۔ آپ فرماتے ہیں ایک مرتبہ بیعت کر کے میں ہٹ کر ایک طرف کو کھڑا ہو گیا تو آپ نے مجھ سے فرمایا سلمہ تم بیعت نہیں کرتے؟ میں نے کہا حضور میں نے تو بیعت کر لی۔ آپ نے فرمایا خیر آؤ بیعت کرو۔ چنانچہ میں نے قریب جا کر پھر بیعت کی۔ حدیبیہ کا وہ کنواں جس کا ذکر اوپر گذرا صرف اتنے پانی کا تھا کہ پچاس بکریاں بھی آسودہ نہ ہو سکیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ دوبارہ بیعت کر لینے کے بعد آپ نے جو دیکھا تو معلوم ہوا کہ میں بے سپر ہوں تو آپ نے مجھے ایک ڈھال عنایت فرمائی پھر لوگوں سے بیعت لینی شروع کر دی' پھر آخری مرتبہ میری طرف دیکھ کر فرمایا سلمہ تم بیعت نہیں کرتے؟ میں نے کہا یارسول اللہ پہلی مرتبہ جن لوگوں نے بیعت کی میں نے ان کے ساتھ ہی بیعت کی تھی پھر بیچ میں دوبارہ بیعت کر چکا ہوں۔ آپ نے فرمایا اچھا پھر سہی۔ چنانچہ اس آخری جماعت کے ساتھ بھی میں نے بیعت کی۔ آپ نے پھر میری طرف دیکھ کر فرمایا سلمہ تمہیں ہم نے جو ڈھال دی تھی وہ کیا ہوئی؟ میں نے کہا یارسول اللہ (ﷺ) حضرت عامر سے میری ملاقات ہوئی تو میں نے دیکھا کہ اس کے پاس دشمن کا وار روکنے کو کوئی چیز نہیں میں نے وہ ڈھال انہیں دے دی' تو آپ ہنسے اور فرمایا تم بھی اس شخص کی طرح ہو جس نے اللہ سے دعا کی کہ اے اللہ میرے پاس کسی ایسے کو بھیج دے جو مجھے میری جان سے بھی زیادہ عزیز ہو۔

پھر اہل مکہ نے صلح کی تحریک کی آمد و رفت ہوئی اور صلح ہو گئی۔ میں حضرت طلحہ بن عبیداللہؓ کا خادم تھا ان کے گھوڑے کی اور ان کی خدمت کیا کرتا تھا۔ وہ مجھے کھانے کو دے دیتے تھے میں تو اپنا گھر بار بال بچے مال و دولت سب راہ الٰہی میں چھوڑ کر ہجرت کر کے چلا آیا تھا۔ جب صلح ہو چکی ادھر کے لوگ ادھر ادھر کے ادھر آنے لگے تو میں ایک درخت تلے جا کر کانٹے وغیرہ ہٹا کر اس کی جڑ سے لگ کر سو گیا' اچانک مشرکین مکہ میں سے چار شخص وہیں آئے اور حضور ﷺ کی شان میں کچھ گستاخانہ کلمات سے آپس میں باتیں کرنے لگے مجھے برا معلوم ہوا میں وہاں سے اٹھ کر دوسرے درخت تلے چلا گیا' ان لوگوں نے اپنے ہتھیار اتارے درخت پر لٹکا کر وہاں لیٹ گئے' تھوڑی دیر گذری ہو گی جو میں نے سنا کہ وادی کے نیچے کے حصے سے کوئی منادی ندا کر رہا ہے کہ اے مہاجر بھائیو (حضرت) دہیم قتل کر دیئے گئے' میں نے جھٹ سے تلوار تانی اور اسی درخت تلے گیا جہاں وہ چاروں سوئے ہوئے تھے' جاتے ہی پہلے تو ان کے ہتھیار قبضے میں کئے اور اپنے ایک ہاتھ میں انہیں دبا کر دوسرے ہاتھ سے تلوار تول کر ان سے کہا سنو اس رب کی قسم جس نے حضرت محمد ﷺ کو عزت دی ہے تم میں سے جس نے بھی سر اٹھایا میں اس کا سر قلم کر دوں گا۔ جب وہ اسے مان چکے میں نے کہا اٹھو اور میرے آگے آگے چلو چنانچہ ان چاروں کو لے کر میں رسول اللہ ﷺ کے خدمت میں حاضر ہوا' ادھر میرے چچا (حضرت) عامرؓ بھی مکرز نامی عبلات کے ایک مشرک کو گرفتار کر کے لائے اور بھی اسی طرح کے ستر مشرکین حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر کئے گئے تھے۔ آپ نے ان کی طرف دیکھا اور فرمایا انہیں چھوڑ دو برائی کی ابتدا بھی انہیں کے سر رہے اور پھر اس کی تکرار کے ذمہ دار بھی یہی رہیں چنانچہ سب کو رہا کر دیا گیا۔ اسی کا بیان آیت ﴿وَهُوَ الَّذِیْ كَفَّ اَیْدِیَهُمْ عَنْكُمْ﴾ الخ میں ہے۔

حضرت سعید بن مسیّب کے والد بھی اس موقعہ پر حضور ﷺ کے ساتھ تھے۔ آپ کا بیان ہے کہ اگلے سال جب ہم حج کو گئے تو اس درخت کی جگہ ہم پر پوشیدہ رہی ہم نہ معلوم کر سکے کہ جس جگہ حضور ﷺ کے ہاتھ پر ہم نے بیعت کی تھی' اب اگر تم پر یہ

پوشیدگی کھل گئی ہو تو تم جانو۔ ایک روایت میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ اس وقت حضور ﷺ نے فرمایا آج زمین پر جتنے ہیں ان سب میں افضل تم لوگ ہو۔ آپ فرماتے ہیں اگر میری آنکھیں ہوتیں تو میں تمہیں اس درخت کی جگہ دکھا دیتا۔ حضرت سفیانؒ فرماتے ہیں اس جگہ کی تعین میں بڑا اختلاف ہے۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ جن لوگوں نے اس بیعت میں شرکت کی ہے ان میں سے کوئی بھی جہنم میں نہیں جائے گا (بخاری و مسلم)۔ اور روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جن لوگوں نے اس درخت تلے میرے ہاتھ پر بیعت کی ہے سب جنت میں رہ جائیں گے' مگر سرخ اونٹ والا ہم جلدی سے دوڑے دیکھا تو ایک شخص اپنے کھوئے ہوئے اونٹ کی تلاش میں تھا ہم نے کہا چل بیعت کر۔ اس نے جواب دیا کہ بیعت سے زیادہ نفع تو اس میں ہے کہ میں اپنا گم شدہ اونٹ پالوں۔ مسند احمد میں ہے آپ نے فرمایا کون ہے جو ثنیۃ المرار پر چڑھ جائے اس سے وہ دور ہو جائے گا جو بنی اسرائیل سے دور ہوا۔ پس سب سے پہلے قبیلہ بنی خزرج کے ایک صحابی اس پر چڑھ گئے۔ پھر تو اور لوگ بھی پہنچ گئے' پھر آپ نے فرمایا تم سب بخشے جاؤ گے مگر سرخ اونٹ والا۔ ہم اس کے پاس آئے اور اس سے کہا تیرے لئے رسول اللہ ﷺ سے استغفار طلب کریں تو اس نے جواب دیا کہ اللہ کی قسم مجھے میرا اونٹ مل جائے تو میں زیادہ خوش ہوں گا۔ بہ نسبت اسکے کہ تمہارے صاحب میرے لئے استغفار کریں' یہ شخص اپنا گم شدہ اونٹ ڈھونڈ رہا تھا۔ حضرت حفصہؓ نے جب حضور ﷺ کی زبانی یہ سنا کہ اس بیعت والے دوزخ میں داخل نہیں ہوں گے تو کہاں ہوں گے۔ آپ نے انہیں روک دیا تو مائی صاحبہ نے آیت ﴿وَ اِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا﴾ پڑھی یعنی تم میں سے ہر شخص کو اس پر وارد ہونا ہے حضور ﷺ نے فرمایا اس کے بعد ہی فرمان باری ہے ﴿ثُمَّ نُنَجِّی الَّذِیْنَ﴾ الخ یعنی پھر ہم تقویٰ والوں کو نجات دیں گے اور ظالموں کو گھٹنوں کے بل اس میں گرا دیں گے (مسلم)۔ حضرت حاطب بن ابو بلتعہؓ کے غلام حضرت حاطب کی شکایت لے کر حضور ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ حاطب ضرور جہنم میں جائیں گے۔ آپ نے فرمایا تو جھوٹا ہے وہ جہنمی نہیں وہ بدر میں اور حدیبیہ میں موجود رہا ہے۔ ان بزرگوں کی ثنا بیان ہو رہی ہے کہ یہ اللہ سے بیعت کر رہے ہیں ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے' اس بیعت کو توڑنے والا اپنا ہی نقصان کرنے والا ہے اور اسے پورا کرنے والا بڑے اجر کا مستحق ہے جیسے فرمایا ﴿لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ الخ یعنی اللہ تعالیٰ ایمان والوں سے راضی ہو گیا جبکہ انہوں نے درخت تلے تجھ سے بیعت کی ان کے دلی ارادوں کو اس نے جان لیا پھر ان پر دل جمعی نازل فرمائی اور قریب کی فتح سے انہیں سرفراز فرمایا۔

سَیَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ شَغَلَتْنَاۤ اَمْوَالُنَا وَ اَهْلُوْنَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ یَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَیْسَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ ؕ قُلْ فَمَنْ یَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَیْـًٔا اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ؕ بَلْ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ﴿۱۱﴾ بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ یَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰۤى اَهْلِیْهِمْ اَبَدًا وَّ زُیِّنَ ذٰلِكَ فِیْ قُلُوْبِكُمْ وَ ظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ ۚۖ وَ كُنْتُمْ قَوْمًۢا بُوْرًا ﴿۱۲﴾ وَ مَنْ لَّمْ یُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ فَاِنَّاۤ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِیْنَ سَعِیْرًا ﴿۱۳﴾ وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۱۴﴾

جو بدوی لوگ پیچھے چھوڑ دیئے گئے تھے وہ اب تجھ سے کہیں گے کہ ہم اپنے مالوں اور بال بچوں میں لگے رہ گئے پس آپ ہمارے لئے مغفرت طلب

کیجئے۔ یہ لوگ اپنی زبانوں سے وہ کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہے۔ تو جواب دے کہ تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی چیز کا بھی اختیار کون رکھتا ہے؟ اگر وہ تمہیں نقصان پہنچانا چاہے تو یا تمہیں کوئی نفع دینا چاہے تو' بلکہ تم جو کچھ کر رہے ہو اس سے اللہ تعالیٰ خوب باخبر ہے۔ نہیں بلکہ تم نے تو یہ گمان کر رکھا تھا کہ پیغمبر اور مسلمانوں کا اپنے گھروں کی طرف لوٹ آنا قطعاً ناممکن ہے اور یہی خیال تمہارے دلوں میں رچ گیا تھا اور تم نے برا گمان کر رکھا تھا۔ دراصل تم لوگ ہو بھی ہلاکت والے۔ جو شخص اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان نہ لائے تو ہم نے بھی ایسے کافروں کے لئے دہکتی آگ تیار کر رکھی ہے۔ زمین و آسمان کی بادشاہت اللہ ہی کے لئے ہے۔ جسے چاہے بخشے اور جسے چاہے عذاب کرے۔ اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

منافقوں کے حیلے بہانے: جو اعراب لوگ جہاد سے جی چرا کر رسول اللہ ﷺ کا ساتھ چھوڑ کر موت کے ڈر کے مارے گھر سے نہ نکلے تھے اور جانتے تھے کہ کفر کی زبردست طاقت ہمیں چکنا چور کر دے گی اور جو اتنی بڑی جماعت سے ٹکر لینے گئے ہیں یہ تباہ ہو جائیں گے بال بچوں سے ترس جائیں گے وہیں کاٹ ڈالے جائیں گے' جب انہوں نے دیکھا کہ اللہ کے رسول مع اپنی پاکباز مجاہدین کی جماعت کے ہنسی خوشی واپس آ رہے ہیں تو اپنے دل میں مسودے گانٹھنے لگے کہ اپنی مشیخت بنی رہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو پہلے ہی سے خبردار کر دیا کہ یہ بدباطن لوگ آ کر اپنی ضمیر کے خلاف اپنی زبان کو حرکت دیں گے اور عذر پیش کریں گے کہ حضور بال بچوں اور کام کاج سے نکال نہ ہو۔ اور نہ ہم تو ہر طرح تابع فرمان ہیں' ہماری جان تک حاضر ہے۔ اپنی مزید ایمانداری کے اظہار کیلئے یہ بھی کہہ دیں گے کہ حضرت آپ ہمارے لئے استغفار کیجئے۔ تو آپ انہیں جواب دیدینا کہ تمہارا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے وہ دلوں کے بھید سے واقف ہے اگر وہ تمہیں نقصان پہنچائے تو کون ہے جو اسے دفع کر سکے؟ اور اگر وہ تمہیں نفع دینا چاہے تو کون ہے جو اسے روک سکے؟ تصنع اور بناوٹ سے تمہاری ایمانداری اور نفاق سے وہ بخوبی آگاہ ہے ایک ایک عمل سے باخبر ہے اس پر کوئی چیز مخفی نہیں دراصل تمہارا پیچھے رہ جانا کسی عذر کے باعث نہ تھا بلکہ بطور نافرمانی کے ہی تھا۔ صاف طور پر تمہارا نفاق اس کا باعث تھا تمہارے دل ایمان سے خالی ہیں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ نہیں' رسول کی اطاعت میں بھلائی کا یقین نہیں اس وجہ سے تمہاری جانیں تم پر گراں ہیں' تم اپنی نسبت تو کیا بلکہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ رسول کی نسبت بھی یہی خیال کرتے تھے کہ یہ قتل کر دیئے جائیں گے ان کی بھوسی اڑ جائے گی ان میں سے ایک بھی نہ بچ سکے گا جو ان کی خبر تو لا کر دے' ان بدخیالیوں نے تمہیں نامرد بنا رکھا تھا' تم دراصل برباد شدنی لوگ ہو۔ کہا گیا ہے کہ بور الغت عمان ہے۔ جو شخص اپنا عمل خالص نہ کرے اپنا عقیدہ مضبوط نہ بنالے اسے اللہ تعالیٰ دوزخ کی آگ میں عذاب کریگا گو دنیا میں وہ بہ خلاف اپنے باطن کے ظاہر کرتے رہے۔

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے ملک' اپنی شہنشاہی اور اپنے اختیارات کا بیان فرماتا ہے کہ مالک و متصرف وہی ہے بخشش اور عذاب پر قادر وہ ہے' لیکن ہے غفور اور رحیم جو بھی اس کی طرف جھکے وہ اس کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور جو اس کا دروازہ کھٹکھٹائے وہ اسکے لئے اپنا دروازہ کھول دیتا ہے خواہ کتنے ہی گناہ کئے ہوں' جب توبہ کرے اللہ قبول فرمالیتا ہے اور گناہ بخش دیتا ہے بلکہ رحم اور مہربانی سے پیش آتا ہے۔

سَيَقُولُ الْمُخَلَّفُونَ إِذَا انْطَلَقْتُمْ إِلَىٰ مَغَانِمَ لِتَأْخُذُوهَا ذَرُونَا نَتَّبِعْكُمْ ۖ يُرِيدُونَ أَنْ يُبَدِّلُوا كَلَامَ اللَّهِ ۚ قُلْ لَنْ تَتَّبِعُونَا كَذَٰلِكُمْ قَالَ اللَّهُ مِنْ قَبْلُ ۖ فَسَيَقُولُونَ بَلْ تَحْسُدُونَنَا ۚ بَلْ كَانُوا لَا يَفْقَهُونَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿١٥﴾

جب تم غنیمتیں لینے جانے لگو گے تو جھٹ سے یہ پیچھے چھوڑے ہوئے لوگ کہنے لگیں گے کہ ہمیں بھی اپنے ساتھ چلنے کی اجازت دیجئے' چاہتے

ہیں کہ اللہ کے کلام کو بدل دیں' تو کہدے کہ اللہ تعالیٰ پہلے ہی فرما چکا ہے کہ تم ہرگز ہماری پیروی نہ کرو گے' وہ اس کا جواب دیں گے نہیں نہیں بلکہ تم ہم سے حسد کرتے ہو' اصل بات یہ ہے کہ ان میں سمجھ بہت ہی کم ہے۔

خیبر کی غنیمت اہل حدیبیہ کے لئے: ارشاد الٰہی ہے کہ جن بدوی لوگوں نے حدیبیہ میں اللہ کے رسول کا اور صحابہ کا ساتھ نہ دیا وہ جب حضور کو اور ان اصحابہ کو خیبر کی فتح کے موقع پر مال غنیمت سمیٹنے کے لئے جاتے ہوئے دیکھیں گے تو آرزو کریں گے کہ ہمیں بھی اپنے ساتھ لے لو۔ مصیبت کو دیکھ کر تو پیچھے ہٹ گئے راحت کو دیکھ کر شامل ہونا چاہتے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ انہیں ہرگز ساتھ نہ لینا' جب یہ جنگ سے جی چرائیں تو پھر غنیمت میں حصہ کیوں لیں؟ اللہ تعالیٰ نے خیبر کی غنیموں کا وعدہ اہل حدیبیہ سے کیا ہے نہ کہ ان سے جو کٹھن وقت کھچ جائیں اور آرام کے وقت مل جائیں۔ ان کی چاہت ہے کہ کلام الٰہی کو بدل دیں' یعنی اللہ تعالیٰ نے تو صرف حدیبیہ کی حاضری والوں سے وعدہ کیا تو یہ چاہتے ہیں کہ باوجود اپنی غیر حاضری کے اللہ تعالیٰ کے اس وعدے میں مل جائیں تاکہ وہ بھی بدلا ہوا ثابت ہو جائے۔ ابن زید کہتے ہیں مراد اس سے یہ حکم الٰہی ہے ﴿فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ﴾ الخ یعنی اے نبی اگر تمہیں اللہ تعالیٰ ان میں سے کسی گروہ کی طرف واپس لے جائے اور وہ تم سے جہاد کے لئے نکلنے کی اجازت مانگیں تو تم ان سے کہہ دینا کہ تم میرے ساتھ ہرگز نہ نکلو اور میرے ساتھ ہو کر کسی دشمن سے نہ لڑو تم وہی ہو کہ پہلی مرتبہ ہم سے پیچھے رہ جانے میں ہی خوش رہے پس اب ہمیشہ بیٹھے رہنے والوں کے ساتھ ہی بیٹھے رہو۔ لیکن اس قول میں نظر ہے اس لئے کہ یہ آیت سورۂ برائت کی ہے جو غزوہ تبوک کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور غزوہ تبوک حدیبیہ کے بہت بعد کا ہے۔ ابن جریج کا قول ہے کہ مراد اس سے ان منافقوں کا مسلمانوں کو بھی اپنے ساتھ ملا کر جہاد سے باز رکھنا ہے۔ فرماتا ہے انہیں ان کی اس آرزو کا جواب دو کہ تم ہمارے ساتھ چلنا چاہو اس سے پہلے اللہ تعالیٰ یہ وعدہ اہل حدیبیہ سے کر چکا ہے اس لئے تم ہمارے ساتھ نہیں چل سکتے۔ اب وہ طعنہ دیں گے کہ اچھا ہمیں معلوم ہو گیا تم ہم سے جلتے ہو نہیں چاہتے کہ غنیمت کا حصہ تمہارے سوا کسی اور کو ملے۔ اللہ فرماتا ہے دراصل یہ ان کی ناسمجھی ہے اور اسی ایک پر کیا موقوف ہے یہ لوگ سراسر بے سمجھ ہیں۔

قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ ۚ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿١٦﴾ لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ ۗ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿١٧﴾

اگر تم پیچھے رہے ہوئے بدیوں سے کہدو کہ عنقریب تم ایک سخت جنگجو قوم کی طرف بلائے جاؤ گے کہ تم ان سے لڑو یا وہ مسلمان ہو جائیں' پس اگر تم اطاعت کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں بہت بہتر بدلہ دے گا۔ اور اگر تم نے منہ پھیر لیا جیسا کہ اس سے پہلے تم منہ پھیر چکے ہو تو وہ تمہیں دردناک عذاب دے گا۔ اندھے پر کوئی حرج نہیں اور نہ لنگڑے پر کوئی حرج ہے اور نہ بیمار پر کوئی حرج ہے۔ جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے اسے اللہ ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جس کے درختوں تلے چشمے جاری ہیں اور جو منہ پھیر لے اسے دردناک سزا کرے گا۔

سخت جنگجو قوم کون سی ہے: وہ سخت لڑاکا قوم جن سے لڑنے کی طرف یہ بلائے جائیں گے کونسی قوم ہے؟ اس میں کئی اقوال ہیں ایک تو یہ کہ اس سے مراد قبیلہ ہوازن ہے' دوسرے یہ کہ اس سے مراد قبیلہ ثقیف ہے تیسرے یہ کہ اس سے مراد قبیلہ بنو حنیفہ ہے' چوتھے یہ کہ اس سے مراد اہل فارس ہیں' پانچویں یہ کہ اس سے مراد رومی ہیں' چھٹے یہ کہ اس سے مراد بت پرست ہیں۔ بعض فرماتے ہیں اس سے مراد کوئی خاص قبیلہ یا گروہ نہیں بلکہ مطلق جنگجو قوم مراد ہے جو ابھی تک مقابلہ میں نہیں آئی۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں اس سے مراد کرد لوگ ہیں۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں قیامت قائم نہ ہو گی جب تک کہ تم ایک ایسی قوم سے نہ لڑو جن کی آنکھیں چھوٹی چھوٹی ہوں گی اور ناک بیٹھی ہوئی ہو گی' ان کے منہ مثل تہ بہ تہ ڈھالوں کے ہوں گے۔ حضرت سفیانؒ فرماتے ہیں اس سے مراد ترک ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ تمہیں ایک قوم سے جہاد کرنا پڑے گا جن کی جوتیاں بالوں دار ہوں گی۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں اس سے مراد کرد لوگ ہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ ان سے جہاد قتال تم پر مشروع کر دیا گیا ہے اور یہ حکم باقی رہے گا۔ رب تعالیٰ ان پر تمہاری مدد کرے گا یا یہ کہ وہ خود بخود بغیر لڑے بھڑے دین اسلام قبول کر لیں گے۔ پھر ارشاد ہے اگر تم مان لو گے اور جہاد کے لئے اٹھ کھڑے ہو جاؤ گے اور حکم کی بجا آوری کرو گے تو تمہیں بہت ساری نیکیاں ملیں گی اور اگر تم نے وہی کیا جو حدیبیہ کے موقع پر کیا تھا یعنی بزدلی سے بیٹھے رہے جہاد میں شرکت نہ کی احکام کی تعمیل سے جی چرایا تو تمہیں المناک عذاب ہو گا۔ پھر جہاد کے ترک کرنے کے جو صحیح عذر ہیں ان کا بیان ہو رہا ہے پس ۲ دو عذر تو وہ بیان فرمائے جو لازمی ہیں یعنی اندھا پن اور لنگڑا پن اور ایک عذر وہ بیان فرمایا جو عارضی ہے جیسے بیماری کہ چند دن رہی پھر چلی گئی۔ پس یہ بھی اپنی بیماری کے زمانہ میں معذور ہیں ہاں تندرست ہونے کے بعد یہ معذور نہیں۔ پھر جہاد کی ترغیب دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ اللہ رسول کا فرمانبردار جنتی ہے اور جو جہاد سے بے رغبتی کرے اور دنیا کی طرف سراسر متوجہ ہو جائے' معاش کے پیچھے معاد کو بھول جائے اس کی سزا دنیا میں ذلت اور آخرت میں دکھ کی مار ہے۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿١٨﴾ وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿١٩﴾

یقیناً اللہ تعالیٰ مومنوں سے خوش ہو گیا جب کہ وہ درخت تلے تجھ سے بیعت کر رہے تھے۔ ان کے دلوں میں جو تھا اسے اس نے معلوم کر لیا اور ان پر اطمینان نازل فرمایا اور انہیں قریب کی فتح عنایت فرمائی۔ اور بہت سی غنیمتیں جنہیں وہ حاصل کریں گے' اللہ غالب ہے حکمت والا۔

حدیبیہ میں ببول کا مبارک درخت: پہلے بیان ہو چکا ہے کہ یہ بیعت کرنے والے چودہ سو کی تعداد میں تھے اور یہ درخت ببول کا تھا جو حدیبیہ کے میدان میں تھا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عبدالرحمٰنؒ جب حج کو گئے تو دیکھا کہ کچھ لوگ ایک جگہ نماز ادا کر رہے ہیں' پوچھا کہ کیا بات ہے؟ تو جواب ملا کہ یہ وہی درخت ہے جہاں رسول اللہ ﷺ سے بیعت الرضوان ہوئی تھی۔ حضرت عبدالرحمٰنؒ نے واپس آ کر یہ قصہ حضرت سعید بن مسیبؒ سے بیان کیا تو آپ نے فرمایا میرے والد صاحب بھی ان بیعت کرنے والوں میں تھے ان کا بیان ہے کہ بیعت کے دوسرے سال ہم وہاں گئے لیکن ہم سب کو بھلا دیا گیا وہ درخت ہمیں نہ ملا' پھر حضرت سعید فرمانے لگے تعجب ہے کہ اصحاب رسول خود بیعت کرنے والے تو اس جگہ کو نہ پا سکیں انہیں معلوم نہ ہو لیکن تم لوگ جان لو گویا تم اصحاب رسول سے بھی زیادہ جاننے والے ہو۔ پھر فرماتا ہے ان کی دلی صداقت نیت وفا اور ماننے کی عادت کو اللہ تعالیٰ نے معلوم کر لیا پس ان کے دلوں میں اطمینان ڈال دیا اور قریب کی فتح انعام فرمائی۔ یہ فتح وہ صلح ہے جو حدیبیہ کے میدان میں ہوئی جس سے عام بھلائی حاصل ہوئی اور جس کے قریب ہی خیبر فتح

ہوا پھر تھوڑے زمانے کے بعد مکہ بھی فتح ہو گیا۔ پھر اور قلعے اور علاقے بھی فتح ہوتے چلے گئے اور وہ عزت و نصرت فتح و ظفر اقبال اور رفعت حاصل ہوئی کہ دنیا انگشت بدنداں حیران و پریشان رہ گئی۔ اسی لئے فرمایا کہ بہت سی غنیمتیں عطا فرمائے گا۔ سچے غلبہ والا اور کامل حکمت والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے ہم حدیبیہ کے میدان میں دوپہر کے وقت آرام کر رہے تھے جو رسول اللہ ﷺ کے منادی نے ندا کی کہ لوگو بیعت کے لئے آگے بڑھو روح القدس آ چکے ہیں۔ ہم بھاگے دوڑے حاضر حضور ہوئے' آپ اس وقت ببول کے درخت تلے تھے' ہم نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی' جس کا ذکر آیت ﴿لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ﴾ الخ میں ہے۔ حضرت عثمانؓ کی طرف سے آپ نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے پر رکھ کر خود ہی بیعت کر لی' تو ہم نے کہا عثمان بڑے خوش نصیب رہے کہ ہم تو یہاں پڑے ہوئے ہیں اور وہ بیت اللہ کا طواف کر رہے ہونگے۔ یہ سنکر جناب رسول مقبول ﷺ نے فرمایا بالکل ناممکن ہے کہ عثمان مجھ سے پہلے طواف کر لے۔ گو کئی سال تک وہاں رہے۔

وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً تَأْخُذُونَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ أَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ وَلِتَكُونَ آيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ﴿۲۰﴾ وَأُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوا عَلَيْهَا قَدْ أَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا ﴿۲۱﴾ وَلَوْ قَاتَلَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوَلَّوُا الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُونَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيرًا ﴿۲۲﴾ سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۖ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا ﴿۲۳﴾ وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْ بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ﴿۲۴﴾

اللہ تعالیٰ نے تم سے بہت ساری غنیمتوں کا وعدہ کیا ہے جنہیں تم حاصل کرو گے پس یہ تو تمہیں جلدی ہی عطا فرما دی اور لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیئے تاکہ مومنوں کے لئے یہ ایک نمونہ ہو جائے' اور تاکہ وہ تمہیں سیدھی راہ چلائے' اور تمہیں اور غنیمتیں بھی دے جن پر اب تک تم نے قابو نہیں پایا اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے قابو میں رکھا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور اگر تم سے کافر جنگ کرتے تو البتہ پیٹھ دکھا کر بھاگتے پھر نہ تو کوئی کارساز پاتے نہ مددگار۔ اللہ تعالیٰ کے اس قاعدے کے مطابق جو پہلے سے چلا آیا ہے' تو کبھی بھی اللہ تعالیٰ کے قاعدے کو بدلتا ہوا نہ پائیگا۔ وہی ہے جس نے خاص مکہ' میں کافروں کے ہاتھوں کو تم سے اور تمہارے ہاتھوں کو ان سے روک لیا اس کے بعد کہ اس نے تمہیں ان پر فتح یاب کر دیا تھا' تم جو کچھ کر رہے ہو اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے۔

معاہدہ حدیبیہ کی دفعات اور کافروں کا اشتعال: ان بہت سی غنیمتوں سے مراد آپ کے زمانے اور بعد کی سب غنیمتیں ہیں جلدی کی غنیمت سے مراد خیبر کی غنیمت ہے اور حدیبیہ کی صلح ہے۔ اس اللہ تعالیٰ کا ایک احسان یہ بھی ہے کہ کفار کے بد ارادوں کو اس نے پورا نہ ہونے دیا' نہ مکے کے کافروں کے' نہ ان منافقوں کے جو تمہارے پیچھے مدینے میں رہے تھے نہ یہ تم پر حملہ آور ہو سکے نہ وہ تمہارے بال بچوں کو کچھ ستا سکے' یہ اس لیے کہ مسلمان اس سے عبرت حاصل کریں اور جان لیں کہ اصل حافظ و ناصر اللہ ہی ہے' پس دشمنوں کی کثرت اپنی قلت سے ہمت نہ ہار دیں اور یہ بھی یقین کر لیں کہ ہر کام کے انجام کا علم اللہ ہی کو ہے بندوں کے حق میں بہتری یہی ہے کہ وہ اس کے فرمان پر عامل رہیں اور اسی میں اپنی خیریت سمجھیں گو وہ فرمان بہ ظاہر خلاف طبع ہو' بہت ممکن ہے کہ تم جسے ناپسند رکھتے ہو وہی

تمہارے حق میں بہتر ہو' وہ تمہیں تمہاری حکم بجا آوری اور اتباع رسول اور سچی جاں نثاری کے عوض راہ مستقیم دکھائے گا اور دیگر غنیمتیں اور فتح مندیاں بھی عطا فرمائے گا جو تمہارے بس کی نہیں' لیکن اللہ تعالیٰ خود تمہاری مدد کرے گا اور ان مشکلات کو تم پر آسان کر دیگا سب چیزیں اللہ کے بس میں ہیں وہ اپنا ڈر رکھنے والے بندوں کو ایسی جگہ سے روزیاں پہنچاتا ہے جو کسی کے خیال میں تو کیا؟ خود ان کے اپنے خیال میں بھی نہ ہوں۔ اس غنیمت سے مراد خیبر کی غنیمت ہے جس کا وعدہ صلح حدیبیہ میں پنہاں تھا یا مکہ کی فتح ہے' یا فارس و روم کے مال ہیں یا وہ تمام فتوحات ہیں جو قیامت تک مسلمانوں کو حاصل ہوں گی۔ پھر اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو خوشخبری سناتا ہے کہ وہ کفار سے مرعوب اور خائف نہ ہوں' اگر کافر مقابلے پر آئے تو اللہ اپنے رسول اور مسلمانوں کی مدد کرے گا اور ان بے ایمانوں کو شکست فاش دے گا یہ پیٹھ دکھائیں گے اور منہ پھیر لیں گے اور کوئی والی اور مددگار بھی انہیں نہ ملے گا اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے لڑنے کے لئے آئے ہیں اور اس کے ایماندار بندوں کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔

پھر فرماتا ہے یہی اللہ کی عادت ہے کہ جب کفر و ایمان کا مقابلہ ہو ایمان کو کفر پر غالب کرتا ہے اور حق کو ظاہر کر کے باطل کو دبا دیتا ہے جیسے کہ بدر والے دن بہت سے کافروں کو جو باسامان تھے چند مسلمانوں کے مقابلے میں جو بے سر و سامان تھے شکست فاش دی۔ پھر اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے میرے اس احسان کو بھی نہ بھولو کہ میں نے مشرکوں کے ہاتھ تم تک نہ پہنچنے دیئے اور تمہیں بھی مسجد حرام کے پاس لڑنے سے روک دیا اور تم میں ان میں صلح کرا دی' جو دراصل تمہارے حق میں سراسر بہتری ہے' کیا دنیا کے اعتبار سے کیا آخرت کے اعتبار سے۔ وہ حدیث یاد ہو گی جو اسی سورت کی تفسیر میں بروایت حضرت سلمہ بن اکوع گزر چکی ہے کہ جب ستر کافروں کو باندھ کر صحابہؓ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے فرمایا انہیں جانے دو ان کی طرف سے ہی ابتدا ہو اور انہی کی طرف سے دوبارہ شروع ہو۔ اسی بابت یہ آیت اتری۔ مسند احمد میں ہے کہ ۸۰ اسی کافر ہتھیاروں سے آراستہ جبل تنعیم کی طرف سے چپ چپاتے موقعہ پا کر اتر آئے لیکن حضور ﷺ غافل نہ تھے آپ نے فوراً لوگوں کو آگاہ کر دیا سب گرفتار کر لئے گئے اور حضور ﷺ کے سامنے پیش کئے گئے آپ نے ازراہ مہربانی ان کی خطا معاف فرما دی اور سب کو چھوڑ دیا۔ اسی کا بیان اس آیت میں ہے۔ یہ حدیث مسلم' ابو داؤد' ترمذی اور نسائی میں بھی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مغفل مدنیؓ فرماتے ہیں جس درخت کا ذکر قرآن میں ہے اس کے نیچے نبی ﷺ تھے ہم لوگ بھی آپ کے ارد گرد تھے' اس درخت کی شاخیں حضور ﷺ کی کمر سے لگ رہی تھیں (حضرت) علیؓ اور سہیل ابن عمرو آپ کے سامنے تھے حضور ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھو اس پر سہیل نے حضور ﷺ کا ہاتھ تھام لیا اور کہا ہم رحمٰن اور رحیم کو نہیں جانتے' ہمارے اس صلح نامہ میں ہمارے دستور کے مطابق لکھوایئے۔ پس آپ نے فرمایا ﴿بِاسْمِكَ اللَّهُمَّ﴾ لکھو' پھر لکھا یہ وہ ہے جس پر اللہ کے رسول محمد نے اہل مکہ سے صلح کی۔ اس پر پھر سہیل نے آپ کا ہاتھ تھام کر کہا اگر آپ رسول اللہ ہی ہیں تو پھر ہم نے بڑا ظلم کیا' اس صلح نامہ میں وہی لکھوایئے جو ہم میں مشہور ہے۔ تو آپ نے فرمایا لکھو یہ وہ ہے جس پر محمد بن عبداللہ (ﷺ) نے اہل مکہ سے صلح کی۔ اتنے میں ۳۰ تیس نوجوان کفار ہتھیار بند آن پڑے آپ نے ان کے حق میں بد دعا کی اللہ تعالیٰ نے انہیں بہرا بنا دیا ہم اٹھے اور ان کو سامنے پیش کر دیا۔ آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ کیا کسی نے تمہیں امان دی ہے؟ یا تم کسی کی ذمہ داری پر آئے ہو؟ انہوں نے انکار کیا۔ لیکن باوجود اس کے آپ نے ان سے درگزر فرمایا اور انہیں چھوڑ دیا' اس پر یہ آیت ﴿وَهُوَ الَّذِیْ﴾ نازل ہوئی (نسائی)

ابن جریر میں ہے جب حضور ﷺ قربانی کے جانور لے کر چلے اور ذوالحلیفہ تک پہنچ گئے تو حضرت عمرؓ نے عرض کی اے نبی اللہ آپ ایک ایسی قوم کی بستی میں جا رہے ہیں جو برسرپیکار ہیں اور آپ کے پاس نہ تو ہتھیار ہیں نہ اسباب۔ حضور ﷺ نے یہ سن کر آدمی بھیج کر مدینہ سے ہتھیار اور کل سامان منگوا لیا جب آپ مکہ کے قریب پہنچ گئے تو مشرکین نے آپ کو روکا کہ آپ مکہ میں نہ آئیں

آپ نے سفر جاری رکھا اور منیٰ میں جا کر قیام کیا۔ آپ کے جاسوس نے آکر آپ کو خبر دی کہ عکرمہؓ بن ابو جہل پانچ سو کا لشکر لے کر آپ پر چڑھائی کرنے آرہا ہے۔ آپ نے حضرت خالد ابن ولیدؓ سے فرمایا اے خالد تیرا چچا زاد بھائی لشکر لے کر آرہا ہے۔ حضرت خالدؓ نے فرمایا پھر کیا ہوا؟ میں اللہ تعالیٰ کی تلوار ہوں اور اس کے رسول کی (اسی دن سے آپ کا لقب سیف اللہ ہوا) مجھے آپ جہاں چاہیں اور جس کے مقابلہ میں چاہیں بھیجیں۔ چنانچہ عکرمہؓ کے مقابلے کے لئے آپ روانہ ہوئے گھاٹی میں دونوں کی مڈبھیڑ ہوئی۔ حضرت خالدؓ نے ایسا سخت حملہ کیا کہ عکرمہؓ کے پاؤں نہ جے اسے مکہ کی گلیوں تک پہنچا کر حضرت خالدؓ واپس آگئے لیکن پھر دوبارہ تازہ دم ہو کر مقابلہ پر آیا اب کی مرتبہ بھی شکست کھا کر مکہ کی گلیوں تک پہنچ گیا۔ وہ پھر تیسری مرتبہ نکلا اس مرتبہ بھی یہی حشر ہوا۔ اسی کا بیان آیت ﴿وَهُوَ الَّذِیْ كَفَّ﴾ میں ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے باوجود حضور ﷺ کی ظفر مندی کے کفار کو بھی بچالیا تاکہ جو مسلمان ضعفاء اور کمزور مکہ میں تھے انہیں اسلامی لشکر کے ہاتھوں کوئی گزند نہ پہنچے۔ لیکن اس روایت میں بہت کچھ نظر ہے ناممکن ہے کہ یہ حدیبیہ والے واقعہ کا ذکر ہو اس لئے کہ اس وقت تک تو حضرت خالد مسلمان ہی نہ ہوئے تھے بلکہ مشرکین کے طلایہ کے اس دن سردار تھے جیسے کہ صحیح حدیث میں موجود ہے اور یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ یہ واقعہ عمرۃ القضا کا ہو اس لئے کہ حدیبیہ کے صلح نامہ کی شرائط کے مطابق یہ طے شدہ امر تھا کہ اگلے سال حضور آئیں عمرہ ادا کریں اور تین دن تک مکہ میں ٹھیریں چنانچہ اسی قرار داد کے مطابق جب حضور ﷺ تشریف فرما ہوئے تو کافروں نے آپ کو روکا نہیں نہ آپ سے جنگ و جدال کیا۔ اسی طرح یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ یہ واقعہ فتح مکہ کا ہو اس لئے کہ فتح مکہ والے سال آپ اپنے ساتھ قربانیاں لے کر نہیں گئے تھے اس وقت تو جنگی حیثیت سے آپ گئے تھے لڑنے اور جہاد کرنے کی نیت سے تشریف لے گئے تھے پس اس روایت میں بہت کچھ خلل ہے اور اس میں ضرور قباحت ہوئی ہے خوب سوچ لینا چاہئے واللہ اعلم۔ حضرت ابن عباسؓ کے مولیٰ حضرت عکرمہؓ فرماتے ہیں کہ قریش نے اپنے چالیس یا پچاس آدمی بھیجے کہ وہ حضور ﷺ کے لشکر کے اردگرد گھومتے رہیں اور موقعہ پا کر کچھ نقصان پہنچائیں یا کسی کو گرفتار کر کے لے آئیں یہاں یہ سارے کے سارے پکڑ لئے گئے لیکن پھر حضور ﷺ نے انہیں معاف فرما دیا اور سب کو چھوڑ دیا انہوں نے آپ کے لشکر پر کچھ پتھر بھی پھینکے تھے اور کچھ تیر بھی چلائے تھے۔ یہ بھی مروی ہے کہ ایک صحابی جنہیں ابن زنیم کہا جاتا تھا حدیبیہ کے ایک ٹیلے پر چڑھے تھے مشرکین نے تیر بازی کر کے آپ کو شہید کر دیا۔ حضور ﷺ نے کچھ سوار ان کے تعاقب میں روانہ کئے وہ ان سب کو جو تعداد میں بارہ سوار تھے گرفتار کر کے لے آئے۔ آپ نے ان سے پوچھا کہ تمہارے پاس میری جانب سے کوئی امان ہے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ پوچھا کوئی عہد و پیمان ہے؟ کہا نہیں۔ لیکن پھر بھی حضور ﷺ نے انہیں چھوڑ دیا اور اسی بارے میں آیت ﴿وَهُوَ الَّذِیْ كَفَّ اَیْدِیَهُمْ عَنْكُمْ﴾ الخ نازل ہوئی۔

هُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْیَ مَعْكُوْفًا اَنْ یَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ؕ وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَئُوْهُمْ فَتُصِیْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌۢ بِغَیْرِ عِلْمٍ ۚ لِیُدْخِلَ اللّٰهُ فِیْ رَحْمَتِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ۚ لَوْ تَزَیَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ﴿۲۵﴾ اِذْ جَعَلَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِیَّةَ حَمِیَّةَ الْجَاهِلِیَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِیْنَتَهٗ عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَعَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰی وَكَانُوْۤا اَحَقَّ بِهَا

وَاَهْلَهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا ﴿۲۶﴾

یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے کفر کیا اور تم کو مسجد حرام سے روکا اور قربانی کے جانور کو جو رکا ہوا رہ گیا اس کے موقع میں پہنچنے سے روکا۔ اور اگر بہت سے مسلمان مرد اور بہت سی مسلمان عورتیں نہ ہوتیں جن کی تم کو خبر نہ تھی یعنی ان کے پس جانے کا احتمال نہ ہوتا جس پر ان کی وجہ سے تم کو بھی بے خبری میں ضرر پہنچتا تو سب قصہ طے کر دیا جاتا لیکن ایسا نہیں کیا گیا تاکہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں جس کو چاہے داخل کرے۔ اور اگر یہ ٹل گئے ہوتے تو ان میں جو کافر تھے ہم ان کو دردناک سزا دیتے۔ جب کہ ان کافروں نے اپنے دلوں میں عار کو جگہ دی اور عار بھی جاہلیت کی سو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اور مومنین کو اپنی طرف سے تحمل عطا فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تقویٰ کی بات پر جمائے رکھا اور وہ اس کے زیادہ مستحق ہیں' اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

شہادت عثمان کی افواہ پر اصحاب رسول سے بیعت رضوان: مشرکین عرب جو قریش تھے اور جو ان کے ساتھ اس عہد پر تھے کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے جنگ کریں گے ان کی نسبت قرآن خبر دیتا ہے کہ دراصل کفر پر یہ لوگ ہیں' انہوں نے ہی تمہیں مسجد حرام بیت اللہ سے روکا ہے' حالانکہ اصلی حقدار اور زیادہ لائق خانہ الٰہی کے تم ہی لوگ تھے پھر ان کی سرکشی اور مخالفت نے انہیں یہاں تک اندھا کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ کی قربانیوں کو بھی قربان گاہ تک نہ جانے دیا۔ یہ قربانیاں تعداد میں ٧٠ ستر تھیں جیسے کہ عنقریب اس کا بیان آ رہا ہے' انشاء اللہ تعالیٰ۔ پھر فرماتا ہے کہ سردست تمہیں لڑائی کی اجازت نہ دینے میں پوشیدہ راز یہ تھا کہ ابھی چند کمزور مسلمان مکے میں ایسے ہیں جو ان ظالموں کی وجہ سے نہ اپنے ایمان کو ظاہر کر سکے ہیں نہ ہجرت کر کے تم میں مل سکے ہیں اور نہ تم انہیں جانتے ہو' تو یوں دفعتہً اگر تمہیں اجازت دے دی جاتی اور تم اہل مکہ پر چھاپہ مارتے تو وہ سچے پکے مسلمان بھی تمہارے ہاتھوں شہید ہو جاتے اور بے علمی میں ہی تم مستحق گناہ اور دیت بن جاتے' پس ان کفار کی سزا کو اللہ تعالیٰ نے کچھ اور پیچھے ہٹا دیا تاکہ ان کمزور مسلمانوں کو چھٹکارا مل جائے اور بھی جن کی قسمت میں ایمان ہے وہ ایمان لا چکیں اگر یہ مومن ان میں نہ ہوتے اگر یہ الگ الگ ہوتے تو یقیناً ہم تمہیں ان کفار پر ابھی اسی وقت غلبہ دے دیتے اور ان کی بھوسی اڑا دیتے۔ حضرت جنید بن سبیع فرماتے ہیں صبح کو میں کافروں کے ساتھ ملکر رسول اللہ ﷺ سے لڑ رہا تھا لیکن اسی شام کو اللہ تعالیٰ نے میرا دل پھیر دیا' میں مسلمان ہو گیا اور اب حضور ﷺ کے ساتھ ہو کر کفار سے لڑ رہا تھا' ہمارے ہی بارے میں یہ آیت ﴿لَوْ لَا رِجَالٌ﴾ الخ نازل ہوئی ہے' ہم کل نو شخص تھے سات مرد دو عورتیں (طبرانی)۔ اور روایت میں ہے کہ ہم تین مرد تھے اور نو عورتیں تھیں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں اگر یہ مومن ان کافروں میں ملے جلے نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ اسی وقت مسلمانوں کے ہاتھوں ان کافروں کو سخت سزا دیتا یہ قتل کر دیئے جاتے

پھر فرماتا ہے جبکہ یہ کافر اپنے دلوں میں غیرت و حمیت جاہلیت کو جما چکے تھے صلح نامہ میں ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ﴾ لکھنے سے انکار کر دیا۔ حضور ﷺ کے نام کے ساتھ لفظ رسول اللہ لکھوانے پر انکار کیا' پس اللہ تعالیٰ نے اس وقت اپنے نبی اور مومنوں کے دل کھول دیئے ان پر اپنی سکینت نازل فرما کر انہیں مضبوط کر دیا اور تقوے کے کلمے پر انہیں جما دیا' یعنی ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ پر' جیسے ابن عباسؓ کا فرمان ہے اور جیسے کہ مسند احمد کی مرفوع حدیث میں موجود ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں مجھے حکم کیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جہاد کرتا رہوں جب تک وہ ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ نہ کہہ لیں جس نے ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ کہہ لیا اس نے مجھ سے اپنے مال کو اور اپنی جان کو بچا لیا مگر بوجہ حق اسلام کے اور اس کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی کتاب میں نازل فرمایا۔ ایک قوم کی مذمت بیان کرتے ہوئے فرمایا ﴿اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِیْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ یَسْتَكْبِرُوْنَ﴾ یعنی ان سے کہا جاتا تھا کہ بجز اللہ کے کوئی عبادت کے لائق نہیں تو یہ تکبر کرتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ جل شانہ نے یہاں ان کی تعریف بیان کرتے ہوئے یہ بھی

فرمایا کہ یہی اس کے زیادہ حقدار اور یہی اس کے قابل بھی تھے۔ یہ کلمہ ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ﴾ ہے انہوں نے اس سے تکبر کیا اور مشرکین قریش نے اسی سے حدیبیہ والے دن تکبر کیا پھر بھی رسول اللہ ﷺ نے ان سے ایک مدت معینہ تک کے لئے صلح نامہ مکمل کر لیا۔ ابن جریر میں بھی یہ حدیث ان ہی زیادتیوں کیساتھ مروی ہے' لیکن بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ پچھلے جملے راوی کے اپنے ہیں یعنی حضرت زہریؒ کا اپنا قول ہے جو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ گویا حدیث میں ہی ہے۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں اس سے مراد اخلاص ہے۔ عطاؒ فرماتے ہیں وہ کلمہ یہ ہے ﴿لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ حضرت سورؒ فرماتے ہیں اس سے مراد ﴿لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ﴾ ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں اس سے ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اللّٰهُ اَكْبَرُ﴾ مراد ہے۔ یہی قول حضرت ابن عمرؓ کا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس سے مراد اللہ رب العزت کی وحدانیت کی شہادت ہے جو تمام تقوے کی جڑ ہے۔ حضرت سعید ابن جبرؒ فرماتے ہیں اس سے مراد لا الہ الا اللہ بھی ہے اور جہاد فی سبیل اللہ بھی ہے۔ حضرت عطا خراسانیؒ فرماتے ہیں کلمہ تقویٰ ﴿لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ﴾ ہے۔ حضرت زہریؒ فرماتے ہیں ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ مراد ہے۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں مراد لا الہ الا اللہ ہے۔

پھر فرماتا ہے اللہ تعالیٰ ہر چیز کو بخوبی جاننے والا ہے' اسے معلوم ہے کہ مستحق خیر کون ہے؟ اور مستحق شر کون ہے؟ حضرت ابی بن کعبؓ کی قرات اس طرح ہے ﴿اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَلَوْ حَمِيْتُمْ كَمَا حَمُوْا الْفَسَدَ الْمَسْجِدُ الْحَرَامُ﴾ یعنی کافروں نے جس وقت اپنے دل میں جاہلانہ ضد پیدا کر لی اگر اس وقت تم بھی ان کی طرح ضد پر آ جاتے تو نتیجہ یہ ہوتا کہ مسجد حرام میں فساد برپا ہو جاتا۔ جب حضرت عمرؓ کو آپ کی اس قرائت کی خبر پہنچی تو بہت تیز ہوئے لیکن حضرت ابیؓ نے فرمایا یہ تو آپ کو بھی معلوم ہو گا کہ میں حضور ﷺ کے پاس آتا جاتا رہتا تھا اور جو کچھ اللہ تعالیٰ آپ کو سکھاتا تھا آپ اس میں سے مجھے بھی سکھاتے تھے' اس پر جناب عمر فاروقؓ نے فرمایا آپ ذی علم اور قرآن دان ہیں آپ کو جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے سکھایا وہ پڑھئے اور سکھایئے (نسائی)۔ ان حدیثوں کا بیان جن میں حدیبیہ کا قصہ اور صلح کا واقعہ ہے۔ مسند احمد میں ہے حضرت مسور بن مخرمہ اور حضرت مروان بن حکمؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ زیارت بیت اللہ کے ارادے سے چلے آپ کا ارادہ جنگ کا نہ تھا ستر اونٹ قربانی کے آپ کے ساتھ تھے کل ساتھی آپ کے سات سو تھے ایک اونٹ دس دس آدمیوں کی طرف سے تھا' آپ جب عسفان پہنچے تو بشر بن سفیان کعبی رضی اللہ عنہ نے آپ کو خبر دی کہ یا رسول اللہ ﷺ قریشیوں نے آپ کے آنے کی خبر پا کر مقابلہ کی تیاریاں کر لی ہیں انہوں نے اونٹوں کے چھوٹے چھوٹے بچے بھی اپنے ساتھ لے لئے ہیں اور چیتے کی کھالیں پہن لی ہیں اور عہد و پیمان کر لئے ہیں کہ وہ آپ کو اس طرح جبراً مکہ میں نہیں آنے دیں گے' خالد بن ولید کو انہوں نے چھوٹا سا لشکر دے کر کراع غمیم تک پہنچا دیا ہے۔ یہ سن کر اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا افسوس قریشیوں کو لڑائی نے کھا لیا کتنی اچھی بات تھی کہ وہ مجھے اور لوگوں کو چھوڑ دیتے اگر وہ مجھ پر غالب آ جاتے تو ان کا مقصد پورا ہو جاتا اور اگر اللہ تعالیٰ مجھے اور لوگوں پر غالب کر دیتا تو پھر یہ لوگ بھی دین اسلام قبول کر لیتے اور اگر اس وقت بھی اس دین میں نہ آنا چاہتے تو مجھ سے لڑتے اور اس وقت ان کی طاقت بھی پوری ہوتی' قریشیوں نے کیا سمجھ رکھا ہے؟ قسم اللہ تعالیٰ کی اس دین پر میں ان سے جہاد کرتا رہوں گا یہاں تک کہ یا تو اللہ تعالیٰ مجھے ان پر کھلم کھلا غلبہ عطا فرما دے یا میری گردن کٹ جائے' پھر آپ نے اپنے لشکر کو حکم دیا کہ دائیں طرف حمض کے پیچھے سے اس راستہ پر چلیں جو ثنیۃ المرار کو جاتا ہے اور حدیبیہ مکہ کے نیچے کے حصے میں ہے۔ خالد والے لشکر نے جب دیکھا کہ حضور ﷺ نے راستہ بدل دیا تو یہ دوڑتے ہوئے قریشیوں کے پاس گئے اور انہیں اس کی خبر دی۔ ادھر حضور ﷺ جب ثنیۃ المرار میں پہنچے تو آپ کی اونٹنی بیٹھ گئی تو لوگ کہنے لگے اونٹنی تھک گئی۔ حضور ﷺ نے فرمایا نہ یہ تھکی نہ اس کے بیٹھ جانے کی عادت' اسے اس اللہ تعالیٰ نے روک لیا ہے جس نے مکہ سے ہاتھیوں کو روک لیا تھا۔ سنو قریش آج مجھ سے جو چیز مانگیں

گے جس میں صلہ رحمی ہو میں انہیں دونگا۔ پھر آپ نے لشکریوں کو حکم دیا کہ وہ پڑاؤ کریں' انھوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اس پوری وادی میں پانی نہیں آپ نے ترکش میں سے ایک تیر نکال کر ایک صحابی کو دیا اور فرمایا اسے یہاں کسی کنوئیں میں گاڑ دو۔ اس کے گاڑتے ہی پانی جوش مارتا ہوا ابل پڑا تمام لشکر نے پانی لے لیا اور وہ برابر بڑھتا ہی چلا جارہا تھا۔ جب پڑاؤ ہو گیا اور اطمینان سے بیٹھ گئے اتنے میں بدیل بن ورقا اپنے ساتھ قبیلہ خزاعہ کے چند لوگوں کو لیکر آیا۔ آپ نے اس سے بھی وہی فرمایا جو بشر بن سفیان سے فرمایا تھا چنانچہ یہ لوگ گئے اور جا کر قریش سے کہا کہ تم لوگوں نے حضور ﷺ کے بارے میں بڑی عجلت کی۔ حضور ﷺ تم سے لڑنے کو نہیں آئے آپ تو صرف بیت اللہ کی زیارت کرنے کو آئے ہیں تم اپنے فیصلہ پر دوبارہ نظر ڈالو۔ دراصل قبیلہ خزاعہ کے مسلم و کافر رسول اللہ ﷺ کے طرفدار تھے مکہ کی خبریں انہیں لوگوں سے آپ کو پہنچا کرتی تھی۔ قریشیوں نے انھیں جواب دیا کہ گو آپ اسی ارادے سے آئے ہوں لیکن یوں اچانک تو ہم انہیں یہاں آنے نہیں دیں گے ورنہ لوگوں میں تو یہی باتیں ہوں گی کہ آپ مکہ میں گئے اور کوئی آپ کو روک نہ سکا۔ انہوں نے پھر مکرز بن حفص کو بھیجا' یہ بنو عامر بن لوئی کے قبیلے میں سے تھا' اسے دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ عہد شکن شخص ہے' اور اس سے بھی آپ نے وہی فرمایا جو اس سے پہلے آنے والے دونوں شخصوں سے فرمایا تھا۔ یہ بھی لوٹ گیا اور جا کر قریشیوں سے سارا واقعہ بیان کر دیا۔ قریشیوں نے پھر حلیس بن علقمہ کنانی کو بھیجا یہ مختلف ادھر ادھر کے لوگوں کا سردار تھا' اسے دیکھ کر حضور ﷺ نے فرمایا یہ اس قوم سے ہے جو رحمانی کاموں کی عظمت کرتی ہے اپنی قربانی کے جانوروں کو کھڑا کر دو۔ اس نے جو دیکھا کہ ہر طرف سے قربانی کے نشان دار جانور آ رہے ہیں اور بوجہ رک جانے کے ان کے بال اڑے ہوئے ہیں تو یہ وہیں سے بغیر حضور ﷺ کے پاس آئے لوٹ گیا اور جا کر قریش سے کہا کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے تمہیں حلال نہیں کہ تم انہیں بیت اللہ سے روکو اللہ تعالیٰ کے نام کے جانور قربان گاہ سے رکے کھڑے ہیں۔ یہ سخت ظلم ہے اتنے دن رکے رہنے سے ان کے بال تک اڑ گئے ہیں میں اپنی آنکھوں دیکھ کر آرہا ہوں۔ قریش نے کہا تو تو نرا اعرابی ہے خاموش ہو کر بیٹھ جا۔

اب انہوں نے مشورہ کر کے عروہ بن مسعود ثقفی کو بھیجا عروہ نے اپنے جانے سے پہلے کہا کہ اے قریشیو! جن جن کو تم نے وہاں بھیجا وہ جب واپس آئے تو ان سے تم نے کیا سلوک کیا یہ میں دیکھ رہا ہوں تم نے انہیں برا کہا ان کی بے عزتی کی ان پر تہمت رکھی ان سے بدگمانی کی' میری حالت تمہیں معلوم ہے کہ میں تمہیں مثل باپ کے سمجھتا ہوں۔ تم خوب جانتے ہو کہ جب تم نے ہائے وائے کی میں نے اپنی تمام قوم کو اکٹھا کیا اور جس نے میری بات مانی میں نے اسے اپنے ساتھ لیا اور تمہاری مدد کے لئے اپنی جان مال اور اپنی قوم کو لے کر آپہنچا۔ سب نے کہا بے شک آپ سچے ہیں ہمیں آپ سے کسی قسم کی بدگمانی نہیں آپ جائیے۔ اب یہ چلا اور حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچ کر آپ کے سامنے بیٹھ کر کہنے لگا آپ نے ادھر ادھر کے کچھ لوگوں کو جمع کر لیا ہے اور آئے ہیں اپنی قوم کی شان و شوکت کو آپ ہی توڑنے کے لئے سنیئے یہ قریشی آج یہ مصمم ارادہ کر چکے ہیں اور چھوٹے چھوٹے بچے بھی ان کے ساتھ ہیں جو چیتوں کی کھالیں پہنے ہوئے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کو بیچ میں رکھ کر عہد و پیمان کر چکے ہیں کہ ہرگز ہرگز آپ کو اس طرح اچانک زبردستی مکہ میں نہیں آنے دیں گے' اللہ تعالیٰ کی قسم مجھے تو ایسا نظر آتا ہے کہ یہ لوگ جو اس وقت بھیڑ لگائے آپ کے اردگرد کھڑے ہوئے ہیں' یہ لڑائی کے وقت ڈھونڈے بھی نہیں ملیں گے یہ سن کر حضرت ابو بکر صدیقؓ سے نہ رہا گیا' آپ اس وقت حضور ﷺ کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے آپ نے کہا جالات کی وہ چوستارہ' ہم اور رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوں! عروہ نے حضور ﷺ سے پوچھا یہ کون ہے؟ آپ نے فرمایا ابو قحافہ کے بیٹے۔ تو کہنے لگا اگر مجھ پر تیرا احسان پہلے کا نہ ہوتا تو میں ضرور تجھے اس کا مزہ چکھاتا۔ اس کے بعد عروہ نے پھر کچھ کہنے کے لئے رسول اللہ ﷺ کی ڈاڑھی میں ہاتھ ڈالا۔ اس کی بے ادبی کو حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نہ سہار سکے یہ حضور ﷺ کے پاس ہی کھڑے ہوئے تھے' لوہا ان کے ہاتھ میں تھا وہی اس کے ہاتھ پر مار کر فرمایا اپنا ہاتھ دور رکھ' تو حضور ﷺ کے جسم کو چھو نہیں سکتا۔ یہ کہنے لگا تو

بڑا ہی بدزبان اور ٹیڑھا آدمی ہے۔ حضور ﷺ نے اس پر تبسم فرمایا۔ اس نے پوچھا یہ کون ہے؟ آپ نے فرمایا یہ تیرا بھتیجا مغیرہ بن شعبہ ہے۔ تو کہنے لگا غدار تو تو کل تک طہارت بھی نہ جانتا تھا۔ الغرض اسے بھی حضور ﷺ نے وہی جواب دیا جو اس سے پہلے والوں کو دیا تھا اور یقین دلا دیا کہ ہم لڑنے کے لئے نہیں آئے۔ یہ واپس چلا اور اس نے یہاں کا یہ نقشہ دیکھا تھا کہ اصحاب رسول کس طرح حضور ﷺ کے پروانے بنے ہوئے ہیں' آپ کے وضو کا پانی وہ ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں آپ کے تھوک کو اپنے ہاتھوں میں لینے کے لئے وہ ایک دوسرے سے سبقت کرتے ہیں' آپ کا کوئی بال گر پڑے تو ہر شخص لپکتا ہے کہ وہ اسے لے لے۔ جب یہ قریشیوں کے پاس پہنچا تو کہنے لگا اے قریش کی جماعت کے لوگو! میں کسریٰ کے ہاں اس کے دربار میں اور نجاشی کے ہاں اس کے دربار میں ہو آیا ہوں اللہ تعالیٰ کی قسم میں نے ان بادشاہوں کی بھی وہ عظمت اور وہ احترام نہیں دیکھا جو محمد (رسول اللہ ﷺ) کا دیکھا ہے آپ کے اصحاب تو آپ کی وہ عزت کرتے ہیں کہ اس سے زیادہ ناممکن ہے' اب تم سوچ لو اور اس بات کو یاد کر لو کہ اصحاب رسول ایسے نہیں کہ اپنے نبی کو تمہارے ہاتھوں میں دیدیں' اب آپ نے حضرت عمرؓ کو بلایا اور انہیں مکہ والوں کے پاس بھیجنا چاہا' لیکن اس سے پہلے یہ واقعہ ہو چکا تھا کہ آپ نے ایک مرتبہ حضرت خراش بن امیہ خزاعیؓ کو اپنے اونٹ پر جس کا نام ثعلب تھا سوار کرا کر مکے بھیجا تھا قریش نے اس اونٹ کی کوچیں کاٹ دی تھیں اور خود قاصد کو بھی قتل کر ڈالتے لیکن احابیش قوم نے انہیں بچا لیا' (شاید اس بنا پر) حضرت عمرؓ نے جواب میں کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ مجھے تو ڈر ہے کہ یہ لوگ مجھے قتل نہ کر دیں کیونکہ وہاں میرے قبیلہ بنو عدی کا کوئی شخص نہیں جو مجھے ان قریشیوں سے بچانے کی کوشش کرے اس لئے کیا یہ اچھا نہ ہو گا کہ آپ (حضرت) عثمانؓ بن عفان کو بھیجیں؟ جو ان کی نگاہوں میں مجھ سے بہت زیادہ ذی عزت ہیں۔ چنانچہ آپ نے حضرت عثمانؓ کو بلا کر انہیں مکہ میں بھیجا کہ جا کر قریش سے کہہ دیں کہ ہم لڑنے کے لئے نہیں آئے بلکہ صرف بیت اللہ کی زیارت اور اس کی عظمت بڑھانے کو آئے ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے شہر میں قدم رکھا ہی تھا جو ابان بن سعید بن عاص آپ کو مل گئے اور اپنی سواری سے اتر کر حضرت عثمانؓ کو آگے بٹھایا اور خود پیچھے بیٹھا اور اپنی ذمہ داری پر آپ کو لے چلا کہ آپ پیغام رسول اللہ ﷺ اہل مکہ کو پہنچا دیں۔ چنانچہ آپ وہاں گئے اور قریش کو یہ پیغام پہنچا دیا۔ انہوں نے کہا کہ آپ تو آ ہی گئے ہیں آپ اگر چاہیں تو بیت اللہ کا طواف کر لیں' لیکن ذوالنورین نے جواب دیا کہ جب تک حضور ﷺ طواف نہ کر لیں ناممکن ہے کہ میں طواف کروں۔ قریشیوں نے جناب عثمان کو روک لیا اور انہیں واپس نہ جانے دیا ادھر لشکر اسلام میں یہ خبر پہنچی کہ حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا گیا ہے۔

زہری کی روایت میں ہے کہ پھر قریشیوں نے سہیل ابن عمرو کو آپ کے پاس بھیجا کہ جا کر صلح کر لو لیکن یہ ضروری ہے کہ اس سال آپ مکہ میں نہیں آسکتے تاکہ عرب ہمیں طعنہ نہ دے سکیں کہ وہ آئے اور تم روک نہ سکے۔ چنانچہ سہیل یہ سفارت لے کر چلا' جب حضور ﷺ نے اسے دیکھا تو فرمایا معلوم ہوتا ہے کہ قریشیوں کا ارادہ اب صلح کا ہو گیا جو اسے بھیجا ہے۔ اس نے حضور ﷺ سے باتیں شروع کیں' اور دیر تک سوال جواب اور بات چیت ہوتی رہی۔ شرائط صلح طے ہو گئے صرف لکھنا باقی رہا۔ حضرت عمرؓ دوڑے ہوئے حضرت ابو بکر صدیقؓ کے پاس گئے اور فرمانے لگے کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟ کیا یہ لوگ مشرکین نہیں ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ ہاں تو کہا پھر کیا وجہ ہے کہ ہم دینی معاملات میں اتنی کمزوری دکھائیں۔ حضرت صدیقؓ نے فرمایا عمر اللہ کے رسول کی رکاب تھامے رہو' آپ ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں' حضرت عمرؓ سے پھر بھی صبر نہ ہو سکا خود رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسی طرح کہا۔ آپ نے جواب میں فرمایا سنو میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں اور اس کا غلام ہوں میں اس کے فرمان کے خلاف نہیں کر سکتا اور مجھے یقین ہے کہ وہ مجھے ضائع نہ کرے گا۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہنے کو تو اس وقت جوش میں میں حضور اکرم ﷺ سے یہ سب کچھ کہہ گیا لیکن پھر مجھے بڑی ندامت ہوئی میں نے اس کے بدلے بہت سے روزے رکھے بہت سی نمازیں پڑھیں اور بہت سے غلام آزاد کئے اس سے ڈر کر کہ مجھے اس گستاخی کی کوئی سزا اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کو صلح نامہ لکھنے کے لئے بلوایا اور فرمایا لکھو ﴿بسم

اللہ الرحمن الرحیم۔ ﴾ اس پر سہیل نے کہا میں اسے نہیں جانتا یوں لکھئے ﴿بِسْمِكَ اللّٰهُمَّ﴾ آپ نے فرمایا اچھا یونہی لکھو پھر فرمایا لکھو یہ وہ صلح نامہ ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ نے کیا اس پر سہیل نے کہا اگر میں آپ کو رسول مانتا تو آپ سے لڑتا ہی کیوں؟ یوں لکھئے کہ یہ وہ صلح نامہ ہے جو محمد بن عبداللہ (ﷺ) اور سہیل بن عمرو نے کیا اس بات پر کہ دس سال تک ہم میں کوئی لڑائی نہ ہوگی لوگ امن وامان سے رہیں گے ایک دوسرے سے بچا ہوا رہے گا اور یہ کہ جو شخص رسول اللہ (ﷺ) کے پاس اپنے ولی کی اجازت کے بغیر چلا جائیگا آپ اسے واپس لوٹا دیں گے اور جو صحابی رسول اللہ ﷺ قریشیوں کے پاس چلا جائے گا وہ اسے نہیں لوٹائیں گے' ہم میں آپ میں لڑائیاں بندر ہیں گی صلح قائم رہے گی کوئی طوق وزنجیر قید وبند بھی نہ ہوگی اسی میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ جو شخص محمد (ﷺ) کی جماعت اور آپ کے عہد وپیان میں آنا چاہے وہ بھی آسکتا ہے۔ اس پر بنو خزاعہ جلدی سے بول اٹھے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے عہد وپیان میں آئے ہیں اور بنو بکر نے کہا کہ ہم قریشیوں کے ساتھ ان کے ذمہ میں ہیں۔ صلح نامہ میں یہ بھی تھا کہ اس سال آپ واپس لوٹ جائیں مکہ میں نہ آئیں اگلے سال آئیں۔ اس وقت ہم باہر نکل جائینگے اور آپ اپنے اصحاب سمیت آئیں تین دن مکہ میں ٹھہریں ہتھیار اتنے ہی ہوں جتنے ایک سوار کے پاس ہوتے ہیں' تلواریں میان میں ہوں۔ ابھی صلح نامہ لکھا جارہا تھا جو سہیل کے لڑکے حضرت ابو جندلؓ لوہے کی بھاری زنجیروں میں جکڑے ہوئے گرتے پڑتے مکہ سے چھپے لکے بھاگ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مدینہ سے نکلتے ہوئے ہی فتح کا یقین کئے ہوئے تھے کیونکہ رسول اللہ ﷺ خواب میں دیکھ چکے تھے اس لئے انہیں فتح ہونے میں ذرا سا بھی شک نہ تھا۔ یہاں آکر انہوں نے جو یہ رنگ دیکھا کہ صلح ہو رہی ہے اور بغیر طواف کے بغیر زیارت بیت اللہ کے یہیں سے واپس ہونا پڑے گا بلکہ رسول اللہ ﷺ اپنے نفس پر مشقت اٹھا کر صلح کر رہے ہیں تو اس سے وہ بہت ہی پریشان خاطر تھے بلکہ قریب تھا کہ ہلاک ہو جائیں۔ یہ سب کچھ تو تھا ہی مزید برآں جب حضرت ابو جندلؓ جو مسلمان تھے اور جنہیں مشرکین نے قید کر رکھا تھا اور جن پر طرح طرح کے مظالم توڑ رہے تھے یہ سن کر کہ حضور ﷺ آئے ہوئے ہیں کسی نہ کسی طرح موقع پا کر بھاگ آتے ہیں اور طوق وزنجیر میں جکڑے ہوئے حاضر ہوتے ہیں تو سہیل اٹھ کر انہیں طمانچے مارنے شروع کر دیتا ہے اور کہتا ہے اے محمد (ﷺ) میرے آپ کے درمیان تصفیہ ہو چکا ہے یہ اسکے بعد آیا ہے لہذا اس شرط کے مطابق اسے واپس لے جاؤنگا۔ آپ جواب دیتے ہیں کہ ہاں ٹھیک ہے۔ سہیل کھڑا ہوتا ہے اور حضرت ابو جندلؓ کے گریبان میں ہاتھ ڈال کر گھسیٹتا ہوا انھیں لیکر چلتا ہے۔ حضرت ابو جندلؓ بلند آواز سے کہتے ہیں اے مسلمانو! مجھے مشرکوں کی طرف لوٹا رہے ہو؟ ہائے یہ مجھ سے میرا دین چھیننا چاہتے ہیں۔ اس واقعہ نے صحابہ کو اور برافروختہ کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ابو جندلؓ سے فرمایا ابو جندل صبر کر اور نیک نیت رہ اور طلب ثواب میں رہ نہ صرف تیرے لئے ہی بلکہ تجھ جیسے جتنے کمزور مسلمان ہیں ان سب کے لئے اللہ تعالیٰ راستہ نکالنے والا ہے اور تم سب کو اس درد غم' رنج و الم اور ظلم وستم سے چھٹانے والا ہے۔ ہم چونکہ صلح کر چکے ہیں شرائط طے ہو چکیں ہیں اس بنا پر ہم نے تمہیں سر دست واپس کر دیا ہے' ہم غدر کرنا شرائط کے خلاف کرنا عہد شکنی کرنا نہیں چاہتے۔ حضرت عمر بن خطابؓ ابو جندلؓ کے ساتھ ساتھ ان کے پہلو بہ پہلو جانے لگے اور کہتے جاتے تھے کہ ابو جندل صبر کر وان میں رکھا ہی کیا ہے؟ یہ مشرک لوگ ہیں ان کا خون مثل کتے کے خون کے ہے۔ حضرت عمرؓ ساتھ ہی ساتھ اپنی تلوار کی موٹھ کا حضرت ابو جندل کی طرف کرتے جارہے تھے کہ وہ تلوار کھینچ لیں اور ایک ہی وار میں باپ کو پرے پار کریں لیکن حضرت ابو جندل کا ہاتھ باپ پر نہ اٹھا صلح نامہ مکمل ہو گیا۔ فیصلہ پورا ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ حرم میں نماز پڑتے تھے اور حلال ہونے کیلئے مضطرب تھے۔ پھر حضور ﷺ نے لوگوں سے فرمایا کہ اٹھو اپنی اپنی قربانیاں کر لو اور سر منڈ والو لیکن ایک بھی کھڑا نہ ہوا۔ تین مرتبہ ایسا ہی ہوا۔ آپ لوٹ کر ام سلمہؓ کے پاس گئے اور فرمانے لگے لوگوں کو یہ کیا ہو گیا؟ مائی صاحبہ نے جواب دیا یا رسول اللہ ﷺ اس وقت جس قدر صدمے میں یہ ہیں آپ کو بخوبی معلوم ہے آپ ان سے کچھ نہ کہئے سیدھے اپنی قربانی کے جانور کے پاس جایئے اور

اسے جہاں وہ ہو وہیں قربان کر دیجئے اور خود سر منڈوا لیجئے پھر تو ممکن ہے کہ اور لوگ بھی کریں۔ آپ نے یہی کیا اب کیا تھا ہر شخص اٹھ کھڑا ہوا قربانی کو قربان کیا اور سر منڈوا لیا۔ اب آپ یہاں سے واپس چلے آدھا راستہ طے کیا ہوگا جو سورہ الفتح نازل ہوئی۔

یہ روایت صحیح بخاری میں بھی ہے اس میں ہے کہ آپ کے سامنے ایک ہزار کئی سو صحابہ تھے' ذوالحلیفہ پہنچ کر آپ نے قربانی کے اونٹوں کو نشان دار کیا اور عمرے کا احرام باندھا اور اپنے ایک جاسوس کو جو قبیلہ خزاعہ میں سے تھا تجسس کے لئے روانہ کیا غدیر اشطاط میں آکر اس نے خبر دی کہ قریش نے پورا مجمع تیار کر لیا ہے ادھر ادھر کے مختلف لوگوں کو بھی انہوں نے جمع کر لیا ہے اور ان کا ارادہ لڑائی کا اور آپ کو بیت اللہ سے روکنے کا ہے۔ آپ نے صحابہؓ سے فرمایا اب بتلاؤ کیا ہم ان کے اہل و عیال پر حملہ کر دیں؟ اگر وہ ہمارے پاس آئیں گے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی گردن کاٹ دی ہوگی۔ ورنہ ہم انہیں غمگین چھوڑ کر جائیں گے اگر وہ بیٹھ رہیں گے تو اس غم و رنج میں رہیں گے اور اگر انھوں نے نجات پالی تو یہ گردنیں ہونگی جو اللہ عزوجل نے کاٹ دی ہوں گی' دیکھو تو بھلا کتنا ظلم ہے کہ ہم نہ کسی سے لڑنے کو آئے نہ کسی اور ارادے سے آئے صرف اللہ تعالیٰ کے گھر کی زیارت کے لئے جا رہے ہیں اور وہ ہمیں روک رہے ہیں بتلاؤ ان سے ہم کیوں نہ لڑیں؟ اس پر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا یا رسول اللہ ﷺ! آپ بیت اللہ کی زیارت کو نکلے ہیں آپ چلے چلئے ہمارا ارادہ جدال و قتال کا نہیں لیکن جو ہمیں اللہ تعالیٰ کے گھر سے روکے گا ہم اس سے ضرور لڑیں گے خواہ کوئی ہو۔ آپ نے فرمایا بس اللہ کا نام لو اور چل کھڑے ہوؤ۔ کچھ اور آگے چل کر حضور ﷺ نے فرمایا خالد ابن ولید طلایہ کا لشکر لے کر آ رہا ہے پس تم دائیں طرف کو ہو لو۔ خالد کو اس کی خبر بھی نہ ہوئی اور حضور ﷺ مع صحابہ کے ان کے کلے پر پہنچ گئے اب خالد دوڑتا ہوا قریشیوں میں پہنچا اور انہیں اس سے مطلع کیا۔ اونٹنی کا نام اس روایت میں قصواء بیان ہوا ہے' اس میں یہ بھی ہے کہ حضور ﷺ نے جب یہ فرمایا کہ جو کچھ وہ مجھ سے طلب کریں گے میں دوں گا بشرطیکہ حرمت اللہ تعالیٰ کی اہانت نہ ہو۔ پھر جو آپ نے اونٹنی کو للکارا تو فوراً کھڑی ہوگئی۔ بدیل بن ورقا خزاعی رسول اللہ ﷺ کے پاس سے جا کر قریشیوں کو جب جواب پہنچاتا ہے تو عروہ بن مسعود ثقفی کھڑے ہو کر اپنا تعارف کرا کر جو پہلے بیان ہو چکا ہے یہ بھی کہتا ہے کہ دیکھو اس شخص نے نہایت معقول اور واجبی بات کہی ہے اسے قبول کر لو۔ اور جب یہ خود حاضر حضور ہو کر آپ کا یہی جواب آپ کے منہ سے سنتا ہے تو آپ سے کہتا ہے کہ سنئے جناب دو ہی باتیں ہیں یا آپ غالب وہ مغلوب یا وہ غالب آپ مغلوب۔ اگر پہلی بات ہی ہوئی تو بھی کیا ہوا آپ ہی کی قوم ہے آپ نے کسی کو ایسا سنا بھی ہے کہ جس نے اپنی قوم کا ستیاناس کیا ہو؟ اور اگر دوسری بات ہوگئی تو یہ جتنے آپ کے پاس ہیں میں تو دیکھتا ہوں کہ سارے ہی آپ کو چھوڑ کر فرار ہو جائیں گے۔ اس پر حضرت ابو بکرؓ نے وہ جواب دیا جو پہلے گذر چکا۔ حضرت مغیرہؓ والے بیان میں یہ بھی ہے کہ ان کے ہاتھ میں تلوار تھی اور سر پر خود تھا۔ ان کے مارنے پر عروہ نے کہا غدار میں نے تو تیری غداری میں تیرا ساتھ دیا تھا۔ بات یہ ہے کہ پہلے یہ جاہلیت کے زمانہ میں کافروں کے ایک گروہ کے ساتھ تھے موقعہ پا کر انہیں قتل کر ڈالا اور ان کا مال لے کر حاضر حضور ﷺ ہوئے۔ آپ نے فرمایا تمہارا اسلام تو میں منظور کرتا ہوں لیکن اس مال سے میرا کوئی تعلق نہیں۔ عروہ نے یہاں یہ منظر بھی بچشم خود دیکھا کہ آپ تھوکتے ہیں تو کوئی نہ کوئی صحابی لپک کر اسے اپنے ہاتھوں میں لے لیتا ہے اور اپنے چہرے اور اپنے جسم پر مل لیتا ہے آپ کے ہونٹوں کو جنبش ہوتے ہی فرمانبرداری کے لئے ایک سے ایک آگے بڑھتا ہے' جب آپ وضو کرتے ہیں تو آپ کے اعضاء بدن سے گرے ہوئے پانی پر قریب ہوتا ہے کہ صحابہ لڑ پڑیں جب آپ بات کرتے ہیں تو بالکل سناٹا ہو جاتا ہے جو کہیں سے چوں کی آواز بھی سنائی دے' حد تعظیم یہ ہے کہ صحابہ آنکھ بھر کر آپ کے چہرے منور کی طرف تکتے ہی نہیں بلکہ نیچی نگاہوں سے ہر وقت باادب رہتے ہیں۔ اس نے پھر واپس آن کر یہی حال قریشیوں کو سنایا اور کہا کہ حضور جو انصاف و عدل کی بات پیش کر رہے ہیں اسے مان لو۔

بنو کنانہ کے جس شخص کو اس کے بعد قریش نے بھیجا اسے دیکھ کر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا یہ لوگ قربانی کے جانوروں کی

بڑی تعظیم کرتے ہیں اس لئے قربانی کے جانوروں کو کھڑا کر دو اور اس کی طرف ہانک دو اس نے جو یہ منظر دیکھا ادھر صحابہ کی زبانی لبیک کی صدائیں سنیں تو کہہ اٹھا کہ ان لوگوں کو بیت اللہ سے روکنا نہایت لغو حرکت ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ مکرز کو دیکھ کر آپ نے فرمایا یہ ایک تاجر شخص ہے۔ ابھی یہ بیٹھا باتیں کر ہی رہا تھا جو سہیل آگیا اسے دیکھ کر حضور ﷺ نے اپنے صحابہؓ سے فرمایا' لو اب کام سہل ہو گیا۔ اس نے جب ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ اور آپ کے نام کے ساتھ رسول اللہ لکھنے پر اعتراض کیا تو آپ نے فرمایا واللہ میں رسول اللہ ہی ہوں گو تم نہ مانو' یہ اس بنا پر کہ جب آپ کی اونٹنی بیٹھ گئی تو آپ نے کہہ دیا تھا کہ یہ محرمات الٰہی کی عزت رکھتے ہوئے مجھ سے جو کہیں گے میں منظور کرلوں گا۔ آپ نے صلح نامہ لکھواتے ہوئے فرمایا کہ امسال ہمیں یہ بیت اللہ کی زیارت کر لینے دیں گے' لیکن سہیل نے کہا یہ ہمیں منظور نہیں ورنہ لوگ کہیں گے کہ ہم دب گئے اور کچھ نہ کر سکے۔ جب یہ شرط ہو رہی تھی کہ جو کافر ان میں سے مسلمان ہو کر حضور ﷺ کے پاس چلا جائے آپ اسے واپس دے دیں گے' اس پر مسلمانوں نے کہا سبحان اللہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ مسلمان ہو کر آئے اور ہم اسے کافروں کو سونپ دیں' یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں جو حضرت ابو جندلؓ اپنی بیڑیوں میں جکڑے ہوئے آگئے۔ سہیل نے کہا اسے واپس کیجئے۔ آپ نے فرمایا ابھی تک صلح نامہ مکمل نہیں ہوا میں اسے کیسے واپس کر دوں۔ اس نے کہا پھر تو اللہ کی قسم میں کسی طرح اور کسی شرط پر صلح کرنے میں رضامند نہیں ہوں۔ آپ نے فرمایا تم خود مجھے خاص اس کی بابت اجازت دے دو۔ اس نے کہا میں اس کی اجازت بھی آپ کو نہیں دوں گا۔ آپ نے دوبارہ فرمایا لیکن اس نے پھر بھی انکار کر دیا' گو مکرز نے کہا ہاں ہم آپ کو اس کی اجازت دیتے ہیں۔ اس وقت حضرت ابو جندلؓ نے مسلمانوں سے فریاد کی' ان بیچاروں کو مشرکین بڑی سخت سنگین سزائیں دیا کرتے تھے۔ اس پر حضرت عمرؓ حاضر ہوئے اور وہ کہا جو پہلے گذر چکا' پھر پوچھا کیا آپ نے ہم سے یہ نہیں فرمایا کہ ہم بیت اللہ میں جائیں گے اور اس کا طواف بھی کریں گے۔ آپ نے فرمایا ہاں یہ تو میں نے کہا ہے لیکن یہ تو نہیں کہ یہ اسی سال ہوگا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ ہاں یہ تو آپ نے نہیں فرمایا تھا۔ آپ نے فرمایا بس تو تم وہاں جاؤ گے اور بیت اللہ کا طواف ضرور کرو گے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں میں پھر حضرت ابو بکر صدیقؓ کے پاس آیا اور وہی کہا جس کا بیان اوپر گذرا۔ اس میں اتنا اور ہے کہ کیا حضور اللہ تعالیٰ کے رسول نہیں؟ اس کے جواب میں حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا ہاں ہیں۔ پھر میں نے حضور ﷺ کی پیش گوئی کا اسی طرح ذکر کیا اور وہی جواب ملا جو ذکر ہوا جو جواب خود رسول اللہ ﷺ نے دیا تھا۔ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ جب حضور ﷺ نے اپنے ہاتھ سے اپنے اونٹ کو نحر کیا اور نائی کو بلوا کر سر منڈوا لیا پھر تو سب صحابہؓ ایک ساتھ کھڑے ہوگئے اور قربانیوں سے فارغ ہو کر ایک دوسرے کا سر خود مونڈنے لگے اور مارے غم کے اور اژدحام کے قریب تھا کہ آپس میں لڑ پڑیں۔ اس کے بعد ایمان والی عورتیں حضور ﷺ کے پاس آئیں جن کے بارے میں آیت ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَاۗءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ﴾ الخ نازل ہوئی اور حضرت عمرؓ نے اس حکم کے ماتحت اپنی دو مشرکہ بیویوں کو اسی دن طلاق دے دی جن میں سے ایک نے معاویہؓ بن ابو سفیانؓ سے نکاح کر لیا اور دوسری نے صفوان بن امیہ سے نکاح کر لیا۔ آنحضرت ﷺ یہیں سے واپس لوٹ کر مدینہ منورہ آگئے۔

ابو بصیرؓ نامی ایک قریشی جو مسلمان تھے موقعہ پا کر مکہ سے نکل کر رسول اللہ ﷺ کے پاس مدینہ پہنچے ان کے پیچھے ہی دو کافر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ عہد نامہ کی بنا پر اس شخص کو واپس کیجئے ہم قریشیوں کے بھیجے ہوئے قاصد ہیں اور ابو بصیر کو واپس لینے کے لئے آئے ہیں۔ آپ نے فرمایا اچھی بات ہے میں اسے واپس کر دیتا ہوں۔ چنانچہ آپ نے حضرت ابو بصیرؓ کو انہیں سونپ دیا۔ یہ انہیں لے کر چلے جب ذوالحلیفہ پہنچے اور بے فکری سے وہاں کھجوریں کھانے لگے تو حضرت ابو بصیرؓ نے ان میں سے ایک شخص سے کہا واللہ میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ کی تلوار نہایت ہی عمدہ ہے۔ اس نے کہا ہاں بیشک بہت ہی اچھے لوہے کی ہے میں نے بارہا اس کا تجربہ کر لیا ہے اس کی کاٹ کا کیا پوچھنا ہے؟ یوں کہتے ہوئے اس نے تلوار میان سے نکال لی۔ ابو بصیرؓ نے ہاتھ بڑھا کر کہا ذرا مجھے

دکھانا اس نے دیدی آپ نے ہاتھ میں لیتے ہی تول کر ایک ہی ہاتھ میں اس کافر کا تو کام تمام کیا' دوسرا اس رنگ کو دیکھتے ہی مٹھیاں بند کر کے ایسا بگٹٹ بھاگا کہ سیدھا مدینہ پہنچ کر دم لیا اسے دیکھتے ہی حضور ﷺ نے فرمایا یہ بڑی گھبراہٹ میں ہے کوئی خوفناک منظر دیکھ چکا ہے۔ اتنے میں یہ قریب پہنچ گیا اور دہائیاں دینے لگا کہ یا رسول اللہ ﷺ میرا ساتھی تو مار ڈالا گیا اور میں بھی اب تھوڑے دم کا ہی مہمان ہوں دیکھئے وہ آیا۔ اتنے میں حضرت ابو بصیرؓ پہنچ گئے اور عرض کرنے لگے یا رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذمے کو پورا کر دیا ہے' آپ نے اپنے وعدے کے مطابق مجھے ان کے حوالے کر دیا' اب یہ اللہ کی کریمی ہے کہ اس نے مجھے ان سے رہائی دلوائی۔ آپ نے فرمایا افسوس یہ کیسا شخص ہے؟ یہ تو لڑائی کی آگ کو بھڑکانے والا ہے کاش کہ کوئی اسے سمجھائے دیتا۔ یہ سنتے ہی حضرت ابو بصیرؓ چونک گئے کہ معلوم ہوتا ہے آپ شاید مجھے دوبارہ مشرکین کے حوالے کر دیں گے' یہ سوچتے ہی حضور ﷺ کے پاس سے چلے گئے مدینہ کو الوداع کہا اور لمبے قدموں سمندر کے کنارے کی طرف چل دیئے اور وہیں بود و باش اختیار کر لی' یہ واقعہ مشہور ہو گیا۔ ادھر سے ابو جندل بن سہیلؓ جنہیں حدیبیہ میں اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے واپس کیا تھا وہ بھی موقعہ پا کر پھر مکہ سے بھاگ کھڑے ہوئے اور براہ راست حضرت ابو بصیرؓ کے پاس چلے آئے' اب یہ ہوا کہ مشرکین قریش میں سے جو بھی ایمان قبول کرتا سیدھا حضرت ابو بصیرؓ کے پاس آ جاتا اور یہیں رہتا سہتا یہاں تک کہ ایک خاصی معقول جماعت ایسے ہی لوگوں کی یہاں جمع ہو گئی اور انہوں نے یہ کرنا شروع کیا کہ قریشیوں کا جو قافلہ شام کی طرف جانے کے لئے نکلتا یہ اس سے جنگ کرتے جس میں قریشی کفار قتل بھی ہوئے اور ان کے مال بھی ان مہاجر مسلمانوں کے ہاتھ لگے یہاں تک کہ قریشی تنگ آ گئے بالآخر انہوں نے پیغمبر الٰہی ﷺ کی خدمت میں آدمی بھیجا کہ حضرت خدارا ہم پر رحم فرما کر ان لوگوں کو وہاں سے اپنے پاس بلوا لیجئے ہم ان سب سے دستبردار ہوتے ہیں ان میں سے جو بھی آپ کے پاس آ جائے وہ امن میں ہے ہم آپ کو اپنی رشتہ داریاں یاد دلاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیتے ہیں کہ انھیں اپنے پاس بلوا لو۔ چنانچہ حضور ﷺ نے اس درخواست کو منظور فرما لیا اور ان حضرات کے پاس آدمی بھیج کر سب کو بلوا لیا اور اللہ عزوجل نے آیت ﴿وَهُوَ الَّذِىْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ﴾ نازل فرمائی۔ ان کفار کی حمیت جاہلیت یہ تھی کہ انہوں نے ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ نہ لکھنے دی' آپ کے نام کے ساتھ رسول اللہ نہ لکھنے دیا۔ آپ کو بیت اللہ کی زیارت نہ کرنے دی۔

صحیح بخاری کی کتاب التفسیر میں ہے حبیب بن ابو ثابتؒ کہتے ہیں میں ابو وائل کے پاس گیا تا کہ ان سے پوچھوں انہوں نے کہا ہم صفین میں تھے ایک شخص نے کہا کیا تو نے انہیں نہیں دیکھا کہ وہ کتاب اللہ کی طرف بلائے جاتے ہیں۔ پس حضرت علیؓ نے فرمایا ہاں پس سہیل بن حنیفؓ نے کہا اپنی جانوں پر تہمت رکھو ہم نے اپنے تئیں حدیبیہ والے دن دیکھا یعنی اس صلح کے موقعہ پر جو نبی ﷺ اور مشرکین کے درمیان ہوئی تھی اگر ہماری رائے لڑنے کی ہوتی تو ہم یقیناً لڑتے۔ حضرت عمرؓ نے آ کر کہا کہ کیا ہم حق پر اور وہ باطل پر نہیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا ہاں۔ کہا پھر ہم کیوں اپنے دین میں جھک جائیں اور لوٹ جائیں حالانکہ اب تک رب تعالیٰ نے ہم میں ان میں کوئی فیصلہ کن کاروائی نہیں کی۔ آں حضرت ﷺ نے فرمایا اے ابن خطاب! میں اللہ کا رسول ہوں وہ مجھے کبھی بھی ضائع نہ کریگا۔ یہ جواب سنکر حضرت عمرؓ لوٹ آئے لیکن بہت غصے میں تھے' وہاں سے حضرت صدیقؓ کے پاس آئے اور یہی سوال و جواب یہاں بھی ہوئے اور سورہ فتح نازل ہوئی۔ بعض روایات میں حضرت سہیل ابن حنیفؓ کے یہ الفاظ بھی ہیں کہ میں نے اپنے تئیں ابو جندل والے دن دیکھا کہ اگر مجھ میں رسول اللہ ﷺ کے حکم کو لوٹانے کی قدرت ہوتی تو میں یقیناً لوٹا دیتا۔ اس میں یہ بھی ہے کہ جب سورۂ فتح اتری تو حضور ﷺ نے حضرت عمرؓ کو بلا کر یہ سورت انہیں سنائی۔ مسند احمد کی روایت میں ہے کہ جس وقت یہ شرط طے ہوئی کہ ان کا آدمی انھیں واپس کیا جائے اور ہمارا آدمی واپس نہ کریں تو حضور ﷺ سے کہا گیا کیا ہم یہ بھی مان لیں اور لکھ دیں؟ آپ نے فرمایا ہاں' اس لئے کہ ہم میں سے جو ان میں جائے اللہ تعالیٰ اسے ہم میں سے دور ہی رکھے (مسلم) مسند احمد میں حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب خارجی

نکل کھڑے ہوئے اور انہوں نے علیحد گی اختیار کی تو میں نے ان سے کہا رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ والے دن جب مشرکین سے صلح کی تو حضرت علیؓ سے فرمایا اے علی لکھ یہ وہ شرائط صلح ہیں جن پر اللہ کے رسول محمد (ﷺ) نے صلح کی تو مشرکین نے کہا اگر ہم آپ کو رسول اللہ مانتے تو آپ سے ہرگز نہ لڑتے۔ تو آپ نے فرمایا اے علی اسے مٹا دو اے اللہ تو خوب جانتا ہے کہ میں تیرا رسول ہوں علی اسے کاٹ دو اور لکھو یہ ہے جس پر صلح کی محمد بن عبداللہ (ﷺ) نے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم رسول اللہ ﷺ حضرت علی سے بہت بہتر تھے' پھر بھی آپ نے اس لکھے ہوئے کو کٹوا دیا' اس سے کچھ آپ نبوت سے نہیں نکل گئے۔ مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ والے دن ستر اونٹ قربان کئے جن میں ایک اونٹ ابوجہل کا بھی تھا جب یہ اونٹ بیت اللہ سے روک دیئے گئے تو اس طرح نالہ و بکا کرتے تھے جیسے اس کا دودھ پیتا بچہ الگ ہو گیا ہو۔

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ ۭ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿٢٧﴾ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿٢٨﴾

یقیناً اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے مطابق واقعہ خواب سچا کر دکھایا۔ کہ انشاء اللہ تم یقیناً پورے امن و امان کے ساتھ مسجد حرام میں جاؤ گے' سر منڈواتے ہوئے اور سر کے بال کترواتے ہوئے چین کے ساتھ نڈر ہو کر' وہ ان امور کو جانتا ہے جنھیں تم نہیں جانتے پس اس لئے اس سے پہلے ایک نزدیک کی فتح تمھیں میسر کی۔ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین برحق کے ساتھ بھیجا تاکہ اسے ہر دین سے اوپر رکھے۔ اور اللہ تعالیٰ کافی ہے اظہار حق کرنے والا۔

نبی کا خواب بمنزلہ وحی کے ہوتا ہے: رسول اللہ ﷺ نے خواب دیکھا تھا کہ آپ مکہ میں گئے اور بیت اللہ کا طواف کیا۔ آپ نے اس کا ذکر اپنے اصحاب سے مدینہ میں ہی کر دیا تھا۔ حدیبیہ والے سال جب آپ عمرے کے ارادے سے چلے تو اس خواب کی بنا پر صحابہؓ کو یقین کامل تھا کہ اس سفر میں ہی ہم کامیابی کے ساتھ اس خواب کا ظہور دیکھ لیں گے وہاں جاکر جو رنگت بدلی ہوئی دیکھی یہاں تک کہ صلح نامہ لکھ کر بغیر زیارت بیت اللہ واپس ہونا پڑا تو ان صحابہؓ پر نہایت شاق گذرا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے تو خود حضور ﷺ سے یہ کہا بھی کہ آپ نے تو ہم سے فرمایا تھا کہ ہم بیت اللہ جائیں گے اور طواف سے مشرف ہوں گے۔ آپ نے فرمایا یہ صحیح ہے لیکن یہ تو میں نے نہیں کہا تھا کہ اسی سال ایسا ہو گا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا ہاں یہ تو نہیں فرمایا تھا۔ آپ نے فرمایا پھر جلدی کیا ہے؟ تم بیت اللہ جاؤ گے ضرور اور طواف بھی یقیناً کرو گے۔ پھر حضرت صدیقؓ سے یہی کہا اور ٹھیک یہی جواب پایا۔ اس آیت میں ﴿اِنْ شَآءَ اللّٰهُ﴾ ہے یہ استثنا کے لئے نہیں بلکہ تحقیق اور تاکید کے لئے ہے۔ اس مبارک خواب کی تاویل کو صحابہؓ نے دیکھ لیا اور پورے امن و اطمینان کے ساتھ مکہ میں گئے اور وہاں جاکر احرام کھولتے ہوئے بعض نے اپنا سر منڈوایا اور بعض نے بال کتروائے۔ صحیح حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ سر منڈوانے والوں پر رحم کرے۔ لوگوں نے کہا حضرت اور کتروانے والوں پر بھی۔ آپ نے دوبارہ یہی فرمایا۔ پھر لوگوں نے وہی کہا آخر تیسری یا چوتھی دفعہ میں آپ نے کتروانے والوں کے لئے بھی رحم کی دعا کی'

پھر فرمایا بے خوف ہو کر یعنی مکہ میں جاتے وقت بھی امن و امان سے ہو گے' اور مکہ کا قیام بھی بے خوفی کا ہو گا۔ چنانچہ عمرۃ قضا

میں یہی ہوا' یہ عمرہ ذی قعدہ سنہ ۷ ہجری میں ہوا تھا۔ حدیبیہ سے آپ ذی قعدہ کے مہینے میں لوٹے ذی الحجہ اور محرم تو مدینہ میں قیام رہا' صفر میں خیبر کی طرف گئے اس کا کچھ حصہ تو از روئے جنگ فتح ہوا اور کچھ حصہ از روئے صلح مسخر ہوا' یہ بہت بڑا علاقہ تھا اس میں کھجوروں کے باغات اور کھیتاں بکثرت تھیں' یہیں کے یہودیوں کو آپ نے بطور خادم یہاں رکھ کر ان سے یہ معاملہ طے کیا کہ وہ باغات اور کھیتیوں کی حفاظت اور خدمت کریں اور پیداوار کا نصف حصہ دے دیا کریں۔ خیبر کی تقسیم رسول اللہ ﷺ نے صرف ان ہی صحابہ میں کی جو حدیبیہ میں موجود تھے ان کے سوا کسی اور کو اس جنگ میں آپ نے حصہ دار نہیں بنایا' بجز ان لوگوں کے جو حبشے کی ہجرت سے واپس آئے تھے' حضرت جعفر بن ابو طالبؓ اور ان کے ساتھی حضرت ابو موسیٰؓ اشعری اور ان کے ساتھی اور جنگ حدیبیہ میں جو حضرات حضور ﷺ کے ساتھ تھے وہ سب اس فتح خیبر میں بھی ساتھ تھے بجز حضرت ابو دجانہ سماک بن خرشہؓ کے جیسے کہ اس کا پورا بیان اپنی جگہ ہے۔ یہاں سے آپ سالم و غانم واپس تشریف لائے اور ماہ ذی القعدہ سنہ ۷ ہجری میں مکہ کی طرف بارادہ عمرہ اہل حدیبیہ کو ساتھ لے کر آپ روانہ ہوئے' ذوالحلیفہ سے احرام باندھا قربانی کے لئے ساٹھ اونٹ لئے اور لبیک پکارتے ہوئے ظہران کے قریب پہنچ کر حضرت محمد بن سلمہؓ کو کچھ گھوڑے سواروں کے ساتھ ہتھیار بند آگے آگے روانہ کیا' اس سے مشرکین کے اوسان خطا ہو گئے اور مارے رعب کے ان کے کلیجے اچھلنے لگے انہیں خیال گزرا کہ یہ تو پوری تیاری اور کامل ساز و سامان کے ساتھ آئے ہیں تو ضرور لڑائی کے ارادے سے ہی آئے ہیں انہوں نے شرط توڑ دی کہ دس سال تک کوئی لڑائی نہ ہو گی۔ چنانچہ یہ لوگ دوڑے ہوئے مکہ گئے اور اہل مکہ کو اس کی اطلاع دی۔ حضور جب مر ظہران میں پہنچے جہاں سے کعبہ کے بت دکھائی دیتے تھے تو آپ نے تمام نیزے بھالے تیر کمان بطن یاجج میں بھیج دیئے مطابق شرط صرف تلواریں پاس رکھ لیں اور وہ بھی میان میں تھیں۔ ابھی آپ راستے میں ہی تھے جو قریش کا بھیجا ہوا آدمی مکرز بن حفص آیا اور کہنے لگا حضور! آپ کی عادت تو عہد توڑنے کی نہیں۔ حضور ﷺ نے پوچھا کیا بات ہے؟ وہ کہنے لگا کہ آپ تیر اور نیزے لے کر آ رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا نہیں ہم نے تو وہ سب یاجج بھیج دیئے۔ اس نے کہا یہی ہمیں آپ کی ذات سے امید تھی آپ ہمیشہ سے بھلائی نیکی اور وفاداری کرنے والے ہیں۔ سرداران کفار تو بوجہ غیظ و غضب اور رنج و غم کے شہر سے باہر چلے گئے کیوں کہ وہ تو آپ کو اور آپ کے اصحاب کو دیکھنا بھی نہیں چاہتے تھے اور جو لوگ مکہ میں رہ گئے تھے وہ سب مرد عورت بچے تمام راستوں پر اور کوٹھوں پر اور چھتوں پر کھڑے ہو گئے اور ایک استعجاب کی نظر سے اس مخلص گروہ کو اس پاک لشکر کو اس خدائی فوج کو دیکھ رہے تھے۔ آپ نے قربانی کے جانور ذی طویٰ میں بھیج دیئے تھے' خود آپ اپنی مشہور اونٹنی قصواء پر سوار تھے آگے آگے آپ کے اصحاب تھے جو برابر لبیک پکار رہے تھے۔ حضرت عبد اللہؓ ابن رواحہ انصاریؓ آپ کی اونٹنی کی نکیل تھامے ہوئے تھے اور یہ اشعار پڑھے۔

﴿بِاسْمِ الَّذِیْ لَا دِیْنَ اِلَّا دِیْنُهٗ﴾ ﴿بِسْمِ الَّذِیْ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُهٗ﴾
﴿خَلُّوْا بَنِی الْکُفَّارِ عَنْ سَبِیْلِهٖ﴾ ﴿اَلْیَوْمَ نَضْرِبُکُمْ عَلٰی تَاْوِیْلِهٖ﴾
﴿کَمَا ضَرَبْنَاکُمْ عَلٰی تَنْزِیْلِهٖ﴾ ﴿ضَرْبًا یُّزِیْلُ الْهَامَ عَنْ مَّقِیْلِهٖ﴾
﴿وَیُذْهِلُ الْخَلِیْلَ عَنْ خَلِیْلِهٖ﴾ ﴿قَدْ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ فِیْ تَنْزِیْلِهٖ﴾
﴿فِیْ صُحُفٍ تُتْلٰی عَلٰی رَسُوْلِهٖ﴾ ﴿بِاَنَّ خَیْرَ الْقَتْلِ فِیْ سَبِیْلِهٖ﴾
﴿یَا رَبِّ اِنِّیْ مُؤْمِنٌ بِقِیْلِهٖ﴾

یعنی اس اللہ تعالیٰ کے نام سے جس کے دین کے سوا اور کوئی دین قابل قبول نہیں' اس اللہ کے نام سے جس کے رسول حضرت محمد (ﷺ) ہیں۔ اے کافروں کے بچو! حضور ﷺ کے راستے سے ہٹ جاؤ آج ہم تمہیں آپ کے لوٹنے پر بھی ویسا ہی ماریں گے جیسا کہ آپ کے آنے پر مارا تھا' وہ مار جو دماغ کو اس کے ٹھکانے سے ہٹا دے اور دوست کو دوست سے بھلا دے۔ اللہ تعالیٰ رحم والے نے اپنی

وحی میں نازل فرمایا ہے جو ان صحیفوں میں محفوظ ہے جو اس کے رسول کے سامنے تلاوت کئے جاتے ہیں کہ سب سے بہتر موت شہادت کی موت ہے جو اس کی راہ میں ہو۔ اے میرے پروردگار میں اس بات پر ایمان لا چکا ہوں۔ بعض روایتوں میں الفاظ میں کچھ ہیر پھیر بھی ہے۔

مسند احمد میں ہے کہ اس عمرے کے سفر میں جب حضور ﷺ مرالظہران میں پہنچے تو صحابہؓ نے سنا کہ اہل مکہ کہتے ہیں یہ لوگ بوجہ لاغری اور کمزوری کے اٹھ بیٹھ نہیں سکتے یہ سن کر صحابہ حضرت ﷺ کے پاس آئے اور کہا اگر آپ اجازت دیں تو ہم اپنی سواریوں کے چند جانور ذبح کر لیں ان کا گوشت کھائیں اور شوربا پئیں اور تازہ دم ہو کر مکہ میں جائیں۔ آپ نے فرمایا نہیں ایسا نہ کرو تمہارے پاس جو کھانا ہو اسے جمع کرو۔ چنانچہ جمع کیا دستر خوان بچھایا اور کھانے بیٹھے تو حضور ﷺ کی دعا کی وجہ سے کھانے میں اتنی برکت ہوئی کہ سب نے کھا پی لیا اور توشے دان بھر لئے۔ آپ مکہ مکرمہ میں آئے سیدھے بیت اللہ گئے قریشی حطیم کی طرف بیٹھے ہوئے تھے آپ نے چادر کے پلے دائیں بغل کے نیچے سے نکال کر بائیں کندھے پر ڈال لئے اور اصحابؓ سے فرمایا یہ لوگ تم میں سستی اور لاغری محسوس نہ کریں۔ اب آپ نے رکن کو بوسہ دے کر دوڑنے کی سی چال سے طواف شروع کیا جب رکن یمانی کے پاس پہنچے جہاں قریش کی نظریں نہیں پڑتی تھیں تو وہاں سے آہستہ آہستہ چل کر حجر اسود تک پہنچے۔ قریش کہنے لگے تم لوگ تو ہرنوں کی طرح چوکڑیاں بھر رہے ہو گویا چلنا تمہیں پسند ہی نہیں۔ تین مرتبہ تو آپ اسی طرح ہلکی دوڑ کی سی چال حجر اسود سے رکن یمانی تک چلتے رہے تین پھیرے اسی طرح کئے' چنانچہ یہی مسنون طریقہ ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے حجۃ الوداع میں بھی اسی طرح طواف کے تین پھیروں میں رمل کیا یعنی دلکی چال چلے۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ اصحاب رسول کے لئے مدینہ کی آب و ہوا شروع میں کچھ ناموافق پڑی تھی اور بخار کی وجہ سے یہ کچھ لاغر ہو گئے تھے' جب آپ مکہ پہنچے تو مشرکین مکہ نے کہا یہ لوگ جو آ رہے ہیں انہیں مدینے کے بخار نے کمزور اور سست کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے اس کلام کی خبر اپنے رسول (ﷺ) کو کر دی۔ مشرکین حطیم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے آپ نے اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ وہ حجر اسود سے لے کر رکن یمانی تک طواف کے تین پہلے پھیروں میں دلکی چال چلیں اور رکن یمانی سے حجر اسود تک جہاں جانے کے بعد مشرکین کی نگاہیں نہیں پڑتی تھیں وہاں اپنی چال چلیں پورے ساتوں پھیروں میں رمل کرنے کو نہ کہنا یہ صرف بطور رحم کے تھا۔ مشرکوں نے جب دیکھا کہ یہ تو سب کے سب کود کر پھرتی اور چستی سے طواف کر رہے ہیں تو آپس میں کہنے لگے کیوں جی انہیں کی نسبت اڑا رکھا تھا کہ مدینے کے بخار نے انہیں سست و لاغر کر دیا ہے؟ یہ لوگ تو فلاں اور فلاں سے بھی زیادہ چست و چالاک ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ ذوالقعدہ کی چوتھی تاریخ کو مکہ مکرمہ پہنچ گئے تھے۔ اور روایت میں ہے کہ مشرکین اس وقت قعیقعان کی طرف تھے۔ حضور ﷺ کا صفا مروہ کی طرف سعی کرنا بھی مشرکوں کو اپنی قوت دکھانے کے لئے تھا۔ حضرت ابن ابی اوفیٰ فرماتے ہیں اس دن ہم آپ پر چھائے ہوئے تھے اس لئے کہ کوئی مشرک یا کوئی نا سمجھ آپ کو کوئی ایذا نہ پہنچا سکے۔ بخاری میں ہے حضور ﷺ عمرے کے لئے نکلے لیکن کفار قریش نے راستہ روک لیا اور آپ کو بیت اللہ تک نہ جانے دیا آپ نے وہیں قربانیاں کیں اور وہیں یعنی حدیبیہ میں سر منڈوا لیا اور ان سے صلح کر لی جس میں یہ طے ہوا کہ آپ اگلے سال عمرہ کریں گے سوائے تلواروں کے اور کوئی ہتھیار اپنے ساتھ لے کر مکہ مکرمہ میں نہیں آئیں گے اور وہاں اتنی ہی مدت ٹھہریں گے جتنی اہل مکہ چاہیں۔ پس اگلے سال یہ سب اسی طرح آئے تین دن تک ٹھہرے پھر مشرکین نے کہا اب آپ چلے جائیں چنانچہ آپ وہاں سے واپس ہوئے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ذی قعدہ میں عمرہ کرنے کا ارادہ کیا لیکن اہل مکہ حائل ہوئے تو آپ نے ان سے یہ فیصلہ کیا کہ آپ صرف تین دن ہی مکہ ٹھہریں گے جب صلح نامہ لکھنے لگے تو لکھا یہ وہ ہے جس پر محمد رسول اللہ ﷺ نے صلح کی تو اہل مکہ نے کہا کہ اگر آپ کو ہم رسول اللہ جانتے تو ہرگز نہ روکتے بلکہ آپ محمد بن عبداللہ لکھئے آپ نے فرمایا میں رسول اللہ ہوں میں محمد بن عبداللہ ہوں' پھر آپ نے حضرت علی بن ابو طالبؓ سے فرمایا

لفظ رسول اللہ کو مٹاد و حضرت علیؓ نے فرمایا نہیں نہیں قسم اللہ تعالیٰ کی میں اسے ہرگز نہ مٹاؤں گا چنانچہ آپ نے صلح نامہ کو اپنے ہاتھ میں لے کر باوجود اچھی طرح لکھنا نہ جاننے کے لکھا کہ یہ وہ ہے جس پر محمد بن عبداللہ نے صلح کی (ﷺ) یہ کہ مکہ میں ہتھیار لے کر داخل نہ ہوں گے صرف تلوار ہوگی اور وہ بھی میان میں اور یہ کہ اہل مکہ میں سے جو آپ کے ساتھ جانا چاہے گا اسے آپ اپنے ساتھ نہیں لے جائیں گے اور یہ کہ آپ کے ساتھیوں میں سے جو مکے میں رہنے کے ارادے سے ٹھہرنا چاہے گا آپ روکیں گے نہیں، پس جب آپ آئے اور وقت مقررہ گذر چکا تو مشرکین حضرت علیؓ کے پاس آئے اور کہا آپ حضور ﷺ سے کہیے کہ اب وقت گذر چکا تشریف لے جائیں، چنانچہ آپ نے کوچ کر دیا۔ حضرت حمزہؓ کی صاحبزادی چچا چچا کہہ کر آپ کے پیچھے ہولیں حضرت علیؓ نے انھیں لے لیا اور انگلی تھام کر حضرت فاطمہؓ کے پاس لئے گئے اور فرمایا اپنے چچا کی لڑکی کو اچھی طرح رکھو۔ حضرت فاطمہؓ نے بڑی خوشی سے بچی کو اپنے پاس بٹھالیا۔ اب حضرت علی اور حضرت زید اور حضرت جعفرؓ میں جھگڑا ہونے لگا، حضرت علیؓ فرماتے تھے انہیں میں لے آیا ہوں اور یہ میرے چچا کی صاحب زادی ہیں۔ جعفرؓ فرماتے تھے میری چچازاد بہن ہے اور ان کی خالہ میرے گھر میں ہیں۔ حضرت زیدؓ فرماتے تھے میرے بھائی کی لڑکی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اس جھگڑے کا فیصلہ یوں کیا کہ لڑکی کو توان کی خالہ کو سونپا اور فرمایا خالہ قائم مقام ماں کے ہے۔ حضرت علیؓ سے فرمایا تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں۔ حضرت جعفرؓ سے فرمایا تو خلق اور خلق میں مجھ سے پوری مشابہت رکھتا ہے۔ حضرت زیدؓ سے فرمایا تو ہمارا بھائی اور ہمارا مولی ہے۔ حضرت علیؓ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ آپ (حضرت) حمزہ کی لڑکی سے نکاح کیوں نہ کر لیں؟ آپ نے فرمایا وہ میرے رضاعی بھائی کی لڑکی ہے۔ پھر فرماتا ہے اللہ تعالیٰ جس خیر و مصلحت کو جانتا تھا اور جسے تم نہیں جانتے تھے اس کی بنا پر تمہیں اس سال مکہ میں نہ جانے دیا اور اگلے سال جانے دیا اور اس جانے سے پہلے ہی جس کا وعدہ خواب کی شکل میں رسول اللہ ﷺ سے ہوا تھا تمہیں فتح قریب عنایت فرمائی یہ فتح وہ صلح ہے جو تمہارے اور تمہارے دشمنوں کے درمیان ہوئی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ مومنوں کو خوشخبری سناتا ہے کہ وہ اپنے رسول کو ان دشمنوں اور تمام دشمنوں پر فتح دے گا۔ اس نے آپکو علم نافع اور عمل صالح کے ساتھ بھیجا ہے۔ شریعت میں دو ہی چیزیں ہوتی ہیں علم اور عمل پس علم شرعی صحیح علم ہے اور عمل شرعی مقبولیت والا عمل ہے اس کے اخبار سچے، اس کے احکام سراسر عدل وحق والے۔ چاہت یہ ہے کہ روئے زمین پر جتنے دین ہیں عربوں میں عجمیوں میں مسلمین میں، مشرکین میں ان سب پر اس اپنے دین کو غالب اور ظاہر باہر کرے۔ اللہ کافی گواہ ہے اس بات پر کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ ہی آپ کا مددگار ہے ﴿واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم ﴾

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ؗ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۛ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۛ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾

ع ۴ | ۱۲

محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں کافروں پر سخت ہیں آپس میں رحم دل ہیں تو انہیں دیکھے گا کہ رکوع اور سجدے کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں ہیں، ان کا نشان ان کے چہروں پر سجدوں کے اثر سے ہے، ان کی یہی صفت تورات میں ہے اور ان کی

صفت انجیل میں ہے۔ مثل اس کھیتی کے جس نے اپنا پٹھا نکالا پھر اسے مضبوط کیا اور وہ موٹا ہو گیا پھر اپنی جڑ پر سیدھا کھڑا ہو گیا اور کسانوں کو خوش کرنے لگا تا کہ ان کی وجہ سے کافروں کو چڑائے' ان ایمان والوں اور شائستہ اعمال والوں سے اللہ نے بخشش کا اور بہت بڑے ثواب کا وعدہ کیا ہے۔

اصحاب رسول سے بغض و عناد کفر ہے: ان آیتوں میں پہلے نبی ﷺ کی صفت و ثنا بیان ہوئی کہ آپ اللہ کے برحق رسول ہیں' پھر آپ کے صحابہ کی صفت و ثنا بیان ہو رہی ہے کہ وہ مخالفین پر سختی کرنے والے اور مسلمانوں پر نرمی کرنے والے ہیں جیسے اور آیت میں ہے ﴿اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ﴾ مومنوں کے سامنے نرم کفار کے مقابلہ میں گرم۔ ہر مومن کی یہی شان ہونی چاہئے کہ وہ مومنوں سے خوش خلق اور متواضع رہے اور کفار پر سختی کرنیوالا اور کفر سے ناخوش رہے۔ قرآن حکیم فرماتا ہے ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً﴾ ایمان والو اپنے پاس کے کافروں سے جہاد کرو وہ تم میں سختی محسوس کریں۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں آپس کی محبت اور نرم دلی میں مومنوں کی مثال ایک جسم کی طرح ہے کہ اگر کسی ایک عضو میں درد ہو تو سارا جسم بے قرار ہو جاتا ہے کبھی بخار چڑھ آتا ہے کبھی نیند اچاٹ ہو جاتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں مومن مومن کے لئے مثل دیوار کے ہے جس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو تقویت پہنچاتا اور مضبوط کرتا ہے' پھر آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسری میں ملا کر بتلائیں۔ پھر ان کا اور وصف بیان فرمایا کہ نیکیاں بکثرت کرتے ہیں خصوصاً نماز جو تمام نیکیوں سے افضل و اعلیٰ ہے۔ پھر ان کی نیکیوں میں چار چاند لگانے والی چیز کا بیان کیا یعنی ان کے خلوص اور رضائے رب طلبی کا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رضا کے متلاشی ہیں۔ یہ اپنے اعمال کا بدلہ اللہ تعالیٰ سے چاہتے ہیں جو جنت ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے انہیں ملے گی اور اللہ تعالیٰ اپنی رضامندی بھی انہیں عطا فرمائے گا جو بہت بڑی چیز ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ چہروں پر سجدوں کے اثر سے علامت ہونے سے مراد اچھے اخلاق ہیں۔ مجاہدؒ سے وغیرہ فرماتے ہے خشوع اور تواضع ہے۔ حضرت منصورؒ حضرت مجاہدؒ کہتے ہیں میرا تو یہ خیال تھا کہ اس سے مراد نماز کا نشان ہے جو ماتھے پر پڑ جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا یہ تو ان کی پیشانیوں پر بھی ہوتا ہے جن کے دل فرعون سے بھی زیادہ سخت ہوتے ہیں۔ حضرت سدیؒ فرماتے ہیں نماز ان کے چہرے اچھے کر دیتی ہے۔ بعض سلف سے منقول ہے جو رات کو بہ کثرت نماز پڑھے گا اس کا چہرہ خوبصورت ہو گا۔ حضرت جابرؓ کی روایت سے ابن ماجہ کی ایک مرفوع حدیث میں بھی یہی مفہوم ہے' لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ موقوف ہے۔ بعض بزرگوں کا قول ہے کہ نیکی کی وجہ سے دل میں نور ہوتا ہے چہرے پر روشنی آتی ہے' روزی میں کشادگی ہوتی ہے' لوگوں کے دلوں میں محبت پیدا ہوتی ہے۔ امیر المومنین حضرت عثمانؓ کا فرمان ہے کہ جو شخص اپنے اندرونی پوشیدہ حالات کی اصلاح کرے اور بھلائیاں پوشیدگی سے کرے اللہ تعالیٰ اسکے چہرے کی سلوٹوں پر اور اس کے زبان کے کناروں پر ان نیکیوں کو ظاہر کر دیتا ہے۔ الغرض دل کا آئینہ چہرہ ہے جو اس میں ہوتا ہے اس کا اثر چہرے پر ہوتا ہے پس مومن جب اپنے دل کو درست کر لیتا ہے' اپنا باطن سنوار لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ظاہر کو بھی لوگوں کی نگاہوں میں سنوار دیتا ہے۔ امیر المومنین حضرت عمر بن خطابؓ فرماتے ہیں جو شخص اپنے باطن کی اصلاح کر لیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے ظاہر کو بھی آراستہ و پیراستہ کر دیتا ہے طبرانی میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو شخص جیسی بات پوشیدہ رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اسی کی چادر اڑھا دیتا ہے اگر وہ پوشیدگی بھلی ہے تو بھلائی کی اور اگر بری ہے تو برائی کی۔ لیکن اس کا ایک راوی عراقی متروک ہے۔ مسند احمد میں آپ کا فرمان ہے کہ اگر تم میں سے کوئی شخص کسی ٹھوس چٹان میں گھس کر جس کا نہ کوئی دروازہ ہو نہ اس میں کوئی سوراخ ہو کوئی عمل کرے گا اللہ اسے بھی لوگوں کے سامنے رکھ دیگا' برائی ہو تو اور بھلائی ہو تو۔ مسند کی اور حدیث میں ہے نیک طریقہ' اچھا خلق اور میانہ روی نبوۃ کے پچیسویں حصہ میں سے ایک حصہ ہے۔ الغرض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی نیتیں خالص تھیں اعمال اچھے تھے پس جس کی نگاہ ان کے چہروں پر پڑتی تھی اسے ان کی پاک بازی جچ جاتی تھی اور وہ ان کے چال چلن اور ان کے اخلاق اور انکے طریقہ کار پر خوش ہوتا تھا۔ حضرت امام مالکؒ کا فرمان ہے کہ جن صحابہؓ نے شام کا ملک فتح کیا جب وہاں کے نصرانی ان کے چہرے

دیکھتے تو بے ساختہ پکار اٹھتے اللہ تعالیٰ کی قسم یہ حضرت عیسیٰ کے حواریوں سے بہت ہی بہتر و افضل ہیں۔ فی الواقعہ ان کا یہ قول سچا ہے اگلی کتابوں میں اس امت کی فضیلت و عظمت موجود ہے اور اس امت کی صف اول ان کے بہتر و بزرگ اصحاب رسول ہیں اور خود ان کا ذکر بھی اگلی آسمانی کتابوں میں اور پہلے کے واقعات میں موجود ہے۔ پس فرمایا یہی مثال ان کی توراۃ میں ہے۔ پھر فرماتا ہے اور ان کی مثال انجیل میں مانند کھیتی کے بیان کی گئی ہے جو اپنا سبزہ نکالتی ہے پھر اسے مضبوط اور قوی کرتی ہے پھر وہ طاقتور اور موٹا ہو جاتا ہے اور اپنی بال پر سیدھا کھڑا ہو جاتا ہے' اب کھیتی والے کی خوشی کا کیا پوچھنا ہے؟ اسی طرح اصحاب رسول ﷺ ہیں کہ انھوں نے آپ کی تائید و نصرت کی پس وہ آپ کے ساتھ وہی تعلق رکھتے ہیں جو پٹھے اور سبزے کو کھیتی سے تھا۔ یہ اس لئے کہ کفار جھینپیں۔ حضرت امام مالکؒ نے اس آیت سے رافضیوں کے کفر پر استدلال کیا ہے کیونکہ وہ صحابہ سے چڑتے ہیں اور ان سے بغض رکھنے والا کافر ہے۔ علماء کی ایک جماعت بھی اس مسئلہ میں امام صاحب کے ساتھ ہے۔ صحابہ کرام کے فضائل میں اور ان کی لغزشوں سے چشم پوشی کرنے میں بہت سی احادیث آئیں ہیں۔ خود رب تعالیٰ نے ان کی تعریفیں بیان کیں اور ان سے اپنی رضامندی کا اظہار کیا ہے۔ کیا ان کی بزرگی میں یہ کافی نہیں؟ پھر فرماتا ہے ان ایمان والوں اور نیک اعمال والوں سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ان کے گناہ معاف اور ان کا اجر عظیم اور رزق کریم ثواب جزیل اور بدلہ کبیر ثابت۔ یاد رہے کہ ﴿مِنْهُمْ﴾ میں جو ﴿مِنْ﴾ ہے وہ یہاں بیان جنس کے لئے ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ سچا اور اٹل وعدہ ہے جو نہ بدلے نہ خلاف ہو' ان کے قدم بہ قدم چلنے والے ان کی روش پر کاربند ہونے والوں سے بھی اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ثابت ہے لیکن فضیلت اور سبقت اور کمال اور بزرگی جو انہیں ہے امت میں سے کسی کو نہیں' اللہ ان سے خوش یہ اللہ تعالیٰ سے راضی یہ جنتی ہو چکے اور بدلے پالئے۔ صحیح مسلم میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں میرے صحابہ کو برا نہ کہو ان کی بے ادبی اور گستاخی نہ کرو۔ اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو ان کے تین پاؤ اناج بلکہ ڈیڑھ پاؤ اناج کے اجر کو بھی نہیں پا سکتا ﴿الحمد لله﴾ سورۂ فتح کی تفسیر ختم ہوئی۔

تفسیر سورۂ حجرات مدنیہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ① يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ② اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ③

لائق عبادت بخشنہار مہربان کے نام سے۔ اے ایمان والے لوگو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ سننے جاننے والا ہے۔ اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی کی آواز سے اوپر نہ کرو اور نہ اس سے اونچی آواز سے بات کرو جیسے آپس میں ایک دوسرے سے کرتے

ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال اکارت جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔ بے شک جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے حضور میں اپنی آوازیں پست رکھتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے پرہیزگاری کے لئے جانچ لیا ہے۔ ان کے لئے مغفرت ہے اور بڑا ثواب ہے۔

آداب رسالت کا بیان: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ امتیوں کو اپنے نبی کے آداب سکھاتا ہے کہ تمہیں اپنے نبی کی توقیر واحترام عزت واعظام کرنا چاہئے تمام کاموں میں اللہ تعالیٰ اور رسول کے پیچھے رہنا چاہئے۔ اتباع اور تابعداری کی خو ڈالنی چاہئے۔ حضرت معاذؓ کو جب رسول اللہ ﷺ نے یمن کی طرف بھیجا تو فرمایا کہ کس چیز کے ساتھ حکم کرو گے؟ جواب دیا کتاب اللہ کے ساتھ۔ فرمایا اگر نہ پاؤ؟ جواب دیا سنت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ فرمایا اگر نہ پاؤ۔ جواب دیا اجتہاد کروں گا۔ تو آپ نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کے قاصد کو ایسی توفیق دی جس سے اللہ تعالیٰ کا رسول خوش ہو (ابوداؤد' ترمذی' ابن ماجہ)۔ یہاں اس حدیث کے وارد کرنے سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ حضرت معاذؓ نے اپنی رائے نظر اور اجتہاد کو کتاب و سنت سے موخر رکھا۔ پس کتاب و سنت پر رائے کو مقدم کرنا یہ ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے آگے بڑھنا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ کتاب وسنت کے خلاف نہ کہو حضرت عوفیؒ فرماتے ہیں حضور ﷺ کے کلام کے سامنے بولنے سے منع کر دیئے گئے۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ جب تک کسی امر کی بابت اللہ کے رسول ﷺ کچھ نہ فرمائیں تم خاموش رہو۔ حضرت ضحاکؒ فرماتے ہیں امر دین احکام شرعی ہیں بجز اللہ تعالیٰ کے کلام کے اور اس کے رسول ﷺ کی حدیث کے تم کسی اور چیز سے فیصلہ نہ کرو۔

حضرت سفیان ثوریؒ کا ارشاد ہے کسی قول وفعل میں اللہ اور اس کے رسول کی حدیث کے سوا تم کسی اور چیز سے فیصلہ نہ کرو

حضرت سفیان ثوری کا ارشاد ہے کسی قول وفعل میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر سبقت نہ کرو۔ امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں مراد یہ ہے کہ امام سے پہلے دعا نہ کرو۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ لوگ کہتے تھے اگر فلاں فلاں میں حکم اترے تو اس طرح رکھنا چاہئے اسے اللہ نے ناپسند فرمایا۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ حکم الہٰی کی بجا آوری میں اللہ کا لحاظ رکھو۔ اللہ تمہاری باتیں سن رہا ہے اور تمہارے ارادے جان رہا ہے۔ پھر دوسرا ادب سکھاتا ہے کہ وہ نبی کی آواز پر اپنی آواز بلند نہ کریں' یہ آیت حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے بارے میں نازل ہوئی۔ صحیح بخاری میں حضرت ابن ابی ملیکہؒ سے مروی ہے کہ قریب تھا کہ دو بہترین ہستیاں ہلاک ہو جائیں یعنی حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ ان دونوں کی آوازیں حضور ﷺ کے سامنے بلند ہو گئیں جبکہ بنو تمیم کا وفد حاضر ہوا تھا' ایک تو اقرع بن حابسؓ کو کہتے تھے جو بنی مجاشع میں تھے اور دوسرے دوسرے شخص کی بابت کہتے تھے۔ اس پر حضرت صدیقؓ نے فرمایا کہ تم تو میرے خلاف ہی کیا کرتے ہو۔ فاروق اعظمؓ نے جواب دیا نہیں نہیں آپ یہ خیال بھی نہ فرمایئے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت ابن زبیرؓ فرماتے ہیں اس کے بعد تو حضرت عمرؓ اس طرح حضور ﷺ سے نرم کلامی کرتے تھے کہ آپ کو دوبارہ پوچھنا پڑتا تھا اور روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ فرماتے تھے قعقاع بن معبدؓ کو اس وفد کا امیر بنایئے اور حضرت عمرؓ فرماتے تھے نہیں بلکہ حضرت اقرع بن حابسؓ کو' اس میں آوازیں کچھ بلند ہو گئیں جس پر یہ آیت ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا﴾ نازل ہوئی اور ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا﴾ الخ۔ مسند بزار میں ہے آیت ﴿لَا تَرْفَعُوْۤا﴾ کے نازل ہونے کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے حضور ﷺ سے کہا یا رسول اللہ ﷺ اللہ کی قسم اب تو میں آپ سے اس طرح باتیں کروں گا جس طرح کوئی سرگوشی کرتا ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ثابت بن قیسؓ کئی دن تک حضور ﷺ کی مجلس میں نظر نہ آئے' اس پر ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! میں اس کی بابت آپ کو بتلاؤں گا' چنانچہ وہ حضرت ثابتؓ کے مکان پر آئے دیکھا کہ وہ سر جھکائے بیٹھے ہوئے ہیں' پوچھا کیا حال ہے؟ جواب ملا کہ براحال ہے۔ میں تو حضرت ﷺ کی آواز پر اپنی آواز بلند کرتا تھا۔ میرے اعمال برباد ہو گئے اور میں جہنمی بن گیا۔ یہ شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور سارا واقعہ آپ سے کہہ سنایا۔ پھر تو حضور ﷺ کے فرمان سے ایک زبردست بشارت لے کر دوبارہ حضرت ثابتؓ کے ہاں گئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا تم جاؤ اور ان سے کہو تو جہنمی نہیں بلکہ جنتی

ہے۔ مسند احمد میں بھی یہ واقعہ ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ حضور ﷺ نے پوچھا تھا کہ ثابت کہاں ہیں نظر نہیں آتے۔ اس کے آخر میں ہے حضرت انسؓ فرماتے ہیں ہم انہیں زندہ چلتا پھرتا دیکھتے تھے اور جانتے تھے کہ وہ اہل جنت میں سے ہیں۔ یمامہ کی جنگ میں جبکہ مسلمان قدرے بددل ہو گئے تو ہم نے دیکھا کہ حضرت ثابتؓ خوشبو ملے کفن پہنے ہوئے دشمن کی طرف بڑھتے چلے جاتے ہیں اور فرما رہے ہیں مسلمانو تم لوگ اپنے بعد والوں کے لئے برا نمونہ نہ چھوڑ جاؤ۔ یہ کہہ کر دشمنوں میں گھس گئے اور بہادرانہ لڑتے رہے یہاں تک کہ شہید ہو گئے' صحیح مسلم میں ہے آپ نے جب انہیں نہ دیکھا تو حضرت سعدؓ سے جو ان کے پڑوسی تھے دریافت فرمایا کہ کیا ثابت بیمار ہیں؟ الخ لیکن اس حدیث کی اور سندوں میں حضرت سعدؓ کا ذکر نہیں' اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ روایت معطل ہے اور یہی بات صحیح بھی ہے اس لئے کہ حضرت سعد بن معاذؓ اس وقت زندہ ہی نہ تھے بلکہ آپ کا انتقال بنو قریظہ کی جنگ کے بعد تھوڑے ہی دنوں میں ہو گیا تھا اور بنو قریظہ کی جنگ سنہ ۵ ہجری میں ہوئی تھی اور یہ آیت وفد بنی تمیم کی آمد کے وقت اتری ہے اور وفود کا پے در پے آنے کا واقعہ ۹ ہجری کا ہے' واللہ اعلم۔

ابن جریرؒ میں ہے جب یہ آیت اتری تو حضرت ثابت بن قیسؓ راستے میں بیٹھ گئے اور رونے لگے' حضرت عاصم ابن عدیؓ جب وہاں سے گزرے اور انھیں روتے دیکھا تو سبب دریافت کیا۔ جواب ملا کہ مجھے خوف ہے کہ کہیں یہ آیت میرے ہی بارے میں نازل نہ ہوئی ہو میری آواز بلند ہے۔ حضرت عاصمؓ یہ سنکر چلے گئے ادھر حضرت ثابتؓ کی ہچکی بندھ گئی دھاڑیں مار مار کر رونے لگے گھر گئے اور اپنی بیوی صاحبہ حضرت جمیلہؓ بنت عبداللہ بن ابی بن سلول سے کہا میں اپنے گھوڑے کے طویلے میں جا رہا ہوں تم اس کا دروازہ باہر سے بند کر کے لوہے کی کیل اسے جڑ دو اللہ تعالیٰ کی قسم میں اس میں سے نہ نکلوں گا یہاں تک کہ یا تو مر جاؤں یا اللہ اپنے رسول ﷺ کو مجھ سے رضا مند کر دے۔ یہاں تو یہ ہوا وہاں جب حضرت عاصمؓ نے دربار رسالت میں حضرت ثابتؓ کی حالت بیان کی تو رسالت مآب ﷺ نے حکم دیا کہ تم جاؤ اور ثابتؓ کو میرے پاس بلا لاؤ۔ لیکن جب عاصمؓ اس جگہ آئے تو دیکھا کہ حضرت ثابتؓ وہاں نہیں' مکان پر گئے تو معلوم ہوا کہ وہ تو گھوڑے کے طویلے میں ہیں۔ یہاں آ کر کہا کہ ثابت چلو تم کو رسول اللہ ﷺ یاد فرما رہے ہیں۔ حضرت ثابت نے کہا بہت خوب کیل نکال ڈالو اور دروازہ کھول دو' پھر باہر نکل کر سرکار میں حاضر ہوئے تو آپ نے رونے کی وجہ پوچھی جس کا سچا جواب حضرت ثابتؓ سے سن کر آپ نے فرمایا کیا تم اس بات سے خوش نہیں ہو کہ تم قابل تعریف زندگی جیو اور شہید ہو کر مرو اور جنت میں جاؤ۔ اس پر حضرت ثابتؓ کا سارا رنج کافور ہو گیا باچھیں کھل گئیں اور فرمانے لگے یا رسول اللہ ﷺ میں اللہ تعالیٰ کی اور آپ کی اس بشارت پر بہت خوش ہوں اور اب آئندہ کبھی بھی اپنی آواز کو آپ کی آواز سے اونچی نہ کروں گا۔ اس پر اس کے بعد کی آیت ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ﴾ الخ نازل ہوئی۔ یہ قصہ اسی طرح کئی ایک تابعین سے بھی مروی ہے۔ الغرض اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے سامنے آوازیں بلند کرنے سے منع فرما دیا۔ امیر المومنین حضرت عمر بن خطابؓ نے دو شخصوں کی کچھ بلند آوازیں مسجد نبوی میں سن کر وہاں آ کر ان سے فرمایا تمہیں معلوم بھی ہے کہ تم کہاں ہو؟ پھر ان سے پوچھا کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ انھوں نے کہا طائف کے۔ آپ نے فرمایا اگر تم مدینے کے ہوتے تو میں تمہیں پوری سزا دیتا۔

علماء کرام کا فرمان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک کے پاس بھی بلند آواز سے بولنا مکروہ ہے۔ جیسے کہ آپ کی حیات میں آپ کے سامنے مکروہ تھا اس لئے کہ حضور ﷺ جس طرح اپنی زندگی میں قابل احترام و عزت تھے اب اور ہمیشہ تک آپ اپنی قبر میں بھی باعزت اور قابل احترام ہی ہیں۔ پھر آپ کے سامنے آپ سے باتیں کرتے ہوئے جس طرح عام لوگوں سے باتیں کرتے ہیں' باتیں کرنی منع فرمائیں بلکہ آپ سے تسکین و وقار عزت و ادب حرمت و عظمت سے باتیں کرنی چاہئے جیسے اور جگہ ہے ﴿لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَکُمْ کَدُعَآءِ بَعْضِکُمْ بَعْضًا﴾ اے مسلمانو! رسول کو اس طرح نہ پکارو جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے کو

پکارتے ہو' پھر فرماتا ہے کہ ہم نے تمہیں اس بلند آوازی سے اس لیے روکا ہے کہ ایسا نہ ہو کسی وقت حضور ناراض ہو جائیں اور آپ کی ناراضگی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائے اور تمہارے کل اعمال ضبط کر لے اور تمہیں اس کا پتہ بھی نہ چلے۔ چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ ایک شخص اللہ کی رضامندی کا کوئی کلمہ ایسا کہہ جاتا ہے کہ اس کے کلمہ کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی لیکن اللہ تعالیٰ کو وہ اتنا پسند آتا ہے کہ اس کی وجہ سے وہ جنتی ہو جاتا ہے' اسی طرح انسان اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا کوئی ایسا کلمہ کہہ جاتا ہے کہ اس کے نزدیک تو اس کی کوئی وقعت نہیں ہوتی لیکن رب تعالیٰ اس کلمہ کی وجہ سے جہنم کے اس قدر نیچے کے طبقہ میں پہنچا دیتا ہے جو گڑھا زمین و آسمان سے زیادہ گہرا ہے۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ آپ ﷺ کے سامنے آواز پست کرنے کی رغبت دیتا ہے اور فرماتا ہے کہ جو لوگ اللہ کے نبی کے سامنے اپنی آوازیں دھیمی کرتے ہیں انھیں اللہ رب العزت نے تقوے کے لئے خالص کر لیا ہے۔ اہل تقویٰ اور محل تقویٰ یہی لوگ ہیں۔ یہ مغفرت الٰہی کے مستحق اور اجر عظیم کے لائق ہیں۔ امام احمدؒ نے کتاب الزہد میں ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمرؓ سے ایک تحریری استفتاء لیا گیا کہ اے امیر المومنین ایک وہ شخص جسے نافرمانی کی خواہش ہی نہ ہو اور نہ کوئی نافرمانی اس نے کی ہو اور وہ شخص جسے خواہش معصیت ہے لیکن وہ برا کام نہیں کرتا تو ان میں افضل کون ہے؟ آپ نے جواب میں لکھا کہ جنہیں معصیت کی خواہش ہوتی ہے پھر نافرمانیوں سے بچتے ہیں یہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے پرہیزگاری کے لئے آزما لیا ہے ان کے لئے مغفرت ہے اور بہت بڑا اجر وثواب ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِن وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿٤﴾ وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّىٰ تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٥﴾

جو لوگ تجھے حجروں کے پیچھے سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر بالکل بے عقل ہیں۔ اگر یہ لوگ یہاں تک صبر کرتے کہ تو خود ان کے پاس آ جاتا تو یہی ان کے لئے بہتر ہوتا' اللہ غفور ورحیم ہے۔

آپؐ کے احترام کو ملحوظ نہ رکھنا بے عقلی ہے: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی مذمت کرتا ہے جو آپ کے مکانوں کے پیچھے سے آپ کو آوازیں دیتے اور پکارتے ہیں جس طرح اعرابیوں میں دستور تھا تو فرمایا کہ ان میں سے اکثر بے عقل ہیں۔ پھر اس کی بابت ادب سکھاتے ہوئے فرماتا ہے کہ انہیں چاہئے تھا آپ کے انتظار میں ٹھہر جاتے اور جب آپ مکان سے باہر نکلتے تو آپ سے جو کہنا ہوتا کہتے نہ کہ آوازیں دے کر باہر سے پکارتے۔ دنیا اور دین کی مصلحت اور بہتری اسی میں تھی۔ پھر گویا حکم دیتا ہے کہ ایسے لوگوں کو توبہ استغفار کرنا چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ یہ آیت حضرت اقرع ابن حابس تمیمیؓ کے بارے میں نازل ہوئی۔ مسند احمد میں ہے۔ ایک شخص نے حضور ﷺ کو آپ کا نام لے کر پکارا یا محمد ﷺ یا محمدؐ آپ نے اسے کوئی جواب نہ دیا۔ تو اس نے کہا سنو یا رسول اللہ ﷺ میرا تعریف کرنا سبب ہے بڑائی کا اور میرا مذمت کرنا سبب ہے ذلت کا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ایسی ذات محض اللہ تعالیٰ کی ہی ہے۔ بشر بن غالب نے حجاج کے سامنے بشر بن عطارد وغیرہ سے کہا کہ تیری قوم بنو تمیم کے بارے میں یہ آیت اتری ہے۔ جب حضرت سعید بن جبیرؒ سے اس کا ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا اگر وہ عالم ہوتے تو اس کے بعد کی آیت ﴿يَمُنُّونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا﴾ پڑھ دیتے وہ کہتے تھے کہ ہم اسلام لائے اور بنو اسد نے آپ سے کچھ دیر نہیں کی۔ حضرت زید بن ارقمؓ فرماتے ہیں کہ کچھ عرب جمع ہوئے اور کہنے لگے ہمیں اس شخص کے پاس لے چلو اگر وہ سچا نبی ہے تو سب سے زیادہ اس سے سعادت حاصل کرنے کے مستحق ہم ہیں اور اگر وہ بادشاہ ہے تو ہم اسکے پروں تلے پل جائیں گے۔ میں نے آ کر حضور ﷺ سے یہ واقعہ بیان کیا پھر وہ لوگ آئے اور حجرے کے پیچھے سے آپ کا نام لے کر آپ کو پکارنے لگے۔ اس پر یہ آیت اتری۔ حضور ﷺ نے میرا کان پکڑ کر فرمایا اللہ تعالیٰ نے تیری بات سچی کر دی' اللہ تعالیٰ نے

تیری بات سچی کر دی (ابن جریر)

یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰی مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ ۝۶ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِیْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ؕ لَوْ یُطِیْعُكُمْ فِیْ كَثِیْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَیْكُمُ الْاِیْمَانَ وَزَیَّنَهٗ فِیْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَیْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْیَانَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۝۷ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ۝۸

اے مسلمانو! اگر تمہیں کوئی فاسق خبر دے تو تم اس کی اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو ایسا نہ ہو کہ نادانی میں کسی قوم کو ایذا پہنچا دو پھر اپنے کئے پر پشیمانی اٹھاؤ۔ اور جان رکھو کہ تم میں اللہ کے رسول موجود ہیں' اگر وہ عموماً تمھارا کہا کرتے رہے تو تم مشکل میں پڑ جاؤ گے لیکن اللہ تعالیٰ نے ایمان کو تمھارا محبوب بنا دیا ہے اور اسے تمھارے دلوں میں زینت دے رکھی ہے اور کفر کو اور بدکاریوں کو اور نافرمانی کو تمھاری نگاہوں میں ناپسندیدہ بنا دیا ہے' یہی لوگ راہ یافتہ ہیں اللہ تعالیٰ کے احسان وانعام سے' اور اللہ دانا اور باحکمت ہے۔

خبر واطلاع کی تحقیق ضروری ہے: اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ فاسق کی خبر کا اعتماد نہ کرو۔ جب تک پوری تحقیق و تفتیش سے اصل واقعہ صاف طور پر معلوم نہ ہو جائے' کوئی حرکت نہ کرو' ممکن ہے کسی فاسق شخص نے کوئی جھوٹ بات کہہ دی ہو یا خود اس سے غلطی ہوئی ہو اور تم اس کی خبر کے مطابق کوئی کام کر گزرو تو دراصل اس کی پیروی ہوگی اور مفسد لوگوں کی پیروی حرام ہے۔ اسی آیت کو دلیل بنا کر بعض محدثین کرام نے اس شخص کی روایت کو بھی غیر معتبر بتلایا ہے جس کا حال معلوم نہ ہو' اس لئے کہ بہت ممکن ہے یہ شخص فی الواقع فاسق ہو۔ گو بعض لوگوں نے ایسے مجہول الحال راویوں کی روایت لی بھی ہے اور انہوں نے کہا ہے ہمیں فاسق کی خبر قبول کرنے سے منع کیا گیا اور جس کا حال معلوم نہیں اس کا فاسق ہونا ہم پر ظاہر نہیں۔ ہم نے اس مسئلہ کو پوری وضاحت سے صحیح بخاری کی شرح میں کتاب العلم میں بیان کر دیا ہے' فالحمد للہ۔ اکثر مفسرین کرامؒ نے فرمایا ہے کہ یہ آیت ولید بن عقبہ بن ابو معیط کے بارے میں نازل ہوئی ہے جبکہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں قبلیہ بنو مصطلق سے زکوٰۃ لینے کے لئے بھیجا تھا۔ چنانچہ مسند احمد میں ہے حضرت حارث بن ضرار خزاعیؓ جو ام المومنین حضرت جویریہؓ کے والد ہیں فرماتے ہیں میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے مجھے اسلام کی دعوت دی جو میں نے منظور کر لی اور مسلمان ہو گیا۔ پھر آپ نے زکوٰۃ کی فرضیت سنائی میں نے اس کا بھی اقرار کیا اور کہا کہ میں واپس اپنی قوم کے پاس جاتا ہوں اور ان میں سے جو ایمان لائیں اور زکوٰۃ ادا کریں میں ان کی زکوٰۃ جمع کرتا ہوں اتنے اتنے دنوں کے بعد آپ میری طرف کسی آدمی کو بھیج دیں میں اس کے ہاتھ جمع شدہ مال زکوٰۃ آپ کی خدمت میں بھجوا دوں گا۔ حضرت حارثؓ نے واپس آ کر یہی کیا مال زکوٰۃ جمع کیا جب وقت مقررہ گذر چکا اور حضور ﷺ کی طرف سے کوئی قاصد نہ آیا تو آپ نے اپنی قوم کے سرداروں کو جمع کیا اور ان سے کہا یہ تو ناممکن ہے کہ اللہ کے رسول اپنے وعدے کے مطابق اپنا کوئی آدمی نہ بھیجیں مجھے تو ڈر ہے کہ کہیں کسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ ہم سے ناراض نہ ہو گئے ہوں؟ اور اس بنا پر آپ نے اپنا کوئی قاصد مال زکوٰۃ لینے کے لئے نہ بھیجا ہو تو اگر آپ لوگ متفق ہوں تو ہم اس مال کو لے کر خود ہی مدینہ منورہ چلیں اور حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیں۔ یہ تجویز طے ہو گئی اور یہ حضرات اپنا

مال زکوٰۃ لے کر چل کھڑے ہوئے ادھر سے رسول اللہ ﷺ ولید بن عقبہ کو اپنا قاصد بنا کر بھیج چکے تھے لیکن یہ حضرات راستے ہی میں سے ڈر کے مارے لوٹ آئے اور یہاں آ کر کہہ دیا کہ حارث نے زکوٰۃ بھی روک لی اور میرے قتل کے درپے ہو گیا۔ اس پر آنحضرت ﷺ ناراض ہوئے اور کچھ آدمی حارث کی تنبیہ کے لئے روانہ فرما دیئے۔ مدینے کے قریب راستے ہی میں اس مختصر سے لشکر نے حضرت حارث کو پا لیا۔ حضرت حارثؓ نے پوچھا آخر کیا بات ہے؟ تم کہاں اور کس کے پاس جا رہے ہو؟ انہوں نے کہا ہم تیری طرف بھیجے گئے ہیں۔ پوچھا کیوں؟ کہا اس لئے کہ تو نے حضور ﷺ کے قاصد ولید کو زکوٰۃ نہ دی بلکہ انہیں قتل کرنا چاہا۔ حضرت حارث نے کہا قسم ہے اس رب کی جس نے محمد ﷺ کو سچا رسول بنا کر بھیجا ہے نہ میں نے اسے دیکھا نہ وہ میرے پاس آیا' چلو میں تو خود حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو رہا ہوں۔ یہاں جو آئے تو حضور ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا کہ تو نے زکوٰۃ بھی روک لی اور میرے آدمی کو قتل کرنا چاہا۔ آپ نے جواب دیا ہرگز نہیں یا رسول اللہ قسم ہے اللہ کی جس نے آپ کو سچا رسول بنا کر بھیجا ہے نہ میں نے انہیں دیکھا نہ وہ میرے پاس آئے بلکہ قاصد کو نہ دیکھ کر اس ڈر کے مارے کہ کہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ مجھ سے ناراض نہ ہو گئے ہوں اور اسی وجہ سے قاصد نہ بھیجا ہو میں خود حاضر خدمت ہوا۔ اس پر یہ آیت ﴿حَكِيمٌ﴾ تک نازل ہوئی۔ طبرانی میں یہ بھی ہے کہ جب حضور ﷺ کا قاصد حضرت حارثؓ کی بستی کے پاس پہنچا تو یہ لوگ خوش ہو کر اسکے استقبال کے لئے خاص تیاری کر کے نکلے ادھر ان کے دل میں یہ شیطانی خیال پیدا ہوا کہ یہ لوگ مجھ سے لڑنے کے لئے آ رہے ہیں تو یہ لوٹ کر واپس چلے آئے۔ انھوں نے جب یہ دیکھا کہ آپ کے قاصد واپس چلے گئے تو خود ہی حاضر ہوئے اور ظہر کی نماز کے بعد صف بستہ کھڑے ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ نے زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے اپنے آدمی کو بھیجا ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں ہم بے حد خوش ہوئے لیکن اللہ جانے کیا ہوا کہ وہ راستے میں سے ہی لوٹ گئے تو اس خوف سے کہ کہیں اللہ تعالیٰ ہم سے ناراض نہ ہو گیا ہو ہم حاضر ہوئے ہیں۔ اسی طرح وہ عذر معذرت کرتے رہے۔ عصر کی اذان جب حضرت بلالؓ نے دی اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ اور روایت میں ہے کہ حضرت ولید کی اس خبر پر ابھی حضور ﷺ سوچ ہی رہے تھے کہ کچھ آدمی ان کی طرف بھیجیں جو ان کا وفد آ گیا اور انہوں نے کہا کہ آپ کا قاصد آدھے راستے سے ہی لوٹ گیا تو ہم نے خیال کیا کہ آپ نے کسی ناراضگی کی بنا پر انہیں واپسی کا حکم دے دیا ہو گا اس لئے حاضر ہوئے ہیں ہم اللہ کے غصے سے اور آپ کی ناراضگی سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری اور ان کا عذر سچا بتایا۔ اور روایت میں ہے کہ قاصد نے یہ بھی کہا تھا کہ ان لوگوں نے تو آپ سے لڑنے کے لئے لشکر جمع کر لیا ہے اور اسلام سے مرتد ہو گئے ہیں' چنانچہ حضور ﷺ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کی زیر امارت ایک فوجی دستے کو بھیج دیا لیکن انھیں فرما دیا تھا کہ پہلے تحقیق و تفتیش اچھی طرح کر لینا جلدی سے حملہ نہ کر دینا۔ اسی کے مطابق حضرت خالدؓ نے وہاں پہنچ کر اپنے جاسوس شہر میں بھیج دیئے۔ وہ خبر لائے کہ وہ لوگ دین اسلام پر قائم ہیں مسجد میں اذانیں ہوئیں جنھیں ہم نے خود سنا اور لوگوں کو نماز پڑھتے ہوئے خود دیکھا۔ صبح ہوتے ہی حضرت خالد خود گئے اور وہاں کے اسلامی منظر سے خوش ہوئے۔ واپس آ کر سرکار نبوی میں ساری خبر دی۔ اس پر یہ آیت اتری۔

حضرت قتادہؒ جو اس واقعہ کو بیان کرتے ہیں کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ تحقیق و تلاش' بردباری اور دور بینی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور عجلت اور جلد بازی شیطان کی طرف سے ہے۔ سلف میں سے حضرت قتادہؒ کے علاوہ اور بھی بہت سے حضرات نے یہی ذکر کیا ہے جیسے ابن ابی لیلے' یزید بن رومان' ضحاک' مقاتل ابن حیان وغیرہ۔ ان سب کا بیان ہے کہ یہ آیت ولید بن عقبہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے' واللہ اعلم۔ پھر فرماتا ہے کہ جان لو کہ تم میں اللہ کے رسول موجود ہیں' ان کی تعظیم و توقیر کرنا عزت و ادب کرنا ان کے احکام کو سر آنکھوں سے بجا لانا تمہارا فرض ہے۔ وہ تمہاری مصلحتوں سے بہت آگاہ ہیں' انھیں تم سے بہت محبت ہے وہ تمہیں مشقت میں ڈالنا نہیں چاہتے' تم اپنی بھلائی کے اتنے خواہاں اور اتنے واقف نہیں ہو جتنے حضور ﷺ ہیں۔ چنانچہ اور جگہ ارشاد ہے ﴿

﴿اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ﴾ یعنی نبی سزاوار تر ہیں مسلمانوں کے کاموں میں بہ نسبت ان کی اپنی جانوں کے پھر بیان فرمایا کہ لوگو تمہاری عقلیں جن مصلحتوں اور بھلائیوں کو نہیں پا سکتیں انہیں نبی پا رہا ہے۔ پس اگر وہ تمہاری ہر پسندیدگی کی رائے پر عامل بنتا رہے تو اس میں تمہارا ہی حرج واقع ہو گا۔ جیسے اور آیت میں ہے ﴿وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَ مَنْ فِیْهِنَّ. بَلْ اَتَیْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ﴾ یعنی اگر سچا رب ان کی خوشی پر چلے تو آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی ہر چیز خراب ہو جائے' یہ نہیں بلکہ ہم نے انہیں ان کی نصیحت پہنچا دی ہے لیکن یہ اپنی نصیحت پر دھیان ہی نہیں دھرتے۔ پھر فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان کو تمہارے نفسوں میں محبوب بنا دیا ہے او تمہارے دلوں میں اس کی عمدگی بٹھا دی ہے' مسند احمد میں ہے رسول مقبول ﷺ فرماتے ہیں اسلام ظاہر ہے اور ایمان دل میں ہے پھر آپ اپنے سینے کی طرف تین بار اشارہ کرتے اور فرماتے تقویٰ یہاں ہے' پرہیز گاری کی جگہ یہ ہے' اس نے تمہارے دلوں میں کفر کی اور کبیرہ گناہوں کی اور تمام نافرمانیوں کی عداوت ڈال دی ہے اور اس طرح بتدریج تم پر اپنی نعمتیں بھرپور کر دی ہیں۔ پھر ارشاد ہوتا ہے جن میں یہ پاک اوصاف ہیں انہیں اللہ تعالیٰ نے رشد اور نیکی' ہدایت اور بھلائی دے رکھی ہے۔ مسند احمد میں ہے احد کے دن جب مشرکین ٹوٹ پڑے تو حضور ﷺ نے فرمایا درستگی کے ساتھ ٹھیک ٹھاک ہو جاؤ تو میں اپنے رب عزوجل کی ثنا بیان کروں۔ پس لوگ آپ کے پیچھے صفیں باندھ کر کھڑے ہو گئے اور آپ نے یہ دعا پڑھی ﴿اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ كُلُّهٗ اَللّٰهُمَّ لَا قَابِضَ لِمَا بَسَطْتَ وَلَا بَاسِطَ لِمَا قَبَضْتَ وَلَا هَادِیَ لِمَنْ اَضْلَلْتَ وَلَا مُضِلَّ لِمَنْ هَدَیْتَ وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا مَانِعَ لِمَآ اَعْطَیْتَ وَلَا مُقَرِّبَ لِمَا بَاعَدْتَّ وَلَا مُبَاعِدَ لِمَا قَرَّبْتَ اَللّٰهُمَّ ابْسُطْ عَلَیْنَا مِنْ بَرَكَاتِكَ وَ رَحْمَتِكَ وَفَضْلِكَ وَ رِزْقِكَ. اَللّٰهُمَّ اِنِّیْٓ اَسْئَلُكَ النَّعِیْمَ یَوْمَ الْعَیْلَةِ وَالْاَمْنَ یَوْمَ الْخَوْفِ. اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ عَائِذٌبِكَ مِنْ شَرِّمَا اَعْطَیْتَنَا وَ مِنْ شَرِّ مَا مَنَعْتَنَا. اَللّٰهُمَّ حَبِّبْ اِلَیْنَا الْاِیْمَانَ وَ زَیِّنْهُ فِیْ قُلُوْبِنَا وَكَرِّهْ اِلَیْنَا الْكُفْرَ وَ الْفُسُوْقَ وَ الْعِصْیَانَ وَ اجْعَلْنَا مِنَ الرَّاشِدِیْنَ. اَللّٰهُمَّ تَوَفَّنَا مُسْلِمِیْنَ وَ اَحْیِنَا مُسْلِمِیْنَ وَ اَلْحِقْنَا بِالصَّالِحِیْنَ غَیْرَ خَزَایَا وَلَا مَفْتُوْنِیْنَ. اَللّٰهُمَّ قَاتِلِ الْكَفَرَةَ الَّذِیْنَ اُوْتُو الْكِتَابَ اِلٰهَ الْحَقِّ﴾ (نسائی) یعنی تمام تعریفیں تیرے ہی لئے ہیں تو جسے کشادگی دے اسے کوئی تنگ نہیں کر سکتا' تو جسے گمراہ کر لے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا اور جسے تو ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا جس سے تو روک لے اسے کوئی دے نہیں سکتا اور جسے تو دے اس سے کوئی باز رکھ نہیں سکتا جسے تو دور کر دے اسے قریب کرنے والا کوئی نہیں اور جسے تو قریب کر لے اسے دور کرنے والا کوئی نہیں' اے اللہ ہم پر اپنی برکتیں رحمتیں' فضل اور رزق کشادہ کر دے' اے اللہ میں تجھ سے وہ ہمیشگی کی نعمتیں چاہتا ہوں جو نہ ادھر ادھر ہوں نہ زائل ہوں' یا اللہ فقیری اور احتیاج والے دن مجھے اپنی نعمتیں عطا فرما اور خوف والے دن مجھے امن عطا فرما۔ پروردگار جو تو نے مجھے دے رکھا ہے اور جو نہیں دیا ان سب کی برائی سے میں تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اے میرے معبود ہمارے دلوں میں ایمان کی محبت ڈال دے اور اسے ہماری نظروں میں زینت دار بنا دے اور کفر' بدکاری اور نافرمانی سے ہمارے دلوں میں دوری اور عداوت پیدا کر دے اور ہمیں راہ یافتہ لوگوں میں کر دے۔ اے رب ہمارے ہمیں اسلام کی حالت میں فوت کر اور اسلام پر ہی زندہ رکھ اور نیک کار لوگوں سے ملا دے' ہم رسوا نہ ہوں' ہم فتنے میں نہ ڈالے جائیں۔ اے اللہ ان کافروں کا ستیاناس کر جو تیرے رسولوں کو جھٹلائیں اور تیری راہ سے روکیں' تو ان پر اپنی سزا اور اپنا عذاب نازل فرما۔ الٰہی اہل کتاب کے کافروں کو بھی تباہ کر' اے سچے معبود یہ حدیث امام نسائی بھی اپنی کتاب عمل الیوم واللیلہ میں لائے ہیں۔

مرفوع حدیث میں ہے جس شخص کو اپنی نیکی اچھی لگے اور برائی اسے ناراض کرے وہ مومن ہے۔ پھر فرماتا ہے یہ بخشش جو تمہیں عطا ہوئی ہے یہ تم پر اللہ کا فضل ہے اور اس کی نعمت ہے اللہ مستحقین ہدایت کو اور مستحقین ضلالت کو بخوبی جانتا ہے وہ اپنے اقوال و افعال میں حکیم ہے۔

وَإِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ ع

اور اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو تم ان میں میل ملاپ کرا دیا کرو۔ پھر اگر ان دونوں میں سے ایک جماعت دوسری جماعت پر زیادتی کرے تو تم (سب اس گروہ سے جو زیادتی کرتا ہے لڑو۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے اگر لوٹ آئے تو پھر انصاف کے ساتھ صلح کرا دو اور عدل کرتے رہا کرو۔ اللہ تعالیٰ انصاف کرنیوالوں کو دوست رکھتا ہے یاد رکھو سارے مسلمان بھائی بھائی ہیں پس اپنے دو بھائیوں میں ملاپ کرا دیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

بغاوت کفر نہیں باغی گروہ بھی مومن ہے: یہاں حکم ہو رہا ہے کہ اگر مسلمانوں کی کوئی دو جماعتیں لڑنے لگ جائیں تو دوسرے مسلمانوں کو چاہئے کہ ان میں صلح کرا دیں۔ آپس میں دو لڑنے والی جماعتوں کو مومن کہنا' اس سے حضرت امام بخاریؒ نے استدلال کیا ہے کہ نافرمانی گو کتنی ہی بڑی ہو انسان کو ایمان سے الگ نہیں کرتی۔ خارجیوں کا اور ان کے موافق معتزلہ کا مذہب اس بارے میں خلاف حق ہے۔ اسی آیت کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو صحیح بخاری وغیرہ میں مروی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ منبر پر خطبہ دے رہے تھے آپ کے ساتھ منبر پر حضرت حسن بن علیؓ بھی تھے آپ کبھی ان کی طرف دیکھتے اور کبھی لوگوں کی طرف اور فرماتے کہ میرا یہ بچہ سید ہے اور اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ دو بڑی بڑی جماعتوں میں صلح کرا دے گا۔ آپ کی یہ پیش گوئی سچی نکلی اور اہل شام اور اہل عراق میں بڑی لمبی لڑائیوں اور بڑے ناپسندیدہ واقعات کے بعد آپ کی وجہ سے صلح ہو گئی۔ پھر ارشاد ہوتا ہے اگر ایک گروہ دوسرے گروہ پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑائی کی جائے تاکہ وہ پھر ٹھکانے آ جائے حق کو سنے اور مان لے۔ صحیح حدیث میں ہے اپنے بھائی کی مدد کر ظالم ہو تو اور مظلوم ہو تو۔ حضرت انسؓ نے پوچھا کہ مظلوم ہونے کی حالت میں تو ظاہر ہے لیکن ظالم ہونے کی حالت میں کیسے مدد کروں؟ حضور ﷺ نے فرمایا اسے ظلم سے باز رکھو یہی اس کی اس وقت کی مدد ہے۔ مسند احمد میں ہے حضور ﷺ سے ایک مرتبہ کہا گیا کہ اچھا ہو اگر آپ عبداللہ بن ابی کے ہاں چلے چلتے' چنانچہ آپ گدھے پر سوار ہوئے اور صحابہ آپ کی ہم رکابی میں ساتھ ہو لئے۔ زمین شور تھی۔ جب حضور ﷺ وہاں پہنچے تو یہ کہنے لگے مجھ سے الگ رہئے اللہ کی قسم آپ کے گدھے کی بدبو نے میرا دماغ پریشان کر دیا ہے اس پر ایک انصاریؓ نے کہا واللہ رسول اللہ ﷺ کے گدھے کی خوشبو تیری بو سے بہت ہی اچھی ہے۔ اس پر ادھر سے ادھر سے کچھ لوگ بول پڑے اور معاملہ بڑھنے لگا بلکہ کچھ ہاتھا پائی جوتی چھڑی ہو بھی گئی۔ ان کے بارے میں یہ آیت اتری ہے۔ حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں اوس اور خزرج قبائل میں کچھ چشمک ہو گئی تھی ان میں صلح کرا دینے کا اس آیت میں حکم ہو رہا ہے۔ حضرت سدیؒ فرماتے ہیں کہ عمران نامی ایک انصاری تھے ان کی بیوی صاحبہ کا نام ام زید تھا۔ اس نے اپنے میکے جانا چاہا خاوند نے روکا اور منع کر دیا کہ میکے کا کوئی شخص یہاں بھی نہ آئے۔ عورت نے یہ خبر اپنے میکے میں کہلوا دی وہ لوگ آئے اور اسے بالا خانہ سے اتار لائے اور لے جانا چاہا' ان کے خاوند گھر پر تھے نہیں خاوند والوں نے اس کے چچا زاد بھائیوں کو اطلاع دیکر انہیں بلا لیا' اب کھینچ تان جوتی پیزار ہونے لگی اور ان کے بارے میں یہ آیت اتری' رسول اللہ ﷺ نے دونوں طرف کے لوگوں کو بلا کر بیچ میں بیٹھ کر صلح کرا دی اور سب لوگ مل گئے' پھر حکم ہوتا ہے دونوں پارٹیوں میں عدل کرو' اللہ عادلوں کو پسند فرماتا ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں دنیا میں جو عدل کرتے رہے وہ

موتیوں کے منبروں پر رحمٰن عزوجل کے سامنے ہونگے اور یہ بدلہ ہوگا ان کے عدل وانصاف کا (نسائی)۔ مسلم کی حدیث میں ہے یہ لوگ ان منبروں پر اللہ تعالیٰ کے دائیں جانب ہونگے یہ اپنے حکم میں اور اپنے اہل وعیال میں اور جو کچھ انکے قبضہ میں ہے اس میں عدل سے کام لیا کرتے تھے۔۔ پھر فرمایا کل مومن دینی بھائی ہیں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں مسلمان مسلمان کا بھائی ہے اسے اس پر ظلم وستم نہ کرنا چاہئے۔ صحیح حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ بندے کی مدد کرتا رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں لگا رہے۔ اور صحیح حدیث میں ہے جب کوئی مسلمان اپنے غیر حاضر بھائی مسلمان کے لئے اس کی پس پشت دعا کرتا ہے تو فرشتہ کہتا ہے آمین اور تجھے بھی اللہ تعالیٰ ایسا ہی دے۔ اس بارے میں اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں۔ صحیح حدیث میں ہے مسلمان سارے کے سارے اپنی محبت رحمدلی اور میل جول میں مثل ایک جسم کے ہیں جب کسی عضو کو تکلیف ہو تو سارا جسم تڑپ اٹھتا ہے۔ کبھی بخار چڑھ آتا ہے کبھی شب بیداری کی تکلیف ہوتی ہے۔ ایک اور صحیح حدیث میں ہے مومن مومن کے لئے مثل دیوار کے ہے جس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو تقویت پہنچاتا ہے اور مضبوط کرتا ہے۔ پھر آپ نے اپنی ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر بتایا۔ مسند احمد میں ہے مومن کا تعلق اہل ایمان سے ایسا ہے جیسے سر کا تعلق جسم سے ہے، مومن اہل ایمان کے لئے وہی دردمندی کرتا ہے جو دردمندی جسم کو سر کے ساتھ ہے۔ پھر فرماتا ہے دونوں لڑنے والی جماعتوں اور دونوں طرف کے اسلامی بھائیوں میں صلح کرادو، اپنے تمام کاموں میں اللہ تعالیٰ کا ڈر رکھو۔ یہی وہ اوصاف ہیں جن کی وجہ سے اللہ کی رحمت تم پر نازل ہوگی، پرہیزگاروں کے ساتھ ہی رب کا رحم رہتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ عَسَىٰ أَن يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّن نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۖ وَلَا تَلْمِزُوا أَنفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ ۖ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ ۚ وَمَن لَّمْ يَتُبْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿١١﴾

اے ایمان والو! کوئی جماعت دوسری جماعت سے مسخراپن نہ کرے ممکن ہے کہ یہ اس سے بہتر ہو اور نہ عورتیں عورتوں سے ممکن ہے کہ یہ ان سے بہتر ہوں، اور آپس میں ایک دوسرے کو عیب نہ لگاؤ اور نہ کسی کو برے لقب دو۔ ایمان کے بعد گنہگاری برا نام ہے۔ اور جو توبہ نہ کریں وہی ظالم لوگ ہیں۔

مذاق اور عیب گیری کی ممانعت: اللہ تبارک وتعالیٰ لوگوں کو حقیر وذلیل کرنے اور ان کا مذاق اڑانے سے روک رہا ہے۔ حدیث میں ہے کہ تکبر نام ہے حق سے منہ موڑ لینے کا اور لوگوں کو ذلیل وخوار سمجھنے کا۔ اس کی وجہ قرآن کریم نے یہ بیان فرمائی کہ جسے تم ذلیل کر رہے ہو جس کا تم مذاق اڑا رہے ہو ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ تم سے زیادہ باوقعت ہو۔ مردوں کو منع کر کے پھر خاصۃ عورتوں کو بھی اس سے روکا پھر عیب گیری اور نکتہ چینی کرنے سے روکا اور اس ملعون خصلت کو حرام قرار دیا۔ چنانچہ قرآن کریم کا ارشاد ہے ﴿وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ﴾ یعنی ہر طعنہ باز عیب جو کے لئے خرابی ہے۔ ہمز فعل سے ہوتا ہے اور لمز قول سے۔ اور آیت میں ہے ﴿هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ﴾ یعنی وہ جو لوگوں کو حقیر گنتا ہو ان پر چڑھا چلا جا رہا ہو اور لگانے بجھانے والا ہو۔ غرض ان تمام کاموں کو ہماری شریعت نے حرام قرار دیا۔ یہاں لفظ تو یہ ہیں کہ اپنے تئیں عیب نہ لگاؤ مطلب یہ ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کو عیب نہ لگاؤ جیسے فرمایا ﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَنفُسَكُمْ﴾ یعنی ایک دوسرے کو قتل نہ کرو۔ حضرت ابن عباسؓ مجاہدؒ سعید بن جبیرؒ قتادہؒ مقاتل بن حیانؒ فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک دوسرے کو طعنے نہ دے پھر فرمایا کسی کی کوئی چڑ نہ نکالو جس لقب سے وہ ناراض ہوتا ہو اس لقب سے اسے نہ

پکارو نہ نام زد کرو۔ مسند احمد میں ہے کہ یہ حکم بنو سلمہ کے بارے میں نازل ہوا ہے۔ جب حضور ﷺ مدینے میں آئے تو یہاں ہر شخص کے دو دو تین تین نام تھے حضور ﷺ ان میں سے کسی کو کسی نام سے پکارتے تو لوگ کہتے یارسول اللہ یہ اس سے چڑتا ہے' اس پر یہ آیت اتری (ابوداؤد)۔ پھر فرمان ہے کہ ایمان کی حالت میں فاسقانہ القاب سے آپس میں ایک دوسرے کو نامزد کرنا نہایت بری بات ہے۔ اب تمہیں اس سے توبہ کرنی چاہئے ورنہ ظالم گنے جاؤ گے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾

اے ایمان والو! بہت بد گمانیوں سے بچو یقین مانو کہ بعض بد گمانیاں گناہ ہیں اور بھید نہ ٹٹولا کرو اور نہ تم میں سے کوئی کسی کی غیبت کرے' کیا تم میں سے کوئی بھی اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرتا ہے؟ تم کو اس سے گھن آئے گی' اور اللہ سے ڈرتے رہو' بیشک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

بدگمانی اور عیوب تلاش کرنا نیز غیبت کا مفہوم: اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو بدگمانیوں سے اور تہمت دھرنے سے اور اپنوں اور غیروں کو خوفزدہ کرنے سے اور خواہ مخواہ کی دہشت دل میں رکھ لینے سے روکتا ہے اور فرماتا ہے کہ بسا اوقات اکثر اس قسم کے گمان بالکل گناہ ہوتے ہیں پس تمہیں اس میں پوری احتیاط چاہئے۔ امیر المومنین حضرت عمر بن خطابؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا تیرے مسلمان بھائی کی زبان سے جو کلمہ نکلا ہو جہاں تک تجھ سے ہو سکے اسے بھلائی اور اچھائی پر محمول کر۔ ابن ماجہ میں ہے کہ نبی ﷺ نے طواف کعبہ کرتے ہوئے فرمایا تو کتنا پاک گھر ہے۔ تو کیسی اچھی خوشبو والا ہے تو کس قدر عظمت والا ہے۔ تو کیسی بڑی حرمت والا ہے۔ اس کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے کہ مومن کی حرمت اس کے مال اور اس کی جان کی حرمت اور اس کے ساتھ نیک گمان کرنے کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک تیری حرمت سے بہت بڑی ہے۔ یہ حدیث صرف ابن ماجہ میں ہی ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں بدگمانی سے بچو گمان سب سے بڑی جھوٹی بات ہے' بھید نہ ٹٹولو ایک دوسرے کی بزرگی حاصل کرنے کی کوشش میں نہ لگ جایا کرو۔ حسد بغض اور ایک دوسرے سے منہ پھلانے سے بچو' سب مل کر رب رحیم کے بندے اور آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو سہو۔ مسلم وغیرہ میں ہے ایک دوسرے سے روٹھ کر نہ بیٹھ جایا کرو' ایک دوسرے سے میل جول ترک نہ کر لیا کرو' ایک دوسرے سے حسد بغض نہ کیا کرو بلکہ سب مل کر اللہ کے بندے آپس میں ایک دوسرے کے بھائی بند ہو کر زندگی گذارو۔ کسی مسلمان کو حلال نہیں کہ اپنے دوسرے مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ بول چال اور میل جول چھوڑے۔ طبرانی میں ہے کہ تین خصلتیں میری امت میں رہ جائیں گی فال لینا' حسد کرنا اور بدگمانی کرنا۔ ایک شخص نے پوچھا حضور پھر ان کا تدارک کیا ہے؟ فرمایا جب حسد کر تو استغفار کر لے۔ جب گمان پیدا ہو تو اسے چھوڑ دے اور یقین نہ کر۔ اور جب شگون لے خواہ نیک نکلے خواہ بد اپنے کام سے نہ رک' اسے پورا کر۔ ابوداؤد میں ہے کہ ایک شخص کو حضرت ابن مسعودؓ کے پاس لایا گیا اور کہا گیا کہ اس کی ڈاڑھی سے شراب کے قطرے گر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہمیں بھید ٹٹولنے سے منع فرمایا گیا ہے اگر ہمارے سامنے کوئی چیز ظاہر ہو گئی تو ہم اس پر پکڑ کر سکتے ہیں۔ مسند احمد میں ہے کہ عقبہ کے کاتب دجین کے پاس حضرت ابوالہیثم گئے اور ان سے کہا کہ میرے پڑوس میں کچھ لوگ شرابی ہیں' میرا ارادہ ہے کہ میں داروغہ کو بلا کر انہیں گرفتار کرادوں۔ آپ نے فرمایا ایسا نہ کرنا بلکہ انہیں سمجھاؤ بجھاؤ' ڈانٹ ڈپٹ کر دو۔ پھر کچھ دنوں کے بعد آئے اور کہا وہ باز نہیں رہتے اب تو میں ضرور داروغہ کو بلاؤں گا۔ آپ نے فرمایا افسوس افسوس تم ہرگز ہرگز ایسا نہ کرو۔ سنو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے

آپ نے فرمایا جو شخص کسی مسلمان کی پردہ داری کرے اسے اتنا ثواب ملے گا جیسے کسی نے زندہ درگور کردہ لڑکی کو جلالیا۔ ابوداؤد میں ہے حضرت معاویہؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے اگر تو لوگوں کی پوشیدگیاں اور ان کے راز ٹٹولنے کے درپے ہوگا تو تو انہیں بگاڑ دیگا یا فرمایا ممکن ہے تو انہیں خراب کردے۔ حضرت ابودرداءؓ فرماتے ہیں اس حدیث سے اللہ تعالیٰ نے حضرت معاویہؓ کو بہت فائدہ پہنچایا۔ ابوداؤد کی ایک اور حدیث میں ہے کہ امیر اور بادشاہ جب اپنے ماتحتوں اور رعایا کی برائیاں ٹٹولنے لگ جاتا ہے اور گہرا اترنا شروع کردیتا ہے تو انہیں بگاڑ دیتا ہے۔ پھر فرمایا کہ تجسس نہ کرو یعنی برائیاں معلوم کرنے کی کوشش نہ کرو‘ تاک جھانک نہ کیا کرو۔ اسی سے جاسوس ماخوذ ہے‘ تجسس کا اطلاق عموماً برائی پر ہوتا ہے اور تحسس کا اطلاق بھلائی کے ڈھونڈنے پر۔ جیسے حضرت یعقوبؑ اپنے بیٹوں سے فرماتے ہیں ﴿فَتَحَسَّسُوْ﴾ الخ بچو تم جاؤ اور یوسف اور برادر یوسف کو ڈھونڈو اور اللہ رحمٰن کی رحمت سے ناامید نہ ہو‘ اور کبھی کبھی ان دونوں کا استعمال شر اور برائی میں ہوتا ہے چنانچہ حدیث شریف میں ہے نہ تجسس کرو نہ تحسس کرو نہ حسد و بغض کرو نہ منہ موڑو بلکہ سب ملکر اللہ کے بندے بھائی بھائی بن جاؤ‘ امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں تجسس کہتے ہیں کسی چیز میں کرید کرنے کو اور تحسس کہتے ہیں ان لوگوں کی سرگوشی پر کان لگانے کو جو کسی کو اپنی باتیں سنانا نہ چاہتے ہوں اور تدابر کہتے ہیں ایک دوسرے سے رک کر‘ آزردہ ہو کر قطع تعلقات کرنے کو

پھر غیبت سے منع فرماتا ہے۔ ابوداؤد میں ہے لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ! غیبت کیا ہے؟ فرمایا یہ کہ تو اپنے مسلمان بھائی کی کسی ایسی بات کا ذکر کرے جو اسے بری معلوم ہو‘ تو کہا گیا کہ اگر وہ بات اس میں ہو جب بھی؟ فرمایا ہاں غیبت تو یہی ہے ورنہ بہتان اور تہمت ہے‘ ابوداؤد میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ صفیہؓ تو ایسی ایسی ہیں۔ مسدد راوی کہتے ہیں یعنی کم قامت‘ تو حضور ﷺ نے فرمایا تو نے ایسی ہی بات کہی ہے کہ سمندر کے پانی میں اگر ملادی جائے تو اسے بھی بگاڑ دے اور ایک مرتبہ آپ کے سامنے کسی شخص کی کچھ ایسی ہی باتیں بیان کی گئیں تو آپ نے فرمایا میں اسے پسند نہیں کرتا گو مجھے کوئی بہت بڑا نفع بھی مل جائے۔ ابن جریر میں ہے کہ ایک بیوی صاحبہ حضرت عائشہؓ کے ہاں آئیں جب وہ جانے لگیں تو صدیقہؓ نے حضور ﷺ کو اشارے سے کہا کہ یہ بہت پست قامت ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا تم نے ان کی غیبت کی۔ الغرض غیبت حرام ہے اور اس کی حرمت پر مسلمانوں کا اجماع ہے لیکن ہاں شرعی مصلحت کی بنا پر کسی کی ایسی بات کا ذکر کرنا غیبت میں داخل نہیں جیسے جرح و تعدیل نصیحت و خیر خواہی۔ جیسے کہ نبی ﷺ نے ایک فاجر شخص کی نسبت فرمایا تھا‘ یہ بہت برا آدمی ہے اور جیسے کہ حضور ﷺ نے فرمایا تھا معاویہ مفلس شخص ہے اور ابوالجہم بڑا مار نے پیٹنے والا آدمی ہے۔ یہ آپ نے اس وقت فرمایا تھا جبکہ ان دونوں بزرگوں نے حضرت فاطمہ بنت قیسؓ سے نکاح کا مانگا ڈالا تھا۔ اور بھی جو باتیں اس طرح کی ہوں ان کی تو اجازت ہے باقی اور غیبت حرام ہے اور کبیرہ گناہ ہے۔ اسی لئے یہاں فرمایا کہ جس طرح تم اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے گھن کرتے ہو اس سے بہت زیادہ نفرت تمہیں غیبت سے کرنی چاہئے۔ جیسے حدیث میں ہے اپنے دیئے ہوئے ہبہ کو واپس لینے والا ایسا ہے جیسے کتا جو قے کر کے چاٹ لیتا ہے‘ اور فرمایا بری مثال ہمارے لئے لائق نہیں۔ حجتہ الوداع کے خطبہ میں ہے تمہارے خون مال آبرو تم پر ایسے ہی حرام ہیں جیسی حرمت تمہارے اس دن کی تمہارے اس مہینے میں اور تمہارے اس شہر میں ہے۔ ابوداؤد میں حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ مسلمان کا مال‘ اس کی عزت اور اس کا خون مسلمان پر حرام ہے۔ انسان کو اتنی ہی برائی کافی ہے کہ وہ اپنے دوسرے مسلمان بھائی کی حقارت کرے‘ اور حدیث میں ہے اے وہ لوگو جن کی زبانیں تو ایمان لاچکی ہیں لیکن دل ایماندار نہیں ہوئے تم مسلمانوں کی غیبتیں کرنی چھوڑ دو اور ان کے عیبوں کی کرید نہ کیا کرو یاد رکھو اگر تم نے ان کے عیب ٹٹولے تو اللہ تعالیٰ تمہاری پوشیدگیوں کو ظاہر کر دے گا‘ یہاں تک کہ تم اپنے گھرانے والوں میں بھی بدنام اور رسوا ہو جاؤ گے۔ مسند ابویعلیٰ میں ہے کہ اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایک خطبہ سنایا جس میں آپ نے پردہ نشین عورتوں کے کانوں میں بھی اپنی آواز پہنچائی اور اس خطبہ میں اوپر والی حدیث بیان فرمائی۔ حضرت ابن عمرؓ نے ایک مرتبہ کعبہ کی طرف دیکھا اور فرمایا تیری حرمت و عظمت کا کیا ہی کہنا ہے لیکن تجھ سے بھی بہت زیادہ

حرمت ایک ایماندار شخص کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے۔ ابوداؤد میں ہے جس نے کسی مسلمان کی برائی کر کے ایک نوالہ حاصل کیا اسے جہنم کی اتنی ہی غذا کھلائی جائے گی' اسی طرح جس نے مسلمان کی برائی کرنے پر پوشاک حاصل کی اسے اسی جیسی پوشاک جہنم کی پہنائی جائے گی اور جو شخص کسی دوسرے کی برائی دکھانے سنانے کو کھڑا ہوا اسے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن دکھاوے سناوے کے مقام پر کھڑا کر دے گا۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں معراج والی رات میں نے دیکھا کہ کچھ لوگوں کے ناخن تانبے کے ہیں جن سے وہ اپنے چہرے اور سینے نوچ رہے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ جبریل یہ کون لوگ ہیں؟ عرض کیا یہ وہ ہیں جو لوگوں کے گوشت کھاتے تھے اور ان کی عزتیں لوٹتے تھے (ابوداؤد)۔ اور روایت میں ہے کہ لوگوں کے سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا معراج والی رات میں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا جن میں مرد عورت دونوں تھے کہ فرشتے ان کی کروٹوں سے گوشت کاٹتے ہیں اور پھر انہیں اس کے کھانے پر مجبور کر رہے ہیں اور وہ اسے چبا رہے ہیں میرے سوال پر کہا گیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو طعنہ زن' غیبت گو' چغل خور تھے انہیں جبراً آج خود ان کا گوشت کھلایا جا رہا ہے (ابن ابی حاتم)۔ یہ حدیث بہت مطول ہے اور ہم نے پوری حدیث سورہ سبحان کی تفسیر میں بیان بھی کر دی ہے فالحمد للہ۔

مسند ابوداؤد وطیالسی میں ہے کہ حضور ﷺ نے لوگوں کو روزے کا حکم دیا اور فرمایا جب تک میں نہ کہوں کوئی افطار نہ کرے۔ شام کو لوگ آنے لگے اور آپ سے دریافت کرنے لگے آپ انہیں اجازت دیتے اور وہ افطار کرتے اتنے میں ایک صاحب آئے اور کہا حضور دو عورتوں نے روزہ رکھا تھا جو آپ ہی کے متعلقین میں سے ہیں انہیں بھی آپ اجازت دیجئے کہ روزہ کھول لیں۔ آپ نے اس سے منہ پھیر لیا۔ اس نے دوبارہ عرض کی تو آپ نے فرمایا وہ روزے سے نہیں ہیں' کیا وہ بھی روزہ دار ہو سکتا ہے جو انسانی گوشت کھاتا رہے؟ جاؤ انہیں کہو کہ اگر وہ روزے سے ہیں تو قے کریں چنانچہ انہوں نے قے کی جس میں خون بستہ کے لوتھڑے نکلے۔ اس نے آکر حضور ﷺ کو خبر دی۔ آپ نے فرمایا اگر یہ اسی حالت میں مر جاتیں تو آگ کا لقمہ بنتیں۔ اس کی سند ضعیف ہے اور متن بھی غریب ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ اس شخص نے کہا تھا حضور ان دونوں عورتوں کی روزے میں بری حالت ہے' مارے پیاس کے مر رہی ہیں اور یہ دوپہر کا وقت تھا' حضور ﷺ کی خاموشی پر اس نے دوبارہ کہا کہ یا رسول اللہ وہ تو مر گئی ہوں گی یا تھوڑی دیر میں مر جائیں گی۔ آپ نے فرمایا جاؤ انہیں بلا لاؤ۔ جب وہ آئیں تو آپ نے دودھ کا بٹا ایک کے سامنے رکھ کر فرمایا اس میں قے کر۔ اس نے قے کی تو اس میں پیپ خون جامد وغیرہ نکلا جس سے آدھا بٹا بھر گیا پھر دوسری سے قے کرائی اس میں بھی یہی چیزیں اور گوشت کے لوتھڑے وغیرہ نکلے اور بٹا بھر گیا۔ اس وقت آپ نے فرمایا انہیں دیکھو حلال سے تو روزہ رکھے ہوئے تھیں اور حرام کھا رہی تھیں۔ دونوں بیٹھ کر لوگوں کے گوشت کھانے لگی تھیں (یعنی غیبت کر رہی تھیں) (مسند احمد) مسند حافظ ابو یعلیٰ میں ہے کہ حضرت ماعزؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہا یا رسول اللہ! میں نے زنا کیا ہے آپ نے منہ پھیر لیا یہاں تک کہ وہ چار مرتبہ کہہ چکے پھر آپ نے پانچویں دفعہ کہا تو نے زنا کیا ہے؟ جواب دیا ہاں۔ فرمایا جانتا ہے زنا کسے کہتے ہیں؟ جواب دیا ہاں جس طرح انسان اپنی حلال عورت کے پاس جاتا ہے اسی طرح میں نے حرام عورت سے کیا۔ آپ نے فرمایا اب تیرا مقصد کیا ہے؟ کہا یہ کہ آپ مجھے اس گناہ سے پاک کریں۔ آپ نے فرمایا کیا تو نے اسی طرح دخول کیا تھا جس طرح سلائی سرمہ دانی میں اور لکڑی کنویں میں؟ کہا ہاں یا رسول اللہ۔ اب آپ نے انہیں رجم کرنے کا یعنی پتھراؤ کرنے کا حکم دیا' چنانچہ یہ رجم کر دیئے گئے۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے دو شخصوں کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اسے دیکھو اللہ نے اس کی پردہ پوشی کی تھی لیکن اس نے اپنے تئیں نہ چھوڑا یہاں تک کہ کتے کی طرح پتھراؤ کیا گیا۔ آپ یہ سنتے ہوئے چلتے رہے۔ تھوڑی دیر بعد آپ نے دیکھا کہ راستے میں ایک مردہ گدھا پڑا ہے' فرمایا فلاں فلاں شخص کہاں ہیں؟ وہ سواری سے اتریں اور اس گدھے کا گوشت کھائیں۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! اللہ آپ کو بخشے کیا یہ کھانے کے قابل ہے؟ آپ نے فرمایا ابھی جو تم نے اپنے بھائی کی بدی بیان کی تھی وہ اس سے بھی زیادہ بری چیز تھی۔ اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے وہ شخص جسے تم نے برا کہا تھا وہ تو اب اس وقت جنت کی نہروں میں غوطے لگا رہا ہے۔ اس کی اسناد صحیح ہے۔ مسند احمد میں ہے ہم نبی ﷺ کے ساتھ تھے جو نہایت سڑی ہوئی مردار بو والی ہوا چلی۔ آپ نے

فرمایا جانتے ہو یہ بو کس چیز کی ہے؟ یہ بدبو ان کی ہے جو لوگوں کی غیبت کرتے ہیں اور روایت میں ہے کہ منافقوں کے ایک گروہ نے مسلمانوں کی غیبت کی ہے یہ بدبو دار ہوا وہ ہے۔ حضرت سدیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت سلمانؓ ایک سفر میں دو شخصوں کے ساتھ تھے جن کی خدمت یہ کرتے تھے اور وہ انھیں کھانا کھلاتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت سلمانؓ سو گئے تھے اور قافلہ آگے چل پڑا' پڑاؤ پر پہنچ کر ان دونوں نے دیکھا کہ حضرت سلمان نہیں آئے تو اپنے ہاتھوں سے انھیں خیمہ کھڑا کرنا پڑا اور غصہ سے کہا سلمان تو بس اتنے ہی کام کا ہے کہ پکی پکائی کھالے اور تیار خیمے میں آرام کرلے۔ تھوڑی دیر میں حضرت سلمانؓ پہنچے ان دونوں کے پاس سالن نہ تھا تو کہا تم جاؤ اور رسول اللہ ﷺ سے ہمارے لئے سالن لے آؤ' یہ گئے اور حضور ﷺ سے کہا یارسول اللہ! مجھے میرے دونوں ساتھیوں نے بھیجا ہے کہ اگر آپ کے پاس سالن ہو تو دیجئے۔ آپ نے فرمایا وہ سالن کیا کریں گے؟ انہوں نے تو سالن پالیا۔ حضرت سلمانؓ واپس گئے اور جا کر ان سے یہ بات کہی۔ وہ اٹھے اور خود حاضر حضور ﷺ ہوئے اور کہا حضور ﷺ ہمارے پاس تو سالن نہیں نہ آپ نے بھیجا۔ آپ نے فرمایا تم نے سلمان کے گوشت کا سالن کھالیا جبکہ تم نے انہیں یوں یوں کہا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ﴿ مَيْتًا ﴾ اس لئے کہ وہ سوئے ہوئے تھے اور یہ ان کی غیبت کر رہے تھے۔ مختار ابو ضیاء میں تقریباً ایسا ہی ایک واقعہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کا ہے اس میں یہ بھی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا میں تمہارے اس خادم کا گوشت تمہارے دانتوں میں اٹکا ہوا دیکھ رہا ہوں۔ اور ان کا اپنے غلام سے جبکہ وہ سویا ہوا تھا اور ان کا کھانا تیار نہیں کیا تھا صرف اتنا کہنا مروی ہے کہ یہ تو بڑا ہی سونے والا ہے۔ ان دونوں بزرگوں نے حضور ﷺ سے کہا آپ ہمارے لئے استغفار کیجئے۔ آپ نے فرمایا جاؤ اسی سے کہو وہ تمہارے لئے استغفار کرے۔ ابو یعلی میں ہے جس نے دنیا میں اپنے بھائی کا گوشت کھایا (یعنی اسکی غیبت کی) قیامت کے دن اس کے سامنے وہ گوشت لایا جائیگا کہ جیسے اسکی زندگی میں تو نے اس کا گوشت کھایا تھا اب مردے کا گوشت بھی کھا۔ اب یہ چیخے گا چلائے گا ہائے وائے کریگا اور اسے جبراً وہ مردہ گوشت کھانا پڑیگا۔ یہ روایت بہت غریب ہے۔

پھر فرماتا ہے اللہ کا لحاظ کر و اس کے احکام بجالاؤ اس کی منع کردہ چیزوں سے رک جاؤ اور اس سے ڈرتے رہا کرو۔ جو اس کی طرف جھکے وہ اس کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ توبہ کرنے والے کی توبہ قبول فرماتا ہے اور جو اس پر بھروسہ کرے اس کی طرف رجوع کرے وہ اس پر رحم اور مہربانی فرماتا ہے۔ جمہور علماء کرام فرماتے ہیں غیبت گو کی توبہ کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اس خصلت کو چھوڑ دے اور پھر سے اس گناہ کو نہ کرے۔ پہلے جو کر چکا ہے اس پر نادم ہونا بھی شرط ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے اور جس کی غیبت کی ہے اس سے معافی حاصل کرلے۔ بعض کہتے ہیں یہ بھی شرط نہیں اس لئے کہ ممکن ہے اسے خبر ہی نہ ہو اور وہ معافی مانگنے کو جب جائے گا تو اسے اور رنج ہوگا۔ پس اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ جن مجلسوں میں اس کی برائی بیان کی تھی ان میں اب اس کی سچی بھلائی بیان کرے اور اس برائی کو اپنی طاقت کے مطابق دفع کردے تو ادلہ بدلہ ہو جائے گا۔ مسند احمد میں ہے جو شخص اس وقت کسی مومن کی حمایت کرے جبکہ کوئی منافق اس کی مذمت بیان کر رہا ہو' اللہ تعالیٰ ایک فرشتے کو مقرر کر دیتا ہے جو قیامت والے دن اس کے گوشت کو نار جہنم سے بچائے گا۔ اور جو شخص کسی مومن پر کوئی ایسی بات کہے گا جس سے اس کا ارادہ اسے مطعون کرنے کا ہو اسے اللہ تعالیٰ پل صراط پر روک لیگا یہاں تک کہ بدلہ ہو جائے' یہ حدیث ابو داؤد میں بھی ہے۔ ابو داؤد کی ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کی بے عزتی ایسی جگہ میں کرے جہاں اس کی آبرو ریزی اور توہین ہوتی ہو تو اسے بھی اللہ تعالیٰ ایسی جگہ رسوا کریگا جہاں وہ اپنی مدد کا طالب ہو اور جو مسلمان ایسی جگہ اپنے بھائی کی حمایت کرے اللہ تعالیٰ بھی ایسی جگہ اس کی نصرت کرے گا (ابو داؤد)

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴿١٣﴾

اے لوگو ہم نے تم سب کو ایک ہی مرد عورت سے پیدا کیا ہے اور اس لئے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچانو اور تمہاری جماعتیں اور قبیلے بنا دیئے

ہیں۔ اللہ کے نزدیک تم سب میں سے بڑا وہ ہے جو سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے' یقین مانو کہ اللہ تعالیٰ دانا اور باخبر ہے۔

فضیلت وقار کا معیار تقویٰ پر ہے: اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ اس نے تمام انسانوں کو ایک ہی نفس سے پیدا کیا ہے یعنی حضرت آدمؑ سے' ان ہی سے ان کی بیوی صاحبہ حضرت حوا کو پیدا کیا تھا اور پھر ان دونوں مثالوں سے نسل انسانی پھیلی' شعوب قبائل سے عام ہے۔ مثال کے طور پر عرب تو شعوب میں داخل ہے پھر قریش غیر قریش پھر ان کی تقسیم یہ سب قبائل میں داخل ہے' بعض کہتے ہیں شعوب سے مراد عجمی لوگ اور قبائل سے مراد عرب جماعتیں جیسے کہ بنی اسرائیل کو اسباط کہا گیا ہے۔ میں نے ان تمام باتوں کو ایک علیحدہ مقدمہ میں لکھ دیا ہے جسے میں نے ابو عمر ابن عبداللہ کی کتاب الاشباہ اور کتاب القصد والامم فی معرفۃ انساب العرب والعجم سے جمع کیا ہے۔ مقصد اس آیت مبارکہ کا یہ ہے کہ حضرت آدمؑ جو مٹی سے پیدا ہوئے تھے ان کی طرف کی نسبت میں تو کل جہاں کے آدمی ہم مرتبہ ہیں۔ اب جو کچھ فضیلت جس کسی کو حاصل ہو گی وہ امر دینی اطاعت الٰہی اور اتباع نبی کی وجہ سے ہو گی۔ یہی راز ہے جو اس آیت کو غیبت کی ممانعت اور ایک دوسرے کی توہین و تذلیل سے روکنے کے بعد وارد کی کہ سب لوگ اپنی پیدائشی نسبت کے لحاظ سے بالکل یکساں ہیں۔ کنبے قبیلے برادریاں اور جماعتیں صرف پہچان کے لئے ہیں تاکہ جتھابندی اور ہمدردی قائم رہے فلاں بن فلاں قبیلے والا کہا جا سکے اور اس طرح ایک دوسرے کی پہچان آسان ہو جائے' ورنہ بشریت کے اعتبار سے سب قومیں یکساں ہیں۔ حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں قبیلہ حمیر اپنے حلیفوں کی طرف منسوب ہوتا تھا اور حجازی عرب اپنے قبیلوں کی طرف اپنی نسبت کرتے تھے۔ ترمذی میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں نسب کا علم حاصل کرو تاکہ صلہ رحمی کر سکو صلہ رحمی سے لوگ تم سے محبت کرنے لگیں گے' تمہارے مال اور تمہاری زندگی میں اللہ تعالیٰ برکت دے گا۔ یہ حدیث اس سند سے غریب ہے۔ پھر فرمایا حسب نسب اللہ تعالیٰ کے ہاں نہیں چلتا وہاں تو فضیلت تقویٰ اور پرہیزگاری سے ملتی ہے۔ صحیح بخاری میں ہے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ سب سے زیادہ بزرگ کون ہے؟ آپ نے فرمایا جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔ لوگوں نے کہا ہم یہ عام بات نہیں پوچھتے۔ فرمایا پھر سب سے زیادہ بزرگ حضرت یوسفؑ ہیں جو خود نبی تھے' نبی زادے تھے' دادا بھی نبی تھے پردادا تو خلیل اللہ تھے۔ انھوں نے کہا ہم یہ بھی نہیں پوچھتے۔ پھر فرمایا پھر عرب کے بارے میں پوچھتے ہو؟ سنو ان کے جو لوگ جاہلیت کے زمانے میں ممتاز تھے وہی اب اسلام میں بھی پسندیدہ ہیں جب کہ وہ علم دین کی سمجھ حاصل کر لیں۔ صحیح مسلم میں ہے اللہ تمہاری صورتوں اور مالوں کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں اور عملوں کو دیکھتا ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت ابوذرؓ سے فرمایا خیال رکھ کہ تو کسی سرخ و سیاہ پر کوئی فضیلت نہیں رکھتا ہاں تقوے میں بڑھ جا تو فضیلت والا ہے۔ طبرانی میں ہے سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں کسی کو کسی پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقوے کے ساتھ۔ مسند بزار میں ہے تم سب اولاد آدم ہو اور خود حضرت آدم مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں۔ لوگو اپنے باپ دادوں کے نام پر فخر کرنے سے باز آؤ ورنہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ریت کے تودوں اور آبی پرندوں سے بھی زیادہ ہلکے ہو جاؤ گے۔ ابن ابی حاتم میں ہے حضور ﷺ نے فتح مکہ والے دن اپنی اونٹنی قصواء پر سوار ہو کر طواف کیا اور ارکان کو آپ اپنی چھڑی سے چھو لیتے تھے۔ پھر چونکہ مسجد میں اس کے بٹھانے کی جگہ نہ ملی تو لوگوں نے آپ کو ہاتھوں ہاتھ اتارا اور اونٹنی کو بطن مسیل میں لے جا کر بٹھایا۔ اس کے بعد آپ نے اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر لوگوں کو خطبہ سنایا جسمیں اللہ تعالیٰ کی پوری حمد و ثنا بیان کر کے فرمایا لوگو! اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کے اسباب اور جاہلیت کے باپ دادوں پر فخر کرنے کی رسم اب دور کر دی ہے' پس انسان دو ہی قسم کے ہیں یا تو نیک کار پرہیزگار جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک بلند مرتبہ ہیں یا بدکار غیر متقی جو اللہ تعالیٰ کی نگاہوں میں ذلیل و خوار ہیں۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

پھر فرمایا میں اپنی یہ بات کہتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے اور تمہارے لئے استغفار کرتا ہوں۔ مسند احمد میں ہے کہ تمہارے یہ نسب نامے کوئی کام دینے والے نہیں تم سب برابر برابر کے حضرت آدمؑ کے لڑکے ہو کسی کو کسی پر فضیلت نہیں' ہاں فضیلت دین و

تقوی سے ہے انسان کو یہی برائی کافی ہے کہ وہ بدگو بخیل اور فحش کلام ہو۔ ابن جریر کی اس روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے حسب و نسب کو قیامت کے دن نہ پوچھے گا تم میں سب سے زیادہ بزرگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ہیں جو تم سب سے زیادہ پرہیز گار ہوں۔ مسند احمد میں ہے کہ حضور ﷺ منبر پر تھے جو ایک شخص نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ سب سے بہتر کون ہے؟ آپ نے فرمایا جو سب سے زیادہ مہمان نواز سب سے زیادہ پرہیز گار سب سے زیادہ اچھی بات کا حکم دینے والا سب سے زیادہ بری بات سے روکنے والا سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والا ہو۔ مسند احمد میں ہے حضور ﷺ کو دنیا کی کوئی چیز یا کوئی شخص کبھی بھلا نہیں لگتا تھا۔ بجز تقوی والے کے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں جانتا ہے اور تمہارے کاموں سے خبردار ہے 'ہدایت کے لائق جو ہیں انہیں راہ راست دکھاتا ہے اور جو اس لائق نہیں وہ بے راہ ہو رہے ہیں' رحم اور عذاب اس کی مشیت پر موقوف ہیں۔ فضیلت اس کے ہاتھ ہے جسے چاہے جس پر چاہے بزرگی عطا فرمائے یہ تمام امور اس کے علم اور اس کی خبر گیری پر مبنی ہیں۔ اس آیت کریمہ اور ان احادیث مبارکہ سے استدلال کر کے علماء نے فرمایا ہے کہ نکاح میں قومیت اور حسب نسب کی شرط نہیں 'سوائے دین کے اور کوئی شرط معتبر نہیں۔ دوسروں نے کہا ہے کہ ہم نسبی اور قومیت بھی شرط ہے اور ان کے دلائل ان کے سوا اور ہیں جو کتب فقہ میں مذکور ہیں اور ہم بھی انہیں کتاب الاحکام میں ذکر کر چکے ہیں' فالحمد للہ۔ طبرانی میں حضرت عبدالرحمٰن سے مروی ہے کہ انہوں نے بنو ہاشم میں سے ایک شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں رسول اللہ ﷺ سے بہ نسبت اور تمام لوگوں کے بہت زیادہ قریب ہوں۔ دوسرے نے کہا تیری بہ نسبت میں آپ سے بہت زیادہ قریب ہوں اور مجھے آپ ﷺ سے نسبت بھی ہے۔

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَ لٰكِنْ قُوْلُوْۤا اَسْلَمْنَا وَ لَمَّا یَدْخُلِ الْاِیْمَانُ فِیْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَ اِنْ تُطِیْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَا یَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَیْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۴﴾ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ﴿۱۵﴾ قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِیْنِكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۱۶﴾ یَمُنُّوْنَ عَلَیْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ؕ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَیَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ یَمُنُّ عَلَیْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِیْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۱۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰهُ بَصِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸﴾ ع

دیہاتی لوگ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے۔ تو کہہ کہ درحقیقت تم ایمان نہیں لائے لیکن تم یوں کہو کہ ہم (مخالفت چھوڑ کر) مطیع ہو گئے کیونکہ ابھی تک تمہارے دلوں میں ایمان داخل ہی نہیں ہوا۔ تم اگر اللہ کی اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرنے لگو گے تو اللہ تمہارے اعمال میں سے کچھ بھی کم نہ کرے گا۔ بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ مومن تو وہ ہوتے ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر پکا ایمان لائیں پھر شک و شبہ نہ کریں اور اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے راہ الٰہی میں جہاد کرتے رہیں (اپنے دعوی ایمان میں) یہی سچے اور راست گو ہیں۔ کہہ دے کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کو اپنی

دینداری سے آگاہ کر رہے ہو؟ اللہ ہر اس چیز سے جو آسمانوں میں اور زمین میں ہے بخوبی آگاہ ہے۔ اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ اپنے مسلمان ہونے کا تجھ پر احسان رکھتے ہیں۔ تو کہہ دے کہ اپنے مسلمان ہونے کا احسان مجھ پر نہ رکھو' بلکہ دراصل اللہ تعالیٰ کا تم پر احسان ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی ہدایت کی اگر تم راست گو ہو۔ یقین مانو کہ آسمانوں کی اور زمین کی پوشیدہ باتیں اللہ خوب جانتا ہے۔ اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ دیکھ رہا ہے۔

ایمان اور اسلام میں فرق: جو اعرابی لوگ اسلام میں داخل ہوتے ہی اپنے ایمان کا بڑھا چڑھا کر دعویٰ کرنے لگتے تھے' حالانکہ دراصل ان کے دل میں اب تک ایمان کی جڑیں مضبوط نہیں ہوئی تھیں' ان کو اللہ تعالیٰ اس دعوے سے روکتا ہے' یہ کہتے تھے ہم ایمان لائے' اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو حکم دیتا ہے کہ چونکہ اب تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا تم یوں نہ کہو کہ ہم ایمان لائے بلکہ یوں کہو کہ ہم مسلمان ہوئے یعنی اسلام کے حلقہ بگوش ہوئے نبی کی اطاعت میں آئے۔ اس آیت نے یہ فائدہ دیا کہ ایمان اسلام سے مخصوص چیز ہے جیسے کہ اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے (۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہاں اس آیت میں اسلام سے مراد اسلام لغوی ہے شرعی نہیں (یعنی ماتحت رعایا بننے کے ہیں مسلمان بننے کے نہیں مترجم)۔ جبرئیلؑ والی حدیث بھی اسی پر دلالت کرتی ہے جبکہ انہوں نے اسلام کے بارے میں سوال کیا پھر ایمان کے بارے میں پھر احسان کے بارے میں پس وہ زینہ بہ زینہ چڑھنے لگے۔ عام سے خاص کی طرف آئے اور پھر خاص سے اخص کی طرف آئے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضور ﷺ نے چند لوگوں کو عطیہ اور انعام دیا اور ایک شخص کو کچھ بھی نہ دیا۔ اس پر حضرت سعدؓ نے فرمایا یارسول اللہ ﷺ آپ نے فلاں فلاں کو دیا اور فلاں فلاں کو بالکل چھوڑ دیا حالانکہ وہ مومن ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا یا مسلمان؟ تین مرتبہ یکے بعد دیگرے حضرت سعدؓ نے یہی کہا اور حضور ﷺ نے بھی یہی جواب دیا۔ پھر فرمایا اے سعد میں لوگوں کو دیتا ہوں اور جو ان سے بہت زیادہ محبوب ہوتا ہے اسے نہیں دیتا ہوں' دیتا ہوں اس ڈر سے کہ کہیں وہ اوندھے منہ آگ میں نہ گر پڑیں۔ یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی ہے۔ پس اس حدیث میں بھی حضور ﷺ نے مومن و مسلم میں فرق کیا اور معلوم ہو گیا کہ ایمان زیادہ خاص ہے بہ نسبت اسلام کے۔ ہم نے اسے مع دلائل صحیح بخاری کی کتاب الایمان کی شرح میں ذکر کر دیا ہے فالحمد للہ۔

اور اس حدیث میں اس بات پر بھی دلالت ہے کہ یہ شخص مسلمان تھے منافق نہ تھے اس لئے کہ آپ نے انہیں کوئی عطیہ عطا نہیں فرمایا اور اسے اس کے اسلام کے سپرد کر دیا۔ پس معلوم ہوا کہ یہ اعراب جن کا ذکر اس آیت میں ہے منافق نہ تھے' تھے تو مسلمان لیکن اب تک ان کے دلوں میں ایمان صحیح طور پر مستحکم نہ ہوا تھا اور انہوں نے اس بلند مقام تک اپنی رسائی ہو جانے کا ابھی سے دعویٰ کر دیا تھا اسلئے انہیں ادب سکھایا گیا۔ یہی مطلب ہے حضرت ابن عباسؓ اور ابراہیم نخعیؒ اور قتادہؒ کے قول کا اور اسی کو امام ابن جریرؒ نے اختیار کیا ہے۔ ہمیں یہ سب یوں کہنا پڑا کہ حضرت امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ منافق تھے جو ایمان ظاہر کرتے تھے لیکن اصل مومن نہ تھے (یاد رہے ایمان و اسلام میں فرق اس وقت ہے جب کہ اسلام اپنی حقیقت پر نہ ہو' جب اسلام حقیقی ہو تو وہی اسلام ایمان ہے اور اس وقت ایمان اسلام میں کوئی فرق نہیں' اس کے بہت سے قوی دلائل امام الائمہ حضرت امام بخاریؒ نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں کتاب الایمان میں بیان فرمائے ہیں اور ان لوگوں کا منافق ہونا' اس کا ثبوت بھی آ رہا ہے' واللہ اعلم۔ مترجم) حضرت سعید بن جبیرؒ' حضرت مجاہدؒ' حضرت زیدؒ فرماتے ہیں یہ جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بلکہ تم ﴿اَسْلَمْنَا﴾ کہو اس سے مراد یہ ہے کہ ہم قتل سے قید و بند سے بچنے کے لئے تابع فرمان ہو گئے ہیں۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت بنو اسد ابن خزیمہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ یہ ان لوگوں کے بارے میں اتری ہے جو اپنے ایمان لانے کا آنحضرت ﷺ پر بار احسان رکھتے تھے لیکن صحیح بات پہلی ہی ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں اتری جو مقام ایمان کا دعویٰ کرتے تھے۔ حالانکہ اب تک وہاں پہنچے نہ تھے پس انہیں ادب سکھایا گیا اور بتلایا گیا کہ یہ اب تک ایمان تک نہیں پہنچے' اگر یہ منافق ہوتے تو انہیں ڈانٹ ڈپٹ کی جاتی اور ان کی رسوائی کی جاتی جیسے کہ سورہ براءت میں منافقوں کا ذکر کیا گیا' لیکن یہاں تو انہیں صرف ادب سکھایا گیا ہے۔ پھر فرماتا ہے اگر تم اللہ کی اور اس کے رسول کی مانتے رہو گے تو

تمہارے کسی عمل کا اجر مارا نہ جائے گا جیسے فرمایا ﴿مَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ﴾ ہم نے ان کے اعمال میں سے کچھ بھی نہیں گھٹایا۔

پھر فرمایا جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے برائی سے لوٹ آئے' اللہ اس کے گناہ معاف فرمانے والا اور اس کی طرف رحم بھری نگاہوں سے دیکھنے والا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ کامل ایمان والے صرف وہ لوگ ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول ﷺ پر دل سے یقین رکھتے ہیں پھر نہ شک کرتے ہیں نہ کبھی ان کے دل میں کوئی نکما خیال پیدا ہوتا ہے بلکہ اسی خالص تصدیق پر اور کامل یقین پر جم جاتے ہیں اور جمے ہی رہتے ہیں اور اپنے نفس اور دل کی چاہت کے مالوں کو بلکہ اپنی جانوں کو بھی راہ الٰہی کے جہاد میں خرچ کرتے ہیں۔ یہ سچے لوگ ہیں یعنی یہ ہیں جو کہہ سکتے ہیں کہ ہم ایمان لائے یہ ان لوگوں کی طرح نہیں جو صرف زبان سے ہی ایمان کا دعویٰ کر کے رہ جاتے ہیں۔ مسند احمد میں ہے نبی ﷺ فرماتے ہیں دنیا میں مومن کی تین قسمیں ہیں (۱) وہ جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لایا شک و شبہ نہ کیا اور اپنی جان اور اپنے مال سے راہ الٰہی میں جہاد کیا (۲) وہ جن سے لوگوں نے امن پالیا نہ یہ کسی کا مال ماریں نہ کسی کی جان لیں (۳) وہ جو طمع کی طرف جب جھانکتے ہیں اللہ عزوجل کی یاد کرتے ہیں۔ پھر فرماتا ہے کیا تم اپنے دل کا یقین و دین اللہ تعالیٰ کو دکھاتے ہو؟ وہ تو ایسا ہے کہ زمین و آسمان کا کوئی ذرہ اس سے مخفی نہیں وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ پھر فرمایا جو اعراب اپنے اسلام لانے کا بار احسان تجھ پر رکھتے ہیں ان سے کہہ دو کہ مجھ پر اپنے اسلام لانے کا احسان نہ جتاؤ تم جو اسلام قبول کرو گے تم جو میری ماتحتی کرو گے میری مدد کرو گے اس کا نفع تمہیں کو ملے گا بلکہ دراصل ایمان کی ہدایت تمہیں دینا یہ اللہ تعالیٰ کا تم پر احسان ہے اگر تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو۔ (اب غور فرمایئے کہ کیا اسلام لانے کا احسان پیغمبر الٰہی پر جتانے والے سچے مسلمان تھے؟ پس آیات کی ترتیب سے ظاہر ہے کہ ان کا اسلام حقیقت پر مبنی نہ تھا اور یہی الفاظ بھی ہیں کہ ایمان اب تک ان کے دل نشین نہیں ہوا اور جب تک اسلام حقیقت پر مبنی نہ ہو تب تک بیشک وہ ایمان نہیں لیکن جب وہ اپنی حقیقت پر صریح شرعی معنی میں ہو تو پھر ایمان اسلام ایک ہی چیز ہے' خود اس آیت کے الفاظ میں غور فرمایئے ارشاد ہے اپنے اسلام کا تجھ پر احسان رکھتے ہیں حالانکہ دراصل ایمان کی ہدایت اللہ تعالیٰ کا خود ان پر احسان ہے۔ پس وہاں احسان اسلام رکھنے کو بیان کر کے اپنا احسان ہدایت ایمان جتانا بھی ایمان و اسلام کے ایک ہونے پر باریک اشارہ ہے۔ مزید دلائل صحیح بخاری وغیرہ میں ملاحظہ ہوں۔ مترجم)
پس اللہ تعالیٰ کا کسی کو ایمان کی راہ دکھانا اس پر احسان کرنا ہے جیسے کہ رسول اللہ ﷺ نے حنین والے دن انصار سے فرمایا تھا کہ میں نے تمہیں گمراہی کی حالت میں نہیں پایا تھا؟ پھر اللہ تعالیٰ نے میری وجہ سے تمہیں ہدایت دی۔ تم میں تفریق تھی میری وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں مال دار کر دیا۔ جب کبھی حضور ﷺ کچھ فرماتے وہ کہتے بیشک اللہ اور اس کا رسول اس سے بھی زیادہ احسانوں والے ہیں۔ بزار میں ہے کہ بنو اسد رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ ہم مسلمان ہوئے عرب آپ سے لڑتے رہے لیکن ہم آپ سے نہیں لڑے' حضور ﷺ نے فرمایا ان میں سمجھ بہت کم ہے شیطان ان کی زبانوں پر بول رہا ہے' اور یہ آیت ﴿یَمُنُّوْنَ﴾ الخ نازل ہوئی۔ پھر دوبارہ اللہ رب العزت نے اپنے وسیع علم اور اپنی سچی باخبری اور مخلوق کے اعمال سے آگاہی کو بیان فرمایا کہ آسمان و زمین کے غیب اس پر ظاہر ہیں اور وہ تمہارے اعمال سے آگاہ ہے۔ الحمد للہ سورۂ حجرات کی تفسیر ختم ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے توفیق اور عصمت اسی کے ہاتھ ہے۔

تفسیر سورۂ قٓ مکیہ

قرآن پاک کی سات منزلوں کی تفصیل: جن سورتوں کو مفصل کی سورتیں کہا جاتا ہے ان میں سب سے پہلی سورت یہی ہے۔ گو ایک قول یہ بھی ہے کہ مفصل کی سورتیں سورۂ حجرات سے شروع ہو جاتی ہیں۔ عوام میں جو مشہور ہے کہ مفصل کی سورتیں ﴿عَمَّ

﴿ سے شروع ہوتی ہیں یہ بالکل بے اصل بات ہے علماء میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں۔ مفصل کی سورتوں کی پہلی سورت یہی ہے۔ اس کی دلیل ابوداؤد کی یہ حدیث ہے جو باب ﴿ تَحْزِيْبُ الْقُرْاٰنِ ﴾ میں ہے۔ حضرت اوس ابن حذیفہؓ فرماتے ہیں وفد ثقیف میں ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے احلاف تو حضرت مغیرہ ابن شعبہؓ کے ہاں ٹھیرے اور بنو مالک کو رسول اللہ ﷺ نے اپنے قبے میں ٹھیرایا۔ فرماتے ہیں ہر رات عشاء کے بعد رسول اللہ ﷺ ہمارے پس آتے اور کھڑے کھڑے ہمیں اپنی باتیں سناتے یہاں تک کہ آپ کو دیر لگ جانے کی وجہ سے قدموں کو بدلنے کی ضرورت پڑتی کبھی اس قدم کھڑے ہوتے کبھی اس قدم پر عموماً آپ ہم سے وہ واقعات بیان کرتے جو آپ کو اپنی قوم قریش سے سہنے پڑے تھے پھر فرماتے کوئی حرج نہیں ہم مکہ میں کمزور تھے بے وقعت تھے۔ پھر ہم مدینہ میں آ گئے اب ہم میں ان میں لڑائی مثل ڈولوں کے ہے۔ کبھی ہم ان پر غالب کبھی وہ۔ غرض ہر رات یہ لطف صحبت رہا کرتا تھا۔ ایک رات کو وقت ہو چکا اور آپ نہ آئے۔ بہت دیر کے بعد تشریف لائے۔ ہم نے کہا حضور! آج تو آپ کو بہت دیر لگ گئی۔ آپ نے فرمایا ہاں قرآن شریف کا جو حصہ میں روزانہ پڑھا کرتا تھا آج اس وقت اسے پڑھا اور ادھورا چھوڑ کر آنے کو جی نہ چاہا۔ حضرت اوسؓ فرماتے ہیں میں نے صحابہ سے پوچھا کہ تم قرآن کے حصے کس طرح کرتے تھے؟ تو انھوں نے کہا پہلی تین سورتوں کی ایک منزل، پھر پانچ سورتوں کی ایک منزل، پھر سات سورتوں کی ایک منزل، پھر نو سورتوں کی ایک منزل، پھر گیارہ سورتوں کی ایک منزل، پھر تیرہ سورتوں کی ایک منزل، اور مفصل کی سورتوں کی ایک منزل۔ یہ حدیث ابن ماجہ میں بھی ہے۔ پس پہلی چھ منزلوں کی کل اڑتالیس سورتیں ہوئیں۔ پھر ان کے بعد مفصل کی تمام سورتوں کی ایک منزل تو انچاسویں سورت یہی سورہ قاف پڑتی ہے۔ باقاعدہ گنتی سنیے۔ پہلی منزل کی تین سورتیں سورہ بقرہ، سورہ آل عمران، اور سورہ النساء ہوئیں۔ دوسری منزل کی پانچ سورتیں مائدہ، انعام، اعراف، انفال اور برات ہوئیں۔ تیسری منزل کی سات سورتیں یونس، ہود، یوسف، رعد، ابراہیم، حجر اور نحل ہوئیں۔ چوتھی منزل کی نو سورتیں سبحان، کہف، مریم، طہٰ، انبیاء، حج، مومنون، نور اور فرقان ہوئیں۔ پانچویں منزل کی گیارہ سورتیں شعراء، نمل، قصص، عنکبوت، روم، لقمان، الم، سجدہ، احزاب، سبا، فاطر، اور یسین ہوئیں۔ چھٹی منزل کی تیرہ سورتیں باقی رہیں جو حجرات کے بعد کی سورت سے شروع ہوں گی اور وہ سورہ ق ہے اور یہی ہم نے کہا تھا، فالحمد للہ۔ مسلم میں ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے حضرت ابوواقد لیثیؓ سے پوچھا کہ عید کی نماز میں رسول اللہ ﷺ کیا پڑھتے تھے؟ آپ نے فرمایا سورہ ق اور سورہ ﴿ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ ﴾ مسلم میں ہے حضرت ام ہشام بنت حارثہؓ فرماتی ہیں کہ ہمارا اور رسول اللہ ﷺ کا دو سال تک یا ایک سال کچھ ماہ تک ایک ہی تنور رہا میں نے سورہ ﴿ قٓ وَ الْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ﴾ رسول اللہ کی زبانی سن سن کر یاد کر لی اس لئے کہ ہر جمعہ کے دن جب آپ لوگوں کو خطبہ سنانے کے لئے منبر پر آتے تو اس سورت کی تلاوت کرتے۔ الغرض بڑے بڑے مجمع کے موقعہ پر جیسے عید ہے، جمعہ ہے، اللہ کے رسول اللہ ﷺ اس سورت کی تلاوت کرتے کیونکہ اس میں ابتداء خلق کا، مرنے کے بعد جینے کا، اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہونے کا، حساب و کتاب کا، جنت و دوزخ کا، ثواب و عذاب کا اور رغبت و ڈراوے کا ذکر ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ۝١ بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ ۝٢ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ ۝٣ قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ ۚ وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ ۝٤ بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَهُمْ فِيْٓ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ ۝٥

رحم کرنے والے رحمت کرنے والے اللہ کے نام سے شروع۔

بہت بڑی شان والے اس قرآن کی قسم ہے۔ بلکہ انھیں تعجب معلوم ہوا کہ ان کے پاس انہیں میں سے ایک آگاہ کرنیولا آیا تو کافروں نے کہا یہ ایک عجیب چیز ہے۔ کیا جب ہم مر کر مٹی ہو جائیں گے۔ یہ پھر زندہ کیا جانا دوراز عقل ہے۔ زمین جو کچھ ان میں سے گھٹاتی ہے وہ ہمیں معلوم ہے' اور ہمارے پاس کتاب ہے سب یاد رکھنے والی' بلکہ انھوں نے سچی بات کو جھوٹ کہا ہے جبکہ وہ ان کے پاس پہنچ چکی بس وہ ایک الجھاؤ میں پڑ گئے۔

حرف "ق" کے بارے میں خلاف عقل و نقل روایات: ق حروف ہجا سے ہے جو سورتوں کے اول میں آتے ہیں' جیسے ﴿ص' ن' الم' حم' طس﴾ وغیرہ ہم نے ان کی پوری تشریح سورۂ بقرہ کی تفسیر کے شروع میں کر دی ہے۔ بعض سلف کا قول ہے کہ قاف ایک پہاڑ ہے جو تمام زمین گھیرے ہوئے ہے۔ میں تو جانتا ہوں کہ دراصل یہ بنی اسرائیل کے خرافات میں سے ہے' جنھیں بعض لوگوں نے لے لیا۔ یہ سمجھ کر کہ ان سے روایت لینی مباح ہے گو تصدیق تکذیب نہیں کر سکتے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ یہ اور اس جیسی اور روایتیں تو بنی اسرائیل کے بددینوں نے گھڑلی ہونگی تاکہ لوگوں پر دین کو خلط ملط کر دیں۔ آپ خیال کیجئے کہ اس امت میں باوجودیکہ علماء کرام اور حفاظان عظام کی بہت بڑی دیندار مخلص جماعت ہر زمانے میں موجود رہی تاہم بددینوں نے بہت تھوڑی مدت میں موضوع احادیث تک گھڑلیں پس بنی اسرائیل جن پر مدتیں گزر چکیں' جو حفظ سے عاری تھے' جن میں نقاد ان فن موجود نہ تھے' جو کلام الٰہی کو اصلیت سے ہٹادیا کرتے تھے' جو شرابوں میں مخمور رہا کرتے تھے جو آیات الٰہی کو بدل ڈالا کرتے تھے' ان کا کیا ٹھیک ہے؟ پس حدیث نے جو روایات ان سے لینی مباح رکھی ہیں یہ وہ ہیں جو کم از کم عقل و فہم میں تو آسکیں نہ وہ جو صریح خلاف عقل ہوں کہ سنتے ہی ان کے باطل اور غلط ہونے کا فیصلہ عقل کر دیتی ہو اور اس کا جھوٹ ہونا اتنا واضح ہو کہ اس پر دلیل لانے کی ضرورت نہ پڑے۔ پس مندرجہ بالا روایت بھی ایسی ہی ہے' واللہ اعلم۔ افسوس کہ بہت سے سلف و خلف نے اہل کتاب سے اس قسم کی حکایتیں قرآن مجید کی تفسیر میں وارد کر دی ہیں۔ دراصل قرآن کریم ایسی زٹلیات کا کچھ محتاج نہیں' فالحمد للہ۔ یہاں تک کہ امام ابو محمد عبدالرحمٰن ابن ابو حاتم رازیؒ نے بھی یہاں ایک عجیب و غریب اثر بہ روایت حضرت ابن عباسؓ وارد کر دیا ہے جو از روئے سند کے ثابت نہیں' اس میں ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایک سمندر پیدا کیا ہے جو اس ساری زمین کو گھیرے ہوئے ہے اور اس سمندر کے پیچھے ایک پہاڑ ہے جو اسے گھیرے ہوئے ہے اس کا نام قاف ہے' آسمان دنیا اسی پر اٹھا ہوا ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے اس پہاڑ کے پیچھے ایک زمین بنائی ہے جو اس زمین سے سات گنا بڑی ہے' پھر اس کے پیچھے ایک سمندر ہے جو اسے گھیرے ہوئے ہے پھر اس کے پیچھے پہاڑ ہے جو اسے گھیرے ہوئے ہے اسے بھی قاف کہتے ہیں' دوسرا آسمان اسی پر بلند کیا ہوا ہے۔ اسی طرح سات زمینیں' سات سمندر' سات پہاڑ اور سات آسمان گنوائے پھر یہ آیت پڑھی ﴿وَالْبَحْرُ يَمُدُّهُ مِنْ بَعْدِهِ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ﴾ اس اثر کی اسناد میں انقطاع ہے۔ علی بن ابو طلحہ جو روایت حضرت ابن عباسؓ سے کرتے ہیں اس میں ہے کہ ق اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں ق بھی مثل ﴿ص' ن' حم' طس' الم﴾ وغیرہ کے حروف ہجا میں سے ہے۔ پس ان روایات سے بھی حضرت ابن عباسؓ کا وہ فرمان ہونا اور دور ہو جاتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ مراد اس سے یہ ہے کہ کام کا فیصلہ کر دیا گیا قسم ہے اللہ کی۔ اور ق کہکر باقی جملہ چھوڑ دیا گیا کہ یہ دلیل ہے کہ محذوف پر جیسے شاعر کہتا ہے۔

﴿ قُلْتُ لَهَا قِفِيْ فَقَالَتْ ق ﴾

لیکن یہ کہنا بھی ٹھیک نہیں۔ اس لئے کہ محذوف پر دلالت کرنے والا کلام صاف ہونا چاہئے اور یہاں کونسا کلام ہے؟ جس سے اتنے بڑے جملے کے محذوف ہونے کا پتہ چلے۔ پھر اس کرم اور عظمت والے قرآن کی قسم کھائی جس کے آگے سے یا پیچھے سے باطل آ نہیں سکتا جو حکمتوں اور تعریفوں والے رب تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ اس قسم کا جواب کیا ہے؟ اس میں بھی کئی قول ہیں۔ امام ابن جریر نے تو بعض نحویوں سے نقل کیا ہے کہ اس کا جواب ﴿قَدْ عَلِمْنَا﴾ پوری آیت تک ہے لیکن یہ بھی غور طلب ہے بلکہ جواب

قسم کے بعد کا مضمون کلام ہے یعنی نبوت اور دوبارہ جی اٹھنے کا ثبوت اور تحقیق گو قسم لفظوں سے اس کو جواب نہ بتلاتی ہو' ایسا قرآن کی قسموں کے جواب میں اکثر ہے جیسے کہ سورۂ ص کی تفسیر کے شروع میں گزر چکا ہے اسی طرح یہاں بھی ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ انہوں نے اس بات پر تعجب ظاہر کیا کہ انہیں میں سے ایک انسان کیسے رسول بن گیا؟ جیسے اور آیت میں ہے ﴿اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ﴾ یعنی کیا لوگوں کو اس بات سے تعجب ہوا کہ ہم نے انہیں میں سے ایک شخص کی طرف اپنی وحی بھیجی کہ تو لوگوں کو ہوشیار کر دے' یعنی دراصل یہ کوئی تعجب کی چیز نہ تھی اللہ جسے چاہے فرشتوں میں سے اپنی رسالت کے لئے چن لیتا ہے اور جسے چاہے انسانوں میں سے چن لیتا ہے اسی کے ساتھ یہ بھی بیان ہو رہا ہے کہ انہوں نے مرنے کے بعد کے جینے کو بھی تعجب کی نظروں سے دیکھا اور کہا کہ جب ہم مر جائیں گے اور ہمارے جسم کے اجزا جدا جدا ہو کر ریزہ ریزہ ہو کر مٹی ہو جائیں گے' اس کے بعد اسی ہیئت و ترکیب میں ہمارا دوبارہ جینا محال ہے۔ ان کے جواب میں فرمان صادر ہوا کہ زمین ان کے جسموں کو جو کھاتی ہے اس سے بھی ہم غافل نہیں' ہمیں معلوم ہے کہ انکے ذرے کہاں گئے اور کس حالت میں کہاں ہیں؟ ہمارے پاس کتاب ہے جو اس کی محافظ ہے ہمارا علم ہے جو اس کو شامل ہے اور ساتھ ہی کتاب میں محفوظ ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں یعنی ان کے گوشت چمڑے ہڈیاں اور بال جو کچھ زمین کھا جاتی ہے ہمارے علم میں ہے۔ پھر پروردگار عالم ان کے اس محال سمجھنے کی اصل وجہ بیان فرما رہا ہے کہ دراصل یہ حق کو جھٹلانے والے لوگ ہیں اور جو لوگ اپنے پاس حق کے آ جانے کے بعد اس کا انکار کر دیں ان سے بھلی سمجھ چھن جاتی ہے۔ مریج کے معنی ہیں مختلف مضطرب منکر اور خلط ملط کے' جیسے فرمان ہے ﴿اِنَّكُمْ لَفِيْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ يُّؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ﴾ یعنی یقیناً تم ایک جھگڑے کی بات میں پڑے ہوئے ہو۔ قرآن کی پیروی سے وہی رکتا ہے جو بھلائی سے پھیر دیا گیا ہے۔

اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَزَيَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ۝ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ۝ تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ۝ وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِيْدِ ۝ وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ ۝ رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ ۙ وَاَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ۭ كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ ۝

کیا انھوں نے آسمان کو اپنے اوپر نہیں دیکھا؟ کہ ہم نے اسے کس طرح بنایا ہے اور زینت دی ہے؟ اس میں کوئی شگاف نہیں۔ اور زمین کو ہم نے بچھا دیا ہے اور اس میں ہم نے پہاڑ ڈال دیئے ہیں اور اس میں ہم نے قسم قسم کی خوشنما چیزیں اگا دی ہیں۔ تاکہ ہر رجوع کرنے والے بندے کیلئے بینائی اور دانائی کا ذریعہ ہو۔ اور ہم نے آسمان سے بابرکت پانی برسایا اور اس سے باغات اور کٹنے والے غلے پیدا کئے۔ اور کھجوروں کے بلند و بالا درخت جن کے خوشے تہ بہ تہ ہیں۔ بندوں کی روزی کے لئے اور ہم نے پانی سے مردہ شہر کو زندہ کر دیا۔ اسی طرح قبروں سے نکلنا ہے۔

ایک سے ایک بڑھ کر قدرت کا نمونہ: یہ لوگ جس چیز کو ناممکن خیال کرتے تھے پروردگار عالم اس سے بہت زیادہ بڑھے چڑھے ہوئے اپنی قدرت کے نمونے سامنے رکھ رہا ہے' فرما رہا ہے کہ آسمان کو دیکھو اس کی بناوٹ پر غور کرو اس کے روشن ستاروں کو دیکھو اور دیکھو کہ اتنے بڑے آسمان میں ایک سوراخ ایک چھید' ایک شگاف ایک دراڑ نہیں' چنانچہ سورۂ تبارک میں فرمایا

﴿الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا﴾ الخ اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان اوپر تلے پیدا کئے' تو اللہ تعالیٰ کی اس صنعت میں کوئی خلل نہ دیکھے گا تو پھر نگاہ ڈال کر دیکھ لے کہیں تجھ کو کوئی خلل نظر آتا ہے؟ پھر بار بار غور کر کے دیکھ تیری نگاہ نامراد اور عاجز ہو کر تیری طرف لوٹ آئے گی' پھر فرمایا زمین کو ہم نے پھیلا دیا اور بچھا دیا اور اس میں پہاڑ جما دیئے تاکہ ہل نہ سکے کیونکہ وہ ہر طرف سے پانی سے گھری ہوئی ہے اور اس میں ہر قسم کی کھیتیاں پھل سبزے اور قسم قسم کی چیزیں اگا دیں' جیسے اور جگہ ہے ہر چیز کو ہم نے جوڑ جوڑ پیدا کیا تاکہ تم نصیحت و عبرت حاصل کرو۔ ﴿بَهِیْجٍ﴾ کے معنی خوش منظر خوشنما بارونق۔ پھر فرمایا آسمان و زمین اور ان کے علاوہ قدرت کے اور نشانات دانائی اور بینائی کا ذریعہ ہیں ہر اس شخص کے لئے جو اللہ سے ڈرنے والا اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت کرنے والا ہو۔ پھر فرماتا ہے ہم نے نفع دینے والا پانی آسمان سے برسا کر اس سے باغات بنائے اور وہ کھیتیاں بنائیں جو کاٹی جاتی ہیں اور جن کے اناج کھلیان میں ڈالے جاتے ہیں اور اونچے اونچے کھجور کے درخت اگا دیئے جو بھرپور میوے لاتے ہیں اور لدے رہتے ہیں۔ یہ مخلوق کی روزیاں ہیں اور اسی پانی سے ہم نے مردہ زمین کو زندہ کر دیا وہ لہلہانے لگی اور خشکی کے بعد تر و تازہ ہو گئی اور چٹیل سوکھے میدان سرسبز ہو گئے یہ مثال ہے موت کے بعد دوبارہ جی اٹھنے کی اور ہلاکت کے بعد آباد ہونے کی یہ نشانیاں جنہیں تم روز مرہ دیکھ رہے ہو کیا تمہاری رہبری اس امر کی طرف نہیں کرتیں؟ کہ اللہ تعالیٰ مردوں کے جلانے پر قادر ہے۔ چنانچہ اور آیت میں ہے ﴿لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ﴾ یعنی آسمان و زمین کی پیدائش انسانی پیدائش سے بہت بڑی ہے اور آیت میں ہے ﴿اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ لَمْ یَعْیَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰۤی اَنْ یُّحْیِ الْمَوْتٰى بَلٰۤى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ یعنی کیا وہ نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کر دیا اور ان کی پیدائش سے نہ تھکا کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ مردوں کو جلا دے؟ بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے ﴿وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً﴾ الخ یعنی تو دیکھتا ہے کہ زمین بالکل خشک اور بنجر ہوتی ہے ہم آسمان سے برسات برساتے ہیں جس سے وہ لہلہانے اور پیداوار اگانے لگتی ہے' کیا میری قدرت کی یہ نشانی یہ نہیں بتلاتی کہ جس ذات نے اسے زندہ کر دیا وہ مردوں کے جلانے پر بلاشک و شبہ قادر ہے یقیناً وہ تمام تر چیزوں پر قدرت رکھتا ہے۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّ اَصْحٰبُ الرَّسِّ وَ ثَمُوْدُ ﴿۱۲﴾ وَ عَادٌ وَّ فِرْعَوْنُ وَ اِخْوَانُ لُوْطٍ ﴿۱۳﴾ وَّ اَصْحٰبُ الْاَیْكَةِ وَ قَوْمُ تُبَّعٍ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِیْدِ ﴿۱۴﴾ اَفَعَیِیْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ بَلْ هُمْ فِیْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ ﴿۱۵﴾

ان سے پہلے نوح کی قوم نے اور رس والوں نے اور ثمودیوں نے اور عادیوں نے اور فرعون نے اور برادران لوط نے اور ایکہ والوں اور تبع کی قوم نے بھی تکذیب کی تھی۔ سب نے پیغمبروں کو جھٹلایا پس میرا وعدہ عذاب ان پر صادق آ گیا۔ کیا پس ہم پہلی بار کے پیدا کرنے سے تھک گئے؟ بلکہ یہ لوگ نئی پیدائش کی طرف سے شک میں ہیں۔

نبیوں کی تکذیب کرنے والی قومیں تباہ ہوئی: اللہ تعالیٰ اہل مکہ کو ان عذابوں سے ڈرا رہا ہے جو ان جیسے جھٹلانے والوں پر ان سے پہلے آ چکے ہیں جیسے نوح کی قوم جنہیں اللہ تعالیٰ نے پانی میں غرق کر دیا اور اصحاب رس جن کا پورا واقعہ سورۂ فرقان کی تفسیر میں گذر چکا ہے اور ثمود اور عاد اور امت لوط علیہ السلام جسے زمین میں دھنسا دیا اور اس زمین کو سڑا ہوا دلدل بنا دیا' یہ سب کیا تھا؟ ان کے کفران کی سرکشی اور مخالفت حق کا نتیجہ۔ اصحاب ایکہ سے مراد قوم شعیبؑ ہے اور قوم تبع سے مراد یمانی ہیں' سورۂ دخان میں ان کا واقعہ بھی گذر چکا ہے اور وہیں اس کی پوری تفسیر ہے یہاں دوہرانے کی ضرورت نہیں' فالحمد للہ۔ ان تمام امتوں نے اپنے رسولوں کی تکذیب

کی تھی اور عذاب الٰہی سے ہلاک کر دیئے گئے۔ یہی عادت اللہ جاری ہے۔ یہ یاد رہے کہ ایک رسول کو جھٹلانے والا تمام رسولوں کا منکر ہے۔ جیسے اللہ جل وعلا کا فرمان ہے ﴿كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحِ نِ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ قوم نوح نے رسولوں کا انکار کیا حالانکہ ان کے پاس صرف حضرت نوحؑ ہی آئے تھے۔ پس دراصل یہ تھے ایسے کہ اگر ان کے پاس تمام رسول آجاتے تو یہ سب کو جھٹلاتے ایک کو بھی نہ مانتے سب کی تکذیب کرتے ایک کی بھی تصدیق نہ کرتے۔ ان سب پر اللہ تعالیٰ کے عذاب کا وعدہ ان کے کرتوتوں کی وجہ سے ثابت ہو گیا اور صادق آگیا۔ پس اہل مکہ اور دیگر مخاطب لوگوں کو بھی اس بد خصلت سے پرہیز کرنا چاہئے کہیں ایسا نہ ہو کہ عذاب کا کوڑا ان پر بھی برس پڑے۔ کیا جب یہ کچھ نہ تھے ان کا رچا دینا ہم پر بھاری پڑا؟ جو یہ اب دوبارہ پیدا کرنے کے منکر ہو رہے ہیں ابتدا سے تو اعادہ بہت ہی آسان ہوا کرتا ہے، جیسے فرمان ہے ﴿وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَءُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهُ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ﴾ یعنی ابتداء اسی نے پیدا کیا ہے اور دوبارہ بھی وہی اعادہ کرے گا اور یہ اس پر بہت آسان ہے۔ سورہ یٰس میں فرمان الٰہی جل جلالہٗ گذر چکا کہ ﴿وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا﴾ الخ یعنی اپنی پیدائش کو بھول کر ہمارے سامنے مثالیں بیان کرنے لگا اور کہنے لگا ان بوسیدہ سڑی گلی ہڈیوں کو کون زندہ کریگا؟ تو جواب دے کہ وہ جس نے انہیں اول بار پیدا کیا اور جو تمام خلق کو جانتا ہے۔ صحیح حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مجھے بنی آدم ایذا دیتا ہے کہتا ہے اللہ تعالیٰ مجھے دوبارہ پیدا نہیں کر سکتا حالانکہ پہلی دفعہ پیدا کرنا دوبارہ پیدا کرنے سے کچھ آسان نہیں۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ۚۖ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ﴿١٦﴾ اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ ﴿١٧﴾ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ﴿١٨﴾ وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ ﴿١٩﴾ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ ؕ ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيْدِ ﴿٢٠﴾ وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيْدٌ ﴿٢١﴾ لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ ﴿٢٢﴾

ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور اس کے دل میں جو خیالات اٹھتے ہیں ان سے ہم واقف ہیں۔ اور ہم اس کی رگ جان سے بھی زیادہ اس سے قریب ہیں۔ جس وقت کہ وہ لینے والے لیتے جاتے ہیں ایک دائیں طرف اور ایک بائیں طرف بیٹھا ہوا ہے۔ انسان کوئی لفظ منہ سے نکالنے نہیں پاتا مگر کہ اس کے پاس نگہبان تیار ہے۔ موت کی سختی یقیناً پیش آئے گی۔ یہی ہے جس سے تو بدکتا پھرتا تھا۔ اور صور پھونک دیا جائے گا۔ وعدہ عذاب کا دن یہی ہے۔ اور ہر شخص اس طرح آئے گا کہ اسکے ساتھ ایک ہمراہ لانیوالا ہوگا اور ایک گواہی دینے والا۔ یقیناً تو اس سے غفلت میں تھا لیکن ہم نے تیرے سامنے سے پردہ ہٹا دیا پس آج تیری نگاہ بہت تیز ہے۔

اللہ کا علم وقدرت انسان کی شہہ رگ سے زیادہ قریب ہے: اللہ تعالیٰ بیان فرمارہا ہے کہ وہی انسان کا خالق ہے اور اس کا علم تمام چیزوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے یہاں تک کہ انسان کے دل میں جو برے بھلے خیالات پیدا ہوتے ہیں انہیں بھی وہ جانتا ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت کے دل میں جو خیالات آئیں ان سے درگذر فرمالیا ہے جب تک کہ وہ زبان سے نہ نکالیں یا عمل نہ کریں اور ہم اس کی رگ جان سے بھی زیادہ اس کے نزدیک ہیں یعنی ہمارے فرشتے اور بعضوں نے کہا ہے ہمارا علم ہے۔ ان کی

غرض یہ ہے کہ کہیں حلول اور اتحاد نہ لازم آ جائے جو بالا جماع اس رب کی مقدس ذات سے بعید ہے اور وہ اس سے بالکل پاک ہے۔ لیکن لفظ کا اقتضایہ نہیں ہے اس لئے کہ ﴿وَاَنَا﴾ نہیں کہا بلکہ ﴿ونحن﴾ کہا یعنی میں نہیں کہا بلکہ ہم کہا ہے۔ یہی لفظ اس شخص کے بارے میں کہے گئے ہیں جس کی موت قریب آ گئی ہو اور وہ نزع کے عالم میں ہو' فرمان ہے ﴿وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ﴾ الخ یعنی ہم تم سب سے زیادہ اس سے قریب ہیں لیکن تم نہیں دیکھتے۔ یہاں بھی مراد فرشتوں کا اس قدر قریب ہونا ہے جیسے فرمایا ہے ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهُ لَحَافِظُوْنَ﴾ یعنی ہم نے ذکر کو نازل فرمایا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔ فرشتے ہی ذکر قرآن کریم کو لے کر نازل ہوئے ہیں اور یہاں بھی مراد فرشتوں کی اتنی نزدیکی ہے جس پر اللہ نے انہیں قدرت بخش رکھی ہے پس انسان پر ایک چوکا فرشتے کا ہوتا ہے اور ایک شیطان کا۔ اسی طرح شیطان بھی جسم انسان میں اسی طرح پھرتا ہے جس طرح خون' جیسے سچوں کے سچے اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا ہے۔ اس لئے اس کے بعد ہی فرمایا کہ دو فرشتے جو دائیں بائیں بیٹھے ہیں وہ تمہارے اعمال لکھ رہے ہیں۔ ابن آدم کے منہ سے جو کلمہ نکلتا ہے اسے محفوظ رکھنے والے اور اسے نہ چھوڑنے والے اور فوراً لکھ لینے والے فرشتے مقرر ہیں۔ جیسے فرمان ہے ﴿وَ اِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِيْنَ﴾ الخ تم پر محافظ ہیں بزرگ فرشتے جو تمہارے فعل سے باخبر ہیں اور لکھنے والے ہیں۔ حضرت حسن اور حضرت قتادہؒ تو فرماتے ہیں یہ فرشتے ہر نیک و بد عمل لکھ لیا کرتے ہیں۔ ابن عباسؓ کے دو قول ہیں ایک تو یہی ہے دوسرا قول آپ کا یہ ہے کہ ثواب و عذاب آپ کا لکھ لیا کرتے ہیں' لیکن آیت کے ظاہری الفاظ پہلے قول کی ہی تائید کرتے ہیں کیونکہ فرمان ہے جو لفظ نکلتا ہے اس کے پاس محافظ تیار ہیں۔ مسند احمد میں ہے انسان ایک کلمہ اللہ کی رضامندی کا کہہ گذرتا ہے جسے وہ کوئی بہت بڑا اجر کا کلمہ نہیں جانتا لیکن اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اپنی رضامندی اسکے لئے قیامت تک لکھ دیتا ہے اور کوئی کلمہ برائی کا ناراضگی رب کا اسی طرح بے پرواہی سے کہہ گزرتا ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اپنی ناراضی اس پر اپنی ملاقات کے دن تک کی لکھدیتا ہے۔ حضرت علقمہؒ فرماتے ہیں اس حدیث نے مجھے بہت سی باتوں سے بچالیا۔ ترمذی وغیرہ میں بھی یہ حدیث ہے اور امام ترمذی اسے حسن بتلاتے ہیں۔ احنف بن قیسؒ فرماتے ہیں دائیں طرف والا نیکیاں لکھتا ہے اور یہ بائیں طرف والے پر امین ہے۔ جب بندے سے کوئی خطا ہو جاتی ہے تو یہ کہتا ہے ٹھیر جا اگر اس نے اسی وقت توبہ کر لی تو اسے لکھنے نہیں دیتا اور اگر اس نے توبہ نہ کی تو وہ لکھ لیتا ہے (ابن ابی حاتم)۔ امام حسن بصریؒ اس آیت کی تلاوت کر کے فرماتے تھے اے ابن آدم تیرے لئے صحیفہ کھول دیا گیا ہے اور دو بزرگ فرشتے تجھ پر مقرر کر دیئے گئے ہیں ایک تیرے داہنے دوسرا بائیں۔ دائیں طرف والا تو تیری نیکیوں کی حفاظت کرتا ہے اور بائیں طرف والا برائیوں کو دیکھتا رہتا ہے اب تو جو چاہے عمل کر کمی کر یا زیادتی کر جب تو مرے گا تو یہ دفتر لپیٹ دیا جائیگا اور تیرے ساتھ تیری قبر میں رکھ دیا جائے گا اور قیامت کے دن جب تو اپنی قبر سے اٹھے گا تو یہ تیرے سامنے پیش کر دیا جائے گا۔ اسی کو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ وَ نُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰهُ مَنْشُوْرًا﴾ الخ ہر انسان کی شامت اعمال ہم نے اس کے گلے لگا دی ہے اور ہم قیامت کے دن اس کے سامنے نامہ اعمال کی ایک کتاب ڈال دیں گے جسے وہ کھلی ہوئی پائے گا۔ پھر اس سے کہیں گے کہ اپنی کتاب پڑھ لے' آج تو خود ہی اپنا حساب لینے کو کافی ہے۔ پھر حضرت حسنؓ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی قسم اس نے بڑا ہی عدل کیا جس نے خود تجھے ہی تیرا محاسب بنا دیا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں جو کچھ تو برا بھلا کلمہ زبان سے نکالتا ہے وہ سب لکھا جاتا ہے یہاں تک کہ تیرا یہ کہنا بھی کہ میں نے کھایا میں نے پیا میں گیا میں آیا میں نے دیکھا۔ پھر جمعرات والے دن اس کے اقوال و افعال پیش کئے جاتے ہیں۔ خیر و شر باقی رکھ لی جاتی ہے اور سب کچھ ہٹا دیا جاتا ہے۔ یہی معنی ہیں فرمان باری تعالیٰ شانہ کے ﴿يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَ يُثْبِتُ وَ عِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ﴾ حضرت امام احمدؒ کی بابت مروی ہے کہ آپ اپنے مرض الموت میں کراہ رہے تھے تو آپ کو معلوم ہوا کہ حضرت طاؤسؒ فرماتے ہیں کہ فرشتے اسے بھی لکھتے ہیں چنانچہ آپ نے کراہنا بھی چھوڑ دیا' اللہ آپ پر اپنی رحمت نازل فرمائے' اپنی موت کے وقت اف بھی نہ کی۔ پھر فرماتا ہے اے انسان موت کی بے ہوشی یقیناً

آئے گی اس وقت وہ شک دور ہو جائیگا جس میں آج کل تو مبتلا ہے۔ اس وقت تجھ سے کہا جائے گا کہ یہی ہے جس سے تو بھاگتا پھرتا تھا اب وہ آگئی تو کسی طرح اس سے نجات نہیں پا سکتا نہ بچ سکتا ہے نہ اسے روک سکتا ہے نہ اسے دفع کر سکتا ہے نہ ٹال سکتا ہے نہ مقابلہ کر سکتا ہے نہ کسی کی مدد و سفارش کچھ کام آسکتی ہے۔ صحیح یہی ہے کہ یہاں خطاب مطلق انسان سے ہے گو بعضوں نے کہا ہے کافر سے ہے اور بعضوں نے کچھ اور بھی کہا ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں میں اپنے والدؓ کے آخری وقت میں آپ کے سرہانے بیٹھی تھی۔ آپ پر غشی طاری ہوئی تو میں نے یہ بیت پڑھا۔

﴿ مَنْ لَّا يَزَالُ دَمْعُهُ مُقْنِعًا فَاِنَّهُ لَا بُدَّمَرَّةً مَّدْفُوقٌ ﴾ مطلب یہ ہے کہ جس کے آنسو ٹھیرے ہوئے ہیں وہ بھی ایک مرتبہ ٹپک پڑیں گے۔ تو آپ نے اپنا سر اٹھا کر کہا پیاری بچی یوں نہیں بلکہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ﴾ ۔ اور روایت میں بیت کا پڑھنا اور صدیق اکبرؓ کا یہ فرمانا مروی ہے کہ یوں نہیں بلکہ یہ آیت پڑھو۔ اس اثر کے اور بھی بہت سے طریق ہیں جنہیں میں نے سیرۃ الصدیق میں آپ کی وفات کے بیان میں جمع کر دیا ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ پر جب موت کی غشی طاری ہونے لگی تو آپ اپنے چہرے مبارک سے پسینہ پونچھتے جاتے اور فرماتے جاتے سبحان اللہ موت کی بڑی سختیاں ہیں۔ اس آیت کے پچھلے جملے کی تفسیر دو طرح کی گئی ہے ایک تو یہ کہ ﴿ما موصولہ ﴾ ہے یعنی یہ وہی ہے جسے تو بعید جانتا تھا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہاں ﴿ما نافیہ ﴾ ہے تو معنی یہ ہوں گے کہ یہ وہ چیز ہے جس کے جدا کرنے کی جس سے بچنے کی تجھے قدرت نہیں تو اس سے ہٹ نہیں سکتا۔ معجم کبیر طبرانی میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اس شخص کی مثال جو موت سے بھاگتا ہے اس لومڑی جیسی ہے جس سے زمین اپنا قرضہ طلب کرنے لگی اور یہ اس سے بھاگنے لگی۔ بھاگتے بھاگتے جب تھک گئی اور بالکل چکنا چور ہو گئی تو اپنے بھٹ میں جا گھسی' زمین چونکہ وہاں بھی موجود تھی اس نے لومڑی سے کہا لا میرا قرض تو یہ وہاں سے پھر بھاگی سانس پھولا ہوا تھا حال برا ہو رہا تھا آخر یونہی بھاگتے بھاگتے بے دم ہو کر مر گئی۔ الغرض جس طرح اس لومڑی کو زمین سے بھاگنے کی راہیں بند تھیں اسی طرح انسان کو موت سے بچنے کے راستے بند ہیں۔ اس کے بعد صور پھونکے جانے کا ذکر ہے جس کی پوری تفسیر والی حدیث گذر چکی ہے۔ اور حدیث میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں میں کس طرح راحت و آرام حاصل کر سکتا ہوں حالانکہ صور پھونکنے والے فرشتے نے صور منہ میں لے لیا ہے اور گردن جھکائے حکم الٰہی کا انتظار کر رہا ہے کہ کب حکم ملے اور کب وہ پھونک دے۔ صحابہؓ نے کہا پھر یا رسول اللہ ہم کیا کہیں۔ آپ نے فرمایا کہو ﴿ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴾ پھر فرماتا ہے ہر شخص کے ساتھ ایک فرشتہ تو میدان محشر کی طرف لانے والا ہو گا اور ایک فرشتہ اس کے اعمال کی گواہی دینے والا ہو گا۔ ظاہر آیت میں یہی ہے اور امام ابن جریرؒ بھی اسی کو پسند فرماتے ہیں۔ حضرت عثمان بن عفانؓ نے اس آیت کی تلاوت منبر پر کی اور فرمایا ایک چلانے والا جس کے ہمراہ یہ میدان محشر میں آئیگا اور ایک گواہ ہو گا جو اس کے اعمال کی شہادت دیگا۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں سائق سے مراد فرشتہ ہے اور شہید سے مراد عمل ہے۔ ابن عباسؓ کا قول ہے سائق فرشتوں میں سے ہوں گے اور شہید سے مراد خود انسان ہے جو اپنے اوپر آپ گواہی دے گا۔ پھر اس کے بعد کی آیت میں جو خطاب ہے اس کی نسبت تین قول ہیں' ایک تو یہ کہ یہ خطاب کافر سے ہو گا' دوسرا یہ کہ اس سے مراد عام انسان ہیں نیک بد سب' تیسرا یہ کہ اس سے مراد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ دوسرے قول کی توجیہ یہ ہے کہ آخرت اور دنیا میں وہی نسبت ہے جو بیداری اور خواب میں ہے اور تیسرے قول کا مطلب یہ ہے کہ تو اس قرآن کی وحی سے پہلے غفلت میں تھا ہم نے یہ قرآن نازل فرما کر تیری آنکھوں پر سے پردہ ہٹا دیا اور تیری نظر قوی ہو گئی۔ لیکن الفاظ قرآنی سے تو ظاہر یہی ہے کہ اس سے مراد عام ہے یعنی ہر شخص سے کہا جائے گا کہ تو اس دن سے غافل تھا اس لئے کہ قیامت کے دن ہر شخص کی آنکھیں خوب کھل جائیں گی یہاں تک کہ کافر بھی استقامت پر ہو جائے گا لیکن یہ استقامت اسے نفع نہ دے گی جیسے فرمان باری ہے ﴿اَسْمِعْ بِهِمْ وَ اَبْصِرْ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا ﴾ یعنی جس روز یہ ہمارے پاس آئیں گے خوب دیکھتے سنتے ہوں

گے۔اور آیت میں ہے ﴿وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ﴾ یعنی کاش کہ تو دیکھتا جب گنہگار لوگ اپنے رب کے سامنے سرنگوں پڑے ہوں گے اور کہہ رہے ہوں گے یا اللہ ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا اب ہمیں لوٹا دے تو ہم نیک اعمال کریں گے اور کامل یقین رکھیں گے۔

وَقَالَ قَرِيْنُهٗ هٰذَا مَا لَدَيَّ عَتِيْدٌ ۝۲۳ اَلْقِيَا فِيْ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيْدٍ ۝۲۴ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرِيْبِۨ ۝۲۵ الَّذِيْ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَاَلْقِيٰهُ فِي الْعَذَابِ الشَّدِيْدِ ۝۲۶ قَالَ قَرِيْنُهٗ رَبَّنَا مَآ اَطْغَيْتُهٗ وَلٰكِنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ۝۲۷ قَالَ لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَيَّ وَقَدْ قَدَّمْتُ اِلَيْكُمْ بِالْوَعِيْدِ ۝۲۸ مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝۲۹

اس کا ہم نشیں فرشتہ کہے گا یہ حاضر ہے جو کہ میرے پاس تھا۔ڈال دو جہنم میں ہر کافر سرکش کو۔ جو نیک کام سے روکنے والا حد سے گذر جانیوالا اور شک کرنے والا تھا جس نے اللہ کے ساتھ دوسرا معبود بنالیا تھا پس اسے سخت عذاب میں ڈال دو۔ اس کا ہم نشین شیطان کہے گا اے ہمارے رب! میں نے گمراہ نہیں کیا تھا بلکہ یہ خود ہی دور دراز کی گمراہی میں تھا۔ حق تعالیٰ فرمائیگا بس میرے سامنے جھگڑے کی بات مت کرو میں تو پہلے ہی تمہاری طرف وعدہ عذاب بھیج چکا تھا۔ میرے ہاں بات بدلتی نہیں اور نہ میں اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا ہوں۔

انسان کا نگران اور گواہ فرشتہ: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہو رہا ہے کہ جو فرشتہ ابن آدم کے اعمال پر مقرر ہے وہ اس کے اعمال کی شہادت دے گا اور کہے گا کہ یہ ہے میرے پاس تیار حاضر۔ بلا کم و کاست۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں یہ اس فرشتے کا کلام ہو گا جسے سائق کہا گیا ہے جو اسے محشر میں لے آیا تھا۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں میرے نزدیک مختار قول یہ ہے کہ یہ شامل ہے اس فرشتے کو بھی اور گواہی دینے والے فرشتے کو بھی۔ اب اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے فیصلے عدل و انصاف سے کریگا ﴿اَلْقِيَا﴾ تثنیہ کا صیغہ ہے بعض نحوی کہتے ہیں کہ بعض عرب واحد کو تثنیہ کر دیا کرتے ہیں جیسے کہ ﴿حجاج﴾ کا مقولہ مشہور ہے کہ وہ اپنے جلاد سے کہتا تھا ﴿اِضْرِبَا عُنُقَهٗ﴾ تم دونوں اس کی گردن مار دو حالانکہ جلاد ایک ہی ہوتا تھا۔ ابن جریرؒ نے اس کی شہادت میں عربی کا ایک شعر بھی پیش کیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ دراصل یہ نون تاکید ہے جس کی تسہیل الف کیطرف کرلی ہے لیکن یہ بعید ہے اس لئے کہ ایسا توقف کی حالت میں ہوتا ہے۔ بظاہر یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ خطاب اوپر والے دونوں فرشتوں سے ہوگا۔ لانے والے فرشتے نے اسے حساب کے لئے پیش کیا اور گواہی دینے والے نے گواہی دے دی تو اللہ تعالیٰ ان دونوں کو حکم دے گا کہ اسے جہنم کی آگ میں ڈال دو جو بدترین جگہ ہے 'اللہ ہمیں محفوظ رکھے۔ پھر فرماتا ہے کہ ہر کافر اور ہر حق کے مخالف اور ہر حق کے نہ ادا کرنے والے اور ہر نیکی صلہ رحمی اور بھلائی سے خالی رہنے والے اور ہر حد سے گذر جانے والے خواہ وہ مال کے خرچ میں اسراف کرتا ہو خواہ بولنے اور چلنے پھرنے میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی پرواہ نہ کرتا ہو اور ہر شک کرنے والے اور ہر اللہ کے ساتھ شریک کرنے والے کے لئے یہی حکم ہے کہ اسے پکڑ کر سخت عذابوں میں ڈال دو۔ پہلے حدیث گذر چکی ہے کہ جہنم قیامت کے دن لوگوں کے سامنے اپنی گردن نکالے گی اور با آواز بلند پکار کر کہے گی جسے تمام محشر کا مجمع سنے گا کہ میں تین قسم کے لوگوں پر مقرر کی گئی ہوں۔ ہر سرکش حق کے مخالف کے لئے اور ہر مشرک کے لئے اور ہر تصویر بنانے والے کے لئے پھر وہ ان سب سے لپٹ جائے گی۔ مسند کی حدیث میں تیسری قسم کے لوگ وہ بتلاتے ہیں جو ظالمانہ قتل کرنے والے ہوں۔ پھر فرمایا اس کا ساتھی کہے گا اس سے مراد شیطان ہے جو اس کے ساتھ موکل تھا یہ اس کافر کو دیکھ کر اپنی برائت کرے گا اور کہے گا کہ میں نے اسے نہیں بہکایا بلکہ یہ تو خود گمراہ تھا باطل کو از خود قبول کر لیتا تھا حق کا اپنے آپ مخالف تھا۔ جیسے دوسری آیت میں ہے کہ شیطان جب دیکھے گا کہ کام ختم ہوا تو

کہے گا اللہ نے تم سے سچا وعدہ کیا تھا اور میں تو وعدہ خلاف ہوں ہی میرا کوئی زور تم پر تھا ہی نہیں میں نے تم سے کہا تم نے فوراً مان لیا اب مجھے ملامت نہ کرو' بلکہ اپنی جانوں کو ملامت کرو۔ نہ میں تمہیں کام دے سکوں نہ تم میرے کام آسکو تم جو مجھے شریک بنا رہے تھے میں تو پہلے سے ہی اس کا انکاری تھا ظالموں کے لئے المناک عذاب ہیں۔ پھر فرماتا ہے اللہ تعالیٰ انسان سے اور اس کے ساتھی شیطان سے فرمائے گا کہ میرے سامنے نہ جھگڑو' کیونکہ انسان کہہ رہا ہوگا کہ یا اللہ اس نے مجھے جبکہ میرے پاس نصیحت آچکی گمراہ کر دیا اور شیطان کہے گا یا اللہ میں نے اسے گمراہ نہیں کیا۔ تو اللہ انہیں اس تو تو میں میں سے روک دیگا اور فرمائے گا میں تو اپنی حجت ختم کر چکا رسولوں کی زبانی یہ سب باتیں تمہیں سنا چکا تھا کتابیں بھیج دی تھیں اور ہر ہر طریقہ سے اور ہر ہر طرح سے تمہیں سمجھا بجھا دیا تھا۔ سنو جو فیصلہ کرنا ہے وہ میں کر چکا میری باتیں بدلتی نہیں میں ظالم نہیں جو دوسرے کے گناہ پر کسی کو پکڑوں۔ ہر شخص پر اتمام حجت ہو چکی اور ہر شخص اپنے گناہوں کا آپ ذمہ دار ہے۔

يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَأْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ﴿٣٠﴾ وَأُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ غَيْرَ بَعِيْدٍ ﴿٣١﴾ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِكُلِّ أَوَّابٍ حَفِيْظٍ ﴿٣٢﴾ مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبِ ﴿٣٣﴾ ادْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُوْدِ ﴿٣٤﴾ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ ﴿٣٥﴾

جس دن ہم دوزخ سے پوچھیں گے کیا تو بھر چکی؟ وہ جواب دے گی کیا کچھ اور زیادہ بھی ہے؟ اور جنت پرہیزگاروں کے لئے بالکل قریب کر دی جائیگی ذرا بھی دور نہ ہوگی' یہ ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا ہر اس شخص کے لئے جو رجوع کرنے والا اور پابندی کرنے والا ہو' جو رحمٰن کا غائبانہ خوف رکھتا ہو اور توجہ والا دل لایا ہو۔ تم اس جنت میں سلامتی کے ساتھ جاؤ یہ ہمیشہ رہنے کا دن ہے۔ یہ وہاں جو چاہیں انہیں کا ہے بلکہ ہمارے پاس اور بھی زیادہ ہے۔

جہنم کا اللہ سے ہم کلام ہونا: چونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا جہنم سے وعدہ ہے کہ وہ اسے پر کر دیگا اس لئے قیامت کے دن جو جنات اور انسان اس کے قابل ہوں گے انہیں اس میں ڈالا جائیگا اور اللہ تبارک و تعالیٰ دریافت فرمائے گا کہ اب تو تو پر ہو گئی؟ اور یہ کہے گی کہ اگر کچھ اور گنہ گار باقی ہوں تو انہیں بھی مجھ میں ڈال دو۔ صحیح بخاری میں اس آیت کی تفسیر میں یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جہنم میں گنہگار ڈالے جائیں گے اور وہ زیادتی طلب کرتی رہے گی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا قدم اس میں رکھے گا پس وہ کہے گی بس بس۔ مسند احمد کی حدیث میں یہ بھی ہے کہ اس وقت یہ سمٹ جائے گی اور کہے گی تیری عزت و کرم کی قسم بس بس۔ اور جنت میں جگہ بچ جائیگی یہاں تک کہ ایک نئی مخلوق کو پیدا کر کے اللہ تعالیٰ اس جگہ کو آباد کرے گا۔ صحیح بخاری میں ہے جنت اور دوزخ میں ایک مرتبہ گفتگو ہوئی جہنم نے کہا کہ میں ہر متکبر اور ہر جبار کے لئے مقرر کی گئی ہوں اور جنت نے کہا میرا یہ حال ہے کہ مجھ میں کمزور لوگ اور وہ لوگ جو دنیا میں ذی عزت نہ سمجھے جاتے تھے وہ داخل ہوں گے۔ اللہ عزوجل نے جنت سے فرمایا تو میری رحمت ہے اپنے بندوں میں سے جسے چاہوں گا اس رحمت کے ساتھ نوازوں گا اور جہنم سے فرمایا تو میرا عذاب ہے تیرے ساتھ میں جسے چاہوں گا عذاب کروں گا' ہاں تم دونوں بالکل بھر جاؤ گی۔ تو جہنم تو نہ بھرے گی یہاں تک اللہ تعالیٰ اپنا قدم اس میں رکھے گا اب وہ کہے گی بس بس بس۔ اس وقت وہ بھر جائے گی اور اس کے سب جوڑ آپس میں سمٹ جائیں گے اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کسی پر ظلم نہ کرے گا۔ ہاں جنت میں جو جگہ بچ

رہے گی اس کے بھرنے کے لئے اللہ عزوجل اور مخلوق پیدا کرے گا۔ مسند احمد کی حدیث میں جہنم کا قول یہ ہے کہ مجھ میں جبر کرنے والے تکبر کرنے والے بادشاہ اور شریف لوگ داخل ہوں گے الخ۔ مسند ابو یعلی میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ مجھے اپنی ذات کو قیامت کے دن پہنچوائے گا میں سجدے میں گر پڑوں گا اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہو گا پھر میں اللہ تعالیٰ کی ایسی تعریفیں کروں گا کہ اس سے وہ خوش ہو جائیگا۔ پھر مجھے شفاعت کی اجازت دی جائے گی' پھر میری امت جہنم کے اوپر کے پل سے گذرنے لگے گی بعض تو نگاہ کی سی تیزی کے ساتھ گذر جائیں گے بعض تیر کی طرح پار ہو جائینگے بعض تیز گھوڑوں سے زیادہ تیزی سے پار ہو جائیں گے یہاں تک کہ ایک شخص گھٹنوں چلتا ہوا نکل جائے گا اور یہ مطابق اعمال کے ہو گا' اور جہنم زیادتی طلب کر رہی ہو گی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا قدم اس میں رکھے گا پس یہ سمٹ جائے گی اور کہے گی بس بس اور میں حوض پر ہوں گا۔ لوگوں نے کہا حوض کیا ہے؟ فرمایا اللہ تعالیٰ کی قسم اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہے اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے اور برف سے زیادہ ٹھنڈا ہے اور مشک سے زیادہ خوشبودار ہے۔ اس پر برتن آسمان کے ستاروں سے زیادہ ہیں جسے اس کا پانی مل گیا وہ کبھی پیاسا نہ ہو گا اور جو اس سے محروم رہ گیا اسے کہیں پانی نہیں ملے گا جو سیراب ہو سکے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں وہ کہے گی کیا مجھ میں کوئی مکان ہے کہ مجھ میں زیادتی کی جائے؟ حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں وہ کہے گی کیا مجھ میں ایک کے بھی آنے کی جگہ ہے؟ میں بھر گئی۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں اس میں جہنمی ڈالے جائیں گے یہاں تک کہ وہ کہے گی میں بھر گئی اور کہے گی کہ کیا مجھ میں زیادتی کی گنجائش ہے؟ امام ابن جریرؒ پہلے قول کو ہی اختیار کرتے ہیں۔ اس دوسرے قول کا مطلب یہ ہے کہ گویا ان بزرگوں کے نزدیک یہ سوال اس کے بعد ہو گا کہ اللہ تعالیٰ اپنا قدم اس میں رکھ دے' اب جو اس سے پوچھے گا کہ کیا تو بھر گئی تو وہ جواب دے گی کہ کیا مجھ میں کہیں بھی کوئی جگہ باقی رہی ہے جس میں کوئی آ سکے؟ یعنی باقی نہیں رہی پر ہو گئی۔ حضرت عوفیؒ حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا یہ اس وقت ہو گا جب کہ اس میں سوئی کے ناکے کے برابر بھی جگہ باقی نہ رہے گی' واللہ اعلم۔

پھر فرماتا ہے جنت قریب کی جائے گی یعنی قیامت کے دن جو دور نہیں ہے اس لئے کہ جس کا آنا یقینی ہو وہ دور نہیں سمجھا جاتا ﴿اَوَّابٌ﴾ کے معنی رجوع کرنے والا توبہ کرنے والا گناہوں سے اٹک جانے والا ﴿حَفِيْظٌ﴾ کے معنی وعدوں کا پابند۔ حضرت عبید بن عمیرؒ فرماتے ہیں ﴿اَوَّابٌ وَّ حَفِيْظٌ﴾ وہ ہے جو کسی مجلس میں بیٹھ کر نہ اٹھے جب تک کہ استغفار نہ کر لے' جو رحمٰن سے بن دیکھے ڈرتا ہے یعنی تنہائی میں بھی خوف الٰہی رکھے۔ حدیث میں ہے وہ بھی قیامت کے دن عرش الٰہی کا سایہ پائے گا جو تنہائی میں اللہ کو یاد کرے اور اس کی آنکھیں بہہ نکلیں اور قیامت کے دن اللہ کے پاس دل سلامت لے کر جائے جو اس کی جانب جھکنے والا ہو۔ اس میں یعنی جنت میں چلے جاؤ اللہ تعالیٰ کے تمام عذابوں سے تمہیں سلامتی مل گئی ہے۔ اور یہ بھی مطلب ہے کہ فرشتے ان پر سلام کریں گے۔ یہ ﴿خُلُوْدٌ﴾ کا دن ہے یعنی جنت میں ہمیشہ کے لئے جا رہے ہو جہاں کبھی موت نہیں' جہاں سے کبھی نکال دیئے جانے کا خطرہ نہیں' جہاں سے تبدیلی اور ہیر پھیر نہیں۔ پھر فرمایا یہ وہاں جو چاہیں گے پائیں گے' بلکہ اور زیادہ بھی۔ کثیر ابن مرہؒ فرماتے ہیں مزید میں یہ بھی ہے کہ اہل جنت کے پاس سے ایک بادل گذرے گا جس میں سے ندا آئے گی کہ تم کیا چاہتے ہو؟ جو تم چاہو میں برساؤں' پس یہ جس چیز کی خواہش کریں گے اس سے برسے گی۔ حضرت کثیرؒ فرماتے ہیں اگر میں اس مرتبہ میں پہنچا اور مجھ سے سوال ہوا تو میں کہوں گا کہ خوبصورت خوش لباس نوجوان کنواریاں برسائی جائیں۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں تمہارا جی جس پرندہ کے کھانے کو چاہے گا وہ اسی وقت بھنا بھنایا موجود ہو جائے گا۔ مسند احمد کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ اگر جنتی اولاد چاہے گا تو ایک ہی ساعت میں حمل اور بچہ اور بچے کی جوانی ہو جائے گی' امام ترمذی اسے غریب حسن بتلاتے ہیں اور ترمذی میں یہ بھی ہے کہ جس طرح یہ چاہے گا ہو جائے گا۔ اور آیت میں ہے ﴿لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَ زِيَادَةٌ﴾ صہیب بن سنان رومیؓ فرماتے ہیں اس زیادتی سے مراد اللہ کریم کے چہرے کی زیارت ہے۔ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں ہر جمعہ کے دن انہیں دیدار باری تعالیٰ ہو گا یہی مطلب مزید کا ہے۔ مسند شافعی میں ہے حضرت جبرئیل علیہ ایک

اسلام سفید آئینہ لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے جس کے بیچوں بیچ ایک نقطہ تھا۔ حضور ﷺ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ فرمایا یہ جمعہ کا دن ہے جو خاص آپ کو اور آپ کی امت کو بطور فضیلت کے عطا فرمایا گیا ہے۔ سب لوگ اس میں تمہارے پیچھے ہیں یہود بھی اور نصاری بھی۔ تمہارے لئے اس میں بہت کچھ خیر و برکت ہے۔ اس میں ایک ایسی ساعت ہے کہ اس وقت اللہ تعالیٰ سے جو مانگا جائے مل جاتا ہے۔ ہمارے ہاں اس کا نام ﴿یَوْمُ الْمَزِیْد﴾ ہے۔ حضور ﷺ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ فرمایا تیرے رب نے جنت الفردوس میں ایک کشادہ مکان بنایا ہے جس میں مشکی ٹیلے ہیں، جمعہ کے دن اللہ تعالیٰ جن جن فرشتوں کو چاہے اتارتا ہے۔ اس کے ارد گرد نوری منبر ہوتے ہیں جن پر انبیاءؑ رونق افروز ہوتے ہیں شہداء اور صدیق لوگ ان کے پیچھے ان مشکی ٹیلوں پر ہوں گے۔ اللہ عزوجل فرمائے گا میں نے اپنا وعدہ تم سے سچا کیا اب مجھ سے جو چاہو مانگو پاؤ گے۔ یہ سب کہیں گے ہمیں تیری خوشی اور رضامندی مطلوب ہے' اللہ فرمائے گا یہ تو میں تمہیں دے چکا۔ میں تم سے راضی ہو گیا اس کے سوا بھی تم جو چاہو گے پاؤ گے اور میرے پاس اور زیادہ ہے۔ پس یہ لوگ جمعہ کے خواہشمند رہیں گے کیوں کہ انہیں بہت سی نعمتیں اسی دن ملتی ہیں' یہی دن ہے جس دن تمہارا رب عرش پر مستوی ہوا اسی دن حضرت آدمؑ پیدا کئے گئے اور اسی دن قیامت آئے گی۔

اسی طرح اسے حضرت امام شافعیؒ نے کتاب الام کی کتاب الجمعہ میں بھی وارد کیا ہے۔ امام ابن جریرؒ نے اس آیت کی تفسیر کے موقعہ پر ایک بہت بڑا اثر وارد کیا ہے جس میں بہت سی باتیں غریب ہیں۔ مسند احمد میں ہے حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں جنتی ۷۰ ستر سال تک ایک ہی طرف متوجہ بیٹھا رہے گا پھر ایک حور آئے گی جو اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے اپنی طرف متوجہ کرے گی وہ اتنی خوبصورت ہو گی کہ اس کے رخسار میں اسے اپنی شکل اس طرح نظر آئے گی جیسے آبدار آئینے میں وہ جو زیورات پہنے ہوئے ہو گی ان میں کا ایک ایک ادنیٰ موتی ایسا ہو گا کہ اس کی جوت سے ساری دنیا منور ہو جائے۔ وہ سلام کرے گی یہ جواب دے کر پوچھے گا تم کون ہو؟ وہ کہے گی میں ہوں جسے قرآن میں مزید کہا گیا تھا' اس پر ستر حلے ہوں گے' لیکن تاہم اس کی خوبصورتی اور چمک دمک اور صفائی کی وجہ سے باہر ہی سے اس کی پنڈلی کا گودا نظر آئے گا۔ اس کے سر پر جڑاؤ تاج ہو گا جس کا ادنیٰ موتی مشرق و مغرب کو روشن کر دینے کے لئے کافی ہے۔

وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوْا فِى الْبِلَادِ ؕ هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ ﴿۳۶﴾ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ ﴿۳۷﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ۖ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ﴿۳۸﴾ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ﴿۳۹﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ ﴿۴۰﴾

ان سے پہلے بھی ہم بہت سی امتوں کو ہلاک کر چکے ہیں جو ان سے طاقت میں بہت زیادہ تھیں وہ شہروں میں ڈھونڈتے ہی رہ گئے تا کہ کوئی بھاگنے کا ٹھکانا ہے؟ اس میں ہر صاحب دل کے لئے عبرت ہے اور اس کے لئے جو دل سے متوجہ ہو کر کان لگائے۔ یقیناً ہم نے آسمان اور زمین اور جو کچھ اس کے درمیان ہے سب کو صرف چھ دن میں پیدا کر دیا اور ہمیں تکان نے چھوا تک نہیں۔ یہ جو کچھ کہتے ہیں تو اس پر صبر کرتا رہ اور اپنے رب کی تسبیح تعریف کے ساتھ بیان کرتا رہ سورج نکلنے سے پہلے بھی اور سورج غروب ہونے سے پہلے بھی' اور رات کے کسی وقت بھی اور نماز کے بعد بھی۔

ارشاد ہوتا ہے کہ یہ کفار تو ہیں کیا چیز؟ ان سے بہت زیادہ قوت و طاقت اور چھ دن میں آسمان و زمین بنائے گئے
اسباب و تعداد والے لوگوں کو اسی جرم پر ہم تہ و بالا کر چکے ہیں جنھوں نے شہروں میں اپنی یادگاریں چھوڑی ہیں' زمین میں خوب فساد کیا تھا لمبے لمبے سفر کرتے تھے ہمارے عذاب دیکھ کر بچنے کی جگہ تلاش کرنے لگے مگر یہ کوشش بالکل بے سود تھی' خدا کی قضاء و قدر اور اس کی پکڑ دھکڑ سے کون بچ سکتا تھا؟ پس تم بھی یاد رکھو کہ جس وقت میرا عذاب آ گیا بغلیں جھانکتے رہ جاؤ گے اور بھوسی کی طرح اڑا دیئے جاؤ گے۔ ہر عقلمند کے لئے اس میں کافی عبرت ہے اگر کوئی ایسا بھی ہو جو سمجھداری کے ساتھ کان لگائے وہ بھی اس میں بہت کچھ پا سکتا ہے' یعنی دل کو حاضر کر کے کانوں سے سنے۔ پھر اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس نے آسمانوں کو زمینوں کو اور ان کے درمیان کی چیزوں کو چھ روز میں پیدا کر دیا اور وہ تھکا نہیں۔ اس میں بھی موت کے بعد کی زندگی پر اللہ تعالیٰ کے قادر ہونے کا ثبوت ہے کہ جو ایسی بڑی مخلوق کو اولاً پیدا کر چکا ہے اس پر مردوں کو جلانا کیا بھاری ہے؟ حضرت قتادہؒ کا فرمان ہے کہ ملعون یہود کہتے تھے کہ چھ دن میں مخلوق کو رچا کر خالق نے ساتویں روز آرام کیا اور یہ دن ہفتہ کا دن تھا۔ اس کا نام ہی انھوں نے یوم الراحت رکھ چھوڑا تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کے اس واہی خیال کی تردید کی کہ ہمیں تھکن ہی نہ تھی آرام کیسا؟ جیسے اور آیت میں ہے ﴿وَلَمْ يَعْىَ بِخَلْقِهِنَّ﴾ یعنی کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور ان کی پیدائش سے نہ تھکا' کیا وہ مردوں کے جلانے پر قادر نہیں؟ ہاں کیوں نہیں وہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔ اور آیت میں ہے ﴿لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ﴾ الخ البتہ آسمان و زمین کی پیدائش لوگوں کی پیدائش سے بہت بڑی ہے اور آیت میں ہے ﴿ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ بَنٰهَا﴾ کیا تمہاری پیدائش زیادہ مشکل ہے یا آسمان کی' اسے اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے۔

پھر فرمان ہوتا ہے کہ یہ جھٹلانے اور انکار کرنے والے جو سناتے ہیں اسے صبر سے سنتے رہو اور انہیں مہلت دو ان کو چھوڑ دو اور سورج نکلنے سے پہلے اور ڈوبنے سے پہلے اور رات کو پاکی اور تعریف کیا کرو۔ معراج سے پہلے صبح کی اور عصر کی نماز فرض تھی۔ اور رات کی تہجد' آپ پر اور آپ کی امت پر ایک سال تک واجب رہی اس کے بعد آپ کی امت سے اس کا وجوب منسوخ ہو گیا۔ اس کے بعد معراج والی رات پانچ نمازیں فرض ہوئیں جن میں فجر اور عصر کی نمازیں جوں کی توں رہیں۔ پس سورج نکلنے سے پہلے اور ڈوبنے سے پہلے سے مراد فجر کی اور عصر کی نماز ہے۔ مسند احمد میں ہے ہم حضور ﷺ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے آپ نے چودھویں رات کے چاند کو دیکھا اور فرمایا تم اپنے رب کے سامنے پیش کئے جاؤ گے اور اسے اس طرح دیکھو گے جیسے اس چاند کو دیکھ رہے ہو۔ جس کے دیکھنے میں کوئی دھکا پیلی نہیں پس اگر تم سے ہو سکے تو خبردار سورج نکلنے سے پہلے اور سورج ڈوبنے سے پہلے کی نماز میں مغلوب نہ ہو جایا کرو' پھر آیت ﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَ قَبْلَ الْغُرُوْبِ﴾ پڑھی۔ یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی ہے۔ رات کو بھی اس کی تسبیح بیان کر یعنی نماز پڑھ' جیسے فرمایا ﴿وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ﴾ یعنی رات کو تہجد کی نماز پڑھا کر یہ زیادتی خاص تیرے لئے ہی ہے۔ تجھے تیرا رب مقام محمود میں کھڑا کرنے والا ہے۔ سجدوں کے پیچھے سے مراد بقول حضرت ابن عباسؓ نماز کے بعد اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرنا ہے۔ بخاری و مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس مفلس مہاجر آئے اور کہا یا رسول اللہ ﷺ مال دار لوگ بلند درجے اور ہمیشگی والی نعمتیں حاصل کر چکے۔ آپ نے فرمایا یہ کیسے؟ جواب دیا کہ ہماری طرح نماز روزہ تو وہ بھی کرتے ہیں لیکن وہ صدقہ دیتے ہیں جو ہم نہیں دے سکتے' وہ غلام آزاد کرتے ہیں جو ہم نہیں کر سکتے۔ آپ نے فرمایا آؤ میں تمہیں ایک ایسا عمل بتاؤں کہ جب تم اسے کرو تو سب سے آگے نکل جاؤ اور تم سے افضل کوئی نہ نکلے' لیکن جو اس عمل کو کرے۔ تم ہر نماز کے بعد تینتیس تینتیس مرتبہ ﴿سبحان الله' الحمد لله' الله اكبر﴾ پڑھا لیا کرو۔ وہ پھر آئے اور کہا یا رسول اللہ ﷺ ہمارے مالدار بھائیوں نے بھی آپ کی اس حدیث کو سنا اور وہ بھی اس عمل کو کرنے لگے۔ آپ نے فرمایا پھر یہ تو اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے۔ دوسرا قول یہ

ہے کہ اس سے مراد مغرب کے بعد کی دو رکعت ہیں۔ حضرت عمرؓ حضرت علیؓ حضرت حسن ابن علیؓ حضرت ابن عباسؓ حضرت ابوہریرہؓ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہم کا یہی فرمان ہے' اور یہی قول ہے حضرت مجاہد' حضرت عکرمہؒ حضرت شعبی' حضرت نخعی' حضرت قتادہ رحمہم اللہ وغیرہ کا۔ مسند احمد میں ہے حضور ﷺ ہر فرض نماز کے بعد دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ بجز فجر اور عصر کی نماز کے۔ عبدالرحمٰن فرماتے ہیں ہر نماز کے پیچھے۔ ابن ابی حاتم میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ میں نے ایک رات رسول اللہ ﷺ کے ہاں گذاری آپ نے فجر کے فرضوں سے پہلے دو ہلکی رکعتیں ادا کیں' پھر گھر سے نماز کے لئے نکلے اور فرمایا اے ابن عباس فجر کے پہلے کی دو رکعتیں ﴿اَدْبَارَ النُّجُوْمِ﴾ ہیں اور مغرب کے بعد کی دو رکعتیں ﴿اَدْبَارَ السُّجُوْدِ﴾ ہیں۔ یہ اسی رات کا ذکر ہے جس رات حضرت عبداللہؓ نے تہجد کی نماز کی تیرہ رکعتیں آپ کی اقتدا میں ادا کی تھیں اور یہ رات آپ کی خالہ حضرت میمونہؓ کی باری کی تھی۔ لیکن اوپر جو بیان ہوا یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے اور امام ترمذیؒ اسے غریب بتلاتے ہیں۔ ہاں اصل حدیث تہجد کی تو بخاری و مسلم میں ہے۔ ممکن ہے کہ پچھلا کلام حضرت ابن عباسؓ کا اپنا ہو' واللہ اعلم۔

وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ﴿٤١﴾ يَّوْمَ يَسْمَعُوْنَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوْجِ ﴿٤٢﴾ اِنَّا نَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَاِلَيْنَا الْمَصِيْرُ ﴿٤٣﴾ يَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ۭ ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌ ﴿٤٤﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ ۣ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ﴿٤٥﴾

اور سن رکھ کہ جس دن ایک پکارنے والا قریب ہی کی جگہ سے پکارے گا' جس روز اس تند و تیز چیخ کو یقین کے ساتھ سن لیں گے' یہ دن ہوگا نکلنے کا۔ ہم ہی جلاتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہماری ہی طرف لوٹ پھر کر آنا ہے' جس دن زمین پھٹ جائے گی اور یہ دوڑتے ہوئے نکل پڑیں گے۔ یہ جمع کر لینا ہم پر بہت ہی آسان ہے۔ یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں ہم بخوبی جانتے ہیں تو ان پر جبر کرنے والا نہیں' تو تو قرآن کے ساتھ انھیں سمجھاتا رہ جو میرے ڈراوے کے وعدوں سے ڈرتے ہیں۔

اللہ کے ایک حکم سے قیامت آجائے گی: حضرت کعب احبارؒ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ ایک فرشتے کو حکم دے گا کہ بیت المقدس کے پتھر پر کھڑے ہو کر آواز لگائے کہ اے سڑی گلی ہڈیو! اور اے جسم کے متفرق اجزاؤ اللہ تمہیں جمع ہو جانے کا حکم دیتا ہے تاکہ تمہارے درمیان فیصلہ کر دے۔ پس مراد اس سے صور ہے' یہ حق اس شک شبہ اور اختلاف کو مٹا دیگا جو اس سے پہلے تھا یہ قبروں سے نکل کھڑے ہونے کا دن ہوگا۔ ابتداءً پیدا کرنا پھر لوٹانا اور تمام خلائق کو ایک جگہ لوٹا لانا یہ ہمارے ہی بس کی بات ہے۔ اس وقت ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلہ ہم دیں گے۔ تمام بھلائی برائی کا عوض ہر ہر شخص پالے گا' زمین پھٹ جائے گی اور سب جلدی جلدی اٹھ کھڑے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ آسمان سے بارش برسائے گا جس سے مخلوقات کے بدن اگنے لگیں گے جس طرح کیچڑ میں پڑا ہوا دانہ بارش سے اگ جاتا ہے جب جسم کی پوری نشو و نما ہو جائیگی تو اللہ حضرت اسرافیل علیہ السلام کو صور پھونکنے کا حکم دے گا۔ تمام روحیں صور کے سوراخ میں ہوں گی ان کے صور پھونکتے ہی روحیں آسمان و زمین کے درمیان پھرنے لگ جائیں گی اس وقت اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرے عزت و جلال کی قسم ہے ہر روح اپنے اپنے جسم میں چلی جائے جسے اس نے دنیا میں آباد کر رکھا تھا پس ہر روح اپنے اپنے اصلی جسم میں جا ملے گی اور جس طرح زہریلے جانور کا اثر چوپائے کے رگ و ریشہ میں بہت جلد پہنچ جاتا ہے اسی طرح اس جسم کے رگ و ریشہ میں فوراً روح دوڑ جائے گی

اور ساری مخلوق اللہ کے فرمان کے ماتحت دوڑتی ہوئی جلد از جلد میدان محشر میں حاضر ہو جائے گی' یہ وقت ہوگا جو کافروں پر بہت ہی سخت ہوگا۔ فرمان باری ہے ﴿یَوْمَ یَدْعُوْکُمْ فَتَسْتَجِیْبُوْنَ بِحَمْدِہٖ﴾ یعنی جس دن وہ تمہیں پکارے گا تم اس کی تعریفیں کرتے جواب دو گے اور سمجھتے ہو گے کہ تم بہت ہی کم ٹھہرے۔ صحیح مسلم میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں سب سے پہلے میری قبر کی زمین شق ہوگی۔ فرماتا ہے کہ یہ دوبارہ کھڑا کرنا ہم پر بہت ہی سہل اور بالکل آسان ہے' جیسے اللہ جل جلالہ نے فرمایا ﴿وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَۃٌ کَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ﴾ یعنی ہمارا حکم اس طرح یکبارگی ہو جائے گا جیسے آنکھ کا جھپکنا اور آیت میں ہے ﴿مَا خَلْقُکُمْ وَلَا بَعْثُکُمْ اِلَّا کَنَفْسٍ وَّاحِدَۃٍ﴾ الخ یعنی تم سب کا پیدا کرنا اور پھر مارنے کے بعد جلا دینا ایسا ہی ہے جیسے ایک شخص کا اللہ تعالیٰ سننے والا دیکھنے والا ہے۔ پھر جناب باری کا ارشاد ہوتا ہے کہ اے نبی یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں ہمارے علم سے باہر نہیں تو اسے اہمیت نہ دے ہم خود سلٹ لیں گے جیسے اور جگہ ہے ﴿وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّکَ یَضِیْقُ صَدْرُکَ بِمَا یَقُوْلُوْنَ﴾ الخ واقعی ہمیں معلوم ہے کہ یہ لوگ جو باتیں بناتے ہیں اس سے آپ تنگ دل ہوتے ہیں سو اس کا علاج یہ ہے کہ آپ اپنے پروردگار کی پاکی اور تعریف کرتے رہئے اور نمازیوں میں رہئے اور موت آ جانے تک اپنے رب کی عبادت میں لگے رہئے۔ پھر فرماتا ہے تو انہیں ہدایت پر جبراً نہیں لا سکتا نہ ہم نے تجھے اسکی تکلیف دی ہے۔ یہ بھی معنی ہیں کہ ان پر جبر نہ کرو' بلکہ پہلا قول اولیٰ ہے کیونکہ الفاظ میں یہ نہیں کہ تم ان پر جبر نہ کرو بلکہ یہ ہے کہ تم ان پر جبار نہیں ہو یعنی آپ مبلغ ہیں تبلیغ کر کے اپنے فریضے سے سبکدوش ہو جایئے' ﴿جبر﴾ معنی میں ﴿اجبر﴾ کے بھی آتا ہے۔ آپ نصیحت کرتے رہئے جس کے دل میں خوف الٰہی ہے جو اس کے عذابوں سے ڈرتا ہے اور اس کی رحمتوں کا امیدوار ہے وہ ضرور اس تبلیغ سے نفع اٹھائے گا اور راہ راست پر آ جائے گا۔ جیسے فرمایا ہے ﴿فَاِنَّمَا عَلَیْکَ الْبَلٰغُ وَ عَلَیْنَا الْحِسَابُ﴾ یعنی تجھ پر صرف پہنچا دینا ہے اور حساب تو ہمارے ذمے ہے۔ اور آیت میں ہے ﴿فَذَکِّرْ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَکِّرٌ. لَسْتَ عَلَیْھِمْ بِمُصَیْطِرٍ﴾ تو صرف نصیحت کرنے والا ہے کچھ ان پر داروغہ نہیں۔ اور جگہ ہے تجھ پر ان کی ہدایت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے ہدایت کرتا ہے۔ اور جگہ ہے ﴿اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ﴾ الخ تم جسے چاہو ہدایت نہیں دے سکتے بلکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے راہ راست پر لا کھڑا کرتا ہے۔ اسی مضمون کو یہاں بھی بیان فرمایا ہے۔ حضرت قتادہؒ اس آیت کو سن کر یہ دعا کرتے ﴿اللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مِمَّنْ یَّخَافُ وَعِیْدَکَ وَ یَرْجُوْ مَوْعِدَکَ یَا بَآرُّ یَا رَحِیْمُ﴾ یعنی اے اللہ تو ہمیں ان میں سے کر جو تیری سزاؤں کے ڈراوے سے ڈرتے ہیں اور تیری نعمتوں کی امید لگائے ہوئے ہیں' اے بہت زیادہ احسان کرنے والے اور اے بہت زیادہ رحم کرنے والے۔ سورۂ ق کی تفسیر ختم ہوئی ﴿وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہٗ وَ حَسْبُنَا اللّٰہُ وَ نِعْمَ الْوَکِیْلُ﴾

تفسیر سورۂ ذاریات مکیہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَالذّٰرِیٰتِ ذَرْوًا ﴿۱﴾ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ﴿۲﴾ فَالْجٰرِیٰتِ یُسْرًا ﴿۳﴾ فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا ﴿۴﴾ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ ﴿۵﴾ وَّاِنَّ الدِّیْنَ لَوَاقِعٌ ﴿۶﴾ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُکِ ﴿۷﴾ اِنَّکُمْ لَفِیْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ﴿۸﴾ یُّؤْفَکُ عَنْہُ مَنْ اُفِکَ ﴿۹﴾ قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ ﴿۱۰﴾ الَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ غَمْرَۃٍ سَاھُوْنَ ﴿۱۱﴾ یَسْئَلُوْنَ اَیَّانَ یَوْمُ الدِّیْنِ ﴿۱۲﴾ یَوْمَ ھُمْ عَلَی النَّارِ یُفْتَنُوْنَ ﴿۱۳﴾ ذُوْقُوْا فِتْنَتَکُمْ ھٰذَا الَّذِیْ کُنْتُمْ بِہٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۱۴﴾

مہربان اور کرم فرما معبود برحق کے نام سے شروع۔ قسم ہے بکھیر نے والیوں کی اڑا کر۔ پھر اٹھانے والیاں بوجھ کو پھر چلنے والیاں نرمی سے۔ پھر کام کو تقسیم کرنے والیاں۔ یقین مانو کہ تم سے جو وعدے کئے جاتے ہیں سب سچے ہیں۔ اور بیشک انصاف ہونیوالا ہی ہے۔ قسم ہے راہوں والے آسمان کی۔ یقیناً تم مختلف بات میں پڑے ہوئے ہو۔ اس سے وہی باز رکھا جاتا ہے جو پھیر دیا گیا ہو بے سند باتیں بنانے والے غارت کر دیئے گئے جو غفلت میں ہیں اور بھولے ہوئے ہیں۔ پوچھتے ہیں کہ یوم جزا کب ہوگا؟ ہاں یہ وہ دن ہے کہ یہ آگ پر الٹے سیدھے پڑیں گے۔ اپنی سزا کا مزہ چکھو یہی ہے جس کی تم جلدی مچا رہے تھے۔

سورۃ ذاریات کی ابتدائی آیات کی خوبصورت تشریح: خلیفۃ المسلمین حضرت علیؓ کوفہ کے منبر پر چڑھ کر ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ قرآن کریم کی جس آیت کی بابت اور جس سنت رسول ﷺ کی بابت تم سوال کرنا چاہتے ہو کر لو۔ اس پر ابن الکواء نے کھڑے ہو کر پوچھا کہ ذاریات سے کیا مراد ہے؟ فرمایا ہوا۔ پوچھا حاملات سے؟ فرمایا ابر۔ کہا جاریات سے؟ فرمایا کشتیاں۔ کہا مقسمات سے؟ فرمایا فرشتے۔ اس بارے میں ایک مرفوع حدیث بھی آئی ہے۔ بزار میں ہے صبیغ تمیمی امیر المومنین حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور کہا بتلاؤ ذاریات سے کیا مراد ہے؟ فرمایا ہوا' اور اسے میں نے اگر رسول اللہ ﷺ سے سنا ہوا نہ ہوتا تو میں کبھی نہ کہتا۔ پوچھا مقسمات؟ فرمایا فرشتے' اور اسے بھی میں نے حضور ﷺ سے سن رکھا ہے۔ پوچھا جاریات سے کیا مطلب ہے؟ فرمایا کشتیاں' یہ بھی اگر میں نے رسول اللہ ﷺ سے نہ سنا ہوتا تو تجھ سے نہ کہتا۔ پھر حکم دیا کہ اسے سو کوڑے لگائے جائیں۔ چنانچہ اسے درے مارے گئے اور ایک مکان میں رکھا گیا جب زخم اچھے ہو گئے تو بلوا کر پھر سو کوڑے پٹوائے' اور سوار کرا کر حضرت ابو موسیٰ اشعری کو لکھ بھیجا کہ یہ کسی مجلس میں نہ بیٹھنے پائے۔ کچھ دنوں بعد یہ حضرت ابو موسیٰؓ کے پاس آئے اور بڑی سخت تاکیدی قسمیں کھا کر انہیں یقین دلایا کہ اب میرے خیالات کی پوری اصلاح ہو چکی ہے اب میرے دل میں وہ بد عقیدگی نہیں رہی جو پہلے تھی۔ چنانچہ حضرت ابو موسیٰؓ نے جناب امیر المومنین کی خدمت میں اس کی اطلاع دی اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ میرا خیال ہے کہ اب وہ واقعی ٹھیک ہو گیا ہے۔ اس کے جواب میں دربار خلافت سے فرمان پہنچا کہ پھر انہیں مجلس میں بیٹھنے کی اجازت دے دی جائے۔ امام ابو بکر بزارؒ فرماتے ہیں اس کے دو راویوں میں کلام ہے پس یہ حدیث ضعیف ہے۔ ٹھیک بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ حدیث بھی موقوف ہے یعنی حضرت عمرؓ کا اپنا فرمان ہے مرفوع حدیث نہیں۔ امیر المومنینؓ نے جو اسے پٹوایا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کی بد عقیدگی آپ پر ظاہر ہو چکی تھی اور اس کے یہ سوالات از روئے انکار اور مخالفت کے تھے' واللہ اعلم۔ صبیغ کے باپ کا نام عسل تھا اور اس کا یہ قصہ مشہور ہے جسے پورا پورا حافظ ابن عساکرؒ لائے ہیں۔ یہی تفسیر حضرت ابن عباسؓ' حضرت ابن عمرؓ' حضرت مجاہدؒ' حضرت سعید بن جبیرؒ' حضرت حسنؒ' حضرت قتادہؒ حضرت سدیؒ وغیرہ سے مروی ہے۔ امام ابن جریرؒ اور امام ابن ابی حاتم نے تو ان آیتوں کی تفسیر میں کوئی قول وارد ہی نہیں کیا۔ حاملات سے مراد ابر ہونے کا محاورہ اس شعر سے بھی پایا جاتا ہے ﴿وَ اَسْلَمْتُ نَفْسِیْ لِمَنْ اَسْلَمَتْ لَهُ الْمُزْنُ تَحْمِلُ عَذْبًا زُلَالاً﴾ یعنی میں اپنے تئیں اس رب تعالیٰ کا تابع فرمان کرتا ہوں جس کے تابع فرمان وہ بادل ہیں جو صاف شفاف میٹھے اور ہلکے پانی کو اٹھا کر لے جاتے ہیں' ﴿جَارِيَاتِ﴾ سے مراد بعض نے ستارے لئے ہیں جو آسمان پر چلتے پھرتے رہتے ہیں۔ یہ معنی لینے میں ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی ہو گی اولاً ہوا پھر بادل پھر ستارے پھر فرشتے' جو کبھی اللہ کا حکم لے کر اترتے ہیں' کبھی کوئی سپرد کردہ کام بجا لانے کے لئے تشریف لاتے ہیں۔ چونکہ یہ سب قسمیں اس بات پر ہیں کہ قیامت ضرور آنی ہے اور لوگ دوبارہ زندہ کئے جائیں گے اس لئے ان کے بعد ہی فرمایا کہ تمہیں جو وعدہ دیا جاتا ہے وہ سچا ہے اور حساب کتاب جزا سزا ضرور واقع ہونے والی ہے۔ پھر آسمان کی قسم کھائی جو خوبصورتی رونق' حسن اور برابری والا ہے۔ بہت سے سلف نے یہی معنی ﴿حُبُكِ﴾ کے بیان کئے ہیں۔

حضرت ضحاکؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ پانی کی موجیں اور ریت کے ذرے اور کھیتوں کے پتے ہوا کے زور سے جب لہراتے ہیں

اور پر شکن لہریئے دار ہو جاتے ہیں اور گویا ان میں راستے پڑ جاتے ہیں اسی کو حبک کہتے ہیں۔ ابن جریرؒ کی ایک حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں تمہارے پیچھے کذاب بہکانے والا ہے اس کے سر کے بال پیچھے کی طرف سے حبک حبک ہیں یعنی گھونگر والے ہیں۔ ابو صالحؒ فرماتے ہیں حبک سے مراد شدت والا۔ خصیف کہتے ہیں مراد خوش منظر ہے۔ حسن بصریؒ فرماتے ہیں اس کی خوبصورتی اس کے ستارے ہیں۔ حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ فرماتے ہیں اس سے مراد ساتواں آسمان ہے۔ ممکن ہے آپ کا مطلب یہ ہو کہ قائم رہنے والے ستارے اس آسمان میں ہیں۔ اکثر علمائے ہیئت کا بیان ہے کہ یہ آٹھویں آسمان میں ہیں جو ساتویں کے اوپر ہے' واللہ اعلم۔ ان تمام اقوال کا ماحصل ایک ہی ہے یعنی حسن و رونق والا آسمان اس کی بلندی' اس کی صفائی' اس کی پاکیزگی اس کی بناوٹ کی عمدگی' اس کی مضبوطی' اس کی چوڑائی اور کشادگی اس کا ستاروں سے جگمگانا جن میں سے بعض چلتے پھرتے رہتے ہیں اور بعض ٹھیرے ہوئے ہیں ان کا سورج اور چاند جیسے سیاروں سے مزین ہونا یہ سب اس کی خوبصورتی اور عمدگی کی چیزیں ہیں۔ پھر فرماتا ہے اے مشرکو تم اپنے اقوال میں مختلف اور مضطرب ہو تم کسی صحیح نتیجے پر اب تک خود اپنے طور پر کبھی نہیں پہنچے ہو کسی رائے پر تمہارا اجتماع نہیں۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ ان میں سے بعض تو قرآن کو سچا جانتے تھے بعض اس کی تکذیب کرتے تھے۔ پھر فرماتا ہے یہ حالت اسی کی ہوتی ہے جو خود گمراہ ہو' وہ اپنے ایسے باطل اقوال کی وجہ سے بہک اور بھٹک جاتا ہے' صحیح سمجھ اور سچا علم اس سے فوت ہو جاتا ہے جیسے اور آیت میں ہے ﴿فَاِنَّكُمْ وَ مَا تَعْبُدُوْنَ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفَاتِنِيْنَ اِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيْمِ﴾ یعنی تم لوگ مع اپنے معبودان باطل کے بجز جہنمی لوگوں کے اور کو بہکا نہیں سکتے۔ حضرت ابن عباسؓ اور سدیؒ فرماتے ہیں اس سے گمراہ وہی ہوتا ہے جو خود بہکا ہوا ہو۔

حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں اس سے دور وہی ہوتا ہے جو بھلائیوں سے دور ڈال دیا گیا ہے۔ حضرت امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں قرآن سے وہی ہٹتا ہے جو اسے پہلے ہی سے جھٹلانے پر کمر کس لے۔ پھر فرماتا ہے کہ بے سند باتیں کہنے والے ہلاک ہوں یعنی جھوٹی باتیں بنانے والے جنہیں یقین نہ تھا جو کہتے تھے کہ ہم اٹھائے نہیں جائیں گے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں یعنی شک کرنے والے ملعون ہیں۔ حضرت معاذؓ بھی اپنے خطبے میں یہی فرماتے تھے' یہ دھوکے والے اور بدگمان لوگ ہیں۔ پھر فرمایا کہ لوگ اپنے کفر و شک میں غافل اور بے پرواہ ہیں۔ یہ لوگ از روئے انکار پوچھتے ہیں کہ جزا کا دن کب آئے گا؟ اللہ فرماتا ہے اس دن تو یہ آگ میں تپائے جائیں گے جس طرح سونا تپایا جاتا ہے۔ یہ اس میں جلیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ جلنے کا مزہ چکھو اپنے کرتوت کے بدلے برداشت کرو۔ پھر ان کی اور زیادہ حقارت کے لئے ان سے بطور ڈانٹ ڈپٹ کے کہا جائے گا یہی ہے جس کی جلدی مچا رہے تھے کہ کب آئیگا' واللہ اعلم۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ﴿۱۵﴾ اٰخِذِيْنَ مَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ ﴿۱۶﴾ ؕ كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَ بِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَ الْمَحْرُوْمِ ﴿۱۹﴾ وَ فِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَ فِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَ مَا تُوْعَدُوْنَ ﴿۲۲﴾ فَوَ رَبِّ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ ﴿۲۳﴾

بیشک تقویٰ والے لوگ بہشتوں میں اور چشموں میں ہوں گے۔ ان کے رب نے جو کچھ انہیں عطا فرمایا ہے اسے لے رہے ہوں گے وہ تو اس سے پہلے ہی نیک کار تھے وہ رات کو بہت کم سویا کرتے تھے۔ اور آخری رات میں استغفار کیا کرتے تھے۔ اور ان کے مال میں مانگنے والوں کا اور سوال سے

بچنے والوں کا حق تھا یقین والوں کے لیے تو زمین میں بہت سی نیشانیاں ہیں۔ اور خود تمہاری ذات میں بھی تو کیا تم دیکھتے نہیں ہو اور تمہاری روزی اور جو تم سے وعدہ کیا جاتا ہے سب آسمان میں ہے آسمان وزمین کے پروردگار کی قسم کہ یہ بالکل برحق ہے ایسا ہی جیسے کہ تم باتیں کرتے ہو۔

قیام اللیل اور سحری کی فضیلت: پرہیز گار رب ترس لوگوں کا انجام بیان ہو رہا ہے کہ یہ قیامت کے دن جنتوں میں اور نہروں میں ہوں گے بخلاف ان بدکرداروں کے جو عذاب وسزا میں طوق وزنجیر میں سختی اور مار پیٹ میں ہوں گے جو فرائض اللہ تعالیٰ کے ان کے پاس آئے تھے یہ ان کے عامل تھے اور ان سے پہلے بھی وہ اخلاص کے کام کرنے والے تھے لیکن اس تفسیر میں ذرا تامل ہے' دو وجہ سے اول تو یہ کہ یہ تفسیر حضرت ابن عباسؓ کی کہی جاتی ہے لیکن سند صحیح سے ان تک نہیں پہنچتی بلکہ اس کی یہ سند بالکل ضعیف ہے' دوسرے یہ کہ ﴿اٰخِذِیْنَ﴾ کا لفظ حال ہے اگلے جملے سے' تو یہ مطلب ہوا کہ متقی لوگ جنت میں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتیں حاصل کر رہے ہوں گے۔ اس سے پہلے وہ بھلائی کے کام کرنے والے تھے یعنی دنیا میں جیسے اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے ان آیتوں میں فرمایا ﴿كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا هَنِیْٓـًٔۢا بِمَاۤ اَسْلَفْتُمْ فِی الْاَیَّامِ الْخَالِیَةِ﴾ یعنی دار دنیا میں تم نے جو نیکیاں کی تھیں ان کے بدلے اب تم یہاں شوق سے سہتا پچتا کھاتے پیتے رہو۔ پھر اللہ تعالیٰ ان کے عمل کے اخلاص یعنی ان کے احسان کی تفصیل بیان فرما رہا ہے کہ یہ رات کو بہت کم سویا کرتے تھے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں یہاں ﴿نافیه﴾ ہے تو بقول حضرت ابن عباسؓ وغیرہ یہ مطلب ہوگا کہ ان پر کوئی ایسی رات نہ گزرتی تھی جس کا کچھ حصہ یاد الٰہی میں نہ گذارتے ہوں۔ خواہ اول میں کچھ نوافل پڑھ لیں خواہ درمیان میں یعنی کچھ نہ کچھ کسی نہ کسی وقت نماز عموماً ہر رات پڑھ ہی لیا کرتے تھے' ساری رات سوتے سوتے نہیں گزارتے تھے۔ حضرت ابو العالیہؒ وغیرہ فرماتے ہیں یہ لوگ مغرب عشاء کے درمیان کچھ نوافل پڑھ لیا کرتے تھے۔ امام ابو جعفر باقرؒ فرماتے ہیں مراد یہ ہے کہ عشاء کی نماز پڑھنے سے پہلے نہیں سوتے تھے۔ بعض مفسرین کا قول ہے کہ ﴿ما﴾ یہاں پر موصولہ ہے۔ یعنی ان کی نیند رات کی کم تھی کچھ سوتے تھے کچھ جاگتے تھے اور اگر دل لگ گیا تو صبح ہو جاتی تھی اور پھر پچھلی رات کو جناب باری میں گڑگڑا کر توبہ استغفار کرتے تھے۔ حضرت احنف بن قیسؒ اس آیت کا یہ مطلب بیان کر کے پھر فرماتے تھے افسوس مجھ میں یہ بات نہیں۔ آپ کے شاگرد خواجہ حسن بصریؒ کا قول ہے کہ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے جنتیوں کے جو اعمال اور جو صفات بیان ہوئے ہیں' جب کبھی اپنے اعمال وصفات کو ان کے مقابلے میں رکھتا ہوں تو بہت کچھ فاصلہ پاتا ہوں لیکن الحمد للہ دوزخیوں کے عمل کے بالمقابل جب میں اپنے عمل کو لاتا ہوں تو میں دیکھتا ہوں کہ وہ لوگ تو بالکل ہی خیر سے خالی تھے' وہ کتاب اللہ کے منکر' وہ رسول اللہ کے منکر' وہ موت کے بعد زندگی کے منکر' پس ہماری حالت وہی ہے جو رب تعالیٰ نے اس قسم کے لوگوں کی جتلائی ہے ﴿خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّ اٰخَرَ سَیِّئًا﴾ یعنی نیکیاں بدیاں ملی جلی۔ حضرت زید بن اسلمؒ سے قبیلہ بنو تمیم کے ایک شخص نے کہا اے ابو سلمہ یہ صفت تو ہم میں نہیں پائی جاتی کہ ہم رات کو بہت کم سوتے ہوں ہم تو بہت کم وقت عبادت الٰہی میں گزارتے ہیں تو آپ نے فرمایا وہ شخص بھی بہت خوش نصیب ہے جو نیند آئے تو سو جائے اور جاگے تو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے۔ حضرت عبداللہؓ بن سلام فرماتے ہیں جب شروع شروع رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو لوگ آپ کی زیارت کے لئے ٹوٹ پڑے میں اس مجمع میں تھا واللہ آپ کے مبارک چہرے پر نگاہ پڑتے ہی اتنا تو میں نے یقین کر لیا کہ یہ نورانی چہرہ کسی جھوٹے انسان کا نہیں ہو سکتا۔ سب سے پہلی بات جو رسول کریم ﷺ کی میرے کان میں پڑی یہ تھی کہ آپ نے فرمایا اے لوگو کھانا کھلاتے رہو اور صلہ رحمی کرتے رہو اور سلام کیا کرو اور راتوں کو جب لوگ سوئے ہوئے ہوں تم نماز ادا کرو' تو تم سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ مسند احمد میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جنت میں ایسے بالاخانے ہیں جن کے اندر کا حصہ باہر سے اور باہر کا حصہ اندر سے نظر آتا ہے یہ سنکر حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے فرمایا یا رسول اللہ ﷺ یہ کن کے لئے ہیں؟ فرمایا ان کے لئے جو نرم کلام کریں اور دوسروں کو کھلاتے پلاتے رہیں اور جب لوگ سوئے ہوئے ہوں یہ نمازیں پڑھتے رہیں۔ حضرت زہریؒ اور حضرت حسنؒ فرماتے ہیں اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ رات کا اکثر حصہ تہجد

گزاری میں نکالتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ رات کا بہت کم حصہ وہ سوتے ہیں۔ حضرت ضحاک ﴿كَانُوْا قَلِيْلًا﴾ کو اس سے پہلے کے جملے کے ساتھ ملاتے ہیں اور ﴿مِّنَ الَّيْلِ﴾ سے ابتدا بتلاتے ہیں لیکن اس قول میں بہت دوری اور تکلف ہے۔

پھر اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے سحر کے وقت وہ استغفار کرتے ہیں۔ مجاہد وغیرہ فرماتے ہیں یعنی نماز پڑھتے ہیں اور مفسرین فرماتے ہیں راتوں کو قیام کرتے ہیں اور صبح ہونے کے وقت اپنے گناہوں کی معافی طلب کرتے ہیں جیسے اور جگہ فرمان باری ہے ﴿وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ﴾ یعنی سحر کے وقت یہ لوگ استغفار کرنے لگ جاتے ہیں۔ اگر یہ استغفار نماز ہی میں ہو تو بھی بہت اچھا ہے۔ صحاح ستہ وغیرہ میں صحابہ کی ایک جماعت کی کئی روایتوں سے ثابت ہے کہ رسول مقبول ﷺ نے فرمایا جب آخری تہائی رات باقی رہ جاتی ہے اس وقت اللہ تبارک وتعالیٰ ہر رات کو آسمان دنیا کی طرف اترتا ہے اور فرماتا ہے کوئی گنہگار ہے جو توبہ کرے اور میں اس کی توبہ قبول کروں کوئی استغفار کرنے والا ہے؟ جو استغفار کرے اور میں اسے بخشوں کوئی مانگنے والا ہے؟ جو مانگے اور میں اسے دوں۔ فجر کے طلوع ہونے تک یہی فرماتا ہے۔ اکثر مفسرین نے فرمایا ہے کہ نبی اللہ حضرت یعقوب نے اپنے لڑکوں سے جو فرمایا تھا کہ ﴿سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ﴾ میں اب عنقریب تمہارے لئے استغفار کرونگا تو انہوں نے استغفار کو وقت سحر تک کیلئے ملتوی کیا تھا۔

پھر ان کا یہ وصف بیان کیا جاتا ہے کہ جہاں یہ نمازی ہیں اور حق اللہ ادا کرتے ہیں وہاں لوگوں کے حق بھی نہیں بھولتے' زکوتیں دیتے ہیں' سلوک' احسان اور صلہ رحمی کرتے ہیں۔ ان کے مال میں ایک مقررہ حصہ مانگنے والوں اور ان حقداروں کا ہے جو سوال سے بچتے ہیں۔ ابوداؤد وغیرہ میں ہے رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں سائل کا حق ہے گو وہ گھوڑے سوار ہو ﴿مَحْرُوْمٌ﴾ وہ ہے جس کا کوئی حصہ بیت المال میں نہ ہو خود اس کے پاس کوئی کام کاج نہ ہو صنعت و حرفت یاد نہ ہو۔ جس سے روزی کما سکے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں اس سے مراد وہ لوگ ہیں کہ کچھ سلسلہ کمانے کا کر رکھا ہے لیکن اتنا نہیں پاتے کہ انہیں کافی ہو جائے۔ حضرت ضحاکؒ فرماتے ہیں وہ شخص جو مالدار تھا لیکن مال اس کا تباہ ہو گیا۔ چنانچہ یمامہ میں جب پانی کی طغیانی آئی اور ایک شخص کا تمام مال اسباب بہا لے گئی تو ایک صحابی نے فرمایا یہ محروم ہے۔ اور بزرگ مفسرین فرماتے ہیں محروم سے مراد وہ شخص ہے جو باوجود حاجت کے کسی سے سوال نہیں کرتا۔ ایک حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں مسکین وہ نہیں جو چکر لگاتے رہتے ہیں اور جنھیں ایک دو لقمے یا ایک دو کھجوریں تم دے دیا کرتے ہو بلکہ حقیقتاً وہ لوگ مسکین ہیں جو اتنا نہیں پاتے کہ انہیں حاجت نہ رہے نہ اپنا حال و قال ایسا رکھتے ہیں کہ کسی پر ان کی حاجت و افلاس ظاہر ہو اور کوئی انہیں صدقہ دے (بخاری و مسلم)۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ مکہ مکرمہ جا رہے تھے کہ راستے میں ایک کتا پاس آکر کھڑا ہو گیا آپ نے ذبح کردہ بکری کا ایک شانہ کاٹ کر اس کی طرف ڈال دیا اور فرمایا لوگ کہتے ہیں یہ بھی محروم میں سے ہے۔ حضرت شعبیؒ فرماتے ہیں میں تو عاجز آ گیا لیکن محروم کے معنی معلوم نہ کر سکا۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں محروم وہ ہے جس کے پاس مال نہ رہا ہو خواہ وجہ کچھ بھی ہو۔ یعنی حاصل ہی نہ کر سکا ہو' کمانے کجانے کا سلیقہ ہی نہ ہو یا کام ہی نہ چلتا ہو یا کسی آفت کے باعث جمع شدہ مال ضائع ہو گیا ہو۔ ایک مرتبہ اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے ایک چھوٹا سا لشکر کافروں کی سرکوبی کے لئے روانہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے انہیں غلبہ دیا اور مال غنیمت بھی ملا پھر کچھ لوگ آپ کے پاس وہ بھی آ گئے جو مال غنیمت حاصل ہونے کے وقت موجود نہ تھے۔ پس یہ آیت اتری۔ اس کا اقتضا تو یہ ہے کہ یہ آیت مدنی ہو لیکن دراصل ایسا نہیں بلکہ یہ آیت مکی ہے۔

پھر فرماتے ہیں یقین رکھنے والوں کے لئے زمین میں بھی بہت سے نشانات قدرت موجود ہیں جو خالق کی عظمت و عزت' ہیبت و جلالت پر دلالت کرتے ہیں' دیکھو کہ کس طرح اس میں حیوانات اور نباتات کو پھیلا دیا ہے اور کس طرح پہاڑوں اور میدانوں سمندروں اور دریاؤں کو رواں کیا ہے۔ پھر انسان پر نظر ڈالو ان کی زبانوں کے اختلاف کو' ان کے رنگ روپ کے اختلاف کو' ان کے ارادوں اور

قوتوں کے اختلاف کو ان کی عقل و فہم کے اختلاف کو ان کی حرکات و سکنات کو ان کی نیکی بدی کو دیکھو ان کی بناوٹ پر غور کرو کہ ہر عضو کیسی مناسب جگہ ہے اسی لئے اس کے بعد ہی فرمایا خود تمہارے وجود میں ہی اس کی بہت سی نشانیاں ہیں کیا تم دیکھتے نہیں ہو؟ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں جو شخص اپنی پیدائش میں غور کرلے گا اپنے جوڑوں کی ترکیب پر نظر ڈالے گا وہ یقین کرے گا کہ بے شک اسے اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا کیا ہے اور اپنی عبادت کے لئے ہی بنایا ہے۔ پھر فرماتا ہے آسمان میں تمہاری روزی ہے یعنی بارش اور وہ بھی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے یعنی جنت۔

حضرت واصل احدبؒ نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا میرا رزق تو آسمانوں میں ہے اور میں اسے زمین میں تلاش کر رہا ہوں؟ یہ کہہ کر بستی چھوڑ اجاڑ جنگل میں چلے گئے۔ تین دن تک تو انہیں کچھ بھی نہ ملا لیکن تیسرے دن دیکھتے ہیں کہ تر کھجوروں کا ایک خوشہ ان کے پاس رکھا ہوا ہے۔ ان کے بھائی جوان سے بھی زیادہ مخلص اور نیک نیت تھے یہ بھی ان کے ساتھ ہی تھے دونوں بھائی آخری دم تک اسی طرح جنگلوں میں ہی رہے۔ پھر اللہ کریم خود اپنی قسم کھا کر فرماتا ہے کہ میرے جو وعدے ہیں مثلاً قیامت کا دوبارہ جلانے کا جزا سزا کا یہ یقیناً سراسر سچے اور قطعاً بے شبہ ہو کر رہنے والے ہیں جیسے تمہیں تمہاری زبان سے نکلے ہوئے الفاظ میں شک نہیں ہوتا اسی طرح تمہیں ان میں بھی کوئی شک ہرگز ہرگز نہ کرنا چاہئے۔ حضرت معاذؓ جب کوئی بات کہتے تو فرماتے اللہ تعالیٰ انہیں برباد کرے جو اللہ تعالیٰ کی قسم کو بھی نہ مانیں۔ یہ حدیث مرسل ہے یعنی تابعیؒ آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں صحابی کا نام نہیں لیتے۔

هَلْ أَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ إِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ ﴿٢٤﴾ إِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا قَالَ سَلٰمٌ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿٢٥﴾ فَرَاغَ إِلٰى أَهْلِهِ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ ﴿٢٦﴾ فَقَرَّبَهُ إِلَيْهِمْ قَالَ أَلَا تَأْكُلُوْنَ ﴿٢٧﴾ فَأَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً قَالُوْا لَا تَخَفْ وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴿٢٨﴾ فَأَقْبَلَتِ امْرَأَتُهُ فِيْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ ﴿٢٩﴾ قَالُوْا كَذٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ إِنَّهُ هُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ﴿٣٠﴾

وقف لازم

کیا تجھے ابراہیم کے معزز مہمانوں کی خبر بھی پہنچی ہے؟ وہ جب ان کے ہاں آئے اور سلام کیا اور ابراہیم نے جواب سلام دیا اور کہا یہ تو اجنبی لوگ ہیں پھر چپ چاپ جلدی جلدی اپنے گھر والوں کی طرف گئے اور ایک فربہ بچھڑے کا گوشت لائے اور اسے ان کے پاس رکھا اور کہا آپ کھاتے کیوں نہیں؟ پھر تو دل ہی دل میں ان سے خوفزدہ ہو گئے۔ انھوں نے کہا آپ خوف نہ کیجئے۔ اور انھوں نے (حضرت) ابراہیم کو ایک دانا عالم لڑکے کے ہونے کی بشارت دی۔ پس ان کی بیوی نے حیرت میں آکر اپنے منہ پر ہاتھ مار کر کہا کہ میں تو بڑھیا ہوں اور ساتھ ہی بانجھ۔ انھوں نے کہا ہاں تیرے پروردگار نے اسی طرح فرمادیا ہے۔ کچھ شک نہیں کہ وہ بہت بڑی حکمت والا اور کامل علم والا ہے۔

واقعہ ابراہیم کے معزز مہمانوں کا: یہ واقعہ سورۂ ہود اور سورۂ حجر میں بھی گزر چکا ہے۔ یہ مہمان فرشتے تھے جو بہ شکل انسان آئے تھے۔ جنھیں اللہ تعالیٰ نے عزت و شرافت دے رکھی ہے۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ اور دیگر علمائے کرام کی ایک جماعت کہتی ہے کہ مہمان کی ضیافت کرنا واجب ہے۔ حدیث میں بھی یہ آیا ہے اور قرآن کے ظاہری الفاظ بھی یہی ہیں۔ انہوں نے سلام کیا جس کا جواب خلیل اللہ نے بڑھا کر دیا۔ اس کا ثبوت دوسرے سلام پر دو پیش کا ہونا ہے اور یہی فرمان باری تعالیٰ ہے فرماتا ہے ﴿وَإِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ

﴿فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَا اَوْ رُدُّوْهَا﴾ یعنی جب کوئی تمہیں سلام کرے تو تم اس سے بہتر جواب دو یا کم از کم اتنا ہی۔ پس خلیل اللہ نے افضل صورت کو اختیار کیا۔ حضرت ابراہیمؑ چونکہ اس سے ناواقف تھے کہ دراصل فرشتے ہیں اس لئے کہا کہ یہ لوگ تو ناشناسا ہیں۔ یہ فرشتے حضرت جبرئیل' حضرت میکائیل' اور حضرت اسرافیل علیہم السلام تھے' جو خوبصورت نوجوان انسانوں کی شکل میں آئے تھے' ان کے چہروں پر ہیبت اور جلال تھا' حضرت ابراہیم علیہ السلام اب ان کے لئے کھانے کی تیاری میں مصروف ہو گئے اور چپ چاپ بہت جلد اپنے گھر والوں کی طرف گئے اور ذرا سی دیر میں تیار بچھڑے کا گوشت بھنا بھنایا ہوا لے آئے اور ان کے سامنے ان کے قریب رکھ دیا اور فرمایا آپ کھاتے کیوں نہیں؟ اس سے ضیافت کے آداب معلوم ہوئے مہمان سے پوچھے بغیر ہی ان پر شروع سے احسان رکھنے کے' پہلے ہی آپ چپ چاپ انہیں خبر کئے بغیر ہی چلے گئے اور بہ عجلت بہتر سے بہتر جو چیز پائی اسے تیار کر کے لے آئے۔ تیار فربہ کم عمر بچھڑے کا بھنا ہوا گوشت لے آئے اور کہیں اور رکھ کر مہمانوں کی کھینچ تان نہ کی بلکہ ان کے سامنے ان کے پاس لا رکھا۔ پھر انہیں یوں نہیں کہتے کہ کھاؤ کیونکہ اس میں بھی ایک حکم پایا جاتا ہے بلکہ نہایت تواضع اور پیار سے فرماتے ہیں آپ تناول فرمانا کیوں شروع نہیں کرتے؟ جیسے کوئی شخص کسی سے کہے کہ اگر آپ فضل و کرم احسان و سلوک کرنا چاہیں تو کیجئے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ خلیل اللہ اپنے دل میں ان سے خوف زدہ ہو گئے جیسے کہ اور آیت میں ہے ﴿فَلَمَّا رَاٰ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَ اَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً﴾ الخ یعنی آپ نے جب دیکھا کہ ان کے ہاتھ کھانے کی طرف بڑھتے نہیں تو دہشت زدہ ہو گئے اور دل میں خوف کھانے لگے اس پر مہمانوں نے کہا ڈرو مت ہم اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں جو قوم لوط کی ہلاکت کے لئے آئے ہیں۔ آپ کی بیوی صاحبہ جو کھڑی ہوئی سن رہی تھیں وہ یہ سنکر ہنس دیں تو فرشتوں نے انہیں خوشخبری سنائی کہ تمہارے ہاں حضرت اسحاقؑ پیدا ہوں گے اور ان کے ہاں حضرت یعقوبؑ۔ اس پر بیوی صاحبہ کو تعجب ہوا اور کہا ہائے افسوس اب میرے ہاں بچہ کیسے ہو گا؟ میں تو بڑھیا پھوس ہو گئی ہوں اور میرے یہ شوہر بھی بالکل بوڑھے ہو گئے ہیں' یہ سخت تر تعجب کی چیز ہے۔ فرشتوں نے کہا کیا تم اللہ کے کاموں سے تعجب کرتی ہو؟ خصوصاً تم جیسی ایسے پاک گھرانے کی عورت! تم پر اللہ کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں' جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ تعریفوں کے لائق اور بڑی بزرگی اور اعلیٰ شان والا ہے۔ یہاں یہ فرمایا گیا ہے کہ بشارت حضرت ابراہیمؑ کو دی اور اس سے پہلے کی آیت میں ہے کہ بشارت آپ کی بیوی صاحبہ کو دی۔ تو مطلب یہ ہے کہ دونوں کو بشارت دی گئی کیونکہ بچے کا ہونا دونوں کی خوشی کا موجب ہے۔ پھر فرماتا ہے یہ بشارت سنکر آپ کی اہلیہ صاحبہ کے منہ سے زور کی آواز نکل گئی اور اپنے تئیں دو ہتڑ مار کر ایسی عجیب و غریب خبر کو سنکر حیرت کے ساتھ کہنے لگیں کہ جوانی میں تو میں بانجھ رہی اب میاں بیوی دونوں پورے بوڑھے ہو گئے تو مجھے حمل ٹھہرے گا؟ اس کے جواب میں فرشتوں نے کہا کہ یہ خوش خبری کچھ ہم اپنی طرف سے نہیں دے رہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں فرمایا ہے کہ ہم تمہیں یہ خبر پہنچا دیں' وہ حکمت والا اور علم والا ہے۔ تم جس عزت و کرامت کے مستحق ہو وہ خوب جانتا ہے اور اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ نہ اس کا کوئی فرمان حکمت سے خالی ہے۔

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ تفسیر ابن کثیر کا چھبیسواں پارہ حم ختم ہوا۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۲﴾ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ ﴿۳۳﴾ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۴﴾ فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۵﴾ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۳۶﴾ وَتَرَكْنَا فِيْهَآ اٰيَةً لِّلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۳۷﴾

اس حضرت ابراہیم نے کہا اے اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتو تمہارا کیا مقصد ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم گنہگار لوگوں کی طرف بھیجے گئے ہیں تاکہ ہم ان پر کنکریاں برسائیں۔ جو تیرے رب کی طرف سے ان حد سے گزر جانے والوں کے لیے نامزد ہو چکے ہیں۔ پس جتنے ایمان دار وہاں تھے ہم نے انہیں نکال دیا۔ اور ہم نے وہاں مسلمانوں کا صرف ایک ہی گھر پایا۔ اور وہاں ہم نے ان کے لیے جو دردناک عذاب کا ڈر رکھتے ہیں ایک کامل علامت چھوڑی۔

حضرت ابراہیم کا فرشتوں سے سوال: پہلے بیان ہو چکا ہے کہ جب ان نووارد مہمانوں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تعارف ہوا اور دہشت جاتی رہی' بلکہ ان کی زبانی ایک بہت بڑی خوش خبری بھی سن چکے اور اپنی بردباری رب ترسی اور دردمندی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی جناب میں قوم لوط کی سفارش بھی کر چکے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں کے حتمی وعدے کا اعلان بھی سن چکے' ان کے بعد جو ہوا' اس کا بیان یہاں ہو رہا ہے کہ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے ان فرشتوں سے دریافت فرمایا کہ آپ لوگ کس مقصد سے آئے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ قوم لوط کے گنہگاروں کو تاخت و تاراج کرنے کے لیے ہمیں بھیجا گیا ہے ہم ان پر سنگ باری اور پتھراؤ کریں گے۔ ان پتھروں کو ان پر برسائیں گے جن پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے پہلے ہی ان کے نام لکھے جا چکے ہیں' اور ہر ہر گنہگار کے لیے الگ الگ پتھر مقرر کر دیے گئے ہیں۔ سورہ عنکبوت میں گزر چکا ہے کہ یہ سن کر حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے فرمایا کہ وہاں تو حضرت لوط علیہ السلام ہیں پھر وہ بستی کیسے غارت کر دی جائے گی؟ فرشتوں نے کہا اس کا علم ہمیں بھی ہے' ہمیں حکم مل چکا ہے کہ ہم انہیں اور ان کے ساتھ کے اور ان کے گھرانے کے تمام ایمان داروں کو بچالیں' ہاں ان کی بیوی نہیں بچ سکتی وہ بھی مجرموں کے ساتھ اپنے جرم کے بدلے ہلاک کر دی جائے گی۔

اسی طرح یہاں بھی ارشاد ہے کہ اس بستی میں جتنے بھی مومن تھے سب کو بچالیا گیا' اس سے بھی مراد حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے گھرانے کے لوگ ہیں سوائے ان کی بیوی کے جو ایمان نہیں لائی تھی۔ چنانچہ فرمادیا گیا کہ وہاں سوائے ایک گھر کے اور گھر مسلمان تھا ہی نہیں۔ یہ دونوں آیتیں دلیل ہیں ان لوگوں کی جو کہتے ہیں کہ ایمان و اسلام کا مسمّی ایک ہی ہے۔ اس لیے کہ یہاں انہی لوگوں کو مومن کہا گیا ہے اور پھر انہی کو مسلمان بھی کہا گیا ہے۔ معتزلہ کا مذہب بھی یہی ہے کہ ایک ہی چیز ہے جسے ایمان بھی کہا جاتا ہے اور اسلام بھی۔ لیکن یہ استدلال ضعیف ہے' اس لیے کہ یہ لوگ مومن تھے اور یہ تو ہم بھی مانتے ہیں کہ ہر مومن مسلمان ہوتا ہے لیکن ہر مسلمان مومن نہیں ہوتا۔ پس حال کی خصوصیت کی وجہ سے انہیں مومن مسلم کہا گیا ہے اس سے عام طور پر یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ہر مسلم مومن ہے۔ حضرت امام بخاریؒ اور دیگر محدثین کا مذہب ہے کہ جب اسلام حقیقی اور سچا اسلام ہو تو وہی اسلام ایمان ہے۔ اور اس صورت میں ایمان اسلام ایک ہی چیز ہے ہاں جب اسلام حقیقی طور پر نہ ہو تو بے شک اسلام ایمان میں فرق ہے۔

صحیح بخاری کتاب الایمان ملاحظہ ہو۔ مترجم پھر فرماتا ہے کہ ان کی شاد و آباد بستیوں کو عذاب سے برباد کر کے انہیں سڑے ہوئے بدبودار کھنڈر بنا دینے میں مومنوں کے لیے عبرت کے پورے سامان ہیں' جو عذاب الٰہی کا ڈر رکھتے ہیں وہ اس نمونہ کو دیکھ کر اور اس زبردست نشان کو ملاحظہ کر کے پوری عبرت حاصل کر سکتے ہیں۔

وَفِيْ مُوْسٰۤى اِذْ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى فِرْعَوْنَ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾ فَتَوَلّٰى بِرُكْنِهٖ وَقَالَ سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿۳۹﴾ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِى الْيَمِّ وَهُوَ مُلِيْمٌ ﴿۴۰﴾ وَفِيْ عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ ﴿۴۱﴾ مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ اَتَتْ عَلَيْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيْمِ ﴿۴۲﴾ وَفِيْ ثَمُوْدَ اِذْ قِيْلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوْا حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۴۳﴾ فَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مِنْ قِيَامٍ وَّمَا كَانُوْا مُنْتَصِرِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۴۶﴾

موسیٰ کے قصے میں بھی ہماری طرف سے تنبیہ ہے جب کہ ہم نے اسے فرعون کی طرف کھلی سند دے کر بھیجا۔ پس اس نے اپنے بل بوتے پر منہ موڑا اور کہنے لگا یہ جادوگر ہے یا دیوانہ ہے بالآخر ہم نے اسے اور اسکے لشکروں کو اپنے عذاب میں پکڑ کر دریا میں ڈال دیا وہ تھا ہی ملامت کے قابل۔ اسی طرح عادیوں میں بھی جب کہ ہم نے ان پر خیر و برکت سے خالی آندھی بھیجی۔ وہ جس جس چیز پر گزرتی تھی اسے بوسیدہ ہڈی کی طرح چورا چورا کر دیتی تھی۔ اور ثمود کے قصے میں بھی عبرت ہے جب ان سے کہا گیا کہ تم کچھ دنوں فائدہ اٹھالو۔ لیکن انہوں نے اپنے رب کے حکم سے سرتابی کی جس پر انہیں ان کے دیکھتے تیز و تند کڑاکے نے ہلاک کر دیا۔ پس نہ تو وہ کھڑے ہو سکے اور نہ بدلہ لے سکے۔ اور نوح کی قوم کا بھی اس سے پہلے یہی حال ہو چکا تھا وہ بھی بڑے نافرمان لوگ تھے۔

قوم فرعون کا انجام: ارشاد ہوتا ہے کہ جس طرح قوم لوط کے انجام کو دیکھ کر لوگ عبرت حاصل کر سکتے ہیں' اسی قسم کا فرعونیوں کا واقعہ ہے۔ ہم نے ان کی طرف اپنے کلیم پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو روشن دلیلیں اور واضح برہان دے کر بھیجا' لیکن ان کے سردار فرعون نے جو تکبر کا مجسمہ تھا حق کے ماننے سے عناد کیا اور ہمارے فرمان کو بے پرواہی سے ٹال دیا' اس اللہ تعالیٰ کے دشمن نے اپنی طاقت و قوت کے گھمنڈ پر اپنے راج لشکر کے بل بوتے پر رب کے فرمان کی عزت نہ کی' اور اپنے والوں کو اپنے ساتھ ملا کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایذارسانی پر اتر آیا اور کہنے لگا کہ موسیٰ یا تو جادوگر ہے یا دیوانہ ہے۔ پس اس ملامتی کافر فاجر معاند متکبر شخص کو ہم نے اس کے لاؤ لشکر سمیت دریا برد کر دیا۔

قوم عاد کا انجام: اسی طرح عادیوں کے سراسر عبرتناک واقعات بھی تمہارے گوش گزار ہو چکے ہیں جن کی سیہ کاریوں کے وبال میں ان پر بے برکت ہوائیں بھیجی گئیں' جن ہواؤں نے سب کے حلیے بگاڑ دیے۔ ایک لپٹ جس چیز کو لگ گئی وہ گلی سڑی ہڈی کی طرح ہو گئی۔ ابن ابی حاتم کی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ہوا دوسری زمین میں مسخر ہے جب اللہ تعالیٰ نے عادیوں کو ہلاک کرنا چاہا تو ہوا کے داروغہ کو حکم دیا کہ ان کی تباہی کے لیے ہوائیں چلا دو۔ فرشتے نے کہا کیا ہواؤں کے خزانے میں اتنا وزن کر دوں جتنا بیل کا نتھنا ہوتا ہے؟ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا نہیں۔ اگر اتنا وزن کر دیا تو زمین کو اور اس کی کل کائنات کو الٹ دے گی' بلکہ اتنا وزن کرو جتنا انگوٹھی کا حلقہ ہوتا ہے۔ یہ تھیں وہ ہوائیں کہ جہاں جہاں سے گزر گئیں تمام چیزوں کو تہ و بالا کرتی گئیں۔ اس حدیث کا فرمان رسول ہونا تو منکر ہے۔ سمجھ سے زیادہ قریب بات یہی ہے کہ یہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ کا قول ہے۔ یرموک کی لڑائی میں انہیں دو بورے اہل کتاب کی کتابوں کے ملے تھے' ممکن ہے انہی میں سے یہ بات آپ نے بیان فرمائی ہو' واللہ اعلم۔ یہ ہوائیں جنوبی تھیں۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں میری مدد پُروا ہواؤں سے کی گئی

ہے اور عادی پچھوا ہواؤں سے ہلاک ہوئے ہیں۔

قوم ثمود کا انجام: ٹھیک اسی طرح ثمودیوں کے حالات پر اور ان کے انجام پر غور کرو کہ ان سے کہہ دیا گیا کہ ایک وقت مقررہ تک تو تم فائدہ اٹھاؤ' جیسے اور جگہ فرمایا ہے ثمودیوں کو ہم نے ہدایت دی لیکن انہوں نے ہدایت پر اندھاپے کے کو پسند کیا' جس کے باعث ذلت کے عذاب کی ہولناک چیخ نے ان کے پتے پانی کر دیے اور کلیجے پھاڑ دیے' یہ صرف ان کی سرکشی سرتابی نافرمانی اور سیاہ کاری کا بدلہ تھا' ان پر ان کے دیکھتے ہوئے عذاب الٰہی آ گیا۔ تین دن تک تو یہ انتظار میں رہے عذابوں کے آثار دیکھتے رہے آخر چوتھے دن صبح ہی صبح رب کا عذاب دفعتۃ آ پڑا حواس باختہ ہو گئے۔ کوئی تدبیر نہ بن پڑی۔ اتنی بھی مہلت نہ ملی کہ کھڑے ہو کر بھاگنے کی کوشش تو کرتے یا کسی اور طرح اپنے بچاؤ کی کچھ تو فکر کر سکتے۔ اسی طرح ان سے پہلے قوم نوح بھی ہمارے عذاب چکھ چکی ہے۔ اپنی بدکاری اور کھلی نافرمانی کا خمیازہ وہ بھی بھگت چکی ہے۔ یہ تمام مفصل واقعات فرعونیوں کے عادیوں کے ثمودیوں کے اور قوم نوح کے اس سے پہلے کئی کئی سورتوں کی تفسیر میں کئی بار بیان ہو چکے ہیں' واللہ اعلم۔

وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۹﴾ فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۭ اِنِّىْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۵۰﴾ وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ ۭ اِنِّىْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۵۱﴾

آسمان کو ہم نے اپنی قدرت و قوت سے بنایا ہے اور یقیناً ہم کشادگی کرنے والے ہیں۔ اور زمین کو ہم نے فرش بنا دیا ہے۔ پس ہم بہت ہی اچھے بچھانے والے ہیں۔ اور ہر چیز کو ہم نے جوڑا جوڑا پیدا کیا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔ پس تم اللہ کی طرف بھاگ دوڑ (یعنی رجوع) کرو یقیناً میں تمہیں اسکی طرف سے صاف صاف تنبیہ کرنے والا ہوں۔ اور اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ ٹھہراؤ بے شک میں تمہیں اس کی طرف سے کھلا ڈرانے والا ہوں۔

اللہ کی قدرتیں: زمین و آسمان کی پیدائش کا ذکر فرما رہا ہے کہ ہم نے آسمان کو اپنی قوت سے پیدا کیا ہے' اسے محفوظ اور بلند چھت بنا دیا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ مجاہدؒ قتادہؒ ثوریؒ اور بھی بہت سے مفسرین نے یہی کہا ہے کہ ہم نے آسمانوں کو اپنی قوت سے بنایا ہے اور ہم کشادگی والے ہیں۔ اس کے کنارے ہم نے کشادہ کیے ہیں اور بے ستون اسے کھڑا کر دیا ہے اور قائم رکھا ہے۔ زمین کو ہم نے اپنی مخلوقات کے لیے بچھونا بنا دیا ہے اور بہت ہی اچھا بچھونا ہے' تمام مخلوق کو ہم نے جوڑ جوڑ پیدا کیا ہے جیسے آسمان زمین' دن رات' سورج چاند' خشکی تری' اجالا اندھیرا' ایمان کفر' موت حیات' بدی نیکی' جنت دوزخ' یہاں تک کہ حیوانات اور نباتات کے بھی جوڑے ہیں۔ یہ اس لیے کہ تمہیں نصیحت حاصل ہو۔ تم جان لو کہ ان کا سب کا خالق اللہ ہی ہے اور وہ بے شریک ہے' اور یکتا ہے۔ پس تم اس کی طرف دوڑو' اپنی توجہ کا مرکز صرف اسی کو بناؤ اپنے تمام کاموں میں اسی کی ذات پر اعتماد کرو' میں تو تم سب کو صاف صاف آگاہ کر دینے والا ہوں۔ خبردار اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا۔ میرے کھلم کھلا خوف دلانے کا لحاظ رکھنا۔

كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿۵۲﴾ اَتَوَاصَوْا بِهٖ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَآ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ ﴿۵۴﴾ وَّذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۵﴾ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِيْدُ

اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ﴿57﴾ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ﴿58﴾ فَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذَنُوْبًا مِّثْلَ ذَنُوْبِ اَصْحٰبِهِمْ فَلَا يَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿59﴾ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ يَّوْمِهِمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿60﴾

اسی طرح جو لوگ ان سے پہلے گزرے ہیں ان کے پاس بھی جو رسول آیا انہوں نے کہدیا کہ یا تو یہ جادوگر ہے یا دیوانہ ہے۔ کیا یہ اس بات کی ایک دوسرے کو وصیت کرتے گئے ہیں۔ نہیں بلکہ یہ سب کے سب سرکش ہیں۔ تو ان سے منہ پھیر لے تجھ پر کچھ الزام نہیں۔ ہاں تو نصیحت کرتا رہ یقیناً یہ نصیحت ایمان داروں کو نفع دے گی۔ میں نے جنات اور انسانوں کو محض اسی لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کرتے رہیں۔ نہ میں ان سے روزی چاہتا ہوں نہ میری یہ چاہت ہے کہ یہ مجھے کھلائیں۔ اللہ تعالیٰ تو خود ہی سب کا روزی رساں توانائی والا اور زور آور ہے۔ پس جن لوگوں نے ظلم کیا ہے انہیں بھی ان کے ساتھیوں کے حصہ کی مثل حصہ ملے گا لہذا وہ مجھ سے جلدی طلب نہ کریں۔ پس خرابی ہے منکروں کو ان کے اس دن جس کا وعدہ دیے جاتے ہیں۔

رسولوں کو جھٹلایا گیا: اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ یہ کفار جو آپ کو کہتے ہیں وہ کوئی نئی بات نہیں' ان سے پہلے کے کافروں نے بھی اپنے اپنے زمانہ کے رسولوں سے یہی کہا ہے۔ کافروں کا یہ قول سلسلہ بہ سلسلہ یونہی چلا آیا ہے جیسے آپس میں ایک دوسرے کو وصیت کر کے جاتے ہوں۔ سچ تو یہ ہے کہ سرکشی اور سرتابی میں یہ سب یکساں ہیں اس لیے جو بات پہلے والوں کے منہ سے نکلی وہی ان کی زبان سے نکلتی ہے کیونکہ سخت دلی میں سب ایک سے ہیں۔ پس آپ چشم پوشی کیجئے یہ مجنون کہیں' جادوگر کہیں' آپ صبر و سہار سے سن لیں' ہاں نصیحت کی تبلیغ نہ چھوڑیے۔ اللہ تعالیٰ کی باتیں پہنچاتے چلے جایئے جن دلوں میں ایمان کی قبولیت کا مادہ ہے وہ ایک نہ ایک روز راہ پر لگ جائیں گے۔

انسانوں اور جنوں کو عبادت کیلئے پیدا کیا گیا: پھر اللہ تعالیٰ جل جلالہ' کا فرمان ہے کہ میں نے انسانوں اور جنوں کو کسی اپنی ضرورت کے لیے نہیں پیدا کیا' بلکہ صرف اس لیے کہ میں انہیں نفع کے لیے اپنی عبادت کا حکم دوں وہ خوشی ناخوشی میرے معبود برحق ہونے کا اقرار کریں مجھے پہچانیں۔ حضرت سدیؒ فرماتے ہیں بعض عبادتیں نفع دیتی ہیں' اور بعض عبادتیں بالکل نفع نہیں پہنچاتیں جیسے قرآن میں ایک جگہ ہے کہ اگر تم ان کافروں سے پوچھو کہ آسمان و زمین کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو یہ جواب دیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے۔ گو یہ بھی عبادت ہے مگر مشرکوں کو کام نہ آئے گی۔ غرض عابد سب ہیں خواہ عبادت ان کے لیے نافع ہو یا نہ ہو۔ اور حضرت ضحاکؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد مسلمان انسان اور ایمان والے جنات ہیں۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ ﷺ نے یوں پڑھایا ہے ﴿ اِنِّيْ اَنَا الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ﴾ یہ حدیث ابوداؤد' ترمذی اور نسائی میں بھی ہے۔ امام ترمذیؒ اسے حسن صحیح بتلاتے ہیں۔ غرض اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو بندگی کے لیے پیدا کیا ہے۔ اب اس کی عبادت یکسوئی کے ساتھ جو بجالائے گا' کسی کو اس کا شریک نہ کرے گا اسے پوری پوری جزا عنایت فرمائے گا۔ اور جو اس کی نافرمانی کرے گا اور اس کے ساتھ کسی اور کو شریک کرے گا وہ بدترین سزائیں بھگتے گا۔ اللہ کسی کا محتاج نہیں بلکہ کل مخلوق ہر حال اور ہر وقت میں اس کی پوری محتاج ہے' بلکہ محض بے دست و پا اور سراسر فقیر ہے۔ خالق رازق اکیلا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ مسند احمد میں حدیث قدسی ہے کہ اے ابن آدم! میری عبادت کے لیے فارغ ہو جا' میں تیرا سینہ تونگری اور بے نیازی سے پر کر دوں گا اور تیری فقیری روک دونگا اور اگر تو نے ایسا نہ کیا تو میں تیرے سینے کو اشغال سے بھر دونگا اور تیری فقیری کو ہرگز بند نہ کروں گا۔ ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی یہ حدیث ہے۔ امام ترمذیؒ اسے حسن غریب کہتے ہیں۔

خالد کے دونوں لڑکے حضرت حبہؓ اور حضرت سواءؓ فرماتے ہیں ہم آں حضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت آپ ﷺ کسی کام میں مشغول تھے یا کوئی دیوار بنا رہے تھے یا کسی چیز کو درست کر رہے تھے ہم بھی اسی کام میں لگ گئے۔ جب کام ختم ہوا تو

آپ ﷺ نے ہمیں دعا دی اور فرمایا سر ہل جانے تک روزی سے مایوس نہ ہونا دیکھو انسان جب پیدا ہوتا ہے ایک سرخ بوٹی ہوتا ہے بدن پر ایک چھلکا بھی نہیں ہوتا پھر اللہ تعالیٰ اسے سب کچھ دیتا ہے' (مسند احمد)۔

بعض آسمانی کتابوں میں ہے اے ابن آدم میں نے تجھے اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے پس تو اس سے غفلت نہ کر' تیرے رزق کا میں ضامن ہوں تو اس میں بے جا تکلیف نہ کر' مجھے ڈھونڈ تا کہ مجھے پالے۔ جب تو نے مجھے پالیا تو یقین مان کہ تو نے سب کچھ پالیا۔ اور اگر میں تجھے نہ ملا تو سمجھ لے کہ تمام بھلائیاں تو کھو چکا۔ سن تمام چیزوں سے زیادہ محبت تیرے دل میں میری ہونی چاہیے۔ پھر فرماتا ہے یہ کافر میرے عذابوں کو جلدی کیوں مانگ رہے ہیں؟ وہ عذاب تو انہیں اپنے وقت پر پہنچ کر ہی رہیں گے جیسے ان سے پہلے کے کافروں کو پہنچے۔ قیامت کے دن جس دن کا ان سے وعدہ ہے انہیں بڑی خرابی ہوگی۔

﴿ اَلْحَمْدُلِلّٰه ﴾ سورہ ذاریات کی تفسیر ختم ہوئی۔

تفسیر سورۂ طور مکیہ

تعارف سورۃ: حضرت جبیر بن مطعمؓ فرماتے ہیں میں نے نبی ﷺ کو مغرب کی نماز میں سورۂ ﴿ وَالطُّوْرِ ﴾ پڑھتے ہوئے سنا ہے آپ ﷺ سے زیادہ خوش آواز اور آپ ﷺ سے زیادہ اچھی قرآت والا میں نے تو کسی کو نہیں سنا (موطا امام مالک)۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں زمانہ حج میں میں بیمار تھی حضور ﷺ سے میں نے اپنا حال کہا تو آپ ﷺ نے فرمایا تم سواری پر سوار ہو کر لوگوں کے پیچھے پیچھے طواف کر لو۔ چنانچہ میں نے سواری پر بیٹھ کر طواف کیا اس وقت آنحضرت ﷺ بیت اللہ کے ایک کونے میں نماز پڑھ رہے تھے اور ﴿وَالطُّوْرِ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ﴾ کی تلاوت فرما رہے تھے۔ (بخاری)

سُوْرَةُ الطُّوْرِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ تِسْعٌ وَّاَرْبَعُوْنَ اٰيَةً فِيْهَا رُكُوْعَانِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالطُّوْرِ ۝١ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ۝٢ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ۝٣ وَّالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ ۝٤ وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ ۝٥ وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ۝٦ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۝٧ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ۝٨ يَّوْمَ تَمُوْرُ السَّمَاۗءُ مَوْرًا ۝٩ وَّتَسِيْرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ۝١٠ فَوَيْلٌ يَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝١١ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ خَوْضٍ يَّلْعَبُوْنَ ۝١٢ يَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ۝١٣ هٰذِهِ النَّارُ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ۝١٤ اَفَسِحْرٌ هٰذَآ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ ۝١٥ اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْٓا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا ۚ سَوَاۗءٌ عَلَيْكُمْ ۭ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝١٦

وقف لازم

معبود برحق رحمت ور حم والے کے نام سے شروع

قسم ہے طور کی اور لکھی ہوئی کتاب کی جو کھلے ہوئے ورق میں ہے۔ اور آباد گھر کی۔ اور اونچی چھت کی۔ اور سلگتے دریا کی۔ کہ بے شک تیرے رب کا عذاب ہو کر رہنے والا ہے۔ اسے کوئی روک سکنے والا نہیں۔ جس دن آسمان تھر تھرانے لگے گا۔ اور پہاڑ چلنے پھرنے لگیں گے۔ آج جھٹلانے والوں کی پوری خرابی

ہے۔ جو اپنی بیہودہ گوئی میں اچھل کود کر رہے ہیں۔ جس دن وہ دھکے دے دے کر آتش جہنم کی طرف لائے جائیں گے۔ یہی وہ آتش دوزخ ہے جسے تم جھوٹ بتلاتے تھے۔ اب بتاؤ کیا یہ جادو ہے؟ یا تو دیکھتے ہی نہیں ہو؟ جاؤ دوزخ میں اب تمہارا صبر کرنا اور نہ کرنا تمہارے لیے یکساں ہے تمہیں فقط تمہارے کیے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔

اللہ کا عذاب برحق ہے: اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے ان چیزوں کی قسم کھا کر جو اس کی عظیم الشان قدرت کی نشانیاں ہیں فرماتا ہے کہ اس کا عذاب ہو کر رہے گا جب وہ آئے گا کسی کی مجال نہ ہوگی کہ اسے ہٹا سکے۔ طور اس پہاڑ کو کہتے ہیں جس پر درخت ہوں جیسے وہ پہاڑ جس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا تھا۔ اور جہاں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھیجا تھا۔ اور جو خشک پہاڑ ہو اسے جبل کہا جاتا ہے طور نہیں کہا جاتا ﴿ كِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ﴾ سے مراد یا تو لوح محفوظ ہے یا اللہ کی اتاری ہوئی لکھی ہوئی کتابیں ہیں جو انسانوں پر پڑھی جاتی ہیں' اس لیے ساتھ ہی فرمادیا کھلے ہوئے اوراق میں ﴿ بَيْتِ الْمَعْمُوْرِ ﴾ کی بابت معراج والی حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں ساتویں آسمان سے آگے بڑھنے کے بعد مجھے بیت المعمور دکھلایا گیا جس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے جاتے ہیں' دوسرے دن اتنے ہی اور لیکن جو آج گئے ان کی باری پھر قیامت تک نہیں آتی۔ جس طرح زمین پر کعبۃ اللہ کا طواف ہوتا ہے اسی طرح آسمانیوں کے طواف کی اور عبادت کی جگہ وہ ہے اسی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا کہ بیت المعمور سے کمر لگائے بیٹھے ہیں۔ اس میں ایک باریک نکتہ یہ ہے کہ چونکہ خلیل اللہ بانی بیت اللہ تھے جن کے ہاتھوں زمین میں کعبۃ اللہ بنا تھا تو انہیں وہاں بھی اس کعبے سے لگے ہوئے آپ ﷺ نے دیکھا' تو گویا اس عمل کی جزا اسی جیسی پروردگار نے اپنے خلیل کو دی۔ یہ بیت المعمور ٹھیک خانہ کعبہ کے اوپر ہے اور ہے ساتویں آسمان پر' یوں تو ہر آسمان میں ایک ایسا گھر ہے جہاں اس آسمان کے فرشتے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔ پہلے آسمان پر جو ایسی جگہ ہے اس کا نام بیت العزت ہے' واللہ اعلم۔

بیت المعمور کا ذکر: ابن ابی حاتم میں ایک حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آسمان میں ایک گھر ہے جسے معمور کہتے ہیں جو کعبہ کی سمت میں ہے۔ چوتھے آسمان میں ایک نہر ہے جس کا نام نہر حیوان ہے حضرت جبرئیل علیہ السلام ہر روز اس میں غوطہ لگاتے ہیں اور نکل کر بدن جھاڑتے ہیں جس سے ستر ہزار قطرے جھڑتے ہیں ایک ایک قطرے سے اللہ تعالیٰ ایک ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے جنہیں حکم ہوتا ہے کہ وہ بیت المعمور میں نماز ادا کریں پھر وہاں سے نکل آتے ہیں۔ اب انہیں دوبارہ جانے کی نوبت ہی نہیں آتی۔ ایک ان کا سردار ہوتا ہے جسے حکم دیا جاتا ہے کہ انہیں لے کر کسی جگہ کھڑا ہو جائے پھر وہ اللہ کی تسبیح کے بیان میں لگ جاتے ہیں۔ قیامت تک ان کا یہی شغل رہتا ہے۔ یہ حدیث بہت ہی غریب ہے۔ اس کے راوی روح بن جناح اس میں منفرد ہیں' حافظوں کی ایک جماعت نے ان پر اس حدیث کا انکار کیا ہے۔ جیسے جوزجانی' عقیلی' حاکم وغیرہ۔ امام حاکم ابو عبداللہ نیشاپوری اسے بالکل بے اصل بتلاتے ہیں۔ حضرت علیؓ سے ایک شخص نے پوچھا کہ بیت المعمور کیا ہے؟ آپ نے فرمایا وہ آسمان میں ہے اسے صراح کہا جاتا ہے۔ کعبہ کے ٹھیک اوپر ہے۔ جس طرح زمین کا کعبہ حرمت کی جگہ ہے اسی طرح وہ آسمانوں میں حرمت کی جگہ ہے ہر روز اس میں ستر ہزار فرشتے نماز ادا کرتے ہیں لیکن جو آج گئے تھے ان کی باری قیامت تک دوبارہ نہیں آتی کیونکہ فرشتوں کی تعداد ہی اس قدر ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ پوچھنے والا ابن کواء تھا۔ ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ یہ عرش کے محاذ میں ہے الخ ایک مرفوع روایت میں ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو انہوں نے کہا اللہ اور اسکے رسول جانتے ہیں' فرمایا وہ آسمانی کعبہ ہے اور زمینی کعبے کے بالکل اوپر ہے ایسا کہ اگر وہ گرے تو اسی پر گرے۔ اس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے نماز ادا کرتے ہیں جن کی باری قیامت تک پھر نہیں آتی۔ حضرت ضحاکؒ فرماتے ہیں یہ فرشتے ابلیس کے قبیلے کے جنات میں سے ہیں' واللہ اعلم۔

اونچی چھت سے مراد آسمان ہے جیسے اور جگہ ہے ﴿ جَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ﴾ ربیع بن انسؒ فرماتے ہیں مراد اس سے عرش ہے اس لیے کہ وہ تمام مخلوق کی چھت ہے اس قول کی توجیہ اس طرح ہو سکتی ہے کہ مراد عام ہو ﴿ بَحْرِ مَسْجُوْرٍ ﴾ سے مراد وہ پانی

ہے جو عرش تلے ہے جو بارش کی طرح برسے گا جس سے قیامت کے دن مردے اپنی اپنی قبروں سے جی اٹھیں گے۔ جمہور کہتے ہیں کہ یہی عام دریا مراد ہیں۔ انہیں جو مسجور کہا گیا ہے یہ اس لیے کہ قیامت کے دن ان میں آگ لگا دی جائے گی جیسے اور جگہ ہے ﴿ وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ﴾ جب کہ دریا بھڑکا دیے جائیں اور ان میں آگ لگ جائے جو پھیل کر تمام اہل محشر کو گھیر لے۔ حضرت علاء بن بدر کہتے ہیں کہ بھڑکتے ہوئے دریا اس لیے کہا گیا ہے کہ نہ اس کا پانی پینے کے کام میں آئے اور نہ کھیتی کو دیا جائے۔ یہی حال قیامت کے دن دریاؤں کا ہوگا۔ یہ معنی بھی کیے گئے ہیں کہ دریا بہتا ہوا۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ دریا پر شدہ' ادھر ادھر جاری۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں مسجور سے مراد فارغ یعنی خالی ہے۔ کوئی لونڈی پانی لینے کو جائے پھر لوٹ کر کہے کہ حوض مسجور ہے اس سے مراد یہی ہے کہ خالی ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ معنی یہ ہیں کہ اسے زمین سے روک دیا گیا ہے اس لیے کہ ڈبو نہ دے۔

مسند احمد کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ ہر رات تین مرتبہ دریا اللہ تعالیٰ سے اجازت طلب کرتا ہے کہ اگر حکم ہو تو تمام لوگوں کو ڈبو دوں لیکن اللہ تعالیٰ اسے روک دیتا ہے۔

دوسری روایت میں ہے کہ ایک بزرگ مجاہد جو سمندر کی سرحد کے لشکروں میں تھے وہ جہاد کی تیاری میں وہیں رہتے تھے' فرماتے ہیں کہ ایک رات میں چوکیداری کے لیے نکلا' اس رات کوئی اور پہرہ پر نہ تھا۔ میں گشت کرتا ہوا میدان میں پہنچا اور وہاں سے سمندر پر نظریں ڈالیں تو ایسا معلوم ہوا کہ گویا سمندر پہاڑ کی چوٹیوں سے ٹکرا رہا ہے بار بار یہی نظارہ میں نے دیکھا میں نے حضرت ابو صالحؒ سے یہ واقعہ بیان کیا انہوں نے یہ روایت حضرت عمر بن خطابؓ اوپر والی حدیث مجھے سنائی لیکن اس کی سند میں ایک راوی مبہم ہے جس کا نام نہیں لیا گیا۔ ان قسموں کے بعد اب جس چیز پر یہ قسمیں کھائی گئی تھیں ان کا بیان ہو رہا ہے کہ کافروں کو جو عذاب الٰہی ہونے والا ہے وہ یقینی طور پر آنے والا ہی ہے جب وہ آئے گا کسی کے بس میں اس کا روکنا نہ ہوگا۔

ابن ابی الدنیا میں ہے کہ ایک رات حضرت عمر فاروقؓ شہر کی دیکھ بھال کے لیے نکلے تو ایک مکان سے کسی مسلمان کی قرآن خوانی کی آواز کان میں پڑی وہ سورۂ والطور پڑھ رہے تھے۔ آپ نے سواری روک لی اور کھڑے ہو کر قرآن سننے لگے۔ جب وہ اس آیت پر پہنچے تو زبان سے نکل گیا کہ رب کعبہ کی قسم سچی ہے پھر اپنے گدھے سے اتر پڑے' اور دیوار سے تکیہ لگا کر بیٹھ گئے چلنے پھرنے کی طاقت نہ رہی دیر تک بیٹھے رہنے کے بعد جب ہوش و حواس ٹھکانے آئے تو اپنے گھر پہنچے لیکن اللہ تعالیٰ کے کلام کی اس ڈراونی آیت کے اثر سے دل کی کمزوری کی یہ حالت تھی کہ مہینہ بھر تک بیمار پڑے رہے اور ایسے لوگ بیمار پرسی کو آتے تھے گو کسی کو معلوم نہ تھا کہ بیماری کیا ہے؟ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

ایک روایت میں ہے آپ کی تلاوت میں ایک مرتبہ یہ آیت آئی اسی وقت ہچکی بندھ گئی اور اس قدر قلب پر اثر پڑا کہ بیمار ہو گئے چنانچہ بیس دن تک عیادت کی جاتی رہی۔ اس دن آسمان تھر تھرائے گا' پھٹ جائے گا' چکر کھانے لگے گا' پہاڑ اپنی جگہ سے ہل جائیں گے ہٹ جائیں گے اِدھر اُدھر ہو جائیں گے' کانپ کانپ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو کر پھر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے آخر روئی کے گالوں کی طرح اِدھر اُدھر اڑ جائیں گے اور بے نام و نشان ہو جائیں گے۔ اس دن ان لوگوں پر جو اس دن کو نہ مانتے تھے ویل و حسرت خرابی و ہلاکت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کا عذاب فرشتوں کی مار' جہنم کی آگ ان کے لیے ہوگی جو دنیا میں مشغول تھے' اور دین کو ایک کھیل تماشہ مقرر کر رکھا تھا' اس دن انہیں دھکے دے دے کر نار جہنم کی طرف دھکیلا جائے گا اور داروغہ جہنم ان سے کہیں گے کہ یہ وہ جہنم ہے جسے تم نہیں مانتے تھے۔ پھر مزید ڈانٹ ڈپٹ کے طور پر کہیں گے اب بولو کیا یہ جادو ہے یا تم اندھے ہو؟ جاؤ اس میں ڈوب جاؤ یہ تمہیں چو طرف سے گھیر لے گی اب اس کے عذاب کی تمہیں سہار ہو یا نہ ہو' ہائے وائے کرو خواہ خاموش رہو اسی میں پڑے بھلستے رہو گے کوئی ترکیب فائدہ نہ دے گی۔ کسی طرح چھوٹ نہ سکو گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ظلم نہیں بلکہ صرف تمہارے اعمال بد کا بدلہ ہے۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَعِيْمٍ ﴿۱۷﴾ فٰكِهِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ۚ وَوَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ﴿۱۸﴾ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔۢا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى سُرُرٍ مَّصْفُوْفَةٍ ۚ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ﴿۲۰﴾

پرہیز گار لوگ جنتوں میں اور نعمتوں میں ہیں۔ جو انہیں انکے رب نے دے رکھی ہیں اس پر خوش خوش ہیں اور ان کے پرور دگار نے انہیں جہنم کے عذاب سے بھی بچالیا ہے۔ تم سہتا پچتا کھاتے پیتے رہا کرو ان اعمال کے بدلے جو تم کرتے تھے۔ برابر بچھے ہوئے شاندار تخت پر تکیے لگائے ہوئے اور ہم نے ان کے نکاح گوری گوری بڑی بڑی آنکھوں والی حوروں سے کر دیے ہیں۔

اہل جنت پر انعامات: اللہ تعالیٰ نیک بختوں کا انجام بیان فرمار ہا ہے کہ عذاب و سزا سے جو بد بختوں کو ہو رہا ہے یہ محفوظ کر کے جنتوں میں پہنچا دیے گئے جہاں کی بہترین نعمتوں سے فائدہ اٹھا رہے ہیں اور ہر طرح خوش حال خوش دل ہیں۔ قسم قسم کے کھانے طرح طرح کے پینے بہترین لباس عمدہ عمدہ سواریاں' بلند و بالا مکانات اور ہر طرح کی نعمتیں انہیں مہیا ہیں۔ کسی قسم کا ڈر خوف نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرما چکا ہے کہ تمہیں میرے عذابوں سے نجات مل گئی۔ غرض دکھ سے دور سکھ سے مسرور' راحت ولذت میں مخمور ہیں۔ جو چیز سامنے آتی ہے وہ ایسی ہے جسے نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہو نہ کسی کان نے سنا ہو نہ کسی دل پر خیال تک گزرا ہو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بار بار مہمان نوازی کے طور پر ان سے کہا جاتا ہے کہ کھاتے پیتے رہو خوش گوار خوش ذائقہ بے تکلف' مزیدار مرغوب چیزیں تمہارے لیے مہیا ہیں۔ پھر ان کا دل خوش کرنے' حوصلہ بڑھانے اور طبیعت میں امنگ پیدا کرنے کے لیے ساتھ ہی اعلان ہوتا ہے۔

کہ یہ تو تمہارے اعمال کا بدلہ ہے جو تم اس جہان میں کر آئے ہو۔ مرصع اور جڑاؤ شاہانہ تخت پر بڑی بے فکری اور فارغ البالی سے تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے۔ ستر ستر سال گزر جائیں گے انہیں ضرورت نہ ہوگی کہ اٹھیں یا ہلیں جلیں۔ بے شمار سلیقہ شعار ادب داں خدام ہر طرح کی خدمت کے لیے کمربستہ جس چیز کو جی چاہے آن کی آن میں موجود آنکھوں کا نور دل کا سرور وافر و موفور سامنے بے انتہا خوبصورت خوب سیرت گورے گورے پنڈے والی بڑی بڑی رسیلی آنکھوں والی بہت سی حوریں پاک دل عفت مآب عصمت کوش دل بہلانے اور خواہش پوری کرنے کے لیے سامنے کھڑی ہر ہر نعمت و رحمت چوطرف بکھری ہوئی پھر بھلا انہیں کس چیز کی کمی؟ ستر سال کے بعد جب دوسری جانب مائل ہوتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ وہاں اور ہی منظر ہے ہر چیز نئی ہے ہر نعمت پر جوبن ہے۔ اس طرف کی حوروں پر نظریں ڈالتے ہیں تو ان کے نور کی چکا چوند حیرت میں ڈال دیتی ہے۔ ان کی پیاری پیاری بھولی بھالی شکلیں اچھوتے پنڈے اور کنوار پنے کی شرمیلی نظریں اور جوانی کا بانکپن دل پر مقناطیسی اثر ڈالتا ہے۔

جنتی کچھ کہے اس سے پہلے ہی وہ اپنی شیریں کلامی سے عجیب انداز سے کہتی ہے شکر ہے کہ آپ کا التفات ہماری طرف بھی ہوا۔ غرض اسی طرح من مانگی نعمتوں میں مست ہو رہے ہیں۔ پھر ان جنتیوں کے تخت باوجود قطار وار ہونے کے اس طرح نہ ہوں گے کہ کسی کو کسی کی پیٹھ ہو بلکہ آمنے سامنے ہوں گے۔

جیسے اور جگہ ہے ﴿عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ﴾ تختوں پر ہوں گے اور ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوں گے۔ پھر فرماتا ہے ہم نے ان کے نکاح میں حوریں دے رکھی ہیں جو کبھی دل میلا نہ کریں۔ جب نظر پڑے جی خوش ہو جائے اور ظاہری خوبصورتی کی تو کسی سے تعریف ہی کیا ہو سکتی ہے ان کے اوصاف کے بیان کی حدیثیں وغیرہ کئی مقامات پر گزر بھی چکی ہیں۔ اس لیے انہیں یہاں وارد کرنا چنداں ضروری نہیں۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُم بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا أَلَتْنَاهُم مِّنْ عَمَلِهِم مِّن شَيْءٍ ۚ كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِينٌ ﴿٢١﴾ وَأَمْدَدْنَاهُم بِفَاكِهَةٍ وَلَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُونَ ﴿٢٢﴾ يَتَنَازَعُونَ فِيهَا كَأْسًا لَّا لَغْوٌ فِيهَا وَلَا تَأْثِيمٌ ﴿٢٣﴾ وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَأَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُونٌ ﴿٢٤﴾ وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿٢٥﴾ قَالُوا إِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِي أَهْلِنَا مُشْفِقِينَ ﴿٢٦﴾ فَمَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا وَوَقَانَا عَذَابَ السَّمُومِ ﴿٢٧﴾ إِنَّا كُنَّا مِن قَبْلُ نَدْعُوهُ ۖ إِنَّهُ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيمُ ﴿٢٨﴾

جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے بھی ایمان میں ان کا ساتھ دیا ہم ان کی اولاد کو ان تک پہنچادیں گے اور ان کے عمل سے ہم کچھ کم نہ کریں گے ہر شخص اپنے اپنے اعمال میں گرفتار ہے۔ ہم ان کے لیے میوے اور مرغوب گوشت کی ریل پیل کر دیں گے۔ (خوش طبعی کے ساتھ) ایک دوسرے سے جام شراب کی چھینا جھپٹی کریں گے جس شراب کے سرور میں نہ تو بیہودہ گوئی ہو گی نہ گناہ۔ اور ان کے اردگرد ان کے نوعمر غلام چل پھر رہے ہوں گے گویا کہ وہ مروارید تھے جو ڈھکے رکھے تھے آپس میں ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر بات چیت کریں گے کہیں گے کہ اس سے پہلے ہم اپنے گھر والوں میں بہت ڈرا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم پر بڑا احسان کیا اور ہمیں تیز و تند گرم ہواؤں کے عذاب سے بچالیا ہم اس سے پہلے ہی اس کی عبادت کیا کرتے تھے بے شک وہ محسن اور مہربان ہے۔

اہل ایمان کی اولادیں: اللہ تعالیٰ جل شانہ اپنے فضل و کرم اور لطف و رحم اپنے احسان اور انعام کا بیان فرماتا ہے کہ جن مومنوں کی اولادیں بھی ایمان میں اپنے باپ داداؤں کی راہ لگ جائیں لیکن اعمال صالحہ میں اپنے بڑوں سے کم ہوں پروردگار ان کے نیک اعمال کا بدلہ بڑھا چڑھا کر انہیں ان کے بڑوں کے درجے میں پہنچادے گا تاکہ بڑوں کی آنکھیں چھوٹوں کو اپنے پاس دیکھ کر ٹھنڈی رہیں اور چھوٹے بھی اپنے بڑوں کے پاس ہشاش بشاش رہیں۔ ان کے عملوں کی بڑھوتری ان کے بزرگوں کے اعمال کی کمی سے نہ کی جائے گی بلکہ محسن و مہربان رب انہیں اپنے معمور خزانوں میں سے عطا فرمائے گا۔ حضرت ابن عباسؓ اس آیت کی تفسیر میں یہی فرماتے ہیں۔ ایک مرفوع حدیث بھی اس مضمون کی مروی ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ جب جنتی شخص جنت میں جائے گا اور اپنے ماں باپ اور بیوی بچوں کو نہ پائے گا تو دریافت کرے گا کہ وہ کہاں ہیں؟ جواب ملے گا کہ وہ تمہارے مرتبہ تک نہیں پہنچے۔ یہ کہے گا باری تعالیٰ میں نے تو اپنے لیے اور ان کے لیے نیک اعمال کیے تھے۔ چنانچہ حکم دیا جائے گا اور انہیں بھی اس کے درجے میں پہنچا دیا جائے گا۔ یہ بھی مروی ہے کہ جنتیوں کی جن اولادوں نے ایمان قبول کیا اور نیک کام کیے وہ ان کے ساتھ ملا دی جائے گی اور ان کے جو چھوٹے بچے بچپن میں ہی انتقال کر گئے تھے وہ بھی ان کے پاس پہنچا دیے جائیں گے حضرت ابن عباسؓ شعبی، سعید بن جبیر، ابراہیم، قتادہ ابو صالح، ربیع بن انس، ضحاک بن زید رحمتہ اللہ علیہ بھی کہتے ہیں۔ امام ابن جریرؒ بھی اسی کو پسند فرماتے ہیں۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے نبی ﷺ سے اپنے دو بچوں کی نسبت دریافت کیا جو زمانہ جاہلیت میں مرے تھے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا وہ دونوں جہنم میں ہیں۔ پھر جب مائی صاحبہ کو غمگین دیکھا تو فرمایا اگر تم ان کی جگہ دیکھ لیتیں تو تمہارے دل میں ان کا بغض پیدا ہو جاتا۔ مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا یارسول اللہ ﷺ پھر میرا بچہ جو آپ سے ہوا وہ کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا وہ جنت میں ہے۔ مومن مع اپنی اولادوں کے جنت میں ہیں اور کافر اپنی اولادوں سمیت جہنم میں ہیں۔ پھر حضور ﷺ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی۔ یہ تو ہوئی ماں باپ کے اعمال صالحہ کی وجہ سے اولاد کی بزرگی۔ اب اولاد کی دعاء خیر کی وجہ سے ماں باپ کی بزرگی ملاحظہ ہو۔

مسند احمد میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندے کا درجہ جنت میں دفعتہً بڑھاتا ہے وہ دریافت کرتا ہے کہ اے اللہ میرا یہ درجہ کیسے بڑھ گیا؟ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ تیری اولاد نے تیرے لیے استغفار کیا اس بنا پر میں نے تیرا درجہ بڑھا دیا۔ اس حدیث کی اسناد بالکل صحیح ہیں۔ گو بخاری و مسلم میں ان لفظوں سے نہیں آئی لیکن اس جیسی ایک روایت صحیح مسلم میں اس طرح مروی ہے کہ ابن آدم کے مرتے ہی اس کے اعمال موقوف ہو جاتے ہیں لیکن تین عمل کہ وہ مرنے کے بعد بھی ثواب پہنچاتے رہتے ہیں صدقہ جاریہ علم دین جس سے نفع پہنچتا رہے نیک اولاد جو مرنے والے کے لیے دعاء خیر کرتی رہے۔

جنت کی نعمتیں: چونکہ یہاں بیان ہوا تھا کہ مومنوں کی اولاد کے درجے بے عمل بڑھا دیے گئے تو ساتھ ہی ساتھ اپنے اس فضل کے بعد اپنے عدل کا بیان فرماتا ہے کہ کسی کو کسی کے اعمال میں پکڑا نہ جائے گا بلکہ ہر شخص اپنے اپنے عمل میں رہن ہو گا باپ کا بوجھ بیٹے پر اور بیٹے کا باپ پر نہ ہو گا۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ ﴾ الخ ہر شخص اپنے کیے ہوئے کاموں میں گرفتار ہے مگر وہ جن کے دائیں ہاتھ میں نامہ اعمال پہنچے ہیں وہ جنتوں میں بیٹھے ہوئے گنہگاروں سے دریافت کرتے ہیں الخ۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ان جنتیوں کو قسم قسم کے میوے اور طرح طرح کے گوشت دیے جاتے ہیں جس چیز کو جی چاہے جس پر دل آئے وہ یکلخت موجود ہو جاتی ہے۔ شراب طہور کے چھلکتے ہوئے جام ایک دوسرے کو پلا رہے ہیں جس کے پینے سے سرور اور کیف لطف اور بہار حاصل ہوتا ہے۔ لیکن بد زبانی بیہودہ گوئی نہیں ہوتی۔ ہذیان نہیں بکتے بے ہوش نہیں ہوتے۔ سچا سرور اور پوری خوشی حاصل' بک جھک سے دور' گناہ سے غافل' باطل و کذب سے دور' غیبت و گناہ سے نفور۔ دنیا میں شرابیوں کی حالت دیکھی ہو گی کہ ان کے سر میں چکر' پیٹ میں درد' عقل زائل' بکواس بہت' بو بری' چہرے بے رونق۔ اسی طرح شراب کہ بدذائقہ اور بدبودار۔ یہاں جنت کی شراب ان تمام گندگیوں سے کوسوں دور ہے۔ یہ رنگ میں سفید پینے میں خوش ذائقہ۔ نہ اس کے پینے سے حواس معطل ہوں نہ بک جھک ہو نہ بہکیں نہ بھٹکیں نہ سر درد ہو نہ اور کسی طرح ضرر پہنچائے۔ ہنسی خوشی اس پاک شراب کے جام پی پلا رہے ہوں گے۔ ان کے غلام کم سن نو عمر بچے جو حسن و خوبی میں ایسے ہیں جیسے مروارید ہوں اور وہ بھی ڈبے میں بند رکھے گئے ہیں کسی کا ہاتھ بھی نہ لگا ہو اور ابھی ابھی تازے تازے نکالے ہوں۔ ان کی آبداری صفائی چمک دمک روپ رنگ کا کیا پوچھنا؟ لیکن ان غلمان کے حسین چہرے انہیں بھی ماند کر دیتے ہیں۔ اور جگہ یہ مضمون ان الفاظ میں ادا کیا گیا ہے ﴿ يَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُونَ ﴾ یعنی ہمیشہ نو عمر اور کم سن رہنے والے چھوٹے بچے آبخورے آفتابے اور ایسی شراب صاف کے جام کہ جن کے پینے سے نہ درد سر ہو اور نہ بہکیں اور جس قسم کا میوہ یہ پسند کریں اور جس پرند کا گوشت یہ چاہیں ان کے پاس بار بار لانے کے لیے چوطرف کمر بستہ چل پھر رہے ہیں۔ اس دور شراب کے وقت آپس میں گھل مل کر ہر طرح کی باتیں کریں گے۔ دنیا کے احوال یاد آئیں گے کہیں گے کہ ہم دنیا میں جب اپنے والوں میں تھے تو اپنے رب کے آج کے دن کے عذابوں سے سخت لرزاں و ترساں تھے۔ الحمد اللہ رب نے ہم پر خاص احسان کیا اور ہمارے خوف کی چیز سے ہمیں امن دیا ہم اسی سے دعائیں اور التجائیں کرتے رہے اس نے ہماری دعائیں قبول فرمائیں اور ہمارا سوال پورا کر دیا یقیناً وہ بہت ہی نیک سلوک اور رحم والا ہے۔

مسند بزار میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنتی اپنے دوستوں سے ملنا چاہے گا تو ادھر ادھر اس دوست کے دل میں بھی یہی خواہش پیدا ہو گی اسکا تخت اڑے گا اور راستے میں دونوں مل جائیں گے اپنے اپنے تختوں پر آرام سے بیٹھے ہوئے باتیں کرنے لگیں گے دنیا کے ذکر چھیڑیں گے اور کہیں گے کہ فلاں دن جگہ ہم نے اپنی بخشش کی دعا مانگی تھی اللہ نے اسے قبول فرمایا۔ اس حدیث کی سند کمزور ہے۔ حضرت

فائدہ: مائی عائشہ رضی اللہ عنہا نے جب اس آیت کی تلاوت کی تو یہ دعا پڑھی ﴿ اللّٰهُمَّ مُنَّ عَلَيْنَا وَقِنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ اِنَّكَ اَنْتَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ ﴾ حضرت اعمش راوی حدیث سے پوچھا گیا کہ اس آیت کو پڑھ کر یہ دعا مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا نے نماز کے اندر مانگی تھی؟ جواب دیا کہ ہاں۔

فَذَكِّرْ فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ ﴿٢٩﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ﴿٣٠﴾ قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِيْنَ ﴿٣١﴾ اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ بِهٰذَآ اَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴿٣٢﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ ۚ بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٣٣﴾ فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ﴿٣٤﴾

تو سمجھاتا رہ کیونکہ تو اپنے رب کے فضل سے نہ تو کاہن ہے نہ دیوانہ۔ کیا کافریوں کہتے ہیں کہ یہ شاعر ہے ہم اس پر زمانے کے حوادث یعنی موت کا انتظار کر رہے ہیں، تو کہدے تم منتظر رہو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں۔ کیا ان کی عقلیں انہیں یہی سکھاتی ہیں؟ یا یہ لوگ شرارت پر ہی ہیں۔ کیا یہ کہتے ہیں کہ اس نبی نے قرآن خود گھڑ لیا ہے واقعہ یہ ہے کہ ان میں ایمان ہی نہیں۔ اچھا اگر یہ سچے ہیں تو بھلا اس جیسی ایک ہی بات یہ بھی تو لے آئیں۔

کفار پیغمبرؐ کو شاعر کہتے تھے: اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو حکم دیتا ہے کہ اللہ کی رسالت اللہ کے بندوں تک پہنچاتے رہیں ساتھ ہی بدکاروں نے جو بہتان آپ ﷺ پر باندھ رکھے تھے ان سے آپ ﷺ کی صفائی کرتا ہے۔ کاہن اسے کہتے ہیں جس کے پاس کبھی کبھی کوئی خبر جن پہنچا دیتا ہے۔ **فائدہ:** تو ارشاد ہوا کہ اللہ کے دین کی تبلیغ کیجئے۔ الحمد اللہ آپ ﷺ نہ تو جنات والے ہیں نہ جنون والے۔ پھر کافروں کا قول نقل فرماتا ہے کہ یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ایک شاعر ہیں انہیں کہنے دو جو کہہ رہے ہیں ان کے انتقال کے بعد ان کی سی کون کہے گا؟ ان کا یہ دین ان کے ساتھ ہی فنا ہو جائے گا۔ پھر اپنے نبی ﷺ کو اس کا جواب دینے کو فرماتا ہے کہ اچھا ادھر تم انتظار کرتے ہو ادھر میں بھی منتظر ہوں دنیا دیکھ لے گی کہ انجام کار غلبہ اور غیر فانی کامیابی کسے حاصل ہوتی ہے؟ دارالندوہ میں قریش کا مشورہ ہوا کہ محمد ﷺ بھی مثل اور شاعروں کے ایک شعر گو ہیں انہیں قید کر لو یہ وہیں ہلاک ہو جائیں گے۔ جس طرح زہیر اور نابغہ کا حشر ہوا۔ اس پر یہ آیتیں اتریں۔

پھر فرماتا ہے کیا ان کی دانائی انہیں یہی سمجھاتی ہے کہ باوجود جاننے کے پھر بھی تیری نسبت غلط افواہیں اڑائیں اور بہتان بازی کریں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ بڑے سرکش گمراہ اور عناد رکھنے والے لوگ ہیں دشمنی میں آکر واقعات سے چشم پوشی کر کے آپ کو مفت میں برا بھلا کہتے ہیں۔ کیا یہ کہتے ہیں کہ اس قرآن کو محمد ﷺ نے خود آپ بنا لیا ہے؟ فی الواقع ایسا تو نہیں لیکن ان کا کفر ان کے منہ سے یہ غلط اور جھوٹ بات نکلوا رہا ہے۔ اگر یہ سچے ہیں تو پھر یہ خود بھی مل جل کر ایک ہی ایسی بات بنا کر دکھا دیں یہ کفار قریش تو کیا؟ اگر ان کے ساتھ روئے زمین کے جنات وانسان مل جائیں جب بھی اس قرآن کی نظیر سے سب عاجز رہیں گے اور پورا قرآن تو بڑی چیز ہے اس جیسی دس سورتیں بلکہ ایک سورت بھی قیامت تک نہیں بنا لا سکتے۔

اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿٣٥﴾ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ ﴿٣٦﴾ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُوْنَ ﴿٣٧﴾ اَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ يَّسْتَمِعُوْنَ فِيْهِ ۚ فَلْيَاْتِ مُسْتَمِعُهُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿٣٨﴾ اَمْ لَهُ الْبَنٰتُ وَلَكُمُ الْبَنُوْنَ ﴿٣٩﴾ اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ﴿٤٠﴾ اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿٤١﴾ اَمْ يُرِيْدُوْنَ كَيْدًا ۭ

فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا هُمُ الْمَكِيْدُوْنَ ﴿٤٢﴾ اَمْ لَهُمْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٤٣﴾

کیا یہ بغیر کسی پیدا کرنے والے کے خود بخود پیدا ہو گئے ہیں؟ یا یہ خود پیدا کرنے والے ہیں؟ کیا انہوں نے ہی آسمان و زمین کو پیدا کیا ہے؟ بلکہ یہ یقین نہ کرنے والے لوگ ہیں۔ یا کیا ان کے پاس تیرے رب کے خزانے ہیں؟ یا (ان خزانوں کے) یہ داروغہ ہیں؟ یا کیا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے جس پر چڑھ کر سن آئے ہیں؟ اگر ایسا ہے تو ان کا سننے والا کوئی روشن دلیل پیش کرے۔ کیا اللہ کی تو سب لڑکیاں ہیں اور تمہارے ہاں لڑکے ہیں؟ کیا تو ان سے کوئی اجرت طلب کرتا ہے کہ یہ اس کے بوجھ سے بوجھل ہو رہے ہیں کیا ان کے پاس علم غیب ہے جسے یہ لکھ لیتے ہیں؟ کیا یہ لوگ کوئی فریب کرنا چاہتے ہیں؟ تو یقین کر لیں کہ فریب خوردہ جماعت کافروں کی ہے کیا اللہ کے سوا ان کا کوئی اور معبود ہے؟ (ہرگز نہیں) اللہ تعالیٰ ان کے شرک سے پاک ہے۔

توحید الوہیت اور ربوبیت کے دلائل: توحید ربوبیت اور توحید الوہیت کا ثبوت دیا جا رہا ہے۔ فرماتا ہے کیا یہ بغیر موجد کے موجود ہو گئے؟ یا یہ خود اپنے موجد آپ ہی ہیں؟ دراصل دونوں باتیں نہیں بلکہ ان کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ یہ کچھ نہ تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا کر دیا۔ حضرت جبیر بن مطعمؓ فرماتے ہیں نبی ﷺ مغرب کی نماز میں سورۂ طور کی تلاوت کر رہے تھے۔ میں کان لگائے سن رہا تھا' جب آپ ﷺ ﴿مُصَيْطِرُوْنَ﴾ تک پہنچے تو میری یہ حالت ہو گئی کہ گویا میرا دل اڑا جا رہا ہے (بخاری)۔ بدری قیدیوں میں یہ جبیرؓ بھی آئے تھے۔ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب یہ کافر تھے۔ قرآن پاک کی ان آیتوں کو سننا ان کے اسلام کا ذریعہ بن گیا۔ پھر فرماتا ہے کیا آسمان و زمین کے پیدا کرنے والے یہ ہیں؟ یہ بھی نہیں بلکہ یہ جانتے ہوئے کہ خود ان کا اور کل مخلوقات کا رچانے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے پھر بھی یہ اپنی بے یقینی سے باز نہیں آتے۔ پھر فرماتا ہے کہ کیا دنیا میں تصرف ان کا ہے؟ ہر چیز کے خزانوں کے مالک کیا یہ ہیں؟ یا مخلوق کے محاسب یہ ہیں؟ حقیقت میں ایسا نہیں بلکہ مالک و متصرف صرف اللہ عزوجل ہی ہے۔ وہ قادر ہے جو چاہے کر گزرے۔ پھر فرماتا ہے کیا اونچے آسمانوں تک چڑھ جانے کا کوئی زینہ ان کے پاس ہے؟ اگر یوں ہے تو ان میں سے جو وہاں پہنچ کر کلام سن آتا ہے وہ اپنے اقوال و افعال کی کوئی آسمانی دلیل پیش کرے۔ لیکن نہ وہ پیش کر سکتا ہے نہ وہ کسی حقانیت کے پابند ہیں۔ یہ بھی ان کی بڑی بھاری غلطی ہے کہ کہتے ہیں فرشتے اللہ کی لڑکیاں ہیں۔ کیا مزے کی بات ہے کہ اپنے لیے تو لڑکیاں ناپسند کریں اور اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت کریں۔ انہیں اگر معلوم ہو جائے کہ ان کے ہاں لڑکی ہوئی تو غم کے مارے چہرہ سیاہ پڑ جائے اور اللہ تعالیٰ کے مقرب فرشتوں کو اس کی لڑکیاں بتلائیں۔ اتنا ہی نہیں بلکہ پھر ان کی پرستش کریں۔ پس نہایت ڈانٹ ڈپٹ کے ساتھ فرماتا ہے کیا اللہ کی لڑکیاں ہیں اور تمہارے لڑکے ہیں؟ پھر فرمایا کیا تو اپنی تبلیغ پر ان سے کچھ معاوضہ طلب کرتا ہے جو ان پر بھاری پڑے؟ یعنی نبی اللہ دین اللہ کے پہنچانے پر کسی سے کوئی اجرت نہیں مانگتے پھر انہیں یہ پہنچانا کیوں بھاری پڑتا ہے؟ کیا یہ لوگ غیب داں ہیں؟ نہیں بلکہ زمین و آسمان کی تمام مخلوق میں سے کوئی بھی غیب کی باتیں نہیں جانتا' کیا یہ لوگ دین اللہ اور رسول اللہ کی نسبت بکواس کر کے خود رسول کو' مومنوں کو اور عام لوگوں کو دھوکا دینا چاہتے ہیں؟ یاد رکھو یہی دھوکے باز دھوکے میں رہ جائیں گے اور وبال اخروی سمیٹیں گے۔ پھر فرمایا کیا اللہ کے سوا ان کے اور معبود ہیں؟ اللہ کی عبادت میں بتوں کو اور دوسری چیزوں کو یہ کیوں شریک کرتے ہیں؟ اللہ تو شرکت سے مبرا اور شریک سے پاک اور مشرکوں کے اس فعل سے سخت بے زار ہے۔

وَاِنْ يَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا يَّقُوْلُوْا سَحَابٌ مَّرْكُوْمٌ ﴿٤٤﴾ فَذَرْهُمْ حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ فِيْهِ يُصْعَقُوْنَ ﴿٤٥﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿٤٦﴾ وَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٤٧﴾ وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ۝ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ ۝

اگر یہ لوگ آسمان کے کسی ٹکڑے کو گرتا ہوا دیکھ لیں تب بھی کہہ دیں کہ یہ تو تہ بہ تہ بادل ہے۔ تو انہیں چھوڑ دے یہاں تک کہ انہیں اس دن سے سابقہ پڑے جس میں یہ بے ہوش کر دیے جائیں گے۔ جس دن انہیں ان کا مکر کچھ کام نہ آئے گا اور نہ وہ مدد کیے جائیں گے۔ بے شک ظالموں کے لیے اس کے علاوہ اور عذاب بھی ہیں لیکن ان لوگوں میں سے اکثر بے علم ہیں۔ تو اپنے رب کے حکم کے انتظار میں صبر سے کام لے بیشک تجھ پر ہماری آنکھیں لگی ہوئی ہیں۔ صبح کو جب تو اٹھے اپنے رب کی پاکی اور حمد بیان کیا کر۔ اور رات کو بھی اس کی تسبیح پڑھ اور ستاروں کے ڈوبتے وقت بھی۔

قیامت کا ذکر: مشرکوں اور کافروں کے عناد کا بیان ہو رہا ہے کہ یہ اپنی سرکشی ضد اور ہٹ دھرمی میں اس قدر بڑھ گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کو محسوس کر لینے کے بعد بھی انہیں ایمان کی توفیق نہ ہوگی۔ یہ اگر دیکھ لیں گے کہ آسمان کا کوئی ٹکڑا اللہ تعالیٰ کا عذاب بن کر ان کے سروں پر گر رہا ہے تو بھی انہیں تصدیق و یقین نہ ہوگا بلکہ صاف کہہ دیں گے کہ غلیظ ابر ہے' جو پانی برسانے کو آ رہا ہے۔ جیسے اور جگہ فرمایا ﴿ وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ ﴾ الخ اگر ہم ان کے لیے آسمان کا کوئی دروازہ بھی کھول دیں اور یہ وہاں چڑھ جائیں تب بھی یہ تو یہی کہیں گے کہ ہماری آنکھیں باندھ دی گئی ہیں بلکہ ہم پر جادو کر دیا گیا ہے یعنی معجزات جو یہ طلب کر رہے ہیں اگر ان کی چاہت کے مطابق ہی دکھا دیئے جائیں بلکہ خود انہیں آسمانوں پر چڑھا دیا جائے جب بھی یہ کوئی بات بنا کر ٹال دیں گے اور ایمان نہ لائیں گے۔ اے نبی! آپ انہیں چھوڑ دیجئے قیامت والے دن خود انہیں معلوم ہو جائے گا اس دن ان کی ساری فریب کاریاں رکھی کی رکھی رہ جائیں گی کوئی مکاری وہاں کام نہ دے گی' چوکڑی چوک جائیں گے اور چالاکی بھول جائیں گے۔ آج جن جن کو یہ پکارتے ہیں اور اپنا مددگار جانتے ہیں اس دن سب کے منہ تکیں گے اور کوئی نہ ہوگا جو ان کی ذرا سی بھی مدد کر سکے بلکہ ان کی طرف سے کچھ عذر بھی پیش کر سکے۔ یہی نہیں کہ انہیں صرف قیامت کے دن ہی عذاب ہو اور یہاں اطمینان و آرام کے ساتھ زندگی گزار لیں بلکہ ان ناانصافوں کے لیے اس سے پہلے دنیا میں بھی عذاب تیار ہیں۔ جیسے اور جگہ فرمان ہے ﴿ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ ﴾ یعنی ہم انہیں آخرت کے بڑے عذابوں کے علاوہ دنیا میں بھی عذاب کا مزہ چکھائیں گے تاکہ یہ رجوع کریں۔ لیکن ان میں کے اکثر بے علم ہیں' نہیں جانتے کہ یہ دنیوی مصیبتوں میں بھی مبتلا ہوں گے اور خدا کی نافرمانیاں رنگ لائیں گی' یہی بے علمی ہے جو انہیں اس بات پر آمادہ کرتی ہے کہ گناہ پر گناہ' ظلم پر ظلم کرتے جائیں' پکڑے جاتے ہیں' عبرت حاصل ہوتی ہے لیکن جہاں پکڑ ہٹی یہ پھر ویسے کے ویسے سخت دل بدکار بن گئے۔ بعض احادیث میں ہے کہ منافق کی مثال اونٹ کی سی ہے جس طرح اونٹ نہیں جانتا کہ اسے کیوں باندھا اور کیوں کھولا؟ اسی طرح منافق بھی نہیں جانتا کہ کیوں بیمار ڈالا گیا؟ اور کیوں تندرست کر دیا گیا؟ اثر الٰہی میں ہے کہ میں کتنی ایک تیری نافرمانیاں کروں گا اور تو مجھے سزا نہ دے گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے میرے بندے کتنی مرتبہ میں نے تجھے عافیت دی اور تجھے علم بھی نہ ہوا۔ پھر فرماتا ہے کہ اے نبی! آپ صبر کیجیے' ان کی ایذا دہی سے تنگ دل نہ ہو جائیے ان کی طرف سے کوئی خطرہ بھی دل میں نہ لایئے۔ سنیے آپ ہماری حفاظت میں ہیں۔ آپ ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں۔ آپ کی نگہبانی کے ذمہ دار ہم ہیں۔ تمام دشمنوں سے آپ کو بچانا ہمارے سپرد ہے۔

اللہ کی تسبیح: پھر حکم دیتا ہے کہ جب آپ کھڑے ہوں تو اللہ تعالیٰ کی پاکی اور تعریف بیان کیجئے۔ اس کا ایک مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب نماز کے لیے کھڑے ہوں۔ دوسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب رات کو جاگیں۔ دونوں مطلب درست ہیں۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ نماز کو شروع کرتے ہی آنحضرت ﷺ فرماتے ﴿ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَ تَبَارَكَ اسْمُكَ وَ تَعَالٰى جَدُّكَ وَلَآ اِلٰهَ غَيْرُكَ ﴾ (صحیح مسلم)۔ یعنی اے اللہ تو پاک ہے تمام تعریفوں کا مستحق ہے۔ تیرا نام برکتوں والا ہے تیری بزرگی بہت بلند و بالا ہے تیرے سوا معبود برحق کوئی اور نہیں۔ مسند احمد اور سنن میں بھی حضور ﷺ کا یہ کہنا مروی ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جو

شخص رات کو جاگے اور کہے ﴿ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ﴾ پھر خواہ اپنے لیے بخشش کی دعا کرے خواہ جو چاہے طلب کرے اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرماتا ہے پھر اگر اس نے پختہ ارادہ کیا اور وضو کر کے نماز بھی ادا کی تو وہ نماز قبول کی جاتی ہے۔ یہ حدیث صحیح بخاری اور سنن میں بھی مروی ہے۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور حمد کے بیان کرنے کا حکم ہر مجلس سے کھڑے ہونے کے وقت ہے۔ حضرت ابوالاحوصؒ کا قول بھی یہی ہے کہ جب کسی مجلس سے اٹھنا چاہے یہ پڑھے ﴿ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ ﴾ حضرت عطاء ابن ابورباحؒ بھی یہی فرماتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اگر اس مجلس میں نیکی ہوئی ہے تو وہ اور بڑھ جاتی ہے اور اگر کچھ اور ہوا ہے تو یہ کلمہ اس کا کفارہ ہو جاتا ہے۔ جامع عبدالرزاق میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آنحضرت ﷺ کو تعلیم دی کہ جب کسی مجلس سے کھڑے ہو تو ﴿ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ ﴾ اس کے راوی حضرت معمرؒ فرماتے ہیں میں نے یہ بھی سنا ہے کہ یہ قول اس مجلس کا کفارہ ہو جاتا ہے۔ یہ حدیث تو مرسل ہے لیکن مسند حدیثیں بھی اس بارے میں بہت سی مروی ہیں جن کی سندیں ایک دوسرے کو تقویت پہنچاتی ہیں۔ ایک میں ہے جو شخص کسی مجلس میں بیٹھے وہاں کچھ بک جھک ہو اور کھڑا ہونے سے پہلے ان کلمات کو کہہ لے تو اس مجلس میں جو کچھ ہوا ہے اس کا کفارہ ہو جاتا ہے (ترمذی)۔ اس حدیث کو امام ترمذیؒ حسن صحیح کہتے ہیں۔

امام حاکمؒ اسے مستدرک میں روایت کر کے فرماتے ہیں اس کی سند شرط مسلم پر ہے۔ ہاں امام بخاریؒ نے اس میں علت نکالی ہے۔ میں کہتا ہوں امام احمدؒ، امام مسلمؒ، امام ابوحاتمؒ، امام ابوزرعہؒ، امام دارقطنیؒ وغیرہ نے بھی اسے معلول کہا ہے اور وہم کی نسبت ابن جریجؒ کی طرف کی ہے۔ مگر یہ روایت ابوداؤد میں جس سند سے مروی ہے اس میں ابن جریجؒ ہیں ہی نہیں۔ اور حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ اپنی آخری عمر میں جس مجلس سے کھڑے ہوتے ان کلمات کو کہتے۔ بلکہ ایک شخص نے پوچھا بھی کہ حضور! آپ اس سے پہلے تو اسے نہیں کہتے تھے آپ ﷺ نے فرمایا مجلس میں جو کچھ ہوا ہو یہ کلمات اس کا کفارہ ہو جاتے ہیں۔ یہ روایت مرسل سند سے بھی حضرت ابوالعالیہؒ سے مروی ہے۔ واللہ اعلم۔ نسائی وغیرہ۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں یہ کلمات ایسے ہیں کہ جو انہیں کسی مجلس سے اٹھتے وقت تین مرتبہ کہہ لے اس کے لیے یہ کفار ہو جاتے ہیں۔ مجلس خیر اور مجلس ذکر میں انہیں کہنے سے یہ مثل مہر کے ہو جاتے ہیں (ابوداؤد وغیرہ)۔

فائدہ: الحمد للہ میں نے ایک علیحدہ جزو میں ان تمام حدیثوں کو ان کے الفاظ کو اور ان کی سندوں کو جمع کر دیا ہے اور ان کی علتیں بھی بیان کر دی ہیں اور اس کے متعلق جو کچھ لکھنا تھا لکھ دیا ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ رات کے وقت اس کی یاد اور اس کی عبادت تلاوت اور نماز کے ساتھ کرتے رہو، جیسے فرمان ہے ﴿ وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ ﴾ الخ۔

رات کے وقت تہجد پڑھا کرو یہ تیرے لیے نفل ہے، ممکن ہے تیرا رب تجھے مقام محمود پر اٹھائے۔ ستاروں کے ڈوبتے وقت سے مراد صبح کی فرض نماز سے پہلے کی دو رکعتیں ہیں کہ وہ دونوں ستاروں کے غروب ہونے کے لیے جھک جانے کی وقت پڑھی جاتی ہیں۔ چنانچہ ایک مرفوع حدیث میں ہے ان سنتوں کو نہ چھوڑو گو گھوڑے تمہیں کچل ڈالیں۔ اسی حدیث پر نظریں رکھ کر امام احمدؒ کے بعض اصحاب نے تو انہیں واجب کہا ہے لیکن یہ ٹھیک نہیں، اس لیے کہ حدیث میں ہے دن رات میں پانچ نمازیں ہیں۔ سننے والے نے کہا کیا مجھ پر اس کے سوا اور کچھ بھی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں مگر یہ کہ تو نفل ادا کرے، بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نوافل میں سے کسی نفل کی بہ نسبت صبح کی دو سنتوں کے زیادہ پابندی اور نگرانی نہ کرتے تھے۔ صحیح مسلم میں ہے رسول مقبول ﷺ فرماتے ہیں صبح کے فرضوں سے پہلے کی یہ دو سنتیں ساری دنیا سے اور جو کچھ اس میں ہے اس سے بہتر ہیں ﴿ الحمد الله سوره وَالطُّوْرِ ﴾ کی تفسیر پوری ہوئی۔

تفسیر سورۂ نجم مکیہ

تعارف سورت: صحیح بخاری شریف میں حضرت عبداللہؓ سے مروی ہے کہ سب سے پہلی سورت جس میں سجدہ تھا' سورۂ والنجم اتری ہے۔ نبی ﷺ نے اور آپ ﷺ کے پیچھے جتنے تھے سب نے سجدہ کیا۔ لیکن ایک شخص کو میں نے دیکھا کہ اس نے اپنی مٹھی میں مٹی لے کر اس پر سجدہ کر لیا۔ پھر میں نے دیکھا کہ وہ اس کے بعد کفر کی حالت میں ہی مارا گیا۔ یہ امیہ بن خلف تھا۔ لیکن اس میں ایک اشکال ہے وہ یہ کہ دوسری روایت میں ہے کہ یہ عتبہ بن ربیعہ تھا۔

سُوْرَةُ النَّجْمِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ اثْنَتَانِ وَسِتُّوْنَ اٰيَةً وَثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ۝۱ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۝۲ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝۳ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝۴

اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے

قسم ہے ستارے کی جب وہ جھکے کہ تمہارے ساتھی نے نہ راہ گم کی ہے نہ وہ ٹیڑھی راہ پر ہے اور نہ اپنی نفسانی خواہش سے کوئی بات کہتے ہیں وہ تو صرف وحی ہے جو اتاری جاتی ہے۔

ستارے کی قسم: حضرت شعبیؒ فرماتے ہیں خالق تو اپنی مخلوق میں سے جس کی چاہے قسم کھالے لیکن مخلوق سوائے اپنے خالق کے کسی اور کی قسم نہیں کھا سکتی (ابن ابی حاتم)۔ ستارے کے جھکنے سے مراد فجر کے وقت ثریا ستارے کا غائب ہونا ہے۔ بعض کہتے ہیں مراد زہرہ نامی ستارہ ہے۔ حضرت ضحاکؒ فرماتے ہیں مراد اس کا جھڑ کر شیطان کی طرف لپکنا ہے۔ اس قول کی اچھی توجیہ ہو سکتی ہے۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں اس جملے کی تفسیر یہ ہے کہ قسم ہے قرآن کی' جب وہ اترے۔ اس آیت جیسی ہی آیت ﴿ فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ﴾ الخ ہے۔ پھر جس بات پر قسم کھائی ہے اس کا بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ نیکی اور رشد و ہدایت والے اور تابع حق ہیں۔ وہ بے علمی کے ساتھ کسی غلط راہ لگے ہوئے یا باوجود علم کے ٹیڑھا راستہ اختیار کیے ہوئے نہیں ہیں۔ گمراہی والے نصرانیوں اور جان بوجھ کر خلاف حق کرنے والے یہودیوں کی طرح آپ ﷺ نہیں۔ آپ ﷺ کا علم کامل' آپ ﷺ کا عمل مطابق علم' آپ ﷺ کا سیدھا راستہ آپ ﷺ عظیم الشان شریعت کے شارع' آپ ﷺ اعتدال والی راہ حق پر قائم' آپ ﷺ کا کوئی قول کوئی فرمان اپنے نفس کی خواہش اور ذاتی غرض سے نہیں ہوتا بلکہ جس چیز کی تبلیغ کا آپ ﷺ کا حکم الٰہی ہوتا ہے آپ ﷺ اسے ہی زبان سے نکالتے ہیں۔ جو وہاں سے کہا جائے وہ آپ ﷺ کی زبان سے ادا ہوتا ہے کمی بیشی زیادتی نقصان سے آپ ﷺ کا کلام پاک ہوتا ہے۔

حدیث پیغمبر وحی ہے: مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک شخص کی شفاعت سے جو نبی نہیں ہیں مثل دو قبیلوں کے یا دو میں سے ایک قبیلے کی گنتی کے برابر لوگ جنت میں داخل ہوں گے' قبیلہ ربیعہ اور قبیلہ مضر۔ اس پر ایک شخص نے کہا کیا ربیعہ مضر میں سے نہیں ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا میں تو وہی کہتا ہوں جو کہتا ہوں۔ مسند کی اور حدیث میں ہے حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں میں حضور ﷺ سے جو کچھ سنتا تھا اسے حفظ کرنے کے لیے لکھ لیا کرتا تھا پس بعض قریشیوں نے مجھے اس سے روکا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ ایک انسان ہیں کبھی کبھی غصے اور غضب میں بھی کچھ فرما دیا کرتے ہیں۔ چنانچہ میں لکھنے سے رک گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا لکھ لیا کرو۔ اللہ

تعالیٰ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میری زبان سے سوائے حق بات کے اور کوئی کلمہ نہیں نکلتا۔ یہ حدیث ابوداؤد اور ابن ابی شیبہ میں بھی ہے۔ بزار میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں تمہیں جس امر کی خبر اللہ تعالیٰ کی طرف سے دوں اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہوتا۔ مسند احمد میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا میں بجز حق کے اور کچھ نہیں کہتا۔ اس پر بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا کہ حضور ﷺ کبھی کبھی ہم سے خوش طبعی بھی کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس وقت بھی میری زبان سے ناحق نہیں نکلتا۔

عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ۝ ذُوْ مِرَّةٍ ۭ فَاسْتَوٰى ۝ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ۝ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۝ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۝ فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى ۝ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ۝ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ۝ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۝ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ۝ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ۝ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ۝ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ۝ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ۝

اسے پوری طاقت والے فرشتے نے سکھایا ہے۔ جو زور آور ہے وہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اور وہ بلند آسمان کے کناروں پر تھا۔ پھر نزدیک ہوا اور اتر آیا۔ پس دو کمانوں کا فاصلہ رہ گیا بلکہ اس سے بھی کم۔ پس اس نے اللہ کے بندے کو پیغام پہنچایا جو بھی پہنچایا۔ جو دیکھا اس میں پیغمبر کے دل نے جھوٹ نہیں کہا۔ کیا تم جھگڑا کرتے ہو اس پر جو پیغمبر دیکھتے ہیں؟ اسے تو ایک مرتبہ اور بھی دیکھا تھا۔ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس اسی کے پاس جنۃ الماویٰ ہے۔ جب کہ سدرہ کو چھپائے لیتی تھی وہ چیز جو چھا رہی تھی۔ نہ تو نگاہ بہکی نہ حد سے بڑھی۔ یقیناً اس نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیوں میں سے بعض نشانیاں دیکھ لیں۔

حضرت جبریل کی شان: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ حضرت محمد ﷺ کے معلم حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں۔ جیسے اور جگہ فرمایا ہے ﴿ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴾ الخ یہ قرآن ایک بزرگ زور آور فرشتے کا قول ہے جو مالک عرش کے ہاں باعزت سب کا مانا ہوا وہاں معتبر ہے۔ یہاں بھی فرمایا وہ قوت والا ہے۔ ﴿ذُوْ مِرَّةٍ﴾ کی ایک تفسیر تو یہی ہے۔ دوسری یہ ہے کہ وہ خوش شکل ہے۔ حدیث میں بھی ﴿مِرَّةٍ﴾ کا لفظ آیا ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں صدقہ مال دار پر اور قوت والے تندرست پر حرام ہے۔ پھر وہ سیدھے کھڑے ہو گئے' یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام۔ اور وہ بلند آسمانوں کے کناروں پر تھے جہاں سے صبح چڑھتی ہے' جو سورج کے طلوع ہونے کی جگہ ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں آنحضرت ﷺ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصلی صورت میں صرف دو دفعہ دیکھا ہے۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ کی خواہش پر اللہ تعالیٰ کے امین اپنی صورت میں آپ ﷺ کو دکھائی دیے۔ آسمانوں کے تمام کنارے ان کے جسم سے ڈھک گئے تھے۔ دوبارہ اس وقت جب کہ آپ ﷺ کو لے کر حضرت جبرئیل علیہ السلام اوپر چڑھے تھے۔ یہ مطلب ہے ﴿ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ﴾ کا امام ابن جریرؒ نے اس تفسیر میں ایک ایسا قول کہا ہے جو کسی نے نہیں کہا اور خود انہوں نے بھی اس قول کی اضافت دوسرے کی طرف نہیں کی۔ ان کے فرمان کا ماحصل یہ ہے کہ جبرئیل علیہ السلام اور آنحضرت ﷺ دونوں بلند آسمانوں کے کناروں پر سیدھے کھڑے ہوئے تھے اور یہ واقعہ معراج کی رات کا ہے۔

امام ابن جریرؒ کی اس تفسیر کی تائید کسی نے نہیں کی۔ گو امام صاحبؒ نے عربیت کی حیثیت سے اسے ثابت کیا ہے اور عربی قواعد سے یہ بھی ہو سکتا ہے لیکن ہے یہ واقعہ کے خلاف۔ اس لیے کہ یہ دیکھنا معراج سے پہلے کا ہے۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ زمین پر تھے۔

آپ ﷺ کی طرف جبرئیل علیہ السلام اترے تھے۔ اور قریب ہو گئے تھے اور اپنی اصلی صورت پر تھے۔ چھ سو پر تھے' پھر اس کے بعد دوبارہ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس معراج والی رات میں دیکھا تھا۔ یہ تو دوبارہ کا دیکھنا تھا لیکن پہلی مرتبہ کا دیکھنا تو شروع رسالت کے زمانہ کا ذکر ہے۔ پہلی وحی ﴿ اِقْرَاْبِاسْمِ ﴾ الخ کی چند آیتیں آپ ﷺ پر نازل ہو چکی تھیں پھر وحی بند ہو گئی تھی جس کا حضور ﷺ کو بڑا خیال بلکہ بڑا ملال تھا' یہاں تک کہ کئی دفعہ آپ ﷺ کا ارادہ ہوا کہ پہاڑ پر سے گر پڑوں۔ لیکن ہر وقت آسمان کی طرف سے حضرت جبرئیل کی یہ ندا سنائی دی کہ اے محمد ﷺ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں' اور میں جبرئیل ہوں۔ آپ ﷺ کا غم غلط ہو جاتا' دل پر سکون اور طبیعت میں قرار ہو جاتا واپس چلے آتے۔ لیکن پھر کچھ دنوں کے بعد شوق دامن گیر ہوتا اور وحی الٰہی کی لذت یاد آتی تو نکل کھڑے ہوتے اور پہاڑ پر سے اپنے تئیں گرا دینا چاہتے اور اسی طرح حضرت جبرئیل علیہ السلام تسکین و تسلی کر دیا کرتے یہاں تک کہ ایک مرتبہ ابطح میں حضرت جبرئیل علیہ السلام اپنی اصلی صورت میں ظاہر ہو گئے۔ چھ سو پر تھے جسامت نے آسمان کے تمام کنارے ڈھک لیے تھے۔ اب آپ ﷺ سے قریب آ گئے اور اللہ عزوجل کی وحی آپ ﷺ کو پہنچائی۔ اس وقت حضور ﷺ کو اس فرشتے کی عظمت و جلالت معلوم ہوئی اور جان گئے کہ اللہ کے نزدیک یہ کس قدر بلند مرتبہ ہے۔

معراج کا ذکر: مسند بزار کی ایک روایت امام ابن جریر کے قول کی تائید میں پیش ہو سکتی ہے مگر اس کے راوی صرف حارث بن عبید ہیں جو بصرہ کے رہنے والے مشہور شخص ہیں۔ ابو قدامہ ایادی ان کی کنیت ہے مسلم میں ان سے روایتیں آئی ہیں لیکن امام ابن معینؒ انہیں ضعیف کہتے ہیں اور فرماتے ہیں یہ کوئی چیز نہیں۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں یہ مضطرب الحدیث ہیں۔ امام ابو حاتم رازیؒ کا قول ہے کہ ان کی حدیثیں لکھ لی جاتی ہیں' لیکن ان سے دلیل نہیں لی جا سکتی۔ ابن حبانؒ فرماتے ہیں یہ بڑے وہمی تھے' ان سے احتجاج درست نہیں۔ پس یہ حدیث صرف ان ہی کی روایت سے ہے تو علاوہ غریب ہونے کے منکر ہے اور اگر ثابت ہو بھی جائے تو ممکن ہے یہ واقعہ کسی خواب کا ہو۔ اس میں ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں میں بیٹھا ہوا تھا جو حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے میرے دونوں کندھوں کے درمیان زور سے ہاتھ رکھا اور مجھے کھڑا کیا۔ میں نے دیکھا کہ ایک درخت ہے جس میں پرندوں کے آشیانوں کی طرح بیٹھنے کی جگہیں بنی ہوئی ہیں ایک میں تو حضرت جبرئیل علیہ السلام بیٹھ گئے اور دوسرے میں میں بیٹھ گیا پھر وہ درخت بلند ہونے لگا' یہاں تک کہ میں آسمان سے بالکل قریب پہنچ گیا۔ میں دائیں بائیں کروٹیں بدلتا تھا اور اگر میں چاہتا تو ہاتھ بڑھا کر آسمان کو چھو لیتا میں نے دیکھا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام اس وقت ہیبت الٰہی سے مثل بوریے کے بچھے جا رہے تھے اس وقت میں سمجھ گیا کہ اللہ کی جلالت و قدر کے علم میں انہیں مجھ پر فضیلت ہے۔ آسمان کے دروازوں میں سے ایک دروازہ مجھ پر کھل گیا میں نے بہت بڑا عظیم الشان نور دیکھا' اور پردے کے پاس دُرّ و یاقوت کو ہلتے اور حرکت کرتے دیکھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے جو وحی فرمانی چاہی وہ فرمائی۔ مسند میں ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو اپنی اصلی صورت میں دیکھا ہے ان کے چھ سو پر تھے ہر ایک ایسا جس نے آسمان کے کنارے پر کر دیے تھے ان سے زمرد اور موتی اور مروارید جھڑ رہے تھے۔ اور روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے جبرئیل علیہ السلام سے خواہش کی کہ میں آپ کو آپ کی اصلی صورت میں دیکھنا چاہتا ہوں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے۔ آپ ﷺ نے دعا کی تو مشرق کی طرف سے آپ ﷺ کو کوئی چیز اونچی اٹھتی ہوئی اور پھیلی ہوئی نظر آئی جسے دیکھ کر آپ ﷺ بے ہوش ہو گئے۔ جبرئیل علیہ السلام فوراً آئے اور آپ ﷺ کو ہوش میں لائے اور آپ ﷺ کی باچھوں سے تھوک دور کیا۔ ابن عساکر میں ہے کہ ابولہب اور اس کا بیٹا عتبہ شام کے سفر کی تیاریاں کرنے لگے' اس کے بیٹے نے کہا سفر میں جانے سے پہلے ایک مرتبہ ذرا محمد ﷺ کے اللہ کو ان کے سامنے گالیاں تو دے آؤں۔ چنانچہ یہ آیا اور کہا اے محمد! جو قریب ہوا اور اترا اور دو کمانوں کے برابر بلکہ اس سے بھی زیادہ نزدیک آ گیا میں تو اس کا منکر ہوں۔ چونکہ یہ نانہجار سخت بے ادب تھا اور بار بار گستاخی سے پیش آتا تھا حضور ﷺ کی زبان سے اس کے لیے بددعا نکل گئی کہ باری تعالیٰ اپنے کتوں میں سے ایک کتا اس پر مقرر کر دے۔ یہ جب لوٹ کر اپنے باپ کے پاس آیا اور ساری باتیں

کہہ سنائیں تو اس نے کہا بیٹا! اب مجھے تو تیری جان کا اندیشہ ہو گیا' اس کی دعا رد نہ جائے گی۔ اس کے بعد یہ قافلہ یہاں سے روانہ ہوا۔ شام کی سرزمین میں ایک راہب عبادت خانہ کے پاس پڑاؤ کیا۔ راہب نے ان سے کہا یہاں تو بھیڑیے اس طرح پھرتے ہیں جیسے بکریوں کا ریوڑ' تم یہاں کیوں آ گئے ؟ ابولہب یہ سن کر کھٹک گیا اور تمام قافلے والوں کو جمع کر کے کہا دیکھو میرے بڑھاپے کا حال تمہیں معلوم ہے اور تم جانتے ہو کہ میرے کیسے کچھ حقوق تم پر ہیں اب آج میں تم سے ایک عرض کرتا ہوں امید ہے کہ تم سب اسے قبول کرو گے۔ بات یہ ہے کہ مدعی نبوت نے میرے جگر گوشے کے لیے بد دعا کی ہے اور مجھے اس کی جان کا خطرہ ہے۔ تم اپنا سب اسباب اس عبادت خانے کے پاس جمع کرو اور اس پر میرے پیارے بچے کو سلاؤ اور تم سب اس کے ارد گرد پہرا دو۔ لوگوں نے اسے منظور کر لیا۔ یہ سب اپنے جتن کر کے ہوشیار رہے کہ اچانک شیر آیا اور سب کے منہ سونگھنے لگا۔ جب سب کے منہ سونگھ چکا اور گویا جسے تلاش کر رہا تھا اسے نہ پایا تو پچھلے پیروں ہٹ کر بہت زور کی جست کی اور ایک چھلانگ میں اس مچان پر پہنچ گیا وہاں جا کر اس کا منہ بھی سونگھا اور گویا کہ وہی اس کا مطلوب تھا۔ پھر تو اس نے اس کے پرخچے اڑا دیے' چیر پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ اس وقت ابولہب کہنے لگا اس کا تو مجھے پہلے ہی سے یقین تھا کہ محمد ﷺ کی بد دعا سے یہ بچ نہیں سکتا۔ پھر فرماتا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آنحضرت ﷺ سے قریب ہوئے اور زمین کی طرف اترے یہاں تک کہ حضور ﷺ کے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کے درمیان صرف دو کمانوں کے برابر فاصلہ رہ گیا بلکہ اس سے بھی اور نزدیکی ہو گئی۔ یہاں لفظ او جس کی خبر دی جاتی ہے اسکے ثابت کرنے کے لیے آیا ہے اس پر جو زیادتی ہو اس کی نفی کے لیے۔ جیسے اور جگہ ہے پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے پس وہ مثل پتھروں کے ہیں ﴿ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ﴾ بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت یعنی پتھر سے کم کسی صورت میں نہیں بلکہ اس سے بھی سختی میں بڑھے ہوئے ہیں۔ اور فرمان ہے کہ وہ لوگوں سے ایسا ڈرتے ہیں جیسا کہ اللہ سے ﴿ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ﴾ بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ اور جگہ ہے ہم نے انہیں ایک لاکھ کی طرف بھیجا بلکہ زیادہ کی طرف یعنی وہ ایک لاکھ سے کم تو تھے ہی نہیں بلکہ حقیقتاً وہ ایک لاکھ تھے یا اس سے زیادہ ہی زیادہ۔ پس اپنی خبر کی تحقیق ہے شک و تردد کے لیے نہیں خبر میں اللہ کی طرف سے شک کے ساتھ بیان نہیں ہو سکتا۔ یہ قریب آنے والے حضرت جبرئیل علیہ السلام تھے جیسے ام المومنین عائشہؓ ابوذرؓ ابن مسعودؓ ابوہریرہؓ کا فرمان ہے اور اس کی بابت حدیثیں بھی عنقریب ہم وارد کریں گے' انشاء اللہ تعالیٰ۔ صحیح مسلم میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے دل سے اپنے رب کو دو دفعہ دیکھا جن میں سے ایک کا بیان اس آیت ثم دنا میں ہے۔

حضرت انسؓ والی معراج کی حدیث میں ہے پھر اللہ تعالیٰ رب العزت قریب ہوا اور نیچے آیا۔ اور اسی لیے محدثین نے اس میں کلام کیا ہے' اور کئی ایک غرابتیں ثابت کی ہیں' اور اگر ثابت ہو جائے کہ یہ صحیح ہے تو بھی دوسرے وقت اور دوسرے واقعہ پر محمول ہو گی۔ اس آیت کی تفسیر نہیں کہی جا سکتی۔ یہ واقعہ تو اس وقت کا ہے جب کہ رسول اللہ ﷺ زمین پر تھے نہ کہ معراج والی رات کا۔ کیونکہ اس کے بیان کے بعد ہی فرمایا ہے ہمارے نبی نے اسے ایک مرتبہ اور بھی سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دیکھا ہے۔ پس یہ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس کا دیکھنا تو واقعہ معراج کا ذکر ہے۔ اور پہلی مرتبہ کا دیکھنا یہ زمین پر تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا میں نے جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا ان کے چھ سو پر تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں نبی ﷺ کی ابتدا نبوت کے وقت آپ ﷺ نے خواب میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا' پھر آپ ﷺ اپنی ضروری حاجت سے فارغ ہونے کے لیے نکلے تو سنا کہ کوئی آپ ﷺ کا نام لے کر پکار رہا ہے۔ ہر چند دائیں بائیں دیکھا لیکن کوئی نظر نہ آیا۔ تین مرتبہ ایسا ہی ہوا۔ تیسری بار آپ ﷺ نے اوپر کی طرف دیکھا تو دیکھا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام اپنے دونوں پاؤں میں سے ایک کو دوسرے سمیت موڑے ہوئے آسمان کے کناروں کو روکے ہوئے ہیں۔ قریب تھا کہ حضور ﷺ دہشت زدہ ہو جائیں کہ فرشتے نے کہا میں جبرئیل ہوں' میں جبرئیل ہوں'

ڈرو نہیں لیکن حضور ﷺ سے ضبط نہ ہو سکا' بھاگ کر لوگوں میں چلے آئے' اب جو نظریں ڈالیں تو کچھ دکھائی نہ دیا۔ پھر یہاں سے نکل کر باہر گئے اور آسمان کی طرف نظر ڈالی تو پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام اسی طرح نظر آئے آپ ﷺ پھر خوف زدہ لوگوں کے مجمع میں آگئے تو یہاں کچھ بھی نہیں۔ باہر نکل کر پھر جو دیکھا تو وہی سماں نظر آیا پس اسی کا ذکر ان آیتوں میں ہے۔ قاب آدھی انگلی کو بھی کہتے ہیں اور بعض کہتے ہیں صرف دو ہاتھ کا فاصلہ رہ گیا تھا۔ اور روایت میں ہے کہ اس وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام پر دو ریشمی حلے تھے۔

آنحضرت ﷺ نے اللہ کو نہیں دیکھا: پھر فرمایا اس نے وحی کی الخ اس سے مراد یا تو یہ ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اللہ کے بندے اور اس کے رسول ﷺ کی طرف وحی کی۔ یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کی طرف جبرئیل علیہ السلام کی معرفت اپنی وحی نازل فرمائی' دونوں معنے صحیح ہیں۔ حضرت سعید ابن جبیرؒ فرماتے ہیں اس وقت کی وحی ﴿ **اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا** ﴾ اور ﴿ **وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ** ﴾ تھی۔ اور حضرات سے مروی ہے کہ اس وقت یہ وحی نازل ہوئی تھی کہ نبیوں پر جنت حرام ہے جب تک کہ آپ ﷺ اس میں نہ جائیں' اور امتوں پر جنت حرام ہے جب تک کہ پہلے آپ ﷺ کی امت داخل نہ ہو جائے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں آپ ﷺ نے اپنے دل سے دو دفعہ دیکھا ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ نے دیکھنے کو مطلق رکھا ہے۔ یعنی خواہ دل کا دیکھنا ہو خواہ ظاہری آنکھوں کا۔ یہ ممکن ہے کہ اس مطلق کو بھی مقید پر محمول کریں یعنی آپ ﷺ نے اپنے دل سے دیکھا۔ جن بعض حضرات نے کہا ہے کہ اپنی ان آنکھوں سے دیکھا انہوں نے ایک غریب قول کہا ہے۔ اس لیے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس بارے میں کوئی چیز صحت کے ساتھ مروی نہیں۔ امام بغویؒ فرماتے ہیں ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ حضور ﷺ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا' جیسے حضرت انسؓ اور حضرت حسنؓ اور حضرت عکرمہؒ ان کے اس قول میں نظر ہے' واللہ اعلم۔

ترمذی میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا۔ حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں میں نے یہ سن کر کہا پھر یہ آیت کہاں جائے گی جس میں فرمان ہے ﴿ **لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ** ﴾ اسے کوئی نگاہ نہیں پا سکتی اور وہ سب نگاہوں کو پالیتا ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ یہ اس وقت ہے جب کہ وہ اپنے نور کی پوری تجلی کرے' ورنہ آپ ﷺ نے دو دفعہ اپنے رب کو دیکھا ہے۔ یہ حدیث حسنؒ غریب ہے۔ ترمذی کی اور روایت میں ہے کہ ابن عباسؓ کی ملاقات حضرت کعبؓ سے ہوئی اور انہیں پہچان کر ان سے ایک سوال کیا جو ان پر بہت گراں گزرا۔ ابن عباسؓ نے فرمایا ہمیں بنو ہاشم نے یہ خبر دی ہے تو حضرت کعبؓ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنا دیدار اور اپنا کلام محمد ﷺ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان تقسیم کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دو مرتبہ باتیں کیں اور آنحضرت ﷺ کو دو مرتبہ اپنا دیدار دکھایا۔ ایک مرتبہ حضرت مسروقؒ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور پوچھا کہ کیا رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ آپ نے فرمایا تو نے تو ایسی بات کہہ دی کہ جس سے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے میں نے کہا' مائی صاحبہ! قرآن کریم فرماتا ہے آپ ﷺ نے اپنے رب کی بڑی نشانیاں دیکھیں۔ آپ نے فرمایا کہاں جا رہے ہو؟ سنو اس سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام کا دیکھنا ہے۔ جو تم سے کہے کہ محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا یا حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے کسی فرمان کو چھپا لیا یا آپ ﷺ ان پانچ باتوں میں سے کوئی بات جانتے تھے۔ ۱۔ یعنی قیامت کب قائم ہو گی' ۲۔ بارش کب اور کتنی برسے گی' ۳۔ مادہ کے پیٹ میں نر ہے یا مادین' ۴۔ کون کل کیا کرے گا' ۵۔ کون کہاں مرے گا؟ اس نے بڑی جھوٹ بات کہی اور اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھا۔ بات یہ ہے کہ آپ ﷺ نے جبرئیل کو دیکھا تھا۔ دو مرتبہ اللہ کے اس امین کو آپ ﷺ نے ان کی اصلی صورت میں دیکھا ہے ایک تو سدرۃ المنتہیٰ کے پاس اور ایک مرتبہ جیاد میں۔ ان کے چھ سو پر تھے اور آسمان کے کل کنارے انہوں نے بھر رکھے تھے۔ نسائی میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ کیا تمہیں تعجب معلوم ہوتا ہے کہ خلت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے تھی اور کلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے اور دیدار حضرت محمد ﷺ کے لیے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کیا آپ نے اپنے رب کو

دیکھا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا وہ سراسر نور ہے میں اسے کیسے دیکھ سکتا ہوں؟ ایک روایت میں ہے میں نے نور دیکھا۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے اس سوال کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا میں نے اپنے دل سے اپنے رب کو دو دفعہ دیکھا ہے پھر آپ ﷺ نے آیت ﴿ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ ﴾ پڑھی۔ اور روایت میں ہے میں نے اپنی ان آنکھوں سے نہیں دیکھا ہاں دل سے دو دفعہ دیکھا ہے پھر آپ ﷺ نے آیت ﴿ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ﴾ پڑھی۔

حضرت عکرمہؒ سے ﴿ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ ﴾ کی بابت سوال ہوا۔ تو آپ نے فرمایا ہاں آپ ﷺ نے دیکھا اور پھر دیکھا۔ سائل نے پھر حضرت حسنؒ سے بھی سوال کیا تو آپ نے فرمایا اسکے جلال عظمت اور چادر کبریائی کو دیکھا۔ حضور ﷺ سے ایک مرتبہ یہ جواب دینا بھی مروی ہے کہ میں نے نہر دیکھی اور نہر کے پیچھے پردہ دیکھا اور پردہ کے پیچھے نور دیکھا اس کے سوا میں نے کچھ نہیں دیکھا۔ یہ حدیث بھی بہت غریب ہے۔ ایک حدیث مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا ہے۔ اس کی اسناد شرط صحیح پر ہے لیکن یہ حدیث' حدیث خواب کا مختصر ٹکڑا ہے۔ چنانچہ مطوّل حدیث میں ہے کہ میرے پاس میرا رب بہت اچھی صورت میں آج کی رات (راوی کہتا ہے میرے خیال میں) خواب میں آیا اور فرمایا اے محمد ﷺ جانتے ہو بلند مقام والے فرشتے کس مسئلہ پر گفتگو کر رہے ہیں؟ میں نے کہا نہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے دو بازوؤں کے درمیان رکھا جس کی ٹھنڈک مجھے میرے سینے میں محسوس ہوئی' پس زمین و آسمان کی ہر چیز مجھے معلوم ہو گئی۔ پھر مجھ سے وہی سوال کیا۔ میں نے کہا اب مجھے معلوم ہو گیا وہ ان نیکیوں کے بارے میں جو گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہیں اور جو درجے بڑھاتی ہیں آپس میں پوچھ گچھ کر رہے ہیں۔ مجھ سے حق جل شانہ' نے پوچھا اچھا پھر تم بتلاؤ کفارے کی نیکیاں کیا کیا ہیں؟ میں نے کہا نمازوں کے بعد مسجدوں میں رکے رہنا' جماعت کے لیے چل کر آنا' جب وضو ناگوار گزرتا ہو اچھی طرح مل مل کر وضو کرنا۔ جو ایسا کرے گا وہ بھلائی کے ساتھ زندگی گزارے گا اور خیر کے ساتھ انتقال ہو گا اور گناہوں سے اس طرح الگ ہو جائے گا جیسے آج دنیا میں آیا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا اے محمد ﷺ جب نماز پڑھو یہ کہو! ﴿ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَ تَرْكَ الْمُنْكَرَاتِ وَحُبَّ الْمَسَاكِيْنَ وَاِذَآ اَرَدْتَّ بِعِبَادِكَ فِتْنَةً اَنْ تَقْبِضَنِىْ اِلَيْكَ غَيْرَ مَفْتُوْنٍ ﴾ یعنی یا اللہ میں تجھ سے نیکیوں کے کرنے برائیوں کے چھوڑنے مسکینوں سے محبت رکھنے کی توفیق طلب کرتا ہوں تو جب اپنے بندوں کو فتنے میں ڈالنا چاہے تو مجھے فتنے میں پڑنے سے پہلے ہی اپنی طرف اٹھا لینا۔ فرمایا اور درجے بڑھانے والے اعمال یہ ہیں کھانا کھلانا' سلام پھیرنا' لوگوں کی نیند کے وقت رات کو تہجد کی نماز پڑھنا۔ اسی کی مثل روایت سورۂ ص کی تفسیر کے خاتمے پر گزر چکی ہے۔ ابن جریر میں یہ روایت دوسری سند سے مروی ہے جس میں غربت والی زیادتی اور بھی بہت سی ہے اس میں کفارے کے بیان میں ہے کہ جمعہ کی نماز کے لیے پیدل چلنے کے قدم' ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار۔ میں نے کہا یا اللہ تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنا کلیم بنایا اور یہ کیا پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے تیرا سینہ کھول نہیں دیا اور تیرا بوجھ ہٹا نہیں دیا؟ اور فلاں اور فلاں احسان تیرے اوپر نہیں کیے اور بھی ایسے ایسے احسان بتلائے کہ تمہارے سامنے ان کے بیان کی مجھے اجازت نہیں۔ اسی کا بیان ان آیتوں ﴿ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ﴾ الخ میں ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے میری آنکھوں کا نور میرے دل میں پیدا کر دیا اور میں نے اللہ تعالیٰ کو اپنے دل سے دیکھا' اس کی اسناد ضعیف ہے۔ اوپر عتبہ بن ابولہب کا یہ کہنا کہ میں اس قریب آنے اور نزدیک ہونے والے کو نہیں مانتا اور پھر حضور ﷺ کا اس کے لیے بددعا کرنا اور شیر کا اسے پھاڑ کھانا بیان ہو چکا ہے۔ یہ واقعہ زرقا میں یا سراۃ میں ہوا تھا اور آنحضرت ﷺ نے پیشگوئی فرما دی تھی کہ یہ اس طرح ہلاک ہو گا۔ پھر آنحضرت ﷺ کا حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دوبارہ دیکھنا بیان ہو رہا ہے' جو معراج والی رات کا واقعہ ہے۔ معراج کی حدیثیں نہایت مفصل کے ساتھ سورۂ سبحان کی شروع آیت کی تفسیر میں گزر چکی ہیں جن کے دوبارہ یہاں وارد کرنے کی ضرورت نہیں۔

یہ بھی بیان گزر چکا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ معراج والی رات دیدار باری تعالیٰ کے ہونے کے قائل ہیں۔ ایک جماعت سلف و

خلف کا قول بھی یہی ہے۔ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی بہت سی جماعتیں اس کے خلاف ہیں۔ اسی طرح تابعین اور دوسرے بھی اس کے خلاف ہیں۔ حضور ﷺ کا جبرئیل علیہ السلام کو ان کے پروں سمیت دیکھنا وغیرہ اس قسم کی روایتیں اوپر گزر چکی ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضرت مسروقؒ کا پوچھنا اور آپ کا جواب بھی ابھی بیان ہوا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اپنے اس جواب کے بعد آیت ﴿ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ﴾ الخ کی تلاوت کی اور ﴿ مَاكَانَ لِبَشَرٍ ﴾ الخ کی بھی تلاوت فرمائی یعنی کوئی آنکھ اسے نہیں دیکھ سکتی اور وہ سب نگاہوں کو پالیتا ہے۔ کسی انسان سے اللہ کا کلام کرنا ممکن نہیں ہاں وحی سے یا پردے کے پیچھے سے ہو تو اور بات ہے۔ پھر فرمایا جو تم سے کہے کہ آنحضرت ﷺ کو کل کی بات کا علم تھا اس نے غلط اور جھوٹ کہا پھر آیت ﴿ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ﴾ آخر تک پڑھی۔ اور فرمایا جو کہے کہ حضور ﷺ نے اللہ کی کسی بات کو چھپالیا اس نے بھی جھوٹ کہا اور تہمت باندھی پھر آیت ﴿ يٰاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ﴾ پڑھی۔ یعنی اے رسول جو تمہاری جانب تمہارے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اسے پہنچادو۔ ہاں آپ ﷺ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصلی صورت پر دو مرتبہ دیکھا ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت مسروقؒ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے سورۂ نجم کی آیت ﴿ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ ﴾ اور ﴿ نَزْلَةً اُخْرٰى ﴾ والی پڑھیں' اس کے جواب میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا اس امت میں سے سب سے پہلے ان آیتوں کے متعلق خود نبی ﷺ سے میں نے سوال کیا تھا آپ ﷺ نے فرمایا اس سے مراد میرا حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دیکھنا ہے۔ آپ ﷺ نے صرف دو دفعہ اس امین اللہ کو ان کی اصلی صورت میں دیکھا۔ ایک مرتبہ آسمان سے زمین پر آتے ہوئے' اس وقت تمام خلا ان کے جسم سے پر تھا۔ یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن شقیقؒ نے حضرت ابوذرؓ سے کہا کہ اگر میں حضور ﷺ کو دیکھتا تو آپ ﷺ سے ایک بات تو ضرور پوچھتا۔ حضرت ابوذرؓ نے کہا کیا پوچھتے؟ کہا یہ کہ کیا آپ نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا ہے؟ حضرت ابوذرؓ نے فرمایا یہ سوال تو خود میں نے جناب رسالت مآب ﷺ سے کیا تھا۔ آپ ﷺ نے مجھے جواب دیا کہ میں نے اسے نور دیکھا وہ تو نور ہے میں اسے کیسے دیکھ سکتا۔

صحیح مسلم میں بھی یہ حدیث دو سندوں سے ہے دونوں کے الفاظ میں ہیر پھیر ہے۔ حضرت امام احمدؒ فرماتے ہیں میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس حدیث کی کیا توجیہ کروں' دل اس پر مطمئن نہیں۔ ابن ابی حاتم میں حضرت ابوذرؓ سے منقول ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے دل سے دیدار کیا ہے آنکھوں سے نہیں۔ امام ابن خزیمہؒ فرماتے ہیں عبداللہ بن شقیقؒ اور حضرت ابوذرؓ کے درمیان انقطاع ہے۔ اور امام ابن جوزی فرماتے ہیں ممکن ہے حضرت ابوذرؓ کا یہ سوال معراج کے واقعہ سے پہلے کا ہو اور حضور ﷺ نے اس وقت جواب دیا ہو۔ اگر یہ سوال معراج کے بعد آپ ﷺ سے کیا جاتا تو ضرور آپ ﷺ اس کے جواب میں ہاں فرماتے انکار نہ کرتے۔ لیکن یہ قول سرتاپا ضعیف ہے اس لیے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا سوال تو قطعاً معراج کے بعد کا تھا لیکن آپ ﷺ کا جواب اس وقت بھی انکار میں ہی رہا۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ ان سے خطاب ان کی عقل کے مطابق کیا گیا' یا یہ کہ ان کا یہ خیال غلط ہے' چنانچہ ابن خزیمہؒ نے کتاب التوحید میں یہی لکھا ہے۔ تو دراصل یہ محض خطا ہے اور بالکل غلطی ہے' واللہ اعلم۔

سدرۃ المنتہٰی کا ذکر: حضرت انسؓ اور حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو دل سے تو دیکھا ہے لیکن اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا ہاں حضرت جبرئیل علیہ السلام کو اپنی آنکھوں سے ان کی اصلی صورت میں دو مرتبہ دیکھا ہے۔ سدرۃ المنتہٰی پر اس وقت فرشتے بہ کثرت تھے اور نور اللہ اس پر جگمگا رہا تھا اور قسم قسم کے رنگ جنہیں بجز اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جان سکتا۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں معراج والی رات آنحضرت ﷺ سدرۃ المنتہٰی تک پہنچے جو ساتویں آسمان پر ہے۔ زمین سے جو چیزیں چڑھتی ہیں وہ یہیں تک چڑھتی ہیں پھر یہاں سے اٹھالی جاتی ہیں۔ اسی طرح جو چیزیں اللہ کی طرف سے نازل ہوتی ہیں یہیں تک پہنچتی ہیں پھر یہاں سے پہنچائی جاتی ہیں۔ اس وقت اس درخت پر سونے کی ٹڈیاں لدی ہوئی تھیں۔ حضور ﷺ کو وہاں تین چیزیں عطا فرمائی گئیں پانچوں وقت کی نمازیں' سورہ بقرہ کے خاتمہ کی آیتیں' اور آپ ﷺ کی امت میں سے جو مشرک نہ ہو اس کے گناہوں کی بخشش (مسلم)۔

ابو ہریرہؓ سے یا کسی اور صحابی رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ جس طرح کوے کسی درخت کو گھیر لیتے ہیں اسی طرح اس وقت سدرۃ المنتہیٰ پر فرشتے چھا رہے تھے۔ وہاں جب حضور ﷺ پہنچے تو آپ ﷺ سے کہا گیا کہ جو مانگنا ہو مانگو۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں اس درخت کی شاخیں مروارید یاقوت اور زبرجد کی تھیں۔ آنحضرت ﷺ نے اسے دیکھا اور اپنے دل کی آنکھوں سے اللہ کی بھی زیارت کی۔ ابن زید فرماتے ہیں حضور ﷺ سے سوال ہوا کہ آپ نے سدرہ پر کیا دیکھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا اسے سونے کی ٹڈیاں ڈھانکے ہوئے تھیں اور ہر ہر پتے پر ایک ایک فرشتہ کھڑا ہوا اللہ کی تسبیح کر رہا تھا۔ آپ ﷺ کی نگاہیں دائیں بائیں نہیں ہوئیں جس چیز کے دیکھنے کا حکم تھا وہیں لگی رہیں۔ ثابت قدمی' اور کامل اطاعت کی یہ پوری دلیل ہے کہ جو حکم تھا وہی بجا لائے' جو دیے گیے وہی لے کر خوش ہوئے۔ اسی کو ایک ناظم نے تعریفاً کہا ہے آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی نشانیاں ملاحظہ فرمائیں جیسے اور جگہ ہے ﴿ لِنُرِيَكَ مِنْ اٰيٰتِنَا الْكُبْرٰى ﴾ اس لیے کہ ہم تجھے اپنی بڑی بڑی نشانیاں دکھائیں جو ہماری کامل قدرت اور زبردست عظمت پر دلیل بن جائیں۔ ان دونوں آیتوں کو دلیل بنا کر اہل سنت کا مذہب ہے کہ حضور ﷺ نے اس رات اللہ کا دیدار اپنی آنکھوں سے نہیں کیا کیونکہ ارشاد باری ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں' اگر خود اللہ کا دیدار ہوتا تو اسی دیدار کا ذکر ہوتا اور لوگوں پر اسے ظاہر کیا جاتا۔ ابن مسعودؓ کا قول گزر چکا کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ کی خواہش پر دوسری دفعہ آسمان پر چڑھتے وقت جبرئیل علیہ السلام کو آپ ﷺ نے ان کی اصلی صورت میں دیکھا۔ پس جب کہ جبرائیل علیہ السلام نے اپنے رب عزوجل کو خبر دی اپنی اصلی صورت میں عود کر گئے اور سجدہ ادا کیا۔ پس سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دوبارہ دیکھنے سے انہی کا دیکھنا مراد ہے۔ یہ روایت مسند احمد میں ہے اور غریب ہے۔

اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ﴿١٩﴾ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ﴿٢٠﴾ اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ﴿٢١﴾ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ﴿٢٢﴾ اِنْ هِىَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ ۚ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى ﴿٢٣﴾ اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰى ﴿٢٤﴾ فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْاُوْلٰى ﴿٢٥﴾ وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِى السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِىْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى ﴿٢٦﴾

کیا تم نے لات اور عزی کو دیکھا؟ اور مناۃ تیسرے پچھلے کو کیا تمہارے لیے لڑکے اور اللہ کے لیے لڑکیاں؟ یہ تو اب بڑی بے انصافی کی تقسیم ہے در اصل یہ صرف نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے ان کے رکھ لیے ہیں اللہ نے ان کی کوئی سند نہیں اتاری یہ لوگ تو صرف اٹکل کے اور اپنی نفسانی خواہش کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں یقیناً ان کے رب کی طرف سے ان کے پاس ہدایت آ چکی ہے۔ کیا ہر شخص جو آرزو کرے اسے میسر ہے؟ اللہ ہی کے ہاتھ ہے یہ جہان۔ اور وہ جہان بہت سے فرشتے آسمانوں میں ہیں جن کی سفارش کچھ بھی نفع نہیں دے سکتی مگر یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی خوشی اور اپنی چاہت سے جس کے لیے چاہے اجازت دیدے۔

لات عزی اور منات کا ذکر: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ مشرکین کو ڈانٹ رہا ہے کہ وہ بتوں کی اور اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کی پرستش کرتے ہیں اور جس طرح خلیل اللہ نے بحکم اللہ کا گھر بنایا ہے یہ لوگ اپنے اپنے معبودان باطل کے پرستش کدے بنا رہے ہیں۔ لات ایک سفید پتھر منقش تھا جس پر قبہ بنا رکھا تھا' غلاف چڑھائے جاتے تھے' مجاور اور محافظ اور جاروب کش مقرر تھے' اس کے آس پاس کی جگہ کو مثل

حرم کے حرمت و بزرگی والے جانتے تھے۔ اہل طائف کا یہ بت کدہ تھا۔ قبیلہ ثقیف اس کا پجاری اور اس کا متولی تھا۔ قریش کے سوا باقی اور سب پر یہ لوگ اپنا فخر جتایا کرتے تھے۔ ابن جریرؒ فرماتے ہیں ان لوگوں نے لفظ اللہ سے لفظ لات بنایا تھا گویا اس کا مونث بنایا تھا۔ اللہ کی ذات تمام شریکوں سے پاک ہے۔ ایک قرائت میں لفظ لات تا کی تشدید کے ساتھ ہے یعنی گھولنے والا۔ اسے لات اس معنی میں اس لیے کہتے تھے کہ یہ ایک نیک شخص تھا موسم حج میں حاجیوں کو ستو گھول گھول کر پلاتا تھا۔ اس کے انتقال کے بعد لوگوں نے اس کی قبر پر مجاورت شروع کر دی رفتہ رفتہ اسی کی عبادت کرنے لگے۔ اسی طرح لفظ عزی لفظ عزیز سے لیا گیا ہے۔ مکے اور طائف کے درمیان نخلہ میں یہ ایک درخت تھا۔ اس پر بھی قبہ بنا ہوا تھا چادریں چڑھی ہوئی تھیں قریش اس کی عظمت کرتے تھے۔ ابوسفیان نے احد والے دن بھی کہا تھا ہمارا عزیٰ ہے اور تمہارا نہیں۔ اس کے جواب میں حضور ﷺ نے کہلوایا تھا اللہ ہمارا والی ہے اور تمہارا والی کوئی نہیں۔

صحیح بخاری میں ہے جو شخص لات و عزی کی قسم کھا بیٹھے اسے چاہیے فوراً ﴿لا الٰہ الا اللّٰہ﴾ کہہ لے اور جو اپنے ساتھی سے کہدے کے آجوا کھیلیں اسے صدقہ کرنا چاہیے۔ مطلب یہ ہے کہ جاہلیت کے زمانہ میں چونکہ اسی کی قسم کھائی جاتی تھی تو اب اسلام کے بعد بھی اگر کسی کی زبان سے اگلی عادت کے موافق یہ الفاظ نکل جائیں تو اسے کلمہ پڑھ لینا چاہیے۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ ایک مرتبہ اسی طرح لات عزی کی قسم کھا بیٹھے جس پر لوگوں نے انہیں متنبہ کیا' یہ حضور ﷺ کے پاس گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ﴿ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴾ پڑھ لو اور تین مرتبہ ﴿ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴾ پڑھ کر اپنی بائیں جانب تھوک دو اور آئندہ سے ایسا نہ کرنا۔ مکے اور مدینے کے درمیان قدید کے پاس مشلل میں مناۃ تھا۔ قبیلہ خزاعہ اور اوس اور خزرج جاہلیت میں اس کی بہت عظمت کرتے تھے یہیں سے احرام باندھ کر وہ حج کعبہ کے لیے جاتے تھے۔ اسی طرح علاوہ ان تین کے اور بھی بہت سے بت اور تھان تھے جن کی عرب لوگ پرستش کرتے تھے اور بے حد تعظیم کرتے تھے۔ لیکن چونکہ ان تین کی شہرت بہت زیادہ تھی اس لیے یہاں صرف ان تین کا ہی بیان فرمایا۔ ان مقامات کے یہ لوگ طواف بھی کرتے تھے' قربانیوں کے جانور وہاں لے جاتے تھے ان کے نام پر جانور چڑھاتے تھے۔ باوجود اس کے یہ سب لوگ کعبہ کی حرمت و عظمت کے قائل تھے اسے مسجد ابراہیم علیہ السلام مانتے تھے اور اس کی خاطر خود توقیر کرتے تھے۔ سیرۃ ابن اسحٰق میں ہے کہ قریش اور بنو کنانہ عزی کے پجاری تھے جو نخلہ میں تھا اس کا نگہبان اور متولی قبیلہ بنو شیبان تھا جو قبیلہ سلیم کی شاخ تھا اور بنو ہاشم کے ساتھ ان کا بھائی چارہ تھا۔ اس بت کے توڑنے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے بعد حضرت خالد بن ولیدؓ کو بھیجا تھا جنہوں نے اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور کہتے جاتے تھے۔

﴿ يَا عُزّٰى كُفْرَانَكِ لَا سُبْحَانَكِ اِنِّيْ رَاَيْتُ اللّٰهَ قَدْ اَهَانَكِ ﴾ اے عزی میں تیرا منکر ہوں تیری پاکی بیان کرنے والا نہیں ہوں' میرا ایمان ہے کہ تیری عزت کو اللہ نے خاک میں ملا دیا۔ یہ ببول کے تین درختوں پر تھا جو درخت کاٹ ڈالے اور قبہ ڈھا دیا اور واپس آن کر حضور ﷺ کو اطلاع دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم نے کچھ نہیں کیا لوٹ کر پھر دوبارہ جاؤ۔ حضرت خالدؓ کے دوبارہ تشریف لے جانے پر وہاں کے محافظ اور خدام نے بڑے بڑے مکر و فریب کیے اور خوب غل مچا مچا کر ﴿ يَا عُزّٰى يَا عُزّٰى ﴾ کے نعرے لگائے۔ حضرت خالدؓ نے جو دیکھا تو معلوم ہوا کہ ایک ننگی عورت ہے جس کے بال بکھرے ہوئے ہیں اور اپنے سر پر مٹی ڈال رہی ہے۔ آپ نے تلوار کے ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کیا اور واپس آ کر حضور ﷺ کو خبر دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا عزی یہی تھا۔ لات قبیلہ ثقیف کا بت تھا جو طائف میں تھا۔ اس کی تولیت اور مجاورت بنو معتب میں تھی۔ یہاں اس کے ڈھانے کے لیے نبی ﷺ نے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ اور حضرت ابوسفیان صخر بن حربؓ کو بھیجا تھا۔ جنہوں نے اسے معدوم کر کے اس کی جگہ مسجد بنا دی۔ مناۃ اوس و خزرج اور ان کے ہم خیال لوگوں کا بت تھا۔ یہ مشلل کی طرف سمندر کے کنارے قدید میں تھا۔ یہاں بھی حضور ﷺ نے حضرت ابوسفیانؓ کو بھیجا اور آپ اس کے ریزے ریزے کر آئے۔ بعض کا قول ہے کہ حضرت علیؓ کے ہاتھ یہ کفرستان فنا ہوا۔

ذوالخلصہ بت کا ذکر: ذوالخلصہ نامی بت خانہ دوس اور خثعم بجیلہ کا تھا اور جو لوگ ان کے ہم وطن تھے۔ یہ تبالہ میں تھا اور اسے یہ لوگ کعبہ یمانیہ کہتے تھے اور مکہ کے کعبہ کو کعبہ شامیہ کہتے تھے۔ یہ حضرت جریر بن عبداللہ بجلیؓ کے ہاتھوں رسول اللہ ﷺ کے حکم سے فنا ہوا۔ فلس نامی بت خانہ قبیلہ طے اور ان کے آس پاس کے عربوں کا تھا یہ جبل طے میں سلمٰی اور اجا کے درمیان تھا۔ اس کے توڑنے پر حضرت علیؓ مامور ہوئے تھے' آپ نے اسے توڑ دیا اور یہاں سے دو تلواریں لے گئے تھے' ایک رسوب دوسری مخزم۔ آنحضرت ﷺ نے یہ دونوں تلواریں انہی کو دیدیں۔ قبیلہ حمیر اور اہل یمن نے اپنا بت خانہ صنعاء میں ریام نامی بنا رکھا تھا۔ مذکور ہے کہ اس میں ایک سیاہ کتا تھا اور وہ دو حمیری جو تبع کے ساتھ نکلے تھے انہوں نے اسے نکال کر قتل کر دیا اور اس بت خانہ کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ اور رضا نامی بت کدہ بنو ربیعہ ابن سعد کا تھا اس کو مستوغر ابن ربیعہ بن کعب بن سعد نے اسلام میں ڈھایا۔

ابن ہشام فرماتے ہیں کہ ان کی عمر تین ۳۳۰ سو تیس سال تھی جس کا بیان خود انہوں نے اپنے اشعار میں کیا ہے۔ ذوالکعبات نامی صنم خنا بکر اور تغلب اور ایاد قبیلے کا سنداد میں تھا۔ پھر فرماتا ہے کیا تمہارے لیے تو لڑکے ہوں اور اللہ کی لڑکیاں ہوں؟ کیونکہ یہ مشرکین اپنے زعم باطل میں فرشتوں کو اللہ کی لڑکیاں سمجھتے تھے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اگر تم آپس میں تقسیم کرو اور کسی کو صرف لڑکیاں اور کسی کو صرف لڑکے دو تو وہ بھی راضی نہ ہوگا اور یہ تقسیم نا منصفی کی سمجھی جائے گی چہ جائیکہ تم اللہ کے لیے لڑکیاں ثابت کرو اور خود تم اپنے لیے لڑکے پسند کرو۔ پھر فرماتا ہے ان کو تم نے اپنی طرف سے بغیر کسی دلیل کے معبود ٹھہرا کر جو چاہا نام گھڑ لیا ہے ورنہ دراصل نہ وہ معبود ہیں نہ کسی ایسے پاک نام کے مستحق ہیں خود یہ لوگ بھی ان کی پوجا پاٹ پر کوئی دلیل پیش نہیں کر سکتے صرف اپنے بڑوں پر حسن ظن رکھ کر جو انہوں نے کیا تھا یہ بھی کر رہے ہیں۔ مکھی پر مکھی مارتے چلے جاتے ہیں۔ مصیبت تو یہ ہے کہ باوجود دلیل آ جانے کے اللہ کی باتیں واضح ہو جانے کے پھر بھی باپ دادا کی غلط راہ کو نہیں چھوڑتے۔ پھر فرماتا ہے کیا ہر انسان کی ہر تمنا خواہ مخواہ پوری ہی ہوتی ہے؟ جو کہے میں حق پر ہوں تو کیا وہ حق پر ہو ہی گیا؟ تم گو دعوے لمبے چوڑے کرو لیکن دعووں سے مراد اور مقصد حاصل نہیں ہو جاتا۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں تمنا کرتے وقت سوچ لیا کرو کیا تمنا کرتے ہو؟ تمہیں نہیں معلوم کہ اس تمنا پر تمہارے لیے کیا لکھا جائے گا؟ تمام امور کا مالک اللہ تعالیٰ ہے دنیا اور آخرت میں تصرف اسی کا ہے جو اس نے چاہا ہو رہا ہے اور جو چاہے گا ہوگا۔ پھر فرماتا ہے کہ بغیر اجازت الٰہی کوئی بڑے سے بڑا فرشتہ بھی کسی کے لیے سفارش کا لفظ بھی نہیں نکال سکتا' جیسے فرمایا ﴿ مَنْ ذَا الَّذِیْ ﴾ الخ کون ہے جو اس کے پاس اس کی اجازت کے بغیر سفارش پیش کر سکے' اس کے فرمان بغیر کسی کو کسی کی سفارش نفع نہیں دے سکتی۔ پس جب کہ بڑے بڑے قریبی فرشتوں کا یہ حال ہے تو پھر اے ناواقفو! تمہارے یہ بت اور تھان کیا نفع پہنچا دیں گے؟ ان کی پرستش سے اللہ روک رہا ہے۔ تمام رسول اور کل آسمانی کتابیں اللہ کے سوا اوروں کی عبادت سے روکنا اپنا عظیم الشان مقصد بتاتی ہیں' پھر تم ان کو اپنا سفارشی سمجھ رہے ہو۔ کس قدر غلط راہ ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ لَيُسَمُّونَ الْمَلَائِكَةَ تَسْمِيَةَ الْأُنْثَىٰ ﴿٢٧﴾ وَمَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ ۖ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ ۖ وَإِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ﴿٢٨﴾ فَأَعْرِضْ عَنْ مَنْ تَوَلَّىٰ عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ إِلَّا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ﴿٢٩﴾ ذَٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِنَ الْعِلْمِ ۚ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدَىٰ ﴿٣٠﴾

بے شک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ فرشتوں کا زنانہ نام مقرر کرتے ہیں۔ حالانکہ انہیں اسکا کوئی علم نہیں وہ صرف اپنے گمان کے پیچھے پڑے

ہوئے ہیں اور بے شک وہم و گمان حق کے مقابلے میں کچھ کام نہیں دیتا۔ تو اس سے منہ موڑ لے جو ہماری یاد سے منہ موڑے اور جن کا ارادہ بجز زندگانی دنیا اور کچھ نہ ہو۔ یہی ان کے علم کی انتہا ہے تیرا رب اس سے خوب واقف ہے جو اس کی راہ سے بھٹک گیا ہے اور وہی خوب واقف ہے اس سے بھی جو راہ یافتہ ہو گیا۔

بے ایمان لوگوں کی باتیں: اللہ تعالیٰ مشرکین کے اس قول کی تردید فرماتا ہے کہ اللہ کے فرشتے اس کی لڑکیاں ہیں جیسے اور جگہ ہے ﴿ وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ ﴾ الخ یعنی اللہ کے مقبول بندوں فرشتوں کو انہوں نے لڑکیاں ٹھہرا دی ہیں کیا ان کی پیدائش کے وقت یہ موجود تھے؟ ان کی شہادت لکھی جائے گی اور ان سے پرسش کی جائے گی۔ یہاں بھی فرمایا کہ یہ لوگ فرشتوں کے زنانہ نام رکھتے ہیں جو ان کی بے علمی کا نتیجہ ہے محض جھوٹ کھلا بہتان بلکہ صریح شرک ہے یہ صرف ان کی اٹکل ہے اور یہ ظاہر ہے کہ اٹکل پچو باتیں حق کے قائم مقام نہیں ہو سکتیں۔ حدیث میں ہے گمان سے بچو گمان بدترین جھوٹ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرماتا ہے کہ حق سے اعراض کرنے والوں سے آپ بھی اعراض کر لیں۔ ان کا منتہائے نظر صرف زندگانی دنیا ہے اور جس کی غایت یہ سفلی دنیا ہو اس کا انجام کبھی نیک نہیں ہوتا۔ ان کے علم کی غایت بھی یہی ہے کہ دنیا طلبی اور کوشش دنیا میں ہر وقت منہمک رہیں۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں دنیا اس کا گھر ہے جس کا آخرت میں گھر نہ ہو اور دنیا اس کا مال ہے جو آخرت میں کنگال ہو اسے جمع کرنے کی دھن میں وہ رہتا ہے جو عقل سے خالی ہو۔ ایک منقول دعا میں حضور ﷺ کے یہ الفاظ بھی آئے ہیں ﴿ اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلِ الدُّنْيَا اَكْبَرَ هَمِّنَا وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا ﴾ پروردگار! تو ہماری اہم تر کوشش اور منتہائے نظر اور مقصد معلومات صرف دنیا ہی کو نہ کر۔ پھر فرماتا ہے کہ جمیع مخلوقات کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے جسے چاہے ہدایت دے جسے چاہے ضلالت دے سب کچھ اس کی قدرت علم اور حکمت سے ہو رہا ہے وہ عادل ہے اپنی شریعت میں اور انداز مقرر کرنے میں ظلم و بے انصافی نہیں کرتا۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۙ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ۚ﴿۳۱﴾ اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ۭ هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ﴿۳۲﴾

اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے اللہ تعالیٰ بدکاروں کو ان کے اعمال کا بدلہ دے گا اور نیک کاروں کو اچھا بدلہ عنایت فرمائے گا۔ ان لوگوں کو جو بڑے گناہوں سے بچتے ہیں اور بے حیائی سے بھی سوائے کسی چھوٹے سے گناہ کے۔ بے شک تیرا رب بہت کشادہ مغفرت والا ہے وہ تمہیں بخوبی جانتا ہے جب کہ اس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور جب کہ تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں بچے تھے پس تم اپنی پاکیزگی آپ بیان نہ کرو وہی پرہیزگار کو خوب جانتا ہے۔

دنیا جہان میں بادشاہت اللہ کی ہے: مالک آسمان و زمین بے پرواہ مطلق شہنشاہ حقیقی، عادل و خالق حق و حق کار اللہ تعالےٰ ہی ہے۔ ہر کسی کو اسکے اعمال کا بدلہ دینے والا، نیکی پر نیک جزا اور بدی پر بری سزا وہی دے گا اسکے نزدیک بھلے لوگ وہ ہیں جو اسکی حرام کردہ چیزوں اور کاموں سے، بڑے بڑے گناہوں اور بدکاریوں و نالائقیوں سے الگ رہیں، ان سے بتقضائے بشریت اگر کبھی کوئی چھوٹا سا گناہ سرزد ہو بھی جائے تو پروردگار پردہ پوشی کرتا ہے اور معاف فرما دیتا ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے ﴿ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبٰٓئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ ﴾ الخ اگر تم ان

کبیرہ گناہوں سے پاک دامن رہے جن سے تمہیں روک دیا گیا ہے تو تمہاری برائیاں معاف فرما دیں گے اور تمہیں عزت والی جگہ یعنی جنت میں داخل کر دیں گے'

چھوٹے گناہ: یہاں بھی فرمایا مگر چھوٹی چھوٹی لغزشیں اور انسانیت کی کمزوریاں معاف ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں لمم کی تفسیر میرے خیال میں حضرت ابوہریرہؓ کی بیان کردہ اس حدیث سے زیادہ اچھی کوئی نہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ابن آدم پر اس کا زنا کا حصہ لکھ دیا ہے جسے وہ یقیناً پا کر ہی رہے گا۔ آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے زبان کا بولنا ہے دل امنگ اور آرزو کرتا ہے۔ اب شرمگاہ خواہ اسے سچا کر دکھائے یا جھوٹا (بخاری و مسلم)۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں آنکھوں کا زنا نظر کرنا ہے اور ہونٹوں کا زنا بوسہ لینا ہے اور ہاتھوں کا زنا پکڑنا اور پیروں کا زنا چلنا ہے اور شرمگاہ اسے سچا کر دیتی ہے یا جھوٹا کر دیتی ہے۔ یعنی اگر شرمگاہ کو نہ روک سکا اور بدکاری کر بیٹھا تو سب اعضاء کا زنا ثابت ہو گیا' اور اگر اپنے اس عضو کو روک لیا تو وہ سب لمم میں داخل ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ لمم بوسہ لینا' چھیڑنا دیکھنا اور مس کرنا ہے اور جب شرمگاہیں مل گئیں تو غسل واجب ہو گیا اور زناکاری کا گناہ ثابت ہو گیا۔ حضرت ابن عباسؓ سے اس جملہ کی تفسیر یہی مروی ہے یعنی جو پہلے گزر گیا۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں گناہ سے آلودگی ہو پھر چھوڑ دے۔ تو لمم میں داخل ہے۔ شاعر کہتا ہے

﴿ اِنْ تَغْفِرِ اللّٰهُمَّ تَغْفِرْ جَمًّا وَاَیُّ عَبْدٍ لَّكَ مَا اَلَمَّا ﴾

اے اللہ جب کہ تو معاف فرماتا ہے تو سب ہی کچھ معاف فرما دے ورنہ یوں آلودہ عصیاں تو ہر انسان ہے۔

مجاہدؒ فرماتے ہیں اہل جاہلیت اپنے طواف میں عموماً اس شعر کو پڑھا کرتے تھے۔ ابن جریر میں حضور ﷺ کا اس شعر کو پڑھنا بھی مروی ہے۔ ترمذی میں بھی یہ مروی ہے اور امام ترمذی اسے حسن صحیح غریب کہتے ہیں۔ بزارؒ فرماتے ہیں ہمیں اس کی اور سند معلوم نہیں صرف اسی سند سے مرفوعاً مروی ہے ابن ابی حاتم اور بغوی نے بھی اسے نقل کیا ہے۔ بغوی نے اسے سورہ تنزیل میں روایت کیا ہے لیکن اس مرفوع کی صحت میں نظر ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا مراد یہ ہے کہ زنا سے نزدیکی ہونے کے بعد توبہ کرے اور پھر نہ لوٹے' چوری کے قریب ہو جانے کے بعد چوری نہ کی اور توبہ کر کے لوٹ آیا۔ اسی طرح شراب پینے کے قریب ہو کر شراب نہ پی اور توبہ کر کے لوٹ گیا یہ سب المام ہیں جو ایک مومن کو معاف ہیں۔ حضرت حسنؒ سے بھی یہی مروی ہونا بیان کیا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں مراد اس سے شرک کے علاوہ گناہ ہیں۔ ابن زبیرؒ فرماتے ہیں دو حدوں کے درمیان حد زنا اور عذاب آخرت۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ہر وہ چیز جو دو حدوں کے درمیان ہو حد دنیا اور حد آخرت۔ نمازیں اس کا کفارہ بن جاتی ہیں اور وہ ہر واجب کر دینے والی سے کم ہے۔ حد دنیا تو وہ ہے جو کسی گناہ پر اللہ نے دنیوی سزا مقرر کر دی ہے اور حد آخرت وہ ہے کہ جس چیز پر اللہ نے جہنم واجب کر دی ہے اور اس کی سزا دنیا میں مقرر نہیں کی۔ تیرے رب کی بخشش بہت وسیع ہے ہر چیز کو گھیر لیا ہے اور تمام گناہوں پر اس کا احاطہ ہے۔ جیسے فرمان ہے ﴿ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا ﴾ الخ اے میرے وہ بندو! جنہوں نے اپنی جان پر اسراف کیا ہے اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو نا اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو بخش دیتا ہے اور وہ بڑی بخشش والا اور بڑے رحم والا ہے۔ پھر فرمایا وہ تمہیں دیکھنے والا اور تمہارے ہر حال کا علم رکھنے والا اور تمہارے ہر کلام کو سننے والا اور تمہارے تمام تر اعمال سے واقف ہے جب کہ اس نے تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو زمین سے پیدا کیا اور ان کی پیٹھ سے ان کی اولاد نکالی جو چیونٹیوں کی طرح پھیل گئی پھر ان کی تقسیم کر کے دو گروہ بنا دیے ایک جنت کے لیے اور ایک جہنم کے لیے۔ اور جب کہ تم اپنی ماں کے پیٹ میں بچے تھے اس کے مقرر کردہ فرشتے نے روزی' عمر' عمل' نیکی بدی لکھ لی۔ بہت سے بچے پیٹ سے ہی گر جاتے ہیں۔ بہت سے دودھ پینے کی حالت میں فوت ہو جاتے ہیں بہت سے دودھ چھٹنے کے بعد بلوغت سے پہلے ہی چل بستے ہیں۔ بہت سے عین جوانی میں دار دنیا خالی کر جاتے ہیں اب جب کہ ہم ان منازل کو طے کر چکے اور بڑھاپے میں آ گئے جس کے بعد کوئی منزل موت کے سوا نہیں اب بھی اگر نہ سنبھلیں تو ہم سے بڑھ کر غافل کون ہے؟ خبردار تم اپنے نفس کا تزکیہ نہ کرو اپنے نیک اعمال کی تعریفیں کرنے نہ بیٹھ جاؤ۔ اپنے تئیں

آپ سر اہنے نہ لگو' جس کے دل میں رب کا ڈر ہے اسے رب ہی خوب جانتا ہے۔

خود کو نیک نہ کہو: اور آیت میں ہے ﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴾ کیا تو نے ان لوگوں کو نہ دیکھا جو اپنے نفس کی پاکیزگی آپ بیان کرتے ہیں وہ نہیں جانتے کہ یہ اللہ کا ہاتھ ہے جسے وہ چاہے برتر اعلیٰ اور پاک صاف کر دے کسی پر کچھ ظلم نہ ہوگا۔ محمد ابن عمرو بن عطاؒ فرماتے ہیں میں نے اپنی لڑکی کا نام برہ رکھا تو مجھ سے حضرت زینب بنت ابو سلمہؓ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے اس نام سے منع فرمایا ہے خود میرا نام بھی برہ تھا جس پر آپ ﷺ نے فرمایا تم خود اپنی برتری اور پاکی آپ نہ بیان کرو تم میں سے نیکی والوں کا علم پورے طور پر اللہ ہی کو ہے۔ لوگوں نے کہا پھر ہم اس کا کیا نام رکھیں؟ فرمایا زینب نام رکھو۔ مسند احمد میں ہے کہ حضور ﷺ کے سامنے کسی نے ایک شخص کی بہت تعریفیں بیان کیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا افسوس تو نے اس کی گردن ماری۔ کئی مرتبہ یہی فرما کر ارشاد فرمایا کہ اگر کسی کی تعریف ہی کرنی ہو تو یوں کہو میرا گمان فلاں کی طرف ایسا ہے حقیقی علم اللہ ہی کو ہے پھر اپنی معلومات بیان کرو۔ خود کسی کی پاکیزگیاں بیان کرنے نہ بیٹھ جاؤ۔ ابو داؤد اور مسلم میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت عثمانؓ کے سامنے ان کی تعریفیں بیان کرنا شروع کر دیں۔ اس پر حضرت مقداد ابن اسودؓ اس کے منہ میں مٹی بھرنے لگے اور فرمایا ہمیں رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے کہ ہم تعریفیں کرنے والوں کے منہ میں مٹی بھر دیں۔

اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ تَوَلّٰى ﴿٣٣﴾ وَاَعْطٰى قَلِيْلًا وَّاَكْدٰى ﴿٣٤﴾ اَعِنْدَهٗ عِلْمُ الْغَيْبِ فَهُوَ يَرٰى ﴿٣٥﴾ اَمْ لَمْ يُنَبَّاْ بِمَا فِيْ صُحُفِ مُوْسٰى ﴿٣٦﴾ وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰٓى ﴿٣٧﴾ اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ﴿٣٨﴾ وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ﴿٣٩﴾ وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ﴿٤٠﴾ ثُمَّ يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى ﴿٤١﴾ وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى ﴿٤٢﴾

کیا تو نے اسے دیکھا جس نے منہ موڑ لیا۔ اور بہت کم دیا اور سخت دل ہو گیا۔ کیا اسے علم غیب ہے کہ وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے؟ کیا اسے اس چیز کی خبر نہیں دی گئی جو موسیٰؑ کے اور وفادار ابراہیم کے صحیفوں میں تھا۔ کہ کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔ اور یہ کہ ہر انسان کے لیے صرف وہی ہے جس کی کوشش خود اس نے کی۔ اور یہ کہ بے شک اس کی کوشش عنقریب دیکھی جائے گی پھر اسے پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

دین سے منہ موڑنے والا: اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی مذمت کر رہا ہے جو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری سے منہ موڑ لیں سچائی قبول نہ کریں نہ نمازیں ادا کریں بلکہ جھٹلائیں اعراض کریں' راہ اللہ بہت ہی کم دیں' دل کو نصیحت قبول کرنے والا نہ بنائیں۔ کبھی کچھ کہنا مان لیا' پھر رسیاں کاٹ کر الگ ہو گئے۔ عرب اکدی اس وقت کہتے ہیں مثلاً کچھ لوگ کنواں کھود رہے ہوں درمیان میں کوئی سخت چٹان آ جائے اور وہ دست بردار ہو جائیں۔ فرماتا ہے کیا اس کے پاس علم غیب ہے جس سے اس نے جان لیا کہ اگر میں راہ للہ اپنا مال دوں گا تو خالی ہاتھ رہ جاؤں گا۔ یعنی دراصل یوں نہیں بلکہ یہ صدقے سے نیکی سے اور بھلائی سے ازروئے بخل کے اور طمع کے اور خود غرضی کے اور نامردی و بے دلی کے رک رہا ہے۔ حدیث میں ہے اے بلال! خرچ کر اور عرش والے سے فقیر بنا دینے کا ڈر نہ رکھ۔ خود قرآن میں ہے ﴿ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴾ تم جو کچھ خرچ کرو گے اللہ تعالیٰ تمہیں اس کا بدلہ دے گا اور وہی بہترین رزاق ہے ﴿ وَفّٰى ﴾ کے معنے ایک تو یہ کیے گئے ہیں کہ انہیں حکم کیا گیا تھا وہ سب انہوں نے پہنچا دیا۔

فائدہ: دوسرے معنی یہ بیان کیے گئے ہیں کہ جو حکم ملا اسے بجا لائے۔ ٹھیک یہ ہے کہ یہ دونوں ہی معنے درست ہیں جیسے اور آیت میں ہے

﴿ وَاِذِ ابْتَلٰى ﴾ الخ ابراہیم علیہ السلام کو جب کبھی جس کسی آزمائش کے ساتھ اس کے رب نے آزمایا آپ نے کامیابی کے ساتھ اس میں نمبر لیے۔ یعنی ہر حکم کو بجالائے ہر منع سے رکے رہے۔ رب کی رسالت پوری طرح پہنچادی' پس اللہ نے انہیں امام بنا کر دوسروں کو ان کا تابعدار بنادیا' جیسے ارشاد ہوا ﴿ ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَّ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴾ پھر ہم نے تیری طرف وحی کی کہ ملت ابرہیم حنیف کی پیروی کی جو مشرک نہ تھا۔ ابن جریرؒ کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ ہر دن وہ دن نکلتے ہی چار رکعت ادا کیا کرتے تھے یہی ان کی وفاداری تھی۔ ترمذی میں ایک حدیث قدسی ہے کہ اے ابن آدم! تو اول دن میں میرے لیے چار رکعت نماز ادا کر لے میں آخر دن تک تیری کفایت کروں گا۔ ابن ابی حاتم کی حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے لفظ ﴿ وَفّٰى ﴾ اس لیے فرمایا کہ وہ ہر صبح شام ان کلمات کو پڑھا کرتے تھے ﴿ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَ حِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ﴾ یہاں تک کہ حضور ﷺ نے آیت ختم کی۔ پھر بیان ہو رہا ہے کہ صحف ابراہیم و موسیٰ میں کیا تھا؟ ان میں یہ تھا کہ جس کسی نے اپنی جان پر ظلم کیا مثلاً شرک و کفر کیا یا گناہ صغیرہ یا کبیرہ کیا تو اس کا وبال خود اس پر ہے اس کا یہ بوجھ کوئی اور نہ اٹھائے گا۔ جیسے قرآن کریم میں ہے ﴿ وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ ﴾ الخ اگر کوئی بوجھل اپنے بوجھ کی طرف کسی کو بلائے گا تو اس میں سے کچھ نہ اٹھائے گا اگرچہ وہ قرابت دار ہو۔ ان صحیفوں میں یہ بھی تھا کہ انسان کے لیے صرف وہی ہے جو اس نے حاصل کیا یعنی جس طرح اس پر دوسرے کا بوجھ نہیں لادا جائے گا دوسروں کی بداعمالیوں میں یہ بھی نہیں پکڑا جائے گا۔ اور اسی طرح دوسرے کی نیکی بھی اسے کچھ فائدہ نہ دے گی۔

کوئی کسی کا بوجھ نہ اٹھائے گا اور مسئلہ ایصال ثواب: حضرت امام شافعیؒ اور ان کے متبعین نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ قرآن خوانی کا ثواب مردوں کو پہنچایا جائے تو نہیں پہنچتا اس لیے کہ نہ تو یہ ان کا عمل ہے نہ کسب۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نہ اس کا جواز بیان کیا نہ اپنی امت کو اس پر رغبت دلائی نہ انہیں اس پر آمادہ کیا نہ تو کسی صریح فرمان کے ذریعہ سے نہ کسی اشارے کنائے سے۔ ٹھیک اسی طرح صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے بھی کسی ایک سے یہ ثابت نہیں کہ انہوں نے قرآن پڑھ کر اس کے ثواب کا ہدیہ میت کے لیے بھیجا ہو۔ اگر یہ نیکی ہوتی اور مطابق شرع عمل ہوتا تو ہم سے بہت زیادہ سبقت نیکیوں کی طرف کرنے والے صحابہ کرام تھے رضی اللہ عنہم اجمعین۔ ساتھ ہی یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ نیکیوں کے کام قرآن و حدیث کے صاف فرمان سے ہی ثابت ہوتے ہیں کسی قسم کی رائے قیاس کا ان میں کوئی دخل نہیں۔ ہاں دعا اور صدقہ کا ثواب میت کو پہنچتا ہے اس پر اجماع ہے اور شارع علیہ السلام کے الفاظ سے ثابت ہے جو حدیث صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا انسان کے مرنے پر اس کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں لیکن تین چیزیں نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرتی رہے یا وہ صدقہ جو اس کے انتقال کے بعد بھی جاری رہے یا وہ علم جس سے نفع اٹھایا جاتا رہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ درحقیقت یہ تینوں چیزیں بھی خود میت کی سعی اس کی کوشش اور اسی کا عمل ہیں یعنی کسی اور کے عمل کا اجر اسے نہیں پہنچ رہا۔ ایک حدیث میں ہے کہ سب سے بہتر انسان کا کھانا وہ ہے جو اس نے اپنے ہاتھوں حاصل کیا ہو اس کی اپنی کمائی ہو اور انسان کی اولاد بھی اس کی کمائی اور اسی کی حاصل کردہ چیز ہے۔ پس ثابت ہوا نیک اولاد جو اس کے مرنے کے بعد اس کے لیے دعا کرتی ہے وہ دراصل اسی کا عمل ہے۔ اسی طرح صدقہ جاریہ مثلاً وقف وغیرہ کہ وہ بھی اس کے عمل کا اثر ہے اور اسی کا کیا ہوا وقف ہے۔ خود قرآن فرماتا ہے ﴿ اِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ ﴾ الخ یعنی ہم مردوں کو زندہ کرتے ہیں اور لکھتے ہیں جو آگے بھیج چکے اور جو نشان ان کے پیچھے رہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے اپنے پیچھے چھوڑے ہوئے نشانات نیک کا ثواب انہیں پہنچتا رہتا ہے۔ رہا وہ علم جسے اس نے لوگوں کو پھیلایا اور اس کے انتقال کے بعد بھی لوگ اس پر عامل اور کاربند رہے وہ بھی دراصل اسی کی سعی اور اسی کا عمل ہے جو اس کے بعد باقی رہا اور اسے ثواب پہنچتا رہا۔ چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ جو شخص ہدایت کی طرف بلائے اور جتنے لوگ اس کی تابعداری کریں ان سب کے اجر کے مثل اسے اجر ملتا ہے۔ درآنحالیکہ ان کے اجر گھٹتے نہیں۔ پھر فرماتا ہے اس کی کوشش قیامت کے دن جانچی جائے گی اس دن اس کا عمل

دیکھا جائے گا۔ جیسے فرمایا ﴿ وَقُلِ اعْمَلُوْا ﴾ الخ یعنی کہدے کہ تم عمل کیے جاؤ اللہ تمہارے اعمال دیکھے گا اور اس کا رسول اور ایمان والے اور عن قریب تم چھپے کھلے کے جاننے والے اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ پھر وہ تمہیں تمہارے اعمال سے خبردار کرے گا یعنی ہر نیکی کی جزا اور ہر بدی کی سزا دے گا۔ یہاں بھی فرمایا پھر اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

وَ اَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَ اَبْكٰى ﴿۴۳﴾ وَ اَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَ اَحْيَا ﴿۴۴﴾ وَ اَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَ الْاُنْثٰى ﴿۴۵﴾ مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰى ﴿۴۶﴾ وَ اَنَّ عَلَيْهِ النَّشْاَةَ الْاُخْرٰى ﴿۴۷﴾ وَ اَنَّهٗ هُوَ اَغْنٰى وَ اَقْنٰى ﴿۴۸﴾ وَ اَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى ﴿۴۹﴾ وَ اَنَّهٗۤ اَهْلَكَ عَادَا الْاُوْلٰى ﴿۵۰﴾ وَ ثَمُوْدَاۡ فَمَاۤ اَبْقٰى ﴿۵۱﴾ وَ قَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ اِنَّهُمْ كَانُوْا هُمْ اَظْلَمَ وَ اَطْغٰى ﴿۵۲﴾ وَ الْمُؤْتَفِكَةَ اَهْوٰى ﴿۵۳﴾ فَغَشّٰىهَا مَا غَشّٰى ﴿۵۴﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكَ تَتَمَارٰى ﴿۵۵﴾

اور یہ کہ تیرے رب کی طرف پہنچنا ہے۔ اور یہ کہ وہی ہنساتا ہے اور وہی رلاتا ہے۔ اور یہ کہ وہی مارتا ہے اور جلاتا ہے۔ اور یہ کہ اسی نے جوڑا یعنی نر و مادہ پیدا کیا ہے نطفہ سے جب کہ وہ ٹپکایا جاتا ہے۔ اور یہ کہ اسی کے ذمہ ہے دوبارہ پیدا کرنا۔ اور یہ کہ وہی تونگر بناتا ہے اور سرمایہ دیتا ہے۔ اور یہ کہ وہی شعری (ستارے) کا رب ہے اور یہ کہ اسی نے اگلے عادیوں کو ہلاک کیا ہے۔ اور ثمود کو بھی (جن میں سے) ایک کو بھی باقی نہ رکھا۔ اور اس سے پہلے قوم نوح کو' یقیناً وہ بڑے ظالم اور سرکش تھے اور موتفکۃ (شہر) اسی نے الٹ دیا پھر اس پر چھا گیا۔ جو چھایا پس اے انسان تو اپنے رب کی کس کس نعمت میں جھگڑے گا؟

بالآخر اللہ کے پاس جانا ہے: فرمان ہے کہ بازگشت آخر اللہ کی طرف ہے۔ قیامت کے دن سب کو لوٹ کر اسی کے سامنے پیش ہونا ہے۔ حضرت معاذؓ نے قبیلہ بنو اود میں خطبہ پڑھتے ہوئے فرمایا اے بنی اود! میں اللہ کے پیغمبر کا قاصد بن کر تمہاری طرف آیا ہوں' تم یقین کرو کہ تمہارا سب کا لوٹنا اللہ کی طرف ہے پھر یا تو جنت میں پہنچائے جاؤ یا جہنم میں دھکیلے جاؤ۔ بغوی میں ہے کہ حضور ﷺ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا اللہ تعالیٰ کی ذات میں فکر کرنا جائز نہیں۔ جیسے اور حدیث میں ہے مخلوق پر غور بھری نظریں ڈالو لیکن ذات خالق میں گہرے نہ اترو۔ اسے عقل و ادراک فکر و ذہن نہیں پا سکتا۔ گو ان لفظوں سے یہ حدیث محفوظ نہیں ہے مگر صحیح حدیث میں بھی یہ مضمون موجود ہے اس میں ہے کہ شیطان کسی کے پاس آتا ہے۔ اور کہتا ہے اسے کس نے پیدا کیا؟ اور اسے کس نے پیدا کیا؟ یہاں تک کہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کس نے پیدا کیا؟ اور جب تم میں سے کسی کے دل میں یہ وسوسہ پیدا ہو تو ﴿ اَعُوْذُ ﴾ پڑھ لے اور اس خیال کو دل سے دور کر دے۔ سنن کی ایک حدیث میں ہے مخلوقات اللہ میں غور و فکر کرو لیکن ذات الٰہی میں غور و فکر نہ کرو۔ سنو اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ پیدا کیا ہے جس کے کان کی لو سے لے کر مونڈھے تک تین سو سال کا راستہ ہے' ﴿ او کما قال ﴾

زندگی اور موت کا مالک اللہ ہے: پھر فرماتا ہے کہ بندوں میں ہنسنے رونے کا مادہ اور ان کے اسباب بھی اسی نے پیدا کیے ہیں جو بالکل مختلف ہیں۔ وہی موت و حیات کا خالق ہے جیسے ﴿ الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ ﴾ اس نے موت و حیات کو پیدا کیا' اسی نے نطفہ سے ہر جاندار کو جوڑا جوڑا بنایا جیسے اور جگہ فرمان ہے ﴿ اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ یُّتْرَكَ سُدًی ﴾ الخ کیا انسان سمجھتا ہے کہ وہ بے کار چھوڑ دیا جائے گا کیا وہ منی کا قطرہ نہ تھا جو (رحم میں) ٹپکایا جاتا ہے؟ پھر کیا وہ بستہ خون نہ تھا؟ پھر اللہ نے اسے پیدا کیا اور درست کیا' اور اس سے جوڑے یعنی نر و مادہ بنائے۔ کیا (ایسی قدرتوں والا) اللہ اس بات پر قادر نہیں کہ مردوں کو زندہ کر دے؟ پھر فرماتا ہے اسی پر دوبارہ زندہ کرنا

ہے یعنی جیسے اس نے ابتداً پیدا کیا ہے اسی طرح مار ڈالنے کے بعد دوبارہ کی پیدائش بھی اس کے ذمہ ہے۔ اسی نے اپنے بندوں کو غنی بنادیا ہے اور مال ان کے قبضہ میں دیدیا ہے جو ان کے پاس ہی بطور پونجی کے رہتا ہے۔ اکثر مفسرین نے کلام کا خلاصہ اس مقام پر یہی ہے۔ گو بعض سے مروی ہے کہ اس نے مال دیا اور غلام دیے' اس نے دیا اور خوش ہوا اسے غنی کر کے اور مخلوق کو اس کا دست نگر بنادیا۔ جسے چاہا غنی کیا جسے چاہا فقیر۔ لیکن یہ پچھلے دونوں قول لفظ سے کچھ زیادہ مطابقت نہیں رکھتے۔

شِعریٰ اس روشن ستارے کا نام ہے جسے مرزم الجوزاء بھی کہتے ہیں۔ بعض عرب اس کی پرستش کرتے تھے۔ عاد اولے یعنی قوم ہود کو جسے عاد بن ارم بن سام بن نوح کہا جاتا ہے اسی نے ان کے طغیان کی بنا پر تباہ کر دیا۔ جیسے فرمایا ﴿ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ﴾ الخ یعنی کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے رب نے عاد کے ساتھ کیا کیا؟ یعنی ارم کے ساتھ جو بڑے قد آور تھے جن کا مثل شہروں میں پیدا نہیں کیا گیا تھا۔ یہ قوم بڑی قوی اور بڑی زور آور تھی' ساتھ ہی اللہ کی بڑی نافرمان اور رسول سے بڑی سرتاب تھی' ان پر ہوا کا عذاب آیا' جو سات راتیں اور آٹھ دن برابر رہا۔ اسی طرح ثمودیوں کو بھی اس نے ہلاک کر دیا۔ جس میں سے ایک بھی باقی نہ بچا۔ اور ان سے پہلے قوم نوح تباہ ہو چکی ہے جو بڑے ناانصاف اور شریر تھے' اور لوط کی بستیاں جنہیں رب قہار نے زیر وزبر کر دیا اور آسمانی پتھروں سے سب بدکاروں کو ہلاک کر دیا' انہیں ایک چیز نے ڈھانپ لیا یعنی پتھروں نے جن کا مینہ ان پر برسا اور برے حالوں تباہ ہوئے۔ ان بستیوں میں چار لاکھ آدمی آباد تھے آبادی کی کل زمین آگ اور گندھک اور تیل بن کر ان پر بھڑک اٹھی۔ حضرت قتادہؒ کا یہی قول ہے۔ جو بہت غریب سند سے ابن ابی حاتم میں مروی ہے۔ پھر فرمایا پھر تو اے انسان اپنے رب کی کس کس نعمت میں جھگڑے گا؟ بعض کہتے ہیں خطاب نبی ﷺ سے ہے۔ لیکن خطاب کو عام رکھنا بہت اولیٰ ہے۔ امام ابن جریرؒ بھی عام رکھنے کو ہی پسند فرماتے ہیں۔

هٰذَا نَذِيْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰى ﴿۵۶﴾ اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ ﴿۵۷﴾ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَاشِفَةٌ ﴿۵۸﴾ اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ تَعْجَبُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَتَضْحَكُوْنَ وَلَا تَبْكُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَاَنْتُمْ سٰمِدُوْنَ ﴿۶۱﴾ فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا ﴿۶۲﴾

یہ نبی ڈرانے والے ہیں پہلے ڈرانے والوں میں سے۔ قیامت نزدیک آگئی اللہ کے سوا اس کا کھول دکھانے والا اور کوئی نہیں۔ پس کیا تم اس بات سے تعجب کرتے ہو؟ اور ہنس رہے ہو؟ روتے نہیں؟ بلکہ تم کھیل رہے ہو اب اللہ کے سامنے سجدے کرو اور اسی کی عبادت کرو۔

آنحضرت ﷺ نذیر بن کر آئے: یہ خوف ڈر سے آگاہ کرنے والے ہیں یعنی آنحضرت ﷺ' آپ ﷺ کی رسالت بھی ایسی ہی ہے جیسے آپ ﷺ کے پہلے کے رسولوں کی رسالت تھی۔ جیسے اور آیت میں ہے ﴿ قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ ﴾ یعنی میں کوئی نیا رسول تو ہوں نہیں' رسالت مجھ سے شروع نہیں ہوئی بلکہ دنیا میں مجھ سے پہلے بھی بہت سے رسول اللہ آچکے ہیں۔ قریب آنے والے کا وقت آگا یعنی قیامت قریب آگئی۔ نہ تو اسے کوئی دفع کر سکے نہ اس کے آنے کے صحیح وقت معین کا کسی کو علم ہے۔ نذیر عربی میں اسے کہتے ہیں مثلاً ایک جماعت ہے جس میں سے ایک شخص نے کوئی ڈراؤنی چیز دیکھی اور اپنی قوم کو اس سے آگاہ کرتا ہے یعنی ڈر اور خوف کی خبر سنانے والا۔ جیسے اور آیت میں ہے ﴿ اِنِّىْ نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَىْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ ﴾ میں تمہیں سخت عذابوں سے مطلع کرنے والا ہوں۔ حدیث میں ہے تمہیں کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں۔ یعنی جس طرح کوئی شخص کسی برائی کو دیکھ لے کہ وہ قوم کے قریب پہنچ چکی ہے اور پھر جس حالت میں ہو اسی میں دوڑا بھاگا آجائے اور قوم کو دفعتہ متنبہ کر دے کہ دیکھو وہ بلا آرہی ہے فوراً تدارک کرلو' اسی طرح قیامت کے ہولناک عذاب بھی لوگوں کی غفلت کی حالت میں ان سے بالکل قریب ہو گئے ہیں اور آنحضرت ﷺ ان عذابوں سے ہوشیار کر رہے

ہیں' جیسے اس کے بعد کی سورت میں ہے ﴿ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ ﴾ قیامت قریب آچکی۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے لوگو! گناہوں کو چھوٹا اور حقیر جاننے سے بچو۔ سنو! چھوٹے چھوٹے گناہوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک قافلہ کسی جگہ اترا سب ادھر ادھر چلے گئے اور لکڑیاں سمیٹ کر تھوڑی تھوڑی لے آئے۔ تو گو ہر ایک کے پاس لکڑیاں کم کم ہیں لیکن جب وہ سب جمع کر لی جائیں تو ایک انبار لگ جاتا ہے جس سے دیگیں کی دیگیں پک جائیں۔ اسی طرح چھوٹے چھوٹے گناہ جمع ہو کر ڈھیر لگ جاتا ہے اور اچانک اس گنہگار کو پکڑ لیا جاتا ہے اور یہ ہلاک ہو جاتا ہے۔ اور حدیث میں ہے میری اور قیامت کی مثال ایسی ہے پھر آپ ﷺ نے اپنی شہادت کی اور درمیان کی انگلی اٹھا کر ان کا فاصلہ دکھایا۔ میری اور قیامت کی مثال دو گھوڑوں کی سی ہے۔ میری اور آخرت کے دن کی مثال ٹھیک اس طرح ہے جس طرح ایک قوم نے کسی شخص کو طلائے پر بھیجا' اس نے دشمن کے لشکر کو بالکل نزدیک کی کمین گاہ میں چھاپہ مارنے کے لیے تیار دیکھا یہاں تک کہ اسے ڈر لگا کہ میرے پہنچنے سے پہلے ہی کہیں یہ نہ پہنچ جائیں تو وہ ایک ٹیلے پر چڑھ گیا اور وہیں کپڑا ہلا ہلا کر انہیں اشارے سے بتلا دیا کہ خبر دار ہو جاؤ دشمن سر پر موجود ہے۔ پس میں ایسا ہی ڈرانے والا ہوں۔ اس حدیث کی شہادت میں اور بھی بہت سی حسن اور صحیح حدیثیں موجود ہیں۔

قرآن سے منہ نہ پھیرو: پھر مشرکین کے اس فعل پر انکار فرمایا کہ وہ قرآن سنتے ہیں مگر اعراض کرتے ہیں اور بے پروائی برتتے ہیں بلکہ اس کی رحمت سے تعجب کے ساتھ انکار کر بیٹھتے ہیں اور اس سے مذاق اور ہنسی کرنے لگتے ہیں۔ چاہیے یہ تھا کہ مثل ایمان داروں کے اسے سن کر روتے' عبرت حاصل کرتے' جیسے مومنوں کی حالت بیان فرمائی کہ وہ اس کلام اللہ کو سن کر روتے دھوتے سجدے میں گر پڑتے ہیں اور خشوع و خضوع میں بڑھ جاتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں سمد گانے کو کہتے ہیں۔ یہ یمنی لغت ہے۔ آپ سے ﴿سَامِدُوْنَ﴾ کے معنی اعراض کرنے والے اور تکبر کرنے والے بھی مروی ہیں۔ حضرت علیؓ اور حسنؒ فرماتے ہیں غفلت کرنے والے۔ پھر اپنے بندوں کو حکم دیتا ہے کہ توحید و اخلاص کے پابند رہو خضوع خلوص اور توحید کے ماننے والے بن جاؤ۔ صحیح بخاری میں ہے حضور ﷺ نے اور آپ ﷺ کے ساتھی مسلمانوں نے اور مشرکوں نے اور جن وانس نے سورہ النجم کے سجدے کے موقعہ پر سجدہ کیا۔ مسند احمد میں ہے کہ مکہ میں رسول اللہ ﷺ نے سورہ والنجم پڑھی۔ پس آپ ﷺ نے سجدہ کیا اور ان لوگوں نے بھی جو آپ ﷺ کے پاس تھے۔ راوی حدیث مطلب ابن ابی وداعہؓ کہتے ہیں میں نے اپنا سر اٹھایا اور سجدہ نہ کیا یہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے' اسلام کے بعد جس کسی کی زبانی اس سورہ مبارکہ کی تلاوت سنتے سجدہ کرتے۔ یہ حدیث سنن نسائی میں بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے سورہ نجم کی تفسیر ختم ہوئی ﴿ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ ﴾

تفسیر سورۂ قمر مکیہ

تعارف سورت: ابو واقد کی روایت سے پہلے گزر چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ عید الضحیٰ اور عید الفطر کی نماز میں سورہ ق اور سورہ قمر پڑھا کرتے تھے' اسی طرح بڑی بڑی محفلوں میں بھی آپ ﷺ ان دونوں کی تلاوت فرمایا کرتے تھے کیونکہ اس میں وعدے وعید کی ابتدا آفرینش اور دوبارہ زندگی کا ساتھ ہی توحید اور اثبات رسالت وغیرہ اہم مقاصد اسلامیہ کا ذکر ہے۔

سُوْرَةُ الْقَمَرِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ خَمْسٌ وَخَمْسُوْنَ اٰيَةً وَثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ﴿١﴾ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ﴿٢﴾ وَكَذَّبُوْا

وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ﴿۳﴾ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْۢبَآءِ مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ ﴿۴﴾ حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ﴿۵﴾

معبود برحق مشفق مہربان کے نام سے شروع

قیامت قریب آگئی اور چاند پھٹ گیا۔ یہ اگر کوئی معجزہ دیکھتے تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ زور دار چلتا ہوا جادو ہے۔ انہوں نے جھٹلایا اور اپنی خواہشوں کی پیروی کی ہر کام ٹھہرے ہوئے وقت پر مقرر ہے۔ یقیناً ان کے پاس وہ خبریں آ چکی ہیں جن میں ڈانٹ ڈپٹ کی نصیحت ہے۔ اور کامل عقل کی بات ہے لیکن ان ڈراونی باتوں نے بھی کچھ فائدہ نہ دیا۔

قیامت قریب آ گئی ہے: اللہ تعالیٰ قیامت کے قرب کی اور دنیا کے خاتمہ کی اطلاع دیتا ہے جیسے اور آیت میں ہے ﴿ اَتٰۤی اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ﴾ اللہ کا امر آ چکا ہے اب تو اس کی طلب کی جلدی چھوڑ دو۔ اور فرمایا ﴿ اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ ﴾ الخ لوگوں کے حساب کا وقت ان کے سروں پر آ پہنچا اور وہ اب تک غفلت میں ہیں۔ اس مضمون کی حدیثیں بھی بہت سی ہیں۔ بزار میں ہے حضرت انسؓ فرماتے ہیں سورج کے ڈوبنے کے وقت جبکہ وہ تھوڑا سا ہی باقی رہ گیا تھا رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب کو خطبہ دیا جس میں فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے دنیا کے گزرے ہوئے حصے میں اور باقی ماندہ حصے میں وہی نسبت ہے جو اس دن کے گزرے ہوئے اور باقی بچے ہوئے حصے میں ہے۔ اس حدیث کے راویوں میں حضرت خلف بن موسیٰؒ کو امام ابن حبان ثقہ راویوں میں گنتے تو ہیں لیکن فرماتے ہیں کبھی کبھی خطا بھی کر جاتے تھے۔

دوسری روایت جو اس کی تقویت بلکہ تفسیر بھی کرتی ہے وہ مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت سے ہے کہ عصر کے بعد جب کہ سورج بالکل غروب کے قریب ہو چکا تھا رسول کریم ﷺ نے فرمایا تمہاری عمریں گزشتہ لوگوں کی عمروں کے مقابلہ میں اتنی ہی ہیں جتنا یہ باقی کا دن گزرے ہوئے دن کے مقابلہ میں ہے۔ مسند کی اور حدیث میں ہے حضور ﷺ نے اپنی کلمہ کی اور درمیانی انگلی سے اشارہ کر کے فرمایا کہ میں اور قیامت اس طرح مبعوث کیے گئے ہیں۔ اور روایت میں اتنی زیادتی ہے کہ قریب تھا وہ مجھ سے آگے بڑھ جائے۔ ولید بن عبدالملک کے پاس جب حضرت ابو ہریرہؓ پہنچے تو اس نے قیامت کے بارے کی حدیث کا سوال کیا' جس پر آپ نے فرمایا میں نے حضور ﷺ سے سنا ہے کہ تم اور قیامت ان دو انگلیوں کی طرح ہو اس کی شہادت اس حدیث سے ہو سکتی ہے جس میں آپ ﷺ کے مبارک ناموں میں سے ایک نام حاشر آیا ہے اور حاشر وہ ہے جس کے قدموں پر لوگوں کا حشر ہو۔

حضرت بہز کی روایت سے مروی ہے کہ حضرت عتبہ بن غزوانؓ نے اپنے خطبہ میں فرمایا اور کبھی کہتے رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خطبہ سناتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا' دنیا کے خاتمہ کا اعلان ہو چکا یہ پیٹھ پھیرے بھاگی جا رہی ہے اور جس طرح برتن کا کھانا کھا لیا جائے اور کناروں میں کچھ باقی لگا لپٹا رہ جائے اسی طرح دنیا کی عمر کا کل حصہ نکل چکا صرف برائے نام باقی رہ گیا ہے۔ تم یہاں سے ایسے جہان کی طرف جانے والے ہو جسے فنا نہیں پس تم سے جو ہو سکے بھلائیاں اپنے ساتھ لے کر جاؤ۔ سنو ہم سے ذکر کیا گیا ہے کہ جہنم کے کنارے سے ایک پتھر پھینکا جائے گا جو برابر ستر سال تک نیچے کی طرف جاتا رہے گا لیکن تلے تک نہ پہنچے گا' اللہ کی قسم جہنم کا یہ گہرا گڑھا انسانوں سے پر ہونے والا ہے۔ تم اس پر تعجب نہ کرو۔ ہم نے یہ ذکر بھی سنا ہے کہ جنت کی چوکھٹ کی دو لکڑیوں کے درمیان چالیس سال کا راستہ ہے اور وہ بھی ایک دن اس قدر پر ہو گی کہ بھیڑ بھاڑ نظر آئے گی الخ (مسلم)۔

علامات قیامت: ابو عبدالرحمٰن سلمیؒ فرماتے ہیں کہ میں اپنے والد کے ہمراہ مدائن گیا اور بستی سے تین میل کے فاصلے پر ہم ٹھہرے۔ جمعہ کے لیے میں بھی اپنے والد کے ہمراہ گیا۔ حضرت حذیفہؓ خطیب تھے۔ آپ نے اپنے خطبے میں فرمایا لوگو سنو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ

قیامت قریب آ گئی اور چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ بے شک قیامت قریب آ چکی ہے' بے شک چاند پھٹ گیا ہے۔ بے شک دنیا جدائی کا الارم بجا چکی ہے آج کا دن کوشش اور تیاری کا ہے کل تو دوڑ بھاگ کر کے آگے بڑھ جانے کا دن ہوگا۔ میں نے اپنے باپ سے دریافت کیا کہ کیا کل دوڑ ہوگی؟ جس میں آگے نکلنا ہوگا؟ میرے باپ نے مجھ سے فرمایا تم نادان ہو یہاں مراد نیک اعمال میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانا ہے۔ دوسرے جمعہ کو جب ہم آئے تو بھی حضرت حذیفہؓ کو اسی کے قریب فرماتے ہوئے سنا' اس کے آخر میں یہ بھی فرمایا کہ غایت آگ ہے اور سابق وہ ہے جو جنت میں پہلے پہنچ گیا۔ چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا یہ آنحضرت ﷺ کے زمانے کا ذکر ہے جیسے کہ متواتر احادیث میں صحت کے ساتھ مروی ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ یہ پانچوں چیزیں روم' دھواں' لزام' بطشہ اور چاند کا پھٹنا یہ سب گزر چکا ہے۔ اس بارے کی حدیثیں سنئے۔ مسند احمد میں ہے کہ اہل مکہ نے نبی کریم ﷺ سے معجزہ طلب کیا جس پر دو مرتبہ چاند شق ہو گیا۔ جس کا ذکر ان دونوں آیتوں میں ہے۔

بخاری میں ہے کہ انہیں چاند کے دو ٹکڑے دکھا دیے ایک حراء کے اس طرف ایک اس طرف۔ مسند میں ہے ایک ٹکڑا ایک پہاڑ پر دوسرا دوسرے پہاڑ پر۔ اسے دیکھ کر بھی جن کی قسمت میں ایمان نہ تھا بول پڑے کہ محمد ﷺ نے ہماری آنکھوں پر جادو کر دیا ہے۔ لیکن سمجھداروں نے کہا کہ اگر مان لیا جائے کہ ہم پر جادو کر دیا ہے تو تمام دنیا کے لوگوں پر تو نہیں کر سکتا۔ اور روایت میں ہے کہ یہ واقعہ ہجرت سے پہلے کا ہے۔ اور روایتیں بھی بہت سی ہیں۔ ابن عباسؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں چاند گہن ہوا' کافر کہنے لگے چاند جادو پر ہوا ہے اس پر یہ آیتیں ﴿ مُسْتَمِرٌّ ﴾ تک اتریں۔ ابن عمرؓ فرماتے ہیں جب چاند پھٹا اس کے دو ٹکڑے ہوئے ایک پہاڑ کے پیچھے اور ایک آگے' اس وقت حضور ﷺ نے فرمایا اے اللہ تو گواہ رہ۔ مسلم اور ترمذی وغیرہ میں یہ حدیث موجود ہے۔

ابن مسعودؓ فرماتے ہیں سب لوگوں نے اسے بخوبی دیکھا اور آپ ﷺ نے فرمایا دیکھو یاد رکھنا اور گواہ رہنا۔ آپ فرماتے ہیں اس وقت حضور ﷺ اور ہم سب منیٰ میں تھے۔ اور روایت میں ہے کہ مکہ میں تھے۔ ابو داؤد طیالسیؒ میں ہے کہ کفار نے یہ دیکھ کر کہا کہ یہ ابن ابی کبشہ' یعنی رسول اللہ ﷺ کا جادو ہے لیکن ان کے سمجھداروں نے کہا مان لو ہم پر جادو کیا ہے لیکن ساری دنیا پر تو نہیں کر سکتا۔ اب جو لوگ سفر سے آئیں ان سے دریافت کرنا زائد کہ کیا انہوں نے بھی اس رات چاند کو دو ٹکڑے دیکھا تھا؟ چنانچہ جب وہ آئے ان سے پوچھا' انہوں نے بھی اس کی تصدیق کی کہ ہاں فلاں شب ہم نے چاند کے دو ٹکڑے ہوتے دیکھا ہے۔ کفار کے مجمع نے یہ طے کیا تھا کہ اگر باہر کے لوگ آ کر یہی کہیں تو حضور ﷺ کی سچائی میں کوئی شک نہیں۔ اب جو باہر سے آیا جب کبھی آیا جس طرف سے آیا ہر ایک نے اس کی شہادت دی کہ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ اسی کا بیان اس آیت میں ہے۔ حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں پہاڑ چاند کے دو ٹکڑوں کے درمیان دکھائی دیتا تھا۔ اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے خاصتہً حضرت صدیقؓ سے فرمایا کہ اے ابو بکر! تم گواہ رہنا۔ اور مشرکین نے اس زبردست معجزے کو بھی جادو کہہ کر ٹال دیا۔ اسی کا ذکر اس آیت میں ہے کہ یہ جب دلیل' حجت اور برہان دیکھتے ہیں سہل انکاری سے کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو چلتا ہوا جادو ہے اور مانتے نہیں بلکہ حق کو جھٹلا کر احکام نبوی کے خلاف اپنی خواہشات نفسانی کے پیچھے پڑے رہتے ہیں۔ اپنی جہالت اور کم عقلی سے باز نہیں آتے۔ ہر امر مستقر ہے یعنی خیر خیر والوں کے ساتھ اور شر شر والوں کے ساتھ۔ اور یہ بھی معنی ہیں کہ قیامت کے دن ہر امر واقع ہونے والا ہے۔ اگلے لوگوں کے وہ واقعات جو دل کو ہلا دینے والے اور اپنے اندر کامل عبرت رکھنے والے ہیں ان کے پاس آ چکے ہیں ان کی تکذیب کے سلسلہ میں ان پر جو بلائیں اتریں اور ان کے جو قصے ان تک پہنچے وہ سراسر عبرت و نصیحت کے خزانے ہیں اور وعظ و ہدایت سے پر ہیں اللہ تعالیٰ جسے ہدایت کرے اور جسے گمراہ کرے اس میں بھی اس کی حکمت بالغہ موجود ہے ان پر شقاوت لکھی جا چکی ہے جن کے دلوں پر مہر لگ چکی ہے انہیں کوئی ہدایت پر نہیں لا سکتا' جیسے فرمایا ﴿ قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ﴾ الخ اللہ تعالیٰ کی دلیلیں ہر طرح کامل ہیں اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت پر لا کھڑا کرتا۔ اور جگہ ہے ﴿ فَمَا تُغْنِى الْاٰيٰتُ وَ النُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴾ بے ایمانوں کو کسی معجزے

نے اور کسی ڈرنے اور ڈر سنانے والے نے کوئی نفع نہ پہنچایا۔

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ ۘ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ إِلَىٰ شَيْءٍ نُّكُرٍ ﴿٦﴾ خُشَّعًا أَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ كَأَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنتَشِرٌ ﴿٧﴾ مُّهْطِعِينَ إِلَى الدَّاعِ ۖ يَقُولُ الْكَافِرُونَ هَٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ﴿٨﴾

وقف لازم

پس اے نبی تم ان سے اعراض کرو جس دن ایک پکارنے والا ناگوار چیز کی طرف پکارے گا۔ یہ جھکی آنکھوں قبروں سے اس طرح نکل کھڑے ہوں گے کہ گویا وہ پھیلا ہوا ٹڈی دل ہے۔ پکارنے والے کی طرف دوڑتے ہوں گے اور کافر کہیں گے یہ دن تو بہت سخت ہے۔

میدان محشر کی طرف جانا: ارشاد ہوتا ہے کہ اے نبی! تم ان کافروں کو جنہیں معجزہ وغیرہ بھی کار آمد نہیں' چھوڑ دو ان سے منہ پھیر لو اور انہیں قیامت کے انتظار میں رہنے دو۔ اس دن انہیں حساب کی جگہ ٹھہرنے کے لیے ایک پکارنے والا پکارے گا جو ہولناک جگہ ہو گی' جہاں بلائیں اور آفتیں ہوں گی' ان کے چہروں پر ذلت اور کمینگی برس رہی ہو گی' مارے ندامت کے آنکھیں نیچے کو جھکی ہوئی ہوں گی' اور قبروں سے نکلیں گے' پھر جس طرح ٹڈی دل چلتا ہے اسی طرح یہ بھی انتشار و سرعت کے ساتھ میدان حساب کی طرف بھاگیں گے' پکارنے والے کی پکار پر کان ہوں گے اور تیز تیز چل رہے ہوں گے' نہ مخالفت کی تاب ہے نہ دیر لگانے کی طاقت' اس سخت ہولناکی کے سخت دن کو دیکھ کر کافر چیخ اٹھیں گے کہ یہ تو بڑا بھاری اور بے حد سخت دن ہے۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ فَكَذَّبُوا عَبْدَنَا وَقَالُوا مَجْنُونٌ وَازْدُجِرَ ﴿٩﴾ فَدَعَا رَبَّهُ أَنِّي مَغْلُوبٌ فَانتَصِرْ ﴿١٠﴾ فَفَتَحْنَا أَبْوَابَ السَّمَاءِ بِمَاءٍ مُّنْهَمِرٍ ﴿١١﴾ وَفَجَّرْنَا الْأَرْضَ عُيُونًا فَالْتَقَى الْمَاءُ عَلَىٰ أَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ﴿١٢﴾ وَحَمَلْنَاهُ عَلَىٰ ذَاتِ أَلْوَاحٍ وَدُسُرٍ ﴿١٣﴾ تَجْرِي بِأَعْيُنِنَا جَزَاءً لِّمَن كَانَ كُفِرَ ﴿١٤﴾ وَلَقَد تَّرَكْنَاهَا آيَةً فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ﴿١٥﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ ﴿١٦﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ﴿١٧﴾

ان سے پہلے قوم نوح نے بھی ہمارے بندے کو جھٹلایا تھا اور دیوانہ بتلا کر جھڑک دیا گیا تھا۔ پس اس نے اپنے رب سے دعا کی کہ میں بے بس ہوں تو میری مدد کر۔ پس ہم نے آسمان کے دروازوں کو زور کے مینہ سے کھول دیا اور زمین کے چشموں کو جاری کر دیا پس اس کام پر جو مقدر کیا گیا تھا پانی خوب جمع ہو گیا۔ اور ہم نے اسے تختوں اور کیلوں والی کشتی پر سوار کر لیا۔ جو ہماری آنکھوں کے سامنے چل رہی تھی۔ بدلہ ہے اس کی طرف سے جس کا کفر کیا گیا تھا۔ اور بے شک ہم نے اس واقعہ کو نشان بنا کر باقی رکھا پس کوئی ہے نصیحت حاصل کرنے والا بتاؤ میرا عذاب اور میری ڈرانے والی باتیں کیسی ہیں؟ بے شک ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کر دیا ہے پس کیا کوئی نصیحت ماننے والا ہے؟

قوم نوح پر عذاب: یعنی اے نبی! ﷺ آپ کی اس امت سے پہلے امت نوح نے اپنی نبی کی جو ہمارے بندے حضرت نوح تھے تکذیب کی' اسے مجنون کہا اور ہر طرح ڈانٹا ڈپٹا اور دھمکایا' صاف کہہ دیا تھا کہ اے نوح اگر تم باز نہ رہے تو ہم تجھے پتھروں سے مار ڈالیں گے۔ ہمارے بندے اور رسول حضرت نوح نے ہمیں پکارا کہ پروردگار! میں ان کے مقابلہ میں محض ناتواں اور ضعیف ہوں میں کسی طرح نہ اپنی ہستی

کو سنبھال سکتا ہوں نہ تیرے دین کی حفاظت کر سکتا ہوں تو ہی میری مدد فرما اور مجھے غلبہ دے۔ ان کی یہ دعا قبول ہوتی ہے اور ان کی کافر قوم پر مشہور طوفان نوح بھیجا جاتا ہے۔ موسلادھار بارش کے دروازے آسمان سے ابلتے ہوئے پانی کے چشمے زمین سے کھول دیے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ جو پانی کی جگہ نہ تھی مثلاً تنور وغیرہ وہاں سے زمین پانی اگل دیتی ہے ہر طرف پانی بھر جاتا ہے نہ آسمان سے برسنا موقوف ہوتا ہے نہ زمین سے ابلنا تھمتا ہے۔ پس امر مقدر تک پہنچ جاتا ہے ہمیشہ پانی ابر سے برستا ہے لیکن اس وقت آسمان سے پانی کے دروازے کھول دیے گئے تھے اور عذاب الٰہی پانی کی شکل میں برس رہا تھا' نہ اس سے پہلے کبھی اتنا پانی برسا نہ اس کے بعد کبھی ایسا برسے۔ ادھر سے آسمان کی یہ رنگت ادھر سے زمین کو حکم کہ پانی اگل دے پس ریل پیل ہو گئی۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ آسمان کے دہانے کھول دیے گئے اور ان میں سے براہ راست پانی برسا۔ اس طوفان سے ہم نے اپنے بندے کو بچا لیا انہیں کشتی پر سوار کر لیا جو تختوں میں کیلیں لگا کر بنائی گئی تھی۔ دُسُر کے معنی کشتی کے دائیں بائیں کا حصہ اور ابتدائی حصہ جس پر موج تھپیڑے مارتی ہے اور اس کے جوڑ اور اس کی اصل کے بھی کیے گئے ہیں۔ وہ ہمارے حکم سے ہماری آنکھوں کے سامنے ہماری حفاظت میں چل رہی تھی اور صحیح وسالم وار پار جا رہی تھی۔ حضرت نوحؑ کی مدد میں کفار سے یہ انتقام تھا۔ ہم نے اسے نشانی چھوڑی۔ یعنی اس کشتی کو بطور عبرت کے باقی رکھا۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں اس امت کے اوائل لوگوں نے بھی دیکھا ہے۔ لیکن ظاہر معنی یہ ہیں کہ اس کشتی کے نمونے پر اور کشتیاں ہم نے بطور نشان کے دنیا میں قائم رکھیں جیسے اور آیت میں ہے ﴿ وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ وَ خَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ ﴾ یعنی ان کے لیے نشانی ہے کہ ہم نے نسل آدم کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کرایا' اور کشتی کے مانند اور بھی ایسی سواریاں دیں جن پر وہ سوار ہوں۔ اور جگہ ہے ﴿ اِنَّا لَمَّا طَغَى الْمَآءُ ﴾ الخ یعنی جب پانی نے طغیانی کی ہم نے تمہیں کشتی میں لے لیا تاکہ تمہارے لیے عبرت ہو اور نصیحت۔ اور یاد رکھنے والے کان اسے محفوظ رکھ سکیں۔ پس کوئی ہے جو ذکر و وعظ حاصل کرے؟ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ ﷺ نے ﴿ مُدَّكِرٍ ﴾ پڑھایا ہے۔ خود حضور ﷺ سے بھی اس لفظ کی قرآت اسی طرح مروی ہے۔ حضرت اسود سے سوال ہوتا ہے کہ یہ لفظ دال سے ہے یا ذال سے؟ فرمایا میں نے عبداللہؓ سے دال کے ساتھ سنا ہے اور فرماتے تھے میں نے رسول اللہ ﷺ سے دال کے ساتھ سنا ہے۔ پھر فرماتا ہے میرا عذاب میرے ساتھ کفر کرنے اور میرے رسولوں کو جھوٹا کہنے اور میری نصیحت سے عبرت نہ حاصل کرنے والوں پر کیسا ہوا؟ میں نے کس طرح ان دشمنان دین حق کو تہس نہس کر دیا۔ ہم نے قرآن کریم کے الفاظ اور معانی کو ہر اس شخص کے لیے آسان کر دیا ہے جو اس سے نصیحت حاصل کرنے کا ارادہ رکھے۔ جیسے فرمایا ﴿ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ ﴾ الخ ہم نے تیری طرف یہ مبارک کتاب نازل فرمائی ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں تدبر کریں اور اس لیے کہ عقل مند لوگ یاد رکھیں۔ اور جگہ ہے ﴿ فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ ﴾ الخ یعنی ہم نے اسے تیری زبان پر اس لیے آسان کیا ہے کہ تو پرہیزگار لوگوں کو خوشی سنا دے اور جھگڑالو لوگوں کو ڈرا دے۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں' اس کی قرائت اور تلاوت اللہ تعالٰی نے آسان کر دی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں اگر اللہ تعالٰی اس میں آسانی نہ رکھ دیتا تو مخلوق کی طاقت نہ تھی کہ اللہ عزوجل کے کلام کو پڑھ سکے۔ میں کہتا ہوں انہیں آسانیوں میں سے ایک آسانی وہ ہے جو پہلے گزر چکی کہ یہ قرآن سات قرآتوں پر نازل کیا گیا ہے۔ اس حدیث کے تمام طرق والفاظ ہم نے پہلے جمع کر دیے ہیں۔ اب دوبارہ یہاں وارد کرنے کی ضرورت نہیں۔ پس اس قرآن کو بہت ہی آسان کر دیا ہے۔ ہے کوئی طالب علم جو اس ربانی علم کو حاصل کرے جو بالکل آسان ہے۔

كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِىْ وَنُذُرِ ﴿١٨﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِىْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ﴿١٩﴾ تَنْزِعُ النَّاسَ ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ﴿٢٠﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِىْ وَ

نُذُرِ ﴿٢١﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿٢٢﴾

قوم عاد نے بھی جھٹلایا پس کیا ہوا میرا عذاب اور میری ڈرانے والی باتیں۔ ہم نے ان پر تیز و تند جاری ہوا بے برکتے دن میں بھیج دی۔ جو لوگوں کو اُٹھا اُٹھا کر دے پٹختی تھی گویا کہ وہ جڑ سے کٹے ہوئے درخت کھجور کے تنے ہیں۔ پس کیسی رہی میری سزا اور میرا ڈرانا؟ یقیناً ہم نے قرآن کو نصیحت کے لیے آسان کر دیا ہے۔ پس کیا ہے کوئی سوچنے والا؟

قوم عاد پر عذاب: اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ قوم ہود نے بھی اللہ کے رسولوں کو جھوٹا کہا اور بالکل قوم نوح کی طرح سرکشی پر اتر آئے تو ان پر سخت ٹھنڈی مہلک ہوا بھیجی گئی' وہ دن ان کے لیے سراسر منحوس تھا۔ برابر ان پر ہوائیں چلتی رہیں اور انہیں تہ و بالا کرتی رہیں۔ دنیوی اور اخروی عذاب میں گرفتار کر لیے گئے۔ ہوا کا جھونکا آتا ان میں سے کسی کو اٹھا کر لے جاتا' یہاں تک کہ زمین والوں کی حد نظر سے وہ بالا ہو جاتا پھر اسے زمین پر اوندھے منہ پھینک دیتا سر کچل جاتا بھیجہ نکل پڑتا۔ سر الگ دھڑ الگ۔ ایسا معلوم ہوتا گویا کھجور کے درخت کے بن سرے ٹھنڈ ہیں۔ دیکھو میرا عذاب کیسا ہوا؟ میں نے تو اس قرآن کو آسان کر دیا جو چاہے نصیحت و عبرت حاصل کر لے۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ ﴿٢٣﴾ فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ﴿٢٤﴾ ءَاُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْۢ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ ﴿٢٥﴾ سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ ﴿٢٦﴾ اِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ ﴿٢٧﴾ وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌۢ بَيْنَهُمْ ۚ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ﴿٢٨﴾ فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطٰى فَعَقَرَ ﴿٢٩﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿٣٠﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَكَانُوْا كَهَشِيْمِ الْمُحْتَظِرِ ﴿٣١﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿٣٢﴾

قوم ثمود نے ڈرانے والوں کو جھوٹا سمجھا۔ اور کہنے لگے کیا ہم میں سے ایک شخص کی ہم فرمانبرداری کرنے لگیں؟ تو ہم یقیناً غلطی اور دیوانگی میں پڑے ہوئے ہونگے۔ کیا ہمارے سب کے درمیان صرف اسی پر وحی اتاری گئی؟ نہیں بلکہ وہ جھوٹا شیخی خورہ ہے۔ اب سب جان لیں گے کل کو کہ کون جھوٹا اور خود پسند تھا؟ بے شک ہم ان کی آزمائش کے لیے اونٹنی بھیجیں گے۔ پس اے صالح تو ان کا منتظر رہ اور صبر کر۔ ہاں انہیں خبر کر دے کہ پانی ان میں تقسیم شدہ ہے ہر حصہ ہر ایک کو برابر پہنچایا جائے گا۔ انہوں نے اپنے رفیق کو آواز دی اس نے دست درازی کی اور کوچیں کاٹ دیں۔ پس کیوں کر ہوا عذاب میرا اور ڈرانا میرا ہم نے ان پر ایک نعرہ بھیجا پس ایسے ہو گئے جیسے کانٹوں کی اوندھی ہوئی باڑ۔ ہم نے نصیحت کے لیے قرآن کو آسان کر دیا ہے پس کیا ہے کوئی جو نصیحت پکڑے۔

قوم ثمود پر عذاب: ثمودیوں نے رسول اللہ حضرت صالح علیہ السلام کو جھٹلایا اور تعجب کے طور پر محال سمجھ کر کہنے لگے کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ ہم ہمیں میں سے ایک شخص کے تابعدار بن جائیں؟ آخر اس کی اتنی بڑی فضیلت کی کیا وجہ؟ پھر اس سے آگے بڑھے اور کہنے لگے ہم نہیں مان سکتے کہ ہم سب میں صرف اسی ایک پر اللہ کی باتیں ڈالی جائیں۔ پھر اس سے بھی قدم بڑھایا اور نبی اللہ کو کھلے لفظوں میں جھوٹا اور

پر لے سرے کا جھوٹا کہا۔ بطور ڈانٹ کے اللہ تعالی فرماتا ہے اب تو جو چاہو کہہ لو لیکن کل کھل جائے گا کہ دراصل جھوٹا اور جھوٹ میں حد سے بڑھ جانے والا کون تھا؟ ان کی آزمائش کے لیے فتنہ بنا کر ہم ایک اونٹنی بھیجنے والے ہیں۔ چنانچہ ان لوگوں کی طلب کے موافق پتھر کی ایک سخت چٹان میں سے ایک چکلے چوڑے اعضا والی گابھن اونٹنی نکلی۔ اور اللہ تعالی نے اپنے نبی سے فرمایا کہ تم اب دیکھتے رہو کہ ان کا انجام کیا ہوتا ہے؟ اور ان کی ایذا پر صبر کرو۔ دنیا اور آخرت میں انجام کار غلبہ آپ ہی کا رہے گا۔ اب ان سے کہہ دیجیے کہ پانی پر ایک دن تو ان کا ہے اور ایک دن اس کا اونٹنی کا۔ جیسے اور آیت میں ہے ﴿ لَهَا شِرْبٌ وَّ لَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴾ ہر باری موجود کی گئی ہے یعنی جب اونٹنی نہ ہو تو پانی موجود ہے اور جب اونٹنی ہو تو اس کا دودھ حاضر ہے۔ انہوں نے مل جل کر اپنے رفیق قیدار بن سالف کو آواز دی اور یہ بڑا ہی بد بخت تھا' جیسے اور آیت میں ہے ﴿ اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰهَا ﴾ ان کا آدمی اٹھا' اس نے آ کر اسے پکڑا اور زخمی کیا' پھر تو ان کے کفر و تکذیب کا میں نے بھی پورا بدلہ لیا اور جس طرح کھیتی کے کٹے ہوئے سوکھے پتے اڑ اڑ کر کافور ہو جاتے ہیں انہیں بھی ہم نے بے نام و نشان کر دیا۔ خشک چارہ جس طرح جنگل میں اڑتا پھرتا ہے اسی طرح انہیں بھی برباد کر دیا۔ یا یہ مطلب ہے کہ عرب میں دستور تھا کہ اونٹوں کو خشک کانٹوں دار باڑے میں رکھا کرتے تھے۔ جب اس باڑ کو روند دیا جائے اس وقت اس کی جیسی حالت ہو جاتی ہے وہی حالت ان کی ہو گئی کہ ایک بھی نہ بچا نہ بچ سکا۔ جیسے مٹی دیوار سے جھڑ جاتی ہے اسی طرح ان کے بھی پرپرزے اکھڑ گئے۔ یہ سب اقوال مفسرین کے اس جملہ کی تفسیریں ہیں لیکن اول اقوی ہے' واللہ اعلم۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطٍۭ بِالنُّذُرِ ﴿٣٣﴾ اِنَّاۤ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا اِلَّاۤ اٰلَ لُوْطٍ ؕ نَجَّيْنٰهُمْ بِسَحَرٍ ﴿٣٤﴾ نِّعْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ شَكَرَ ﴿٣٥﴾ وَلَقَدْ اَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ ﴿٣٦﴾ وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَيْفِهٖ فَطَمَسْنَاۤ اَعْيُنَهُمْ فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿٣٧﴾ وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ ﴿٣٨﴾ فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿٣٩﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿٤٠﴾

قوم لوط نے بھی ڈرانے والوں کی تکذیب کی۔ بے شک ہم نے ان پر پتھر برسانے والی ہوا بھیجی سوا لوط کے گھر والوں کے انہیں ہم نے سحر کے وقت، اپنے احسان سے نجات دیدی۔ ہر شکر گزار کو ہم اسی طرح نجات دیتے ہیں۔ یقیناً لوط نے انہیں ہماری پکڑ سے ڈرایا تھا لیکن انہوں نے ڈرانے والوں میں شک شبہ اور جھگڑا کیا۔ اور لوط کو بہلا کر ان کے مہمانوں سے غافل کرنا چاہا پس ہم نے ان کی آنکھیں اندھی کر دیں (اور کہہ دیا) میرا عذاب اور میرا ڈرانا چکھو۔ اور یقینی بات ہے کہ انہیں صبح سویرے ہی ایک جگہ پکڑنے والے مقررہ عذاب نے غارت کر دیا۔ میرے عذاب اور میرے ڈراوے کا مزہ چکھو۔ یقیناً ہم نے قرآن کو پندو وعظ کے لیے آسان کر دیا ہے پس کیا کوئی ہے سوچنے والا؟

قوم لوط پر عذاب: لوطیوں کا واقعہ بیان ہو رہا ہے کہ کس طرح انہوں نے اپنے رسولوں کا انکار کیا اور ان کی مخالفت کر کے کس مکروہ کام کو کیا جسے ان سے پہلے کسی نے نہ کیا تھا یعنی اغلام بازی' اسی لیے ان کی ہلاکت کی صورت بھی ایسی ہی انوکھی ہوئی۔ اللہ تعالی کے حکم سے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ان کی بستیوں کو اٹھا کر آسمان کے قریب پہنچا کر اوندھی مار دیں اور ان پر آسمان سے ان کے نام کے پتھر برسائے۔ مگر لوط کی ماننے والوں کو سحر کے وقت یعنی رات کی آخری گھڑی میں بچا لیا' انہیں حکم دیا گیا کہ تم اس بستی سے چلے جاؤ۔ حضرت لوط علیہ السلام

پر ان کی قوم میں سے کوئی بھی ایمان نہ لایا تھا یہاں تک کہ خود حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی بھی کافرہ ہی تھی۔ قوم میں سے بھی ایک شخص کو ایمان نصیب نہ ہوا۔ پس عذاب الٰہی سے بھی کوئی نہ بچا۔ آپ کی بیوی بھی قوم کے ساتھ ہی ساتھ ہلاک ہوئی صرف آپ اور آپ کی لڑکیاں اس نحوست سے بچا لیے گئے۔ شاکروں کو اللہ اسی طرح برے اور آڑے وقت میں کام آتا ہے اور انہیں ان کی شکر گزاری کا پھل دیتا ہے۔

عذاب کے آنے سے پہلے ہی حضرت لوط علیہ السلام انہیں آگاہ کر چکے تھے لیکن انہوں نے توجہ تک نہ کی بلکہ شک شبہ اور جھگڑا کیا اور ان کے مہمانوں سے انہیں چکمہ دینا چاہا۔ حضرت جبرئیل، حضرت میکائیل، حضرت اسرافیل وغیرہ فرشتے انسانی صورتوں میں حضرت لوط علیہ السلام کے گھر مہمان بن کر آئے تھے۔ نہایت خوبصورت چہرے، پیاری پیاری شکلیں اور عنفوان شباب کی عمر۔ ادھر یہ رات کے وقت حضرت لوط علیہ السلام کے گھر اترے، ان کی بیوی نے جو کافرہ تھی، قوم کو اطلاع دی کہ آج لوط کے ہاں مہمان آئے ہیں۔ ان لوگوں کو اغلام کی بد عادت تو تھی ہی دوڑ بھاگ کر حضرت لوط علیہ السلام کے مکان کو گھیر لیا۔ حضرت لوط علیہ السلام نے دروازے بند کر لیے انہوں نے ترکیبیں شروع کیں کہ کسی طرح مہمان ہاتھ لگیں۔ جس وقت یہ سب کچھ ہو رہا تھا شام کا وقت تھا، حضرت لوط علیہ السلام انہیں سمجھا رہے تھے ان سے کہہ رہے تھے کہ یہ میری بیٹیاں یعنی تمہاری جوروئیں موجود ہیں تم اس بدفعلی کو چھوڑو اور حلال چیز سے فائدہ اٹھاؤ۔ لیکن ان سرکشوں کا جواب تھا کہ آپ کو معلوم ہے کہ ہمیں عورتوں کی چاہت نہیں۔ ہمارا جو ارادہ ہے وہ آپ سے مخفی نہیں، تم ہمیں اپنے مہمان سونپ دو۔ جب اسی بحث مباحثہ میں بہت وقت گزر چکا اور وہ لوگ مقابلہ پر تل گئے اور حضرت لوط علیہ السلام بے حد زچ آ گئے، اور بہت ہی تنگ ہوئے، تب حضرت جبرئیل علیہ السلام باہر نکلے اور اپنا پر ان کی آنکھوں پر پھیرا سب اندھے ہو گئے آنکھیں بالکل جاتی رہیں۔ اب تو حضرت لوط علیہ السلام کو برا کہتے ہوئے اور دیواریں ٹٹولتے ہوئے صبح کا وعدہ دے کے پچھلے پاؤں واپس ہوئے۔ لیکن صبح کے وقت ہی ان پر عذاب الٰہی آ گیا جس سے نہ بھاگ سکیں نہ اس سے پیچھا چھڑا سکیں۔ عذاب کے مزے اور ڈراوے کی طرف دھیان نہ کرنے کا وبال انہوں نے چکھ لیا۔ یہ قرآن تو بہت ہی آسان ہے، جو چاہے نصیحت حاصل کر سکتا ہے۔ کوئی ہے بھی جو اس سے پند و وعظ حاصل کر لے؟

وَلَقَدْ جَآءَ اٰلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ﴿٤١﴾ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كُلِّهَا فَاَخَذْنٰهُمْ اَخْذَ عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿٤٢﴾ اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِي الزُّبُرِ ﴿٤٣﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ ﴿٤٤﴾ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ﴿٤٥﴾ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ ﴿٤٦﴾

یعنی فرعونیوں کے پاس بھی ڈرانے والے آئے انہوں نے ہماری تمام نشانیاں جھٹلائیں پس ہم نے انہیں بڑی غالب قوی پکڑ میں پکڑ لیا اے قریشیو کیا تمہارے کافر ان کافروں سے کچھ بہتر ہیں؟ یا تمہارے لیے اگلی کتابوں میں چھٹکارا لکھا ہوا ہے؟ یا یہ کہتے ہیں کہ ہم بدلہ لینے والی جماعت ہیں عن قریب یہ جماعت شکست دی جائے گی اور پیٹھ دے کر بھاگے گی بلکہ قیامت کی گھڑی ان کے وعدے کا وقت ہے اور قیامت بڑی آفت اور سخت کڑوی چیز ہے۔

قوم فرعون پر عذاب: فرعون اور اس کی قوم کا قصہ بیان ہو رہا ہے کہ ان کے پاس اللہ کے رسول حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام بشارت اور ڈراوے لے کر آتے ہیں بڑے بڑے معجزے اور زبردست نشانیاں اللہ کی طرف سے انہیں دی جاتی ہیں جو ان کی نبوت کی حقانیت پر پوری دلیل ہوتی ہیں۔ لیکن یہ فرعونی ان سب کو جھٹلاتے ہیں جس کی شومی میں ان پر عذاب الٰہی نازل ہوتے ہیں اور بالکل ہی بھس اڑا دیا جاتا ہے۔ پھر فرماتا ہے اے مشرکین قریش! اب بتلاؤ تم ان سے کچھ بہتر ہو؟ جب وہ تم سے بڑی جماعت والے زیادہ قوت والے ہو کر ہمارے عذابوں سے نہ بچ سکے تو بھلا تم کیا چیز ہو؟ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہارے لیے الہامی کتابوں میں کوئی چھٹکارا لکھا ہوا ہے؟ کہ ان کے کفر

پر انہیں تو عذاب کیا جائے لیکن تم کفر کیے جاؤ اور تمہیں کوئی سزا نہ دی جائے؟ پھر فرماتا ہے کیا ان کا یہ خیال ہے کہ ہم ایک جماعت کی جماعت میں آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرتے رہیں گے اور ہمیں کوئی برائی ہماری کثرت اور جماعت کی وجہ سے نہیں پہنچے گی؟ اگر یہ خیال ہو تو انہیں یقین کر لینا چاہیے کہ ان کی یہ یک جہتی توڑ دی جائے گی' ان کی جماعت کا چورا کر دیا جائے گا۔ انہیں ہزیمت دی جائے گی اور یہ پیٹھ دکھا کر بھاگتے پھریں گے۔

کافر شکست کھائیں گے: صحیح بخاری میں ہے کہ بدر والے دن اپنے ڈیرے میں رسول اللہ ﷺ اپنی دعا میں فرما رہے تھے اے اللہ! میں تجھے تیرا عہد و پیمان یاد دلاتا ہوں۔ اے اللہ! اگر تیری چاہت یہی ہے کہ آج کے دن کے بعد سے تیری عبادت وحدانیت کے ساتھ زمین پر کی ہی نہ جائے۔ بس اتنا ہی کہا تھا کہ حضرت ابو بکرؓ نے آپ ﷺ کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا یارسول اللہ! بس کیجیے آپ نے بہت التجا کر لی۔ اب آپ ﷺ اپنے خیمہ سے باہر آئے اور زبان پر یہ دونوں آیتیں ﴿ سَيُهْزَمُ ﴾ الخ جاری تھیں۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں اس آیت کے اترنے کے وقت میں سوچ رہا تھا کہ اس سے مراد کون سی جماعت ہو گی؟ جب بدر والے دن میں نے حضور ﷺ کو دیکھا کہ زرہ پہنے ہوئے اپنے کیمپ سے باہر تشریف لائے اور یہ آیت پڑھ رہے تھے اس دن میری سمجھ میں اس کی تفسیر آ گئی۔ بخاری میں ہے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں میری چھوٹی سی عمر تھی اپنی ہمجولیوں میں کھیلتی پھرتی تھی اس وقت یہ آیت ﴿ بَلِ السَّاعَةُ ﴾ الخ اتری ہے۔ یہ روایت بخاری میں فضائل القرآن کے موقعہ پر مطول مروی ہے۔ مسلم میں یہ حدیث نہیں ہے۔

إِنَّ الْمُجْرِمِينَ فِي ضَلَالٍ وَسُعُرٍ ﴿٤٧﴾ يَوْمَ يُسْحَبُونَ فِي النَّارِ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ ذُوقُوا مَسَّ سَقَرَ ﴿٤٨﴾ إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ ﴿٤٩﴾ وَمَا أَمْرُنَا إِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ ﴿٥٠﴾ وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا أَشْيَاعَكُمْ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ ﴿٥١﴾ وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوهُ فِي الزُّبُرِ ﴿٥٢﴾ وَكُلُّ صَغِيرٍ وَكَبِيرٍ مُسْتَطَرٌ ﴿٥٣﴾ إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَنَهَرٍ ﴿٥٤﴾ فِي مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيكٍ مُقْتَدِرٍ ﴿٥٥﴾

وقف لازم

ع ٣ ٢٠ ٣

بے شک گنہگار گمراہی میں ہیں اور عذاب میں ہیں۔ جس دن وہ اپنے منہ کے بل آگ میں گھسیٹے جائیں گے' دوزخ کی آگ لگنے کے مزے چکھو۔ بے شک ہم نے ہر چیز کو ایک مقررہ اندازے پر پیدا کیا ہے۔ اور ہمارا حکم صرف ایک دفعہ کا ایک کلمہ ہی ہوتا ہے جیسے آنکھ کا جھپکنا۔ ہم نے تم جیسے بہتیروں کو ہلاک کر دیا ہے پس کوئی ہے نصیحت لینے والا جو کچھ انہوں نے اعمال کیے ہیں سب نامہ اعمال میں لکھے ہوئے ہیں۔ اسی طرح ہر چھوٹی بڑی بات بھی لکھی ہوئی ہے۔ یقیناً ہمارا ڈر رکھنے والے جنتوں اور نہروں میں ہیں۔ قدرت والے بادشاہ کے پاس راستی اور عزت کی بیٹھک میں۔

اللہ نے تقدیر بنائی: بدکار لوگ گمراہ ہو چکے ہیں راہ حق سے بھٹک چکے ہیں اور شکوک و اضطراب کے خیالات میں ہیں۔ یہ بدکار لوگ خواہ کفار ہوں خواہ اور فرقوں کے گنہگار ہوں' ان کا یہ فعل انہیں اوندھے منہ جہنم کی طرف گھسٹوائے گا اور جس طرح یہاں غافل ہیں وہاں اس وقت بھی بے خبر ہوں گے کہ نہ معلوم کس طرف لیے جاتے ہیں۔ اس وقت انہیں ڈانٹ ڈپٹ کے ساتھ کہا جائے گا کہ اب آتش دوزخ کے لگنے کا مزہ چکھو۔ ہم نے ہر چیز کو اندازے سے پیدا کیا ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے ہر چیز ہم نے پیدا کی' پھر اس کا مقدر مقرر کیا۔ اور جگہ فرمایا اپنے رب کی جو بلند و بالا ہے پاکی بیان کر جس نے پیدا کیا اور درست کیا اور اندازہ کیا اور راہ دکھائی۔ یعنی تقدیر مقرر کی پھر اس کی طرف رہ نمائی کی۔

آئمہ اہل سنت نے اس سے استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالی نے اپنی مخلوق کی تقدیر ان کی پیدائش سے پہلے ہی مقرر کر دی ہے اور ہر چیز اپنے ظہور سے پہلے اللہ کے ہاں لکھی جاچکی ہے۔ فرقہ قدریہ اس کا منکر ہے۔ یہ لوگ صحابہؓ کے آخر زمانہ میں ہی نکل چکے تھے۔ اہل سنت ان کے مسلک کے خلاف اس قسم کی آیتوں کو پیش کرتے ہیں اور اس مضمون کی احادیث کو بھی۔ اس مسئلہ کی مفصل بحث ہم صحیح بخاری کتاب الایمان کی شرح میں لکھ چکے ہیں یہاں صرف وہ حدیثیں لکھتے ہیں جو مضمون آیت کے متعلق ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں مشرکین قریش رسول اللہ ﷺ سے تقدیر کے بارے میں بحث کرنے لگے اس پر یہ آیتیں اتریں (مسند احمد و مسلم وغیرہ)۔ بروایت حضرت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ مروی ہے کہ یہ آیتیں منکرین تقدیر کی تردید میں ہی اتری ہیں (بزار)۔

ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے یہ آیت پڑھ کر فرمایا یہ میری امت کے ان لوگوں کے حق میں اتری ہے جو آخر زمانہ میں پیدا ہوں گے اور تقدیر کو جھٹلائیں گے۔ حضرت عطاء بن ابورباح فرماتے ہیں میں حضرت ابن عباسؓ کے پاس آیا' آپ اس وقت چاہ زم زم سے پانی نکال رہے تھے۔ آپ کے کپڑوں کے دامن بھیگے ہوئے تھے میں نے کہا تقدیر کے بارے میں کلام کیا گیا ہے لوگ اس مسئلہ میں موافق و مخالف ہو رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کیا لوگوں نے ایسا کیا؟ میں نے کہا ہاں ایسا ہو رہا ہے۔ تو آپ نے فرمایا اللہ کی قسم یہ آیتیں انہی لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں ﴿ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ اِنَّا كُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ﴾ یاد رکھو یہ لوگ اس امت کے بدترین لوگ ہیں۔ ان کے بیماروں کی تیمارداری نہ کرو' ان کے مردوں کے جنازے نہ پڑھو۔ ان میں کا اگر کوئی مجھے مل جائے تو میں اپنی ان انگلیوں سے اس کی آنکھیں نکال دوں۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کے سامنے ذکر آیا کہ آج ایک شخص آیا ہے جو منکر تقدیر ہے۔ فرمایا اچھا مجھے اس کے پاس لے چلو۔ لوگوں نے کہا آپ نابینا ہیں آپ اس کے پاس چل کر کیا کریں گے۔ فرمایا اللہ کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر میرا بس چلا تو میں اس کی ناک توڑ دوں گا اور اگر اس کی گردن میرے ہاتھ میں آ گئی تو میں مروڑ دوں گا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ ﷺ فرماتے تھے گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ بنو فہر کی عورتیں خزرج کے اردگرد طواف کرتی پھرتی ہیں ان کے جسم حرکت کرتے ہیں وہ مشرکہ عورتیں ہیں۔ اس امت کا پہلا شرک یہی ہے۔ اس رب کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے ان کی بے سمجھی یہاں تک بڑھے گی کہ اللہ تعالی کو بھلائی کا مقدر کرنے والا بھی نہ مانیں گے جس طرح برائی کا مقدر کرنے والا نہ مانا (مسند احمد)۔

مسئلہ تقدیر میں بحث کرنا: حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا ایک دوست شامی تھا' جس سے آپ کی خط کتابت تھی۔ حضرت عبداللہؓ نے کہیں سن پایا کہ وہ تقدیر کے بارے میں کچھ موشگافیاں کرتا ہے۔ آپ نے جھٹ سے اسے خط لکھا کہ میں نے سنا ہے تو تقدیر کے مسئلہ میں کچھ کلام کرتا ہے اگر یہ سچ ہے تو بس مجھ سے خط کتابت کی امید نہ رکھنا' آج سے بند سمجھنا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ میری امت میں تقدیر کو جھٹلانے والے لوگ ہوں گے (ابوداؤد)۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ہر امت میں مجوس ہوتے ہیں میری امت کے مجوسی وہ لوگ ہیں جو تقدیر کے منکر ہوں۔ اگر وہ بیمار پڑیں تو تم ان کی عیادت نہ کرو اور اگر وہ مر جائیں تو تم ان کے جنازے نہ پڑھو (مسند احمد)۔ اس امت میں مسخ ہو گا یعنی لوگوں کی صورتیں بدل دی جائیں گی' یاد رکھو یہ ان میں ہو گا جو تقدیر کو جھٹلائیں اور زندیقیت کریں (ترمذی وغیرہ)۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر چیز اللہ کے مقرر کردہ اندازے سے ہے۔ یہاں تک کہ نادانی اور عقل مندی بھی (مسلم)۔ صحیح حدیث میں ہے اللہ سے مدد طلب کر اور عاجز اور بے وقوف نہ بن پھر اگر کوئی نقصان پہنچ جائے تو کہدے کہ یہ اللہ تعالی کا مقرر کیا ہوا تھا اور جو اللہ نے چاہا کیا۔ پھر یوں نہ کہہ کہ اگر یوں کرتا تو یوں ہوتا اس لیے کہ اس طرح اگر کہنے سے شیطانی عمل کا دروازہ کھل جاتا ہے۔

حضور ﷺ نے حضرت ابن عباسؓ سے فرمایا کہ جان رکھ اگر تمام امت جمع ہو کر تجھے وہ نفع پہنچانا چاہے جو اللہ نے تیری قسمت میں نہیں لکھا تو نہیں پہنچ سکتی۔ اور اگر سب اتفاق کر کے تجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہیں اور تیری تقدیر میں وہ نہ ہو تو نہیں پہنچا سکتے۔ قلمیں خشک ہو چکیں اور دفتر لپیٹ کر تہہ کر دیے گئے۔ حضرت ولید بن عبادہؓ نے اپنے باپ حضرت عبادہؓ بن صامت کی بیماری میں جب کہ ان کی

حالت بالکل غیر تھی' عرض کیا کہ اباجی! ہمیں کچھ وصیت کر جائیے۔ آپ نے فرمایا اچھا مجھے بٹھادو' جب لوگوں نے آپ کو بٹھادیا تو آپ نے فرمایا اے میرے پیارے بچے! ایمان کا لطف تجھے حاصل نہیں ہو سکتا اور اللہ تعالیٰ کے متعلق جو علم تجھے ہے اس کی تہہ تک تو نہیں پہنچ سکتا جب تک تیرا ایمان تقدیر کی بھلائی برائی پر نہ ہو۔ میں نے پوچھا اباجی! میں کیسے معلوم کر سکتا ہوں کہ میرا ایمان تقدیر کے خیر و شر پر ہے؟ فرمایا اس طرح کہ تجھے یقین ہو کہ جو تجھے نہیں ملا وہ ملنے والا تھا ہی نہیں اور جو تجھے پہنچا وہ ٹلنے والا ہی نہ تھا۔ میرے بچے سنو! میں نے رسول اللہ ﷺ حضرت محمد مصطفی ﷺ سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا اور اسے فرمایا لکھ' پس وہ اسی وقت چل پڑا اور قیامت تک جو ہونے والا تھا سب لکھ ڈالا۔ اے بیٹے! اگر تو انتقال کے وقت تک اس عقیدے پر نہ رہے تو تو جہنم میں داخل ہو گا۔ ترمذی میں یہ حدیث ہے' اور امام ترمذی فرماتے ہیں حسن صحیح غریب ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں تم میں سے کوئی شخص ایمان دار نہیں ہو سکتا جب تک کہ چار باتوں پر اس کا ایمان نہ ہو' شہادت دے کہ معبود برحق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور میں اللہ کا رسول ہوں جسے اس نے حق کے ساتھ بھیجا ہے' اور مرنے کے بعد جینے پر ایمان رکھے اور تقدیر کی بھلائی برائی من جانب اللہ ہونے کو مانے (ترمذی وغیرہ)۔

صحیح مسلم میں ہے اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی پیدائش سے پچاس ہزار برس پہلے مخلوقات کی تقدیر لکھی جب کہ اس کا عرش پانی پر تھا۔ امام ترمذیؒ اسے حسن صحیح غریب کہتے ہیں پھر پروردگار عالم اپنی چاہت اور احکام کے بے روک ٹوک جاری اور پورا ہونے کو بیان فرماتا ہے کہ جس طرح جو کچھ میں نے مقدر کیا ہے وہی ہوتا ہے ٹھیک اسی طرح جس کام کا میں ارادہ کروں صرف ایک دفعہ کہہ دینا کافی ہوتا ہے دوبارہ تاکید احکم دینے کی ضرورت نہیں ہوتی' ایک آنکھ جھپکنے کے برابر میں وہ کام میری حسب چاہت ہوتا ہے۔ عرب شاعر نے کیا ہی اچھا کہا ہے ﴿ اِذَا مَآ اَرَادَ اللّٰهُ اَمْرًا فَاِنَّمَا .. يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ قَوْلَةً فَيَكُوْنُ ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ جب کبھی جس کسی کام کا ارادہ کرتا ہے صرف فرما دیتا ہے کہ ہو جا وہ اسی وقت ہو جاتا ہے۔ ہم نے تم جیسوں کو تم سے پہلے ان کی سرکشی کے باعث فنا کے گھاٹ اتار دیا ہے پھر تم کیوں عبرت حاصل نہیں کرتے؟ ان کے عذاب اور ان کی رسوائی کے واقعات میں کیا تمہارے لیے نصیحت و تذکیر نہیں؟ جیسے اور آیت میں فرمایا ﴿ وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَ بَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ كَمَا فُعِلَ بِاَشْيَاعِهِمْ مِّنْ قَبْلُ ﴾ یعنی ان کے اور ان کی چاہت کے درمیان پردہ ڈال دیا گیا جیسے کہ ان جیسے ان سے اگلوں کے ساتھ کیا گیا تھا جو کچھ انہوں نے کیا وہ ان کے نامہ اعمال میں مکتوب ہے جو اللہ کے امین فرشتوں کے ہاتھ میں محفوظ ہے ان کا ہر چھوٹا بڑا عمل جمع شدہ اور لکھا ہوا ہے۔ ایک بھی تو ایسا نہیں رہا جو لکھنے سے رہ گیا ہو۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں صغیرہ گناہ کو بھی ہلکا نہ سمجھو اللہ کی طرف سے اس کا بھی مطالبہ ہونے والا ہے (نسائی اور ابن ماجہ وغیرہ)۔

کسی گناہ کو چھوٹا نہ سمجھو: حضرت سلیمان بن مغیرہؒ فرماتے ہیں ایک مرتبہ مجھ سے ایک گناہ سرزد ہو گیا جسے میں نے حقیر سمجھا' رات کو خواب میں دیکھتا ہوں کہ ایک آنے والا آیا ہے اور مجھ سے کہہ رہا ہے اے سلیمان!

﴿ لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الذُّنُوْبِ صَغِيْرًا ﴾	﴿ اِنَّ الصَّغِيْرَ غَدًا يَعُوْدُ كَبِيْرًا ﴾
﴿ اِنَّ الصَّغِيْرَ وَلَوْ تَقَادَمَ عَهْدُهٗ ﴾	﴿ عِنْدَ اللّٰهِ مُسَطَّرٌ تَسْطِيْرًا ﴾
﴿ فَازْجُرْ هَوَاكَ عِنْدَ الْبَطَالَةِ لَا تَكُنْ ﴾	﴿ صَعْبَ الْقِيَادِ وَ شَمِّرَنْ تَشْمِيْرًا ﴾
﴿ اِنَّ الْمُحِبَّ اِذَآ اَحَبَّ اِلٰهَهٗ ﴾	﴿ طَارَ الْفُؤَادُ وَاُلْهِمَ التَّفْكِيْرَا ﴾
﴿ فَاسْاَلْ هِدَايَتَكَ الْاِلٰهَ فَتَتَّئِدْ ﴾	﴿ فَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّ نَصِيْرًا ﴾

یعنی صغیرہ گناہوں کو بھی حقیر اور ناچیز نا سمجھ۔ یہ صغیرہ کل کبیرہ ہو جائیں گے۔ گو گناہ چھوٹے چھوٹے ہوں اور انہیں کیے ہوئے بھی عرصہ گزر چکا ہو' اللہ کے پاس وہ صاف صاف لکھے ہوئے موجود ہیں۔ بدی سے اپنے نفس کو روکے رکھ اور ایسا نہ ہو جا کہ مشکل سے نیکی کی طرف آئے بلکہ اونچا دامن کر کے بھلائی کی طرف لپک' جب کوئی شخص دل سے اللہ سے محبت کرتا ہے تو اس کا دل اڑنے لگتا ہے اور اسے

اللہ کی جانب سے غور و فکر کی عادت الہام کی جاتی ہے۔ اپنے رب سے ہدایت طلب کر اور نرمی اور ملائمت کر۔ ہدایت اور نصرت کرنے والا رب تجھے کافی ہو گا پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ان بدکاروں کے خلاف نیک کار لوگوں کی حالت ہو گی وہ تو ضلالت و تکلیف میں تھے اور اوندھے منہ جہنم کی طرف گھسیٹے گئے اور سخت ڈانٹ ڈپٹ ہوئی' لیکن یہ نیک کار جنتوں میں ہوں گے بہتے ہوئے خوش گوار صاف شفاف چشموں کے مالک ہوں گے اور عزت و کرامت' رضوان و فضیلت' جود و احسان فضل و امتنان' نعمت و رحمت' آسائش و راحت کے مکان میں خوش خوش رہیں گے باری تعالیٰ مالک و قادر کا قرب انہیں نصیب ہو گا جو تمام چیزوں کا خالق ہے سب کے اندازے مقرر کرنے والا ہے ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ وہ ان پرہیزگار اللہ ترس لوگوں کی ایک ایک خواہش پوری کرے گا' ایک ایک چاہت عطا فرمائے گا۔ مسند احمد میں ہے رسول مقبول ﷺ فرماتے ہیں عدل و انصاف کرنے والے نیک کردار لوگ اللہ کے پاس نور کے منبروں پر رحمٰن کی دائیں جانب ہوں گے۔ اللہ کے دونوں ہاتھ داہنے ہی ہیں۔ یہ عادل لوگ وہ ہیں جو اپنے احکام میں اپنے اہل و عیال میں اور جو چیز ان کے قبضے میں ہو اس میں الہامی فرمان کا خلاف نہیں کرتے بلکہ عدل و انصاف سے ہی کام لیتے ہیں۔ یہ حدیث صحیح مسلم اور نسائی میں بھی ہے۔ الحمد اللہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے سورۃ اِقْتَرَبَتْ کی تفسیر بھی ختم ہوئی۔ اللہ ہمیں نیک توفیق دے اور برائیوں سے بچائے۔

تفسیر سورۂ رحمٰن مکیہ

تعارف سورت: حضرت زرؒ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے کہا قرآن میں جو لفظ ﴿ مِنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ ﴾ ہے یہ ﴿ اٰسِنٍ ﴾ لفظ ہے یا ﴿ اَسِنٍ ﴾؟ تو آپ نے فرمایا گویا تو نے باقی کا سارا قرآن سمجھ لیا ہے؟ اس نے کہا میں مفصل کی تمام سورتوں کو ایک رکعت میں پڑھ لیا کرتا ہوں' آپ نے فرمایا پھر تو جیسے شعر جلدی جلدی پڑھے جاتے ہیں اسی طرح تو قرآن کو بھی جلدی جلدی پڑھتا ہو گا' افسوس۔ مجھے خوب محفوظ ہے کہ مفصل کی ابتدائی کون کون سی دو دو برابر والی سورتوں کو آنحضرت ﷺ ملایا کرتے تھے۔ ابن مسعودؓ کی قرات میں مفصل کی سب سے پہلی سورت یہی سورہ الرحمٰن ہے (مسند احمد)۔

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ اپنے اصحاب کے مجمع میں ایک روز تشریف لائے اور سورہ الرحمٰن کی اوّل سے آخر تک تلاوت فرمائی۔ صحابہ کرامؓ چپ چاپ سنتے رہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم سے تو جنات ہی جواب دینے میں اچھے رہے۔ میں نے جب ان کے سامنے اس سورت کی تلاوت کی تو میں جب کبھی ﴿ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴾ پڑھتا تو کہتے ﴿ لَا بِشَيْءٍ مِّنْ نِّعَمِكَ رَبَّنَا نُكَذِّبُ فَلَكَ الْحَمْدُ ﴾ یعنی اے ہمارے پروردگار ہم تیری نعمتوں میں سے کسی نعمت کو نہیں جھٹلاتے تیرے ہی لیے تمام تعریفیں سزاوار ہیں (ترمذی)۔ یہ حدیث غریب ہے اور یہی روایت ابن جریر میں بھی مروی ہے اس میں ہے کہ یا تو آپ ﷺ نے یہ سورت پڑھی یا آپ ﷺ کے سامنے اس کی تلاوت کی گئی اس وقت صحابہؓ کی خاموشی پر آپ ﷺ نے یہ فرمایا اور جواب کے الفاظ یہ ہیں ﴿ لَا بِشَيْءٍ مِّنْ نِّعَمِ رَبَّنَا نُكَذِّبُ ﴾

سُوْرَةُ الرَّحْمٰنِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانٌ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً وَّثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلرَّحْمٰنُ ۙ﴿۱﴾ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ؕ﴿۲﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۙ﴿۳﴾ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ﴿۴﴾ اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۙ﴿۵﴾ وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ ﴿۶﴾ وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ۙ﴿۷﴾ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ ﴿۸﴾ وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ﴿۹﴾ وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ۙ﴿۱۰﴾ فِيْهَا فَاكِهَةٌ

وَالنَّخْلُ ذَاتُ الْأَكْمَامِ ﴿١١﴾ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ﴿١٢﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿١٣﴾

رحم وکرم والے اللہ کے نام سے شروع۔

رحمٰن نے قرآن سکھایا۔ اسی نے انسان کو پیدا کیا۔ اور اسے بولنا سکھایا۔ آفتاب اور ماہتاب مقررہ حساب سے ہیں۔ اور بے تنے کے درخت اور تنے دار درخت دونوں سجدہ کرتے ہیں۔ اسی نے آسمان کو بلند کیا اور اسی نے ترازو رکھی۔ تاکہ تم تولنے میں کمی بیشی نہ کرو۔ انصاف کے ساتھ وزن کو ٹھیک رکھو اور تول میں کم نہ دو۔ اسی نے مخلوق کے لیے زمین بچھادی جس میں میوے ہیں اور خوشے والی کھجور کے درخت ہیں۔ اور اناج ہے بھس والا اور پھول ہیں خوشبودار پس اے انسانو اور جنو! تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے۔

اللہ کی رحمتیں: اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کاملہ کا بیان فرماتا ہے کہ اس نے اپنے بندوں پر قرآن کریم نازل فرمایا اور اپنے فضل و کرم سے اسکا حفظ کرنا بالکل آسان کر دیا۔ اسی نے انسان کو پیدا کیا اور اسے بولنا سکھایا۔ قتادہؒ وغیرہ کہتے ہیں بیان سے مراد خیر وشر ہے لیکن بولنا ہی مراد لینا یہاں بہت اچھا ہے۔ حضرت حسنؒ کا قول بھی یہی ہے اور ساتھ ہی تعلیم قرآن کا ذکر ہے جس سے مراد تلاوت قرآن ہے اور تلاوت موقوف ہے بولنے کی آسانی پر ہر حرف اپنے مخرج سے بے تکلف زبان ادا کرتی رہتی ہے خواہ حلق سے نکلتا ہو خواہ دونوں ہونٹوں کے ملانے سے' مختلف مخرج اور مختلف قسم کے حروف کی ادائیگی اللہ تعالیٰ نے انسان کو سکھادی۔ سورج اور چاند ایک دوسرے کے پیچھے اپنے اپنے مقررہ حساب کے مطابق گردش میں ہیں نہ ان میں اختلاف ہو نہ اضطراب نہ یہ آگے بڑھے نہ وہ اس پر غالب آئے۔ ہر ایک اپنی اپنی جگہ تیرتا پھرتا ہے۔ اور جگہ فرماتا ہے ﴿ فَالِقُ الْإِصْبَاحِ ﴾ الخ اللہ صبح کا نکالنے والا ہے اور اسی نے رات کو تمہارے لیے آرام کا وقت بنایا ہے اور سورج چاند کو حساب پر رکھا ہے یہ مقررہ اندازہ ہے غالب و دانا اللہ کا۔ حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں تمام انسانوں کی جنات کی چوپایوں کی پرندوں کی آنکھوں کی بصارت ایک ہی شخص کی آنکھوں میں کر دی جائے پھر سورج کے سامنے جو ستر پردے ہیں ان میں سے ایک پردہ ہٹادیا جائے تو ناممکن ہے کہ یہ شخص بھی اس کی طرف دیکھ سکے باوجودیکہ سورج کا نور کرسی کے نور کا سترواں حصہ ہے اور کرسی کا نور عرش کے نور کا سترواں حصہ ہے اور عرش کا نور جو پردے اللہ کے سامنے ہیں اس میں سے ایک پردے کے نور کا سترواں حصہ ہے پس خیال کرلو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے جنتی بندوں کی آنکھوں میں کس قدر نور دے رکھا ہوگا کہ وہ اپنے رب تبارک وتعالیٰ کے چہرے کو کھلم کھلا اپنی آنکھوں سے بے روک دیکھیں (ابن ابی حاتم)۔

درخت اللہ کی رحمت: اس پر تو مفسرین کا اتفاق ہے کہ شجر اس درخت کو کہتے ہیں جو تنے والا ہو' لیکن نجم کے معنے کئی ایک ہیں۔ بعض تو کہتے ہیں نجم سے مراد بیلیں ہیں جن کا تنہ نہیں ہوتا اور زمین پر پھیلی ہوئی ہوتی ہیں۔ بعض کہتے ہیں' مراد اس سے ستارے ہیں جو آسمان میں ہیں۔ یہی قول زیادہ ظاہر ہے' گو اوّل قول امام ابن جریرؒ کا اختیار کردہ ہے' واللہ اعلم۔ قرآن کریم کی یہ آیت بھی اس دوسرے قول کی تائید کرتی ہے۔ فرمان ہے ﴿ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ ﴾ الخ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ کے لیے آسمان وزمین کی تمام مخلوقات اور سورج چاند ستارے پہاڑ درخت چوپائے جانور اور اکثر لوگ سجدہ کرتے ہیں الخ۔

آسمان کی پیدائش: پھر فرماتا ہے آسمان کو اسی نے بلند کیا ہے اور اسی نے میزان رکھی ہے یعنی عدل' جیسے اور آیت میں ہے ﴿ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ﴾ یعنی یقیناً ہم نے اپنے رسولوں کو دلیلوں کے ساتھ اور ترازو کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ لوگ عدل پر قائم ہو جائیں۔ یہاں بھی اس کے ساتھ ہی آسمان وزمین کو حق اور عدل کے ساتھ پیدا کیا تاکہ تمام چیزیں حق وعدل کے ساتھ ہو جائیں۔ پس فرماتا ہے جب وزن کرو تو سیدھی ترازو سے عدل وحق کے ساتھ وزن کرو کمی زیادتی نہ کرو کہ لیتے وقت بڑھتی تول لیا کرو اور دیتے وقت کمتی دیدیا۔ اور جگہ ارشاد ہے ﴿ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ﴾ صحت کے ساتھ کھرے پن

سے تول لیا کرو۔ آسمان کو تو اس نے بلند و بالا کیا۔ اور زمین اس نے نیچی اور پست کر کے بچھا دی اور اس میں مضبوط پہاڑ مثل میخ کے گاڑ دیے تاکہ وہ ہلے جلے نہیں اور اس پر جو مخلوق بستی ہے وہ بآرام رہے'

زمین اور پھل: پھر زمین کی مخلوق کو دیکھو ان کی مختلف قسموں' مختلف شکلوں' مختلف رنگوں' مختلف زبانوں' مختلف عادات و اطوار پر نظر ڈال کر اللہ کی قدرت کاملہ کا اندازہ کرو۔ ساتھ ہی زمین کی پیداوار کو دیکھو کہ رنگ برنگ کے کھٹے میٹھے سلونے طرح طرح کی خوشبوؤں والے میوے پھل فروٹ اور خاقصتہً کھجور کے درخت جو نفع دینے والا اور لگنے کے وقت سے خشک ہو جانے تک اور اس کے بعد بھی کھانے کے کام میں آنے والا عام میوہ ہے۔ اس پر خوشے ہوتے ہیں جنہیں چیر کر یہ باہر آتا ہے پھر گدلا ہو جاتا ہے پھر تر ہو جاتا ہے پھر پک کر ٹھیک ہو جاتا ہے۔ بہت نافع ہے' ساتھ ہی اس کا درخت بالکل سیدھا اور بے ضرر ہوتا ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ قیصر نے امیر المومنین حضرت عمر بن خطابؓ کو لکھا کہ میرے قاصد جو آپ کے پاس سے واپس آئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ آپ کے ہاں ایک درخت ہوتا ہے جس کی سی خوخصلت کسی اور میں نہیں وہ جانور کے کان کی طرح زمین سے نکلتا ہے پھر کھل کر موتی کی طرح ہو جاتا ہے پھر سبز ہو کر زمرد کی طرح ہو جاتا ہے پھر سرخ ہو کر یاقوت جیسا بن جاتا ہے پھر پکتا ہے اور تیار ہو کر بہترین فالودے کے مزے کا ہو جاتا ہے۔ پھر خشک ہو کر مقیم لوگوں کے بچاؤ کی اور مسافروں کے توشے بھتے کی چیز بن جاتا ہے۔ پس اگر میرے قاصد کی یہ روایت صحیح ہے تو میرے خیال سے تو یہ درخت جنتی درخت ہے۔

اس کے جواب میں شاہ اسلام حضرت فاروق اعظمؓ نے لکھا ہے کہ یہ خط ہے اللہ کے غلام' مسلمانوں کے بادشاہ عمر کی طرف سے شاہ روم قیصر کے نام' آپ کے قاصدوں نے جو خبر آپ کو دی ہے وہ سچ ہے اس قسم کے درخت ملک عرب میں بکثرت ہیں۔ یہی وہ درخت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہ السلام کے پاس اگایا تھا جب کہ ان کے لڑکے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے بطن سے پیدا ہوئے تھے پس اے بادشاہ! اللہ سے ڈر اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ نہ سمجھ' اللہ ایک ہی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال اللہ تعالیٰ کے نزدیک حضرت آدم علیہ السلام جیسی ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا پھر فرمایا ہو جا پس وہ ہو گئے اللہ کی طرف سے سچی اور حق بات یہی ہے تجھے چاہیے کہ شک و شبہ کرنے والوں میں نہ رہے ﴿ اَلْاَكْمَامُ ﴾ کے معنے لیف کے بھی کئے گئے ہیں جو درخت کھجور کی گردن پر پوست کی طرح ہوتا ہے اور اس نے زمین میں بھوسی اور اناج پیدا کیا ﴿ عَصْف ﴾ کے معنے کھیتی کے وہ سبز پتے جو اوپر سے کاٹ دیے گئے ہوں پھر سکھا لیے گئے ہوں بھی آئے ہیں ﴿ رَيْحَان ﴾ سے مراد پتے یا یہی ریحان جو اسی نام سے مشہور ہے یا کھیتی کے سبز پتے۔ مطلب یہ ہے کہ گیہوں' جو وغیرہ کے وہ دانے جو بال پر بھوسی سمیت ہوتے ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ کھیتی کے پہلے ہی اگے ہوئے پتوں کو تو ﴿ عَصْف ﴾ کہتے ہیں اور جب دانے نکل آئیں بالیں پیدا ہو جائیں تو انہیں ریحان کہتے ہیں جیسے کہ زید بن عمرو بن نفیل کے مشہور قصیدے میں ہے

رب کی نعمتوں کو نہ جھٹلانا: پھر فرماتا ہے اے جنو اور انسانو! تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ یعنی تم اس کی نعمتوں میں سر سے پیر تک ڈوبے ہوئے ہو اور مالا مال ہو رہے ہو' ناممکن ہے کہ حقیقی طور پر تم کسی نعمت کا انکار کر سکو اور اسے جھوٹ بتلا سکو' ایک دو نعمتیں ہوں تو خیر' یہاں تو سر تاپا اس کی نعمتوں سے تم پر ہو رہے ہو۔ اسی لیے مومن جنوں نے اسے سن کر جھٹ سے جواب دیا ﴿ اللّٰهُمَّ وَلَا بِشَيْءٍ مِّنْ اٰلَائِكَ رَبَّنَا نُكَذِّبُ فَلَكَ الْحَمْدُ ﴾ حضرت ابن عباسؓ اس کے جواب میں فرمایا کرتے تھے ﴿ لَا فَاَيِّهَا يَارَبِّ ﴾ یعنی اے اللہ ہم ان میں سے کسی نعمت کا انکار نہیں کر سکتے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی صاحبزادی حضرت اسمائؓ فرماتی ہیں کہ شروع شروع رسالت کے زمانے میں کہ ابھی امر اسلام کا پوری طرح اعلان نہ ہوا تھا میں نے رسول اللہ ﷺ کو بیت اللہ میں دکھن کی طرف نماز پڑھتے ہوئے دیکھا آپ ﷺ اس نماز میں اس سورت کی تلاوت فرما رہے تھے اور مشرکین بھی سن رہے تھے۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ﴿١٤﴾ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ﴿١٥﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿١٦﴾ رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ﴿١٧﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿١٨﴾ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ﴿١٩﴾ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ﴿٢٠﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٢١﴾ يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ﴿٢٢﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٢٣﴾ وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ﴿٢٤﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٢٥﴾

اس نے انسان کو ایسی آواز دینے والی مٹی سے پیدا کیا جو ٹھیکری کی طرح تھی۔ اور جنات کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا۔ پس تم دونوں اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے؟ وہ رب ہے دونوں مشرقوں اور دونوں مغربوں کا۔ تو اے انسانو اور جنو تم اپنے رب کی کس کس نعمت کے منکر بنو گے؟ اس نے دو دریا چلائے جو ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں۔ ان دونوں میں ایک حجاب ہے کہ اس سے بڑھ نہیں سکتے پس اپنے پروردگار کی کون سی نعمت کے تم منکر بنو گے؟ ان دونوں میں سے موتی اور مونگے برآمد ہوتے ہیں۔ پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کا انکار کر سکتے ہو؟ اور اللہ ہی کی ملکیت میں ہیں وہ جہاز جو سمندروں میں پہاڑ کی طرح کھڑے ہوئے چل پھر رہے ہیں۔ پس اے انسانوں اور جنو تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

انسان کی اور جن کی پیدائش: یہاں بیان ہو رہا ہے کہ انسانی کی پیدائش بجنے والی ٹھیکری جیسی مٹی سے ہوئی ہے اور جنات کی پیدائش آگ کے شعلے سے ہوئی ہے جو خالص اور احسن تھا۔ مسند کی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں فرشتے نور سے' جنات نار سے اور انسان مٹی سے جس کا ذکر تمہارے سامنے ہو چکا ہے پیدا کئے گئے ہیں۔ پھر اپنی کسی نعمت کے نہ جھٹلانے کی ہدایت کر کے فرماتا ہے جاڑے اور گرمی کے دو سورج کے نکلنے اور ڈوبنے کے مقامات کا رب اللہ ہی ہے۔ دو سے مراد سورج کے نکلنے اور ڈوبنے کی دو مختلف جگہیں ہیں کہ وہاں سے سورج چڑھتا اترتا ہے۔ اور موسم کے لحاظ سے یہ بدلتی رہتی ہیں ہر دن ہیر پھیر ہوتا ہے جیسے دوسری آیت میں ہے مشرق و مغرب کا رب وہی ہے تو اسی کو اپنا وکیل سمجھ۔ تو یہاں مراد جنس مشرق و مغرب ہے اور دو مشرق مغرب سے مراد طلوع و غروب کی دو جگہ ہیں اور چونکہ طلوع و غروب کی جگہ کے جدا جدا ہونے میں انسانی منفعت اور اس کی مصلحت بنی تھی اس لیے پھر فرمایا کہ کیا اب بھی تم اپنے رب کی نعمتوں کے منکر ہی رہو گے؟

دو سمندر: اس کی قدرت کا نظارہ دیکھو کہ دو سمندر برابر چل رہے ہیں ایک کھاری پانی کا ہے دوسرا میٹھے پانی کا لیکن نہ اس کا پانی اس میں مل کر اسے کھاری کرتا ہے نہ اس کا میٹھا پانی اس میں مل کر اسے میٹھا کر سکتا ہے بلکہ دونوں اپنی رفتار سے چل رہے ہیں' دونوں کے درمیان ایک پردہ حائل ہے نہ وہ اس میں مل سکے نہ وہ اس میں جا سکے۔ یہ اپنی حد میں ہے وہ اپنی حد میں اور قدرتی فاصلہ انہیں الگ الگ کیے ہوئے ہیں حالانکہ دونوں پانی ملے ہوئے ہیں۔ سورہ فرقان کی آیت ﴿ وَهُوَ الَّذِيْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ ﴾ الخ کی تفسیر میں اس کی پوری تشریح گزر چکی ہے۔

امام ابن جریرؒ تو فرماتے ہیں کہ اس سے مراد آسمان کا دریا اور زمین کا دریا ہے۔ امام ابن جریرؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ آسمان میں جو پانی کا قطرہ ہے اور صدف جو زمین کے دریا میں ہے ان دونوں سے مل کر لؤلؤ پیدا ہوتا ہے۔ واقعہ تو یہ ٹھیک ہے لیکن اس آیت کی تفسیر اس طرح کرنی کچھ مناسب نہیں معلوم ہوتی اس لیے کہ آیت میں ان دونوں کے درمیان برزخ یعنی آڑ کا ہونا بیان فرمایا گیا ہے جو اس کو اس سے اور اس کو اس سے روکے ہوئے ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں زمین میں ہی ہیں بلکہ ایک دوسرے سے لگے لگے چلتے ہیں مگر قدرت انہیں جدا

رکھتی ہے آسمان وزمین کے درمیان جو فاصلہ ہے وہ برزخ اور حجر نہیں کہا جاتا اس لیے صحیح قول یہی ہے کہ یہ زمین کے دو دریاؤں کا ذکر ہے نہ کہ آسمان اور زمین کے دریا کا۔ ان دونوں میں سے یعنی دونوں میں سے ایک میں سے' جیسے اور جگہ جن وانس کو خطاب کر کے سوال ہوا ہے کہ کیا تمہارے پاس تمہیں میں سے رسول نہیں آئے تھے؟ ظاہر ہے کہ رسول صرف انسان میں سے ہی ہوئے ہیں جنات میں کوئی جن رسول نہیں آیا۔ جیسے یہاں اطلاق صحیح ہے حالانکہ وقوع ایک میں ہی ہے۔ اسی طرح اس آیت میں بھی اطلاق دونوں دریا پر ہے اور وقوع ایک میں ہی ہے۔

لؤ لؤ اور مرجان: لؤلؤ یعنی موتی تو ایک مشہور معروف چیز ہے۔ مرجان کی نسبت کہا گیا ہے کہ چھوٹے موتی کو کہتے ہیں۔ اور کہا گیا ہے کہ بہت بڑے موتی کو کہتے ہیں۔ اور کہا گیا ہے کہ بہترین اور عمدہ موتی کو مرجان کہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں سرخ رنگ جواہر کو کہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں سرخ رنگ مہرے کا نام ہے اور آیت میں ہے ﴿ وَمِنْ كُلٍّ تَاْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِيًّا وَّ تَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ﴾ یعنی تم ہر ایک میں سے نکلا ہوا گوشت کھاتے ہو جو تازہ ہوتا ہے اور پہننے کے زیور نکالتے ہو۔ تو خیر مچھلی تو کھاری اور میٹھے دونوں پانی سے نکلتی ہے اور موتی مونگے صرف کھارے پانی میں سے نکلتے ہیں میٹھے میں سے نہیں نکلتے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آسمان کا جو قطرہ سمندر کی سیپ کے منہ میں سیدھا جاتا ہے وہ لولو بن جاتا ہے اور جب صدف میں نہیں جاتا تو اس سے عنبر پیدا ہوتا ہے۔ مینہ برسنے کے وقت سیپ اپنا منہ کھول دیتی ہے پس اس نعمت کو بیان فرما کر پھر دریافت فرماتا ہے کہ ایسی ہی بے شمار نعمتیں جس رب کی ہیں تم بھلا کس کس نعمت کی تکذیب کرو گے؟

بحری جہاز اور کشتیاں: پھر ارشاد ہوتا ہے کہ سمندر میں چلنے والے بڑے بڑے بادبانوں والے جہاز جو دور سے نظر پڑتے ہیں اور پہاڑوں کی طرح کھڑے دکھائی دیتے ہیں جو ہزاروں من مال اور سینکڑوں انسانوں کو ادھر سے ادھر لے جاتے لے آتے ہیں یہ بھی تو اس اللہ کی ملکیت ہیں' اس عالی شان نعمت کو یاد دلا کر پھر پوچھتا ہے کہ اب بتلاؤ انکار کیسے کیسے بن آئے گی؟ حضرت عمیرہ بن سویدؒ فرماتے ہیں میں حضرت علی مرتضیٰؓ کے ساتھ دریائے فرات کے کنارے پر تھا۔ ایک بلند و بالا بڑا جہاز آرہا تھا' اسے دیکھ کر آپ نے اس کی طرف اپنے ہاتھ سے اشارہ کر کے اس آیت کی تلاوت کی' پھر فرمایا اس اللہ کی قسم جس نے پہاڑوں جیسی ان کشتیوں کو مواج سمندر میں جاری کیا ہے نہ میں نے عثمانؓ کو قتل کیا' نہ ان کے قتل کا ارادہ کیا نہ قاتلوں کے ساتھ شریک ہوا' نہ ان سے خوش' نہ ان پر نرم۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿٢٦﴾ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿٢٧﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٢٨﴾ يَسْئَلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ ﴿٢٩﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٠﴾

روئے زمین پر جو ہیں سب فنا ہونے والے ہیں۔ صرف تیرے رب کی ذات جو عظمت اور احسان والی ہے باقی رہ جائے گی۔ پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت سے منکر ہو گے؟ سب آسمان وزمین والے اسی سے مانگتے ہیں ہر روز وہ ایک شان میں ہے۔ پس اپنے رب کی کون سی نعمت کا تم انکار کر رہے ہو؟

خدا کے سوا سب کچھ فنا ہونے والا ہے: فرماتا ہے کہ زمین کی کل مخلوق فنا ہونے والی ہے ایک دن آئے گا کہ اس پر کچھ نہ ہوگا کل جان دار مخلوق کو موت آجائے گی اسی طرح کل آسمان والے بھی موت کا مزہ چکھیں گے مگر جسے اللہ چاہے' صرف ذات الٰہی باقی رہ جائے گی جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ تک رہے گی' جو موت وفوت سے پاک ہے۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں اولاً تو پیدائش عالم کا ذکر فرمایا پھر ان کی فنا کا بیان کیا۔ حضور ﷺ سے ایک منقول دعا میں یہ بھی ہے ﴿ يَاحَيُّ يَاقَيُّوْمُ يَا بَدِيْعَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَاذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا

انت برحمتك نستغيث اصلح لنا شاننا كله ولا تكلنا الى انفسنا طرفة عين ولا الى احد من خلقك ﴾ یعنی اے ہمیشہ جینے اور ابد الآباد تک باقی اور قائم رہنے والے اللہ' اے آسمان وزمین کے ابتدا پیدا کرنے والے رب' اے جلال وبزرگی والے پروردگار! تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ ہم تیری رحمت ہی سے استغاثہ کرتے ہیں' ہمارے تمام کام تو بنادے اور آنکھ جھپکنے کے برابر بھی تو ہمیں ہماری طرف نہ سونپ اور نہ اپنی مخلوق میں سے کسی کی طرف۔ حضرت شعبیؒ فرماتے ہیں جب تو ﴿ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴾ پڑھے تو ٹھہر نہیں اور ساتھ ہی ﴿ وَيَبْقَى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ ﴾ پڑھ لے۔

اس آیت کا مضمون دوسری آیت میں ان الفاظ سے ہے ﴿ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ﴾ سوائے ذات باری تعالیٰ کے ہر چیز نا پید ہونے والی ہے۔ پھر اپنے چہرے کی تعریف میں فرماتا ہے وہ ذوالجلال ہے یعنی اس قابل ہے کہ اس کی عزت کی جائے اس کا جاہ وجلال مانا جائے اور اس کے احکام کی اطاعت کی جائے۔ اور اس کے فرمان کی خلاف ورزی سے رکا جائے۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ ﴾ الخ جو لوگ صبح شام اپنے پروردگار کو پکارتے رہتے ہیں اور اسی کی ذات کے مرید ہیں توانہی کے ساتھ اپنے نفس کو روکے رکھ۔ اور آیت میں ارشاد ہوتا ہے کہ نیک لوگ صدقہ دیتے وقت سمجھتے ہیں کہ ہم محض اللہ کے منہ کی وجہ سے کھلاتے پلاتے ہیں وہ کبریائی' بڑائی عظمت اور جلال والا ہے۔ پس اس بات کو بیان فرما کر کہ تمام اہل زمین فوت ہونے میں اور پھر اللہ کے سامنے قیامت کے دن پیش ہونے میں برابر ہیں اور اس دن وہ بزرگی والا اللہ ان کے درمیان عدل وانصاف کے ساتھ حکم فرمائے گا۔ ساتھ ہی فرمایا اب تم اے جن و انس رب کی کون سی نعمت کا انکار کرتے ہو؟

سب اللہ سے مانگتے ہیں: پھر فرماتا ہے کہ وہ ساری مخلوق سے بے نیاز ہے اور کل مخلوق اس کی یکسر محتاج ہے۔ سب کے سب سائل ہیں اور وہ غنی ہے۔ سب فقیر ہیں اور وہ سب کے سوال پورے کرنے والا ہے۔ ہر مخلوق اپنے حال وقال سے اپنی حاجتیں اس کی سرکار میں لے جاتی ہے اور ان کے پورا ہونے کا سوال کرتی ہے' وہ ہر دن نئی شان میں ہے۔ اس کی شان ہے کہ ہر پکارنے والے کو جواب دے' مانگنے والے کو عطا فرمائے' تنگ حالوں کو کشادگی دے' مصیبت وآفات والوں کی رہائی بخشے۔ بیماروں کو تندرستی عنایت فرمائے' غم وہم دور کرے' بیقرار کی بے قراری کے وقت کی دعا کو قبول فرما کر اسے قرار وآرام عنایت فرمائے۔ گنہگاروں کے واویلا پر متوجہ ہو کر خطاؤں سے درگزر فرمائے گناہوں کو بخشے' زندگی وہ دے' موت وہ لائے۔ تمام زمین والے کل آسمان والے اس کے آگے ہاتھ پھیلائے ہوئے' دامن پھیلائے ہوئے ہیں۔ چھوٹوں کو بڑا وہ کرتا ہے' قیدیوں کو رہائی وہ دیتا ہے۔ نیک لوگوں کی حاجتوں کو منتہی۔ ان کی پکار کا مدعا' ان کے شکوے شکایت کا مرجع وہی ہے۔ غلاموں کو آزادگی' رغبت والوں کو عطیہ وہی عطا فرماتا ہے۔ یہی اس کی شان ہے۔ ابن جریر میں ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی تو صحابہؓ نے سوال کیا کہ حضور! وہ شان کیا ہے؟ فرمایا کہ گناہوں کا بخشنا' دکھ کو دور کرنا' لوگوں کو ترقی اور تنزل پر لانا۔ ابن ابی حاتم میں اور ابن عساکر میں بھی اسی کے ہم معنے ایک حدیث ہے۔ صحیح بخاری میں یہ روایت معلقاً حضرت ابوالدرداءؓ کے قول سے مروی ہے۔ بزار میں بھی کچھ کمی کے ساتھ مرفوعاً مروی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ کو سفید موتی سے پیدا کیا اس کے دونوں پٹھے سرخ یاقوت کے ہیں۔ اس کا قلم نوری ہے۔ اس کی چوڑائی آسمان وزمین کے برابر ہے۔ ہر روز تین سو ساٹھ مرتبہ اسے دیکھتا ہے ہر نگاہ پر جلاتا اور مارتا اور عزت وذلت دیتا ہے اور جو چاہے کرتا ہے۔

سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ ﴿٣١﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٢﴾ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ۭ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ﴿٣٣﴾

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۳۴﴾ یُرْسَلُ عَلَیْکُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ ۙ وَّنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ﴿۳۵﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۳۶﴾

اے جنو اور انسانو عنقریب ہم سب سے فارغ ہو کر تمہاری طرف متوجہ ہو جائیں گے۔ پھر تم اپنے رب کی کس نعمت کو جھٹلاتے ہو؟ اے گروہ جنات و انسان! اگر تم میں آسمانوں اور زمین کے کناروں سے باہر نکل جانے کی طاقت ہے تو نکل بھاگو بغیر غلبہ اور طاقت کے تم نہیں نکل سکتے۔ پھر اپنے رب کی کس کس نعمت کا انکار کرتے ہو؟ تم پر آگ کے شعلے اور دھواں چھوڑا جائے گا پھر تم مقابلہ نہ کر سکو گے۔ پھر اپنے رب کی نعمتوں میں سے کس نعمت کا انکار کرو گے۔

جنوں اور انسانوں کو خطاب: فارغ ہونے کے یہ معنی نہیں کہ اب وہ کسی مشغولیت میں ہے بلکہ یہ بطور ڈانٹ کے فرمایا گیا ہے کہ صرف تمہاری طرف پوری توجہ فرمانے کا زمانہ قریب آ گیا ہے' اب کھرے کھرے فیصلے ہو جائیں گے' اسے کوئی اور چیز مشغول نہ کرے گی' بلکہ صرف تمہارے حساب ہی لے گا۔ محاورہ عرب کے مطابق یہ کلام کیا گیا ہے۔ جیسے غصہ کے وقت کوئی کسی سے کہتا ہے اچھا فرصت میں تجھ سے نمٹ لوں گا' تو یہ معنی نہیں کہ اس وقت مشغول ہوں بلکہ یہ مطلب ہے کہ ایک خاص وقت تجھ سے نمٹنے کا نکالوں گا اور تیری غفلت میں تجھے پکڑ لوں گا ﴿ ثقلین ﴾ سے مراد انسان اور جن ہیں جیسے ایک حدیث میں ہے اسے سوائے ثقلین کے ہر چیز سنتی ہے اور دوسری حدیث میں ہے سوائے انسانوں اور جنوں کے۔

اور حدیث صور میں صاف ہے کہ ثقلین یعنی جن وانس۔ پھر تم اپنے رب کی نعمتوں میں سے کس کس نعمت کا انکار کر سکتے ہو؟ اے جنو اور انسانوں! تم اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی مقرر کردہ تقدیر سے بھاگ کر بچ نہیں سکتے بلکہ وہ تم سب کو گھیرے ہوئے ہے اس کا ہر ہر حکم تم پر بے روک جاری ہے جہاں جاؤ اسی کی سلطنت ہے۔ حقیقتہً یہ واقع ہو گا میدان محشر میں کہ مخلوقات کو ہر طرف سے فرشتے احاطہ کیے ہوئے ہوں گے چاروں جانب ان کی سات سات صفیں ہوں گی کوئی شخص بغیر دلیل کے ادھر سے ادھر نہ ہو سکے گا اور دلیل سوائے امر الٰہی حکم الٰہی کے اور کچھ نہیں۔ انسان اس دن کہے گا کہ بھاگنے کی جگہ کدھر ہے؟ لیکن جواب ملے گا کہ آج تو رب کے سامنے ہی کھڑا ہونے کی جگہ ہے۔

اور آیت میں ہے ﴿ وَالَّذِیْنَ کَسَبُوا السَّیِّاٰتِ ﴾ الخ یعنی بدیاں کرنے والوں کو ان کی برائیوں کے مانند سزا ملے گی ان پر ذلت سوار ہو گی اور اللہ کی پکڑ سے پناہ دینے والا کوئی نہ ہو گا' ان کے منہ مثل اندھیری رات کے ٹکڑوں کے ہوں گے۔ یہ جہنمی گروہ ہے جو ہمیشہ جہنم میں ہی رہے گا۔ ﴿ شُوَاظٌ ﴾ کے معنے آگ کے شعلے جو دھواں ملے ہوئے سبز رنگ کے جھلسا دینے والے ہوں۔ بعض کہتے ہیں بے دھویں کا آگ کے اوپر کا شعلہ جو اس طرح لپکتا ہے کہ گویا پانی کی موج ہے۔ ﴿ نُحَاسٌ ﴾ کہتے ہیں دھویں کو' یہ لفظ نون کے زبر سے بھی آتا ہے لیکن یہاں قرائت نون کے پیش سے ہی ہے۔ نابغہ کے شعر میں بھی لفظ اسی معنی میں ہیں۔

ہاں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ شواظ سے مراد وہ شعلہ ہے جس میں دھواں نہ ہو اور آپ نے اس کی سند میں امیہ بن ابو صلت کا شعر پڑھ سنایا۔ اور نحاس کے معنی آپ نے کیے ہیں محض دھواں جس میں شعلہ نہ ہو اور اس کی شہادت میں بھی ایک شعر نابغہ کا پڑھ سنایا۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں نحاس سے مراد پیتل ہے جو پگھلایا جائے گا اور ان کے سروں پر بہایا جائے گا۔ بہر صورت مطلب یہ ہے کہ اگر تم قیامت کے دن میدان محشر سے بھاگنا چاہو تو میرے فرشتے اور جہنم کے داروغے تم پر آگ برسا کر دھواں چھوڑ کر تمہارے سر پر پگھلا ہوا پیتل بہا کر تمہیں واپس لوٹائیں گے۔ تم نہ ان کا مقابلہ کر سکتے ہو نہ انہیں دفع کر سکتے ہو نہ ان سے انتقام لے سکتے ہو۔ پس تمہیں رب کی کسی نعمت کے انکار سے انکار چاہیے۔

فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ﴿۳۷﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۸﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْئَلُ عَنْ ذَنْبِهٖٓ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ ﴿۳۹﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۰﴾ يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَالْاَقْدَامِ ﴿۴۱﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۲﴾ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۴۳﴾ يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ ﴿۴۴﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۵﴾

وقف لازم ۲ ع ۲

پس جب کہ آسمان پھٹ کر سرخ ہو جائے جیسے کہ سرخ نری کا چمڑہ۔ پھر اے آدمیو اور جنو! تم دونوں اپنے رب کی کس نعمت کا انکار کرو گے؟ اس دن کسی انسان اور کسی جن سے اس کے گناہوں کی پرسش نہ کی جائے گی۔ پھر تمہیں اپنے رب کی کس نعمت کا انکار ہے؟ گنہگار صرف حلیہ سے ہی پہنچان لیے جائیں گے اور ان کی پیشانیوں کے بال اور قدم پکڑ لیے جائیں گے۔ کیا پھر بھی تم اپنے رب کی کسی نعمت کا انکار کر سکتے ہو؟ یہ ہے وہ جہنم جسے مجرم جھوٹا جانتے تھے اس کے اور کھولتے ہوئے گرم پانی کے درمیان چکر کھائیں گے۔ پھر تم اپنے رب کی کون سی نعمت کو جھٹلاتے ہو؟

آسمان پھٹ جائے گا: آسمان کا پھٹ جانا اور آیتوں میں بھی بیان ہوا ہے۔ ارشاد ہے ﴿ وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ﴾ اور جگہ ہے ﴿ يَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ ﴾ الخ اور فرمان ہے ﴿ اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ﴾ الخ وغیرہ۔ جس طرح چاندی وغیرہ پگھلائی جاتی ہے یہی حالت آسمان کی ہو جائے گی رنگ پر رنگ بدلے گا کیونکہ قیامت کی ہولناکی اس کی شدت و دہشت ہے ہی ایسی۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے لوگ قیامت کے دن اٹھائے جائیں گے اور آسمان ان پر ہلکی بارش کی طرح برستا ہو گا۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں سرخ چمڑے کی طرح ہو جائے گا۔ اور روایت میں ہے گلابی رنگ گھوڑے کے رنگ جیسا آسمان کا رنگ ہو جائے گا۔ ابو صالحؒ فرماتے ہیں پہلے گلابی رنگ ہو گا پھر سرخ ہو جائے گا گلابی رنگ گھوڑے کا رنگ موسم بہار میں تو زردی مائل نظر آتا ہے اور جاڑے میں بدل کر سرخ جچتا ہے۔ جوں جوں سردی بڑھتی ہے اس کا رنگ متغیر ہوتا جاتا ہے۔ اسی طرح آسمان بھی رنگ پر رنگ بدلے گا' پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہو جائے گا جیسے روغن گلاب کا رنگ ہوتا ہے اس رنگ کا آسمان ہو جائے گا۔ آج وہ سبز رنگ ہے لیکن اس دن اس کا رنگ سرخی لیے ہوئے ہو گا زیتون کے تیل کے تیل کی تلچھٹ جیسا ہو جائے گا۔ جہنم کی آگ کی تپش اسے پگھلا کر تیل جیسا کر دے گی۔ اس دن کسی مجرم سے اس کا جرم نہ پوچھا جائے گا' جیسے اور آیت میں ہے ﴿ هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ ﴾ الخ یہ وہ دن ہے کہ بات نہ کریں گے۔ نہ انہیں اجازت دی جائے گی کہ وہ عذر معذرت کریں۔ ہاں اور آیات میں ان کا بولنا عذر کرنا ان سے حساب لیا جانا وغیرہ بھی بیان ہوا ہے' فرمان ہے ﴿ فَوَرَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴾ تیرے رب کی قسم ہم سب سے سوال کریں گے اور ان کے کل کاموں کی پرسش کریں گے' تو مطلب یہ ہے کہ ایک موقعہ پر یہ ہے دوسرے موقعہ پر یہ ہے۔ پرسش ہوئی حساب کتاب ہوا عذر معذرت ختم کر دی گئی۔ اب منہ پر مہر لگ گئی ہاتھ پاؤں اور اعضاء جسم نے گواہی دی پھر پوچھ گچھ کی ضرورت نہ رہی عذر معذرت توڑ دی گئی۔ اور یہ تطبیق بھی ہے کہ کسی سے نہ پوچھا جائے گا کہ فلاں عمل کیا یا نہیں کیا؟ کیونکہ اللہ کو خوب معلوم ہے۔ ہاں جو سوال ہو گا وہ یہ کہ ایسا کیوں کیا؟

تیسرا قول یہ ہے کہ فرشتے پوچھیں گے نہیں' وہ تو چہرہ دیکھتے ہی پہچان لیں گے اور جہنم کی زنجیروں میں باندھ اوندھے منہ گھسیٹ جہنم واصل کر دیں گے' جیسے اس کے بعد ہی فرمایا کہ یہ گنہگار اپنے چہروں اور اپنی خاص علامتوں سے ہی پہچان لیے جائیں گے۔ چہرے سیاہ

ہوں گے' آنکھیں کیری ہوں گی۔ ٹھیک اسی طرح مومنوں کے چہرے بھی الگ ممتاز ہوں گے۔ ان کے اعضاء وضو چاند کی طرح چمک رہے ہوں گے۔ گنہگاروں کو پیشانیوں اور قدموں سے پکڑا جائے گا اور جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ جس طرح بڑی لکڑی کو دو طرف سے پکڑ کر تنور میں جھونک دیا جاتا ہے۔ پیٹھ کی طرف سے زنجیر لا کر گردن اور پاؤں ایک کر کے باندھ دیے جائیں گے' کمر توڑ دی جائے گی اور قدم اور پیشانی ملا دی جائے گی اور جکڑ دیا جائے گا۔

پل صراط کا ذکر: مسند احمد میں ہے کہ قبیلہ بنو کندہ کا ایک شخص مائی عائشہؓ کے پاس گیا' پردے کے پیچھے بیٹھا اور مائی صاحبہ سے سوال کیا کہ کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ بھی سنا ہے کہ کسی وقت آپ کو کسی شخص کی شفاعت کا اختیار نہ ہوگا؟ ام المومنینؓ نے جواب دیا کہ ہاں' ایک مرتبہ ایک ہی کپڑے میں ہم دونوں تھے' میں نے آنحضرت ﷺ سے یہی سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ہاں جب کہ پل صراط رکھا جائے گا اس وقت مجھے کسی کی شفاعت سفارش کا اختیار نہ ہوگا۔ یہاں تک کہ میں جان لوں کہ خود مجھے کہاں لے جاتے ہیں؟ اور جس وقت کہ چہرے سیاہ سفید ہونے شروع ہوں گے یہاں تک کہ میں دیکھ لوں کہ میرے ساتھ کیا کیا جاتا ہے؟ یا فرمایا یہاں تک کہ میں دیکھ لوں کہ مجھ پر کیا وحی بھیجی جاتی ہے؟ اور جب جہنم پر پل رکھا جائے اور اسے تیز اور گرم کیا جائے میں نے پوچھا یا رسول اللہ اس کی تیزی اور گرمی کی کیا حد ہے؟ فرمایا تلوار کی دھار جیسا تیز ہوگا اور آگ کے انگارے جیسا گرم ہوگا۔ مومن تو بے ضرر گزر جائے گا اور منافق لٹک جائے گا جب بیچ میں پہنچے گا اسے کے قدم پھسل جائیں گے۔ یہ اپنے ہاتھ اپنے پیروں کی طرف جھکائے گا جس طرح کوئی ننگے پاؤں چل رہا ہو اور اسے کانٹا لگ جائے اور اس زور کا لگے گویا کہ اس نے اس کے پاؤں کو چھید دیا تو کس طرح بے صبری اور جلدی سے وہ سر اور ہاتھ جھکا کر اس کی طرف جھک پڑتا ہے' اسی طرح یہ جھکے گا۔ ادھر یہ جھکا' ادھر داروغہ جہنم اس کی پیشانی اور قدم جہنم کی زنجیروں سے جکڑ لیں گے اور جہنم کی آگ میں گرا دیں گے جس میں تقریباً پچاس سال تک وہ گہرا اترتا جائے گا۔ میں نے پوچھا حضور! یہ جہنمی کس قدر بوجھل ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا مثل دس گابھن اونٹنیوں کے' پھر آپ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی' یہ حدیث غریب ہے اور اس کے بعض فقروں کا حضور ﷺ کے کلام سے ہونا منکر ہے اور اس کی اسناد میں ایک شخص ہے جن کا نام بھی نیچے کے راوی نے نہیں لیا۔ اس جیسی دلیلیں صحت کے قابل نہیں ہوتیں' واللہ اعلم۔

جہنم کے منکروں کا انجام: ان گنہگاروں سے کہا جائے گا کہ لو جس جہنم کا تم انکار کرتے تھے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ لو یہ انہیں بطور رسوا اور ذلیل کرنے' شرمندہ اور نادم کرنے ان کی خفت بڑھانے کے لیے کہا جائے گا۔ پھر ان کی یہ حالت ہوگی کہ کبھی آگ کا عذاب ہو رہا ہے کبھی پانی کا کبھی جحیم میں جلائے جاتے ہیں اور کبھی حمیم پلائے جاتے ہیں جو پگھلے ہوئے تانبے کی طرح محض آگ ہے جو آنتوں کو کاٹ دیتی ہے۔ اور جگہ ہے ﴿ اِذِ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ ﴾ الخ جب کہ ان کی گردنوں میں طوق ہوں گے اور پاؤں میں بیڑیاں ہوں گی وہ حمیم سے جحیم میں گھسیٹے جائیں گے اور بار بار جلائے جائیں گے۔ یہ گرم پانی حد درجہ کا گرم ہوگا بس یوں کہنا ٹھیک ہے کہ وہ بھی جہنم کی آگ ہی ہے جو پانی کی صورت میں ہے۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں آسمان و زمین کی پیدائش کے وقت سے آج تک وہ گرم کیا جا رہا ہے۔

محمد بن کعبؒ فرماتے ہیں بدکار شخص کی پیشانی کے بال پکڑ کر اسے اس گرم پانی میں ایک غوطہ دیا جائے گا تمام گوشت گھل جائے گا اور ہڈیوں کو چھوڑ دے گا۔ بس دو آنکھیں اور ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ جائے گا اسی کو فرمایا ﴿ فِي الْحَمِيْمِ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُوْنَ ﴾ ان کے معنے حاضر کے بھی کیے گئے ہیں۔ اور آیت میں ہے ﴿ تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ﴾ سخت گرم موجود پانی کی نہر سے انہیں پانی پلایا جائے گا جو ہرگز نہ پی سکیں گے' کیونکہ وہ بے انتہا گرم بلکہ مثل آگ کے ہے۔ قرآن کریم میں اور جگہ ہے ﴿ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ ﴾ وہاں مراد تیاری اور پک جانا ہے۔ چونکہ بدکاروں کی سزا اور نیک کاروں کی جزا بھی اس کا فضل و رحمت' عدل و لطف ہے اپنے ان عذابوں کا پہلے سے بیان کر دینا تاکہ شرک و معاصی کے کرنے والے ہوشیار ہو جائیں' یہ بھی اس کی نعمت ہے اس لیے فرمایا پھر تم اے جن و انس اپنے رب کی کون کون سی نعمت کا انکار کرو گے۔

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴿۴۶﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۷﴾ ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ ﴿۴۸﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۹﴾ فِیْهِمَا عَیْنٰنِ تَجْرِیٰنِ ﴿۵۰﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۱﴾ فِیْهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجٰنِ ﴿۵۲﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۳﴾

اس شخص کے لیے جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرے دو دو جنتیں ہیں۔ پس اپنے پروردگار کی نعمتوں میں سے کس کو تم جھوٹا جانتے ہو؟ دونوں جنتیں بہت سی ٹہنیوں اور شاخوں والی ہیں۔ پھر اپنے رب کی کس نعمت کو تم جھوٹ سمجھتے ہو؟ ان دونوں جنتوں میں دو بہتے ہوئے چشمے ہیں۔ سوائے جن و انس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کے منکر ہو جاؤ گے؟ ان دونوں جنتوں میں ہر قسم کے میوے بھی جوڑا جوڑا ہوں گے۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے؟

اللہ کا خوف رب کا انعام ہے: ابن شوذب اور عطا خراسانیؒ فرماتے ہیں آیت ﴿ وَلِمَنْ خَافَ ﴾ حضرت صدیق اکبرؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ حضرت عطیہ بن قیسؒ فرماتے ہیں یہ آیت اس شخص کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ جس نے کہا تھا مجھے آگ میں جلا دینا تا کہ میں اللہ تعالیٰ کو ڈھونڈتا نہ ملوں۔ اس کلمہ کے کہنے کے بعد ایک رات ایک دن توبہ کی' اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالی اور اسے جنت میں لے گیا۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ آیت عام ہے۔ حضرت ابن عباسؓ وغیرہ کا قول بھی یہی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص قیامت کے دن اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے کا ڈر اپنے دل میں رکھتا ہے اور اپنے تئیں نفس کی خواہشوں سے بچاتا ہے اور سرکشی نہیں کرتا بلکہ آخرت کی فکر زیادہ کرتا ہے اور اسے بہتر اور پائیدار سمجھتا ہے فرائض بجالاتا ہے محرمات سے رکتا ہے قیامت کے دن اسے ایک چھوڑ دو دو جنتیں ملیں گی۔ صحیح بخاری میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ دو جنتیں چاندی کی ہوں گی اور ان کا کل سامان بھی چاندی کا ہی ہوگا اور دو جنتیں سونے کی ہوں گی ان کے برتن اور جو کچھ ان میں ہے سب سونے کا ہوگا ان جنتیوں میں اور دیدار باری میں کوئی چیز حائل نہ ہوگی سوائے اس کبریائی کے پردے کے جو اللہ عزوجل کے چہرے پر ہے' یہ جنت عدن میں ہوں گے۔ یہ حدیث صحاح کی اور کتابوں میں بھی ہے بجز ابوداؤد کے۔ راوی حدیث حضرت حمادؒ فرماتے ہیں میرے خیال میں تو یہ حدیث مرفوع ہے' تفسیر ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿ وَلِمَنْ خَافَ اور وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ﴾ کی۔ سونے کی دو جنتیں مقربین کے لیے اور چاندی کی دو جنتیں اصحاب یمین کے لیے۔ حضرت ابوالدرداءؓ فرماتے ہیں حضور ﷺ نے ایک مرتبہ اس آیت کی تلاوت کی تو میں نے کہا اگرچہ زنا اور چوری بھی اس سے ہو گئی ہو؟ آپ ﷺ نے پھر یہی آیت پڑھی۔ میں نے پھر یہی سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا اگرچہ ابودرداء کی ناک خاک آلود ہو جائے' نسائی۔

جنت کی نعمتیں: بعض سند سے یہ روایت موقوف بھی مروی ہے۔ اور حضرت ابودرداءؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ جس دل میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہونے کا خوف ہو گا ناممکن ہے کہ اس سے زنا ہو یا وہ چوری کرے۔ یہ آیت عام ہے انسانوں اور جنات دونوں کو شامل ہے اور اس بات کی بہترین دلیل ہے کہ جنوں میں سے بھی جو ایمان لائیں اور تقویٰ کریں وہ جنت میں جائیں گے۔ اسی لیے جن وانس کو اسکے بعد خطاب کر کے فرماتا ہے کہ اب تم اپنے رب کی کس کس نعمت کی تکذیب کرو گے؟ پھر ان دونوں جنتوں کے اوصاف بیان فرماتا ہے کہ یہ نہایت ہی سرسبز و شاداب ہیں بہترین اعلیٰ خوش ذائقہ عمدہ اور تیار پھل ہر قسم کے ان میں موجود ہیں۔ تمہیں نہ چاہیے کہ تم اپنے پروردگار کی کسی نعمت کا انکار کرو۔ ﴿ اَفْنَانٌ ﴾ شاخوں اور ڈالیوں کو کہتے ہیں۔ یہ اپنی کثرت سے ایک دوسرے سے ملی جلی ہوئی ہوں گی' یہ سایہ دار ہوں گی۔ جن کا سایہ دیواروں پر بھی چڑھا ہوا ہوگا۔ عکرمہؒ یہی معنی بیان کرتے ہیں اور عربی کے شعر کو اس پر دلیل میں وارد کرتے ہیں۔ یہ شاخیں سیدھی اور پھیلی ہوئی ہوں گی۔ رنگ برنگ کی ہوں گی۔ یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ ان میں طرح طرح کے میوے ہوں گے' کشادہ اور

گھنے سایہ والی ہوں گی۔ یہ تمام اقوال صحیح ہیں اور ان میں کوئی منافاہ نہیں۔ یہ تمام اوصاف ان شاخوں میں ہوں گے۔ حضرت اسماءؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سدرۃ المنتہٰی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا اس کی شاخوں کا سایہ اس قدر دراز ہے کہ سوار سو سال تک اس میں چلا جائے۔ یا فرمایا کہ سو سوار اس کے تلے سایہ حاصل کر لیں۔ سونے کی ٹڈیاں اس پر چھائی ہوئی تھیں' اس کے پھل بڑے بڑے مٹکوں اور بہت بڑے گول جتنے تھے (ترمذی)۔

جنت کا پانی: پھر ان میں نہریں بہہ رہی ہیں تاکہ ان درختوں اور شاخوں کو سیراب کرتی رہیں اور بکثرت عمدہ پھل لائیں۔ اب تو تمہیں اپنے رب کی نعمتوں کی قدر کرنی چاہیے۔ ایک کا نام تسنیم ہے دوسری کا سلسبیل ہے۔ یہ دونوں نہریں پوری روانی کے ساتھ بہہ رہی ہیں۔ ایک ستھرے پانی کی دوسری لذت والی بے نشے کی شراب کی۔ ان میں ہر قسم کے پھلوں کے جوڑے بھی موجود ہیں۔ اور پھل بھی وہ جن سے تم صورت شناس تو ہو لیکن لذت شناس نہیں ہو۔ کیونکہ وہاں کی نعمتیں نہ کسی آنکھ نے دیکھی ہیں نہ کسی کان نے سنی ہیں نہ کسی دماغ میں آسکتی ہیں۔ تمہیں رب کی نعمتوں کی ناشکری سے رک جانا چاہیے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں دنیا میں جتنے بھی کڑوے میٹھے پھل ہیں وہ سب جنت میں ہوں گے یہاں تک کہ حنظل یعنی اندرائن بھی۔ ہاں دنیا کی ان چیزوں اور جنت کی ان چیزوں کے نام تو ملتے جلتے ہیں حقیقت اور لذت بالکل ہی جداگانہ ہے یہاں تو صرف نام ہیں اصلیت تو جنت میں ہے۔ اس فضیلت کا فرق وہاں جانے کے بعد ہی معلوم ہو سکتا ہے۔

مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى فُرُشٍۢ بَطَاۗىِٕنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ ۭ وَجَنَا الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ ﴿۵۴﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۵﴾ فِيْهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ ۙ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَاۗنٌّ ﴿۵۶﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۷﴾ كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ ﴿۵۸﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۹﴾ هَلْ جَزَاۗءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ﴿۶۰﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۱﴾

یہ جنتی ایسے فرشوں پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے جن کے استر دبیز ریشم کے ہوں گے' اور ان دونوں جنتوں کے میوے بالکل قریب ہوں گے۔ پھر تم اپنے رب کی کس نعمت کو جھٹلاتے ہو؟ وہاں شرمیلی نیچی نگاہ والی حوریں ہیں جنہیں ان سے پہلے کسی جن وانس نے ہاتھ نہیں لگایا پس اپنے پالنے والے کی نعمتوں میں سے تم کس کے منکر ہو؟ وہ حوریں مثل یاقوت اور مونگے کے ہوں گی۔ پس اپنے پروردگار کی کونسی نعمت کو تم جھٹلاتے ہو؟ نیک کاری کا بدلہ ہی بہت بڑا انعام واحسان ہے۔ پس کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی تم جھٹلاؤ گے؟

جنتیوں کے بستر اور تخت: جنتی لوگ بے فکری سے تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے' خواہ لیٹے ہوئے ہوں' خواہ آرام بیٹھے ہوئے تکیہ سے لگے ہوئے ہوں ان کے بچھاؤن بھی اتنے بڑھیا ہوں گے کہ ان کے اندر کا استر بھی دبیز اور خالص زریں ریشم کا ہو گا پھر اوپر کا ابرا کیسا کچھ ہو گا' اسے تم آپ سوچ لو۔ مالک بن دینارؒ اور سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں استر کا یہ حال ہے اور ابرا تو محض نورانی ہو گا۔ جو سراسر اظہار رحمت ونور ہو گا۔ پھر اس پر بہترین گل کاریاں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ان جنتوں کے پھل جنتیوں سے بالکل قریب ہیں جب چاہیں جس حال میں چاہیں وہیں سے لے لیں' لیٹے ہوں تو بیٹھا ہونے کی اور بیٹھے ہوں تو کھڑا ہونے کی ضرورت نہیں خود بخود شاخیں جھوم جھوم کر جھکتی رہتی ہیں' جیسے فرمایا ﴿ قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ ﴾ اور فرمایا ﴿ وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا ﴾ الخ یعنی بے حد قریب میوے ہیں لینے والے کو کوئی تکلیف یا تکلف کی ضرورت نہیں خود شاخیں جھک جھک کر انہیں میوے دے رہی ہیں۔ پس تم اپنے رب کی نعمتوں کے انکار سے باز رہو۔

چونکہ فروش کا بیان ہوا تھا تو ساتھ ہی فرمایا کہ ان فروش پر ان کے ساتھ ان کی بیویاں ہوں گی جو عفیفہ پاکدامن شرمیلی نیچی

نگاہوں والی ہوں گی کہ اپنے خاوندوں کے سوا کسی پر نظریں نہ ڈالیں گی اور ان کے خاوند بھی ان پر سو جان سے مائل ہوں گے' یہ بھی جنت کی کسی چیز کو اپنے ان مومن خاوندوں سے بہتر نہ پائیں گی۔ یہ بھی وارد ہوا ہے کہ یہ حوریں اپنے خاوندوں سے کہیں گی اللہ تعالیٰ کی قسم ساری جنت میں میرے لیے تم سے بہتر کوئی چیز نہیں' اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ میرے دل میں جنت کی کسی چیز کی خواہش و محبت اتنی نہیں جتنی آپ کی ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے آپ کو میرے حصے میں کر دیا اور مجھے آپ کی خدمت کا شرف بخشا۔ یہ حوریں کنواری اچھوتی نوجوان ہوں گی۔ ان جنتیوں سے پہلے ان کے پاک پنڈے کو کسی انس و جن کا ہاتھ نہیں لگا۔ یہ آیت بھی مومن جنوں کے جنت میں جانے کی دلیل ہے۔

حضرت ضمرہ بن حبیبؒ سے سوال ہوتا ہے کہ کیا مومن جن بھی جنت میں جائیں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں اور جنیہ عورتوں سے ان کے نکاح ہوں گے' جیسے انسانوں کے انسان عورتوں سے پھر یہی آیتیں تلاوت کیں۔

حوروں کی صفت: پھر ان حوروں کی تعریف بیان ہو رہی ہے کہ وہ اپنی صفائی اور خوبی اور حسن میں ایسی ہیں جیسی یاقوت و مرجان۔ یاقوت سے صفائی میں تشبیہ دی اور مرجان سے بیاض میں۔ پس مرجان سے مراد یہاں لؤلؤ ہے۔ نبی ﷺ فرماتے ہیں اہل جنت کی بیویوں میں سے ہر ایک ایسی ہے کہ ان کی پنڈلی کی سفیدی ستر ستر حلوں کے پہننے کے بعد بھی نظر آتی ہے یہاں تک کہ اندر کا گودا بھی۔ پھر آپ ﷺ نے آیت ﴿ **كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ** ﴾ پڑھی اور فرمایا دیکھو یاقوت ایک پتھر ہے لیکن قدرت نے اس کی صفائی اور جوت ایسی رکھی ہے کہ اس کے بیچ میں دھاگہ پرو دو تو باہر سے نظر آتا ہے (ابن ابی حاتم)۔ یہ روایت ترمذی میں بھی موقوفاً حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے اور امام ترمذیؒ اسی کو زیادہ صحیح بتلاتے ہیں۔ مسند احمد میں ہے پیغمبر مدنی احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ فرماتے ہیں کہ ہر اہل جنت کی دو بیویاں اس صفت کی ہوں گی کہ ستر ستر حلے پہن لینے کے بعد بھی ان کی پنڈلیوں کی جھلک نمودار رہے گی۔ بلکہ اندر کا گودا بھی بوجہ صفائی کے دکھائی دے گا۔ صحیح مسلم میں ہے کہ یا تو فخر کے طور پر یا مذاکرہ کے طور پر یہ بحث چھڑ گئی کہ جنت میں عورتیں زیادہ ہوں گی یا مرد؟ تو حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کیا ابوالقاسم ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ پہلی جماعت جو جنت میں جائے گی وہ چاند جیسی صورتوں والی ہوگی۔ ان کے پیچھے جو جماعت جائے گی وہ آسمان کے بہترین چمکیلے تاروں جیسے چہروں والی ہوگی۔ ان میں سے ہر شخص کی دو دو بیویاں ایسی ہوں گی جن کی پنڈلی کا گودا گوشت کے پیچھے سے نظر آئے گا اور جنت میں کوئی بغیر بیوی کا نہ ہوگا۔ اس حدیث کی اصل بخاری میں بھی ہے۔

مسند احمد میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کی راہ کی صبح اور اس کی راہ کی شام ساری دنیا سے اور جو اس میں ہے سب سے بہتر ہے۔ جنت میں جو جگہ تمہیں ملے گی اس میں سے ایک کمان یا ایک کوڑے کے برابر کی جگہ ساری دنیا اور اس کی ساری چیزوں سے افضل ہے۔ اگر جنت کی عورتوں میں سے ایک عورت دنیا میں جھانک لے تو زمین و آسمان کو جگمگا دے اور خوشبو سے تمام عالم مہک اٹھے۔ ان کی ہلکی سی چھوٹی سی دوپٹیا ہے بھی دنیا اور دنیا کی ہر چیز سے گراں ہے۔ صحیح بخاری میں یہ حدیث بھی ہے۔ پھر ارشاد ہے کہ دنیا میں جس نے نیکی کی اس کا بدلہ آخرت میں سلوک و احسان کے سوا اور کچھ نہیں جیسے ارشاد ہے ﴿ **لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ** ﴾ نیکی کرنے والے کے لیے نیکی ہے اور زیادتی یعنی جنت اور دیدار باری۔ حضور ﷺ نے یہ آیت تلاوت کر کے اپنے اصحابؓ سے پوچھا جانتے ہو تمہارے رب نے کیا کہا؟ انہوں نے کہا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ہی پورا علم ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں جس پر اپنی توحید کا انعام دنیا میں کروں اس کا بدلہ آخرت میں جنت ہے اور چونکہ یہ بھی ایک عظیم الشان نعمت ہے جو دراصل کسی عمل کے بدلے نہیں بلکہ صرف اس کا احسان اور فضل و کرم ہے اس لیے اس کے بعد ہی فرمایا اب تم میری کس کس نعمت سے لاپروائی برتو گے؟ رب کے مقام سے ڈرنے والے کی بشارت کے متعلق ترمذی شریف کی یہ حدیث بھی خیال میں رہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جو ڈرے گا وہ رات کے وقت ہی کوچ کرے گا اور جو رات کے اندھیرے میں چل پڑا وہ منزل مقصود تک پہنچ جائے گا۔ خبردار ہو جاؤ اللہ کا سودا بہت گراں ہے یاد رکھو وہ سودا جنت ہے۔ امام

ترمذیؒ اس حدیث کو غریب بتلاتے ہیں۔ حضرت ابودرداءؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے میں نے منبر پر وعظ بیان فرماتے ہوئے سنا کہ آپ ﷺ نے آیت ﴿ وَلِمَنْ خَافَ ﴾ پڑھی تو میں نے کہا اگرچہ زنا کیا ہو' اگرچہ چوری کی ہو؟ باقی حدیث اوپر گزر چکی۔

وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ﴿۶۲﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۳﴾ مُدْهَاۗمَّتٰنِ ﴿۶۴﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۵﴾ فِيْهِمَا عَيْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ﴿۶۶﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۷﴾ فِيْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ ﴿۶۸﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۹﴾ فِيْهِنَّ خَيْرٰتٌ حِسَانٌ ﴿۷۰﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۱﴾ حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِي الْخِيَامِ ﴿۷۲﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۳﴾ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَاۗنٌّ ﴿۷۴﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۵﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰي رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَّعَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ ﴿۷۶﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۷﴾ تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿۷۸﴾

اور ان دو کے سوا دو جنتیں اور ہیں۔ پس تم اپنے پرورش کرنے والے کی کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ جو دونوں گہری سبز سیاہی مائل ہیں۔ بتاؤ اب پروردگار کی کس نعمت کا انکار کرو گے؟ ان میں دو بہ جوش ابلنے والے چشمے ہیں۔ پھر تم اپنے پالنہار کی کون سی نعمت کا جھوٹا ہونا کہہ رہے ہو؟ ان دونوں میں میوے اور کھجور اور انار ہوں گے۔ کیا اب بھی رب کی کسی نعمت کی تکذیب تم کرو گے؟ ان میں نیک سیرت خوبصورت عورتیں ہیں۔ پس تمہارے جھٹلانے کا تعلق اللہ کی کس نعمت کے ساتھ ہے؟ گوری رنگت کی حوریں جنتی خیموں میں محفوظ ہیں۔ پس اے انسانو اور جنو اب اپنے رب کی کس نعمت کا انکار کرو گے؟ ان حوروں سے کوئی انسان یا جن اس سے قبل نہیں ملا۔ پس اپنے پروردگار کی کون سی نعمت کے ساتھ تم تکذیب کرتے ہو؟ سبز مسندوں اور عمدہ فرشوں پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے۔ پس اے جنو اور انسانو تم اپنے رب کی کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ تیرے پروردگار کا نام بابرکت ہے جو بزرگی اور انعام والا ہے۔

جنت سرسبز ہے: یہ دونوں جنتیں جن کا ذکر ان آیتوں میں ہے ان جنتوں سے کم مرتبہ ہیں جن کا ذکر پہلے گزرا۔ اور وہ حدیث بھی بیان ہو چکی جس میں ہے دو جنتیں سونے کی اور دو چاندی کی۔ پہلی دو تو مقربین خاص کی جگہ ہیں اور یہ دوسری دو اصحاب یمین کی۔ الغرض درجے اور فضیلت میں یہ دو ان دو سے کم ہیں جس کی دلیلیں بہت سی ہیں۔ ایک یہ ان کا ذکر اور صفت ان سے پہلے بیان ہوئی اور یہ تقدیم بیان بھی دلیل ہے ان کی فضیلت کی۔ پھر یہاں ﴿ وَمِنْ دُوْنِهِمَا ﴾ فرمانا صاف ظاہر کرتا ہے کہ یہ ان سے کم مرتبہ ہیں۔ وہاں ﴿ ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ ﴾ کہا تھا یعنی بہ کثرت مختلف مزے کے میووں والی شاخوں دار۔ یہاں فرمایا ﴿ مُدْهَاۗمَّتٰنِ ﴾ یعنی پانی کی پوری تری سے سیاہ۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں سبز۔ محمد بن کعبؒ فرماتے ہیں سبزی سے پر۔ قتادہؒ فرماتے ہیں اس قدر پھل پکے ہوئے تیار ہیں کہ وہ ساری جنت سرسبز معلوم ہو رہی ہے۔ الغرض وہاں شاخوں کی پھیلاوٹ بیان ہوئی یہاں درختوں کی کثرت بیان فرمائی گئی۔ تو ظاہر ہے کہ اس میں اور اس میں بھی بہت فرق ہے۔ ان کی نہروں کی بابت لفظ ﴿ تَجْرِيَانِ ہے ﴾ اور یہاں لفظ ﴿ نَضَّاخَتٰنِ ﴾ ہے یعنی ابلنے والی۔ اور یہ ظاہر ہے کہ نضخ سے جری یعنی ابلنے سے بہنا بہت برتری والا ہے۔

جنت کے پھل حضرت ضحاکؒ فرماتے ہیں یعنی پر ہیں پانی رکتا نہیں۔ اور لیجیے وہاں فرمایا تھا کہ ہر قسم کے میووں کے جوڑے ہیں' اور

یہاں فرمایا اس میں میوے اور کھجوریں اور انار ہیں تو ظاہر ہے کہ پہلے کے الفاظ عمومیت لیے ہوئے ہیں وہ قسم کے اعتبار سے اور کمیت کے اعتبار سے بھی اس سے افضلیت رکھتے ہیں کیونکہ یہاں لفظ فاکہہ گو نکرہ ہے لیکن سیاق میں اثبات کے ہے اس لیے عام نہ ہوگا۔ اسی لیے بطور تفسیر کے بعد میں نخل و رمان کہہ دیا' جیسے عطف خاص عام پر ہوتا ہے۔ امام بخاری وغیرہ کی تحقیق بھی یہی ہے۔ کھجور اور انار کو خاصتہ اس لیے ذکر کیا کہ اور میووں پر انہیں شرف ہے۔

مسند عبد بن حمید میں ہے یہودیوں نے آکر رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا جنت میں میوے ہیں؟ آپ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا ہاں۔ انہوں نے پوچھا کیا جنتی دنیا کی طرح وہاں بھی کھائیں گے پئیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں بلکہ بہت کچھ زیادہ اور بہت کچھ زیادہ۔ انہوں نے کہا پھر کیا وہاں فضلہ بھی نکلے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں نہیں بلکہ پسینہ آکر سب ہضم ہو جائے گا۔ ابن ابی حاتم کی ایک مرفوع حدیث میں ہے جنتی کھجور کے درختوں کے ریشے کا جنتیوں کا لباس بنے گا۔ یہ سرخ رنگ سونے کے ہوں گے۔ اس کے تنے سبز زمرد کے ہوں گے اس کے پھل شہد سے زیادہ میٹھے اور مکھن سے زیادہ نرم ہوں گے۔ گٹھلی بالکل نہ ہوگی۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ میں نے جنت کے انار دیکھے اتنے بڑے تھے جیسے اونٹ مع ہودج۔ خیرات کے معنے یہ کثرت اور بہت حسین' نہایت نیک خلق اور بہتر خلق۔ ایک مرفوع حدیث میں بھی یہ معنی مروی ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ حورعین جو گانا گائیں گی ان میں یہ بھی ہوگا ہم خوش خلق خوبصورت ہیں جو بزرگ خاوندوں کے لیے پیدا کی گئی ہیں۔ یہ پوری حدیث سورہ واقعہ کی تفسیر میں ابھی آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔ یہ لفظ تشدید سے بھی پڑھا گیا ہے۔ پھر سوال ہوتا ہے کہ اب تم اپنے رب کی کس کس نعمت کی تکذیب کرتے ہو۔ حوریں ہیں جو خیموں میں رہتی سہتی ہیں۔ یہاں بھی وہی فرق ملاحظہ ہو کہ وہاں تو فرمایا تھا کہ خود وہ حوریں اپنی نگاہ نیچی رکھتی ہیں اور یہاں فرمایا ان کی نگاہیں نیچی کی گئی ہے۔ پس اپنے آپ ایک کام کو کرنا اور دوسرے سے کرایا جانا ان دونوں میں کس قدر فرق ہے۔ گو پردہ دونوں صورتوں میں حاصل ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں ہر مسلمان کے لیے خیرہ ہے یعنی نیک اور بہترین نورانی حور اور ہر خیرہ کے لیے خیمہ ہے اور ہر خیمہ کے چار دروازے ہیں جن میں سے ہر روز تحفہ کرامت ہدیہ اور انعام آتا رہتا ہے۔ نہ وہاں کوئی فساد ہے نہ سختی ہے نہ گندگی ہے نہ بدبو ہے۔ حوروں کی صحبت ہے جو اچھوتے صاف سفید چمکیلے موتیوں جیسی ہیں۔ صحیح بخاری میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جنت میں ایک خیمہ ہے در مجوف کا جس کا عرض ساٹھ میل کا ہے اس کے ہر ہر کونے میں جنتی کی بیویاں ہیں جو دوسرے کونے والیوں کو نظر نہیں آتیں۔ مومن ان سب کے پاس آتا جاتا رہے گا۔ دوسری روایت میں چوڑان کا تیس میل ہونا مروی ہے۔ یہ حدیث صحیح مسلم شریف میں بھی ہے۔ حضرت ابودرداءؓ فرماتے ہیں خیمہ ایک ہی لولو کا ہے جس میں ستر دروازے موتی کے ہیں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں جنت میں ایک خیمہ ہوگا جو ایک موتی کا بنا ہوا ہوگا' چار فرسخ چوڑا' جس کے چار ہزار دروازے ہوں گے اور چوکھٹیں سب کی سونے کی ہوں گی۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے ادنیٰ درجے کے جنتی کے اسی ہزار خادم ہوں گے اور بہتر ۷۲ بیویاں ہوں گی اور لولو و زبرجد کا محل ہوگا جو جابیہ سے صنعا تک پہنچے۔ پھر فرماتا ہے ان بے مثل حسینوں کے پنڈے اچھوتے ہیں کسی جن و انس کا گزر ان کے پاس نہیں ہوا۔ پہلے بھی اس قسم کی آیت مع تفسیر گزر چکی ہے ہاں پہلی جنتوں کی حوروں کے اوصاف میں اتنا جملہ وہاں تھا کہ وہ یاقوت و مرجان جیسی ہیں۔ یہاں ان کے لیے یہ نہیں فرمایا گیا۔ پھر سوال ہوا کہ تمہیں رب کی کس کس نعمت کا انکار ہے؟ یعنی کسی نعمت کا انکار نہ کرنا چاہیے۔ یہ جنتی سبز رنگ کے اعلیٰ قیمتی فرشوں غالیچوں اور تکیوں پر ٹیک لگائے بیٹھے ہوئے ہوں گے۔ تخت ہوں گے اور تختوں پر پاکیزہ اعلیٰ فرش ہوں گے۔ اور بہترین منقش تکیے لگے ہوئے ہوں گے۔ یہ تخت اور یہ فرش اور یہ تکیے جنتی باغیوں اور ان کی کیاریوں پر ہوں گے یہ اعلیٰ درجہ کے دھاری دار اور نقشین ریشم کے ہوں گے' اور یہی ان کے فرش ہوں گے۔ کوئی سرخ رنگ ہوگا' کوئی زرد رنگ اور کوئی سبز رنگ۔ جنتیوں کے کپڑے بھی ایسے ہی اعلیٰ اور بالا ہوں گے۔ دنیا میں کوئی ایسی چیز نہیں جس سے انہیں تشبیہ دی جاسکے۔ یہ بستر مخملی ہوں گے جو بہت نرم اور بالکل خالص ہوں گے۔ کئی کئی رنگ کے ملے جلے نقش ان میں بنے ہوئے ہوں

گے۔ ابو عبیدہؒ فرماتے ہیں عبقر ایک جگہ کا نام ہے جہاں منقش بہترین کپڑے بنے جاتے تھے خلیل بن احمدؒ فرماتے ہیں ہر نفیس اور اعلیٰ چیز کو عرب عبقری کہتے ہیں۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عمر بن خطابؓ کی نسبت فرمایا میں نے کسی عبقری کو نہیں دیکھا جو عمر کی طرح پانی کے بڑے بڑے ڈول کھینچتا ہو۔ یہاں بھی خیال فرمائیے کہ پہلی دو جنتوں کے فرش و فروش اور وہاں کے تکیوں کی جو صفت بیان کی گئی ہے وہ ان سے اعلیٰ ہے۔ وہاں بیان فرمایا گیا تھا کہ ان کے استر یعنی اندر کا کپڑا خالص دبیز عمدہ ریشم ہو گا پھر اوپر کے کپڑے کا بیان نہیں ہوا تھا۔ اس لیے کہ جس کا استر اتنا اعلیٰ ہے اس کے ابرے یعنی اوپر کے کپڑے کا تو کہنا ہی کیا ہے۔ پھر اگلی دو جنتوں کے اوصاف کے خاتمے پر فرمایا تھا کہ اطاعت کا صلہ سوا عنایت کے اور کیا ہو سکتا ہے؟ تو ان اہل جنت کے اوصاف میں احسان کو بیان فرمایا جو اعلیٰ مرتبہ اور غایت ہے جیسے حضرت جبرئیل علیہ السلام والی حدیث میں ہے کہ انہوں نے اسلام کا سوال کیا پھر ایمان کا پھر احسان کا۔ پس یہ کئی کئی وجوہ ہیں جن سے صاف ثابت ہے کہ پہلے کی دو جنتوں کو ان دو جنتوں پر بہترین فضیلت حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ کریم و وہاب سے ہمارا سوال ہے کہ وہ ہمیں بھی ان جنتیوں میں کرے جو ان دو جنتوں میں ہوں گے جن کے اوصاف پہلے بیان ہوئے' آمین!

پھر فرماتا ہے تیرے رب ذوالجلال والاکرام کا نام بابرکت ہے وہ جلال والا ہے یعنی اس لائق ہے کہ اس کا جلال مانا جائے اور اس کی بزرگی کا پاس کر کے اس کی نافرمانی نہ کی جائے بلکہ کامل اطاعت گزاری کی جائے اور وہ اس قابل ہے کہ اس کا اکرام کیا جائے یعنی اس کی عبادت کی جائے اس کے سوا دوسرے کی عبادت نہ کی جائے' اس کا شکر کیا جائے' ناشکری نہ کی جائے۔ اس کا ذکر کیا جائے اور اسے بھلایا نہ جائے۔ وہ عظمت اور کبریائی والا ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کا اجلال کرو' اس کی عظمت مانو وہ تمہیں بخش دے گا (احمد)۔ اور حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ کی عظمت ماننے میں یہ بھی داخل ہے کہ بوڑھے مسلمان کی اور بادشاہ کی اور عامل قرآن کی جو قرآن میں کمی زیادتی نہ کرتا ہو یعنی نہ اس میں غلو کرتا ہو نہ کمی کرتا ہو عزت کی جائے۔ ابو یعلیٰ میں ہے ﴿ یَاذَالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ ﴾ کے ساتھ چمٹ جاؤ۔ ترمذی میں بھی یہ حدیث ہے' امام ترمذیؒ اس کی سند کے ساتھ یہ حدیث مروی ہے۔ اس میں یا کا لفظ نہیں ہے۔ جوہریؒ فرماتے ہیں کہ جب کوئی کسی کو چمٹ جائے اسے تھام لے تو عرب کہتے ہیں ﴿ الظ ﴾ یہی لفظ اس حدیث میں آیا ہے تو مطلب یہ ہے کہ الحاح و خلوص عاجزی اور مسکینی کے ساتھ ہمیشگی اور لزوم سے اللہ تعالیٰ کے دامن لٹک جاؤ۔ صحیح مسلم اور سنن اربع میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز سے سلام پھیرنے کے بعد صرف اتنی ہی دیر بیٹھتے کہ یہ کلمات کہہ لیں ﴿ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَ مِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ ﴾

﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ﴾ اللہ کے فضل و کرم سے سورہ رحمٰن کی تفسیر ختم ہوئی' اللہ کا شکر ہے۔

تفسیر سورۂ واقعہ مکیہ

تعارف سورت: ایک مرتبہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا یارسول اللہ! آپ بوڑھے ہو گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں مجھے سورہ ﴿ هُوْدٌ ﴾ نے اور سورہ ﴿ وَاقِعَه ﴾ نے اور سورہ ﴿ وَالْمُرْسَلٰت ﴾ نے اور سورہ ﴿ عَمَّ يَتَسَاءَلُوْنَ ﴾ نے اور سورہ ﴿ اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ﴾ نے بوڑھا کر دیا۔ اس حدیث کو امام ترمذیؒ لائے ہیں اور اسے حسن غریب کہتے ہیں۔ حافظ ابن عساکرؒ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے واقعات میں ایک روایت لائے ہیں کہ جب حضرت عبداللہ بیمار ہوئے جس بیماری سے آپ جاں برنہ ہوئے' اس بیماری میں حضرت عثمانؓ بن عفان ان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ پوچھا آپ کو کیا شکوہ ہے؟ فرمایا اپنے گناہوں کا۔ دریافت کیا خواہش کیا ہے؟ فرمایا اپنے رب کی رحمت کی۔ پوچھا کسی طبیب کو بھیج دوں؟ فرمایا طبیب نے ہی تو بیمار ڈالا ہے۔ پوچھا کچھ مال بھیج دوں؟ فرمایا مجھے مال کی کوئی حاجت نہیں۔ کہا آپ کے بعد آپ کے بچوں کے کام آئے گا۔ فرمایا کیا میری بچیوں کی نسبت آپ کو فقیری کا ڈر ہے؟ سنیے میں نے اپنی

سب لڑکیوں کو کہہ دیا ہے کہ وہ ہر رات سورہ واقعہ پڑھ لیا کریں' میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص سورہ واقعہ کو ہر رات پڑھ لیا کرے اسے ہر گز ہر گز فاقہ نہ پہنچے گا۔ اس واقعہ کے راوی حضرت ابوظبیہ بھی اس سورت کو بلا ناغہ پڑھا کرتے تھے۔

مسند احمد میں ہے حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نمازیں اسی طرح پڑھتے تھے جس طرح تم آج پڑھتے ہو لیکن آپ ﷺ کی نماز تخفیف والی ہوتی تھی۔ فجر کی نماز میں آپ ﷺ سورہ واقعہ اور اسی جیسی سورتیں تلاوت فرمایا کرتے تھے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿١﴾ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ﴿٢﴾ خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ﴿٣﴾ اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا ﴿٤﴾ وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ﴿٥﴾ فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا ﴿٦﴾ وَّكُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ﴿٧﴾ فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ﴿٨﴾ وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ﴿٩﴾ وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ﴿١٠﴾ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿١١﴾ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿١٢﴾

وقف لازم

جب قیامت قائم ہو جائے۔ جس کے واقع ہونے میں کوئی جھوٹ نہیں۔ وہ پست کرنے والی اور بلند کرنے والی ہو گی۔ جب کہ زمین زلزلہ کے ساتھ ہلا دی جائے گی۔ اور پہاڑ بالکل ریزہ ریزہ کر دیے جائیں گے۔ پھر وہ مثل پراگندہ غبار کے ہو جائیں گے۔ اور تم تین جماعتوں میں ہو جاؤ گے پس داہنے ہاتھ والے کیسے اچھے ہیں داہنے ہاتھ والے۔ اور بائیں ہاتھ والے کیا حال ہے بائیں ہاتھ والوں کا۔ اور جو آگے والے ہیں وہ تو آگے والے ہی ہیں۔ وہ بالکل نزدیکی حاصل کیے ہوئے ہیں۔ آرام دہ جنتوں میں ہیں۔

قیامت برحق ہے: واقعہ قیامت کا نام ہے کیونکہ اسکا ہونا یقینی امر ہے جیسے اور آیت میں ہے ﴿ فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴾ اس دن ہو پڑنے والی ہو پڑے گی۔ اس کا واقع ہونا حتمی امر ہے۔ نہ اسے کوئی ٹال سکے نہ ہٹا سکے وہ اپنے مقررہ وقت پر آ کر ہی رہے گی۔ جیسے اور آیت میں ہے ﴿ اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ ﴾ الخ اپنے پروردگار کی باتیں مان لو اس سے پہلے کی وہ دن آئے جسے کوئی دفع کرنے والا نہیں۔ اور جگہ فرمایا ﴿ سَاَلَ سَآئِلٌ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ﴾ سائل کا سوال اس عذاب سے ہے جو یقیناً آنے والا ہے جسے کوئی روک نہیں سکتا۔ اور آیت میں ہے ﴿ يَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴾ الخ جس دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا ہو جا تو ہو جائے گی۔ اسی کا قول حق ہے اسی کا مالک ہے جس دن صور پھونکا جائے گا وہ عالم غیب و ظاہر ہے اور وہ حکیم و خبیر ہے۔ قیامت کاذبہ نہیں یعنی برحق ہے ضرور ہونے والی ہے اس دن نہ تو دوبارہ آنا ہے نہ وہاں سے لوٹنا ہے نہ واپس آنا ہے۔

قیامت کی تذکرہ: ﴿ كَاذِبَةٌ ﴾ مصدر ہے جیسے ﴿ عَاقِبَةٌ ﴾ اور ﴿ عَافِيَةٌ ﴾۔ وہ دن پست کرنے والا اور ترقی دینے والا ہے' بہت سے لوگوں کو نیچوں کا نیچ کر کے جہنم میں پہنچا دے گا' جو دنیا میں بڑے ذی عزت و وقعت تھے۔ اور بہت سے لوگوں کا وہ اونچا کر دے گا اعلیٰ علیین اور جنت نعیم تک پہنچا دے گا گو دنیا میں وہ پست اور بے قدر تھے۔ اللہ تعالیٰ کے دشمن ذلیل ہو کر جہنمی بن جائیں گے اور اولیاء اللہ عزیز ہو کر جنتی ہو جائیں گے۔ متکبرین کو وہ ذلیل کر دے گی۔ اور متواضعین کو وہ عزیز کر دے گی' وہ نزدیک و دور والوں کو سنا دے گی اور ہر ایک کو چوکنا کر دے گی' وہ نیچا کرے گی اور قریب والوں کو سنائے گی پھر اونچی ہو گی اور دور والوں کو سنائے گی۔ زمین ساری کی ساری لرزنے لگے گی۔ چپہ چپہ کپکپانے لگے گا' طول و عرض زمین میں زلزلہ پڑ جائے گا اور بے طرح ہلنے لگے گی۔ یہ حالت ہو جائے گی کہ گویا چھلنی میں کوئی چیز ہے

جسے کوئی ہلا رہا ہے اور آیت میں ہے ﴿ اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ﴾
اور جگہ ہے ﴿ یٰاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ ﴾ لوگو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو جو تمہارا رب ہے یقین مانو کہ قیامت کا زلزلہ بہت بڑی چیز ہے۔ پھر فرمایا کہ پہاڑ اس دن ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ اور جگہ الفاظ ﴿ كَثِیْبًا مَّهِیْلًا ﴾ آئے ہیں' پس وہ مثل غبار پریشان کے ہو جائیں گے جسے ہوا ادھر ادھر بکھیر دے اور کچھ نہ رہے۔ ﴿هَبَاءً﴾ ان شراروں کو بھی کہتے ہیں جو آگ جلاتے وقت پتنگوں کی طرح اڑتے ہیں' نیچے گرنے پر وہ کچھ نہیں رہتے۔ ﴿مُنْبَثٌّ﴾ اس چیز کو کہتے ہیں جسے ہوا اوپر کر دے اور پھیلا کر نابود کر دے جیسے پتوں کے چورے کو ہوا ادھر سے ادھر کر دیتی ہے۔ اس قسم کی اور آیتیں بھی بہت سی ہیں جن سے ثابت ہے کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جائیں گے' ٹکڑے ہو جائیں گے پھر ریزہ ریزہ ہو کر بے نام و نشان ہو جائیں گے۔ لوگ اس دن تین قسموں میں منقسم ہو جائیں گے۔

ایک جماعت عرش کے دائیں ہو گی اور یہ لوگ وہ ہوں گے جو حضرت آدم علیہ السلام کی دائیں کروٹ سے نکلے تھے اور نامہ اعمال داہنے ہاتھ میں دیے جائیں گے اور دائیں جانب چلائے جائیں گے۔ یہ جنتیوں کا عام گروہ ہے۔

دوسری جماعت عرش کے بائیں جانب ہو گی یہ وہ لوگ ہوں گے جو حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں کروٹ سے نکالے گئے تھے۔ انہیں نامہ اعمال بائیں ہاتھ میں دیے گئے تھے اور بائیں طرف کی راہ پر لگائے گئے تھے یہ سب جہنمی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو محفوظ رکھے۔

تیسری جماعت اللہ عزوجل کے سامنے ہو گی یہ خاص الخاص لوگ ہیں۔ یہ اصحاب یمین سے بھی زیادہ باوقعت اور خاص قرب کے مالک ہیں۔ یہ اہل جنت کے سردار ہیں۔ ان میں رسول ہیں انبیاء ہیں صدیق و شہداء ہیں یہ تعداد میں بہ نسبت دائیں ہاتھ والوں کے کم ہیں۔ پس یہ تین قسم تمام اہل محشر کی ہو جائے گی جیسے کہ اس سورت کے آخر میں بھی اختصار کے ساتھ ان کی یہی تقسیم کی گئی ہے۔ اسی طرح سورہ ملائکہ میں فرمایا ہے ﴿ ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَ مِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَ مِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَیْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ﴾ یعنی پھر ہم نے اپنی کتاب کا وارث اپنے چیدہ بندوں کو بنایا پس ان میں سے بعض تو اپنے اوپر ظلم کرنے والے ہیں اور بعض میانہ روش ہیں اور بعض اللہ کے حکم سے نیکیوں کی طرف آگے بڑھنے والے ہیں۔ پس یہاں بھی تین قسمیں ہیں یہ اس وقت جب کہ ﴿ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ﴾ کی وہ تفسیر لیں جو اس کے مطابق ہے۔ ورنہ ایک دوسرا قول بھی ہے جو اس آیت کی تفسیر کے موقعہ پر گزر چکا۔ حضرت ابن عباسؓ وغیرہ بھی یہی فرماتے ہیں' دو گروہ تو جنتی اور ایک جہنمی۔

نیکوں کے درجات: ابن ابی حاتم کی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ﴿ وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ﴾ جب لوگوں کے جوڑے ملا دیے جائیں فرمایا قسم قسم کے یعنی ہر عمل کے عامل کی ایک جماعت۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم تین قسم پر ہو جاؤ گے یعنی اصحاب یمین' اصحاب شمال اور سابقین۔ مسند احمد میں ہے حضور ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی اور اپنے دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بند کر لیں اور فرمایا یہ جنتی ہیں مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جانتے ہو اللہ تعالیٰ کے سایہ کی طرف قیامت کے دن سب سے پہلے کون لوگ جائیں گے؟ انہوں نے کہا اللہ اور رسول خوب جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا وہ لوگ جو جب اپنا حق دیے جائیں قبول کر لیں اور جو حق ان پر ہو جب مانگا جائے ادا کر دیں اور لوگوں کے لیے بھی وہی حکم کریں جو خود اپنے لیے کرتے ہیں۔ سابقون کون لوگ ہیں؟ اس کے بارے میں بہت سے اقوال ہیں۔ مثلاً انبیاء اہل علیین' حضرت یوشع علیہ السلام بن نون جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر سب سے پہلے ایمان لائے تھے' وہ مومن جن کا ذکر سورہ یٰسٓ میں ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر پہلے ایمان لائے تھے' حضرت علی بن ابی طالبؓ جو محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سبقت کر گئے تھے' وہ لوگ جنہوں نے دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی تھی' ہر امت کے وہ لوگ جو اپنے اپنے نبیوں پر پہلے پہل ایمان لائے تھے' وہ لوگ جو مسجد میں سب سے پہلے جاتے ہیں' جو جہاد میں سب سے آگے نکلتے ہیں۔ یہ سب اقوال دراصل صحیح ہیں۔ یعنی یہ سب لوگ سابقون ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان کو آگے بڑھ کر دوسروں پر سبقت کر کے قبول کرنے والے سب اس میں داخل

ہیں۔ قرآن کریم میں اور جگہ ہے ﴿ سَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ﴾ الخ اپنے رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف جلدی کرو جس کا عرض مثل آسمان وزمین کے ہے پس جس شخص نے اس دنیا میں نیکیوں کی طرف سبقت کی وہ آخرت میں اللہ کی نعمتوں کی طرف بھی سابق ہی رہے گا۔ ہر عمل کی جزا اسی جنس سے ہوتی ہے جیسا جو کرتا ہے ویسا ہی پاتا ہے۔ اسی لیے یہاں ان کی نسبت فرمایا گیا یہ مقربین اللہ ہیں۔ یہ نعمتوں والی جنت میں ہیں۔

ابن ابی حاتم میں حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ فرشتوں نے درگاہ باری تعالیٰ میں عرض کیا کہ پروردگار تو نے ابن آدم کے لیے تو دنیا بنادی ہے وہ وہاں کھاتے پیتے ہیں اور بیوی بچوں سے لطف اٹھاتے ہیں پس ہمارے لیے آخرت کر دے۔ جواب ملا کہ میں ایسا نہیں کروں گا۔ انہوں نے تین مرتبہ یہی دعا کی۔ پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے جسے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اسے ان جیسا ہرگز نہ کروں گا جنہیں میں نے صرف لفظ کن سے پیدا کیا۔ حضرت امام دارمی رحمتہ اللہ علیہ نے بھی اس اثر کو اپنی کتاب الرد علی الجہمیہ میں وارد کیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں کہ اللہ عزوجل نے فرمایا جسے میں نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا ہے اس کی نیک اولاد کو میں اس جیسا نہ کروں گا جسے میں نے کہا ہو جا تو وہ ہو گیا۔

ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ۝ عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ۝ مُّتَّكِـِٕيْنَ عَلَيْهَا مُتَقٰبِلِيْنَ ۝ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ۝ بِاَكْوَابٍ وَّاَبَارِيْقَ ۙ وَكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ۝ لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ ۝ وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ ۝ وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ۝ وَحُوْرٌ عِيْنٌ ۝ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ ۝ جَزَاۗءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا ۝ اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ۝

بہت بڑا گروہ تو اگلے لوگوں میں سے ہوگا۔ اور تھوڑے سے پچھلے لوگوں میں سے۔ یہ لوگ سونے کے تاروں سے بنے ہوئے تختوں پر ایک دوسرے کے سامنے تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے۔ ان کے پاس ایسے لڑکے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے۔ آمد ورفت کریں گے آبخورے اور آفتابے لے کر اور ایسا جام لے کر جو بہتی ہوئی شراب سے پر ہو۔ جس سے نہ سر میں درد ہو نہ عقل میں فتور آئے۔ اور ایسے میوے لیے ہوئے جو ان کی پسند کے ہوں۔ اور پرندوں کے گوشت جو انہیں مرغوب ہوں۔ اور گوری گوری بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں۔ جو اچھوتے موتیوں کی طرح ہیں۔ یہ صلہ ہے ان کے اعمال کا۔ نہ وہاں بکواس سنیں گے اور نہ گناہ کی بات۔ صرف سلام ہی سلام کی آواز ہو گی۔

جنت میں انعامات: ارشاد ہوتا ہے کہ مقربین خاص بہت سے پہلے کے ہیں اور کچھ پچھلوں میں سے بھی ہیں۔ ان اولین وآخرین کی تفسیر میں کئی قول ہیں۔ مثلاً اگلی امتوں میں سے اور اس امت میں سے۔ امام ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ اسی قول کو پسند کرتے ہیں اور اس حدیث کو بھی اس قول کی پختگی میں پیش کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہم پچھلے ہیں اور قیامت کے دن پہلے ہیں۔ اور اس قول کی تائید ابن ابی حاتم کی اس روایت سے بھی ہو سکتی ہے کہ جب یہ آیت اتری اصحاب رسول ﷺ پر بھاری پڑا پس یہ آیت اتری ﴿ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ وَ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ﴾ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا مجھے امید ہے کہ کل اہل جنت کی چوتھائی تم ہو بلکہ تہائی تم ہو بلکہ آدھوں آدھ تم ہو۔ تم آدھی جنت کے مالک ہو گے اور باقی آدھی تمام امتوں میں تقسیم ہو گی جن میں تم بھی شریک ہو۔ یہ حدیث مسند احمد میں بھی ہے۔ ابن عساکر میں ہے کہ

حضرت عمرؓ نے اس آیت کو سن کر حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا اگلی امتوں میں سے بہت لوگ سابقین میں داخل ہوں گے اور ہم میں سے کم لوگ؟ اس کے ایک سال کے بعد یہ آیت نازل ہوئی کہ اگلوں میں سے بھی بہت اور پچھلوں میں سے بھی بہت۔ حضور ﷺ نے حضرت عمرؓ کو بلا کر کہا سنو! حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر مجھ تک ثلہ ہے اور صرف میری امت ثلہ ہے۔ ہم اپنے اس ثلہ کو پورا کرنے کے لیے ان حبشیوں کو بھی لے لیں گے جو اونٹ کے چرواہے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے واحد اور لاشریک ہونے کی شہادت دیتے ہیں۔ لیکن اس روایت کی سند میں نظر ہے۔ ہاں بہت سی سندوں کے ساتھ حضور ﷺ کا یہ فرمان ثابت ہے کہ مجھے امید ہے کہ تم اہل جنت کی چوتھائی ہو' آخر تک۔ پس الحمد اللہ یہ ایک بہترین خوش خبری ہے۔

امام ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ نے جس قول کو پسند فرمایا ہے اس میں ذرا غور کرنے کی ضرورت ہے۔ بلکہ دراصل یہ قول بہت کمزور ہے۔ کیونکہ الفاظ قرآن سے اس امت کا اور تمام امتوں سے افضل و اعلیٰ ہونا ثابت ہے۔ پھر کیسے ہو سکتا ہے کہ مقربین بارگاہ صمدیت میں اور امتوں میں سے تو بہت سے ہوئے اور اس بہترین امت میں سے کم ہوں۔ ہاں یہ توجیہ ہو سکتی ہے کہ ان تمام امتوں کے مقرب مل کر صرف اس امت کے مقربین کی تعداد سے بڑھ جائیں۔ لیکن بہ ظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ کل امتوں کے مقربین سے صرف اس امت کے مقربین کی تعداد زیادہ ہوگی' آگے اللہ کو علم ہے۔ دوسرا قول اس جملہ کی تفسیر میں یہ ہے کہ اس امت کے شروع زمانے کے لوگوں میں سے مقربین کی تعداد بہت زیادہ ہے اور بعد کے لوگوں میں کم' اور یہی قول راجح ہے۔ چنانچہ حضرت حسن رحمتہ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ آپ نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا سابقین تو گزر چکے اے اللہ تو ہمیں اصحاب یمین میں کر دے۔ اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا اس امت میں سے جو گزر چکے ان میں مقربین بہت تھے۔ امام ابن سیرین رحمتہ اللہ علیہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ کوئی شک نہیں کہ ہر امت میں یہی ہوتا چلا آیا ہے کہ شروع میں بہت سے مقربین ہوتے ہیں اور بعد والوں میں یہ تعداد کم ہو جاتی ہے۔ تو یہ بھی ممکن ہے کہ مرادیوں ہی ہو یعنی ہر امت کے اگلے لوگ سبقت کرنے والے زیادہ ہوتے ہیں بہ نسبت ہر امت کے پچھلے لوگوں کے۔

چنانچہ صحاح وغیرہ کی احادیث سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا سب زمانوں میں بہتر زمانہ میرا زمانہ ہے پھر اس کے بعد والا' پھر اس کے متصل الخ ہاں ایک حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ میری امت کی مثال بارش جیسی ہے نہ معلوم کہ شروع زمانے کی بارش بہتر ہو یا آخر زمانے کی' تو یہ حدیث جب کہ اس کی اسناد کو صحت کا حکم دیدیا جائے محمول ہے اس امر پر کہ جس طرح دین کو شروع کے لوگوں کی ضرورت تھی جو اس کی تبلیغ اپنے بعد والوں کو کریں اسی طرح آخر میں بھی اسے قائم رکھنے والوں کی ضرورت ہے جو لوگوں کو سنت رسول پر جمائیں' اس کی روایتیں کریں' اسے لوگوں پر ظاہر کریں۔ لیکن فضیلت اول والوں کی ہی رہے گی۔ ٹھیک اسی طرح جس طرح کھیت کو شروع بارش کی اور آخری بارش کی ضرورت ہوتی ہے لیکن بڑا فائدہ ابتدائی بارش سے ہی ہوتا ہے اس لیے کہ اگر شروع شروع بارش نہ ہو تو دانے اگے ہی نہیں نہ ان کی جڑیں جمیں۔

بے حساب جنت میں جانے والے: اسی لیے حضور ﷺ فرماتے ہیں ایک جماعت میری امت میں سے ہمیشہ حق پر رہ کر غالب رہے گی' ان کے دشمن ان کو ضرر نہ پہنچا سکیں گے' ان کے مخالف انہیں رسوا اور پست نہ کر سکیں گے۔ یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے اور وہ اسی طرح ہوں۔ الغرض یہ امت باقی تمام امتوں سے افضل و اشرف ہے اور اس میں مقربین رب بہ نسبت اور امتوں کے بہت ہیں اور بہت بڑے مرتبے والے۔ کیونکہ دین کے کامل ہونے اور نبی کے عالی مرتبہ کے لحاظ سے یہ سب بہتر ہیں۔ تواتر کے ساتھ یہ حدیث ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس امت میں سے ستر ہزار لوگ بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے اور ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار اور ہوں گے۔ طبرانی میں ہے اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم میں سے ایک بہت بڑی جماعت قیامت کے روز کھڑی کی جائے گی جو اس قدر بڑی اور گنتی میں زائد ہوگی کہ گویا رات آگئی' زمین کے تمام کناروں کو گھیر لے گی۔ فرشتے کہنے لگیں گے سب نبیوں کے

ساتھ جتنے لوگ آئے ہیں اس سے بہت ہی زیادہ محمد ﷺ کے ساتھ ہیں۔ مناسب مقام یہ ہے کہ بہت بڑی جماعت اگلوں میں سے اور بہت ہی بڑی پچھلوں میں سے والی آیت کی تفسیر کے موقعہ پر یہ حدیث ذکر کر دی جائے جو حافظ ابو بکر بیہقی نے دلائل نبوت میں وارد کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب صبح کی نماز پڑھتے پاؤں موڑے ہوئے ہی ستر مرتبہ یہ پڑھتے ﴿ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا ﴾ پھر فرماتے ستر کے بدلے سات سو ہیں۔ جس کے ایک دن کے گناہ سات سو سے بھی بڑھ جائیں وہ بے خبر ہے پھر دو مرتبہ اسی کو فرماتے پھر لوگوں کی طرف منہ کر کے بیٹھتے اور چونکہ حضور ﷺ کو خواب اچھا معلوم تھا' اس لیے پوچھتے کہ کیا تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے؟

ابو زمل کہتے ہیں ایک دن اسی طرح حسب عادت آپ ﷺ نے دریافت فرمایا تو میں نے کہا ہاں یارسول اللہ میں نے ایک خواب دیکھا ہے۔ فرمایا اللہ خیر سے ملائے شر سے بچائے ہمارے لیے بہتر بنائے اور ہمارے دشمنوں کے لیے بدتر بنائے ہر قسم کی تعریفوں کا مستحق وہ اللہ ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے' اپنا خواب بیان کرو۔ میں نے کہا یارسول اللہ ﷺ میں نے دیکھا کہ ایک راستہ ہے کشادہ آسان نرم اور صاف اور بے شمار لوگ اس راستے میں چلے جا رہے ہیں۔ یہ راستہ جاتے جاتے ایک سرسبز باغ کو نکلتا ہے کہ میرے آنکھوں نے ایسا لہلہاتا ہوا ہرا بھرا باغ کبھی نہیں دیکھا' پانی ہر سو رواں ہے سبزے سے پٹا پڑا ہے انواع واقسام کے درخت خوشنما پھلے پھولے کھڑے ہیں۔ اب میں نے دیکھا کہ پہلی جماعت جو آئی اور اس باغ کے پاس پہنچی تو انہوں نے اپنی سواریاں تیز کر لیں اور دائیں بائیں نہیں گئے اور تیز رفتاری کے ساتھ یہاں سے گزر گئے۔ پھر دوسری جماعت آئی جو تعداد میں بہت زیادہ تھی' جب یہاں پہنچے تو بعض لوگوں نے تو اپنے جانوروں کو چرانا چگانا شروع کیا اور بعضوں نے کچھ لے لیا اور چل دیے۔ پھر تو بہت سارے لوگ آئے جب ان کا گزر اس گل وگلزار پر ہوا تو یہ تو پھول گئے اور کہنے لگے یہ سب سے اچھی جگہ ہے۔ گویا میں انہیں دیکھ رہا ہوں کہ وہ دائیں بائیں جھک پڑے۔ میں نے یہ دیکھا لیکن میں آپ تو چلتا ہی رہا جب دور نکل گیا تو میں نے دیکھا کہ ایک منبر سات سیڑھیوں کا بچھا ہوا ہے اور آپ اس کے اعلیٰ درجے پر تشریف فرما ہیں اور آپ کی دائیں جانب ایک صاحب ہیں گندم گوں رنگ بھری انگلیوں والے دراز قد' جب وہ کلام کرتے ہیں تو سب خاموشی سے سنتے ہیں اور لوگ اونچے ہو ہو کر توجہ سے ان کی باتیں سنتے ہیں اور آپ کی بائیں طرف ایک شخص ہیں بھرے جسم کے درمیانہ قد کے جن کے چہرہ پر بہ کثرت تل ہیں ان کے بال گویا پانی سے تر ہیں جب وہ بات کرتے ہیں تو ان کے اکرام کی وجہ سے سب لوگ جھک جاتے ہیں۔ پھر اس سے آگے ایک شخص ہیں جو اخلاق و عادات میں اور چہرے نقشے میں بالکل آپ سے مشابہت رکھتے ہیں۔ آپ لوگ سب ان کی طرف پوری توجہ کرتے ہیں اور ان کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ان سے آگے ایک دبلی پتلی بڑھیا اونٹنی ہے میں نے دیکھا کہ گویا آپ اسے اٹھا رہے ہیں۔ یہ سن کر حضور ﷺ کا رنگ متغیر ہو گیا۔ تھوڑی دیر میں آپ ﷺ کی یہ حالت بدل گئی اور آپ ﷺ نے فرمایا سیدھے سچے اور صحیح راستے سے مراد تو وہ دین ہے جسے میں لے کر اللہ کی طرف سے آیا ہوں اور جس ہدایت پر تم ہو۔ ہرا بھرا سبز باغ جو تم نے دیکھا ہے وہ دنیا ہے اور اس کی عیش وعشرت کا دل لبھانے والا سامان۔ میں اور میرے اصحاب تو اس سے گزر جائیں گے نہ ہم اس میں مشغول ہوں گے نہ وہ ہمیں چمٹے گی نہ ہمارا تعلق اس سے ہو گا نہ اس کا تعلق ہم سے۔ نہ ہم اس کی چاہت کریں گے نہ وہ ہمیں لپٹے گی۔ پھر ہمارے بعد دوسری جماعت آئے گی جو ہم سے تعداد میں بہت زیادہ ہو گی۔ ان میں سے بعض تو اس دنیا میں پھنس جائیں گے اور بعض بقدر حاجت لے لیں گے اور چل دیں گے اور نجات پا لیں گے۔ پھر ان کے بعد زبردست جماعت آئے گی جو اس دنیا میں بالکل مستغرق ہو جائے گی اور دائیں بائیں جھک جائے گی ﴿ فَاِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴾ اب رہے تم سو تم اپنی سیدھی راہ چلتے رہو گے یہاں تک کہ مجھ سے تمہاری ملاقات ہو جائے گی۔ جس منبر کے آخری ساتویں درجے پر تم نے مجھے دیکھا اس کی تعبیر یہ ہے کہ دنیا کی عمر سات ہزار سال کی ہے میں آخری ہزارویں سال میں ہوں۔ میرے دائیں جس گندمی رنگ موٹی ہتھیلی والے انسان کو تم نے دیکھا وہ حضرت موسے علیہ السلام ہیں جب وہ کلام کرتے ہیں تو لوگ اونچے ہو جاتے ہیں اس لیے کہ انہیں اللہ تعالے سے شرف ہم

کلامی حاصل ہو چکا ہے۔ اور جنہیں تم نے میرے بائیں دیکھا جو درمیانہ قد کے بھرے جسم کے بہت سے تلوں والے تھے جن کے بال پانی سے تر نظر آتے تھے وہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ہیں۔ چونکہ ان کا اکرام اللہ تعالیٰ نے کیا ہے ہم سب بھی ان کی بزرگی کرتے ہیں۔ اور جن شیخ کو تم نے بالکل مجھ سے دیکھا ہے وہ ہمارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں ہم سب ان کا قصد کرتے ہیں اور ان کی اقتدا اور تابعداری کرتے ہیں۔ اور جس اونٹنی کو تم نے دیکھا کہ میں اسے کھڑا کر رہا ہوں اس سے مراد قیامت ہے جو میری امت پر قائم ہوگی۔ نہ میرے بعد کوئی نبی ہے نہ میری امت کے بعد کوئی امت ہے۔ فرماتے ہیں اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے یہ پوچھنا چھوڑ دیا کہ کسی نے خواب دیکھا ہے ؟ ہاں اگر کوئی شخص اپنے آپ اپنا خواب بیان کرتا تو حضور ﷺ تعبیر دے دیا کرتے تھے۔ ان کے بیٹھنے کے تخت اور آرام کرنے کے پلنگ سونے کے تاروں سے بنے ہوئے ہوں گے جن میں جگہ بہ جگہ موتی ٹکے ہوئے ہوں گے در و یاقوت جڑے ہوئے ہوں گے۔ یہ فعیل معنی میں مفعول کے ہے اسی لیے اونٹنی کے پیٹ کے نیچے والے کو وضین کہتے ہیں۔ سب کے منہ آپس میں ایک دوسرے کے سامنے ہوں گے کوئی کسی کی طرف پیٹھ دیے ہوئے نہ ہوگا۔ وہ غلمان ان کی خدمت گزاری میں مشغول ہوں گے جو عمر میں ویسے ہی چھوٹے رہیں گے نہ بڑے ہوں نہ بوڑھے ہوں' نہ ان میں تغیر تبدل آئے' ﴿ اکواب ﴾ کہتے ہیں ان کوزوں کو جن کی ٹونٹی اور پکڑنے کی چیز نہ ہو۔ اور ﴿ اباریق ﴾ وہ آفتابے جو ٹونٹی اور پکڑے جانے کے قابل ہوں۔ یہ سب شراب کی جاری نہر سے چھلکتے ہوئے ہوں گے جو شراب نہ ختم ہو نہ کم ہو کیونکہ اس میں چشمے بہہ رہے ہیں۔ جام چھلکتے ہوئے ہر وقت اپنے نازک ہاتھوں میں لیے ہوئے یہ گل اندام ساقی ادھر ادھر گشت کر رہے ہوں گے۔ اس شراب سے نہ انہیں درد سر ہو نہ ان کی عقل زائل ہو بلکہ باوجود پورے سرور اور کیف کے عقل و حواس اپنی جگہ قائم رہیں گے اور کامل لذت حاصل ہوگی۔ شراب میں چار صفتیں ہیں نشہ سر درد قے اور پیشاب' پس پروردگار عالم نے جنت کی شراب کا ذکر کر کے ان چاروں نقصان کی نفی کر دی۔ کہ وہ شراب ان نقصانات سے پاک ہے۔ پھر قسم قسم کے میوے اور طرح طرح کے پرندوں کے گوشت انہیں ملیں گے۔ جس میوے کو جی چاہے اور جس طرح کے گوشت کی طرف دل کی رغبت ہو موجود ہو جائے گا۔ یہ تمام چیزیں لیے ہوئے ان کے سلیقہ شعار خدام ہر وقت ان کے ارد گرد گھومتے رہیں گے' تاکہ جس چیز کی جب کبھی خواہش ہو لے لیں۔

جنت کے میوے: اس آیت میں دلیل ہے کہ آدمی میوے چن چن کر اپنی خواہش کے مطابق کھا سکتا ہے۔ مسند ابویعلی موصلی میں ہے حضرت عکراش بن ذویب ؓ فرماتے ہیں کہ میں اپنی قوم کے صدقہ کے مال لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ مہاجرین و انصار میں تشریف فرما تھے۔ میرے ساتھ زکوۃ کے بہت سے اونٹ تھے گویا کہ وہ ریت کے درختوں کے چرائے ہوئے نوجوان اونٹ ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم کون ہو؟ میں نے کہا عکراش بن ذویب۔ فرمایا اپنا نسب نامہ دور تک بیان کرو۔ میں نے مرہ بن عبید تک کہہ سنایا اور ساتھ ہی کہا کہ زکوۃ مرہ بن عبید کی ہے۔ پس حضور ﷺ مسکرائے اور فرمانے لگے یہ میری قوم کے اونٹ ہیں یہ میری قوم کے صدقہ کا مال ہے۔ پھر حکم دیا کہ صدقہ کے اونٹوں کے نشان ان پر کر دو اور ان کے ساتھ انہیں بھی ملا دو۔ پھر میرا ہاتھ پکڑ کر ام المومنین حضرت ام سلمہ ؓ کے گھر تشریف لائے اور فرمایا کچھ کھانے کو ہے؟ جواب ملا کہ ہاں۔ چنانچہ ایک بڑے لگن میں چوری ہوئی روٹی آئی' آپ ﷺ نے اور میں نے کھانا شروع کیا۔ میں ادھر ادھر سے نوالے لینے لگا' تو آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے میرا داہنا ہاتھ تھام لیا اور فرمایا اے عکراش یہ تو ایک قسم کا کھانا ہے ایک ہی جگہ سے کھاؤ۔ پھر ایک سینی تر کھجوروں کی یا خشک کھجوروں کی آئی۔ میں نے صرف میرے سامنے جو تھیں انہیں کھانا شروع کیا۔ ہاں رسول اللہ ﷺ سینی کے ادھر ادھر سے جہاں سے جو پسند آتی تھی لے لیتے تھے۔ اور مجھ سے بھی فرمایا اے عکراش اس میں ہر طرح کی کھجوریں ہیں جہاں سے چاہو کھاؤ جس قسم کی کھجور چاہو لے لو۔ پھر پانی آیا پس حضور ﷺ نے اپنے ہاتھ دھوئے اور وہی تر ہاتھ اپنے چہرے پر اور دونوں بازوؤں پر اور سر پر تین دفعہ پھیر لیے اور فرمایا اے عکراش یہ وضو ہے اس چیز سے جسے آگ نے متغیر کیا ہو (ترمذی اور ابن ماجہ)۔ امام ترمذی ؒ اسے غریب بتلاتے ہیں۔

ایک خواب: مسند احمد میں ہے' رسول اللہ ﷺ کو خواب پسند تھا' بسااوقات آپ ﷺ پوچھ لیا کرتے تھے کہ کسی نے خواب دیکھا ہے؟ اگر کوئی ذکر کرتا اور پھر حضور ﷺ اس خواب سے خوش ہوتے تو اسے بہت اچھا لگتا۔ ایک مرتبہ ایک عورت آپ ﷺ کے پاس آئیں اور کہا یارسول اللہ! میں نے آج ایک خواب دیکھا ہے کہ گویا میرے پاس کوئی آیا اور مجھے مدینہ سے لے چلا اور جنت میں پہنچا دیا پھر میں نے ایک دھماکا سنا جس سے جنت میں ہل چل مچ گئی میں نے جو نظر اٹھا کر دیکھا تو فلاں بن فلاں کو دیکھا' بارہ شخصوں کے نام لیے انہی بارہ شخصوں کا ایک لشکر بنا کر آنحضرت ﷺ نے کئی دن ہوئے ایک مہم پر روانہ کیا ہوا تھا' فرماتی ہیں انہیں لایا گیا۔ یہ اطلس کے کپڑے پہنے ہوئے تھے ان کی رگیں جوش مار رہی تھیں حکم ہوا کہ انہیں نہر بیدخ میں لے جاؤ یا نہر بیدخ کہا جب ان لوگوں نے اس نہر میں غوطہ لگایا تو ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکنے لگ گئے پھر ایک سونے کی سینی میں گدری کھجوریں آئیں جو انہوں نے اپنی حسب منشا کھائیں اور ساتھ ہی ہر طرح کے میوے جو چوطرف چنے ہوئے تھے جس میوے کو ان کا جی چاہتا تھا لیتے تھے اور کھاتے تھے میں نے بھی ان کے ساتھ شرکت کی اور وہ میوے کھائے۔ مدت کے بعد ایک قاصد آیا اور کہا فلاں فلاں اشخاص جنہیں آپ نے لشکر میں بھیجا تھا شہید ہو گئے' ٹھیک بارہ شخصوں کے نام لیے اور یہ وہی نام تھے جنہیں اس بی بی صاحبہ نے اپنے خواب میں دیکھا تھا۔ حضور ﷺ نے ان نیک بخت صحابیہ کو پھر بلوایا اور فرمایا اب اپنا خواب دوبارہ بیان کرو۔ اس نے پھر بیان کیا اور انہی لوگوں کے نام لیے جن کے نام قاصد نے لیے تھے۔ طبرانی میں ہے کہ جنتی جس میوے کو درخت سے توڑے گا وہیں اس جیسا اور پھل لگ جائے گا۔ مسند احمد میں ہے کہ جنتی پرند بختی اونٹ کے برابر ہیں جو جنت میں چرتے چگتے رہتے ہیں۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے کہا یارسول اللہ! یہ پرند تو نہایت ہی مزے کے ہوں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ان کے کھانے والے ان سے بھی زیادہ نازو نعمت والے ہوں گے۔ تین مرتبہ یہی جملہ ارشاد فرمایا' پھر فرمایا مجھے اللہ سے امید ہے کہ اے ابو بکر! تم ان میں سے ہو جو ان پرندوں کا گوشت کھائیں گے۔

طوبیٰ کیا ہے: حافظ ابو عبداللہ مقدسی کی کتاب صفۃ الجنۃ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے طوبیٰ کا ذکر ہوا۔ پس حضور ﷺ نے حضرت صدیق اکبرؓ سے دریافت فرمایا کہ جانتے ہو طوبیٰ کیا ہے؟ آپ نے جواب دیا اللہ اور اس کے رسول کو پورا علم ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا جنت کا ایک درخت ہے جس کی طولانی کا علم بجز اللہ تعالیٰ کے اور کسی کو نہیں۔ اس کی ایک ایک شاخ تلے تیز سوار ستر ستر سال تک چلا جائے پھر بھی اس کا سایہ ختم نہ ہو۔ اس کے پتے بڑے چوڑے چوڑے ہیں ان پر بختی اونٹ کے برابر پرند آ آ کر بیٹھتے ہیں۔ ابو بکرؓ نے فرمایا پھر تو یہ پرند بڑی ہی نعمتوں والے ہوں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ان سے زیادہ نعمتوں والے ان کے کھانے والے ہوں گے اور انشاءاللہ تم بھی انہی میں سے ہو۔ حضرت قتادہؒ سے بھی یہ پچھلا حصہ مروی ہے۔ ابن ابی الدنیا میں حدیث ہے کہ حضور ﷺ سے کوثر کی بابت سوال ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا وہ جنتی نہر ہے جو مجھے اللہ عزوجل نے عطا فرمائی ہے۔ دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا اس کا پانی ہے۔ اس کے کنارے بختی اونٹوں کی گردنوں جیسے پرند ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا وہ پرند تو بڑے مزے میں ہیں۔ آپ نے فرمایا ان کا کھانے والا ان سے زیادہ مزے میں ہے (ترمذی)۔ امام ترمذیؒ اسے حسن کہتے ہیں۔

جنتی پرندے: ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جنت میں ایک پرند ہے جس کے ستر ہزار پر ہیں جنتی کے دستر خوان پر وہ آئے گا ہر پر سے اس کے ایک قسم نکلے گی جو دودھ سے زیادہ سفید اور مکھن سے زیادہ نرم اور شہد سے زیادہ میٹھی ہے۔ پھر دوسرے پر سے دوسری قسم نکلے گی' اسی طرح ہر پر سے ایک دوسرے سے جداگانہ' پھر وہ پرند اڑ جائے گا۔ یہ حدیث بہت ہی غریب ہے۔ اور اس کے راوی وصافی اور ان کے استاد دونوں ضعیف ہیں۔ ابن ابی حاتم میں حضرت کعبؓ سے مروی ہے کہ جنتی پرند مثل بختی اونٹوں کے ہیں جو جنت کے پھل کھاتے ہیں اور جنت کی نہروں کا پانی پیتے ہیں۔ جنتیوں کا دل جس پرند کے کھانے کو چاہے گا وہ اس کے سامنے آجائے گا وہ جتنا چاہے گا جس پہلو کا گوشت پسند کرے گا کھائے گا پھر وہ پرند اڑ جائے گا اور جیسا تھا ویسا ہی ہو جائے گا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں جنت کے

جس پرند کو تو چاہے گا وہ بھنا بھنایا تیرے سامنے آ جائے گا۔

حور کی دوسری قرات را کے زیرے سے بھی ہے۔ پیش سے تو یہ مطلب ہے کہ جنتوں کے لیے حوریں ہونگی اور زیر سے مطلب یہ ہے کہ گویا اگلے اعراب کی ماتحتی میں یہ اعراب بھی ہیں۔ جیسے ﴿ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلِكُمْ ﴾ میں زیر کی قرائت ہے اور جیسے کہ ﴿عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٍ وَّ اِسْتَبْرَقٍ ﴾ میں۔ اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ غلمان اپنے ساتھ حوریں بھی لیے ہوئے ہوں گے لیکن یہ ان کے محلات میں اور خیموں میں نہ کہ عام طور پر' واللہ اعلم۔ یہ حوریں ایسی ہوں گی جیسے تر و تازہ سفید صاف موتی ہوں جیسے سورہ صٰفّٰت میں ہے ﴿ كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ ﴾ ۔ سورہ رحمٰن میں بھی یہ وصف مع تفسیر گزر چکا ہے۔ یہ ان کے نیک اعمال کا صلہ اور بدلہ ہے یعنی یہ تحفے ان کی حسن کارگزاری کا انعام ہے۔ یہ جنت میں لغو بے ہودہ بے معنی خلاف طبع کوئی کلمہ بھی نہ سنیں گے۔ حقارت اور برائی کا ایک لفظ بھی کان میں نہ پڑے گا۔ جیسے اور آیت میں ہے ﴿ لَا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً ﴾ ۔ فضول کلامی سے ان کے کان محفوظ رہیں گے' نہ کوئی قبیح کلام کان میں پڑے گا۔ ہاں صرف سلامتی بھرے سلام کے کلمات ایک دوسروں کو کہیں گے جیسے اور جگہ ارشاد فرمایا ﴿ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ﴾ ان کا تحفہ آپس میں ایک دوسرے کو سلام کرنا ہو گا۔ ان کی بات چیت لغویت اور گناہ سے پاک ہو گی۔

وَاَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۙ۬ مَآ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ﴿٢٧﴾ فِىْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ﴿٢٨﴾ وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ﴿٢٩﴾ وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ﴿٣٠﴾ وَّمَآءٍ مَّسْكُوْبٍ ﴿٣١﴾ وَّفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ ﴿٣٢﴾ لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ ﴿٣٣﴾ وَّفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ﴿٣٤﴾ اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ﴿٣٥﴾ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ﴿٣٦﴾ عُرُبًا اَتْرَابًا ﴿٣٧﴾ لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿٣٨﴾

اور داہنے ہاتھ والے، کیا ہی اچھے ہیں داہنے ہاتھ والے وہ کانٹوں بغیر کی بیریوں، اور تہ بہ تہ کیلوں، اور لمبے لمبے سایوں، اور بہتے ہوئے پانیوں، اور بکثرت پھلوں، جو نہ ختم ہوں نہ روک لیے جائیں، اور اونچے اونچے فرشوں میں ہوں گے۔ ہم نے ان کی بیویوں کو خاص طور پر بنایا ہے، اور ہم نے انہیں کنواریاں کر دی ہیں، وہ محبوبہ اور ہم عمر ہیں، دائیں ہاتھ والوں کے لیے ہیں، جم غفیر ہے اگلوں میں سے، اور بہت بڑی جماعت ہے پچھلوں میں سے۔

نیکوں کا حال: سابقین کا حال بیان کر کے اب اللہ تعالےٰ ابرار کا حال بیان فرماتا ہے جو سابقین سے کم مرتبہ ہیں۔ ان کا کیا حال ہے اور کیا نتیجہ ہے اسے سنو۔ یہ ان جنتوں میں ہیں جہاں بیری کے درخت ہیں لیکن کانٹوں دار نہیں۔ اور پھل بکثرت اور بہترین ہیں' دنیا میں بیری کے درخت زیادہ کانٹوں والے اور کم پھلوں والے ہوتے ہیں۔ جنت کے یہ درخت زیادہ پھلوں والے اور بالکل بے خار ہوں گے۔ پھلوں کے بوجھ سے درخت کے تنے جھکے جاتے ہوں گے۔

جنت کے درخت: حافظ ابو بکر احمد بن بخار نے ایک روایت وارد کی ہے کہ صحابہ کہتے ہیں کہ اعرابیوں کا حضور ﷺ کے سامنے آنا اور آپ ﷺ سے مسائل پوچھنا ہمیں بہت نفع دیتا تھا' ایک مرتبہ ایک اعرابی نے آ کر کہا یارسول اللہ! قرآن میں ایک ایسے درخت کا بھی ذکر ہے جو ایذا دیتا ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا وہ کون سا؟ اس نے کہا بیری کا درخت۔ آپ ﷺ نے فرمایا پھر تو نے اس کے ساتھ ہی لفظ ﴿مَّخْضُوْدٍ ﴾ نہیں پڑھا؟ اس کے کانٹے اللہ تعالیٰ نے دور کر دیے ہیں۔ اور ان کے بدلے پھل پیدا کر دیے ہیں۔ ہر ہر بیری میں بہتر قسم کے ذائقے ہوں گے جن کا رنگ و مزہ مختلف ہو گا۔ یہ روایت دوسری کتابوں میں بھی مروی ہے اس میں لفظ ﴿ طَلْحٍ ﴾ کا ہے اور ستر ذائقوں کا بیان ہے۔ ﴿ طَلْحٍ ﴾ ایک بڑا درخت ہے جو حجاز کی سرزمین میں ہوتا ہے یہ کانٹ دار داخت ہے اس میں کانٹے بہت زیادہ ہوتے

ہیں۔ چنانچہ ابن جریر میں اس کی شہادت عربی کے ایک شعر سے بھی دی ہے۔ ﴿ مَنْضُوْدٍ ﴾ کے معنے تہ بہ تہ پھل والا' پھل سے لدا ہوا۔ ان دونوں کا ذکر اس لیے ہوا کہ عرب ان درختوں کی گہری اور میٹھی چھاؤں کو پسند کرتے تھے' یہ درخت بظاہر دنیوی درخت جیسا ہو گا لیکن بجائے کانٹوں کے اس میں شیریں پھل ہوں گے۔ جوہریؒ فرماتے ہیں ﴿ طلح ﴾ بھی کہتے ہیں اور طلع بھی۔ حضرت علیؓ سے بھی یہ مروی ہے۔ تو ممکن ہے کہ یہ بھی بیری کی ہی صفت ہو یعنی وہ بیریاں بے خار اور بکثرت پھل دار ہیں' واللہ علم۔ اور حضرات نے ﴿ طلح ﴾ سے مراد کیلے کا درخت کہا ہے۔ اہل یمن کیلے کو طلح کہتے ہیں اور اہل حجاز موز کہتے ہیں۔ لمبے لمبے سایوں میں یہ ہوں گے۔ صحیح بخاری میں ہے رسول مقبول ﷺ فرماتے ہیں کہ جنت کے درخت کے سائے تلے تیز سوار سو سال تک چلتا رہے گا لیکن سایہ ختم نہ ہو گا' اگر تم چاہو اس آیت کو پڑھو۔ مسلم میں بھی یہ روایت موجود ہے اور مسند احمد میں بھی اور مسند ابویعلی میں بھی مسند اور حدیث میں شک کے ساتھ ہے یعنی ستر یا سو۔ اور یہ بھی ہے کہ یہ شجرہ الخلد ہے۔ ابن جریر اور ترمذی میں بھی یہ حدیث ہے پس یہ حدیث متواتر اور قطعاً صحیح ہے۔ اس کی اسنادیں بہت ہیں اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔ ابن ابی حاتم وغیرہ میں بھی یہ حدیث ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ نے جب یہ روایت بیان کی اور حضرت کعبؓ کے کانوں تک پہنچی تو آپ نے فرمایا اس اللہ کی قسم جس نے تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اور قرآن حضرت محمد ﷺ پر اتارا کہ اگر کوئی شخص نوجوان اونٹنی پر سوار ہو کر اس وقت تک چلتا رہے جب تک وہ بڑھیا ہو کر گر جائے تو بھی اس کی انتہا کو نہیں پہنچ سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے ہاتھ سے بویا ہے اور خود آپ اس میں اپنے پاس کی روح پھونکی ہے۔ اس کی شاخیں جنت کی دیواروں سے باہر نکلی ہوئی ہیں۔ جنت کی تمام نہریں اسی درخت کی جڑ سے نکلتی ہیں۔ ابو حصین کہتے ہیں کہ ایک موضع میں ایک دروازے پر ہم تھے ہمارے ساتھ ابو صالح اور شقیق جہنی بھی تھے۔ ابو صالح نے حضرت ابوہریرہؓ والی اوپر کی حدیث بیان کی اور کہا کیا تو ابوہریرہؓ کو جھٹلاتا ہے؟ اس نے کہا نہیں' انہیں تو نہیں تجھے۔ پس یہ قاریوں پر بہت گراں گزرا۔ میں کہتا ہوں اس ثابت صحیح اور مرفوع حدیث کو جو جھٹلائے وہ غلطی پر ہے۔ ترمذی میں ہے جنت کے ہر درخت کا تنہ سونے کا ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں جنت میں ایک درخت ہے جس کے ہر طرف سو سو سال کے راستے تک سایہ پھیلا ہوا ہے۔ جنتی لوگ اس کے نیچے آ کر بیٹھتے ہیں اور آپس میں باتیں کرتے ہیں۔ کسی کی دنیوی کھیل تماشے اور دل بہلاوے یاد آتے ہیں تو اسی وقت ایک جنتی ہوا چلتی ہے اور اس درخت میں سے تمام راگ راگنیاں باجے گاجے اور کھیل تماشوں کی آوازیں آنے لگتی ہیں۔ یہ اثر غریب ہے اس کی سند قوی ہے۔ حضرت عمرو ابن میمونؒ فرماتے ہیں یہ سایہ ستر ہزار سال کی طوالت میں ہو گا۔ آپ سے پانچ سو سال بھی مروی ہے۔ حسنؒ فرماتے ہیں ایک ہزار سال۔ آپ سے مرفوع حدیث میں ایک سو سال مروی ہے۔ یہ سایہ کبھی نہیں نہ سورج آئے نہ گرمی ستائے' فجر کے طلوع ہونے سے پیشتر کا سماں ہر وقت اس کے نیچے رہتا ہے۔ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں جنت میں ہمیشہ وہ وقت رہے گا جو صبح صادق کے بعد سے لے کر آفتاب کے طلوع ہونے کے درمیان درمیان رہتا ہے۔ سایہ کے مضمون کی روایتیں بھی اس سے پہلے گزر چکی ہیں جیسے ﴿ نُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا ﴾ اور ﴿ اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّ ظِلُّهَا ﴾ اور ﴿ فِيْ ظِلٰلٍ وَّ عُيُوْنٍ ﴾ وغیرہ۔ پانی ہو گا بہتا ہوا مگر نہروں کے گڑھے اور کھدی ہوئی زمین نہ ہو گی۔ اس کی پوری تفسیر ﴿ فِيْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ ﴾ میں گزر چکی ہے۔ ان کے پاس بکثرت طرح طرح کے لذیذ میوے ہیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھے نہ کسی کان نے سنے نہ کسی انسانی دل پر ان کا وہم و خیال گزرا جیسے اور آیت میں ہے جب وہاں پھلوں سے روزی دیے جائیں گے تو کہیں گے کہ یہ تو ہم پہلے بھی دیے گئے تھے کیونکہ بالکل ہم شکل ہوں گے۔ لیکن جب کھائیں گے تو ذائقہ اور ہی پائیں گے۔ بخاری و مسلم میں سدرۃ المنتہی کے ذکر میں ہے کہ اس کے پتے مثل ہاتھی کے کانوں کے ہوں گے اور پھل مثل ہجر کے بڑے بڑے مٹکوں کے ہوں گے۔ حضرت ابن عباسؓ کی اس حدیث میں جس میں آپ نے سورج کے گہن ہونے کا اور حضور ﷺ کا سورج گہن کی نماز ادا کرنے کا واقعہ تفصیل سے بیان کیا ہے یہ بھی ہے کہ بعد فراغت آپ ﷺ کے ساتھ کے نمازیوں نے آپ ﷺ سے پوچھا حضور! ہم نے آپ کو اس جگہ آگے بڑھتے اور پیچھے ہٹتے دیکھا' کیا بات تھی؟ آپ ﷺ

نے فرمایا میں نے جنت دیکھی جنت کے میوے کا خوشہ لینا چاہا اگر میں لے لیتا تو رہتی دنیا تک وہ رہتا اور تم کھاتے رہتے ابویعلی میں ہے کہ ظہر کی فرض نماز پڑھاتے ہوئے حضور ﷺ آگے بڑھ گئے اور ہم بھی۔ پھر آپ ﷺ نے گویا کوئی چیز لینی چاہی۔ پھر پیچھے ہٹ آئے۔ نماز سے فارغ ہو کر حضرت ابی بن کعبؓ نے پوچھا کہ حضور! آج تو آپ نے ایسی بات کی جو اس سے پہلے کبھی نہیں کی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا میرے سامنے جنت لائی گئی اور جو اس میں تروتازگی اور سبزی ہے میں نے اس میں سے ایک انگور کا خوشہ توڑنا چاہا تاکہ لا کر تمہیں دوں پس میرے اور اس کے درمیان پردہ حائل کر دیا گیا' اور اگر میں اسے تمہارے پاس لے آتا تو زمین و آسمان کے درمیان کی کل مخلوق اسے کھاتی رہتی تاہم اس میں ذراسی بھی کمی نہ آتی۔ اسی کے مثل حضرت جابرؓ سے صحیح مسلم میں بھی مروی ہے۔ مسند امام احمد میں ہے کہ ایک اعرابی نے آ کر آنحضرت ﷺ سے حوض کوثر کی بابت سوال کیا اور جنت کا بھی ذکر کیا' پوچھا کہ کیا اس میں میوے بھی ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں وہاں طوبیٰ نامی درخت بھی ہے۔ پھر کچھ کہا جو مجھے یاد نہیں۔ پھر پوچھا وہ درخت ہماری زمین کے کس درخت سے مشابہت رکھتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا تیرے ملک کی زمین میں کوئی درخت اس کا ہم شکل نہیں۔ کیا تو شام میں گیا ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ فرمایا شام میں ایک درخت ہوتا ہے جسے جوزہ کہتے ہیں ایک ہی تنہ ہوتا ہے اور اوپر کا حصہ پھیلا ہوا ہوتا ہے وہ البتہ اس کے مشابہ ہے۔ اس نے پوچھا جنتی خوشے کتنے بڑے ہوتے ہیں؟ فرمایا کالا کوا مہینہ بھر تک اڑتا رہے اتنے بڑے۔ وہ کہنے لگا اس درخت کا تنہ کس قدر موٹا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اگر تو اپنی اونٹنی کے بچے کو چھوڑ دے اور وہ چلتا رہے یہاں تک کہ بوڑھا ہو کر گر پڑے تب بھی اس کے تنے کا چکر پورا نہیں کر سکتا۔ اس نے کہا اس میں انگور بھی لگتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں۔ پوچھا کتنے بڑے۔ آپ ﷺ نے جواب دیا کہ کیا کبھی تیرے باپ نے اپنے ریوڑ میں سے کوئی موٹا تازہ بکرا ذبح کر کے اس کی کھال کھینچ کر تیری ماں کو دے کر کہا ہے کہ اس کا ڈول بنالو؟ اس نے کہا ہاں۔ فرمایا بس اتنے ہی بڑے بڑے انگور کے دانے ہوتے ہیں۔ اس نے کہا پھر تو ایک دانہ مجھ کو اور میرے گھر والوں کو کافی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا بلکہ ساری برادری کو۔ پھر یہ میوے بھی ہمیشگی والے ہیں نہ کبھی ختم ہوں نہ کبھی ان سے روکا جائے۔ یہ نہیں کہ جاڑے میں ہیں اور گرمیوں میں نہیں' یا گرمیوں میں ہیں اور جاڑوں میں ندارد۔ بلکہ یہ میوے دوام والے اور ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ جب طلب کریں پالیں اللہ کی قدرت سے ہر وقت وہ موجود رہیں گے بلکہ کسی کانٹے اور کسی شاخ کی بھی آڑ نہ ہوگی نہ دوری ہوگی نہ حاصل کرنے میں تکلف اور تکلیف ہوگی بلکہ ادھر پھل توڑا ادھر اس کے قائم مقام دوسرا پھل لگ گیا جیسے کہ اس سے پہلے حدیث میں گزر چکا۔ ان کے فرش بلند و بالا نرم اور گدگدے راحت و آرام دینے والے ہوں گے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں ان کی اونچائی اتنی ہوگی جتنی زمین و آسمان کی یعنی پانچ سو سال کی (ترمذی)۔ یہ حدیث غریب ہے۔

بعض اہل معانی نے کہا ہے کہ مطلب اس حدیث کا یہ ہے کہ فرش کی بلندی درجے کی آسمان و زمین کے برابر ہے یعنی ایک درجہ دوسرے درجے سے اس قدر بلند ہے۔ ہر دو درجوں میں پانچ سو سال کی راہ کا فاصلہ ہے۔ پھر یہ بھی خیال رہے کہ یہ روایت صرف رشدین بن سعد سے مروی ہے اور وہ ضعیف ہیں۔ یہ روایت ابن جریر' ابن ابی حاتم وغیرہ میں بھی ہے۔ حضرت حسنؒ سے مروی ہے کہ ان کی اونچائی (٨٠) اسی سال کی ہے۔ اس کے بعد ضمیر لائے جس کا مرجع پہلے مذکور نہیں اس لیے کہ قرینہ موجود ہے۔ بستر کا ذکر آیا جس پر جنتیوں کی بیویاں ہوں گی۔ پس اس کی طرف ضمیر پھیر دی۔ جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام کے ذکر میں تَوَارَتْ کا لفظ آیا ہے شمس کا لفظ اس سے پہلے نہیں پس قرینہ کافی ہے۔ لیکن ابو عبیدہ کہتے ہیں کہ پہلے مذکور ہو چکا ہے ﴿ وَحُوْرٌ عِيْنٌ ﴾ ۔

جنت کی حوریں: پس فرماتا ہے کہ ہم نے ان کی بیویوں کو نئی پیدائش میں پیدا کیا ہے اس کے بعد کہ وہ بالکل پھونس بڑھیا تھیں ہم نے انہیں نو عمر کنواریاں کر کے ایک خاص پیدائش میں پیدا کیا۔ وہ بوجہ اپنی ظرافت و ملاحت کے حسن صورت اور جسامت کے خوش خلقی کی اور حلاوت کے اپنے خاوندوں کی بڑی پیاریاں ہیں۔ بعض کہتے ہیں عُرُبًا کہتے ہیں ناز و کرشمہ والیوں کو۔ حدیث میں ہے کہ یہ وہ عورتیں ہیں جو دنیا میں بڑھیا تھیں اور اب جنت میں گئی ہیں تو انہیں نو عمر وغیرہ کر دیا ہے۔ اور روایت میں ہے کہ خواہ یہ عورتیں کنواری تھیں یہ ثیبہ تھیں اللہ ان

سب کو ایسی کر دے گا۔ ایک بڑھیا عورت رسول مقبول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہتی ہیں کہ یارسول اللہ! میرے لیے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے جنت میں داخل کر دے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے ام فلاں! جنت میں کوئی بڑھیا نہیں جائے گی۔ وہ روتی ہوئی واپس لوٹیں تو آپ ﷺ نے فرمایا جاؤ انہیں سمجھا دو۔ مطلب یہ ہے کہ جب وہ جنت میں جائیں گے بڑھیا نہ ہوں گی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہم انہیں نئی پیدائش میں پیدا کریں گے پھر باکرہ کر دیں گے (شمائل ترمذی وغیرہ)۔

طبرانی میں ہے حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں میں نے کہا یارسول اللہ! حور عین کی خبر مجھے دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا وہ گورے رنگ کی ہیں بڑی بڑی آنکھوں والی ہیں سخت سیاہ اور بڑے بڑے بالوں والی ہیں جیسے کہ گدھ کا پر۔ میں نے کہا لؤلؤ مکنون کی بابت خبر دیجئے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ان کی صفائی اور جوت مثل اس موتی کے ہے جو سیپ سے ابھی ابھی نکلا ہو جسے کسی کا ہاتھ بھی نہ لگا ہو۔ میں نے کہا ﴿ خَيْرَاتٌ حِسَانٌ ﴾ کی کیا ہے؟ فرمایا خوش خلق خوبصورت۔ میں نے کہا ﴿ بَيْضٌ مَّكْنُونٌ ﴾ سے کیا مراد ہے؟ فرمایا ان کی نزاکت اور نرمی انڈے کی اس جھلی کے مانند ہوگی جو اندر ہوتی ہے۔ میں نے ﴿ عُرُبًا اَتْرَابًا ﴾ کے معنے دریافت کیے فرمایا اس سے مراد دنیا کی مسلمان جنتی عورتیں ہیں جو بالکل بڑھیا پھونس تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں نئے سرے سے پیدا کیا اور کنواریاں اور خاوندوں کی چہیتیاں اور خاوندوں سے عشق رکھنے والیاں اور ہم عمر بنا دیا۔ میں نے پوچھا یارسول اللہ! دنیا کی عورتیں افضل ہیں یا حور عین؟ فرمایا دنیا کی عورتیں حور عین سے بہت افضل ہیں۔ جیسے استر سے ابرا بہتر ہوتا ہے۔ میں نے کہا اس افضیلت کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا نمازیں روزے اور اللہ تعالیٰ کی عبادتیں۔ اللہ نے ان کے چہرے نور سے ان کے جسم ریشم سے سنوار دیئے ہیں۔ سفید ریشم اور سبز ریشم اور زرد ریشم اور زرد سنہرے زیور بخودان موتی کے کنگھیاں سونے کی' یہ کہتی رہیں گی۔

﴿ نَحْنُ الْخَالِدَاتُ فَلَا نَمُوْتُ اَبَدًا..... وَ نَحْنُ النَّاعِمَاتُ فَلَا نَبْاَسُ اَبَدًا﴾

﴿وَنَحْنُ الْمُقِيْمَاتُ فَلَا نَظْعَنُ اَبَدًا.... وَنَحْنُ الرَّاضِيَاتُ فَلَا نَسْخَطُ اَبَدًا﴾

﴿طُوْبٰى لِمَنْ كُنَّا لَهٗ وَ كَانَ لَنَا﴾

یعنی ہم ہمیشہ رہنے والی ہیں کبھی مریں گی نہیں۔ ہم ناز اور نعمت والیاں ہیں کہ کبھی مفلس اور بے نعمت نہ ہوں گی۔ ہم اقامت کرنے والیاں ہیں کہ کبھی سفر میں نہیں جائیں گی۔ ہم اپنے خاوندوں سے خوش رہنے والیاں ہیں کہ کبھی روٹھیں گی نہیں۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کے لیے ہم ہیں اور خوش نصیب ہیں ہم کہ ان کے لیے ہیں۔ میں نے پوچھا یارسول اللہ! بعض عورتوں کے دو دو تین تین چار چار خاوند ہو جاتے ہیں اس کے بعد اسے موت آتی ہے۔ مرنے کے بعد اگر یہ جنت میں گئی اور اس کے سب خاوند بھی گئے تو یہ کسے ملے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا اسے اختیار دیا جائے گا کہ جس کے ساتھ چاہے رہے چنانچہ یہ ان میں سے اسے پسند کرے گی جو اس کے ساتھ بہترین برتاؤ کرتا رہا ہو۔ اللہ تعالیٰ سے کہے گی کہ پروردگار! یہ مجھ سے بہت اچھی بودوباش رکھتا تھا اسی کے نکاح میں مجھے دے۔ اے ام سلمہ! حسن خلق دنیا اور آخرت کی بھلائیوں کو لیے ہوئے ہے۔ صور کی مشہور مطول حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ تمام مسلمانوں کو جنت میں لے جانے کی سفارش کریں گے جس پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے آپ کی شفاعت قبول کی اور آپ کو انہیں جنت میں پہنچانے کی اجازت دی۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں پھر میں انہیں جنت میں لے جاؤں گا' اللہ کی قسم تم جس قدر اپنے گھربار اور اپنی بیویوں سے واقف ہو اس سے بہت زیادہ اہل جنت اپنے گھروں اور بیویوں سے واقف ہوں گے پس ایک ایک جنتی کی بہتر بہتر بیویاں ہوں گی۔ جو اللہ کی بنائی ہوئی ہیں اور دو دو بیویاں عورتوں میں سے ہوں گی کہ انہیں بوجہ اپنی عبادت کے ان سب عورتوں پر فضیلت حاصل ہوگی۔ جنتی ان میں سے ایک کے پاس جائے گا یہ اس بالاخانے میں ہوگی جو یاقوت کا بنا ہوا ہوگا اس پلنگ پر ہوگی جو سونے کے تاروں سے بنا ہوا ہوگا اور جڑاؤ جڑا ہوا ہوگا۔ ستر جوڑے پہنے ہوئے ہوگی جو سب باریک اور سبز چمکیلے خالص ریشم کے ہوں گے یہ بیوی اس قدر نازک نورانی ہوگی کہ اس کی کمر پر ہاتھ رکھ کر سینے کی طرف سے دیکھے گا تو

صاف نظر آ جائے گا' کپڑے گوشت ہڈی کوئی چیز روک نہ ہوگی۔ اس قدر اس کا پنڈا صاف اور آئینہ نما ہوگا جس طرح مروارید میں سوراخ کر کے ڈورا ڈال دیں تو وہ ڈورا باہر سے نظر آتا ہے اسی طرح اس کی پنڈلی کا گودا نظر آئے گا۔ ایسا ہی نورانی بدن اس جنتی کا بھی ہوگا۔ الغرض یہ اس کا آئینہ ہوگی اور وہ اس کا۔ یہ اس کے ساتھ عیش و عشرت میں مشغول ہوگا' نہ یہ تھکے نہ وہ' نہ اس کا دل بھرے نہ اس کا۔ جب کبھی نزدیکی کرے گا تو کنواری پائے گا' نہ اس کا عضو سست ہو نہ اسے گراں گزرے مگر خاص پانی وہاں نہ ہوگا جس سے گھن آئے۔ یہ یوں ہی مشغول ہوگا جو کان میں ندا آئے گی کہ یہ تو ہمیں خوب معلوم ہے کہ نہ آپ کا دل ان سے بھرے گا نہ ان کا آپ سے مگر آپ کی دوسری بیوی بھی ہیں۔ اب یہ یہاں سے باہر آئے گا اور ایک ایک کے پاس جائے گا جس کے پاس جائے گا اسے دیکھ کر بے ساختہ اس کے منہ سے نکل جائے گا کہ رب کی قسم تجھ سے بہتر جنت میں کوئی چیز نہیں نہ میری محبت کسی سے تجھ سے زیادہ ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ رسول اللہ ﷺ سے پوچھتے ہیں کہ یارسول اللہ! کیا جنت میں جنتی لوگ جماع بھی کریں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں قسم ہے اس اللہ کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے خوب اچھی طرح بہترین طریق پر۔ جب الگ ہوگا وہ اسی وقت پھر پاک صاف اچھوتی باکرہ بن جائے گی۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں مومن کو جنت میں اتنی عورتوں کے پاس جانے کی قوت عطا کی جائے گی۔ حضرت انسؓ نے پوچھا حضور! کیا اتنی طاقت رکھے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا ایک سو آدمیوں کے برابر اسے قوت ملے گی۔ طبرانی کی حدیث میں ہے ایک ایک سو کنواریوں کے پاس ایک ایک دن میں ہو آئے گا۔ حافظ عبداللہ مقدسیؒ فرماتے ہیں میرے نزدیک یہ حدیث شرط صحیح پر ہے' واللہ اعلم۔

ابن عباسؓ عربا کی تفسیر میں فرماتے ہیں یہ اپنے خاوندوں کی محبوبہ ہوں گی' یہ اپنے خاوندوں کی عاشق اور خاوند ان کے عاشق۔ عکرمہؒ سے مروی ہے کہ اس کا معنی ناز و کرشمہ والی ہے۔ اور سند سے مروی ہے کہ معنی نزاکت والی ہے۔ تمیم بن حذلم کہتے ہیں عربا اس عورت کو کہتے ہیں جو اپنے خاوند کا دل مٹھی میں رکھے۔ زید بن اسلم وغیرہ سے مروی ہے کہ مراد خوش کلام ہے اپنی باتوں سے اپنے خاوندوں کا دل موہ لیتی ہیں۔ جب کچھ بولیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ پھول جھڑتے ہیں اور نور برستا ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ انہیں عرب اسے لیے کہا گیا ہے کہ ان کی بول چال عربی زبان میں ہوگی۔ اتراب کے معنی ہیں ہم عمر یعنی تینتیس برس کی۔ اور معنی ہیں کہ خاوند کی اور ان کی طبیعت' خلق' بالکل یکساں ہے جس سے وہ خوش یہ خوش' جو اسے ناپسند اسے بھی ناپسند۔ یہ معنی بھی بیان کیے گئے ہیں کہ آپس میں ان میں بیر بغض' سوتیاڈاہ' حسد اور رشک نہ ہوگا۔ یہ سب آپس میں بھی ہم عمر ہوں گی تاکہ بے تکلفی سے ایک دوسری سے ملیں جلیں کھیلیں کودیں۔ ترمذی کی حدیث میں ہے کہ یہ جنتی حوریں ایک روح افزا باغ میں جمع ہو کر نہایت پیارے گلے سے گانا گائیں گی کہ ایسی سریلی اور رسیلی آواز مخلوق نے کبھی نہ سنی ہوگی۔ ان کا گانا وہی ہوگا جو اوپر بیان ہوا۔ ابویعلی میں ہے ان کے گانے میں یہ بھی ہوگا۔

﴿ نَحْنُ خَيْرَاتٌ حِسَانٌ .... خُبِئْنَا لِاَزْوَاجٍ كِرَامٍ ﴾

ہم پاک صاف خوش وضع خوب صورت عورتیں ہیں جو بزرگ اور ذی عزت شوہروں کے لیے چھپا کر رکھی گئی تھیں۔ اور روایت میں خیرات کے بدلے جوار کا لفظ آیا ہے پھر فرمایا یہ اصحاب یمین کے لیے پیدا کی گئی ہیں اور ان ہی کے لیے محفوظ و مصئون رکھی گئی تھیں۔ لیکن زیادہ ظاہر یہ ہے کہ یہ متعلق ہے ﴿ اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ ﴾ الخ کے۔ یعنی ہم نے انہیں ان کے لیے بنایا ہے۔

حضرت ابوسلیمان دارائی سے منقول ہے کہ میں نے ایک رات تہجد کی نماز کے بعد دعا مانگنی شروع کی چونکہ سخت سردی تھی بڑے زور کا پالا پڑ رہا تھا۔ ہاتھ اٹھائے نہیں جاتے تھے اس لیے میں نے ایک ہی ہاتھ سے دعا مانگی اور اسی حالت میں دعا مانگتے مانگتے مجھے نیند آ گئی۔ خواب میں میں نے ایک حور کو دیکھا کہ اس جیسی خوبصورت نورانی شکل کبھی میری نگاہ سے نہیں گزری' اس نے مجھ سے کہا اے ابوسلیمان! ایک ہی ہاتھ سے دعا مانگنے لگے اور یہ خیال نہیں کہ پانچ سو سال سے اللہ تعالیٰ مجھے تمہارے لیے اپنی خاص نعمتوں میں پرورش کر رہا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ لام متعلق ﴿ اَتْرَابًا ﴾ کے ہو یعنی ان کی ہم عمر ہوں گی جیسے کہ بخاری و مسلم وغیرہ کی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ

فرماتے ہیں پہلی جماعت جو جنت میں جائے گی ان کے چہرے چودھویں رات جیسے روشن ہوں گے۔ان کے بعد والی جماعت کے چہرے بہت چمک دار ستارے جیسے روشن چہرے ہوں گے' یہ پاخانے پیشاب تھوک رینٹ سے پاک ہوں گے ان کی کنگھیاں سونے کی ہوں گی ان کے پسینے مشک کی خوشبو والے ہوں گے ان کی انگوٹھیاں لؤلؤ کی ہوں گی ان کی بیویاں حور عین ہوں گی' ان سب کے اخلاق مثل ایک ہی شخص کے ہوں گے۔یہ سب اپنے باپ حضرت آدم علیہ السلام کی شکل پر ساٹھ ہاتھ کے لمبے قد کے ہوں گے۔طبرانی میں ہے کہ اہل جنت بے بال اور بے ریش گورے رنگ والے خوش خلق اور خوبصورت سرمگیں آنکھوں والے تینتیس برس کے عمر کے ساٹھ ہاتھ لمبے اور سات ہاتھ چوڑے چکلے مضبوط بدن والے ہوں گے۔ اس کا کچھ حصہ ترمذی میں بھی مروی ہے۔اور حدیث میں ہے کہ گو کسی عمر میں انتقال ہوا ہو دخول جنت کے وقت تینتیس سالہ عمر کے ہوں گے اور اسی عمر میں ہمیشہ رہیں گے۔اسی طرح جہنمی بھی (ترمذی)۔اور روایت میں ہے کہ ان کے قد ساٹھ ہاتھ فرشتے کے ہاتھ کے اعتبار سے ہوں گے۔قد آدم علیہ السلام' حسن یوسف علیہ السلام' عمر عیسیٰ علیہ السلام یعنی تینتیس سال اور زبان محمد ﷺ یعنی عربی والے ہوں گے۔بے بال کے اور سرمگیں آنکھوں والے (ابن ابی الدنیا)۔

اور روایت میں ہے کہ دخول جنت کے ساتھ ہی انہیں ایک جنتی درخت کے پاس لایا جائے گا اور وہاں انہیں کپڑے پہنائے جائیں گے ان کے کپڑے نہ گلیں نہ سڑیں نہ پرانے ہوں نہ میلے ہوں ان کی جوانی نہ ڈھلے نہ جائے نہ فنا ہو۔اصحاب یمین اگلوں میں سے بھی بہت ہیں اور پچھلوں میں سے بھی بہت ہیں۔ ابن ابی حاتم میں ہے حضور ﷺ نے اپنے اصحابؓ سے فرمایا میرے سامنے انبیاء مع اپنے تابعدار امتیوں کے پیش ہوئے بعض نبی گزرتے تھے اور بعض نبی کے ساتھ ایک جماعت ہوتی تھی اور بعض نبی کے ساتھ صرف تین آدمی ہوتے تھے اور بعض کے ساتھ ایک بھی نہ تھا۔راوی حدیث حضرت قتادہؒ نے اتنا بیان فرما کر یہ آیت پڑھی ﴿ اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ ﴾ کیا تم میں سے ایک بھی رشد سمجھ والا نہیں؟ یہاں تک کہ حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام گزرے جو بنی اسرائیل کی ایک بڑی جماعت ساتھ لیے ہوئے تھے۔میں نے پوچھا پروردگار یہ کون ہیں؟ جواب ملا یہ تمہارے بھائی موسیٰ بن عمران علیہ السلام ہیں اور ان کے ساتھ ان کی تابعداری کرنے والی امت ہے۔میں نے پوچھا اے اللہ پھر میری امت کہاں ہے؟ فرمایا اپنی داہنی جانب نیچے کی طرف دیکھو۔میں نے دیکھا تو بہت بڑی جماعت نظر آئی لوگوں کے بکثرت چہرے دمک رہے تھے۔پھر مجھ سے پوچھا کہو اب تو خوش ہو؟ میں نے کہا ہاں اے اللہ میں خوش ہوں۔مجھ سے پھر فرمایا اب اپنی دائیں جانب کناروں کی طرف دیکھو میں نے دیکھا تو وہاں بے شمار لوگ تھے پھر مجھ سے پوچھا اب تو راضی ہو گئے؟ میں نے کہا ہاں میرے رب میں راضی ہوں۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور سنو ان کے ساتھ ستر ہزار اور لوگ ہیں جو بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے۔یہ سن کر حضرت عکاشہؓ کھڑے ہو گئے یہ قبیلہ بنی اسد سے محصن کے لڑکے تھے۔بدر کی لڑائی میں موجود تھے۔عرض کی کہ یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ سے دعا کیجیے کہ مجھے بھی انہیں میں سے کرے۔آپ ﷺ نے دعا کی۔پھر ایک اور شخص کھڑے ہوئے اور کہا یا نبی اللہ! میرے لیے بھی دعا کیجیے آپ ﷺ نے فرمایا عکاشہ تجھ پر سبقت کر گئے۔پھر آپ ﷺ نے فرمایا لوگو! تم پر میرے ماں باپ فدا ہوں اگر تم سے ہو سکے تو تم ان ستر ہزار میں سے بنو جو بے حساب جنت میں جائیں گے' ورنہ کم سے کم دائیں جانب والوں میں سے ہو جاؤ' اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو کناروں والوں میں سے ہو جاؤ۔میں نے اکثر لوگوں کو دیکھا ہے کہ اپنے حال میں ہی لٹک جاتے ہیں۔پھر فرمایا مجھے امید ہے کہ تمام اہل جنت کی چوتھائی تعداد صرف تمہاری ہی ہوگی۔پس ہم نے تکبیر کہی پھر فرمایا بلکہ مجھے امید ہے کہ تم تمام جنت کی تہائی والے ہو گے ہم نے پھر تکبیر کہی۔فرمایا اور سنو! تم آدھوں آدھ اہل جنت کے ہو گے۔ہم نے پھر تکبیر کہی۔اسکے بعد حضور ﷺ نے اسی آیت ﴿ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ وَ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ﴾ کی تلاوت کی۔اب ہم میں آپس میں مذاکرہ شروع ہو گیا کہ یہ ستر ہزار کون لوگ ہوں گے؟ پھر ہم نے کہا' وہ لوگ جو اسلام میں ہی پیدا ہوئے اور شرک کیا ہی نہیں' پس حضور ﷺ نے فرمایا بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو داغ نہیں لگواتے اور جھاڑ پھونک نہیں کرواتے اور فال نہیں لیتے اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔یہ حدیث بہت سی سندوں سے صحابہؓ کی روایت سے بہت سی کتابوں میں صحت کے ساتھ مروی

ہے۔ ابن جریر میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس آیت میں پہلوں پچھلوں سے مراد میری امت کے اگلے پچھلے ہی ہیں۔

ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ۝ وَاَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۝ فِيْ سَمُوْمٍ وَّحَمِيْمٍ ۝ وَّظِلٍّ مِّنْ يَّحْمُوْمٍ ۝ لَّا بَارِدٍ وَّلَا كَرِيْمٍ ۝ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُتْرَفِيْنَ ۝ وَكَانُوْا يُصِرُّوْنَ عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِيْمِ ۝ وَكَانُوْا يَقُوْلُوْنَ ۙ اَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ۝ اَوَاٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ۝ قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ ۝ لَمَجْمُوْعُوْنَ ۙ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ۝ ثُمَّ اِنَّكُمْ اَيُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ ۝ لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ ۝ فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ۝ فَشٰرِبُوْنَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيْمِ ۝ فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ ۝ هٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّيْنِ ۝

اور بائیں ہاتھ والے کیا ہیں بائیں ہاتھ والے؟ گرم ہوا اور گرم پانی میں، اور سیاہ دھوئیں کے سائے میں، جو نہ ٹھنڈا ہے نہ عزت والا، بے شک یہ لوگ اس سے پہلے بہت نازوں میں پلے ہوئے تھے، اور بڑے بڑے گناہوں پر مدامت کرتے تھے اور کہتے تھے، کہ کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈی ہو جائیں گے تو کیا ہم پھر دوبارہ کھڑے کیے جائیں گے؟ اور کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی؟ تو کہہ دے کہ یقیناً سب اگلے اور پچھلے، البتہ یہ جمع کیے جائیں گے ایک مقرر دن کے وقت، پھر تم اے گمراہو جھٹلانے والو، البتہ کھانے والے ہو درخت تھور کا، اور اسی سے پیٹ بھرنے والے ہو، پھر اس پر گرم کھولتا پانی پینے والے ہو، پھر پینے والے بھی پیاسے اونٹوں کی طرح، قیامت کے دن ان کی مہمانی یہ ہے۔

دوزخیوں کی سزا: اصحاب یمین کا ذکر کرنے کے بعد اصحاب شمال کا ذکر ہو رہا ہے۔ فرماتا ہے ان کا کیا حال ہے؟ یہ کس عذاب میں ہیں؟ پھر ان عذابوں کا ذکر فرماتا ہے کہ یہ گرم ہوا کے تھپیڑوں اور کھولتے ہوئے گرم پانی میں ہیں اور دھوئیں کے سخت سیاہ سائے میں۔ جیسے اور جگہ ﴿ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ ﴾ سے ﴿ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴾ تک فرمایا ہے یعنی اس دوزخ کی طرف چلو جسے تم جھٹلاتے تھے۔ چلو تین شاخوں والے سایہ کی طرف جو نہ گھنا ہے نہ آگ کے شعلے سے بچا سکتا ہے۔ وہ دوزخ محل کی اونچائی کے برابر چنگاریاں پھینکتی ہے' ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ زرد اونٹنیاں ہیں۔ آج تکذیب کرنے والوں کی خرابی ہے۔ اسی طرح یہاں بھی فرمان ہے کہ یہ لوگ جن کے بائیں ہاتھ میں عمل نامہ دیا گیا ہے یہ سخت سیاہ دھوئیں میں ہوں گے جو نہ جسم کو اچھا لگے نہ آنکھوں کو بھلا معلوم ہو۔ یہ عرب کا محاورہ ہے کہ جس چیز کی زیادہ برائیاں بیان کرنی ہوں وہاں اس کا ہر ایک برا وصف بیان کر کے اس کے بعد ﴿ وَلَا كَرِيْمٍ ﴾ کہہ دیتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ یہ لوگ ان سزاؤں کے مستحق اس لیے ہوئے کہ دنیا میں جو ربانی نعمتیں انہیں ملی تھیں ان میں یہ مست ہو گئے' رسولوں کی باتوں کی طرف نظر بھی نہ اٹھائی۔ بدکاریوں میں پڑ گئے اور پھر توبہ کی طرف دلی توجہ بھی نہ رہی۔ ﴿حِنْثِ﴾ عظیم سے مراد بقول حضرت ابن عباسؓ کفر و شرک ہے۔ بعض کہتے ہیں جھوٹی قسم ہے۔ پھر ان کا ایک اور عیب بیان ہو رہا ہے کہ یہ قیامت کا ہونا بھی محال جانتے تھے' اس کی تکذیب کرتے تھے' اور عقلی استدلال پیش کرتے تھے کہ مر کر مٹی میں مل کر پھر بھی کہیں کوئی جی سکتا ہے؟ انہیں جواب مل رہا ہے کہ کل اولاد آدم قیامت کے دن نئی زندگی میں پیدا ہو کر اور ایک میدان میں جمع ہو گی۔ ایک وجود ایسا نہ ہو گا جو دنیا میں آیا ہو اور یہاں نہ ہو۔ جیسے اور جگہ ہے اس دن سب جمع کر

دیے جائیں گے' یہ حاضر باشی کا دن ہے تمہیں دنیا میں چند روز مہلت ہے قیامت کے دن کون ہے جو اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر لب بھی ہلا سکے۔ انسان دو قسم پر تقسیم کر دیے جائیں گے۔ نیک الگ اور بد علیحدہ۔ وقت قیامت محدود اور مقرر ہے کمی زیادتی تقدیم تاخیر اس میں بالکل نہ ہو گی۔ پھر تم اے گمراہو اور جھٹلانے والو! زقوم کے درخت کھلوائے جاؤ گے انہیں سے پیٹ بوجھل کرو گے کیونکہ جبراً وہ تمہارے حلق میں ٹھونسا جائے گا' پھر اس پر کھولتا ہوا گرم پانی تمہیں پینا پڑے گا اور وہ بھی اس طرح جیسے پیاسا اونٹ پی رہا ہو۔ ﴿ هيم ﴾ جمع ہے اس کا واحد ﴿ هيم ﴾ ہے اور مونث ﴿ هيما ﴾ ہے ﴿ هائم ﴾ اور ﴿ هائمه ﴾ بھی کہا جاتا ہے' سخت پیاس والے اونٹ کو کہتے ہیں جسے پیاس کی بیماری ہوتی ہے۔ پانی چوستا رہتا ہے لیکن سیرابی نہیں ہوتی اور نہ اس بیماری سے اونٹ جانبر ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ جہنمی جبراً سخت گرم پانی پلائے جائیں گے جو خود ایک بدترین عذاب ہو گا بھلا اس سے پیاس کیا رکتی؟ حضرت خالد بن معدانؒ فرماتے ہیں کہ ایک ہی سانس میں پانی پینا یہ بھی پیاس والے اونٹ کا سا پینا ہے اس لیے مکروہ ہے۔ پھر فرمایا ان مجرموں کی ضیافت آج جزا کے دن یہی ہے جیسے متقین کے بارے میں اور جگہ ارشاد ہے کہ ان کی مہمانداری جنت الفردوس ہے۔

نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ﴿٥٧﴾ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ﴿٥٨﴾ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿٥٩﴾ نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿٦٠﴾ عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٦١﴾ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿٦٢﴾

ہمیں نے تم سب کو پیدا کیا ہے پھر تم کیوں باور نہیں کرتے؟ اچھا پھر یہ تو بتلاؤ کہ جو پانی تم ٹپکاتے ہو، کیا اس کا انسان تم بناتے ہو یا پیدا کرنے والے ہمیں ہیں، ہمیں نے تم میں موت کو متعین کر دیا ہے اور ہم اس سے ہارے ہوئے نہیں ہیں، کہ تمہاری جگہ تو تم جیسے اور پیدا کر دیں اور تمہیں نئے سرے سے اس عالم میں پیدا کریں جس سے تم بالکل بے خبر ہو، تمہیں یقینی طور پر پہلی دفعہ کی پیدائش تو معلوم ہی ہے پھر کیوں عبرت حاصل نہیں کرتے؟

انسان کی پیدائش اللہ کی قدرت ہے: اللہ تعالیٰ قیامت کے منکرین کو لاجواب کرنے کے لیے قیامت کے قائم ہونے کی اور لوگوں کے دوبارہ جی اٹھنے کی دلیل دے رہا ہے' فرماتا ہے کہ جب ہم نے پہلی مرتبہ جب کہ تم کچھ نہ تھے تمہیں پیدا کر دیا تو اب فنا ہونے کے بعد جب کہ کچھ نہ کچھ تو تم رہو گے ہی' تمہیں دوبارہ پیدا کرنا ہم پر کیا گراں ہو گا؟ جب ابتدائی اور پہلی پیدائش کو مانتے ہو تو پھر دوسری مرتبہ کے پیدا ہونے سے کیوں انکار کرتے ہو؟ دیکھو انسان کے خاص پانی کے قطرے تو عورت کے بچہ دان میں پہنچ جاتے ہیں اتنا کام تو تمہارا تھا لیکن اب ان قطروں کو بصورت انسان پیدا کرنا یہ کس کا کام ہے؟ ظاہر ہے کہ تمہارا اس میں کوئی دخل نہیں کوئی ہاتھ نہیں کوئی قدرت نہیں کوئی تدبیر نہیں۔ پیدا کرنا یہ صفت صرف خالق کل اللہ ہی ہے۔ پھر ٹھیک اسی طرح مار ڈالنے پر بھی وہی قادر ہے کل آسمان و زمین والوں کی موت کا متصرف بھی اللہ ہی ہے بھلا اتنی بڑی قدرتوں کا مالک کیا یہ نہیں کر سکتا کہ قیامت کے دن تمہاری پیدائش میں تبدیل کر کے جس صفت اور جس حال میں چاہے تمہیں از سر نو پیدا کر دے۔ پس جب کہ جانتے ہو مانتے ہو کہ ابتدائے آفرینش اسی نے کی ہے اور عقل باور کرتی ہے کہ پہلی پیدائش دوسری پیدائش سے مشکل ہے پھر دوسری پیدائش کا انکار کیوں کرتے ہو؟ یہی اور جگہ ہے ﴿ وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ﴾ اللہ ہی نے پہلی مرتبہ پیدا کیا ہے اور وہی دوبارہ دہرائے گا اور یہ اس پر بہت ہی آسان ہے۔ سورہ یٰسٓ میں ہے ﴿ اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ ﴾ سے ﴿ عَلِيْمٌ ﴾ تک ارشاد فرمایا' یعنی ہم انسان کو نطفے سے پیدا کرتے ہیں پھر وہ حجت بازیاں کرنے لگتا ہے اور ہمارے سامنے مثالیں بیان کرنے لگتا

ہے اور کہتا پھرتا ہے ان بوسیدہ گلی سڑی ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا؟ تم اے نبی! ہماری طرف سے جواب دو کہ انہیں وہ زندہ کرے گا جس نے انہیں پہلے پہل پیدا کیا ہے وہ ہر پیدائش کا علم رکھنے والا ہے۔ سورہ قیامہ میں فرمایا ﴿ اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ ﴾ سے آخر سورہ تک یعنی کیا انسان یہ سمجھ بیٹھا ہے کہ اسے یونہی آوارہ چھوڑ دیا جائے گا؟ کیا یہ ایک غلیظ پانی کے نطفے کی شکل میں تھا پھر خون کے لوتھڑے کی صورت میں نمایاں ہوا تھا' پھر اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا کیا درست کیا' مرد عورت بنایا۔ کیا ایسا اللہ مردوں کے جلانے پر قادر نہیں؟

اَفَرَءَیْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ﴿۶۳﴾ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ﴿۶۴﴾ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ﴿۶۵﴾ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿۶۷﴾ اَفَرَءَیْتُمُ الْمَآءَ الَّذِیْ تَشْرَبُوْنَ ﴿۶۸﴾ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ﴿۶۹﴾ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۰﴾ اَفَرَءَیْتُمُ النَّارَ الَّتِیْ تُوْرُوْنَ ﴿۷۱﴾ ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَاۤ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِـُٔوْنَ ﴿۷۲﴾ نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّ مَتَاعًا لِّلْمُقْوِیْنَ ﴿۷۳﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِیْمِ ﴿۷۴﴾

اچھا پھر یہ بھی بتاؤ کہ تم جو کچھ بوتے ہو، اسے تم ہی اگاتے ہو یا ہم اگانے والے ہیں؟ اگر ہم چاہیں تو اسے ریزہ ریزہ کر ڈالیں اور تم حیرت کے ساتھ باتیں بناتے ہی رہ جاؤ۔ کہ ہم پر تو تاوان ہی پڑ گیا، بلکہ ہم بالکل نانصیب ہی رہ گئے۔ اچھا یہ بتاؤ کہ جس پانی کو تم پیتے ہو، اسے بادلوں سے بھی تم اتارتے ہو یا ہم برساتے ہیں؟ اگر ہماری منشا ہو تو ہم اسے کڑوا زہر کر دیں پھر تم ہماری شکر گزاری کیوں نہیں کرتے؟ اچھا ذرا یہ بھی بتاؤ کہ جو آگ تم سلگاتے ہو، اس کے درخت کو تم نے پیدا کیا ہے یا ہم اس کے پیدا کرنے والے ہیں؟ ہم نے اسے سبب نصیحت کیا ہے اور مسافروں کے فائدے کی چیز بنایا ہے۔ پس اپنے بہت بڑے خالق (اللہ) کے نام کی تسبیح کیا کر۔

پھلوں کی پیدائش اللہ کی قدرت ہے: ارشاد باری ہے کہ تم جو کھیتیاں بوتے ہو زمین کھود کر بیج ڈالتے ہو پھر ان بیجوں کو اگانا بھی کیا تمہارے بس میں ہے؟ نہیں نہیں بلکہ انہیں اگانا انہیں پھل پھول دینا ہمارا کام ہے۔ ابن جریر میں ہے حضور ﷺ نے فرمایا ﴿ زَرَعْتُ ﴾ نہ کہا کرو بلکہ ﴿ حَرَثْتُ ﴾ کہا کرو یعنی یوں کہو میں نے بویا' یوں نہ کہو کہ میں نے اگایا۔ حضرت ابوہریرہؓ نے یہ حدیث سنا کر پھر اسی آیت کی تلاوت کی۔ امام حجر مدریؒ ان آیتوں کے ایسے سوال کے موقعوں کو جب پڑھتے تو کہتے ﴿ بَلْ اَنْتَ یَا رَبِّیْ ﴾ ہم نے نہیں بلکہ اے ہمارے پروردگار تو نے ہی۔ پھر فرماتا ہے کہ پیدا کرنے کے بعد بھی ہماری مہربانی ہے کہ ہم اسے بڑھائیں اور پکائیں ورنہ ہمیں قدرت ہے کہ سکھا دیں اور مضبوط نہ ہونے دیں برباد کر دیں اور بے نشان بنادیں اور تم ہاتھ ملتے اور باتیں بناتے ہی رہ جاؤ کہ ہائے ہم پر آفت آ گئی ہائے ہماری تو اصل بھی ماری گئی بڑا نقصان ہو گیا' نفع ایک طرف پونجی بھی غارت ہو گئی۔ غم و رنج سے نہ جانے کیا کیا بھانت بھانت کی بولیاں بولنے لگ جاؤ کبھی کہو کاش کہ اب کی مرتبہ بوتے ہی نہیں' کاش کہ یوں کرتے ووں کرتے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ مطلب ہو کہ اس وقت تم اپنے گناہوں پر نادم ہو جاؤ۔ تفکہ کا لفظ اپنے میں دونوں معنے رکھتا ہے نفع کے اور غم کے۔

پانی اللہ کی نعمت ہے: مُزن بادل کو کہتے ہیں۔ پھر اپنی پانی جیسی اعلیٰ نعمت کا ذکر کرتا ہے کہ دیکھو اس کا برسانا بھی میرے قبضہ میں ہے کوئی ہے جو اسے بادل سے اتار لائے؟ اور جب اتر آیا پھر بھی اس میں مٹھاس کڑواس پیدا کرنے پر مجھے قدرت ہے۔ یہ میٹھا پانی بیٹھے بٹھائے میں نے تمہیں دیا جس سے تم نہاؤ دھوؤ کپڑے صاف کرو کھیتیوں اور باغوں کو سیراب کرو جانوروں کو پلاؤ پھر کیا تمہیں یہی چاہیے کہ میرا شکر بھی ادا نہ

کرو۔ جناب رسول اللہ ﷺ پانی پی کر فرمایا کرتے ﴿ اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِیْ سَقَانَاهُ عَذْبًا فُرَاتًا بِرَحْمَتِهٖ وَلَمْ یَجْعَلْهُ مِلْحًا اُجَاجًا بِذُنُوْبِنَا ﴾ یعنی اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں میٹھا اور عمدہ پانی اپنی رحمت سے پلایا اور ہمارے گناہوں کے باعث اسے کھاری اور کڑوانہ بنادیا۔ عرب میں دو درخت ہوتے ہیں مرخ اور عفار' ان کی سبز شاخیں جب ایک دوسری سے رگڑی جائیں تو آگ نکلتی ہے۔ اس نعمت کو یاد دلا کر فرماتا ہے کہ یہ آگ جس سے تم پکاتے رندھتے ہو اور سینکڑوں فائدے حاصل کر رہے ہو بتلاؤ اس کی اصل یعنی درخت اس کے پیدا کرنے والے تم ہو یا میں ہوں؟ اس آگ کو ہم نے تذکرہ بنایا ہے یعنی اسے دیکھ کر جہنم کی آگ کو یاد کرو اور اس سے بچنے کی راہ لو۔ حضرت قتادہ کی ایک مرسل حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا تمہاری یہ دنیا کی آگ دوزخ کی آگ کا سترھواں حصہ ہے۔ لوگوں نے کہا حضور! یہی بہت کچھ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں پھر یہ سترواں حصہ بھی دو مرتبہ پانی سے بجھایا گیا ہے اب یہ اس قابل ہوا ہے کہ تم اس سے نفع اٹھا سکو اور اس کے قریب جا سکو۔ یہ مرسل حدیث مسند میں مروی ہے اور بالکل صحیح ہے۔

﴿ مُقْوِیْنَ ﴾ سے مراد مسافر ہیں۔ بعضوں نے کہا ہے جنگل میں رہنے سہنے والے لوگ مراد ہیں۔ بعضوں نے کہا ہے ہر بھوکا مراد ہے۔ غرض دراصل ہر وہ شخص مراد ہے جسے آگ کی ضرورت ہو اور وہ اس سے فائدہ حاصل کرنے کا محتاج ہو۔ ہر امیر فقیر شہری دیہاتی مسافر مقیم کو اس کی حاجت ہوتی ہے۔ پکانے کے لیے تاپنے کے لیے روشنی کے لیے وغیرہ۔ پھر اللہ کی اس کریمی کو دیکھیے کہ درختوں میں لوہے میں اس نے اسے رکھ دیا تاکہ مسافر اپنے ساتھ لے جاسکے اور ضرورت کے وقت اپنا کام نکال سکے۔ ابوداؤد وغیرہ میں حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا تین چیزوں میں تمام مسلمانوں کا برابر کا حصہ ہے آگ گھاس اور پانی۔ ابن ماجہ میں ہے یہ تینوں چیزیں روکنے کا کسی کو حق نہیں۔ ایک روایت میں ان کی قیمت کا ذکر بھی ہے لیکن اس کی سند ضعیف ہے' واللہ اعلم۔ پھر فرماتا ہے تم سب کو چاہیے کہ اس بہت بڑی قدرتوں کے مالک اللہ کی ہر وقت پاکیزگی بیان کرتے رہو جس نے آگ جیسی جلا دینے والی چیز و تمہارے لیے نفع دینے والی بنادیا۔ جس نے پانی کو کھاری اور کڑوانہ کر دیا کہ تم پیاس کے مارے تکلیف اٹھاؤ' بلکہ اسے میٹھا صاف شفاف اور مزیدار بنایا۔ دنیا میں رب کی ان نعمتوں سے فائدے اٹھاؤ اور اس کا شکر بجا لاؤ تو پھر آخرت میں بھی فائدے ہی فائدے ہیں۔ دنیا میں یہ آگ اس نے تمہارے فائدے کے لیے بنائی ہے اور ساتھ ہی اس لیے کہ آخرت کی آگ کا بھی تم اندازہ کر سکو اور اس سے بچنے کے لیے اللہ کے فرماں بردار بن جاؤ۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ﴿٧٥﴾ وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِیْمٌ ﴿٧٦﴾ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِیْمٌ ﴿٧٧﴾ فِیْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ﴿٧٨﴾ لَّا یَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ﴿٧٩﴾ تَنْزِیْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿٨٠﴾ اَفَبِهٰذَا الْحَدِیْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ﴿٨١﴾ وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ﴿٨٢﴾

پس میں قسم کھاتا ہوں ستاروں کے گرنے کی، اور اگر تمہیں علم ہو تو یہ بہت بڑی قسم ہے کہ بے شک یہ قرآن بہت بڑی عزت والا ہے، جو ایک محفوظ کتاب میں درج ہے، جسے صرف پاک لوگ ہی چھو سکتے ہیں، یہ رب العالمین کی طرف سے اترا ہوا ہے، پس کیا تم ایسی بات کو سرسری اور معمولی سمجھ رہے ہو؟ اور اپنے حصے میں یہی لیتے ہو کہ جھٹلاتے پھرو؟

ستاروں کے طلوع کی قسم: حضرت ضحاک فرماتے ہیں اللہ کی یہ قسمیں کلام کو شروع کرنے کے لیے ہوا کرتی ہیں۔ لیکن یہ قول ضعیف ہے۔ جمہور فرماتے ہیں یہ قسمیں ہیں اور ان میں ان چیزوں کی عظمت کا اظہار بھی ہے۔ بعض مفسرین کا قول ہے کہ یہاں پر لا زائد ہے اور ﴿ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ ﴾ الخ جواب قسم ہے۔ اور لوگ کہتے ہیں لا کو زائد بتلانے کی کوئی وجہ نہیں۔ کلام عرب کے دستور کے مطابق وہ قسم کے شروع میں آتا ہے جب کہ جس چیز پر قسم کھائی جائے وہ منفی ہو' جیسے حضرت عائشہ کے اس قول میں کہ ﴿ لا واللہ ما مسّت ید

رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ يَدَامْرَأةٍ قَطُّ ﴾ یعنی اللہ کی قسم حضور ﷺ نے اپنا ہاتھ کسی عورت کے ہاتھ سے لگایا نہیں۔ یعنی بیعت میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کیا۔ اسی طرح یہاں بھی لا قسم کے شروع میں مطابق قاعدہ ہے نہ کہ زائد۔ تو کلام کا مقصود یہ ہے کہ تمہارے جو خیالات قرآن کریم کی نسبت ہیں کہ یہ جادو ہے یا کہانت غلط ہیں۔ بلکہ یہ پاک کتاب کلام اللہ ہے۔ بعض عرب کہتے ہیں کہ لا سے ان کے کلام کا انکار ہے پھر اصل امر کا اثبات الفاظ میں ہے۔ مواقع نجوم سے مراد قرآن کا بتدریج اترنا ہے۔ لوح محفوظ سے تو لیلتہ القدر میں ایک ساتھ آسمان اول پر اتر آیا پھر حسب ضرورت تھوڑا تھوڑا وقت بروقت اترتا رہا' یہاں تک کہ کئی برسوں میں پورا اتر آیا۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں اس سے مراد ستاروں کے طلوع اور ظاہر ہونے کی آسمانی جگہیں ہیں۔ مواقع سے مراد منازل ہیں۔

حسنؒ فرماتے ہیں قیامت کے دن ان کا منتشر ہو جانا ہے۔ ضحاکؒ فرماتے ہیں اس سے مراد وہ ستارے ہیں جن کی نسبت مشرکین عقیدہ رکھتے ہیں کہ فلاں فلاں تارے کی وجہ سے ہم پر بارش برسی۔ پھر بیان ہوتا ہے کہ یہ بہت بڑی قسم ہے اس لیے کہ جس امر پر یہ قسم کھائی جا رہی ہے وہ بہت بڑا امر ہے یعنی یہ قرآن بڑی عظمت والی کتاب ہے۔ معظم و محفوظ اور مضبوط کتاب میں ہے جسے صرف پاک ہاتھ ہی لگتے ہیں یعنی فرشتوں کے۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ دنیا میں اسے سب کے ہاتھ لگتے ہیں۔ ابن مسعودؓ کی قرات میں ﴿ مَا يَمَسُّهُ ﴾ ہے۔ ابوالعالیہ کہتے ہیں یہاں پاک سے مراد انسان نہیں انسان تو گنہگار ہے۔ یہ کفار کا جواب ہے۔ وہ کہتے تھے کہ اس قرآن کو لے کر شیطان اترتے ہیں۔ جیسے اور جگہ صاف فرمایا ﴿ وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ﴾ الخ یعنی اسے نہ تو شیطان لے کر اترے ہیں نہ ان کے یہ لائق نہ ان کی یہ مجال بلکہ وہ تو اس کے سننے سے بھی الگ ہیں۔ یہی قول اس آیت کی تفسیر میں دل کو زیادہ لگتا ہے۔ اور اقوال بھی اس کے مطابق ہو سکتے ہیں۔

فراء نے کہا ہے اس کا ذائقہ اور اس کا لطف صرف باایمان لوگوں کو ہی میسر آتا ہے۔ بعض کہتے ہیں مراد جنابت اور حدث سے پاک ہونا ہے۔ گو یہ خبر ہے لیکن مراد اس سے انشاء ہے' اور قرآن سے مراد یہاں پر مصحف ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مسلمان ناپاکی کی حالت میں قرآن کو ہاتھ نہ لگائے۔ ایک حدیث میں ہے حضور ﷺ نے قرآن ساتھ لے کر حربی کافروں کے ملک میں جانے سے منع فرمایا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ اسے دشمن کچھ نقصان پہنچائے (مسلم)۔

قرآن دشمن کے ملک میں نہ لے جایا جائے: نبی ﷺ نے جو فرمان حضرت عمرو بن حزمؓ کو لکھ کر دیا تھا اس میں یہ بھی تھا کہ قرآن کو نہ چھوئے مگر پاک (مؤطا مالک)۔ مراسیل ابوداؤد میں ہے زہریؒ فرماتے ہیں میں نے خود اس کتاب کو دیکھا ہے اور اس میں یہ جملہ پڑھا ہے۔ گو اس روایت کی بہت سی سندیں ہیں لیکن ہر ایک قابل غور ہے' واللہ اعلم۔

قرآن حق ہے: پھر ارشاد ہے کہ یہ قرآن شعر و سخن جادو اور فن نہیں' بلکہ کلام ربانی ہے اور اسی کی جانب سے اترا ہے یہ سراسر حق ہے بلکہ صرف یہی حق ہے اس کے سوا اس کے خلاف جو ہے باطل اور یکسر مردود ہے۔ پھر تم ایسی پاک بات کا کیوں انکار کرتے ہو کیوں اس سے ہٹنا اور یکسو ہو جانا چاہتے ہو؟ کیا اس کا شکر یہی ہے کہ تم اسے جھٹلاؤ؟ قبیلہ ازد کے کلام میں رزق بمعنی شکر آتا ہے۔ مسند کی ایک حدیث میں بھی رزق کا معنی شکر کیا ہے' یہاں تک کہتے ہو کہ فلاں ستارے کی وجہ سے ہمیں پانی ملا اور فلاں ستارے سے فلاں چیز۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں ہر بارش کے موقعہ پر بعض لوگ کفریہ کلمات بک دیتے ہیں کہ بارش کا باعث فلاں ستارہ ہے۔ مؤطا میں ہے ہم حدیبیہ کے میدان میں تھے۔ رات کو بارش ہوئی تھی۔ صبح کی نماز کے بعد حضور ﷺ نے لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا جانتے ہو آج شب تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ لوگوں نے کہا اللہ کو معلوم اور اس کے رسول کو۔ آپ ﷺ نے فرمایا سنو! یہ فرمایا کہ آج میرے بندوں میں سے بہت سے میرے ساتھ کافر ہوئے اور بہت سے ایمان دار بن گئے۔ جس نے کہا کہ ہم پر اللہ کے فضل و کرم سے پانی برسا وہ تو میری ذات پر ایمان رکھنے والا اور ستاروں سے کفر کرنے والا ہوا۔ اور جس نے کہا فلاں فلاں ستارے سے بارش برسی اسنے میرے ساتھ کفر کیا اور اس ستارے پر ایمان لایا۔

مسلم کی حدیث میں عموم ہے کہ آسمان سے جو برکت نازل ہوتی ہے وہ بعض کے ایمان کا' اور بعض کے کفر کا باعث بن جاتی ہے

الخ۔ ہاں یہ خیال رہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ سے پوچھا تھا کہ ثریا ستارہ کتنا باقی ہے؟ پھر کہا تھا کہ اس علم والوں کا خیال ہے کہ یہ اپنے ساقط ہو جانے کے ہفتہ بھر بعد افق پر نمودار ہوتا ہے چنانچہ یہی ہوا بھی کہ اس سوال وجواب اور استسقا کو سات روز گزرے تھے جو پانی برسا۔ یہ واقعہ محمول ہے عادت اور تجربہ پر نہ یہ کہ اس ستارے میں ہی اور اس ستارے کو ہی اثر کا موجد جانتے ہوں۔ اس قسم کا عقیدہ تو کفر ہے ہاں تجربہ سے کوئی چیز معلوم کر لینا یا کوئی بات کہہ دینا دوسری چیز ہے۔ اس بارے کی بہت سی حدیثیں آیت ﴿ مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ ﴾ کی تفسیر میں گزر چکی ہیں۔ ایک شخص کو حضور ﷺ نے یہ کہتے ہوئے سن لیا کہ فلاں ستارے کے اثر سے بارش ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا تو جھوٹا ہے یہ تو اللہ کی برسائی ہوئی ہے' یہ رزق اللہ ہے۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے لوگوں کو نہ جانے کیا ہو گیا ہے۔ اگر سات سال قحط سالی رہے اور پھر اللہ اپنے فضل وکرم سے بارش برسائے تو بھی یہ جھٹ سے زبان سے نکالنے لگیں گے کہ فلاں ستارے نے برسایا۔

مجاہدؒ فرماتے ہیں اپنی روزی تکذیب کو ہی نہ بنالو۔ یعنی یوں نہ کہو کہ فلاں فراخی کا سبب فلاں چیز ہے بلکہ یوں کہو کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ پس یہ بھی مطلب ہے اور یہ بھی قرآن میں ان کا کچھ حصہ نہیں بلکہ ان کا حصہ یہی ہے کہ یہ اسے جھوٹا کہتے رہیں۔ اور اسی مطلب کی تائید اس سے پہلے کی آیت سے بھی ہوتی ہے۔

فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ﴿٨٣﴾ وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ﴿٨٤﴾ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ﴿٨٥﴾ فَلَوْلَآ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ ﴿٨٦﴾ تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٨٧﴾

پس جب کہ روح نرخرے تک پہنچ جائے، اور تم اس وقت تک رہے ہو، ہم اس شخص سے بہ نسبت تمہارے بہت زیادہ قریب ہوتے ہیں لیکن تم نہیں دیکھ سکتے، پس اگر تم کسی کے زیر فرمان نہیں، اور اس قول میں سچے ہو تو ذرا اس روح کو تو لوٹا لو۔

عالم نزع کا ذکر: اسی مضمون کی آیتیں سورہ قیامہ میں بھی ہیں۔ فرماتا ہے کہ ایک شخص اپنے آخری وقت میں ہے نزع کا عالم ہے روح پرواز کر رہی ہے تم سب پاس بیٹھے دیکھ رہے ہو کوئی کچھ نہیں کر سکتا' ہمارے فرشتے جنہیں تم دیکھ نہیں سکتے تم سے بھی زیادہ قریب اس مرنے والے سے ہیں۔

جیسے اور جگہ ہے ﴿ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ﴾ الخ اللہ اپنے بندوں پر غالب ہے وہ تم پر اپنے پاس سے محافظ بھیجتا ہے جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آ جاتا ہے تو ہمارے بھیجے ہوئے اسے ٹھیک طور پر فوت کر لیتے ہیں پھر وہ سب کے سب اللہ تعالیٰ مولائے حق کی طرف بازگشت کرائے جائیں گے جو حاکم ہے اور جلد حساب لینے والا ہے۔ یہاں فرماتا ہے اگر سچ مچ تم لوگ کسی کے زیر فرمان نہیں ہو' اگر یہ حق ہے کہ تم دوبارہ جینے اور میدان قیامت میں حاضر ہونے کے قائل نہیں ہو اور اس میں تم حق پر ہو اگر تمہیں حشر ونشر کا یقین نہیں' اگر تم عذاب نہیں کیے جاؤ گے وغیرہ تو ہم کہتے ہیں اس روح کو جانے ہی کیوں دیتے ہو؟ اگر تمہارے بس میں ہے تو حلق تک پہنچی ہوئی روح کو واپس اس کی اصلی جگہ پہنچا دو پس یہ یاد رکھو جیسے اس روح اور اس جسم میں ڈالنے پر ہم قادر تھے اور تم نے دیکھ لیا ایسے ہی اسے نکالنے پر قادر تھے اور اسے بھی تم نے بہ چشم خود دیکھ لیا۔ یقین مانو اسی طرح ہم دوبارہ اس روح کو اس جسم میں ڈال کر نئی زندگی دینے پر بھی قادر ہیں۔

تمہارا نہ اپنی پیدائش میں دخل' تو مرنے میں پھر دوبارہ جی اٹھنے میں تمہارا دخل کہاں سے ہو گیا؟ جو تم کہتے پھرتے ہو کہ ہم مر کر نہیں جئیں گے۔

فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿٨٨﴾ فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ ۙ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ ﴿٨٩﴾ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿٩٠﴾ فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿٩١﴾ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿٩٢﴾ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿٩٣﴾ وَّتَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ ﴿٩٤﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿٩٥﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿٩٦﴾

پس جو کوئی بارگاہ الٰہی سے قریب ہوگا، اسے تو راحت ہے اور غذائیں ہیں اور آرام والی جنت ہے، اور جو شخص داہنے والوں میں سے ہے تو بھی سلامتی ہے تیرے لیے کہ تو داہنے والوں میں سے ہے، لیکن اگر کوئی جھٹلانے والوں گمراہوں میں سے ہے تو کھولتے گرم پانی کی مہمانی ہے، اور دوزخ میں جانا، یہ خبر سراسر حق اور قطعاً یقینی ہے، پس تو اپنے عظیم الشان پروردگار کی تسبیح کر۔

سعادت مند کی موت کی حالت: یہاں وہ احوال بیان ہو رہے ہیں جو موت کے وقت سکرات کے وقت دنیا کی آخری ساعت میں انسانوں کے ہوتے ہیں کہ یا تو وہ اعلیٰ درجہ کا اللہ کا مقرب ہے یا اس سے کم درجے کا ہے جن کے داہنے ہاتھ میں نامہ اعمال دیا جائے گا' یا بالکل بدنصیب ہے جو اللہ سے جاہل رہا اور راہ حق سے غافل رہا۔ تو فرماتا ہے کہ جو مقربین بارگارہ الٰہی ہیں' جو احکام کے عامل تھے نافرمانیوں کے تارک تھے انہیں تو فرشتے طرح طرح کی خوش خبریاں سناتے ہیں۔ جیسے کہ پہلے براءؓ کی حدیث گزری کہ رحمت کے فرشتے اس سے کہتے ہیں اے پاک روح' پاک جسم والی روح! چل راحت و آرام کی طرف چل' کبھی نہ ناراض ہونے والے رحمٰن کی طرف۔ روح سے مراد راحت ہے اور ریحان سے مراد آرام ہے۔ غرض دنیا کے مصائب سے راحت مل جاتی ہے ابدی سرور اور سچی خوشی اللہ کے غلام کو اسی وقت حاصل ہوتی ہے وہ ایک فراخی اور وسعت دیکھتا ہے' اس کے سامنے رزق اور رحمت ہوتی ہے۔ وہ جنت عدن کی طرف لپکتا ہے۔ حضرت ابوالعالیہ فرماتے ہیں جنت کی ایک ہری بھری شاخ آتی ہے اور اس وقت مقرب اللہ کی روح قبض کی جاتی ہے۔ محمد بن کعبؒ فرماتے ہیں مرنے سے پہلے ہر مرنے والے کو معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ جنتی ہے یا جہنمی ہے یااللہ! ہمارے اس وقت میں تو ہماری مدد کر ہمیں ایمان سے اٹھا اور اپنی رضامندی کی خوش خبری سنا کر سکون و راحت کے ساتھ یہاں سے لے جا۔ آمین گو سکرات کے وقت کی احادیث ہم سورہ ابراہیم کی آیت ﴿ يُثَبِّتُ اللّٰهُ ﴾ الخ کی تفسیر میں وارد کر چکے ہیں لیکن چونکہ یہ ان کا بہترین موقعہ ہے اس لیے یہاں ایک ٹکڑا بیان کرتے ہیں۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ حضرت ملک الموت علیہ السلام سے فرماتا ہے میرے فلاں بندے کے پاس جا اور اسے میرے دربار میں لے آ۔ میں نے اسے رنج' راحت' آرام' تکلیف' خوشی' ناخوشی غرض ہر آزمائش میں آزمالیا اور اپنی مرضی کے مطابق پایا۔ بس اب میں اسے ابدی راحت دینا چاہتا ہوں۔ جا اسے میرے خاص دربار میں پیش کر۔ ملک الموت علیہ السلام پانچ سو رحمت کے فرشتے اور جنت کے کفن اور جنتی خوشبوئیں ساتھ لے کر اس کے پاس آتے ہیں۔ گو ریحان ایک ہی ہوتا ہے لیکن سرے پر بیس قسمیں ہوتی ہیں ہر ایک کی جداگانہ مہک ہوتی ہے سفید ریشم ساتھ ہوتا ہے جس میں سے مشک کی لپیٹیں آتی ہیں الخ۔ مسند احمد میں ہے حضور ﷺ کی قرات ﴿ فَرُوْحٌ ﴾ را کے پیش سے تھی لیکن تمام قاریوں کی قرات را کے زبر سے ہے ﴿ يعنى فَرَوْحٌ ﴾۔ مسند میں ہے حضرت ام ہانیؓ نے رسول مقبول علیہ السلام سے پوچھا کیا مرنے کے بعد ہم آپس میں ایک دوسرے سے ملیں گے؟ اور ایک دوسرے کو دیکھیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا روح ایک پرند ہو جائے گی۔ جو درختوں کے میوے چگے گی یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔ اس وقت اپنے اپنے جسم میں چلی جائے گی۔ اس حدیث میں ہر مومن کے لیے بہت بڑی بشارت ہے۔ مسند احمد میں بھی اسکی شاہد ایک حدیث ہے جس کی اسناد بہت بہتر ہے اور متن بھی بہت قوی ہے۔

اور صحیح روایت میں ہے شہیدوں کی روحیں سبز رنگ پرندوں کے قالب میں ہیں ساری جنت میں جہاں چاہیں کھاتی پیتی رہتی ہیں' اور عرش تلے لٹکی ہوئی قندیلوں میں آ بیٹھتی ہیں۔ مسند احمد میں ہے کہ عبدالرحمن بن ابولیلیٰ ایک جنازے میں گدھے پر سوار جا رہے تھے آپ کی عمر اس وقت بڑھاپے کی تھی' سر اور داڑھی کے بال سفید تھے اسی اثناء میں آپ نے یہ حدیث بیان فرمائی کہ حضور ﷺ نے فرمایا جو اللہ کی ملاقات کو پسند کرتا ہے' اللہ بھی اس سے ملنا چاہتا ہے اور جو اللہ سے ملنے کو برا جانتا ہے اللہ بھی اس کی ملاقات سے کراہت کرتا ہے۔ صحابہ یہ سن کر سر جھکائے رونے لگے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیوں روتے کیوں ہو؟ صحابہؓ نے کہا حضور! بھلا موت کون چاہتا ہے؟ فرمایا سنو سنو مطلب سکرات کے وقت سے ہے۔ اس وقت نیک اور مقرب بندے کو تو راحت و انعام اور آرام دہ جنت کی خوش خبری سنائی جاتی ہے جس پر وہ تڑپ اٹھتا ہے اور چاہتا ہے کہ جہاں تک ممکن ہو جلد اللہ سے ملے تاکہ ان نعمتوں سے مالا مال ہو جائے پس اللہ بھی اس کی ملاقات کی تمنا کرتا ہے۔ اور اگر بدبندہ ہے تو اسے موت کے وقت گرم پانی اور جہنم کی مہمانی کی خبر دی جاتی ہے جس سے یہ بیزار ہو جاتا ہے اور اس کی روح رونگٹے رونگٹے میں چھپنے اور اٹکنے لگتی ہے اور یہ دل چاہتا ہے کہ کسی طرح اللہ کے حضور میں حاضر نہ ہوؤں۔ پس اللہ بھی اس کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے۔ پھر فرماتا ہے اگر وہ سعادت مندوں سے ہے تو موت کے فرشتے اسے سلام کہتے ہیں تجھ پر سلامتی ہو تو اصحاب یمین میں سے ہے اللہ کے عذابوں سے تو سلامتی پائے گا اور خود فرشتے بھی اسے سلام کرتے ہیں۔ جیسے اور آیت میں ہے ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا ﴾ الخ یعنی سچے پکے توحید والوں کے پاس ان کے انتقال کے وقت رحمت کے فرشتے آتے ہیں اور انہیں بشارت دیتے ہیں کہ کچھ ڈر خوف نہیں کچھ رنج و غم نہ کر جنت تیرے لیے حسب وعدہ تیار ہے۔ دنیا اور آخرت میں ہم تیری حمایت کے لیے موجود ہیں جو تمہارا جی چاہے تمہارے لیے موجود ہے جو تمنا تم کرو گے پوری ہو کر رہے گی' غفور و رحیم اللہ کے تم ذی عزت مہمان ہو۔ بخاری میں ہے یعنی تیرے لیے مسلم ہے کہ تو اصحاب یمین میں سے ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سلام یہاں دعا کے معنی میں ہو' واللہ اعلم۔ اور اگر مرنے والا حق کی تکذیب کرنے والا اور ہدایت سے کھویا ہوا ہے تو اس کی ضیافت اس گرم حمیم سے ہو گی جو آنتیں اور کھال تک جھلسا دے' پھر چوطرف سے جہنم کی آگ گھیر لے گی جس میں جلتا بھنتا رہے گا۔ پھر فرمایا یہ یقینی باتیں ہیں جن کے حق ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ پس اپنے بڑے رب کے نام کی تسبیح جپتا رہ۔ مسند میں ہے اس آیت کے اترنے پر آپ ﷺ نے فرمایا اسے رکوع میں رکھو اور ﴿ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى ﴾ اترنے پر فرمایا اسے سجدے میں رکھو۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں جس نے ﴿ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَ بِحَمْدِهٖ ﴾ کہا اس کے لیے جنت میں ایک درخت لگایا جاتا ہے (ترمذی) صحیح بخاری شریف کے ختم پر یہ حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا دو کلمے ہیں جو زبان پر ہلکے ہیں میزان میں بوجھل ہیں اللہ کو بہت پیارے ہیں ﴿ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ ﴾

﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰه ﴾ سورہ واقعہ کی تفسیر ختم ہوئی' اللہ قبول فرمائے۔ (اور ہمارے کل واقعات کا انجام بھلا کرے۔)

تفسیر سورۂ حدید مدینہ

تعارف سورت: ابوداؤد وغیرہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سونے سے پہلے ان سورتوں کو پڑھتے تھے جن کا شروع ﴿ سَبَّحَ یا يُسَبِّحُ ﴾ ہے اور فرماتے تھے کہ ان میں ایک آیت ہے جو ایک ہزار آیتوں سے افضل ہے۔ جس آیت کی فضیلت اس حدیث میں بیان ہوئی ہے غالباً وہ آیت ﴿ هُوَ الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُ ﴾ الخ ہے' واللہ اعلم۔ اسکا تفصیلی بیان عنقریب آرہا ہے' ﴿ ان شاء اللہ تعالیٰ ﴾ ۔

سُوْرَةُ الْحَدِيْدِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ تِسْعٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا اَرْبَعُ رُكُوْعَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ① لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يُحْيِ

وَيُمِيتُ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝

مہربان اور مشفق اللہ کے نام سے شروع

آسمانوں اور زمین میں جو ہے سب اللہ کی تسبیح کر رہا ہے وہ زبردست باحکمت ہے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اسی کی ہے' وہی زندگی دیتا ہے اور موت بھی اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، وہی پہلے ہے اور وہی پیچھے وہی ظاہر ہے اور وہی مخفی ہے اور وہ ہر چیز کو بخوبی جاننے والا ہے۔

اللہ کی تسبیح: تمام حیوانات سب نباتات اس کی پاکی بیان کرتے ہیں۔ ساتوں آسمان اور زمینیں اور ان کی مخلوق اور ہر ہر چیز اس کی ستائش کرنے میں مشغول ہے گو تم ان کی تسبیح نہ سمجھ سکو۔ اللہ حلیم و غفور ہے۔ اس کے سامنے ہر کوئی پست و عاجز ولاچار ہے۔ اسکی مقرر کردہ شریعت اور اس کے احکام حکمت سے پر ہیں۔ حقیقی بادشاہ جس کی ملکیت میں آسمان وزمین ہیں وہی ہے۔ خلق میں متصرف وہی ہے زندگی موت اسی کے قبضے میں ہے۔ وہی فنا کرتا ہے وہی پیدا کرتا ہے جسے جو چاہے عنایت فرماتا ہے ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے جو چاہتا ہے ہو جاتا ہے جو نہ چاہے نہیں ہو سکتا۔

اللہ اول اور آخر ہے: اس کے بعد کی آیت ﴿ هُوَ الْاَوَّلُ ﴾ وہ آیت ہے جس کی بابت اوپر کی حدیث میں گزرا کہ ایک ہزار آیتوں سے افضل ہے۔ حضرت ابوزمیلؒ حضرت ابن عباسؓ سے کہتے ہیں کہ میرے دل میں ایک کھٹکا ہے لیکن زبان پر لانے کو جی نہیں چاہتا۔ اس پر حضرت ابن عباسؓ نے مسکرا کر فرمایا شائد کچھ شک ہو گا جس سے کوئی نہیں بچا یہاں تک کہ قرآن میں ہے ﴿ فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ ﴾ الخ یعنی اگر تو جو کچھ تیری طرف نازل کیا گیا ہے اس میں شک میں ہو تو تجھ سے پہلے جو کتاب پڑھتے ہیں ان سے پوچھ لے الخ۔ پھر فرمایا جب تیرے دل میں کوئی شک ہو تو اس آیت کو پڑھ لیا کر ﴿ هُوَ الْاَوَّلُ ﴾ الخ۔ اس آیت کی تفسیر میں دس سے اوپر اقوال ہیں۔ بخاریؒ فرماتے ہیں یحییٰ کا قول ہے کہ ظاہر و باطن سے مراد از روئے علم کے ہر چیز پر ظاہر اور پوشیدہ ہونا ہے۔ یہ یحییٰ زیاد فراء کے لڑکے ہیں ان کی ایک تصنیف ہے جس کا نام معانی القرآن ہے۔

سوتے وقت کی ایک دعا: مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ سونے کے وقت یہ دعا پڑھا کرتے ﴿ اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ مُنْزِلَ التَّوْرٰةِ وَالْاِنْجِيْلِ فَالِقَ الْحَبِّ وَالنَّوٰى لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ شَيْءٍ اَنْتَ اٰخِذٌ بِنَا صِيَتِهٖ اَنْتَ الْاَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ وَاَنْتَ الْاٰخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْءٌ وَ اَنْتَ الظَّاهِرُ فَلَيْسَ فَوْقَكَ شَيْءٌ وَاَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَيْسَ دُوْنَكَ شَيْءٌ اقْضِ عَنَّا الدَّيْنَ وَ اَغْنِنَا مِنَ الْفَقْرِ ﴾ اے اللہ اے ساتوں آسمانوں کے اور عرش عظیم کے رب' اے ہمارے اور ہر چیز کے رب' اے تورات وانجیل کے اتارنے والے' اے دانوں اور گٹھلیوں کو اگانے والے' تیرے سوا کوئی لائق عبادت نہیں میں تیری پناہ میں آتا ہوں ہر اس چیز کی برائی سے کہ اس کی چوٹی تیرے ہاتھ ہے تو اول ہے کہ تجھ سے پہلے کچھ نہ تھا' تو ہی آخر ہے کہ تیرے بعد کچھ نہیں' تو ظاہر ہے کہ تجھ سے اونچی کوئی چیز نہیں' تو باطن ہے کہ تجھ سے چھپی کوئی چیز نہیں ہمارے قرض ادا کرادے اور ہمیں فقیری سے غنا دے۔

حضرت ابوصالحؒ اپنے متعلقین کو یہ دعا سکھاتے اور فرماتے سوتے وقت داہنی کروٹ پر لیٹ کر یہ دعا پڑھ لیا کرو۔ الفاظ میں کچھ ہیر پھیر ہے' ملاحظہ ہو مسلم۔ ابویعلی میں ہے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ کے حکم سے آپ ﷺ کا بستر قبلہ رخ بچھایا جاتا۔ آپ ﷺ آکر اپنے داہنے ہاتھ پر تکیہ لگا کر آرام فرماتے' پھر آہستہ آہستہ کچھ پڑھتے رہتے لیکن آخر رات میں با آواز بلند یہ دعا پڑھتے جو اوپر بیان ہوئی۔ الفاظ میں کچھ ہیر پھیر ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں جامع ترمذی میں ہے کہ حضور ﷺ اپنے صحابہؓ سمیت تشریف فرما تھے جو ایک

بادل سر پر آ گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا جانتے ہو یہ کیا ہے؟ صحابہؓ نے باادب جواب دیا اللہ اور اسکے رسول زیادہ جاننے والے ہیں۔ فرمایا اسے عنان کہتے ہیں یہ زمین کو سیراب کرنے والے ہیں۔ ان لوگوں پر بھی یہ برسائے جاتے ہیں جو نہ اللہ کے شکر گزار ہیں نہ اللہ کے پکارنے والے۔ پھر پوچھا معلوم ہے تمہارے اوپر کیا ہے؟ انہوں نے کہا اللہ اور اس کا رسول زیادہ باخبر ہے۔ فرمایا بلند محفوظ چھت اور لپٹی ہوئی موج۔ جانتے ہو تم میں اس میں کس قدر فاصلہ ہے؟ وہی جواب ملا۔ فرمایا پانچ سو سال کا راستہ۔ پھر پوچھا جانتے ہو اس کے اوپر کیا ہے؟ صحابہؓ نے پھر اپنی لاعلمی ان ہی الفاظ میں ظاہر کی تو آپ ﷺ نے فرمایا اس کے اوپر پھر دوسرا آسمان ہے اور ان دونوں آسمانوں میں بھی پانچ سو سال کا فاصلہ ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے سات آسمان گنوائے اور ہر دو میں اتنی ہی دوری بیان فرمائی۔ پھر سوال کر کے جواب سن کر فرمایا اس ساتویں کے اوپر اتنے ہی فاصلے سے عرش ہے پھر پوچھا جانتے ہو تمہارے نیچے کیا ہے؟ اور جواب وہی سن کر فرمایا دوسری زمین ہے۔ پھر سوال وجواب کے بعد فرمایا اس کے نیچے دوسری زمین ہے اور دونوں زمینوں کے درمیان بھی پانچ سو سال کا فاصلہ ہے اسی طرح سات زمینیں اسی فاصلہ کے ساتھ ایک دوسری کے نیچے بتلائیں۔ پھر فرمایا اس کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے اگر تم کوئی رسی سب سے نیچے کی زمین کی طرف لٹکاؤ تو وہ بھی اللہ کے پاس پہنچے گی پھر آپ ﷺ نے اسی آیت کی تلاوت کی۔ لیکن یہ حدیث غریب ہے اس کے راوی حسنؒ کا اسے اپنے استاد حضرت ابوہریرہؓ سے سننا ثابت نہیں جیسے کہ ایوب یونس اور علی بن زید محدثین کا قول ہے۔ بعض اہل علم نے اس حدیث کی شرح میں کہا ہے کہ اس سے مراد رسی کا اللہ تعالیٰ کے علم قدرت اور غلبے تک پہنچنا ہے (نہ کہ ذات باری تک' اللہ تعالیٰ کا علم اسکی قدرت اور اس کا غلبہ اور سلطنت بے شک ہر جگہ ہے لیکن وہ اپنی ذات سے عرش پر ہے جیسے کہ اس نے اپنا یہ وصف اپنی کتاب میں خود بیان فرمایا ہے۔ مسند احمد میں بھی یہ حدیث ہے اور اس میں دو دو زمینوں کے درمیان کا فاصلہ سات سو سال کا بیان ہوا ہے۔ ابن ابی حاتم اور بزار میں بھی یہ حدیث ہے لیکن ابن ابی حاتم میں رسی لٹکانے کا جملہ نہیں اور ہر دو زمین کے درمیان کی دوری اس میں بھی پانچ سو سال کی بیان ہوئی ہے۔ امام بزار نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اس روایت کا راوی آنحضرت سے بغیر حضرت ابوہریرہؓ کے اور کوئی نہیں۔ ابن جریر میں یہ حدیث مرسلاً مروی ہے یعنی قتادہ فرماتے ہیں ہم سے یوں ذکر کیا گیا ہے پھر حدیث بیان کرتے ہیں صحابی کا نام نہیں لیتے۔ ممکن ہے یہی ٹھیک ہو' واللہ اعلم۔

حضرت ابوذر غفاریؓ سے مسند بزار اور کتاب الاسماء والصفات بیہقی میں یہ حدیث مروی ہے لیکن اس کی اسناد میں نظر ہے اور متن میں غرابت و نکارت ہے' واللہ سبحانہ' وتعالیٰ اعلم۔ امام ابن جریر آیت وَمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ کی تفسیر میں حضرت قتادہ کا قول لائے ہیں کہ آسمان و زمین کے درمیان چار فرشتوں کی ملاقات ہوئی۔ آپس میں پوچھا کہ تم کہاں سے آرہے ہو؟ تو ایک نے کہا ساتویں آسمان سے مجھے اللہ عزوجل نے بھیجا ہے اور میں نے اللہ کو وہیں چھوڑا ہے۔ دوسرے نے کہا ساتویں زمین سے مجھے اللہ نے بھیجا تھا اور اللہ وہیں تھا۔ تیسرے نے کہا میرے رب نے مجھے مشرق سے بھیجا ہے جہاں وہ تھا۔ چوتھے نے کہا مجھے مغرب سے اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے اور میں اسے وہیں چھوڑ کر آرہا ہوں۔ لیکن یہ روایت بھی غریب ہے بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت قتادہ والی اوپر کی روایت جو مرسلاً بیان ہوئی ہے ممکن ہے وہ بھی حضرت قتادہ کا اپنا قول ہو جیسے یہ قول خود قتادہ کا اپنا ہے' واللہ اعلم۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ؕ یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ وَمَا یَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا یَعْرُجُ فِیْهَا ؕ وَهُوَ مَعَكُمْ اَیْنَ مَا كُنْتُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۴﴾ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاِلَی اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۵﴾ یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَیُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ ؕ وَهُوَ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۶﴾

وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا پھر عرش پر بیٹھا وہ خوب جانتا ہے اس چیز کو جو زمین میں جائے اور جو اس سے نکلے اور جو آسمان سے نیچے آئے اور جو کچھ چڑھ کر اس میں جائے جہاں کہیں تم ہو وہ تمہارے ساتھ ہے اور جو تم کر رہے ہو اللہ دیکھ رہا ہے آسمانوں کی اور زمین کی بادشاہی اسی کی ہے اور تمام کام اسی کی طرف پہنچائے جاتے ہیں وہی رات کو دن میں لے جاتا ہے اور وہی دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے سینے کے اندر کی پوشیدگیوں کا وہ پورا عالم ہے۔

آسمان وزمین کی پیدائش چھ دن میں: اللہ تعالیٰ کا زمین و آسمان کو چھے دن میں پیدا کرنا اور عرش پر قرار پکڑنا سورہ اعراف کی تفسیر میں پوری طرح بیان ہو چکا ہے۔ اس لیے یہاں دوبارہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ اسے بخوبی علم ہے کہ کس قدر بوندیں بارش کی زمین میں گئیں، کتنے دانے زمین میں پڑے اور کیا چارے پیدا ہوئے کس قدر کھیتیاں ہوئیں کتنے ہی پھل کھلے۔ جیسے اور آیت میں ہے ﴿ عِنْدَهٗ مَفَاتِيْحُ الْغَيْبِ ﴾ الخ غیب کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں جنہیں بجز اس کے اور کوئی جانتا ہی نہیں۔ وہ خشکی اور تری کی تمام چیزوں کا عالم ہے۔ کسی پتے کا گرنا بھی اس کے علم سے باہر نہیں۔ زمین کی اندھیریوں میں پوشیدہ دانہ اور کوئی تر و خشک چیز ایسی نہیں جو کھلی کتاب میں موجود نہ ہو۔ اسی طرح آسمان سے نازل ہونے والی بارش اولے اور برف اور تقدیریں اور احکام جو بذریعہ برتر فرشتوں کے نازل ہوتے ہیں سب اس کے علم میں ہیں۔ سورہ بقرہ کی تفسیر میں یہ گزر چکا ہے کہ اللہ کے مقرر کردہ فرشتے بارش کے ایک ایک قطرے کو اللہ کی بتلائی ہوئی جگہ میں پہنچا دیتے ہیں۔ آسمان سے اترنے والے فرشتے اور اعمال بھی اس کے وسیع علم میں ہیں جیسے صحیح حدیث میں ہے رات کے اعمال دن سے پہلے اور دن کے عمل رات سے پہلے اس کی جناب میں پیش کر دیے جاتے ہیں۔ وہ تمہارے ساتھ ہے یعنی تمہارا نگہبان ہے۔ تمہارے اعمال وافعال کو دیکھ رہا ہے جیسے بھی ہوں جو بھی ہوں اور تم بھی خواہ خشکی میں خواہ تری میں ہو راتیں ہوں یا دن ہوں، تم گھر میں ہو یا جنگل میں ہو ہر حالت میں اس کے علم کے لیے یکساں ہر وقت اس کی نگاہیں اور اس کا سننا تمہارے ساتھ ہے۔ تمہارے کلمات وہ سنتا رہتا ہے تمہارا حال وہ دیکھتا رہتا ہے۔ تمہارے چھپے کھلے کا اسے علم ہے۔ جیسے فرمایا ہے کہ اس سے جو چھپنا چاہے اس کا وہ فعل فضول ہے۔ بھلا ظاہر باطن بلکہ دلوں کے ارادے تک سے واقفیت رکھنے والے سے کوئی کیسے چھپ سکتا ہے۔ اور آیت میں ہے پوشیدہ باتیں ظاہر باتیں راتوں کو دن کو جو بھی ہوں سب اس پر روشن ہیں۔ سچ ہے وہی رب ہے وہی معبود برحق ہے۔

صحیح حدیث میں ہے کہ جبرئیل علیہ السلام کے سوال پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت اس طرح کر کہ گویا تو اللہ کو دیکھ رہا ہے پس اگر تو اسے نہیں دیکھ رہا تو وہ تو تجھے دیکھ رہا ہے۔ ایک شخص آ کر رسول اللہ ﷺ سے عرض کرتا ہے کہ یا رسول اللہ! مجھے کوئی ایسا حکمت کا توشہ دیجئے کہ میری زندگی سنور جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا لحاظ کر اور اس سے اس طرح شرما جیسے کہ تو اپنے کسی نزدیکی نیک قرابت دار سے شرماتا ہے جو تجھ سے کبھی جدا نہ ہوتا ہو۔ یہ حدیث ابو بکر اسمعیلی نے روایت کی ہے، سند غریب ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے جس نے تین کام کر لیے اس نے ایمان کا مزہ اٹھا لیا۔ اللہ ایک کی عبادت کی اور اپنے مال کی زکوۃ ہنسی خوشی راضی رضامندی سے ادا کی۔ جانور اگر زکوۃ میں دینے ہیں تو بوڑھے بیکار دبلے پتلے اور بیمار نہ دیئے بلکہ درمیانہ راہ للہ میں دیا۔ اور اپنے نفس کو پاک کیا۔ اس پر ایک شخص نے سوال کیا کہ حضور! نفس کو پاک کرنے کا کیا مطلب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اس بات کو دل میں محسوس کرے اور یقین و عقیدہ رکھے کہ ہر جگہ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ہے (ابو نعیم)۔ اور حدیث میں ہے افضل ایمان یہ ہے کہ تو جان رکھے کہ تو جہاں کہیں ہے اللہ تیرے ساتھ ہے (نعیم بن حماد)۔ حضرت امام احمدؒ اکثر ان دو شعروں کو پڑھتے رہتے تھے

﴿ اِذَا مَا خَلَوْتَ الدَّهْرَ يَوْمًا فَلَا تَقُلْ   خَلَوْتُ وَلٰكِنْ قُلْ عَلَیَّ رَقِيْبُ ﴾

﴿ وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ يَغْفِلُ سَاعَةً   وَ لَا اَنَّ مَا يَخْفٰی عَلَيْهِ يَغِيْبُ ﴾

جب تو بالکل تنہائی اور خلوت میں ہو اس وقت بھی یہ نہ کہہ کہ میں اکیلا ہی ہوں بلکہ کہتا رہ کہ تجھ پر ایک نگہبان ہے یعنی اللہ تعالیٰ۔ کسی ساعت

اللہ تعالیٰ کو بے خبر نہ سمجھ' اور مخفی سے مخفی کام کو اس پر مخفی نہ مان۔ پھر فرماتا ہے کہ دنیا اور آخرت کا مالک وہی ہے جیسے اور آیت میں ہے ﴿وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰی﴾ دنیا اور آخرت کی ملکیت ہماری ہی ہے۔ اس کی تعریف اس بادشاہت پر بھی کرنی ہمارا فرض ہے۔ فرماتا ہے ﴿وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَهُ الْحَمْدُ فِی الْاُوْلٰی وَالْاٰخِرَةِ﴾ وہی معبود برحق ہے اور وہی سزاوار حمد و ثنا ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اور آیت میں ہے اللہ کے لیے تمام تعریفیں ہیں جس کی ملکیت میں آسمان و زمین کی تمام چیزیں ہیں اور اسی کی حمد ہے آخرت میں اور وہ دانا اور خبردار ہے۔ پس ہر وہ چیز جو آسمان و زمین میں ہے اس کی بادشاہت میں ہے۔ ساری آسمان و زمین کی مخلوق اس کی غلام اور اس کی خدمت گزار اور اس کے سامنے پست ہے۔

جیسے فرمایا ﴿اِنْ كُلُّ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِی الرَّحْمٰنِ عَبْدًا﴾ الخ آسمان و زمین کی کل مخلوق رحمٰن کے سامنے غلامی کی حیثیت میں پیش ہونے والی ہے' ان سب کو اس نے گھیر رکھا ہے اور سب کو ایک ایک کر کے گن رکھا ہے اسی کی طرف تمام امور لوٹائے جاتے ہیں' اپنی مخلوق میں جو چاہے حکم دیتا ہے وہ عادل ہے ظلم نہیں کرتا بلکہ ایک نیکی کو دس گنا بڑھا کر دیتا ہے اور پھر اپنے پاس سے اجر عظیم عنایت فرماتا ہے ارشاد ہے ﴿وَنَضَعُ الْمَوَازِیْنَ﴾ الخ قیامت کے روز ہم عدل کی ترازو رکھیں گے اور کسی پر ظلم نہ کیا جائے گا' رائی کے برابر کا عمل بھی ہم سامنے لا رکھیں گے اور ہم حساب کرنے اور لینے میں کافی ہیں۔ پھر فرمایا خلق میں تصرف بھی اسی کا چلتا ہے' دن رات کی گردش بھی اسی کے ہاتھ ہے۔ اپنی حکمت سے گھٹاتا بڑھاتا ہے۔ کبھی کے دن لمبے' کبھی کی راتیں اور کبھی دونوں یکساں۔ کبھی جاڑا' کبھی گرمی' کبھی بارش' کبھی بہار کبھی خزاں۔ اور یہ سب بندوں کی خیر خواہی اور ان کی مصلحت کے لحاظ سے ہے۔ وہ دلوں کی چھوٹی سے چھوٹی باتوں اور دور کے پوشیدہ رازوں سے بھی واقف ہے۔

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِیْنَ فِیْهِ ۚ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِیْرٌ ﴿۷﴾ وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ وَالرَّسُوْلُ یَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ اَخَذَ مِیْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۸﴾ هُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ عَلٰی عَبْدِهٖۤ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ لِّیُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴿۹﴾ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِیْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ لَا یَسْتَوِیْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ؕ اُولٰٓىِٕكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰی ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ﴿۱۰﴾ مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗۤ اَجْرٌ كَرِیْمٌ ﴿۱۱﴾

ع ۱ | ۱۷

اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ اور اس مال میں سے خرچ کرو جس میں اللہ نے تمہیں دوسروں کا جانشین بنایا ہے پس تم میں سے جو ایمان لائیں اور خیراتیں کریں انہیں بہت بڑا ثواب ملے گا۔ تم اللہ پر ایمان کیوں نہیں لاتے؟ حالانکہ خود رسول تمہیں اپنے رب پر ایمان لانے کی دعوت دے رہا ہے اور اگر تمہیں باور ہو تو وہ تو تم سے مضبوط عہد و پیمان بھی لے چکا ہے۔ وہ ہے جو اپنے بندے پر واضح آیتیں اتارتا ہے تاکہ وہ تمہیں اندھیریوں سے نور کی

طرف لے جائے یقیناً اللہ تعالیٰ تم پر نرمی کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے تمہیں کیا ہو گیا ہے جو تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے؟ دراصل آسمانوں اور زمینوں کی میراث کا مالک تنہا اللہ ہی ہے۔ تم میں سے جن لوگوں نے فتح سے پہلے راہ للہ دیا ہے اور جہاد کیا ہے وہ دوسروں کے برابر نہیں بلکہ ان سے بہت بڑے درجے کے ہیں جنہوں نے فتح کے بعد خیراتیں دیں اور جہاد کیے ہاں بھلائی کا وعدہ تو اللہ تعالیٰ کا ان سب سے ہے جو کچھ تم کر رہے ہو اس سے اللہ خبردار ہے۔ کوئی ہے؟ جو اللہ تعالیٰ کو اچھی طرح قرض کے طور پر دے پھر اللہ تعالیٰ اسے اس کے لیے بڑھاتا چلا جائے اور اس کا پسندیدہ اجر ثابت ہو جائے۔

اللہ اور رسول ﷺ پر ایمان لاؤ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے اوپر اور اپنے رسول ﷺ کے اوپر ایمان لانے اور اس پر مضبوطی اور ہمیشگی کے ساتھ جم کر رہنے کی ہدایت فرماتا ہے۔ اور اپنی راہ میں خیرات کرنے کی رغبت دلاتا ہے جو مال ہاتھوں ہاتھ تمہیں اس نے پہنچایا ہو تم اس کی اطاعت گزاری میں اسے خرچ کرو۔ اور سمجھ لو کہ جس طرح دوسرے ہاتھوں سے تمہیں ملا ہے اسی طرح عن قریب تمہارے ہاتھوں سے دوسرے ہاتھوں میں چلا جائے گا اور تم پر حساب اور عتاب رہ جائے گا۔ اور اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ تیرے بعد تیرا وارث ممکن ہے کہ نیک ہو اور وہ تیرے ترکے کو میری راہ میں خرچ کر کے مجھ سے بہت نزدیکی حاصل کرے۔ اور ممکن ہے کہ وہ بد ہو اور اپنی بدمستی اور سیاہ کاری میں تیرا اندوختہ فنا کر دے اور اس کی بدیوں کا باعث تو بنے' نہ تو چھوڑتا نہ وہ اڑاتا۔ حضور ﷺ سورہ ﴿ الْهٰكُمُ ﴾ پڑھ کر فرمانے لگے انسان گو کہتا رہتا ہے یہ بھی میرا مال ہے یہ بھی میرا مال ہے' حالانکہ دراصل انسان کا مال وہ ہے جو کھالیا' پہن لیا' صدقہ کر دیا۔ کھایا ہوا فنا ہو گیا پہنا ہوا پرانا ہو کر برباد ہو گیا ہاں راہ للہ دیا ہوا بطور خزانہ کے جمع رہا (مسلم)۔

اور جو رہ گیا وہ تو اوروں کا مال ہے تو تو اسے جمع کر کے چھوڑ جانے والا ہے۔ پھر ان ہی دونوں باتوں کی ترغیب دلاتا ہے اور بہت بڑے اجر کا وعدہ دیتا ہے۔ پھر فرماتا ہے تمہیں ایمان سے کون سی چیز روکتی ہے؟ رسول اللہ ﷺ تم میں موجود ہیں وہ تمہیں ایمان کی طرف بلا رہے ہیں دلیلیں دے رہے اور معجزے دکھا رہے ہیں۔ صحیح بخاری کی شرح کے ابتدائی حصے کتاب الایمان میں ہم یہ حدیث بیان کر آئے ہیں کہ حضور ﷺ نے پوچھا سب سے زیادہ اچھے ایمان والے تمہارے نزدیک کون ہیں؟ کہا فرشتے۔ فرمایا وہ تو اللہ کے پاس ہی ہیں پھر ایمان کیوں نہ لاتے؟ کہا پھر انبیاء فرمایا ان پر تو وحی اور کلام اللہ اترتا ہے وہ کیسے ایمان نہ لاتے؟ کہا پھر ہم۔ فرمایا واہ تم ایمان سے کیسے رک سکتے تھے میں تم میں زندہ موجود ہوں۔ سنو! بہترین اور عجیب تر ایمان دار وہ لوگ ہیں جو تمہارے بعد آئیں گے۔ صحیفوں میں لکھا دیکھیں گے اور ایمان قبول کریں گے۔ سورہ بقرہ کے شروع میں آیت ﴿ اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ ﴾ کی تفسیر میں بھی ہم ایسی احادیث لکھ آئے ہیں۔

پھر انہیں روز میثاق کا قول قرار یاد دلاتا ہے جیسے اور آیت میں ہے ﴿ وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ﴾ الخ اس سے مراد رسول اللہ سے بیعت کرنا ہے۔ اور امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں مراد وہ میثاق ہے جو حضرت آدم علیہ السلام کی پیٹھ میں ان سے لیا گیا تھا۔ مجاہدؒ کا بھی یہی مذہب ہے' واللہ اعلم۔ وہ اللہ جو اپنے بندے پر روشن حجتیں اور بہترین دلائل اور عمدہ تر آیتیں نازل فرماتا ہے تاکہ ظلم و جہل کی گھنگھور گھٹاؤں اور رائے قیاس کی بدترین اندھیریوں سے تمہیں نکال کر نورانی اور روشن' صاف اور سیدھی راہ حق پر لا کھڑا کر دے۔ اللہ رؤف ہے ساتھ ہی رحیم ہے۔ یہ اس کا سلوک اور کرم ہے کہ لوگوں کی راہ نمائی کے لیے کتابیں اتاریں' رسول بھیجے' شک شبہات دور کر دیے۔ ہدایت کی وضاحت کر دی۔ ایمان اور خیرات کا حکم کر کے پھر ایمان کی رغبت دلا کر اور یہ بیان فرما کر کہ ایمان نہ لانے کا اب کوئی عذر میں نے باقی نہیں رکھا پھر صدقات کی رغبت دلائی اور فرمایا میری راہ میں خرچ کرو اور فقیری سے نہ ڈرو اس لیے کہ جس کی راہ میں تم خرچ کر رہے ہو وہ زمین و آسمان کے خزانوں کا تنہا مالک ہے۔ عرش و کرسی اسی کی ہے اور وہ تم سے اس خیرات کے بدلے کا وعدہ کر چکا ہے۔ فرماتا ہے ﴿ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ وَ هُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴾ جو کچھ تم راہ للہ دو گے اس کا بہترین بدلہ وہ تمہیں دے گا اور روزی رساں درحقیقت وہی ہے۔ اور فرماتا ہے ﴿ مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ﴾ یہ فانی مال تم خرچ کرو گے وہ اپنے پاس کا ہمیشگی والا مال تمہیں دے گا۔ توکل والے خرچ

کرتے رہتے ہیں اور مالک عرش انہیں تنگی ترشی سے محفوظ رکھتا ہے۔ انہیں اس بات کا اعتماد ہوتا ہے کہ ہمارے فی سبیل اللہ خرچ کردہ مال کا بدلہ دونوں جہان میں ہمیں قطعاً مل کر رہے گا۔

فضائل صحابہ: پھر اس امر کا بیان ہو رہا ہے کہ فتح مکہ سے پہلے جن لوگوں نے راہ للہ خرچ کیے اور جہاد کیے اور جن لوگوں نے یہ نہیں کیا' گو بعد فتح مکہ کیا ہو یہ دونوں برابر نہیں ہیں۔ اس وجہ سے بھی کہ اس وقت تنگی ترشی زیادہ تھی اور قوت طاقت کم تھی اور اس لیے بھی کہ اس وقت ایمان وہی قبول کرتا تھا جس کا دل ہر میل کچیل سے پاک ہوتا تھا۔ فتح مکہ کے بعد تو اسلام کو کھلا غلبہ ملا' اور مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ ہوگئی اور فتوحات کی وسعت ہوئی اور ساتھ ہی مال بھی نظر آنے لگا۔ پس اس وقت اور اس وقت میں جتنا فرق ہے اتنا ہی ان لوگوں اور ان لوگوں کے اجر میں فرق ہے۔ انہیں بہت بڑے اجر ملیں گے۔ گو دونوں اصل بھلائی اور اصل اجر میں شریک ہیں۔ بعضوں نے کہا ہے فتح سے مراد صلح حدیبیہ ہے۔ اس کی تائید مسند احمد کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت خالد بن ولیدؓ اور حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ میں کچھ اختلاف ہو گیا' جس پر حضرت خالد بن ولیدؓ نے فرمایا تم اسی پر اکڑ رہے ہو کہ ہم سے کچھ دن پہلے اسلام لائے۔ جب حضور ﷺ کو اس کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا میرے صحابہ کو میرے لیے چھوڑ دو' اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر تم احد کے یا کسی اور پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرو تو بھی ان کے اعمال کو پہنچ نہیں سکتے۔ ظاہر ہے کہ یہ واقعہ حضرت خالدؓ کے مسلمان ہو جانے کے بعد کا ہے اور آپ صلح حدیبیہ کے بعد اور فتح مکہ سے پہلے ایمان لائے تھے اور یہ اختلاف جس کا ذکر اس روایت میں ہے بنو جذیمہ کے بارے میں ہوا تھا۔ حضور ﷺ نے فتح مکہ کے بعد حضرت خالدؓ کی امارت میں ان کی طرف ایک لشکر بھیجا تھا جب یہ وہاں پہنچے تو ان لوگوں نے پکارنا شروع کیا کہ ہم مسلمان ہو گئے لیکن اپنی ناواقفیت سے یہ تو نہ کہا کہ ہم اسلام لائے بلکہ کہنے لگے ہم صابی ہوئے' یعنی بے دین ہوئے اس لیے کہ کفار مسلمانوں کو یہی لفظ کہا کرتے تھے۔ حضرت خالدؓ نے (غالباً) اس کلمہ کا اصلی مطلب نہ سمجھ کر ان کے قتل کا حکم دیدیا بلکہ ان کے جو لوگ گرفتار کیے گئے تھے انہیں قتل کر ڈالنے کو فرمایا اس پر حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ان کی مخالفت کی۔ اس واقعہ کا مختصر بیان اوپر والی حدیث میں ہے۔

صحیح حدیث میں ہے میرے صحابہ کو برا نہ کہو اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو بھی ان کے تین پاؤ اناج کے ثواب کو نہیں پہنچے گا بلکہ ڈیڑھ پاؤ کو بھی نہ پہنچے گا۔ ابن جریر میں ہے حدیبیہ والے سال ہم حضور ﷺ کے ساتھ جب عسفان میں پہنچے تو آپ ﷺ نے فرمایا ایسے لوگ بھی آئیں گے کہ تم اپنے اعمال کو ان کے اعمال کے مقابلہ میں حقیر سمجھنے لگو گے۔ ہم نے کہا کیا قریشی؟ فرمایا نہیں بلکہ یمنی نہایت نرم دل نہایت خوش اخلاق سادہ مزاج۔ ہم نے کہا حضور! پھر کیا وہ ہم سے بہتر ہوں گے؟ آپ ﷺ نے جواب دیا کہ اگر ان میں سے کسی کے پاس احد پہاڑ کے برابر سونا بھی ہو اور وہ اسے راہ للہ خرچ کرے تو تم میں سے ایک کے تین پاؤ بلکہ ڈیڑھ پاؤ اناج کی خیرات کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ یاد رکھو کہ ہم میں اور دوسرے تمام لوگوں میں یہی فرق ہے۔ پھر آپ ﷺ نے اسی آیت ﴿ لا یستوی ﴾ کی تلاوت کی۔ لیکن یہ روایت غریب ہے۔ بخاری و مسلم میں حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت میں خارجیوں کے ذکر میں ہے کہ تم اپنی نمازیں ان کی نمازوں کے مقابلہ میں اور اپنے روزے ان کے روزوں کے مقابلہ پر حقیر اور کم تر شمار کرو گے وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے۔

ابن جریر میں ہے عن قریب ایک قوم آئے گی کہ تم اپنے اعمال کو کمتر سمجھنے لگو گے جب ان کے اعمال کے سامنے رکھو گے۔ صحابہؓ نے پوچھا کیا وہ قریشیوں میں سے ہوں گے؟ آپؐ نے فرمایا نہیں وہ سادہ مزاج نرم دل یہاں آنے والے ہیں اور آپؐ نے یمن کی طرف اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا پھر آپ ﷺ نے فرمایا وہ یمنی لوگ ہیں ایمان تو یمن والوں کا ایمان ہے اور حکمت یمن والوں کی حکمت ہے۔ ہم نے پوچھا کیا وہ ہم سے افضل ہوں گے؟ فرمایا اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر ان میں سے کسی کے پاس سونے کا پہاڑ ہو اور اسے وہ راہ

للہ دے ڈالے تو بھی تمہارے ایک مدیا آدھے مد کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ پھر آپ ﷺ نے اپنی اور انگلیاں تو بند کر لیں اور اپنی چھنگلیا کو دراز کر کے فرمایا خبردار رہو یہ ہے فرق ہم میں اور دوسرے لوگوں میں۔ پھر آپ ﷺ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ پس اس حدیث میں حدیبیہ کا ذکر نہیں۔ پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ممکن ہے فتح مکہ سے پہلے ہی فتح مکہ کے بعد کی خبر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو دے دی ہو جیسے کہ سورہ مزمل میں جو ان ابتدائی سورتوں میں سے ہے جو مکہ میں نازل ہوئی تھیں پروردگار نے خبر دی تھی کہ ﴿ وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ یعنی کچھ اور لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں پس جس طرح اس آیت میں ایک آنے والے واقعہ کا تذکرہ ہے اسی طرح اس آیت کو اور حدیث کو بھی سمجھ لیا جائے' واللہ اعلم۔

سب صحابہ عظیم ہیں: پھر فرماتا ہے کہ ہر ایک سے اللہ تعالیٰ نے بھلائی کا وعدہ کیا ہے یعنی فتح مکہ سے پہلے اور اس کے بعد بھی جس نے جو کچھ راہ للہ دیا ہے اس کا اجر وہ پائے گا۔ یہ اور بات ہے کہ کسی کو بہت زیادہ دیا جائے کسی کو اس سے کم۔ جیسے اور جگہ ہے کہ مجاہد اور غیر مجاہد جو عذر والے بھی نہ ہوں درجے میں برابر نہیں گو بھلے وعدے میں دونوں شامل ہیں۔ صحیح حدیث میں ہے قوی مومن اللہ کے نزدیک ضعیف مومن سے افضل ہے لیکن بھلائی دونوں میں ہے۔

اگر یہ فقرہ اس آیت میں نہ ہوتا تو ممکن تھا کہ کسی کو ان بعد والوں کی سبکی کا خیال گزرتا اس لیے فضیلت بیان فرما کر پھر عطف ڈال کر اصل اجر میں دونوں کو شریک بتایا۔ پھر فرمایا تمہارے تمام اعمال کی تمہارے رب کو خبر ہے وہ درجات میں جو تفاوت رکھتا ہے وہ بھی انداز سے نہیں بلکہ صحیح علم سے۔

اللہ صدقات کو بڑھاتا ہے: حدیث شریف میں ہے ایک درہم ایک لاکھ درہم سے بڑھ جاتا ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ اس آیت کے بڑے حصے دار حضرت ابوبکر صدیقؓ ہیں۔ اس لیے کہ اس پر عمل کرنے والے تمام نبیوں کی امت کے سردار آپ ہیں۔ آپ نے ابتدائی تنگی کے وقت اپنا کل مال راہ للہ دے دیا تھا جس کا بدلہ بجز اللہ کے کسی اور سے مطلوب نہ تھا۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں میں دربار رسالت مآب ﷺ میں تھا اور حضرت صدیق اکبرؓ بھی تھے صرف ایک عبا آپ کے جسم پر تھی گریبان کانٹے سے اٹکائے ہوئے تھے جو حضرت جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور پوچھا کیا بات ہے جو حضرت ابوبکر نے فقط ایک عبا پہن رکھی ہے اور کانٹا لگا رکھا ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا انہوں نے اپنا کل مال میرے کاموں میں فتح سے پہلے ہی راہ للہ خرچ کر ڈالا ہے اب ان کے پاس کچھ نہیں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا ان سے کہو کہ اللہ انہیں سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ کیا اس فقیری میں تم مجھ سے خوش ہو یا ناخوش ہو؟ آپ ﷺ نے حضرت صدیقؓ کو یہ سب کہہ کر سوال کیا۔ جواب ملا کہ میں اپنے رب عزوجل سے ناراض کیسے ہو سکتا ہوں میں اس حال میں بہت خوش ہوں۔ یہ حدیث سنداً ضعیف ہے' واللہ اعلم۔ پھر فرماتا ہے کون ہے جو اللہ کو اچھا قرض دے۔ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے خرچ کرنا ہے۔

بعضوں نے کہا ہے بال بچوں کو کھلانا پلانا وغیرہ خرچ مراد ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آیت اپنے عموم کے لحاظ سے دونوں صورتوں کو شامل ہو۔ پھر اس پر وعدہ فرماتا ہے کہ اسے بہت بڑھا چڑھا کر بدلہ ملے گا اور پاکیزہ تر روزی جنت میں ملے گی۔ اس آیت کو سن کر حضرت ابودحداح انصاریؓ حضور ﷺ کے پاس آئے اور کہا کیا ہمارا رب ہم سے قرض مانگتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں۔ کہا ذرا اپنا ہاتھ تو دیجئے۔ آپ ﷺ نے ہاتھ بڑھایا تو آپ ﷺ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر فرمایا میرا باغ جس میں کھجور کے چھ سو درخت ہیں وہ میں نے اپنے رب کو دیا۔ آپ کے بیوی بچے بھی اسی باغ میں تھے۔ آپ آئے اور باغ کے دروازے پر کھڑے رہ کر اپنی بیوی صاحبہ کو آواز دی' وہ لبیک کہتی ہوئی آئیں تو فرمانے لگے بچوں کو لے کر چلی آؤ میں نے یہ باغ اپنے رب عزوجل کو قرض دیدیا ہے۔ وہ خوش ہو کر کہنے لگیں آپ نے بہت نفع کی تجارت کی۔ اور بال بچوں کو اور گھر کے اثاثے کو لے کر باہر چلی آئیں۔ حضور ﷺ فرمانے لگے جنتی درخت وہاں کے باغات جو میووں سے لدے ہوئے اور جن کی شاخیں یاقوت اور موتی کی ہیں ابودحداح کو اللہ نے دیدیں۔

يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۲﴾ يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَاۗءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ۭ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ۭ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ﴿۱۳﴾ يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَاۗءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۱۴﴾ فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ ۭ هِيَ مَوْلٰىكُمْ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۵﴾

قیامت کے دن تو دیکھے گا کہ ایمان دار مردوں اور عورتوں کا نور ان کے آگے آگے اور ان کے دائیں دوڑ رہا ہوگا آج تمہیں ان جنتوں کی خوشخبری ہے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں جن میں ہمیشہ کی رہائش ہے یہ ہے بہترین کامیابی۔ اس دن منافق مرد عورت ایمان داروں سے کہیں گے کہ ہمارا انتظار تو کرو' کہ ہم بھی تمہارے نور سے کچھ روشنی حاصل کرلیں۔ جواب دیا جائے گا کہ تم اپنے پیچھے لوٹ جاؤ اور روشنی تلاش کرو پھر ان کے اور ان کے درمیان ایک دیوار حائل کردی جائے گی جس میں دروازہ بھی ہوگا۔ اس کے اندرونی حصہ میں تو رحمت ہوگی اور باہر کی طرف عذاب ہوگا۔ یہ چلا چلا کر ان سے کہیں گے کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟ یہ کہیں گے کہ ہاں تھے تو سہی لیکن تم نے اپنے تئیں گمراہی میں پھنسا رکھا تھا اور انتظار میں ہی رہے اور شک شبہ کرتے رہے اور تمہیں تمہاری فضول تمناؤں نے دھوکے میں ہی رکھا یہاں تک کہ اللہ کا حکم آ پہنچا اور تمہیں دھوکہ دینے والے نے دھوکے میں ہی رکھا۔ الغرض آج تم سے نہ فدیہ اور بدلہ قبول کیا جائے اور نہ کافروں سے تم سب کا ٹھکانا دوزخ ہے وہی تمہاری رفیق ہے اور وہ برا ٹھکانا ہے۔

روز قیامت مومن مرد اور عورتوں کی حالت: یہاں بیان ہو رہا ہے کہ مسلمانوں کے نیک اعمال کے مطابق انہیں نور ملے گا جو قیامت کے دن ان کے ساتھ ساتھ رہے گا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں ان میں بعض کا نور پہاڑوں کے برابر ہوگا اور بعض کا کھجور کے درختوں کے برابر اور بعض کا کھڑے انسان کے قد کے برابر۔ سب سے کم نور جس گنہگار مومن کا ہوگا اس کے پیر کے انگوٹھے پر نور ہوگا جو کبھی روشن ہوتا ہوگا اور کبھی بجھ جاتا ہوگا (ابن جریر)۔

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں ہم سے ذکر کیا گیا ہے کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے بعض مومن ایسے بھی ہوں گے جن کا نور اس قدر ہوگا کہ جس قدر مدینہ سے عدن دور ہے اور ابین دور ہے اور صنعاء دور ہے۔ بعض اس سے کم' بعض اس سے کم یہاں تک کہ بعض وہ بھی ہوں گے جن کے نور سے صرف ان کے دونوں قدموں کے پاس ہی اجالا ہوگا۔

حضرت جنادہ بن ابوامیہؒ فرماتے ہیں لوگو! تمہارے نام مع ولدیت کے اور خاص نشانیوں کے اللہ کے ہاں لکھے ہوئے ہیں اسی طرح تمہارا ہر ظاہر باطن عمل بھی وہاں لکھا ہوا ہے۔ قیامت کے دن نام لے کر پکار کر کہہ دیا جائے گا کہ اے فلاں یہ تیرا نور ہے اور اے فلاں تیرے لیے کوئی نور ہمارے ہاں نہیں' پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔

روز قیامت مؤمنوں کیلئے نور: حضرت ضحاکؒ فرماتے ہیں اول اول تو ہر شخص کو نور عطا ہو گا لیکن جب پل صراط پر جائیں گے منافقوں کا نور بجھ جائے گا۔ اسے دیکھ کر مومن بھی ڈرنے لگیں گے کہ ایسا نہ ہو ہمارا نور بھی بجھ جائے۔ تو اللہ سے دعائیں کریں گے کہ اے اللہ تعالیٰ! ہمارا نور ہمارے لیے پورا پورا کر۔ حضرت حسنؒ فرماتے ہیں اس آیت سے مراد پل صراط پر نور کا ملنا ہے تاکہ اس اندھیری جگہ سے بآرام گزر جائیں۔ رسول مقبول ﷺ فرماتے ہیں سب سے پہلے سجدے کی اجازت قیامت کے دن مجھے دی جائے گی اور اسی طرح سب سے پہلے سجدے سے سر اٹھانے کا حکم بھی مجھے ہو گا۔ میں آگے پیچھے دائیں بائیں نظریں ڈالوں گا اور اپنی امت کو پہچان لوں گا۔ تو ایک شخص نے کہا حضور! حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر آپ کی امت تک کی تمام امتیں اس میدان میں اکٹھی ہوں گی ان میں سے آپ اپنی امت کی شناخت کیسے کریں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا بعض مخصوص نشانیوں کی وجہ سے' میری امت کے اعضاء وضو چمک رہے ہوں گے یہ وصف کسی اور امت میں نہ ہو گا اور انہیں ان کے نامہ اعمال ان کے داہنے ہاتھوں میں دیئے جائیں گے اور ان کے چہرے چمک رہے ہوں گے اور ان کا نور ان کے آگے آگے چلتا ہو گا' اور ان کی اولاد ان کے ساتھ ہو گی۔ ضحاکؒ فرماتے ہیں ان کے دائیں ہاتھ میں ان کا عمل نامہ ہو گا جیسے اور آیتوں میں تشریح ہے۔ ان سے کہا جائے گا کہ آج تمہیں ان جنتوں کی بشارت ہے جن کے چپے چپے پر چشمے جاری ہیں جہاں سے کبھی نکلنا نہیں۔ یہ زبردست کامیابی ہے۔ اس کے بعد کی آیت میں میدان قیامت کے ہولناک دل شکن اور کپکپا دینے والے واقعہ کا بیان ہے کہ سوائے سچے ایمان اور کھرے اعمال والوں کے نجات کسی کو منہ نہ دکھائے گی۔

سلیم ابن عامر فرماتے ہیں ہم ایک جنازے کے ساتھ باب دمشق میں تھے جب جنازے کی نماز ہو چکی اور دفن کا کام شروع ہوا تو حضرت ابو امامہ باہلیؓ نے فرمایا لوگو! تم اس دنیا کی منزل میں آج صبح شام کر رہے ہو نیکیاں برائیاں کر سکتے ہو اس کے بعد ایک اور منزل کی طرف تم سب کوچ کرنے والے ہو۔ وہ منزل یہی قبر کی ہے جو تنہائی کا' اندھیرے کا' کیڑوں کا اور تنگی و تاریکی والا گھر ہے مگر جس کے لیے اللہ تعالیٰ اسے وسعت دیدے۔ یہاں سے تم پھر میدان قیامت کے مختلف مقامات پر وارد ہو گے۔ ایک جگہ بہت سے لوگوں کے چہرے سفید ہو جائیں گے اور بہت سے لوگوں کے سیاہ پڑ جائیں گے۔ پھر ایک میدان میں جاؤ گے جہاں سخت اندھیرا ہو گا۔ وہاں ایمان داروں کو نور تقسیم کیا جائے گا اور کافر و منافق بے نور رہ جائیں گے۔ اسی کا ذکر آیت ﴿ اَوْ کَظُلُمٰتٍ ﴾ الخ میں ہے۔ پس جس طرح آنکھوں والوں کی بصارت سے اندھا کوئی نفع حاصل نہیں کر سکتا منافق و کافر ایمان دار کے نور سے کچھ فائدہ نہ اٹھا سکے گا۔ تو منافق ایمان داروں سے آرزو کریں گے کہ اس قدر آگے نہ بڑھ جاؤ کچھ تو ٹھہر و جو ہم بھی تمہارے نور کے سہارے چلیں۔ تم جس طرح دنیا میں مسلمانوں کے ساتھ فن فریب کرتے تھے آج ان سے کہا جائے گا کہ لوٹ جاؤ اور نور تلاش کر لاؤ۔ یہ واپس نور کی تقسیم کی جگہ جائیں گے لیکن وہاں کچھ نہ پائیں گے۔ یہی اللہ کا وہ مکر ہے جس کا بیان ﴿ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ﴾ میں ہے۔ اب لوٹ کر یہاں جو آئیں گے' تو دیکھیں گے کہ مومنوں اور ان کے درمیان ایک دیوار حائل ہو گئی ہے جس کے اس طرف رحمت ہی رحمت ہے اور اس طرف عذاب و سزا ہی سزا ہے۔ پس منافق نور کی تقسیم کے وقت تک دھوکے میں ہی پڑا رہے گا۔ نور مل جانے پر بھید کھل جائے گا تمیز ہو جائے گی اور یہ منافق اللہ کی رحمت سے مایوس ہو جائیں گے۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب کامل اندھیرا چھایا ہوا ہو گا کہ کوئی انسان اپنا ہاتھ بھی نہ دیکھ سکے اس وقت اللہ تعالیٰ ایک نور ظاہر کرے گا۔ مسلمان اس طرف جانے لگیں گے تو منافق بھی پیچھے لگ جائیں گے' جب مومن زیادہ آگے نکل جائیں گے تو یہ انہیں ٹھہرانے کے لیے آواز دیں گے اور یاد دلائیں گے کہ دنیا میں ہم سب ساتھ ہی تھے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن لوگوں کو ان کی پردہ پوشی کے لیے ان کے ناموں سے پکارا جائے گا لیکن پل صراط پر تمیز ہو جائے گی مومنوں کو نور ملے گا' اور منافقوں کو بھی ملے گا لیکن جب درمیان میں پہنچ جائیں گے منافقوں کا نور بجھ جائے گا۔ یہ مومنوں کو آواز دیں گے لیکن اس وقت خود مومن خوف زدہ ہو رہے ہوں گے۔ یہ وہ وقت ہو گا کہ ہر ایک آپا دھاپی میں ہو گا۔ جس دیوار کا یہاں ذکر ہے یہ جنت و دوزخ کے درمیان حد فاصل ہو گی۔ اسی کا ذکر آیت ﴿ وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ﴾ میں ہے۔ پس جنت میں

رحمت اور جہنم میں عذاب۔

ٹھیک بات یہی ہے لیکن بعض کا قول ہے کہ اس سے مراد بیت المقدس کی دیوار ہے جو جہنم کی وادی کے پاس ہوگی۔ ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ یہ دیوار بیت المقدس کی شرقی دیوار ہے جس کے باطن میں مسجد وغیرہ ہے اور جس کے ظاہر میں وادی جہنم ہے۔ اور بعض بزرگوں نے بھی یہی کہا ہے۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ان کا مطلب یہ نہیں کہ بعینہ یعنی یہی دیوار اس آیت میں مراد ہے۔ بلکہ اس کا ذکر بطور قرب معنی کے اس آیت کی تفسیر میں ان حضرات نے کر دیا ہے اس لیے کہ جنت آسمانوں میں اعلیٰ علیین میں ہے اور جہنم اسفل السافلین میں۔ اور حضرت کعب احبارؒ سے جو مروی ہے کہ جس دروازے کا ذکر اس آیت میں ہے اس سے مراد مسجد کا باب الرحمت ہے یہ بنو اسرائیل کی روایت ہے جو ہمارے لیے سند نہیں بن سکتی۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ دیوار قیامت کے دن مومنوں اور منافقوں کے درمیان علیحدگی کے لیے کھڑی کی جائے گی۔ مومن تو اس دروازے میں سے جا کر جنت میں پہنچ جائیں گے پھر دروازہ بند ہو جائے گا اور منافق حیرت زدہ ظلمت و عذاب میں رہ جائیں گے۔ جیسے کہ دنیا میں بھی یہ لوگ کفر و جہالت' شک و حیرت کی اندھیریوں میں تھے۔ اب یہ یاد دلائیں گے کہ دیکھو دنیا میں ہم تمہارے ساتھ تھے جمعہ جماعت ادا کرتے تھے' عرفات اور غزوات میں موجود رہتے تھے' واجبات ادا کرتے تھے۔ ایمان دار کہیں گے ہاں بات تو ٹھیک ہے لیکن اپنے کرتوت تو دیکھو گناہوں میں' نفسانی خواہشوں میں' اللہ کی نافرمانیوں میں عمر بھر تم لذتیں اٹھاتے رہے آج توبہ کر لیں گے کل بداعمالیاں چھوڑ دیں گے اسی میں رہے' انتظار میں ہی عمر گزار دی کہ دیکھیں مسلمانوں کا نتیجہ کیا ہوتا ہے؟ اور تمہیں یہ بھی یقین نہ ہوا کہ قیامت آئے گی بھی یا نہیں؟ اور پھر اس آرزو میں رہے کہ اگر آئے گی بھی تو ہم ضرور بخش دیے جائیں گے اور مرتے دم تک اللہ کی طرف خلوص کے ساتھ جھکنے کی توفیق تمہیں میسر نہ آئی۔ اور اللہ کے ساتھ تمہیں دھوکے باز شیطان نے دھوکے میں ہی رکھا۔ یہاں تک کہ آج تم جہنم واصل ہو گئے۔

مطلب یہ ہے کہ جسموں سے تو تم ہمارے ساتھ تھے' لیکن دل اور نیت سے ہمارے ساتھ نہ تھے بلکہ حیرت و شک میں ہی پڑے رہے' ریاکاری میں رہے اور دل لگا کر اللہ کی یاد کرنی بھی تمہیں نصیب نہ ہوئی۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ یہ منافق مومنوں کے ساتھ تھے نکاح بیاہ مجلس مجمع موت و زیست میں شریک رہے لیکن اب یہاں بالکل الگ کر دیے گئے۔ سورہ مدثر کی آیتوں میں ہے کہ مسلمان مجرموں سے انہیں جہنم میں دیکھ کر پوچھیں گے کہ آخر یہاں تم کیسے پھنس گئے؟ اور وہ اپنے بداعمال گنوائیں گے۔ تو یاد رہے کہ یہ سوال صرف بطور ڈانٹ ڈپٹ کے اور انہیں شرمندہ کرنے کے ہوگا۔ ورنہ حقیقت حال سے مسلمان خوب آگاہ ہوں گے۔ پھر جیسے وہاں فرمایا تھا کہ کسی کی سفارش انہیں نفع نہ دے گی' یہاں فرمایا آج ان سے فدیہ نہ لیا جائے گا گو زمین بھر کر سونا دیں قبول نہ کیا جائے گا' نہ منافقوں سے نہ کافروں سے۔ ان کا مرجع و ماویٰ جہنم ہے وہی ان کے لائق ہے اور ظاہر ہے کہ وہ بدترین جگہ ہے۔

أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَكُونُوا كَالَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَاسِقُونَ ﴿١٦﴾ اعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يُحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿١٧﴾

کیا اب تک ایمان والوں کے لیے وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر سے اور جو حق اتر چکا ہے اس سے پگھل جائیں اور ان کی طرح نہ ہو جائیں جنہیں

ان سے پہلے کتاب دی گئی تھی پھر جب ان پر ایک زمانہ دراز گزر گیا تو ان کے دل سخت ہو گئے اور ان میں کے اکثر فاسق ہیں۔ یقین مانو کہ اللہ ہی زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کر دیتا ہے ہم نے تو تمہارے لیے اپنی آیتیں بیان کر دیں تاکہ تم سمجھو۔

اللہ تعالیٰ کا ڈر: پروردگار عالم فرماتا ہے کیا مومنوں کے لیے اب تک وہ وقت نہیں آیا؟ کہ ذکر الٰہی وعظ و نصیحت آیات قرآنی اور احادیث نبوی ﷺ سن کر ان کے دل موم ہو جائیں۔ سنیں اور مانیں' احکام بجالائیں ممنوعات سے پرہیز کریں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں قرآن نازل ہوتے ہی تیرہ سال کا عرصہ نہ گزرا تھا جو مسلمانوں کے دلوں کو اس طرف نہ جھکنے کی دیر کی شکایت کی گئی۔ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں چار ہی سال گزرے تھے جو ہمیں یہ عتاب ہوا (مسلم)۔ اصحاب رسول ﷺ پر ملال ہو کر حضور ﷺ سے کہتے ہیں' حضرت! کچھ بات تو بیان فرمایے پس یہ آیت اترتی ہے ﴿ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ ﴾ پھر ایک مرتبہ کچھ دنوں بعد یہی عرض کرتے ہیں تو آیت اترتی ہے ﴿ اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ ﴾ پھر ایک عرصہ بعد یہی کہتے ہیں تو یہ آیت ﴿ اَلَمْ يَاْنِ ﴾ اترتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں سب سے پہلی خیر جو میری امت سے اٹھ جائے گی وہ خشوع ہو گا۔ پھر فرمایا تم یہود و نصاریٰ کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے کتاب اللہ کو بدل دیا تھوڑے تھوڑے مول پر اسے فروخت کر دیا۔ پس کتاب اللہ کو پس پشت ڈال کر رائے قیاس کے پیچھے پڑ گئے اور از خود ایجاد کردہ اقوال کو ماننے لگے اور اللہ کے دین میں دوسروں کی تقلید کرنے لگے' اپنے علماء اور درویشوں کی بے سند باتیں دین میں داخل کر لیں' ان پر بداعمالیوں کی سزا میں اللہ نے ان کے دل سخت کر دیئے کچھ ہی اللہ کی باتیں کیوں نہ سناؤ ان کے دل نرم نہیں ہوتے۔ کوئی وعظ و نصیحت ان پر اثر نہیں کرتا' کوئی وعدہ وعید ان کے دل اللہ کی طرف رجوع نہیں کر سکتا بلکہ ان میں کے اکثر و بیشتر فاسق اور کھلے بدکار بن گئے' دل کے کھوٹے اور اعمال کے بھی کچے۔ جیسے اور آیت میں ہے ﴿ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ ﴾ الخ ان کی بدعہدی کی وجہ سے ہم نے ان پر لعنت نازل کی اور ان کے دل سخت کر دیئے یہ کلمات کو اپنی جگہ سے تحریف کر دیتے ہیں اور ہماری نصیحتیں بھلا بیٹھے ہیں۔ یعنی ان کے دل فاسد ہو گئے' اللہ کی باتیں بدلنے لگ گئے' نیکیاں چھوڑ دیں' برائیوں میں منہمک ہو گئے' اسی لیے رب العالمین اس امت کو متنبہ کر رہا ہے کہ خبردار! ان کی رنگت تم پر نہ چڑھ جائے۔ اصل و فرع میں ان سے بالکل الگ رہو۔

قرآن پر عمل کرو: ابن ابی حاتم میں ہے حضرت ربیع بن ابو عمیلہ فرماتے ہیں قرآن حدیث کی مٹھاس تو مسلم ہی ہے لیکن میں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے ایک بہت ہی پیاری اور میٹھی بات سنی ہے جو مجھے بے حد محبوب اور مرغوب ہے' آپ نے فرمایا جب بنو اسرائیل کی الہامی کتاب پر کچھ زمانہ گزر گیا تو ان لوگوں نے کچھ کتابیں خود تصنیف کر لیں' اور ان میں وہ مسائل لکھے جو انہیں پسند تھے اور جو اپنے ذہن سے انہوں نے تراش لیے تھے۔ اب مزے لے لے کر زبانیں موڑ موڑ کر انہیں پڑھنے لگے' ان میں کے اکثر مسائل اللہ کی کتاب کے خلاف تھے جن جن احکام کو ماننے کو ان کا جی نہ چاہتا تھا انہوں نے بدل ڈالے تھے اور اپنی کتاب میں اپنی طبیعت کے مطابق مسائل جمع کر لیے تھے اور انہی پر عامل بن گئے۔ اب انہیں سوجھی کہ اور لوگوں کو بھی منوائیں اور انہیں بھی آمادہ کریں کہ ان ہی ہماری لکھی ہوئی کتابوں کو شرعی کتابیں سمجھیں اور مدار عمل انہیں پر رکھیں۔ اب لوگوں کو اسی کی دعوت دینے لگے اور زور پکڑتے گئے یہاں تک کہ جو ان کی کتابوں کو نہ مانتا اسے یہ ستاتے تکلیف دیتے مارتے پیٹتے بلکہ قتل کر ڈالتے۔ ان میں ایک شخص اللہ والے پورے عالم اور متقی تھے انہوں نے ان کی طاقت سے اور زیادتی سے مرعوب ہو کر کتاب اللہ کو ایک لطیف چیز پر لکھ کر ایک نرسنگھے میں ڈال کر اپنی گردن میں اسے ڈال لیا ان لوگوں کا شر و فساد روز بروز بڑھتا جا رہا تھا یہاں تک کہ بہت سے ان لوگوں کو جو کتاب اللہ پر عامل تھے انہوں نے قتل کر دیا۔ پھر آپس میں مشورہ کیا کہ دیکھو یوں ایک ایک کو کب تک قتل کرتے رہیں گے؟ ان کا بڑا عالم اور ہماری اس کتاب کو بالکل نہ ماننے والا تمام بنی اسرائیل میں سب سے بڑھ کر کتاب اللہ کا عامل فلاں عالم ہے۔ اسے پکڑو اور اس سے اپنی یہ رائے قیاس کی کتاب منواؤ اگر وہ مان لے گا تو پھر ہماری چاندی ہی چاندی ہے اور اگر وہ نہ مانے تو اسے قتل کر دو پھر تمہاری اس کتاب کا مخالف کوئی نہ رہے گا اور دوسرے لوگ خواہ مخواہ ہماری ان کتابوں کو قبول کر لیں گے اور انہیں

ماننے لگیں گے۔ چنانچہ ان رائے قیاس والوں نے کتاب اللہ کے عالم و عامل اس بزرگ کو پکڑوا منگوایا اور اس سے کہا کہ دیکھ ہماری اس کتاب میں جو ہے اسے سب کو تو مانتا ہے یا نہیں؟ ان پر تیرا ایمان ہے یا نہیں؟ اس کتاب اللہ کے ماننے والے عالم نے کہا کہ اس میں تم نے کیا لکھا ہے؟ ذرا مجھے سناؤ تو' انہوں نے سنایا اور کہا اس کو تو مانتا ہے؟ اس بزرگ کو اپنی جان کا ڈر تھا اس لیے جرات کے ساتھ یہ تو نہ کہہ سکا کہ نہیں مانتا بلکہ اپنے اس نرسنگھے کی طرف اشارہ کر کے کہا میرا اس پر ایمان ہے۔ وہ سمجھ بیٹھے کہ اس کا اشارہ ہماری اس کتاب کی طرف ہے۔ چنانچہ اس کی ایذار سانی سے باز رہے لیکن تاہم اس کے اطوار و افعال سے کھٹکتے ہی رہے۔ یہاں تک کہ جب اس کا انتقال ہوا تو انہوں نے تفتیش شروع کی کہ ایسا نہ ہو اس کے پاس کتاب اللہ اور دین کے سچے مسائل کی کوئی کتاب ہو۔ آخر وہ نرسنگھا ان کے ہاتھ لگ گیا۔ پڑھا تو اس میں اصلی مسائل کتاب اللہ کے موجود تھے۔ اب بات بنالی کہ ہم نے تو کبھی یہ مسائل نہیں سنے' ایسی باتیں دین کی نہیں چنانچہ زبردست فتنہ برپا ہو گیا اور بہتر گروہ ہو گئے۔ ان سب میں بہتر گروہ جو راستی پر اور حق پر تھا وہ تھا جو اس نرسنگھے والے مسائل پر عامل تھے۔ حضرت ابن مسعودؓ نے یہ واقعہ بیان فرما کر کہا لوگو! تم میں سے بھی جو باقی رہے گا وہ ایسے ہی امور کا معائنہ کرے گا اور وہ بالکل بے بس ہو گا ان بری کتابوں کے مٹانے کی اس میں قدرت نہ ہو گی۔ پس ایسے مجبوری اور بے کسی کے وقت بھی اس کا یہ فرض تو ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ پر یہ ثابت کر دے کہ وہ انہیں سب کو برا جانتا ہے۔ امام ابو جعفر طبریؒ نے بھی یہ روایت نقل کی ہے کہ عتریس بن عرقوب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس آئے اور کہنے لگے اے ابو عبداللہ! جو شخص بھلائی کا حکم نہ کرے اور برائی سے نہ روکے وہ ہلاک ہوا۔ آپ نے فرمایا ہلاک وہ ہو گا جو اپنے دل سے اچھائی کو اچھائی نہ سمجھے اور برائی کو برائی نہ جانے۔ پھر آپ نے بنی اسرائیل کا یہ واقعہ بیان فرمایا۔

پھر ارشاد باری ہے کہ جان رکھو مردہ زمین کو اللہ زندہ کر دیتا ہے۔ اس میں اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ سخت دلوں کی سختی کے بعد بھی اللہ انہیں نرم کرنے پر قادر ہے۔ گمراہیوں کی تہ میں اتر جانے کے بعد بھی اللہ راہ راست پر لاتا ہے۔ جس طرح بارش خشک زمین کو تر کر دیتی ہے اسی طرح کتاب اللہ مردہ دلوں کو زندہ کر دیتی ہے۔ دلوں میں جب کہ گھٹاٹوپ اندھیرا چھا گیا ہو کتاب اللہ کی روشنی اسے دفعتہً منور کر دیتی ہے۔ اللہ کی وحی دل کے قفل کی کنجی ہے۔ سچا ہادی وہی ہے۔ گمراہی کے بعد راہ پر لانے والا' جو چاہے کرنے والا' حکمت و عدل والا' لطف و خیر والا' کبر و جلال والا' بلندی و علو والا وہی ہے۔

إِنَّ الْمُصَّدِّقِينَ وَالْمُصَّدِّقَاتِ وَأَقْرَضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا يُضَاعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ أَجْرٌ كَرِيمٌ ﴿١٨﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصِّدِّيقُونَ ۖ وَالشُّهَدَاءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ لَهُمْ أَجْرُهُمْ وَنُورُهُمْ ۖ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ﴿١٩﴾

ع ۲

صدقہ دینے والے مرد اور عورتیں اور جو اللہ کو خلوص کے ساتھ قرض دے رہے ہیں ان کے لیے یہ بڑھایا جائے گا اور ان کے لیے پسندیدہ اجر و ثواب ہے۔ اللہ اور اس کے رسول پر جو ایمان رکھتے ہیں وہی لوگ اپنے رب کے نزدیک صدیق اور شہید ہیں ان کے لیے ان کا اجر اور ان کا نور ہے اور جو کفر کرتے ہیں اور ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں وہ جہنمی ہیں۔

درجات مؤمنین: فقیر مسکین وغیرہ محتاجوں اور حاجت مندوں کو خالص اللہ کی مرضی کی جستجو میں لوگ اپنے حلال مال نیک نیتی سے راہ الٰہی صدقہ دیتے ہیں ان کے بدلے بہت کچھ بڑھا چڑھا کر اللہ تعالیٰ انہیں عطا فرمائے گا۔ دس دس گنے اور اس سے بھی زیادہ سات سات سو تک بلکہ اس سے بھی سوا۔ ان کے ثواب بے حساب ہیں ان کے اجر بہت بڑے ہیں۔

اللہ و رسول پر ایمان رکھنے والے ہی صدیق و شہید ہیں۔ ان دونوں اوصاف کے مستحق صرف باایمان لوگ ہیں۔ بعض حضرات

نے ﴿ الشهداء ﴾ کو الگ جملہ مانا ہے۔ غرض تین قسمیں ہوئیں ﴿ مصدقین 'صدیقین' شهداء ﴾ جیسے اور روایت میں ہے اللہ اور اس کے رسول کا اطاعت گزار انعام یافتہ لوگوں کے ساتھ ہے جو نبی اور صدیق اور شہید اور صالح لوگ ہیں۔ پس صدیق و شہید میں یہاں بھی فرق کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو قسم کے لوگ ہیں۔ صدیق کا درجہ شہید سے یقیناً بڑا ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جنتی لوگ اپنے سے اوپر کے بالاخانے والوں کو اس طرح دیکھیں گے جیسے چمکتے ہوئے مشرقی یا مغربی ستارے کو تم آسمان کے کنارے پر دیکھتے ہو۔ لوگوں نے کہا یہ درجے تو صرف انبیاء کے ہوں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ پر ایمان لائے اور رسولوں کی تصدیق کی (بخاری و مسلم۔)

ایک غریب حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شہید اور صدیق دونوں وصف اس آیت میں اسی مومن کے ہیں۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں میری امت کے مومن شہید ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے اسی آیت کی تلاوت کی۔ حضرت عمرو بن میمون کا قول ہے یہ دونوں ان دونوں انگلیوں کی طرح قیامت کے دن آئیں گے۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے شہیدوں کی روحیں سبز رنگ پرندوں کے قالب میں ہوں گی۔ جنت میں جہاں چاہیں کھاتی پیتی پھریں گی اور رات کو قندیلوں میں سہارا لیں گی ان کے رب نے ان کی طرف ۔۔۔۔۔۔ دیکھا اور پوچھا تم کیا چاہتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ یہ تو ہمیں دنیا میں دوبارہ بھیج تاکہ ہم پھر تیری راہ میں جہاد کریں اور شہادت حاصل کریں۔ اللہ نے جواب دیا یہ تو میں فیصلہ کر چکا ہوں کہ کوئی لوٹ کر پھر دنیا میں نہیں جائے گا۔ پھر فرماتا ہے کہ انہیں اجر و نور ملے گا۔ جو نور ان کے سامنے رہے گا اور ان کے اعمال کے مطابق ہوگا۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے شہیدوں کی چار قسمیں ہیں وہ پکے ایمان والا مومن جو اللہ کے دشمن سے بھڑ گیا اور لڑتا رہا یہاں تک کہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اس کا وہ درجہ ہے کہ اہل محشر اس طرح سر اٹھا اٹھا کر اس کی طرف دیکھیں گے اور یہ فرماتے ہوئے آپ ﷺ نے اس قدر اپنا سر بلند کیا کہ ٹوپی نیچے گر گئی۔ اور اس حدیث کے راوی حضرت عمرؓ نے بھی اسے بیان کرنے کے وقت اتنا ہی اپنا سر بلند کیا کہ آپ کی ٹوپی بھی زمین پر جا پڑی۔ دوسرا وہ' جو ہے ایماندار نکلا جہاد میں لیکن دل میں جرائت کم ہے کہ یکایک تیر آ لگا اور روح پرواز کر گئی۔ یہ دوسرے درجہ کا جنتی ہے شہید ہے۔ تیسرا نہ جس کے بھلے برے اعمال تھے لیکن رب نے اسے پسند فرما لیا اور میدان جہاد میں کفر کے ہاتھوں شہادت نصیب ہوئی یہ تیسرے درجے میں ہے۔ چوتھا وہ جس کے گناہ بہت زیادہ ہیں' جہاد میں نکلا اور اللہ نے شہادت نصیب فرما کر اپنے پاس بلوا لیا۔ ان نیک لوگوں کا انجام بیان کر کے اب بد لوگوں کا نتیجہ بیان کیا کہ یہ جہنمی ہیں۔

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّ زِيْنَةٌ وَّ تَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ۭ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطٰمًا ۭ وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ؀ سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ؀

خوب جان رکھو کہ دنیا کی زندگی صرف کھیل تماشا زینت اور آپس میں فخر و غرور اور مال و اولاد میں ایک کا دوسرے سے اپنے تئیں زیادہ بتلانا ہے۔ جیسے

بارش اور اسکی پیداوار کسانوں کو اچھی معلوم ہوتی ہے لیکن جب وہ خشک ہو جاتی ہے تو زرد رنگ دکھائی دینے لگتی ہے پھر تو بالکل چورا چورا ہو جاتی ہے اور آخرت میں سخت عذاب ہیں اور اللہ کی مغفرت اور رضامندی ہے دنیا کی زندگی بجز دھوکے کے اسباب کے اور کچھ بھی تو نہیں آؤ دوڑو اپنے رب کی مغفرت کی طرف اور اس جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان وزمین کی وسعت کے برابر ہے یہ ان کے لیے بنائی گئی ہے جو اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

دنیا عارضی اور فانی ہے: امر دنیا کی تحقیر و توہین بیان ہو رہی ہے کہ اہل دنیا کو بجز لہو ولعب زینت و فخر اور اولاد و مال کی بہتات کی چاہت کے سوا اور ہے ہی کیا؟ جیسے اور آیت میں ہے ﴿ زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ ﴾ الخ یعنی لوگوں کے لیے ان کی خواہش کی چیزوں کو مزین کر دیا گیا ہے جیسے عورتیں بچے وغیرہ الخ۔ پھر حیات دنیا کی مثال بیان ہو رہی ہے کہ اسکی تازگی فانی ہے اور یہاں کی نعمتیں زوال پذیر ہیں۔ غیث کہتے ہیں اس بارش کو جو لوگوں کی ناامیدی کے بعد برسے جیسے فرمان ہے ﴿ وَهُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا ﴾ اللہ وہ ہے جو لوگوں کی ناامیدی کے بعد بارش برساتا ہے۔ پس جس طرح بارش کی وجہ سے زمین کی کھیتیاں پیدا ہوتی ہیں اور وہ لہلہاتی ہوئی کسان کی آنکھوں کو بھلی معلوم ہوتی ہیں اسی طرح اہل دنیا اسباب دنیوی پر پھولتے ہیں' لیکن نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہی ہری بھری کھیتی خشک ہو کر زرد پڑ جاتی ہے پھر آخر سوکھ کر ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے۔ ٹھیک اسی طرح دنیا کی تروتازگی اور یہاں کی بہبودی اور ترقی بھی خاک میں مل جانے والی ہے۔ دنیا کی بھی یہی صورتیں ہوتی ہیں کہ ایک وقت جوان ہے پھر ادھیڑ ہے پھر بڑھیا ہے' ٹھیک اسی طرح خود انسان کی حالت ہے اس کے بچپن جوانی اور ادھیڑ عمر اور بڑھاپے کو دیکھ جایئے پھر اس کی موت اور فنا کو سامنے رکھیے۔ کہاں جوانی کے وقت کا اس کا جوش خروش زور طاقت اور کس بل' اور کہاں بڑھاپے کی کمزوری جھریاں پڑا ہوا جسم خمیدہ کمر اور بے طاقت ہڈیاں جیسے ارشاد باری ہے ﴿ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّ شَيْبَةً يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْقَدِيْرُ ﴾۔ اللہ وہ ہے جس نے تمہیں کمزوری کی حالت میں پیدا کیا پھر اس کی کمزوری کے بعد قوت دی پھر اس قوت کے بعد کمزوری اور بڑھاپا کر دیا' وہ جو چاہے پیدا کرتا ہے اور وہ عالم اور قادر ہے۔ اس مثال سے دنیا کی فنا اور اس کا زوال ظاہر کر کے پھر آخرت کے دونوں منظر دکھا کر ایک سے ڈراتا ہے اور دوسرے سے رغبت دلاتا ہے پس فرماتا ہے عن قریب آنے والی قیامت اپنے ساتھ عذابوں اور سزاؤں کو لائے گی اور مغفرت اور رضامندی رب کو لائے گی۔ پس تم وہ کام کرو کہ ناراضگی سے بچ جاؤ اور رضا حاصل کر لو۔ سزاؤں سے بچ جاؤ اور بخشش کے حق دار بن جاؤ۔ دنیا صرف دھوکے کی ٹٹی ہے اس کی طرف جھکنے والے پر آخر وہ وقت آ جاتا ہے کہ یہ اس کے سوا کسی اور چیز کا خیال ہی نہیں کرتا' اس کی دھن میں روز و شب مشغول رہتا ہے۔ بلکہ اس کمی والی اور زوال والی کمینی دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے لگتا ہے۔ شدہ شدہ یہاں تک نوبت پہنچ جاتی ہے کہ بسا اوقات آخرت کا منکر بن جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ایک کوڑے برابر کی جنت کی جگہ ساری دنیا اور اس کی تمام چیزوں سے بہتر ہے۔ پڑھو قرآن فرماتا ہے کہ دنیا تو صرف دھوکے کا سامان ہے (ابن جریر)۔ آیت کی زیادتی بغیر یہ حدیث صحیح میں بھی ہے' واللہ اعلم۔

مسند احمد کی مرفوع حدیث میں ہے تم میں سے ہر ایک سے جنت اس سے بھی زیادہ قریب ہے جتنا تمہارا جوتی کا تسمہ اور اسی طرح جہنم بھی (بخاری)۔ پس معلوم ہوا کہ خیر و شر انسان سے بہت نزدیک ہے اور اس لیے اسے چاہیے کہ بھلائیوں کی طرف سبقت کرے اور برائیوں سے منہ پھیر کر بھاگتا رہے تاکہ گناہ اور برائیاں معاف ہو جائیں اور ثواب اور درجے بلند ہو جائیں۔ اسی لیے اس کے ساتھ ہی فرمایا دوڑو اپنے رب کی بخشش کی طرف اور جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان وزمین کی جنس کے برابر ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے ﴿ وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴾ اپنے رب کی مغفرت کی طرف اور جنت کی طرف سبقت کرو جس کی کشادگی کل آسمان اور ساری زمینیں ہیں جو پارسا لوگوں کے لیے بنائی گئی ہے۔ یہاں فرمایا یہ اللہ و رسول پر ایمان لانے والوں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ یہ لوگ اللہ کے اس فضل کے لائق تھے اس لیے اس بڑے فضل و کرم والے نے اپنی نوازش کے لیے انہیں چن

لیا اور ان پر اپنا پورا پورا احسان اور اعلیٰ انعام کیا۔

پہلے ایک صحیح حدیث بیان ہو چکی ہے کہ مہاجرین کے فقراء نے حضور ﷺ سے کہا یا رسول اللہ! مال دار لوگ تو جنت کے بلند درجوں کو ہمیشگی والی نعمتوں کو پا گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ کیسے؟ تو کہا نماز روزہ تو وہ اور ہم سب کرتے ہیں لیکن مال کی وجہ سے وہ صدقہ کرتے ہیں غلام آزاد کرتے ہیں جو مفلسی کی وجہ سے ہم سے نہیں ہو سکتا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا آؤ میں تمہیں ایک ایسی چیز بتاؤں کہ اس کے کرنے سے تم ہر شخص سے آگے بڑھ جاؤ' مگر ان سے جو تمہاری طرح خود بھی اس کو کرنے لگیں۔ دیکھو تم ہر فرض نماز کے بعد تینتیس مرتبہ ﴿ سبحان الله ﴾ کہو۔ اور اتنی ہی بار ﴿ الله اکبر ﴾ اور اسی طرح ﴿ الحمدلله ﴾ کچھ دنوں بعد یہ بزرگ پھر حاضر حضور ﷺ ہوئے اور کہا یا رسول اللہ! ہمارے مال دار بھائیوں کو بھی اس وظیفہ کی اطلاع مل گئی اور انہوں نے بھی اسے پڑھنا شروع کر دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے۔

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿٢٢﴾ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰي مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِۨ ﴿٢٣﴾ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿٢٤﴾

نہ کوئی مصیبت دنیا میں آتی ہے نہ خاص تمہاری جانوں میں مگر کہ مخلوق کو ہم پیدا کریں اس سے پہلے ہی وہ ایک خاص کتاب میں لکھی ہوئی ہے یہ کام اللہ تعالیٰ پر بالکل ہی آسان ہے تاکہ تم اپنے سے فوت شدہ کسی چیز پر رنجیدہ نہ ہو جایا کرو اور نہ عطا کردہ چیز پر اترا جاؤ۔ اترانے والے شیخی خوروں کو اللہ پسند نہیں فرماتا جو خود بھی بخل کریں اور دوسروں کو بھی بخل کی تعلیم دیں سنو! جو بھی منہ پھیرے اللہ بے نیاز اور لائق حمد و ثنا ہے۔

اللہ نے تقدیر لکھی: اللہ تعالیٰ اپنی اس قدرت کی خبر دے رہا ہے کہ جو اس نے مخلوقات کے رچانے سے پہلے ہی اپنی مخلوق کی تقدیر مقرر کی تھی' تو فرمایا کہ زمین کے جس حصے میں کوئی برائی آئے یا جس کسی شخص کی جان پر کچھ آپڑے اسے یقین رکھنا چاہیے کہ خلق کی پیدائش سے پہلے ہی علم اللہ میں مقرر تھا اور اس کا ہونا یقینی تھا۔ بعض کہتے ہیں جانوں کی پیدائش سے پہلے ہی۔ بعض کہتے ہیں مصیبت کی پیدائش سے پہلے ہی۔ لیکن زیادہ ٹھیک بات یہ ہے کہ مخلوق کی پیدائش سے پہلے ہی۔ امام حسنؒ سے اس آیت کی بابت سوال ہوا تو فرمانے لگے' سبحان اللہ! ہر مصیبت جو آسمان و زمین میں ہے وہ جانوں کی پیدائش سے پہلے ہی رب کی کتاب میں موجود ہے۔ اس میں کیا شک ہے؟ زمین کی مصیبتوں سے مراد خشک سالی قحط وغیرہ ہے' اور جانوں کی مصیبت درد دکھ اور بیماری ہے۔ جس کسی کو کوئی خراش لگتی ہے یا لغزش پا سے کوئی تکلیف پہنچتی ہے یا کسی سخت محنت سے پسینہ آجاتا ہے یہ سب اس کے گناہوں کی وجہ سے ہے۔ اور ابھی تو بہت سے گناہ ہیں جنہیں وہ غفور و رحیم اللہ بخش دیتا ہے۔ یہ آیت بہترین اور بہت اعلیٰ دلیل ہے قدریہ تردید میں' جن کا خیال ہے کہ سابق علم کوئی چیز نہیں اللہ انہیں ذلیل کرے۔ صحیح مسلم شریف میں ہے اللہ تعالیٰ نے تقدیریں مقرر کیں آسمان و زمین کی پیدائش سے پچاس ہزار برس پہلے۔ اور روایت میں ہے اس کا عرش پانی پر تھا (ترمذی)۔ پھر فرماتا ہے کاموں کے وجود میں آنے سے پہلے ان کا اندازہ کر لینا' ان کے ہونے کا علم حاصل کر لینا اور اسے لکھ دینا اللہ پر کچھ مشکل نہیں۔ وہی تو ان کا پیدا کرنے والا ہے۔ جس کا محیط علم' ہو چکی ہوئی' ہوتی ہوئی اور ہونے والی تمام چیزوں کو شامل ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے ہم نے تمہیں یہ خبر اس لیے دی ہے کہ تم یقین رکھو کہ جو تمہیں پہنچا وہ ہرگز کسی صورت سے ٹلنے والا نہ تھا۔ پس مصیبت

کے وقت صبر و شکر' سہار و ثابت قدمی' مضبوط دلی اور روحانی طاقت تم میں موجود رہے۔ ہائے وائے' بے صبری اور بے ضبطی تم سے دور رہے۔ جزع فزع تم پر چھانہ جائے۔ تم اطمینان سے رہو کہ یہ تکلیف تو آنے والی تھی ہی۔ اسی طرح اگر مال و دولت غلبہ مل جائے تو اس وقت آپے سے باہر نہ ہو جاؤ' اسے اللہ تعالیٰ کا عطیہ مانو' تکبر اور غرور تم میں نہ آ جائے' ایسا نہ ہو کہ دولت و مال وغیرہ کے نشے میں پھول جاؤ اور اللہ کو بھول جاؤ۔ اس لیے کہ اس وقت بھی ہماری یہ تعلیم تمہارے سامنے ہو گی کہ یہ میرے دست و بازو کا' میری عقل و ہوش کا نتیجہ نہیں بلکہ خالق و رازق کا ہے۔

ایک قرات اس کی ﴿ اتکم ﴾ ہے دوسری ﴿ اتکم ﴾ ہے اور دونوں میں تلازم ہے۔ اسی لیے ارشاد ہوتا ہے کہ اپنے جی میں اپنے تئیں بڑا سمجھنے والے دوسروں پر فخر کرنے والے اللہ کے دشمن ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ کا فرمان ہے کہ رنج و راحت' خوشی و غم میں تو ہر شخص آتا ہے خوشی کو شکر میں اور غم کو صبر میں گزار دو۔ پھر ارشاد ہے کہ یہ لوگ خود بھی بخیل اور خلاف شرع کام کرنے والے ہیں اور دوسروں کو بھی یہی براراستہ بتلاتے ہیں۔ جو شخص اللہ کے حکم برداری سے ہٹ جائے وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑے گا کیوں کہ وہ تمام مخلوق سے بے نیاز ہے اور ہر طرح سزاوار حمد ہے۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ﴿ اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴾ یعنی اگر تم اور تمام روئے زمین کے انسان کافر ہو جائیں تو بھی اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اللہ ساری مخلوق سے غنی ہے اور مستحق حمد ہے۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَ اَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَ رُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۲۵﴾

ع ۳

یقیناً ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی دلیلیں دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور انصاف نازل فرمایا تا کہ لوگ عدل پر قائم رہیں اور ہم نے لوہے کو اتارا جس میں سخت ہیبت و لڑائی ہے اور لوگوں کے لیے اور بھی بہت سے فائدے ہیں اور اس لیے بھی کہ اللہ جان لے کہ اس کی اور اسکے رسولوں کی مدد بے دیکھے کون کرتا ہے اللہ ہے قوت والا اور زبردست۔

پیغمبروں پر معجزات کے نزول: اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ ہم نے اپنے پیغمبروں کو معجزے دے کر اور ظاہر حجتیں عطا کر فرما کر اور بھرپور دلائل دے کر دنیا میں مبعوث فرمایا۔ پھر ساتھ ہی کتاب بھی انہیں دی جو کھری اور صاف سچ ہے اور عدل و حق دیا جس سے ہر عقل مند انسان ان کی باتوں کے قبول کر لینے پر فطرتاً مجبور ہو جاتا ہے۔ ہاں بیمار رائے والے اور خلاف عقل والے اس سے محروم رہ جاتے ہیں۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَ يَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ ﴾ جو شخص اپنے رب کی طرف کی دلیل پر ہو اور ساتھ ہی اس کے شاہد بھی ہو۔ اور جگہ ہے اللہ کی یہ فطرت ہے جس پر مخلوق کو اس نے پیدا کیا ہے۔ اور فرماتا ہے آسمان کو اس نے بلند کیا اور میزان رکھ دی۔ پس یہاں فرمان ہے یہ اس لیے کہ لوگ حق و عدل پر قائم ہو جائیں' یعنی اتباع رسول ﷺ کرنے لگیں' امر رسول ﷺ بجالائیں۔ رسول ﷺ ہی کی تمام باتوں کو حق سمجھیں کیونکہ اس کے سوا سراسر حق کسی اور کا کلام نہیں' جیسے فرمان ہے ﴿ وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّ عَدْلًا ﴾ تیرے رب کا کلمہ جو اپنی خبروں میں سچا اور اپنے احکام میں عدل والا ہے پورا ہو چکا۔ یہی وجہ ہے کہ جب ایمان دار جنتوں میں پہنچ جائیں گے' اللہ کی نعمتوں سے مالا مال ہو جائیں گے تو کہیں گے اللہ کا شکر ہے جس نے ہمیں اس کی ہدایت کی' اگر اس کی ہدایت نہ ہوتی تو ہم اس راہ نہیں لگ سکتے تھے ہمارے رب کے رسول ﷺ ہمارے پاس حق لائے تھے۔

لوہا اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے: پھر فرماتا ہے ہم نے منکرین حق کی سرکوبی کے لیے لوہا بنایا ہے۔ یعنی اولاً تو کتاب و رسول اور حق سے حجت قائم کی' پھر ٹیڑھے دل والوں کی کجی نکالنے کے لیے لوہے کو پیدا کر دیا کہ اس کے ہتھیار بنیں اور اللہ کے دوست حضرات اللہ تعالیٰ کے دشمن کے دل کا کانٹا نکال دیں۔ یہی نمونہ حضور ﷺ کی زندگی میں بالکل عیاں نظر آتا ہے کہ مکہ شریف کے تیرہ سال مشرکین کو سمجھانے بجھانے توحید و سنت کی دعوت دینے ان کے بد عقائد کی اصلاح کرنے میں گزارے۔ خود اپنے اوپر مصیبتیں جھیلیں' لیکن جب یہ حجت ختم ہو گئی تو شرع نے مسلمانوں کو ہجرت کی اجازت دی۔ پھر حکم دیا کہ اب ان مخالفین سے جنہوں نے اسلام کی اشاعت کو روک رکھا ہے' مسلمانوں کو تنگ کر رکھا ہے' ان کی زندگی دوبھر کر دی ہے ان سے باقاعدہ جنگ کرو ان کی گردنیں مارو' اور ان مخالفین وحی الٰہی سے زمین کو پاک کرو۔

مسند احمد اور ابوداؤد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں میں قیامت کے آگے تلوار کے ساتھ بھیجا گیا ہوں یہاں تک کہ اللہ وحدہ لاشریک لہ کی ہی عبادت کی جائے۔ اور میرا رزق میرے نیزے کے سایہ تلے رکھا گیا ہے اور کمینہ پن اور ذلت ان لوگوں پر ہے جو میرے حکم کا خلاف کریں اور جو کسی قوم کی مشابہت کرے وہ انہی میں سے ہے۔ پس لوہے سے لڑائی کے ہتھیار بنتے ہیں جیسے تلوار نیزے چھریاں تیر زرہیں وغیرہ۔ اور لوگوں کے لیے اس کے علاوہ بھی بہت سے فائدے ہیں جیسے سلے کدال پھاوڑے آرے کھیتی کے آلات' بننے کے آلات' پکانے کے برتن' روٹی کے توے وغیرہ وغیرہ اور بہت سی ایسی ہی چیزیں جو انسانی زندگی کی ضروریات سے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں تین چیزیں حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ جنت سے آئیں نہائی' سنسی اور ہتھوڑا (ابن جریر)۔ پھر فرمایا تاکہ اللہ جان لے کہ ان ہتھیاروں کے اٹھانے سے اللہ رسول کی مدد کرنے کا نیک ارادہ کس کا ہے؟ اللہ قوت و غلبہ والا ہے اس کے دین کی جو مدد کرے وہ اس کی مدد کرتا ہے اس نے جہاد تو صرف اپنے بندوں کی آزمائش کے لیے مقرر فرمایا ورنہ غلبہ و نصرت تو اسی کی طرف سے ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّاِبْرٰهِيْمَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ ۙ وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً ۭ وَرَهْبَانِيَّةَۨ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَاۗءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۲۷﴾

بے شک ہم نے نوح اور ابراہیم کو پیغمبر بنا کر بھیجا اور ہم نے ان دونوں کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب جاری رکھی تو ان میں سے کچھ تو راہ یافتہ ہوئے اور ان میں اکثر نافرمان رہے۔ انکے بعد پھر بھی ہم اپنے رسولوں کو پے در پے بھیجتے رہے اور بیان کے بعد عیسیٰ بن مریم کو بھیجا اور انہیں انجیل عطا فرمائی اور ان کے ماننے والوں کے دلوں میں شفقت اور رحم پیدا کر دیا ہے ہاں رہبانیت (ترک دنیا) تو ان لوگوں نے از خود ایجاد کر لی تھی ہم نے ان پر اسے واجب نہ کی تھی لیکن ان کی نیت اللہ کی رضاجوئی تھی سو انہوں نے اس کی پوری رعایت نہ کی پھر بھی ہم نے ان میں سے جو ایمان لائے تھے انہیں ان کا اجر دیا ان میں زیادہ تر لوگ نافرمان ہیں۔

حضرت نوح اور ابراہیم کا ذکر: حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس فضیلت کو دیکھیے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد سے لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام تک جتنے پیغمبر آئے سب آپ ہی کی نسل سے آئے۔ اور پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد

جتنے نبی اور رسول آئے سب کے سب آپ ہی کی نسل سے ہوئے۔ جیسے اور آیت میں ہے ﴿ وَجَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ ﴾ یہاں تک کہ بنو اسرائیل کے آخری پیغمبر حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے حضور محمد ﷺ کی خوش خبری سنائی۔ پس نوح اور ابراہیم صلوات اللہ علیہما کے بعد برابر رسولوں کا سلسلہ رہا حضرت عیسیٰ تک جنہیں انجیل ملی اور جن کی تابع فرمان امت رحم دل اور نرم مزاج واقع ہوئی۔ خشیت الٰہی اور رحمت خلق کے پاک اوصاف سے متصف۔ پھر نصرانیوں کی ایک بدعت کا ذکر ہے' جو ان کی شریعت میں نہ تھی لیکن انہوں نے خود اپنی طرف سے اسے ایجاد کرلی تھی۔ اس کے بعد ایک جملے کے دو مطلب بیان کیے گئے ہیں۔ ایک تو یہ کہ مقصد ان کا نیک تھا' اللہ کی رضاجوئی کے لیے یہ طریقہ نکالا تھا۔ حضرت سعید بن جبیرؒ حضرت قتادہؒ وغیرہ کا یہی قول ہے۔ دوسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ ہم نے ان پر اسے واجب نہ کیا تھا ہم نے ان پر صرف اللہ کی رضاجوئی واجب کی تھی۔

پھر فرماتا ہے کہ یہ اسے بھی نبھا نہ سکے' جیسا چاہیے تھا ویسے اس پر بھی نہ جمے پس دوہری خرابی آئی' ایک اپنی طرف سے ایک نئی بات دین الٰہی میں ایجاد کرنے کی' دوسری اس پر بھی قائم نہ رہنے کی۔ یعنی جسے وہ خود قرب الٰہی کا ذریعہ اپنے ذہن سے سمجھ بیٹھے تھے بالآخر اس پر بھی پورے نہ اترے۔ ابن ابی حاتم میں ہے حضور ﷺ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو پکارا۔ آپ نے لبیک کہا۔ آپ ﷺ نے فرمایا سنو! بنی اسرائیل کے بہتر گروہ ہو گئے جن میں سے تین نے نجات پائی۔ پہلے فرقہ نے تو بنی اسرائیل کی گمراہی دیکھ کر ان کی ہدایت کے لیے اپنی جانیں ہتھیلیوں پر رکھ کر ان کے بڑوں کو تبلیغ شروع کی لیکن آخر وہ لوگ جدال و قتال پر اتر آئے اور بادشاہ اور امراء نے جو اس تبلیغ سے بہت گھبراتے تھے ان پر لشکر کشی کی اور انہیں قتل بھی کیا اور قید بھی کیا۔ ان لوگوں نے تو نجات حاصل کر لی۔ پھر دوسری جماعت کھڑی ہوئی ان میں مقابلے کی طاقت تو نہ تھی تاہم اپنے دین کی قوت سے سرکشوں اور بادشاہوں کے دربار میں حق گوئی شروع کی اور اللہ کے سچے دین اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مسلک اصلی کی طرف انہیں دعوت دینے لگے' ان بدنصیبوں نے انہیں قتل بھی کرایا آروں سے بھی چیرا اور آگ میں بھی جلایا' جسے اس جماعت نے صبر و شکر کے ساتھ برداشت کیا اور نجات حاصل کی۔ پھر تیسری جماعت اٹھی' یہ ان سے بھی زیادہ کمزور تھے ان میں طاقت نہ تھی کہ اصل دین کے احکام کی تبلیغ ان ظالموں میں کریں اس لیے انہوں نے اپنے دین کا بچاؤ اسی میں سمجھا کہ جنگلوں میں نکل جائیں اور پہاڑوں پر چڑھ جائیں عبادت میں مشغول ہو جائیں اور دنیا کو ترک کر دیں اور انہی کا ذکر رہبانیت والی آیت میں ہے۔ یہی حدیث دوسری سند سے بھی مروی ہے اس میں تہتر فرقوں کا بیان ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ اجر انہیں ملے گا جو مجھ پر ایمان لائیں اور میری تصدیق کریں اور ان میں کے اکثر جو فاسق ہیں وہ ہیں جو مجھے جھٹلائیں اور میر اخلاف کریں۔

حضرت عیسیٰ کا ذکر: حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے بادشاہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد توریت وانجیل میں تبدیلیاں کرلیں۔ لیکن ایک جماعت ایمان پر قائم رہی اور اصلی تورات وانجیل ان کے ہاتھ میں رہی جسے وہ تلاوت کیا کرتے تھے' ایک مرتبہ ان لوگوں نے جنہوں نے کتاب اللہ میں ردوبدل کرلیا تھا اپنے بادشاہوں سے ان سچے مومنوں کی شکایت کی کہ یہ لوگ کتاب اللہ کہہ کر جس کتاب کو پڑھتے ہیں اس میں تو ہمیں گالیاں لکھی ہیں اس میں لکھا ہوا ہے جو کوئی اللہ کی نازل کردہ کتاب کے مطابق حکم نہ کرے وہ کافر ہے' اور اسی طرح کی بہت سی آیتیں ہیں۔ پھر یہ لوگ ہمارے اعمال پر بھی عیب گیری کرتے رہتے ہیں۔ پس آپ انہیں دربار میں بلوایئے اور انہیں مجبور کیجیے کہ یا تو وہ اسی طرح پڑھیں جس طرح ہم پڑھتے ہیں اور ویسا ہی وہ عقیدہ ایمان رکھیں جیسا ہمارا ہے ورنہ انہیں بدترین عبرت ناک سزا دیجیے۔ چنانچہ ان سچے مسلمانوں کو دربار میں بلوایا گیا اور ان سے کہا گیا کہ یا تو ہماری اصلاح کردہ کتاب پڑھا کرو اور تمہارے اپنے ہاتھوں میں جو الہامی کتابیں ہیں انہیں چھوڑ دو' ورنہ جان سے ہاتھ دھو لو اور قتل گاہ کی طرف قدم بڑھاؤ۔ اس پر ان پاک بازوں کی ایک جماعت نے تو کہا کہ تم ہمیں ستاؤ نہیں۔ تم اونچی عمارت بنادو ہمیں وہاں پہنچادو اور ڈوری چھبڑی دیدو ہمارا کھانا پینا اس میں ڈال دیا کرو ہم اوپر سے گھسیٹ لیا کریں گے۔ نیچے اتریں گے ہی نہیں اور تم میں آئیں گے ہی نہیں۔ ایک جماعت نے کہا سنو! ہم یہاں سے ہجرت کر جاتے ہیں۔ جنگلوں اور پہاڑوں میں

نکل جاتے ہیں تمہاری بادشاہت کی سر زمین سے باہر ہو جاتے ہیں۔ چشموں نہروں ندیوں نالوں اور تالابوں سے جانوروں کی طرح منہ لگا کر پانی پیا کریں گے اور جو پھول پات مل جائیں گے ان پر گزارہ کر لیں گے۔ اس کے بعد اگر تم ہمیں اپنے ملک میں دیکھ لو تو بے شک گردن اڑا دینا۔ تیسری جماعت نے کہا ہمیں اپنی آبادی کے ایک طرف کچھ زمین دیدو' اور وہاں حصار کھینچ دو وہیں ہم کنویں کھود لیں گے اور کھیتی کر لیا کریں گے' تم میں ہر گز نہ آئیں گے۔ چونکہ اس اللہ والی جماعت سے ان لوگوں کی قریبی رشتہ داریاں تھیں اس لیے یہ درخواستیں منظور کر لی گئیں اور یہ لوگ اپنے اپنے ٹھکانے چلے گئے' لیکن ان کے ساتھ بعض اور لوگ بھی لگ گئے۔ جنہیں دراصل علم و ایمان نہ تھا تقلیداً ساتھ ہو لیے' انکے بارے میں یہ آیت ﴿ وَرَهْبَانِيَّةَ ﴾ الخ نازل ہوئی۔

پس جب اللہ تعالیٰ نے حضور انور ﷺ کو مبعوث فرمایا اس وقت ان میں کے بہت کم لوگ رہ گئے تھے' آپ ﷺ کی بعثت کی خبر سنتے ہی خانقاہوں والے اپنی خانقاہوں سے اور جنگلوں سے اور حصار والے اپنے حصاروں سے نکل کھڑے ہوئے' آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے' آپ ﷺ پر ایمان لائے آپ ﷺ کی تصدیق کی' جس کا ذکر اس آیت میں ہے ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ ﴾ الخ یعنی اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ تمہیں اللہ اپنی رحمت کا دوہرا حصہ دے گا (یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کا اور پھر حضرت محمد ﷺ پر ایمان لانے کا) اور تمہیں نور دے گا جس کی روشنی میں تم چلو پھرو (یعنی قرآن و سنت) تاکہ اہل کتاب جان لیں (جو تم جیسے ہیں) کہ اللہ کے کسی فضل کا اختیار انہیں نہیں اور سارا فضل اللہ کے ہاتھ ہے جسے چاہے دیتا ہے۔ اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے۔ یہ سیاق غریب ہے اور ان دونوں پچھلی آیتوں کی تفسیر اس آیت کے بعد ہی آ رہی ہے' ﴿ انشا اللہ تعالیٰ ﴾۔

ابو یعلیٰ میں ہے کہ لوگ حضرت انس بن مالکؓ کے پاس مدینہ میں حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی خلافت کے زمانے میں آئے۔ آپ اس وقت امیر مدینہ تھے۔ جب یہ آئے اس وقت حضرت انسؓ نماز ادا کر رہے تھے اور بہت ہلکی نماز پڑھ رہے تھے جیسے مسافر کی نماز ہو یا اس کے قریب قریب۔ جب سلام پھیرا تو لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ کیا آپ نے فرض نماز پڑھی یا نفل؟ فرمایا فرض' اور یہی نماز رسول اللہ ﷺ کی تھی۔ میں نے اپنے خیال سے اپنی یاد برابر تو اس میں کوئی خطا نہیں کی۔

ہاں اگر کچھ بھول گیا ہوں تو اس کی بابت نہیں کہہ سکتا۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ اپنی جانوں پر سختی نہ کرو ورنہ تم پر سختی کی جائے گی۔ ایک قوم نے اپنی جانوں پر سختی کی اور ان پر بھی سختی کی گئی پس ان کی بقایا خانقاہوں میں اور ایسے ہی گھروں میں اب بھی دیکھ لو۔ یہ تھی وہ سختی کی ترک دنیا جو اللہ نے ان پر واجب نہیں کی تھی۔ دوسرے دن ہم لوگوں نے کہا آیئے سواریوں پر چلیں اور دیکھیں اور عبرت حاصل کریں۔ حضرت انسؓ نے فرمایا بہت اچھا۔ پس سب سوار ہو کر چلے اور کئی ایک بستیاں دیکھیں جو بالکل اجڑ گئی تھیں اور مکانات اوندھے پڑے ہوئے تھے' تو ہم نے کہا ان شہروں سے آپ واقف ہیں؟ فرمایا خوب اچھی طرح بلکہ ان کے باشندوں سے بھی۔ انہیں سرکشی اور حسد نے ہلاک کیا۔ حسد نیکیوں کے نور کو بجھا دیتا ہے اور سرکشی اس کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے۔ آنکھ کا بھی زنا ہے۔ ہاتھ اور قدم اور زبان کا بھی زنا ہے۔ اور شرمگاہ اسے سچا تی ہے یا جھٹلاتی ہے۔ مسند احمد میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں ہر نبی کے لیے رہبانیت تھی اور میری امت کی رہبانیت اللہ عزوجل کی راہ میں جہاد کرنا ہے۔

ایک شخص حضرت ابو سعید خدریؓ کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے مجھے کچھ وصیت کیجیے۔ آپ نے فرمایا تم نے مجھ سے وہ سوال کیا جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے کیا تھا۔ میں تجھے وصیت کرتا ہوں اللہ سے ڈرتے رہنے کی۔ یہی تمام نیکیوں کا سر ہے' اور تو جہاد کو لازم پکڑے رہ' یہی اسلام کی رہبانیت ہے۔ اور ذکر اللہ اور تلاوت قرآن پر مداومت کر یہی تیری راحت و روح ہے آسمانوں میں اور تیری یاد ہے زمین میں۔ یہ روایت مسند احمد میں ہے' واللہ تعالیٰ اعلم۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۸﴾ لِّئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَلَّا يَقْدِرُوْنَ عَلٰي شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾

اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ سے ڈرتے رہا کرو اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اللہ تمہیں اپنی رحمت کا دوہرا حصہ دے گا اور تمہیں نور دے گا جس کی روشنی میں تم چلو پھرو گے اور تمہارے گناہ بھی معاف فرما دے گا اللہ بخشنے والا اور مہربانی والا ہے یہ اس لیے کہ اہل کتاب جان لیں کہ اللہ کے فضل کے کسی حصے پر بھی انہیں اختیار نہیں اور یہ کہ سارا فضل اللہ ہی کے ہاتھ ہے وہ جسے چاہے دے اور اللہ ہے ہی بڑے فضل والا۔

اہل کتاب مؤمن کیلئے دوسرا اجر ہے: اس سے پہلے کی آیت میں بیان ہو چکا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں جن مومنوں کا یہاں ذکر ہے اس سے مراد اہل کتاب کے مومن ہیں اور انہیں دوہرا اجر ملے گا۔ جیسے کہ سورۃ ق ﷺ کی آیت میں ہے۔ اور جیسے کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ تین شخصوں کو اللہ تعالیٰ دوہرا اجر دے گا۔ ایک وہ اہل کتاب جو اپنے نبی پر ایمان لایا پھر مجھ پر بھی ایمان لایا اسے دوہرا اجر ہے۔ اور وہ غلام جو اپنے آقا کی تابعداری کرے اور اللہ کا حق بھی ادا کرے اسے بھی دو دو اجر ہیں۔ اور وہ شخص جو اپنی لونڈی کو ادب سکھائے اور بہت اچھا ادب سکھائے۔ یعنی شرعی ادب' پھر اسے آزاد کر دے اور نکاح کر دے۔ وہ بھی دوہرے اجر کا مستحق ہے۔ (بخاری و مسلم)۔

حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں جب اہل کتاب اس دوہرے اجر پر فخر کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اس امت کے حق میں نازل فرمائی' پس انہیں دوہرے اجر کے بعد نور ہدایت دینے کا بھی وعدہ کیا اور مغفرت کا بھی۔ پس نور اور مغفرت انہیں زیادہ ملی (ابن جریر)۔ اسی مضمون کی آیت ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ ﴾ الخ ہے یعنی اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرتے رہے تو وہ تمہارے لیے فرقان کرے گا اور تم سے تمہاری برائیاں دور کر دے گا اور تمہیں معاف فرما دے گا اللہ بڑے فضل والا ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ نے یہودیوں کے ایک بہت بڑے عالم سے دریافت فرمایا کہ تمہیں ایک نیکی پر زیادہ سے زیادہ کس قدر فضیلت ملتی ہے؟ اس نے کہا ساڑھے تین سو تک۔ آپ نے اللہ کا شکر کیا اور فرمایا ہمیں تم سے دوہرا ملا ہے۔ حضرت سعیدؒ نے اسے بیان فرما کر یہی آیت پڑھی اور فرمایا اسی طرح جمعہ کا دوہرا اجر ہے۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے تمہاری اور یہود و نصاریٰ کی مثال اس شخص جیسی ہے جس نے چند مزدور کسی کام پر لگانے چاہے اور اعلان کیا کہ کوئی ہے جو مجھ سے ایک قیراط لے اور صبح کی نماز سے لے کر آدھے دن تک کام کرے؟ پس یہود تیار ہو گئے۔ اس نے پھر کہا ظہر سے عصر تک اب جو کام کرے اسے میں ایک قیراط دوں گا۔ اس پر نصرانی تیار ہوئے' کام کیا اور اجرت لی۔ اس نے پھر کہا اب عصر سے مغرب تک جو کام کرے میں اسے قیراط دوں گا۔ پس وہ تم مسلمان ہو۔ اس پر یہود، نصاریٰ بہت بگڑے اور کہنے لگے کام ہم نے زیادہ کیا اور دام انہیں زیادہ ملے' ہمیں کم دیا گیا۔ تو انہیں جواب ملا کہ میں نے تمہارا کوئی حق تو نہیں مارا؟ انہوں نے کہا نہیں ایسا تو نہیں ہوا۔ جواب ملا کہ پھر یہ میرا فضل ہے جسے چاہے دوں۔

صحیح بخاری شریف میں ہے مسلمانوں اور یہود نصرانیوں کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے چند لوگوں کو کام پر لگایا اجرت ٹھہرالی اور کہا دن بھر کام کرو۔ وہ کام پر لگ گئے۔ لیکن آدھے دن کام کر کے کہہ دیا کہ اب ہمیں ضرورت نہیں جو ہم نے کیا ہم اس کی اجرت بھی نہیں چاہتے اور اب ہم کام بھی نہیں کریں گے۔ اس نے انہیں سمجھایا بھی کہ ایسا نہ کرو کام پورا کرو اور مزدوری لے جاؤ۔ لیکن انہوں نے

صاف انکار کر دیا' اور کام ادھورا چھوڑ کر اجرت لیے بغیر چلتے بنے۔ اس نے اور مزدور لگائے اور کہا کہ باقی کام شام تک تم پورا کرو اور پورے دن کی مزدوری میں تمہیں دوں گا۔ یہ کام پر لگے' لیکن عصر کے وقت یہ بھی کام سے ہٹ گئے اور کہہ دیا کہ اب ہم سے نہیں ہو سکتا ہمیں آپ کی اجرت نہیں چاہیے۔ اس نے انہیں بھی سمجھایا کہ دیکھو اب دن باقی ہی کیا رہ گیا ہے تم کام پورا کرو اور اجرت لے جاؤ' لیکن یہ نہ مانے اور چلے گئے۔ اس نے پھر اوروں کو بلایا اور کہا لو تم مغرب تک کام کرو اور دن بھر کی مزدوری لے جاؤ۔ چنانچہ انہوں نے مغرب تک کام کیا اور ان دونوں جماعتوں کی اجرت بھی یہی لے گئے۔ پس یہ ہے ان کی مثال اور اس نور کی مثال جسے انہوں نے قبول کیا۔ پھر فرماتا ہے یہ اس لیے کہ اہل کتاب یقین کر لیں کہ اللہ جسے دے یہ اس کے لوٹانے کی اور جسے نہ دے اسے دینے کی کچھ بھی قدرت نہیں رکھتے۔ اور اس بات کو بھی وہ جان لیں کہ فضل و کرم کا مالک صرف وہی پروردگار ہے۔ اس کے فضل کا کوئی اندازہ اور حساب نہیں لگ سکتا۔

امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں ﴿ لِئَلَّا يَعْلَمَ ﴾ کا معنے ﴿ ليعلم ﴾ ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ کی قرائت میں ﴿ لِكَيْ يَعْلَمَ ﴾ ہے۔ اسی طرح حضرت عطاء بن عبداللہؒ اور حضرت سعید بن جبیرؒ سے بھی یہی قرائت مروی ہے۔ غرض یہ ہے کہ کلام عرب میں ﴿ لا ﴾ صلہ کے لیے آتا ہے جو کلام کے اول و آخر میں آجاتا ہے اور وہاں انکار مراد نہیں ہوتا۔ جیسے ﴿ مَامَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ ﴾ میں۔ اور ﴿ وَمَا يُشْعِرُكُمْ اَنَّهَآ اِذَا جَاءَ ت لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴾ میں۔ اور ﴿ وَ حَرَامٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴾ میں۔

﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ﴾ سورہ حدید کی تفسیر ختم ہوئی۔ اور اس کے ساتھ ہی ستائیسواں پارہ تمام ہوا۔

تفسیر سورۂ مجادلہ مدنیہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

قَدۡ سَمِعَ اللّٰہُ قَوۡلَ الَّتِیۡ تُجَادِلُکَ فِیۡ زَوۡجِہَا وَ تَشۡتَکِیۡۤ اِلَی اللّٰہِ ٭ۖ وَ اللّٰہُ یَسۡمَعُ تَحَاوُرَکُمَا ؕ اِنَّ اللّٰہَ سَمِیۡعٌۢ بَصِیۡرٌ ①

سچے معبود بڑے رحم وکرم والے اللہ کے نام سے شروع

یقیناً اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات سنی جو تجھ سے اپنے شوہر کے بارے میں گفتگو کر رہی تھی اور اللہ کے آگے شکایت کر رہی تھی' اللہ تعالیٰ تم دونوں کے سوال وجواب سن رہا تھا' بے شک اللہ تعالیٰ سننے دیکھنے والا ہے۔

شان اور نزول حضرت خولہ کا واقعہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں اللہ تعالیٰ کی ذات حمد وثنا کے لائق ہے جس کے سننے نے تمام آوازوں کو گھیر رکھا ہے۔ یہ شکایت کرنے والی بی بی صاحبہ آن کر آنحضرت ﷺ سے اس طرح چپکے چپکے باتیں کر رہی تھیں کہ باوجود اسی گھر میں ہونے کے میں مطلقاً نہ سن سکی کہ وہ کیا رہی ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے اس پوشیدہ آواز کو بھی سن لیا اور یہ آیت اتری (بخاری ومسند وغیرہ)۔ اور روایت میں آپؐ کا یہ فرمان اس طرح منقول ہے کہ بابرکت ہے وہ اللہ جو ہر اونچی نیچی آواز کو سنتا ہے۔ یہ شکایت کرنے والی بی بی صاحبہ حضرت خویلہ بنت ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو اس طرح سرگوشیاں کر رہی تھیں کہ کوئی لفظ تو کان تک پہنچ جاتا تھا ورنہ اکثر باتیں باوجود اسی گھر میں ہونے کے میرے کانوں تک نہیں پہنچتی تھیں' اپنے میاں کی شکایت کرتے ہوئے فرمایا کہ یارسول اللہ! میری جوانی تو ان کے ساتھ کٹی' بچے ان سے ہوئے اب جبکہ میں بڑھیا ہوگئی' بال بچوں کی جوگانہ رہی تو میرے میاں نے مجھ سے ظہار کر لیا' اے اللہ میں تیرے سامنے اپنے اس دکھڑے کا رونا روتی ہوں۔ ابھی یہ بی بی صاحبہ گھر سے باہر نہیں نکلی تھیں جو حضرت جبرئیل علیہ السلام یہ آیت لے کر اترے۔ ان کے خاوند کا نام حضرت اوس بن صامت تھا' رضی اللہ تعالیٰ عنہ (ابن ابی حاتم)۔

انہیں کبھی کچھ جنون سا ہو جاتا تھا۔ اس حالت میں اپنی بی بی صاحبہ سے ظہار کر لیتے۔ پھر جب اچھے ہو جاتے تو گویا کچھ نہ تھا۔ یہ بی بی صاحبہ حضور ﷺ سے فتویٰ پوچھنے اور اللہ کے سامنے اپنی التجا بیان کرنے کو آئیں جس پر یہ آیت اتری۔ حضرت ابویزیدؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ اپنی خلافت کے زمانے میں اور لوگوں کے ساتھ جا رہے تھے جو ایک عورت نے آواز دے کر ٹھہرا لیا' حضرت عمرؓ فوراً ٹھہر گئے اور ان کے پاس جا کر توجہ اور ادب سے سر جھکائے ان کی باتیں سننے لگے۔ جب وہ اپنی فرمائش کی تعمیل کرا چکیں اور خود لوٹ گئیں تب امیر المومنینؓ بھی واپس ہمارے پاس آئے۔ ایک شخص نے کہا امیر المومنین ایک بڑھیا کے کہنے سے آپؓ رک گئے' اور اتنے آدمیوں کو آپؓ کی وجہ سے اب تک رکنا پڑا۔ آپؓ نے فرمایا افسوس جانتے بھی ہو یہ کون تھیں؟ اس نے کہا نہیں۔ فرمایا یہ وہ عورت ہیں جن کی شکایت اللہ تعالیٰ نے ساتویں آسمان پر سنی' یہ حضرت خویلہ بنت ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں' اگر آج صبح سے شام چھوڑ رات کر دیتیں اور مجھ سے کچھ فرماتی رہتیں تو بھی میں ان کی خدمت سے نہ ٹلتا ہاں نماز کے وقت نماز ادا کر لیتا اور پھر کمربستہ خدمت کے لیے حاضر ہو جاتا (ابن ابی حاتم)۔ اس کی سند منقطع ہے' اور دوسرے طریق سے بھی مروی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ خویلہ بنت صامت رضی اللہ

تعالیٰ عنہا تھیں اور ان کی والدہ کا نام معاذہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھا' جن کے بارے میں یہ آیت ﴿ وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ ﴾ نازل ہوئی تھی' لیکن ٹھیک یہ ہے کہ حضرت خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اوس بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی تھیں' اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو۔

اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآئِهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ؕ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔيْ وَلَدْنَهُمْ ؕ وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ۝۲ وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ؕ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝۳ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ؕ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ؕ ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۴

تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں (یعنی انہیں ماں کہہ بیٹھتے ہیں) وہ دراصل ان کی مائیں نہیں بن جاتیں' ان کی مائیں تو وہی ہیں جن کے بطن سے وہ پیدا ہوئے' یقیناً یہ لوگ ایک نامعقول اور جھوٹی بات کہتے ہیں' بے شک اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔ اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کریں پھر اپنی کہی ہوئی بات سے رجوع کریں تو ان کے ذمہ آپس میں ایک دوسرے کو ہاتھ لگانے سے پہلے ایک غلام آزاد کرنا ہے' اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال سے باخبر ہے' ہاں جو شخص نہ پائے اس کے ذمہ دو مہینوں کے لگاتار روزے ہیں اس سے پہلے کہ ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں' اور جس شخص کو یہ طاقت بھی نہ ہو اس پر ساٹھ مسکینوں کو کھلانا ہے۔ یہ اس لیے کہ تم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی حکم برداری کرو' یہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدیں ہیں' اور کفار ہی کے لیے دکھ کی مار ہے۔

مسئلہ ظہار: حضرت خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ اللہ کی قسم میرے اور میرے خاوند اوس بن صامتؓ کے بارے میں اس سورہ مجادلہ کی شروع کی چار آیتیں اتری ہیں۔ میں ان کے گھر میں تھی' یہ بوڑھے اور بڑی عمر کے تھے اور کچھ اخلاق کے بھی اچھے نہ تھے' ایک دن باتوں ہی باتوں میں میں نے ان کی کسی بات کا خلاف کیا اور انہیں کچھ جواب دیا' جس پر وہ بڑے غضبناک ہوئے اور غصے میں فرمانے لگے تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے' پھر گھر سے چلے گئے اور قومی مجلس میں کچھ دیر بیٹھے رہے پھر واپس آئے اور مجھ سے خاص بات چیت کرنی چاہی۔ میں نے کہا اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں خولہ کی جان ہے تمہارے اس کہنے کے بعد اب یہ بات ناممکن ہے یہاں تک کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا فیصلہ ہمارے بارے میں نہ ہو' لیکن وہ نہ مانے اور زبردستی کرنے لگے۔ مگر چونکہ کمزور اور ضعیف تھے میں ان پر غالب آ گئی اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔ میں اپنی پڑوسن کے ہاں گئی اور اس سے کپڑا مانگ کر اوڑھ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچی۔ اس واقعہ کو بھی بیان کیا اور بھی اپنی مصیبتیں اور تکلیفیں بیان کرنی شروع کر دیں۔ آپ یہی فرماتے جاتے تھے' خولہ اپنے خاوند کے بارے میں اللہ سے ڈرو وہ بوڑھے بڑے ہیں۔ ابھی یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ آنحضرت

ﷺ پر وحی کی کیفیت طاری ہوئی۔ جب وحی اتر چکی تو آپؐ نے فرمایا اے خویلہ تیرے اور تیرے خاوند کے بارے میں قرآن کریم کی آیتیں نازل ہوئی ہیں۔ پھر آپؐ نے ﴿قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ﴾ سے ﴿عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ تک پڑھ کر سنایا۔

ظہار کا کفارہ: اور فرمایا جاؤ اپنے میاں سے کہو کہ ایک غلام آزاد کر دیں۔ میں نے کہا حضور ان کے پاس غلام کہاں؟ وہ تو بہت مسکین شخص ہیں۔ آپؐ نے فرمایا' اچھا تو دو مہینے کے لگا تار روزے رکھ لیں۔ میں نے کہا حضور وہ تو بڑی عمر کے بوڑھے ناتوان کمزور ہیں' انہیں دو ماہ کے روزوں کی بھی طاقت نہیں۔ آپؐ نے فرمایا پھر ساٹھ مسکینوں کو ایک وسق (تقریباً چار من پختہ) کھجوریں دیدیں۔ میں نے کہا حضور اس مسکین کے پاس یہ بھی نہیں۔ آپؐ نے فرمایا اچھا آدھا وسق کھجوریں میں اپنے پاس سے انہیں دیدوں گا۔ میں نے کہا بہتر' آدھا وسق میں دیدوں گی۔ آپؐ نے فرمایا یہ تم نے بہت اچھا کیا اور خوب کام کیا' جاؤ یہ ادا کر دو اور اپنے خاوند کے ساتھ جو تمہارے چچا کے لڑکے ہیں محبت پیار' خیر خواہی اور فرماں برداری سے گزارا کرو (مسند احمد و ابوداؤد)۔

ان کا نام بعض روایتوں میں خولہ کے بجائے خولہ بھی آیا ہے اور بنت ثعلبہ کے بدلے بنت مالک بن ثعلبہ بھی آیا ہے۔ ان اقوال میں ایسا کوئی اختلاف نہیں جو ایک دوسرے کے خلاف ہو' واللہ اعلم۔ اس سورت کی ان شروع کی آیتوں کا صحیح شان نزول یہی ہے۔ حضرت سلمہ بن صخر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ جو اب آ رہا ہے وہ اس کے اترنے کا باعث نہیں ہوا۔ ہاں البتہ جو حکم ظہار ان آیتوں میں تھا انہیں بھی دیا گیا۔ یعنی آزادگی غلام یا روزے یا کھانا دینا۔ حضرت سلمہ بن صخرؓ کا واقعہ خود ان کی زبانی یہ ہے کہ مجھ میں جماع کی طاقت اوروں سے زیادہ تھی۔ رمضان میں اس خوف سے کہ کہیں ایسا نہ ہو دن میں روزے کے وقت میں بچ نہ سکوں میں نے رمضان بھر کے لیے اپنی بیوی سے ظہار کر لیا۔ ایک رات جبکہ وہ میری خدمت میں مصروف تھی بدن کے کسی حصے پر سے کپڑا ہٹ گیا۔ پھر تاب کہاں تھی؟ اس سے بات چیت کر بیٹھا صبح اپنی قوم کے پاس آ کر میں نے کہا رات ایسا واقعہ ہو گیا ہے تم مجھے لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس لے چلو اور آپؐ سے پوچھو کہ اس گناہ کا بدلہ کیا ہے؟ سب نے انکار کیا اور کہا کہ ہم تو تیرے ساتھ نہیں جائیں گے ایسا نہ ہو کہ قرآن کریم میں اس کی بابت کوئی آیت اترے یا حضور کوئی ایسی بات فرما دیں کہ ہمیشہ کے لیے ہم پر عار باقی رہ جائے' تو جانے تیرا کام' تو نے ایسا کیوں کیا؟ ہم تیرے ساتھی نہیں۔ میں نے کہا اچھا پھر میں اکیلا جاتا ہوں چنانچہ میں گیا اور حضور ﷺ سے تمام واقعہ بیان کیا۔ آپؐ نے فرمایا تم نے ایسا کیا؟ میں نے کہا جی ہاں حضور مجھ سے ایسا ہو گیا۔ آپؐ نے پھر فرمایا تم نے ایسا کیا؟ میں نے پھر یہی عرض کیا کہ ہاں حضور مجھ سے یہ خطا ہو گئی۔ آپؐ نے تیسری دفعہ بھی یہی فرمایا۔ میں نے پھر اقرار کیا اور کہا کہ حضور میں موجود ہوں' جو سزا میرے لیے تجویز کی جائے میں اسے صبر سے برداشت کروں گا' آپؐ حکم دیجیے۔ آپؐ نے فرمایا جاؤ ایک غلام آزاد کرو۔ میں نے اپنی گردن پر ہاتھ رکھ کر کہا حضور میں تو صرف اس کا مالک ہوں اللہ کی قسم مجھے غلام آزاد کرنے کی طاقت نہیں۔ آپؐ نے فرمایا پھر دو مہینے کے پے در پے روزے رکھو۔ میں نے کہا یا رسول اللہ! روزوں ہی کی وجہ سے تو یہ ہوا۔ آپ نے فرمایا پھر جاؤ صدقہ کرو۔ میں نے کہا اس اللہ کی قسم جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میرے پاس کچھ نہیں ہے' بلکہ آج کی شب سب گھر والوں نے فاقہ کیا ہے۔ فرمایا اچھا بنو زریق کے قبیلے کے صدقے والے کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ وہ صدقہ کا مال تمہیں دیدے' تم اس میں سے ایک وسق کھجور تو ساٹھ مسکینوں کو دے دو اور باقی تم اپنے آپؐ اور بال بچوں کے کام میں لاؤ۔ میں خوش خوش واپس لوٹا اور اپنی قوم کے پاس آیا اور ان سے کہا تمہارے پاس تو میں نے تنگی اور برائی پائی اور حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کے پاس میں نے کشادگی اور برکت پائی۔ حضور ﷺ کا حکم ہے کہ اپنے صدقے تم مجھے دیدو' چنانچہ انہوں نے مجھے دیدیئے (مسند احمد' ابوداؤد وغیرہ)۔

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ حضرت اوس بن صامت اور ان کی بیوی صاحبہ حضرت خویلہ بنت ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے واقعہ کے بعد کا ہے۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ کا فرمان ہے کہ ظہار کا پہلا واقعہ حضرت اوس بن صامتؓ کا ہے' جو حضرت عبادہ

بن صامت ؓ کے بھائی تھے۔ ان کی بیوی صاحبہ کا نام خولہ بنت ثعلبہ بن مالک تھا' رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ اس واقعہ سے حضرت خولہ کو ڈر تھا کہ شاید طلاق ہو گئی۔ انہوں نے آن کر حضور ﷺ سے کہا کہ میرے میاں نے مجھ سے ظہار کر لیا اور اگر ہم علیحدہ علیحدہ ہو گئے تو دونوں برباد ہو جائیں گے' میں اب اس لائق بھی نہیں رہی کہ مجھ سے اولاد ہو' ہمارے اس تعلق کو بھی زمانہ گزر چکا۔ اور بھی اسی طرح کی باتیں کہتی جاتی تھی اور روتی جاتی تھیں۔ اب تک ظہار کا کوئی حکم اسلام میں نہ تھا' اس پر یہ آیتیں شروع سورت سے ﴿اَلِيْمٌ﴾ تک اُتریں۔ حضور ﷺ نے حضرت اوس ؓ کو بلوایا اور پوچھا کہ کیا تم غلام آزاد کر سکتے ہو؟ انہوں نے قسم کھا کر انکار کیا۔ حضور ﷺ نے ان کے لیے رقم جمع کی' انہوں نے اس سے غلام خرید کر آزاد کیا' اور اپنی بیوی صاحبہ سے رجوع کیا (ابن جریر)۔ حضرت ابن عباس ؓ کے علاوہ اور بھی بہت سے بزرگوں کا یہی فرمان ہے کہ یہ آیتیں انہی کے بارے میں نازل ہوئی ہیں' واللہ اعلم۔

ظہار کی تعریف: لفظ ظہار مشتق ہے ظہر سے چونکہ اہل جاہلیت اپنی بیوی سے ظہار کرتے وقت یوں کہتے تھے کہ ﴿اَنْتِ عَلَیَّ كَظَهْرِ اُمِّیْ﴾ یعنی تو مجھ پر ایسی ہے جیسے میری ماں کی پیٹھ۔ شریعت میں حکم یہ ہے کہ اس طرح خواہ کسی عضو کا نام لے ظہار ہو جائے گا ظہار جاہلیت کے زمانے میں طلاق سمجھا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لیے اس میں کفارہ مقرر کر دیا اور اسے طلاق شمار نہیں کیا جیسے کہ جاہلیت کا دستور تھا۔ سلف میں سے اکثر حضرات نے یہی فرمایا ہے۔ حضرت ابن عباس ؓ جاہلیت کے اس دستود کا ذکر کر کے فرماتے ہیں اسلام میں جب حضرت خویلہ ؓ والا واقعہ پیش آیا اور دونوں میاں بیوی پچھتانے لگے تو حضرت اوس ؓ نے اپنی بیوی صاحبہ کو حضور ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ یہ جب آئیں تو دیکھا کہ آپ ؐ کنگھی کر رہے ہیں۔ آپ ؐ نے واقعہ سن کر فرمایا ہمارے پاس اس کا کوئی حکم نہیں۔ اتنے میں یہ آیتیں اتریں اور آپ ؐ نے حضرت خویلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس کی خوشخبری دی اور پڑھ سنائیں' جب غلام کی آزادگی کا ذکر آیا تو عذر کیا کہ ہمارے پاس غلام نہیں' پھر روزوں کا ذکر سن کر کہا کہ اگر ہر روز تین مرتبہ پانی نہ پئیں تو بوجہ اپنے بڑھاپے کی فوت ہو جائیں' جب کھانا کھلانے کا ذکر سنا تو کہا چند لقموں پر تو سارا دن گذرتا ہے اوروں کو دینا تو کہاں؟ چنانچہ حضور ﷺ نے آدھا وسق تیس صاع منگوا کر انہیں دیئے اور فرمایا اسے صدقہ کر دو' اور اپنی بیوی سے رجوع کر لو (ابن جریر)۔ اس کی اسناد قوی اور پختہ ہے لیکن غرابت سے خالی نہیں۔

حضرت ابو العالیہ ؒ سے بھی اسی طرح مروی ہے' فرماتے ہیں خولہ بنت دلیج ؓ ایک انصاری کی بیوی تھیں جو کم نگاہ والے مفلس اور کج خلق تھے۔ کسی دن کسی بات پر میاں بیوی میں جھگڑا ہو پڑا تو جاہلیت کی رسم کے مطابق ظہار کر لیا جو ان کی طلاق تھی۔ یہ بیوی صاحبہ حضور ﷺ کے پاس پہنچیں' اس وقت آپ ﷺ حضرت عائشہ ؓ کے گھر میں تھے اور مائی صاحبہ آپ ؐ کا سر دھو رہی تھیں' جا کر سارا واقعہ بیان کیا۔ آپ ؐ نے فرمایا اب کیا ہو سکتا ہے؟ میرے علم میں تو تو اس پر حرام ہو گئی یہ سن کر کہنے لگیں یا اللہ میری عرض تجھ سے ہے۔ اب حضرت عائشہ ؓ آپ ؐ کے سر مبارک کا ایک طرف کا حصہ دھو کر گھوم کر دوسری جانب آئیں اور ادھر کا حصہ دھونے لگیں تو حضرت خولہ ؓ بھی گھوم کر اس طرف آ بیٹھیں اور اپنا واقعہ دہرایا۔ آپ ؐ نے پھر یہی جواب دیا۔ حضرت اُم المومنین ؓ نے دیکھا کہ آپ ؐ کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا ہے تو ان سے کہا کہ دور ہٹ کر بیٹھو۔ یہ دور کھسک گئیں۔ ادھر وحی نازل ہونی شروع ہوئی۔ جب اتر چکی تو آپ ؐ نے فرمایا وہ عورت کہاں ہے؟ حضرت ام المومنین ؓ نے آواز دیکر بلایا۔ آپ ؐ نے فرمایا جاؤ اپنے خاوند کو لے آؤ۔ یہ دوڑتی ہوئی گئیں اور اپنے شوہر کو بلا لائیں تو واقعی وہ ایسے ہی تھے جیسے انہوں نے کہا تھا۔ آپ ؐ نے ﴿اَسْتَعِیْذُ بِاللّٰهِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ﴾ پڑھ کر اس سورت کی یہ آیتیں سنائیں اور فرمایا کہ تم غلام آزاد کر سکتے ہو؟ انہوں نے کہا نہیں۔ کہا دو مہینے کے لگا تار ایک پیچھے ایک روزے رکھ سکتے ہو؟ انہوں نے قسم کھا کر کہا کہ اگر دو تین دفعہ دن میں نہ کھاؤں تو بینائی بالکل جاتی رہتی ہے۔ فرمایا کہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا دے سکتے ہو؟ انہوں نے کہا نہیں لیکن اگر آپ ؐ میری امداد فرمائیں تو اور بات ہے۔ پس حضور ﷺ نے ان کی

اعانت کی اور فرمایا ساٹھ مسکینوں کو کھلا دو۔ اور جاہلیت کی اس رسم طلاق کو ہٹا کر اللہ تعالیٰ نے اسے ظہار مقرر فرمایا (ابن ابی حاتم و ابن جریر)۔

حضرت سعید بن جبیر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایلا اور ظہار جاہلیت کے زمانہ کی طلاقیں تھیں' اللہ تعالیٰ نے ایلا میں تو چار مہینے کی مدت مقرر فرمائی اور ظہار میں کفارہ مقرر فرمایا۔ حضرت امام مالکؒ نے لفظ ﴿ مِنْكُمْ ﴾ سے استدلال کیا ہے کہ چونکہ یہاں خطاب مومنوں سے ہے اس لیے اس حکم میں کافر داخل نہیں۔ جمہور کا مذہب اس کے برخلاف ہے۔ وہ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ باعتبار غلبہ کے کہہ دیا گیا ہے۔ اس لیے بطور قید کے اس کا مفہوم مخالف مراد نہیں لے سکتے۔ لفظ ﴿ من نسائهم ﴾ سے جمہور نے استدلال کیا ہے کہ لونڈی سے ظہار نہیں نہ وہ اس خطاب میں داخل ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ اس کہنے سے کہ تو مجھ پر میری ماں کی طرح ہے یا میرے لیے تو مثل میری ماں کے ہے یا مثل میری ماں کی پیٹھ کے ہے یا اور ایسے ہی الفاظ اپنی بیوی کو کہہ دینے سے وہ سچ مچ ماں نہیں بن جاتی' حقیقی ماں تو وہی ہے جس کے بطن سے یہ تولد ہوا ہے۔ یہ لوگ اپنے منہ سے فحش اور باطل قول بول دیتے ہیں' اللہ تعالیٰ درگزر کرنے والا اور بخش دینے والا ہے۔ اس نے جاہلیت کی اس تنگی کو تم سے دور کر دیا۔ اسی طرح ہر وہ کلام جو ایک دم زبان سے بغیر سوچے سمجھے اور بلا قصد نکل جائے' چنانچہ ابوداؤد وغیرہ میں ہے کہ حضور ﷺ نے سنا کہ ایک شخص اپنی بیوی سے کہہ رہا ہے اے میری بہن' تو آپؐ نے فرمایا کیا یہ تیری بہن ہے؟ غرض یہ کہنا برا لگا' اسے روکا' مگر اس سے حرمت ثابت نہیں کی۔ کیونکہ دراصل اسکا مقصود یہ نہ تھا یونہی زبان سے بغیر قصد کے نکل گیا تھا ورنہ ضرور حرمت ثابت ہو جاتی' کیونکہ صحیح قول یہی ہے کہ اپنی بیوی کو جو شخص اس نام سے یاد کرے جو محرمات ابدیہ ہیں مثلاً بہن یا پھوپھی یا خالہ وغیرہ تو وہ بھی حکم میں ماں کے ہیں۔ جو لوگ ظہار کریں پھر اپنے کہنے سے لوٹیں' اس کا مطلب ایک تو یہ بیان کیا گیا ہے کہ ظہار کیا پھر مکرر اس لفظ کو کہا' لیکن یہ ٹھیک نہیں'

ظہار کے متعلق ائمہ کے اقوال: بقول حضرت امام شافعیؒ مطلب یہ ہے کہ ظہار کیا پھر اس عورت کو روک رکھا یہاں تک کہ اتنا زمانہ گزر گیا کہ اگر چاہتا تو اس میں باقاعدہ طلاق دے سکتا تھا لیکن طلاق نہ دی۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ پھر لوٹے جماع کی طرف یا ارادہ کرے تو یہ حلال نہیں تاوقتیکہ مذکورہ کفارہ ادا نہ کرے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ مراد اس سے جماع کا ارادہ یا پھر بسانے کا عزم یا جماع ہے۔ امام ابوحنیفہؒ وغیرہ کہتے ہیں مراد ظہار کی طرف لوٹنا ہے اس کی حرمت اور جاہلیت کے حکم کے اٹھ جانے کے بعد پس جو شخص اب ظہار کرے گا اس پر اس کی بیوی حرام ہو جائے گی جب تک یہ کفارہ ادا نہ کرے۔ حضرت سعید فرماتے ہیں مراد یہ ہے کہ جس چیز کو اس نے اپنی جان پر حرام کر لیا تھا اب پھر اس کام کو کرنا چاہے تو یہ کفارہ ادا کرے۔ حضرت حسن بصریؒ کا قول ہے کہ مجامعت کرنا چاہے' ورنہ چھونے میں قبل کفارہ کے بھی ان کے نزدیک کوئی حرج نہیں۔ ابن عباس وغیرہ فرماتے ہیں یہاں مس سے مراد صحبت کرنا ہے۔ زہریؒ فرماتے ہیں کہ ہاتھ لگانا' پیار کرنا بھی کفارہ کی ادائیگی سے پہلے جائز نہیں۔ سنن میں ہے کہ ایک شخص نے کہا یارسول اللہ میں نے اپنی بیوی سے ظہار کیا تھا پھر کفارہ ادا کرنے سے پہلے میں اس سے مل لیا۔ آپؐ نے فرمایا اللہ تجھ پر رحم کرے' ایسا تو نے کیوں کیا' کہنے لگا یارسول اللہ چاندنی رات میں اس کے خلخال (پازیب) کی چمک نے مجھے بے تاب کر دیا۔ آپؐ نے فرمایا اب اس سے قربت نہ کرنا جب تک کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق کفارہ ادا نہ کر دے۔ نسائی میں یہ حدیث مرسلاً مروی ہے' اور امام نسائی رحمتہ اللہ علیہ مرسل کو زیادہ صحیح بتلاتے ہیں۔

پھر کفارہ بیان ہو رہا ہے کہ ایک غلام آزاد کرے۔ یہاں یہ قید نہیں کہ مومن ہی ہو' جیسے قتل کے کفارے میں غلام کے مومن ہونے کی قید ہے۔ امام شافعیؒ تو فرماتے ہیں یہ مطلق اس مقید پر محمول ہوگی کیونکہ آزادگی جیسی وہاں ہے' ایسی ہی یہاں بھی ہے' اس کی دلیل یہ حدیث بھی ہے کہ ایک سیاہ فام لونڈی کی بابت حضور ﷺ نے فرمایا تھا اسے آزاد کر دو یہ مومنہ ہے۔ اوپر واقعہ گزر چکا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ظہار کر کے پھر کفارہ سے قبل واقع ہونے والے کو آپؐ نے دوسرا کفارہ ادا کرنے کو نہیں فرمایا۔ پھر فرماتا ہے

اس سے تمہیں نصیحت کی جاتی ہے' یعنی دھمکایا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہاری مصلحتوں سے خبردار ہے اور تمہارے احوال کا عالم ہے۔ جو آزاد گی غلام پر قادر نہ ہو وہ دو مہینے کے لگا تار روزے رکھنے کے بعد اپنی بیوی سے اس صورت میں مل سکتا ہے اور اگر اس کا بھی مقدور نہ ہو تو پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا دینے کے بعد۔ پہلے حدیثیں گزر چکیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مقدم پہلی صورت' پھر دوسری پھر تیسری' جیسے کہ بخاری مسلم کی اس حدیث میں بھی ہے جس میں آپؐ نے رمضان میں اپنی بیوی سے جماع کرنے والے کو فرمایا تھا۔ ہم نے یہ احکام اس لیے مقرر کیے ہیں کہ تمہارا کامل ایمان اللہ پر اور اس کے رسول پر ہو جائے۔ یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں' اس کے محرمات ہیں' خبردار اس حرمت کو نہ توڑنا۔ جو کافر ہوں یعنی ایمان نہ لائیں حکم برداری نہ کریں شریعت کے احکام کی بے عزتی کریں ان سے لاپرواہی برتیں انہیں بلاؤں سے بچنے والا نہ سمجھو بلکہ ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَ قَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ؕ وَ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۚ﴿۵﴾ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ اَحْصٰىهُ اللّٰهُ وَ نَسُوْهُ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۶﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ؕ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَ لَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَ لَاۤ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَ لَاۤ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ۚ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۷﴾

ع ۱

بے شک جو لوگ اللہ سے اور اس کے رسول ﷺ سے مخالفت کرتے ہیں وہ ذلیل کیے جائیں گے جیسے ان سے پہلے کے لوگ ذلیل کیے گئے تھے اور بے شک ہم واضح آیتیں اتار چکے ہیں' منکروں کے لیے تو ذلت کی مار ہے ہی۔ جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو اٹھائے گا پھر انہیں ان کے کیے ہوئے عمل سے آگاہ کرے گا' جسے اللہ نے یاد رکھا اور جسے یہ بھول گئے تھے' اور اللہ تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہے'۔ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ آسمانوں کی اور زمین کی ہر چیز سے واقف ہے۔ تین آدمیوں کا مشورہ نہیں ہوتا مگر اللہ تعالیٰ ان کا چوتھا ہوتا ہے اور نہ پانچ کا مگر ان کا چھٹا وہ ہوتا ہے اور نہ اس سے کم کا اور نہ زیادہ کا گروہ ساتھ ہی ہوتا ہے جہاں بھی وہ ہے' پھر قیامت کے دن انہیں ان کے اعمال سے آگاہ کرے گا' بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہے۔

اللہ ورسول کی مخالفت نہ کرو: فرمان ہے کہ اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والے اور احکام شرع سے سرتابی کرنے والے ذلت ادبار نحوست اور پھٹکار کے لائق ہیں۔ جس طرح ان سے اگلے انہی اعمال کے باعث برباد اور رسوا کر دیئے گئے اسی طرح یہ بھی اس سرکشی کے باعث تباہ اور رسوا کیے جائیں گے۔ ہم نے اس طرح واضح اس قدر ظاہر اتنی صاف اور ایسی کھلی ہوئی آیتیں بیان کر دی ہیں اور نشانیاں ظاہر کر دی ہیں کہ سوائے اس کے جس کے دل میں سرکشی ہو کوئی ان سے انکار نہیں کر سکتا اور جو ان کا انکار کرے وہ کافر ہے۔ اور ایسے کفار کے لیے یہاں کی ذلت کے بعد وہاں کے بھی اہانت والے عذاب ہیں' یہاں ان کے تکبر نے اللہ کی طرف جھکنے سے روکا وہاں اس کے بدلے انہیں بے انتہا ذلیل کیا جائے گا' خوب روندا جائے گا۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمام اگلوں

پچھلوں کو ایک ہی میدان میں جمع کرے گا اور جو بھلائی برائی جس کسی نے کی تھی اس سے آگاہ کرے گا۔ گو یہ بھول گئے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے تو اسے یاد رکھا تھا' اس کے فرشتوں نے اسے لکھ رکھا تھا' نہ تو اللہ پر کوئی چیز چھپ سکے نہ اللہ تعالیٰ کسی چیز کو بھولے۔ پھر بیان فرماتا ہے کہ تم جہاں ہو جس حالت میں ہو نہ تمہاری باتیں اللہ کے سننے سے رہ سکیں نہ تمہاری حالتیں اللہ کے دیکھنے سے پوشیدہ رہیں۔ اس کے علم نے ساری دنیا کا احاطہ کر رکھا ہے اسے ہر زمان و مکان کی اطلاع ہر وقت ہے۔ وہ زمین و آسمان کی تمام تر کائنات سے باعلم ہے۔

تین شخص آپس میں مل کر نہایت پوشیدگی سے رازداری سے اپنی باتیں ظاہر کریں انہیں وہ سنتا ہے اور وہ اپنے تئیں تین ہی نہ سمجھیں بلکہ اپنا چوتھا اللہ کو گنیں اور جو پانچ شخص تنہائی میں رازداریاں کر رہے ہوں وہ بھی یقین رکھیں کہ وہ جہاں کہیں بھی ہیں' ان کے ساتھ ان کا اللہ ہے' یعنی ان کے حال و قال سے مطلع ہے ان کے کلام کو سن رہا ہے اور ان کی حالتوں کو دیکھ رہا ہے۔ پھر ساتھ ہی ساتھ اس کے فرشتے بھی لکھتے جا رہے ہیں' جیسے اور جگہ ہے' ﴿ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَ نَجْوٰهُمْ وَ اَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴾ کیا لوگ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ ان کی پوشیدگیوں کو اور ان کی سرگوشیوں کو بخوبی جانتا ہے اور اللہ تعالیٰ تمام غیبوں پر اطلاع رکھنے والا ہے۔ اور جگہ ارشاد ہے' ﴿ اَمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَ نَجْوٰهُمْ بَلٰى وَ رُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ ﴾ کیا ان کا یہ گمان ہے کہ ہم ان کی پوشیدہ باتوں اور خفیہ مشوروں کو سن نہیں رہے؟ برابر سن رہے ہیں اور ہمارے بھیجے ہوئے ان کے پاس موجود ہیں جو لکھتے جا رہے ہیں۔ اکثر بزرگوں نے اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ اس آیت سے مراد معیت علمی ہے (یعنی اللہ تعالیٰ کا وجود نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا علم ہر جگہ ہے۔ ہر تین کے مجمع میں چوتھا اس کا علم ہے' تبارک و تعالیٰ) بے شک و شبہ اس بات پر ایمان کامل اور یقین راسخ رکھنا چاہیے کہ یہاں مراد ذات سے ساتھ ہونا نہیں بلکہ علم سے ہر جگہ موجود ہونا ہے' ہاں بیشک اس کا سننا دیکھنا بھی اسی طرح اس کے علم کے ساتھ ساتھ ہے۔ اللہ سبحانہ' و تعالیٰ اپنی تمام مخلوق پر مطلع ہے۔ ان کا کوئی کام اس سے پوشیدہ نہیں' پھر قیامت کے دن انہیں ان کے تمام اعمال پر تنبیہ کرے گا۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کو شروع بھی اپنے علم کے بیان سے کیا تھا اور ختم بھی علم اللہ کے بیان پر کیا (مطلب یہ ہے کہ درمیان میں اللہ کا ساتھ ہونا جو بیان کیا تھا اس سے بھی ازروئے علم کے ساتھ ہونا ہے نہ کہ ازروئے ذات کے' مترجم۔)

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَ يَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ وَ مَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ ۫ وَ اِذَا جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ ۙ وَ يَقُوْلُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْ لَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ ؕ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۸ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ وَ مَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَ تَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَ التَّقْوٰى ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝۹ اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَيْسَ بِضَآرِّهِمْ شَيْـًٔا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۱۰

کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا؟ جنہیں کانا پھوسی سے روک دیا گیا تھا وہ پھر بھی اس روکے ہوئے کام کو دوبارہ کرتے ہیں اور آپس میں گنہگاری کی اور ظلم و زیادتی اور نافرمانی پیغمبر ﷺ کی سرگوشیاں کرتے ہیں اور جب تیرے پاس آتے ہیں تو تجھے ان لفظوں میں سلام کرتے ہیں جن لفظوں میں اللہ تعالیٰ نے نہیں کہا اور اپنے دل میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ہمارے اس کہنے پر سزا کیوں نہیں دیتا' ان کے لیے جہنم کافی سزا ہے جس میں یہ جائیں گے' سو وہ برا ٹھکانا ہے۔ اے ایمان والو! تم چپ چپاتے باتیں کرو تو یہ سرگوشیاں گنہگاری اور ظلم و زیادتی اور نافرمانی پیغمبر ﷺ کی نہ ہوں' بلکہ نفع رسانی اور پرہیزگاری کی باتوں پر آپس میں تبادلہ خیالات کرو اور اس اللہ سے ڈرتے رہو جس کے پاس تم سب جمع کئے جاؤ گے' بری سرگوشیاں شیطانی کام ہے جس سے ایمان داروں کو رنج پہنچے۔ گو اللہ تعالیٰ کی چاہت بغیر وہ انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ ایمان والوں کو چاہیے کہ اللہ ہی پر بھروسہ رکھیں۔

سرگوشی کے متعلق: کانا پھوسی سے یہودیوں کو روک دیا گیا تھا اس لیے کہ ان میں اور آنحضرت ﷺ میں جب صلح و صفائی تھی تو یہ لوگ یہ حرکت کرنے لگے کہ جہاں کہیں کسی مسلمان کو دیکھا اور جہاں کوئی ان کے پاس گیا کہ یہ ادھر ادھر جمع ہو ہو کر چپکے چپکے اشاروں کنایوں میں اس طرح کانا پھوسی کرنے لگتے کہ اکیلا دکیلا مسلمان یہ گمان کرتا کہ شاید یہ میرے قتل کی سازشیں کر رہے یا میرے خلاف اور ایمانداروں کے خلاف کچھ مخفی ترکیبیں سوچ رہے ہیں۔ اسے ان کی طرف جاتے ہوئے بھی ڈر لگتا۔ جب یہ شکایتیں عام ہوئیں تو حضور ﷺ نے یہودیوں کو اس سفلی حرکت سے روک دیا' لیکن انہوں نے پھر بھی یہی کرنا شروع کیا۔ ابن ابی حاتم کی ایک حدیث میں ہے کہ ہم لوگ باری باری رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں رات کو حاضر ہوتے کہ اگر کوئی کام کاج ہو تو کریں' ایک رات کو باری والے بھی آگئے اور کچھ اور لوگ بھی بہ نیت ثواب آگئے۔ چونکہ لوگ زیادہ جمع ہو گئے تو ہم ٹولیاں ٹولیاں بن کر ادھر اُدھر بیٹھ گئے اور ہر جماعت اپنے والوں سے باتیں کرنے لگی۔ اتنے میں آنحضرت ﷺ تشریف لائے اور فرمایا یہ سرگوشیاں کیا ہو رہی ہیں؟ کیا تمہیں اس سے روکا نہیں گیا؟ ہم نے کہا حضور ہماری توبہ ہے۔ ہم مسیح دجال کا ذکر کر رہے تھے کیوں کہ اس سے کھٹکا لگا رہتا ہے آپؐ نے فرمایا میں تمہیں اس سے بھی زیادہ خوف کی چیز بتلاؤں وہ پوشیدہ شرک ہے' اس طرح کہ ایک شخص اٹھ کھڑا ہو اور دوسروں کو دکھانے کے لیے کوئی دینی کام کرے (یعنی ریاکاری)۔ اس کی اسناد غریب ہے' اور اس میں بعض راوی ضعیف ہیں۔

پھر بیان ہوتا ہے کہ ان کی خانگی سرگوشیاں یا تو گناہ کے کاموں پر ہوتی ہیں جس میں ان کا ذاتی نقصان ہے یا ظلم پر ہوتی ہیں جس میں دوسروں کے نقصان کی ترکیبیں سوچتے ہیں' یا پیغمبر علیہ السلام کی مخالفت پر ایک دوسروں کو پختہ کرتے ہیں اور آپؐ کی نافرمانیوں کے منصوبے گانٹھتے ہیں۔ پھر ان بدکاروں کی ایک بدترین خصلت بیان ہو رہی ہے کہ سلام کے الفاظ کو بھی یہ بدل دیتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ یہودی حضور ﷺ کے پاس آئے اور کہا ﴿ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اَ بَاالْقَاسِمِ ﴾ (سام کے معنی موت کے ہیں) میں نے کہا ﴿ وَعَلَيْكُمُ السَّامُ ﴾ ۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اے عائشہ اللہ تعالیٰ برے الفاظ اور سخت کلامی کو ناپسند فرماتا ہے۔ میں نے کہا کیا حضور نے نہیں سنا؟ انہوں نے آپؐ کو ﴿ اَلسَّلَامُ ﴾ نہیں کہا بلکہ اَلسَّامُ کہا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کیا تم نے نہیں سنا؟ میں نے کہہ دیا ﴿ وَعَلَيْكُمْ ﴾ ۔ اسی کا بیان ہو رہا ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے ان کے جواب میں فرمایا تھا ﴿ عَلَيْكُمُ السَّامُ وَالذَّامُ وَاللَّعْنَةُ ﴾ اور آپؐ نے صدیقہؓ کو روکتے ہوئے فرمایا کہ ہماری دعا ان کے حق میں مقبول ہے اور ان کا ہمیں کو سنا نامقبول ہے (ابن ابی حاتم وغیرہ)۔

ایک مرتبہ حضور ﷺ اپنے اصحاب ﷺ کے مجمع میں تشریف فرما تھے کہ ایک یہودی نے آ کر سلام کیا۔ صحابہؓ نے جواب دیا۔ پھر حضرت ﷺ نے صحابہؓ سے پوچھا معلوم بھی ہے اس نے کیا کہا تھا؟ انہوں نے کہا حضرت سلام کیا تھا۔ آپؐ نے فرمایا نہیں' اس نے کہا تھا ﴿ سَامٌ عَلَيْكُمْ ﴾ یعنی تمہارا دین مغلوب ہو مٹ جائے۔ پھر آپؐ نے حکم دیا کہ اس یہودی کو بلا لاؤ۔ جب وہ آ

گیا تو آپؐ نے فرمایا سچ سچ بتا کیا تو نے ﴿ سَامٌ عَلَيْكُمْ ﴾ نہیں کہا تھا؟ اس نے کہا ہاں حضور میں نے یہی کہا تھا۔ آپؐ نے فرمایا سنو جب کبھی کوئی اہل کتاب تم میں سے کسی کو سلام کرے تو صرف ﴿ عَلَيْكَ ﴾ کہہ دیا کرو۔ یعنی جو تو نے کہا ہو وہ تجھ پر (ابن جریر)۔ پھر یہ لوگ اپنے اس کرتوت پر خوش ہو کر اپنے دل میں کہتے کہ اگر یہ نبی برحق ہوتا تو اللہ تعالیٰ ہماری اس چال بازی پر ہمیں دنیا میں ضرور عذاب کرتا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ تو ہمارے باطنی حال سے بخوبی واقف ہے۔ پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے انہیں دار آخرت کا عذاب ہی بس ہے جہاں یہ جہنم میں جائیں گے اور بری جگہ پہنچیں گے۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ اس آیت کا شان نزول یہودیوں کا اس طریقے کا سلام ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ منافق اسی طرح سلام کرتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ مومنوں کو ادب سکھاتا ہے کہ تم ان منافقوں اور یہودیوں کے سے کام نہ کرنا۔ تم گناہ کے کاموں اور حد سے گزر جانے اور نبی کو نہ ماننے کے مشورے نہ کرنا بلکہ تمہیں ان کے برخلاف نیکی کے اور اپنے بچاؤ کے مشورے کرنے چاہئیں۔ تمہیں ہر وقت اس اللہ سے ڈرتے رہنا چاہیے جس کی طرف تمہیں جمع ہونا ہے' جو اس وقت تمہیں ہر نیکی بدی کی جزا سزا دے گا اور تمام اعمال و اقوال سے متنبہ کرے گا گو تم بھول گئے ہو' لیکن اس کے پاس سب محفوظ اور موجود ہیں۔ حضرت صفوانؒ فرماتے ہیں' میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا ہاتھ تھامے ہوا تھا کہ ایک شخص آیا اور اس نے کہا آپؐ نے رسول اللہ ﷺ سے مومن کی جو سرگوشی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے ہوگی اس کے بارے میں کیا سنا ہے؟ آپؐ نے فرمایا رسالت مآب ﷺ سے میں نے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ مومن کو اپنے قریب بلائے گا اور اس قدر قریب کہ اپنا بازو اس پر رکھ دے گا اور لوگوں سے اسے پردے میں کر لے گا اور اس سے اس کے گناہوں کا اقرار کرائے گا اور پوچھے گا یاد ہے؟ فلاں گناہ تم نے کیا تھا' فلاں کیا تھا' یہ اقرار کرتا جائے گا اور دل دھڑک رہا ہو گا کہ اب ہلاک ہوا۔ اتنے میں اللہ تعالیٰ فرمائے گا دیکھ دنیا میں میں نے تیری پردہ پوشی کی اور آج بھی میں نے بخشش کی۔ پھر اسے اس کی نیکیوں کا نامہ اعمال دیا جائے گا۔ لیکن کافر و منافق کے بارے میں تو گواہ پکار کر کہہ دیں گے کہ یہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنے والے لوگ ہیں خبردار ہو جاؤ' ان ظالموں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔ پھر فرمان ہے کہ اس قسم کی سرگوشی جس سے مسلمان کو تکلیف پہنچے اور اسے بدگمانی ہو شیطانی کی طرف سے ہے۔ شیطان ان منافقوں وغیرہ سے یہ کام اس لیے کرواتا ہے کہ مومنوں کو غم و رنج ہو لیکن حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر نہ شیطان نہ کوئی اور انہیں ضرر نہیں پہنچا سکتے۔ جسے کوئی ایسی حرکت معلوم ہو اسے چاہیے کہ ﴿ اَعُوْذُ ﴾ پڑھے اللہ تعالیٰ کی پناہ لے اور اللہ پر بھروسہ رکھے انشاء اللہ اسے کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔ ایسی کانا پھوسی جو کسی مسلمان کو ناگوار گزرے حدیث میں بھی منع ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جب تم تین آدمی ہو تو دو مل کر کان میں منہ ڈال کر باتیں کرنے نہ بیٹھ جاؤ۔ اس سے اس تیسرے کا دل میلا ہو گا (بخاری مسلم) اور روایت میں ہے کہ ہاں اگر اس کی اجازت ہو تو کوئی حرج نہیں۔ (مسلم)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿11﴾

اے مسلمانو! جب تم سے کہا جائے کہ مجلسوں میں ذرا کھل کر بیٹھو تو تم جگہ کشادہ کر دو اللہ تمہیں کشادگی دے گا اور جب کہا جائے کہ اٹھ کھڑے ہو جاؤ تو تم اٹھ کھڑے ہو جاؤ اللہ تعالیٰ تم میں سے ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں اور جو علم دیئے گئے ہیں درجے بلند کر دے گا اللہ تعالیٰ ہر اس کام سے جو تم کر رہے ہو خوب خبردار ہے۔

آداب مجلس کی تفصیل: یہاں ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ مجلسی آداب سکھاتا ہے۔ انہیں حکم دیتا ہے کہ نشست و برخاست میں بھی ایک دوسرے کا خیال و لحاظ رکھو۔ تو فرماتا ہے کہ جب مجلس میں ہو اور کوئی آئے تو ذرا ادھر اُدھر ہٹ ہٹا کر اسے بھی جگہ دو۔ مجلس میں کشادگی کرو۔ اس کے بدلے اللہ تعالیٰ تمہیں کشادگی دے گا۔ اس لیے کہ ہر عمل کا بدلہ اسی جیسا ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کے لئے مسجد بنادے اللہ تعالیٰ اس کے لیے گھر بنادے گا۔ اور حدیث میں ہے کہ جو کسی سختی والے پر آسانی کرے اللہ تعالیٰ اس پر دنیا و آخرت میں آسانی کرے گا۔ جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کی مدد میں لگا رہے اللہ تعالیٰ خود اپنے اس بندے کی مدد پر رہتا ہے۔ اور بھی اسی طرح کی بہت سی حدیثیں ہیں۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں یہ آیت مجلس ذکر کے بارے میں اتری ہیں مثلاً وعظ ہو رہا ہے' حضور ﷺ کچھ نصیحت کی باتیں فرما رہے ہیں' لوگ بیٹھے سن رہے ہیں اب جو دوسرا کوئی آیا تو کوئی اپنی جگہ سے نہیں سرکتا تاکہ اسے بھی جگہ مل جائے تو قرآن کریم نے حکم دیا کہ ایسا نہ کرو ادھر ادھر کھل جایا کرو تاکہ اس آنے والے کی جگہ ہو جائے۔

حضرت مقاتلؒ فرماتے ہیں جمعہ کے دن یہ آیت اتری۔ رسول اللہ ﷺ اس دن صفہ میں تھے یعنی مسجد کے ایک چھپر تلے جگہ تنگ تھی اور آپؐ کی عادت مبارک تھی کہ جو مہاجر اور انصار بدر کی لڑائی میں آپؐ کے ساتھ تھے آپؐ ان کی بڑی عزت اور تکریم کیا کرتے تھے۔ اس دن اتفاق سے چند بدری صحابہ ذرا دیر سے آئے تو آنحضرت ﷺ کے آس پاس کھڑے ہو گئے۔ آپؐ سے سلام علیک ہوئی۔ آپؐ نے جواب دیا۔ پھر اور اہل مجلس کو سلام کیا' انہوں نے بھی جواب دیا۔ اب یہ اسی امید پر کھڑے رہے کہ مجلس میں ذرا کشادگی دیکھیں تو بیٹھ جائیں لیکن کوئی شخص اپنی جگہ سے نہ ہلا جوان کے لیے جگہ ہوتی۔ آنحضرت ﷺ نے جب یہ دیکھا تو رہا نہ گیا' نام لے لے کر بعض لوگوں کو ان کی جگہ سے کھڑا کیا اور ان بدری صحابیوں کو بیٹھنے کو فرمایا جو لوگ کھڑے کرائے گئے تھے انہیں ذرا بھاری پڑا' ادھر منافقین کے ہاتھ میں ایک مشغلہ لگ گیا' کہنے لگے لیجئے یہ عدل کرنے کے مدعی نبی ہیں کہ جو لوگ شوق سے آئے پہلے آئے اپنے نبی کے قریب جگہ لی اطمینان سے اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے انہیں تو ان کی جگہ سے کھڑا کر دیا اور دیر سے آنے والوں کو ان کی جگہ دلوادی' کس قدر ناانصافی ہے۔ ادھر حضور ﷺ نے اس لیے کہ ان کے دل میلے نہ ہوں' دعا کی کہ اللہ اس پر رحم کرے جو اپنے مسلمان بھائی کے لیے مجلس میں جگہ کر دے اس حدیث کو سنتے ہی صحابہؓ نے فوراً خود بخود اپنی جگہ سے ہٹنا اور آنے والوں کو جگہ دینا شروع کر دی اور جمعہ ہی کے دن یہ آیت اتری (ابن ابی حاتم)

بخاری' مسلم' مسند وغیرہ میں حدیث ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو اس کی جگہ سے ہٹا کر آپ نہ بیٹھے بلکہ تمہیں چاہیے کہ ادھر ادھر سرک کر اس کے لیے جگہ بنادو۔ مسند شافعی میں ہے تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کو جمعہ کے دن اس کی جگہ سے ہرگز نہ اٹھائے بلکہ کہہ دے کہ گنجائش کرو۔ اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ کسی آنے والے کے لیے کھڑا ہو جانا جائز ہے یا نہیں؟ بعض لوگ تو اجازت دیتے ہیں اور یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ جو شخص یہ چاہے کہ لوگ اس کے لیے سیدھے کھڑے ہو جایا کریں وہ جہنم میں اپنی جگہ بنالے۔

بعض بزرگ تفصیل کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ سفر سے اگر کوئی آیا ہو تو اور حاکم کے لیے اس کی حکومت کی جگہ کھڑے ہو جانا درست ہے' کیونکہ حضور ﷺ نے جن کے لیے کھڑا ہونے کو فرمایا تھا یہ حضرت سعد بن معاذؓ تھے۔ بنو قریظہ کے آپؐ حاکم بنائے گئے تھے جب انہیں آتا ہوا دیکھا تو حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ اپنے سردار کے لیے کھڑے ہو جاؤ اور یہ بطور تعظیم کے نہ تھا) بلکہ صرف اس لیے تھا کہ ان کے احکام کو بخوبی جاری کرایا جائے' واللہ اعلم۔ ہاں اسے عادت بنالینا کہ مجلس میں جہاں کوئی بڑا آدمی آیا اور لوگ کھڑے ہو گئے یہ عجمیوں کا طریقہ ہے۔ سنن کی حدیث میں ہے کہ صحابہ کرامؓ کے نزدیک رسول اللہ ﷺ سے زیادہ محبوب اور باعزت کوئی نہ تھا لیکن تاہم آپؐ کو دیکھ کر وہ کھڑے نہیں ہوا کرتے تھے۔ جانتے تھے کہ آپؐ اسے مکروہ سمجھتے ہیں۔ سنن کی اور حدیث میں ہے

کہ رسول اللہ ﷺ آتے ہی مجلس کے خاتمے پر بیٹھ جایا کرتے تھے اور جہاں آپؐ تشریف فرما ہو جاتے وہی جگہ صدارت کی جگہ ہو جاتی اور صحابہ کرام اپنے اپنے مراتب کے مطابق مجلس میں بیٹھ جاتے' حضرت الصدیقؓ آپؐ کے دائیں' جناب فاروقؓ آپؐ کے بائیں اور عموماً حضرت عثمانؓ آپؐ کے سامنے بیٹھتے تھے کیونکہ یہ دونوں بزرگ کاتب وحی تھے۔ آپؐ ان سے فرماتے اور یہ وحی لکھ لیا کرتے تھے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ حضور ﷺ کا فرمان تھا کہ مجھ سے قریب ہو کر عقلمند صاحب فراست لوگ بیٹھیں پھر درجہ بدرجہ' اور یہ انتظام اس لیے تھا کہ حضور ﷺ کے مبارک ارشادات یہ حضرات سنیں اور بخوبی سمجھیں' یہی وجہ تھی کہ صفہ والی مجلس میں جس کا ذکرا بھی ابھی گزرا ہے آپؐ نے اور لوگوں کو ان کی جگہ سے ہٹا کر وہ جگہ بدری اصحابؓ کو دلوائی تو اس کے ساتھ اور وجہیں بھی تھیں' مثلاً ان لوگوں کو خود چاہیے تھا کہ ان بزرگ صحابہؓ کا خیال کرتے اور لحاظ و مروت برت کر خود ہٹ کر انہیں جگہ دیتے۔ جب انہوں نے از خود ایسا نہیں کیا تو پھر حکماً ان سے ایسا کرایا گیا۔ اسی طرح پہلے کے لوگ حضور ﷺ کے کلمات پوری طرح سن چکے تھے' اب یہ حضرات آئے تھے تو آپؐ نے چاہا کہ یہ بھی بہ آرام بیٹھ کر میری حدیثیں سن لیں اور تعلیم الٰہی حاصل کر لیں' اسی طرح امت کو اس بات کی تعلیم بھی دینی تھی کہ وہ اپنے بڑوں اور بزرگوں کو امام کے پاس بیٹھنے دیں اور انہیں اپنے سے مقدم رکھیں۔

مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز کی صفوں کی درستی کے وقت ہمارے مونڈھے خود پکڑ کر ٹھیک ٹھاک کرتے اور زبانی بھی فرماتے جاتے سیدھے رہو' ٹیڑھے ترچھے نہ کھڑے ہوا کرو' دانائی اور عقلمندی والے مجھ سے قریب رہیں پھر درجہ بدرجہ۔ حضرت ابو مسعودؓ اس حدیث کو بیان فرما کر فرماتے ہیں باوجود اس حکم کے افسوس کہ تم اب بڑی ٹیڑھی صفیں کرتے ہو۔ مسلم' ابوداؤد' نسائی اور ابن ماجہ میں بھی یہ حدیث ہے۔ ظاہر ہے کہ جب آپؐ کا یہ حکم نماز کے لیے تھا تو نماز کے سوا اور وقتوں میں تو بطور اولیٰ یہی حکم رہے گا۔ ابوداؤد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا صفوں کو درست کرو' مونڈھے ملائے رکھو' صفوں کے درمیان خالی جگہ نہ چھوڑو' اپنے بھائیوں کے پاس صف میں نرم بن جایا کرو' صف میں شیطان کے لیے سوراخ نہ چھوڑو' صف ملانے والے کو اللہ تعالیٰ ملاتا ہے اور صف توڑنے والے کو اللہ تعالیٰ کاٹ دیتا ہے۔ اسی لیے سید القراء حضرت ابی بن کعبؓ جب پہنچتے تو صف اول میں سے کسی ضعیف العقل شخص کو پیچھے ہٹا دیتے اور خود پہلی صف میں مل جاتے اور اسی حدیث کو دلیل میں لاتے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے مجھ سے قریب ذی رائے اور اعلیٰ عقلمند کھڑے ہوں پھر درجہ بدرجہ۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو دیکھ کر اگر کوئی شخص کھڑا ہو جاتا تو آپؐ اس کی جگہ پر نہ بیٹھتے اور اس حدیث کو پیش کرتے جو اوپر گزری کہ کسی کو اٹھا کر اس کی جگہ مین کوئی اور نہ بیٹھے یہاں بطور نمونے کے یہ چند مسائل اور تھوڑی حدیثیں لکھ کر ہم آگے چلتے ہیں۔ بسط و تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں نہ یہ موقع ہے ایک صحیح حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ بیٹھے ہوئے تھے کہ تین شخص آئے۔ ایک تو مجلس کے درمیان جگہ خالی دیکھ کر وہاں آ کر بیٹھ گیا۔ دوسرے نے مجلس کے آخر میں جگہ بنالی' تیسرے واپس چلا گیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا لوگو! میں تمہیں تین شخصوں کی بابت خبر دوں' ایک نے تو اللہ تعالیٰ کی طرف جگہ لی اور اللہ تعالیٰ نے اسے جگہ دی' دوسرے نے شرم کی اللہ نے بھی اس سے حیا کی' تیسرے نے منہ پھیر لیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی اس سے منہ پھیر لیا۔ مسند احمد میں ہے کہ کسی کو حلال نہیں کہ دو شخصوں کے درمیان تفریق کرے' ہاں ان کی خوشنودی سے ہو تو اور بات ہے (ابوداؤد و ترمذی)_ امام ترمذیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ و حسن بصریؒ وغیرہ فرماتے ہیں مجلسوں کی کشادگی کا حکم جہاد کے بارے میں ہے۔ اسی طرح اُٹھ کھڑے ہونے کا حکم بھی جہاد کے بارے میں ہے۔

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں یعنی جب تمہیں بھلائی اور کار خیر کی طرف بلایا جائے تو تم فوراً آ جاؤ۔ حضرت مقاتلؒ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ جب تمہیں نماز کے لیے بلایا جائے تو اٹھ کھڑے ہو جایا کرو۔ حضرت عبدالرحمن بن زیدؒ فرماتے ہیں کہ صحابہ جب حضور

ﷺ کے ہاں آتے تو جاتے وقت ہر ایک کی چاہت یہ ہوتی کہ سب سے آخر حضور ﷺ سے جدا میں ہوؤں' بسا اوقات آپ ﷺ کو کوئی کام کاج ہوتا تو بڑا حرج ہوتا' لیکن آپ ﷺ مروت سے کچھ نہ فرماتے۔ اس پر یہ حکم ہوا کہ جب تم سے کھڑے ہونے کو کہا جائے تو کھڑے ہو جایا کرو۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا ﴾ اگر تم سے لوٹ جانے کو کہا جائے تو لوٹ جاؤ۔ پھر فرماتا ہے کہ مجلسوں میں جب جگہ دینے کو کہا جائے تو جگہ دینے میں اور جب چلے جانے کو کہا جائے تو چلے جانے میں اپنی ہتک نہ سمجھو۔ بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مرتبہ بلند کرنا اور اپنی توقیر کرانا ہے' اسے اللہ ضائع نہ کرے گا' بلکہ اس پر دنیا اور آخرت میں نیک بدلہ دے گا' جو شخص احکام الٰہی پر تواضع سے گردن جھکا دے اللہ تعالیٰ اس کی عزت بڑھاتا ہے اور اس کی شہرت نیکی کے ساتھ کرتا ہے۔ ایمان والوں اور صحیح علم والوں کا یہی کام ہوتا ہے کہ اللہ کے احکام کے سامنے گردن جھکا دیا کریں اور اس سے وہ بلند درجوں کے مستحق ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو بخوبی علم ہے کہ بلند مرتبوں کا مستحق کون ہے اور کون نہیں۔

حضرت نافع بن عبدالحارث رضی اللہ عنہ سے امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ملاقات عسفان میں ہوئی۔۔۔۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں مکہ کا عامل بنایا تھا تو ان سے پوچھا کہ تم مکہ میں اپنی جگہ کسے چھوڑ آئے ہو؟ جواب دیا کہ ابن ابزیٰ کو۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ تو ہمارے مولے ہیں یعنی آزاد کردہ غلام' انہیں تم اہل مکہ کا امیر بنا کر چلے ہو؟ کہاں ہاں اس لیے کہ وہ اللہ کی کتاب کا ماہر اور فرائض کا جاننے والا اور اچھا وعظ کہنے والا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس وقت فرمایا سچ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کی وجہ سے ایک قوم کو عزت پر پہنچا کر بلند مرتبہ کرے گا اور دوسروں کو پست و کم مرتبہ بنا دے گا (مسلم)۔ علم اور علماء کی فضیلت جو اس آیت اور دیگر آیات واحادیث سے ظاہر ہے میں نے ان سب کو بخاری کی کتاب العلم کی شرح میں جمع کر دیا ہے' ﴿ والحمدلله ﴾

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ ۭ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾ ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ۭ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳﴾

اے مسلمانو! جب تم رسول ﷺ سے سرگوشی کرنا چاہو تو اپنی سرگوشی سے پہلے کچھ صدقہ دے دیا کرو۔ یہ تمہارے حق میں بہتر اور پاکیزہ تر ہے' ہاں اگر نہ پاؤ تو بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ کیا تم اپنی راز کی باتوں سے پہلے صدقہ نکالنے سے ڈر گئے؟ پس جب تم نے یہ نہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے بھی تمہیں معاف فرما دیا تو اب بخوبی نمازوں کو قائم رکھو زکوۃ دیتے رہا کرو اور اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول ﷺ کی تابعداری کرتے رہو۔ تم جو کچھ کرتے ہو اس سب سے اللہ تعالیٰ خوب خبردار ہے۔

پیغمبر سے سرگوشی: اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو حکم دیتا ہے کہ میرے نبی سے جب تم کوئی راز کی بات کرنا چاہو تو اس سے پہلے میری راہ میں خیرات کیا کرو تاکہ تم پاک صاف ہو جاؤ اور اس قابل بن جاؤ کہ میرے پیغمبر سے مشورہ کر سکو' ہاں اگر کوئی غریب مسکین شخص ہو تو خیرات اللہ تعالیٰ کی بخشش اور اس کے رحم پر نظریں رکھنی چاہئیں یعنی یہ حکم صرف انہیں ہے جو مال دار ہوں پھر فرمایا

کیا تمہیں اس حکم کے باقی رہ جانے کا اندیشہ تھا اور خوف تھا کہ یہ صدقہ کب تک واجب رہے گا۔ اچھا جب تم نے اسے نہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے بھی تمہیں معاف فرمایا تو اب اور مذکورہ بالا فرائض کا پوری طرح خیال رکھو۔ کہا جاتا ہے کہ سرگوشی سے پہلے صدقہ نکالنے کا شرف حضرت علیؓ کو حاصل ہوا ہے پھر یہ حکم ہٹ گیا۔ ایک دینار صدقہ دے کر حضور ﷺ سے آپؓ نے پوشیدہ باتیں کیں دس مسائل پوچھے۔ پھر تو یہ حکم ہی ہٹ گیا۔ حضرت علیؓ سے خود بھی یہ واقعہ بہ تفصیل مروی ہے کہ آپؓ نے فرمایا اس آیت پر نہ مجھ سے پہلے کسی نے عمل کیا نہ میرے بعد کوئی عمل کر سکے۔ میرے پاس ایک دینار تھا جسے بھنا کر میں نے دس درہم لیے' ایک درہم اللہ کے نام پر کسی مسکین کو دے دیا پھر آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپؐ سے سرگوشی کی۔ پھر تو یہ حکم اُٹھ گیا تو مجھ سے پہلے بھی اس پر کسی نے عمل نہیں کیا اور نہ میرے بعد کوئی اس پر عمل کر سکتا ہے۔ پھر آپؓ نے اس آیت کی تلاوت کی۔ ابن جریر میں ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت علیؓ سے پوچھا کیا صدقہ کی مقدار ایک دینار مقرر کرنی چاہیے تو آپؓ نے کہا یہ تو بہت ہوئی۔ فرمایا پھر آدھا دینار کہا ہر شخص کو اس کی بھی طاقت نہیں۔ آپؐ نے فرمایا اچھا تم ہی بتلاؤ کس قدر؟ فرمایا ایک جو برابر سونا۔ آپؐ نے فرمایا واہ واہ تم تو بڑے ہی تنگ دل ہو۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں پس میری وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس امت پر تخفیف کر دی۔ ترمذی میں بھی یہ روایت ہے اور اسے حسن غریب کہا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں مسلمان برابر حضور ﷺ سے رازداری کرنے سے پہلے صدقہ نکالا کرتے تھے' لیکن زکوٰۃ کے حکم نے اسے اُٹھا دیا۔ آپؓ فرماتے ہیں صحابہؓ نے کثرت سے سوالات کرنے شروع کر دیے جو حضور ﷺ پر گراں گزرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دے کر آپؐ پر تخفیف کر دی کیونکہ اب لوگوں نے سوالات چھوڑ دیے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر کشادگی کر دی اور اس حکم کو منسوخ کر دیا۔ عکرمہؒ اور حسن بصریؒ کا بھی یہی قول ہے کہ یہ حکم منسوخ ہے۔ حضرت قتادہؒ اور حضرت مقاتلؒ بھی یہی فرماتے ہیں۔ حضرت قتادہؒ کا قول ہے کہ صرف دن کی چند ساعتوں تک یہ حکم رہا۔ حضرت علیؓ بھی یہی فرماتے ہیں کہ صرف میں ہی عمل کر سکا تھا اور دن کا تھوڑا ہی حصہ اس حکم کو نازل ہوئے ہوا تھا جو منسوخ ہو گیا۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مَا هُمْ مِنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ وَيَحْلِفُونَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿١٤﴾ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا إِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٥﴾ اتَّخَذُوا أَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ ﴿١٦﴾ لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿١٧﴾ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا فَيَحْلِفُونَ لَهُ كَمَا يَحْلِفُونَ لَكُمْ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْكَاذِبُونَ ﴿١٨﴾ اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَأَنْسَاهُمْ ذِكْرَ اللَّهِ أُولَٰئِكَ حِزْبُ الشَّيْطَانِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿١٩﴾

کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا؟ جنہوں نے اس قوم سے دوستی کی جن پر اللہ غضبناک ہو چکا ہے۔ نہ یہ منافق تمہارے ہی ہیں نہ ان کے۔ یہ باوجود علم کے پھر بھی جھوٹ پر قسمیں کھا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے' تحقیق جو کچھ یہ کر رہے ہیں برا کر رہے ہیں۔ ان لوگوں نے تو اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکتے ہیں ان کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے۔ ان کے مال اور ان کی اولادیں اللہ کے ہاں کچھ کام نہ آئیں گی۔ یہ تو جہنمی ہیں' ہمیشہ ہی اس میں رہیں گے۔ جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو کھڑا کرے گا تو یہ جس طرح تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں اللہ تعالیٰ کے سامنے بھی قسمیں کھانے لگیں گے اور سمجھیں گے کہ وہ بھی کچھ ہیں' یقین مانو کے بے شک یہ جھوٹے ہیں۔ ان پر شیطان نے غلبہ حاصل کر لیا ہے' اور انہیں اللہ کا ذکر بھلا دیا ہے۔ یہ شیطانی لشکر ہے۔ کوئی شک نہیں کہ شیطانی لشکر ہی خراب خستہ ہے۔

منافقوں کا ذکر: منافقوں کا ذکر ہو رہا ہے کہ یہ اپنے دل میں یہود کی محبت رکھتے ہیں_ گو دراصل ان کے بھی حقیقی ساتھی نہیں نہ تمہارے ہیں نہ ادھر کے ہیں نہ ادھر کے ہیں۔ صاف جھوٹی قسمیں کھا جاتے ہیں ایمان داروں کے پاس آ کر ان کی سی کہنے لگتے ہیں رسول کے پاس آ کر قسمیں کھا کر اپنی ایمانداری کا یقین دلاتے ہیں اور دل میں اس کے خلاف جذبات پاتے ہیں اور اپنی غلطی گوئی کا علم رکھتے ہوئے دھڑا دھڑ بے دھڑک قسمیں کھا لیتے ہیں۔ ان کی ان بداعمالیوں کی وجہ سے انہیں سخت تر عذاب ہوں گے۔ اس دھوکے بازی کا برا بدلہ انہیں دیا جائے گا۔ یہ تو اپنی قسموں کو اپنی ڈھالیں بنائے ہوئے ہیں اور اللہ کی راہ سے رک گئے ہیں۔ ایمان ظاہر کرتے ہیں کفر دل میں رکھتے ہیں اور قسموں سے اپنی باطنی بدی کو چھپاتے ہیں اور ناواقف لوگوں پر اپنی سچائی کا ثبوت اپنی قسموں سے پیش کر کے انہیں اپنا مداح بنا لیتے ہیں اور پھر رفتہ رفتہ انہیں بھی اپنے رنگ میں رنگ لیتے ہیں۔ چونکہ انہوں نے جھوٹی قسموں سے اللہ تعالیٰ کے پر از صد ہزار تکریم نام کی بے عزتی کی تھی اس لیے انہیں ذلت واہانت والے عذاب ہوں گے' جن عذابوں کو نہ ان کے مال دفع کر سکیں نہ اس وقت ان کی اولادیں ان کے کچھ کام آئیں یہ تو جہنمی بن چکے اور وہاں سے ان کا نکلنا بھی کبھی نہ ہوگا۔ قیامت والے دن جب ان کا حشر ہوگا اور ایک بھی اس میدان میں آئے بغیر نہ رہ سکے گا سب جمع ہو جائیں گے تو چونکہ زندگی میں ان کی عادت تھی کہ اپنی جھوٹ باتوں کو قسموں سے سچ ثابت کر دکھاتے تھے' آج اللہ کے سامنے اپنی ہدایت واستقامت پر بڑی بڑی قسمیں کھالیں گے اور سمجھتے ہوں گے کہ یہاں بھی یہ چالاکی چل جائے گی مگر ان جھوٹوں کی بھلا اللہ کے سامنے چال بازی کہاں چل سکتی ہے؟ وہ تو ان کا جھوٹا ہونا یہاں بھی مسلمانوں سے بیان فرما چکا۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنے کسی حجرے کے سائے میں تشریف فرما تھے اور صحابہ کرام بھی آس پاس بیٹھے تھے' سایہ دار جگہ کم تھی' بہ مشکل لوگ اس میں پناہ لئے بیٹھے تھے کہ آپ ﷺ نے فرمایا دیکھو ابھی ایک شخص آئے گا جو شیطانی نگاہ سے دیکھتا ہے' وہ آئے تو اس سے بات نہ کرنا۔ تھوڑی دیر میں ایک کیری آنکھوں والا شخص آیا۔ حضور ﷺ نے اسے اپنے پاس بلا کر فرمایا کیوں بھئی تو اور فلاں فلاں مجھے کیوں گالیاں دیتے ہو؟ یہ یہاں سے چلا گیا اور جن جن کا نام حضور ﷺ نے لیا تھا انہیں لے کر آیا اور پھر تو قسموں کا تانتا باندھ دیا کہ ہم میں سے کسی نے حضور ﷺ کی کوئی بے ادبی نہیں کی۔ اس پر یہ آیت اتری کہ یہ جھوٹے ہیں۔ یہی حال مشرکوں کا بھی دربار الٰہی میں ہوگا کہ قسمیں کھا جائیں گے کہ ہمیں اللہ کی قسم جو ہمارا رب ہے کہ ہم نے شرک نہیں کیا۔ پھر فرماتا ہے ان پر شیطان نے غلبہ پا لیا ہے اور ان کے دل کو اپنی مٹھی میں کر لیا ہے۔ یاد الٰہی ذکر اللہ سے انہیں دور ڈال دیا ہے۔ ابوداؤد کی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جس کسی بستی یا جنگل میں تین شخص بھی ہوں اور ان میں نماز نہ قائم کی جاتی ہو تو شیطان ان پر چھا جاتا ہے۔ پس تو جماعت کو لازم پکڑے رہ۔ بھیڑیا اسی بکری کو کھاتا ہے جو ریوڑ سے الگ ہو۔ حضرت سائبؓ فرماتے ہیں یہاں مراد جماعت سے نماز کی جماعت ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ اللہ کے ذکر فراموش کرنے والے شیطانی جماعت کے افراد ہیں۔ شیطان کا یہ لشکر یقین

نامراد اور زیاں کار ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ فِي الْأَذَلِّينَ ﴿٢٠﴾ كَتَبَ اللَّهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِي ۚ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿٢١﴾ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ ۚ أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُمْ بِرُوحٍ مِنْهُ ۖ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۚ أُولَٰئِكَ حِزْبُ اللَّهِ ۚ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٢٢﴾

بیشک اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول ﷺ کی جو لوگ مخالفت کرتے ہیں وہی لوگ سب سے زیادہ ذلیلوں میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ لکھ چکا ہے کہ بیشک میں اور میرے پیغمبر غالب رہیں گے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ زور آور اور غالب ہے۔ اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والوں کو تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرنے والوں سے محبت رکھتے ہوئے ہرگز نہ پائے گا گو وہ ان کے باپ یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے کنبہ قبیلے کے عزیز ہی کیوں نہ ہوں۔ یہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان لکھ دیا ہے اور جن کی تائید اپنی روح سے کی ہے اور جنہیں ان جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں' جہاں یہ ہمیشہ رہیں گے' اللہ ان سے راضی ہے اور یہ اللہ سے خوش ہیں۔ یہ لشکر الٰہی ہے' آگاہ رہو بیشک اللہ کے گروہ والے ہی کامیاب لوگ ہیں۔

اللہ اور رسول کے دشمن ذلیل ہوں گے: اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ جو لوگ حق سے برگشتہ ہیں ہدایت سے دور ہیں' اللہ اور اس کے رسول کے مخالف ہیں احکام شرع کی اطاعت سے الگ ہیں یہ لوگ انتہا درجے کی ذلیل بے وقار اور خستہ حال ہیں' رحمت رب سے دور اللہ کی مہربانی بھری نظروں سے اوجھل اور دنیا و آخرت میں برباد ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو فیصلہ کر چکا ہے بلکہ اپنی پہلی کتاب میں ہی لکھ چکا ہے اور مقدر کر چکا ہے جو تقدیر اور جو تحریر نہ مٹے گی نہ بدلے گی نہ اسے ہیر پھیر کرنے کی کسی میں طاقت ہے کہ وہ اور اس کی کتاب اور اس کے رسول اور اس کے مومن بندے دنیا اور آخرت میں غالب رہیں گے' جیسے اور جگہ ہے ﴿ اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ الخ ہم اپنے رسول کی اور ایمان دار بندوں کی ضرور ضرور مدد کریں گے' دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی جس دن گواہ قائم ہو جائیں گے اور جس دن گنہگاروں کو کوئی عذر و معذرت فائدہ نہ پہنچائے گی ان پر لعنتیں برستی ہوں گی اور ان کے لیے برا گھر ہو گا۔ یہ لکھنے والا اللہ قوی ہے اور اس کی لکھت اٹل ہے وہ غالب و قہار ہے اپنے دشمنوں پر ہر وقت قابو رکھنے والا ہے۔ اس کا یہ اٹل فیصلہ اور طے شدہ قضا ہے کہ دونوں جہان میں انجام کے اعتبار سے غلبہ و نصرت مومنوں کا حصہ ہے۔

مومن سب سے بڑھ کر اللہ اور رسول سے محبت رکھتے ہیں: پھر فرمایا کہ یہ ناممکن ہے کہ اللہ کے دوست اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے محبت رکھیں۔ اور جگہ ہے کہ مسلمانوں کو چاہیے کہ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دلی دوست نہ بنائیں ایسا کرنے والے اللہ کے ہاں کسی گنتی میں نہیں' ہاں ڈر خوف کے وقت بطور دفع الوقتی کے ہو تو اور بات ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی گرامی ذات سے ڈرا رہا ہے۔ اور جگہ ہے اے نبی اعلان کر دیجیے کہ اگر تمہارے باپ دادا بیٹے پوتے بیوی بچے کنبہ قبیلہ مال و دولت تجارت حرفت' گھربار

وغیرہ تمہیں بہ نسبت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے اور اس کی راہ کے جہاد کے زیادہ عزیز اور محبوب ہیں تو تم اللہ کے عنقریب برس پڑنے والے عذابوں کا انتظار کرو اس قسم کے فاسقوں کی رہبری بھی اللہ کی طرف سے نہیں ہوتی۔ حضرت سعید بن عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں یہ آیت حضرت ابو عبیدہ عامر بن عبداللہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں اتری ہے۔ جنگ بدر میں ان کے والد کفر کی حمایت میں مسلمانوں کے مقابلے پر آئے۔ آپؓ نے انہیں قتل کر دیا۔

حضرت عمرؓ نے اپنے آخری وقت میں جبکہ خلافت کے لیے ایک جماعت کو خلیفہ مقرر کیا کہ لوگ مل کر جسے چاہیں خلیفہ بنا لیں اس وقت حضرت ابو عبیدہؓ کی نسبت فرمایا تھا کہ اگر یہ ہوتے تو میں انہی کو خلیفہ مقرر کرتا۔ اور یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ ایک ایک صفت الگ الگ بزرگوں میں تھی مثلاً حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ نے تو اپنے والد کو قتل کیا تھا اور حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کے قتل کا ارادہ کیا تھا اور حضرت مصعب بن عمیرؓ نے اپنے بھائی عبید بن عمیر کو قتل کیا تھا اور حضرت عمرؓ اور حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ اور حضرت عبیدہ ابن حارثؓ نے اپنے قریبی رشتہ داروں عتبہ، شیبہ اور ولید بن عتبہ کو قتل کیا تھا، واللہ اعلم۔

اسی ضمن میں یہ واقعہ بھی داخل ہو سکتا ہے کہ جس وقت رسول اللہ ﷺ نے بدری قیدیوں کی نسبت مسلمانوں سے مشورہ کیا تو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا کہ ان سے فدیہ لے لیا جائے تاکہ مسلمانوں کی مالی مشکلات دور ہو جائیں مشرکوں سے جہاد کرنے کے لیے آلات حرب جمع کر لیں اور یہ چھوڑ دیئے جائیں کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ ان کے دل اسلام کی طرف پھیر دے، آخر ہیں تو ہمارے ہی کنبے رشتے کے۔ لیکن حضرت عمر فاروقؓ نے اپنی رائے اس کے بالکل برخلاف پیش کی کہ یا رسول اللہ جس مسلمان کا جو رشتہ دار مشرک ہے اس کے حوالے کر دیا جائے اور اسے حکم دیا جائے کہ وہ اسے قتل کر دے ہم اللہ تعالیٰ کو دکھانا چاہتے ہیں کہ ہمارے دلوں میں ان مشرکوں کی کوئی محبت نہیں، مجھے میرا فلاں رشتہ دار سونپ دیجئے اور حضرت علیؓ کے حوالے عقیل کو کر دیجئے اور فلاں صحابی کو فلاں کافر دے دیجئے وغیرہ۔

پھر فرماتا ہے کہ جو اپنے دل کو اللہ کے دشمنوں کی محبت سے خالی کر دے اور مشرک رشتہ داروں سے بھی محبت چھوڑ دے وہ کامل الایمان شخص ہے جس کے دل میں ایمان نے جڑیں جمالی ہیں اور جن کی قسمت میں سعادت لکھی جا چکی ہے اور جن کی نگاہ میں ایمان کی زینت بچ گئی ہے، اور ان کی تائید اللہ تعالیٰ نے اپنی پاس کی روح سے کی ہے، یعنی انہیں قوی بنا دیا ہے۔ اور یہی بہتی نہروں والی جنت میں جائیں گے، جہاں سے کبھی نہ نکالے جائیں، اللہ تعالیٰ ان سے راضی یہ اللہ سے خوش، چونکہ انہوں نے اللہ کے لیے رشتہ کنبہ والوں کو ناراض کر دیا تھا اللہ تعالیٰ اسکے بدلے ان سے راضی ہو گیا اور انہیں اس قدر دیا کہ یہ بھی خوش خوش ہو گئے۔ لشکر الٰہی یہی ہے اور کامیاب گروہ بھی یہی ہے جو شیطانی لشکر اور ناکام گروہ کے مقابل ہے۔ حضرت ابو حازم اعرجؒ نے حضرت زہریؒ کو لکھا کہ جاہ دو قسم کی ہے ایک وہ جسے اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کے ہاتھوں پر جاری کرتا ہے، جو حضرات عام لوگوں کی نگاہوں میں نہیں جچتے جن کی عام شہرت نہیں ہوتی جن کی صفت اللہ کے رسول ﷺ نے بھی بیان فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو گمنام متقی نیکوکار ہیں اگر وہ نہ آئیں تو پوچھ گچھ نہ ہو اور آ جائیں تو آؤ بھگت نہ ہو ان کے دل ہدایت کے چراغ ہیں۔ ہر سیاہ رنگ اندھیرے والے فتنے سے نکلتے ہیں۔ یہ ہیں وہ اولیاء اللہ جنہیں اللہ نے اپنا لشکر فرمایا ہے اور جن کی کامیابی کا اعلان کیا ہے (ابن ابی حاتم)۔

نعیم بن حماد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی دعا میں فرمایا اے اللہ کسی فاسق فاجر کا کوئی احسان اور سلوک مجھ پر نہ رکھ کیونکہ میں نے تیری نازل کردہ وحی میں پڑھا ہے کہ ایماندار مخالفین اللہ کے دوست نہیں ہوتے۔ حضرت سفیانؒ فرماتے ہیں اگلوں کا خیال ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں اتری ہے جو بادشاہ سے خلط ملط رکھتے ہوں۔ (ابو احمد عسکری)۔

﴿الحمدللہ﴾ سورہ مجادلہ کی تفسیر ختم ہوئی۔

تفسیر سورۂ حشر مدنیہ

اور بقول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ

سورۂ بنو نضیر

صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت سعید بن جبیرؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے کہا کہ یہ سورہ حشر ہے' تو آپؓ نے فرمایا قبیلہ بنو نضیر کے بارے میں اتری ہے۔ بخاری کی اور روایت میں ہے کہ آپؓ نے جواباً فرمایا یہ سورت سورہ بنو نضیر ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ① هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ۭ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا ۤ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۤ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ② وَلَوْلَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَاۗءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا ۭ وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ③ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَاۗقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاۗقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ④ مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَاۗىِٕمَةً عَلٰٓي اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ⑤

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

میں اللہ تعالیٰ رحمٰن و رحیم کے نام سے پڑھنا شروع کرتا ہوں

آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتی ہے' اور وہ غالب ہے اور باحکمت ہے' وہی ہے جس نے اہل کتاب کے کافروں کو گھروں سے نکال کر پہلے حشر کی زمین میں لا کھڑا کیا' تمہارا گمان بھی نہ تھا کہ وہ نکلیں گے اور وہ خود بھی سمجھ رہے تھے کہ ان کے سنگین قلعے انہیں اللہ کے عذاب سے بچا لیں گے پس ان پر عذاب اللہ ایسی جگہ سے آ پڑا کہ انہیں گمان میں بھی نہ تھا ان کے دلوں میں اللہ نے رعب ڈال دیا اپنے گھروں کو اپنے ہی ہاتھوں برباد کرنا شروع کر دیا اور مسلمانوں کے ہاتھوں بھی برباد ہوئے' پس اے آنکھوں والو عبرت حاصل کرو۔ اور اگر اللہ تعالیٰ نے ان پر

جلا وطنی کو مقدر نہ کر دیا ہوتا تو یقیناً انہیں دنیا ہی میں عذاب دیتا' اور آخرت میں تو ان کے لیے آگ کا عذاب ہے ہی ۔ اس لیے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کی اور جو بھی اللہ سے مخالفت کرے گا تو اللہ تعالیٰ بھی سخت عذاب کرنے والا ہے' تم نے کھجوروں کے جو درخت کاٹ ڈالے یا جنہیں تم نے ان کی جڑوں پر باقی رہنے دیا۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے فرمان سے تھا اور اس لیے بھی کہ بدکاروں کو اللہ تعالیٰ رسوا کرے۔

بنو نضیر کا تفصیلی واقعہ : اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح' تحمید تقدیس تمجید تکبیر توحید میں مشغول ہے۔ جیسے اور جگہ فرمان ہے ﴿ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ ﴾ یعنی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی اور ثناخوانی کرتی ہے' وہ غلبہ والا اور بلند جناب والا اور عالی سرکار والا ہے' اور اپنے تمام احکام اور کل فرمان میں حکمت والا ہے جس نے اہل کتاب کے کافروں یعنی قبیلہ بنو نضیر کے یہودیوں کو ان کے گھروں سے نکالا۔ اس کا مختصر قصہ یہ ہے کہ مدینہ میں آن کر حضور ﷺ نے ان یہودیوں سے صلح کر لی تھی کہ نہ آپؐ ان سے لڑیں نہ یہ آپؐ سے لڑیں لیکن ان لوگوں نے اس عہد کو توڑ دیا جس کی وجہ سے اللہ کا غضب ان پر نازل ہوا' اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو ان پر غالب کیا اور آپ نے انہیں یہاں سے نکال دیا۔ مسلمانوں کو کبھی اس کا خیال تک نہ تھا۔ خود یہ یہودی بھی سمجھ رہے تھے کہ ان مضبوط قلعوں کے ہوتے ہوئے کوئی ان کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا' لیکن جب اللہ کی پکڑ آئی یہ سب چیزیں یونہی رکھی کی رکھی رہ گئیں اور اچانک اس طرح گرفت میں آ گئے کہ حیران رہ گئے اور آپؐ نے انہیں مدینہ سے نکلوا دیا بعض تو شام کے مقام اذرعات کی طرف چلے گئے جو حشر و نشر کی جگہ ہے اور بعض خیبر کی طرف جا نکلے۔ ان سے کہہ دیا گیا تھا کہ اپنے اونٹوں پر لاد کر جو لے جاسکو اپنے ساتھ لے جاؤ' اس لیے انہوں نے اپنے گھروں کو اجاڑ دیا توڑ پھوڑ کر جو چیزیں لے جاسکتے تھے اپنے ساتھ اٹھالیں' جو رہ گئیں وہ مسلمانوں کے ہاتھ لگیں۔ اس واقعہ کو بیان کر کے فرماتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے مخالفین کا انجام دیکھو اور اس سے عبرت حاصل کرو کہ کس طرح ان پر عذاب الٰہی اچانک آ پڑا اور دنیا میں تباہ و برباد کئے گئے اور آخرت میں بھی ذلیل و رسوا ہو گئے اور دردناک عذابوں میں جا پڑے۔

ابوداؤد میں ہے کہ ابن اُبی اور اس کے مشرک ساتھیوں کو جو قبیلہ اوس و خزرج میں سے تھے کفار قریش نے خط لکھا' جبکہ حضور ﷺ مدینہ میں تھے' اور غزوہ بدر پیش نہیں آیا تھا۔ اس میں تحریر تھا کہ تم نے حضور ﷺ کو اپنے شہر میں ٹھہرایا ہے پس یا تو تم اس سے لڑائی کرو اور اسے نکال باہر کرو یا ہم تمہیں نکال دیں گے اور اپنے تمام لشکروں کو لے کر تم پر حملہ کریں گے' اور تمہارے تمام لڑنے والوں کو تہ تیغ کر دیں گے اور تمہاری عورتوں لڑکیوں کو لونڈیاں بنالیں گے' اللہ کی قسم یہ ہو کر ہی رہے گا اب تم سوچ سمجھ لو۔ عبداللہ بن ابی اور اس کے بت پرست ساتھیوں نے اس خط کو پا کر آپس میں مشورہ کیا اور خفیہ طور پر حضور ﷺ سے لڑائی کرنے کی تجویز بالاتفاق منظور کر لی۔ جب حضور ﷺ کو یہ خبریں معلوم ہوئیں تو آپؐ خود ان کے پاس گئے اور ان سے فرمایا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ قریشیوں کا خط کام کر گیا اور تم لوگ اپنی موت کے سامان اپنے ہاتھوں کرنے لگے ہو تم اپنی اولادوں اور اپنے بھائیوں کو اپنے ہاتھوں ذبح کرنا چاہتے ہو میں تمہیں پھر ایک مرتبہ موقع دیتا ہوں کہ سوچ سمجھ لو اور اپنے اس بد ارادے سے باز آ جاؤ۔ حضور ﷺ کے اس ارشاد نے ان پر اثر کیا اور وہ لوگ اپنی جگہ چلے گئے۔ لیکن قریش نے بدر سے فارغ ہو کر انہیں پھر ایک خط لکھا اور اسی طرح دھمکایا۔ انہیں ان کی قوت ان کی تعداد اور ان کے مضبوط قلعے یاد دلائے۔ یہ پھر بھرے پر چڑھ گئے اور بنو نضیر نے صاف طور پر بدعہدی پر کمر باندھ لی اور حضور ﷺ کے پاس آدمی بھیجا کہ آپؐ تیس آدمی لے کر آیئے' ہم میں سے بھی تیس ذی علم آدمی آتے ہیں۔ ہمارے تمہارے درمیان کی جگہ پر یہ ساٹھ آدمی ملیں اور آپس میں بات چیت ہو۔ اگر یہ لوگ آپؐ کو سچا مان لیں اور ایمان لے آئیں تو ہم بھی آپؐ کے ساتھ ہیں۔ اس بدعہدی کی وجہ سے دوسرے دن صبح رسول اللہ ﷺ نے اپنا لشکر لے جا کر ان کا محاصرہ کر لیا اور ان سے فرمایا کہ اب اگر

تم نئے سرے سے امن وامان کا عہد و پیمان کرو تو خیر ورنہ تمہیں امن نہیں۔ انہوں نے صاف انکار کر دیا اور لڑنے مرنے پر تیار ہو گئے۔ چنانچہ دن بھر لڑائی ہوتی رہی۔ دوسری صبح کو آپؐ بنو قریظہ کی طرف لشکر لے کر بڑھے اور بنو نضیر کو یونہی چھوڑا۔ ان سے بھی یہی فرمایا کہ تم نئے سرے سے عہد و پیمان کرو۔ انہوں نے منظور کر لیا اور معاہدہ ہو گیا۔ آپؐ وہاں سے فارغ ہو کر پھر بنو نضیر کے پاس آئے لڑائی شروع ہوئی' آخر وہ ہارے اور حضور ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ تم مدینہ خالی کرو' جو اسباب لے جانا چاہو اونٹوں پر لاد کر لے جاؤ' چنانچہ انہوں نے گھر بار کا اسباب یہاں تک کہ دروازے اور لکڑیاں بھی اونٹوں پر لاد یں اور جلا وطن ہو گئے۔ ان کے کھجوروں کے درخت خاصۃ رسول اللہ ﷺ کے ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آپؐ کو ہی کو دلوا دیئے' جیسے آیت ﴿ وَمَا أَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ﴾ الخ میں ہے لیکن آنحضرت ﷺ نے اکثر حصہ مہاجرین کو دے دیا۔ ہاں انصاریوں میں سے صرف دو حاجت مندوں کو ہی حصہ دیا ورنہ سب کا سب مہاجرین میں تقسیم کر دیا جو باقی رہ گیا تھا یہی وہ مال تھا جو رسول اللہ ﷺ کا صدقہ تھا اور جو بنو فاطمہ کے ہاتھ لگا۔ غزوہ بنو نضیر کا مختصر قصہ اسکا سبب یہ تھا کہ مشرکوں نے دھوکہ بازی سے صحابہ کرامؓ کو بیر معونہ میں شہید کر دیا' جن کی تعداد ستر تھی۔ ان میں سے ایک حضرت عمرو بن امیہ ضمریؓ بچ کر بھاگ نکلے۔ مدینہ کی طرف آتے آتے موقعہ پا کر انہوں نے قبیلہ' بنو عامر کے دو شخصوں کو قتل کر دیا حالانکہ یہ قبیلہ رسول اللہ ﷺ سے معاہدہ کر چکا تھا' اور آپؐ نے انہیں امن وامان دے رکھا تھا لیکن اس کی خبر حضرت عمروؓ کو نہ تھی۔ جب یہ مدینہ پہنچے اور حضور ﷺ سے ذکر کیا تو آپؐ نے فرمایا تم نے انہیں قتل کر ڈالا۔ اب مجھے ان کے وارثوں کو دیت یعنی جرمانہ قتل وخون بہا ادا کرنا پڑے گا۔ بنو نضیر اور بنو عامر میں بھی حلف وعقد اور آپس میں مصالحت تھی اس لیے حضور ﷺ ان کی طرف چلے تاکہ کچھ یہ دیں کچھ آپؐ دیں اور بنو عامر کو راضی کر لیا جائے۔ قبیلہ بنو نضیر کی گڑھی مدینہ کے مشرق کی جانب کئی میل کے فاصلے پر تھی۔ جب آپؐ یہاں پہنچے تو انہوں نے کہا ہاں حضور ہم موجود ہیں ابھی ابھی جمع کر کے اپنے حصے کے مطابق آپؐ کی خدمت میں حاضر کرتے ہیں۔ ادھر آپؐ سے ہٹ کر یہ لوگ آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ اس سے بہتر موقعہ کب ہاتھ لگے گا؟ اس وقت آپؐ قبضے میں ہیں آؤ کام تمام کر ڈالو۔ چنانچہ یہ مشورہ ہوا کہ جس دیوار سے آپؐ لگے بیٹھے ہیں اس گھر پر کوئی چڑھ جائے اور وہاں سے بڑا سا پتھر آپؐ پر پھینک دے کہ آپؐ دب جائیں۔ عمرو بن حجاش ابن کعب اس کام پر مقرر ہوا۔ اس نے آپؐ کی جان لینے کا بیڑا اٹھایا اور چھت پر چڑھ گیا چاہتا تھا کہ پتھر لڑھکا دے اتنے میں اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کو حضور ﷺ کے پاس بھیجا اور حکم دیا کہ آپؐ یہاں سے اٹھ کھڑے ہوں۔ چنانچہ آپؐ فوراً ہٹ گئے اور یہ بد باطن اپنے برے ارادے میں ناکام رہے' آپؐ کے ساتھ اس وقت چند صحابہؓ تھے مثلاً حضرت ابو بکر صدیقؓ' حضرت عمر فاروقؓ' حضرت علیؓ' وغیرہ۔

آپ یہاں سے فوراً مدینہ کی طرف چل پڑے۔ ادھر جو صحابہؓ آپؐ کے ساتھ نہ تھے اور مدینہ میں آپؐ کے منتظر تھے انہیں دیر لگنے کے باعث خیال ہوا اور وہ آپؐ کو ڈھونڈھنے کے لیے نکل کھڑے ہوئے لیکن ایک شخص سے معلوم ہوا کہ آپؐ مدینہ پہنچ گئے ہیں۔ چنانچہ یہ لوگ واپس آئے۔ پوچھا کہ حضور کیا واقعہ ہے۔ آپؐ نے سارا قصہ سنایا اور حکم دیا کہ جہاد کی تیاری کرو۔ مجاہدین نے کمریں باندھ لیں اور اللہ کی راہ میں نکل کھڑے ہوئے۔ یہودیوں نے لشکروں کو دیکھ کر اپنے قلعے کے پھاٹک بند کر دیے اور پناہ گزین ہو گئے۔ آپؐ ﷺ نے محاصرہ کر لیا پھر حکم دیا کہ ان کے کھجور کے درخت جو آس پاس ہیں وہ کاٹ دیئے جائیں اور جلا دیئے جائیں۔ اب تو یہود چیخنے لگے کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ آپؐ تو زمین میں فساد کرنے سے اوروں کو روکتے تھے اور فسادیوں کو برا کہتے تھے پھر یہ کیا ہونے لگا؟ پھر ادھر تو درخت کٹنے کا غم' ادھر جو کمک آنے والی تھی اس کی طرف سے مایوسی ان دونوں چیزوں نے ان یہودیوں کی کمر توڑ دی۔ کمک کا واقعہ یہ ہے کہ بنو عوف بن خزرج کا قبیلہ جس میں عبد اللہ بن ابی بن سلول اور ودیعہ بن مالک ابن ابو قوقل اور سوید اور داعس وغیرہ تھے ان لوگوں نے بنو نضیر کو کہلوا بھیجا تھا کہ تم مقابلے پر جمے رہو اور قلعہ حوالے نہ کرو' ہم تمہاری مدد پر ہیں' تمہارا دشمن ہمارا

دشمن ہے' ہم تمہارے ساتھ مل کر اس سے لڑیں گے اور اگر تم نکلے تو ہم بھی نکلیں گے۔ لیکن اب تک ان کا یہ وعدہ پورا نہ ہوا اور انہوں نے یہودیوں کی کوئی مدد نہ کی۔ ادھر ان کے دل مرعوب ہو گئے تو انہوں نے درخواست کی کہ یارسول اللہ ہماری جان بخشی کیجئے' ہم مدینہ چھوڑ جاتے ہیں لیکن ہم اپنا جو مال اونٹوں پر لاد کر لے جا سکیں وہ ہمیں دیدیا جائے۔ آپؐ نے رحم کھا کر ان کی یہ درخواست منظور فرمالی اور یہ لوگ یہاں سے چلے گئے جاتے وقت اپنے دروازوں تک کو اکھیڑ کر لے گئے گھروں کو گرا گئے اور شام اور خیبر میں جا کر آباد ہو گئے' ان کے باقی کے مال خاص رسول اللہ ﷺ کے ہو گئے کہ آپؐ جس طرح چاہیں انہیں خرچ کریں' چنانچہ آپؐ نے مہاجرین اولین کو یہ مال تقسیم کر دیا' وہاں انصار میں سے صرف دو شخصوں کو یعنی سہل بن حنیفؓ اور ابودجانہ سماک بن خرشہؓ کو دیا اس لیے کہ یہ دونوں حضرات مساکین تھے۔ بنو نضیر میں سے صرف دو شخص مسلمان ہوئے جن کے مال انہیں کے پاس رہے ایک تو یامینؓ بن عمرو جو عمرو بن حجاش کے چچا کے لڑکے کا لڑکا تھا یہ عمرو وہ ہے جس نے حضرتؐ پر پتھر پھینکنے کا بیڑا اٹھایا تھا۔ دوسرے ابوسعد بن وہب۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے حضرت یامینؓ سے فرمایا کہ اے یامین تیرے اس چچازاد بھائی نے دیکھ تو میرے ساتھ کس قدر برا برتاؤ برتا اور مجھے نقصان پہنچانے کی کس بے باکی سے کوشش کی؟ حضرت یامینؓ نے ایک شخص کو کچھ دینا کر کے عمرو کو قتل کرا دیا۔ سورہ حشر اسی واقعہ بنو نضیر کے بیان میں اتری ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں جسے اس میں شک ہو کہ محشر کی زمین شام کا ملک ہے وہ اس آیت کو پڑھ لے' ان یہودیوں سے جب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم یہاں سے نکل جاؤ' تو انہوں نے کہا ہم کہاں جائیں۔ آپؐ نے فرمایا محشر کی زمین کی طرف۔ حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ جب حضور ﷺ نے بنو نضیر کو جلاوطن کیا تو فرمایا یہ اول حشر ہے اور ہم بھی اس کے پیچھے ہی پیچھے ہیں (ابن جریر)۔

بنو نضیر کے ان قلعوں کا محاصرہ صرف چھ روز رہا تھا۔ محاصرین کو قلعہ کی مضبوطی یہودیوں کی زیادتی یکجہتی منافقین کی سازشیں اور خفیہ چالیں وغیرہ دیکھ کر ہرگز یہ یقین نہ تھا کہ اس قدر جلد یہ قلعہ خالی کر دیں گے۔ ادھر خود یہود بھی اپنے قلعے کی مضبوطی پر نازاں تھے اور جانتے تھے کہ وہ ہر طرح محفوظ ہیں لیکن امر اللہ ایسی جگہ سے آ گیا جو ان کے خیال میں بھی نہ تھا۔ یہی دستور الٰہی ہے کہ مکار اپنی مکاری میں ہی رہتے ہیں اور بے خبر ان پر عذاب آ جاتا ہے۔ ان کے دلوں میں رعب چھا گیا اور بھلا رعب کیوں نہ چھاتا محاصرہ کرنے والے وہ تھے جنہیں اللہ کی طرف سے رعب دیا گیا تھا کہ دشمن مہینہ بھر کی راہ پر ہو اور وہیں اس کا دل دہلنے لگتا تھا' ﴿ صَلَوٰتُ اللّٰهِ وَ سَلَامُهُ عَلَيْهِ ﴾۔ یہودی اپنے ہاتھوں اپنے گھروں کو برباد کرنے لگے۔ چھتوں کی لکڑی اور دروازے لے جانے کے لیے توڑنے پھوڑنے شروع کر دیئے۔ مقاتلؒ فرماتے ہیں مسلمانوں نے بھی ان کے گھر توڑے اس طرح کہ جوں جوں آگے بڑھتے گئے ان کے جو جو مکانات وغیرہ قبضے میں آتے گئے' ان کو ڈھا کر جنگ کے لیے میدان ہموار کرتے رہے اسی طرح خود یہود بھی اپنے مکانوں کو آگے سے تو محفوظ کرتے جاتے تھے اور نقب لگا کر نکلنے کے راستے بناتے جاتے تھے۔ پھر فرماتا ہے اے آنکھوں والو! عبرت حاصل کرو اور اس اللہ سے ڈرو جس کی لاٹھی میں آواز نہیں۔ اگر ان یہودیوں کے مقدر میں جلاوطنی نہ ہوتی تو انہیں اس سے بھی سخت عذاب کیا جاتا' یہ قتل ہوتے اور قید کر لیے جاتے وغیرہ وغیرہ' پھر آخرت کے بدترین عذاب بھی ان کے لیے تیار ہیں۔ بنو نضیر کی یہ لڑائی جنگ بدر کے چھ ماہ بعد ہوئی' مال جو اونٹوں پر لد جائیں انہیں لے جانے کی اجازت تھی مگر ہتھیار لے جانے کی اجازت نہ تھی۔ یہ اس قبیلے کے لوگ تھے جنہیں اس سے پہلے کبھی جلاوطنی ہوئی ہی نہ تھی۔ بقول حضرت عروہ بن زبیرؓ شروع سورت سے ﴿ فَاسِقِیْنَ ﴾ تک آیتیں اسی واقعہ کے بیان میں نازل ہوئیں ہیں۔ ﴿ جَلَاءَ ﴾ کے معنی قتل و فنا کے بھی کئے گئے ہیں۔ حضور ﷺ نے انہیں جلاوطنی کے وقت ہر تین آدمیوں کو ایک ایک اونٹ اور ایک ایک مشک دی تھی۔ اس فیصلہ کے بعد حضور ﷺ نے حضرت محمد بن مسلمہؓ کو ان کے پاس بھیجا تھا اور انہیں اجازت دی تھی کہ تین دن میں اپنا سامان ٹھیک کر کے چلے جائیں۔ اس دنیوی عذاب کے ساتھ ہی اخروی عذاب کا بھی بیان ہو رہا ہے کہ وہاں بھی ان کے لیے حتمی اور لازمی طور پر جہنم کی آگ ہے۔ ان کی اس درگت کی اصلی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کا اور

اس کے رسول ﷺ کا خلاف کیا اور ایک اعتبار سے تمام نبیوں کو جھٹلایا اس لیے کہ ہر نبی نے آپ کی بابت پیش گوئی کی تھی' یہ لوگ آپ کو پوری طرح جانتے تھے بلکہ اولاد کو ان کا باپ جس قدر پہنچانتا ہے اس سے بھی زیادہ یہ لوگ نبی آخر الزمان ﷺ کو جانتے تھے لیکن تاہم سرکشی اور حسد کی وجہ سے مانا نہیں' بلکہ مقابلے پر تل گئے اور یہ ظاہر بات ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی اپنے مخالفوں پر سخت عذاب نازل فرماتا ہے۔ لِیْنَۃ کہتے ہیں اچھی کھجوروں کے درختوں کو عجوہ اور برنی جو کھجور کی قسمیں ہیں' بقول بعض وہ لینہ میں داخل نہیں' اور بعض کہتے ہیں صرف عجوہ نہیں اور بعض کہتے ہیں ہر قسم کی کھجوریں اسمیں داخل ہیں' بویرہ بھی داخل ہے۔ یہودیوں نے جو بطور طعنہ کے کہا تھا کہ کھجوروں کے درخت کٹوا کر اپنے قول کے خلاف فعل کر کے زمین میں کیوں فساد پھیلاتے ہو؟ یہ اس کا جواب ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ حکم رب ہے اور اجازت الٰہی سے اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کو ذلیل و ناکام کرنے اور انہیں پست و بدنصیب کرنے کے لیے ہو رہا ہے۔ جو درخت باقی رکھے جائیں وہ اجازت سے اور جو کاٹے جاتے ہیں وہ بھی مصلحت کے ساتھ۔

یہ بھی مروی ہے کہ بعض مہاجرین نے بعض کو ان درختوں کے کاٹنے سے منع کیا تھا کہ آخر کو تو یہ مسلمانوں کو بطور مال غنیمت ملنے والے ہیں پھر انہیں کیوں کاٹا جائے؟ جس پر یہ آیت اتری کہ روکنے والے بھی حق بجانب ہیں اور کاٹنے والے بھی برحق ہیں' ان کی نیت مسلمانوں کے نفع کی ہے اور ان کی نیت کافروں کو غیظ و غضب میں لانے اور انہیں ان کی شرارت کا مزہ چکھانے کی ہے' اور یہ بھی ارادہ ہے کہ اس سے جل کر وہ غصے میں بھر کر میدان میں آ جائیں تو پھر دو دو ہاتھ ہو جائیں اور اعداء دین کو کیفر کردار تک پہنچا دیا جائے۔ صحابہؓ نے یہ فعل کرنے کو تو کر لیا پھر ڈرے کہ ایسا نہ ہو کاٹنے میں یا باقی چھوڑنے میں اللہ کی طرف سے کوئی مواخذہ ہو تو انہوں نے حضور ﷺ سے پوچھا اور یہ آیت نازل ہوئی یعنی دونوں باتوں پر اجر ہے کاٹنے پر بھی اور چھوڑنے پر بھی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ کٹوائے بھی تھے اور جلوائے بھی تھے۔ بنو قریظہ کے یہودیوں پر اس وقت حضور ﷺ نے احسان کیا اور ان کو مدینہ منورہ میں ہی رہنے دیا بالآخر جب یہ بھی مقابلے پر آئے اور منہ کی کھائی تو ان کے لڑنے والے مرد تو قتل کئے گئے اور عورتیں اور بچے اور مال مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے گئے ہاں جو لوگ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور ایمان لائے وہ بچ رہے۔ پھر مدینہ سے تمام یہودیوں کو نکال دیا۔ بنو قینقاع کو بھی جن میں سے حضرت عبداللہ بن سلامؓ تھے اور بنو حارثہ کو بھی اور کل یہودیوں کو جلا وطن کیا۔ ان تمام واقعات کو عرب شاعروں نے اپنے اشعار میں بھی نہایت خوبی سے ادا کیا ہے جو سیرت ابن اسحاقؒ میں مروی ہیں۔ یہ واقعہ بقول ابن اسحاق کے احد اور بیر معونہ کے بعد کا ہے اور بقول عروہؓ بدر کے چھ مہینے بعد کا ہے' واللہ اعلم۔

وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّ لٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ۭ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۤ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝

ان کا جو مال اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے ہاتھ لگایا ہے جس پر نہ تو تم نے اپنے گھوڑے دوڑاتے ہیں اور نہ اونٹ بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو جس پر چاہے غالب کر دیتا ہے' اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ جو مال بستیوں والوں کا اللہ تعالیٰ تمہارے لڑے بھڑے بغیر اپنے رسول ﷺ کے ہاتھ لگائے وہ اللہ ہی کا ہے اور رسول ﷺ کا اور قرابت والوں کا اور یتیموں مسکینوں کا اور مسافروں کا ہے تاکہ تمہارے دولت مندوں کے ہاتھ میں ہی یہ مال بھی نہ رہ جائے' تمہیں جو کچھ رسول ﷺ دے' لے لو اور جس سے روکے رک جاؤ۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو۔ البتہ اللہ تعالیٰ سخت عذاب کرنے والا ہے۔

فئے کی تفصیل: فئے کس مال کو کہتے ہیں؟ اس کی صفت کیا ہے؟ اس کا حکم کیا ہے؟ یہ سب بیان یہاں ہو رہا ہے۔ پس فئے کافروں کے اس مال کو کہتے ہیں جو ان سے لڑے بھڑے بغیر مسلمانوں کے قبضے میں آ جائے جیسے بنو نضیر کا یہ مال تھا جس کا ذکر اوپر گزر چکا کہ مسلمانوں نے اپنے گھوڑے یا اونٹ نہیں دوڑائے تھے یعنی ان کفار سے آمنے سامنے کوئی مقابلہ اور لڑائی نہیں ہوئی بلکہ ان کے دل اللہ نے اپنے رسول کی ہیبت سے بھر دیئے اور وہ اپنے قلعے خالی کر گئے جو قبضہ میں آ گئے' اسے فے کہتے ہیں۔ اور یہ مال حضور ﷺ کا ہو گیا آپؐ جس طرح چاہیں اس میں تصرف کریں۔ پس آپؐ نے نیکی اور صلاح کے کاموں میں اسے خرچ کیا جس کا بیان اس کے بعد والی اور دوسری آیت میں ہے۔ پس فرماتا ہے کہ بنو نضیر کا جو مال بطور فے کے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو دلوایا جس پر مسلمانوں نے اپنے گھوڑے یا اونٹ دوڑائے نہ تھے بلکہ صرف اللہ نے اپنے فضل سے اپنے رسول ﷺ کو اس پر غلبہ دیدیا تھا' اور اللہ تعالیٰ پر یہ کیا مشکل ہے؟ وہ تو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے نہ اس پر کسی کا غلبہ نہ اسے کوئی روکنے والا بلکہ سب پر غالب وہی' سب اس کے تابع فرمان۔ پھر فرمایا کہ جو شہر اس طرح پر فتح کئے جائیں ان کے مال کا یہی حکم ہے کہ رسول اللہ ﷺ اسے اپنے قبضے میں کریں گے پھر انہیں دیں گے جن کا بیان اس آیت میں ہے اور اس کے بعد والی آیت میں ہے۔ یہ ہے فے کا مال کا مصرف اور اسکے خرچ کا حکم۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ بنو نضیر کے مال بطور فے کے خاص رسول اللہ ﷺ کے ہو گئے تھے۔ آپؐ اس میں سے اپنے گھر والوں کا سال بھر کا خرچ دیتے تھے اور جو بچ رہتا اسے آلات جنگ اور سامان حرب میں خرچ کرتے (سنن و مسند وغیرہ)۔

ابوداؤد میں حضرت مالک بن اوسؓ سے مروی ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر بن خطابؓ نے مجھے دن چڑھے بلایا میں گھر گیا تو دیکھا کہ آپؐ ایک چوکی پر جس پر کوئی کپڑا وغیرہ نہ تھا بیٹھے ہوئے ہیں۔ مجھے دیکھ کر فرمایا تمہاری قوم کے چند لوگ آئے ہیں میں نے انہیں کچھ دیا ہے تم اسے لیکر ان میں تقسیم کر دو۔ میں نے کہا اچھا ہوتا اگر جناب کسی اور کو یہ کام سونپتے۔ آپؐ نے فرمایا نہیں تم ہی کرو۔ میں نے کہا بہت بہتر۔ اتنے میں آپؐ کا داروغہ یرفا آیا اور کہا اے امیر المومنین! حضرت عثمانؓ بن عفان حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ حضرت زبیر بن العوامؓ اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ تشریف لائے ہیں' کیا انہیں اجازت ہے؟ آپؐ نے فرمایا ہاں آنے دو چنانچہ یہ حضرات تشریف لائے۔ یرفا پھر آیا اور کہا امیر المومنین! حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ اجازت طلب کر رہے ہیں' آپؐ نے فرمایا اجازت ہے۔ یہ دونوں حضرات بھی تشریف لائے۔ حضرت عباسؓ نے کہا اے امیر المومنین میرا اور ان کا فیصلہ کیجئے یعنی حضرت علیؓ کا' تو پہلے جو چار بزرگ آئے تھے ان میں سے بھی بعض نے کہا ہاں امیر المومنین ان دونوں بزرگوں کے درمیان فیصلہ کر دیجئے اور انہیں راحت پہنچایئے۔ حضرت مالکؓ فرماتے ہیں اس وقت میرے دل میں خیال آیا کہ ان چار بزرگوں کو ان دونوں حضرات نے ہی اپنے سے پہلے یہاں بھیجا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا ٹھہرو۔ پھر ان چاروں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا تمہیں اس اللہ کی قسم جس کے حکم سے آسمان و زمین قائم ہیں کیا تمہیں معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے ہمارا ورثہ بانٹا نہیں جاتا ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔ ان چاروں نے اس کا اقرار کیا۔ پھر آپؐ ان دونوں کی طرف متوجہ ہوئے اور اسی طرح قسم دے کر ان سے بھی یہی سوال کیا اور انہوں نے بھی اقرار کیا پھر آپؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے لیے ایک خاصہ کیا تھا جو اور کسی کے لیے نہ تھا۔ پھر آپؐ نے یہی

آیت ﴿ وَمَا اَفَآءَ اللّٰهُ ﴾ پڑھی اور فرمایا بنو نضیر کے مال اللہ تعالٰے نے بطور فے کے اپنے رسول ﷺ کو دیئے تھے۔ اللہ کی قسم نہ تو میں نے تم پر اس میں کسی کو ترجیح دی اور نہ خود ہی اسے سب کا سب لے لیا' رسول اللہ ﷺ اپنا اور اپنی اہل کا سال بھر کا خرچ اس میں سے لے لیتے تھے اور باقی مثل بیت المال کے کر دیتے تھے۔ پھر ان چار بزرگوں کو اسی طرح قسم دے کر پوچھا کہ کیا تمہیں یہ معلوم ہے؟ انہوں نے کہا ہاں۔ پھر ان دونوں سے قسم دے کر پوچھا اور انہوں نے بھی ہاں کہی۔ پھر فرمایا حضور ﷺ کے فوت ہونے کے بعد ابو بکرؓ والی بنے اور تم دونوں خلیفہ رسول ﷺ کے پاس آئے' اے عباس! تم تو اپنی قرابت داری جتا کر اپنے چچازاد بھائی کے مال میں سے اپنا ورثہ طلب کرتے تھے اور یہ یعنی حضرت علیؓ اپنا حق جتا کر اپنی بیوی یعنی حضرت فاطمہؓ کی طرف سے ان کے والد کے مال سے ورثہ طلب کرتے تھے جس کے جواب میں تم دونوں سے حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ ہمارا ورثہ نہیں بانٹا جاتا ہم جو چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے' اللہ خوب جانتا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ یقیناً راست گو نیک کار رشد و ہدایت والے اور تابع حق تھے' چنانچہ اس مال کی ولایت حضرت ابو بکر الصدیقؓ نے کی' آپؓ کے فوت ہو جانے کے بعد آپؓ کا اور رسول اللہ ﷺ کا خلیفہ میں بنا اور وہ مال میری ولایت میں رہا۔ پھر آپؓ دونوں کے دونوں ایک صلاح سے میرے پاس آئے اور مجھ سے اسے مانگا جس کے جواب میں میں نے کہا کہ اگر تم اس شرط سے اس مال کو اپنے قبضے میں لو کہ جس طرح رسول اللہ ﷺ اسے خرچ کرتے تھے تم بھی کرتے رہو گے تو میں تمہیں سونپ دیتا ہوں' تم نے اس بات کو قبول کیا اور اللہ کو بیچ میں دے کر تم نے اس مال کی ولایت کی' پھر تم جواب آئے ہو تو کیا اس کے سوا کوئی اور فیصلہ چاہتے ہو؟ قسم اللہ کی قیامت تک اس کے سوا اس کا کوئی فیصلہ میں نہیں کر سکتا' ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ اگر تم اپنے وعدے کے مطابق اس مال کی نگرانی اور اس کا صرف نہیں کر سکتے تو تم اسے پھر لوٹا دو (تاکہ میں آپؓ اسے اسی طرح خرچ کروں جس طرح رسول اللہ ﷺ کرتے تھے اور جس طرح خلافت صدیقی میں اور آج تک ہوتا رہا)۔

مسند احمد میں ہے کہ لوگ نبی ﷺ کو اپنے کھجوروں کے درخت وغیرہ دیدیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ بنو قریظہ اور بنو نضیر کے اموال آپؐ کے قبضے میں آئے تو آپؐ نے ان لوگوں کو ان کے دیئے ہوئے مال واپس دینے شروع کئے۔ حضرت انسؓ کو بھی ان کے گھر والوں نے آپؐ کی خدمت میں بھیجا کہ ہمارا دیا ہوا بھی سب یا جتنا چاہیں ہمیں واپس کر دیں۔ انسؓ نے جا کر حضور ﷺ کو یاد دلایا آپؐ نے وہ سب واپس کرنے کو فرمایا' لیکن آپؐ یہ سب حضرت ام ایمنؓ کو اپنی طرف سے دے چکے تھے۔ انہیں جب معلوم ہوا کہ یہ سب میرے قبضے سے نکل جائے گا تو انہوں نے آ کر میری گردن میں کپڑا ڈال دیا اور مجھ سے فرمانے لگیں اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں حضرت تجھے یہ نہیں دیں گے آپؐ تو مجھے وہ سب کچھ دے چکے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ام ایمن تم گھبراؤ نہیں ہم تمہیں اس کے بدلے اتنا اتنا دیں گے لیکن وہ نہ مانی اور یہی کہے گئیں۔ آپؐ نے فرمایا اچھا اور اتنا اتنا ہم تمہیں دے دیں گے لیکن وہ اب بھی خوش نہ ہوئیں اور وہی فرماتی رہیں۔ آپؐ نے پھر فرمایا لو ہم تمہیں اتنا اتنا اور دیں گے' یہاں تک کہ جتنا انہیں دے رکھا تھا اس سے جب تقریباً دس گنا زیادہ دینے کا وعدہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تب آپؐ راضی ہو کر خاموش ہو گئیں اور ہمارا مال ہمیں مل گیا۔ یہ فے کا مال جن پانچ جگہوں میں صرف ہو گا یہی جگہیں غنیمت کے مال کے صرف کرنے کی بھی ہیں' اور سورہ انفال میں ان کی پوری تشریح و توضیح کے ساتھ کامل تفسیر ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ﴾ گزر چکی ہے اس لیے ہم یہاں بیان نہیں کرتے۔

پھر فرماتا ہے کہ مال فے کہ یہ مصارف ہم نے اس لیے وضاحت کے ساتھ بیان کر دیئے ہیں کہ یہ مال داروں کے ہاتھ لگ کر کہیں ان کا لقمہ نہ بن جائے کہ اپنی من مانی خواہشوں کے مطابق وہ اسے اڑائیں اور مسکینوں کے ہاتھ نہ لگے۔ پھر فرماتا ہے کہ جس کام کے کرنے کو میرے پیغمبر تم سے کہیں تم اسے کرو اور جس کام سے وہ تمہیں روکیں تم اس سے رک جاؤ۔ یقین مانو کہ جس کا وہ حکم کرتے ہیں وہ بھلائی کا کام ہوتا ہے اور جس سے وہ روکتے ہیں وہ برائی کا کام ہوتا ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک عورت حضرت عبداللہ بن

مسعودؓ کے پاس آئی اور کہا آپؓ گودنے سے یعنی چہرے پر یا ہاتھوں پر عورتیں سوئی وغیرہ سے گدوا کر جو تلوں کی طرح نشان وغیرہ بنا لیتی ہیں اس سے' اور بالوں میں بال ملا لینے سے جو عورتیں اپنے بالوں کو لمبا ظاہر کرنے کے لیے کرتی ہیں اس سے منع فرماتے ہیں' تو کیا یہ ممانعت کتاب اللہ میں ہے یا حدیث رسول اللہ ﷺ میں؟ آپؓ نے فرمایا کتاب اللہ میں بھی اور حدیث رسول اللہ ﷺ میں بھی' دونوں میں اس ممانعت کو پاتا ہوں۔ اس عورت نے کہا اللہ کی قسم دونوں لوحوں کے درمیان جس قدر قرآن میں ہے میں نے سب پڑھا ہے اور خوب دیکھ بھال کی ہے لیکن میں نے تو کہیں اس کی ممانعت کو نہیں پایا۔ آپؓ نے فرمایا کیا تم نے آیت ﴿ مَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ ﴾ الخ نہیں پڑھی؟ اس نے کہا ہاں یہ تو پڑھی ہے۔ فرمایا (قرآن سے ثابت ہوا کہ حکم رسول ﷺ اور ممانعت رسول ﷺ قابل عمل ہیں اب سنو) خود میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپؐ نے گودنے سے اور بالوں میں بال ملانے سے اور پیشانی اور چہرے کے بال نوچنے سے منع فرمایا ہے (یہ بھی عورتیں اپنی خوبصورتی ظاہر کرنے کے لیے کرتی ہیں اور اس زمانے میں تو مرد بھی بکثرت کرتے ہیں) اس عورت نے کہا حضرت یہ تو آپؓ کی گھر والیاں بھی کرتی ہیں۔ آپؓ نے فرمایا جاؤ دیکھو وہ گئیں اور دیکھ کر آئیں اور کہنے لگیں حضرت معاف کیجئے غلطی ہوئی ان باتوں میں سے کوئی بات آپؓ کے گھرانے والیوں میں میں نے نہیں دیکھی۔ آپؓ نے فرمایا کیا تم بھول گئیں کہ اللہ کے نیک بندے (حضرت شعیب علیہ السلام) نے کیا فرمایا تھا ﴿ مَا اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَا اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ﴾ یعنی میں یہ نہیں چاہتا کہ تمہیں جس چیز سے روکوں خود میں اس کا خلاف کروں۔ مسند امام احمد اور بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا اللہ لعنت بھیجتا ہے اس عورت پر جو گدوائے اور گودے اور جو اپنی پیشانی کے بال لے اور جو خوبصورتی کے لیے اپنے سامنے کے دانتوں کی کشادگی کرے اور اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی پیدائش کو بدلنا چاہے۔ یہ سنکر بنو اسد کی ایک عورت جن کا نام ام یعقوب تھا آپؓ کے پاس آئی اور پوچھا کہ کیا آپؓ نے اس طرح فرمایا ہے؟ آپؓ نے جواب دیا کہ ہاں میں اس پر لعنت کیوں نہ کروں جس پر اللہ کے رسول ﷺ نے لعنت کی ہے؟ اور جو قرآن میں موجود ہے۔ اس نے کہا میں نے پورا قرآن جتنا بھی دونوں پٹھوں کے درمیان ہے اول سے آخر تک پڑھا ہے لیکن میں نے تو یہ حکم کہیں نہیں پایا۔ آپؓ نے فرمایا اگر تم سوچ سمجھ کر پڑھتیں تو ضرور پاتیں کیا تم نے آیت ﴿ مَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ ﴾ الخ نہیں پڑھی؟ اس نے کہا ہاں یہ تو پڑھی ہے۔ پھر آپؓ نے وہ حدیث سنائی۔ اس نے آپؓ کے گھر والوں کی نسبت کہا پھر دیکھ کر آئیں اور عذر خواہی کی۔ اس وقت آپؓ نے فرمایا اگر میری گھر والی ایسا کرتی تو میں اس سے ملنا چھوڑ دیتا۔ بخاری مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب میں تمہیں کوئی حکم دوں تو جہاں تک تم سے ہو سکے اُسے بجالاؤ اور جب میں تمہیں کسی چیز سے روکوں تو تم رک جاؤ۔ نسائی میں حضرت عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ نے کدو کی تو نبی میں اور سبز ٹھلیا میں اور کھجور کی لکڑی کے کریدے ہوئے برتن میں اور رال کی رنگی ہوئی ٹھلیا میں نبیذ بنانے سے یعنی کھجور یا کشمش وغیرہ کے بھگو کر رکھنے سے منع فرمایا' پھر اسی آیت کی تلاوت کی (یاد رہے کہ یہ حکم اب باقی نہیں ہے۔ مترجم) پھر فرماتا ہے کہ عذابوں سے بچنے کے لیے اس کے احکام بجالاؤ اور اس کی ممنوعات سے بچتے رہو' یاد رکھو کہ اس کی نافرمانی' مخالفت انکار کرنے والوں کی اور اس کے منع کیے ہوئے کاموں کے کرنے والوں کو وہ سخت سزا دیتا ہے اور دکھ کی مار مارتا ہے۔

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ اَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا وَّ يَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۚ﴿۸﴾ وَ الَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَ الْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ

وَلَا يَجِدُوْنَ فِىْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۭ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ جَاۗءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝

(فے کا مال) ان مہاجر مسکینوں کے لیے ہے جو اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے نکال دیئے گئے ہیں وہ اللہ کے فضل اور اس کی رضامندی کے طلبگار ہیں اور اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول ﷺ کی مدد کرتے ہیں' یہی راست باز لوگ ہیں۔ اور ان کے لیے جنہوں نے اس گھر میں (یعنی مدینہ میں) اور ایمان میں ان سے پہلے جگہ بنالی ہے اپنی طرف ہجرت کر کے آنے والوں سے محبت کرتے ہیں اور مہاجرین کو جو کچھ دے دیا جائے اس سے وہ اپنے دلوں میں کوئی دغدغہ نہیں رکھتے بلکہ خود اپنے اوپر انہیں ترجیح دیتے ہیں گو خود کو کتنی ہی سخت حاجت ہو' بات یہ ہے کہ جو بھی اپنے نفس کی حرص سے بچیں وہی کامیاب اور بامراد ہیں۔ اور ان کے لیے جو ان کے بعد آئیں جو کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لاچکے ہیں اور ایمانداروں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ اور دشمنی نہ ڈال' اے ہمارے رب بیشک تو شفقت مہربانی کرنے والا ہے۔

مہاجرین اور انصار کے فضائل: اوپر بیان ہوا تھا کہ فے کا مال یعنی کافروں کا جو مسلمانوں کے قبضے میں میدان جنگ میں لڑے بھڑے بغیر آ گیا ہو اس کے مالک رسول اللہ ہیں۔ پھر آپ یہ مال کسے دیں گے؟ اس کا بیان بھی اوپر ہوا تھا۔ اب ان آیتوں میں بھی انہی مستحقین فے کا مزید بیان ہو رہا ہے کہ اسکے حق دار وہ غریب مہاجر ہیں جنہوں نے اللہ کو رضامند کرنے کے لیے اپنی قوم کو ناراض کر لیا' یہاں تک کہ انہیں اپنا وطن عزیز اور اپنے ہاتھ کا مشکلوں سے جمع کیا ہوا مال وغیرہ سب چھوڑ چھاڑ کر چل دینا پڑا' اللہ کے دین کی اور اس کے رسول ﷺ کی مدد میں برابر مشغول ہیں اللہ کے فضل وخوشنودی کے متلاشی ہیں' یہی سچے لوگ ہیں جنہوں نے اپنا فعل اپنے قول کے مطابق کر دکھایا۔ یہ اوصاف سادات مہاجرین میں تھے' رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ پھر انصار کی مدح بیان ہو رہی ہے اور ان کی فضیلت شرافت کرم اور بزرگی کا اظہار ہو رہا ہے' ان کی کشادہ دلی' نیک نفسی ایثار وسخاوت کا ذکر ہو رہا ہے کہ انہوں نے مہاجرین سے پہلے ہی دارالہجرت مدینہ میں اپنی بود وباش رکھی اور ایمان پر قیام رکھا۔ مہاجرین کے پہنچنے سے پہلے ہی یہ ایمان لاچکے تھے بلکہ بہت سے مہاجرین سے بھی پہلے یہ ایمان دار بن چکے تھے۔

صحیح بخاری میں اس آیت کی تفسیر کے موقع پر یہ روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا میں اپنے بعد کے خلیفہ کو وصیت کرتا ہوں کہ مہاجرین اولین کے حق ادا کرتا رہے' ان کی خاطر مدارات میں کمی نہ کرے اور میری وصیت ہے کہ انصار کے ساتھ بھی نیکی اور بھلائی کرے جنہوں نے مدینہ میں جگہ بنائی اور ایمان میں جگہ حاصل کی' ان کے بھلے لوگوں کی بھلائیاں قبول کرے اور ان کی خطاؤں سے درگزر اور چشم پوشی کرے۔ ان کی شرافت طبعی ملاحظہ ہو کہ جو بھی راہ الٰہی میں ہجرت کر کے آئے یہ اپنے دل میں اسے گھر دیتے ہیں اور اپنا جان ومال ان پر سے نثار کرنا اپنا فخر جانتے ہیں۔ مسند احمد میں ہے کہ مہاجرین نے ایک مرتبہ کہا یا رسول اللہ ہم نے تو دنیا میں ان انصار جیسے لوگ نہیں دیکھے' تھوڑے میں سے تھوڑا اور بہت میں سے بہت برابر ہمیں دے رہے ہیں' مدتوں سے ہمارا کل خرچ اٹھا رہے ہیں بلکہ ناز برداریاں کر رہے ہیں اور کبھی چہرے پر شکن بھی نہیں بلکہ خدمت کرتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں دیتے ہیں اور احسان نہیں

رکھتے کام کاج خود کریں اور کمائی ہمیں دیں حضور ہمیں تو ڈر ہے کہ کہیں ہمارے اعمال کا سارا سارا اجر انہیں کو نہ مل جائے۔ آپؐ نے فرمایا نہیں نہیں جب تک تم ان کی ثنا اور تعریف کرتے رہو گے

اور ان کے لیے دعائیں مانگتے رہو گے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے انصاریوں کو بلا کر فرمایا کہ میں بحرین کا علاقہ تمہارے نام لکھ دیتا ہوں۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ جب تک آپؐ ہمارے مہاجر بھائیوں کو بھی اتنا ہی نہ دیں ہم اسے نہ لیں گے۔ آپؐ نے فرمایا اچھا اگر نہیں لیتے تو دیکھو آئندہ بھی صبر کرتے رہنا میرے بعد ایسا وقت بھی آئے گا کہ اوروں کو دیا جائے گا اور تمہیں چھوڑ دیا جائے گا۔ صحیح بخاری کی اور حدیث میں ہے کہ انصاریوں نے کہا کہ یا رسول اللہ ہمارے کھجوروں کے باغات ہم میں اور ہمارے بھائیوں میں تقسیم کر دیجئے۔ آپؐ نے فرمایا نہیں۔ پھر فرمایا سنو کام کاج بھی تم ہی کرو اور ہم سب کو تو پیداوار میں شریک رکھو۔ انصار نے جواب دیا یا رسول اللہ ہمیں یہ بھی بہ خوشی منظور ہے۔ پھر فرماتا ہے یہ اپنے دلوں میں کوئی حسد ان مہاجرین کی قدر و منزلت اور ذکر و مرتبت پر نہیں کرتے، جو انہیں مل جائے انہیں اس پر رشک نہیں ہوتا۔ اسی مطلب پر اس حدیث کی دلالت بھی ہے جو مسند احمد میں حضرت انسؓ کی روایت سے مروی ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپؐ نے فرمایا دیکھو ابھی ایک جنتی شخص آنے والا ہے۔ تھوڑی دیر میں ایک انصاریؓ اپنے بائیں ہاتھ میں اپنی جوتیاں لیے ہوئے تازہ وضو کر کے آ رہے تھے۔ داڑھی پر سے پانی ٹپک رہا تھا۔ دوسرے دن بھی اسی طرح ہم بیٹھے ہوئے تھے کہ آپؐ نے یہی فرمایا، اور وہی شخص اسی طرح آئے تیسرے دن بھی یہی ہوا۔ حضرت عبداللہ ابن عمرو بن عاصؓ آج دیکھتے بھالتے رہے اور جب مجلس نبوی ختم ہوئی اور یہ بزرگ وہاں سے اٹھ کر چلے تو یہ بھی ان کے پیچھے ہو لئے اور ان انصاری سے کہنے لگے کہ حضرت مجھ میں اور میرے والد میں کچھ تکرار ہو گئی جس پر میں قسم کھا بیٹھا ہوں کہ تین دن تک اپنے گھر نہیں جاؤں گا پس اگر آپؐ مہربانی فرما کر مجھے اجازت دیں تو میں یہ تین دن آپؐ کے ہاں گزار دوں۔ انہوں نے کہا بہت اچھا۔ چنانچہ حضرت عبداللہؓ نے یہ تین راتیں ان کے گھر ان کے ساتھ گزاریں، دیکھا کہ وہ رات کو تہجد کی لمبی نماز بھی نہیں پڑھتے صرف اتنا کرتے ہیں کہ جب آنکھ کھلے اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کی بڑائی اپنے بستر پر ہی لیٹے لیٹے کر لیتے ہیں یہاں تک کہ صبح کی نماز کے لیے اٹھیں، ہاں یہ ضروری بات تھی کہ میں نے ان کے منہ سے سوائے کلمہ خیر کے اور کچھ نہیں سنا۔ جب تین راتیں گزر گئیں تو مجھے ان کا عمل بہت ہی ہلکا سا معلوم ہونے لگا۔ اب میں نے ان سے کہا کہ حضرت دراصل نہ تو میرے اور میرے والد کے درمیان کوئی ایسی باتیں ہوئی تھیں نہ میں نے ناراضگی کے باعث گھر چھوڑا تھا بلکہ واقعہ یہ ہوا کہ تین مرتبہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ابھی ایک جنتی شخص آ رہا ہے اور تینوں مرتبہ آپؐ ہی آئے تو میں نے ارادہ کیا کہ آپؐ کی خدمت میں کچھ دن رہ کر دیکھوں تو سہی کہ آپؐ ایسی کون سی عبادتیں کرتے ہیں جو جیتے جی بہ زبان رسول آپؐ کے جنتی ہونے کی یقینی خبر ہم تک پہنچ گئی۔ چنانچہ میں نے یہ بہانہ کیا اور تین رات تک آپؐ کی خدمت میں رہا تا کہ آپؐ کے اعمال دیکھ کر میں بھی ویسے ہی عمل شروع کر دوں لیکن میں نے تو آپؐ کو نہ تو کوئی نیا اور اہم عمل کرتے ہوئے دیکھا نہ عبادت میں ہی اوروں سے زیادہ بڑھا ہوا دیکھا۔ اب جا رہا ہوں لیکن زبانی ایک سوال ہے کہ آپؐ ہی بتایئے آخر وہ کونسا عمل ہے جس نے آپؐ کو پیغمبر الٰہی ﷺ کی زبانی جنتی بنایا؟ آپؐ نے فرمایا بس تم میرے اعمال کو دیکھ چکے ان کے سوا اور کوئی خاص پوشیدہ عمل تو ہے نہیں چنانچہ ان سے رخصت ہو کر چلا تھوڑی ہی دور نکلا تھا جو انہوں نے مجھے آواز دی اور فرمایا ہاں میرا ایک عمل سنتے جاؤ وہ یہ کہ میرے دل میں کبھی کسی مسلمان سے دھوکہ بازی، حسد اور بغض کا ارادہ بھی نہیں ہوا میں کبھی کسی مسلمان کا بدخواہ نہیں بنا۔ حضرت عبداللہؓ نے یہ سن کر فرمایا کہ بس اب معلوم ہو گیا، اسی عمل نے آپؐ کو اس درجہ تک پہنچایا ہے اور یہی وہ چیز ہے جو ہر ایک کے بس کی نہیں۔ امام نسائی اپنی کتاب عمل الیوم واللیلہ میں اس حدیث کو لائے ہیں۔ غرض یہ ہے کہ ان انصار میں یہ وصف تھا کہ مہاجرین کو اگر کوئی مال وغیرہ دیا جائے اور انہیں نہ ملے تو یہ برا نہیں مانتے تھے۔ بنو نضیر کے مال جب مہاجرین ہی میں تقسیم ہوئے تو کسی

انصاری نے اس میں کلام کیا جس پر آیت ﴿ وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ ﴾ اتری۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تمہارے مہاجر بھائی بھی مال و اولاد چھوڑ کر تمہاری طرف آتے ہیں۔ انصار نے کہا پھر حضور ہمارا مال ان میں اور ہم میں برابر بانٹ دیجئے۔ آپ نے فرمایا اس سے بھی زیادہ ایثار کر سکتے ہو؟ انہوں نے کہا جو حضور ﷺ کا ارشاد ہو۔ آپ نے فرمایا مہاجر کھیت اور باغات کا کام نہیں جانتے تم آپ اپنے مال کو قبضہ میں رکھو خود کام کرو، خود باغات میں محنت کرو اور پیداوار میں انہیں شریک کر دو۔ انصار نے اسے بھی بہ کشادہ پیشانی منظور کر لیا۔ پھر فرماتا ہے کہ باوجود خود کو حاجت ہونے کے بھی اپنے دوسرے بھائیوں کی حاجت کو مقدم رکھتے ہیں' اپنی ضرورت خواہ باقی رہ جائے لیکن اور مسلمان کی ضرورت جلد پوری ہو جائے یہ ان کی ہر وقت کی چاہت ہے۔ ایک صحیح حدیث میں بھی ہے کہ جس کے پاس کمی اور قلت ہو خود کو ضرورت ہو اور پھر بھی صدقہ کرے اس کا صدقہ افضل اور بہتر ہے۔ یہ درجہ ان لوگوں کے درجہ سے بھی بڑھا ہوا ہے جن کا ذکر اور جگہ ہے کہ مال کی چاہت کے باوجود وہ اسے راہ اللہ خرچ کرتے ہیں لیکن یہ لوگ تو خود اپنی حاجت ہوتے ہوئے صرف کرتے ہیں' محبت ہوتی ہے اور حاجت نہیں ہوتی اس وقت کا خرچ اس درجہ کو نہیں پہنچ سکتا کہ خود کو ضرورت ہو اور پھر بھی راہ للہ دیدینا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کا صدقہ اسی قسم سے ہے کہ آپ نے اپنا کل مال لا کر اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے ڈھیر لگا دیا۔ آپ نے پوچھا بھی کہ ابو بکر کچھ باقی بھی رکھ آئے ہو؟ جواب دیا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو باقی رکھ آیا ہوں۔ اسی طرح وہ واقعہ ہے جو جنگ یرموک میں حضرت عکرمہؓ اور ان کے ساتھیوں کو پیش آیا تھا کہ میدان جہاد میں زخم خوردہ پڑے ہوئے ہیں ریت اور مٹی زخموں میں بھر رہی ہے' کراہ رہے ہیں' تڑپ رہے ہیں' سخت تیز دھوپ پڑ رہی ہے' پیاس کے مارے حلق چیخ رہا ہے اتنے میں ایک مسلمان کندھے پر مشک لٹکائے آ جاتا ہے اور ان مجروح مجاہدین کے سامنے پیش کرتا ہے لیکن ایک کہتا ہے اس دوسرے کو پہلے پلاؤ' دو کہتا ہے اس تیسرے کو پہلے پلاؤ۔ وہ ابھی تیسرے تک پہنچتا بھی نہیں جو ایک شہید ہو جاتا ہے دوسرے کو دیکھتا ہے کہ وہ بھی پیاسا ہی چل بسا تیسرے کے پاس آتا ہے لیکن دیکھتا ہے وہ بھی سوکھے ہونٹوں ہی اللہ سے جاملا' اللہ تعالیٰ ان بزرگوں سے خوش ہو اور انہیں بھی اپنی ذات سے خوش رکھے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا یا رسول اللہ میں سخت حاجت مند ہوں مجھے کچھ کھلوایئے۔ آپ ﷺ نے اپنے گھروں میں آدمی بھیجا لیکن تمام گھروں سے جواب ملا کہ حضور ہمارے پاس خود کچھ نہیں یہ معلوم کر کے پھر آپ نے اور لوگوں سے کہا کہ کوئی ہے جو آج کی رات انہیں اپنا مہمان رکھے؟ ایک انصاری اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا حضور میں انہیں اپنا مہمان رکھوں گا۔ چنانچہ یہ لے گئے اور اپنی بیوی سے کہا دیکھو یہ رسول اللہ کے مہمان ہیں' آج گو ہمیں کچھ بھی کھانے کو نہ ملے لیکن یہ بھوکے نہ رہیں۔ بیوی صاحبہ نے کہا آج گھر میں بھی برکت ہے۔ بچوں کے لیے البتہ کچھ ٹکڑے رکھے ہوئے ہیں۔ انصاری نے فرمایا اچھا بچوں کو بہلا پھسلا کر بھوکا سلا دو اور ہم تم دونوں اپنے پیٹ پر کپڑا باندھ کر فاقے سے رات گزار دیں گے' کھاتے وقت چراغ بجھا دینا تاکہ مہمان یہ سمجھے کہ ہم کھا رہے ہیں اور دراصل ہم کھائیں گے نہیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا۔ جب یہ شخص انصاری رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس شخص کے اور اس کی بیوی کے رات کے عمل سے اللہ تعالیٰ خوش ہوا اور ہنس دیا۔ انہی کے بارے میں آیت ﴿ وَيُؤْثِرُوْنَ ﴾ الخ نازل ہوئی۔

صحیح مسلم کی روایت میں ان انصاری کا نام بھی ہے یعنی حضرت ابو طلحہؓ۔ پھر فرماتا ہے جو اپنے نفس کی بخیلی حرص اور لالچ سے بچ گیا اس نے نجات پائی۔ مسند احمد اور مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں لوگو ظلم سے بچو قیامت کے دن یہ ظلم اندھیریاں بن جائے گا۔ لوگو بخیلی اور حرص سے بچو یہی وہ چیز ہے جس نے تم سے پہلے لوگوں کو برباد کر دیا اسی کی وجہ سے انہوں نے خونریزیاں کیں اور حرام کو حلال بنا لیا۔ اور سند سے یہ بھی مروی ہے کہ فحش سے بچو اللہ تعالیٰ فحش باتوں اور بے حیائی کے کاموں کو ناپسند فرماتا ہے۔ حرص اور بخیلی کی مذمت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ اسی کے باعث اگلوں نے ظلم کئے' فسق و فجور کئے اور قطع رحمی کی۔ ابو داؤد وغیرہ میں ہے

اللہ کی راہ کا غبار اور جہنم کا دھواں کسی بندے کے پیٹ میں جمع ہو ہی نہیں سکتا۔ اسی طرح بخیلی اور ایمان بھی کسی بندے کے دل میں جمع نہیں ہو سکتے یعنی راہ الٰہی کی گرد جس پر پڑی وہ جہنم سے آزاد ہو گیا اور جس کے دل میں بخیلی نے گھر کر لیا اسکے دل میں ایمان کے رہنے کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ حضرت عبداللہؓ کے پاس آ کر ایک شخص نے کہا کہ اے ابو عبدالرحمٰن میں تو ہلاک ہو گیا۔ آپؓ نے فرمایا کیا بات ہے؟ کہا قرآن میں تو ہے جو اپنے نفس کی بخیلی سے بچا دیا گیا اس نے فلاح پالی اور میں تو مال کو بڑا روکنے والا ہوں' خرچ کرتے ہوئے دل رکتا ہے۔ آپؓ نے فرمایا اس کنجوسی کا ذکر اس آیت میں نہیں یہاں مراد بخیلی سے یہ ہے کہ تو اپنے کسی مسلمان بھائی کا مال ظلم سے کھا جائے' ہاں بخیلی بمعنی کنجوسی بھی ہے بہت بری چیز (ابن ابی حاتم۔)

حضرت ابوالہیاج اسدی فرماتے ہیں کہ بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے میں نے دیکھا کہ ایک صاحب صرف یہی دعا پڑھ رہے ہیں ﴿ اللّٰهُمَّ قِنِیْ شُحَّ نَفْسِیْ ﴾ اللہ مجھے میرے نفس کی حرص و آز سے بچالے' آخر مجھ سے نہ رہا گیا میں نے کہا آپؐ صرف یہی دعا کیوں مانگ رہے ہیں؟ اس نے کہا جب اس سے بچاؤ ہو گیا تو پھر زناکاری ہو سکے گی نہ چوری نہ کوئی اور برا کام۔ اب جو میں نے دیکھا تو وہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف تھےؓ (ابن جریر)۔

ایک حدیث میں ہے جس نے زکوٰۃ ادا کی اور مہمانداری کی اور اللہ کی راہ کے ضروری کاموں میں دیا وہ اپنے نفس کی بخیلی سے دور ہو گیا۔ پھر مال فے کے مستحقین لوگوں کی تیسری قسم کا بیان ہو رہا ہے کہ انصار اور مہاجرین کے فقراء کے بعد ان کے تابع جو ان کے بعد کے لوگ ہیں ان میں کے مساکین بھی اس مال کے مستحق ہیں جو اللہ تعالیٰ سے اپنے سے اگلے یا ایمان والوں کے لیے مغفرت کی دعائیں کرتے رہتے ہیں۔ جیسے کہ سورہ برات میں ہے ﴿ وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ﴾ یعنی اول اول سبقت کرنے والے مہاجر و انصار اور ان کے بعد کے وہ لوگ جو احسان میں ان کے متبع ہیں اللہ تعالیٰ ان سب سے خوش ہے اور یہ سب اللہ تعالیٰ سے راضی ہیں۔ یعنی یہ بعد کے لوگ ان اگلوں کے آثار حسنہ اور اوصاف جمیلہ کی اتباع کرنے والے اور انہیں نیک دعاؤں سے یاد رکھنے والے ہیں گویا ظاہر باطن ان کے تابع ہیں۔ اس دعا سے حضرت امام مالکؒ نے کتنا پاکیزہ استدلال کیا ہے کہ رافضی کو مال فے سے امام وقت کچھ نہ دے کیونکہ وہ اصحاب رسول ﷺ کے لیے دعا کرنے کی بجائے انہیں گالیاں دیتے ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ان لوگوں کو دیکھو کس طرح قرآن کا خلاف کرتے ہیں' قرآن حکم دیتا ہے کہ مہاجر و انصار کے لیے دعائیں کریں اور یہ گالیاں دیتے ہیں' پھر یہی آیت آپؐ نے تلاوت فرمائی (ابن ابی حاتم)۔ اور روایت میں اتنا اور بھی ہے کہ میں نے تمہارے نبی ﷺ سے سنا ہے کہ یہ امت ختم نہ ہو گی یہاں تک کہ ان کے پچھلے ان کے پہلوں کو لعنت کریں گے (بغوی)۔ ابوداؤد میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا آیت ﴿ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ ﴾ میں جس مال فے کا بیان ہے وہ تو خاص رسول اللہ ﷺ کا ہے۔ اسی طرح اس کے بعد کی آیت ﴿ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰی ﴾ والی نے عام کر دیا ہے' تمام مسلمانوں کو اس میں شامل کر لیا ہے' اب ایک مسلمان بھی ایسا نہیں جس کا حق اس مال میں نہ ہو سوائے تمہارے غلاموں کے۔ اس حدیث کی سند میں انقطاع ہے۔ ابن جریر میں ہے حضرت عمر فاروقؓ نے ﴿ اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ ﴾ کو ﴿ حَكِيْمٌ ﴾ تک پڑھ کر فرمایا مال زکوٰۃ کے مستحق تو یہ لوگ ہیں۔

پھر ﴿ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ ﴾ والی پوری آیت کو پڑھ کر فرمایا مال غنیمت کے مستحق یہ لوگ ہیں پھر یہ آیت ﴿ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ ﴾ پڑھ کر فرمایا' مال فے کے مستحقین کو بیان فرماتے ہوئے' اس آیت نے تمام مسلمانوں کو اس مال فے کا مستحق کر دیا ہے' سب اس کے مستحق ہیں' اگر میں زندہ رہا تو تم دیکھو گے کہ گاؤں گوٹھ کے چرواہے کو بھی اس کا حصہ دوں گا جس کی پیشانی پر اس مال کے حاصل کرنے کے لیے پسینہ تک نہ آیا ہو۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَىِٕنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا ۙ وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝۱۱ لَىِٕنْ اُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ ۚ وَلَىِٕنْ قُوْتِلُوْا لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ ۚ وَلَىِٕنْ نَّصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ ۫ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ۝۱۲ لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ۝۱۳ لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ ؕ بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ ؕ تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ۝۱۴ ۚ كَمَثَلِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيْبًا ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۱۵ ۚ كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۶ فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ اَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۷ ع

کیا تو نے منافقوں کو نہ دیکھا؟ کہ اپنے اہل کتاب کافر بھائیوں سے کہتے ہیں اگر تم جلاوطن کیے گئے تو اللہ کی قسم ہم بھی تمہارے ساتھ وطن چھوڑ دیں گے اور تمہارے بارے میں ہم کبھی بھی کسی کی بات نہ مانیں گے اور اگر تم سے جنگ کی جائے گی تو بخدا ہم تمہاری مدد کریں گے' لیکن اللہ تعالیٰ کی گواہی ہے کہ یہ قطعاً جھوٹے ہیں۔ اگر وہ جلاوطن کیے گئے تو یہ ان کے ساتھ نہ جائیں گے۔ اور اگر ان سے جنگ چھڑ گئی تو یہ ان کی مدد بھی نہ کریں گے اور اگر بالفرض مدد پر آ بھی گئے تو بھی پیٹھ موڑ کر بھاگ کھڑے ہوں گے پھر مدد نہ کیے جائیں گے۔ مسلمانو یقین مانو کہ تمہاری ہیبت ان کے دلوں میں بہ نسبت اللہ کی ہیبت کے بہت زیادہ ہے' اس لیے کہ یہ بے سمجھ لوگ ہیں۔ یہ سب مل کر بھی تم سے لڑ نہیں سکتے ہاں یہ اور بات ہے کہ قلعہ بند مقامات میں ہوں یا دیواروں کی آڑ میں ہوں' ان کی لڑائی تو ان میں آپس میں ہی بہت کچھ ہے۔ گو تو انہیں متفق سمجھ رہا ہے لیکن ان کے دل دراصل ایک سے ایک جدا ہیں۔ اس لیے کہ یہ بے عقل لوگ ہیں۔ ان لوگوں کی طرح جو ان سے کچھ ہی پہلے گزرے ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا وبال چکھ لیا' اور جن کے لیے المناک عذاب تیار ہیں۔ شیطان کی طرح کہ اس نے انسان سے کہا کفر کر' جب وہ کر چکا تو کہنے لگا میں تو تجھ سے بے زار ہوں۔ میں تو اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔ پس دونوں کا انجام یہ ہوا کہ آتش دوزخ میں ہمیشہ کے لیے گئے' گنہ گاروں کی یہی سزا ہے۔

منافقوں کی چالبازیاں: عبداللہ بن ابی اور اسی جیسے منافقین کی چالبازی اور عیاری کا ذکر ہو رہا ہے کہ انہوں نے یہودیان بنو نضیر کو تھپک کر جھوٹا دلاسا دلا کر غلط وعدہ کر کے مسلمانوں سے بھڑا دیا' ان سے وعدہ کیا کہ ہم تمہارے ساتھی ہیں لڑنے میں تمہاری مدد کریں گے اور تم ہار گئے اور مدینہ سے دیس نکالا ملا تو ہم بھی تمہارے ساتھ اس شہر کو چھوڑ دیں گے' لیکن بہ وقت وعدہ ہی ایفا کرنے کی

نیت نہ تھی' اور یہ بھی کہ ان میں اتنا حوصلہ بھی نہیں کہ ایسا کر سکیں نہ لڑائی میں ان کی مدد کر سکیں نہ برے وقت ان کا ساتھ دیں' اگر بدنامی کے خیال سے میدان میں آ بھی جائیں تو یہاں آتے ہی تیر و تلوار کی صورت دیکھتے ہی رونگٹے کھڑے ہو جائیں اور نامردی کے ساتھ بھاگتے ہی بن پڑے۔ پھر مستقل طور پر پیش گوئی فرماتا ہے کہ ان کی تمہارے مقابلے میں امداد نہ کی جائے گی' یہ اللہ سے بھی اتنا نہیں ڈرتے جتنا تم سے خوف کھاتے ہیں جیسے اور جگہ بھی ہے ﴿ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ﴾ یعنی ان کا ایک فریق لوگوں سے اتنا ڈرتا ہے جتنا اللہ سے بلکہ اس سے بھی زیادہ بات یہ ہے کہ یہ بے سمجھ لوگ ہیں ان کی نامردی اور بزدلی کہ یہ حالت ہے کہ یہ میدان کی لڑائی کبھی لڑ نہیں سکتے ہاں اگر مضبوط اور محفوظ قلعوں میں بیٹھے ہوئے ہوں یا مورچوں کی آڑ میں چھپ کر کچھ کاروائی کرنے کا موقعہ ہو تو خیر بہ سبب ضرورت کے کر گزریں گے لیکن میدان میں آ کر بہادری کے جوہر دکھانا یہ ان سے کوسوں دور ہے' یہ آپس ہی میں ایک دوسرے کے دشمن ہیں جیسے اور جگہ ہے ﴿وَيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ﴾ کو بعض سے لڑائی کا مزہ چکھاتا ہے' تم انہیں مجتمع اور متفق و متحد سمجھ رہے ہو لیکن دراصل یہ متفرق و مختلف ہیں ایک کا دل دوسرے سے نہیں ملتا' منافق اپنی جگہ اور اہل کتاب اپنی جگہ ایک دوسرے کے دشمن ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ بے عقل لوگ ہیں۔ پھر فرمایا ان کی مثال ان سے کچھ ہی پہلے کے کافروں جیسی ہے جنہوں نے یہاں بھی اپنے کئے کا بدلہ بھگتا اور وہاں کا بھگتنا ابھی باقی ہے۔ اس سے مراد یا تو کفار قریش ہیں کہ بدر والے دن ان کی کمر کبڑی ہو گئی اور سخت نقصان اٹھا کر کشتوں کے پشتے چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے یا بنو قینقاع کے یہود ہیں کہ وہ بھی شرارت پر اتر آئے اللہ نے ان پر اپنے نبی ﷺ کو غالب کیا اور آپؐ نے انہیں مدینہ سے خارج البلد کرا دیا۔ یہ دونوں واقعے ابھی ابھی کے ہیں اور تمہاری عبرت کا صحیح سبق ہیں لیکن اس وقت کے کوئی عبرت حاصل کرنے والا انجام کو سوچنے والا ہو بھی۔ زیادہ مناسب مقام بنو قینقاع کے یہود کا واقعہ ہی ہے' واللہ اعلم۔ منافقین کے وعدوں پر ان یہودیوں کا شرارت پر آمادہ ہونا اور ان کے بھرے میں آ کر معاہدہ توڑ ڈالنا پھر ان منافقین کا انہیں موقعہ پر کام نہ آنا نہ لڑائی کے وقت مدد پہنچانا نہ جلاوطنی میں ساتھ دینا ایک مثال سے سمجھایا جاتا ہے کہ دیکھو شیطان بھی اسی طرح انسان کو کفر پر آمادہ کرتا ہے اور جب یہ کفر کر چکتا ہے تو خود بھی اسے ملامت کرنے لگتا ہے اور اپنا اللہ والا ہونا ظاہر کرنے لگتا ہے۔

حضرت جریج کا واقعہ: اسی مثال کا ایک واقعہ بھی سن لیجئے۔ بنی اسرائیل میں ایک عابد تھا ساٹھ سال اسے عبادت الٰہی میں گزر چکے تھے۔ شیطان نے اس ورغلانا چاہا لیکن وہ قابو میں نہ آیا۔ اس نے ایک عورت پر اپنا اثر ڈالا اور یہ ظاہر کیا کہ گویا اسے جنات ستا رہے ہیں۔ ادھر اس عورت کے بھائیوں کہ یہ وسوسہ ڈالا کہ اس کا علاج اسی عابد سے ہو سکتا ہے' یہ اس عورت کو اس عابد کے پاس لائے اس نے علاج معالجہ یعنی دم کرنا وغیرہ شروع کیا اور یہ عورت یہیں رہنے لگی۔ ایک دن عابد اس کے پاس ہی تھا جو شیطان نے اس کے خیالات خراب کرنے شروع کئے یہاں تک کہ وہ زنا کر بیٹھا اور وہ عورت حاملہ ہو گئی۔ اب رسوائی کے خوف سے شیطان نے چھٹکارے کی یہ صورت بتلائی کہ اس عورت کو مار ڈال ورنہ راز کھل جائے گا۔ چنانچہ اس نے اسے قتل کر ڈالا۔ ادھر اسنے جا کر عورت کے بھائیوں کو شک دلوایا وہ دوڑے ہوئے آئے۔ شیطان راہب کے پاس آیا اور کہا وہ لوگ آ رہے ہیں اب عزت بھی جائے گی اور جان بھی جائے گی اگر مجھے خوش کر لے اور میرا کہا مان لے تو عزت اور جان دونوں بچ سکتی ہیں۔ اس نے کہا جس طرح تو کہہ میں تیار ہوں۔ شیطان نے کہا مجھے سجدہ کر۔ عابد نے اسے سجدہ کر لیا۔ یہ کہنے لگا تف ہے تجھ پر کم بخت میں تو اب تجھ سے بیزار ہوں میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں جو رب العالمین ہے (ابن جریر)۔ ایک اور روایت میں اس طرح ہے کہ ایک عورت بکریاں چرایا کرتی تھی اور ایک راہب کی خانقاہ تلے رات گزارا کرتی تھی۔ اس کے چار بھائی تھے۔ ایک دن شیطان نے راہب کو گدگدایا اور اس سے زنا کر بیٹھا۔ اسے حمل رہ گیا۔ شیطان نے راہب کے دل میں ڈالی کہ اب بڑی رسوائی ہو گی اس سے بہتر یہ ہے کہ اسے مار ڈال اور کہیں دفن کر دے' تیرے تقدس کو دیکھتے ہوئے تیری طرف کسی کا خیال بھی نہ جائے گا اور اگر بالفرض پھر بھی کچھ پوچھ گچھ ہو تو جھوٹ موٹ کہہ دینا۔ بھلا کون ہے جو تیری بات کو غلط

جانے اس کی سمجھ میں بھی یہ بات آ گئی ایک روز رات کے وقت موقعہ پا کر اس عورت کو جان سے مار ڈالا اور کسی اجڑی جگہ زمین میں دبا آیا۔ اب شیطان اس کے چاروں بھائیوں کے پاس پہنچا اور ہر ایک کے خواب میں اسے سارا واقعہ کہہ سنایا اور اسکے دفن کی جگہ بھی بتا دی۔ صبح جب یہ جاگے تو ایک نے کہا آج کی رات تو میں نے ایک عجیب خواب دیکھا ہے ہمت نہیں پڑتی کہ آپ سے بیان کروں' دوسروں نے کہا نہیں کہو تو سہی چنانچہ اس نے اپنا پورا خواب بیان کیا کہ اس طرح فلاں عابد نے اس سے بدکاری کی پھر جب حمل ٹھہر گیا تو اسے قتل کر دیا اور فلاں جگہ اس کی لاش دبا آیا۔ ان تینوں میں سے ہر ایک نے کہا مجھے بھی یہی خواب آیا ہے۔ اب تو انہیں یقین ہو گیا کہ سچا خواب ہے۔ چنانچہ انہوں نے جا کر حکومت کو اطلاع دی اور بادشاہ کے حکم سے اس راہب کو اس کی خانقاہ سے ساتھ لیا اور اس جگہ پہنچ کر زمین کھود کر اس کی لاش برآمد کی۔ کامل ثبوت کے بعد اب اسے شاہی دربار میں لے چلے۔ اس وقت شیطان اس کے سامنے ظاہر ہوتا ہے اور کہتا ہے یہ سب میرے کئے کوتک ہیں' اب بھی اگر تو مجھے راضی کر لے تو جان بچا دوں گا۔ اس نے کہا جو تو کہے' کہا مجھے سجدہ کر لے۔ اس نے یہ بھی کر دیا' پس پورا بے ایمان بنا کر شیطان کہتا ہے' میں تو تجھ سے بری ہوں' میں تو اللہ تعالیٰ سے جو تمام جہانوں کا رب ہے' ڈرتا ہوں۔ چنانچہ بادشاہ نے حکم دیا اور پادری صاحب کو قتل کر دیا گیا۔ مشہور ہے کہ اس پادری کا نام برصیصا تھا۔ حضرت علیؓ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ طاؤسؒ' مقاتل بن حیانؒ وغیرہ سے یہ قصہ مختلف الفاظ سے کمی بیشی کے ساتھ مروی ہے' واللہ اعلم۔

اس کے برعکس جریج عابد کا قصہ ہے کہ ایک بدکار عورت نے ان پر تہمت لگا دی کہ اس نے میرے ساتھ زنا کیا اور یہ بچہ جو مجھے ہوا ہے وہ اسی کا ہے چنانچہ لوگوں نے حضرت جریج کے عبادت خانے کو گھیر لیا اور نہایت بے ادبی سے زدوکوب کرتے ہوئے گالیاں دیتے ہوئے باہر لے آئے اور عبادت خانے کو ڈھا دیا۔ یہ بیچارے گھبرائے ہوئے ہر چند پوچھتے ہیں کہ آخر واقعہ کیا ہے؟ لیکن مجمع آپے سے باہر ہے۔ آخر کسی نے کہا کہ دشمن الٰہی اولیاء اللہ کے لباس میں یہ شیطانی حرکت؟ اس عورت سے تو نے بدکاری کی۔ حضرت جریج نے فرمایا اچھا ٹھہر و صبر کرو اس بچے کو لاؤ۔ چنانچہ وہ دودھ پیتا چھوٹا سا بچہ لایا گیا۔ حضرت جریجؒ نے اپنی عزت کی بقا کی اللہ سے دعا کی' پھر اس بچے سے پوچھا اے بچے بتلا تیرا باپ کون ہے؟ اس بچے کو اللہ نے اپنے ولی کی عزت بچانے کے لیے اپنی قدرت سے گویائی کی قوت عطا فرما دی اور اس نے صاف و فصیح زبان میں اونچی آواز سے کہا میرا باپ ایک چرواہا ہے۔ یہ سنتے ہی بنی اسرائیل کے ہوش جاتے رہے یہ اس بزرگ کے سامنے عذر معذرت کرنے لگے معافی مانگنے لگے۔ انہوں نے کہا بس اب مجھے چھوڑ دو۔ لوگوں نے کہا ہم آپ کی عبادت گاہ سونے کی بنا دیتے ہیں۔ آپؒ نے فرمایا بس اسے جیسی وہ تھی ویسے ہی رہنے دو۔ پھر فرماتا ہے کہ آخر انجام کفر کے کرنے اور حکم دینے والے کا یہی ہوا کہ دونوں ہمیشہ کے لیے جہنم واصل ہوئے۔ ہر ظالم اپنے ظلم کی سزا پا ہی لیتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۹﴾ لَا يَسْتَوِيْۤ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ؕ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۲۰﴾

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص دیکھ بھال لے کہ کل (قیامت) کے واسطے اس نے اعمال کا کیا ذخیرہ رکھ چھوڑا ہے۔ اور (ہر وقت) اللہ سے ڈرتے رہو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال سے باخبر ہے۔ اور تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا جنہوں نے اللہ (کے احکام) کو بھلا دیا تو اللہ نے

بھی ایسا کر دیا کہ وہ اپنے آپ کو بھول گئے اور ایسے ہی لوگ نافرمان (فاسق) ہوتے ہیں۔ اہل نار اور اہل جنت باہم برابر نہیں جو اہل جنت ہیں وہی کامیاب ہیں (اور جو اہل نار ہیں وہ ناکام۔)

اللہ سے ڈرنا: حضرت جریرؓ فرماتے ہیں کہ ہم دن چڑھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ کچھ لوگ آئے جو ننگے بدن اور کھلے پیر تھے صرف چادروں یا عباؤں سے بدن چھپائے ہوئے تلواریں گردنوں میں حمائل کئے ہوئے تھے اکثر بلکہ کل کے کل قبیلہ مضر میں سے تھے۔ ان کی اس فقر و فاقہ کی حالت نے رسول اللہ ﷺ کے چہرے کی رنگت کو متغیر کر دیا۔ آپ ﷺ گھر میں گئے پھر باہر آئے پھر حضرت بلالؓ کو اذان کہنے کا حکم دیا۔ اذان ہوئی پھر اقامت ہوئی۔ آپؐ نے نماز پڑھائی پھر خطبہ شروع کیا اور آیت ﴿یٰاَیُّهَاالنَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ﴾ تلاوت کی پھر سورہ حشر کی آیت ﴿وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ﴾ الخ پڑھی اور لوگوں کو خیرات دینے کی رغبت دلائی جس پر لوگوں نے صدقہ دینا شروع کیا۔ بہت سے درہم دینار کپڑے لتے گیہوں کھجوریں وغیرہ آگئیں۔ آپؐ برابر تقریر کئے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ فرمایا اگر آدھی کھجور بھی دے سکتے ہو تو لے آؤ' ایک انصاری ایک تھیلی نقدی کی بھری ہوئی بہت وزنی جسے بمشکل اٹھا سکتے تھے لے آئے پھر تو لوگوں نے تابڑ توڑ جو پایا لانا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ ہر چیز کے ڈھیر لگ گئے اور حضور ﷺ کا اداس چہرہ اب کھل گیا اور مثل سونے کے چمکنے لگا اور آپؐ نے فرمایا جو بھی کسی اسلامی کار خیر کو شروع کرے اسے اپنا بھی اور اس کے بعد جو بھی اس کام کو کریں سب کا بدلہ ملتا ہے لیکن بعد والوں کے اجر گھٹ کر نہیں' اسی طرح جو اسلام میں کسی برے اور خلاف شرع طریقے کو جاری کرے اس پر اس کا اپنا گناہ بھی ہوتا ہے اور پھر جتنے لوگ اس پر کاربند ہوں سب کو جتنا گناہ ملے گا اتنا ہی اسے بھی ملتا ہے مگر ان کے گناہ گھٹتے نہیں (مسلم)۔

آیت میں پہلے حکم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عذابوں سے بچاؤ کی صورت پیدا کرو یعنی اس کے احکام بجا لا کر اور اس کی نافرمانیوں سے بچ کر' پھر فرمان ہے کہ وقت سے پہلے اپنا حساب آپ لیا کرو دیکھتے رہو کہ قیامت کے دن جب اللہ کے سامنے پیش ہو گے تب کام آنے والے نیک اعمال کا کتنا کچھ ذخیرہ تمہارے پاس ہے۔ پھر تاکیداً ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور جان رکھو کہ تمہارے اعمال و احوال سے اللہ تعالیٰ پورا باخبر ہے' نہ کوئی چھوٹا کام اس سے پوشیدہ ہے نہ بڑا نہ چھپا نہ کھلا۔ پھر فرمان ہے کہ اللہ کے ذکر کو نہ بھولو ورنہ وہ تمہیں نیک اعمال جو آخرت میں نفع دینے والے ہیں بھلا دے گا۔ اس لیے کہ ہر عمل کا بدلہ اسی کی جنس سے ہوتا ہے' اسی لیے فرمایا کہ یہی لوگ فاسق ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے نکل جانے والے اور قیامت کے دن نقصان پانے والے اور ہلاکت میں پڑنے والے یہی لوگ ہیں جیسے اور جگہ ارشاد ہے ﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾ مسلمانو! تمہیں تمہارے مال و اولاد یاد اللہ سے غافل نہ کر دیں۔ جو ایسا کریں وہ سخت زیاں کار ہیں۔

طبرانی میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کے ایک خطبہ کا مختصر سا حصہ یہ منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ صبح شام تم اپنے مقررہ وقت کی طرف بڑھ رہے ہو۔ پس تمہیں چاہیے کہ اپنی زندگی کے اوقات اللہ عزوجل کی فرماں برداری میں گزارو اور اس مقصد کو بجز اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے صرف اپنی طاقت و قوت سے کوئی حاصل نہیں کر سکتا جن لوگوں نے اپنی عمر اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے سوا اور کاموں میں کھپائی ان جیسے تم نہ ہونا' اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان جیسے بننے سے منع فرمایا ہے ﴿وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ﴾ خیال کرو کہ تمہاری جان پہچان کے تمہارے بھائی آج کہاں ہیں؟ انہوں نے اپنے گذشتہ ایام میں جو اعمال کیے تھے ان کا بدلہ لینے یا ان کی سزا بھگتنے کے لیے وہ دربار الٰہی میں جا پہنچے' یا تو انہوں نے سعادت اور خوش نصیبی پائی یا نامرادی اور شقاوت حاصل کر لی۔ کہاں ہیں؟ وہ سرکش لوگ جنہوں نے بارونق شہر بسائے اور ان کے مضبوط قلعے کھڑے کئے' آج وہ قبروں کے گڑھوں میں پتھروں تلے دبے پڑے ہیں' یہ ہے کتاب اللہ قرآن کریم تم اس نور سے روشنی حاصل کرو جو تمہیں قیامت کے دن کی

اندھیریوں میں کام آسکے' اس کی خوبی بیان سے عبرت حاصل کرو اور بن سنور جاؤ دیکھو اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا اور ان کے اہل بیت کی تعریف بیان کرتے ہوئے فرمایا ﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرَاتِ وَ يَدْعُوْنَ رَغَبًا وَّرَهَبًا وَّكَانُوْا لَنَا خَاشِعِيْنَ﴾ یعنی وہ نیک کاموں میں سبقت کرتے تھے اور بڑی لالچ اور سخت خوف کے ساتھ ہم سے دعائیں کیا کرتے تھے اور ہمارے سامنے جھکے جاتے تھے' سنو وہ بات بھلائی سے خالی ہے جس سے اللہ کی رضامندی مقصود نہ ہو' وہ مال خیر و برکت والا نہیں جو اللہ کی راہ میں خرچ نہ کیا جاتا ہو' وہ شخص نیک بختی سے دور ہے جس کی جہالت بردباری پر غالب ہو اسی طرح وہ شخص بھی نیکی سے خالی ہاتھ ہے جو اللہ کے احکام کی تعمیل میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے خوف کھائے۔ اس کی اسناد بہت عمدہ ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔ گو اس کے ایک راوی نعیم بن نحہ ثقاہت یا عدم ثقاہت سے معروف نہیں' لیکن امام ابوداؤد سجستانیؒ کا یہ فیصلہ کافی ہے کہ جریر بن عثمانؒ کے تمام استاد ثقہ ہیں اور یہ بھی آپؒ ہی کے اساتذہ میں سے ہیں' اور اس خطبہ کے اور شواہد بھی مروی ہیں' واللہ اعلم۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ جہنمی اور جنتی اللہ تعالیٰ کے نزدیک یکساں نہیں جیسے فرمان ہے ﴿اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ الخ یعنی کیا بدکاروں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم انہیں با ایمان نیک کار لوگوں کے مثل کر دیں گے' ان کا جینا اور مرنا یکساں ہے۔ ان کا یہ دعویٰ بالکل غلط اور برا ہے۔ اور جگہ ہے ﴿وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ﴾ الخ اندھا اور دیکھتا ایماندار صالح اور بدکار برابر نہیں تم بہت ہی کم نصیحت حاصل کر رہے ہو اور فرمان ہے ﴿اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ کیا ہم ایمان لانے والوں اور نیک اعمال کرنے والوں کو فسادیوں جیسا کر دیں گے یا پرہیزگاروں کو مثل فاجروں کے کر دیں گے الخ۔ اور بھی اس مضمون کی بہت سی آیتیں ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ نیک کار لوگوں کا اکرام ہوگا اور بدکار لوگوں کی تکا فضیحتی ہوگی۔ یہاں بھی ارشاد ہوتا ہے کہ جنتی لوگ فائز بمرام مقصد ور کامیاب اور فلاح و نجات یافتہ ہیں۔ اللہ عزوجل کے عذابوں سے یہ بال بال بچ جائیں گے۔

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۭ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿۲۲﴾ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۲۳﴾ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى ۭ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۴﴾

اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر اتارتے تو تو دیکھتا کہ خوف خدا سے وہ پست ہو کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا' ہم ان مثالوں کو لوگوں کے سامنے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ غور و فکر کریں۔ وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں' چھپے کھلے کا جاننے والا' بخشنے اور رحم کرنے والا' وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں' بادشاہ نہایت پاک سب عیبوں سے صاف امن دینے والا نگہبان غالب خود مختار بڑائی والا' پاک ہے اللہ ان چیزوں سے جنہیں یہ اس کا شریک بناتے ہیں' وہی اللہ ہے پیدا کرنے والا بنانے والا صورت کھینچنے والا اسی کے لیے ہیں نہایت اچھے نام' ہر چیز خواہ وہ آسمانوں میں ہو خواہ زمین

میں ہو اس کی پاکی بیان کرتی ہے' اور وہی غالب ہے حکمت والا۔

قرآن کی عظمت: قرآن کریم کی بزرگی بیان ہو رہی ہے کہ فی الواقع یہ پاک کتاب اس قدر بلند مرتبہ ہے کہ دل اس کے سامنے جھک جائیں' رونگھٹے کھڑے ہو جائیں' کلیجے کپکپا جائیں' اس کے سچے وعدے اور اس کی حقانی ڈانٹ ڈپٹ ہر ہر سننے والے کو بید کی طرح تھرا دے اور دربار الٰہی میں سربسجود گرا دے' اگر یہ قرآن جناب باری کسی سخت بلند اور اونچے پہاڑ پر بھی نازل فرماتا اور اسے غور و فکر کی اور فہم و فراست کی حس بھی دیتا تو وہ بھی اللہ کے خوف سے ریزہ ریزہ ہو جاتا' پھر انسانوں کے دلوں پر جو نسبتاً بہت نرم اور چھوٹے ہیں جنہیں پوری سمجھ بوجھ ہے اس کا بہت بڑا اثر پڑنا چاہیے۔ ان مثالوں کو لوگوں کے سامنے ان کے غور و فکر کے لیے اللہ تعالیٰ نے بیان فرما دیا۔ مطلب یہ ہے کہ انسانوں کو بھی ڈر اور عاجزی چاہیے۔ متواتر حدیث میں ہے کہ منبر تیار ہونے سے پہلے رسول اللہ ﷺ ایک کھجور کے تنے پر ٹیک لگا کر خطبہ پڑھا کرتے تھے۔ جب منبر بن گیا بچھ گیا اور حضور ﷺ اس پر خطبہ پڑھنے کو کھڑے ہوئے اور وہ تنہ دور ہو گیا تو اس میں سے رونے کی آواز آنے لگی اور اس طرح سسکیاں لے لے کر وہ رونے لگا جیسے کوئی بچہ بلک بلک کر روتا ہو اور اسے چپ کرایا جا رہا ہو کیونکہ اسے اس ذکر و وحی کے سننے سے کچھ دوری ہو گئی۔ اور امام حسن بصریؒ اس حدیث کو بیان کر کے فرماتے تھے کہ لوگو! ایک کھجور کا تنہ اس قدر اللہ کے رسول کا شائق ہو تو تمہیں چاہئے کہ اس سے بہت زیادہ شوق اور چاہت تم رکھو۔ اسی طرح کی یہ آیت ہے کہ جب ایک پہاڑ کا یہ حال ہو تو تمہیں چاہیے کہ تم تو اس حالت میں اس سے آگے رہو اور جگہ فرمان الٰہی ہے ﴿ وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ الخ ﴾ یعنی اگر کوئی قرآن ایسا ہوتا کہ اس کے باعث پہاڑ چلا دیئے جائیں یا زمین کاٹ دی جائے یا مردے نکل پڑیں (تو اس کے قابل یہی قرآن تھا) مگر پھر بھی ان کفار کو ایمان نصیب نہ ہوتا۔ اور جگہ فرمان عالی شان ہے ﴿ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ الخ ﴾ یعنی بعض پتھر ایسے ہیں جن میں سے نہریں بہ نکلتی ہیں' بعض وہ ہیں کہ پھٹ جاتے ہیں اور ان میں سے پانی نکلتا ہے۔ بعض اللہ کے خوف سے گر پڑتے ہیں۔ پھر فرماتا ہے اللہ تعالیٰ کے سوا نہ تو کوئی پالنے والا اور پرورش کرنے والا ہے نہ اس کے سوا کسی کی ایسی ذات ہے کہ اس کی کسی قسم کی عبادت کوئی کرے۔ اس کے سوا جن جن کی لوگ پرستش اور پوجا کرتے ہیں وہ سب باطل ہیں' وہ تمام کائنات کا علم رکھنے والا ہے' جو چیزیں ہم پر ظاہر ہیں اور جو چیزیں ہم سے پوشیدہ ہیں سب اس پر عیاں ہے خواہ بڑی ہوں یہاں تک کہ اندھیریوں کے ذرے بھی اس پر ظاہر ہیں۔ وہ اتنی بڑی وسیع رحمت والا ہے کہ اس کی رحمت تمام مخلوق پر شامل ہے' وہ دنیا اور آخرت میں رحمٰن بھی ہے اور رحیم بھی ہے۔ ہماری تفسیر کے شروع میں ان دونوں ناموں کی پوری تفسیر گزر چکی ہے۔

قرآن کریم میں اور جگہ ہے ﴿ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ﴾ میری رحمت نے تمام چیزوں کو گھیر لیا ہے۔ اور جگہ فرمان ہے ﴿ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ﴾ تمہارے رب نے اپنی ذات پر رحم و رحمت لکھ لی ہے۔ اور فرمان ہے ﴿ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴾ کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت کے ساتھ خوش ہونا چاہیے۔ تمہاری جمع کردہ چیز سے بہتر یہی ہے' اس مالک رب معبود کے سوا اور کوئی اوصاف والا نہیں تمام چیزوں کا وہی مالک مختار ہے' ہر چیز کا ہیر پھیر کرنے والا سب پر قبضہ اور تصرف رکھنے والا بھی وہی ہے کوئی نہیں جو اس کی مزاحمت یا مدافعت کر سکے یا اسے ممانعت کر سکے' وہ قدوس ہے یعنی طاہر ہے' مبارک ہے' ذاتی اور صفاتی نقصانات سے پاک ہے تمام بلند مرتبہ فرشتے اور سب کی سب اعلیٰ مخلوق اس کی تسبیح و تقدیس میں علی الدوام مشغول ہیں' کل عیبوں اور نقصانوں سے مبرا اور منزہ ہے اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں اپنے افعال میں بھی اس کی ذات ہر طرح کے نقصان سے پاک ہے۔ وہ مومن ہے یعنی تمام مخلوق کو اس نے اس بات سے بے خوف رکھا ہے کہ ان پر کسی طرح کا کسی وقت اپنی طرف سے ظلم ہو۔ اس نے یہ فرما کر کہ وہ حق ہے سب کو امن دے رکھا ہے' اپنے ایماندار بندوں کے ایمان کی تصدیق کرتا ہے' وہ ﴿مھیمن﴾ ہے یعنی اپنی تمام مخلوق کے کل اعمال کا ہر وقت یکساں طور پر شاہد ہے اور نگہبان ہے' جیسے فرمان ہے ﴿ واللہ

عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ شَهِيْدٌ ﴾ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر شاہد ہے اور فرمان ہے ﴿ ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ ﴾ اور اللہ تعالیٰ ان کے تمام افعال پر گواہ ہے۔ اور جگہ فرمایا ﴿ اَفَمَنْ هُوَ قَائِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ﴾ الخ مطلب یہ ہے کہ ہر نفس جو کچھ کر رہا ہے اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے۔ وہ عزیز ہے ہر چیز اسے کے تابع فرمان ہے۔ کل مخلوق پر وہ غالب ہے پس اس کی عزت' عظمت' جبروت کی وجہ سے اس کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا۔ وہ جبار اور متکبر ہے' جبریت اور تکبر صرف اسی کی شایان شان ہے۔ صحیح حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے عظمت میرا تہبند ہے اور کبریائی میری چادر ہے جو مجھ سے ان دونوں میں سے کسی کو چھیننا چاہے گا میں اسے عذاب کروں گا۔ اپنی مخلوق کو جس چیز پر چاہے وہ رکھ سکتا ہے۔ کل کاموں کی اصلاح اسی کے ہاتھ ہے' وہ ہر برائی سے نفرت اور دوری رکھنے والا ہے۔ جو لوگ کم سمجھی کی وجہ سے دوسروں کو اس کا شریک ٹھرا رہے ہیں' وہ ان سب سے بیزار ہے' اس کی ربانی شرکت سے مبرا ہے۔ اللہ تعالیٰ خالق ہے یعنی مقدر کرنے والا پھر باری ہے یعنی اسے جاری اور ظاہر کرنے والا۔ کوئی ایسا نہیں کہ جو تقدیر اور تنفیذ دونوں پر قادر ہو جو چاہے اندازہ مقرر کرے اور پھر اسی کے مطابق اس چلائے بھی' کبھی بھی اس میں فرق نہ آنے دے۔ بہت سے ترتیب دینے والے اور اندازہ کرنے والے ہیں جو پھر اسے جاری کرنے اور اسی کے مطابق برابر جاری رکھنے پر قادر نہیں۔ تقدیر کے ساتھ ایجاد اور تنفیذ پر بھی قدرت رکھنے والی اللہ ہی کی ذات ہے۔ پس خلق سے مراد تقدیر اور بزء سے مراد تنفیذ ہے۔ عرب میں یہ الفاظ ان معنوں میں برابر بطور مثال کے بھی مروج ہیں۔ اسی کی شان ہے کہ جس چیز کو جب جس طرح کرنا چاہے کہہ دیتا ہے ہو جا وہ اسی طرح اسی صورت میں ہو جاتی ہے۔ جیسے فرمان ہے ﴿فِيْ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ﴾ جس صورت میں اس نے چاہا تجھے ترکیب دی' اس لیے یہاں فرماتا ہے وہ مصور ہے یعنی جس کی ایجاد جس طرح کی چاہتا ہے کر گزرتا ہے۔

اللہ کریم کے اسماء حسنیٰ: پیارے پیارے بہترین اور بزرگ تر ناموں والا وہی ہے۔ سورہ اعراف میں اس جملہ کی تفسیر گزر چکی ہے نیز وہ حدیث بھی بیان ہو چکی ہے جو بخاری و مسلم میں بہ روایت حضرت ابوہریرہؓ مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام یعنی ایک کم ایک سو نام ہیں' جو انہیں شمار کرلے یاد رکھ لے وہ جنت میں داخل ہوگا۔ وہ وتر ہے یعنی واحد ہے اور اکائی کو دوست رکھتا ہے۔ ترمذی میں ان ناموں کی صراحت بھی آئی ہے جو نام یہ ہیں اللہ کہ نہیں کوئی معبود مگر وہی ﴿رحمٰن' رحیم' ملك' قدوس' سلام' مومن' مهيمن' عزيز' جبار' متكبر' خالق' بارئ' مصور' غفار' وهاب' رزاق' قهار' فتاح' عليم' قابض' باسط' خافض' رافع' معز' مذل' سميع' بصير' حكم' عدل' لطيف' خبير' حليم' عظيم' غفور' شكور' علي' كبير' حفيظ' مقيت' حسيب' جليل' كريم' رقيب' مجيب' واسع' حكيم' ودود' مجيد' باعث' شهيد' حق' وكيل' قوى' متين' ولى' حميد' محصى' مبدى' معيد' محى' مميت' حى' قيوم' واجد' ماجد' واحد' صمد' قادر' مقتدر' مقدم' مئوخر' اول' آخر' ظاهر' باطن' والى' متعال' بر' تواب' منتقم' عفو' روف' مالك الملك' ذوالجلال و الاكرام' مقسط' جامع' غنى' مغنى' معطى' مانع' ضار' نافع' نور' هادى' بديع' باقى' وارث' رشيد' صبور ﴾

ابن ماجہ میں بھی یہ حدیث ہے اور اس میں کچھ تقدیم و تاخیر' کمی زیادتی بھی ہے۔ الغرض ان تمام احادیث وغیرہ کا بیان پوری طرح تفسیر سورہ اعراف میں گزر چکا ہے' اس لیے یہاں صرف اتنا لکھ دینا کافی ہے' باقی سب کو دوبارہ وارد کرنے کی ضرورت نہیں۔ آسمان و زمین کی کل چیزیں اس کی تسبیح بیان کرتی ہیں۔ جیسے اور جگہ فرمان ہے ﴿ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَ اِنْ مِّنْ شَىْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَ لٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴾ اس کی پاکیزگی بیان کرتے ہیں ساتوں آسمان اور زمینیں اور ان میں جو مخلوق ہے اور کوئی ایسی چیز نہیں جو اس کی تسبیح حمد کے ساتھ بیان نہ کرتی ہو لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے۔ بے شک وہ بردبار اور بخشش کرنے والا ہے' وہ عزیز ہے۔ اس کی حکمت والی سرکار اپنے احکام اور تقدیر کے تقدر میں ایسی نہیں کہ کسی طرح کی کمی نکالی جائے یا کوئی

اعتراض قائم کیا جا سکے۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ جو شخص صبح کو تین مرتبہ ﴿اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ﴾ پڑھ کر سورہ حشر کی آخر کی ان تین آیتوں کو پڑھ لے اللہ تعالیٰ اس کے لیے ستر ہزار فرشتے مقرر کرتا ہے جو شام تک اس پر رحمت بھیجتے ہیں' اور اگر اسی دن اس کا انتقال ہو جائے تو شہادت کا مرتبہ پاتا ہے۔ اور جو شخص ان کی تلاوت شام کے وقت کرے وہ بھی اسی حکم میں ہے۔ ترمذی میں بھی یہ حدیث ہے اور امام ترمذی رحمتہ اللہ علیہ اسے غریب بتلاتے ہیں۔ ﴿الحمدُللّٰہ﴾ سورہ حشر کی تفسیر ختم ہوئی۔

تفسیر سورۂ ممتحنہ مدنیہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ۚ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ۭ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ ڰ تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ڰ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ ۭ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ① اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ يَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَآءً وَّيَبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْۗءِ وَوَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ ۭ ② لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ ۚ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ③

مع ٦ عند المتأخرین ١٢

شروع ہے اللہ نہایت مہربان رحم والے کے نام سے

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو میرے اور خود اپنے دشمنوں کو اپنا دوست نہ سمجھو تم تو محبت کی بنیاد ڈالنے کے لیے ان کی طرف پیغام بھیجتے ہو اور وہ اس حق کے ساتھ جو تمہارے پاس آ چکا ہے کفر کرتے ہیں' پیغمبر کو اور خود تمہیں بھی محض اس وجہ سے جلاوطن کرتے ہیں کہ تم اپنے پروردگار اللہ پر ایمان رکھتے ہو' اگر تم میری راہ کے جہاد میں اور میری رضامندی کی طلب میں نکلتے ہو (تو ان سے دوستیاں نہ کرو) تم ان کے پاس محبت کا پیغام پوشیدہ پوشیدہ بھیجتے ہو مجھے خوب معلوم ہے جو تم نے چھپایا' اور وہ بھی جو تم نے ظاہر کیا' تم میں سے جو بھی اس کام کو کرے گا وہ یقیناً راہ راست سے بہک جائے گا۔ اگر انہیں تم پر کوئی دسترس کا موقع مل جائے تو وہ تمہارے کھلے دشمن ہو جائیں اور برائی کے ساتھ تم پر دست درازی اور زبان درازی کرنے لگیں اور دل سے چاہنے لگیں کہ تم بھی کفر کرنے لگ جاؤ۔ تمہاری قرابتیں' رشتہ داریاں اور اولادیں تمہیں قیامت کے دن کام نہ آئیں گی' اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان فیصلہ کر دے گا اور جو کچھ تم کر رہے ہو اسے اللہ تعالیٰ خوب دیکھ رہا ہے۔

مشرکین سے دوستی نہ رکھو: حضرت حاطب بن ابوبلتعہ کے بارے میں اس سورت کی شروع کی آیتیں نازل ہوئی ہیں۔ واقعہ یہ ہوا کہ حاطب ؓ مہاجرین میں سے تھے۔ بدر کی لڑائی میں بھی آپ ؐ نے مسلمانوں کے لشکر میں شرکت کی تھی ان کے

بال بچے اور مال و دولت مکہ میں ہی تھا اور خود قریش میں سے نہ تھے۔ صرف حضرت عثمانؓ کے حلیف تھے' اس وجہ سے مکہ میں انہیں امن حاصل تھا۔ اب یہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مدینہ میں تھے۔ یہاں تک کہ جب اہل مکہ نے عہد توڑ دیا اور رسول اللہ ﷺ نے ان پر چڑھائی کرنی چاہی تو آپؐ ﷺ کی خواہش یہ تھی کہ انہیں اچانک دبوچ لیں تاکہ خونریزی نہ ہونے پائے اور مکہ پر قبضہ ہو جائے اسی لیے آپؐ نے اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کی کہ باری تعالیٰ ہماری تیاری کی خبریں ہمارے پہنچنے تک اہل مکہ کو نہ پہنچیں۔ ادھر آپؐ نے مسلمانوں کو تیاری کا حکم دیا۔ حضرت حاطبؓ نے اس موقعہ پر ایک خط اہل مکہ کے نام لکھا اور ایک قریشیہ عورت کے ہاتھ اسے چلتا کیا جس میں رسول اللہ ﷺ کے اس ارادے اور مسلمانوں کی لشکر کشی کی خبر درج تھی۔ آپؐ کا ارادہ اس سے صرف یہ تھا کہ میرا کوئی احسان قریش پر رہ جائے جس کے باعث میرے بال بچے اور مال و دولت محفوظ رہیں۔ چونکہ حضور ﷺ کی دعا قبول ہو چکی تھی ناممکن تھا کہ قریشیوں کو کسی ذریعہ سے بھی اس ارادے کا علم ہو جائے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو اس پوشیدہ راز سے مطلع فرما دیا اور آپؐ نے اس عورت کے پیچھے اپنے سوار بھیجے' راستے میں اسے روکا گیا اور خط اس سے حاصل کر لیا گیا۔ یہ مفصل واقعہ صحیح احادیث میں پوری طرح آ چکا ہے۔

حضرت حاطب کا واقعہ: مسند احمد میں ہے حضرت علیؓ نے فرمایا مجھے اور زبیرؓ کو اور حضرت مقدادؓ کو رسول اللہ ﷺ نے بلوا کر فرمایا تم یہاں سے فوراً کوچ کرو روضہ خاخ میں جب تم پہنچو گے تو تمہیں ایک سانڈنی سوار عورت ملے گی جس کے پاس ایک خط ہے تم اسے قبضہ میں کرو اور یہاں لے آؤ۔ ہم تینوں گھوڑوں پر سوار ہو کر بہت تیز رفتاری سے روانہ ہو گئے روضہ خاخ میں جب پہنچے تو فی الواقع ہمیں ایک سانڈنی سوار عورت دکھائی دی۔ ہم نے اس سے کہا کہ جو خط تیرے پاس ہے وہ ہمارے حوالے کر' اس نے صاف انکار کر دیا کہ میرے پاس کوئی خط نہیں۔ ہم نے کہا غلط کہتی ہے تیرے پاس خط یقیناً ہے اگر تو راضی خوشی نہ دے گی تو ہم جامہ تلاشی کر کے جبراً وہ خط تجھ سے چھینیں گے۔ اب تو وہ عورت سٹ پٹائی اور آخر اس نے اپنی چٹیا کھول کر اس میں سے وہ پرچہ نکال کر ہمارے حوالے کیا۔ ہم اسی وقت وہاں سے واپس روانہ ہوئے اور حضور ﷺ کی خدمت میں اسے پیش کر دیا۔ پڑھنے پر معلوم ہوا کہ حضرت حاطبؓ نے اسے لکھا ہے اور یہاں کی خبر رسانی کی ہے' حضور ﷺ کے ارادوں سے کفار مکہ کو آگاہ کیا ہے۔ آپؐ نے کہا حاطب یہ کیا حرکت ہے؟ حضرت حاطبؓ نے فرمایا یا رسول اللہ ﷺ جلدی نہ کیجئے میری بھی سن لیجئے' میں قریشیوں میں ملا ہوا تھا خود قریشیوں میں سے نہ تھا' پھر آپؐ پر ایمان لا کر آپؐ کے ساتھ ہجرت کی' جتنے اور مہاجرین ہیں ان سب کے قرابت دار مکہ میں موجود ہیں جو ان کے بال بچے وغیرہ مکہ میں رہ گئے ہیں وہ ان کی حمایت کرتے ہیں لیکن میرا کوئی رشتہ دار نہیں جو میرے بچوں کی حفاظت کرے' اس لیے میں نے چاہا کہ آؤ قریشیوں کے ساتھ کوئی سلوک و احسان کر دو جس سے میرے بچوں کی حفاظت وہ کریں اور جس طرح اوروں کے نسب کی وجہ سے ان کا تعلق ہے میرے احسان کی وجہ سے میرا تعلق ہو جائے۔ یا رسول اللہ میں نے کوئی کفر نہیں کیا نہ اپنے دین سے مرتد ہوا ہوں نہ اسلام کے بعد کفر سے راضی ہوا ہوں بس اس خط کی وجہ صرف اپنے بچوں کی حفاظت کا حیلہ تھا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا لوگو تم سے جو واقعہ حاطب بیان کرتے ہیں وہ بالکل حرف بحرف سچا ہے کہ اپنے نفع کی خاطر ایک غلطی کر بیٹھے ہیں نہ کہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانا یا کفار کی مدد کرنا ان کے پیش نظر ہو۔ حضرت فاروق اعظمؓ اس موقعہ پر موجود تھے اور یہ واقعات آپؐ کے سامنے ہوئے۔ آپؐ کو بہت غصہ آیا اور فرمانے لگے یا رسول اللہ مجھے اجازت دیجئے کہ اس منافق کی گردن اڑا دوں۔ آپؐ نے فرمایا تمہیں کیا معلوم نہیں کہ یہ بدری صحابی ہیں اور بدر والوں پر اللہ تعالیٰ نے جھانکا اور فرمایا جو چاہو عمل کرو میں نے تمہیں بخش دیا۔ یہ روایت اور بھی بہت سی حدیث کی کتابوں میں ہے۔

صحیح بخاری کی کتاب المغازی میں اتنا اور بھی ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ سورت اتاری اور کتاب التفسیر میں ہے کہ حضرت عمروؓ

نے فرمایا اسی بارے میں آیت ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ الخ اتری لیکن راوی کو شک ہے کہ آیت کے اترنے کا بیان حضرت عمروؓ کا ہے یا حدیث میں ہے۔ امام علی بن مدینیؒ فرماتے ہیں حضرت سفیانؒ سے پوچھا گیا کہ یہ آیت اسی میں اتری ہے؟ تو سفیانؒ نے فرمایا یہ لوگوں کی بات میں ہے۔ میں نے اسے عمروؓ سے حفظ کیا ہے اور ایک حرف بھی نہیں چھوڑا اور میرا خیال ہے کہ میرے سوا کسی اور نے اسے حفظ بھی نہیں رکھا۔ بخاری و مسلم کی ایک روایت میں حضرت مقدادؓ کے نام کے بدلے حضرت ابو مرثدؓ کا نام ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ حضور ﷺ نے یہ بھی بتلا دیا تھا کہ اس عورت کے پاس حضرت حاطبؓ کا خط ہے۔ اس عورت کی سواری کو بٹھا کر اس کے انکار پر ہر چند ٹٹولتے ہیں لیکن کوئی پرچہ ہاتھ نہیں لگتا۔ آخر جب ہم عاجز آ گئے اور کہیں سے پرچہ نہ ملا تو ہم نے اس عورت سے کہا کہ اس میں تو مطلق شک نہیں کہ تیرے پاس پرچہ ہے گو ہمیں نہیں ملتا لیکن تیرے پاس ہے ضرور' یہ ناممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بات غلط ہو اب اگر تو نہیں دیتی تو ہم تیرے کپڑے اتار کر ٹٹولیں گے۔ جب اس نے دیکھ لیا کہ انہیں پختہ یقین ہے اور یہ بے لیے نہ ٹلیں گے تو اس نے اپنا سر کھول کر اپنے بالوں میں سے پرچہ نکال کر ہمیں دیدیا۔ ہم اسے لے کر واپس خدمت نبوی میں حاضر ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے یہ واقعہ دیکھ سن کر فرمایا اس نے اللہ اور اس کے رسول کی اور مسلمانوں کی خیانت کی مجھے اس کی گردن مارنے کی اجازت دیجئے۔ حضور ﷺ نے حاطبؓ سے دریافت کیا اور انہوں نے جواب دیا جو اوپر گزر چکا۔ آپؐ نے سب سے فرمایا کہ انہیں کچھ نہ کہو اور حضرت عمرؓ سے بھی وہ فرمایا جو پہلے بیان ہوا کہ بدری صحابہ میں سے ہیں جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے جنت واجب کر دی ہے' جسے سن کر حضرت عمرؓ رو دیئے اور فرمانے لگے اللہ کو اور اس کے رسول کو ہی کامل علم ہے۔ یہ حدیث ان الفاظ سے صحیح بخاری کتاب المغازی میں غزوہ بدر کے ذکر میں ہے۔

اور روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے مکہ جانے کا ارادہ اپنے چند ہمراز صحابہ کبار کے سامنے تو ظاہر کیا تھا جن میں حضرت حاطبؓ بھی تھے' باقی عام طور پر مشہور تھا کہ خیبر جا رہے ہیں۔ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ جب ہم خط کو سارے سامان میں ٹٹول چکے اور نہ ملا تو حضرت ابو مرثدؓ نے کہا شاید اس کے پاس کوئی پرچہ ہے ہی نہیں۔ اس پر حضرت علیؓ نے فرمایا ناممکن ہے۔ نہ رسول اللہ ﷺ جھوٹ بول سکتے ہیں نہ ہم نے جھوٹ کہا۔ جب ہم نے اسے دھمکایا تو اس نے ہم سے کہا تمہیں اللہ کا خوف نہیں؟ کیا تم مسلمان نہیں ہو؟ ایک روایت میں ہے کہ اس نے پرچہ اپنے جسم سے نکالا۔ حضرت عمرؓ کے فرمان میں یہ بھی ہے کہ آپؐ نے فرمایا یہ بدر میں موجود تو ضرور تھے لیکن عہد شکنی کی اور دشمنوں میں ہماری خبر رسانی کی۔ اور روایت میں ہے کہ یہ عورت قبیلہ مزینہ کی عورت تھی۔ بعض کہتے ہیں اس کا نام سارہ تھا اولاد عبدالمطلب کی آزاد کردہ لونڈی تھی۔ حضرت حاطبؓ نے اسے کچھ دینا کیا تھا اور اس نے اپنے بالوں تلے کاغذ رکھ کر اوپر سے سر گوندھ لیا تھا۔ آپؐ نے اپنے گھوڑے سواروں سے فرمادیا تھا کہ اس کے پاس حاطب کا دیا ہوا اس مضمون کا خط ہے۔ آسمان سے اس کی خبر حضور ﷺ کے پاس آئی تھی۔ بنو ابو احمد کے حلیفہ میں یہ عورت پکڑی گئی تھی۔ اس عورت نے ان سے کہا تھا کہ تم منہ پھیر لو میں نکال دیتی ہوں۔ انہوں نے منہ پھیر لیا' پھر اس نے نکال کر حوالے کیا۔ اس روایت میں حضرت حاطبؓ کے جواب میں یہ بھی ہے کہ اللہ کی قسم میں اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہوں کوئی تغیر و تبدل میرے ایمان میں نہیں ہوا اور اسی بارے میں اس سورت کی آیتیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ کے ختم تک اتریں۔ اور روایت میں ہے کہ اس عورت کو اس کی اجرت کے دس درہم حضرت حاطبؓ نے دیئے تھے اور حضور ﷺ نے اس خط کے حاصل کرنے کے لیے حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کو بھیجا تھا اور جحفہ میں یہ ملی تھی۔ مطلب آیتوں کا یہ ہے کہ اے مسلمانوں مشرکین اور کفار کو جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور مومن بندوں سے لڑنے والے ہیں' جن کے دل تمہاری عداوت سے پر ہیں' تمہیں ہرگز لائق نہیں کہ ان سے دوستی اور محبت اور میل ملاپ اور اپنایت رکھو۔ تمہیں اس کے خلاف حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد ہے ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ﴾ الخ اے ایماندارو یہود و نصاریٰ سے دوستی مت گانٹھو وہ آپس میں ہی ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ تم میں سے جو بھی ان سے موالات و محبت کرے وہ انہی میں سے ہو

گا۔ اس میں کس قدر ڈانٹ ڈپٹ کے ساتھ ممانعت فرمائی ہے۔ اور جگہ ہے ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَكُمْ هُزُوًا وَّ لَعِبًا﴾ الخ مسلمانو ان اہل کتاب اور کفار سے دوستیاں مت کرو جو تمہارے دین کا مذاق اڑاتے ہیں اور اسے کھیل کود سمجھ رہے ہیں۔ اگر تم میں ایمان ہے تو ذات باری سے ڈرو اور جگہ ارشاد ہے مسلمانو! مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں سے دوستیاں نہ کرو' کیا تم چاہتے ہو کہ اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کا کھلا الزام ثابت کر لو۔

اور جگہ فرمایا مسلمانوں کو چاہیے کہ اپنوں کے علاوہ کافروں سے دوستانہ نہ کریں۔ جو ایسا کرے وہ اللہ کی طرف سے کسی چیز میں نہیں ہاں بطور دفع الوقتی اور بچاؤ کے ہو تو اور بات ہے اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے آپ سے ڈرا رہا ہے۔ اسی بناء پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت حاطب ؓ کا عذر قبول فرمالیا کہ اپنے مال و اولاد کے بچاؤ کی خاطر یہ کام ان سے ہو گیا تھا۔

مسند احمد میں ہے کہ ہمارے سامنے رسول اللہ ﷺ نے کئی مثالیں بیان فرمائیں ایک اور تین اور پانچ اور سات اور نو اور گیارہ اور پھر ان میں سے یہ تفصیل صرف ایک بیان کی باقی سب چھوڑ دیں' فرمایا ایک ضعیف مسکین قوم تھی جس پر زور آور ظالم قوم چڑھائی کر کے آ گئی لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کمزوروں کی مدد کی اور انہیں اپنے دشمنوں پر غالب کر دیا۔ غالب آ کر ان میں رعونت سما گئی اور انہوں نے ان پر مظالم شروع کر دیئے جس پر اللہ تعالیٰ ان سے ہمیشہ کے لیے ناراض ہو گیا۔ پھر مسلمانوں کو ہوشیار کرتا ہے کہ تم ان دشمنان دین سے کیوں مودت و محبت رکھتے ہو؟ حالآنکہ یہ تم سے بدسلوکی کرنے میں کسی موقعہ پر کمی نہیں کرتے۔ کیا یہ تازہ واقعہ بھی تمہارے ذہن سے ہٹ گیا کہ انہوں نے تمہیں بلکہ خود رسول اللہ ﷺ کو بھی جبراً وطن سے نکال باہر کیا۔ اور اس کی کوئی اور وجہ نہ تھی بجز اس کے کہ تمہاری توحید اور فرمان برداری رسول ﷺ ان پر گراں گزرتی تھی جیسے اور جگہ ہے ﴿وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ یُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ﴾ یعنی مومنوں سے صرف اس بناء پر مخاصمت اور دشمنی ہے کہ وہ اللہ برتر و بزرگ پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور جگہ ہے یہ لوگ محض اس وجہ سے ناحق جلاوطن کئے گئے کہ وہ کہتے تھے ہمارا رب اللہ ہے پھر فرماتا ہے اگر تم سچ مچ میری راہ کے جہاد کو نکلے ہو اور میری رضامندی کے طالب ہو تو ہرگز ان کفار سے جو تمہارے اور میرے دشمن ہیں میرے دین کو اور تمہارے جان و مال کو نقصان پہنچا رہے ہیں' دوستیاں نہ پیدا کرو' بھلا کس قدر غلطی ہے کہ تم ان سے پوشیدہ طور پر دوستانہ رکھو؟ کیا یہ پوشیدگی اللہ سے بھی پوشیدہ رہ سکتی ہے جو ظاہر و باطن کا جاننے والا ہے' دلوں کے بھید اور نفس کے وسوسے بھی جس کے سامنے کھلے ہوئے ہیں۔ بس سن لو جو بھی ان کفار سے موالات و محبت رکھے وہ سیدھی راہ سے بھٹک جائے گا' تم نہیں دیکھ رہے کہ ان کافروں کا اگر بس چلے اگر انہیں کوئی موقعہ مل جائے نہ تو اپنے ہاتھ پاؤں سے تمہیں نقصان پہنچانے میں دریغ کریں گے نہ برا کہنے سے اپنی زبانیں روکیں گے' جو ان کے امکان میں ہو گا وہ کر گزریں گے' بلکہ تمام تر کوشش اس امر پر صرف کر دیں گے کہ تمہیں بھی اپنی طرح کافر بنالیں' پس جب کہ ان کی اندرونی اور بیرونی دشمنی کا حال تمہیں بخوبی معلوم ہے پھر کیا اندھیر ہے؟ کہ تم اپنے دشمنوں کو دوست سمجھ رہے ہو اور اپنی راہ میں آپ کانٹے بو رہے ہو۔ غرض یہ ہے کہ مسلمانوں کو کافروں پر اعتماد کرنے اور ان سے ایسے گہرے تعلقات رکھنے اور دلی میل رکھنے سے روکا جا رہا ہے اور وہ باتیں یاد دلائی جا رہی ہیں جو ان سے علیحدگی پر آمادہ کریں۔ تمہاری قرابتیں اور رشتہ داریاں تمہیں اللہ کے ہاں کچھ کام نہ آئیں گی۔ اگر تم اللہ کو ناراض کر کے انہیں خوش کرو اور چاہو کہ تمہیں نفع ہو یا نقصان ہٹ جائے یہ بالکل خام خیالی ہے' نہ اللہ کی طرف کے نقصان کو کوئی ٹال سکے گا نہ اس کے دیئے ہوئے نفع کو کوئی روک سکے گا' اپنے والوں سے ان کے کفر پر جس نے موافقت کی وہ برباد ہوا' گو رشتہ دار کیسا ہی ہو کچھ نفع نہیں۔ مسند احمد میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! میرا باپ کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا جہنم میں۔ جب وہ جانے لگا تو آپ نے اسے بلایا اور فرمایا سن میرا باپ اور تیرا باپ دونوں جہنمی ہیں۔ یہ حدیث صحیح مسلم میں اور سنن ابوداؤد میں بھی ہے۔

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِیْٓ اِبْرٰهِیْمَ وَ الَّذِیْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَ مِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۫ كَفَرْنَا بِكُمْ وَ بَدَا بَیْنَنَا وَ بَیْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَ الْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰی تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗۤ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِیْمَ لِاَبِیْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَ مَاۤ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ؕ رَبَّنَا عَلَیْكَ تَوَكَّلْنَا وَ اِلَیْكَ اَنَبْنَا وَ اِلَیْكَ الْمَصِیْرُ ﴿٤﴾ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ اغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿٥﴾ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ یَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْیَوْمَ الْاٰخِرَ ؕ وَ مَنْ یَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ ﴿٦﴾ ع

مسلمانو! تمہارے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام میں اور ان کے ساتھیوں میں بہترین نمونہ اور اچھی پیروی ہے' جب کہ ان سب نے اپنی قوم سے برملا کہہ دیا کہ ہم تم سے اور جن جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو ان سب سے بالکل بیزار ہیں ہم تمہارے (عقائد کے) منکر ہیں جب تک تم اللہ کی وحدانیت پر ایمان نہ لاؤ ہم میں تم میں ہمیشہ کے لیے بغض وعداوت ظاہر ہو گیا لیکن ابراہیم علیہ السلام کی اتنی بات تو اپنے باپ سے ہوئی تھی کہ میں تمہارے لیے استغفار ضرور کروں گا اور تمہارے لیے مجھے اللہ کے سامنے کسی چیز کا اختیار کچھ بھی نہیں۔ اے ہمارے پروردگار تجھی پر ہم نے بھروسہ کیا ہے اور تیری ہی طرف ہم رجوع کرتے ہیں اور تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔ اے اللہ! تو ہمیں کافروں کا زیردست اور تختہ مشق نہ بنا اور اے ہمارے پالنے والے ہماری خطاؤں کو بخش دے' بیشک تو ہی غالب حکمتوں والا ہے' یقیناً تمہارے لیے ان میں نیک نمونہ اور عمدہ پیروی ہے خاص کر ہر اس شخص کے لیے جو اللہ کی اور قیامت کے دن کی ملاقات کا اعتقاد رکھتا ہو اور اگر کوئی روگردانی کرے تو اللہ تعالیٰ بالکل بے پرواہ ہے اور وہ سزاوار حمد وثناہ ہے۔

حضرت ابراہیم بہترین نمونہ: اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے مومن بندوں کو کفار سے موالات اور دوستی نہ کرنے کی ہدایت فرما کر ان کے سامنے اپنے خلیل علیہ السلام اور ان کے اصحاب "کا نمونہ" پیش کر رہا ہے کہ انہوں نے صاف طور پر اپنے رشتے کنبے اور قوم کے لوگوں سے برملا فرما دیا کہ ہم تم سے اور جنہیں تم پوجتے ہو ان سے بیزار بری الذمہ اور الگ تھلگ ہیں' ہم تمہارے دین اور طریقے سے متنفر ہیں' جب تک تم اسی طریقے اور اسی مذہب پر ہو تم ہمیں اپنا دشمن سمجھو ناممکن ہے کہ برادری کی وجہ سے ہم تمہارے اس کفر کے باوجود تم سے بھائی چارہ اور دوستانہ تعلقات رکھیں' ہاں یہ اور بات ہے کہ اللہ تمہیں ہدایت دے اور تم اللہ وحدہ لاشریک لہ' پر ایمان لے آؤ' اس کی توحید کو مان لو اور اسی ایک کی عبادت شروع کر دو اور جن جن کو تم نے اللہ کا شریک اور ساتھی ٹھہرا رکھا ہے اور جن جن کی پوجا پاٹ میں مشغول ہو ان سب کو ترک کر دو اپنی اس روش فکر اور طریق شرک سے ہٹ جاؤ تو پھر بیشک ہمارے بھائی ہو ہمارے عزیز ہو ورنہ ہم میں تم میں کوئی اتحاد واتفاق نہیں' ہم تم سے اور تم ہم سے علیحدہ ہو۔ ہاں یہ یاد رہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد سے جو استغفار کا وعدہ کیا تھا اور پھر اسے پورا کیا اس میں ان کی اقتدا نہیں اس لیے کہ یہ استغفار اس وقت تک رہا جس وقت تک کہ اپنے والد کا اللہ کا دشمن ہونا ان پر وضاحت کے ساتھ ظاہر نہ ہوا تھا۔ جب انہیں یقینی طور پر اس کی اللہ سے دشمنی کھل گئی تو اس سے صاف

بیزاری ظاہر کر دی۔ بعض مومن اپنے مشرک ماں باپ کے لیے دعاو استغفار کرتے تھے اور سند میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے والد کے لیے دعا مانگنا پیش کرتے تھے اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنا فرمان ﴿ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ ﴾ پوری دو آیتوں تک نازل فرمایا اور یہاں بھی اسوہ ابراہیمی میں سے اس کا استثنا کر لیا کہ اس بات میں ان کی پیروی تمہارے لیے ممنوع ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس استغفار کی تفصیل بھی کر دی اور اس کا خاص سبب اور خاص وقت بھی بیان فرمادیا۔ حضرت ابن عباس ؓ، مجاہدؒ، قتادہؒ، مقاتل بن حیانؒ اور ضحاکؒ وغیرہ نے بھی یہی مطلب بیان کیا ہے۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ قوم سے برائت کر کے اب دامن الٰہی میں چھپتے ہیں اور جناب باری میں عاجزی اور انکساری سے عرض کرتے ہیں کہ باری تعالیٰ تمام کاموں میں ہمارا بھروسہ اور اعتماد تیری ہی پاک ذات پر ہے ہم اپنے تمام کام تجھے سونپتے ہیں۔ تیری طرف رجوع و رغبت کرتے ہیں اور آخرت میں بھی ہمیں تیری ہی جانب لوٹنا ہے۔ پھر کہتے ہیں اے اللہ! تم ہمیں کافروں کے لیے فتنہ نہ بنا' یعنی ایسا نہ ہو کہ یہ ہم پر غالب آ کر ہمیں مصیبت میں مبتلا کر دیں۔ اسی طرح یہ بھی نہ ہو کہ تیری طرف سے ہم پر کوئی عتاب و عذاب نازل ہو اور وہ ان کے اور بہکنے کا سبب بنے کہ اگر یہ حق پر ہوتے تو اللہ انہیں عذاب کیوں کرتا؟ اگر یہ کسی میدان میں جیت گئے تو بھی ان کے لیے یہ فتنہ کا سبب ہوگا کہ ہم اس لیے غالب آئے کہ ہم ہی حق پر ہیں۔ اسی طرح اگر یہ ہم پر ور آ گئے تو ایسا نہ ہو کہ ہمیں تکلیفیں پہنچا پہنچا کر تیرے دین سے برگشتہ کر دیں۔ پھر یہ دعا مانگتے ہیں کہ اے اللہ ہمارے گناہوں کو بھی بخش دے ہماری پردہ پوشی کر اور ہمیں معاف فرما' تو عزیز ہے' تیری جناب میں پناہ لینے والا نامراد نہیں پھرتا تیرے در کو کھٹکانے والا خالی ہاتھ نہیں جاتا' تو اپنی شریعت کے تقرر میں اپنے اقوال و افعال میں اور قضاء و قدر کے مقدر کرنے میں حکمت والا ہے تیرا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ پھر بطور تاکید کے وہی پہلی بات دوہرائی جاتی ہے کہ ان میں تمہارے لیے نیک نمونہ ہے جو بھی اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے آنے کی حقانیت پر ایمان رکھتا ہو اسے ان کے اقتدا میں آگے بڑھ کر قدم رکھنا چاہیے اور جو احکام الٰہی سے روگردانی کرے وہ جان لے کہ اللہ اس سے بے پرواہ ہے' وہ سزاوار حمد و ثنا ہے' مخلوق اس خالق کی تعریف میں مشغول ہے۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿ اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴾ اگر تم اور تمام روئے زمین کے لوگ کفر پر اور اللہ کے نہ ماننے پر اتر آئیں تو اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اللہ تعالیٰ سب سے غنی' سب سے بے نیاز اور سب سے بے پرواہ ہے اور وہ تعریف کیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس ؓ فرماتے ہیں غنی اسے کہا جاتا ہے جو اپنی غنا میں کامل ہو۔ اللہ تعالیٰ ہی کی یہ صفت ہے کہ وہ ہر طرح بے نیاز اور بالکل بے پرواہ ہے۔ کسی اور کی ذات ایسی نہیں' اس کا کوئی ہمسر نہیں' اس کے مثل کوئی اور نہیں۔ وہ پاک ہے اکیلا ہے سب پر حاکم' سب پر غالب سب کا بادشاہ ہے' حمید ہے' یعنی مخلوق اسے سراہ رہی ہے۔ اپنے جمیع اقوال میں تمام افعال میں وہ ستائشوں اور تعریفوں والا ہے' اس کے سوا کوئی معبود نہیں اس کے سوا کوئی پالنے والا نہیں' رب وہی ہے' معبود وہی ہے۔

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ۭ وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ

دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ⑨

کیا عجب کہ عنقریب ہی اللہ تعالیٰ تم میں اور تمہارے دشمنوں میں محبت پیدا کر دے' اللہ کو سب قدرتیں ہیں۔ اللہ بڑا غفور و رحیم ہے۔ جن لوگوں نے تم سے مذہبی لڑائی نہیں لڑی اور تمہیں جلاوطن نہیں کیا ان کے ساتھ سلوک و احسان کرنے اور منصفانہ بھلے برتاؤ کرنے سے اللہ تعالیٰ تمہیں نہیں روکتا' بلکہ اللہ تعالیٰ تو انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں صرف ان لوگوں کی محبت سے روکتا ہے جو تم سے مذہبی لڑائیاں لڑیں اور تمہیں دیس نکالے دیں اور دیس نکالا دینے والوں کی مدد کریں جو لوگ ایسے کفار سے محبت کریں وہ قطعاً ظالم اور بے انصاف ہیں۔

ہدایت اللہ کے ہاتھ ہے: کافروں سے محبت رکھنے کی ممانعت اور ان کے بغض و عداوت رکھنے کے بیان کے بعد اب ارشاد ہوتا ہے کہ ایسا ممکن ہے کہ ابھی ابھی اللہ تعالیٰ تم میں اور ان میں میل ملاپ کرا دے' بغض' نفرت اور فرقت کے بعد محبت' مودت اور الفت پیدا کر دے' کونسی چیز ہے جس پر اللہ قادر نہ ہو۔ وہ متباین اور مختلف چیزوں کو جمع کر سکتا ہے' عداوت و قساوت کے بعد دلوں میں الفت و محبت پیدا کر دینا اس کے ہاتھ ہے۔ جیسے اور جگہ انصار پر اپنی نعمت بیان فرماتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے ﴿وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ﴾ الخ تم پر جو اللہ کی نعمت ہے اسے یاد کرو کہ تمہاری دلی عداوت کو اس نے الفت قلبی سے بدل دیا اور تم ایسے ہو گئے جیسے ماں جائے بھائی ہوں۔ تم آگ کے کنارے پہنچ چکے تھے' لیکن اس نے تمہیں وہاں سے بچا لیا۔ آنحضرت ﷺ نے انصاریوں سے فرمایا کیا میں نے تمہیں گمراہی کی حالت میں نہیں پایا تھا؟ پھر اللہ تعالیٰ نے میری وجہ سے تمہیں ہدایت دی اور تم متفرق تھے' میری وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں جمع کر دیا۔ قرآن کریم میں ہے ﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ﴾ الخ اللہ تعالیٰ نے اپنی مدد سے مومنوں کو ساتھ کر کے اے نبی تیری مدد کی اور ایمانداروں میں آپس میں وہ محبت اور یک جہتی پیدا کر دی کہ اگر روئے زمین کی دولت خرچ کر کے تو وہ یگانگت پیدا کرنی چاہتا تو نہ کر سکتا تھا۔ یہ الفت منجانب اللہ تھی جو عزیز و حکیم ہے۔ ایک حدیث میں ہے دوستوں کی دوستی کے وقت بھی اس بات کو پیش نظر رکھو کہ کیا عجب اس سے کسی وقت دشمنی ہو جائے اور دشمنی میں بھی حد سے تجاوز نہ کرو کیا خبر کب دوستی ہو جائے۔

عرب شاعر کہتا ہے ۔

﴿وَقَدْ يَجْمَعُ اللّٰهُ الشَّتِيْتَيْنِ بَعْدَ مَا يَظُنَّانِ كُلَّ الظَّنِّ اَنْ لَّا تَلَاقِيَا﴾

یعنی ایسے دو دشمنوں میں بھی جو ایک سے ایک جدا ہوں اور اس طرح کہ دل میں گرہ دے لی ہو کہ ابد الآباد تک اب کبھی نہ ملیں گے۔ اللہ تعالیٰ اتفاق و اتحاد پیدا کرا دیتا ہے' اور اس طرح ایک ہو جاتے ہیں کہ گویا کبھی دو نہ تھے۔ اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے کافر جب توبہ کریں اللہ قبول فرمالے گا جب وہ اس کی طرف جھکیں وہ انہیں اپنے سائے میں لے لیگا۔

کوئی سا گناہ ہو اور کوئی سا گنہگار ہو' ادھر وہ مالک کی طرف جھکا ادھر اس کی رحمت کی آغوش کھلی۔ حضرت مقاتل بن حیان فرماتے ہیں یہ آیت ابو سفیان صخر بن حرب کے بارے میں نازل ہوئی ہے ان کی صاحبزادی صاحبہ سے رسول اللہ ﷺ نے نکاح کر لیا تھا اور یہی مناکحت محبت کا سبب بن گئی۔ لیکن یہ قول کچھ جی کو نہیں لگتا' اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ نکاح فتح مکہ سے پہلے ہوا تھا اور حضرت ابو سفیان کا اسلام بالاتفاق فتح مکہ کی رات کا ہے۔ بلکہ اس سے اچھی توجیہ تو وہ ہے جو ابن ابی حاتم میں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو سفیان صخر بن حرب کو کسی باغ کے پھلوں کا عامل بنا رکھا تھا۔ حضور ﷺ کے انتقال کے بعد یہ آ رہے تھے کہ راستہ میں ذوالخمار مرتد مل گیا۔ آپ نے اس سے جنگ کی اور باقاعدہ لڑے' پس مرتدین سے پہلے پہل لڑائی لڑنے والے مجاہد فی الدین

آپ ہیں۔ حضرت ابن شہاب کا قول ہے کہ انہی کے بارے میں یہ آیت ﴿عسی اللہ﴾ الخ اتری ہے۔

صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ حضرت ابو سفیانؓ نے اسلام قبول کرنے کے بعد حضور ﷺ سے کہا کہ یا رسول اللہ میری تین درخواستیں ہیں۔ اگر اجازت ہو تو عرض کروں۔ آپؐ نے فرمایا کہو۔ تو کہا اول تو یہ کہ مجھے اجازت دیجئے کہ جس طرح اپنے کفر کے زمانے میں مسلمانوں سے مسلسل جنگ کرتا رہا اب اسلام کے زمانے میں کافروں سے برابر لڑائی جاری رکھوں۔ آپؐ نے اسے منظور فرمایا۔ پھر کہا میرے لڑکے معاویہؓ کو اپنا منشی بنا لیجئے۔ آپؐ نے اسے بھی منظور فرمایا (اس پر جو کلام ہے وہ پہلے گزر چکا) اور میری بہترین عرب بچی ام حبیبہؓ کو آپؐ اپنی زوجیت میں قبول فرمائیں۔ آپ ﷺ نے یہ بھی قبول فرمالیا (اس پر بھی کلام پہلے گزر چکا ہے)۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ جن کفار نے تم سے مذہبی لڑائی نہیں کی نہ تمہیں جلاوطن کیا جیسے عورتیں اور کمزور لوگ وغیرہ ان کے ساتھ سلوک و احسان اور عدل و انصاف کرنے سے اللہ تبارک و تعالیٰ تمہیں نہیں روکتا بلکہ وہ تو ایسے باانصاف لوگوں سے محبت رکھتا ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت اسماء بنت ابو بکرؓ کے پاس ان کی مشرکہ ماں آئیں۔ یہ اس زمانے کا ذکر ہے جس میں آنحضرت ﷺ اور مشرکین مکہ کے درمیان صلح نامہ ہو چکا تھا' تو حضرت اسماءؓ خدمت نبوی میں حاضر ہو کر مسئلہ پوچھتی ہیں کہ میری ماں آئی ہوئی ہیں اور اب تک وہ اس دین سے الگ ہیں۔ کیا مجھے جائز ہے کہ میں ان کے ساتھ سلوک کروں؟ آپؐ نے فرمایا ہاں جاؤ ان سے صلہ رحمی کرو۔ مسند کی اس روایت میں ہے کہ ان کا نام قبیلہ تھا۔ یہ مکہ سے گوہ اور پنیر اور گھی بطور تحفے کے لے کر آئی تھیں۔ لیکن حضرت اسماءؓ نے اپنی مشرکہ ماں کو نہ تو اپنے گھر میں آنے دیا نہ یہ تحفہ ہدیہ قبول کیا۔ پھر حضور ﷺ سے دریافت کیا اور آپؐ کی اجازت پر ہدیہ بھی لیا اور اپنے ہاں ٹھہرایا بھی۔ بزار کی حدیث میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نام بھی ہے لیکن یہ ٹھیک نہیں اس لیے کہ حضرت عائشہؓ کی والدہ کا نام ام رومانؓ تھا' اور وہ اسلام لا چکی تھیں اور ہجرت کر کے مدینہ میں تشریف لائی تھیں' ہاں حضرت اسماءؓ کی والدہ ام رومان نہ تھیں' چنانچہ ان کا نام قبیلہ اوپر کی حدیث میں مذکور ہے' واللہ اعلم۔

﴿مُقْسِطِيْنَ﴾ کی تفسیر سورہ حجرات میں گزر چکی ہے جنہیں اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے۔ حدیث میں ہے ﴿مقسطین﴾ وہ لوگ ہیں جو عدل کے ساتھ حکم کرتے ہیں۔ گو اہل و عیال کا معاملہ ہو یا زیر دستوں کا یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے عرش کے دائیں جانب نور کے منبر پر ہوں گے۔ پھر فرماتا ہے کہ اللہ کی ممانعت تو ان لوگوں کی دوستی سے ہے جو تمہاری عداوت سے تمہارے مقابل نکل کھڑے ہوئے۔ تم سے صرف تمہارے مذہب کی وجہ سے لڑے جھگڑے تمہیں تمہارے شہروں سے نکال دیا۔ تمہارے دشمنوں کی مدد کی پھر مشرکین سے اتحاد و اتفاق دوستی و یکجہتی رکھنے والوں کو دھمکاتا اور اس کا گناہ بتلاتا ہے کہ ایسا کرنے والے ظالم گنہگار ہیں اور جگہ فرمایا یہودیوں نصرانیوں سے دوستی کرنے والا ہمارے نزدیک انہی جیسا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ۭ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ۭ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ۭ وَاٰتُوْهُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا ۭ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۭ وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَسْــَٔـلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْــَٔـلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا ۭ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ۭ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿١٠﴾ وَاِنْ

فَاٰتَكُمْ شَیْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِیْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَآ اَنْفَقُوْا ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْۤ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱﴾

اے ایمان والو جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو تم ان کا امتحان لے لیا کرو' دراصل ان کے ایمان کو بخوبی جاننے والا تو اللہ ہی ہے' لیکن اگر وہ تمہیں ایماندار معلوم ہوں تو اب تم انہیں کافروں کی طرف واپس نہ کرو' یہ ان کے لیے حلال نہیں اور نہ وہ ان کے لیے حلال ہیں۔ جو خرچ ان کافروں کا ہوا ہو وہ انہیں ادا کر دو ان عورتوں کو ان کے مہر دے کر ان سے نکاح کر لینے میں تم پر کوئی گناہ نہیں۔ اور کافر عورتوں کی ناموس اپنے قبضہ میں نہ رکھو اور جو کچھ تم نے خرچ کیا ہو مانگ لو اور جو کچھ ان کافروں نے خرچ کیا ہو وہ بھی مانگ لیں' یہ اللہ کا فیصلہ ہے جو وہ تمہارے درمیان کر رہا ہے' اللہ تعالیٰ بڑے علم اور کامل حکمت والا ہے۔ اور اگر تمہاری کوئی بیوی تمہارے ہاتھ سے نکل جائے اور کافروں کے پاس چلی جائے پھر تمہیں اس کے بدلے کا وقت مل جائے تو جن کی بیویاں چلی گئی ہیں انہیں ان کے اخراجات کے برابر ادا کر دو' اور اس اللہ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔

مہاجر عورتوں کا امتحان: سورہ فتح کی تفسیر میں صلح حدیبیہ کا واقعہ مفصل بیان ہو چکا ہے۔ اس صلح کے موقعہ پر رسول اللہ ﷺ اور کفار قریش کے درمیان جو شرائط طے ہوئی تھیں ان میں ایک یہ بھی تھی کہ جو کافر مسلمان ہو کر حضور ﷺ کے پاس چلا جائے آپ اسے اہل مکہ کو واپس کر دیں' لیکن قرآن کریم نے ان میں سے عورتوں کو مستثنیٰ کر دیا کہ جو عورت ایمان قبول کر کے آئے اور فی الواقع ہو بھی وہ سچی ایمان دار تو مسلمان اسے کافروں کو واپس نہ دیں۔ حدیث کی تخصیص قرآن کریم سے ہونے کی یہ ایک بہترین مثال ہے' اور بعض سلف کے نزدیک یہ آیت اس حدیث کی ناسخ ہے۔ اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ حضرت ام کلثوم بنت عقبہ بن ابو معیط رضی اللہ تعالیٰ عنہا مسلمان ہو کر ہجرت کر کے مدینہ چلی آئیں۔ ان کے دونوں بھائی عمارہ اور ولید ان کو واپس لینے کے لیے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے کہا سنا۔ پس یہ آیت امتحان نازل ہوئی اور مومنہ عورتوں کو واپس لوٹانے سے ممانعت کر دی گئی۔ حضرت ابن عباس ؓ سے سوال ہوتا ہے کہ حضور ﷺ ان عورتوں کا امتحان کس طرح لیتے تھے؟ فرمایا اس طرح کہ اللہ کی قسم کھا کر سچ سچ کہے کہ وہ اپنے خاوند کی ناچاقی کی وجہ سے نہیں چلی آئی صرف آب و ہوا اور زمین کی تبدیلی کرنے کے لیے بطور سیر و سیاحت نہیں آئی' کسی دنیا طلبی کے لیے نہیں آئی بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول ﷺ کی محبت میں اسلام کی خاطر ترک وطن کیا اور کوئی غرض نہیں۔ قسم دے کر ان سوالات کا کرنا اور خوب آزما لینا یہ کام حضرت عمر فاروق ؓ کے سپرد تھا اور روایت میں ہے کہ امتحان اس طرح ہوتا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے معبود برحق اور لاشریک ہونے کی گواہی دیں اور آنحضرت ﷺ کے اللہ کے بندے اور اس کے بھیجے ہوئے رسول ہونے کی شہادت دیں۔ اگر آزمائش میں کسی غرض دنیوی کا پتہ چل جاتا تو انہیں واپس لوٹانے کا حکم تھا۔ مثلاً یہ معلوم ہو جائے کہ میاں بیوی کی ان بن کی وجہ سے یا کسی اور شخص کی محبت میں چلی آئی ہے' وغیرہ۔ اس آیت کے اس جملہ سے کہ اگر تمہیں معلوم ہو جائے کہ یہ باایمان عورت ہے تو اسے کافروں کی طرف مت لوٹاؤ' ثابت ہوتا ہے کہ ایمان پر بھی یقینی طور پر مطلع ہو جانا ممکن امر ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ مسلمان عورتیں کافروں پر اور کافر مرد مسلمان عورتوں کے لیے حلال نہیں۔ اس آیت نے اس رشتے کو حرام کر دیا ورنہ اس سے پہلے مومنہ عورتوں کا نکاح کافر مردوں سے جائز تھا جیسے کہ نبی ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینب ؓ کا نکاح ابوالعاص بن ربیع سے ہوا تھا حالانکہ یہ اس وقت کافر تھے اور بنت رسول ﷺ مسلمہ تھیں۔ بدر کی لڑائی میں یہ بھی کافروں کے ساتھ تھے اور جو کافر زندہ پکڑے گئے ان میں یہ بھی گرفتار ہو کر آئے تھے۔ حضرت زینب ؓ نے اپنی والدہ حضرت خدیجہ ؓ کا ہار ان کے فدیے میں بھیجا تھا کہ یہ آزاد

ہو کر آجائیں جسے دیکھ کر آنحضرت ﷺ پر بڑی رقت طاری ہوئی اور آپؐ نے مسلمانوں سے فرمایا اگر میری بیٹی کے قیدی کو چھوڑ دینا تم پسند کرتے ہو تو اسے رہا کر دو۔ مسلمانوں نے بہ خوشی بغیر فدیہ کے انہیں چھوڑ دینا منظور کیا چنانچہ حضور ﷺ نے انہیں آزاد کر دیا اور فرمادیا کہ آپؐ کی صاحبزادی کو آپؐ کے پاس مدینہ میں بھیج دیں۔ انہوں نے اسے بھی منظور کر لیا اور حضرت زید بن حارثہؓ کے ساتھ بھیج دیا۔ یہ واقعہ ۲ ہجری کا ہے۔ حضرت زینبؓ نے مدینہ میں ہی اقامت فرمائی اور یونہی بیٹھی رہیں یہاں تک کہ ۸ ہجری میں ان کے خاوند حضرت ابوالعاصؓ کو اللہ تعالیٰ نے توفیق اسلام دی اور وہ مسلمان ہو گئے تو حضور ﷺ نے پھر اسی اگلے نکاح پر بغیر نئے مہر کے اپنی صاحبزادی کو ان کے پاس رخصت کر دیا۔ اور روایت میں ہے کہ دو سال کے بعد حضرت ابوالعاصؓ مسلمان ہو گئے تھے اور حضور ﷺ نے اسی پہلے نکاح پر حضرت زینبؓ کو لوٹا دیا تھا۔ یہی صحیح ہے اس لیے کہ مسلمان عورتوں کے مشرک مردوں پر حرام ہونے کے دو سال بعد یہ مسلمان ہو گئے تھے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ان کے اسلام کے بعد نئے سرے سے نکاح ہوا اور نیا مہر بندھا۔

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت یزیدؒ نے فرمایا ہے پہلی روایت کے راوی حضرت ابن عباسؓ ہیں اور وہ روایت از روئے اسناد کے بہت اعلیٰ ہے اور دوسری روایات کے راوی حضرت عمرو بن شعیبؒ ہیں اور عمل اسی پر ہے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ عمرو بن شعیبؒ والی روایت کے ایک راوی حجاج ابن ارطاۃ کو حضرت امام احمدؒ وغیرہ ضعیف بتلاتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ والی حدیث کا جواب جمہور یہ دیتے ہیں کہ یہ شخصی واقعہ ہے۔ ممکن ہے ان کی عدت ختم ہی نہ ہوئی ہو۔ اکثر حضرات کا مذہب یہ ہے کہ اس صورت میں جب عورت نے عدت کے دن پورے کر لیے اور اب تک اس کا کافر خاوند مسلمان نہیں ہوا تو وہ نکاح فسخ ہو جاتا ہے۔ ہاں بعض حضرات کا مذہب یہ بھی ہے کہ عدت پوری کر لینے کے بعد عورت کو اختیار ہے اگر چاہے اپنے اس نکاح کو باقی رکھے اگر چاہے فسخ کر کے دوسرا نکاح کر لے۔ اور اسی پر ابن عباسؓ والی روایت کو محمول کرتے ہیں۔ پھر حکم ہوتا ہے کہ ان مہاجر عورتوں کے کافر خاوندوں کو ان کے خرچ اخراجات جو ہوئے ہیں وہ ادا کر دو جیسے کہ مہر۔ پھر فرمان ہے کہ اب انہیں ان کے مہر دے کر ان سے نکاح کر لینے میں تم پر کوئی حرج نہیں۔ عدت کا گزر جانا ولی کا مقرر کر لینا وغیرہ جو امور نکاح میں ضروری ہیں ان شرائط کو پورا کر کے ان مہاجر عورتوں سے جو مسلمان نکاح کرنا چاہے کر سکتا ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ تم پر بھی اے مسلمانو ان عورتوں کا اپنے نکاح میں باقی رکھنا حرام ہے جو کافرہ ہیں۔ اسی طرح کافرہ عورتوں سے نکاح کرنا بھی حرام ہے۔ اس حکم کے نازل ہوتے ہی حضرت عمرؓ نے اپنی دو کافر بیویوں کو فوراً طلاق دیدی جن میں سے ایک نے تو معاویہ بن ابی سفیانؓ سے نکاح کر لیا اور دوسری نے صفوان بن امیہ سے۔ حضور ﷺ نے کافروں سے صلح کی اور ابھی تو آپؐ حدیبیہ کے نیچے کے حصے میں ہی تھے جو یہ آیت نازل ہوئی اور مسلمانوں سے کہہ دیا گیا کہ جو عورت مہاجرہ آئے اس کا با ایمان ہونا اور خلوص نیت سے ہجرت کرنا بھی معلوم ہو جائے تو اس کے کافر خاوندوں کو ان کے دیئے ہوئے مہر واپس کر دو۔ اسی طرح کافروں کو بھی یہ حکم سنادیا گیا۔ اس حکم کی وجہ وہ عہد نامہ تھا جو ابھی ابھی مرتب ہوا تھا۔ حضرت الفاروقؓ نے اپنی جن دو کافرہ بیویوں کو طلاق دی ان میں سے پہلی کا نام قریبہ تھا۔ یہ ابوامیہ بن مغیرہ کی لڑکی تھی اور دوسری کا نام ام کلثوم تھا جو عمرو بن جرول خزاعی کی لڑکی تھی۔ حضرت عبیداللہ کی والدہ یہی تھی اس سے ابوجہم بن حذیفہ بن غانم خزاعی نے نکاح کر لیا یہ بھی مشرک تھا۔ اسی طرح اس حکم کے ماتحت حضرت طلحہ بن عبیداللہؓ نے اپنی کافرہ بیوی اروئی بنت ربیعہ ابن حارث بن عبدالمطلب کو طلاق دے دی اس سے خالد ابن سعید بن عاص نے نکاح کر لیا۔

پھر ارشاد ہوتا ہے تمہاری بیویوں پر جو تم نے خرچ کیا ہے اسے کافروں سے لے لو جبکہ وہ ان میں چلی جائیں اور کافروں کی عورتیں جو مسلمان ہو کر تم میں آجائیں انہیں تم ان کا کیا ہوا خرچ دیدو۔ صلح کے بارے میں اور عورتوں کے بارے میں ربانی فیصلہ بیان ہو چکا جو اس نے اپنی مخلوق میں کر دیا۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی تمام تر مصلحتوں سے باخبر ہے اور اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ علی الاطلاق حکیم وہی ہے۔ اس کے بعد کی آیت ﴿ وانْ فاتکُمْ ﴾ الخ کا مطلب حضرت قتادہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ جن

کفار سے تمہارا عہد و پیمان صلح و صفائی نہیں اگر کوئی عورت کسی مسلمان کے گھر سے جا کر ان میں جا ملے تو ظاہر ہے کہ وہ اس کے خاوند کا کیا ہوا خرچ نہیں دیں گے تو اس کے بدلے تمہیں بھی اجازت دی جاتی ہے کہ اگر ان میں سے کوئی عورت مسلمان ہو کر تم میں چلی آئے تو تم بھی اس کے خاوند کو کچھ نہ دو جب تک کہ وہ نہ دیں۔ حضرت زہریؒ فرماتے ہیں مسلمانوں نے تو اللہ کے اس حکم کی تعمیل کی اور کافروں کی جو عورتیں مسلمان ہو کر ہجرت کر کے آئیں ان کے لیے ہوئے مہر ان کے خاوندوں کو واپس کئے لیکن مشرکوں نے اس حکم کے ماننے سے انکار کر دیا۔ اس پر یہ آیت اتری اور مسلمانوں کو اجازت دی گئی کہ اگر تم میں سے کوئی عورت ان کے ہاں چلی گئی ہے اور انہوں نے تمہاری خرچ کی ہوئی رقم ادا نہیں کی تو جب ان میں سے کوئی عورت تمہارے ہاں آ جائے تو تم اپنا وہ خرچ نکال کر باقی اگر کچھ بچے تو دے دو ورنہ معاملہ ختم ہوا۔ حضرت ابن عباسؓ سے اس کا یہ مطلب مروی ہے کہ اس میں رسول اللہ ﷺ کو یہ حکم دیا جاتا ہے کہ جو مسلمان عورت کافروں میں جا ملے اور کافر اس کے خاوند کو اس کا کیا ہوا خرچ ادا نہ کریں تو مال غنیمت میں سے آپؐ اس مسلمان کو بقدر اس کے خرچ کے دے دیں۔ پس ﴿ فَعَاقَبْتُمْ ﴾ کے معنی یہ ہوئے کہ پھر تمہیں قریش یا کسی اور جماعت کفار سے مال غنیمت ہاتھ لگے تو ان مردوں کو جن کی عورتیں کافروں میں چلی گئی ہیں ان کا کیا ہوا خرچ ادا کر دو یعنی مہر مثل۔ ان اقوال میں کوئی تضاد اور خلاف نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ پہلی صورت اگر ممکن ہو تو وہ سہی ورنہ مال غنیمت میں سے اسے اس کا حق دے دیا جائے دونوں باتوں میں اختیار ہے اور حکم میں وسعت ہے۔ حضرت امام ابن جریرؒ اس تطبیق کو پسند فرماتے ہیں ﴿ فالحمدللہ ﴾

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑫

اے پیغمبر! جب مسلمان عورتیں تجھ سے ان باتوں پر بیعت کرنے کو آئیں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گی چوری نہ کریں گی زناکاری نہ کریں گی اپنی اولادوں کو نہ مار ڈالیں گی اور کوئی ایسا بہتان نہ باندھیں گی جو خود اپنے ہاتھوں پیروں کے سامنے گھڑ لیں اور کسی امر شرعی میں تیری بے حکمی نہ کریں گی تو تو ان سے بیعت کر لیا کر اور ان کے لیے اللہ سے بخشش طلب کر۔ بیشک اللہ تعالیٰ بخشش اور معافی کرنے والا ہے۔

صحیح بخاری میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا ہے جو مسلمان عورتیں آنحضرت ﷺ کے پاس ہجرت کر کے آتی تھیں ان کا امتحان اسی آیت سے ہوتا تھا۔ جو عورت ان تمام باتوں کا اقرار کر لیتی اسے حضور ﷺ زبانی فرما دیتے کہ میں نے تم سے بیعت کی' یہ نہیں کہ آپؐ ان کے ہاتھ سے ہاتھ ملاتے ہوں' قسم اللہ کی آپؐ نے کبھی بیعت کرتے ہوئے کسی عورت کے ہاتھ کو ہاتھ نہیں لگایا' صرف زبانی فرما دیتے کہ ان باتوں پر میں نے تیری بیعت لی۔

عورتوں سے بیعت: ترمذی' نسائی' ابن ماجہ' مسند احمد وغیرہ میں ہے کہ حضرت امیمہ بنت رقیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کئی ایک عورتوں کے ساتھ میں بھی آنحضرت ﷺ سے بیعت کرنے کے لیے حاضر ہوئی تو قرآن کی اس آیت کے مطابق آپؐ نے ہم سے عہد و پیمان لیا۔ اور ہم بھلی باتوں میں حضور ﷺ کی نافرمانی نہ کریں گے کے اقرار کے وقت فرمایا یہ بھی کہہ لو کہ جہاں تک تمہاری طاقت ہے۔ ہم نے کہا اللہ کو اور اس کے رسول ﷺ کو ہمارا خیال ہم سے بہت زیادہ ہے اور ان کی مہربانی بھی ہم پر خود ہماری

مہربانی سے بڑھ چڑھ کر ہے۔ پھر ہم نے کہا حضور آپؐ ہم سے مصافحہ نہیں کرتے؟ فرمایا نہیں میں غیر عورتوں سے مصافحہ نہیں کیا کرتا میرا ایک عورت سے کہہ دینا سو عورتوں کی بیعت کے لیے کافی ہے' بس بیعت ہو چکی۔ امام ترمذیؒ اس حدیث کو حسن صحیح کہتے ہیں۔ مسند احمد میں اتنی زیادتی اور بھی ہے کہ ہم میں سے کسی عورت کے ساتھ حضور ﷺ نے مصافحہ نہیں کیا۔ یہ حضرت امیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بہن اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خالہ ہوتی ہیں۔ مسند احمد میں ہے حضرت سلمیٰ بنت قیسؓ جو رسول اللہ ﷺ کی خالہ تھیں اور دونوں قبلوں کی طرف حضور ﷺ کے ساتھ نماز ادا کی تھی بنو عدی بن نجار کے قبیلہ میں سے تھیں' فرماتی ہیں' انصار کی عورتوں کے ساتھ خدمت نبوی میں بیعت کرنے کے لیے میں بھی آئی تھی اور اس آیت میں جن باتوں کا ذکر ہے ان کا ہم نے اقرار کیا آپؐ نے فرمایا ایک اس بات کا بھی اقرار کرو کہ اپنے خاوندوں کی خیانت اور ان کے ساتھ دھوکہ نہ کرو گی۔ ہم نے اس کا بھی اقرار کیا' بیعت کی اور جانے لگیں پھر مجھے خیال آیا اور ایک عورت کو میں نے حضور ﷺ کے پاس بھیجا کہ وہ دریافت کرے کہ خیانت دھوکہ نہ کرنے سے آپؐ کو کیا مطلب ہے؟ آپؐ نے فرمایا یہ کہ اس کا مال چپکے سے کسی اور کو نہ دو۔ مسند کی حدیث میں ہے حضرت عائشہ بنت قدامہؓ فرماتی ہیں میں اپنی والدہ رائطہ بنت سفیان خزاعیہؓ کے ساتھ حضور ﷺ سے بیعت کرنے والوں میں تھی' حضور ﷺ ان باتوں پر بیعت لے رہے تھے اور عورتیں اس کا اقرار کرتی تھیں۔ میری والدہ کے فرمان سے میں نے بھی اقرار کیا اور بیعت والیوں میں شامل ہوئی۔ صحیح بخاری میں حضرت ام عطیہؓ سے منقول ہے کہ ہم نے ان باتوں پر اور اس امر پر کہ ہم کسی مردے پر نوحہ نہ کریں گی حضور ﷺ سے بیعت کی' اس اثنا میں ایک عورت نے اپنا ہاتھ سمیٹ لیا اور کہا کہ میں نوحہ کرنے سے باز رہنے پر بیعت نہیں کرتی اس لیے کہ فلاں عورت نے میرے فلاں مردے پر نوحہ کرنے میں میری مدد کی ہے تو میں اس کا بدلہ ضرور اتاروں گی۔ آنحضرت ﷺ اسے سن کر خاموش ہو رہے' اور کچھ نہ فرمایا وہ چلی گئیں لیکن تھوڑی ہی دیر میں واپس آئیں اور بیعت کر لی۔

مسلم میں بھی یہ حدیث ہے اور اتنی زیادتی بھی ہے کہ اس شرط کو صرف اس عورت نے اور حضرت ام سلیم بنت ملحانؓ نے ہی پورا کیا۔ بخاری کی اور روایت میں ہے کہ پانچ عورتوں نے اس عہد کو پورا کیا ام سلیم' ام علا اور ابو سبرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بیٹی جو حضرت معاذؓ کی بیوی تھیں اور دو اور عورتیں' یا ابو سبرہؓ کی بیٹی اور حضرت معاذؓ کی بیوی اور ایک عورت اور۔ نبی ﷺ عید والے دن بھی عورتوں سے اس بیعت کا معاہدہ کر لیا کرتے تھے۔ بخاری میں ہے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رمضان کی عید کی نماز میں نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ اور ابو بکر عمر عثمانؓ کے ساتھ پڑھی ہے۔ سب کے سب خطبے سے پہلے نماز پڑھتے تھے پھر نماز کے بعد خطبہ کہتے تھے۔ ایک مرتبہ نبی ﷺ خطبہ دے کر اُترے گویا وہ نقشہ میری نگاہ کے سامنے ہے کہ لوگوں کو بٹھایا جا رہا تھا اور آپؐ ان کے درمیان سے تشریف لا رہے تھے' یہاں تک کہ عورتوں کے پاس آئے۔ آپؐ ﷺ کے ساتھ حضرت بلالؓ تھے۔ یہاں پہنچ کر آپؐ نے اسی آیت کی تلاوت کی پھر آپؐ نے دریافت کیا کہ کیا تم اپنے اس اقرار پر ثابت قدم ہو؟ ایک عورت نے کھڑے ہو کر جواب دیا کہ ہاں حضور اس پر مضبوطی کے ساتھ قائم ہیں۔ کسی اور نے جواب نہیں دیا۔ راوی حدیث حضرت حسنؒ کو یہ نہیں معلوم کہ یہ جواب دینے والی کونسی عورت تھیں۔ پھر آپؐ نے فرمایا اچھا خیرات کرو اور حضرت بلالؓ نے اپنا کپڑا پھیلا دیا۔ چنانچہ عورتوں نے اس میں بے نگینہ کی اور نگینہ دار انگوٹھیاں راہ للہ ڈالیں۔

مسند احمد کی روایت میں حضرت امیمہؓ کی بیعت کے ذکر میں آیت کے علاوہ اتنا اور بھی ہے کہ نوحہ نہ کرنا اور جاہلیت کے زمانہ کی طرح اپنا بناؤ سنگھار غیر مردوں کو نہ دکھانا۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مردوں سے بھی ایک مجلس میں فرمایا کہ مجھ سے ان باتوں پر بیعت کرو جو اس آیت میں ہیں جو شخص اس بیعت کو نبھا دے اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے اور جو اس کے کچھ خلاف کر گزرے اور وہ مسلم حکومت سے پوشیدہ رہے اس کا حساب اللہ سے ہے' اگر چاہے بخش دے اور اگر چاہے عذاب کرے۔ حضرت

عبادہ بن صامتؓ فرماتے ہیں کہ عقبہ اولیٰ میں ہم بارہ شخصوں نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی اور انہی باتوں پر جو اس آیت میں مذکور ہیں آپؐ نے ہم سے بیعت لی اور فرمایا اگر تم اس پر پورے اترے تو یقیناً تمہارے لیے جنت ہے۔ یہ واقعہ جہاد کی فرضیت سے پہلے کا ہے۔ ابن جریر کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر بن خطابؓ کو حکم دیا کہ وہ عورتوں سے کہیں کہ رسول اللہ ﷺ تم سے اس بات پر بیعت لیتے ہیں کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ ان بیعت کے لیے آنے والیوں میں حضرت ہند بھی تھیں جو عتبہ بن ربیعہ کی بیٹی اور حضرت ابوسفیانؓ کی بیوی تھیں۔ یہی تھیں جنہوں نے اپنے کفر کے زمانے میں حضور ﷺ کے چچا حضرت حمزہؓ کا پیٹ چیر دیا تھا۔ اس وجہ سے یہ ان عورتوں میں ایسی حالت میں آئی تھیں کہ کوئی انہیں پہچان نہ سکے۔ اس نے جب فرمان سنا تو کہنے لگی میں کچھ کہنا چاہتی ہوں لیکن اگر بولوں گی تو حضور ﷺ مجھے پہچان لیں گے اور اگر پہچان لیں گے تو میرے قتل کا حکم دے دیں گے۔ میں اسی وجہ سے اس طرح آئی ہوں کہ پہچانی نہ جاؤں مگر وہ عورتیں سب خاموش رہیں اور ان کی بات اپنی زبان سے کہنے سے انکار کر دیا۔ آخر ان ہی کو کہنا پڑا کہ یہ ٹھیک ہے جب شرک سے ممانعت مردوں کو ہے تو عورتوں کو کیوں نہ ہو گی؟ حضور ﷺ نے ان کی طرف دیکھا لیکن آپؐ نے کچھ نہ فرمایا۔ پھر حضرت عمرؓ سے کہا ان سے کہہ دو کہ دوسری بات یہ ہے کہ یہ چوری نہ کریں۔ اس پر ہندؓ نے کہا میں ابوسفیان کی معمولی سی چیز کبھی کبھی لے لیا کرتی ہوں کیا خبر یہ بھی چوری میں داخل ہے یا نہیں؟ اور میرے لیے یہ حلال بھی ہے یا نہیں؟ حضرت ابوسفیانؓ بھی اسی مجلس میں موجود تھے' یہ سنتے ہی کہنے لگے میرے گھر میں سے جو کچھ بھی تو نے لیا ہو خواہ وہ خرچ میں آ گیا ہو یا اب بھی باقی ہو وہ سب میں تیرے لیے حلال کرتا ہوں۔ اب تو نبی ﷺ نے صاف پہچان لیا کہ یہ میرے چچا حمزہ کی قاتلہ اور ان کے کلیجے کو چیرنے والی' پھر اسے چبانے والی عورت ہند ہے۔ آپؐ انہیں پہچان کر اور ان کی یہ گفتگو سن کر اور حالت دیکھ کر مسکرا دیئے اور انہیں اپنے پاس بلایا۔ انہوں نے آ کر حضور ﷺ کا ہاتھ تھام کر معافی مانگی۔ آپؐ نے فرمایا تم وہی ہند ہو؟ انہوں نے کہا گذشتہ گناہ اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیئے۔ حضور ﷺ خاموش رہے اور بیعت کے سلسلے میں پھر لگ گئے اور فرمایا تیسری بات یہ ہے کہ ان عورتوں میں سے کوئی بدکاری نہ کرے۔ اس پر حضرت ہند نے کہا کیا کوئی آزاد عورت بھی بدکاری کرتی ہے؟ آپؐ نے فرمایا ٹھیک ہے' اللہ کی قسم آزاد عورتیں اس برے کام سے ہرگز آلودہ نہیں ہوتیں۔ آپؐ نے پھر فرمایا چوتھی بات یہ ہے کہ اپنی اولاد کو قتل نہ کریں۔ ہندؓ نے کہا آپؐ نے انہیں بدر کے دن قتل کیا ہے' آپؐ جانیں اور وہ۔ آپؐ نے فرمایا پانچویں بات یہ ہے کہ خود اپنی ہی طرف سے جوڑ کر بے سر پیر کا کوئی خاص بہتان نہ تراش لیں' اور چھٹی بات یہ ہے کہ میری شرعی باتوں میں میری نافرمانی نہ کریں' اور ساتواں عہد آپؐ نے ان سے یہ بھی لیا کہ وہ نوحہ نہ کریں۔ اہل جاہلیت اپنے کسی کے مر جانے پر کپڑے پھاڑ ڈالتے تھے منہ نوچ لیتے تھے بال کٹوا دیتے تھے اور ہائے وائے کیا کرتے تھے' یہ اثر غریب ہے اور اس کے بعض حصے میں نکارت بھی ہے' اس لیے کہ ابوسفیان اور ان کی بیوی ہند کے اسلام کے وقت انہیں حضور ﷺ کی طرف سے کوئی اندیشہ نہ تھا بلکہ اس سے بھی آپؐ نے صفائی اور محبت کا اظہار کر دیا تھا' واللہ اعلم۔

ایک اور روایت میں ہے کہ فتح مکہ والے دن بیعت والی یہ آیت نازل ہوئی' نبی ﷺ نے صفا پر مردوں سے بیعت لی اور حضرت عمرؓ نے عورتوں سے بیعت لی۔ اس میں اتنا اور بھی ہے کہ اولاد کے قتل کی ممانعت سن کر حضرت ہند رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ ہم نے تو انہیں بچپنے سے پال پوس کر بڑا کیا لیکن ان بڑوں کو تم نے قتل کیا۔ اس پر حضرت عمرؓ مارے ہنسی کے لوٹ لوٹ گئے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ جب ہند بیعت کرنے آئیں تو ان کے ہاتھ مردوں کی طرح سفید تھے۔ آپؐ نے فرمایا جاؤ ان کا رنگ بدل لو۔ چنانچہ وہ مہندی لگا کر حاضر ہوئیں۔ ان کے ہاتھ میں دو سونے کے کڑے تھے۔ انہوں نے پوچھا کہ ان کی نسبت کیا حکم ہے؟ فرمایا جہنم کی آگ کے دو انگارے ہیں (یہ حکم اس وقت کا ہے جب ان کی زکوٰۃ نہ ادا کی جائے) اس بیعت کے لینے کے وقت آپؐ کے ہاتھ میں ایک کپڑا تھا۔ جب اولادوں کے قتل کی ممانعت پر ان سے عہد لیا گیا تو ایک عورت نے کہا ان کے باپ دادوں کو تو قتل کیا اور ان کی اولاد کی وصیت ہمیں ہو

رہی ہے۔ یہ شروع صورت بیعت کی تھی لیکن پھر اس کے بعد تو آپؐ نے یہ دستور کر رکھا تھا کہ جب بیعت کرنے کے لیے عورتیں جمع ہو جاتیں تو آپؐ یہ سب باتیں ان پر پیش فرماتے وہ ان کا اقرار کرتیں اور واپس لوٹ جاتیں۔ پس فرمان الٰہی ہے کہ جو عورت ان امور پر بیعت کرنے کے لیے آئے تو اس سے بیعت لے لو کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا' غیر لوگوں کے مال نہ چرانا' ہاں اس عورت کو جس کا خاوند اپنی طاقت کے مطابق کھانے پینے پہننے اوڑھنے کو نہ دیتا ہو تو جائز ہے کہ اپنے خاوند کے مال سے مطابق دستو اور بقدر اپنی حاجت کے لے لے گو خاوند کو اس کا علم نہ ہو۔ اس کی دلیل حضرت ہند رضی اللہ تعالیٰ عنہا والی حدیث ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ میرے خاوند ابو سفیان بخیل آدمی ہیں' وہ مجھے اتنا خرچ نہیں دیتے جو مجھے اور میری اولاد کو کافی ہو سکے تو کیا میں اگر ان کی بے خبری میں ان کے مال میں سے لے لوں تو مجھے جائز ہے؟ آپؐ نے فرمایا بہ طریق معروف اسکے مال سے اتنا لے لے جو تجھے اور تیرے بال بچوں کو کفایت کرے (بخاری مسلم)۔

اور وہ زنا کاری نہ کریں۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿ولا تقربوا الزنا انه كان فاحشة وساء سبيلا﴾ زنا کے قریب نہ جاؤ وہ بے حیائی ہے اور بری راہ ہے حضرت سمرہؓ والی حدیث میں زنا کی سزا دردناک عذاب جہنم بیان کی گئی ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت فاطمہ بنت عقبہؓ جب بیعت کے لیے آئیں اور اس آیت کی تلاوت ان کے سامنے کی گئی تو انہوں نے شرم سے اپنا ہاتھ اپنے سر پر رکھ لیا۔ آپؐ کو ان کے یہ حیا اچھی معلوم ہوئی۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا انہی شرطوں پر سب نے بیعت کی ہے۔ یہ سنکر انہوں نے بھی بیعت کر لی۔ حضور ﷺ کی بیعت کے طریقے اوپر بیان ہو چکے ہیں۔ اولاد کو قتل نہ کرنے کا حکم عام ہے۔ پیدا شدہ اولاد کو مار ڈالنا بھی اسی ممانعت میں ہے۔ جیسے کہ جاہلیت کے زمانے والے اس خوف سے قتل کرتے تھے کہ انہیں کہاں سے کھلائیں گے پلائیں گے اور حمل گرا دینا بھی اسی ممانعت میں ہے جیسے بعض جاہل عورتیں کو دپھاند کر اپنا جنین گرا دیتی تھیں۔

بری غرض وغیرہ سے بہتان نہ باندھنے کا ایک مطلب تو حضرت ابن عباسؓ نے یہ بیان فرمایا کہ دوسرے کی اولاد کو اپنے خاوند کے سر چپکنا۔ ابوداؤد کی حدیث میں ہے کہ ملاعنہ کی آیت کے نازل ہونے کے وقت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو عورت کسی قوم میں اسے داخل کرے جو اس قوم کا نہیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کسی گنتی میں شمار نہیں اور جو شخص اپنی اولاد سے انکار کر جائے حالانکہ وہ اس کے سامنے موجود ہو اللہ تعالیٰ اس سے آڑ کر لے گا اور تمام اگلوں پچھلوں کے سامنے اسے رسوا و ذلیل کرے گا۔ حضور ﷺ کی نافرمانی نہ کریں یعنی آپؐ کے احکام بجا لائیں اور آپؐ کے منع کئے ہوئے کاموں سے رک جایا کریں۔ یہ شرط یعنی معروف ہونے کی عورتوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے لگا دی ہے۔ حضرت میمونؒ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی اطاعت بھی فقط معروف میں رکھی ہے اور معروف ہی اطاعت ہے۔ حضرت ابن زید فرماتے ہیں کہ دیکھ لو کہ بہترین خلق رسول اللہ ﷺ کی فرمانبرداری کا حکم بھی معروف میں ہی ہے۔ اس بیعت والے دن آنحضور ﷺ نے عورتوں سے نوحہ نہ کرنے کا اقرار بھی کر لیا تھا۔ جیسے حضرت ام عطیہؓ کی حدیث میں پہلے گزر چکا۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں ہم سے ذکر کیا گیا ہے کہ اس بیعت میں یہ بھی تھا کہ عورتوں غیر محرموں سے بات چیت نہ کریں۔ اس پر حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے فرمایا رسول اللہ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہم گھر پر موجود نہیں ہوتے اور مہمان آ جاتے ہیں آپؐ نے فرمایا میری مراد ان سے بات چیت کرنے کی ممانعت سے نہیں' میں ان سے کام کی بات کرنے سے نہیں روکتا (ابن جریر)۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضور ﷺ نے اس بیعت کے موقعہ پر عورتوں کو نامحرم مردوں سے باتیں کرنے سے منع فرمایا اور حسنؒ نے کہا بعض لوگ وہ بھی ہوتے ہیں کہ پرائی عورتوں سے باتیں کرنے میں ہی مزہ لیا کرتے ہیں یہاں تک کہ مذی نکل جاتی ہے۔ اوپر حدیث بیان ہو چکی ہے کہ نوحہ نہ کرنے کی شرط پر ایک عورت نے کہا فلاں قبیلے کی عورتوں نے میرا ساتھ دیا ہے تو ان کے نوحے میں بھی ان کا ساتھ دے کر بدلہ ضرور اتاروں گی چنانچہ وہ گئیں بدلہ اتار پھر آ کر حضور ﷺ سے بیعت کی الخ۔ حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ

عنہا جن کا نام ان عورتوں میں ہے جنہوں نے نوحہ نہ کرنے کی بیعت کو پورا کیا' یہ ملحان کی بیٹی اور حضرت انس ؓ کی والدہ ہیں۔ اور روایت میں ہے کہ جس عورت نے بدلے کے نوحے کی اجازت مانگی تھی خود حضور ﷺ نے اسے اجازت دی تھی۔ یہی وہ معروف ہے جس میں نافرمانی منع ہے۔ بیعت کرنے والی عورتوں میں سے ایک کا بیان ہے کہ معروف میں ہم حضور ﷺ کی نافرمانی نہ کریں' اس سے مطلب یہ ہے کہ مصیبت کے وقت منہ نہ نوچیں' بال نہ منڈوائیں کپڑے نہ پھاڑیں' ہائے وائے نہ کریں۔

ابن جریر میں حضرت ام عطیہ ؓ سے مروی ہے کہ جب حضور ﷺ ہمارے ہاں مدینہ میں تشریف لائے تو ایک دن آپؐ نے حکم دیا کہ سب انصاریہ عورتیں فلاں گھر میں جمع ہوں۔ پھر حضرت عمر ابن خطاب ؓ کو وہاں بھیجا۔ آپؓ دروازے پر کھڑے ہو گئے اور سلام کیا۔ ہم نے آپؓ کے سلام کا جواب دیا۔ پھر فرمایا میں رسول اللہ ﷺ کا قاصد ہوں۔ ہم نے کہا رسول اللہ کو بھی مرحبا ہو اور آپؓ کے قاصد کو بھی ہو۔ حضرت عمر نے فرمایا مجھے حکم ہوا ہے کہ میں تمہیں حکم کروں کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک نہ کرنے پر چوری اور زناکاری سے بچنے پر بیعت کرو۔ ہم نے کہا ہم سب حاضر ہیں اور اقرار کرتی ہیں چنانچہ آپؓ نے وہیں باہر کھڑے کھڑے اپنا ہاتھ اندر کی طرف بڑھا دیا اور ہم نے اپنے ہاتھ اندر سے ہی اندر ہی اندر بڑھائے۔ پھر آپؓ نے فرمایا اے اللہ گواہ رہ۔ پھر ہمیں حکم ہوا کہ دونوں عیدوں میں ہم اپنی حائضہ عورتوں اور جوان کنواری لڑکیوں کو لے جایا کریں ہم پر جمعہ فرض نہیں۔ ہمیں جنازوں کے ساتھ نہ جانا چاہیے۔ حضرت اسماعیلؒ راوی حدیث فرماتے ہیں میں نے اپنی دادی صاحبہ حضرت ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا کہ عورتیں معروف میں حضور ﷺ کی نافرمانی نہ کریں اس سے کیا مطلب ہے؟ فرمایا یہ کہ نوحہ نہ کریں۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ جو کوئی مصیبت کے وقت اپنے کلوں پر تھپڑ مارے دامن چاک کرے اور جاہلیت کے وقت کی ہائی دہائی مچائے وہ ہم میں سے نہیں۔ اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس سے بری ہیں جو گلا پھاڑ پھاڑ کر ہائے وائے کرے بال نوچے یا منڈوائے اور کپڑے پھاڑے یا دامن چیرے۔

مسند ابو یعلی میں ہے کہ میری امت میں چار کام جاہلیت کے ہیں جنہیں وہ نہ چھوڑے گی۔ حسب نسب پر فخر کرنا' انسان کو اس کے نسب کا طعنہ دینا' ستاروں سے بارش طلب کرنا اور میت پر نوحہ کرنا اور فرمایا نوحہ کرنے والی عورت اگر بے توبہ کئے مرجائے تو اسے قیامت کے دن گندھک کا پیراہن پہنایا جائے گا اور کھجلی کی چادر اڑھائی جائے گی۔ مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ نے نوحہ کرنے والیوں اور نوحہ کو کان لگا کر سننے والیوں پر لعنت فرمائی۔ ابن جریر کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ معروف میں نافرمانی نہ کرنے سے مراد نوحہ نہ کرنا ہے۔ یہ حدیث ترمذی کی کتاب التفسیر میں بھی ہے اور امام ترمذیؒ اسے حسن غریب کہتے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ﴿١٣﴾

اے مسلمانو! تم اس قوم سے دوستی نہ رکھو جن پر اللہ کا غضب نازل ہو چکا ہے جو آخرت سے اس طرح مایوس ہو چکے ہیں جیسے کہ مردہ اہل قبر کافر ناامید ہیں۔

کافر اہل قبور سے ناامید ہو چکے ہیں: اس سورت کی ابتدا میں جو حکم تھا وہی انتہا میں بیان ہو رہا ہے کہ یہود و نصاری اور دیگر کفار سے جن پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت گزر چکی ہے اور اللہ کی رحمت اور اس کی شفقت سے دور ہو چکے ہیں تم ان سے دوستانہ اور میل ملاپ نہ رکھو' وہ آخرت کے ثواب سے اور وہاں کی نعمتوں سے ایسے ناامید ہو چکے ہیں جیسے قبروں والے کافر۔ اس سے پچھلے جملے کے دو معنی کئے گئے ہیں۔ ایک تو یہ کہ جیسے زندہ کافر اپنے مردہ کافروں کے دوبارہ زندہ ہونے سے مایوس ہو چکے ہیں۔ دوسرے یہ کہ جس

طرح مردہ کافر ہر بھلائی سے ناامید ہو چکے ہیں وہ مر کر آخرت کے احوال دیکھ چکے اور اب انہیں کسی قسم کی بھلائی کی توقع نہیں رہی۔
الحمدللہ سورہ ممتحنہ کی تفسیر ختم ہوئی۔

تفسیر سورۂ صف مدنیہ

سورت کا تعارف اور شان نزول: حضرت عبداللہ بن سلامؓ فرماتے ہیں کہ ہم صحابہ ایک دن بیٹھے بیٹھے آپس میں یہ تذکرے کر رہے تھے کہ کوئی جائے اور رسول اللہ ﷺ سے یہ دریافت کرے کہ اللہ کو سب سے زیادہ محبوب عمل کونسا ہے؟ مگر ابھی کوئی کھڑا بھی نہ ہوا تھا کہ ہمارے پاس رسول اللہ ﷺ کا قاصد پہنچا اور ہم میں سے ایک ایک کو بلا کر حضور ﷺ کے پاس لے گیا۔ جب ہم سب جمع ہو گئے تو آپؐ نے اس پوری سورت کی تلاوت کی (مسند احمد)۔ اس میں ذکر ہے کہ جہاد سب سے زیادہ محبوب الٰہی ہے۔ ابن ابی حاتم کی اس حدیث میں ہے کہ ہم حضور ﷺ سے سوال کرتے ہوئے ڈرے' اور اس میں یہ بھی ہے کہ جس طرح حضور ﷺ نے پوری سورت پڑھ کر سنائی تھی' اسی طرح اس روایت کے بیان کرنے والے صحابی نے تابعی کو پڑھ کر سنائی اور تابعی نے اپنے شاگرد کو اس نے اپنے شاگرد کو اسی طرح آخر تک اور روایت میں ہے کہ ہم نے کہا تھا اگر ہمیں ایسے عمل کی خبر ہو جائے تو ہم ضرور اس پر عامل ہو جائیں۔ مجھ سے میرے استاد شیخ مسند ابوالعباس احمد ابن ابو طالب حجارؒ نے بھی اپنی سند سے یہ حدیث بیان کی ہے اور اس میں بھی مسلسل ہر استاد کا اپنے شاگرد کو یہ سورت پڑھ کر سنانا مروی ہے۔ یہاں تک کہ میرے استاد نے بھی اپنے استاد سے اسے سنا ہے لیکن چونکہ وہ خود امی تھے اور اسے یاد کرنے کا انہیں وقت نہیں ملا انہوں نے مجھے پڑھکر نہیں سنائی لیکن الحمدللہ میرے دوسرے استاد حافظ کبیر ابو عبداللہ محمد بن احمد بن عثمانؒ نے اپنی سند سے یہ حدیث مجھے پڑھاتے وقت یہ سورت بھی پوری پڑھ کر سنائی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ① يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ② كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ③ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ④

مشفق و مہربان معبود حقیقی کے نام سے شروع

زمین و آسمان کی ہر ہر چیز اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتی ہے' اور وہی غالب حکمت والا ہے۔ اے مسلمانو! تم وہ بات کیوں کہو؟ جو نہ کرو۔ تم جو نہ کرو اس کا کہنا اللہ کو سخت ناپسند ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو اس کی راہ میں صف بستہ جہاد کرتے ہیں گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی عمارت ہیں۔

پہلی آیت کی تفسیر کئی بار گزر چکی ہے۔ اب پھر اس کا اعادہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ پھر ان لوگوں پر انکار ہوتا ہے جو کہیں اور نہ کریں وعدہ کریں اور وفا نہ کریں۔ بعض علمائے سلف نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ وعدہ پورا کرنا مطلقاً واجب ہے۔ جس سے وعدہ کیا ہے خواہ وہ تاکید کرے یا نہ کرے' ان کی دلیل بخاری و مسلم کی یہ حدیث بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا منافق کی تین عادتیں ہوتی ہیں' جب وعدہ کرے خلاف کرے جب بات کرے جھوٹ بولے جب امانت دیا جائے خیانت کرے۔ دوسری صحیح حدیث

میں ہے چار باتیں جس میں ہوں وہ خالص منافق ہے اور جس میں ان چار میں سے ایک ہو اس میں ایک خصلت نفاق کی ہے۔ جب تک اسے نہ چھوڑے ان میں سے ایک عادت وعدہ خلافی کی ہے۔ شرح صحیح بخاری کی ابتدا میں ہم نے ان دونوں احادیث کی پوری شرح کر دی ہے" فالحمد للہ۔ اسی لیے یہاں بھی اس کی تاکید میں فرمایا گیا' اللہ تعالیٰ کو یہ بات سخت ناپسند ہے کہ تم وہ کہو جو خود نہ کرو۔

جو کہو وہ کرو: مسند احمد اور ابوداؤد میں حضرت عبداللہ بن عامر بن ربیعہ ؓ سے روایت ہے کہ ہمارے پاس رسول اللہ ﷺ آئے۔ میں اس وقت چھوٹا بچہ تھا کھیل کود کے لیے جانے لگا تو میری والدہ نے مجھے آواز دے کر کہا ادھر آ کچھ دوں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کچھ دینا بھی چاہتی ہو؟ میری والدہ نے کہا ہاں حضور کھجوریں دوں گی۔ آپؐ نے فرمایا پھر تو خیر ورنہ یاد رکھو کچھ نہ دینے کا ارادہ ہوتا اور یوں کہتیں تو تم پر ایک جھوٹ لکھا جاتا۔ حضرت امام مالک فرماتے ہیں کہ جب وعدہ کے ساتھ وعدہ کئے ہوئے کی تاکید کا تعلق ہے تو اس وعدے کو وفا کرنا واجب ہو جاتا ہے' مثلاً کسی شخص نے کسی سے کہہ دیا کہ تو نکاح کر لے اور اتنا اتنا ہر روز میں تجھے دیتا رہوں گا۔ اس نے نکاح کر لیا تو جب تک نکاح باقی ہے اس شخص پر واجب ہے کہ اسے اپنے وعدے کے مطابق دیتا رہے اس لیے کہ اس میں آدمی کے حق کا تعلق ثابت ہو گیا جس پر اس سے باز پرس سختی کے ساتھ ہو سکتی ہے۔

جہاد کی فرضیت: جمہور کا مذہب یہ ہے کہ ایفاء عہد مطلق واجب ہی نہیں۔ اس آیت کا جواب وہ یہ دیتے ہیں کہ جب لوگوں نے جہاد کی فرضیت کی خواہش کی اور فرض ہو گیا تو اب بعض لوگ ہٹنے لگے جس پر یہ آیت اتری۔ جیسے اور جگہ ہے

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ ﴾ یعنی کیا تو نے انہیں نہ دیکھا جن سے کہا گیا تم اپنے ہاتھ روکے رکھو۔ پھر جب ان پر جہاد فرض کیا گیا تو ان میں ایسے لوگ بھی نکل آئے جو لوگوں سے اس طرح ڈرنے لگے جیسے اللہ سے ڈرتے ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ کہنے لگے پروردگار تو نے ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا؟ کیوں ہمیں ایک وقت مقررہ تک پیچھے نہ چھوڑا جو قریب ہی تو ہے کہہ دے کہ اسباب دنیا تو بہت ہی کم ہیں' ہاں پرہیزگاروں کے لیے آخرت بہترین چیز ہے۔ تم پر کچھ بھی ظلم نہ کیا جائے گا۔ تم کہیں بھی ہو تمہیں موت ڈھونڈ نکالے گی گو تم مضبوط محلوں میں ہو۔ اور جگہ ہے ﴿ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ لَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ ﴾ الخ یعنی مسلمان کہتے ہیں کیوں کوئی سورت نہیں اتاری جاتی؟ پھر جب کوئی محکم سورت اتاری جاتی ہے اور اس میں لڑائی کا ذکر ہوتا ہے تو تو دیکھے گا کہ بیمار دل والے تیری طرف اس طرح دیکھیں گے جیسے وہ دیکھتا ہے جس پر موت کی بے ہوشی ہو۔ اسی طرح کی یہ آیت بھی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ بعض مومنوں نے جہاد کی فرضیت سے پہلے کہا کہ کیا ہی اچھا ہوتا اللہ تعالیٰ ہمیں وہ عمل بتلاتا جو اسے سب سے زیادہ پسند ہوتا تاکہ ہم اس پر عامل ہوتے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو خبر کی کہ سب سے زیادہ پسندیدہ عمل میرے نزدیک ایمان ہے جو شک و شبہ سے پاک ہو اور بے ایمانوں سے جہاد کرنا ہے تو بعض مسلمانوں پر یہ بھاری پڑا۔ جس پر یہ آیت اتری کہ وہ باتیں زبان سے کیوں نکالتے ہو جنہیں کرتے نہیں۔ امام ابن جریرؒ اسی کو پسند فرماتے ہیں کہ مسلمانوں نے کہا اگر ہمیں معلوم ہو جاتا کہ کس عمل کو اللہ تعالیٰ بہت پسند فرماتا ہے تو ہم ضرور وہ عمل بجالاتے۔ اس پر اللہ عزوجل نے وہ عمل بتایا کہ میری راہ میں صفیں باندھ کر مضبوطی کے ساتھ جم کر جہاد کرنے والوں کو میں بہت پسند فرماتا ہوں۔ پھر احد والے دن ان کی آزمائش ہو گئی اور لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے جس پر یہ فرمان عالی شان اترا کہ کیوں وہ کہتے ہو جو کر نہیں دکھاتے؟ بعض حضرات فرماتے ہیں یہ ان کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو کہیں ہم نے جہاد کیا اور حالانکہ جہاد نہ کیا ہو کہہ دیں کہ ہم زخمی ہوئے اور ہوئے نہ ہوں کہہ دیں کہ ہم پر مار پڑی اور پڑی نہ ہو کہہ دیں کہ ہم قید کئے گئے اور قید نہ کئے گئے ہوں۔ ابن زیدؒ فرماتے ہیں اس سے مراد منافق ہیں کہ مسلمانوں کی مدد کا وعدہ کرتے لیکن وقت پر پورا نہ کرتے۔ زید بن اسلم جہاد مراد لیتے ہیں۔

حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں ان کہنے والوں میں حضرت عبداللہ بن رواحہ انصاریؓ بھی تھے۔ جب یہ آیت اتری اور معلوم ہوا کہ

جہاد سب سے زیادہ عمدہ عمل ہے تو آپؓ نے عہد کر لیا کہ میں تو اب سے لے کر مرتے دم تک اللہ کی راہ میں اپنے تئیں وقف کر چکا چنانچہ اسی پر قائم بھی رہے یہاں تک کہ فی سبیل اللہ شہید ہو گئے۔ حضرت ابو موسیٰؓ نے بصرہ کے قاریوں کو ایک مرتبہ بلوایا تو تین سو قاری ان کے پاس آئے جن میں سے ہر ایک قاری قرآن تھا۔ پھر فرمایا تم اہل بصرہ کے قاری اور ان میں سے بہترین لوگ ہو سنو ہم ایک سورت پڑھتے تھے جو مسبحات کی سورتوں کے مشابہ تھی پھر ہم اسے بھول گئے ہاں مجھے اس میں سے اتنا یاد رہ گیا ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ فَتُكْتَبُ شَهَادَةً فِي أَعْنَاقِكُمْ فَتُسْأَلُونَ عَنْهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ یعنی اے ایمان والو وہ کیوں کہو جو نہ کرو، پھر وہ لکھا جائے اور تمہاری گردنوں میں بطور گواہ کے لٹکا دیا جائے پھر قیامت کے دن اس کی بابت باز پرس ہو۔ پھر فرمایا اللہ تعالیٰ کے محبوب وہ لوگ ہیں جو صفیں باندھ کر اللہ تعالیٰ کے دشمن کے مقابلے میں ڈٹ جاتے ہیں تا کہ اللہ کا بول بالا ہو، اسلام کی حفاظت ہو اور دین کا غلبہ ہو۔ مسند احمد میں ہے کہ تین قسم کے لوگوں کی تین حالتیں ہیں جنہیں دیکھ کر اللہ تبارک وتعالیٰ خوش ہوتا ہے اور ہنس دیتا ہے۔ رات کو اٹھ کر تہجد پڑھنے والے، نماز کے لیے صفیں باندھنے والے، میدان جنگ میں صف بندی کرنے والے۔

جہاد کے فضائل: ابن ابی حاتم میں ہے حضرت مطرفؒ فرماتے ہیں مجھے بہ روایت حضرت ابوذرؓ ایک حدیث پہنچی تھی، میرے جی میں تھا کہ خود حضرت ابوذرؓ سے مل کر یہ حدیث آمنے سامنے سن لوں چنانچہ ایک مرتبہ جا کر آپؓ سے ملاقات کی اور واقعہ بیان کیا۔ آپؓ نے خوشنودی کا اظہار فرما کر کہا وہ حدیث کیا ہے؟ میں نے کہا یہ کہ اللہ تعالیٰ تین شخصوں کو دشمن جانتا ہے اور تین کو دوست رکھتا ہے۔ فرمایا ہاں میں اپنے خلیل حضرت محمد ﷺ پر جھوٹ نہیں بول سکتا۔ فی الواقع آپؐ نے ہم سے یہ حدیث بیان فرمائی ہے۔ میں نے پوچھا وہ تین کون ہیں؟ جنہیں اللہ تعالیٰ محبوب جانتا ہے۔ فرمایا ایک تو وہ جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے خالص خوشنودی اللہ کی نیت سے نکلے۔ دشمن سے جب مقابلہ ہو تو دلیرانہ جہاد کرے تم اس کی تصدیق خود کتاب اللہ میں بھی دیکھ سکتے ہو۔ پھر آپؐ نے یہی آیت تلاوت فرمائی اور پھر پوری حدیث بیان کی۔ ابن ابی حاتم میں یہ حدیث اسی طرح ان ہی الفاظ میں اتنی ہی آئی ہے۔ ہاں ترمذی اور نسائی میں پوری حدیث ہے اور ہم نے بھی اسے دوسری جگہ پوری وارد کی ہے۔ ﴿فالحمدللہ﴾۔ حضرت کعب احبارؒ سے ابن ابی حاتم میں منقول ہے اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرماتا ہے: آپؐ میرے بندے متوکل اور پسندیدہ ہیں بدخلق، بدزبان، بازاروں میں شور وغل کرنے والے نہیں برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے بلکہ درگزر کر کے معاف کر دیتے ہیں، جائے پیدائش آپ کی مکہ ہے جائے ہجرت طابہ ہے، ملک آپؐ کا شام ہے، امت آپؐ کی بکثرت اللہ تعالیٰ کی حمد کرنے والی ہے، ہر حال میں اور ہر منزل میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرتے رہتے ہیں صبح کے وقت ذکر اللہ میں ان کی پست آوازیں برابر سنائی دیتی ہیں جیسے شہد کی مکھیوں کی بھن بھناہٹ، اپنے ناخن اور مونچھیں کترتے ہیں اور اپنے تہمد اپنی آدھی پنڈلیوں تک باندھتے ہیں، ان کی صفیں میدان جہاد میں ایسی ہوتی ہیں جیسی نماز میں۔ پھر حضرت کعب نے اسی آیت کی تلاوت کی، پھر فرمایا دھوپ کا خیال رکھنے والے جہاں وقت نماز آ جائے نماز ادا کر لینے والے گو سواری پر ہوں۔ حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں جب تک حضور ﷺ صفیں نہ بندھوالیں دشمن سے لڑائی شروع نہیں کرتے تھے۔ پس صف بندی کی تعلیم مسلمانوں کو اللہ کی دی ہوئی ہے۔ ایک دوسرے سے ملے رہیں، ثابت قدم رہیں اور ہلیں نہیں، ایک دوسرے سے ملے ہوئے کھڑے رہیں۔ تم نہیں دیکھتے کہ عمارت کا بنانے والا نہیں چاہتا کہ اس کی عمارت میں کہیں اونچ نیچ ہو یا ٹیڑھی ترچھی ہو یا سوراخ رہ جائیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا اس کے امر میں اختلاف ہو میدان جنگ میں اور بوقت نماز مسلمانوں کی صف بندی خود اس نے کی ہے پس تم اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرو جو احکام بجالائے گا یہ اس کے لیے عصمت اور بچاؤ ثابت ہے۔ ابو بحریہ فرماتے ہیں مسلمان گھوڑوں پر سوار ہو کر لڑنا پسند نہیں کرتے تھے۔ انہیں تو یہ اچھا معلوم ہوتا تھا کہ زمین پر پیدل صفیں بنا کر آمنے سامنے کا مقابلہ کریں۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ جب تم مجھے دیکھو کہ میں نے صف میں سے ادھر ادھر توجہ کی تو تم جو چاہو ملامت کرنا اور برا بھلا کہنا۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ ۭ فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ۭ فَلَمَّا جَاۗءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝

یاد کر جب کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم کے لوگو تم مجھے کیوں ستا رہے ہو حالانکہ تمہیں بخوبی معلوم ہے کہ میں تمہاری جانب اللہ کا رسول ہوں۔ پس جب وہ لوگ ٹیڑھے ہی رہے تو اللہ نے ان کے دلوں کو اور ٹیڑھا کر دیا' اللہ تعالیٰ نافرمان قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔ اور جب مریم علیہ السلام کے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام نے کہا اے میری قوم بنی اسرائیل میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں مجھ سے پہلے کی کتاب توارت کی میں تصدیق کرنے والا ہوں اور اپنے بعد آنے والے ایک رسول کی میں تمہیں خوشخبری سنانے والا ہوں جن کا نام احمد ہے۔ پھر جب وہ ان کے پاس کھلی دلیلیں لائے تو یہ کہنے لگے' یہ تو کھلا جادو ہے۔

پیغمبروں کو ستایا گیا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کلیم اللہ حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم میری رسالت کی سچائی جانتے ہو پھر کیوں میرے در پے آزار ہو رہے ہو؟ اس میں گویا ایک طرح پر آنحضور ﷺ کو تسلی دی جاتی ہے۔ چنانچہ آپؐ جب بھی ستائے جاتے تو فرماتے اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر رحمت نازل فرمائے' وہ اس سے زیادہ ستائے گئے لیکن پھر بھی صابر رہے۔ اور ساتھ ہی اس میں مومنوں کو ادب سکھایا جا رہا ہے کہ وہ اللہ کے نبی کو ایذا نہ پہنچائیں ایسا نہ کریں جس سے آپؐ کا دل میلا ہو' جیسے اور جگہ ہے ﴿ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى ﴾ الخ ایمان والو تم ایسے نہ ہونا جیسے موسیٰ کو اذیت دینے والے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ذی عزت بندے کو ان کے بہتانوں سے پاک کیا۔ پس جب کہ یہ لوگ باوجود علم کے اتباع حق سے ہٹ گئے اور ٹیڑھے چلنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے دل ہدایت سے ہٹا دیئے۔ شک و حیرت ان میں سما گئی۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿ وَنُقَلِّبُ اَفْـــِٕدَتَهُمْ ﴾ الخ یعنی ہم ان کے دل اور آنکھیں الٹ دیں گے جس طرح یہ ہماری آیتوں پر پہلی دفعہ ایمان نہیں لائے اور ہم انہیں ان کی سرکشی کی حالت میں چھوڑ دیں گے جس میں سرگرداں رہیں گے۔ اور جگہ ہے ﴿ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ ﴾ الخ جو رسول کی مخالفت کرے ہدایت ظاہر ہو چکنے کے بعد اور مومنوں کے راستے کے سوا کسی کی تابعداری کرلے' ہم اسے اسی طرف متوجہ کریں گے جس طرف وہ متوجہ ہوا ہے اور بالآخر اسے ہم جہنم میں ڈال دیں گے اور وہ بہت بری جگہ ہے۔ یہاں بھی ارشاد ہوتا ہے اللہ تعالیٰ فاسقوں کی رہبری نہیں کرتا پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خطبہ بیان ہوتا ہے جو آپؐ نے بنی اسرائیل میں دیا تھا۔ جس میں فرمایا تھا کہ توراۃ میں میری خوشخبری دی گئی تھی اور اب میں تمہیں اپنے بعد آنے والے ایک رسول کی پیش گوئی سناتا ہوں جو نبی امی عربی مکی احمد مجتبیٰ حضرت محمد ﷺ ہیں پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے نبیوں کے ختم کرنے والے اور حضرت محمد ﷺ کل انبیاء اور مرسلین کے خاتم ہیں آپؐ کے بعد نہ تو کوئی نبی آئے گا نہ رسول نبوت و رسالت سب آپؐ پر ﴿ من کل الوجوہ ﴾ ختم ہو گئی

آنحضرت ﷺ کے فضائل: صحیح بخاری میں ایک نہایت پاکیزہ حدیث وارد ہوئی ہے جس میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا

میرے بہت سے نام ہیں محمد' احمد' ماحی جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے کفر کو مٹادیا اور میں حاشر ہوں جس کے قدموں پر لوگوں کا حشر کیا جائے گا اور میں عاقب ہوں یہ حدیث مسلم میں ہے۔ ابو داؤد میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ہمارے سامنے اپنے بہت سے نام بیان فرمائے۔ جو ہمیں محفوظ رہے۔ ان میں سے یہ چند ہیں۔ فرمایا میں محمد ہوں' میں احمد ہوں' میں حاشر ہوں' میں مقفی ہوں' میں نبی الرحمہ ہوں' میں نبی التوبہ ہوں' میں نبی الملحمہ یہ حدیث بھی صحیح مسلم میں ہے۔ قرآن کریم میں ہے ﴿ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰةِ وَالْاِنْجِيْلِ ﴾ الخ جو پیروی کرتے ہیں اس رسول نبی امی کی جنہیں اپنے پاس لکھا ہوا پاتے ہیں توراۃ میں بھی اور انجیل میں بھی الخ۔ اور جگہ فرمان ہے ﴿ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ ﴾ الخ اللہ تعالیٰ نے جب نبیوں سے عہد لیا کہ جب کبھی میں تمہیں کتاب وحکمت دوں پھر تمہارے پاس میرا رسول آئے جو اسے پہنچاتا ہو جو تمہارے ساتھ ہے تو تم اس پر ضرور ایمان لاؤ گے اور اس کی ضرور مدد کرو گے کیا تم اس کا اقرار کرتے ہو اور اس پر میرا عہد لیتے ہو؟ سب نے کہا ہمیں اقرار ہے۔ فرمایا بس گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کوئی نبی اللہ تعالیٰ نے ایسا مبعوث نہیں فرمایا جس سے یہ اقرار نہ لیا ہو کہ ان کی زندگی میں اگر حضرت محمد ﷺ مبعوث کئے جائیں تو وہ آپؐ کی تابعداری کرے بلکہ ہر نبی سے یہ وعدہ بھی لیا جاتا رہا کہ وہ اپنی اپنی امت سے بھی یہ عہد لے لیں۔ ایک مرتبہ صحابہؓ نے دریافت کیا کہ حضور آپؐ ہمیں اپنی خبر سنائیے! آپؐ نے فرمایا میں اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خوشخبری ہوں میری والدہ کا جب پاؤں بھاری ہوا تو خواب میں دیکھا کہ گویا ان میں سے ایک نور نکلا ہے جس سے شام کے شہر بصریٰ کے محلات چمک اٹھے (ابن اسحاق)۔ اس کی سند عمدہ ہے۔ اور دوسری سندوں سے اس کے شواہد بھی ہیں۔

آنحضرت ﷺ حضرت عیسیٰ کی بشارت ہے: مسند احمد میں ہے میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک خاتم النبیین تھا دراں حالیکہ حضرت آدم اپنی مٹی میں گندھے ہوئے تھے۔ میں تمہیں اس کی ابتدا سناؤں۔ میں اپنے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت اور اپنی ماں کا خواب ہوں' انبیاء کی والدہ کو اسی طرح خواب دکھائے جاتے ہیں۔ مسند احمد میں اور سند سے بھی اسی کے قریب روایت مروی ہے۔ مسند کی اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں نجاشی بادشاہ حبشہ کے ہاں بھیجدیا تھا ہم تقریباً اسی آدمی تھے۔ ہم میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ' حضرت جعفرؓ' حضرت عبداللہ بن رواحہؓ' حضرت عثمان ابن مظعونؓ' حضرت ابو موسیٰؓ وغیرہ بھی تھے۔ ہمارے یہاں پہنچنے پر قریش نے یہ خبر پا کر ہمارے پیچھے اپنی طرف سے بادشاہ کے پاس اپنے دو سفیر بھیجے عمرو بن عاص اور عمارہ بن ولید۔ ان کے ساتھ دربار شاہی کے لیے تحفے بھی بھیجے۔ جب یہ آئے تو انہوں نے بادشاہ کے سامنے سجدہ کیا پھر دائیں بائیں گھوم کر بیٹھ گئے پھر اپنی درخواست پیش کی کہ ہمارے کنبے قبیلے کے چند لوگ ہمارے دین کو چھوڑ کر ہم سے بگڑ کر آپؐ کے ملک میں چلے آئے ہیں ہماری قوم نے ہمیں اس لیے آپؐ کی خدمت میں بھیجا ہے کہ آپؐ انہیں ہمارے حوالے کر دیجئے۔ نجاشی نے پوچھا وہ کہاں ہیں؟ انہوں نے کہا یہیں اسی شہر میں ہیں۔ حکم دیا کہ انہیں حاضر کرو! چنانچہ یہ مسلمان صحابہؓ دربار میں آئے۔ ان کے خطیب اس وقت حضرت جعفرؓ تھے باقی لوگ ان کے ماتحت تھے۔ یہ جب آئے تو انہوں نے سلام تو کیا لیکن سجدہ نہیں کیا۔ درباریوں نے کہا تم بادشاہ کے سامنے سجدہ کیوں نہیں کرتے؟ جواب ملا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو سجدہ نہیں کرتے۔ پوچھا گیا کیوں؟ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنا رسول ہماری طرف بھیجا اور اس رسول نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی اور کو سجدہ نہ کریں اور حضور نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم نماز پڑھتے رہیں' زکوٰۃ ادا کرتے رہیں۔ اب عمرو بن عاص سے نہ رہا گیا کہ ایسا نہ ہو کہ ان باتوں کا اثر بادشاہ پر پڑے۔ درباریوں اور خود بادشاہ کو بھڑکانے کے لیے وہ بیچ میں بول پڑا کہ حضور ان کے اعتقاد حضرت عیسیٰ بن مریم کے بارے میں آپؐ لوگ سے بالکل مخالف

ہیں۔ اس پر بادشاہ نے پوچھا بتلاؤ تم حضرت عیسیٰؑ کے اور ان کی والدہ کے بارے میں کیا عقیدہ رکھتے ہو۔ انہوں نے کہا ہمارا عقیدہ اس بارے میں وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ہمیں تعلیم فرمایا ہے کہ وہ کلمۃ اللہ ہیں روح اللہ ہیں جس روح کو اللہ تعالیٰ نے کنواری مریم بتول کی طرف القا کیا جو کنواری تھیں کسی انسان نے ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا انہیں بچہ ہونے کا کوئی موقعہ تھا۔ بادشاہ نے یہ سن کر زمین سے ایک تنکا اٹھایا اور کہا اے حبشہ کے لوگو اور اے واعظو عالمو اور درویشو ان کا اور ہمارا اس بارے میں ایک ہی عقیدہ ہے اللہ کی قسم ان کے اور ہمارے عقیدے میں اس تنکے جتنا بھی فرق نہیں۔ اے جماعت مہاجرین تمہیں مرحبا ہو اور اس رسول کو بھی مرحبا ہو جن کے پاس سے تم آئے ہو۔ میری گواہی ہے کہ وہ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ وہی ہیں جن کی پیش گوئی ہم نے انجیل میں پڑھی ہے اور یہ وہی ہیں جن کی بشارت ہمارے پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی ہے۔ میری طرف سے تمہیں عام اجازت ہے جہاں چاہو رہو سہو۔ اللہ کی قسم اگر ملک کے اس جھنجھٹ سے میں آزاد ہوتا تو میں قطعاً حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا آپ کی جوتیاں اٹھاتا آپ کی خدمت کرتا اور آپ کو وضو کراتا۔ اتنا کہہ کر حکم دیا کہ یہ دونوں قریشی جو تحفہ لے کر آئے ہیں وہ انہیں واپس کر دیا جائے۔ ان مہاجرین کرام میں سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ تو جلد ہی حضور ﷺ سے آملے جنگ بدر میں بھی آپ نے شرکت کی۔ اس شاہ حبشہ کے انتقال کی خبر جب حضور ﷺ کو پہنچی تو آپ ﷺ نے اس کے لیے بخشش کی دعا مانگی۔ یہ پورا واقعہ حضرت جعفرؓ اور حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے۔

تفسیری موضوع سے چونکہ یہ الگ چیز ہے اس لیے ہم نے یہاں اسے مختصر اوارد کر دیا مزید تفصیل سیرت کی کتابوں میں ملاحظہ ہو۔ ہمارا مقصود یہ ہے کہ عالی جناب حضور محمد ﷺ کی بابت اگلے انبیاء کرام علیہم السلام برابر پیشگوئیاں کرتے رہے اور اپنی امت کو اپنی کتاب میں سے آپ کی صفتیں سناتے رہے اور آپ کی اتباع اور نصرت کا انہیں حکم کرتے رہے ہاں آپ کے امر کی شہرت حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی دعا کے بعد ہوئی جو تمام انبیاء کے باپ تھے۔ اسی طرح مزید شہرت کا باعث حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوئی۔ جس حدیث میں آپ نے سائل کے سوال پر اپنے امر نبوت کی نسبت دعاء خلیل اور نوید مسیح کی طرف کی ہے اس سے یہی مراد ہے۔ ان دونوں کے ساتھ آپ کا اپنی والدہ محترمہ کے خواب کا ذکر کرنا اس لیے تھا کہ اہل مکہ میں آپ کی شروع شہرت کا باعث یہ خواب تھا۔ اللہ تعالیٰ آپ پر بے شمار درود و رحمت بھیجے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ باوجود اس قدر شہرت اور باوجود انبیاء کی متواتر پیشین گوئیوں کے بھی جب آپ روشن دلیلیں لے کر آئے تو مخالفین نے اور کافروں نے کہہ دیا کہ یہ تو صاف صاف جادو ہے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعٰٓى اِلَى الْاِسْلَامِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۷ يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝۸ هُوَ الَّذِىْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝۹

اس شخص سے زیادہ ظالم اور کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ افترا باندھے حالانکہ وہ اسلام کی طرف بلایا جاتا ہے اور اللہ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں کرتا۔ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے بجھا دیں اور اللہ اپنے نور کو کمال تک پہنچانے والا ہے گو کافر برا مانیں۔ وہی ہے جس نے اپنے رسول ﷺ کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا ہے تاکہ اسے تمام مذاہب پر غالب کر دے اگرچہ مشرکین ناخوش ہوں۔

اللہ کا دین روشن ہے: ارشاد ہوتا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ پر جھوٹ افترا باندھے اور اس کے شریک و سہیم مقرر کرے اس سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں اگر یہ شخص بے خبر ہوتا جب بھی ایک بات تھی یہاں تو یہ حالت ہے کہ وہ اخلاص اور توحید کی طرف برابر بلایا جارہا ہے۔ بھلا ایسے ظالموں کی قسمت میں ہدایت کہاں؟ ان کفار کی چاہت تو یہ ہے کہ حق کو باطل سے رد کر دیں' ان کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کوئی سورج کی شعاع کو اپنے منہ کی پھونک سے بے نور کرنا چاہے' جس طرح یہ محال ہے کہ اس کے منہ کی پھونک سے سورج کی روشنی جاتی رہے اسی طرح یہ بھی محال ہے کہ اللہ کا دین ان کفار سے رد ہو جائے' اللہ تعالیٰ فیصلہ کر چکا ہے کہ وہ اپنے نور کو پورا کر کے ہی رہے گا کافر برا مانیں تو مانتے رہیں۔ اس کے بعد اپنے رسول اور اپنے دین کی حقانیت کو واضح فرمایا' ان دونوں آیتوں کی پوری تفسیر سورہ برات میں گزر چکی ہے' ﴿ فالحمد للہ ﴾

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۱۰﴾ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۱﴾ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۲﴾ وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ۭ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳﴾

اے ایمان والو! کیا میں تمہیں وہ تجارت بتلاؤں جو تمہیں دردناک عذاب سے بچا لے؟ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جانوں سے جہاد کرو۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم میں علم ہو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف فرما دے گا اور تمہیں ان جنتوں میں پہنچائے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور صاف ستھرے گھروں میں جو جنت عدن میں ہوں گے' یہی ہے بہت بڑی کامیابی۔ اور تمہیں ایک دوسری نعمت بھی دے گا جسے تم چاہتے ہو وہ اللہ کی مدد اور جلد فتح یابی ہے' ایمانداروں کو خوشخبری دے دو۔

ایمان باللہ سب سے بڑی تجارت ہے: حضرت عبداللہ بن سلام والی حدیث پہلے گزر چکی ہے کہ صحابہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ پوچھنا چاہا کہ سب سے زیادہ محبوب عمل اللہ تعالیٰ کو کونسا ہے؟ اس پر اللہ عزوجل نے یہ سورت نازل فرمائی جس میں فرمایا ہے کہ آؤ میں تمہیں ایک سراسر نفع والی تجارت بتاؤں جس میں گھاٹے کی کوئی صورت ہی نہیں ہے جس سے مقصود حاصل اور ڈر زائل ہو جائے گا۔ وہ یہ ہے کہ تم اللہ کی وحدانیت اور اس کے رسول کی رسالت پر ایمان لاؤ' اپنا جان مال اس کی راہ میں قربان کرنے پر تل جاؤ' جان لو کہ یہ دنیا کی تجارت اور اس کے لیے کدوکاوش کرنے سے بہت ہی بہتر ہے۔ اگر اس میری بتلائی ہوئی تجارت کے تم تاجر بن گئے تو تمہاری ہر لغزش سے ہر گناہ سے میں درگزر کر لوں گا اور جنتوں کے پاکیزہ محلات میں بلند و بالا درجوں میں تمہیں پہنچاؤں گا تمہارے بالا خانوں اور ان ہمیشگی والے باغات کے درختوں تلے سے صاف شفاف نہریں پوری روانی سے جاری ہوں گی' یقین مان لو کہ زبردست کامیابی اور اعلیٰ مقصدوری یہی ہے۔ اچھا اس سے بھی زیادہ سنو' تم جو ہمیشہ دشمنوں کے مقابلے پر میری مدد طلب کرتے رہتے ہو اور اپنی فتح چاہتے ہو تو میرا وعدہ ہے کہ یہ بھی تمہیں دوں گا ادھر مقابلہ ہوا ادھر فتح ہوئی ادھر سامنے آئے ادھر فتح و نصرت نے رکاب بوسی کی۔ اور جگہ ارشاد ہوتا ہے ﴿ یا ایھا الذین امنوا ان تنصروا اللہ ینصرکم و یثبت اقدامکم ﴾ اے ایمان والو! اگر تم اللہ کے دین کی مدد

کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں ثابت قدمی عنایت فرمائے گا اور فرمان ہے ﴿ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴾ یعنی یقیناً اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے گا جو اللہ کے دین کی مدد کرے، بے شک اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا اور غیر فانی عزت والا ہے۔ یہ مدد اور یہ فتح دنیا میں اور وہ جنت اور نعمت آخرت میں ان لوگوں کے حصے میں ہے جو اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی اطاعت میں لگے رہیں اور اللہ اور دین اللہ کی خدمت میں جان و مال سے دریغ نہ کریں، اسی لیے فرمایا کہ اے نبی ایمان والوں کو میری طرف سے یہ خوش خبری پہنچا دو۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْۤا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْۢ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ وَكَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ ۚ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ ﴿۱۴﴾

اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کے مددگار بن جاؤ! جس طرح حضرت مریم کے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حواریوں سے فرمایا کہ کون ہے جو اللہ کی راہ میں میرا مددگار بنے۔ حواریوں نے کہا ہم اللہ کی راہ میں مددگار ہیں، پس بنی اسرائیل میں سے ایک جماعت تو ایمان لائی اور ایک جماعت نے کفر کیا، ہم نے مومنوں کی ان کے دشمنوں کے مقابلہ پر مدد کی پس وہ غالب آ گئے۔

پیغمبرؐ کی مدد کرو: اللہ سبحانہ، وتعالیٰ اپنے مومن بندوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ ہر آن اور ہر لحظہ جان و مال، عزت آبرو، قول فعل، نقل و حرکت سے دل اور زبان سے اللہ اور اس کے رسول کی تمام تر باتوں کی قبولیت میں رہیں۔ پھر مثال دیتا ہے کہ حضرت عیسیٰ کے تابعداروں کو دیکھو کہ حضرت عیسیٰ کی آواز پر فوراً لبیک پکار اٹھے اور ان کے اس کہنے پر کہ کوئی ہے جو اللہ کی باتوں پر میری امداد کرے، انہوں نے بلا غور علی الفور کہہ دیا کہ ہم سب آپؑ کے ساتھی ہیں اور دین اللہ کی امداد میں آپؑ کے تابع ہیں۔ چنانچہ روح اللہ علیہ صلوات اللہ نے اسرائیلیوں اور یونانیوں میں انہیں مبلغ بنا کر شام کے شہروں میں بھیجا۔ حج کے دنوں میں سرور رسل ﷺ بھی فرمایا کرتے تھے کہ کوئی ہے جو مجھے جگہ دے تاکہ میں اللہ تعالیٰ کی رسالت کو پہنچا دوں، قریش تو مجھے رب کا پیغام پہنچانے سے روک رہے ہیں۔ چنانچہ اہل مدینہ کے قبیلے اوس و خزرج کو اللہ تعالیٰ نے یہ سعادت ابدی بخشی، انہوں نے آپ ﷺ سے بیعت کی آپؐ کی باتیں قبول کیں اور مضبوط عہد و پیمان کئے کہ اگر آپؐ ہمارے ہاں آ جائیں تو پھر کسی سرخ و سیاہ کی طاقت نہیں جو آپؐ کو دکھ پہنچائے ہم آپؐ کی طرف سے جانیں لڑا دیں گے اور آپؐ پر کوئی آنچ نہ آنے دیں گے۔ پھر جب حضور ﷺ اپنے ساتھیوں کو لے کر ہجرت کر کے ان کے ہاں گئے تو فی الواقع انہوں نے اپنے کہے کو پورا کر دکھایا اور اپنی زبان کی پاسداری کی۔ اسی لیے انصار کے معزز لقب سے ممتاز ہوئے اور یہ لقب گویا ان کا امتیازی نام بن گیا، اللہ تعالیٰ ان سے خوش ہو اور انہیں بھی راضی کرے آمین۔ اب جب کہ حواریوں کو لے کر آپؑ دین اللہ کی تبلیغ کے لیے کھڑے ہوئے تو بنی اسرائیل کے کچھ لوگ تو راہ راست پر آ گئے اور کچھ لوگ نہ آئے بلکہ آپؑ کو اور آپؑ کی والدہ ماجدہ طاہرہ کو بدترین برائی کی طرف منسوب کیا۔ ان یہودیوں پر اللہ کی پھٹکار پڑی اور ہمیشہ کے لیے راندہ درگاہ بن گئے۔ پھر ماننے والوں میں سے بھی ایک جماعت ماننے ہی میں حد سے گزر گئی اور انہیں ان کے درجہ سے بہت بڑھا دیا۔ پھر اس گروہ میں بھی کئی گروہ ہو گئے، بعض تو کہنے لگے کہ سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں، بعض نے کہا تین میں کے تیسرے ہیں، یعنی باپ، بیٹا اور روح

القدس اور بعض نے تو آپ کو اللہ ہی مان لیا۔

ان سب کا ذکر سورہ نساء میں مفصل ملاحظہ ہو۔ سچے ایمان والوں کو جناب باری نے اپنے آخر الزمان رسول ﷺ کی بعثت سے تائید کی ان کے دشمن نصرانیوں پر انہیں غالب کر دیا۔

حضرت عیسیٰ کے ساتھیوں کا ذکر: حضرت ابن عباس فرماتے ہیں جب اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر چڑھائے' آپ نہا دھو کے اپنے اصحاب کے پاس آئے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے' یہ بارہ صحابہ تھے جو ایک گھر میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آتے ہی فرمایا تم میں وہ بھی ہیں جو مجھ پر ایمان لا چکے ہیں لیکن پھر میرے ساتھ کفر کریں گے اور ایک دو دفعہ نہیں بلکہ بارہ بارہ مرتبہ۔ پھر فرمایا تم میں سے کون اس بات پر آمادہ ہے کہ اس پر میری مشابہت ڈالی جائے اور وہ میرے بدلے قتل کیا جائے اور جنت میں میرے درجے میں میرا ساتھی بنے؟ ایک نوجوان جوان سب میں کم عمر تھا اٹھ کھڑا ہوا اور اپنے تئیں پیش کیا۔ آپ نے فرمایا تم بیٹھ جاؤ۔ پھر وہی بات کہی' اب کی مرتبہ بھی وہی کم عمر نوجوان صحابی کھڑے ہوئے' حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اب کی مرتبہ بھی انہیں بٹھا دیا۔ پھر تیسری مرتبہ یہی سوال کیا' اب کی مرتبہ بھی یہی نوجوان کھڑے ہوئے۔ آپ نے فرمایا بہت بہتر۔ اسی وقت ان کی شکل وصورت بالکل حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسی ہو گئی اور خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسی گھر کے ایک روزن سے آسمان کی طرف اٹھا لیے گئے۔ اب یہودیوں کی دوڑ آئی اور انہوں نے اس نوجوان کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سمجھ کر گرفتار کر لیا اور قتل کر دیا اور سولی پر چڑھا دیا۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیش گوئی کے مطابق ان باقی گیارہ لوگوں میں سے بعض نے بارہ بارہ مرتبہ کفر کیا حالانکہ اس سے پہلے ایمان دار تھے۔

پھر بنی اسرائیل کے ماننے والے گروہ کے تین فرقے ہو گئے۔ ایک فرقے نے تو کہا کہ خود اللہ ہمارے درمیان بہ صورت مسیح تھا جب تک چاہا رہا' پھر آسمان پر چڑھ گیا' انہیں یعقوبیہ کہا جاتا ہے۔ ایک فرقے نے کہا ہم میں اللہ کا بیٹا تھا جب تک اللہ نے چاہا اسے ہم میں رکھا اور جب چاہا اپنی طرف چڑھا لیا' انہیں نسطوریہ کہا جاتا ہے۔ تیسری جماعت حق پر قائم رہی' ان کا عقیدہ ہے کہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہم میں تھے' جب تک اللہ کی چاہت رہی آپ ہم میں موجود رہے پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اٹھا لیا' یہ جماعت مسلمانوں کی ہے۔ پھر ان دونوں کافر جماعتوں کی طاقت بڑھ گئی اور انہوں نے ان مسلمانوں کو مار پیٹ کر قتل و غارت کرنا شروع کیا اور یہ دبے بچے اور مغلوب ہی رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ پس بنی اسرائیل کی وہ مسلمان جماعت آپ پر ایمان لائی اور ان کافر جماعتوں نے آپ سے بھی کفر کیا۔ پس ان ایمان والوں کی اللہ تعالیٰ نے مدد کی اور انہیں ان کے دشمنوں پر غالب کر دیا۔ آنحضرت ﷺ کا غالب آ جانا اور دین اسلام کا تمام ادیان کو مغلوب کر دینا ہی ان کا غالب آنا اور اپنے دشمنوں پر فتح پانا ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر ابن جریر اور سنن نسائی۔

پس یہ امت حق پر قائم رہ کر ہمیشہ تک غالب رہے گی یہاں تک کہ امر اللہ یعنی قیامت آ جائے اور یہاں تک کہ اس امت کے آخری لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہو کر مسیح دجال سے لڑائی کریں گے جیسے کہ صحیح احادیث میں موجود ہے' واللہ اعلم۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے سورہ صف کی تفسیر ختم ہو گئی ﴿ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ ﴾

تفسیر سورۂ جمعہ مدنیہ

صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس اور حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کی نماز میں سورہ جمعہ اور سورۂ منافقون پڑھا کرتے تھے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿١﴾ هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٢﴾ وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٣﴾ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿٤﴾

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والا ہے

آسمان و زمین کی ہر ہر چیز اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتی ہے جو بادشاہ نہایت پاک ہے غالب و باحکمت ہے۔ وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے۔ یقیناً یہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔ اور دوسروں کے لیے بھی انہی میں سے جو اب تک ان سے نہیں ملے۔ اور وہی ہے غالب باحکمت۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے اپنا فضل دے۔ اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل کا مالک ہے۔

علم اللہ عطا کرتا ہے: ہر بے زبان اور ناطق چیز اللہ تعالیٰ عزوجل کی پاکیزگی بیان کرتی رہتی ہے' جیسے اور جگہ بھی فرمایا ہے کہ کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی تسبیح اس کی حمد کے ساتھ نہ کرتی ہو' تمام مخلوق خواہ آسمان کی ہو خواہ زمین کی اس کی تعریفوں اور پاکیزگیوں کے بیان میں مصروف و مشغول ہے' وہ آسمان اور زمین کا بادشاہ اور ان دونوں میں اپنا پورا تصرف اور اٹل حکم جاری کرنے والا ہے' وہ تمام نقصانات سے پاک اور بے عیب ہے' تمام صفات کمالیہ کے ساتھ موصوف ہے' وہ عزیز و حکیم ہے۔ اس کی تفسیر کئی بار گزر چکی ہے۔

﴿امیون﴾ سے مراد عرب ہیں' جیسے اور جگہ فرمان باری ہے ﴿وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ﴾ الخ یعنی تو اہل کتاب اور ان پڑھ لوگوں سے کہہ دے کہ کیا تم نے اسلام قبول کیا؟ اور وہ مسلمان ہو جائیں تو راہ راست پر ہیں اور اگر منہ پھیر لیں تو تجھ پر تو صرف پہنچا دینا ہے اور اپنے بندوں کی پوری دیکھ بھال کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ یہاں عرب کا ذکر اس لیے نہیں کہ غیر عرب کی نفی ہو بلکہ صرف اس لیے ہے کہ ان پر احسان و اکرام بہ نسبت دوسروں کے بہت زیادہ ہے۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ﴾ یعنی یہ تیرے لیے بھی نصیحت ہے اور تیری قوم کے لیے بھی یہاں بھی قوم کی خصوصیت نہیں کیونکہ قرآن کریم سب جہان والوں کے لیے نصیحت ہے۔ اسی طرح اور جگہ فرمان ہے ﴿وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾ اپنے قرابت دار اور کنبہ والوں کو ڈرا دے۔ یہاں بھی یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آپ کی تنبیہ صرف اپنے گھر والوں کے ساتھ مخصوص ہے بلکہ عام ہے۔ ارشاد باری ہے ﴿قُلْ يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا﴾ لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔

اور جگہ فرمان ہے ﴿لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ﴾ یعنی اس کے ساتھ میں تمہیں خبردار کردوں اور ہر اس شخص کو جسے یہ پہنچے۔ اسی طرح قرآن کی بابت فرمایا ﴿وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ﴾ تمام گروہوں میں سے جو بھی اس کا انکار کرے وہ جہنمی ہے اسی طرح کی اور بھی بہت سی آیتیں ہیں جن سے صاف ثابت ہے کہ حضور ﷺ کی بعثت تمام روئے زمین کی طرف تھی کل

مخلوق کے لیے آپؐ پیغمبر تھے' ہر سرخ و سیاہ کی طرف آپؐ نبی بنا کر بھیجے گئے تھے' ﴿صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِ﴾ سورہ انعام کی تفسیر میں اس کا پورا بیان ہم کر چکے ہیں اور بہت سی آیات و احادیث وارد کی ہیں ﴿فالحمدلله﴾ یہاں یہ فرمانا کہ ان پڑھوں یعنی عربوں میں اپنا رسول بھیجنا اس لیے ہے کہ حضرت خلیل اللہ کی دعا کی قبولیت معلوم ہو جائے۔ آپؐ نے اہل مکہ کے لیے دعا مانگی تھی کہ اللہ تعالیٰ ان میں ایک رسول ان ہی میں سے بھیجے جو انہیں اللہ کی آیتیں پڑھ کر سنائے انہیں پاکیزگی سکھائے اور کتاب و حکمت کی تعلیم دے۔ پس اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی یہ دعا قبول فرمائی اور جب کہ مخلوق کو نبی اللہ کی سخت حاجت تھی' سوائے چند اہل کتاب کے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سچے دین پر قائم تھے اور افراط و تفریط سے الگ تھے باقی تمام دنیا دین حق کو بھلا بیٹھی تھی اور اللہ کی نامرضی کے کاموں میں مبتلا تھی' اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو مبعوث فرمایا۔ آپؐ نے ان ان پڑھوں کو اللہ کے کلام کی آیتیں پڑھ کر سنائیں انہیں پاکیزگی سکھائی اور کتاب و حکمت کا معلم بنادیا۔ حالانکہ اس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں تھے۔ سنئے' عرب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کے دعویدار تھے لیکن حالت یہ تھی کہ اصل دین کو خورد برد کر چکے تھے۔ اس میں اس قدر تغیر و تبدل کر دیا تھا کہ توحید شرک سے اور یقین شک سے بدل چکا تھا۔ ساتھ ہی بہت سی اپنی ایجاد کردہ بدعتیں دین اللہ میں شامل کر دی تھیں۔ اسی طرح اہل کتاب نے اپنی کتاب کو بدل دیا تھا۔ ان میں تحریف کر لی تھی اور متغیر کر دیا تھا۔ ساتھ ہی معنی میں بھی الٹ پھیر کر لیا تھا۔

پس اللہ پاک نے حضرت محمد ﷺ کو عظیم الشان شریعت اور کامل مکمل دین دے کر دنیا والوں کی طرف بھیجا کہ اس فساد کی اصلاح کریں' اہل دنیا کو اصل احکام الٰہی پہنچائیں' اللہ کی مرضی اور نامرضی کے احکام لوگوں کو معلوم کرادیں' جنت سے قریب کرنیوالے' عذاب سے نجات دلوانے والے تمام اعمال بتلائیں' ساری مخلوق کے ہادی بنیں اصول و فروع سب سکھائیں' کوئی چھوٹی بڑی بات باقی نہ چھوڑیں تمام تر شک شبے سب کے دور کر دیں اور ایسے دین پر لوگوں کو ڈال دیں جس میں ہر بھلائی موجود ہو۔ اس بلند و بالا خدمت کے لیے آپؐ میں وہ برتریاں اور بزرگیاں جمع کر دیں جو نہ آپؐ سے پہلے کسی میں تھیں نہ آپؐ کے بعد کسی میں ہو سکیں۔ اللہ تعالیٰ آپؐ پر ہمیشہ ہمیشہ درود و سلام نازل فرماتا رہے' آمین!

دوسری آیت کی تفسیر میں حضرت ابوہریرہؓ سے صحیح بخاری میں مروی ہے کہ ہم آنحضرت ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپؐ پر سورہ جمعہ نازل ہوئی۔ جب آپؐ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی تو لوگوں نے پوچھا کہ ﴿اٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ﴾ سے کیا مراد ہے؟ تین مرتبہ حضور ﷺ سے سوال ہوا تب آپؐ نے اپنا ہاتھ حضرت سلمان فارسیؓ کے سر پر رکھا اور فرمایا اگر ایمان ثریا کے ستارے کے پاس ہوتا تو بھی ان لوگوں میں سے ایک یا کئی ایک پالیتے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ یہ سورت مدنی ہے اور یہ بھی ثابت ہوا کہ حضور ﷺ کی پیغمبری تمام دنیا والوں کی طرف ہے صرف عرب کے لیے ہی مخصوص نہیں کیوں کہ آپؐ نے اس آیت کی تفسیر میں فارس والوں کو فرمایا۔ اسی عام بعثت کی بنا پر آپؐ نے فارس و روم کے بادشاہوں کے نام اسلام قبول کرنے کے فرامین بھیجے۔

حضرت مجاہدؒ وغیرہ بھی فرماتے ہیں اس سے مراد عجمی لوگ ہیں یعنی عرب کے علاوہ لوگ جو حضور ﷺ پر ایمان لائیں اور آپؐ کی وحی کی تصدیق کریں۔

ابن ابی حاتم کی حدیث میں ہے کہ اب سے تین تین پشتوں کے بعد آنے والے میرے امتی بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ پھر آپؐ نے اس آیت کی تلاوت کی۔ وہ اللہ عزت والا حکمت والا ہے' اپنی شریعت اور اپنی تقدیر میں غالب باحکمت ہے۔ پھر فرمان ہے یہ اللہ کا فضل ہے یعنی آنحضرت ﷺ کو ایسی زبردست عظیم الشان نبوت کے ساتھ سرفراز فرمانا اور اس فضل عظیم سے بہرہ ور کرنا' یہ خاص اللہ کا فضل ہے۔ اللہ اپنا فضل جسے چاہے دے' وہ بہت بڑے فضل و کرم والا ہے۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ۭ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ قُلْ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَاۗءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗٓ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝ قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

جن لوگوں کو تورات پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا پھر انہوں نے اس پر عمل نہیں کیا ان کی مثال اس گدھے کی سی ہے جو بہت سی کتابیں لادے ہو۔ اللہ کی باتوں کو جھٹلانے والوں کی بڑی بری مثال ہے۔ اللہ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔ کہدے کہ اے یہودیو! اگر تمہارا دعویٰ ہے کہ تم اللہ کے دوست ہو دوسرے لوگ نہیں تو تم موت کی تمنا کرو اگر تم سچے ہو۔ یہ ہرگز موت کی تمنا نہ کریں گے بوجہ ان اعمال کے جو اپنے آگے اپنے ہاتھوں بھیج رکھے ہیں۔ یہ ناانصاف اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہیں۔ کہہ دے کہ جس موت سے تم بھاگتے پھرتے ہو وہ تو تمہیں پہنچ کر ہی رہے گی پھر تم سب چھپے کھلے کے جاننے والے اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور وہ تمہیں تمہارے کئے ہوئے تمام کام بتلا دے گا۔

یہود کی مذمت: ان آیتوں میں یہودیوں کی مذمت بیان کی گئی ہے کہ انہیں تورات دی گئی اور عمل کرنے کے لیے انہوں نے لی' پھر عمل نہ کیا۔ فرمایا جاتا ہے کہ ان کی مثال گدھے کی سی ہے کہ اگر اس پر کتابوں کا بوجھ لاد دیا جائے تو اسے یہ تو معلوم ہے کہ اس پر کوئی بوجھ ہے لیکن یہ نہیں جانتا کہ اس میں کیا ہے؟ اسی طرح یہ یہود ہیں کہ ظاہری الفاظ تو خوب رٹے ہوتے ہیں لیکن نہ تو یہ معلوم ہے کہ مطلب کیا ہے؟ نہ اس پر ان کا عمل ہے بلکہ اور تبدیل و تحریف کرتے رہتے ہیں۔ پس دراصل یہ اس بے سمجھ جانور سے بھی بدتر ہیں کیونکہ اسے تو قدرت نے سمجھ ہی نہیں دی لیکن یہ سمجھ رکھتے ہوئے پھر بھی اس کا استعمال نہیں کرتے۔ اسی لیے دوسری آیت میں فرمایا گیا ہے ﴿اُولٰۗىِٕكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ﴾ یہ لوگ مثل چوپایوں کے ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ بہکے ہوئے یہ غافل لوگ ہیں۔ یہاں فرمایا اللہ کی آیتوں کے جھٹلانے والوں کی بری مثال ہے' ایسے ظالم اللہ کی رہنمائی سے محروم رہتے ہیں۔ مسند احمد میں ہے جو شخص جمعہ کے دن امام کے خطبہ کی حالت میں بات کرے وہ مثل گدھے کے ہے جو کتابیں اٹھائے ہوئے ہو' اور جو اسے کہے کہ چپ رہ اس کا بھی جمعہ جاتا رہا۔ پھر فرماتا ہے اے یہودیو اگر تمہارا دعویٰ ہے کہ تم حق پر ہو اور آنحضرت ﷺ اور آپ کے اصحاب ناحق پر ہیں تو آؤ اور دعا مانگو کہ ہم دونوں میں سے جو ناحق پر ہو اللہ اسے موت دے۔ پھر فرماتا ہے کہ انہوں نے جو اعمال آگے بھیج رکھے ہیں وہ ان کے سامنے ہیں مثلاً کفر' فسق و فجور' ظلم' نافرمانی وغیرہ' اس وجہ سے ہماری پیشین گوئی ہے کہ وہ اس پر آمادگی نہیں کریں گے ان ظالموں کو اللہ بخوبی جانتا ہے۔

سورہ بقرہ کی آیت ﴿قُلْ اِنْ كَانَتْ﴾ الخ کی تفسیر میں یہودیوں کے اس مباہلے کا پورا ذکر ہم کر چکے ہیں اور وہیں یہ بھی بیان کر دیا ہے کہ مراد یہ ہے کہ اپنے اوپر اگر خود گمراہ ہوں یا اپنے مقابل پر اگر وہ گمراہ ہوں تو موت کی بددعا کریں' جیسے کہ نصرانیوں کے مباہلے کا ذکر سورہ آل عمران میں گزر چکا ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر سورہ مریم آیت ﴿فَمَنْ حَاۗجَّكَ﴾ مشرکین سے بھی مباہلہ کا اعلان

کیا گیا تھا' ملاحظہ ہو تفسیر سورہ مریم ایت ﴿ قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ ﴾ الخ یعنی اے نبی! ان سے کہہ دے کہ جو گمراہی میں ہو رحمٰن اسے اور بڑھا دے۔

مسند احمد میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ابو جہل لعنۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اگر محمد ﷺ کو کعبہ کے پاس دیکھوں گا تو اس کی گردن ناپوں گا۔ جب یہ خبر حضور ﷺ کو پہنچی تو آپؐ نے فرمایا اگر یہ ایسا کرتا تو سب کے دیکھتے فرشتے اسے پکڑ لیتے۔ اور اگر یہود میرے مقابلے پر آ کر موت طلب کرتے تو یقیناً وہ مر جاتے اور اپنی جگہ جہنم میں دیکھ لیتے' اور اگر مباہلہ کے لیے لوگ نکلتے تو وہ لوٹ کر اپنے اہل و عیال کو ہرگز نہ پاتے۔ یہ حدیث بخاری' ترمذی اور نسائی میں بھی موجود ہے۔ پھر فرماتا ہے موت سے تو کوئی بچ ہی نہیں سکتا' جیسے سورہ نساء میں ہے ﴿ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ﴾ یعنی تم جہاں کہیں بھی ہو وہاں تمہیں موت پا ہی لے گی گو مضبوط محلوں میں ہو۔ معجم طبرانی کی ایک مرفوع حدیث میں ہے موت سے بھاگنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے ایک لومڑی ہو جس پر زمین کا کچھ قرض ہو وہ اس خوف سے کہ کہیں یہ مجھ سے مانگ نہ بیٹھے بھاگتے بھاگتے جب تھک جائے تب اپنے بھٹ میں گھس جائے جہاں گھسی اور زمین نے پھر اس سے تقاضا کیا کہ لومڑی میرا قرض ادا کر۔ وہ پھر وہاں سے دم دبائے ہوئے تیزی سے بھاگی۔ آخر یونہی بھاگتے بھاگتے ہلاک ہو گئی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو جمعہ کے دن نماز کی اذان دی جائے تو تم اللہ کے ذکر کی طرف جلدی آ جایا کرو اور خرید فروخت چھوڑ دو' یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم کو سمجھ ہے۔ پھر جب نماز ہو چکے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور بکثرت اللہ کا ذکر کیا کرو تاکہ تم فلاح پالو۔

جمعہ کا معنی و مفہوم: جمعہ کا لفظ جمع سے مشتق ہے' وجہ اشتقاق یہ ہے کہ اس دن مسلمان بڑی بڑی مساجد میں اللہ کی عبادت کے لیے جمع ہوتے ہیں اور یہ بھی وجہ ہے کہ اس دن تمام مخلوق کامل ہوئی۔ چھ دن میں ساری کائنات بنائی گئی ہے چھٹا دن جمعہ کا ہے۔ اسی دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے' اسی دن جنت میں بسائے گئے' اور اسی دن وہاں سے نکالے گئے' اسی دن میں قیامت قائم ہو گی' اس دن میں ایک ایسی ساعت ہے کہ اس وقت مومن بندہ اللہ تعالیٰ سے جو طلب کرے اللہ تعالیٰ اسے عنایت فرماتا ہے' جیسے کہ صحیح احادیث میں آیا ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت سلمانؓ سے پوچھا جانتے ہو جمعہ کا دن کیا ہے؟ انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو زیادہ علم ہے۔ آپؐ نے فرمایا اسی دن تیرے ماں باپ (یعنی آدم و حوا) کو اللہ تعالیٰ نے جمع کیا یا یوں فرمایا کہ تمہارے باپ کو جمع کیا اسی طرح ایک موقوف حدیث میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے' فاللہ اعلم۔

جمعہ کے فضائل: پہلے اسے یوم العروبہ کہا جاتا تھا۔ پہلی امتوں کو بھی ہر سات دن میں ایک دن دیا گیا تھا' لیکن جمعہ کی ہدایت انہیں نہ ہوئی۔ یہودیوں نے ہفتہ پسند کیا جس میں مخلوق کی پیدائش شروع بھی نہ ہوئی تھی۔ نصاریٰ نے توا تواراختیار کیا جس میں مخلوق کی پیدائش کی ابتداء ہوئی ہے اور اس امت کے لئے اللہ تعالیٰ نے جمعہ کو پسند فرمایا ہے جس دن میں اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پورا کیا تھا جیسے صحیح بخاری کی

حدیث میں ہے کہ ہم دنیا میں آنے کے اعتبار سے تو سب کے پیچھے ہیں لیکن قیامت کے دن سب سے پہلے ہوں گے' سوائے اس کے کہ انہیں ہم سے پہلے کتاب اللہ دی گئی۔ پھر ان کے اس دن میں انہوں نے اختلاف کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں راہ راست دکھائی۔ پس لوگ اس میں بھی ہمارے پیچھے ہیں یہودی کل اور نصرانی پرسوں۔

جمعہ کے مسائل: مسلم میں اتنا اور بھی ہے کہ قیامت کے دن تمام مخلوق میں سے سب سے پہلے فیصلہ ہمارے بارے میں کیا جائے گا۔ یہاں اللہ تعالیٰ مومنوں کو جمعہ کے دن اپنی عبادت کے لیے جمع ہونے کا حکم دے رہا ہے۔ جیسے کہ اس آیت میں سعی سے مراد یہاں دوڑنا نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ نماز کے لئے قصد کرو چل پڑو کوشش کرو کام کاج چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہو جاؤ جیسے کہ اس آیت میں سعی کوشش کے معنی میں ہے ﴿ **وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَ سَعٰى لَهَا سَعْيَهَا** ﴾ یعنی جو شخص آخرت کا ارادہ کرے پھر اس کے لیے کوشش بھی کرے۔ حضرت عمر بن الخطابؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی قرائت میں بجائے ﴿ **فاسعوا** ﴾ کے ﴿**فامضوا**﴾ ہے۔ یہ یاد رہے کہ نماز کے لیے دوڑ کر جانا منع ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ جب تم اقامت سنو تو نماز کے لیے سکینت اور وقار کے ساتھ چلو دوڑو نہیں جو پاؤ پڑھ لو جو فوت ہو ادا کر لو ایک اور روایت میں ہے کہ آپؐ نماز میں تھے جو لوگوں کے پاؤں کی آہٹ زور سے سنی۔ فارغ ہو کر فرمایا کیا بات ہے؟ لوگوں نے کہا حضرت ہم جلدی جلدی نماز میں شامل ہوئے۔ فرمایا ایسا نہ کرو نماز کو اطمینان کے ساتھ چل کر آؤ جو پاؤ پڑھ لو جو چھوٹ جائے پوری کر لو۔ حضرت حسنؒ فرماتے ہیں اللہ کی قسم یہاں یہ حکم نہیں کہ دوڑ کر نماز کے لیے آؤ یہ تو منع ہے بلکہ مراد دل اور نیت اور خشوع و خضوع ہے۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں اپنے دل اور اپنے عمل سے کوشش کرو' جیسے اور جگہ ہے ﴿ **فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ** ﴾ حضرت ذبیح اللہ جب خلیل اللہ کے ساتھ چلنے پھرنے کے قابل ہو گئے۔ جمعہ کے لیے آنے والے کو غسل بھی کرنا چاہیے۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ جب تم میں سے کوئی جمعہ کی نماز کے لیے جانے کا ارادہ کرے وہ غسل کر لیا کرے۔ اور حدیث میں ہے جمعہ کے دن کا غسل ہر بالغ پر واجب ہے اور روایت میں ہے کہ ہر بالغ پر ساتویں دن سر اور جسم کا دھونا ہے۔ صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ وہ دن جمعہ کا دن ہے۔ سنن اربعہ میں ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن اچھی طرح غسل کرے اور سویرے سے ہی مسجد کی طرف چل دے پیدل جائے سوار نہ ہو اور امام سے قریب ہو کر بیٹھے خطبے کو کان لگا کر سنے لغو نہ کرے تو اسے ہر ہر قدم کے بدلے سال بھر کے روزوں اور سال بھر کے قیام کا ثواب ہے۔

بخاری و مسلم میں ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن جنابت کے غسل کی طرح غسل کر کے اول ساعت میں جائے اس نے گویا ایک اونٹ اللہ کی راہ میں قربان کیا' دوسری ساعت میں جانے والا مثل گائے کی قربانی کرنے والے کے ہے' تیسری ساعت میں جانے والا بھیڑ کی قربانی کرنے والے جیسا ہے' چوتھی ساعت میں جانے والا مرغ راہ اللہ میں تصدق کرنے والے کی طرح ہے' پانچویں ساعت میں جانے والا انڈا راہ للہ دینے والے جیسا ہے' پھر جب امام آ جائے تو فرشتے خطبہ سننے کے لیے حاضر ہو جاتے ہیں۔ مستحب ہے کہ جمعہ کے دن اپنی طاقت کے مطابق اچھا لباس پہنے خوشبو لگائے' مسواک کرے اور صفائی اور پاکیزگی کے ساتھ جمعہ کی نماز کے لیے آئے۔ ایک حدیث میں غسل کے بیان کے ساتھ ہی مسواک کرنا اور خوشبو ملنا بھی ہے۔ مسند احمد میں ہے جو شخص جمعہ کے دن غسل کرے اور اپنے گھر والوں کی خوشبو ملے اگر ہو' اور اچھا لباس پہنے پھر مسجد میں آئے اور کچھ نوافل پڑھے اگر جی چاہے' اور کسی کو ایذا نہ دے (یعنی گردنیں پھلانگ کر نہ آئے نہ کسی بیٹھے ہوئے کو ہٹائے) پھر جب امام آ جائے اور خطبہ شروع ہو خاموشی سے سنے تو اس کے گناہ جو اس جمعہ سے لے کر دوسرے جمعہ تک کے ہوں سب کا کفارہ ہو جاتا ہے۔ ابوداؤد اور ابن ماجہ میں ہے حضرت عبداللہ بن سلامؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے منبر پر بیان فرماتے ہوئے سنا کہ تم میں سے کسی پر کیا حرج ہے اگر وہ اپنے روزمرہ کے محنتی لباس کے علاوہ دو کپڑے خرید کر جمعہ کے لیے مخصوص کر رکھے۔ حضور ﷺ نے یہ فرمان اس وقت فرمایا جب لوگوں پر وہی معمولی چادریں

دیکھیں' تو فرمایا کہ اگر طاقت ہو تو ایسا کیوں نہ کر لو۔

جمعہ کی آذان: جس اذان کا یہاں اس آیت میں ذکر ہے اس سے مراد وہ اذان ہے جو امام کے منبر پر بیٹھ جانے کے بعد ہوتی ہے۔ نبی ﷺ کے زمانے میں یہی اذان تھی۔ جب آپؐ گھر سے تشریف لاتے' منبر پر جاتے اور آپؐ کے بیٹھ جانے کے بعد آپؐ کے سامنے یہ اذان ہوتی تھی۔ اس سے پہلے کی اذان حضور ﷺ کے زمانے میں نہ تھی اسے امیر المومنین حضرت عثمان بن عفانؓ نے صرف لوگوں کی کثرت کو دیکھ کر زیادہ کیا۔ صحیح بخاری میں ہے نبی ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ کے زمانے میں جمعہ کی اذان صرف اسی وقت ہوتی تھی جب امام منبر پر خطبہ دینے کے لیے بیٹھ جاتے۔ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں جب لوگ بہت زیادہ ہو گئے تو آپؐ نے دوسری اذان ایک الگ مکان پر کہلوانی زیادہ کی۔ اس مکان کا نام زوراء تھا مسجد سے قریب سب سے بلند یہی مکان تھا۔

حضرت مکحولؒ سے ابن ابی حاتم میں روایت ہے کہ اذان صرف ایک ہی تھی جب امام آتا تھا اس کے بعد صرف تکبیر ہوتی تھی جب نماز کھڑی ہونے لگے اسی اذان کے وقت خرید و فروخت حرام ہوتی ہے۔ حضرت عثمانؓ نے اس سے پہلے کی اذان کا حکم صرف اسے لیے دیا تھا کہ لوگ جمع ہو جائیں۔ جمعہ میں آنے کا حکم آزاد مردوں کو ہے عورتوں' غلاموں اور بچوں کو نہیں۔ مسافر' مریض اور تیماردار اور ایسے ہی اور عذر والے بھی معذور کئے گئے ہیں جیسے کہ کتب فروع میں اس کا ثبوت موجود ہے۔ پھر فرماتا ہے بیع کو چھوڑ دو یعنی ذکر اللہ کے لیے چل پڑو تجارت کو ترک کر دو جب نماز جمعہ کی اذان ہو جائے۔ علماء کرامؒ کا اتفاق ہے کہ اذان کے بعد خرید و فروخت حرام ہے۔ اس میں اختلاف ہے کہ دینے والا اگر دے تو وہ بھی صحیح ہے یا نہیں؟ ظاہر آیت سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی صحیح نہ ٹھہرے گا' واللہ اعلم۔

جمعہ کیلئے خرید و فروخت چھوڑ دو: پھر فرماتا ہے بیع کو چھوڑ کر ذکر اللہ اور نماز کی طرف تمہارا آنا ہی تمہارے حق میں دین دنیا کی بہتری کا باعث ہے اگر تم میں علم ہو۔ ہاں جب نماز سے فراغت ہو جائے تو اس مجمع سے چلے جانا اور اللہ کے فضل کی تلاش میں لگ جانا تمہارے لیے حلال ہے۔ عراک بن مالکؒ جمعہ کی نماز سے فارغ ہو کر لوٹ کر مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو جاتے اور یہ دعا پڑھتے: ﴿ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَجَبْتُ دَعْوَتَكَ وَ صَلَّیْتُ فَرِیْضَتَكَ وَانْتَشَرْتُ كَمَا اَمَرْتَنِیْ فَارْزُقْنِیْ مِنْ فَضْلِكَ وَ اَنْتَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ ﴾ یعنی اے اللہ میں نے تیری آواز پر حاضری دی اور تیری فرض کردہ نماز ادا کی پھر تیرے حکم کے مطابق اس مجمع سے اٹھ آیا اب تو مجھے اپنا فضل نصیب فرما تو سب سے بہتر روزی رساں ہے (ابن ابی حاتم)۔ اس آیت کو پیش نظر رکھ کر بعض سلف صالحین نے فرمایا ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن نماز جمعہ کے بعد خرید و فروخت کرے اسے اللہ تعالیٰ ستر حصے زیادہ برکت دے گا۔ پھر فرماتا ہے کہ خرید و فروخت کی حالت میں بھی ذکر اللہ کیا کرو' دنیا کے نفع میں اس قدر مشغول نہ ہو جاؤ کہ اُخروی نفع بھول بیٹھو۔ حدیث میں ہے جو شخص بازار جائے اور وہاں ﴿ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَ هُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴾ پڑھے' اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک لاکھ نیکیاں لکھتا ہے اور ایک لاکھ برائیاں معاف فرماتا ہے۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کثیر الذکر اسی وقت کہلاتا ہے جبکہ کھڑے بیٹھے لیٹے ہر وقت اللہ کی یاد کرتا رہے۔

وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا انْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا ۭ قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿١١﴾

ع ۲ / ۱۲

اور جب کوئی سودا بکتا دیکھیں یا کوئی تماشا نظر آ جائے تو اس کی طرف دوڑ جاتے ہیں اور تجھے کھڑا ہی چھوڑ دیتے ہیں۔ تو کہہ دے کہ اللہ کے پاس جو ہے

وہ کھیل اور تجارت سے بہتر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بہترین روزی رساں ہے۔

جمعہ اور تجارت: مدینہ میں جمعہ والے دن تجارتی مال کے آجانے کی وجہ سے جو حضرات خطبہ چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے تھے انہیں اللہ تعالیٰ عتاب کر رہا ہے کہ یہ لوگ جب کوئی تجارت یا کھیل تماشا دیکھ لیتے ہیں تو اس کی طرف چل کھڑے ہوتے ہیں اور تجھے خطبہ میں ہی کھڑا چھوڑ دیتے ہیں۔ حضرت مقاتل بن حیانؒ فرماتے ہیں یہ مال تجارت دحیہ بن خلیفہؓ کا تھا۔ جمعہ والے دن آیا اور شہر میں خبر کے لیے طبل بجنے لگا۔ حضرت دحیہؓ اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے۔ طبل کی آواز سن کر سب لوگ اٹھ کھڑے ہوئے صرف چند آدمی رہ گئے۔ مسند احمد میں ہے صرف بارہ آدمی رہ گئے باقی لوگ اس تجارتی قافلہ کی طرف چل دیئے جس پر یہ آیت اتری۔ مسند ابویعلیٰ میں اتنا اور بھی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا اگر یہ بھی باقی نہ رہتے اور سب اٹھ کر چلے جاتے تو تم سب پر یہ وادی آگ بن کر بھڑک اٹھتی۔ جو لوگ حضور ﷺ کے پاس سے نہیں گئے تھے ان میں حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی تھے۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جمعہ کا خطبہ کھڑے ہو کر دینا چاہیے۔

صحیح مسلم میں ہے نبی ﷺ جمعہ کے دن دو خطبے دیتے تھے' درمیان میں بیٹھ جاتے تھے قرآن پڑھتے تھے اور لوگوں کو تذکیر و نصیحت فرماتے تھے۔ یہاں یہ بات بھی معلوم رہنی چاہیے کہ یہ واقعہ بقول بعض کے اس وقت کا ہے جب آنحضرت ﷺ جمعہ کی نماز کے بعد خطبہ دیا کرتے تھے۔ مراسیل ابوداؤد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ خطبہ سے پہلے جمعہ کی نماز پڑھا کرتے تھے جیسے عیدین میں ہوتا ہے یہاں تک کہ ایک مرتبہ آپؐ خطبہ سنا رہے تھے کہ ایک شخص نے آن کر کہا دحیہ بن خلیفہ مال تجارت لے کر آ گیا ہے۔ یہ سن کر سوائے چند لوگوں کے اور سب اٹھ کھڑے ہوئے۔ پھر فرماتا ہے کہ اے نبی انہیں خبر سنا دو کہ دار آخرت کا ثواب جو عند اللہ ہے وہ کھیل تماشوں سے خرید و فروخت سے بہت ہی بہتر ہے۔ توکل اللہ پر رکھ کر طلب رزق اوقات اجازت میں جو کرے اللہ اسے بہترین طریق پر روزیاں دے گا۔ ﴿ الحمد اللہ سورہ جمعہ ﴾ کی تفسیر پوری ہوئی۔

تفسیر سورۂ منافقون مدنیہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۚ ① اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ② ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ③ وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ؕ وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ؕ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ؕ يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ؕ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ؕ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۫ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ④

وقف لازم

شروع کرتا ہوں مہربانی اور رحم کرنے والے اللہ کے نام سے

تیرے پاس جب منافق آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم اس بات کے قائل ہیں کہ بیشک آپؐ اللہ کے رسول ہیں' اللہ جانتا ہے کہ یقیناً تو اس کا رسول ہے۔ اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق قطعاً جھوٹے ہیں۔ انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے۔ پس اللہ کی راہ سے رک گئے' بیشک برا ہے وہ کام جو یہ کر رہے ہیں۔ یہ اس سبب سے ہے کہ یہ ایمان لا کر پھر کافر ہو گئے پس ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی اب یہ نہیں سمجھتے۔ جب تو انہیں دیکھے تو ان کے جسم تجھے خوش نما معلوم ہوں' یہ جب باتیں کرنے لگیں تو تو ان کی باتوں پر اپنا کان لگائے' گویا کہ یہ لکڑیاں ہیں سہارے سے لگائی ہوئیں' ہر سخت آواز کو اپنی ہی بلا کی سمجھتے ہیں۔ یہی حقیقی دشمن ہیں ان سے بچتارہ' اللہ انہیں غارت کرے' کہاں سے پھرے جاتے ہیں۔

منافقوں کی مذمت: اللہ تعالیٰ منافقوں کے نفاق کو ظاہر کرتا ہے کہ گو یہ تیرے پاس آ کر قسمیں کھا کھا کر اپنے اسلام کا اظہار کرتے ہیں۔ تیری رسالت کا اقرار کرتے ہیں مگر دراصل دل کے کھوٹے ہیں۔ فی الواقع آپؐ رسول اللہ ہیں' ان کا یہ قول بھی ہے مگر چونکہ دل میں اس کا کوئی اثر نہیں لہٰذا یہ جھوٹے ہیں' اس بات میں کہ یہ تجھے رسول اللہ مانتے ہیں۔ یہ سچے ہونے کے لیے گو قسمیں کھائیں لیکن آپؐ یقین نہ کیجئے یہ قسمیں تو ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے یہ تو اپنے جھوٹ کو سچ بنانے کا ایک ذریعہ ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ مسلمان ان سے ہوشیار رہیں کہیں انہیں سچا ایماندار سمجھ کر کسی بات میں ان کی تقلید نہ کرنے لگیں کہ یہ اسلام کے رنگ میں کفر کرا دیں۔ یہ اللہ کی راہ سے دور اور بد اعمال لوگ ہیں۔

ضحاک کی قرات میں ﴿ اِیْمَانَهُمْ ﴾ الف کے زیر کے ساتھ ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ انہوں نے اپنی ظاہری تصدیق کو اپنے لیے تقیہ بنالیا ہے کہ قتل سے اور حکم کفر سے دنیا میں بچ جائیں۔ یہ نفاق ان کے دلوں میں اس گناہ کی شومی کے باعث رچ گیا ہے کہ ایمان سے گھوم کر کفر کی طرف اور ہدایت سے ہٹ کر ضلالت کی جانب آ گئے ہیں' اب دلوں پر مہر اللہ لگ چکی ہے اور بات کی تہ کو پہنچنے کی قابلیت سب سلب ہو چکی ہے۔

بظاہر تو خوش رو خوش گو ہیں اس فصاحت اور بلاغت سے گفتگو کرتے ہیں کہ خواہ مخواہ دوسرے کا دل اٹکالیں' لیکن باطن میں بڑے کھوٹے بڑے کمزور دل والے نامرد اور بد نیت ہیں۔ جہاں کوئی واقعہ بھی رونما ہوا اور سمجھ بیٹھے کہ ہائے مرے اور جگہ ہے ﴿ اَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ﴾ الخ تمہارے مقابلہ میں بخل کرتے ہیں۔

پھر جس وقت خوف ہوتا ہے تو تمہاری طرف اس طرح آنکھیں پھیر پھیر کر دیکھتے ہیں گویا کسی شخص پر موت کی بے ہوشی طاری ہے پھر جب خوف چلا جاتا ہے تو تمہیں اپنی بد کلامی سے چھید ڈالتے ہیں اور مال غنیمت کی حرص میں نہ کہنے کی باتیں کہہ گزرتے ہیں۔ یہ بے ایمان ہیں ان کے اعمال غارت ہیں اللہ پر یہ امر نہایت ہی آسان ہے۔

پس ان کی یہ آوازیں خالی پیٹ کے ڈھول کی بلند بانگ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں' یہی تمہارے دشمن ہیں ان کی چکنی چپڑی باتوں اور ثقہ اور مسکین صورتوں کے دھوکہ میں نہ آ جانا۔ اللہ انہیں برباد کرے ذرا سوچیں تو کیوں ہدایت کو چھوڑ کر بے راہی پر چل رہے ہیں؟

مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا منافقوں کی بہت سی علامتیں ہیں جن سے وہ پہچان لئے جاتے ہیں ان کا سلام لعنت ہے' ان کی خوراک لوٹ مار ہے' ان کی غنیمت حرام اور خیانت ہے' وہ مسجدوں کی نزدیکی ناپسند کرتے ہیں' وہ نمازوں کے لیے آخری وقت آتے ہیں تکبر اور نخوت والے ہوتے ہیں' نرمی اور سلوک تواضع اور انکساری سے محروم ہوتے ہیں' نہ خود ان کاموں کو کریں نہ دوسروں کے ان کاموں کو وقعت کی نگاہ سے دیکھیں' رات کی لکڑیاں اور دن کے شور وغل کرنے والے۔ اور روایت میں ہے دن کو خوب کھانے پینے والے اور رات کو خشک لکڑی کی طرح پڑ رہنے والے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ۝٥ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝٦ هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰي مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ۭ وَلِلّٰهِ خَزَاۗىِٕنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝٧ يَقُوْلُوْنَ لَىِٕنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ۭ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝٨

ع ۱۴

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ تمہارے لیے اللہ کے رسول استغفار کریں تو اپنے سر مٹکاتے ہیں اور تو دیکھے گا کہ وہ تکبر کرتے ہوئے رک جاتے ہیں۔ ان کے حق میں آپؐ ﷺ کا استغفار کرنا اور نہ کرنا دونوں برابر ہے' اللہ تعالیٰ انہیں ہرگز نہ بخشے گا۔ بیشک اللہ تعالیٰ ایسے نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ یہی وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس ہیں انہیں کچھ نہ دو یہاں تک کہ وہ ادھر ادھر چلے جائیں۔ آسمان و زمین کے کل خزانے اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں لیکن یہ منافق بے سمجھ ہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ اگر اب لوٹ کر مدینہ جائیں گے تو ہر عزت والا وہاں سے ذلت والے کو نکال دے گا' سنو عزت تو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے اور اس کے رسول کے لیے اور ایمانداروں کے لیے ہے' لیکن یہ منافق بے علم ہیں۔

منافقوں کی بد خصلتیں: ملعون منافقین کا ذکر ہو رہا ہے کہ ان کے گناہوں پر جب ان سے سچے مسلمان کہتے ہیں کہ آؤ رسول کریم ﷺ تمہارے لیے استغفار کریں گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف فرمادے گا تو یہ تکبر کے ساتھ سر ہلانے لگتے ہیں اور اعراض کرتے ہیں اور رک جاتے ہیں۔ اس کا بدلہ یہی ہے کہ اب ان کے لیے بخشش کے دروازے بند ہیں نبی کا استغفار بھی انہیں کچھ نفع نہ دے گا۔ بھلا ان فاسقوں کی قسمت میں ہدایت کہاں؟ سورہ براۃ میں بھی اسی مضمون کی آیت گزر چکی ہے اور وہیں اس کی تفسیر اور ساتھ ہی اس کے متعلق کی حدیثیں بھی بیان کر دی گئی ہیں۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ سفیانؒ راوی نے اپنا منہ دائیں جانب پھیر لیا اور غضب و تکبر کے ساتھ ترچھی آنکھ سے گھور کر دکھایا کہ اسی کا ذکر اس آیت میں ہے۔ اور سلف میں سے اکثر حضرات کا فرمان ہے کہ یہ سب کا سب بیان عبداللہ بن ابی بن سلول کا ہے جیسے کہ عنقریب آرہا ہے' انشاء اللہ تعالیٰ۔ سیرت محمد بن اسحاق میں ہے کہ عبداللہ بن ابی بن سلول اپنی قوم کا بڑا اور شخص تھا۔ جب نبی ﷺ جمعہ کے دن خطبہ کے لیے منبر پر بیٹھتے تھے تو یہ کھڑا ہو جاتا تھا اور کہتا تھا لوگو یہ ہیں اللہ کے رسول ﷺ جو تم میں موجود ہیں جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تمہارا اکرام کیا اور تمہیں عزت دی اب تم پر فرض ہے کہ تم آپؐ کی مدد کرو اور آپؐ کی عزت و تکریم کرو آپؐ کا فرمان سنو اور جو فرمائیں بجا لاؤ۔ یہ کہہ کر بیٹھ جایا کرتا تھا۔ احد کے میدان میں اس کا نفاق کھل گیا اور یہ وہاں سے حضور ﷺ کی کھلی نافرمانی کر کے تہائی لشکر کو لے کر مدینہ کو واپس لوٹ آیا۔

جب رسول اللہ ﷺ غزوہ احد سے فارغ ہوئے اور مدینہ میں مع الخیر تشریف لائے' جمعہ کا دن آیا اور آپ منبر پر چڑھے تو حسب عادت یہ آج بھی کھڑا ہوا اور کہنا چاہتا ہی تھا کہ بعض صحابہ ادھر ادھر سے کھڑے ہو گئے اور اس کے کپڑے پکڑ کر کہنے لگے دشمن الٰہی بیٹھ جا تو اب یہ کہنے کا منہ نہیں رکھتا تو نے جو کچھ کیا وہ کسی سے مخفی نہیں اب تو اس کا اہل نہیں کہ زبان سے جو جی میں آئے بکارے۔ یہ ناراض ہو کر لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا باہر نکل گیا اور کہتا جاتا تھا کہ گویا میں کسی بدبات کے کہنے کے لئے کھڑا ہوا تھا میں تو اس کا کام اور مضبوط کرنے کے لیے کھڑا ہوا تھا۔ چند انصاری اسے مسجد کے دروازے پر مل گئے۔ انہوں نے کہا کیا بات ہے؟ تو کہا میں تو اس کا کام مضبوط کرنے کے لیے کھڑا ہوا تھا جو چند اصحاب مجھ پر اچھل کر آ گئے مجھے گھسیٹنے لگے اور ڈانٹ ڈپٹ کرنے لگے گویا کہ میں کسی بری بات کے کہنے کے لیے کھڑا ہوا تھا حالانکہ میری نیت یہ تھی کہ میں آپ کی باتوں کی تائید کروں۔ انہوں نے کہا خیر اب تم واپس چلو ہم رسول اللہ ﷺ سے عرض کریں گے آپ ﷺ تمہارے لیے اللہ تعالیٰ سے بخشش چاہیں گے اس نے کہا مجھے کوئی ضرورت نہیں۔

عبداللہ بن ابی کا واقعہ: حضرت قتادہؒ اور حضرت سدیؒ فرماتے ہیں یہ آیت عبداللہ بن ابی کے بارے میں اتری ہے۔ واقعہ یہ تھا کہ اسی قوم کے ایک نوجوان مسلمان نے اس کی ایسی ہی چند بری باتیں رسول اللہ ﷺ تک پہنچائی تھیں' حضور ﷺ نے اسے بلوایا تو یہ صاف انکار کر گیا اور قسمیں کھا گیا۔ انصاریوں نے اس صحابی کو ملامت اور ڈانٹ ڈپٹ کی اور اسے جھوٹا جانا' اس پر یہ آیتیں اتری اور اس منافق کی جھوٹی قسموں کا اور اس نوجوان صحابی کی سچائی کا اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا۔ اب اس سے کہا گیا کہ تو چل اور رسول اللہ ﷺ سے استغفار کرا تو اس نے انکار کے لہجے میں سر ہلا دیا اور نہ گیا۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ جس منزل میں اترتے وہاں سے کوچ نہ کرتے جب تک نماز نہ پڑھ لیں۔ غزوہ تبوک میں حضور ﷺ کو خبر پہنچی کہ عبداللہ بن ابی کہہ رہا ہے کہ ہم عزت والے ان ذلت والوں کو مدینہ پہنچ کر نکال دیں گے۔ پس آپ نے آخری دن میں اترنے سے پہلے ہی کوچ کر دیا۔ اس سے کہا گیا کہ حضور ﷺ کے پاس جا کر اپنی خطا کی معافی اللہ سے طلب کر۔ اس کا بیان اس آیت میں ہے۔ اس کی اسناد ابن جبیرؒ تک تو صحیح ہے لیکن یہ کہنا کہ یہ واقعہ غزوہ تبوک کا ہے اس میں نظر ہے بلکہ یہ ٹھیک نہیں ہے اس لیے کہ عبداللہ بن ابی بن سلول تو اس غزوہ میں تھا ہی نہیں بلکہ لشکر کی ایک جماعت کو لے کر یہ تو لوٹ گیا تھا۔

کتب سیر و مغازی کے مصنفین میں یہ تو مشہور ہے کہ یہ واقعہ غزوہ مریسیع یعنی غزوہ بنوالمصطلق کا ہے۔ چنانچہ اس قصہ میں حضرت محمد بن یحییٰ بن حبان اور حضرت عبداللہ بن ابوبکر اور عاصم بن عمر بن قتادہؒ سے مروی ہے کہ اس لڑائی کے موقع پر حضور ﷺ کا ایک جگہ قیام تھا وہاں حضرت جھجاہ بن سعید غفاری اور حضرت سنان بن یزید کا پانی کے ازدحام پر کچھ جھگڑا ہو گیا۔ جھجاہ حضرت عمرؓ کے کارندے تھے جھگڑے نے طول پکڑا۔ سنان نے انصاریوں کو اپنی مدد کے لیے آواز دی اور جھجاہ نے مہاجرین کو' اس وقت حضرت زید بن ارقمؓ وغیرہ انصار کی ایک جماعت عبداللہ بن ابی کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے جب یہ فریاد سنی تو کہنے لگا لو ہمارے ہی شہروں میں ان لوگوں نے ہم پر حملے شروع کر دیئے اللہ کی قسم ہماری اور ان قریشیوں کی مثال وہی ہے جو کسی نے کہا ہے کہ اپنے کتے کو موٹا تازہ کر تا کہ تجھے ہی کاٹے اللہ کی قسم اگر ہم لوٹ کر مدینہ گئے تو ہم ذی مقدور لوگ ان بے مقدوروں کو وہاں سے نکال دیں گے۔ پھر اس کی قوم کے جو لوگ اس کے پاس بیٹھے تھے ان سے کہنے لگا یہ سب آفت تم نے خود اپنے ہاتھوں اپنے اوپر لی ہے تم نے انہیں اپنے شہر میں بسایا تم نے انہیں اپنے مال کا آدھوں آدھ حصہ دیا اب بھی اگر تم ان کی مالی امداد نہ کرو تو یہ خود تنگ آ کر مدینہ سے نکل بھاگیں گے۔ حضرت زید بن ارقمؓ نے یہ تمام باتیں سنیں۔ آپ اس وقت بہت کم عمر تھے سیدھے سرکار نبوت میں حاضر ہوئے اور کل واقعہ بیان فرمایا۔ اس وقت آپ ﷺ کے پاس عمر بن خطابؓ بھی بیٹھے ہوئے تھے غضبناک ہو کر فرمانے لگے یا رسول اللہ! عباد بن بشر کو حکم فرمایئے کہ اس کی گردن الگ کر دے۔ حضور ﷺ نے فرمایا پھر تو لوگوں میں یہ مشہور ہو جائے گا کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کی گردنیں مارتے ہیں۔ یہ

ٹھیک نہیں جاؤ لوگوں میں کوچ کی منادی کر دو۔ عبداللہ بن ابی کو جب یہ معلوم ہوا کہ اس کی گفتگو کا علم آنحضرت ﷺ کو ہو گیا ہے تو بہت سٹ پٹایا اور حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر معذرت اور حیلے حوالے تاویل اور تحریف کرنے لگا اور قسمیں کھا گیا کہ میں نے ایسا ہرگز نہیں کیا۔ چونکہ یہ شخص اپنی قوم میں قوی باعزت اور باوقعت تھا اور لوگ بھی کہنے لگے حضور شاید اس بچے نے ہی غلطی کی ہو اسے وہم ہو گیا ہو واقعہ ثابت تو ہوتا نہیں۔ حضور ﷺ یہاں سے جلدی ہی کوچ کے وقت سے پہلے ہی تشریف لے چلے۔ راستے میں حضرت اسید بن حضیرؓ ملے اور آپؐ کی شان نبوت کے قابل بادب سلام کیا پھر عرض کی کہ حضور آج کیا بات ہے جو وقت سے پہلے ہی جناب نے کوچ کیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کیا تمہیں معلوم نہیں ہوا کہ تمہارے ساتھی ابن ابی نے کیا کہا' وہ کہتا ہے کہ مدینہ جا کر ہم عزیز ان ذلیلوں کو نکال دیں گے۔ حضرت اسیدؓ نے کہا یارسول اللہ عزت والے آپؐ ہیں اور ذلیل وہ ہے یارسول اللہ آپؐ اس کی باتوں کا خیال بھی نہ فرمایئے دراصل یہ بہت جلا ہوا ہے' سنئے کہ اہل مدینہ نے اسے سردار بنانے پر اتفاق کر لیا تھا تاج تیار ہو رہا تھا کہ اللہ رب العزت آپؐ کو لایا' اس کے ہاتھ سے ملک نکل گیا پس یہ چراغ پا ہو رہا ہے۔ حضور ﷺ چلتے ہی رہے دوپہر کو ہی چل دیئے تھے' شام ہوئی' رات ہوئی' صبح ہوئی یہاں تک کہ دھوپ میں تیزی آ گئی تب آپؐ نے پڑاؤ کیا تاکہ لوگ اس بات پر پھر نہ الجھ جائیں۔ چونکہ تمام لوگ تھکے ہارے اور رات کے جاگے ہوئے تھے اترتے ہی سب سو گئے۔ ادھر یہ سورت نازل ہوئی (سیرۃ ابن اسحاق)۔

بیہقی کی روایت: بیہقی میں ہے کہ ہم غزوہ میں حضور ﷺ کے ساتھ تھے ایک مہاجر نے ایک انصار کو پتھر مار دیا۔ اس پر بات بڑھ گئی اور دونوں نے اپنی جماعت سے فریاد کی اور انہیں پکارا۔ حضور ﷺ سخت ناراض ہوئے اور فرمانے لگے یہ کیا جاہلیت کی ہانک لگانے لگے' اس فضول خراب عادت کو چھوڑ دو۔ عبداللہ بن ابی بن سلول کہنے لگا اب مہاجر یہ کرنے لگ گئے' اللہ کی قسم مدینہ پہنچتے ہی ہم ذی عزت ان ذلیلوں کو وہاں سے نکال باہر کریں گے۔ اس وقت مدینہ میں انصار کی تعداد مہاجرین سے بہت زیادہ تھی' گو بعد میں مہاجرین بہت زیادہ ہو گئے تھے۔ حضرت عمرؓ کو جب ابن ابی کے اس قول کا علم ہوا تو حضور ﷺ سے اس کے قتل کرنے کی اجازت چاہی مگر آپؐ نے روک دیا۔ مسند احمد میں حضرت زیدؓ بن ارقم سے مروی ہے کہ غزوہ تبوک میں میں نے جب اس منافق کا یہ قول حضور ﷺ کے سامنے بیان کیا اور اس نے آن کر انکار کیا اور قسمیں کھا گیا' اس وقت میری قوم نے مجھے بہت کچھ برا کہا اور ہر طرح ملامت کی کہ میں نے ایسا کیوں کیا؟ میں نہایت غمگین دل ہو کر وہاں سے چل دیا اور سخت رنج و غم میں تھا جو حضور ﷺ نے مجھے یاد فرمایا اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے تیرا عذر نازل فرمایا اور تیری سچائی ظاہر کی ہے اور یہ آیت اتری ﴿ هُمُ الَّذِيْنَ ﴾ الخ۔ یہ حدیث اور بھی بہت سی کتابوں میں ہے۔ مسند احمد میں حضرت زید ابن ارقمؓ کا یہ بیان اس طرح ہے کہ میں اپنے چچا کے ساتھ ایک غزوہ میں تھا اور میں نے عبداللہ بن ابی کی یہ دونوں باتیں سنیں۔ میں نے اپنے چچا سے بیان کیں اور میرے چچا نے حضور ﷺ سے عرض کیں۔ جب آپؐ ﷺ نے اسے بلایا اس نے انکار کیا اور قسمیں کھا گیا تو حضور ﷺ نے اسے سچا اور مجھے جھوٹا جانا۔ میرے چچا نے بھی مجھے بہت برا بھلا کہا کہ مجھے اس قدر غم اور ندامت ہوئی کہ میں نے گھر سے باہر نکلنا چھوڑ دیا یہاں تک کہ یہ سورت اتری اور آپ نے میری تصدیق کی اور مجھے یہ پڑھ سنائی۔

مسند کی اور روایت میں ہے کہ ایک سفر کے موقعہ پر جب صحابہؓ کو تنگی پہنچی تو اس نے انہیں کچھ دینے کی ممانعت کر دی الخ۔

رسول اللہ ﷺ نے جب انہیں اس لیے بلوایا کہ آپؐ ان کے لیے استغفار کریں تو انہوں نے اس سے بھی منہ پھیر لیا۔ قرآن کریم نے انہیں ٹیک لگائے ہوئی لکڑیاں اس لیے کہا ہے کہ یہ لوگ اچھے جمیل جسم والے تھے۔ ترمذی وغیرہ میں حضرت زید بن ارقمؓ سے روایت ہے کہ ہم ایک غزوہ میں حضور ﷺ کے ساتھ نکلے ہمارے ساتھ کچھ اعراب لوگ بھی تھے' پانی کی جگہ وہ پہلے پہنچنا چاہتے تھے' اسی طرح ہم بھی اسی کی کوشش میں رہتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک اعرابی نے جا کر پانی پر قبضہ کر کے حوض پر کر لیا اور اس کے اردگرد پتھر رکھ دیئے اور اوپر سے چمڑا پھیلا دیا۔ ایک انصاری نے آ کر اس حوض میں سے اپنے اونٹ کو پانی پلانا چاہا اس نے روکا۔ انصاری نے پلانے پر

زور دیا۔ اس نے ایک لکڑی اٹھا کر انصاری کے سر پر ماری جس سے اس کا سر زخمی ہو گیا۔ یہ چونکہ عبداللہ بن ابی کا ساتھی تھا' سیدھا اس کے پاس آیا اور تمام ماجرا کہہ سنایا۔ عبداللہ بگڑا اور کہنے لگا ان اعرابیوں کو کچھ نہ دو' یہ خود بھوکے مرتے بھاگ جائیں گے۔ یہ کھانے کے وقت رسول اللہ ﷺ کے پاس آ جاتے تھے اور کھا لیا کرتے تھے۔ تو عبداللہ بن ابی نے کہا تم حضور کا کھانا ایسے وقت لے جاؤ جب یہ لوگ نہ ہوں آپؐ اپنے ساتھیوں کے ساتھ کھانا کھا لیں گے یہ رہ جائیں گے یونہی بھوکوں مرتے بھاگ جائیں گے اور اب ہم مدینہ جا کر ان کمینوں کو نکال باہر کریں گے۔ میں اس وقت رسول اللہ ﷺ کا ردیف تھا اور میں نے یہ سب سنا۔ اپنے چچا سے ذکر کیا۔ چچا نے حضور ﷺ سے ذکر کیا۔ آپؐ نے اسے بلوایا یہ انکار کر گیا اور حلف اٹھا لیا۔ حضور ﷺ نے اسے سچا سمجھا اور مجھے جھوٹا قرار دیا۔ چچا میرے پاس آئے اور کہا تم نے یہ کیا حرکت کی؟ حضور ﷺ تجھ پر ناراض ہو گئے اور تجھے جھوٹا جانا اور دیگر مسلمانوں نے بھی تجھے جھوٹا سمجھا۔ مجھ پر تو غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا سخت غمگینی کی حالت میں سر جھکائے میں حضور ﷺ کے ساتھ جا رہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر گزری ہو گی جو آپؐ میرے پاس آئے میرا کان پکڑا۔ جب میں نے سر اٹھا کر آپؐ کی طرف دیکھا تو آپؐ مسکرائے اور چل دیئے۔ اللہ کی قسم مجھے اس قدر خوشی ہوئی کہ بیان سے باہر ہے' اگر دنیا کی ابدی زندگی مجھے مل جاتی جب بھی میں اتنا خوش نہ ہو سکتا تھا۔ پھر حضرت صدیق اکبرؓ میرے پاس آئے اور پوچھا کہ آنحضرت ﷺ نے تم سے کیا کہا؟ میں نے کہا فرمایا تو کچھ بھی نہیں مسکراتے ہوئے تشریف لے گئے۔ آپؓ نے فرمایا بس پھر خوش ہو۔ آپؓ کے بعد ہی حضرت عمر فاروقؓ تشریف لائے یہی سوال مجھ سے کیا اور میں نے یہی جواب دیا۔ صبح کو سورہ ﴿منافقون﴾ نازل ہوئی۔ دوسری روایت میں اس سورت کا ﴿ مِنْهَا الْاَذَلُّ ﴾ تک پڑھنا بھی مروی ہے۔ عبداللہ ابن لہیعہ اور موسیٰ بن عقبہؒ نے بھی اس حدیث کو مغازی میں بیان کیا ہے لیکن ان دونوں کی روایت میں خبر پہنچانے والے کا نام اوس بن اقرمؓ ہے جو قبیلہ بنو حارث بن خزرج میں سے تھے' تو ممکن ہے کہ حضرت زید بن ارقمؓ نے بھی خبر پہنچائی ہو اور حضرت اوسؓ نے بھی۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ راوی سے نام میں غلطی ہو گئی ہو' واللہ اعلم۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ یہ واقعہ غزوہ مریسیع کا ہے۔ یہ وہ غزوہ ہے جس میں حضرت خالدؓ کو بھیج کر حضور ﷺ نے مناۃ بت کو تڑوایا تھا جو قفا مشلل اور سمندر کے درمیان تھا۔ اسی غزوہ میں دو شخصوں کے درمیان جھگڑا ہو گیا تھا ایک مہاجر دوسرا قبیلہ بہز کا تھا اور قبیلہ بہز انصاریوں کا حلیف تھا' بہزی نے انصاریوں کو اور مہاجر نے مہاجرین کو آواز دی۔ کچھ لوگ دونوں طرف سے کھڑے ہو گئے اور جھگڑا ہونے لگا۔ جب ختم ہوا تو منافق اور بیمار دل لوگ عبداللہ بن ابی کے پاس جمع ہوئے اور کہنے لگے کہ ہمیں تو تم سے بہت کچھ امیدیں تھیں تم ہمارے دشمنوں سے ہمارا بچاؤ تھے۔ اب تو تم بے کار سے ہو گئے نہ نفع کا خیال نہ نقصان کا تم نے ہی ان جلالیب کو اتنا چڑھا دیا کہ بات بات پر یہ ہم پر چڑھ دوڑیں۔ نئے مہاجرین کو یہ لوگ جلالیب کہتے تھے۔ اس اللہ کے دشمن نے جواب دیا کہ اب مدینہ پہنچتے ہی ان سب کو وہاں سے دیس نکالا دیں گے۔ مالک بن دخشن جو منافق تھا اس نے کہا کہ میں تو تمہیں پہلے ہی سے کہتا ہوں کہ ان لوگوں کے ساتھ سلوک کرنا چھوڑ دو' خود بخود منتشر ہو جائیں گے۔ یہ باتیں حضرت عمرؓ نے سن لیں اور خدمت نبوی میں آ کر عرض کرنے لگے کہ اس بانی فتنہ عبداللہ بن ابی کا قصہ پاک کرنے کی مجھے اجازت دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اچھا اگر اجازت دوں تو کیا تم اسے قتل کر ڈالو گے؟ حضرت عمرؓ نے کہا یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ کی قسم ابھی اپنے ہاتھ سے اس کی گردن مار دوں گا آپؐ ﷺ نے فرمایا اچھا بیٹھ جاؤ۔ اتنے میں حضرت اسید بن حضیرؓ بھی یہی کہتے ہوئے آئے۔ آپ ﷺ نے ان سے بھی یہی پوچھا اور انہوں نے بھی یہی جواب دیا۔ آپ ﷺ نے انہیں بھی بٹھا لیا۔ پھر تھوڑی دیر گزری ہو گی جو کوچ کرنے کا حکم دیا اور وقت سے پہلے ہی لشکر نے کوچ کیا۔ وہ رات دن دوسری صبح تک برابر چلتے ہی رہے جب دھوپ میں تیزی آ گئی اُترنے کو فرمایا۔ دوپہر ڈھلتے ہی جلدی سے کوچ کیا اور اسی طرح چلتے رہے۔ تیسرے دن صبح کو قفا مشلل سے مدینہ پہنچ گئے۔ حضرت عمرؓ کو بلوایا' ان سے پوچھا کہ کیا میں اس کے قتل کا تجھے حکم دیتا تو تو اسے مار ڈالتا حضرت عمرؓ نے عرض کیا یقیناً میں اس کا سر تن سے جدا کر دیتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر تو اسے اس دن

قتل کر ڈالتا تو بہت سے لوگوں کی ناک خاک آلود ہو جاتیں کہ میں اگر انہیں کہتا تو وہ بھی اسے مار ڈالنے میں تامل نہ کرتے' پھر لوگوں کو باتیں بنانے کا موقع ملتا کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کو بھی بے دردی سے مار ڈالتا ہے۔ اسی واقعہ کا بیان ان آیتوں میں ہے یہ سیاق بہت غریب ہے اور اس میں بہت سی ایسی عمدہ باتیں ہیں جو دوسری روایتوں میں نہیں۔

سیرت ابن اسحاق کی روایت: سیرۃ محمد بن اسحاق میں ہے کہ عبداللہ بن ابی منافق کے بیٹے حضرت عبداللہؓ جو پکے سچے مسلمان تھے' اس واقعہ کے بعد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور گزارش کی کہ یارسول اللہ میں نے سنا ہے کہ میرے باپ نے جو بکواس بکی ہے اس کے بدلے آپؐ اسے قتل کرنا چاہتے ہیں۔ اگر یونہی ہے تو اس کے قتل کا حکم آپؐ کسی اور کو نہ دیجئے میں خود جاتا ہوں اور ابھی اس کا سر آپؐ کے قدموں تلے ڈالتا ہوں' قسم اللہ کی قبیلہ خزرج کا ایک ایک شخص جانتا ہے کہ مجھ سے زیادہ کوئی بیٹا اپنے باپ سے احسان وسلوک اور محبت وعزت کرنے والا نہیں (لیکن میں فرمان رسول ﷺ پر اپنے پیارے باپ کی گردن مارنے کو تیار ہوں) اگر آپؐ نے کسی اور کو یہ حکم دیا اور اس نے اسے مارا تو مجھے ڈر ہے کہ کہیں جوش انتقام میں میں اسے نہ مار بیٹھوں اور ظاہر ہے کہ اگر یہ حرکت مجھ سے ہو گئی تو میں ایک کافر کے بدلے ایک مسلمان کو مار کر جہنمی بن جاؤں گا آپؐ میرے باپ کے قتل کا حکم مجھے دیجئے۔ آپؐ نے فرمایا نہیں میں اسے قتل کرنا نہیں چاہتا ہم تو اس سے اور نرمی برتیں گے اور اس کے ساتھ حسن سلوک کریں گے جب تک وہ ہمارے ساتھ ہے۔ حضرت عکرمہؒ اور حضرت ابن زیدؒ کا بیان ہے کہ جب حضور ﷺ اپنے لشکروں سمیت مدینے پہنچے تو اس منافق عبداللہ بن ابی کے لڑکے حضرت عبداللہؓ مدینہ کے دروازے پر کھڑے ہو گئے تلوار کھینچ لی' لوگ مدینہ میں داخل ہونے لگے' یہاں تک کہ ان کا باپ آیا تو یہ فرمانے لگے' پرے رہو' مدینہ میں نہ جاؤ۔ اس نے کہا کیا بات ہے؟ مجھے کیوں روک رہا ہے؟ حضرت عبداللہؓ نے فرمایا تو مدینہ نہیں جا سکتا جب تک کہ اللہ کے رسول ﷺ تیرے لئے اجازت نہ دیں' عزت والے آپؐ ہی ہیں اور تو ذلیل ہے۔ یہ رک کر کھڑا ہو گیا' یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ آپؐ ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ لشکر کے آخری حصے میں ہوتے تھے۔ آپؐ ﷺ کو دیکھ کر اس منافق نے اپنے بیٹے کی شکایت کی۔ آپؐ نے ان سے پوچھا کہ اسے کیوں روک رکھا ہے؟ انہوں نے کہا قسم ہے اللہ کی جب تک آپؐ کی اجازت نہ ہو یہ اندر نہیں جا سکتا۔ چنانچہ حضور ﷺ نے اجازت دی' اب حضرت عبداللہؓ نے اپنے باپ کو شہر میں داخل ہونے دیا۔ مسند حمیدی میں ہے کہ آپؐ نے اپنے والد سے کہا کہ جب تک تو اپنی زبان سے یہ نہ کہہ کہ رسول اللہ ﷺ عزت والے ہیں اور میں ذلیل' تو مدینہ میں نہیں جا سکتا اور اس سے پہلے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا تھا کہ یارسول اللہ ﷺ اپنے باپ کی ہیبت کی وجہ سے میں نے آج تک نگاہ اونچی کر کے ان کے چہرے کو بھی نہیں دیکھا' لیکن آپؐ ﷺ اگر اس پر ناراض ہیں تو مجھے حکم دیجئے ابھی اس کی گردن حاضر کرتا ہوں کسی اور کو اس کے قتل کا حکم نہ دیجئے ایسا نہ ہو کہ میں اپنے باپ کے قاتل کو اپنی آنکھوں سے چلتا پھرتا نہ دیکھ سکوں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝٩ وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝١٠ وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَاۗءَ اَجَلُهَا ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝١١

اے مسلمانو! تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہیں اللہ کے ذکر سے غافل نہ کر دے۔ جو ایسا کریں وہ بڑے ہی زیاں کار ہیں اور جو کچھ ہم نے تمہیں

دے رکھا ہے اس میں سے ہماری راہ میں اس سے پہلے خرچ کرو کہ تم میں سے کسی کو موت آ جائے تو کہنے لگے اے میرے پروردگار مجھے تو تھوڑی سے دیر کی مہلت کیوں نہیں دیتا؟ کہ میں صدقہ کروں اور نیک لوگوں میں سے ہو جاؤں۔ جب کسی کی مدت عمر پوری ہو جائے پھر اسے اللہ تعالیٰ ہرگز مہلت نہیں دیتا۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اس سے اللہ تعالیٰ بخوبی باخبر ہے۔

مال اور اولاد کی محبت اور اللہ کے ذکر سے غفلت: اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ بکثرت ذکر اللہ کیا کریں اور تنبیہ کرتا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ مال و اولاد کی محبت میں پھنس کر ذکر اللہ سے غافل ہو جاؤ۔ پھر فرماتا ہے کہ جو ذکر اللہ سے غافل ہو جائے اور دنیا کی زینت پر ریجھ جائے' اپنے رب کی اطاعت میں سست پڑ جائے وہ اپنا نقصان آپ کرنے والا ہے پھر اپنی اطاعت میں مال خرچ کرنے کا حکم دے رہا ہے کہ اپنی موت سے پہلے خرچ کر لو' موت کے وقت کی بے کسی دیکھ کر نادم ہونا اور امیدیں باندھنا کچھ نفع نہ دے گا' اس وقت چاہے گا کہ تھوڑی سی دیر کے لیے بھی اگر چھوڑ دیا جائے تو جو کچھ نیک عمل ہو سکے کر لے اور اپنا مال بھی دل کھول کر راہ اللہ دے لے' لیکن آہ اب وقت کہاں؟ آنے والی مصیبت آن پڑی اور نہ ٹلنے والی آفت سر پر کھڑی ہو گئی۔ اور جگہ فرمان ہے ﴿ وَاَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ ﴾ الخ یعنی لوگوں کو ہوشیار کر دے جس وقت ان کے پاس عذاب آ جائے گا تو یہ ظالم کہنے لگیں گے اے ہمارے رب ہمیں تھوڑی سی مہلت مل جائے تاکہ ہم تیری دعوت قبول کر لیں اور تیرے رسول کی اتباع کریں الخ۔ اس آیت میں تو کافروں کی مذمت کا ذکر ہے۔ دوسری آیت میں نیک عمل میں کمی کرنے والوں کے افسوس کا بیان اس طرح ہوا ہے ﴿ حَتّٰى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴾ یعنی ان میں سے کسی کو موت آنے لگتی ہے تو کہتا ہے میرے رب مجھے لوٹا دے تو میں نیک عمل کر لوں الخ۔ یہاں فرماتا ہے کہ موت کا وقت آگے پیچھے نہیں ہوتا' اللہ خبر رکھنے والا ہے کہ کون اپنے قول میں صادق ہے اور اپنے سوال میں حق بجانب ہے۔ یہ لوگ تو اگر لوٹائے جائیں تو پھر ان باتوں کو بھول جائیں گے اور وہی کرتوت کرنے لگ جائیں گے جو اس سے پہلے کرتے رہے۔

ترمذی میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ہر وہ شخص جو مالدار ہو اور اس نے حج نہ کیا ہو' یا زکوٰۃ نہ دی ہو وہ موت کے وقت دنیا میں واپس لوٹنے کی آرزو کرتا ہے۔ ایک شخص نے کہا حضرت اللہ کا خوف کیجئے واپسی کی آرزو تو کافر کرتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا جلدی کیوں کرتے ہو؟ سنو قرآن فرماتا ہے۔ پھر آپؐ نے یہ پورا رکوع تلاوت کر سنایا۔ اس سے پوچھا زکوٰۃ کتنے میں واجب ہے۔ فرمایا دو سو اور زیادہ میں۔ پوچھا حج کب فرض ہو جاتا ہے۔ فرمایا جب راہ خرچ اور سواری خرچ کی طاقت ہو۔ ایک مرفوع روایت میں بھی اسی طرح مروی ہے لیکن موقوف ہی زیادہ صحیح ہے۔

ضحاکؒ کی روایت ابن عباسؓ والی بھی منقطع ہے۔ دوسری سند میں ایک راوی ابو جناب کلبی ہے وہ بھی ضعیف ہے' واللہ اعلم۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ کے سامنے صحابہؓ نے زیادتی عمر کا ذکر کیا تو آپؐ نے فرمایا جب اجل آ جائے پھر مؤخر نہیں ہوتی' زیادتی عمر صرف اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو نیک صالح اولاد دے جو اس کے مرنے کے بعد اس کے لیے دعا کرتی رہے۔ اللہ کے فضل و کرم اور لطف و رحم سے سورہ منافقون کی تفسیر ختم ہوئی' ﴿ فَالْحَمْدُلِلّٰه ﴾ ۔

تفسیر سورۂ تغابن مدنیہ

ابن عساکر کی ایک بہت ہی غریب بلکہ منکر حدیث میں ہے کہ جو بچہ پیدا ہوتا ہے اس کے سر کے جوڑوں میں سورہ تغابن کی پانچ آیتیں لکھی ہوئی ہوتی ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الۡاَرۡضِ ۚ لَهُ الۡمُلۡكُ وَلَهُ الۡحَمۡدُ ۖ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿۱﴾ هُوَ الَّذِيۡ خَلَقَكُمۡ فَمِنۡكُمۡ كَافِرٌ وَّمِنۡكُمۡ مُّؤۡمِنٌ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡرٌ ﴿۲﴾ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ بِالۡحَقِّ وَصَوَّرَكُمۡ فَاَحۡسَنَ صُوَرَكُمۡ ۚ وَاِلَيۡهِ الۡمَصِيۡرُ ﴿۳﴾ يَعۡلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَيَعۡلَمُ مَا تُسِرُّوۡنَ وَمَا تُعۡلِنُوۡنَ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ﴿۴﴾

سچے معبود رحمٰن ورحیم کے نام سے شروع

آسمان وزمین کی ہر ہر چیز اللہ کی پاکی بیان کرتی ہے۔ اسی کی سلطنت ہے اور اسی کی تعریف ہے اور وہ ہر ہر چیز پر قادر ہے۔ اسی نے تمہیں پیدا کیا ہے سو تم میں بعضے تو کافر ہیں اور بعض ایماندار ہیں' جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ تعالیٰ خوب دیکھ رہا ہے' اسی نے آسمانوں کو اور زمین کو عدل وحکمت سے پیدا کیا اسی نے تمہاری صورتیں بنائیں اور بہت اچھی بنائیں' اور اسی کی طرف لوٹنا ہے۔ وہ آسمان وزمین کی ہر ہر چیز کا علم رکھتا ہے اور جو کچھ تم چھپاؤ اور جو ظاہر کرو وہ سب کو جانتا ہے۔ اللہ تو دلوں کی باتوں تک کو جاننے والا ہے۔

اللہ کی تسبیح: مسبحات کی سورتوں میں سب سے آخری سورت یہی ہے۔ مخلوقات کی تسبیح الٰہی کا بیان کئی دفعہ ہو چکا ہے۔ ملک و حمد والا اللہ ہی ہے۔ ہر چیز پر اس کی حکومت' ہر کام میں اور ہر چیز کا اندازہ مقرر کرنے میں وہ سزاوار تعریف' جس چیز کا ارادہ کرے اسے پورا کرنے کی قدرت' نہ کوئی اسکا مزاحم بن سکے نہ اسے کوئی روک سکے' وہ اگر نہ چاہے تو کچھ بھی نہ ہو' وہی تمام مخلوق کا خالق ہے' اس کے ارادے سے بعض انسان کافر ہوئے بعض مومن' وہ بخوبی جانتا ہے کہ مستحق ہدایت کون ہے؟ اور مستحق ضلالت کون؟ وہ اپنے بندوں کے اعمال پر شاہد ہے اور ہر ہر عمل کا پورا پورا بدلہ دے گا' اس نے عدل وحکمت کے ساتھ آسمان وزمین کی پیدائش کی ہے' اسی نے تمہیں پاکیزہ خوبصورت شکلیں دے رکھی ہیں۔ جیسے اور جگہ ارشاد ہے ﴿يٰۤاَيُّهَا الۡاِنۡسَانُ مَا غَرَّكَ﴾ الخ اے انسان تجھے تیرے رب کریم سے کس چیز نے غافل کر دیا' اسی نے تجھے پیدا کیا پھر درست کیا پھر ٹھیک ٹھاک کیا اور جس صورت میں چاہا تجھے ترکیب دی۔ اور جگہ ارشاد ہے ﴿اَللّٰهُ الَّذِيۡ جَعَلَ لَكُمُ الۡاَرۡضَ قَرَارًا﴾ الخ اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو قرار گاہ اور آسمان کو چھت بنایا اور تمہیں بہترین صورتیں دیں اور پاکیزہ چیزیں کھانے کو عنایت فرمائیں الخ۔ آخر سب کو اسی کی طرف لوٹنا ہے۔ آسمان وزمین' اور ہر ہر نفس کل کائنات کا علم اسے حاصل ہے یہاں تک کہ دل کے ارادوں اور پوشیدہ باتوں سے بھی واقف ہے۔

اَلَمۡ يَاۡتِكُمۡ نَبَؤُا الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡ قَبۡلُ ۫ فَذَاقُوۡا وَبَالَ اَمۡرِهِمۡ وَلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ﴿۵﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتۡ تَّاۡتِيۡهِمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ فَقَالُوۡۤا اَبَشَرٌ يَّهۡدُوۡنَنَا ۫ فَكَفَرُوۡا وَتَوَلَّوۡا وَّاسۡتَغۡنَى اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ غَنِىٌّ حَمِيۡدٌ ﴿۶﴾

کیا تمہارے پاس اس سے پہلے کے کافروں کی خبر نہیں پہنچی؟ جنہوں نے اپنے اعمال کا وبال چکھ لیا اور جن کے لیے دردناک عذاب ہے۔ اس لیے کہ ان کے پاس ان کے رسول معجزے لے کر آئے تو انہوں نے کہہ دیا کہ کیا انسان ہماری رہنمائی کرے گا؟ پس انکار کر دیا اور منہ پھیر لیا اللہ نے بھی بے نیازی کی' اور اللہ تو ہے ہی بہت بے پرواہ سب خوبیوں والا۔

کافروں کی سزا: یہاں اگلے کافروں کے کفر کا اور ان کی بری سزا اور بدترین بدلے کا ذکر ہو رہا ہے کہ کیا تمہیں تم سے پہلے منکروں کا حال معلوم نہیں؟ کہ رسولوں کی مخالفت اور حق کی تکذیب کیا رنگ لائی؟ دنیا اور آخرت میں برباد ہو گئے' یہاں بھی اپنے بدافعال کا خمیازہ بھگتا اور وہاں کا بھگتان ابھی باقی پڑا ہے جو نہایت الم انگیز ہے۔ اس کی وجہ بجز اس کے کچھ نہیں کہ دلائل و براہین اور روشن نشان کے ساتھ جو انبیاء اللہ ان کے پاس آئے' انہوں نے انہیں نہ مانا اور اپنے نزدیک اسے محال جانا کہ انسان پیغمبر ہو اور انہیں جیسے ایک آدم زاد کے ہاتھ پر انہیں ہدایت دی جائے۔ پس انکار کر بیٹھے اور عمل چھوڑ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے بھی ان سے بے پروائی برتی۔ وہ تو غنی ہے ہی اور ساتھ ہی سزاوار حمد و ثنا۔

زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ۭ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ۭ وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ⑦ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ⑧ يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ۭ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ⑨ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ⑩

ان کافروں کا خیال ہے کہ دوبارہ زندہ نہ کئے جائیں گے۔ تو کہہ دے کہ ہاں اللہ کی قسم تم ضرور دوبارہ زندہ کئے جاؤ گے پھر جو تم نے کیا ہے اس کی خبر دیئے جاؤ گے' اللہ پر یہ بالکل ہی آسان ہے۔ سو تم اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس نور پر جسے ہم نے نازل فرمایا ہے ایمان لاؤ۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے ہر عمل پر باخبر ہے۔ جس دن تم سب کو اس جمع ہونے کے دن جمع کرے گا وہی دن ہے ہار جیت کا' جو شخص اللہ پر ایمان لا کر نیک عمل کرے اللہ اس سے اس کی برائیاں دور کر دے گا اور اسے جنتوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔ اور جن لوگوں نے نہ مانا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہ سب جہنمی ہیں جو جہنم میں ہمیشہ رہیں گے' وہ بہت بری جگہ ہے پھر جانے کی۔

مشرکین منکرین قیامت ہیں: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کفار و مشرکین ملحدین کہتے ہیں کہ مرنے کے بعد اٹھیں گے نہیں۔ تم اے نبی ان سے کہہ دو کہ ہاں اٹھو گے' پھر تمہارے تمام چھوٹے بڑے کھلے چھپے اعمال کا اظہار تم پر کیا جائے گا۔ سنو تمہارا دوبارہ پیدا کرنا' تمہیں بدلے دینا وغیرہ تمام کام اللہ تعالیٰ پر بالکل آسان ہیں۔ یہ تیسری آیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو قسم کھا کر قیامت کی حقانیت کے بیان کرنے کو فرمایا ہے۔ پہلی آیت تو سورہ یونس میں ہے ﴿ وَيَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ۭ قُلْ اِيْ وَرَبِّيْٓ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ڼ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴾ یعنی یہ لوگ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا وہ حق ہے؟ تو کہہ میرے رب کی قسم وہ حق ہے اور تم اللہ کو ہرا نہیں سکتے۔ دوسری

آیت سورہ سبا میں ہے ﴿ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ قُلْ بَلٰى وَرَبِّىْ لَتَاْتِيَنَّكُمْ ﴾ کافر کہتے ہیں ہم پر قیامت نہ آئے گی تو کہہ دے کہ ہاں میرے رب کی قسم یقیناً اور بالضرور آئے گی۔ اور تیسری آیت یہی۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ پر رسول پر نور منزل یعنی قرآن کریم پر ایمان لاؤ تمہارا کوئی خفیہ عمل بھی اللہ تعالیٰ پر پوشیدہ نہیں قیامت والے دن اللہ تعالیٰ تم سب کو جمع کرے گا اور اسی لیے اس کا نام یوم الجمع ہے۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ لَّهُ النَّاسُ وَ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ﴾ یہ لوگوں کے جمع کیے جانے اور ان کے حاضر باش ہونے کا دن ہے۔ اور جگہ ہے ﴿ قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ لَمَجْمُوْعُوْنَ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴾ یعنی قیامت والے دن تمام اولین اور آخرین جمع کئے جائیں گے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں یوم التغابن قیامت کا ایک نام ہے اس نام کی وجہ یہ ہے کہ اہل جنت اہل دوزخ کو نقصان میں ڈالیں گے۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں اس سے زیادہ تغابن کیا ہوگا کہ ان کے سامنے انہیں جنت میں اور ان کے سامنے انہیں جہنم میں لے جائیں۔ گویا اس کی تفسیر اس بعد والی آیت میں ہے کہ ایماندار نیک اعمال والے کے گناہ معاف کردیے جائیں گے اور بہتی نہروں والی ہمیشگی کی جنت میں اسے داخل کیا جائے گا اور پوری کامیابی کو پہنچ جائے گا اور کفر و تکذیب کرنے والے جہنم کی آگ میں جائیں گے جہاں پڑے جلتے بھلتے رہیں گے بھلا اس سے برا ٹھکانا اور کیا ہو سکتا ہے؟

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿١١﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿١٢﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿١٣﴾

کوئی مصیبت بغیر اللہ کی اجازت کے نہیں پہنچ سکتی جو اللہ پر ایمان لائے اللہ اس کے دل کو ہدایت دیتا ہے۔ اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ لوگو! اللہ کا کہنا مانو اور رسول ﷺ کا کہنا مانو پس اگر اعراض کرو تو ہمارے رسول کے ذمہ صرف صاف صاف پہنچا دینا ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں مسلمانوں کو اللہ ہی پر توکل رکھنا چاہیے۔

مصیبت اللہ کی مشیت سے آتی ہے: سورہ حدید میں بھی یہ مضمون گزر چکا ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے وہ اللہ کی اجازت اور اس کے حکم سے ہوتا ہے اس کی قدر و مشیت بغیر کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ اب جس شخص کو کوئی تکلیف پہنچے وہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر سے مجھے یہ تکلیف پہنچی پھر صبر و سہار کرے اور اللہ کی مرضی پر ثابت قدم رہے اور ثواب کی اور بھلائی کی امید رکھے۔ رضا بہ قضا کے سوا لب نہ ہلائے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل کی رہبری کرتا ہے اور اسے بدلے کے طور پر ہدایت قلبی عطا فرماتا ہے۔ یقین صادق کی چمک وہ دل میں دیکھتا ہے اور بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس مصیبت کا بدلہ یا اس سے بھی بہتر دنیا میں ہی عطا فرما دیتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ اس کا ایمان مضبوط ہو جاتا ہے اسے مصائب ڈھیلا نہیں کر سکتے وہ جانتا ہے کہ جو پہنچا وہ خطا کرنے والا نہ تھا اور جو نہ پہنچا وہ ملنے والا ہی نہ تھا۔ حضرت علقمہؒ کے سامنے یہ آیت پڑھی جاتی ہے اور آپؒ سے اس کا مطلب دریافت کیا جاتا ہے تو فرماتے ہیں اس سے مراد وہ شخص ہے جو ہر مصیبت کے وقت اس بات کا عقیدہ رکھے کہ یہ منجانب اللہ ہے پھر راضی خوشی اسے برداشت کرے۔ یہ بھی مطلب ہے کہ وہ ﴿ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ﴾ پڑھ لے۔ متفق علیہ حدیث میں ہے کہ مومن پر تعجب ہے ہر ہر بات میں اس کی بہتری ہوتی ہے ضرر و نقصان پر صبر و سہار کر کے نفع اور بھلائی پر شکر و احسان مندی کر کے بہتری سمیٹ لیتا ہے۔ یہ دو طرفہ بھلائی مومن کے سوا کسی اور کے حصے میں نہیں۔

افضل عمل: مسند احمد میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ سب سے افضل عمل کون سا ہے؟ آپؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا اس کی تصدیق کرنی اس کی راہ میں جہاد کرنا۔ اس نے کہا حضرت میں کوئی آسان کام چاہتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا جو فیصلہ قسمت کا تجھ پر جاری ہو تو اس میں اللہ تعالیٰ کا گلہ شکوہ نہ کر اس کی رضا پر راضی رہ یہ اس سے ہلکا امر ہے۔ پھر اپنی اور اپنے رسول کی اطاعت کا حکم دیتا ہے کہ امور شرعی میں ان اطاعتوں سے سر مو تجاوز نہ کرو جس کا حکم ملے بجالاؤ جس سے روکا جائے رک جاؤ۔ اگر تم اس کے ماننے سے اعراض کرتے ہو تو ہمارے رسول ﷺ پر کوئی بوجھ نہیں ان کے ذمہ صرف تبلیغ تھی جو وہ کر چکے اب عمل نہ کرنے کی سزا تمہیں بھگتنی پڑے گی۔ پھر فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ واحد و صمد ہے اس کے سوا کسی کی ذات کسی طرح کی عبادت کے لائق نہیں۔ یہ خبر معنی میں طلب کے ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی توحید مانو اخلاص کے ساتھ صرف اسی کی عبادتیں کرو۔ پھر فرماتا ہے چونکہ توکل اور بھروسے کے لائق بھی وہی ہے تم اسی پر بھروسہ رکھو جیسے اور جگہ ارشاد ہے ﴿رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا﴾ مشرق اور مغرب کا رب وہی ہے معبود حقیقی بھی اس کے سوا کوئی نہیں تو اسی کو اپنا کارساز بنالے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٤﴾ اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۭ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿١٥﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ۭ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿١٦﴾ اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿١٧﴾ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿١٨﴾

ع ۱۶ /۱۸

اے ایمان والو! تمہاری بعض بیویاں اور بعض بچے تمہارے دشمن ہیں خبردار ان سے ہوشیار رہنا۔ اور اگر تم معاف کر دو اور درگزر کر جاؤ اور بخش دو تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ تمہارے مال اور اولاد تو سراسر تمہاری آزمائش ہی ہے۔ اور بہت بڑا اجر اللہ کے پاس ہے۔ پس جہاں تک تم سے ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو اور سنتے رہو اور مانتے چلے جاؤ اور اللہ کی راہ میں خیرات کرتے رہو جو تمہارے لیے بہتر ہے۔ اور جو شخص اپنے نفس کی حرص سے محفوظ رکھا جاتا ہے وہی کامیاب ہے اگر تم اللہ کو اچھا قرض دو گے یعنی اس کی راہ میں خرچ کرو گے تو وہ اسے تمہارے لیے بڑھاتا جائے گا اور تمہارے گناہ بھی معاف فرمادے گا۔ اللہ بڑا قدردان بڑا بردبار ہے۔ وہ پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا ہے زبردست حکمت والا ہے۔

عورتوں اور بچوں کی تربیت: ارشاد ہوتا ہے کہ بعض عورتیں اپنے مردوں کو اور بعض اولادیں اپنے ماں باپ کو یاد الٰہی اور نیک عمل سے روکتی ہیں جو درحقیقت دشمنی ہے جس سے پہلے تنبیہ ہو چکی ہے کہ ایسا نہ ہو تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہیں یاد الٰہی سے غافل کر دے اگر ایسا ہو گیا تو تمہیں بڑا گھاٹا رہے گا۔ یہاں بھی فرماتا ہے کہ ان سے ہوشیار رہو اپنے دین کی نگہبانی ان کی ضروریات اور فرمائشات کے پورا کرنے پر مقدم رکھو۔ بیوی بچوں اور مال کی خاطر انسان قطع رحمی کر گزرتا ہے اللہ کی نافرمانی پر تل جاتا ہے ان کی محبت میں پھنس کر احکام الٰہی کو پس پشت ڈال دیتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں بعض اہل مکہ اسلام قبول کر چکے تھے مگر زن و فرزند کی محبت نے انہیں ہجرت سے روک دیا۔ پھر جب اسلام کا خوب افشا ہو گیا تب یہ لوگ حاضر حضور ﷺ ہوئے دیکھا کہ ان سے پہلے

کے مہاجرین نے بہت کچھ علم دین حاصل کرلیا ہے' اب جی میں آیا کہ اپنے بال بچوں کو سزا دیں جس پر یہ فرمان ہوا کہ ﴿ اِنْ تَعْفُوْا ﴾ الخ یعنی اب درگزر کرو' آئندہ کے لیے ہوشیار رہو' اللہ تعالیٰ مال و اولاد دے کر انسان کو پرکھ لیتا ہے کہ معصیت میں مبتلا ہونے والے کون ہیں؟ اور اطاعت گزار کون ہیں؟ اللہ کے پاس جو اجر عظیم ہے تمہیں چاہیے اس پر نگاہیں رکھو۔ جیسے اور جگہ فرمان ہے ﴿ زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ ﴾ الخ یعنی بطور آزمائش کے لوگوں کے لیے دنیوی خواہشات یعنی بیبیوں اور اولاد اور سونے چاندی کے بڑے بڑے لگے ہوئے ڈھیر اور شائستہ گھوڑوں اور مویشی اور کھیتی کی محبت کو زینت دی گئی ہے مگر یہ سب دنیا کی چندروزہ زندگی کا سامان ہے اور ہمیشگی والا اچھا ٹھکانا تو اللہ ہی کے پاس ہے۔

مسند احمد میں ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ خطبہ فرما رہے تھے کہ حضرت حسن ؓ اور حضرت حسین ؓ لمبے لمبے کرتے پہنے آگئے دونوں بچے کرتوں سے الجھ الجھ کر گرتے پڑتے آرہے تھے یہ کرتے سرخ رنگ کے تھے۔ حضور ﷺ کی نظریں جب ان پر پڑیں تو منبر سے اتر کر انہیں اٹھا کر لائے اور اپنے سامنے بٹھالیا' پھر فرمانے لگے اللہ تعالیٰ سچا ہے اور اس کے رسول نے سچ فرمایا ہے کہ تمہارے مال و اولاد فتنہ ہیں' ان دونوں کو گرتے پڑتے آتے دیکھ کر صبر نہ آسکا' آخر خطبہ چھوڑ کر انہیں اٹھانا پڑا۔ مسند میں ہے حضرت اشعث بن قیس ؓ فرماتے ہیں کندہ قبیلے کے وفد میں میں بھی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے مجھ سے پوچھا تمہاری کچھ اولاد بھی ہے۔ میں نے کہا ہاں اب آتے ہوئے ایک لڑکا ہوا ہے کاش کہ اس کے بجائے کوئی درندہ ہوتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا خبردار ایسا نہ کہو ان میں آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اور اگر انتقال کر جائیں تو اجر ہے۔ پھر فرمایا ہاں یہی بزدلی اور غم کا سبب بھی بن جاتے ہیں' یہ بزدلی اور غم و رنج بھی ہیں۔ بزار میں ہے اولاد دل کا پھل ہے اور یہ بخل و نامردی اور غمگینی کا باعث بھی ہے۔

طبرانی میں ہے تیرا دشمن صرف وہی نہیں جو تیرے مقابلے میں کفر پر جم کر لڑائی کے لیے آیا کیونکہ اگر تو نے اسے قتل کر دیا تو تیرے لیے باعث نور ہے اور اگر اس نے تجھے قتل کیا تو تو قطعاً جنتی ہو گیا۔ پھر فرمایا شاید تیرا پورا دشمن تیرا بچہ ہے جو تیری پیٹھ سے نکلا پھر تجھ سے دشمنی کرنے لگا۔ پھر فرماتا ہے اپنے مقدور بھر اللہ کا خوف رکھو' اس کے عذابوں سے بچاؤ مہیا کرو۔ بخاری و مسلم میں ہے جو حکم میں کروں اسے اپنا مقدور بھر بجا لاؤ جس سے میں روک دوں رک جاؤ۔ بعض مفسرین کا فرمان ہے کہ سورہ آل عمران کی آیت ﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ ﴾ کی ناسخ یہ آیت ہے' یعنی پہلے فرمایا تھا اللہ تعالیٰ سے اس قدر ڈرو جتنا کہ اس سے ڈرنا چاہیے' لیکن اب فرمادیا کہ اپنی طاقت کے مطابق۔ چنانچہ حضرت سعید بن جبیر ؒ فرماتے ہیں پہلی آیت لوگوں پر بڑی بھاری پڑی تھی' اس قدر لمبے قیام کرتے تھے کہ پیروں پر ورم آجاتا تھا اور اتنے لمبے سجدے کرتے تھے کہ پیشانیاں زخمی ہو جاتی تھیں پس اللہ تعالیٰ نے یہ دوسری آیت اتار کر تخفیف کر دی۔ اور بھی بعض مفسرین نے یہی فرمایا ہے اور پہلی آیت کو منسوخ اور اس دوسری آیت کو ناسخ بتلایا ہے۔ پھر فرماتا ہے اللہ اور اس کے رسول کے فرمانبردار بن جاؤ ان کے فرمان سے ایک انچ ادھر ادھر نہ ہٹو نہ آگے بڑھو نہ پیچھے سرکو نہ امر کو چھوڑو نہ نہی کا خلاف کرو' جو اللہ نے تمہیں دے رکھا ہے اس میں سے رشتہ داروں کو فقیروں مسکینوں کو اور حاجت مندوں کو دیتے رہو۔ اللہ نے تم پر احسان کیا تم دوسری مخلوق پر احسان کرو تاکہ اس جہان میں بھی اللہ کے احسان کے مستحق بن جاؤ اور اگر یہ نہ کیا تو دونوں جہان کی بربادی اپنے ہاتھوں آپ مول لوگے۔ آیت ﴿ وَمَنْ يُّوْقَ ﴾ کی تفسیر سورہ حشر کی اس آیت میں گزر چکی ہے۔

جب تم کوئی چیز راہ للہ دو گے اللہ تعالیٰ اس کا بدلہ دے گا ہر صدقے کی جزا عطا فرمائے گا' تمہارا مسکینوں کے ساتھ سلوک کرنا گویا اللہ کو قرض دینا ہے۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کون ہے؟ جو ایسے کو قرض دے جو نہ ظالم ہے نہ مفلس نہ نادہندہ' پس فرماتا ہے وہ تمہیں بہت کچھ بڑھا چڑھا کر پھیر دے گا۔ جیسے سورہ بقرہ میں بھی فرمایا ہے کہ کئی کئی گنا بڑھا کر دے گا' ساتھ ہی خیرات سے تمہارے گناہ معاف کر دے گا' اللہ بڑا قدردان ہے' تھوڑی سی نیکی کا بہت بڑا اجر دیتا ہے' وہ بردبار ہے درگزر کرتا ہے' بخش دیتا

ہے' گناہوں سے اور لغزشوں سے چشم پوشی کر لیتا ہے' خطاؤں اور برائیوں کو معاف فرما دیتا ہے وہ چھپے کھلے کا عالم ہے وہ غالب اور باحکمت ہے۔ ان اسماء حسنیٰ کی تفسیر کئی کئی مرتبہ اس سے پہلے گزر چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور لطف و رحم سے سورہ تغابن کی تفسیر ختم ہوئی' ﴿ فالحمد لله ﴾ ۔

اس کے ساتھ ہی تفسیر ابن کثیر عربی کا نواں جز پورا ہوا۔ اب دسویں جز کی تفسیر کا ترجمہ سورہ طلاق سے شروع ہوگا۔ اللہ تعالیٰ خیر و برکت کے ساتھ اسے بھی پورا کرائے' آمین۔

﴿ تفسیر ابن کثیر عربی کا دسویں جز کا ترجمہ یہاں سے شروع ہوتا ہے ﴾

تفسیر سورۂ طلاق مدنیہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۭ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ۭ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ①

شروع اللہ تعالیٰ مہربانی اور رحم کرنے والے کے نام سے۔

اے نبی (اپنی امت سے کہو کہ) جب تم اپنی بیویوں کو طلاق دینا چاہو تو ان کی عدت میں انہیں طلاق دو اور عدت کا حساب رکھو۔ اور اللہ سے جو تمہارا پروردگار ہے ڈرتے رہو نہ تم انہیں ان کے گھروں سے نکالو اور نہ وہ خود نکلیں ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ کھلی برائی کر بیٹھیں۔ یہ ہیں اللہ کی مقرر کردہ حدیں' جو شخص اللہ کی حدوں سے آگے بڑھ جائے اس نے یقیناً اپنا ہی برا کیا' کوئی نہیں جانتا شاید اس کے بعد اللہ تعالیٰ کوئی نئی بات پیدا کر دے۔

طلاق کی عدت اور مسائل: اولاً تو نبی ﷺ سے شرافت و کرامت کے طور پر خطاب کیا گیا پھر تبعاً آپ کی امت سے خطاب کیا گیا اور طلاق کے مسئلے کو سمجھایا گیا۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حفصہ ؓ کو طلاق دی وہ اپنے میکے آ گئیں اس پر یہ آیت اتری اور آپ سے فرمایا گیا کہ ان سے رجوع کر لو وہ بہت زیادہ روزہ رکھنے والی اور بہت زیادہ نماز پڑھنے والی ہیں اور وہ یہاں بھی آپ کی بیوی ہیں اور جنت میں بھی آپ کی ازواج میں داخل ہیں۔ یہی روایت مرسلاً ابن جریر میں مروی ہے۔ اور سندوں سے بھی آئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو طلاق دی پھر رجوع کر لیا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنی بیوی صاحبہ کو حیض کی حالت میں طلاق دے دی' حضرت عمرؓ نے یہ واقعہ آنحضور ﷺ سے بیان کیا' آپ ﷺ ناراض ہوئے اور فرمایا اسے چاہیئے کہ رجوع کر لے پھر حیض سے پاک ہونے تک روکے رکھے پھر دوسرا حیض آئے اور اس سے نہا لیں پھر اگر جی چاہے طلاق دیں یعنی اسی پاکیزگی کی حالت میں بات چیت کرنے سے پہلے۔ یہی وہ عدت ہے جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے یہ حدیث اور بھی بہت سی کتابوں میں بہت سی سندوں کے ساتھ مذکور ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ایمنؓ نے جو عزہ

کے مولی ہیں حضرت ابوالزبیرؒ کے سنتے ہوئے حضرت ابن عمرؓ سے سوال کیا کہ اس شخص کے بارے میں آپؓ کیا فرماتے ہیں جس نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دی' تو آپؓ نے فرمایا سنو ابن عمر نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں طلاق دی تو حضور ﷺ نے حکم دیا کہ اسے لوٹا لے چنانچہ ابن عمر نے رجوع کر لیا اور یہ بھی حضور ﷺ نے فرمایا تھا اس کے پاک ہو جانے کے بعد اسے اختیار ہے خواہ طلاق دے خواہ بسالے' اور آنحضرت ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی ﴿ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ فِیْ قُبُلِ عِدَّتِهِنَّ ﴾ (مسلم)۔

دوسری روایت میں ﴿ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ ﴾ یعنی طہر کی حالت میں جماع سے پہلے۔ بہت سے بزرگوں نے یہی فرمایا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں یعنی حالت حیض میں طلاق نہ دو نہ اس طہر میں طلاق دو جس میں جماع ہو چکا ہو بلکہ اس وقت تک چھوڑ دو جب حیض آ جائے پھر اس سے نہالے تب ایک طلاق دے۔ حضرت عکرمہؓ فرماتے ہیں عدت سے مراد طہر ہے۔ قوء سے مراد حیض ہے یا حمل کی حالت میں جب حمل ظاہر ہو۔ جس طہر میں مجامعت کر چکا ہے اس میں طلاق نہ دے نہ معلوم حاملہ ہے یا نہیں۔ یہیں سے باسمجھ علماء نے احکام طلاق لیے ہیں اور طلاق کی دو قسمیں کی ہیں طلاق سنت اور طلاق بدعت۔ طلاق سنت تو یہ ہے کہ طہر کی یعنی پاکیزگی کی حالت میں جماع کرنے سے پہلے طلاق دے دے یا حالت حمل میں طلاق دے' اور بدعی طلاق یہ ہے کہ حالت حیض میں طلاق دے یا طہر میں دے' لیکن مجامعت کر چکا ہے اور معلوم نہ ہو کہ حمل ہے یا نہیں؟ طلاق کی تیسری قسم بھی ہے جو نہ طلاق سنت ہے نہ طلاق بدعت اور وہ نابالغہ کی طلاق ہے اور اس عورت کی جسے حیض کے آنے سے ناامیدی ہو چکی ہو اور اس عورت کی جس سے دخول نہ ہوا ہو' ان سب کے احکام اور تفصیلی بحث کی جگہ کتب فروع ہیں نہ کہ تفسیر' واللہ سبحانہ وتعالے اعلم۔

عدت کی حفاظت: پھر فرمان ہے کہ عدت کی حفاظت کر واس کی ابتدا اور انتہا کی دیکھ بھال رکھو ایسا نہ ہو کہ عدت کی لمبائی عورت کو دوسرا خاوند کرنے سے روک دے اور اس بارے میں اپنے معبود حقیقی پروردگار عالم سے ڈرتے رہو۔ عدت کے زمانے میں مطلقہ عورت کی رہائش کا مکان خاوند کے ذمہ ہے وہ اسے نکال نہ دے اور نہ خود اسے نکلنا جائز ہے کیوں کہ وہ اپنے خاوند کے حق میں رکی ہوئی ہے۔ ﴿ فَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ ﴾ زنا کو بھی شامل ہے اور اسے بھی کہ عورت اپنے خاوند کو تنگ کرے اس کا خلاف کرے اور ایذا پہنچائے یا بدزبانی و کج خلقی شروع کر دے اور اپنے کاموں سے اور اپنی زبان سے سسرال والوں کو تکلیف پہنچائے تو ان صورتوں میں بے شک خاوند کو جائز ہے کہ اسے اپنے گھر سے نکال باہر کرے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدیں ہیں' اس کی شریعت اور اس کے بتلائے ہوئے احکام ہیں' جو شخص ان پر عمل نہ کرے انہیں بے حرمتی کے ساتھ توڑ دے ان سے آگے بڑھ جائے وہ اپنا ہی برا کرنے والا اور اپنی ہی جان پر ظلم ڈھانے والا ہے۔ شاید کہ اللہ کوئی نئی بات پیدا کر دے۔ اللہ کے ارادوں کو اور ہونے والی باتوں کو کوئی نہیں جان سکتا۔ عدت کا زمانہ مطلقہ عورت کو خاوند کے گھر گزارنے کا حکم دینا اس مصلحت سے ہے کہ ممکن ہے اس عدت میں اس کے خاوند کے خیالات بدل جائیں' طلاق دینے پر نادم ہو اور دل میں لوٹا لینے کا خیال پیدا ہو جائے اور پھر رجوع کر کے دونوں میاں بیوی امن وامان سے گزارا کرنے لگیں۔ نیا کام پیدا کرنے سے مراد بھی رجعت ہے۔ اسی بنا پر بعض سلف اور ان کے تابعین مثلاً حضرت امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ کا مذہب ہے کہ مبتوتہ یعنی وہ عورت جس کی طلاق کے بعد خاوند کو رجعت کا حق باقی نہ رہا ہو اس کے لیے عدت گزارنے کے زمانے تک مکان کا دینا خاوند کے ذمہ نہیں۔ اسی طرح جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے اسے بھی رہائشی مکان عدت تک کے لیے دینا اس کے وارثوں پر نہیں۔ ان کی اعتمادی دلیل حضرت فاطمہ بنت قیس فہریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا والی حدیث ہے کہ جب ان کے خاوند حضرت ابو عمر بن حفصؓ نے ان کو تیسری آخری طلاق دیدی اور وہ اس وقت یہاں موجود نہ تھے بلکہ یمن میں تھے اور وہیں سے طلاق دی تھی تو ان کے وکیل نے ان کے پاس تھوڑے سے جو بھیج دیئے تھے کہ یہ تمہاری خوراک ہے۔ یہ بہت ناراض ہوئیں اس نے کہا بگڑتی کیوں ہو؟ تمہارا نفقہ کھانا پینا ہمارے

ذمہ نہیں۔ یہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں آپؐ نے فرمایا ٹھیک ہے تیرا نفقہ اس پر نہیں۔

عدت نفقہ اور رہائش: مسلم میں ہے نہ تیرے رہنے سہنے کا گھر۔ اور ان سے فرمایا کہ تم ام شریک کے گھر اپنی عدت گزارو۔ پھر فرمایا وہاں تو میرے اکثر صحابہ جایا آیا کرتے ہیں تم عبداللہ بن ام مکتوم کے ہاں اپنی عدت کا زمانہ گزارو وہ ایک نابینا آدمی ہیں تم وہاں آرام سے اپنے کپڑے بھی رکھ سکتی ہو الخ۔ مسند احمد میں ہے کہ ان کے خاوند کو حضور ﷺ نے کسی جہاد پر بھیجا تھا' انہوں نے وہیں سے انہیں طلاق بھیج دی۔ ان کے بھائی نے ان سے کہا کہ ہمارے گھر سے چلی جاؤ۔ انہوں نے کہا نہیں جب تک عدت ختم نہ ہو جائے میرا رہنا سہنا اور کھانا پینا میرے خاوند کے ذمہ ہے۔ اس نے انکار کیا۔ آخر حضور ﷺ کے پاس یہ معاملہ پہنچا۔ جب آپؐ کو یہ معلوم ہوا کہ یہ آخری تیسری طلاق ہے' تب آپؐ نے حضرت فاطمہؓ سے فرمایا نان نفقہ گھر بار خاوند کے ذمہ اس صورت میں ہے کہ اسے حق رجعت حاصل ہو' جب یہ نہیں تو وہ بھی نہیں تم یہاں سے چلی جاؤ اور فلاں عورت کے گھر اپنی عدت گزارو۔ پھر فرمایا وہاں تو صحابہ کی آمد و رفت ہے تم ابن ام مکتوم کے گھر عدت کا زمانہ گزارو وہ نابینا ہیں تمہیں دیکھ نہیں سکتے الخ۔ طبرانی میں ہے یہ حضرت فاطمہ بنت قیسؓ ضحاک بن قیس قرشیؓ کی بہن تھیں ان کے خاوند مخزومی قبیلے کے تھے۔ طلاق کی خبر کے بعد ان کے نفقہ طلب کرنے پر ان کے خاوند کے اولیاء نے کہا تھا نہ تو تمہارے میاں نے کچھ بھیجا ہے نہ ہمیں دینے کو کہا ہے۔ اور حضور ﷺ کے فرمان میں یہ بھی مروی ہے کہ جب عورت کو وہ طلاق مل جائے جس کے بعد وہ اپنے اگلے خاوند پر حرام ہو جاتی ہے جب تک دوسرے سے نکاح اور پھر چھوٹ چھٹاؤ نہ ہو جائے تو اس صورت میں عدت کا نان نفقہ اور رہنے کا مکان اسکے خاوند کے ذمہ نہیں۔

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّاَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ۭ ذٰلِكُمْ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ڛ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ﴿۲﴾ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۭ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ۭ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ﴿۳﴾

پس جب یہ عورتیں اپنی عدت پوری کرنے کے قریب پہنچ جائیں تو انہیں یا تو قاعدہ کے مطابق اپنے نکاح میں رہنے دو یا دستور کے مطابق انہیں الگ کر دو اور آپس میں سے دو عادل شخصوں کو گواہ کر لو اور اللہ کی رضامندی کے لیے ٹھیک ٹھیک گواہی دو۔ یہی ہے وہ جس کی نصیحت اسے کی جاتی ہے جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو' اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے چھٹکارے کی شکل نکال دیتا ہے۔ اور اسے ایسی جگہ سے روزی دیتا ہے جس کا اسے گمان بھی نہ ہو' اور جو شخص اللہ پر توکل کرے گا اللہ اسے کافی ہو گا' اللہ تعالیٰ اپنا کام پورا کر کے ہی رہے گا' اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا ایک انداز مقرر کر رکھا ہے۔

عدت کی مسائل: ارشاد ہوتا ہے کہ عدت والی عورتوں کی عدت جب پوری ہونے کے قریب پہنچ جائے تو ان کے خاوندوں کو چاہیے کہ دو باتوں میں سے ایک کر لیں یا تو انہیں بھلائی اور سلوک کے ساتھ اپنے ہی نکاح میں روک رکھیں یعنی طلاق جو دی تھی اس سے رجوع کر کے باقاعدہ اس کے ساتھ بود و باش رکھیں یا انہیں اور طلاق دیدیں لیکن برا کہے بغیر گالی گلوچ دیئے بغیر سرزنش اور ڈانٹ ڈپٹ

بغیر بھلائی' اچھائی اور خوبصورتی کے ساتھ (یہ یاد رہے کہ رجعت کا اختیار اس وقت ہے جب ایک طلاق ہوئی ہو یا دو ہوئی ہوں)۔ پھر فرماتا ہے اگر رجعت کا ارادہ ہو اور رجعت کر و یعنی لوٹا لو تو اس پر دو عادل مسلمان گواہ رکھ لو۔ ابوداؤد اور ابن ماجہ میں ہے کہ حضرت عمران بن حصین ؓ سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے پھر اس سے جماع کرتا ہے نہ طلاق پر گواہ رکھتا ہے نہ رجعت پر' تو آپؓ نے فرمایا اس نے خلاف سنت طلاق دی اور خلاف سنت رجوع کیا' طلاق پر بھی گواہ رکھنا چاہئے اور رجعت پر بھی' اب دوبارہ ایسا نہ کرنا۔ حضرت عطاءؒ فرماتے ہیں نکاح' طلاق' رجعت بغیر دو عادل گواہوں کے جائز نہیں' جیسے فرمان الٰہی ہے' ہاں مجبوری ہو تو اور بات ہے۔ پھر فرماتا ہے گواہ مقرر کرنے کا اور سچی شہادت دینے کا حکم انہیں ہو رہا ہے جو اللہ پر اور پچھلے دن پر ایمان رکھتے ہوں' اللہ کی شریعت کے پابند اور عذاب آخرت سے ڈرنے والے ہوں۔ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں رجعت پر گواہ رکھنا واجب ہے۔ جس طرح ان کے نزدیک ابتدائے نکاح پر گواہ رکھنا واجب ہے۔ گو آپؒ سے ایک دوسرا قول بھی مروی ہے ایک اور جماعت کا بھی یہی قول ہے۔ اس مسئلہ کو ماننے والی علماء کرام کی جماعت یہ بھی کہتی ہے کہ رجعت بغیر زبانی کہے ثابت نہیں ہوتی کیوں کہ گواہ رکھنا ضروری ہے اور جب تک زبان سے نہ کہے گواہ کیسے مقرر کئے جائیں گے۔ پھر فرماتا ہے کہ جو شخص احکام الٰہی بجالائے اس کی حرام کردہ چیزوں سے پرہیز کرے اللہ تعالیٰ اس کے لیے مخلصی پیدا کرتا ہے اور ایسی جگہ سے اس طرح رزق پہنچاتا ہے کہ اس کے خواب و خیال میں بھی نہ ہو۔

مسند احمد میں ہے حضرت ابوذر ؓ فرماتے ہیں ایک مرتبہ میرے سامنے رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی پھر فرمایا اے ابوذر! اگر تمام لوگ صرف اسے ہی لے لیں تو کافی ہے۔ پھر آپؐ نے بار بار اس کی تلاوت شروع کی یہاں تک کہ مجھے اونگھ آنے لگی۔ پھر آپؐ نے فرمایا ابوذر! تم کیا کرو گے جب تمہیں مدینہ سے نکال دیا جائے گا؟ جواب دیا کہ میں اور کشادگی اور رحمت کی طرف چلا جاؤں گا یعنی مکہ کو' وہیں کا کبوتر بن کر رہ جاؤں گا۔ آپؐ نے فرمایا پھر کیا کرو گے اگر تمہیں وہاں سے بھی نکالا جائے؟ میں نے کہا شام کی پاک زمین میں چلا جاؤں گا۔ فرمایا جب شام سے نکالا جائے گا تو کیا کرے گا؟ میں نے کہا حضور اللہ کی قسم جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ پیغمبر بنا کر بھیجا ہے پھر تو اپنی تلوار کندھے پر رکھ کر مقابلہ پر اتر آؤں گا۔ آپؐ نے فرمایا کیا میں تجھے اس سے بہتر ترکیب بتلاؤں؟ میں نے کہا ہاں حضور ضرور ارشاد ہو۔ فرمایا سنتا رہ اور مانتا رہ اگرچہ حبشی غلام ہو۔ ابن ابی حاتم میں ہے حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ فرماتے ہیں کہ قرآن میں بہت ہی جامع آیت ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ﴾ ہے اور سب سے زیادہ کشادگی کا وعدہ اس آیت ﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ﴾ الخ میں ہے۔ مسند میں فرمان رسول ﷺ ہے کہ جو شخص بکثرت استغفار کرتا رہے اللہ تعالیٰ اسے ہر غم سے نجات اور ہر تنگی سے فراخی دے گا اور ایسی جگہ سے رزق پہنچائے گا جہاں کا اسے خیال و گمان تک نہ ہو۔

حضرت ابن عباس ؓ فرماتے ہیں' اسے اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت کی کرب و بے چینی سے نجات دے گا۔ ربیعؒ فرماتے ہیں لوگوں پر جو کام بھاری ہو اس پر آسان ہو جائے گا۔ حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ جو شخص اپنی بیوی کو اللہ کے حکم کے مطابق طلاق دے گا اللہ اسے نکاسی اور نجات دے گا۔ ابن مسعود ؓ وغیرہ سے مروی ہے کہ وہ جانتا ہے کہ اللہ اگر چاہے دے' اگر نہ چاہے نہ دے۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں تمام امور کے شبہ سے اور موت کی تکلیف سے بچالے گا اور روزی ایسی جگہ سے دے گا جہاں کا گمان بھی نہ ہو۔ حضرت سدیؒ فرماتے ہیں یہاں اللہ سے ڈرنے کے یہ معنی ہیں کہ سنت کے مطابق طلاق دے اور سنت کے مطابق رجوع کرے۔ آپؒ فرماتے ہیں حضرت عوف بن مالک اشجعی ؓ کے صاحبزادے کو کفار گرفتار کر کے لے گئے اور انہیں جیل خانے میں ڈال دیا ان کے والد حضور ﷺ کے پاس آتے اور اپنے بیٹے کی حالت اور حاجت مصیبت اور تکلیف بیان کرتے رہتے آپؐ انہیں صبر کی تلقین کرتے اور فرماتے عنقریب اللہ تعالیٰ ان کے لیے چھٹکارے کی سبیل بنادے گا۔ تھوڑے دن گزرے ہوں گے جو ان کے بیٹے دشمنوں میں سے نکل بھاگے راستے میں دشمنوں کی بکریوں کا ریوڑ مل گیا جسے اپنے ساتھ ہنکالائے اور بکریاں لیے ہوئے' اپنے والد کی خدمت میں جا پہنچے پس یہ

آیت اتری کہ متقی بندوں کو اللہ تعالیٰ نجات دے دیتا ہے اور اس کا گمان بھی نہ ہو وہاں سے اسے روزی پہنچاتا ہے۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ گناہ کی وجہ سے انسان اپنی روزی سے محروم ہو جاتا ہے۔ تقدیر کو لوٹانے والی چیز صرف دعا ہے' عمر میں زیادتی کرنے والی چیز صرف نیکی اور خوش سلوکی ہے۔

سیرت ابن اسحاق میں ہے کہ حضرت عوف اشجعیؓ کے لڑکے حضرت سالمؓ جب کافروں کی قید میں تھے تو حضور ﷺ نے فرمایا ان سے کہلوا دو کہ بکثرت ﴿ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ﴾ پڑھتا رہے۔ ایک دن اچانک بیٹھے بیٹھے ان کی قید کھل گئی اور یہ وہاں سے نکل بھاگے ان لوگوں کی ایک اونٹنی ہاتھ لگ گئی جس پر سوار ہو لیے راستے میں ان کے اونٹوں کے ریوڑ ملے انہیں اپنے ساتھ ہنکا لائے وہ لوگ پیچھے دوڑے لیکن یہ کسی کے ہاتھ نہ لگے سیدھے اپنے گھر آئے اور دروازے پر کھڑے ہو کر آواز دی۔ باپ نے آواز سن کر فرمایا اللہ کی قسم یہ تو سالم ہے۔ ماں نے کہا ہائے وہ کہاں وہ تو قید و بند کی مصیبتیں جھیل رہا ہوگا۔ اب دونوں ماں باپ اور خادم دروازے کی طرف دوڑے کھولا دیکھا تو ان کے لڑکے حضرت سالمؓ ہیں اور تمام انگنائی اونٹوں سے بھری پڑی ہے۔ پوچھا کہ یہ اونٹ کیسے ہیں؟ انہوں نے واقعہ بیان کیا تو فرمایا اچھا ٹھہرو میں حضور ﷺ سے ان کی بابت مسئلہ دریافت کر آؤں۔ حضرت ﷺ نے فرمایا وہ سب تمہارا مال ہے جو چاہو کرو' اور یہ آیت اتری کہ اللہ سے ڈرنے والوں کی مشکل اللہ آسان کرتا ہے اور بے گمان روزی پہنچاتا ہے۔ ابن ابی حاتم کی حدیث میں ہے جو شخص ہر طرف سے کھینچ کر اللہ کا ہو جائے اللہ اس کی ہر مشکل مین اسے کفالت کرتا ہے اور بے گمان روزیاں دیتا ہے اور جو اللہ سے ہٹ کر دنیا ہی کا ہو جائے اللہ بھی اسے اسی کی طرف سونپ دیتا ہے۔

مسند احمد میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابن عباسؓ حضور ﷺ کے ساتھ آپؐ کی سواری پر آپؐ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے جو آپؐ نے فرمایا بچے میں تمہیں چند باتیں سکھاتا ہوں سنو تم اللہ کی یاد رکھو وہ تمہیں یاد رکھے گا' اللہ کے حکم کی حفاظت کرو تو اللہ کو اپنے پاس بلکہ اپنے سامنے پاؤ گے' جب کچھ مانگنا ہو اللہ ہی سے مانگو' جب مدد طلب کرنی ہو اسی سے مدد چاہو کہ تمام امت مل کر تمہیں نفع پہنچانا چاہے اور اللہ کو منظور نہ ہو تو ذرا سا بھی نفع نہیں پہنچا سکتی اور اسی طرح سارے کے سارے جمع ہو کر تجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہیں تو بھی نہیں پہنچا سکتے' اگر تقدیر میں نہ لکھا ہو' قلمیں اٹھ چکیں اور صحیفے خشک ہو گئے۔ ترمذی میں بھی یہ حدیث ہے' امام ترمذیؒ اسے حسن صحیح کہتے ہیں۔ مسند احمد کی اور حدیث میں ہے جسے کوئی حاجت ہو اور وہ لوگوں کی طرف لے جائے تو بہت ممکن ہے کہ وہ سختی میں پڑ جائے اور کام مشکل ہو جائے اور جو اپنی حاجت اللہ کی طرف لے جائے اللہ تعالیٰ ضرور اس کی مراد پوری کرتا ہے یا تو جلدی اسی دنیا میں ہی یا دیر کے بعد کی موت کے بعد۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے قضا اور احکام کو جس طرح اور جیسے چاہے اپنی مخلوق میں پورا کرنے والا اور اچھی طرح جاری کرنے والا ہے ہر چیز کا اس نے اندازہ مقرر کیا ہوا ہے۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿وَ كُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ﴾ ہر چیز اس کے پاس ایک اندازے سے ہے۔

وَالّٰٓئِیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ وَّالّٰٓئِیْ لَمْ یَحِضْنَ ؕ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ؕ وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ یُسْرًا ﴿٤﴾ ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ اَنْزَلَهٗۤ اِلَیْكُمْ ؕ وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یُكَفِّرْ عَنْهُ سَیِّاٰتِهٖ وَیُعْظِمْ لَهٗۤ اَجْرًا ﴿۵﴾

تمہاری عورتوں میں سے جو عورتیں حیض سے ناامید ہو گئی ہوں اگر تمہیں شبہ ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہے اور انکی بھی جنہیں ابھی حیض آنا شروع ہی نہ ہوا ہو' اور حاملہ عورتوں کی عدت ان کے بچے کا پیدا ہو جانا ہے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرے گا اللہ اس کے ہر کام میں آسانی کر دے گا۔ یہ اللہ کا حکم ہے جو اس نے تمہارے پاس بھیجا ہے۔ اور جو شخص اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے گناہ دور کر دے گا اور اسے بڑا بھاری اجر دے گا۔

حاملہ اور ناامید عورت کی عدت: جن بڑھیا عورتوں کے بوجہ اپنی بڑی عمر کے ایام بند ہو گئے ہوں ان کی عدت یہاں بتلائی جاتی ہے کہ تین مہینے کی عدت گزاریں جیسے کہ ایام والی عورتوں کی عدت تین حیض ہے۔ ملاحظہ ہو سورہ بقرہ کی آیت۔ اسی طرح وہ نابالغ لڑکیاں جو اس عمر کو نہیں پہنچیں کہ انہیں کپڑے آئیں' ان کی عدت بھی تین مہینے رکھی۔ اگر تمہیں شک ہو اس کی تفسیر میں دو قول ہیں ایک تو یہ کہ یہ خون دیکھ لیں اور تمہیں شبہ گزرے کہ آیا حیض کا خون ہے یا استحاضہ کی بیماری کا' دوسرا قول یہ ہے کہ ان کی عدت میں حکم میں تمہیں شک باقی رہ جائے اور تم اسے نہ پہچان سکو تو تین مہینے یاد رکھو لو۔ یہ دوسرا قول ہی زیادہ ظاہر ہے۔ اس کی دلیل یہ روایت بھی ہے کہ حضرت ابی بن کعبؓ نے کہا تھا یارسول اللہ ﷺ بہت سی عورتوں کی عدت ابھی بیان نہیں ہوئی' کمسن لڑکیاں' بوڑھی بڑی عورتیں اور حمل والی عورتیں۔ اس کے جواب میں یہ آیت اتری۔ پھر حاملہ کی عدت بیان فرمائی کہ وضع حمل اس کی عدت ہے گو طلاق یا خاوند کی موت کے ذرا سی دیر بعد ہی ہو جائے جیسے کہ اس آیت کریمہ کے الفاظ ہیں اور احادیث نبویہ سے ثابت ہے اور جمہور علماء سلف و خلف کا قول ہے۔ ہاں حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ سورہ بقرہ کی آیت اور اس آیت کو ملا کر ان کا فتویٰ ہے کہ ان دونوں میں جو زیادہ دیر میں ختم ہو وہ عدت یہ گزارے یعنی اگر بچہ تین مہینے سے پہلے پیدا ہو گیا تو تین مہینے کی عدت اور تین مہینے گزر چکے اور بچہ پیدا نہیں ہوا تو بچے کے ہونے تک عدت ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت ابو سلمہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضرت ابن عباسؓ کے پاس آیا اس وقت حضرت ابو ہریرہؓ بھی موجود تھے اس نے سوال کیا کہ اس عورت کے بارے میں آپؓ کا کیا فتویٰ ہے جسے اپنے خاوند کے انتقال کے بعد چالیسویں دن بچہ ہو جائے۔ آپؓ نے فرمایا دونوں عدتوں میں سے آخری عدت اسے گزارنی پڑے گی یعنی اس صورت میں تین مہینے کی عدت اس پر ہے۔ ابو سلمہؓ نے کہا قرآن میں جو ہے کہ حمل والیوں کی عدت بچہ کا ہو جانا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا میں بھی اپنے چچازاد بھائی حضرت ابو سلمہؓ کے ساتھ ہوں یعنی میرا بھی یہی فتویٰ ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے اسی وقت اپنے غلام کریب کو مائی ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس بھیجا کہ جاؤ ان سے یہ مسئلہ پوچھ آؤ۔ انہوں نے فرمایا سبیعہ اسلمیہؓ کے شوہر قتل کئے گئے اور یہ اس وقت دو جیا تھیں' چالیس راتوں کے بعد بچہ ہو گیا' اسی وقت مانگا آیا اور آنحضرت ﷺ نے نکاح کر دیا۔ مانگا ڈالنے والوں میں سے حضرت ابو السنابلؓ بھی تھے' یہ حدیث قدرے طوالت کے ساتھ اور کتابوں میں بھی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عتبہؓ نے حضرت عمر بن عبداللہ بن ارقم زہریؒ کو لکھا کہ وہ سبیعہ بنت حارث اسلمیہؓ کے پاس جائیں اور ان سے ان کا واقعہ دریافت کر کے انہیں لکھ بھیجیں۔ یہ گئے' دریافت کیا اور لکھا کہ ان کے خاوند حضرت سعد بن خولہؓ تھے' یہ بدری صحابی تھے حجتہ الوداع میں فوت ہو گئے اس وقت یہ حمل سے تھیں تھوڑے ہی دن کے بعد انہیں بچہ پیدا ہو گیا۔ جب نفاس سے پاک ہوئیں تو اچھے کپڑے پہن کر تجمل کر کے بیٹھ گئیں' حضرت ابو السنابل بن بعلککؓ جب ان کے پاس آئے تو انہیں اس حالت میں دیکھ کر کہنے لگے تم جو اس طرح بیٹھی ہو تو کیا نکاح کرنا چاہتی ہو' واللہ تم نکاح نہیں کر سکتیں جب تک کہ چار مہینے دس دن نہ گزر جائیں۔ میں یہ سن کر چادر اوڑھ کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپؐ سے یہ مسئلہ پوچھا۔ آپؐ نے فرمایا بچہ پیدا ہوتے ہی تم عدت سے نکل گئیں۔ اب تمہیں اختیار ہے' اگر تم چاہو اپنا نکاح کر لو (مسلم)۔

صحیح بخاری میں اس آیت کے تحت میں اس حدیث کے وارد کرنے کے بعد یہ بھی ہے کہ حضرت محمد بن سیرینؒ ایک مجلس میں تھے جہاں حضرت عبدالرحمٰن بن ابولیلی بھی تھے جن کی تعظیم و تکریم ان کے ساتھی بہت ہی کیا کرتے تھے' انہوں نے حاملہ کی عدت

آخری دو عدتوں میں کی میعاد بتلائی اس پر میں نے حضرت سبیعہ ؓ والی حدیث بیان کی اس پر میرے بعض ساتھی مجھے ٹہو کے لگانے لگے۔ میں نے کہا پھر تو میں نے بڑی جرات کی اگر عبداللہ پر میں نے بہتان باندھا حالانکہ وہ کوفہ کے کونے میں زندہ موجود ہیں۔ پس وہ ذرا شرما گئے اور کہنے لگے لیکن ان کے چچا تو یہ نہیں کہتے۔ میں حضرت ابوعطیہ مالک بن عامر سے ملا۔ انہوں نے مجھ حضرت سبیعہ ؓ والی حدیث پوری سنائی' میں نے کہا تم نے اس بابت حضرت عبداللہ سے بھی کچھ سنا ہے۔ فرمایا ہم حضرت عبداللہ کے پاس تھے آپؐ نے فرمایا کیا تم اس پر سختی کرتے ہو اور رخصت نہیں دیتے؟ سورہ نساء قصریٰ یعنی سورہ الطلاق سورہ نساء طولے کے بعد اتری ہے اور اس میں فرمان ہے کہ حاملہ عورت کی مدت وضع حمل ہے۔ ابن جریر میں حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے کہ جو مُلاعنہ کرنا چاہے میں اس سے ملاعنہ کرنے کو تیار ہوں یعنی میرے فتوے کے خلاف جس کا فتوٰے ہو میں تیار ہوں کہ وہ میرے مقابلے میں آئے اور جھوٹے پر اللہ کی لعنت کرے۔ میرا فتویٰ یہ ہے کہ حمل والی کی عدت بچے کا پیدا ہو جانا ہے' پہلے عام حکم تھا کہ جن عورتوں کے خاوند مر جائیں وہ چار مہینے دس دن عدت گزاریں اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی کہ حمل والیوں کی عدت بچے کا پیدا ہو جانا ہے' پس یہ عورتیں ان عورتوں میں سے مخصوص ہو گئیں۔ اب مسئلہ یہی ہے کہ جس عورت کا خاوند انتقال کر جائے اور وہ دوجیا ہو تو جب حمل سے فارغ ہو جائے عدت سے نکل گئی۔ ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے کہ حضرت ابن مسعود ؓ نے یہ اس وقت فرمایا تھا جب انہیں معلوم ہوا کہ حضرت علی ؓ کا فتوی یہ ہے کہ اس کی عدت ان دونوں عدتوں میں سے جو آخری ہو وہ ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت ابی بن کعب ؓ نے رسول ﷺ سے پوچھا کہ حمل والیوں کی عدت جو وضع حمل ہے یہ تین طلاق والیوں کی عدت ہے یا فوت شدہ خاوند والیوں کی آپؐ نے فرمایا دونوں کی۔ یہ حدیث بہت غریب ہے بلکہ بہت منکر ہے اس لیے کہ اسناد میں مثنّٰی بن صباح ہے اور وہ بالکل متروک الحدیث ہے' لیکن اسکی دوسری سندیں بھی ہیں۔ پھر فرماتا ہے اللہ تعالیٰ متقیوں کے لیے ہر مشکل سے آسانی اور ہر تکلیف سے راحت عنایت فرما دیتا ہے' یہ اللہ کے احکام اور اس کی پاک شریعت ہے جو اپنے رسول کے واسطے سے تمہاری طرف اتار رہا ہے۔ اللہ سے ڈرنے والوں کو اور چیزوں کے ڈر سے اللہ تعالیٰ بچا لیتا ہے اور ان کے تھوڑے عمل پر بڑا اجر دیتا ہے۔

اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ ؕ وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۚ وَاْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ ۚ وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗۤ اُخْرٰى ؕ ﴿٦﴾ لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّاۤ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ؕ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَاۤ اٰتٰىهَا ؕ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ۠﴿٧﴾

ع ١٧

تم اپنی طاقت کے مطابق جہاں تم رہتے ہو وہاں ان طلاق والی عورتوں کو بھی بساؤ اور انہیں تنگ کرنے کے لیے تکلیف نہ پہنچاؤ۔ اور اگر یہ حمل سے ہوں تو جب تک بچہ پیدا ہو لے انہیں خرچ دیتے رہا کرو۔ پھر اگر تمہارے کہنے سے وہی دودھ پلائیں تو تم انہیں ان کی اجرت دے دو اور باہم مناسب طور پر مشورہ کر لیا کرو' اور اگر تم آپس میں کشمکش کرو تو اس کے کہنے سے کوئی اور دودھ پلائے گی۔ کشادگی والے کو اپنی کشادگی سے خرچ کرنا چاہیے۔

اور جس پر اس کے رزق کی تنگی کی گئی ہو اسے چاہیے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اسے دے رکھا ہے اسی میں سے اپنی حسب حیثیت دے کسی شخص کو اللہ تکلیف نہیں دیتا مگر اتنی ہی جتنی طاقت اسے دے رکھی ہے اللہ تعالیٰ تنگی کے بعد آسانی فراغت بھی کر دے گا۔

عورتوں پر خرچ کرنا: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو حکم دیتا ہے کہ جب ان میں سے کوئی اپنی بیوی کو طلاق دے تو عدت کے گزر جانے تک اس کے رہنے سہنے کو اپنا مکان دے یہ جگہ اپنی طاقت کے مطابق ہے یہاں تک کہ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں اگر زیادہ وسعت نہ ہو تو اپنے ہی مکان کا ایک کونہ اسے دیدے۔ اسے تکلیفیں پہنچا کر اس قدر تنگ نہ کرو کہ وہ مکان چھوڑ کر چلی جائے یا تم سے چھوٹنے کے لیے اپنا حق مہر چھوڑ دے یا اس طرح کہ طلاق دی دیکھا کہ دو ایک روز عدت کے رہ گئے ہیں رجوع کا اعلان کر دیا پھر طلاق دیدی اور عدت کے ختم ہونے کے قریب رجعت کر لی تاکہ نہ وہ بیچاری سہاگن رہے نہ رانڈ۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اگر طلاق والی عورت حمل سے ہو تو بچہ ہونے تک اس کا نان نفقہ اس کے خاوند کے ذمہ ہے۔ اکثر علماء کا فرمان ہے کہ یہ حکم خاص ان عورتوں کے لیے بیان ہو رہا ہے جنہیں آخری طلاق دے دی گئی ہو جس سے رجوع کرنے کا حق ان کے خاوندوں کو نہ رہا ہو اس لیے کہ جن سے رجوع ہو سکتا ہے ان کی عدت تک کا خرچ تو خاوند کے ذمہ ہے ہی وہ حمل سے ہوں تب اور بے حمل ہوں تو بھی۔ اور حضرات علماء فرماتے ہیں یہ حکم بھی انہی عورتوں کا بیان ہو رہا ہے جن سے رجعت کا حق حاصل ہے کیونکہ اوپر بھی انہیں کا بیان تھا اسے الگ اس لیے بیان کر دیا کہ عموماً حمل کی مدت لمبی ہوتی ہے تو کوئی یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ عدت کے زمانے جتنا نفقہ تو ہمارے ذمہ ہے پھر نہیں اس لیے صاف طور پر فرمادیا کہ رجعیت والی طلاق کے وقت اگر عورت حمل سے ہو تو جب تک بچہ نہ ہو اس کا کھلانا پلانا خاوند کے ذمہ ہے۔ پھر اس میں بھی علماء کا اختلاف ہے کہ خرچ اس کے لیے حمل کے واسطے ہے یا حمل کے لیے ہی۔ امام شافعیؒ وغیرہ سے دونوں قول مروی ہیں۔ اور اس بنا پر بہت سے فروعی مسائل میں بھی اختلاف رونما ہوا ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ جب یہ مطلقہ عورتیں حمل سے فارغ ہو جائیں تو اگر تمہاری اولاد کو وہ دودھ پلائیں تو تمہیں ان کی دودھ پلائی دینی چاہیے۔ ہاں عورت کو اختیار ہے خواہ دودھ پلائے یا نہ پلائے لیکن اول دفعہ کا دودھ اسے ضرور پلانا چاہیئے گو پھر دودھ نہ پلائے کیونکہ عموماً بچے کی زندگی اس دودھ کے ساتھ وابستہ ہے تو اگر وہ بعد میں بھی دودھ پلاتی رہے تو ماں باپ کے درمیان جو اجرت طے ہو جائے وہ ادا کرنی چاہیئے۔ تم میں آپس میں جو کام ہوں وہ بھلائی کے ساتھ باقاعدہ دستور کے مطابق ہونے چاہیں نہ یہ اس کے نقصان کے درپے رہے نہ وہ اسے ایذا پہنچانے کی کوشش کرے جیسے سورہ بقرہ میں فرمایا ﴿ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ﴾ یعنی بچہ کے بارے میں نہ اس کی ماں کو ضرر پہنچایا جائے نہ اسکے باپ کو۔ پھر فرماتا ہے اگر آپس میں اختلاف بڑھ جائے مثلاً لڑکے کا باپ کم دینا چاہتا ہے جو اس کی ماں کو منظور نہیں یا ماں زائد مانگتی ہے جو باپ پر گراں ہے اور موافقت نہیں ہو سکتی دونوں کسی بات پر رضامند نہیں ہوتے تو اختیار ہے کہ کسی اور دایہ کو دے دیں ہاں جو اور دایہ کو دیا جانا منظور کیا جاتا ہے اگر اسی پر اس بچہ کی ماں رضامند ہو جائے تو زیادہ مستحق یہی ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ بچے کا باپ یا ولی جو ہو اسے چاہیئے کہ بچے پر اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے۔ تنگی والا اپنی طاقت کے مطابق دے طاقت سے بڑھ کر تکلیف اللہ کسی کو نہیں دیتا۔ تفسیر ابن جریر میں ہے کہ حضرت ابو عبیدہؓ کی بابت حضرت عمرؓ نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ وہ موٹا کپڑا پہنتے ہیں اور ہلکی غذا کھاتے ہیں۔ آپؓ نے حکم دیا کہ انہیں ایک ہزار دینار بھجوا دو اور جس کے ہاتھ بھجوائے ان سے کہہ دیا کہ دیکھنا وہ ان دیناروں کو پا کر کیا کرتے ہیں؟ جب یہ اشرفیاں انہیں مل گئیں تو انہوں نے باریک کپڑے پہنے اور نہایت نفیس غذائیں کھانی شروع کر دیں۔ قاصد نے واپس آکر حضرت عمرؓ سے واقعہ بیان کیا۔ آپؓ نے فرمایا اللہ اس پر رحم کرے اس نے اس آیت پر عمل کیا کہ کشادگی والا اپنی کشادگی کے مطابق خرچ کرے اور تنگی ترشی والا اپنی حالت کے مطابق۔

طبرانی کی ایک غریب حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک شخص کے پاس دس دینار تھے اس نے ان میں سے

ایک راہ للہ صدقہ کیا' دوسرے کے پاس دس اوقیہ تھے اس نے ان میں سے ایک اوقیہ یعنی چالیس درہم خرچ کئے۔ تیسرے کے پاس سو اوقیہ تھے جس میں سے اس نے اللہ کے نام پر دس اوقیہ خرچ کئے تو یہ سب اجر میں اللہ کے نزدیک برابر ہیں اس لیے کہ ہر ایک نے اپنے مال کا دسواں حصہ فی سبیل اللہ دیا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ سچا وعدہ دیتا ہے کہ وہ تنگی کے بعد آسانی کر دے گا جیسے اور جگہ فرمایا ﴿ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ﴾ تحقیق سختی کے ساتھ آسانی ہے۔

مسند احمد کی حدیث اس جگہ وارد کرنے کے قابل ہے جس میں ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا اگلے زمانے میں ایک میاں بیوی تھے جو فقر و فاقہ سے اپنی زندگی گزار رہے تھے' پاس کچھ بھی نہ تھا۔ ایک مرتبہ یہ شخص سفر سے آیا اور سخت بھوکا تھا' بھوک کے مارے بیتاب تھا۔ آتے ہی اپنی بیوی سے پوچھا کچھ کھانے کو ہے؟ اس نے کہا ہاں آپؐ خوش ہو جایئے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی روزی ہمارے ہاں آ پہنچی ہے۔ اس نے کہا پھر لاؤ جو کچھ ہو دیدو میں بہت بھوکا ہوں۔ بیوی نے کہا اور ذرا دیر صبر کر لو اللہ کی رحمت سے ہمیں بہت کچھ امید ہے۔ پھر جب کچھ دیر اور ہو گئی اس نے بیتاب ہو کر کہا جو کچھ تمہارے پاس ہے دیتی کیوں نہیں؟ مجھے تو بھوک سے سخت تکلیف ہو رہی ہے۔ بیوی نے کہا اتنی جلدی کیوں کرتے ہو؟ اب تنور کھولتی ہوں۔ تھوڑی دیر گزرنے کے بعد جب بیوی نے دیکھا کہ یہ اب پھر تقاضا کرنا چاہتے ہیں تو خود بخود کہنے لگیں اب اٹھ کر تنور کو دیکھتی ہوں۔ اٹھ کر جو دیکھتی ہیں تو قدرت اللہ سے ان کے توکل کے بدلے وہ بکری کے پہلو کے گوشت سے بھرا ہوا ہے اور دیکھتی ہیں کہ گھر کی دونوں چکیاں از خود چل رہی ہیں اور برابر آٹا نکل رہا ہے۔ انہوں نے تنور میں سے سب گوشت نکال لیا اور چکیوں میں سے سارا آٹا اٹھا لیا اور جھاڑ دیں۔ حضرت ابوہریرہؓ قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے کہ اگر وہ صرف آٹا لے لیتیں اور چکی نہ جھاڑتیں تو قیامت تک چلتی رہتیں۔ اور روایت میں ہے کہ ایک شخص اپنے گھر کی طرف نکل کھڑے ہوئے یہاں ان کی نیک بخت بیوی صاحبہ نے جب دیکھا کہ میاں بھی پریشان حال ہیں اور یہ منظر دیکھ نہیں سکے اور چل دیئے تو چکی کو ٹھیک ٹھاک کیا تنور سلگایا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے لگیں کہ اے اللہ ہمیں روزی دے' دعا کر کے اُٹھیں تو دیکھا کہ ہنڈیا گوشت سے پر ہے تنور میں روٹیاں لگ رہی ہیں اور چکی سے برابر آٹا ابلا چلا آتا ہے۔ اتنے میں میاں بھی تشریف لائے۔ پوچھا کہ میرے بعد تمہیں کچھ ملا؟ بیوی صاحبہ نے کہا ہاں ہمارے رب نے ہمیں بہت کچھ عطا فرما دیا۔ اس نے جا کر چکی کے دوسرے پاٹ کو اٹھا لیا۔ جب حضور ﷺ سے یہ واقعہ بیان ہوا تو آپؐ نے فرمایا اگر وہ اسے نہ اٹھاتا تو قیامت تک یہ چکی چلتی ہی رہتی۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا وَّعَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا ۝٨ فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا ۝٩ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ۖ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۝١٠ رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا ۝١١

بہت سی بستیوں والوں نے اپنے رب کے حکم اور اس کے رسولوں سے سرتابی کی ہم نے بھی ان سے سخت حساب لیا اور ان دیکھی آفت ان پر ڈال

مع عند المتقدمین ۳

دی' پس انہوں نے اپنے کرتوت کا وبال چکھ لیا اور ان کا انجام کار ان کا خسارہ ہی ہوا۔ ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے' پس اللہ سے ڈرو اے عقلمند ایمان والو۔ یقیناً اللہ نے تمہاری طرف نصیحت بھیج دی ہے۔ یعنی رسول جو تمہیں اللہ کے صاف صاف احکام پڑھ کر سناتا ہے تاکہ ان لوگوں کو جو ایمان لائیں اور نیک اعمال کریں وہ تاریکیوں سے روشنی کی طرف لے کر آئے۔ اور جو شخص اللہ پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے اللہ اسے ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جس کے نیچے نہریں جاری ہیں جن میں یہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ بے شک اللہ نے اسے بہترین روزی دے رکھی ہے۔

اللہ کا حکم مانو: جو لوگ اللہ کے امر کے خلاف کریں اس کے رسول ﷺ کو نہ مانیں اس کی شریعت پر نہ چلیں' انہیں ڈانٹا جا رہا ہے کہ دیکھو اگلے لوگوں میں سے بھی جو اس روش پر چلے وہ تباہ و برباد ہو گئے جنہوں نے سرتابی' سرکشی اور تکبر کیا' حکم الٰہی اور اتباع رسول سے بے پرواہی برتی' آخر ش انہیں سخت حساب دینا پڑا' اور اپنی بدکاری کا مزہ چکھنا پڑا انجام کار نقصان اٹھایا۔ اس وقت نادم ہونے لگے لیکن اب ندامت کس کام کی؟ پھر دنیا کے ان عذابوں ہی پر اگر بلا پاک ہو جاتا جب بھی ایک بات تھی' نہیں پھر ان کے لیے آخرت میں بھی سخت تر عذاب اور بے پناہ مار ہے۔ اب سوچ سمجھ والو تمہیں چاہیے کہ ان جیسے نہ بنو اور ان کے انجام سے عبرت حاصل کرو' اے عقلمند ایماندارو اللہ نے تمہاری طرف قرآن نازل فرمادیا ہے۔ ذکر سے مراد قرآن ہے جیسے اور جگہ فرمایا ﴿انَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ﴾ ہم نے اس قرآن کو نازل فرمایا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں' اور بعضوں نے کہا ذکر سے مراد یہاں رسول ہے چنانچہ ساتھ ہی فرمایا ہے' رسولا تو یہ بدل اشتمال ہے چونکہ قرآن کے پہنچانے والے رسول اللہ ﷺ ہی ہیں تو اس مناسبت سے آپ کو لفظ ذکر سے یاد کیا گیا۔ حضرت امام ابن جریرؒ بھی اسی مطلب کو درست بتلاتے ہیں۔ پھر رسول کی حالت بیان فرمائی کہ اللہ کی واضح اور روشن آیتیں پڑھ سناتے ہیں تاکہ مسلمان اندھیروں سے نکل آئیں اور روشنیوں میں پہنچ جائیں' جیسے اور جگہ ہے ﴿كِتَابٌ اَنْزَلْنَاهُ اِلَيْكَ﴾ الخ اس کتاب کو ہم نے تجھے دیا ہے تاکہ تو لوگوں کو تاریکیوں سے روشنی میں لائے۔ اور جگہ ارشاد ہے ﴿اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ الخ اللہ ایمان والوں کا کارساز ہے وہ انہیں اندھیریوں سے اجالے کی طرف لاتا ہے یعنی کفر و جہالت سے ایمان و علم کی طرف چنانچہ اور آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی نازل کردہ وحی کو نور فرمایا ہے کیونکہ اس سے ہدایت اور راہ راست حاصل ہوتی ہے۔ اور اسی کا نام روح بھی رکھا ہے کیونکہ اس سے دلوں کو زندگی ملتی ہے چنانچہ ارشاد باری ہے۔ ﴿وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ یعنی ہم نے اسی طرح تیری طرف اپنے حکم سے روح کی وحی کی تو نہیں جانتا تھا کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے؟ لیکن ہم نے اسے نور کر دیا جس کے ساتھ ہم اپنے جس بندے کو چاہیں ہدایت کرتے ہیں۔ یقیناً تو سچی اور صحیح راہ کی رہبری کرتا ہے۔ پھر ایمانداروں اور نیک اعمال والوں کا بدلہ بہتی نہروں والی ہیشگی کی جنت بیان ہوا ہے' جس کی تفسیر بار ہا گزر چکی ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ۭ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ڏ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ؀ۧ

اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان بنائے اور اسی کے مثل زمینیں بھی۔ اس کا حکم ان کے درمیان اترتا ہے تاکہ تم جان لو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو بہ اعتبار علم گھیر رکھا ہے۔

سات زمین: اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ اور اپنی عظیم الشان سلطنت کا ذکر فرماتا ہے تاکہ مخلوق اس کی عظمت و عزت کا خیال کر

کے اس کے فرمان کو قدر کی نگاہ سے دیکھے اور اس پر عامل بن کر اسے خوش کرے۔ تو فرمایا کہ ساتوں آسمان کا خالق اللہ تعالیٰ ہے جیسے حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا ﴿ اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ﴾ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ پاک نے ساتوں آسمانوں کو کس طرح اوپر تلے پیدا کیا ہے؟ اور جگہ ارشاد ہے ﴿ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ﴾ یعنی ساتوں آسمان اور زمین اور ان میں جو کچھ ہے سب اس اللہ کی تسبیح پڑھتے رہتے ہیں۔ پھر فرماتا ہے اسی کی مثل زمینیں ہیں جیسے کہ بخاری و مسلم کی صحیح حدیث میں ہے جو شخص ظلم کر کے کسی کی ایک بالشت بھر زمین لے لیگا اسے ساتوں زمینوں کا طوق پہنایا جائے گا۔ صحیح بخاری میں ہے اسے ساتویں زمین تک دھنسایا جائے گا۔ میں نے اسکی تمام سندیں اور کل الفاظ شروع ابتداء اور انتہا میں زمین کی پیدائش کے ذکر میں بیان کر دیئے ہیں، فالحمد اللہ۔ جن بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اس سے مراد ہفت اقلیم ہے انہوں نے بے فائدہ دوڑ بھاگ کی ہے اور اختلاف بے جا میں پھنس گئے ہیں اور بلا دلیل قرآن و حدیث کا صریح خلاف کیا ہے۔ سورہ حدید میں آیت ﴿هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ﴾ الخ کی تفسیر میں ساتوں زمینوں کا اور ان کے درمیان کی دوری کا اور ان کی موٹائی کا جو پانچ سو سال کی ہے پورا بیان ہو چکا ہے۔

حضرت ابن مسعودؓ وغیرہ بھی یہی فرماتے ہیں ایک اور حدیث میں بھی ہے ساتوں آسمان اور جو کچھ ان میں اور ان کے درمیان ہے اور ساتوں زمینیں اور جو کچھ ان میں اور ان کے درمیان ہے کرسی کے مقابلے میں ایسے ہیں جیسے کسی لمبے چوڑے بہت چٹیل میدان میں ایک چھلا پڑا ہو۔ ابن جریر میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اگر میں اس کی تفسیر تمہارے سامنے بیان کروں تو اسے نہ مانو گے اور نہ ماننا جھوٹا جاننا ہے اور روایت میں ہے کہ کسی شخص نے اس آیت کا مطلب پوچھا تھا اس پر آپؐ نے فرمایا تھا کہ میں کیسے باور کر لوں کہ جو میں تجھے بتلاؤں گا تو اس کا انکار نہ کرے گا۔ اور روایت میں مروی ہے کہ ہر زمین میں مثل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اور اس زمین کی مخلوق کے ہے اور ابن مثنی والی اس روایت میں آیا ہے ہر آسمان میں مثل ابراہیم علیہ السلام کے ہے۔ بیہقی کی کتاب ﴿الْاَسْمَاءُ وَالصِّفَاتُ﴾ میں حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ ساتوں زمینوں میں سے ہر ایک میں نبی ہے، مثل تمہارے نبی کے اور آدم ہیں مثل آدم علیہ السلام کے اور نوح ہیں مثل نوح کے اور ابراہیم ہیں مثل ابراہیم کے اور عیسیٰ ہیں مثل عیسیٰ علیہ السلام کے۔ پھر امام بیہقی نے ایک اور روایت بھی ابن عباسؓ کی وارد کی ہے اور فرمایا ہے اس کی اسناد صحیح ہے لیکن یہ بالکل شاذ ہے۔ ابوالضحیٰ جو اس کے ایک راوی ہیں، میرے علم میں تو ان کی متابعت کوئی نہیں کرتا، واللہ اعلم۔ ایک مرسل اور بہت ہی منکر روایت ابن ابی الدنیا لائے ہیں جس میں مروی ہے کہ حضور ﷺ ایک مرتبہ صحابہؓ کے مجمع میں تشریف لائے، دیکھا کہ سب کسی غور و فکر میں چپ چاپ ہیں، پوچھا کیا بات ہے جواب ملا اللہ کے بارے میں سوچ رہے ہیں۔ فرمایا ٹھیک ہے مخلوقات پر نظریں دوڑاؤ لیکن کہیں اللہ کی بابت غور و خوض میں نہ پڑ جانا، سنو اس مغرب کی طرف ایک سفید زمین ہے اس کی سفیدی اس کا نور ہے یا فرمایا اس کا نور اس کی سفیدی ہے۔ سورج کا راستہ چالیس دن کا ہے وہاں اللہ کی ایک مخلوق ہے جس نے ایک آنکھ جھپکنے کے برابر بھی کبھی اس کی نافرمانی نہیں کی۔ صحابہؓ نے کہا پھر شیطان ان سے کہاں ہے؟ فرمایا انہیں یہ بھی نہیں معلوم کہ شیطان پیدا بھی کیا گیا ہے یا نہیں؟ پوچھا کیا وہ بھی انسان ہیں؟ فرمایا نہیں حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کا بھی علم نہیں۔ الحمد للہ سورہ طلاق کی تفسیر بھی پوری ہوئی۔

تفسیر سورۂ تحریم مدنیہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ①

قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ ۚ وَاللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝ وَ اِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَ اَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَ اَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ ۚ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا ۭ قَالَ نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ ۝ اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ۚ وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ۝ عَسٰى رَبُّهٗٓ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗٓ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰۗىِٕبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰۗىِٕحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا ۝

اے نبی جس چیز کو اللہ نے تیرے لیے حلال کر دیا ہے اسے تو کیوں حرام کرتا ہے 'کیا تو اپنی بیویوں کی رضامندی حاصل کرنا چاہتا ہے 'اللہ تعالیٰ بخشنے والا' رحم کرنے والا ہے۔ تحقیق اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے قسموں کو کھول ڈالنا مقرر کر دیا ہے۔ اور اللہ تمہارا کارساز ہے اور وہی پورے علم والا اور حکمت والا ہے۔ اور یاد کر جب نبی نے اپنی بعض عورتوں سے ایک پوشیدہ بات کہی 'پس جب اس نے اس بات کی خبر کر دی اور اللہ نے اپنے نبی ﷺ کو اس پر آگاہ کر دیا تو نبی ﷺ نے تھوڑی سی بات تو جتا دی اور تھوڑی سے ٹال گئے 'جب نبی ﷺ نے اپنی اس بیوی کو یہ بات جتائی تو وہ کہنے لگی اس کی خبر آپؐ کو کس نے دی۔ کہا سب جاننے والے پوری خبر رکھنے والے اللہ نے مجھے یہ بتلا دیا۔ اے نبی ﷺ کی دونوں بیویو! اگر تم اللہ کے سامنے توبہ کر لو تو بہت بہتر ہے۔ یقیناً تمہارے دل کج ہو گئے ہیں اور اگر تم نبی ﷺ کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کرو گی پس یقیناً اس کا کارساز اللہ ہے اور جبرئیل علیہ السلام ہیں اور نیک ایمان دار۔ اور ان کے علاوہ فرشتے بھی مدد کرنے والے ہیں۔ اگر پیغمبر ﷺ تمہیں طلاق دیدیں تو بہت جلد انہیں ان کا رب تمہارے بدلے تم سے بہتر بیویاں عنایت فرمائے گا جو اسلام والیاں ایمان والیاں فرمانبرداری کرنے والیاں توبہ کرنے والیاں عبادت بجالانے والیاں روزے رکھنے والیاں ہوں گی بیوہ اور کنواریاں۔

شان نزول کے بارے میں مفسرین کے اقوال اس سورت کی ابتدائی آیتوں کے شان نزول میں مفسرین کے اقوال یہ ہیں (۱) بعض تو کہتے ہیں یہ حضرت ماریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں نازل ہوئی ہے 'انہیں حضور ﷺ نے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا جس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ نسائی میں یہ روایت موجود ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے کہنے سننے سے ایسا ہوا تھا کہ ایک لونڈی کی نسبت آپؐ نے یہ فرمایا تھا اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ ابن جریر میں ہے کہ ام ابراہیم کے ساتھ آپؐ نے اپنی کسی بیوی صاحبہ کے گھر بات چیت کی جس پر انہوں نے کہا یارسول اللہ میرے گھر میں اور میرے بستر پر! چنانچہ آپؐ نے اسے اپنے اوپر حرام کر لیا تو انہوں نے کہا یارسول اللہ! حلال آپؐ پر حرام کیسے ہو جائے گا؟ تو آپؐ ﷺ نے قسم کھائی کہ اب ان سے اس قسم کی بات چیت نہ کروں گا۔ اس پر یہ آیت اتری۔ حضرت زیدؓ فرماتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ کسی کا یہ کہہ دینا کہ تو مجھ پر حرام ہے لغو اور فضول ہے۔ حضرت زید بن اسلمؓ فرماتے ہیں آپؐ نے یہ فرمایا تھا کہ تو مجھ پر حرام ہے اللہ کی قسم میں تجھ سے صحبت داری نہ کروں گا۔ حضرت مسروقؒ فرماتے ہیں پس حرام کرنے کے باب میں تو آپؐ پر عتاب کیا گیا اور قسم کے کفارے کا حکم ہوا۔

ابن جریر میں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے حضرت عمرؓ سے دریافت کیا کہ یہ دونوں عورتیں کون تھیں؟ فرمایا عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ابتدائے قصہ ام ابراہیم قبطیہ کے بارے میں ہوئی۔ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں ان کی باری والے دن حضور ﷺ ان سے مل لیے تھے جس پر حضرت حفصہؓ کو رنج ہوا کہ میری باری کے دن میرے گھر اور میرے بستر پر! حضور ﷺ نے انہیں رضامند کرنے منانے کے لیے کہہ دیا کہ میں اسے اپنے اوپر حرام کرتا ہوں' اب تم اس واقعہ کا ذکر کسی سے نہ کرنا۔ لیکن حفصہؓ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے واقعہ کہدیا۔ اللہ نے اس کی اطلاع اپنے نبی کو دی اور یہ کل آیتیں نازل فرمائیں۔ آپ نے کفارہ دے کر اپنی قسم توڑ دی اور اس لونڈی سے ملے جلے۔ اسی واقعہ کو دلیل بنا کر حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا فتوی ہے کہ جو کہے فلاں چیز مجھ پر حرام ہے' اسے قسم کا کفارہ دینا چاہیئے۔ ایک شخص نے آپؓ سے یہی مسئلہ پوچھا کہ میں اپنی عورت کو اپنے اوپر حرام کر چکا ہوں تو آپؓ نے فرمایا وہ تجھ پر حرام نہیں۔ کفارہ سب سے زیادہ سخت تو راہ للہ غلام آزاد کرنا ہے۔ امام احمدؒ اور بہت سے فقہاء کا فتوی ہے کہ جو شخص اپنی بیوی یا لونڈی یا کسی کھانے پینے پہننے اوڑھنے کی چیز کو اپنے اوپر حرام کرے تو اس پر کفارہ واجب ہو جاتا ہے۔ امام شافعیؒ وغیرہ فرماتے ہیں صرف بیوی اور لونڈی کے حرام کرنے پر تو کفارہ ہے کسی اور پر نہیں' اور اگر حرام کہنے سے نیت طلاق کی رکھی ہے تو بیشک طلاق ہو جائے گی۔ اسی طرح لونڈی کے بارے میں اگر آزادگی کی نیت حرام کا لفظ کہنے سے رکھی ہے تو وہ آزاد ہو جائے گی۔

(۲) ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ یہ آیت اس عورت کے باب میں نازل ہوئی ہے جس نے اپنا نفس آنحضرت ﷺ کو ہبہ کیا تھا' لیکن یہ غریب ہے۔ بالکل صحیح بات یہ ہے کہ ان آیتوں کا اترنا آپؐ کے شہد حرام کر لینے پر تھا۔ (۳) صحیح بخاری میں اس آیت کے موقعہ پر ہے کہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر رسول اللہ ﷺ شہد پیتے تھے اور اس کی خاطر ذرا سی دیر وہاں ٹھہرتے بھی تھے۔ اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپس میں مشورہ کیا کہ ہم میں سے جس کے ہاں حضور آئیں وہ کہے کہ یا رسول اللہ آج تو آپؐ کے منہ سے گوند کی سی بو آتی ہے شاید آپ نے مغافیر کھایا ہو گا۔ چنانچہ ہم نے یہی کیا۔ آپؐ نے فرمایا نہیں میں نے تو زینب کے گھر شہد پیا ہے۔ اب قسم کھاتا ہوں کہ نہ پیوں گا یہ کسی سے کہنا مت۔ امام بخاریؒ اس حدیث کو کتاب الایمان والنذور میں بھی کچھ زیادتی کے ساتھ لائے ہیں جس میں ہے کہ دونوں عورتوں سے یہاں مراد عائشہ اور حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں۔ اور چپکے سے بات کہنا یہی تھا کہ میں نے تو شہد پیا ہے۔ کتاب الطلاق میں امام صاحبؒ اس حدیث کو لائے ہیں پھر فرمایا ہے مغافیر گوند کے مشابہ ایک چیز ہے جو شور گھاس میں پیدا ہوتی ہے اس میں قدرے مٹھاس ہوتی ہے۔ صحیح بخاری کی کتاب الطلاق میں یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ان الفاظ میں مروی ہے کہ حضور ﷺ کو مٹھاس اور شہد بہت پسند تھا۔ عصر کی نماز کے بعد اپنی بیویوں کے گھر آتے اور کسی سے نزدیکی کرتے۔ ایک مرتبہ آپؐ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس گئے اور جتنا وہاں رکتے تھے اس سے زیادہ رکے۔ مجھے غیرت سوار ہوئی تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ ان کی قوم کی ایک عورت نے ایک کپی شہد کی انہیں بطور ہدیہ کے بھیجی ہے' انہوں نے حضور ﷺ کو شہد کا شربت پلایا اور اتنی دیر روک رکھا۔ میں نے کہا خیر اسے کسی حیلہ سے ٹال دوں گی چنانچہ میں نے حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہا کہ تمہارے پاس جب حضور ﷺ آئیں اور قریب ہوں تو تم کہنا کہ آج کیا آپؐ نے مغافیر کھایا ہے۔ آپؐ فرمائیں گے نہیں' تم کہنا پھر یہ بدبو کیسی آتی ہے؟ آپؐ فرمائیں گے مجھے حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے شہد پلایا تھا' تو تم کہنا کہ شاید شہد کی مکھی نے عرفط نامی خاردار درخت چوسا ہو گا۔ میرے پاس آئیں گے' میں بھی یہی کہوں گی' پھر اے صفیہ جب تمہارے پاس آئیں تو تم بھی یہی کہنا۔ حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں جب حضور ﷺ میرے گھر آئے ابھی تو دروازے پر ہی تھے جو میں نے ارادہ کیا کہ تم نے جو مجھ سے کہا ہے میں آپؐ سے کہہ دوں کیونکہ میں تم سے بہت ڈرتی تھی لیکن خیر اس

وقت تو خاموش رہی۔ جب آپؐ میرے پاس آئے میں نے تمہارا تمام کہنا پورا کر دیا۔ پھر حضرت میرے پاس آئے میں نے بھی یہی کہا پھر صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس گئے تو انہوں نے بھی یہی کہا۔ پھر حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس گئے تو حضرت حفصہ نے شہد کا شربت پلانا چاہا' آپؐ نے فرمایا مجھے اس کی حاجت نہیں۔ حضرت سودہ ؓ فرمانے لگیں افسوس ہم نے اسے حرام کر دیا۔ میں نے کہا خاموش رہو۔ صحیح مسلم کی اس حدیث میں اتنی زیادتی اور ہے کہ نبی ﷺ کو بدبو سے سخت نفرت تھی اسی لیے ان بیویوں نے کہا تھا آپؐ نے مغافیر کھایا ہے' اس میں بھی قدرے بدبو ہوتی ہے۔ جب آپؐ نے جواب دیا کہ نہیں میں نے شہد پیا ہے تو انہوں نے کہہ دیا کہ پھر اس شہد کی مکھی نے عرفط درخت کو چوسا ہو گا جس کے گوند کا نام مغافیر ہے اور اس کے اثر سے اس شہد میں اس کی بو رہ گئی ہو گی۔ اس روایت میں لفظ جرست ہے جس کے معنی جوہری نے کیے ہیں کھایا' اور شہد کی مکھیوں کو بھی جوارس کہتے ہیں اور جرس مدہم ہلکی آواز کو کہتے ہیں۔ عرب کہتے ہیں ﴿سَمِعْتُ جَرَسَ الطَّيْرِ﴾ جبکہ پرندہ دانہ چگ رہا ہو اور اس کی چونچ کی آواز سنائی دیتی ہو۔ ایک حدیث میں ہے پھر وہ جنتی پرندوں کی ہلکی اور میٹھی سہانی آوازیں سنیں گے' یہاں بھی عربی میں لفظ جرس ہے۔

اصمعی کہتے ہیں میں حضرت شعبہ ؒ کی مجلس میں تھا' وہاں انہوں نے اس لفظ جرس کو جرش بڑی شین کے ساتھ پڑھا' میں نے کہا چھوٹے سین سے ہے' حضرت شعبہ ؒ نے میری طرف دیکھا اور فرمایا یہ ہم سے زیادہ اسے جانتے ہیں یہی ٹھیک ہے تم اصلاح کر لو۔ الغرض شہد نوشی کے واقعہ میں شہد پلانے والیوں میں دو نام مروی ہیں ایک حضرت حفصہ ؓ کا دوسرا حضرت زینب ؓ کا' بلکہ اس امر پر اتفاق کرنے والیوں میں حضرت عائشہ ؓ کے ساتھ حضرت حفصہ ؓ کا نام ہے۔ پس ممکن ہے یہ دو واقعے ہوں یہاں تک تو ٹھیک ہے' لیکن ان دونوں کے بارے میں اس آیت کا نازل ہونا ذرا غور طلب ہے' واللہ اعلم۔ آپس میں اس قسم کا مشورہ کرنے والی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں' اور اس حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے جو مسند امام احمد میں حضرت ابن عباس ؓ سے مروی ہے' فرماتے ہیں مجھے مدتوں سے آرزو تھی کہ حضرت عمر ؓ سے حضور ﷺ کی ان دونوں بیوی صاحبان کا نام معلوم کروں جن کا ذکر آیت ﴿إِنْ تَتُوْبَا﴾ الخ میں ہے پس حج کے سفر میں جب خلیفۃ الرسول چلے تو میں بھی ہم رکاب ہو گیا۔ ایک راستے میں حضرت عمر ؓ راستہ چھوڑ کر جنگل کی طرف چلے میں ڈولچی لیے ہوئے پیچھے پیچھے گیا۔ آپؓ حاجت ضروری سے فارغ ہو کر آئے۔ میں نے پانی ڈلوایا اور وضو کرایا' اب موقعہ پا کر سوال کیا کہ اے امیر المومنین جن کے بارے میں یہ آیت ہے وہ دونوں کون ہیں؟ آپؓ نے فرمایا ابن عباس! افسوس۔ حضرت زہری ؒ فرماتے ہیں حضرت عمر ؓ کو ان کا یہ دریافت کرنا برا معلوم ہوا لیکن چھپانا جائز نہ تھا' اس لیے جواب دیا کہ اس سے مراد حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ پھر حضرت عمر ؓ نے واقعہ بیان کرنا شروع کیا کہ ہم قریش تو اپنی عورتوں کو اپنے زیر فرمان رکھتے تھے لیکن مدینہ والوں پر عموماً ان کی عورتیں حاوی تھیں۔ جب ہم ہجرت کر کے مدینہ آئے تو ہماری عورتوں نے بھی ان کی دیکھا دیکھی ہم پر غلبہ حاصل کرنا چاہا۔ میں مدینہ کے بالائی حصہ میں حضرت امیہ بن زید ؓ کے گھر میں ٹھہرا ہوا تھا ایک مرتبہ اپنی بیوی پر کچھ ناراض ہوا اور کچھ کہنے سننے لگا تو پلٹ کر اس نے مجھے جواب دینے شروع کیے' مجھے نہایت برا معلوم ہوا کہ یہ کیا حرکت ہے؟ یہ نئی بات کیسی؟ اس نے میرا تعجب دیکھ کر کہا کہ آپؓ کس خیال میں ہیں؟ اللہ کی قسم آنحضرت ﷺ کی بیویاں بھی آپؐ کو جواب دیتی ہیں اور بعض مرتبہ تو دن بھر بول چال چھوڑ دیتی ہیں۔ اب میں تو ایک دوسری الجھن میں پڑ گیا سیدھا اپنی بیٹی حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر گیا اور دریافت کیا کہ کیا یہ سچ ہے کہ تم حضور ﷺ کو جواب دیتی ہو؟ اور کبھی کبھار سارا سارا دن روٹھی رہتی ہو؟ جواب ملا کہ سچ ہے۔ میں نے کہا کہ برباد ہوئی اور نقصان میں پڑی جس نے ایسا کیا۔ کیا تم اس سے غافل ہو گئیں کہ رسول اللہ ﷺ کے غصہ کی وجہ سے ایسی عورت پر اللہ ناراض ہو جائے اور وہ کہیں کی نہ رہے؟ خبردار آئندہ سے حضور ﷺ کو کوئی جواب نہ دینا نہ آپؐ سے کچھ طلب کرنا جو مانگنا ہو مجھ سے مانگ لیا کرو' حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دیکھ کر تم ان کی حرص نہ کرنا وہ تم سے اچھی اور تم سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کی منظور

نظر ہیں' اب اور سنو میرا پڑوسی ایک انصاری تھا۔ اس نے اور میں نے باریاں مقرر کر لی تھیں' ایک دن' میں حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں گزارتا اور ایک دن وہ میں اپنی باری والے دن کی تمام حدیثیں آیتیں وغیرہ انہیں آکر سنا دیتا اور وہ مجھے' یہ بات ہم میں اس وقت مشہور ہو رہی تھی کہ غسانی بادشاہ اپنے فوجی گھوڑوں کے نعل لگوا رہا ہے اور اس کا ارادہ ہم پر چڑھائی کرنے کا ہے۔ ایک مرتبہ میرے ساتھی اپنی باری والے دن گئے ہوئے تھے عشاء کے وقت آگئے اور میرا دروازہ کھڑکھڑا کر مجھے آوازیں دینے لگے' میں گھبرا کر باہر نکلا کہ خیریت تو ہے؟ اس نے کہا آج تو بڑا بھاری کام ہو گیا۔ میں نے کہا کیا غسانی بادشاہ آ پہنچا؟ اس نے کہا اس سے بھی بڑھ کر' میں نے پوچھا وہ کیا؟ کہا رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی' میں نے کہا افسوس حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا برباد ہو گئی اور اس نے تو نقصان اٹھایا مجھے پہلے ہی سے اس امر کا کھٹکا تھا۔ صبح کی نماز پڑھتے ہی کپڑے پہن کر میں چلا سیدھا حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس گیا' دیکھا کہ وہ رو رہی ہیں میں نے کہا کیا رسول اللہ ﷺ نے تمہیں طلاق دیدی؟ جواب دیا یہ تو کچھ معلوم نہیں' آپؐ ﷺ ہم سے الگ ہو کر اپنے بالاخانے میں تشریف فرما ہیں۔ میں وہاں گیا' دیکھا کہ ایک حبشی غلام پہرے پر ہے' میں نے کہا جاؤ میرے لیے اجازت طلب کرو' وہ گیا' پھر آکر کہا کہ حضور ﷺ نے کچھ جواب نہیں دیا۔ میں وہاں سے واپس چلا آیا' مسجد میں گیا دیکھا کہ منبر کے پاس ایک گروہ صحابہؓ کا بیٹھا ہوا ہے اور بعض بعض کے تو آنسو نکل رہے ہیں' میں تھوڑی سی دیر بیٹھا لیکن چین کہاں؟ پھر اٹھ کھڑا ہوا اور وہاں جا کر غلام سے کہا کہ میرے لیے اجازت طلب کرو' اس نے پھر آکر یہی کہا کہ کچھ جواب نہیں ملا' میں دوبارہ مسجد چلا گیا' پھر وہاں سے گھبرا کر نکلا' یہاں آیا پھر غلام سے کہا' غلام گیا آیا اور وہی جواب دیا' میں واپس مڑا ہی تھا کہ غلام نے مجھے آواز دی کہ آیئے آپؐ کو اجازت مل گئی۔ میں گیا' دیکھا کہ حضور ﷺ ایک بوریے پر ٹیک لگائے بیٹھے ہوئے ہیں جس کے نشان آپؐ ﷺ کے جسم مبارک پر ظاہر ہیں۔ میں نے کہا یارسول اللہ کیا آپؐ نے اپنی بیویوں کو طلاق دیدی ہے؟ آپؐ ﷺ نے سر اٹھا کر میری طرف دیکھا اور فرمایا نہیں۔ میں نے کہا اللہ اکبر! یارسول اللہ بات یہ ہے کہ ہم قوم قریش تو اپنی بیویوں کو دباؤ میں رکھا کرتے تھے لیکن مدینے والوں پر ان کی بیویاں غالب ہیں' یہاں آکر ہماری عورتوں نے بھی ان کی دیکھا دیکھی یہی حرکت شروع کر دی' پھر میں نے اپنی بیوی کا واقعہ بیان کیا اور اپنا' یہ خبر پا کر حضور ﷺ کی بیویاں بھی ایسا کرتی ہیں' یہ کہنا بھی بیان کیا کہ انہیں ڈر نہیں کہ اللہ کے رسول کے غصے کی وجہ سے اللہ بھی ناراض ہو جائے اور وہ ہلاک ہو جائیں۔ اس پر حضور ﷺ مسکرائے میں نے پھر اپنا حفصہ کے پاس جانا اور انہیں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ریس کرنے سے روکنا بیان کیا۔ اس پر دوبارہ مسکرائے' میں نے کہا اگر اجازت ہو تو ذرا سی دیر اور رک جاؤں؟ آپؐ ﷺ نے اجازت دی میں بیٹھ گیا' اب جو سر اٹھا کر چوطرف نظریں دوڑائیں تو آپؐ ﷺ کی بیٹھک (دربار خاص) میں سوائے تین خشک کھالوں کے اور کوئی چیز نہ دیکھی' آزردہ دل ہو کر عرض کیا کہ یارسول اللہ دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ آپؐ کی امت پر کشادگی کرے' دیکھیے تو فارسی اور رومی جو اللہ کی عبادت ہی نہیں کرتے انہیں کس قدر دنیا کی نعمتوں میں وسعت دی گئی ہے؟ یہ سنتے ہی آپؐ ﷺ سنبھل بیٹھے اور فرمانے لگے اے ابن خطاب! کیا تو شک میں ہے؟ اس قوم کی اچھائیاں انہیں بہ عجلت دنیا میں ہی دے دی گئیں' میں نے کہا حضور میرے لیے اللہ سے طلب بخشش کیجیے۔ بات یہ تھی کہ آپؐ نے بوجہ سخت ناراضگی قسم کھالی تھی کہ مہینہ بھر تک اپنی بیویوں کے پاس نہ جاؤں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو تنبیہ کی۔ یہ حدیث بخاری' مسلم' ترمذی اور نسائی میں بھی ہے۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے ابن عباسؓ فرماتے ہیں سال بھر اسی امید میں گزر گیا کہ موقعہ ملے تو حضرت عمرؓ سے ان دونوں کے نام دریافت کروں لیکن ہیبت فاروقی سے ہمت نہیں پڑتی تھی یہاں تک کہ حج کی واپسی میں پوچھا پھر پوری حدیث بیان کی جو اوپر گزر چکی۔

صحیح مسلم میں ہے کہ طلاق کی شہرت کا واقعہ پردہ کی آیتوں کے نازل ہونے سے پہلے کا ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت عمرؓ جس طرح حفصہؓ کے پاس جا کر انہیں سمجھا آئے تھے اسی طرح حضرت عائشہؓ کے پاس بھی ہو آئے تھے اور یہ بھی ہے کہ وہ غلام جو

ڈیوڑھی پر پہرہ دے رہے تھے حضرت رباحؓ تھے' یہ بھی ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضور ﷺ سے کہا' آپؐ عورتوں کے بارے میں اس مشقت میں کیوں پڑتے ہیں؟ اگر آپؐ انہیں طلاق بھی دیدیں تو آپؐ کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے فرشتے ہیں اور جبرئیل اور میکائیل اور میں اور ابوبکر اور جملہ مومن۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں الحمد اللہ میں اس قسم کی جو بات کہتا مجھے امید لگی رہتی کہ اللہ تعالیٰ میری بات کی تصدیق نازل فرمائے گا۔ پس اس موقعہ پر بھی آیت تخییر یعنی ﴿عَسٰے رَبُّهٗٓ﴾ الخ اور ﴿وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ﴾ الخ آپؐ ﷺ پر نازل ہوئیں۔ مجھے جب آپؐ سے معلوم ہوا کہ آپؐ نے اپنی ازواج مطہرات کو طلاق نہیں دی تو میں نے مسجد آکر دروازے پر کھڑے ہو کر اونچی آواز سے سب کو اطلاع دیدی کہ حضور ﷺ نے ازواج مطہرات کو طلاق نہیں دی۔ اسی کے بارے میں آیت ﴿وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِالْخَوْفِ﴾ الخ اتری' یعنی جہاں انہیں کوئی امن کی یا خوف کی خبر پہنچی کہ یہ اسے شہرت دینے لگتے ہیں' اگر یہ اس خبر کو رسول یا ذی عقل وعلم مسلمانوں تک پہنچادیتے تو بیشک ان میں سے جو لوگ محقق ہیں وہ اسے سمجھ لیتے۔ حضرت عمرؓ یہاں تک اس آیت کو پڑھ کر فرماتے ہیں پس اس امر کا استنباط کرنے والوں میں میں ہی ہوں۔ اور بھی بہت سے بزرگ مفسرین سے مروی ہے کہ ﴿صَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ سے مراد حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ ہیں' بعضوں نے حضرت عثمانؓ کا نام بھی لیا ہے بعض نے حضرت علیؓ کا۔ ایک ضعیف حدیث میں مرفوعا صرف حضرت علیؓ کا نام ہے لیکن سند ضعیف ہے اور بالکل منکر ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ آپؐ ﷺ کی بیویاں غیرت میں آگئیں جس پر میں نے ان سے کہا کہ اگر حضور ﷺ تمہیں طلاق دے دیں گے تو اللہ تعالیٰ تم سے بہتر بیویاں آپؐ ﷺ کو دے گا۔ پس میرے لفظوں ہی میں قرآن کی یہ آیت اتری۔ پہلے یہ بیان ہو چکا ہے کہ حضرت عمرؓ نے بہت سی باتوں میں قرآن کی موافقت کی جیسے پردے کے بارے میں' بدری قیدیوں کے بارے میں' مقام ابراہیم کو قبلہ ٹھہرانے کے بارے میں۔ ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے کہ مجھے جب امہات المومنین کی اس رنجش کی خبر پہنچی تو ان کی خدمت میں گیا اور انہیں یہی کہنا شروع کیا یہاں تک کہ آخری ام المومنین کے پاس پہنچا تو مجھے جواب ملا کہ کیا ہمیں رسول اللہ ﷺ خود نصیحت کرنے کے لیے کم ہیں جو تم آگئے؟ اس پر میں تو خاموش ہو گیا لیکن قرآن میں ﴿عَسٰى رَبُّهٗٓ﴾ الخ نازل ہوئی۔

صحیح بخاری میں ہے کہ جواب دینے والی ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں جو بات حضور ﷺ نے چپکے سے اپنی بیوی صاحبہ سے کہی تھی کہ اس کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں آپؐ ﷺ تھے وہ جب تشریف لائیں اور حضرت ماریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے آپؐ ﷺ کو مشغول پایا تو آپؐ نے انہیں فرمایا تم حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو خبر نہ کرنا میں تمہیں ایک بشارت سناتا ہوں۔ میرے انتقال کے بعد میری خلافت پر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بعد تمہارے والد آئیں گے۔ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو خبر کر دی پس حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے کہا اس کی خبر آپ کو کس نے پہنچائی؟ آپؐ ﷺ نے فرمایا مجھے علیم و خبیر اللہ نے پہنچائی۔ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا میں آپؐ کی طرف نہ دیکھوں گی جب تک کہ آپؐ ماریہ رضی اللہ تعالیٰ کو اپنے اوپر حرام نہ کرلیں۔ آپ ﷺ نے کرلی اس پر آیت ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ﴾ الخ نازل ہوئی طبرانی۔ لیکن اس کی سند مخدوش ہے۔ مقصد یہ ہے کہ ان تمام روایات سے ان پاک آیتوں کی تفسیر تو ظاہر ہی ہے۔ ﴿سٰٓئِحٰتٍ﴾ کی تفسیر ایک تو یہ ہے کہ روزے رکھنے والیاں۔ ایک مرفوع حدیث میں بھی یہی تفسیر اس لفظ کی آئی ہے جو حدیث سورہ برات کے اس لفظ کی تفسیر میں گزر چکی ہے کہ اس امت کی سیاحت روزے رکھنا ہے۔ دوسری تفسیر یہ ہے کہ مراد اس سے ہجرت کرنے والیاں ہیں' لیکن اول قول ہی اولیٰ ہے' واللہ اعلم۔

پیغمبرؐ کی بیویاں: پھر فرمایا ان میں سے بعض بیوہ ہوں گی اور بعض کنواریاں اس لیے کہ جی خوش رہے قسموں کی تبدیلی نفس کو بھلی معلوم ہوتی ہے۔ معجم طبرانی میں ابن یزید اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے اس آیت میں جو

وعدہ فرمایا ہے اس سے مراد بیوہ سے تو حضرت آسیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں جو فرعون کی بیوی تھیں اور کنواری سے مراد حضرت مریم علیہ السلام ہیں جو حضرت عمران کی بیٹی تھیں۔ ابن عساکر میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اس وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ ﷺ کے پاس آئیں تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ حضرت خدیجہ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ انہیں خوشی ہو جنت کے ایک چاندی کے گھر کی جہاں نہ گرمی ہے' نہ تکلیف ہے' نہ شور وغل جو چھدے ہوئے موتی کا بنا ہوا ہے جس کے دائیں بائیں مریم بنت عمران اور آسیہ بنت مزاحم کے مکانات ہیں اور روایت میں ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے انتقال کے وقت آنحضرت ﷺ نے فرمایا اے خدیجہ اپنی سوکنوں سے میرا سلام کہنا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا یارسول اللہ کیا مجھ سے پہلے بھی آپ نے کسی سے نکاح کیا تھا؟ آپ نے فرمایا نہیں مگر اللہ تعالیٰ نے مریم بنت عمران اور آسیہ زوج فرعون اور کلثم بہن موسیٰ کی یہ تینوں میرے نکاح میں دے رکھی ہیں۔ یہ حدیث بھی ضعیف ہے'۔ حضرت امامہ سے ابو یعلی میں مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کیا جانتے ہو اللہ تعالیٰ نے جنت میں میرا نکاح مریم بنت عمران کلثم اخت موسیٰ اور آسیہ زوجہ فرعون سے کر دیا ہے۔ میں نے کہا یارسول اللہ آپ کو مبارک باد ہو' یہ حدیث بھی ضعیف ہے' اور ساتھ ہی مرسل بھی ہے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ﴿٦﴾ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ إِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٧﴾ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تُوبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَصُوحًا عَسَى رَبُّكُمْ أَنْ يُكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللَّهُ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ نُورُهُمْ يَسْعَى بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَتْمِمْ لَنَا نُورَنَا وَاغْفِرْ لَنَا إِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٨﴾

اے ایمان والو تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان ہیں اور پتھر جس پر سخت دل مضبوط فرشتے مقرر ہیں جنہیں جو حکم اللہ تعالیٰ دیتا ہے اس کی نافرمانی نہیں کرتے بلکہ جو حکم کیا جائے بجا لاتے ہیں۔ اے کافرو! تم آج عذر معذرت مت کرو تمہیں صرف تمہارے کرتوت کا بدلہ دیا جا رہا ہے۔ اے ایمان والو! تم اللہ کے سامنے سچی خالص توبہ کرو ممکن ہے کہ تمہارا رب تمہارے گناہ دور کر دے اور تمہیں ایسی جنتوں میں پہنچائے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں جس دن اللہ تعالیٰ نبی ﷺ کو اور ایمان داروں کو جو ان کے ساتھ ہیں رسوا نہ کرے گا' ان کا نور ان کے سامنے اور ان کے دائیں دوڑ رہا ہو گا یہ دعائیں کرتے ہوں گے اے ہمارے رب ہمیں ضیا عطا فرما اور ہمیں بخش دے یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے۔

جہنم سے بچو اور گھر والوں کو بچاؤ: حضرت علیؓ فرماتے ہیں ارشاد الٰہی ہے کہ اپنے گھرانے کے لوگوں کو علم و ادب سکھاؤ' حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں اللہ کے فرمان بجا لاؤ اس کی نافرمانیاں مت کرو اپنے گھرانے کے لوگوں کو ذکر اللہ کی تاکید کرو تا کہ اللہ

تمہیں جہنم سے بچالے' مجاہد فرماتے ہیں اللہ سے ڈرو اور اپنے گھر والوں کو بھی یہی تلقین کرو' قتادہؒ فرماتے ہیں اللہ کی اطاعت کا حکم دو اور نافرمانیوں سے روکتے رہو ان پر اللہ کے حکم قائم رکھو اور انہیں احکام خدا بجالانے کی تاکید کرتے رہو نیک کاموں میں ان کی مدد کرو اور برے کاموں پر انہیں ڈانٹو ڈپٹو' ضحاکؒ و مقاتلؒ فرماتے ہیں ہر مسلمان پر فرض ہے کہ اپنے رشتے کنبے کے لوگوں کو اور اپنے لونڈی غلام کو اللہ کے فرمان بجالانے کی اور اس کی نافرمانیوں سے روکنے کی تعلیم دیتا رہے۔ مسند احمد میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب بچے سات سال کے ہو جائیں انہیں نماز پڑھنے کو کہتے سنتے رہا کرو' جب دس سال کے ہو جائیں اور نماز میں سستی کریں تو انہیں مار کر دھمکا کر پڑھاؤ' یہ حدیث ابوداؤد اور ترمذی میں بھی ہے۔ فقہا کا فرمان ہے کہ اسی طرح روزے کی بھی تاکید اور تنبیہ اس عمر سے شروع کر دینی چاہیے تاکہ بالغ ہونے تک پوری طرح نماز روزے کی عادت ہو جائے۔ اطاعت کے بجالانے اور معصیت سے بچتے رہنے اور برائی سے دور رہنے کا سلیقہ پیدا ہو جائے۔ ان کاموں سے تم اور وہ جہنم کی آگ سے بچ جاؤ گے جس کا ایندھن انسانوں کے جسم اور پتھر ہیں۔ ان چیزوں سے یہ آگ سلگائی گئی ہے پھر خیال کرلو کہ کس قدر تیز ہو گی' پتھر سے مراد یا تو وہ پتھر ہیں جن کی دنیا میں پرستش ہوتی رہتی ہے جیسے اور جگہ ہے ﴿اِنَّكُمْ وَ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ﴾ اور تمہارے معبود جہنم کی لکڑیاں ہیں یا گندھک کے نہایت ہی بدبودار پتھر ہیں' ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی' اس وقت آپؐ ﷺ کی خدمت میں بعض اصحاب تھے جن میں سے ایک شیخ نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ کیا جہنم کے پتھر دنیا کے پتھروں جیسے ہیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ جہنم کا ایک پتھر ساری دنیا کے تمام پہاڑوں سے بڑا ہے' انہیں یہ سن کر غشی آ گئی' حضور ﷺ نے ان کے دل پر ہاتھ رکھا تو دل دھڑک رہا تھا' آپؐ نے انہیں آواز دی کہ اے شیخ کہو ﴿لا اله الا الله﴾ اس نے اسے پڑھا' پھر آپؐ نے اسے جنت کی خوشخبری دی تو آپؐ کے اصحاب نے کہا کیا ہم سب کے درمیان صرف اسی کو خوشخبری دی جارہی ہے؟ آپؐ نے فرمایا دیکھو قرآن میں ہے ﴿ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَ خَافَ وَعِيْدِ ﴾ یہ اس کے لیے ہے جو میرے سامنے کھڑا ہونے اور میری دھمکیوں کا ڈر رکھتا ہو۔ یہ حدیث غریب ہے اور مرسل ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے اس آگ سے عذاب کرنے والے فرشتے سخت طبیعت والے ہیں جن کے دلوں میں کافروں کے لیے اللہ نے رحم رکھا ہی نہیں اور جو بدترین ترکیبوں سے بڑی بھاری سزائیں کرتے ہیں جن کے دیکھنے سے بھی پتہ پانی اور کلیجہ چھلنی ہو جائے۔ عکرمہؒ فرماتے ہیں جب دوزخیوں کا پہلا جتھا جہنم کو چلے گا تو دیکھے گا کہ پہلے دروازے پر چار لاکھ فرشتے عذاب کرنے والے تیار ہیں جن کے چہرے بڑے ہیبت ناک اور نہایت سیاہ ہیں' کچلیاں باہر کو نکلی ہوئی ہیں' سخت بے رحم ہیں ایک ذرے کے برابر بھی اللہ نے ان کے دلوں میں رحم نہیں رکھا۔ اس قدر جسیم ہیں کہ اگر کوئی پرند ان کے کھوے سے اڑ کر دوسرے کھوے تک پہنچنا چاہے تو دو مہینے گزر جائیں۔ پھر دروازے پر انیس فرشتے پائیں گے جن کے سینوں کی چوڑائی ستر سال کی راہ ہے۔ پھر ایک دروازے سے دوسرے دروازے کی طرف دھکیل دیے جائیں گے پانچ سو سال تک گرتے رہنے کے بعد دوسرا دروازہ آئے گا وہاں بھی ایسے ہی اور اتنے ہی فرشتوں کو موجود پائیں گے۔ اسی طرح ہر دروازے پر۔ یہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے فرمان کے تابع ہیں۔ ادھر فرمایا گیا ادھر انہوں نے عمل شروع کر دیا۔ ان کا نام زبانیہ ہے۔ اللہ ہمیں اپنے عذابوں سے اپنی پناہ دے' آمین۔

قیامت کے دن کفار سے فرمایا جائے گا آج تم بیکار عذر پیش نہ کرو کوئی معذرت ہمارے سامنے چل نہ سکے گی۔ تمہارے کرتوت کا مزہ تمہیں چکھنا ہی پڑے گا۔ پھر ارشاد ہے کہ ایمان والو تم سچی اور خالص توبہ کرو جس سے تمہارے اگلے گناہ معاف ہو جاویں' میل کچیل دھل جائے' برائیوں کی عادت چھٹ جائے۔ نعمان بن بشیرؓ نے اپنے ایک خطبہ میں بیان فرمایا کہ لوگوں میں نے حضرت عمر بن خطابؓ سے سنا ہے کہ خالص توبہ یہ ہے کہ انسان گناہ کی معافی چاہے اور پھر اس گناہ کو نہ کرے اور روایت میں ہے پھر اس کے کرنے کا ارادہ بھی نہ کرے۔ حضرت عبداللہؓ سے بھی اسی کے قریب مروی ہے۔ ایک مرفوع حدیث میں بھی یہی آیا ہے جو ضعیف ہے اور ٹھیک

یہی ہے کہ وہ بھی موقوف ہی ہے واللہ اعلم۔

علمائے سلف فرماتے ہیں توبہ خالص یہ ہے کہ گناہ کو اسی وقت چھوڑ دے جو ہو چکا ہے اس پر نادم ہو اور آئندہ کے لیے نہ کرنے کا پختہ عزم ہو اور اگر گناہ میں کسی انسان کا حق ہے تو چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ حق باقاعدہ ادا کرے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں نادم ہونا بھی توبہ کرنا ہے۔ حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں ہمیں کہا گیا تھا کہ اس امت کے آخری لوگ قیامت کے قریب کیا کیا کام کریں گے؟ ان میں ایک یہ ہے کہ انسان اپنی بیوی یا لونڈی سے اس کے پاخانہ کی جگہ میں وطی کرے گا جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے مطلق حرام کر دیا ہے اور جس فعل پر اللہ اور اس کے رسول کی ناراضگی ہوتی ہے اسی طرح مرد مرد سے بدفعلی کریں گے جو باعث ناراضگی اللہ اور رسول اللہ ہے' ان لوگوں کی نماز بھی اللہ کے ہاں مقبول نہیں جب تک کہ یہ توبہ نصوح نہ کریں۔ حضرت زرؓ نے حضرت ابیؓ سے پوچھا' توبہ نصوح کیا ہے۔ فرمایا میں نے حضور ﷺ سے یہی سوال کیا تھا تو فرمایا قصور سے گناہ ہو گیا پھر اس پر نادم ہونا' اللہ تعالیٰ سے معافی چاہنا اور پھر اس گناہ کی طرف مائل نہ ہونا۔ حسنؒ فرماتے ہیں توبہ نصوح یہ ہے کہ جیسے گناہ کی محبت تھی ویسا ہی بغض دل میں بیٹھ جائے اور جب وہ گناہ یاد آئے اس سے استغفار ہو جب کوئی شخص توبہ کرنے پر پختگی کر لیتا ہے اور اپنی توبہ پر جمار ہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی تمام اگلی خطائیں مٹا دیتا ہے جیسے کہ صحیح حدیث میں ہے کہ اسلام لانے سے پہلے کی تمام خطائیں اسلام فنا کر دیتا ہے اور توبہ سے پہلے کی تمام خطائیں توبہ سوخت کر دیتی ہے' اب رہی یہ بات کہ توبہ نصوح میں یہ شرط بھی ہے کہ توبہ کرنے والا پھر مرتے دم تک اس گناہ کو نہ کرے جیسے کہ احادیث و آثار ابھی بیان ہوئے جن میں ہے کہ پھر کبھی نہ کرے' یا صرف اس کا عزم راسخ کافی ہے کہ اسے اب کبھی نہ کروں گا' گو پھر بتقضائے بشریت بھولے چوکے ہو جائے جیسے کہ ابھی حدیث گزری کہ توبہ اپنے سے پہلے گناہوں کو بالکل مٹا دیتی ہے' تو بجرد توبہ کے ہی گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ یا پھر مرتے دم تک اس کام کا نہ ہونا گناہ کی معافی کی شرط کے طور پر ہے؟ پس پہلی بات کی دلیل تو یہ حدیث صحیح ہے کہ جو شخص اسلام میں نیکیاں کرے وہ اپنی جاہلیت کی برائیوں پر پکڑا نہ جائے گا اور جو اسلام لا کر بھی برائیوں میں مبتلا رہے وہ اسلام کی اور جاہلیت کی دونوں برائیوں میں پکڑا جائے گا' پس اسلام جو کہ گناہوں کو دور کرنے میں توبہ سے بڑھ کر ہے' جب اس کے بعد بھی اپنی بدکرداریوں کی وجہ سے پہلی برائیوں میں بھی پکڑ ہوئی تو توبہ کے بعد تو بطور اولیٰ ہونی چاہیے' واللہ اعلم۔

لفظ علی گو تمنا امید اور امکان کے معنی دیتا ہے' لیکن کلام اللہ میں اس کے معنی تحقیق کے ہوتے ہیں پس فرمان ہے کہ خالص توبہ کرنے والے قطعاً اپنے گناہوں کو معاف کروالیں گے اور سرسبز و شاداب جنتوں میں جائیں گے۔ پھر ارشاد ہے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو اور ان کے ایمان دار ساتھیوں کو ہرگز شرمندہ نہ کرے گا' انہیں اللہ کی طرف سے نور عطا ہو گا جو ان کے آگے آگے اور دائیں طرف ہو گا اور سب اندھیروں میں ہوں گے اور یہ روشنی میں ہوں گے' جیسے کہ پہلے سورہ حدید کی تفسیر میں گزر چکا' جب یہ دیکھیں گے کہ منافقوں کو جو روشنی ملی تھی عین ضرورت کے وقت وہ ان سے چھین لی گئی اور وہ اندھیروں میں بھٹکتے رہ گئے تو دعا کریں گے کہ اے اللہ ہمارے ساتھ ایسا نہ ہو ہماری روشنی تو آخر وقت تک ہمارے ساتھ ہی رہے' ہمارا نور ایمان بجھنے نہ پائے۔ بنو کنانہ کے ایک صحابی فرماتے ہیں کہ فتح مکہ والے دن رسول اللہ ﷺ کے پیچھے میں نے نماز پڑھی تو میں نے آپ ﷺ کی اس دعا کو سنا ﴿**اَللّٰهُمَّ لَا تُخْزِنِیْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ**﴾ میرے اللہ مجھے قیامت کے دن رسوا نہ کرنا۔ ایک حدیث میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں قیامت کے دن سب سے پہلے سجدے کی اجازت مجھے دی جائے گی اور اسی طرح سب سے پہلے سجدے سے سر اٹھانے کی اجازت بھی مجھ ہی کو مرحمت ہو گی' میں اپنے سامنے اور دائیں بائیں نظر ڈال کر اپنی امت کو پہچان لوں گا۔ ایک صحابی نے کہا حضور انہیں کیسے پہچانیں گے؟ وہاں تو بہت سی امتیں مخلوط ہوں گی آپ ﷺ نے فرمایا میری امت کے لوگوں کی ایک نشانی تو یہ ہے کہ ان کے اعضاء وضو منور ہوں گے چمک رہے ہوں گے' کسی اور امت میں یہ بات نہ ہو گی دوسری پہچان یہ ہے کہ ان کے نامہ اعمال ان کے دائیں ہاتھ میں ہوں گے' تیسری نشانی

یہ ہوگی کہ سجدے کے نشان ان کی پیشانیوں پر ہوں گے جن سے میں پہنچان لوں گا۔ چوتھی علامت یہ ہے کہ ان کا نور ان کے آگے آگے ہوگا۔

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۭ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ ۭ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْــــًٔا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ۝

اے نبی! کافروں اور منافقوں سے جہاد کر اور ان پر سختی کر' ان کا ٹھکانا جہنم ہے جو بہت بری جگہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لیے نوح علیہ السلام اور لوط علیہ السلام کی بیوی کی کہاوت بیان فرمائی یہ دونوں ہمارے بندوں میں سے شائستہ اور نیک بندوں کے گھر میں تھیں پھر ان کی انہوں نے خیانت کی پس وہ دونوں نیک بندے ان سے اللہ کے کسی عذاب کو نہ روک سکے اور حکم دے دیا گیا کہ اے عورتو! دوزخ میں جانے والوں کے ساتھ تم دونوں بھی چلی جاؤ۔

حضرت نوح اور لوط کی بیویوں کا ذکر: اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو حکم دیتا ہے کہ کافروں سے جہاد کرو ہتھیاروں کے ساتھ منافقوں سے جہاد کرو حدود الٰہی جاری کرنے کے ساتھ ان پر دنیا میں سختی کرو' آخرت میں بھی ان کا ٹھکانا جہنم ہے جو بدترین بازگشت ہے' پھر مثال دے کر سمجھایا کہ کافروں کا مسلمانوں سے ملنا جلنا خلط ملط رہنا انہیں ان کے کفر کے باوجود اللہ کے ہاں کچھ نفع نہیں دے سکتا۔ دیکھو دو پیغمبروں کی عورتیں حضرت نوح علیہ السلام کی اور حضرت لوط علیہ السلام کی جو ہر وقت ان نبیوں کی صحبت میں رہنے والی اور دن رات ساتھ اٹھنے بیٹھنے والی اور ساتھ ہی کھانے پینے والی بلکہ سونے جاگنے والی تھیں' لیکن چونکہ ایمان میں ان کی ساتھی نہ تھیں اور اپنے کفر پر قائم تھیں' پس پیغمبروں کی آٹھ پہر کی صحبت انہیں کچھ کام نہ آئی' انبیاء اللہ انہیں اخروی نفع نہ پہنچا سکے اور نہ اخروی نقصان سے بچا سکے' بلکہ ان عورتوں کو بھی دوزخیوں کے ساتھ جہنم میں جانے کو کہہ دیا گیا۔ یہ یاد رہے کہ خیانت کرنے سے مراد یہاں بدکاری نہیں' انبیاء علیہم السلام کی حرمت و عصمت اس سے بہت اعلیٰ اور بالا ہے کہ ان کے گھر والیاں فاحشہ ہوں' ہم اس کا پورا بیان سورہ نور کی تفسیر میں کر چکے ہیں' بلکہ یہاں مراد خیانت فی الدین ہے یعنی دین میں اپنے خاوندوں کی خیانت کی' ان کا ساتھ نہ دیا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں ان کی خیانت زناکاری نہ تھی بلکہ یہ تھی کہ حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی تو لوگوں سے کہا کرتی تھی کہ یہ مجنون ہیں۔

اور لوط علیہ السلام کی بیوی جو مہمان حضرت لوط علیہ السلام کے ہاں آتے تو کافروں کو خبر کر دیتی تھی' یہ دونوں بددین تھیں' نوح علیہ السلام کی رازداری اور پوشیدہ طور پر ایمان لانے والوں کے نام کافروں پر ظاہر کر دیا کرتی تھی' اسی طرح حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی بھی اپنے خاوند' اللہ کے رسول کی مخالف تھی اور جو لوگ آپؑ کے ہاں مہمان بن کر ٹھہرتے یہ جا کر اپنی قوم سے خبر کر دیتی جنہیں بدفعلی کی عادت تھی' بلکہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ کسی پیغمبر کی کسی عورت نے بدکاری نہیں کی' اسی طرح عکرمہؒ' سعید بن جبیرؒ' ضحاکؒ وغیرہ سے مروی ہے' اس سے استدلال کر کے بعض علماء نے کہا ہے کہ وہ جو عام لوگوں میں مشہور ہے کہ حدیث میں ہے جو شخص کسی ایسے کے ساتھ کھائے جو بخشا ہوا ہو اسے بھی بخش دیا جاتا ہے یہ حدیث بالکل ضعیف ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ یہ حدیث محض بے اصل ہے۔ ہاں ایک بزرگ سے مروی ہے کہ انہوں نے خواب میں حضرت ﷺ کی زیارت کی اور پوچھا کہ کیا حضور

ﷺ نے یہ حدیث ارشاد فرمائی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں، لیکن اب میں کہتا ہوں۔

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ۘ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١١﴾ وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ﴿١٢﴾

اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کے لیے فرعون کی بیوی کی کہاوت بیان فرمائی جب کہ اس نے دعا کی کہ اے میرے رب میرے لیے اپنے پاس سے جنت میں مکان بنا اور مجھے فرعون سے اور اس کے عمل سے بچا اور مجھے ظالم لوگوں سے خلاصی دے اور مثال بیان فرمائی مریم بنت عمران کی جس نے اپنے ناموس کی حفاظت کی پھر ہم نے اپنی طرف سے اس میں جان پھونک دی مریم اپنے رب کی باتیں اور اس کی کتابوں کو مانتی تھی اور عبادت گزاروں میں سے تھی۔

حضرت آسیہؓ وحضرت مریمؑ کے فضائل: یہاں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے لیے مثال بیان فرما کر ارشاد فرماتا ہے کہ اگر یہ اپنی ضرورت پر کافروں سے خلط ملط ہوں تو انہیں کچھ نقصان نہ ہوگا جیسے اور جگہ ہے ﴿لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ﴾ الخ ایمان داروں کو چاہیے کہ مسلمانوں کے سوا اوروں سے دوستیاں نہ کریں، جو ایسا کرے گا وہ اللہ کی طرف سے کسی بھلائی میں نہیں، ہاں اگر بطور بچاؤ اور دفع الوقتی کے ہو تو اور بات ہے۔ قتادہؒ فرماتے ہیں روئے زمین کے تمام تر لوگوں میں سب سے زیادہ سرکش فرعون تھا، لیکن اس کے کفر نے بھی اس کی بیوی کو کچھ نقصان نہ پہنچایا، اس لیے کہ وہ اپنے زبردست ایمان پر پوری طرح قائم تھیں اور رہیں۔ جان لو کہ اللہ تعالیٰ عادل حاکم ہے، وہ ایک کے گناہ پر دوسرے کو نہیں پکڑتا۔ حضرت سلمانؓ فرماتے ہیں فرعون اس نیک بخت بیوی کو طرح طرح سے ستاتا تھا، سخت گرمیوں میں انہیں دھوپ میں کھڑا کر دیتا لیکن پروردگار اپنے فرشتوں کے پروں کا سایہ ان پر کر دیتا اور انہیں گرمی کی تکلیف سے بچا لیتا بلکہ انہیں ان کے جنتی مکان کو دکھا دیتا جس سے ان کی روح کی تازگی اور ایمان کی زیادتی ہو جاتی، فرعون اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بابت یہ دریافت کرتی رہتی تھیں کہ کون غالب رہا تو ہر وقت یہی سنتیں کہ موسیٰ غالب رہے بس یہی ان کے ایمان کا باعث بنا اور یہ پکار اٹھیں کہ موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کے رب پر ایمان لائی۔ فرعون کو جب یہ معلوم ہوا تو اس نے کہا جو بڑی سے بڑی پتھر کی چٹان تمہیں ملے اسے اٹھوا لاؤ اسے چت لٹاؤ اور اسے کہو کہ اپنے اس عقیدے سے باز آئے۔ اگر باز آ جائے تو تو میری بیوی ہے۔ عزت و حرمت کے ساتھ واپس لاؤ اور اگر نہ مانے تو وہ چٹان اس پر گرا دو اور اس کا قیمہ قیمہ کر ڈالو، جب یہ لوگ پتھر لائے انہیں لے گئے، لٹایا اور پتھر ان پر گرانے کے لیے اٹھایا تو انہوں نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی، پروردگار نے حجاب ہٹا دیے اور جنت کو اور وہاں جو مکان ان کے لیے بنایا گیا تھا اسے انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اور اسی میں ان کی روح پرواز کر گئی۔ جس وقت پتھر پھینکا گیا اس وقت ان میں روح تھی ہی نہیں۔ اپنی شہادت کے وقت دعا مانگتی ہیں کہ اے اللہ جنت میں اپنے قریب کی جگہ مجھے عنایت فرما، اس دعا کی باریکی پر بھی نگاہ ڈالیے کہ پہلے اللہ کا پڑوس مانگا جا رہا ہے پھر گھر کی درخواست کی جا رہی ہے۔ اس واقعہ کے بیان میں مرفوع حدیث بھی وارد ہوئی ہے۔ پھر دعا کرتی ہیں کہ مجھے فرعون اور اس کے عمل سے نجات دے میں اس کی کفریہ حرکتوں سے بیزار ہوں، مجھے اس ظالم قوم سے عافیت میں رکھ۔

ان بیوی صاحبہ کا نام آسیہ بنت مزاحم تھا۔ ان کے ایمان لانے کا واقعہ ابوالعالیہ اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ فرعون کے داروغہ کی عورت کا ایمان ان کے ایمان کا باعث بنا' وہ ایک روز فرعون کی لڑکی کا سر گوندھ رہی تھیں' اچانک کنگھی ہاتھ سے گر گئی اور ان کے منہ سے نکل گیا کہ کفار برباد ہوں۔ اس پر فرعون کی لڑکی نے کہا کہ کیا میرے باپ کے سوا تو کس اور کو اپنا رب مانتی ہے؟ اس نے کہا میرا اور تیرے باپ کا اور ہر چیز کا رب اللہ تعالیٰ ہے' اس نے غصہ میں آکر انہیں خوب مارا پیٹا اور اپنے باپ کو اس کی خبر کر دی' فرعون نے انہیں بلا کر خود پوچھا کہ کیا تم میرے سوا کسی اور کی عبادت کرتی ہو؟ جواب دیا کہ ہاں میرا اور تیرا اور تمام مخلوق کا رب اللہ ہے میں اسی کی عبادت کرتی ہوں۔ فرعون نے حکم دیا اور انہیں چت لٹا کر ان کے ہاتھ پیروں پر میخیں گڑوا دیں اور سانپ چھوڑ دیے جو انہیں کاٹتے رہیں۔ پھر ایک دن آیا اور کہا اب بھی تیرے خیالات درست ہوئے؟ وہاں سے جواب ملا کہ میرا اور تیرا اور تمام مخلوق کا رب اللہ ہی ہے۔ فرعون نے کہا اب تیرے سامنے میں تیرے لڑکے کو ٹکڑے ٹکڑے کردوں گا ورنہ اب بھی میرا کہا مان لے اور اس دین سے باز آجا انہوں نے جواب دیا کہ جو کچھ تو کر سکتا ہو کر ڈال' اس ظالم نے ان کے لڑکے کو پکڑوا منگوایا۔ اور ان کے سامنے اسے مار ڈالا جب اس بچے کی روح نکلی تو اس نے کہا اے ماں خوش ہو جا تیرے لیے اللہ تعالیٰ نے بڑے بڑے ثواب تیار کر رکھے ہیں اور فلاں فلاں نعمتیں تجھے ملیں گی۔ انہوں نے اس روح فرسا سانحہ کو بچشم خود دیکھا' لیکن صبر کیا اور راضی بہ قضا ہو کر بیٹھ رہیں۔ فرعون نے پھر انہیں اسی طرح باندھ کر ڈلوا دیا اور سانپ چھوڑ دیے۔ پھر ایک دن آیا اور اپنی بات دہرائی' بیوی صاحبہ نے پھر نہایت صبر و استقلال سے وہی جواب دیا' اس نے پھر وہی دھمکی دی اور ان کے دوسرے بچے کو بھی ان کے سامنے ہی قتل کرا دیا' اس کی روح نے اسی طرح اپنی والدہ کو خوشخبری دی اور صبر کی تلقین کی فرعون کی اس بیوی نے بڑے بچے کی رُوح کی خوش خبری سنی تھی۔ اب اس چھوٹے بچے کی بھی خوشخبری سنی اور ایمان لے آئیں۔ ادھر ان بیوی صاحبہ کی روح اللہ تعالیٰ نے قبض کر لی اور ان کی منزل اور مرتبہ جو اللہ کے ہاں تھا' وہ حجاب ہٹا کر فرعون کی بیوی کو دکھا دیا گیا' یہ اپنے ایمان اور یقین میں بہت بڑھ گئیں یہاں تک کہ فرعون کو بھی ان کے ایمان کی خبر ہو گئی' اس نے ایک روز اپنے درباریوں سے کہا تمہیں کچھ میری بیوی کی خبر ہے؟ تم اسے کیا جانتے ہو۔ سب نے بڑی تعریف کی اور ان کی بھلائیاں بیان کیں۔ فرعون نے کہا تمہیں نہیں معلوم؟ وہ میرے سوا اور دوسرے کو اللہ مانتی ہے' پھر مشورہ ہوا کہ انہیں قتل کر جائے چنانچہ میخیں گاڑی گئیں اور ان کے ہاتھ پاؤں باندھ کر ڈال دیا گیا اس وقت حضرت آسیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے رب سے دعا کی کہ پروردگار میرے لیے اپنے پاس جنت میں مکان بنا' اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور حجاب ہٹا کر انہیں ان کا جنتی درجہ دکھا دیا اس پر یہ ہنسنے لگیں' ٹھیک اسی وقت فرعون آگیا اور انہیں ہنستا ہوا دیکھ کر کہنے لگا لوگو تمہیں تعجب نہیں معلوم ہوتا؟ کہ اتنی سخت سزا میں یہ مبتلا ہے اور پھر ہنس رہی ہے یقیناً اس کا دماغ ٹھکانے نہیں' الغرض انہی عذابوں میں یہ شہید ہوئیں' رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ پھر دوسری مثال حضرت مریم بنت عمران علیہا السلام کی بیان کی جاتی ہے کہ وہ نہایت پاک دامن تھیں ہم نے اپنے فرشتے جبرئیل علیہ السلام کی معرفت ان میں روح پھونکی۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو انسانی صورت میں اللہ تعالیٰ نے بھیجا تھا اور حکم دیا تھا کہ وہ اپنے منہ سے ان کے گریبان میں پھونک ماردیں' اسی سے حمل رہ گیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ پس فرمان ہے کہ ہم نے اس میں اپنی روح پھونکی۔

پھر حضرت مریم علیہا السلام کی اور تعریف ہو رہی ہے کہ وہ اپنے رب کی تقدیر اور شریعت کو سچ ماننے والی تھیں اور پوری فرماں بردار تھیں۔ مسند احمد میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے زمین پر چار لکیریں کھینچیں اور صحابہ سے دریافت کیا جانتے ہو کہ یہ کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ہی کو پورا علم ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا سنو' تمام جنتی عورتوں میں سے افضل خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت خویلد اور فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت محمد ﷺ اور مریم علیہا السلام بنت عمران اور آسیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت مزاحم ہیں جو فرعون کی بیوی تھیں۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مردوں میں تو صاحب کمال

بہت سارے ہوئے ہیں لیکن عورتوں میں سے کامل عورتیں صرف حضرت آسیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں جو فرعون کی بیوی تھیں اور حضرت مریم بنت عمران ؑ اور حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت خویلد ہیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی فضیلت عورتوں پر ایسی ہی ہے جیسے سالن میں چوری ہوئی روٹی کی فضیلت باقی کھانوں پر ہم اپنی کتاب البدایہ والنہایہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قصہ کے بیان کے موقعہ پر اس حدیث کی سندیں اور الفاظ بیان کر چکے ہیں' فالحمد للہ اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اسی سورت کے آیت کے الفاظ ﴿ثَيِّبٰتٍ وَّ اَبْكَارًا﴾ کی تفسیر کے موقعہ پر وہ حدیث بھی ہم بیان کر چکے ہیں جس میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کی جنتی بیویوں میں ایک حضرت آسیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت مزاحم بھی ہیں۔

﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰه ﴾ سورہ تحریم کی تفسیر ختم ہوئی۔اور اس کے ساتھ ہی اٹھائیسواں پارہ تمام ہوا

تفسیر سورۂ ملک مکیہ

سورہ ملک کی فضیلت اور فوائد: مسند احمد میں یہ روایت حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قرآن کریم میں تیس آیتوں کی ایک سورت ہے جو اپنے پڑھنے والوں کی سفارش کرتی رہے گی یہاں تک کہ اسے بخش دیا جائے وہ سورت ﴿ **تبارك الذى بيده الملك** ﴾ ہے۔ ابوداؤد نسائی ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی یہ حدیث ہے۔ امام ترمذیؒ اسے حسن کہتے ہیں۔

تاریخ ابن عساکر میں حضرت انس ابن مالکؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم سے پہلے کا ایک شخص مر گیا، جس کے ساتھ کتاب اللہ میں سوائے سورۂ ﴿تبارك الذى﴾ کے اور کوئی چیز نہ تھی۔ جب اسے دفن کیا گیا اور فرشتہ اس کے پاس آیا تو یہ سورت اس کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ فرشتے نے کہا تو کتاب اللہ ہے میں تجھے ناراض کرنا نہیں چاہتا۔ تجھے معلوم ہے کہ تیرے یا اپنے یا اس میت کے کسی نفع نقصان کا مجھے اختیار نہیں۔ اگر تو یہی چاہتا ہے تو تو اللہ تعالیٰ کے پاس جا کر اس کی سفارش کر۔ چنانچہ یہ سورت اللہ عزوجل کے پاس جائے گی اور کہے گی اے اللہ تیری کتاب میں سے مجھے فلاں شخص نے سیکھا پڑھا اب کیا تو اسے آگ میں جلائے گا؟ کیا باوجودیکہ میں اس کے سینے میں محفوظ ہوں تو اسے عذاب کرے گا؟ اگر یہی کرنا ہے تو مجھے اپنی کتاب میں سے مٹا ڈال۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو اس وقت سخت غضبناک ہے۔ یہ کہے گی مجھے حق ہے کہ میں اپنی ناراضگی ظاہر کروں۔ پس جناب باری تعالیٰ کا ارشاد ہو گا کہ جا میں نے اسے تجھے دیا اور تیری سفارش قبول کر لی۔ اب یہ سورت اس کے پاس آئے گی اور عذاب کے فرشتے کو ہٹا دے گی اور اس کے منہ سے اپنا منہ ملا کر کہے گی اس منہ کو مرحبا ہو یہی میری تلاوت کیا کرتا تھا۔ اس سینے کو صد شاباش ہو اس نے مجھے یاد کر رکھا تھا۔ ان دونوں قدموں کو مبارکباد ہو یہی کھڑے ہو کر راتوں کو میری قرأت کے ساتھ قیام کیا کرتے تھے اور یہ سورت قبر میں اس کی مونس اور غم خوار بن جائے گی اور کوئی ڈر دہشت اسے نہیں پہنچنے دے گی۔ اس حدیث کے سنتے ہی تمام چھوٹے بڑے، آزاد اور غلام نے اسے سیکھ لیا۔ اس کا نام رسول اللہ ﷺ نے ﴿ **منجيه** ﴾ رکھا یعنی نجات دلوانے والی سورت۔ لیکن یہ یاد رہے کہ یہ حدیث بہت ہی منکر ہے اس کے راوی فرات بن سائب کو امام احمدؒ، امام یحییٰ بن معینؒ، امام بخاریؒ، امام ابو حاتمؒ، امام دار قطنیؒ وغیرہ ضعیف کہتے ہیں۔

اور دوسری سند سے مروی ہے کہ یہ قول امام زہریؒ کا ہے مرفوع حدیث نہیں۔ امام بیہقیؒ نے کتاب "اثبات عذاب القبر" میں حضرت ابن مسعودؓ سے ایک حدیث مرفوع بھی بیان کی ہے اور موقوف بھی، اس میں بھی جو مضمون ہے وہ اس کی شہادت میں کام دے سکتا ہے۔ ہم نے اسے احکام کبریٰ کی کتاب الجنائز میں بیان کیا ہے، وللہ الحمد۔ طبرانی وغیرہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں قرآن کریم کی ایک سورت ہے جس نے اپنے پڑھنے والے کی طرف سے اللہ تعالیٰ سے لڑ جھگڑ کر اسے جنت میں داخل کرا یا وہ سورۂ ﴿ **تبارك الذى** ﴾ ہے۔ ترمذی میں ہے کہ کسی صحابیؓ نے جنگل میں ایک ڈیرا لگایا جہاں ایک قبر بھی تھی لیکن اسے علم نہ تھا، اس نے سنا کہ کوئی شخص سورۂ ﴿ **ملك** ﴾ پڑھ رہا ہے اور اس نے اسے پوری پڑھی۔ اس نے نبی اکرم ﷺ سے سارا واقعہ بیان کیا تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا یہ سورت روکنے والی ہے یہ سورت نجات دلوانے والی ہے جو عذاب قبر سے نجات دلواتی ہے۔ یہ حدیث غریب ہے۔

ترمذی کی دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سونے سے پہلے سورۂ ﴿ **الم تنزيل** ﴾ اور سورۂ ﴿ **تبارك الذى** ﴾ ضرور پڑھ لیا کرتے تھے۔ حضرت طاؤسؒ کی روایت سے ہے کہ یہ دونوں سورتیں قرآن کی اور سورتوں پر ستر نیکیاں فضیلت رکھتی ہے۔ طبرانی میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں میری دلی منشا ہے کہ یہ سورت میری امت میں سے ہر ایک کے دل میں رہے، یعنی سورۂ ملک۔ یہ حدیث بھی غریب ہے اور اس کے راوی ابراہیمؒ ضعیف ہیں۔ اور اسی جیسی روایت سورۂ یٰسین کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔ مسند عبد بن حمید میں ذرا بسط کے ساتھ بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ایک شخص سے فرمایا کہ آ میں تجھے ایسا تحفہ دوں کہ تو خوش ہو جائے

﴿ تَبَارَكَ الَّذِیْ ﴾ پڑھا کر اور اسے اپنے اہل و عیال کو اولاد کو گھر کے بچوں کو اور پڑوسیوں کو سکھا۔ یہ سورت نجات دلوانے والی اور شفاعت کرنے والی ہے قیامت کے دن اپنے پڑھنے والے کی طرف سے اللہ تعالیٰ سے سفارش کرے گی اور اسے عذاب آگ سے بچالے گی اور عذاب قبر سے بھی۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ میں تو چاہتا ہوں کہ میرے ایک ایک امتی کے دل میں یہ ہو۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ ۡ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرُ ۙ ۝۱ الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ ۙ ۝۲ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ؕ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ ۝۳ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَیْنِ یَنْقَلِبْ اِلَیْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِیْرٌ ۝۴ وَلَقَدْ زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّیٰطِیْنِ وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِیْرِ ۝۵

اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والے مہربان کے نام سے شروع۔

بہت بابرکت ہے وہ اللہ تعالیٰ جس کے ہاتھ بادشاہی ہے اور جو ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ جس نے موت اور حیات کو اس لئے پیدا کیا کہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے اچھے کام کون کرتا ہے‘ جو غالب اور بخشنے والا ہے۔ جس نے ساتوں آسمانوں کو اوپر تلے پیدا کیا‘ تو اے دیکھنے والے اللہ تعالیٰ رحمٰن کی پیدائش میں کوئی بے ضابطگی نہ دیکھے گا‘ دوبارہ نظریں ڈال کر دیکھ لے کیا کوئی شگاف بھی نظر آرہا ہے؟ پھر دوہرا کر دو دو بار دیکھ لے تیری نگاہ تیری طرف ذلیل و عاجز ہو کر تھکی ہوئی لوٹ آئے گی۔ بے شک ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں سے زینت والا بنادیا۔ اور انہیں شیطانوں کے مارنے کا ذریعہ بنادیا اور شیطانوں کے لئے ہم نے دوزخ کا جلانے والا عذاب تیار کر دیا۔

موت و حیات کا خالق اللہ ہے: اللہ تعالیٰ اپنی تعریف بیان فرمارہا ہے اور خبر دے رہا ہے کہ تمام مخلوق پر اسی کا قبضہ ہے جو چاہے کرے کوئی اس کے حکموں کو ٹال نہیں سکتا۔ اس کے غلبہ اور حکمت اور عدل کی وجہ سے اس سے کوئی باز پرس بھی نہیں کر سکتا‘ وہ تمام چیزوں پر قدرت رکھنے والا ہے۔ پھر اپنا موت و حیات کا پیدا کرنا بیان فرمارہا ہے۔ اس آیت سے ان لوگوں کے لئے استدلال کیا ہے جو کہتے ہیں کہ موت ایک وجودی امر ہے کیونکہ وہ بھی پیدا کردہ شدہ ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ تمام مخلوق کو عدم سے وجود میں لایا تاکہ اچھے اعمال والوں کا امتحان ہو جائے جیسے اور جگہ ہے ﴿ كَیْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْیَاكُمْ ﴾ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیوں کفر کرتے ہو؟ تم تو مردہ تھے‘ پھر اس نے تمہیں زندہ کر دیا۔ پس پہلے حال یعنی عدم کو یہاں بھی موت کہا گیا اور اس پیدائش کو حیات کہا گیا۔ اسی لئے اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے ﴿ ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ ثُمَّ یُحْیِیْكُمْ ﴾ وہ پھر تمہیں مار ڈالے گا‘ اور پھر زندہ کر دے گا۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ”بنی آدم موت کی ذلت میں تھے‘ دنیا کو اللہ تعالیٰ نے حیات کا گھر بنادیا پھر موت کا اور آخرت کو جزا کا پھر بقا کا“۔ لیکن یہی روایت اور جگہ حضرت قتادہ کا اپنا قول ہونا بیان کی گئی ہے۔ آزمائش اس امر کی ہے کہ تم میں سے

اچھے عمل والا کون ہے؟ اکثر عمل والا نہیں' بلکہ بہتر عمل والا۔ وہ باوجود غالب اور بلند جناب ہونے کے پھر عاصیوں اور سرتاب لوگوں کے لئے جب وہ رجوع کریں' اور توبہ کریں معاف کرنے اور بخشنے والا بھی ہے۔ جس نے سات آسمان اوپر تلے پیدا کئے' ایک پر ایک۔ گو بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ ایک پر ایک ملا ہوا ہے' لیکن دوسرا قول یہ ہے کہ درمیان میں جگہ ہے اور ایک دوسرے کے اوپر فاصلے سے ہے۔ زیادہ صحیح یہی قول ہے' اور حدیث معراج وغیرہ سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے۔ پیدائش پروردگار میں تو کوئی کمی وعیب نہ پائے گا' بلکہ تو دیکھے گا کہ وہ برابر ہے' نہ ہیر پھیر ہے نہ مخالفت اور بے ربطی ہے' نہ کمی اور عیب اور خلل ہے۔ اپنی نظر آسمان کی طرف ڈال اور غور سے دیکھ کہ کہیں کوئی عیب' ٹوٹ پھوٹ' جوڑ توڑ' شگاف و سوراخ دکھائی دیتا ہے؟ پھر بھی اگر شک رہے تو دو دو دفعہ دیکھ لے کوئی کمی نظر نہ آئے گی' گو تو نے خوب نظریں جما کر ٹٹول کر دیکھا ہو پھر بھی ناممکن ہے کہ تجھے کوئی شکست وریخت نظر آئے۔ تیری نگاہیں تھک کر اور ناکام ہو کر نیچی ہو جائیں گی۔ کمی کی نفی کر کے اب کمال کا اثبات ہو رہا ہے' تو فرمایا آسمان دنیا کو ہم نے ان قدرتی چراغوں سے ستاروں سے بارونق بنا رکھا ہے' جن میں بعض چلنے پھرنے والے ہیں اور بعض ایک جا ٹھہرے رہنے والے ہیں۔ پھر ان کا ایک اور فائدہ بیان ہو رہا ہے یہ کہ ان سے شیطانوں کو مارا جاتا ہے' ان میں سے شعلے نکل کر ان پر گرتے ہیں' یہ نہیں کہ خود ستارہ ان پر ٹوٹے' واللہ اعلم۔

شیطان کی دنیا میں یہ رسوائی تو دیکھتے ہی ہو آخرت میں بھی ان کے لئے جلانے اور جھلسانے والا عذاب ہے' جیسے سورہ صافات کے شروع میں ہے کہ ہم نے آسمان دنیا کو ستاروں سے زینت دی ہے اور سرکش شیطانوں کی حفاظت انہیں کر دی ہے' وہ بلند و بالا فرشتوں کی باتیں سن نہیں سکتے اور چو طرفی مار سے ہانک دیئے جاتے ہیں اور ان کے لئے دائمی عذاب ہے' اگر کوئی ان میں سے ایک آدھ بات اچک لے کر بھاگتا ہے تو اس کے پیچھے چمکدار تیز شعلہ لپکتا ہے۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں ستارے تین فائدوں کے لئے پیدا کئے گئے ہیں آسمان کی زینت' شیطانوں کی مار' اور راہ پانے کے نشانات۔ جس شخص نے اس کے سوا اور بات تلاش کی اس نے رائے کی پیروی کی اور اپنا صحیح حصہ کھو دیا اور باوجود علم نہ ہونے کے تکلف کیا (ابن جریر اور ابن ابی حاتم۔)

وَلِلَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿٦﴾ إِذَا أُلْقُوا فِيهَا سَمِعُوا لَهَا شَهِيقًا وَهِيَ تَفُورُ ﴿٧﴾ تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ ۖ كُلَّمَا أُلْقِيَ فِيهَا فَوْجٌ سَأَلَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَذِيرٌ ﴿٨﴾ قَالُوا بَلَىٰ قَدْ جَاءَنَا نَذِيرٌ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا فِي ضَلَالٍ كَبِيرٍ ﴿٩﴾ وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ ﴿١٠﴾ فَاعْتَرَفُوا بِذَنْبِهِمْ فَسُحْقًا لِأَصْحَابِ السَّعِيرِ ﴿١١﴾

اپنے رب کے ساتھ کفر کرنے والوں کے لئے جہنم کا عذاب ہے جو بری جگہ ہے۔ جب اس میں یہ ڈالے جائیں گے تو اس کی بڑے زور کی آواز سنیں گے اور وہ جوش مار رہی ہو گی۔ معلوم ہو گا کہ ابھی غصے کے مارے پھٹ جائے گی' جب کبھی اس میں کوئی گروہ ڈالا جائے گا اس سے جہنم کے دار وغہ پوچھیں گے کہ کیا تمہارے پاس ڈرانے والا کوئی نہیں آیا تھا؟ وہ جواب دیں گے کہ بے شک آیا تو تھا لیکن ہم نے اسے جھٹلایا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ بھی نازل نہیں فرمایا۔ تم بہت بڑی گمراہی میں ہی ہو۔ اور کہیں گے کہ اگر ہم سنتے ہوتے یا عقل رکھتے ہوتے تو دوزخیوں میں (شریک) نہ ہوتے۔ انہوں نے اپنے جرم کا اقبال کر لیا۔ اب یہ دوزخی دفع ہوں اور دور ہوں۔

آیات الٰہی کو جھٹلانے والوں کا انجام بد: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جو بھی اس کے ساتھ کفر کرے وہ جہنمی ہے اس کا انجام اور جگہ بد سے بد ہے۔ یہ بلند اور مکروہ گدھے کی سی آوازیں مارنے والی اور جوش مارنے والی جہنم ہے جو ان پر جل بھن رہی ہے۔ اور جوش اور غضب سے اس طرح کچ کچا رہی ہے کہ گویا ابھی ٹوٹ پھوٹ جائے گی۔ ان دوزخیوں کو زیادہ ذلیل کرنے' اور آخری حجت قائم کرنے اور اقبالی مجرم بنانے کے لئے داروغہ جہنم ان سے پوچھتے ہیں کہ بدنصیبو! کیا اللہ تعالیٰ کے رسولوں نے تمہیں اس سے ڈرایا نہ تھا؟ تو یہ ہائے وائے کرتے ہوئے اپنی جانوں کو پیٹتے ہوئے جواب دیتے ہیں کہ آئے تو تھے لیکن وائے بدنصیبی کہ ہم نے انہیں جھوٹا جانا اور اللہ تعالیٰ کی کتاب کو بھی نہ مانا اور پیغمبروں کو بے راہ بتایا۔ اب عدل اللہ تعالیٰ صاف ثابت ہو چکا ہے۔ اور فرمان باری پورا اترتا ہے' جو اس نے فرمایا ﴿ مَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴾ ہم جب تک رسول نہ بھیجیں عذاب نہیں دیتے' (اس آیت میں دنیاوی عذاب کی طرف اشارہ ہے آخرت کے عذاب کی طرف نہیں)

اور جگہ ارشاد ہے ﴿ حَتّٰى اِذَا جَآءُوْهَا ﴾ جب جہنمی جہنم کے پاس پہنچ جائیں گے اور جہنم کے دروازے کھول دیئے جائیں گے اور داروغہ جہنم ان سے پوچھیں گے کہ کیا تمہارے پاس تم میں سے ہی رسول نہیں آئے تھے؟ جو تم پر تمہارے رب کی آیتیں پڑھتے تھے اور تمہیں اس دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے' تو کہیں گے کہ ہاں آئے تو تھے اور ڈرا بھی دیا تھا' لیکن کافروں پر کلمہ عذاب حق ہو گیا' اب اپنے آپ کو ملامت کریں گے اور کہیں گے کہ اگر ہمارے کان ہوتے اگر ہم میں عقل ہوتی تو دھوکے میں نہ پڑے رہتے' اپنے مالک و خالق کے ساتھ کفر نہ کرتے نہ رسولوں کو جھٹلاتے نہ ان کی تابعداری سے منہ موڑتے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اب تو انہوں نے خود اپنے گناہوں کا اقرار کر لیا ان کے لئے لعنت ہو دوری ہو۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ لوگ جب تک دنیا میں اپنے آپ پر غور نہ کر لیں گے اور اپنی برائیوں کو آپ دیکھ نہ لیں گے ہلاک نہ ہوں گے (مسند احمد)۔

اور حدیث میں ہے کہ قیامت والے دن اس طرح حجت قائم کی جائے گی کہ خود انسان سمجھ لے گا کہ میں دوزخ میں جانے کے ہی قابل ہوں۔ (مسند احمد)

اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ﴿١٢﴾ وَاَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿١٣﴾ اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ۭ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿١٤﴾ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ۭ وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ ﴿١٥﴾

ع ا

بے شک جو لوگ اپنے پروردگار سے غائبانہ طور پر ڈرتے رہتے ہیں ان کے لئے بخشش ہے اور بڑا ثواب۔ تم اپنی باتوں کو چھپاؤ یا ظاہر کرو وہ تو سینوں کی پوشیدگیوں کو بھی بخوبی جانتا ہے۔ کیا وہی بے علم ہو سکتا ہے جو خود خالق ہو؟ پھر باریک بین اور باخبر بھی ہو۔ وہ اللہ تعالیٰ جس نے تمہارے لئے زمین کو پست و مطیع کر دیا تا کہ تم اس کی راہوں میں چلتے پھرتے رہو اور اللہ تعالیٰ کی روزیاں کھاؤ پیو' اسی کی طرف تمہیں جی کر اٹھ کھڑا ہونا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے غائبانہ ڈرنے کی فضیلت: اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو خوش خبری دے رہا ہے جو اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتے رہتے ہیں' گو تنہائی میں ہوں' جہاں کسی کی نگاہیں ان پر نہ پڑ سکیں' تاہم خوف الٰہی سے کسی نافرمانی کے کام کو نہیں کرتے نہ اطاعت و عبادت سے جی چراتے ہیں' ان کے گناہ بھی وہ معاف فرما دے گا اور زبردست ثواب اور بہترین اجر عنایت فرمائے گا' جیسے بخاری مسلم کی حدیث میں ہے کہ جن سات شخصوں کو جناب باری اپنے عرش کا سایہ اس دن دے گا جس دن اس کے سوا کوئی سایہ نہ ہو گا' ان میں سے ایک وہ ہے جسے

کوئی مال و جمال والی عورت زناکاری کی طرف بلائے اور وہ کہہ دے کہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں اور اسے بھی جو اس طرح پوشدگی سے صدقہ کرے کہ دائیں ہاتھ کے خرچ کی خبر بائیں ہاتھ کو بھی نہ لگے۔

مسند بزار میں ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایک مرتبہ عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! ہمارے دلوں کی جو کیفیت آپ کے سامنے ہوتی ہے آپ کے بعد وہ نہیں رہتی۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ بتاؤ رب کے ساتھ تمہارا کیا خیال رہتا ہے؟ جواب دیا کہ ظاہر باطن اللہ تعالیٰ ہی کو رب مانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا جاؤ پھر یہ نفاق نہیں۔

اللہ سب کو جانتا ہے: پھر فرماتا ہے کہ تمہاری چھپی کھلی باتوں کا مجھے علم ہے دلوں کے خطروں سے بھی آگاہ ہوں' یہ ناممکن ہے کہ جو خالق ہو وہ عالم نہ ہو' مخلوق سے خالق بے خبر ہو' وہ تو بڑا باریک بین اور بے حد خبر رکھنے والا ہے۔ زاں بعد اپنی نعمت کا اظہار کرتا ہے کہ زمین کو اس نے تمہارے لئے مسخر کر دیا وہ سکون کے ساتھ ٹھہری ہوئی ہے۔ ہل جل کر تمہیں نقصان نہیں پہنچاتی۔ پہاڑوں کی میخیں اس میں گاڑ دی ہیں پانی کے چشمے اس میں جاری کر دیئے ہیں' راستے اس میں مہیا کر دیئے ہیں۔ قسم قسم کے نفع اس میں رکھ دیئے ہیں پھل اور اناج اس میں سے نکل رہا ہے' جس جگہ تم جانا چاہو جا سکتے ہو' طرح طرح کی لمبی چوڑی سود مند تجارتیں کر رہے ہو' تمہاری کوشش وہ بار آور کرتا ہے اور تمہیں اپنی روزیاں ان اسباب سے دے رہا ہے۔ معلوم ہوا کہ اسباب حاصل کرنے کی کوشش توکل کے خلاف نہیں۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کی ذات پر پورا پورا بھروسہ کرو تو وہ تمہیں اس طرح روزیاں دے' جس طرح پرندوں کو دے رہا ہے کہ اپنے گھونسلوں سے خالی پیٹ نکلتے ہیں اور آسودہ حال واپس جاتے ہیں' پس ان کا صبح شام آنا جانا اور رزق کو تلاش کرنا بھی توکل میں داخل سمجھا گیا کیونکہ اسباب کا پیدا کرنے والا' انہیں آسان کرنے والا وہی اللہ تعالیٰ واحد ہے اس کی طرف قیامت کے دن لوٹنا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ وغیرہ تو مناکب سے مراد راستے کونے اور ادھر ادھر کی جگہیں لیتے ہیں اور قتادہؒ وغیرہ سے مروی ہے کہ مراد پہاڑ ہیں حضرت بشیر بن کعبؒ نے اس آیت کی تلاوت کی اور اپنی لونڈی سے جس سے انہیں اولاد ہوئی تھی فرمایا کہ اگر مناکب کی صحیح تفسیر تم بتا دو تو تم آزاد ہو' اس نے کہا مراد اس سے پہاڑ ہیں۔ آپؒ نے حضرت ابو درداءؓ سے پوچھا' جواب ملا کہ یہ تفسیر صحیح ہے۔

ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِیَ تَمُوْرُ ﴿١٦﴾ اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یُّرْسِلَ عَلَیْكُمْ حَاصِبًا ؕ فَسَتَعْلَمُوْنَ كَیْفَ نَذِیْرِ ﴿١٧﴾ وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَكَیْفَ كَانَ نَكِیْرِ ﴿١٨﴾ اَوَلَمْ یَرَوْا اِلَى الطَّیْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّیَقْبِضْنَ ؔۘ مَا یُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ ؕ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍۭ بَصِیْرٌ ﴿١٩﴾

کیا تم اس بات سے بے خوف ہو گئے ہو کہ آسمانوں والا تمہیں زمین میں دھنسا دے اور اچانک زمین جنبش کرنے لگے۔ یا کیا تمہیں اس بات کا کھٹکا نہیں کہ آسمانوں والا تم پر پتھر برسا دے؟ پھر تو تمہیں معلوم ہی ہو جائے گا کہ میرا ڈرانا کیسا تھا؟ ان سے پہلے کے لوگوں نے بھی جھٹلایا تھا تو دیکھو ان پر میرا عذاب کیسا کچھ ہوا؟ کیا یہ اپنے اوپر پر کھولے ہوئے اور کبھی کبھی سمیٹے ہوئے اڑنے والے پرندوں کو نہیں دیکھتے؟ انہیں اللہ رحمٰن ہی (ہوا و فضا میں) تھامے ہوئے ہے۔ بے شک ہر چیز اس کی نگاہ میں ہے۔

اللہ کے عذاب سے بے خوف نہ ہونا چاہیے: ان آیتوں میں بھی اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے لطف و رحمت کا بیان فرما رہا ہے کہ لوگوں کے کفر و شرک کی بنا پر وہ طرح طرح کے دنیوی عذابوں پر قادر ہے لیکن اس کا حلم و عفو ہے کہ وہ عذاب نہیں کرتا۔ جیسے اور جگہ فرمایا

﴿ وَلَوْيُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَاتَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ ﴾ یعنی اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کی برائیوں پر پکڑ لیتا تو روئے زمین پر کسی کو باقی نہ چھوڑتا' لیکن وہ ایک مقررہ وقت تک انہیں مہلت دیئے ہوئے ہے۔ جب ان کا وہ وقت آ جائے گا تو اللہ تعالیٰ ان مجرم بندوں سے آپ سمجھ لے گا۔ یہاں بھی فرمایا کہ زمین ادھر ادھر ہو جاتی اور ہلنے اور کانپنے لگ جاتی اور یہ سارے کے سارے اس میں دھنسا دیئے جاتے۔ یا ان پر ایسی آندھی بھیج دی جاتی جس میں پتھر ہوتے اور ان کے دماغ توڑ دیئے جاتے۔

جیسے اور جگہ ہے ﴿ اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ ﴾ یعنی کیا تم نڈر ہو گئے ہو کہ زمین کے کسی کنارے میں تم دھنس جاؤ' یا تم پر وہ پتھر برسائے اور کوئی نہ ہو جو تمہاری وکالت کر سکے۔ یہاں بھی فرمان ہے کہ اس وقت تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ میری دھمکیوں کو اور ڈرانے کو نہ ماننے کا انجام کیا ہوتا ہے؟ تم آپ دیکھ لو کہ پہلے لوگوں نے بھی نہ مانا اور انکار کر کے میری باتوں کی تکذیب کی تو ان کا کس قدر برا اور عبرت ناک انجام ہوا۔ تم میری قدرتوں کا روزمرہ کا یہ مشاہدہ کیا نہیں دیکھ رہے ہو کہ پرندے تمہارے سروں پر اڑتے پھرتے ہیں کبھی دونوں پروں سے کبھی کسی کو روک کر پھر کیا میرے سوا کوئی اور انہیں تھامے ہوئے ہے؟ میں نے ہواؤں کو مسخر کر دیا ہے اور یہ معلق اڑتے پھرتے ہیں' یہ بھی میرا لطف و کرم اور رحمت و نعمت ہے۔ مخلوقات کی حاجتیں ضرورتیں ان کی اصلاح اور بہتری کا نگراں اور کفیل میں ہی ہوں' جیسے اور جگہ فرمایا ﴿ اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرَاتٍ فِىْ جَوِّ السَّمَآءِ ﴾ کیا انہوں نے ان پرندوں کو نہیں دیکھا جو آسمان و زمین کے درمیان مسخر ہیں۔ جن کا تھامنے والا بجز ذات باری تعالیٰ کے اور کوئی نہیں' یقیناً اس میں ایمانداروں کے لئے بڑی بڑی نشانیاں ہیں۔

اَمَّنْ هٰذَا الَّذِىْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ ؕ اِنِ الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِىْ غُرُوْرٍ ﴿٢٠﴾ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِىْ يَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ ۚ بَلْ لَّجُّوْا فِىْ عُتُوٍّ وَّنُفُوْرٍ ﴿٢١﴾ اَفَمَنْ يَّمْشِىْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖٓ اَهْدٰٓى اَمَّنْ يَّمْشِىْ سَوِيًّا عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٢٢﴾ قُلْ هُوَ الَّذِىْٓ اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿٢٣﴾ قُلْ هُوَ الَّذِىْ ذَرَاَكُمْ فِى الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿٢٤﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٢٥﴾ قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۪ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٢٦﴾ فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً سِيْٓـئَتْ وُجُوْهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقِيْلَ هٰذَا الَّذِىْ كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ ﴿٢٧﴾

سوائے اللہ تعالیٰ کے تمہارا وہ کونسا لشکر ہے جو تمہاری مدد کر سکے؟ کافر تو سراسر دھوکے میں ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنی روزی روک لے تو بتاؤ تو کون ہے جو پھر تمہیں روزیاں دے گا؟ بلکہ کافر تو سرکشی اور بدکنے پر اڑ گئے ہیں۔ اچھا وہ شخص زیادہ ہدایت والا ہے جو اپنے منہ کے بل اوندھا ہو کر چلے یا وہ جو سیدھا پیروں کے بل راہ راست پر چل رہا ہو؟ کہہ دے کہ وہی اللہ تعالیٰ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے کان آنکھیں اور دل بنائے ہیں' تم بہت ہی کم شکر گزاری کرتے ہو۔ کہہ دے کہ وہی (اللہ) ہے جس نے تمہیں زمین میں پھیلا دیا اور اسی کی طرف تم اکٹھے کئے جاؤ گے۔ کافر پوچھتے ہیں کہ وہ وعدہ کب ظاہر ہو گا اگر تم سچے ہو تو بتاؤ۔ تو کہہ دے کہ اس کا علم تو اللہ تعالیٰ ہی کو ہے میں تو صرف کھلے طور پر آگاہ کر دینے والا ہوں۔ جب یہ لوگ اس وعدے کو قریب تر پالیں گے اس وقت ان کافروں کے چہرے بگاڑ دیئے جائیں گے اور کہہ دیا جائے گا کہ یہی ہے جسے تم طلب کیا کرتے تھے۔

باطل عقیدہ کی تردید: اللہ تعالیٰ مشرکوں کے اس عقیدے کی تردید کر رہا ہے جو وہ خیال کرتے تھے کہ جن بزرگوں کی وہ عبادت کرتے ہیں وہ ان کی امداد کر سکتے ہیں اور انھیں روزیاں پہنچا سکتے ہیں۔ تو فرماتا ہے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے نہ تو کوئی مدد دے سکتا ہے نہ روزی پہنچا سکتا ہے نہ بچا سکتا ہے کافروں کا یہ عقیدہ محض ایک دھوکا ہے۔ اگر اب اللہ تبارک و تعالیٰ تمہاری روزیاں روک لے تو پھر کوئی بھی انھیں جاری نہیں کر سکتا' دینے لینے پر پیدا کرنے اور فنا کرنے پر' رزق دینے اور مدد پر صرف اللہ عزوجل وحدہ لاشریک لہ کو ہی قدرت ہے' یہ لوگ خود اسے دل سے جانتے ہیں' تاہم اعمال میں اس کے ساتھ دوسروں کو شریک کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ کفار اپنی گمراہی کج روی' گناہ اور سرکشی میں بہے چلے جاتے ہیں۔ انکی طبیعتوں میں ضد تکبر اور حق سے انکار بلکہ حق کی عداوت بیٹھ چکی ہے' یہاں تک کہ بھلی باتوں کا سننا بھی انھیں گوارا نہیں' عمل کرنا تو کہاں؟ پھر مومن و کافر کی مثال بیان فرماتا ہے کہ کافر کی مثال تو ایسی ہے جیسے کوئی شخص کمر کبڑی کر کے سر جھکائے نظریں نیچی کئے چلا جا رہا ہے نہ راہ دیکھتا ہے نہ اسے معلوم ہے کہ کہاں جا رہا ہے بلکہ حیران پریشان راہ بھولا اور ہکا بکا ہے۔ اور مومن کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص سیدھی راہ پر سیدھا کھڑا ہوا چل رہا ہے راستہ خود صاف اور بالکل سیدھا ہے یہ شخص خود اسے بخوبی جانتا ہے اور برابر صحیح طور پر اچھی چال سے چل رہا ہے۔

یہی حال ان کا قیامت کے دن ہو گا کہ کافر تو اوندھے منہ جہنم کی طرف جمع کئے جائیں گے اور مسلمان عزت کے ساتھ جنت میں پہنچائے جائیں گے' جیسے اور جگہ ہے ﴿ اُحْشُرُوا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا الایة ﴾ ظالموں کو اور ان جیسوں کو اور ان کے ان معبودوں کو جو اللہ کے سوا تھے جمع کر کے جہنم کا راستہ دکھا دو الخ۔ مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ حضور! لوگ منہ کے بل چلا کر کس طرح حشر کئے جائیں گے؟ آپ نے فرمایا جس نے پیروں کے بل چلایا ہے وہ منہ کے بل چلانے پر بھی قادر ہے' مسلم بخاری میں بھی یہ روایت ہے' اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے تمہیں پہلی مرتبہ جب کہ تم کچھ نہ تھے پیدا کیا۔ تمہیں کان آنکھ اور دل دیئے' یعنی عقل و ادراک تم میں پیدا کیا لیکن تم بہت ہی کم شکر گزاری کرتے ہو۔ یعنی اپنی ان قوتوں کو اللہ تعالیٰ کی حکم برداری میں اور اس کی نافرمانیوں سے بچنے میں بہت ہی کم خرچ کرتے ہو۔ اللہ ہی ہے جس نے تمہیں زمین میں پھیلا دیا تمہاری زبانیں جداگانہ تمہاری رنگ روپ جداگانہ تمہاری شکلوں صورتوں میں اختلاف اور تم زمین کے چپہ چپہ پر بسا دیئے گئے۔ پھر اس پراگندگی اور بکھرنے کے بعد وہ وقت بھی آئے گا کہ تم سب اس کے سامنے لا کر کھڑے کر دیئے جاؤ گے اس نے جس طرح تمہیں ادھر ادھر پھیلا دیا ہے اسی طرح ایک طرف سمیٹ لے گا اور جس طرح اولاً اس نے تمہیں پیدا کیا دوبارہ تمہیں لوٹائے گا۔ پھر بیان ہوتا ہے کہ کافر جو مر کر دوبارہ جینے کے قائل نہیں' وہ اس دوسری زندگی کو محال اور ناممکن سمجھتے ہیں اس کا بیان سن کر اعتراض کرتے ہیں کہ اچھا پھر وہ وقت کب آئے گا جس کی ہمیں خبر دے رہے ہو اگر سچے ہو تو بتا دو کہ اس پراگندگی کے بعد اجتماع کب ہو گا؟

پیغمبر کا کام آگاہ کر دینا ہے: اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرماتا ہے کہ انھیں جواب دو کہ اس کا علم مجھے نہیں کہ قیامت کب قائم ہو گی؟ اسے تو صرف وہی علام الغیوب ہی جانتا ہے۔ ہاں اتنا مجھے کہا گیا ہے کہ وہ وقت آئے گا ضرور' میری حیثیت صرف یہ ہے کہ میں تمہیں خبردار کر دوں اور اس دن کی ہولناکیوں سے مطلع کر دوں۔ میرا فرض تو صرف تمہیں پہنچا دینا تھا جسے میں بحمد اللہ ادا کر چکا ہوں۔ پھر ارشاد باری ہوتا ہے کہ جب قیامت قائم ہونے لگے گی اور کفار اسے اپنی آنکھوں دیکھ لیں گے اور معلوم کر لیں گے کہ اب وہ قریب آ گئی' کیوں کہ ہر آنے والی چیز آ کر ہی رہتی ہے گو دیر سویر آئے جب یہ اسے آ لگی ہوئی پالیں گے جسے ابتک جھٹلاتے رہے تو انھی بہت برا لگے گا کیونکہ اپنی غفلت کا نتیجہ سامنے دیکھنے لگیں گے اور قیامت کی ہولناکیاں بدحواس کئے ہوئے ہونگی' آثار سب سامنے ہوں گے اس وقت ان سے بہ طور ڈانٹ کے اور بطور ذلیل کرنے کے کہا جائیگا یہی ہے جس کی تم جلدی کر رہے تھے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَهْلَكَنِيَ اللّٰهُ وَمَنْ مَّعِيَ اَوْ رَحِمَنَا ۙ فَمَنْ يُّجِيْرُ الْكٰفِرِيْنَ مِنْ

عَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴿۲۸﴾ قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَیْهِ تَوَكَّلْنَا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۲۹﴾ قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ یَّاْتِیْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِیْنٍ ﴿۳۰﴾

تو کہہ اچھا اگر مجھے اور میرے ساتھیوں کو اللہ تعالیٰ ہلاک کر دے یا ہم پر رحم کرے، بہر صورت یہ تو بتاؤ کہ کافروں کو دردناک عذابوں سے کون بچائے گا؟ تو کہہ کہ وہی رحمن ہے ہم تو اس پر ایمان لا چکے اور اسی پر ہمارا بھروسہ ہے تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ صریح گمراہی میں کون ہے (ہم یا تم)۔ تو کہہ کہ اچھا یہ تو بتاؤ کہ اگر تمہارے پینے کا پانی زمین چوس جائے تو کون ہے جو تمہارے لئے نتھرا ہوا جاری پانی لائے؟

کافروں کو عذاب الیم سے کون بچائے گا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے نبی! ان مشرکوں سے کہو جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا انکار کر رہے ہیں کہ تم جو اس بات کی تمنا میں ہو کہ ہمیں نقصان پہنچے، تو فرض کرو کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نقصان پہنچا، یا اس نے مجھ پر اور میرے ساتھیوں پر رحم کیا لیکن اس سے تمہیں کیا، صرف اس امر سے تمہارا چھٹکارا تو نہیں ہو سکتا؟ تمہاری نجات کی صورت یہ تو نہیں؟ نجات تو موقوف ہے توبہ کرنے پر، اللہ تعالیٰ کی طرف جھکنے پر، اس کے دین کو مان لینے پر۔ ہمارے بچاؤ یا ہلاکت پر تمہاری نجات نہیں تم ہمارا خیال چھوڑ کر اپنی بخشش کی صورت تلاش کرو۔

پانی اللہ کی نعمت: پھر فرمایا ہم رب العالمین رحمن و رحیم پر ایمان لا چکے اپنے تمام امور میں ہمارا بھروسہ اور توکل اسی کی پاک ذات پر ہے، جیسے ارشاد ہے ﴿ فَاعْبُدْهُ وَ تَوَكَّلْ عَلَیْهِ ﴾ اسی کی عبادت کر اور اسی پر بھروسہ کر، اب تم عنقریب جان لو گے کہ دنیا اور آخرت میں فلاح و بہبود کسے ملتی ہے اور نقصان و خسران میں کون پڑتا ہے؟ رب کی رحمت کس پر ہے اور ہدایت پر کون ہے؟ اللہ تعالیٰ کا غضب کس پر ہے اور بری راہ پر کون ہے؟ پھر فرماتا ہے اگر اس پانی کو جس کے پینے پر انسان کی زندگی کا دارومدار ہے زمین چوس لے یعنی زمین سے نکلے ہی نہیں گو تم کھودتے کھودتے تھک جاؤ تو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی ہے جو بہنے والا اور ابلنے والا اور جاری ہونے والا پانی تمہیں دے سکے۔ (حدیث میں ہے کہ اس آیت کے جواب میں ﴿ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴾ کہنا چاہیے) یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا اس پر قادر کوئی نہیں وہی ہے جو اپنے فضل و کرم سے پاک صاف نتھرے ہوئے اور صاف پانی کو زمین پر جاری کرتا ہے۔ جو ادھر سے ادھر تک پھر جاتا ہے اور بندوں کی حاجتوں کو پوری کرتا ہے۔ ضرورت کے مطابق ہر جگہ با آسانی مہیا ہو جاتا ہے، فالحمد للہ۔ اللہ تعالیٰ کے فضل کرم سے سورۂ ملک کی تفسیر ختم ہوئی ﴿ فالحمد لله رب العالمين. ﴾

تفسير سورۂ القلم مكيه

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا یَسْطُرُوْنَ ﴿۱﴾ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ﴿۲﴾ وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَیْرَ مَمْنُوْنٍ ﴿۳﴾ وَاِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ﴿۴﴾ فَسَتُبْصِرُ وَیُبْصِرُوْنَ ﴿۵﴾ بِاَیِّكُمُ الْمَفْتُوْنُ ﴿۶﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ ۪ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ ﴿۷﴾

اللہ تعالیٰ رحیم و رحمٰن کے نام سے شروع۔

نون اور قسم ہے قلم کی اور اس کی جو کچھ کہ وہ (فرشتے) (فرشتوں سے مراد وہ فرشتے ہیں جو کہ کاتب الاعمال ہیں) لکھتے ہیں۔ تو اپنے رب کے فضل سے دیوانہ نہیں ہے۔ بے شک تیرے لئے بے انتہا ثواب ہے۔ اور بے شک تو بہت بڑے (عمدہ) اخلاق پر ہے۔ پس اب تو بھی دیکھ لے گا اور یہ بھی دیکھ لیں گے۔ کہ تم میں سے مجنون کون ہے؟ بے شک تیرا رب اپنی راہ سے بھٹکنے والوں کو خوب جانتا ہے' اور وہ راہیافتہ لوگوں کو بھی بخوبی جانتا ہے۔

نون کا مفہوم: نون وغیرہ جیسے حروف ہجا کا مفصل بیان سورۂ بقرہ کے شروع میں گزر چکا ہے اس لئے یہاں دوہرانے کی ضرورت نہیں کہا گیا ہے کہ یہاں ن سے مراد وہ بڑی مچھلی ہے جو ایک محیط عالم پانی پر ہے جو ساتوں زمینوں کو اٹھائے ہوئے ہے۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا اور اس سے فرمایا لکھ! اس نے کہا کیا لکھوں؟ فرمایا تقدیر لکھ ڈال۔ پس اس دن سے لے کر قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے اس پر قلم جاری ہو گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مچھلی پیدا کی اور پانی کے ابخرے بلند کئے جس سے آسمان بنے اور زمین کو اس مچھلی کی پیٹھ پر رکھا' مچھلی نے حرکت کی جس سے زمین بھی ہلنے لگی' پس زمین پر پہاڑ گاڑ کر اسے مضبوط اور ساکن کر دیا' پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی (ابن ابی حاتم)۔

مطلب یہ ہے کہ یہاں "نون" سے مراد یہ مچھلی ہے۔ طبرانی میں مرفوعاً مروی ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو اور مچھلی کو پیدا کیا۔ قلم نے دریافت کیا میں کیا لکھوں؟ حکم ہوا' ہر وہ چیز جو قیامت تک ہونے والی ہے۔ پھر آپ نے پہلی آیت کی تلاوت کی۔ پس "نون" سے مراد یہ مچھلی ہے اور قلم سے مراد یہ قلم ہے۔ ابن عساکر کی حدیث میں ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا پھر نون یعنی دوات کو' پھر قلم سے فرمایا لکھ لے! اس نے پوچھا کیا؟ فرمایا جو ہو رہا ہے اور جو ہونے والا ہے' عمل' رزق' عمر' موت وغیرہ۔ پس قلم نے سب کچھ لکھ لیا۔ یہی مراد ہے اس آیت میں۔ پھر قلم پر مہر لگا دی۔ اب وہ قیامت تک نہ چلے گا۔ پھر عقل کو پیدا کیا اور فرمایا مجھے اپنی عزت کی قسم اپنے دوستوں میں تو میں تجھے کمال تک پہنچاؤں گا اور اپنے دشمنوں میں تجھے ناقص رکھوں گا۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ یہ مشہور تھا کہ نون سے مراد وہ مچھلی ہے جو ساتویں زمین کے نیچے ہے۔

بغویؒ وغیرہ مفسرین فرماتے ہیں کہ اس مچھلی کی پیٹھ پر ایک چٹان ہے جس کی موٹائی آسمان و زمین کے برابر ہے۔ اس پر ایک بیل ہے جس کے چالیس ہزار سینگ ہیں' اس کی پیٹھ پر ساتوں زمین اور ان کی تمام مخلوق ہے' واللہ اعلم۔

اور تعجب تو یہ ہے کہ ان بعض مفسرین نے اس حدیث کو بھی ان ہی معنوں میں محمول کیا ہے جو مسند احمد وغیرہ میں ہے کہ جب عبداللہ بن سلامؓ کو خبر ملی کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ آ گئے ہیں تو وہ آپ ﷺ کے پاس آئے اور بہت کچھ سوالات کئے۔ کہا کہ میں وہ باتیں پوچھنی چاہتا ہوں جنہیں نبیوں کے سوا اور کوئی نہیں جانتا' بتلایئے قیامت کی پہلی نشانی کیا ہے؟ اور جنتیوں کا پہلا کھانا کیا ہے؟ اور کیا وجہ ہے کہ کبھی بچہ اپنے باپ کی طرف کھنچتا ہے کبھی ماں کی طرف؟ حضور علیہ السلام نے فرمایا یہ باتیں ابھی ابھی جبرئیل علیہ السلام نے مجھے بتا دیں۔ ابن سلامؓ کہنے لگے فرشتوں میں سے یہی فرشتہ ہے جو یہودیوں کا دشمن ہے' آپ نے فرمایا کہ سنو! قیامت کی پہلی نشانی ایک آگ کا نکلنا ہے جو لوگوں کو مشرق کی طرف سے مغرب کی طرف لے جائے گی۔ اور جنتیوں کا پہلا کھانا مچھلی کی کلیجی کی زیادتی ہے' اور مرد کا پانی عورت کے پانی پر سابق آ جائے تو لڑکا ہوتا ہے اور جب عورت کا پانی مرد کے پانی پر سبقت کر جائے تو وہی کھینچ لیتی ہے' دوسری حدیث میں اتنی زیادتی ہے کہ پوچھا جنتیوں کے اس کھانے کے بعد انہیں کیا ملے گا؟ فرمایا جنتی بیل ذبح کیا جائے گا جو جنت میں چرتا چگتا رہا تھا۔ پوچھا انہیں پانی کونسا ملے گا؟ فرمایا سلسبیل نامی نہر کا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ مراد "ن" سے نور کی تختی ہے۔ ایک مرسل غریب حدیث میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے یہ آیت پڑھ کر فرمایا کہ اس سے مراد نور کی تختی اور نور کا قلم ہے جو قیامت تک کے احوال پر چل چکا ہے۔ ابن جریجؒ فرماتے ہیں۔ مجھے خبر دی گئی ہے کہ یہ نورانی قلم ۱۰۰ سو سال کی طوالت رکھتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ن سے مراد دوات ہے اور قلم سے مراد قلم ہے حسنؒ اور قتادہؒ بھی یہی فرماتے

ہیں۔ایک بہت ہی غریب مرفوع حدیث میں بھی یہ مروی ہے جو ابن ابی حاتم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے "ن" کو پیدا کیا اور وہ دوات ہے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نون یعنی دوات کو پیدا کیا اور قلم کو پیدا کیا' پھر فرمایا لکھ! اس نے پوچھا کیا لکھوں؟ فرمایا جو قیامت تک ہونے والا ہے' اعمال خواہ نیک ہوں خواہ بد' روزی خواہ حلال ہو خواہ حرام پھر یہ بھی کہ کونسی چیز دنیا میں کب جائے گی' کس قدر رہے گی' کیسے نکلے گی؟ پھر اللہ تعالیٰ نے بندوں پر محافظ فرشتے مقرر کئے اور کتاب پر داروغے مقرر کئے۔ محافظ فرشتے ہر دن کے عمل خازن فرشتوں سے دریافت کر کے لکھ لیتے ہیں۔ جب رزق ختم ہو جاتا ہے' عمر پوری ہو جاتی ہے اجل آ پہنچتی ہے تو محافظ فرشتے داروغہ کے فرشتوں کے پاس آکر پوچھتے ہیں کہ بتاؤ آج کے دن کا کیا سامان ہے؟ وہ کہتے ہیں کہ بس اس شخص کے لئے ہمارے پاس اب کچھ بھی نہیں رہا۔ یہ سنکر فرشتے نیچے اترتے ہیں' تو دیکھتے ہیں کہ وہ مر گیا۔ اس بیان کے بعد حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا تم تو عرب ہو کیا تم نے قرآن میں محافظ فرشتوں کی بابت یہ نہیں پڑھا ﴿ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴾ مطلب یہ ہے کہ ہم تمہارے اعمال کو اصل سے نقل کر کے لکھ لیا کرتے تھے۔ یہ تو تھا لفظ "ن" کے متعلق بیان'

قلم کا ذکر: اب قلم کی نسبت سنیئے۔ بظاہر مراد یہاں عام قلم ہے جس سے لکھا جاتا ہے' جیسے اور جگہ فرمان عالی شان ہے ﴿الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے قلم سے لکھنا سکھایا۔ پس اس کی قسم کھا کر اس بات پر آگاہی کی جاتی ہے کہ مخلوق پر میری ایک نعمت یہ بھی ہے کہ میں نے انہیں لکھنا سکھایا جس سے علوم تک اس کی رسائی ہو سکے۔ اسی لئے اس کے بعد فرمایا ﴿ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ﴾ یعنی اس چیز کی قسم جو لکھتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے اس کی تفسیر یہ بھی مروی ہے کہ اس چیز کی جو جانتے ہیں۔

سدیؒ فرماتے ہیں کہ مراد اس سے فرشتوں کا لکھنا ہے جو بندوں کے اعمال لکھتے ہیں۔ اور مفسرین کہتے ہیں کہ مراد اس سے وہ قلم ہے جو قدرتی طور پر چلا اور تقدیریں لکھیں۔ آسمان و زمین کی پیدائش سے پچاس ہزار برس پہلے' اور اس قول کی دلیل میں یہ جماعت وہ حدیثیں وارد کرتی ہے جو قلم کے ذکر میں مروی ہیں۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ قلم سے مراد وہ قلم ہے جس سے ذکر لکھا گیا۔

اخلاق نبویؐ کے چند واقعات: پھر فرماتا ہے کہ اے نبی! تو بحمد اللہ دیوانہ نہیں جیسے کہ تیری قوم کے جاہل منکرین حق کہتے ہیں بلکہ تیرے لئے اجر عظیم ہے اور ثواب بے پایاں ہے۔ جو نہ ختم ہو نہ ٹوٹے نہ کٹے کیونکہ تو نے حق رسالت ادا کر دیا ہے اور ہماری راہ میں سخت سے سخت مصیبتیں جھیلی ہیں ہم تجھے بے حساب بدلہ دیں گے' تو بہت بڑے خلق پر ہے یعنی دین اسلام پر اور بہترین ادب پر ہے۔

حضرت عائشہؓ سے اخلاق نبوی ﷺ کے بارے میں سوال ہوتا ہے تو آپ جواب دیتی ہیں کہ آپ ﷺ کا خلق قرآن تھا۔ سعیدؒ فرماتے ہیں' یعنی جیسے کہ قرآن میں ہے۔ دوسری حدیث میں ہے' صدیقہؓ نے پوچھا کیا تو نے قرآن نہیں پڑھا؟ سائل حضرت سعید بن ہشامؒ نے کہا ہاں پڑھا ہے۔ آپ نے فرمایا بس تو آپ ﷺ کا خلق قرآن کریم تھا۔ مسلم میں یہ حدیث پوری پوری ہے جسے ہم سورۂ مزمل کی تفسیر میں بیان کریں گے' ان شاء اللہ تعالیٰ۔ بنو سواد کے ایک شخص نے حضرت عائشہؓ سے یہی سوال کیا تھا تو آپ ﷺ نے یہی فرما کر پھر آیت ﴿ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ﴾ تلاوت فرمائی۔ اس نے کہا کوئی ایک آدھ واقعہ تو بیان کیجئے۔ تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ سنو۔ ایک مرتبہ میں نے بھی آپ ﷺ کے لئے کھانا پکایا اور حضرت حفصہؓ نے بھی' میں نے اپنی لونڈی سے کہا کہ دیکھ اگر میرے کھانے سے پہلے حضرت حفصہؓ کے ہاں کا کھانا آجائے تو تو گرا دینا۔ چنانچہ اس نے یہی کیا' اور برتن بھی ٹوٹ گیا۔ حضور اکرم ﷺ بکھرے ہوئے کھانے کو سمیٹنے لگے اور فرمایا اس برتن کے بدلے ثابت برتن تم دو' واللہ اور کچھ ڈانٹا ڈپٹا نہیں (مسند احمد)

مطلب اس حدیث کا جو کئی طرق سے مختلف الفاظ میں کئی کتابوں میں ہے یہ ہے کہ ایک تو آپ ﷺ کی جبلت اور پیدائش میں ہی اللہ تعالیٰ نے پسندیدہ اخلاق بہترین خصلتیں اور پاکیزہ عادتیں رکھی تھیں تو اس طرح آپ ﷺ کا عمل قرآن کریم پر ایسا تھا کہ گویا احکام قرآن کا مجسم عملی نمونہ آپ ﷺ ہیں' ہر حکم کو بجا لانے اور ہر نہی سے رک جانے میں آپ ﷺ کی حالت یہ تھی کہ گویا قرآن میں جو

کچھ ہے وہ آپ کی عادتوں اور آپ ﷺ کے کریمانہ اخلاق کا بیان ہی ہے۔ حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی دس سال تک خدمت کی لیکن کسی دن اف تک نہیں فرمایا۔ کسی کرنے کے کام کو نہ کروں یا نہ کرنے کے کام کو کر گزروں تو بھی ڈانٹ ڈپٹ تو کجا اتنا بھی نہ فرماتے کہ ایسا کیوں ہوا۔ حضور اکرم ﷺ سب سے زیادہ خوش خلق تھے' حضور اکرم ﷺ کی ہتھیلی سے زیادہ نرم نہ تو ریشم ہے نہ کوئی اور چیز۔ حضور اکرم ﷺ کے پسینہ سے زیادہ خوشبو والی چیز میں نے تو کوئی نہیں سونگھی نہ مشک اور نہ عطر (بخاری مسلم)۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت براءؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سب سے زیادہ خوب صورت اور سب سے زیادہ خلیق تھے۔ آپ ﷺ کا قد نہ تو بہت لانبا تھا نہ آپ ﷺ پست قامت تھے۔ اس بارے میں اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں۔

شمائل ترمذی میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے نہ تو کبھی کسی خادم یا غلام کو مارا نہ بیوی بچوں کو نہ کسی اور کو' ہاں اللہ تعالیٰ کی راہ کا جہاد الگ چیز ہے۔ جب کبھی دو کاموں میں آپ ﷺ کو اختیار دیا جاتا تو آپ ﷺ اسے پسند فرماتے جو زیادہ آسان ہوتا۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ اس میں کچھ گناہ ہوتا تو آپ ﷺ اس سے بہت دور ہو جاتے۔ کبھی بھی حضور اکرم ﷺ نے اپنا بدلہ کسی سے نہیں لیا۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ کوئی اللہ تعالیٰ کی حرمتوں کو توڑتا ہو تو آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے احکام جاری کرنے کے لئے ضرور انتقام لیتے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں میں بہترین اخلاق اور پاکیزہ ترین عادتوں کو پورا کرنے کے لئے آیا ہوں۔ پھر فرماتا ہے کہ اے نبی (ﷺ)! آپ اور آپ کے مخالف اور منکر ابھی ابھی جان لیں گے کہ دراصل بہکا ہوا اور گمراہ کون تھا؟ جیسے اور جگہ ہے ﴿ سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ ﴾ انہیں ابھی کل ہی معلوم ہو جائے گا کہ جھوٹا اور شیخی باز شرارتی کون تھا؟ جیسے اور جگہ ہے ﴿ وَاِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴾ ہم یا تم ہدایت پر ہیں یا کھلی گمراہی پر۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں یعنی یہ حقیقت قیامت کے دن کھل جائے گی' آپ سے مروی ہے کہ مفتون مجنون (دیوانے) کو کہتے ہیں۔ مجاہدؒ وغیرہ کا بھی یہی قول ہے۔ قتادہؒ وغیرہ فرماتے ہیں یعنی کون شیطان سے نزدیک تر ہے؟ مفتون کے ظاہری معنے یہ ہیں کہ جو حق سے بہک جائے اور گمراہ ہو جائے ﴿ اَيِّكُمْ ﴾ پر ب کو اس لئے داخل کیا گیا ہے کہ دلالت ہو جائے کہ ﴿ فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ ﴾ میں تضمین فعل ہے تو تقدیری عبارت کو ملا کر ترجمہ یوں ہو جائے گا کہ تو بھی اور وہ بھی عنقریب جان لیں گے اور تو بھی اور وہ سب بھی بہت جلدی مفتون کی خبر دیں گے' واللہ اعلم۔ پھر فرمایا کہ تم میں سے بہکنے والے اور راہ راست والے سب اللہ تعالیٰ پر ظاہر ہیں اسے خوب معلوم ہے کہ راہ راست سے کس کا قدم پھسل گیا ہے۔

فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝٨ وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ۝٩ وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ ۝١٠ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۢ بِنَمِيْمٍ ۝١١ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ۝١٢ عُتُلٍّۢ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ۝١٣ اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِيْنَ ۝١٤ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝١٥ سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ ۝١٦

پس تو جھٹلانے والوں کی نہ مان۔ وہ تو چاہتے ہیں کہ تو ذرا ڈھیلا ہو تو یہ بھی ڈھیلے پڑ جائیں۔ اور تو کسی ایسے شخص کا بھی کہنا نہ ماننا جو زیادہ قسمیں کھانے والا بے وقار کمینہ' عیب گو' چغل خور۔ بھلائی سے روکنے والا۔ حد سے بڑھ جانے والا گنہگار۔ گردن کش پھر ساتھ ہی مشہور و بدنام ہو۔ اسکی سرکشی صرف اسلئے ہے کہ وہ مال والا اور بیٹوں والا ہے جب اسکے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جارہی ہیں تو کہہ دیتا ہے کہ یہ تو اگلوں کے قصے ہیں۔ ہم بھی اسکی ناک پر داغ دیں گے۔

برے اخلاق کی تفصیلی مذمت: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اے نبی ﷺ جو نعمتیں ہم نے تجھے دیں' جو صراط مستقیم اور خلق عظیم ہم نے تجھے عطا فرمایا' اب تجھے چاہئے ہے کہ ہماری نہ ماننے والوں کی تو نہ مان' ان کی تو عین خوشی ہے کہ آپ ذرا بھی نرم پڑیں تو یہ کھل کھیلیں۔ اور یہ بھی مطلب ہے کہ یہ چاہتے ہیں کہ آپ ان کے معبودان باطل کی طرف کچھ تو رخ کریں' حق سے ذرا سا تو ادھر ادھر ہو جائیں۔ پھر فرماتا ہے کہ زیادہ قسمیں کھانے والے کمینے شخص کی بھی نہ مان۔ چونکہ جھوٹے شخص کو اپنی ذلت اور کذب بیانی کے ظاہر ہو جانے کا ڈر رہتا ہے' اس لئے وہ قسمیں کھا کھا کر دوسرے کو اپنا یقین دلانا چاہتا ہے' دھڑا دھڑ بے ڈھب قسموں پر قسمیں کھائے چلا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ناموں کو بے موقعہ استعمال کرتا پھرتا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ﴿ مَهِيْن ﴾ سے مراد کاذب ہے۔ مجاہدؒ کہتے ہیں ضعیف دل والا۔ حسنؒ کہتے ہیں ﴿ حَلَّاف ﴾ مکابرہ کرنے والا اور ﴿ مَهِيْن ﴾ ضعیف کمزور ﴿ هَمَّاز ﴾ غیبت کرنے والا' چغل خور جو ادھر کی ادھر لگائے اور ادھر کی ادھر تاکہ فساد ہو جائے' طبیعتوں میں بل' اور دل میں بیر آ جائے۔ رسول اللہ ﷺ کے راستے میں دو قبریں آ گئیں آپ ﷺ نے فرمایا ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے اور کسی بڑے امر پر نہیں' ایک تو پیشاب کرنے میں پردے کا خیال نہ رکھتا تھا۔ دوسرا چغل خور تھا (بخاری و مسلم)۔

فرماتے ہیں چغل خور جنت میں نہ جائے گا (مسند)۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت حذیفہؓ نے یہ حدیث اس وقت سنائی تھی جب آپ سے کہا گیا کہ یہ شخص خفیہ پولیس کا آدمی ہے۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کیا میں تمہیں نہ بتاؤں کہ تم میں سب سے بھلا شخص کون ہے؟ لوگوں نے کہا۔ ضرور ارشاد فرمائیے۔ فرمایا' وہ کہ جب انہیں دیکھا جائے' اللہ تعالیٰ یاد آ جائے۔ اور سن لو سب سے بدتر شخص وہ ہے جو چغل خور ہو' دوستوں میں فساد ڈلوانے والا ہو' پاک صاف لوگوں کو تہمت لگانے والا ہو۔ ترمذی میں بھی یہ روایت ہے۔ پھر ان بد لوگوں کے اور ناپاک خصائل بیان ہو رہے ہیں کہ بھلائیوں سے باز رہنے والا اور باز رکھنے والا ہے' حلال چیزوں اور حلال کاموں سے ہٹ کر حرام خوری اور حرام کاری میں پڑتا ہے' گنہگار' بدکردار' محرمات کو استعمال کرنے والا' بدخو بدگو جمع کرنے والا اور نہ دینے والا ہے۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا' جنتی لوگ گرے پڑے عاجز و ضعیف ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس بلند مرتبہ پر ہیں کہ اگر وہ قسم کھا بیٹھیں تو اللہ تعالیٰ پوری کر دے اور جہنمی لوگ سرکش متکبر اور خود بین ہوتے ہیں' اور حدیث میں ہے کہ جمع کرنے والے اور نہ دینے والے بدگو اور سخت خلق۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ سے پوچھا گیا ﴿ عُتُلٍّ زَنِيْم ﴾ کون ہے؟ فرمایا بد خلق' خوب کھانے پینے والا' لوگوں پر ظلم کرنے والا' پیٹو آدمی۔ لیکن اس روایت کو اکثر راویوں نے مرسل بیان کیا ہے۔ اور حدیث میں ہے اس نالائق شخص پر آسمان روتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے تندرستی دی پیٹ بھر کھانے کو دیا مال و جاہ بھی عطا فرمائی پھر بھی لوگوں پر ظلم و ستم کر رہا ہے۔ یہ حدیث بھی دو مرسل طریقوں سے مروی ہے۔ غرض عتل کہتے ہیں جس کا بدن صحیح ہو طاقتور ہو اور خوب کھانے پینے والا زور دار شخص ہو۔

زنیم کا مفہوم: ﴿ زَنِيْم ﴾ سے مراد بدنام ہے جو برائی میں مشہور ہو۔ لغت عربی میں زنیم اسے کہتے ہیں جو کسی قوم میں سمجھا جاتا ہو لیکن دراصل اس کا نہ ہو' عرب شاعروں نے اسے اسی معنی میں باندھا ہے' یعنی جس کا نسب صحیح نہ ہو۔ کہا گیا ہے کہ مراد اس سے اخنس بن شریق ثقفی ہے جو بنو زہرہ کا حلیف تھا۔ اور بعض کہتے ہیں یہ اسود بن عبد یغوث زہری ہے۔ عکرمہؒ فرماتے ہیں ولد الزنا مراد ہے۔ یہ بھی بیان ہوا ہے کہ جس طرح ایک بکری جو تمام بکریوں میں سے الگ تھلگ اپنا چرا ہوا کان اپنی گردن پر لٹکائے ہوئے ہو تو وہ ایک نگاہ میں پہچان لی جاتی ہے اسی طرح کافر مومنوں میں پہچان لیا جاتا ہے اسی طرح کے اور بھی بہت سے اقوال ہیں لیکن خلاصہ سب کا صرف اسی قدر ہے کہ زنیم وہ شخص ہے جو برائی سے مشہور ہو اور عموماً ایسے لوگ ادھر ادھر سے ملے ہوئے ہوتے ہیں جن کے صحیح نسب کا اور حقیقی باپ کا پتہ نہیں ہوتا'

ایسوں پر شیطان کا غلبہ بہت زیادہ رہا کرتا ہے' جیسے حدیث میں ہے کہ زنا کی اولاد جنت میں نہیں جائے گی۔ (اس حدیث کو بعض لوگ موضوع بتاتے ہیں)۔

اور روایت میں ہے کہ زنا کی اولاد تین برے لوگوں کی برائی کا مجموعہ ہے اگر وہ بھی اپنے ماں باپ کے سے کام کرے۔ پھر فرمایا اس کی ان شرارتوں کی وجہ یہ ہے کہ یہ مال دار اور بیٹوں کا باپ بن گیا ہے۔ ہماری اس نعمت کا گن گانا تو کہاں ہماری آیتوں کو جھٹلاتا ہے اور توہین کر کے کہتا پھرتا ہے کہ یہ تو پرانے افسانے ہیں۔ اور جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ ﴿ ذَرْنِيْ وَ مَنْ خَلَقْتُ وَحِيْدًا ﴾ مجھے چھوڑ دے اور اسے جسے میں نے یکہ و تنہا پیدا کیا ہے اور بہت سامال دیا ہے اور حاضر باش لڑکے دیئے ہیں اور بھی بہت کشائش دے رکھی ہے پھر بھی اس کی طمع ہے کہ میں اسے اور دوں ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا۔ یہ تو میری آیتوں کا مخالف ہے۔ میں اسے عنقریب بدترین مصیبت میں ڈالوں گا۔ اس نے غور و فکر کر کے اندازہ لگایا یہ تباہ ہو کتنی بری تجویز اس نے سوچی' میں پھر کہتا ہوں یہ برباد ہو اس نے کیسی بری تجویز کی' اس نے پھر نظر ڈالی اور ترش رو ہو کر منہ بنالیا پھر منہ پھیر کر اینٹھنے لگا اور کہہ دیا کہ یہ کلام اللہ تو پرانا نقل کیا ہوا جادو ہے' صاف ظاہر ہے کہ یہ انسانی کلام ہے اس کی اس بات پر میں بھی اسے سقر میں ڈالوں گا۔ تجھے کیا معلوم کہ سقر کیا ہے؟ نہ وہ کسی کو باقی رکھتی ہے' نہ چھوڑتی ہے پنڈے پر لپٹ جاتی ہے اس پر انیس فرشتے متعین ہیں۔ اسی طرح یہاں بھی فرمایا کہ اس کی ناک پر ہم داغ لگائیں گے یعنی اسے ہم اس قدر رسوا کریں گے کہ اس کی برائی کسی پر پوشیدہ نہ رہے گی۔ ہر ایک اسے جان پہچان لے گا جیسے نشان دار ناک والے کو ایک نگاہ میں ہزاروں آدمیوں میں لوگ پہچان لیتے ہیں اور جو داغ چھپائے گا تو چھپ نہ سکے گا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ بدر والے دن اس کی ناک پر تلوار لگے گی' اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ قیامت والے دن جہنم کی مہر لگے گی یعنی منہ کالا کر دیا جائے گا۔ تو ناک سے مراد پورا چہرہ ہوا۔

امام ابو جعفر ابن جریرؒ نے ان تمام اقوال کو نقل کر کے فرمایا ہے کہ ان سب میں تطبیق اس طرح ہو جاتی ہے کہ یہ تمام امور اس میں ہو جائیں گے۔ یہ بھی ہو گا اور وہ بھی ہو گا' دنیا میں بھی رسوا ہو گا' سچ مچ ناک پر نشان لگے گا۔ آخرت میں بھی نشان دار مجرم بنے گا۔ فی الواقع یہ ہے بھی بہت درست۔ ابن ابی حاتم میں فرمان رسول ﷺ ہے کہ بندہ ہزار ہا برس تک اللہ تعالیٰ کے ہاں مومن لکھا رہتا ہے لیکن مرتا اس حالت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوتا ہے اور بندہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کافر ہزارہا سال تک لکھا رہتا ہے' پھر مرتے وقت اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہو جاتا ہے۔ جو شخص عیب گوئی اور چغل خوری کی حالت میں مرے گا اور جو لوگوں کو بدنام کرنے والا ہو گا تو قیامت کے دن اس کی ناک پر دونوں ہونٹوں کی طرف سے نشان لگا دیا جائے گا جو اس مجرم کی علامت بن جائے گا۔

إِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَآ أَصْحٰبَ الْجَنَّةِ ۚ إِذْ أَقْسَمُوْا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِيْنَ ﴿١٧﴾ وَلَا يَسْتَثْنُوْنَ ﴿١٨﴾ فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ وَهُمْ نَآئِمُوْنَ ﴿١٩﴾ فَأَصْبَحَتْ كَالصَّرِيْمِ ﴿٢٠﴾ فَتَنَادَوْا مُصْبِحِيْنَ ﴿٢١﴾ أَنِ اغْدُوْا عَلٰى حَرْثِكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صٰرِمِيْنَ ﴿٢٢﴾ فَانْطَلَقُوْا وَهُمْ يَتَخَافَتُوْنَ ﴿٢٣﴾ أَنْ لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مِّسْكِيْنٌ ﴿٢٤﴾ وَّغَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ قٰدِرِيْنَ ﴿٢٥﴾ فَلَمَّا رَأَوْهَا قَالُوْٓا إِنَّا لَضَآلُّوْنَ ﴿٢٦﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿٢٧﴾ قَالَ أَوْسَطُهُمْ أَلَمْ أَقُلْ لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ ﴿٢٨﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَ رَبِّنَآ إِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿٢٩﴾ فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ

عَلٰى بَعْضٍ يَّتَلَاوَمُوْنَ ﴿٣٠﴾ قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ ﴿٣١﴾ عَسٰى رَبُّنَآ اَنْ يُّبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَآ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ ﴿٣٢﴾ كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿٣٣﴾

بے شک ہم نے انہیں اسی طرح آزمالیا جس طرح ہم نے باغ والوں کو آزمایا تھا جبکہ انہوں نے قسمیں کھائیں کہ صبح ہوتے ہی اس باغ کے پھل اتار لیں گے اور ان شاءاللہ تعالیٰ نہ کہا۔ پس اس پر تیرے رب کی جانب سے ایک بلا چو طرف گھوم گئی اور یہ سو ہی رہے تھے۔ پس وہ باغ ایسا ہو گیا جیسے کٹی ہوئی کھیتی۔ صبح ہوتے ہی انہوں نے ایک دوسرے کو آوازیں دیں۔ کہ اگر تمہیں پھل اتارنے ہیں تو اپنی کھیتی پر سویرے ہی سویرے چل پڑو۔ پھر یہ سب چپکے چپکے یہ باتیں کرتے ہوئے چلے۔ کہ آج کے دن کوئی مسکین تمہارے پاس نہ آئے۔ اور لپکے ہوئے صبح صبح پہنچ گئے سمجھ رہے تھے کہ ہم قابو پا گئے۔ جب انہوں نے باغ کو دیکھا تو کہنے لگے یقیناً ہم راستہ بھول گئے۔ نہیں نہیں بلکہ ہماری قسمت پھوٹ گئی۔ ان سب میں جو بہتر تھا اس نے کہا کہ میں تم سے نہ کہتا تھا کہ تم اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی کیوں نہیں بیان کرتے؟ تو سب کہنے لگے ہمارا رب پاک ہے بے شک ہم ہی ظالم تھے۔ پھر وہ ایک دوسرے کی طرف رخ کر کے آپس میں ملامت کرنے لگے۔ کہنے لگے ہائے افسوس یقیناً ہم سرکش تھے۔ کیا عجب ہے کہ ہمارا رب ہمیں اس سے بہتر بدلہ دے دے ہم تو اب اپنے رب سے ہی آرزو رکھتے ہیں۔ یوں ہی آتی ہے آفت اور آخرت کی آفت بہت بڑی ہے کاش انہیں سمجھ ہوتی۔

باغ والوں کا تفصیلی واقعہ: یہاں ان کافروں کی جو حضور اکرم ﷺ کی نبوت کو جھٹلا رہے تھے۔ مثال بیان ہو رہی ہے کہ جس طرح یہ باغ والے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناشکری کی اور اللہ تعالیٰ کے عذابوں میں اپنے آپ کو ڈال دیا۔ یہی حالت ان کافروں کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت یعنی حضور اکرم ﷺ کی پیغمبری کی ناشکری یعنی انکار نے انہیں بھی اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا مستحق کر دیا ہے' تو فرمایا ہے کہ ہم نے انہیں بھی آزمالیا جس طرح ہم نے باغ والوں کو آزمایا تھا۔ جس باغ میں طرح طرح کے پھل میوے وغیرہ تھے۔ ان لوگوں نے آپس میں قسمیں کھائیں کہ صبح سے پہلے ہی پہلے رات کے وقت پھل اتار لیں گے تاکہ فقیروں مسکینوں اور سائلوں کو پتہ نہ چلے جو وہ آکھڑے ہوں اور ہمیں ان کو بھی دینا پڑے بلکہ تمام پھل اور میوے خود ہی لے آئیں گے۔ اپنی اس تدبیر کی کامیابی پر انہیں غرور تھا اور اس خوشی میں پھولے ہوئے تھے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کو بھی بھول گئے ان شاءاللہ تک کسی کی زبان سے نہ نکلا۔ اس لئے ان کی یہ قسم پوری نہ ہوئی' رات ہی رات میں ان کے پہنچنے سے پہلے آسمانی آفت نے سارے باغ کو جلا کر خاکستر کر دیا' ایسا ہو گیا جیسے سیاہ رات اور کٹی ہوئی کھیتی' اسی لئے حضور اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ لوگو! گناہوں سے بچو' گناہوں کی شامت کی وجہ سے انسان اس روزی سے بھی محروم کر دیا جاتا ہے جو اس کے لئے تیار کر دی گئی ہے' پھر ان دونوں آیتوں کی تلاوت کی کہ یہ لوگ بہ سبب اپنے گناہ کے اپنے باغ کے پھل اور اس کی پیداوار سے بے نصیب ہو گئے۔ (ابن ابی حاتم)

صبح کے وقت یہ آپس میں ایک دوسرے کو طعنے دینے لگے کہ اگر پھل اتارنے کا ارادہ ہے تو اب دیر نہ لگاؤ سویرے ہی چل پڑو۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ باغ انگور کا تھا۔ اب یہ چپکے چپکے باتیں کرتے ہوئے چلے تاکہ کوئی سن نہ لے اور غریب غرباء کو پتہ نہ لگ جائے چونکہ ان کی سرگوشیاں اس اللہ تعالیٰ سے تو پوشیدہ نہیں رہ سکتی تھیں جو دلی ارادوں سے بھی پوری طرح واقف رہتا ہے۔ وہ بیان فرماتا ہے کہ ان کی وہ خفیہ باتیں یہ تھیں کہ دیکھو ہوشیار رہو کوئی مسکین بھنک پا کر کہیں آج نہ آجائے' ہرگز کسی فقیر کو باغ میں گھسنے ہی نہ دینا۔ اب قوت و شدت کے ساتھ پختہ ارادے اور غریبوں پر غصے کے ساتھ اپنے باغ کو چلے۔ سدیؒ فرماتے ہیں کہ حرد ان کی بستی کا نام تھا' لیکن یہ کچھ زیادہ ٹھیک نہیں معلوم ہوتا' یہ جانتے تھے کہ اب ہم پھلوں پر قابض ہیں ابھی اتار کر سب لے آئیں گے۔ لیکن جب وہاں پہنچے تو بکے بکے

ہو گئے۔ دیکھتے ہیں کہ لہلہاتا ہوا ابھرا ابھرا باغ میووں سے لدے ہوئے درخت اور پکے ہوئے پھل سب غارت اور برباد ہو چکے ہیں' سارے باغ میں آندھی پھر گئی ہے اور تمام باغ میووں سمیت جل کر کوئلہ ہو گیا ہے کوئی پھل ادھی کے دام کا بھی نہیں رہا ساری تروتازگی یبوست سے بدل گئی ہے۔ باغ سارا کا سارا جل کر راکھ ہو گیا ہے درختوں کے کالے کالے ڈراؤنے ٹھنڈ کھڑے ہوئے ہیں' تو پہلے تو سمجھے کہ ہم راستہ بھول گئے کسی اور باغ میں چلے آئے اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ہمارا طریقہ کار غلط تھا جس کا یہ نتیجہ ہے۔ پھر بغور دیکھنے سے جب یہ یقین ہو گیا کہ باغ تو یہ ہمارا ہی ہے تب سمجھ گئے اور کہنے لگے' ہے تو یہی لیکن ہم بدقسمت ہیں ہمارے نصیب میں ہی اس کا پھل اور فائدہ نہیں۔ ان سب میں جو عدل وانصاف والا اور بھلائی اور بہتری والا تھا وہ بول پڑا کہ دیکھو میں تو پہلے ہی تم سے کہتا تھا کہ تم ان شاء اللہ کیوں نہیں کہتے؟ سدیؒ فرماتے ہیں کہ ان کے زمانے میں سبحان اللہ کہنا بھی ان شاء اللہ کہنے کے قائم مقام تھا۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی ہی ان شاء اللہ کہنے کے ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ انکے بہتر شخص نے ان سے کہا کہ دیکھو میں نے تو تمہیں پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ تم کیوں اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی اور اس کی حمد وثنا نہیں کرتے؟ یہ سن کر اب وہ کہنے لگے کہ ہمارا رب پاک ہے۔ بے شک ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ اب اطاعت بجالائے جب کہ عذاب پہنچ چکا اب اپنی تقصیر کو مانا جب سزا دے دی گئی' اب تو ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے کہ ہم نے بہت ہی برا کیا کہ مسکینوں کا حق مارنا چاہا اور اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری سے رک گئے پھر سبھوں نے کہا کہ کوئی شک نہیں' ہماری سرکشی حد سے بڑھ گئی اسی وجہ سے اللہ کا عذاب آیا۔

پھر کہتے ہیں شاید ہمارا رب ہمیں اس سے بہتر بدلہ دے یعنی دنیا میں اور یہ بھی ممکن ہے کہ آخرت کے خیال سے انہوں نے یہ کہا ہو' واللہ اعلم۔ بعض سلف کا قول ہے کہ یہ واقعہ اہل یمن کا ہے۔ حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ ضروان کے رہنے والے تھے جو صنعا سے چھ میل کے فاصلے پر ایک بستی ہے۔ اور مفسرین کہتے ہیں کہ یہ اہل حبشہ تھے مذہباً اہل کتاب تھے یہ باغ انہیں ان کے باپ کے ورثے میں ملا تھا۔ اس کا یہ دستور تھا کہ باغ کی پیداوار میں سے باغ کا خرچ نکال کر اپنے اور اپنے بال بچوں کے لئے سال بھر کا خرچ رکھ کر باقی نفع اللہ تعالیٰ کے نام صدقہ کر دیتا تھا۔ اس کے انتقال کے بعد ان بچوں نے آپس میں مشورہ کیا اور کہا کہ ہمارا باپ تو بیوقوف تھا جو اتنی بڑی رقم ہر سال ادھر ادھر دیتا تھا۔ ہم ان فقیروں کو اگر نہ دیں اور اپنا مال باقاعدہ سنبھالیں تو بہت جلد دولت مند بن جائیں یہ ارادہ انہوں نے پختہ کر لیا تو ان پر وہ عذاب آیا جس نے اصل مال بھی تباہ کر دیا اور بالکل خالی ہاتھ رہ گئے۔ پھر فرماتا ہے جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کے حکموں کا خلاف کرے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں بخل کرے اور مسکینوں محتاجوں کا حق ادا نہ کرے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کرے اس پر اسی طرح کے عذاب نازل ہوتے ہیں' اور یہ تو دنیوی عذاب ہیں آخرت کے عذاب تو ابھی باقی ہیں جو سخت تر اور بدتر ہیں۔ بیہقی کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رات کے وقت کھیتی کاٹنے اور باغ کے پھل اتارنے سے منع فرمادیا ہے۔

إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّٰتِ النَّعِيمِ ﴿٣٤﴾ أَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِينَ كَالْمُجْرِمِينَ ﴿٣٥﴾ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ﴿٣٦﴾ أَمْ لَكُمْ كِتَٰبٌ فِيهِ تَدْرُسُونَ ﴿٣٧﴾ إِنَّ لَكُمْ فِيهِ لَمَا تَخَيَّرُونَ ﴿٣٨﴾ أَمْ لَكُمْ أَيْمَٰنٌ عَلَيْنَا بَٰلِغَةٌ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَٰمَةِ إِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُونَ ﴿٣٩﴾ سَلْهُمْ أَيُّهُمْ بِذَٰلِكَ زَعِيمٌ ﴿٤٠﴾ أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ فَلْيَأْتُوا بِشُرَكَائِهِمْ إِنْ كَانُوا صَٰدِقِينَ ﴿٤١﴾

پرہیز گاروں کے لئے ان کے رب کے پاس نعمتوں والی جنتیں ہیں۔ کیا ہم مسلمانوں کو مثل گنہگاروں کے کر دیں گے۔ تمہیں کیا ہو گیا کیسے فیصلے کر رہے ہو؟ کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے جسے تم پڑھتے ہو؟ کہ اس میں تمہاری من مانی باتیں ہوں؟ یا تم سے ہم نے کوئی ایسی قسمیں کھائی ہیں؟ جو قیامت تک

باقی رہیں کہ تمہارے لئے وہ سب ہے جو تم اپنی طرف سے مقرر کر لو۔ ان سے پوچھ تو کہ ان میں سے کون اس بات کا ذمہ دار اور دعویدار ہے؟ کیا ان کے کوئی شریک ہیں؟ تو چاہئے کہ اپنے اپنے شریکوں کو لے آئیں اگر یہ سچے ہیں۔

نیک اور گنہگار برابر نہ ہونگے: اوپر چونکہ دنیوی جنت والوں کا حال بیان ہوا تھا اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اس کے حکم کا خلاف کرنے سے ان پر جو بلا اور آفت آئی اس کا ذکر ہوا تھا اس لئے اب ان متقی پرہیزگار لوگوں کا حال ذکر کیا گیا جنہیں آخرت میں جنتیں ملیں گی جن کی نعمتیں نہ فنا ہوں گی نہ گھٹیں گی نہ ختم ہوں گی نہ سڑیں گی نہ گلیں گی۔ پھر فرماتا ہے کیا ہو سکتا ہے کہ مسلمان اور گنہگار جزا میں یکساں ہو جائیں؟ قسم ہے زمین و آسمان کے رب کی کہ یہ نہیں ہو سکتا' کیا ہو گیا ہے تم کس طرح یہ چاہتے ہو؟ کیا تمہارے ہاتھوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتری ہوئی کوئی ایسی کتاب ہے خود تمہیں بھی محفوظ ہو اور اگلوں کے ہاتھوں تم پچھلوں تک پہنچی ہو' اور اس میں وہی ہو جو تمہاری چاہت ہے اور جو تم کہہ رہے ہو؟ یا ہمارا کوئی مضبوط وعدہ اور عہد تم سے ہے کہ تم جو کچھ کہہ رہے ہو وہی ہو گا اور تمہاری یہ بے جا اور غلط خواہشیں پوری ہو کر ہی رہیں گی؟ ان سے ذرا پوچھو تو کہ اس بات کا کون ضامن ہے اور کس کے ذمہ یہ کفالت ہے؟ نہ سہی تمہارے جو جھوٹے معبود ہیں ان ہی کو اپنی سچائی کے ثبوت میں پیش کرو۔

يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّيُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿٤٢﴾ خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۖ وَقَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُوْدِ وَهُمْ سَالِمُوْنَ ﴿٤٣﴾ فَذَرْنِيْ وَمَنْ يُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ ۖ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٤٤﴾ وَأُمْلِيْ لَهُمْ ۖ إِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿٤٥﴾ أَمْ تَسْأَلُهُمْ أَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ﴿٤٦﴾ أَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿٤٧﴾

جس دن پنڈلی کھول دی جائے گی اور وہ سجدے کے لئے بلائے جائیں گے تو سجدہ نہ کر سکیں گے۔ نگاہیں نیچی ہوں گی اور ان پر ذلت و خواری چھا رہی ہو گی۔ حالانکہ یہ سجدے کے لئے اس وقت بھی بلائے جاتے تھے جب کہ صحیح سالم تھے۔ مجھے اور اس کلام کے جھٹلانے والے کو چھوڑ دے' ہم انہیں اس طرح آہستہ آہستہ کھینچیں گے کہ انہیں معلوم بھی نہ ہو گا۔ اور میں انہیں ڈھیل دوں گا میری تدبیر بڑی مضبوط ہے۔ کیا تو ان سے کوئی اجرت چاہتا ہے جس کے تاوان سے یہ دبے جاتے ہوں۔ یا کیا ان کے پاس علم غیب ہے جسے وہ لکھتے ہوں۔

مجرم روز قیامت سجدہ نہ کر پائے گا: اوپر چونکہ بیان ہوا تھا کہ پرہیزگار لوگوں کے لئے نعمتوں والی جنتیں ہیں اس لئے یہاں بیان ہو رہا ہے کہ یہ نعمتیں انہیں کب ملیں گی؟ تو فرمایا کہ اس دن جس دن پنڈلی کھول دی جائے گی یعنی قیامت کے دن جو دن بڑی ہولناکیوں والا زلزلوں والا امتحان والا اور آزمائش والا اور بڑے بڑے اہم امور کے ظاہر ہونے کا دن ہو گا۔ صحیح بخاری میں اس جگہ حضرت ابو سعید خدریؓ کی یہ حدیث ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا فرماتے تھے کہ ہمارا رب اپنی پنڈلی کھول دے گا۔ پس ہر مومن مرد اور ہر مومن عورت سجدے میں گر پڑے گی' ہاں دنیا میں جو لوگ دکھانے سنانے کے لئے سجدے کرتے تھے' وہ بھی سجدہ کرنا چاہیں گے' لیکن ان کی کمر تختہ کی طرح ہو جائے گی' یعنی سجدہ نہ کر سکیں گے۔ یہ حدیث بخاری و مسلم دونوں میں ہے

اور دوسری کتابوں میں بھی ہے جو کئی کئی سندوں سے الفاظ کے ہیر پھیر کے ساتھ مروی ہے اور یہ حدیث مطول ہے اور مشہور

ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس کشف ساق (یعنی پنڈلی کے کھل جانے) سے یہ مراد ہے کہ یہ دن تکلیف دکھ درد اور شدت کا دن ہو گا جس کو یہاں محاورہ میں بیان کیا گیا ہے (ابن جریر)۔ اور ابن جریرؒ اسے دوسری سند سے شک کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ ابن مسعودؓ یا ابن عباسؓ سے ﴿ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ ﴾ کی تفسیر میں بہت بڑا عظیم الشان امر مروی ہے' جیسے شاعر کا قول ہے ﴿ شَالَتِ الْحَرْبُ عَنْ سَاقٍ ﴾ یہاں بھی لڑائی کی عظمت اور بڑائی بیان کی گئی ہے۔ مجاہدؒ سے بھی یہی مروی ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن یہ گھڑی بہت سخت ہو گی' آپ فرماتے ہیں کہ امر بہت سخت بڑی گھبراہٹ والا اور ہولناک ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ جس وقت امر کھول دیا جائے گا اعمال ظاہر ہو جائیں گے اور یہ کھلنا آخرت کا آجانا ہے اور اس سے مراد کام کا کھل جانا ہے۔ یہ سب روایتیں ابن جریر میں ہیں۔ اس کے بعد یہ حدیث ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اس کی تفسیر میں فرمایا مراد بہت بڑا نور ہے۔ لوگ اس کے سامنے سجدے میں گر پڑیں گے۔ یہ حدیث ابو یعلیٰ میں بھی ہے اور اس کی اسناد میں ایک مبہم راوی ہے' واللہ اعلم۔

سرکش نظریں نہ اٹھا سکیں گے: پھر فرمایا آج کے دن ان لوگوں کی آنکھیں اوپر کو نہ اٹھیں گی اور ذلیل و پست ہو جائیں گے' کیونکہ دنیا میں بڑے سرکش اور کبر و غرور والے تھے۔ صحت اور سلامتی کی حالت میں دنیا میں جب انہیں سجدہ کے لئے بلایا جاتا تھا تو رک جاتے تھے جس کی سزا یہ ملی کہ آج سجدہ کرنا چاہتے ہیں لیکن نہیں کر سکتے۔ پہلے کر سکتے تھے مگر نہیں کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی تجلی دیکھ کر مومن سب سجدے میں گر پڑیں گے لیکن کافر و منافق سجدہ نہ کر سکیں گے کمر تختہ ہو جائے گی جھکے گی نہیں' بلکہ پیٹھ کے بل چت گر پڑیں گے' یہاں بھی ان کی حالت مومنوں کے خلاف تھی' وہاں بھی خلاف ہی رہے گی۔ پھر فرمایا' مجھے اور میری اس حدیث یعنی قرآن کے جھٹلانے والوں کو تو چھوڑ دے' اس میں بڑی وعید ہے اور سخت ڈانٹ ہے کہ تو ٹھہر تو جا آپ ان سے نپٹ لوں گا۔ دیکھ تو سہی کہ کس طرح بتدریج انہیں پکڑتا ہوں' یہ اپنی سرکشی اور غرور میں بڑھتے جائیں گے۔ میری ڈھیل کے راز کو نہ سمجھیں گے اور پھر ایک دم یہ پاپ کا گھڑا پھوٹے گا' اور میں اچانک انہیں پکڑ لوں گا' میں انہیں بڑھاتا رہوں گا۔ یہ بدمست ہوتے چلے جائیں گے' وہ اسے کرامت سمجھیں گے' حالانکہ ہو گی وہ اہانت' جیسے اور جگہ ہے ﴿ اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ ﴾ یعنی کیا ان کا گمان ہے کہ مال و اولاد کا بڑھنا ان کے لئے ہماری جانب سے کسی بھلائی کی بنا پر ہے؟ نہیں بلکہ یہ بے شعور ہیں۔ اور جگہ فرمایا ﴿ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ ﴾ جب یہ ہمارے وعظ و پند کو بھلا چکے تو ہم نے ان پر تمام چیزوں کے دروازے کھول دیئے' یہاں تک کہ انہیں جو دیا گیا تھا اس پر اترانے لگے تو ہم نے انہیں ناگہانی پکڑ لیا اور ان کی امیدیں منقطع ہو گئیں' یہاں بھی ارشاد ہوتا ہے کہ میں انہیں ڈھیل دوں گا بڑھاؤں گا' اور اونچا کروں گا' یہ میرا داؤں ہے اور میری تدبیر میرے مخالفوں اور میرے نافرمانوں کے ساتھ بڑی ہے۔

بخاری و مسلم میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے پھر جب پکڑتا ہے تو چھوڑتا نہیں۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی ﴿ وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَا اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ اِنَّ اَخْذَهٗ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ﴾ یعنی اسی طرح ہے تیرے رب کی پکڑ بڑی دردناک اور بہت سخت ہے۔ پھر فرمایا تو کچھ ان سے اجرت اور بدلہ تو مانگتا ہی نہیں' جو ان پر بھاری پڑتا ہو اور جس کے تاوان سے یہ جھکے جاتے ہوں' نہ ان کے پاس کوئی علم غیب ہے جسے یہ لکھ رہے ہوں۔ ان دونوں جملوں کی تفسیر سورۂ ﴿ وَالطُّوْرِ ﴾ میں گزر چکی ہے۔ خلاصہ مطلب یہ ہے کہ اے نبی آپ انہیں اللہ عزوجل کی طرف بغیر اجرت اور بغیر مال طلبی کے اور بغیر بدلے کی چاہت کے بلا رہے ہیں' آپ کی غرض سوائے ثواب حاصل کرنے کے اور کوئی نہیں تو اس پر بھی یہ لوگ صرف اپنی جہالت اور سرکشی کی وجہ سے آپ کو جھٹلا رہے ہیں۔

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ ۘ اِذْ نَادٰى وَهُوَ مَكْظُوْمٌ ﴿٤٨﴾ لَوْلَآ اَنْ تَدٰرَكَهٗ نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ لَنُبِذَ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ مَذْمُوْمٌ ﴿٤٩﴾ فَاجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَجَعَلَهٗ

وقف لازم

مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ وَاِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَيَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ۝ وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝

پس تو اپنے رب کے حکم کا صبر سے انتظار کر اور مچھلی والے کی طرح نہ ہو جا جب کہ اس نے غمگین کی حالت میں دعا کی۔ اگر اسے اس کے رب کا احسان نہ پا لیتا تو یقیناً وہ برے حالوں میں بنجر زمین میں ڈال دیا جاتا۔ اسے اس کے رب نے پھر نوازا اور اسے نیک کاروں میں کر دیا۔ یقیناً ان منکروں کی چاہت ہے کہ اپنی تیز نگاہوں سے تجھے پھسلا دیں' یہ جب کبھی قرآن سنتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں یہ تو ضرور دیوانہ ہے۔ در حقیقت یہ قرآن تو تمام جہان والوں کے لئے سراسر نصیحت ہی ہے۔

حضرت یونسؑ (مچھلی والے) کا واقعہ: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے نبی (ﷺ)! اپنی قوم کی ایذا پر اور ان کے جھٹلانے پر صبر و سہار اکرو عنقریب اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہونے والا ہے آخر کار آپ کا اور آپ کے ماتحتوں کا ہی غلبہ ہوگا' دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی دیکھو تم مچھلی والے نبی کی طرح نہ ہونا۔ اس سے مراد یونس بن متی علیہ السلام ہیں جب کہ وہ اپنی قوم پر غضبناک ہو کر نکل کھڑے ہوئے' پھر جو ہوا سو ہوا۔ یعنی آپ کا جہاز میں سوار ہونا' مچھلی کا آپ کو نگل جانا اور سمندر کی تہہ میں بیٹھ جانا اور اس تہہ بہ تہہ اندھیریوں میں اس قدر نیچے آپ کا سمندر کو اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی بیان کرتے ہوئے سننا' اور خود آپ کا بھی پکارنا اور ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ پڑھنا۔ پھر آپ کی دعا کا قبول ہونا اور اس سے نجات پانا وغیرہ۔ جس واقعہ کا مفصل بیان پہلے گزر چکا ہے'

جس کے بیان کے بعد اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم اسی طرح ایمان داروں کو نجات دیا کرتے ہیں اور فرماتا ہے کہ اگر وہ تسبیح نہ کرتے تو قیامت تک اسی کے پیٹ میں پڑے رہتے۔ یہاں بھی فرمان ہے کہ جب اس نے غم اور دکھ کی حالت میں ہمیں پکارا۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ یونس علیہ السلام کی زبان سے نکلتے ہی یہ کلمہ عرش پر پہنچا۔ فرشتوں نے کہا اللہ تعالیٰ اس کمزور غیر معروف شخص کی آواز تو ایسی معلوم ہوتی ہے جیسے پہلے کی سنی ہوئی ہو۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا کیا تم نے اسے پہچانا نہیں؟ فرشتوں نے عرض کیا' نہیں۔ جناب باری نے فرمایا یہ میرے بندے یونس علیہ السلام کی آواز ہے۔ فرشتوں نے کہا پروردگار پھر تو تیرا یہ بندہ وہ ہے جس کے اعمال صالحہ ہر روز آسمانوں پر چڑھتے رہے جس کی دعائیں ہر وقت قبولیت کا درجہ پاتی رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا سچ ہے۔ فرشتوں نے کہا پھر اے ارحم الراحمین ان کی آسانیوں کے وقت کے نیک اعمال کی بنا پر انہیں اس سختی سے نجات عطا فرما۔ چنانچہ ارشاد باری ہوا کہ اے مچھلی تو انہیں اگل دے اور مچھلی نے انہیں کنارے پر آ کر اگل دیا۔ یہاں بھی یہی بیان ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں پھر برگزیدہ بنا لیا اور نیکو کاروں میں کر دیا۔ مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ کسی کو لائق نہیں کہ وہ اپنے آپ کو حضرت یونس علیہ السلام بن متی سے افضل بتائے۔ بخاری مسلم میں بھی یہ حدیث ہے۔ (بس کچھ الفاظ کی ہیر پھیر ہے۔ کسی روایت میں اسی طرح ہے کہ "مجھے یونس علیہ السلام بن متی سے افضل مت بتاؤ"۔ یہ اس لئے کہ کہیں لوگ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ایسا نہ کہنے لگیں کہ "اے محمد (ﷺ)! مچھلی والے کی طرح نہ ہو جانا"۔ کہ اس میں حضرت یونس علیہ السلام کی برائی اور مذمت سی نکلتی ہے)۔ اگلی آیت کا مطلب یہ ہے کہ تیرے بغض و حسد کی وجہ سے یہ کفار تو اپنی آنکھوں سے گھور گھور کر تجھے پھسلا دینا چاہتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حمایت اور بچاؤ نہ ہوتا تو یقیناً یہ تو ایسا کر گزرتے۔ اس آیت میں دلیل ہے اس امر پر کہ نظر کا لگنا اور اس کی تاثیر کا اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہونا حق ہے جیسا کہ بہت سی احادیث میں بھی جو کئی سندوں سے مروی ہیں۔

نظر بد کا علاج اور بد شگونی کی مذمت: ابوداؤد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ دم جھاڑا صرف نظر کا اور زہریلے جانوروں کا اور نہ تھمنے والے خون کا ہے۔ بعض سندوں میں نظر کا لفظ نہیں۔ یہ حدیث ابن ماجہ میں بھی ہے اور صحیح مسلم اور ترمذی میں بھی

ہے۔ایک غریب حدیث ابویعلی میں ہے کہ نظر بحکم اللہ تعالیٰ انسان کو گرادیتی ہے۔مسند احمد میں ہے کہ الو اور نظر میں کچھ بھی حق نہیں۔ سب سے اچھا شگون فال ہے۔ یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے اور امام ترمذیؒ اسے غریب کہتے ہیں۔اور روایت میں ہے کہ کوئی ڈر خوف الو اور نظر میں نہیں اور نیک فال سب سے زیادہ سچا فال ہے۔ایک اور روایت میں ہے کہ نظر حق ہے نظر حق ہے وہ بلندی والے کو بھی اتار دیتی ہے (مسند احمد)۔

چند مفید عملیات: صحیح مسلم میں ہے نظر حق ہے اگر کوئی چیز تقدیر سے سبقت کرنے والی ہوتی تو نظر کر جاتی۔جب تم سے غسل کرایا جائے تو غسل کر لیا کرو۔عبدالرزاق میں ہے کہ آں حضرت ﷺ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو ان الفاظ کے ساتھ پناہ میں دیتے ﴿اُعِیْذُ کُمَا بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّآمَّۃِ مِنْ کُلِّ شَیْطٰنٍ وَّھَامَّۃٍ وَّمِنْ کُلِّ عَیْنٍ لَّآمَّۃٍ﴾ یعنی تم دونوں کو اللہ تعالیٰ کے بھرپور کلمات کی پناہ میں سونپتا ہوں ہر شیطان سے اور ہر ایک زہریلے جانور سے اور ہر ایک لگ جانے والی نظر سے اور فرماتے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی حضرت اسحٰق اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کو انہی الفاظ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں دیا کرتے تھے۔یہ حدیث سنن میں اور بخاری میں بھی ہے۔ابن ماجہ میں ہے کہ سہل ابن حنیفؓ غسل کر رہے تھے عامر بن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے لگے کہ میں نے تو آج تک ایسا پنڈا کسی پردہ نشین کا بھی نہیں دیکھا۔پس ذرا سی دیر میں وہ بیہوش ہو کر گر پڑے۔لوگوں نے حضور اکرم ﷺ سے کہا۔یارسول اللہ ﷺ! ان کی خبر لیجئے یہ تو بے ہوش ہو گئے۔آپ ﷺ نے فرمایا کسی پر تمہارا شک بھی ہے؟ لوگوں نے عرض کیا ہاں عامر بن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر۔آپ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کیوں کوئی اپنے بھائی کو قتل کرتا ہے۔جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی کی کسی ایسی چیز کو دیکھے کہ اسے بہت اچھی لگے تو اسے چاہئے کہ اس کے لئے برکت کی دعا کرے۔پھر پانی منگوا کر عامر سے فرمایا کہ تم وضو کر و منہ اور کہنیوں تک ہاتھ اور گھٹنے اور تہمد کے اندر کا حصہ جسم دھو ڈالو۔دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا برتن کو اس کی پیٹھ کے پیچھے سے اوندھا دو۔نسائی وغیرہ میں بھی یہ روایت موجود ہے۔حضرت ابوسعیدؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ جنات کی اور انسانوں کی نظر بد سے پناہ مانگا کرتے تھے۔جب سورۂ معوذتین نازل ہوئیں تو آپ ﷺ نے انہیں لے لیا اور سب کو چھوڑ دیا (ابن ماجہ' ترمذی' نسائی)۔

مسند وغیرہ میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام حضور اکرم ﷺ کے پاس آئے اور کہا اے نبی صاحب! کیا آپ بیمار ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں۔تو جبرئیل علیہ السلام نے کہا ﴿ بِسْمِ اللّٰہِ اَرْقِیْکَ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ یُّؤْذِیْکَ مِنْ شَرِّ کُلِّ نَفْسٍ وَّعَیْنٍ وَّاللّٰہُ یَشْفِیْکَ بِسْمِ اللّٰہِ اَرْقِیْکَ ﴾ بعض روایات میں کچھ الفاظ کا ہیر پھیر بھی ہے۔بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ یقیناً نظر کا لگ جانا برحق ہے۔مسند کی ایک حدیث میں اس کے بعد یوں بھی لکھا ہے کہ اس کا سبب شیطان ہے اور ابن آدم کا حسد ہے۔مسند کی ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ سے پوچھا گیا کہ کیا تم نے حضور اکرم ﷺ سے یہ سنا ہے کہ شگون تین چیزوں میں ہے' گھر' گھوڑا اور عورت۔تو حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا پھر تو میں رسول اللہ ﷺ پر وہ کہوں گا جو آپ ﷺ نے نہیں فرمایا' ہاں میں نے حضور اکرم ﷺ سے یہ تو سنا ہے کہ آپ نے فرمایا سب سے اچھا شگون نیک فال ہے اور نظر کا لگنا حق ہے۔ترمذی وغیرہ میں ہے کہ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ (حضرت) جعفر کے بچوں کو نظر لگ جایا کرتی ہے تو کیا میں کچھ دم کرا لیا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں اگر کوئی چیز تقدیر سے سبقت کر جانے والی ہوتی تو وہ نظر ہوتی۔

حضرت عائشہؓ کو بھی حضور اکرم ﷺ کا نظر بد سے دم کرنے کا حکم مروی ہے (ابن ماجہ) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نظر لگانے والے کو حکم کیا جاتا تھا کہ وہ وضو کرے اور جس کو نظر لگی ہے اسے اس پانی سے غسل کرایا جاتا تھا (احمد)۔اور حدیث میں ہے نہیں ہے الو اور نظر حق ہے اور سب سے اچھا شگون فال ہے۔مسند احمد میں بھی حضرت سہلؓ اور حضرت عامرؓ والا قصہ جو اوپر بیان ہوا قدرے بسط کے ساتھ مروی ہے۔بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ یہ دونوں بزرگ غسل کے ارادے سے چلے اور حضرت عامرؓ پانی میں غسل کے لئے اترے اور ان

کا بدن دیکھ کر حضرت سہلؓ کی نظر لگ گئی اور وہ وہیں پانی میں خرخراہٹ کرنے لگے۔ میں نے تین مرتبہ آوازیں دیں لیکن جواب نہ ملا۔ میں آں حضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور واقعہ سنایا۔ آپ خود تشریف لائے اور تھوڑے سے پانی میں کھچ کھچ کرتے ہوئے تہمد اونچا اٹھائے ہوئے وہاں تک پہنچے اور ان کے سینے میں ہاتھ مارا اور دعا کی ﴿ اللّٰهُمَّ اصْرِفْ عَنْهُ حَرَّهَا وَ بَرْدَهَا وَ وَصَبَهَا ﴾ اے اللہ۔ تو اس سے اس کی گرمی اور سردی اور تکلیف دور کر دے الخ۔ مسند بزار میں ہے کہ میری امت کی قضاوقدر کے بعد اکثر موت نظر سے ہو گی۔ فرماتے ہیں کہ نظر حق ہے انسان کو قبر تک پہنچا دیتی ہے اور اونٹ کو ہانڈی تک۔ میری امت کی اکثر ہلا کی اسی میں ہے۔ ایک اور صحیح سند سے بھی یہ روایت مروی ہے۔ فرمان رسالت ہے کہ ایک کی بیماری دوسرے کو نہیں لگتی اور نہ الو کی وجہ سے بربادی کا یقین کر لینا کوئی واقعیت رکھتا ہے اور نہ حسد کوئی چیز ہے۔ ہاں نظر سچ ہے۔

ابن عساکر میں ہے کہ جبرئیل علیہ السلام حضور اکرم ﷺ کے پاس تشریف لائے۔ آپ ﷺ اس وقت غمزدہ تھے۔ سبب پوچھا تو فرمایا حسن اور حسین کو نظر لگ گئی ہے۔ فرمایا یہ سچائی کے قابل چیز ہے نظر واقعی لگتی ہے۔ آپ نے یہ کلمات پڑھ کر انہیں پناہ میں کیوں نہ دیا؟ حضور اکرم ﷺ نے پوچھا وہ کلمات کیا ہیں؟ فرمایا یوں کہو ﴿ اللّٰهُمَّ ذَا السُّلْطَانِ الْعَظِيْمِ وَالْمَنِّ الْقَدِيْمِ ذَا الْوَجْهِ الْكَرِيْمِ وَلِيَّ الْكَلِمَاتِ التَّامَّاتِ وَالدَّعَوَاتِ الْمُسْتَجَابَاتِ عَافِ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ مِنْ اَنْفُسِ الْجِنِّ وَ اَعْيُنِ الْاِنْسِ ﴾ یعنی اے اللہ! اے بہت بڑی بادشاہی والے اے زبردست قدیم احسانوں والے اے بزرگ تر چہرے والے اے پورے کلموں والے اور اے دعاؤں کو قبولیت کا درجہ دینے والے تو حسن اور حسین کو تمام جنات کی ہواؤں سے اور تمام انسانوں کی آنکھوں سے اپنی پناہ دے۔ حضور اکرم ﷺ نے یہ دعا پڑھی وہیں دونوں بچے اٹھ کھڑے ہوئے اور آپ ﷺ کے سامنے کھیلنے کودنے لگے۔ تو حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ لوگو! اپنی جانوں کو اپنی بیویوں کو اور اپنی اولاد کو اسی پناہ کے ساتھ پناہ دیا کرو اس جیسی اور کوئی پناہ کی دعا نہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ جہاں یہ کافر اپنی حقارت بھری نظریں آپ پر ڈالتے ہیں وہاں اپنی طعنہ آمیز زبان بھی آپ پر کھولتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو قرآن لانے میں مجنون ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے جواب میں فرماتا ہے کہ قرآن تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمام عالم کے لئے نصیحت نامہ ہے۔ الحمد للہ سورۂ القلم کی تفسیر ختم ہوئی۔

تفسیر سورۂ حاقہ مکیہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَاقَّةُ ۝١ مَا الْحَاقَّةُ ۝٢ وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا الْحَاقَّةُ ۝٣ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَعَادٌۢ بِالْقَارِعَةِ ۝٤ فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ ۝٥ وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۝٦ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ حُسُوْمًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۝٧ فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ ۝٨ وَجَآءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ وَالْمُؤْتَفِكٰتُ بِالْخَاطِئَةِ ۝٩ فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً ۝١٠ اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِى الْجَارِيَةِ ۝١١ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّتَعِيَهَاۤ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ۝١٢

اللہ تعالیٰ بخشش اور مہربانی کرنے والے کے نام سے شروع

سچ مچ آنے والی کیا ہے حقیقتاً قائم ہونے والی' اور تجھے کیا معلوم کہ وہ ثابت شدہ کیا ہے؟ اس کھڑ کا دینے والے کو ثمودیوں اور عادیوں نے جھٹلایا تھا جس کے نتیجہ میں ثمودی تو بے حد خوفناک اور اونچی آواز سے ہلاک کر دیئے گے۔ اور عادی بے حد تیز و تند ہوا سے غارت کر دیئے گئے۔ جو ان پر برابر لگا تار سات رات اور آٹھ دن تک اللہ کے حکم سے چلتی رہی پس تو دیکھے گا کہ یہ لوگ زمین پر اس طرح گر گئے جیسے کہ کھجور کے کھوکھلے تنے ہوں۔ کیا ان میں سے کوئی بھی تجھے باقی نظر آ رہا ہے؟ فرعون اور اس سے پہلے کے لوگ اور جن کی بستیاں الٹ دی گئیں' انہوں نے بھی خطائیں کیں۔ اور اپنے رب کے رسولوں کی نافرمانی کی بالآخر اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی زبردست گرفت میں لے لیا۔ جب پانی میں طغیانی آ گئی تو اس وقت ہم نے تمہیں کشتی میں چڑھالیا' تا کہ اسے تمہارے لئے نصیحت اور یادگار بنا دیں اور تا کہ یاد رکھنے والے کان اسے یاد رکھیں۔

قیامت کا نام حاقہ: ﴿ حَاۗقَّةُ ﴾ قیامت کا ایک نام ہے اور اس نام کی وجہ یہ ہے کہ وعدہ وعید کی حقانیت کا دن وہی ہے۔ اسی لئے اس دن کی ہولناکی بیان کرتے ہوئے فرمایا' تم اس ﴿ حَاۗقَّةُ ﴾ کی صحیح کیفیت سے بے خبر ہو۔ پھر ان لوگوں کا بیان فرمایا جن جن لوگوں نے اسے جھٹلایا تھا اور پھر خمیازہ اٹھایا تھا۔

عاد و ثمود کا عذاب: تو فرمایا ثمودیوں کو دیکھو' ایک طرف تو فرشتوں کے دھاڑنے کی کلیجوں کو پاش کر دینے والی آواز آتی ہے' دوسری جانب سے زمین میں غضبناکی کا بھونچال آتا ہے' اور سب تہہ و بالا ہو جاتے ہیں۔ پس بقول حضرت قتادہؒ ﴿ طَاغِيَة ﴾ کے معنی ہیں چنگھاڑ کے۔ اور مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد گناہ ہیں' یعنی وہ اپنے گناہوں کے باعث برباد کر دیئے گئے۔ ربیع رحمۃ اللہ ابن انسؒ اور ابن زیدؒ کا قول ہے کہ اس سے مراد ان کی سرکشی ہے۔ ابن زیدؒ نے اس کی شہادت میں یہ آیت پڑھی ﴿ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰهَا ﴾ یعنی ثمودیوں نے اپنی سرکشی کے باعث جھٹلایا' یعنی اونٹنی کی کوچیں کاٹ دیں۔ اور عادی ٹھنڈی ہواؤں کے تیز جھونکوں سے جنہوں نے ان کی دل چھید دیئے' تہس نہس کر دیئے گئے۔ یہ آندھیاں جو خیر و برکت سے خالی تھیں اور فرشتوں کے ہاتھوں سے نکلی جاتی تھیں برابر پے در پے لگا تار سات راتیں اور آٹھ دن تک چلتی رہیں' ان دنوں میں ان کے لئے سوائے نحوست اور بربادی کے اور کوئی بھلائی نہ تھی'

جیسے اور جگہ ہے ﴿ فِيْۤ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ ﴾ حضرت ربیع رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ جمعہ کے دن سے یہ شروع ہوئی تھیں' بعض کہتے ہیں بدھ سے۔ ان ہواؤں کو عرب اعجاز اس لئے بھی کہتے ہیں کہ قرآن نے فرمایا ہے ان عادیوں کی حالتیں اعجاز یعنی کھجوروں کے کھوکھلے تنوں جیسی ہو گئیں۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ عموماً یہ ہوائیں جاڑوں کے آخر میں چلا کرتی ہیں اور عجز کہتے ہیں آخر کو۔ اور یہ وجہ بیان کی جاتی ہے کہ عادیوں کی ایک بڑھیا ایک غار میں گھس گئی تھی جو ان ہواؤں سے آٹھویں روز وہیں تباہ ہو گئی۔ اور بڑھیا کو عربی میں عجوز کہتے ہیں' واللہ اعلم ﴿خَاوِيَة﴾ کے معنی ہیں خراب' سڑا گلا' کھوکھلا۔ مطلب یہ ہے کہ ہواؤں نے انہیں اٹھا اٹھا کر الٹا دے پٹخا ان کے سر پھٹ گئے' سروں کا توچورا چورا ہو گیا اور باقی جسم ایسا رہ گیا جیسے کھجور کے درخت کا سر اپتوں والا کاٹ کر ٹھنٹ رہنے دیا ہو۔

بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' میری مدد کی گئی صبا کے ساتھ یعنی پروا ہوا کے ساتھ اور عادی ہلاک کئے گئے دبور سے یعنی پچھوا ہوا سے۔ ابن ابی حاتم میں ہے حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ عادیوں کے ہلاک کرنے کے لئے ہواؤں کے خزانے میں سے صرف انگوٹھی کے برابر کشادہ کی گئی تھی۔ جس سے ہوائیں نکلیں اور پہلے وہ گاؤں اور دیہات والوں پر آئیں۔ ان کے تمام مردوں' عورتوں کو' چھوٹوں' بڑوں کو' ان کے مالوں اور جانوروں سمیت لے کر آسمان و زمین کے درمیان معلق کر دیا' شہریوں کو بوجہ بہت بلندی اور کافی اونچائی کے یہ معلوم ہونے لگا کہ سیاہ رنگ کا بادل چڑھا ہوا ہے خوش ہونے لگے کہ گرمی کے باعث جو ہماری بری حالت ہو رہی ہے اب پانی برس جائے گا۔ اتنے میں ہواؤں کو حکم ہوا اور اس نے ان تمام کو ان شہریوں پر پھینک دیا۔ یہ اور وہ سب ہلاک ہو گئے۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ اس ہوا کے پر اور دم تھی۔ پھر فرماتا ہے' بتلاؤ تو ان میں سے یا ان کی نسل میں سے ایک کو بھی تم دیکھ رہے ہو؟ یعنی سب کے

سب تباہ و برباد کر دیئے گئے' کوئی نام لیوا پانی دیوا باقی نہ رہا۔

فرعونیوں اور پہلوں کی بربادی: پھر فرمایا فرعون اور اس سے اگلے خطاکار نافرمان رسول کا بھی یہی انجام ہوا ﴿ قَبْلَهٗ ﴾ کی دوسری قرات ﴿ قِبَلَهٗ ﴾ بھی ہے تو معنی یہ ہوں گے کہ فرعون اور اس کے پاس اور ساتھ کے لوگ یعنی فرعون قبطی' کفار۔ **(مُؤْتَفِکٰت)** سے مراد بھی پیغمبروں کی جھٹلانے والی اگلی امتیں ہیں ﴿ خَاطِئَةِ ﴾ سے مطلب معصیت اور خطائیں ہیں۔ پس فرمایا ان میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے زمانے کے رسول علیہ السلام کی تکذیب کی' جیسے اور جگہ ہے ﴿ اِنْ كُلٌّ اِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيْدِ ﴾ یعنی ان سب نے رسولوں کی تکذیب کی اور ان پر عذاب آ پہنچے۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ ایک پیغمبر کا انکار گویا تمام انبیاء علیہم السلام کا انکار ہے' جیسے قرآن نے فرمایا ﴿ كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ نِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴾ اور فرمایا ﴿ كَذَّبَتْ عَادُ نِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴾ یعنی قوم نوح علیہ السلام نے' عادیوں نے' ثمودیوں نے رسولوں کو جھٹلایا' حالانکہ سب کے پاس یعنی ہر ایک امت کے پاس ایک ہی رسول آیا تھا۔ یہی مطلب یہاں بھی ہے کہ انہوں نے اپنے رب کے پیغمبر علیہ السلام کی نافرمانی کی۔ پس اللہ تعالیٰ نے انہیں سخت تر مہلک بڑی دردناک المناک پکڑ میں پکڑ لیا۔ اس کے بعد اپنا احسان جتاتا ہے کہ دیکھو جب نوح علیہ السلام کی دعا کی وجہ سے زمین پر طوفان آیا اور پانی حد سے گزر گیا' چاروں طرف ریل پیل ہو گئی' نجات کی کوئی جگہ نہ رہی' اس وقت ہم نے تمہیں کشتی میں چڑھالیا۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب قوم نوح علیہ السلام نے اپنے نبی علیہ السلام کو جھٹلایا اور ان کی مخالفت اور ایذارسانی شروع کی' اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کی عبادت کرنے لگے' اس وقت حضرت نوح علیہ السلام نے تنگ آکر ان کی ہلاکی کی دعا کی' جسے اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالیا اور مشہور طوفان نوح علیہ السلام نازل فرمایا جس سے سوائے ان لوگوں کے جو حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی میں سوار تھے روئے زمین پر کوئی نہ بچا۔ پس سب لوگ حضرت نوح علیہ السلام کی نسل اور آپ علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ پانی کا ایک ایک قطرہ باجازت اللہ تعالیٰ پانی کے داروغہ فرشتے کے ناپ تول سے برستا ہے اسی طرح ہوا کا ہلکا سا جھونکا بھی بے ناپے تولے نہیں چلتا لیکن ہاں عادیوں پر جو ہوائیں چلیں' اور قوم نوح علیہ السلام پر جو طوفان آیا وہ تو بے حد اور بے شمار اور بغیر ناپ تول کے تھا' اللہ تعالیٰ کی اجازت سے پانی اور ہوا نے وہ زور باندھا کہ نگہبان فرشتوں کی کچھ نہ چلی' اسی لئے قرآن میں ﴿طَغَى الْمَآءُ﴾ اور ﴿ بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ﴾ کے الفاظ ہیں' اسی لئے اس اہم احسان کو اللہ تعالیٰ یاد دلا رہے ہیں کہ ایسے پر خطر موقع پر ہم نے تمہیں کشتی پر سوار کرا دیا' تاکہ یہ کشتی تمہارے لئے نمونہ بن جائے' چنانچہ آج بھی ویسی ہی کشتیوں پر سوار ہو کر سمندر کے لمبے چوڑے سفر طے کر رہے ہو' جیسے اور جگہ ہے ﴿ وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَ الْاَنْعَامِ ﴾ یعنی تمہاری سواری کے لئے کشتیاں اور چوپائے جانور بنائے تاکہ تم ان پر سواری کرو اور سوار ہو کر اپنے رب کی نعمت کو یاد کرو۔ اور جگہ فرمایا ﴿ وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ﴾ الخ۔ یعنی ان کے لئے ایک نشان قدرت یہ بھی ہے کہ ہم نے ان کی نسل کو بھری کشتی میں چڑھالیا اور بھی ہم نے اس جیسی ان کی سواریاں پیدا کر دیں۔ حضرت قتادہؒ نے اوپر کی اس آیت کا یہ مطلب بھی بیان کیا ہے کہ وہی کشتی نوح علیہ السلام باقی رہی یہاں تک کہ اس امت کے اگلوں نے بھی اسے دیکھا۔ لیکن زیادہ ظاہر مطلب پہلا ہی ہے۔ پھر فرمایا یہ اس لئے بھی کہ یاد رکھنے اور سننے والا کان اسے یاد کر لے اور محفوظ رکھ لے اور اس نعمت کو نہ بھولے' یعنی صحیح سمجھ اور سچی سماعت والے عقل سلیم اور فہم مستقیم رکھنے والے جو اللہ تعالیٰ کی باتوں اور اس کی نعمتوں سے بے پرواہی اور لاابالی نہیں برتتے ان کی پند و نصیحت کا ایک ذریعہ یہ بھی بن گیا۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت مکحولؒ فرماتے ہیں جب یہ الفاظ اترے تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا' میں نے اپنے رب سے سوال کیا کہ وہ علی (کرم اللہ وجہہ) کو ایسا ہی بنادے۔

چنانچہ حضرت علیؓ فرمایا کرتے تھے' رسول اللہ ﷺ سے کوئی چیز سن کر پھر میں نے فراموش نہیں کی۔ یہ روایت ابن جریر میں بھی ہے لیکن مرسل ہے۔ ابن ابی حاتم کی ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ مجھے حکم کیا گیا ہے کہ

میں تجھے نزدیک کروں دور نہ کروں، اور تجھے تعلیم دوں اور تو بھی یاد رکھے اور یہی تجھے بھی چاہئے' اس پر یہ آیت اتری۔ یہ روایت دوسری سند سے بھی ابن جریر میں مروی ہے لیکن وہ بھی صحیح نہیں۔

فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ نَفْخَةٌ وَاحِدَةٌ ﴿١٣﴾ وَحُمِلَتِ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَاحِدَةً ﴿١٤﴾ فَيَوْمَئِذٍ وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿١٥﴾ وَانْشَقَّتِ السَّمَاءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَاهِيَةٌ ﴿١٦﴾ وَالْمَلَكُ عَلَىٰ أَرْجَائِهَا ۚ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَانِيَةٌ ﴿١٧﴾ يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُونَ لَا تَخْفَىٰ مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ﴿١٨﴾

پس جب کہ صور میں ایک پھونک پھونکی جائے گی۔ 'اور زمین اور پہاڑ اٹھالئے جائیں گے اور ایک ہی چوٹ میں ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے۔ اس دن ہو پڑنے والی (قیامت) ہو پڑے گی' اور آسمان پھٹ جائے گا اور اس دن بالکل بودا ہو جائے گا اس کے کناروں پر فرشتے ہوں گے' اور تیرے پروردگار کا عرش اس دن آٹھ فرشتے اپنے اوپر اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ اس دن تم سب سامنے پیش کئے جاؤ گے' تمہارا کوئی بھید پوشیدہ نہ رہے گا۔

صور کے پھونکے کا وقت: قیامت کی ہولناکیوں کا بیان یہاں ہو رہا ہے۔ سب سے پہلی گھبراہٹ پیدا کرنے والی چیز صور کا پھونکا جانا ہوگا جس سے سب کے دل ہل جائیں گے۔ پھر نفخہ پھونکا جائے گا۔ جس سے تمام زمین و آسمان کی مخلوق بے ہوش ہو جائے گی' مگر جسے اللہ تعالیٰ چاہے پھر صور پھونکا جائے گا جس کی آواز سے تمام مخلوق اپنے رب کے سامنے کھڑی ہو جائے گی۔ یہاں اسی پہلے نفخہ کا بیان ہے' یہاں بطور تاکید کے یہ بھی فرمادیا کہ یہ اٹھ کھڑے ہونے کا نفخہ ایک ہی ہے اس لئے کہ جب اللہ تعالیٰ کا حکم ہو گا پھر نہ تو اس کا خلاف ہو سکتا ہے نہ وہ ٹل سکتا ہے نہ دوبارہ فرمان کی ضرورت ہے اور نہ تاکید کی۔

امام ربیع رحمتہ اللہ فرماتے ہیں اس سے مراد آخری نفخہ ہے۔ لیکن ظاہر قول وہی ہے جو ہم نے کہا۔ اسی لئے یہاں اس کے ساتھ ہی فرمایا کہ زمین و آسمان اٹھالئے جائیں گے اور کھال کی طرح پھیلا دیئے جائیں گے اور زمین بدل دی جائے گی اور قیامت واقع ہو جائے گی۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ آسمان پر کھلنے کی جگہ سے پھٹ جائے گا' جیسے سورۂ نبا میں ہے ﴿وَفُتِحَتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ أَبْوَابًا﴾ یعنی آسمان کھول دیا جائے گا اور اس میں دروازے دروازے ہو جائیں گے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں آسمان میں سوراخ اور غار پڑ جائیں گے اور شق ہو جائے گا۔ عرش اس کے سامنے ہو گا فرشتے اس کے کناروں پر ہوں گے جو کنارے اب تک ٹوٹے نہ ہوں گے اور دروازوں پر ہوں گے آسمان کی لمبائی میں پھیلے ہوئے ہوں گے اور زمین والوں کو دیکھ رہے ہوں گے۔ پھر فرمایا قیامت والے دن آٹھ فرشتے اللہ تعالیٰ کا عرش اپنے اوپر اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ پس یا تو مراد عرش عظیم کا اٹھانا ہے یا اس عرش کا اٹھانا مراد ہے جس پر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ لوگوں کے فیصلوں کے لئے ہوگا' واللہ اعلم بالصواب۔

عرش اٹھانے والے فرشتے: حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب فرماتے ہیں کہ یہ فرشتے پہاڑی بکروں کی صورت میں ہوں گے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ان کی آنکھ کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ایک سو سال کا راستہ ہے۔ (مطلب یہ ہے کہ بہت بڑے ہوں گے)۔ ابن ابی حاتم کی مرفوع حدیث میں ہے کہ مجھے اجازت دی گئی ہے کہ میں تمہیں عرش کے اٹھانے والے فرشتوں میں سے ایک فرشتے کی نسبت خبر دوں کہ اس کی گردن اور کان کے نیچے تک کی لو کے درمیان اتنا فاصلہ ہے کہ اڑنے والا پرند سات سو سال تک اڑتا چلا جائے۔ اس کی اسناد بہت عمدہ ہیں اور اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔ اسے امام ابوداؤدؒ نے بھی اپنی سنن میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ

نے اسی طرح فرمایا۔ حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد فرشتوں کی آٹھ صفیں ہیں۔ اور بھی بہت سے بزرگوں سے یہ مروی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اعلیٰ فرشتوں کے آٹھ حصے ہیں جن میں سے ہر ایک حصہ کی گنتی تمام انسانوں جنوں اور سب فرشتوں کے برابر ہے۔ پھر فرمایا قیامت کے روز تم اس اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کئے جاؤ گے جو پوشیدہ کو اور ظاہر کو بخوبی جانتا ہے۔ جس طرح کھلی سے کھلی چیز کا وہ عالم ہے اسی طرح چھپی سے چھپی چیز کو بھی وہ جانتا ہے۔ اسی لئے فرمایا کہ تمہارا کوئی بھید اس روز چھپ نہ سکے گا۔

حضرت عمر بن خطابؓ کا قول ہے کہ لوگو! اپنی جانوں کا حساب کر لو اس سے پہلے کہ تم سے حساب لیا جائے اور اپنے اعمال کا آپ اندازہ کر لو اس سے پہلے کہ ان اعمال کا وزن کیا جائے تا کہ کل قیامت والے دن تم پر آسانی ہو' جس دن کہ تمہارا پورا پورا حساب لیا جائے گا اور بڑی پیشی میں خود اللہ جل شانہ کے سامنے تم پیش کر دیئے جاؤ گے۔ مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن لوگ تین مرتبہ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کئے جائیں گے' پہلی اور دوسری بار تو عذر معذرت اور جھگڑا ٹنٹا کرتے رہیں گے' لیکن تیسری پیشی جو آخری ہو گی اس وقت نامہ اعمال اڑائے جائیں گے' کسی کے دائیں ہاتھ میں آئے گا اور کسی کے بائیں ہاتھ میں۔ یہ حدیث ابن ماجہ میں بھی ہے۔ حضرت عبداللہؓ کے قول سے بھی یہ روایت ابن جریر میں مروی ہے اور حضرت قتادہؒ سے بھی اس جیسی روایت مرسل مروی ہے۔

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَہٗ بِیَمِیْنِہٖ فَیَقُوْلُ ھَآؤُمُ اقْرَءُوْا کِتٰبِیَہْ ﴿۱۹﴾ اِنِّیْ ظَنَنْتُ اَنِّیْ مُلٰقٍ حِسَابِیَہْ ﴿۲۰﴾ فَھُوَ فِیْ عِیْشَۃٍ رَّاضِیَۃٍ ﴿۲۱﴾ فِیْ جَنَّۃٍ عَالِیَۃٍ ﴿۲۲﴾ قُطُوْفُھَا دَانِیَۃٌ ﴿۲۳﴾ کُلُوْا وَاشْرَبُوْا ھَنِیْٓـًٔا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِی الْاَیَّامِ الْخَالِیَۃِ ﴿۲۴﴾

سو جسے اس کا نامہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ تو کہنے لگے گا کہ لو میرا نامہ اعمال پڑھو۔ مجھے تو کامل یقین تھا کہ مجھے اپنا حساب ملنا ہے۔ پس وہ ایک خاطر خواہ زندگی میں ہو گا۔ بلند و بالا جنت میں۔ جس کے میوے جھکے پڑتے ہوں گے۔ (ان سے کہا جائے گا) کہ کھاؤ پیو سہتا پچتا اپنے ان اعمال کے بدلے جو تم نے گزشتہ زمانے میں کئے۔

جن کو نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں ملے گا: یہاں بیان ہو رہا ہے کہ جن خوش نصیب لوگوں کو قیامت کے دن ان کے اعمال نامے ان کے دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے وہ سعادت مند حضرات بے حد خوش ہوں گے اور جوش مسرت میں بے ساختہ ہر ایک سے کہتے پھیریں گے کہ میرا نامہ اعمال تو پڑھو' اور یہ اس لئے کہ جو گناہ بشریت ان سے ہو گئے تھے وہ بھی انکی توبہ کی وجہ سے نامہ اعمال میں سے مٹا دیئے گئے ہیں اور نہ صرف مٹا دیئے گئے ہیں بلکہ ان کے بجائے نیکیاں لکھدی گئی ہیں۔ پس یہ سراسر نیکیوں کا نامہ اعمال ایک ایک کو پورے سرور اور سچی خوشی سے دکھاتے پھرتے ہیں۔ عبدالرحمن بن زیدؒ فرماتے ہیں (آھا) کے بعد لفظ (وُمْ) زیادہ ہے لیکن ظاہر بات یہ ہے کہ ﴿ھآنوم﴾ معنی میں ﴿ھَاکُمْ﴾ کے ہے۔ حضرت ابو عثمانؒ فرماتے ہیں کہ چپکے سے حجاب میں مومن کو اس کا نامہ اعمال دیا جائے گا جس میں اس کے گناہ لکھے ہوئے ہوں گے' وہ اسے پڑھتا ہو گا اور ہر ایک گناہ پر اس کے ہوش اڑ اڑ جاتے ہوں گے۔ چہرے کی رنگت پھیکی پڑ جاتی ہو گی' اتنے میں اس کی نگاہ اپنی نیکیوں پر پڑ جائے گی جب انہیں پڑھنے لگے گا تب ذرا چین آئے گا۔ ہوش وحواس درست ہوں گے اور چہرہ کھل جائے گا۔ پھر نظریں جما کر پڑھے گا تو دیکھے گا کہ اس کی برائیاں بھی بھلائیوں سے بدل دی گئی ہیں۔ ہر برائی کی جگہ بھلائی لکھی ہوئی ہے۔ اب تو اس کی باچھیں کھل جائیں گی اور خوشی سے نکل کھڑا ہو گا اور جو بھی ملے گا اس سے کہے گا کہ ذرا میرا نامہ اعمال تو پڑھو۔

حضرت حنظلہؓ جنہیں فرشتوں نے ان کی شہادت کے بعد غسل دیا تھا' ان کے پوتے حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو قیامت والے دن اپنے سامنے کھڑا کرے گا اور اس کی برائیاں اس کے نامہ اعمال کی پشت پر لکھی ہوئی ہوں گی جو اس پر ظاہر کی جائیں

گی اور اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا کہ بتا کیا تو نے یہ اعمال کئے ہیں؟ وہ اقرار کرے گا کہ ہاں بے شک اللہ تعالیٰ یہ برائیاں مجھ سے ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا' دیکھ میں نے دنیا میں تجھے رسوا نہیں کیا' نہ فضیحت کی' اب یہاں بھی میں تجھ سے درگزر کرتا ہوں' اور تیرے تمام گناہوں کو معاف کرتا ہوں۔ جب یہ اس سے فارغ ہو گا تب اپنا نامہ اعمال لے کر بادل شاد ایک ایک کو دکھاتا پھرے گا۔ حضرت عمرؓ والی صحیح حدیث جو پہلے بیان ہو چکی ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے بندے کو اپنے پاس بلائے گا اور اس سے اس کے گناہوں کی بابت پوچھے گا کہ فلاں گناہ کیا؟ فلاں گناہ کیا؟ وہ اقرار کرے گا یہاں تک کہ سمجھ لے گا کہ اب میں ہلاک ہوا۔ اس وقت جناب باری عزاسمہ فرمائے گا کہ اے میرے بندے دنیا میں میں نے تیری ان برائیوں پر پردہ ڈال رکھا تھا۔ اب آج تجھے کیا رسوا کروں؟ جا میں نے تجھے بخش دیا۔ پھر اس کا نامہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جاتا ہے۔ جسمیں صرف نیکیاں ہی نیکیاں ہوتی ہیں لیکن کافروں اور منافقوں کے بارے میں تو گواہ پکار اٹھتے ہیں کہ یہ لوگ وہ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کہا۔ لوگو! سنو' ان ظالموں پر اللہ تعالیٰ کی پھٹکار ہے۔

پھر فرمایا کہ یہ داہنے ہاتھ کے نامہ اعمال والا کہتا ہے کہ مجھے تو دنیا میں ہی یقین کامل تھا کہ یہ حساب کا دن قطعاً آنے والا ہے' جیسے اور جگہ فرمایا ﴿ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ ﴾ یعنی انہیں یقین تھا کہ یہ اپنے رب سے ملنے والے ہیں۔ فرمایا ان کی جزا یہ ہے کہ یہ پسندیدہ اور دل خوش کن زندگی پائیں گے اور بلند و بالا بہشت میں رہیں گے جس کے محلات اونچے اونچے ہوں گے' جس کی حوریں قبول صورت اور نیک سیرت ہوں گی' وہ گھر نعمتوں کے بھرپور خزانے ہوں گے' اور یہ تمام نعمتیں نہ ٹلنے والی نہ ختم ہونے والی بلکہ کمی سے بھی محفوظ ہوں گی۔ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! کیا اونچے نیچے مرتبے والے جنتی آپس میں ایک دوسرے سے ملاقاتیں بھی کریں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا' ہاں بلند مرتبے کے لوگ کم مرتبے کے لوگوں کے پاس ملاقات کے لئے اتر آئیں گے اور خوب محبت و اخلاص کے ساتھ سلام مصافحے اور آؤ بھگت ہو گی' ہاں البتہ نیچے والے بہ سبب اپنے اعمال کی کمی کے اوپر نہ چڑھیں گے۔ ایک اور صحیح حدیث میں ہے کہ جنت میں ایک سو درجے ہیں' ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا زمین و آسمان میں' پھر فرماتا ہے کہ اس کے پھل نیچے نیچے ہوں گے۔

حضرت براء بن عازبؓ وغیرہ فرماتے ہیں کہ اس قدر جھکے ہوئے ہوں گے کہ جنتی اپنے چھپر کھٹ پر لیٹے ہی لیٹے ان میووں کو توڑ لیا کریں گے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ہر ایک جنتی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک لکھا ہوا پروانہ ملے گا' جس میں لکھا ہوا ہو گا ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ هٰذَا كِتَابٌ مِّنَ اللّٰهِ لِفُلَانِ ابْنِ فُلَانٍ اُدْخُلُوْهُ جَنَّةً عَالِيَةً قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ رحمٰن و رحیم کے نام سے شروع۔ یہ پروانہ ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے فلاں شخص کے لئے' جو فلاں کا بیٹا ہے' اسے بلند و بالا جھکی ہوئی شاخوں اور لدے پھندے ہوئے خوشوں والی خوش گوار جنت میں جانے دو (طبرانی)۔ بعض روایتوں میں ہے یہ پروانہ "پل صراط" پر حوالے کر دیا جائے گا۔ پھر فرمایا انہیں بہ طور احسان اور مزید لطف و کرم کے زبانی بھی کھانے پینے کی رخصت مرحمت ہو گی' اور کہا جائے گا کہ یہ تمہاری نیک اعمالیوں کا بدلہ ہے اعمال کا بدلہ کہنا صرف بطور لطف و کرم ہے' ورنہ صحیح حدیث میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں' عمل کرتے جاؤ سیدھے' اور قریب قریب رہو اور جان رکھو کہ صرف اعمال جنت میں لے جانے کے لئے کافی نہیں۔ لوگوں نے عرض کیا' حضور اکرم ﷺ آپ کے اعمال بھی نہیں؟ فرمایا نہ میرے' ہاں یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور اس کی رحمت شامل حال ہو۔

وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ ﴿٢٥﴾ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ ﴿٢٦﴾ يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ﴿٢٧﴾ مَآ اَغْنٰى عَنِّيْ مَالِيَهْ ﴿٢٨﴾ هَلَكَ عَنِّيْ سُلْطٰنِيَهْ ﴿٢٩﴾ خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ﴿٣٠﴾ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ﴿٣١﴾ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا

سَبۡعُوۡنَ ذِرَاعًا فَاسۡلُكُوۡهُ ؕ﴿۳۲﴾ اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤۡمِنُ بِاللّٰهِ الۡعَظِيۡمِۙ﴿۳۳﴾ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الۡمِسۡكِيۡنِ ؕ﴿۳۴﴾ فَلَيۡسَ لَهُ الۡيَوۡمَ هٰهُنَا حَمِيۡمٌۙ﴿۳۵﴾ وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنۡ غِسۡلِيۡنٍۙ﴿۳۶﴾ لَّا يَاۡكُلُهٗۤ اِلَّا الۡخٰطِئُوۡنَ ﴿۳۷﴾

لیکن جسے اس کے اعمال کی کتاب اس کے بائیں ہاتھ میں دی جائے گی' وہ تو کہے گا کہ کاش کہ مجھے میری کتاب دی ہی نہ جاتی۔ اور میں اپنے حساب کی کیفیت جانتا ہی نہیں۔ کاش کہ موت میرا کام ہی تمام کر دیتی۔ میرے مال نے بھی مجھے کچھ نفع نہ دیا۔ میرا غلبہ بھی مجھ سے جاتا رہا (حکم ہوگا) اسے پکڑ لو' پھر اسے طوق پہنا دو۔ پھر اسے دوزخ میں ڈال دو۔ پھر اسے ایسی زنجیر میں جس کی پیائش ستر (۷۰) گز کی ہے جکڑ دو۔ بے شک یہ اللہ تعالیٰ بزرگ و برتر پر ایمان نہ رکھتا تھا۔ اور مسکین کے کھلانے پر رغبت نہ دیتا تھا۔ پس آج اس کا نہ کوئی دوست ہے' اور نہ سوائے پیپ کے اس کی کوئی غذا ہے۔' جسے گنہگاروں کے سوا کوئی نہیں کھاتا۔

جن کو نامہ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا: یہاں گنہگاروں کا حال بیان ہو رہا ہے کہ جب میدان قیامت میں انہیں انکا نامہ اعمال ان کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا' یہ نہایت پریشان اور پشیمان ہوں گے' اور حسرت و افسوس سے کہیں گے کہ کاش کہ ہمیں اعمال نامہ ملتا ہی نہیں' اور کاش کہ ہم اپنے حساب کی اس کیفیت سے آگاہ ہی نہ ہوتے' کاش کہ موت نے ہی ہمارا کام ختم کر دیا ہوتا۔ اور یہ دوسری زندگی ہمیں ملتی ہی نہیں۔ جس موت سے دنیا میں بہت ہی گھبراتے تھے' آج اس کی آرزوئیں کریں گے' یہ کہیں گے کہ ہمارے مال و جاہ نے بھی آج ہمارا ساتھ چھوڑ دیا' اور ہماری ان چیزوں نے بھی یہ عذاب ہم سے نہ ہٹائے' تنہا ہماری ذات پر یہ وبال آ پڑے نہ کوئی مددگار ہمیں نظر آتا ہے نہ بچاؤ کی کوئی صورت دکھائی دیتی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ فرشتوں کو حکم دے گا کہ اسے پکڑ لو' اور اس کے گلے میں طوق ڈال دو' اور اسے جہنم میں لے جاؤ' اور اس میں پھینک دو۔

حضرت منہال ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو سنتے ہی کہ "اسے پکڑو" ستر ہزار فرشتے اس کی طرف لپکیں گے' جن میں سے اگر ایک فرشتہ کو بھی اس طرح اللہ تعالیٰ حکم کرے تو ایک چھوڑ ستر ہزار لوگوں کو پکڑ کر جہنم میں پھینک دے۔ ابن ابی الدنیا میں ہے کہ چار لاکھ فرشتے اس کی طرف دوڑیں گے اور کوئی چیز باقی نہ رہے گی مگر اسے توڑ پھوڑ دیں گے۔ یہ کہے گا تمہیں مجھ سے کیا تعلق؟ وہ کہیں گے اللہ تبارک و تعالیٰ تجھ پر غضب ناک ہے اور اس وجہ سے ہر چیز تجھ پر غصہ میں ہے۔

حضرت فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے صادر ہوتے ہی ستر ہزار فرشتے اس کی طرف غصہ سے دوڑیں گے جن میں کا ہر ایک دوسرے پر سبقت کر کے چاہے گا کہ اسے میں طوق پہناؤں۔ پھر اسے جہنم کی آگ میں غوطہ دینے کا حکم ہوگا۔ پھر ان زنجیروں میں جکڑا جائے گا جن کا ایک حلقہ بقول حضرت کعب احبارؒ کے دنیا بھر کے لوہے کے برابر ہوگا۔ حضرت ابن عباسؓ اور ابن جریجؒ ہیں یہ ناپ فرشتوں کے ہاتھ کا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا فرمان ہے کہ یہ زنجیریں اس کے جسم میں پرو دی جائیں گی' پاخانہ کے راستہ سے ڈالی جائیں گی اور منہ سے نکالی جائیں گی' اور اس طرح آگ میں بھونا جائے جیسے سیخ میں کباب اور تیلی میں ٹڈی۔ یہ بھی مروی ہے کہ پیچھے سے یہ زنجیریں ڈالی جائیں گی اور ناک کے دونوں نتھنوں سے نکالی جائیں گی جس سے کہ وہ پیروں کے بل کھڑا ہی نہ ہو سکے گا۔ مسند احمد کی مرفوع حدیث میں ہے کہ اگر کوئی بڑا سا پتھر آسمان سے پھینکا جائے تو زمین پر وہ ایک رات میں آ جائے لیکن اگر اسی کو جہنم والوں کے باندھنے کی زنجیر کے سرے پر سے چھوڑا جائے تو دوسرے سرے تک پہنچنے میں چالیس سال لگ جائیں گے۔ یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے اور امام ترمذیؒ اسے حسن بتلاتے ہیں۔

اللہ پر ایمان اور مسکین کو کھانا کھلانا: پھر فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ پر ایمان نہ رکھتا تھا' نہ مسکین کو کھلا دینے کی کسی کو رغبت دیتا تھا' یعنی نہ تو اللہ تعالیٰ کی اطاعت و عبادت کرتا تھا نہ اللہ کی مخلوق کے حق ادا کر کے اسے نفع پہنچاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا حق تو مخلوق پر ہے کہ اس کی توحید کو مانیں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور بندوں کا آپس میں ایک دوسرے پر حق یہ ہے کہ ایک دوسرے سے احسان و سلوک کریں' اور بھلے کاموں میں آپس میں ایک دوسرے کو امداد پہنچاتے رہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان دونوں حقوق کو عموماً ایک ساتھ بیان فرمایا ہے' جیسے نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو' اور نبی اکرم ﷺ نے انتقال کے وقت میں ان دونوں کو ایک ساتھ بیان فرمایا کہ نماز کی حفاظت اور اپنے ماتحتوں کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ پھر فرمان ہوتا ہے کہ یہاں پر آج کے دن اس کا کوئی خالص دوست ایسا نہیں نہ کوئی قریبی رشتہ دار یا سفارشی ایسا ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کے عذابوں سے بچا سکے اور نہ اس کے لئے کوئی غذا ہے سوائے بدترین سڑی بھسی بے کار چیز کے جس کا نام غسلین ہے۔ یہ جہنم کا ایک درخت ہے اور ممکن ہے کہ اسی کا دوسرا نام زقوم ہو اور غسلین کے یہ معنی بھی کئے گئے ہیں کہ جہنم والوں کے بدن سے جو خون اور پانی بہتا ہے وہ ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کی پیپ وغیرہ۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿۴۰﴾ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۲﴾ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۳﴾

پس مجھے قسم ہے ان چیزوں کی جنہیں تم دیکھتے ہو۔ اور ان چیزوں کی جنہیں تم نہیں دیکھتے۔' کہ بے شک یہ قرآن بزرگ رسول اللہ ﷺ کا قول ہے۔ یہ کسی شاعر کا قول نہیں (افسوس) تمہیں بہت کم یقین ہے۔ اور نہ کسی کاہن کا قول ہے' افسوس بہت کم نصیحت لے رہے ہو۔ (یہ تو) رب العالمین کا اتارا ہوا ہے۔

قرآن کلام الٰہی ہے: اللہ تعالیٰ قسم کھاتا ہے' اپنی مخلوقات میں سے اپنی ان نشانیوں کی قسم کھا رہا ہے جنہیں لوگ دیکھ رہے ہیں۔ اور ان کی بھی جو لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ ہیں' اس بات پر کہ قرآن کریم اس کا کلام اور اس کی وحی ہے جو اس نے اپنے بندے اور اپنے برگزیدہ رسول ﷺ پر اتاری ہے۔ جسے اس نے ادائے امانت اور تبلیغ رسالت کے لئے پسند فرمایا ہے۔ رسول کریم ﷺ سے مراد حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں' اس کی اضافت حضور اکرم ﷺ کی طرف اس لئے کی گئی کہ اس کے مبلغ اور پہنچانے والے آپ ﷺ ہی ہیں' اسی لئے لفظ رسول لائے' کیوں کہ رسول اللہ تو پیغام اپنے بھیجنے والے کا پہنچاتا ہے۔ گو زبان اس کی ہوتی ہے لیکن کہا ہوا بھیجنے والے کا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سورۂ ﴿ تکویر ﴾ میں اس کی نسبت اس رسول سے کی گئی ہے جو فرشتوں میں سے ہیں' فرمان ہے۔

﴿ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴾ الخ۔ یعنی یہ قول اس بزرگ رسول کا ہے جو قوت والا اور مالک عرش کے پاس رتبے والا ہے' وہاں اس کا کہا مانا جاتا ہے اور ہے بھی وہ امانت دار۔ اس سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام' ہیں' اسی لئے اس کے بعد فرمایا تمہارے ساتھی' یعنی محمد ﷺ مجنون (دیوانے) نہیں بلکہ آپ ﷺ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصلی صورت میں صاف کناروں پر دیکھا بھی ہے اور وہ پوشیدہ علم پر بخیل بھی نہیں۔ نہ یہ شیطان رجیم کا قول ہے۔

اسی طرح یہاں بھی ارشاد ہوتا ہے کہ نہ تو شاعر کا کلام ہے نہ کاہن کا قول ہے۔ البتہ تمہارے ایمان میں اور نصیحت حاصل کرنے میں کمی ہے۔ پس کبھی تو اپنے کلام کی نسبت رسول انسی کی طرف کی اور کبھی رسول ملکی کی طرف' اس لئے کہ یہ اس کے پہنچانے والے لانے والے اور اس پر امین ہیں' ہاں دراصل کلام کس کا ہے؟ اسے بھی ساتھ ہی ساتھ بیان فرما دیا کہ یہ اتارا ہوا رب العالمین کا ہے۔ حضرت عمر بن الخطابؓ اپنے اسلام لانے سے پہلے کا اپنا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں آپ کے پاس گیا دیکھا کہ آپ ﷺ مسجد حرام میں پہنچ گئے ہیں۔

میں بھی گیا اور آپ ﷺ کے پیچھے کھڑا ہو گیا آپ ﷺ نے سورۂ حاقہ شروع کی جسے سن کر مجھے اس پیاری نشست الفاظ اور بندش مضامین اور فصاحت و بلاغت پر تعجب آنے لگا آخر میں میرے دل میں خیال آیا کہ قریش ٹھیک کہتے ہیں کہ یہ شخص شاعر ہے۔ ابھی میں اسی خیال میں تھا کہ آپ ﷺ نے یہ آیتیں تلاوت کیں کہ "یہ قول رسول کریم ﷺ کا ہے شاعر کا نہیں تم میں ایمان ہی کم ہے"۔ تو میں نے خیال کیا اچھا شاعر نہ سہی کاہن تو ضرور ہے ادھر آپ ﷺ کی تلاوت میں یہ آیت آئی کہ "یہ کاہن کا قول بھی نہیں تم نے نصیحت ہی کم لی ہے"۔ اب آپ ﷺ پڑھتے چلے گئے یہاں تک کہ پوری سورت ختم کی۔ فرماتے ہیں کہ یہ پہلا موقعہ تھا کہ میرے دل میں اسلام پوری طرح گھر کر گیا اور رونگٹے رونگٹے میں اسلام کی سچائی گھس گئی۔ پس یہ بھی منجملہ ان اسباب کے جو حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کا باعث ہوئے ایک خاص سبب ہے۔ ہم نے آپ کے اسلام لانے کی پوری کیفیت "سیرت عمر" میں لکھ دی ہے ﴿ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ ﴾

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ﴿٤٤﴾ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ﴿٤٥﴾ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ﴿٤٦﴾ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِيْنَ ﴿٤٧﴾ وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٤٨﴾ وَاِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِيْنَ ﴿٤٩﴾ وَاِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿٥٠﴾ وَاِنَّهٗ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿٥١﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿٥٢﴾

اور اگر یہ ہم پر کوئی بھی بات بنا لیتا تو البتہ ہم اس کا داہنا ہاتھ پکڑ کر۔ پھر اس کی رگ دل کاٹ دیتے۔ پھر تم میں سے کوئی بھی اس سے روکنے والا نہ ہوتا۔ یقیناً یہ قرآن پرہیزگاروں کے لئے نصیحت ہے۔ ہمیں پوری طرح معلوم ہے کہ تم میں سے بعض اس کے جھٹلانے والے ہیں۔ بے شک یہ جھٹلانا کافروں پر حسرت ہے۔ اور بے شک وشبہ یہ یقینی حق ہے۔ پس تو اپنے بزرگ پروردگار کی پاکی بیان کر۔

رسولؐ کو قرآن میں کمی بیشی کا اختیار نہیں: یہاں فرمان باری ہو رہا ہے کہ جس طرح تم کہتے ہو اگر فی الواقع ہمارے یہ رسول ایسے ہی ہوتے کہ ہماری رسالت میں کچھ کمی بیشی کر ڈالتے یا ہماری نہ کہی ہوئی بات ہمارے نام سے بیان کر دیتے تو یقیناً اسی وقت ہم انہیں بدترین سزا دیتے، یعنی اپنے دائیں ہاتھ سے اس کا دلیاں ہاتھ تھام کر اس کی وہ رگ کاٹ ڈالتے جس پر دل معلق ہے، اور کوئی ہمارے اس کے درمیان بھی نہ آسکتا کہ اسے بچانے کی کوشش کرے۔ پس مطلب یہ ہوا کہ حضور اکرم ﷺ سچے پاکباز، رشد و ہدایت والے ہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے زبردست تبلیغی خدمت آپ ﷺ کو سونپ رکھی ہے اور اپنی طرف سے بہت سے زبردست معجزے اور آپ ﷺ کے صدق کی بہترین بڑی بڑی نشانیاں آپ ﷺ کو عنایت فرما رکھی ہیں۔

قرآن نصیحت ہے: پھر فرمایا یہ قرآن متقیوں کے لئے تذکرہ ہے۔ جیسے اور جگہ ہے کہ "کہہ دو یہ قرآن تو ایمان داروں کے لے ہدایت اور شفا ہے اور بے ایمان تو اندھے بہرے ہیں ہی۔ پھر فرمایا باوجود اس صفائی اور کھلے حق کے ہمیں بخوبی معلوم ہے کہ تم میں سے بعض اسے جھوٹا بتلاتے ہیں، یہ تکذیب ان لوگوں کے لئے قیامت کے دن باعث حسرت وافسوس ہوگی۔ یا یہ مطلب ہے کہ یہ قرآن اور اس پر ایمان حقیقتاً کفار پر حسرت کا باعث ہوگا، جیسے اور جگہ ہے کہ اسی طرح ہم اسے گنہگاروں کے دلوں میں اتارتے ہیں کہ وہ اس پر ایمان نہیں لاتے۔ اور جگہ ہے ﴿ وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ ﴾ اور ان میں اور ان کی خواہش میں حجاب ڈال دیا گیا ہے۔ پھر فرمایا یہ خبر بالکل سچ، حق اور بے شک وشبہ ہے۔ پھر اپنے نبی اکرم ﷺ کو حکم دیتا ہے کہ اس قرآن کے نازل کرنے والے رب عظیم کے نام کی بزرگیاں اور پاکیزگیاں بیان

کرتے رہو۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے سورۂ ﴿ حٓاقّۃ ﴾ کی تفسیر ختم ہوئی۔ والحمد للہ رب العالمین۔

تفسیر سورۂ معارج مکیہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ﴿١﴾ لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ ﴿٢﴾ مِّنَ اللّٰهِ ذِى الْمَعَارِجِ ﴿٣﴾ تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِىْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ﴿٤﴾ فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيْلًا ﴿٥﴾ اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا ﴿٦﴾ وَّنَرٰىهُ قَرِيْبًا ﴿٧﴾

اللہ تعالیٰ بخشش و رحم کرنے والے کے نام سے شروع۔

ایک طلب کرنے والے نے اس عذاب کی خواہش کی جو ہونے والا ہے۔ کافروں پر جسے کوئی ہٹانے والا نہیں۔ اس اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو سیڑھیوں والا ہے۔ جس کی طرف فرشتے اور روح چڑھتے ہیں اس دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال کی ہے۔ پس تو اچھی طرح صبر کر۔ بے شک یہ اس عذاب کو دور سمجھ رہے ہیں۔ اور ہم اسے قریب ہی دیکھتے ہیں۔

﴿ بِعَذَابٍ ﴾ میں جو "ب" ہے وہ بتا رہی ہے کہ یہاں فعل کی تضمین ہے گویا کہ فعل مقدر ہے۔ یعنی یہ کافر عذاب کے واقع ہونے کی طلب میں جلدی کر رہے ہیں، جیسے اور جگہ ہے ﴿ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ﴾ یعنی یہ عذاب کے مانگنے میں عجلت کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہرگز وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ یعنی اس کا عذاب یقیناً اپنے وقت مقررہ پر آ کر ہی رہے گا۔

نسائی میں حضرت ابن عباسؓ سے وارد ہے کہ کافروں نے عذاب الٰہی مانگا جو ان پر یقیناً آنے والا ہے، یعنی آخرت میں۔ ان کی اس طلب کے الفاظ بھی دوسری جگہ قرآن میں منقول ہیں کہتے ہیں ﴿ اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ اگر یہ تیرے پاس سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا ہمارے پاس کوئی دردناک عذاب لا۔ ابن زیدؒ وغیرہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ عذاب کی وادی ہے جو قیامت کے دن عذابوں سے بہہ نکلے گی۔ لیکن یہ قول ضعیف ہے اور مطلب سے بہت دور ہے۔ صحیح قول پہلا ہے جس پر روش کلام کی دلالت ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ وہ عذاب کافروں کے لئے تیار ہے اور ان پر آ پڑنے والا ہے، جب آ جائے گا تو اسے کوئی دور کرنے والا نہیں اور نہ کسی میں اتنی طاقت ہے کہ اسے ہٹا سکے۔

معارج کا مفہوم: ﴿ ذِی الْمَعَارِجِ ﴾ کے معنی ابن عباسؓ کی تفسیر کے مطابق درجوں والا یعنی بلندیوں اور بزرگیوں والا۔ اور حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ معارج سے آسمان کی سیڑھیاں مراد ہیں۔ قتادہؒ کہتے ہیں فضل و کرم اور نعمت و رحم والا۔ یعنی یہ عذاب اس اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو ان صفتوں والا ہے۔ اس کی طرف فرشتے اور روح چڑھتے ہیں۔ روح کی تفسیر میں حضرت ابو صالحؒ فرماتے ہیں کہ یہ ایک قسم کی مخلوق ہے انسان تو نہیں لیکن انسانوں سے بالکل مشابہ ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام ہوں اور یہ عطف ہو عام پر خاص کا اور ممکن ہے اس سے مراد بنی آدم کی روحیں ہوں اس لئے کہ وہ بھی قبض ہونے کے بعد آسمان کی طرف چڑھتی ہیں، جیسے کہ حضرت براءؓ والی لمبی حدیث میں ہے کہ جب فرشتے پاک روح نکالتے ہیں تو اسے لے کر ایک آسمان سے دوسرے پر چڑھتے جاتے ہیں، یہاں

تک کہ ساتویں آسمان پر پہنچتے ہیں۔ گو اس کے بعض راویوں میں کلام ہے۔ لیکن یہ حدیث مشہور ہے اور اس کی شہادت میں حضرت ابوہریرہؓ والی حدیث بھی ہے جیسے کہ پہلے بہ روایت امام احمدؒ ترمذی اور ابن ماجہ گزر چکی ہے جس کی سند کے راوی ایک جماعت کی شرط پر ہیں۔ پہلی حدیث بھی مسند احمد' ابوداؤد' نسائی اور ابن ماجہ میں ہے' ہم نے اس کے الفاظ اور اس کے طرق کا بسیط بیان آیت ﴿ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ کی تفسیر میں کر دیا ہے۔

پچاس ہزار سال کا روز قیامت: پھر فرمایا اس دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال کی ہے۔ اس میں چار قول ہیں' ایک تو یہ کہ اس سے مراد وہ دوری ہے جو اسفل السافلین سے عرش معلی تک ہے' اور اسی طرح عرش کے نیچے سے اوپر تک کا فاصلہ بھی اتنا ہی ہے اور عرش معلی سرخ یاقوت کا ہے جیسے کہ امام ابن ابی شیبہؒ نے اپنی کتاب "صفت العرش" میں ذکر کیا ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس کے حکم کی انتہا نیچے کی زمین سے آسمانوں کے اوپر تک پچاس ہزار سال کی ہے اور ایک دن ایک ہزار سال کا ہے یعنی آسمان سے زمین تک اور زمین سے آسمان تک ایک دن میں جو ایک ہزار سال کے برابر ہے اس لئے کہ آسمان و زمین کا فاصلہ پانچ سو سال کا ہے۔ یہی روایت دوسرے طریق سے حضرت مجاہدؒ کے قول سے مروی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کے قول سے نہیں ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے ابن ابی حاتم میں روایت ہے کہ ہر زمین کی موٹائی پانچ سو سال کے فاصلہ کی ہے اور ایک زمین سے دوسری زمین تک پانچ سو سال کی دوری ہے تو سات ہزار سال یہ ہو گئے' اسی طرح آسمان۔ تو چودہ ہزار (14000) سال یہ ہوئے اور ساتویں آسمان سے عرش عظیم تک چھتیس ہزار سال کا فاصلہ ہے۔ یہی معنی ہیں اللہ تبارک و تعالیٰ کے اس فرمان کے کہ اس دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار (50,000) سال کے برابر ہے۔ دوسرا قول (2) یہ ہے کہ مراد اس سے یہ ہے کہ جب سے اس عالم کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے تب سے لے کر قیامت تک اس کی بقا کی آخری مدت پچاس ہزار سال کی ہے۔ چنانچہ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ دنیا کی کل عمر پچاس ہزار (50,000) سال کی ہے اور یہی ایک دن ہے جو اس آیت میں مراد لیا گیا ہے۔ حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں کہ دنیا کی پوری مدت یہی ہے لیکن کسی کو معلوم نہیں کہ کس قدر گزر گئی اور کتنی باقی ہے' بجز اللہ تبارک و تعالیٰ کے' تیسرا (3) قول یہ ہے کہ یہ دن وہ ہے جو دنیا اور آخرت میں فاصلہ ہے۔ حضرت محمد بن کعبؒ یہی فرماتے ہیں۔ لیکن یہ قول بہت ہی غریب ہے۔ چوتھا (4) قول یہ ہے کہ اس سے مراد قیامت کا دن ہے حضرت ابن عباسؓ سے بہ سند صحیح مروی ہے۔

حضرت عکرمہؒ بھی یہی فرماتے ہیں۔ ابن عباسؓ کا قول ہے کہ قیامت کے دن کو اللہ تعالیٰ کافروں پر پچاس ہزار (50,000) سال کا کر دے گا۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ یہ دن تو بہت ہی بڑا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' یہ مومن پر اس قدر آسان ہو جائے گا کہ دنیا کی ایک فرض نماز کی ادائیگی میں جتنا وقت لگتا ہے اس سے بھی کم ہو گا۔ یہ حدیث ابن جریر میں بھی ہے' اس کے دو راوی ضعیف ہیں' واللہ اعلم۔ مسند کی ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ کے پاس سے قبیلہ بنو عامر کا ایک شخص گزرا۔ لوگوں نے کہا کہ حضرت یہ اپنے قبیلہ میں سب سے بڑا مال دار ہے۔ آپ نے اسے بلوایا اور فرمایا کیا واقع تم سب سے زیادہ مال دار ہو؟ اس نے کہا' ہاں میرے پاس رنگ برنگ کے سینکڑوں اونٹ' قسم قسم کے غلام' اعلیٰ اعلیٰ درجے کے گھوڑے وغیرہ ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا' دیکھو خبردار ایسا نہ ہو کہ یہ جانور اپنے پاؤں سے تمہیں روندیں اور اپنے سینگوں سے تمہیں ماریں' بار بار یہی فرماتے رہے یہاں تک کہ عامری کے چہرے کا رنگ اڑ گیا اور اس نے کہا حضرت یہ کیوں؟ آپ نے فرمایا سنو! میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جو اپنے اونٹوں کا حق ادا نہ کرے گا ان کی سختی میں اور ان کی آسانی میں تو اسے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ایک چٹیل لمبے چوڑے صاف میدان میں چت لٹائے گا اور ان تمام جانوروں کو موٹا تازہ کر کے حکم دے گا کہ اسے روندتے ہوئے چلو۔ چنانچہ ایک ایک کر کے اسے کچلتے ہوئے گزریں گے جب آخر والا گزر جائے گا تو اول والا لوٹ کر آ جائے گا۔ یہی عذاب اسے ہوتا رہے گا۔ اس دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال کی ہے یہاں تک کہ لوگوں کے درمیان فیصلہ ہو جائے۔ پھر وہ اپنا راستہ دیکھ لے گا۔ اسی طرح گائے' گھوڑے' بکری وغیرہ بھی

سینگدار جانور اپنے سینگوں سے بھی اسے مارتے جائیں گے' کوئی ان میں بے سینگ کا یا ٹوٹے ہوئے سینگ والا نہ ہوگا۔ عامری نے پوچھا اے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمائیے' اونٹوں میں اللہ تعالیٰ کا حق کیا ہے؟ فرمایا مسکینوں کو سواری کے لئے تحفتہً دینا' غرباء کے ساتھ سلوک کرنا' دودھ پینے کے لئے جانور دینا' ان کے نروں کی ضرورت جنہیں مادہ کے لئے ہو انہیں مانگا ہوا بے قیمت دینا۔ یہ حدیث ابوداؤد اور نسائی میں بھی دوسری سند سے مذکور ہے۔

مسند کی ایک حدیث میں ہے کہ سونے چاندی کے خزانے والا اس کا حق ادا نہ کرے گا اس کا سونا چاندی تختیوں کی صورت میں بنایا جائے گا' اور جہنم کی آگ میں تپا کر اس کی پیشانی' کروٹ اور پیٹھ داغی جائے گی' یہاں تک کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں کے فیصلے کر لے۔ اس دن میں مقدار تمہاری گنتی سے پچاس ہزار سال کی ہوگی' پھر وہ اپنا راستہ جنت کی طرف یا جہنم کی طرف دیکھ لے گا۔ پھر آگے بکریوں اور اونٹوں کا بیان ہے' جیسے اوپر گزرا' اور یہ بھی بیان ہے کہ گھوڑے تین قسم کے لوگوں کے لئے ہیں' ایک قسم کے تو اجر دلانے والے' دوسری قسم کے پردہ پوشی کرنے والے' تیسری قسم کے بوجھ ڈھونے والے الخ۔ یہ حدیث پوری پوری صحیح مسلم میں بھی ہے' ان روایتوں کے پورا بیان کرنے کی اور ان کی سندوں اور الفاظ کے تمام تر نقل کرنے کی مناسب جگہ احکام کی کتاب زکوٰۃ ہے' یہاں ان کے وارد کرنے سے ہماری غرض صرف ان الفاظ سے ہے کہ "یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ کرے گا' اس دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال کی ہے"۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے ایک شخص نے پوچھا کہ وہ دن کیا ہے جس کی مقدار ۵۰ ہزار سال کی ہے ابن عباس نے فرمایا وہ کون سا پچاس ہزار سال کا دن ہوگا۔؟ اس نے کہا کہ حضرت میں تو خود دریافت کرنے آیا ہوں' آپ نے فرمایا کہ سنو یہ دو دن ہیں جن کا ذکر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی کتاب میں کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی کو ان کی حقیقت کا بخوبی علم ہے' میں تو باوجود نہ جاننے کے کتاب اللہ میں کچھ کہنا مکروہ جانتا ہوں۔ پھر فرماتا ہے کہ اے نبی! تم اپنی قوم کے جھٹلانے پر اور عذاب کے مانگنے کی جلدی پر جسے وہ اپنے نزدیک نہ آنے والا جانتے ہیں' صبر وسہار کرو' جیسے اور جگہ ہے ﴿يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا﴾ الخ۔ یعنی بے ایمان تو قیامت کے جلد آنے کی تمنائیں کرتے ہیں' اور ایماندار اس کے آنے کو حق جان کر اس سے ڈر رہے ہیں' اسی لئے یہاں بھی فرمایا کہ یہ تو اسے دور جان رہے ہیں بلکہ محال اور واقع نہ ہونے والا مانتے ہیں۔ لیکن ہم اسے قریب ہی دیکھ رہے ہیں' یعنی مومن تو اس کا آنا حق جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اب آیا ہی چاہتا ہے' نہ جانے کب قیامت قائم ہو جائے اور کب عذاب آپڑیں کیوں کہ اس کے صحیح وقت کو تو بجز ذات باری تعالیٰ کے اور کوئی جانتا ہی نہیں' پس ہر وہ چیز جس کے آنے اور ہونے میں کوئی شک نہ ہو اس کا آنا قریب ہی سمجھا جاتا ہے اور اس کے ہو پڑنے کا ہر وقت کھٹکا ہی رہتا ہے۔

يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ ۝۸ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ۝۹ وَلَا يَسْـَٔلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا ۝۱۰ يُّبَصَّرُوْنَهُمْ ۭ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِىِٕذٍۭ بِبَنِيْهِ ۝۱۱ وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِ ۝۱۲ وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُـْٔوِيْهِ ۝۱۳ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ ثُمَّ يُنْجِيْهِ ۝۱۴ كَلَّا ۭ اِنَّهَا لَظٰى ۝۱۵ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ۝۱۶ تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَتَوَلّٰى ۝۱۷ وَجَمَعَ فَاَوْعٰى ۝۱۸

جس دن آسمان مثل تیل کی تلچھٹ کے ہو جائے گا۔ اور پہاڑ مثل رنگین اون کے ہو جائیں گے۔ اور کوئی دوست کسی دوست کو نہ پوچھے گا۔ حالانکہ ایک دوسرے کو دکھا دیئے جائیں گے' گنہگار آج کے دن کے عذاب کے بدلے فدیے میں اپنے بیٹوں۔ کو' اور اپنی بیویوں کو اور اپنے بھائی۔ کو' اور اپنے کنبے کو جو

اسے جگہ دیتا تھا' اور روئے زمین کے سب لوگوں کو دینا چاہے گا تاکہ اسے نجات مل جائے۔ مگر ہر گز یہ نہ ہو گا یقیناً وہ شعلہ والی آگ ہے۔ جو منہ اور سر کی کھال کھینچ لانے والی ہے۔ وہ ہر اس شخص کو پکارے گی جو پیچھے ہٹتا اور منہ موڑتا ہے۔ اور جمع کر کے سنبھال رکھتا ہے۔

قیامت کی ہولناکیاں: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس عذاب کو یہ طلب کر رہے ہیں وہ عذاب ان طلب کرنے والے کافروں پر اس دن آئے گا جس دن آسمان مثل مہل کے ہو جائے گا یعنی زیتون کے تیل کی تلچھٹ جیسا ہو جائے' اور پہاڑ ایسے ہو جائیں جیسے دھنی ہوئی اون۔ یہی فرمان اور جگہ ہے ﴿ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ﴾ پھر فرماتا ہے کہ کوئی قریبی رشتہ دار کسی اپنے قریبی رشتہ دار سے پوچھ گچھ بھی نہ کرے گا حالانکہ ایک دوسرے کو بری حالت میں دیکھ رہے ہوں گے لیکن خود ایسے مشغول ہوں گے کہ دوسرے کا حال پوچھنے کا بھی ہوش نہ رہے گا۔ سب آپادھاپی میں پڑے رہیں گے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک دوسرے کو دیکھے گا پہچانے گا لیکن پھر بھاگ کھڑا ہو گا' جیسے اور جگہ ہے ﴿ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ ﴾ یعنی ہر ایک شخص ایسے مشغلے میں لگا ہوا ہو گا جو دوسرے کی طرف متوجہ ہونے کا موقع ہی نہ دے گا۔ اور جگہ فرمان ہے کہ لوگو اپنے رب سے ڈرو اور اس دن کا خوف کرو جس دن باپ اپنی اولاد کو اور اولاد اپنے باپ کو کچھ کام نہ آئے گی الخ۔ اور جگہ ارشاد ہے کہ گو قرابت دار ہوں لیکن کوئی کسی کا بوجھ نہ بٹائے گا۔ اور جگہ فرمان ہے ﴿ فَاِذَا نُفِخَ فِى الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴾ یعنی صور پھونکتے ہی سب آپس کے رشتے ناتے اور پوچھ گچھ ختم ہو جائے گی۔ اور ایک جگہ فرمان ہے ﴿ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ ﴾ الخ۔ یعنی اس دن انسان اپنے بھائی سے ماں سے باپ سے بیوی سے اور فرزند سے بھاگتا پھرے گا۔ ہر شخص بوجہ اپنی پریشانیوں کے دوسرے سے غافل ہو گا۔ یہ وہ دن ہو گا کہ اس دن ہر گنہگار یہ دل چاہے گا کہ اپنی اولاد کو اپنے فدیہ میں دے کر جہنم کے عذاب سے چھوٹ جائے' اور اپنی بیوی کو اور اپنے بھائی کو اور اپنے رشتے کنبے کو اور اپنے خاندان اور قبیلے کو بلکہ چاہے تمام روئے زمین کے لوگوں کو جہنم میں ڈال دیا جائے' لیکن اسے آزاد کر دیا جائے۔

آہ کیا ہی دل گداز منظر ہے کہ اپنے کلیجے کے ٹکڑوں کو اپنی شاخوں اور اپنی جڑوں کو' اور سب کے سب کو آج فدا کرنے پر تیار ہے' تاکہ خود بچ جائے ﴿ فَصِيْلَه ﴾ کے ایک معنی مال کے بھی کئے گئے ہیں۔ غرض کہ تمام تر محبوب ہستیوں کو اپنی طرف سے بھینٹ میں دینے پر دل سے رضامند ہو گا۔ لیکن کوئی چیز کام نہ آئے گی' کوئی بدلہ اور فدیہ نہ کھپے گا' کوئی عوض اور معاوضہ قبول نہ کیا جائے گا بلکہ اس آگ کے عذابوں میں ڈالا جائے گا جو اونچے اونچے اور تیز تیز شعلے پھینکنے والی اور سخت بھڑکنے والی ہے جو سر کی کھال تک جھلسا کر کھینچ لاتی ہے' بدن کی کھال دور کر دیتی ہے اور کھوپڑی پلپلی کر دیتی ہے' ہڈیوں کو گوشت سے الگ کر دیتی ہے' رگ پٹھے کھنچنے لگتے ہیں' ہاتھ پاؤں اینٹھنے لگتے ہیں' پنڈلیاں کٹی جاتی ہیں' چہرہ بگڑ جاتا ہے' ہر ہر عضو بگڑ جاتا ہے' چیخ پکار کرتا رہتا ہے' ہڈیوں کا چورا کرتی رہتی ہے' کھالیں جلاتی جاتی ہیں' یہ آگ اپنی فصیح زبان اور اونچی آواز سے اپنے والوں کو جنہوں نے دنیا میں بدکاریاں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں کی تھیں' پکارتی ہے' پھر جس طرح پرند جانور دانہ چگتا ہے اسی طرح میدان محشر میں سے ایسے بدکردار لوگوں کو ایک ایک کر کے دیکھ بھال کر چن لیتی ہے۔ اب ان کی بداعمالیاں بیان ہو رہی ہیں کہ یہ دل سے جھٹلانے والے اور بدن سے عمل چھوڑ دینے والے تھے' یہ مال کو جمع کرنے والے اور سر بند کر کے رکھ چھوڑنے والے تھے' اللہ تعالیٰ کے ضروری احکام میں بھی مال خرچ کرنے سے گریز کرتے تھے بلکہ زکوٰۃ تک ادا نہ کرتے تھے۔

حدیث میں ہے کہ سمیٹ سمیٹ کر سینت سینت کر نہ رکھو ورنہ اللہ تعالیٰ بھی تجھ سے روک لے گا۔ حضرت عبداللہ بن عکیم تو اس آیت پر عمل کرتے ہوئے کبھی تھیلی کا منہ ہی نہ باندھتے تھے۔ امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اے ابن آدم اللہ تعالیٰ کی وعید سن رہا ہے پھر بھی مال سمیٹتا جا رہا ہے۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ مال کو جمع کرنے میں حلال حرام کا پاس نہ رکھتا تھا اور فرمان اللہ تعالیٰ ہوتے ہوئے بھی خرچ کی ہمت نہیں کرتا تھا۔

إِنَّ الْإِنسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا ﴿١٩﴾ إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا ﴿٢٠﴾ وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا ﴿٢١﴾ إِلَّا الْمُصَلِّينَ ﴿٢٢﴾ الَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ ﴿٢٣﴾ وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُومٌ ﴿٢٤﴾ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ﴿٢٥﴾ وَالَّذِينَ يُصَدِّقُونَ بِيَوْمِ الدِّينِ ﴿٢٦﴾ وَالَّذِينَ هُم مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِم مُّشْفِقُونَ ﴿٢٧﴾ إِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَأْمُونٍ ﴿٢٨﴾ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ﴿٢٩﴾ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ﴿٣٠﴾ فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ﴿٣١﴾ وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ ﴿٣٢﴾ وَالَّذِينَ هُم بِشَهَادَاتِهِمْ قَائِمُونَ ﴿٣٣﴾ وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ﴿٣٤﴾ أُولَٰئِكَ فِي جَنَّاتٍ مُّكْرَمُونَ ﴿٣٥﴾

ع ۷۵

بے شک انسان بڑے کچے دل والا بنایا گیا ہے۔ جب اسے مصیبت پہنچتی ہے تو ہڑ بڑا اٹھتا ہے۔ اور جب راحت ملتی ہے تو بخل کرنے لگتا ہے۔ مگر وہ نمازی جو اپنی نماز پر ہمیشگی کرنے والے ہیں۔ اور جن کے مالوں میں مقررہ حصہ ہے۔' مانگنے والوں کا بھی اور سوال سے بچنے والوں کا بھی۔ اور جو انصاف کے دن پر یقین رکھتے ہیں۔ اور جو اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں۔ بے شک ان کے رب کا عذاب بے خوف ہونے کی چیز نہیں۔ اور جو لوگ اپنی شرمگاہوں کی (حرام سے) حفاظت کرتے ہیں۔ ہاں ان کی بیویوں اور لونڈیوں کے بارے میں جن کے وہ مالک ہیں انہیں کوئی ملامت نہیں۔ اب جو کوئی اس کے علاوہ (راہ) ڈھونڈے گا تو ایسے لوگ حد سے گزر جانے والے ہوں گے۔ اور جو اپنی امانتوں کی اور اپنے قول و قرار ہر آن ملحوظ رکھتے ہیں۔ اور جو اپنی گواہیوں پر سیدھے اور قائم رہتے ہیں۔ اور جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ ان ہی لوگوں کی جنتوں میں عزت و تکریم کی جائے گی۔

انسانی عادت: یہاں انسانی جبلت کی کمزوری بیان ہو رہی ہے کہ بڑا ہی بے صبرا ہے۔ مصیبت کے وقت تو مارے گھبراہٹ اور پریشانی کے باؤلا سا ہو جاتا ہے گویا دل اڑ گیا اور گویا اب کوئی آس باقی نہیں رہی اور راحت کے وقت بخیل کنجوس بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حق بھی ڈکار جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ بدترین چیز انسان میں بے حد بخیلی اور انتہائی درجہ کی نامردی ہے (ابوداؤد)۔ پھر فرمایا کہ ہاں اس مذموم خصلت سے وہ لوگ دور ہیں جن پر خاص فضل الٰہی ہے اور جنہیں توفیق خیر ازل سے مل چکی ہے' جن کی صفتیں یہ ہیں کہ وہ پورے نمازی ہیں وقتوں کی نگہبانی کرنے والے واجبات نماز کو اچھی طرح بجا لانے والے' سکون و اطمینان اور خشوع و خضوع سے پابندی کے ساتھ نماز ادا کرنے والے ہیں جیسے فرمایا ﴿ قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ﴾ الخ۔ ان ایمانداروں نے نجات پالی جو اپنی نماز خوف الٰہی سے ادا کرتے ہیں۔ ٹھہرے ہوئے بے حرکت کے پانی کو بھی عرب ﴿ مَاءٌ دَائِمٌ ﴾ کہتے (ف) ہیں اس سے ثابت ہوا کہ نماز میں اطمینان واجب ہے جو شخص اپنے رکوع و سجدے پوری طرح ٹھہر کر با اطمینان ادا نہیں کرتا وہ اپنی نماز پر دائم نہیں کیونکہ نہ وہ سکون کرتا ہے نہ اطمینان بلکہ کوے کی طرح ٹھونگیں مارتا ہے اس کی نماز اسے نجات نہیں دلوائے گی۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد ہر نیک عمل پر مداومت اور ہمیشگی کرنا ہے جیسے کہ نبی اللہ علیہ صلوات اللہ کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسند وہ عمل ہے جس پر مداومت کی جائے گو کم ہو۔ خود حضور علیہ السلام کی عادت مبارک بھی یہی تھی کہ جس کام کو کرتے اس پر ہمیشگی کرتے۔

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے ذکر کیا گیا کہ حضرت دانیال علیہ السلام پیغمبر نے امت محمد ﷺ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ "وہ ایسی نماز پڑھے گی کہ اگر قوم نوح علیہ السلام ایسی نماز پڑھتی تو ڈوبتی نہیں۔ اور قوم عاد کی اگر ایسی نماز ہوتی تو ان پر بے برکتی کی ہوائیں نہ بھیجی جاتیں، اور اگر قوم ثمود کی نماز ایسی ہوتی تو انہیں چیخ سے ہلاک نہ کیا جاتا"۔ پس اے لوگو! نماز کو اچھی طرح پابندی سے پڑھا کرو۔ مومن کا یہ زیور اور اس کا بہترین خلق ہے۔

مالوں میں غریب کا حصہ: پھر فرماتا ہے کہ ان کے مالوں میں حاجت مندوں کا بھی مقررہ حصہ ہے ﴿ سَائِلٌ ﴾ اور ﴿مَحْرُوْم﴾ کی پوری تفسیر ﴿ سُورۂ ذاریات ﴾ میں گزر چکی ہے۔ یہ لوگ حساب اور جزا کے دن پر بھی یقین کامل اور پورا ایمان رکھتے ہیں۔ اسی وجہ سے وہ اعمال کرتے ہیں جن سے ثواب پائیں اور عذاب سے چھوٹیں۔ پھر ان کی صفت بیان ہوتی ہے کہ وہ اپنے رب کے عذاب سے ڈرنے اور خوف کھانے والے ہیں، جس عذاب سے کوئی عقل مند انسان بے خوف نہیں رہ سکتا، ہاں جسے اللہ تعالیٰ امن دے۔ اور یہ لوگ اپنی شرمگاہوں کو حرام کاری سے روکتے ہیں جہاں اللہ تعالیٰ کی اجازت نہیں، اس جگہ سے بچاتے ہیں، ہاں اپنی بیویوں اور اپنی مملوکہ لونڈیوں سے اپنی خواہش پوری کرتے ہیں، سو اس میں ان پر کوئی ملامت اور الاہنا نہیں، لیکن جو شخص ان کے علاوہ اور جگہ یا اور طرح اپنی شہوت رانی کرے وہ یقیناً حدود الٰہی سے تجاوز کرنے والا ہے۔ ان دونوں آیتوں کی پوری تفسیر ﴿ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴾ میں گزر چکی ہے، یہاں دوبارہ لانے کی ضرورت نہیں۔ یہ لوگ امانت کے ادا کرنے والے، وعدوں اور عہدوں، قول و قرار کو پورا کرنے والے اور اچھی طرح نباہنے والے ہیں، نہ خیانت کرتے ہیں نہ بدعہدی اور نہ وعدہ شکنی کرتے ہیں۔ یہ سب صفتیں مومنوں کی ہیں اور ان کے خلاف عمل کرنے والا منافق ہے، جیسے کہ صحیح حدیث میں ہے کہ منافق کی تین خصلتیں ہیں، جب کبھی بات کرے تو جھوٹ بولے جب کبھی وعدہ کرے تو اس کے خلاف کرے اور جب امانت اس کے پاس رکھی جائے تو خیانت کرے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ جب کبھی عہد کرے تو اسے توڑ دے اور جب کبھی جھگڑے تو گالیاں بولے۔ یہ اپنی شہادتوں کی بھی حفاظت کرنے والے ہیں، یعنی نہ اسمیں کمی کرتے ہیں نہ زیادتی نہ شہادت دینے سے بھاگتے ہیں نہ اسے چھپاتے ہیں، جو چھپالے تو وہ دل کا گنہگار ہے۔

پھر فرمایا کہ وہ اپنی نماز کی پوری چوکسی کرتے ہیں یعنی وقت پر ارکان اور واجبات اور مستحبات کو پوری طرح بجالا کر نماز پڑھتے ہیں۔ یہاں یہ بات خاص توجہ کے لائق ہے کہ ان جنتیوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے شروع وصف بھی نماز کی ادائیگی کا بیان کیا اور ختم بھی اسی پر کیا۔ پس معلوم ہوا کہ نماز امر دین میں عظیم الشان کام ہے اور سب سے زیادہ شرف اور فضیلت والی چیز بھی یہی ہے، اس کا ادا کرنا سخت ضروری اور اس کا بندوبست نہایت ہی تاکید والا ہے۔ سورۂ ﴿ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴾ میں ٹھیک اسی طرح بیان ہوا ہے اور وہاں اوصاف کے بعد بیان فرمایا ہے کہ یہی لوگ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے وارث فردوس ہیں، اور یہاں فرمایا کہ یہی لوگ جنتی ہیں، اور وہاں قسم قسم کی لذتوں اور خوشبوؤں سے عزت و اقبال کے ساتھ مسرور و محفوظ ہوں گے۔

فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ ﴿۳۶﴾ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِيْنَ ﴿۳۷﴾
اَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيْمٍ ﴿۳۸﴾ كَلَّا ۭ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا
يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ فَلَآ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ ﴿۴۰﴾ عَلٰٓي اَنْ نُّبَدِّلَ
خَيْرًا مِّنْهُمْ ۙ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿۴۱﴾ فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَيَلْعَبُوْا حَتّٰى يُلٰقُوْا

يَوْمَهُمُ الَّذِي يُوعَدُونَ ﴿٤٢﴾ يَوْمَ يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ سِرَاعًا كَأَنَّهُمْ إِلَىٰ نُصُبٍ يُوفِضُونَ ﴿٤٣﴾ خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۚ ذَٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِي كَانُوا يُوعَدُونَ ﴿٤٤﴾

ع ۲ / ۸

پس کافر تیری طرف کیوں دوڑتے آتے ہیں؟ دائیں اور بائیں سے گروہ کے گروہ۔ کیا ان میں سے ہر ایک کی توقع یہ ہے کہ وہ نعمتوں والی جنت میں داخل کیا جائے گا؟ ایسا ہرگز نہ ہوگا ہم نے انہیں اس چیز سے پیدا کیا ہے جسے وہ جانتے ہیں۔ پس مجھے قسم ہے مشرقوں اور مغربوں کے رب کی کہ ہم یقیناً قادر ہیں۔ کہ ان کے عوض ان سے اچھے لوگ لے آئیں' ہم عاجز نہیں ہیں۔ پس تو انہیں جھگڑتا کھیلتا چھوڑ دے یہاں تک کہ یہ اپنے اس دن سے جا ملیں جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے۔ جس دن یہ قبروں سے دوڑتے ہوئے نکلیں گے گویا کہ وہ کسی تھان کی طرف تیز تیز جا رہے ہیں۔ ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی ان پر ذلت چھا رہی ہوگی' یہ ہے وہ دن جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا تھا۔

اللہ تعالیٰ عزوجل ان کافروں پر انکار کر رہا ہے جو حضور اکرم ﷺ کے مبارک زمانے میں تھے۔ خود آپ ﷺ کو وہ دیکھ رہے تھے اور آپ ﷺ جو ہدایت لے کر آئے وہ ان کے سامنے تھی اور آپ کے کھلے معجزے بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے پھر باوجود ان تمام باتوں کے وہ بھاگ جاتے تھے اور ٹولیاں ٹولیاں ہو کر دائیں بائیں کترا جاتے تھے۔ جیسے اور جگہ ہے۔ ﴿ فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِينَ ﴾ یہ نصیحت سے منہ پھیر کر ان گدھوں کی طرح جو شیر سے بھاگ رہے ہوں' کیوں بھاگ رہے ہیں؟ الخ۔ یہاں بھی اسی طرح فرما رہا ہے کہ ان کفار کو کیا ہو گیا ہے یہ نفرت کر کے کیوں تیرے پاس سے بھاگے جا رہے ہیں؟ کیوں دائیں بائیں سرکتے جاتے ہیں؟ اور کیا وجہ ہے کہ متفرق طور پر اختلاف کے ساتھ ادھر ادھر ہو رہے ہیں۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے خواہش نفس پر عمل کرنے والوں کے حق میں یہی فرمایا ہے کہ وہ کتاب اللہ کے مخالف ہوتے ہیں اور آپس میں بھی مختلف ہوتے ہیں' ہاں کتاب اللہ کی مخالفت میں سب متفق ہوتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے یہ روایت عوفی مروی ہے کہ وہ ٹولیاں ہو کر بے پرواہی کے ساتھ تیرے دائیں بائیں ہو کر تجھے مذاق سے گھورتے ہیں۔ حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ یعنی دائیں بائیں الگ ہو جاتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ اس شخص نے کیا کہا؟ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ دائیں بائیں ٹولیاں ٹولیاں ہو کر حضور اکرم ﷺ کے اردگرد پھرتے رہتے ہیں نہ کتاب اللہ کی چاہت ہے نہ رسول اللہ ﷺ کی رغبت ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں کے پاس تشریف لائے اور وہ متفرق طور پر حلقے حلقے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا میں تمہیں الگ الگ جماعتوں کی صورت میں کیسے دیکھ رہا ہوں؟ (احمد)۔ یہ ابن جریر میں اور سند سے بھی مروی ہے۔

کافروں کی خواہش: پھر ارشاد ہوتا ہے کہ کیا ان کی چاہت ہے کہ جنت نعیم میں داخل کئے جائیں؟ ایسا ہرگز نہ ہوگا یعنی جب ان کی یہ حالت ہے کہ کتاب اللہ اور رسول اللہ ﷺ سے دائیں بائیں کترا جاتے ہیں پھر ان کی یہ چاہت پوری نہیں ہو سکتی بلکہ یہ جہنمی گروہ ہے' اب جس چیز کو یہ محال جانتے تھے اس کا بہترین ثبوت ان ہی کی معلومات اور اقرار سے بیان ہو رہا ہے کہ جس نے تمہیں ضعیف پانی سے پیدا کیا ہے جیسے کہ خود تمہیں بھی معلوم ہے پھر کیا وہ تمہیں دوبارہ نہیں پیدا کر سکتا؟ جیسے اور جگہ ہے ﴿ اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ﴾ کیا ہم نے تمہیں ناقدرے پانی سے پیدا نہیں کیا؟ فرمان ہے ﴿ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ ﴾ انسان کو دیکھنا چاہئے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے؟ اچھلنے والے پانی سے پیدا کیا گیا ہے جو پیٹھ اور چھاتی کے درمیان سے نکلتا ہے' یقیناً وہ اللہ تعالیٰ اس کے لوٹانے پر قادر ہے جس دن پوشیدگیاں کھل پڑیں گی اور کوئی طاقت نہ ہوگی نہ مددگار۔ پس یہاں بھی فرماتا ہے مجھے قسم ہے اس کی جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا اور مشرق مغرب متعین کی اور

ستاروں کے چھپنے اور ظاہر ہونے کی جگہیں مقرر کر دیں۔ مطلب یہ ہے کہ اے کافرو! جیسا تمہارا گمان ہے ویسا معاملہ نہیں کہ نہ حساب کتاب ہو گا نہ حشر نشر ہو گا بلکہ یہ سب یقیناً ہونے والی چیزیں ہیں۔ اسی لئے قسم سے پہلے ان کے باطل خیال کی تکذیب کی اور اسے اس طرح ثابت کیا کہ اپنی قدرت کاملہ کے مختلف نمونے ان کے سامنے پیش کئے۔ مثلاً آسمان و زمین کی ابتدائی پیدائش اور ان میں حیوانات، جمادات اور مختلف قسم کی مخلوق کی موجودگی، جیسے اور جگہ ہے ﴿ لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ یعنی آسمان و زمین کا پیدا کرنا لوگوں کے پیدا کرنے سے بہت بڑا ہے لیکن اکثر لوگ بے علم ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جب بڑی بڑی چیزوں کو پیدا کرنے پر اللہ تعالیٰ قادر ہے تو چھوٹی چھوٹی چیزوں کی پیدائش پر کیوں قادر نہ ہو گا؟ جیسے اور جگہ ہے ﴿ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى بَلٰٓى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴾ یعنی کیا یہ نہیں دیکھتے کہ جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا اور ان کی پیدائش میں نہ تھکا کیا وہ مردوں کو زندہ کرنے پر قادر نہیں؟ بے شک وہ قادر ہے اور ایک اسی پر کیا ہر ہر چیز پر اسے قدرت حاصل ہے۔ اور جگہ ارشاد ہے اَوَلَيْسَ الَّذِيْ الخ۔ یعنی کیا زمین و آسمان کو پیدا کرنے والا ان کے مثل پیدا کرنے پر قادر نہیں؟ ہاں ہے اور وہی پیدا کرنے والا اور جاننے والا ہے۔ وہ جس چیز کا ارادہ کرے کہہ دیتا ہے کہ ہو جا! وہ اسی وقت ہو جاتی ہے۔

مشرق اور مغرب کا رب: یہاں ارشاد ہو رہا ہے کہ مشرقوں اور مغربوں کے پروردگار کی قسم ہم ان کے ان جسموں کو جیسے یہ اب ہیں اس سے بھی بہتر صورت میں بدل ڈالنے پر پورے پورے قادر ہیں۔ کوئی چیز کوئی شخص اور کوئی کام ہمیں عاجز اور درماندہ نہیں کر سکتا۔ جیسے اور جگہ ارشاد ہے۔ ﴿ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ ﴾ کیا کسی شخص کا یہ گمان ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں جمع نہ کر سکیں گے؟ غلط گمان ہے، بلکہ ہم تو اس کی پور پور جمع کر کے ٹھیک ٹھاک بنا دیں گے۔ اور جگہ فرمایا ﴿ نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ ﴾ الخ۔ ہم نے تمہارے درمیان موت مقدر کر دی ہے اور ہم اس سے عاجز نہیں کہ تم جیسوں کو بدل ڈالیں اور تمہیں اس نئی پیدائش میں پیدا کریں جسے تم جانتے بھی نہیں۔ پس ایک تو مطلب آیت مندرجہ بالا کا یہ ہے، دوسرا مطلب امام ابن جریرؒ نے یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ ہم اس امر پر قادر ہیں کہ تمہارے بدلے ایسے لوگ پیدا کر دیں جو ہمارے مطیع اور فرماں بردار ہوں اور ہماری نافرمانیوں سے رکے رہنے والے ہوں۔ جیسے اور جگہ فرمان ہے۔ ﴿ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا ﴾ الخ۔ یعنی اگر تم نے منہ موڑا تو اللہ تعالیٰ تمہارے سوا اور قوم کو لائے گا اور وہ تم جیسی نہ ہو گی۔ لیکن پہلا مطلب دوسری آیتوں کی صاف دلالت کی وجہ سے زیادہ ظاہر ہے، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

جھٹلانے والوں کی روز قیامت پیشی: پھر فرماتا ہے، اے نبی ﷺ! انہیں ان کے جھٹلانے اور کفر کرنے اور سرکشی میں بڑھنے ہی میں چھوڑ دو، جس کا وبال ان پر اس دن آئے گا جس کا ان سے وعدہ ہو چکا ہے جس دن اللہ تعالیٰ انہیں بلائے گا اور یہ میدان محشر کی طرف جہاں انہیں حساب کے لئے کھڑا کیا جائے گا۔ اس طرح لپکتے ہوئے جائیں گے جس طرح دنیا میں کسی بت یا علم کو یا تھان اور چلے کو چھونے اور ڈنڈوت کرنے کے لئے ایک دوسرے سے آگے بڑھتے ہوئے جاتے ہیں، مارے شرم و ندامت کے نگاہیں زمین میں گڑی ہوئی ہوں گی اور چہروں پر پھٹکار برس رہی ہو گی۔ یہ ہے دنیا میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے سرکشی کرنے کا نتیجہ۔ اور یہ ہے وہ دن جس کے ہونے کو آج محال جانتے ہیں اور ہنسی مذاق میں نبی اکرم ﷺ کی اور شریعت کی اور کلام اللہ کی حقارت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ قیامت کیوں قائم نہیں ہوتی ہم پر عذاب کیوں نہیں آتا۔

﴿ الحمدُ للہ ﴾ سورۂ معارج کی تفسیر بھی ختم ہوئی۔

تفسیر سورۂ نوح مکیہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّآ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ① قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ② اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَاَطِيْعُوْنِ ③ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرْكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَاۗءَ لَا يُؤَخَّرُ ۘ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ④

وقف لازم

اللہ تعالیٰ بخشش ور حم کرنے والے کے نام سے شروع۔

یقیناً ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا کہ اپنی قوم کو ڈرا دو اور خبر دار کر دو اس سے پہلے کہ ان کے پاس دردناک عذاب آجائے۔ نوح نے کہا اے میری قوم! میں تمہیں صاف صاف ڈرانے والا ہوں۔ کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اسی سے ڈرو اور میرا کہنا مانو۔ تو وہ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تمہیں ایک وقت مقررہ تک چھوڑ دے گا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ کا وعدہ جب آجاتا ہے تو موقوف نہیں ہوتا کاش کہ تمہیں سمجھ ہوتی۔

حضرت نوح ؑ کی تبلیغ: اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ اس نے حضرت نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف اپنا رسول بنا کر بھیجا اور حکم دیا کہ عذاب کے آنے سے پہلے اپنی قوم کو ہوشیار کر دو اگر وہ توبہ کر لیں گے اور اللہ تعالیٰ کی طرف جھکنے لگیں گے تو عذاب الٰہی ان سے اٹھ جائے گا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے یہ پیغام الٰہی اپنی امت کو پہنچا دیا اور صاف کہہ دیا کہ دیکھو میں کھلے لفظوں میں تمہیں آگاہ کئے دیتا ہوں۔ میں صاف صاف کہہ رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس کا ڈر اور میری اطاعت لازمی چیزیں ہیں' جو کام تمہارے رب نے تم پر حرام کئے ہیں' ان سے بچو۔ گناہ کے کاموں سے الگ تھلگ رہو جو کچھ میں کہوں بجا لاؤ' جس سے روکوں رک جاؤ۔ میری رسالت کی تصدیق کرو' اللہ تعالیٰ تمہاری خطاؤں سے درگزر فرمائے گا۔ ﴿ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ ﴾ میں لفظ من یہاں زائد ہے۔ اثبات کے موقع پر بھی کبھی لفظ من زائد آجاتا ہے۔ جیسے عرب کے مقولے ﴿ قَدْ كَانَ مِنْ مَّطَرٍ ﴾ میں' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ عن کے معنی میں ہو۔ بلکہ ابن جریرؒ تو اسی کو پسند فرماتے ہیں'

اور یہ قول بھی ہے کہ تبعیض کے لئے ہے' یعنی تمہارے کچھ گناہ معاف فرما دے گا۔ یعنی وہ گناہ جن پر سزا کی وعید ہے' اور وہ بڑے بڑے گناہ ہیں۔ اگر تم نے یہ تینوں کام کئے تو وہ معاف ہو جائیں گے اور جن عذابوں سے وہ تمہیں اب تمہاری ان خطاؤں اور غلط کاریوں کی وجہ سے برباد کرنے والا ہے' اس عذاب کو ہٹا دے گا' اور تمہاری عمریں بڑھا دے گا۔ اس آیت سے یہ استدلال بھی کیا گیا ہے کہ اطاعت الٰہی اور نیکی کا سلوک اور صلہ رحمی سے حقیقتاً عمر بڑھ جاتی ہے۔ حدیث میں یہ بھی ہے کہ صلہ رحمی عمر بڑھاتی ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ نیک اعمال اس سے پہلے کر لو کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب آجائے' اس لئے کہ جب وہ آجاتا ہے پھر نہ اسے کوئی ہٹا سکتا ہے اور نہ روک سکتا ہے۔ اس بڑے کی بڑائی نے ہر چیز کو پست کر رکھا ہے' اس کی عزت و عظمت کے سامنے تمام مخلوق پست ہے۔

قَالَ رَبِّ اِنِّيْ دَعَوْتُ قَوْمِيْ لَيْلًا وَّنَهَارًا ⑤ فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَاۗءِيْٓ اِلَّا فِرَارًا ⑥ وَاِنِّيْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْٓا اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَاَصَرُّوْا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ⑦ ثُمَّ اِنِّيْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ⑧ ثُمَّ اِنِّيْٓ اَعْلَنْتُ لَهُمْ

وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا ۝ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۝ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ۝ مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ۝ وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ۝ اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۝ وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ۝ وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ۝ ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا ۝ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا ۝ لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ۝

نوح نے کہا اے میرے پروردگار میں نے اپنی قوم کو رات دن تیری طرف بلایا مگر میرے بلانے سے یہ بھاگنے میں اور بڑھتے ہی گئے۔ میں نے جب کبھی انہیں تیری بخشش کے لئے بلایا انہوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈال لیں اور اپنے کپڑے اوڑھ لئے اور اڑ گئے اور سخت سرکشی کی۔ پھر میں نے انہیں با آواز بلند بلایا۔ اور بے شک میں نے ان سے علانیہ بھی کہا اور چپکے چپکے بھی۔ اور میں نے کہا کہ اپنے رب سے اپنے گناہ بخشواؤ اور معافی مانگو وہ یقیناً بڑا بخشنے والا ہے۔ وہ تم پر آسمان کو خوب برستا ہوا چھوڑ دے گا۔ اور تمہیں خوب پے در پے مال اور اولاد میں ترقی دے گا اور تمہیں باغات دے گا اور تمہارے لئے نہریں نکال دے گا۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی بزرگی کا عقیدہ نہیں رکھتے حالانکہ اس نے تمہیں مختلف طور سے پیدا کیا ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے اوپر تلے کس طرح سات آسمان پیدا کر دیئے ہیں۔ اور ان میں چاند کو خوب جگمگاتا بنایا ہے اور سورج کو روشن چراغ بنایا ہے۔ اور تم کو زمین سے ایک خاص طریقہ سے اگایا ہے اور پیدا کیا ہے۔ پھر تمہیں اسی میں لوٹا لے جائے گا اور ایک خاص طریقہ سے پھر نکالے گا۔ اور تمہارے لئے زمین کو اللہ تعالیٰ نے فرش بنا دیا ہے' تاکہ تم اس کی کشادہ راہوں میں چلو پھرو۔

حضرت نوحؑ کی تبلیغ کی تفصیل: یہاں بیان ہو رہا ہے کہ ساڑھے نو سو سال تک کی لمبی مدت میں کس کس طرح حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو رشد و ہدایت کی طرف بلایا' قوم نے کس کس طرح اعراض کیا' کیسی کیسی تکلیفیں اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر کو پہنچائیں اور کس طرح اپنی ضد پر اڑ گئے۔ حضرت نوح علیہ السلام بطور شکایت کے جناب باری میں عرض کرتے ہیں کہ اے رب العزت! میں نے تیرے حکم کی پوری طرح سرگرمی سے تعمیل کی۔ تیرے فرمان عالی شان کے مطابق نہ دن کو دن سمجھا نہ رات کو رات بلکہ دھن باندھے ہر وقت انہیں راہ راست کی دعوت دیتا رہا۔ وہ اسی سختی سے مجھ سے بھاگتے رہے' حق سے روگردانی کرتے رہے' یہاں تک ہوا کہ میں نے ان سے کہا کہ آؤ رب کی بات سنو' تاکہ رب بھی تمہیں بخشے۔ لیکن انہوں نے میرے ان الفاظ کا سننا بھی گوارا نہ کیا' کان بند کر لئے۔ یہی حال کفار قریش کا تھا کہ کلام اللہ کو سننا بھی پسند نہیں کرتے تھے' جیسے ارشاد ہے ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ﴾ "یعنی کافروں نے کہا' اس قرآن کو نہ سنو اور جب یہ پڑھا جاتا ہو تو شور و غل کرو تاکہ تم غالب رہو"۔ قوم نوح علیہ السلام نے جہاں اپنے کانوں میں انگلیاں ڈالیں وہاں اپنے منہ بھی کپڑوں سے چھپا لئے تاکہ وہ پہچانے بھی نہ جائیں اور نہ کچھ سنیں' اپنے کفر و شرک پر ضد کے ساتھ اڑ گئے اور اتباع حق سے نہ صرف انکار کر دیا بلکہ اس سے بے پرواہی کی اور اسے حقیر جان کر تکبر سے پیٹھ پھیر لی۔ حضرت نوح علیہ السلام فرماتے ہیں کہ عام لوگوں کے مجمع میں بھی میں نے انہیں کہا سنا با آواز بلند بھی' ان کے کان کھول دیئے اور بسا اوقات ایک ایک کو چپکے چپکے بھی سمجھایا۔

غرض کہ تمام جتن کر لئے کہ یوں نہیں یوں سمجھ جائیں اور یوں نہیں تو یوں راہ راست پر آ جائیں۔ میں نے ان سے کہا کم از کم تم اپنی بدکاریوں سے توبہ ہی کر لو' وہ غفار ہے ہر جھکنے والے کی طرف توجہ فرماتا ہے اور خواہ اس سے کیسے ہی بد سے بدتر اعمال سرزد ہوئے ہوں' ایک آن میں معاف فرما دیتا ہے اور یہی نہیں بلکہ دنیا میں بھی وہ تمہیں تمہارے استغفار کی وجہ سے طرح طرح کی نعمتیں عطا فرمائے گا اور درد دکھ سے بچا لے گا

(فائدہ)۔ وہ تم پر خوب موسلادھار بارش برسائے گا۔ یہ یاد رہے کہ قحط سالی کے موقع پر جب نماز استسقاء کے لئے مسلمان نکلیں تو مستحب ہے کہ اس نماز میں اس سورت کو پڑھیں' اس کی ایک دلیل تو یہی آیت ہے دوسرے امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فعل بھی یہی ہے۔ آپؓ سے مروی ہے کہ بارش مانگنے کے لئے جب آپؓ نکلے تو منبر پر چڑھ کر آپؓ نے خوب استغفار کیا اور استغفار والی آیتوں کی تلاوت کی جن میں ایک آیت یہ بھی تھی۔ پھر فرمانے لگے بارش کو میں نے بارش کی تمام راہوں سے جو آسمان میں ہیں طلب کر لیا ہے۔ یعنی وہ کام ادا کئے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ بارش نازل فرمایا کرتا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اے میری قوم کے لوگو! اگر تم استغفار کرو گے تو بارش کے ساتھ ہی ساتھ رزق کی برکت بھی تمہیں ملے گی' زمین و آسمان کی برکتوں سے تم مالا مال ہو جاؤ گے' کھیتیاں خوب ہوں گی' جانوروں کے تھن دودھ سے پر رہیں گے' مال و اولاد میں ترقی ہو گی' قسم قسم کے پھلوں سے لدے پھندے باغات تمہیں نصیب ہوں گے' جن کے درمیان چوطرفہ اور بابرکت پانی کی ریل پیل ہو گی' ہر طرف نہریں اور دریا جاری ہو جائیں گے۔ اس طرح رغبتیں دلا کر پھر ذرا خوف زدہ بھی کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ تم اللہ تعالیٰ کی عظمت کے قائل نہیں ہوتے؟ اس کے عذابوں سے بے باک کیوں ہو گئے ہو؟ دیکھتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں کن کن حالات میں' کس کس لوٹ پھیر کے ساتھ پیدا کیا ہے؟ پہلے پانی کی بوند پھر جامد خون پھر گوشت کا لوتھڑا پھر اور صورت پھر اور حالت وغیرہ۔ اسی طرح دیکھو تو سہی کہ اس نے ایک پر ایک اس طرح آسمان پیدا کئے خواہ وہ صرف سننے سے ہی معلوم ہوئے ہوں یا ان وجوہ سے معلوم ہوئے ہوں جو محسوس ہیں' جو ستاروں کی چال اور ان کے کسوف (گہن) سے سمجھی جا سکتی ہیں' جیسے کہ اس علم والوں کا بیان ہے۔

گو اس میں بھی اس کا سخت تر اختلاف ہے کہ کواکب چلنے پھرنے والے بڑے بڑے سات ہیں' ایک' ایک کو بے نور کر دیتا ہے' سب سے قریب آسمان دنیا میں تو چاند ہے جو دوسروں کو ماند کئے ہوئے ہے۔ اور دوسرے آسمان پر عطارد ہے' تیسرے آسمان پر زہرہ ہے' چوتھے آسمان میں سورج ہے' پانچویں آسمان میں مریخ ہے' چھٹے آسمان میں مشتری ہے' ساتویں آسمان میں زحل ہے' اور باقی کواکب جو ثوابت ہیں وہ آٹھویں آسمان میں ہیں جس کا نام یہ لوگ فلک ثوابت رکھتے ہیں' اور ان میں سے جو شرع والے ہیں' وہ اسے کرسی کہتے ہیں۔ اور نواں فلک ان کے نزدیک اطلس اور اثیر ہے جس کی حرکت ان کے خیال میں اور افلاک کی برکت کے خلاف ہے اس لئے کہ دراصل اس کی حرکت اور حرکتوں کا مبداء ہے وہ مغرب سے مشرق کی طرف حرکت کرتا ہے اور باقی سب آسمان مشرق سے مغرب کی طرف اور ان ہی کے ساتھ ہی کواکب بھی گھومتے پھرتے رہتے ہیں لیکن سیاروں کی حرکت افلاک کی حرکت سے بالکل برعکس ہے' وہ سب مغرب سے مشرق کی طرف حرکت کرتے ہیں اور ان میں کا ہر ایک اپنے آسمان کا پھیرا اپنی مقدور کے مطابق کرتا ہے۔ چاند تو ہر ماہ میں ایک بار' سورج ہر سال میں ایک بار' زحل ہر تیس سال میں ایک مرتبہ' مدت کی یہ کمی بیشی باعتبار آسمان کے لمبائی چوڑائی کے ہے ورنہ سب کی حرکت سرعت میں بالکل مناسبت رکھتی ہے۔

یہ ہے خلاصہ ان کی تمام تر باتوں کا جس میں ان میں آپس میں بھی بہت کچھ اختلاف ہے نہ ہم اسے یہاں وارد کرنا چاہتے ہیں نہ اس کی تحقیق و تفتیش سے اس وقت کوئی غرض ہے' مقصود صرف اس قدر ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے سات آسمان بنائے ہیں اور وہ اوپر تلے ہیں۔ پھر ان میں چاند سورج پیدا کیا ہے۔ دونوں کی چمک دمک اور روشنی اور اجالا الگ الگ ہے جس سے دن رات کی تمیز ہو جاتی ہے۔ پھر چاند کی

مقررہ منزلیں اور بروج ہیں، پھر اس کی روشنی گھٹتی بڑھتی رہتی ہے اور ایسا وقت بھی آتا ہے کہ وہ اپنی پوری روشنی کے ساتھ ہوتا ہے جس سے مہینے اور سال معلوم ہوتے ہیں، جیسے فرمان ہے ﴿ هُوَالَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً ﴾ "اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے سورج چاند خوب روشن اور چمکدار بنائے اور چاند کی منزلیں مقرر کر دیں تاکہ تمہیں سال اور حساب معلوم ہو جائیں، ان کی پیدائش حق ہی کے ساتھ ہے، عالموں کے سامنے قدرت الٰہی کے یہ نمونے الگ الگ موجود ہیں"۔ پھر فرمایا "اللہ تعالیٰ نے تمہیں زمین سے اگایا"۔ اس مصدر نے مضمون کو بے حد لطیف کر دیا "پھر تمہیں مار ڈالنے کے بعد اسی میں لوٹالے جائے گا پھر قیامت کے دن اسی سے تمہیں نکالے گا، جیسے اول دفعہ پیدا کیا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ نے زمین کو تمہارے لئے فرش بنادیا اور وہ ہلے جلے نہیں اس لئے اس پر مضبوط پہاڑ گاڑ دیئے۔ اسی زمین کے کشادہ راستوں پر تم چلتے پھرتے ہو، اسی پر رہتے سہتے ہو، ادھر سے ادھر جاتے آتے ہو"۔ غرض حضرت نوح علیہ السلام کی یہ ہے کہ عظمت الٰہی اور قدرت اللہ کے نمونے اپنی قوم کے سامنے رکھ کر انہیں آمادہ کر رہے ہیں کہ زمین کی برکتوں کے دینے والے ہر چیز کے پیدا کرنے والے عالی شان قدرت کے رکھنے والے رازق، خالق الٰہی کا کیا تم پر اتنا بھی حق نہیں کہ تم اسے پوجو، اس کا لحاظ رکھو اور اس کے کہنے سے اس کے سچے نبی حضرت محمد مصطفی ﷺ کی راہ اختیار کرو؟ تمہیں ضرور چاہئے کہ صرف اسی کی عبادت کرو، کسی اور کو نہ پوجو، اس جیسا، اس کا شریک اس کا ساجھی، اس کا مثیل کسی کو نہ جانو۔ اسے جورو جاتے سے، بیٹوں پوتوں سے، وزیر و مشیر سے، عدیل و نظیر سے پاک مانو اسی کو بلند و بالا اور عظیم و اعلیٰ جانو۔

قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِیْ وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ یَزِدْهُ مَالُهٗ وَ وَلَدُهٗۤ اِلَّا خَسَارًا ۚ﴿۲۱﴾ وَمَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا ۚ﴿۲۲﴾ وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ وَّلَا یَغُوْثَ وَیَعُوْقَ وَنَسْرًا ۚ﴿۲۳﴾ وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِیْرًا ۚ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا ضَلٰلًا ﴿۲۴﴾

نوح نے کہا اے میرے پروردگار ان لوگوں نے میری تو نافرمانی کی اور ایسوں کی فرمانبرداری کی جن کے مال و اولاد نے ان کو یقیناً نقصان ہی میں بڑھایا ہے۔ اور ان لوگوں نے بڑا سخت فریب کیا۔ اور کہا انہوں نے کہ ہرگز اپنے معبودوں کو نہ چھوڑنا اور نہ ود اور سواع اور یغوث اور یعوق اور نسر کو چھوڑنا۔ اور انہوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا، اے اللہ تو ان ظالموں کی گمراہی اور بڑھا۔

قوم نوحؑ کی روش: حضرت نوح نبی علیہ السلام نے اپنی گزشتہ شکایتوں کے ساتھ ہی جناب باری میں اپنی قوم کے لوگوں کی اس روش کو بھی بیان کیا کہ میری پکار کو جو ان کے لئے سراسر نفع بخش تھی، انہوں نے کان تک نہ لگایا، ہاں اپنے مالداروں اور بے فکروں کی مان لی جو تیرے امر سے بالکل غافل تھے اور مال و اولاد کے پیچھے مست تھے، گو فی الواقع وہ مال و اولاد بھی ان کے لئے سراسر وبال جان تھا، کیونکہ ان کی وجہ سے وہ پھولتے تھے اور اللہ تعالیٰ کو بھولتے تھے اور زیادہ نقصان میں اترتے جاتے تھے ﴿ وَلَدُهٗ ﴾ کی دوسری قرات ﴿ وُلْدُهٗ ﴾ بھی ہے۔ اور ان رئیسوں نے جو مال و جاہ والے تھے ان سے بڑی مکاری کی۔ ﴿ كُبَّار كِبَّار ﴾ دونوں معنے میں ﴿ كَبِیْر ﴾ کے ہیں، یعنی بہت بڑا۔ قیامت کے دن بھی یہ لوگ یہی کہیں گے کہ تمہارا کام دن رات مکاری سے ہمیں کفر و شرک کا حکم کرنا تھا، اور ان بڑوں نے ان چھوٹوں سے کہا کہ اپنے ان بتوں کو جنہیں تم پوجتے رہے ہو ہرگز نہ چھوڑنا۔

قوم نوحؑ کے بت: صحیح بخاری میں ہے کہ قوم نوحؑ کے بتوں کو کفار عرب نے لے لیا دومتہ الجندل میں قبیلہ کلب ود کو پوجتے تھے۔ ہذیل قبیلہ سواع کا پرستار تھا اور قبیلہ مراد پھر قبیلہ بنو غطیف جو جرف کے رہنے والے تھے، یہ شہر سبا کے پاس ہے یغوث کی پوجا کرتا تھا۔ ہمدان قبیلہ یعوق کا پجاری تھا۔ آل ذی کلاع قبیلہ حمیر نسر بت کا ماننے والا تھا۔ یہ سب بت دراصل قوم نوح علیہ السلام کے صالح بزرگ اولیاء لوگ تھے،

ان کے انتقال کے بعد شیطان نے اس زمانے کے لوگوں کے دلوں میں یہ بات ڈالی کہ ان بزرگوں کی عبادت گاہوں میں ان کی کوئی یادگار قائم کریں۔ چنانچہ انہوں نے وہاں نشان بنا دیئے' اور ہر ہر بزرگ کے نام پر انہیں مشہور کیا' جب تک یہ لوگ زندہ رہے تب تک تو اس جگہ کی پرستش نہ ہوئی۔ لیکن ان نشانات اور یادگار قائم کرنے والے لوگوں کے مر جانے کے بعد اور علم کے اٹھ جانے کے بعد جو لوگ آئے بوجہ جہالت کے انہوں نے باقاعدہ ان جگہوں کی اور ان ناموں کی پوجاپاٹ شروع کر دی۔

شرک عقیدت سے شروع ہوا: حضرت عکرمہؒ' حضرت ضحاکؒ' حضرت قتادہؒ' حضرت ابن اسحاقؒ بھی یہی فرماتے ہیں۔ حضرت محمد بن قیسؒ فرماتے ہیں' یہ بزرگ عابد اللہ والے اولیاء اللہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے سچے تابع فرمان' صالح لوگ تھے' جن کی پیروی اور لوگ بھی کرتے تھے۔ جب یہ مر گئے تو ان کے مقتدیوں نے کہا کہ اگر ہم ان کی تصویریں بنالیں تو ہمیں عبادت میں خوب دل چسپی رہے گی اور شوق عبادت ان بزرگوں کی صورت دیکھ کر بڑھتا رہے گا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا۔ جب یہ لوگ بھی مر کھپ گئے اور ان کی نسلیں آئیں تو شیطان نے انہیں یہ گھٹی پلائی کہ تمہارے بڑے تو ان کی پوجاپاٹ کرتے تھے اور ان ہی سے دعا مانگتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اب باقاعدہ ان بزرگوں کی تصویروں کی پرستش شروع کر دی۔

حافظ ابن عساکرؒ حضرت شیث علیہ السلام کے قصہ میں بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے چالیس بچے تھے' بیس لڑکے بیس لڑکیاں ان میں سے جن کی بڑی عمریں ہوئیں ان میں ہابیل' قابیل' صالح اور عبدالرحمٰن تھے جن کا پہلا نام عبدالحارث تھا اور ود تھا جنہیں شیث اور ہبۃ اللہ بھی کہا جاتا ہے۔ تمام بھائیوں نے سرداری انہی کو دے رکھی تھی' ان کی اولاد یہ چاروں تھے' یعنی سواع یغوث' یعوق اور نسر۔ حضرت عروہ بن زبیرؒ فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلا کی بیماری کے وقت ان کی اولاد ود یغوث' یعوق' سواع اور نسر تھی۔ ود ان سب میں بڑا اور سب سے نیک سلوک تھا۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ ابو جعفر نماز پڑھ رہے تھے کہ لوگوں نے یزید بن مہلب کا ذکر کیا۔ آپ نے فارغ ہو کر فرمایا سنو! وہ وہاں قتل کیا گیا جہاں سب سے پہلے غیر اللہ کی پرستش ہوئی۔ واقعہ یہ ہوا کہ ایک دیندار ولی اللہ مسلمان جسے لوگ بہت چاہتے تھے اور بہت معتقد تھے وہ مر گیا۔ یہ لوگ مجاور بن کر اس کی قبر پر بیٹھ گئے اور رونا پیٹنا اور اسے یاد کرنا شروع کیا اور بڑے بے چین اور مصیبت زدہ ہو گے۔ ابلیس لعین نے یہ دیکھ کر انسانی صورت میں ان کے پاس آ کر ان سے کہا کہ اس بزرگ کی یادگار کیوں قائم نہیں کر لیتے؟ جو ہر وقت تمہارے سامنے رہے اور تم اسے نہ بھولو۔ سب نے اس رائے کو پسند کیا۔ ابلیس نے اس بزرگ کی تصویر بنا کر ان کے پاس کھڑی کر دی جسے دیکھ دیکھ کر یہ لوگ اسے یاد کرتے تھے اور اس کی عبادت کے تذکرے رہتے تھے۔ جب وہ سب اس میں مشغول ہو گئے تو ابلیس نے کہا کہ تم سب کو یہاں آنا پڑتا ہے اس لئے یہ بہتر ہو گا میں اس کی بہت سی تصویریں بنا دوں تم انہیں اپنے گھروں میں ہی رکھ لو' وہ اس پر بھی راضی ہو گئے اور یہ بھی ہو گیا' اب تک یہ تصویریں اور بت بہ طور یادگار کے ہی تھے مگر ان کی دوسری پشت میں جا کر براہ راست ان ہی کی عبادت ہونے لگی' اصل واقعہ سب فراموش کر گئے اور اپنے باپ دادوں کو بھی ان کی عبادت کرنے والا سمجھ کر خود بھی بت پرستی میں مشغول ہو گئے۔ ان کا نام ود تھا۔ اور یہی وہ پہلا بت تھا جس کی پوجا اللہ تعالیٰ کے سوا کی گئی۔ انہوں نے بہت مخلوق کو گمراہ کیا۔ اس وقت سے لے کر اب تک عرب و عجم میں اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کی پرستش شروع ہو گئی اور مخلوق الٰہی بہک گئی۔

چنانچہ خلیل اللہ علیہ السلام اپنی دعا میں عرض کرتے ہیں کہ اے میرے رب! مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچا۔ یا اللہ انہوں نے اکثر مخلوق کو گمراہ کر دیا ہے۔ پھر حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کے لئے بددعا کرتے ہیں کیونکہ ان کی سرکشی ضد اور عداوت حق خوب ملاحظہ فرما چکے تھے۔ تو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں گمراہی میں اور بڑھا دے' جیسے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور فرعونیوں کے لئے بددعا کی تھی کہ اے پروردگار! ان کے مال تباہ کر دے اور ان کے دل سخت کر دے انہیں ایمان لانا نصیب نہ ہو جب تک کہ دردناک

عذاب نہ دیکھ لیں۔ چنانچہ نوح علیہ السلام کی دعا قبول ہوتی ہے اور قوم نوح علیہ السلام بہ سبب اپنی تکذیب کے غرق کر دی جاتی ہے۔

مِمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا ۙ فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا ﴿٢٥﴾ وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ﴿٢٦﴾ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴿٢٧﴾ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا تَبَارًا ﴿٢٨﴾

یہ لوگ بہ سبب اپنے گناہوں کے ڈبو دیئے گئے اور جہنم میں پہنچا دیئے گئے اور اللہ تعالیٰ کے سوا اپنا کوئی مددگار انہوں نے نہ پایا۔ اور (حضرت) نوح نے کہا کہ اے میرے پالنے والے تو روئے زمین پر کسی کافر کو رہنے سہنے والا نہ چھوڑ۔ اگر تو انہیں چھوڑ دے گا تو یقیناً یہ تیرے اور بندوں کو بھی گمراہ کر دیں گے اور ان کے ہاں جو بال بچے ہوں گے وہ بھی بدکار ناشکرے ہوں گے۔ اے میرے پروردگار تو مجھے اور میرے ماں باپ اور جو بھی ایماندار ہو کر میرے گھر میں آئے اور تمام مومن مردوں اور کل ایماندار عورتوں کو بخش دے اور کافروں کو سوائے ہلاکت کے اور کسی بات میں نہ بڑھا۔

حضرت نوح کی بددعا اور عذاب: ﴿ خطیئتهم ﴾ کی دوسری قرات ﴿ خطایاهم ﴾ بھی ہے فرماتا ہے کہ اپنے گناہوں کی کثرت کی وجہ سے یہ لوگ ہلاک کر دیئے گئے۔ ان کی سرکشی ان کی ضد اور ہٹ دھرمی ان کی مخالفت و دشمنی رسول حد سے گزر گئی، تو انہیں پانی میں ڈبو دیا گیا۔ اور یہاں سے آگ کے گڑھے میں دھکیل دیئے گئے اور کوئی نہ کھڑا ہوا جو انہیں ان عذابوں سے بچا سکتا جیسے فرمان ہے ﴿ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ﴾ یعنی آج کے دن عذاب الٰہی سے کوئی نہیں بچا سکتا، صرف وہی نجات پائے گا جس پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے گا۔ نوح نبی علیہ السلام ان بدنصیبوں کی اپنے قادر و ذوالجلال اللہ تعالیٰ کی ڈیوڑھی پر اپنا ماتھا رکھ کر فریاد کرتے ہیں اور اس مالک سے ان پر آفت و عذاب نازل کرنے کی درخواست پیش کرتے ہیں کہ اب تو ان ناشکروں میں سے اللہ تعالیٰ ایک کو بھی زمین پر چلتا پھرتا نہ چھوڑ۔ اور یہی ہوا بھی کہ سارے کے سارے غرق آب کر دیئے گئے یہاں تک کہ حضرت نوح علیہ السلام کا سگا بیٹا جو باپ سے الگ رہا تھا وہ بھی نہ بچ سکا۔ سمجھا تو یہ تھا کہ پانی میرا کیا بگاڑے گا میں کسی بڑے پہاڑ پر چڑھ جاؤں گا۔ لیکن وہ پانی تو نہ تھا عذاب الٰہی تھا وہ غضب الٰہی تھا وہ تو بددعائے نوح علیہ السلام تھا اس سے بھلا کون بچا سکتا تھا؟ پانی اسے وہیں جا لیتا ہے اور وہ اپنے باپ کے سامنے باتیں کرتے کرتے ڈوب مرتا ہے۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر طوفان نوح علیہ السلام میں اللہ تعالیٰ کسی پر رحم کرتا تو اس کے لائق وہ عورت تھی جو پانی کو ابلتے اور برستے دیکھ کر اپنے بچے کو لے کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی اور پہاڑ پر چڑھ گئی تھی۔ جب پانی وہاں پر بھی جا چڑھا تو بچہ کو اٹھا کر اپنے مونڈھے پر بٹھا لیا، جب پانی وہاں بھی پہنچ گیا تو اس کو سر پر بٹھا لیا، جب پانی سر تک جا چڑھا تو اپنے بچہ کو ہاتھوں میں لے کر سر سے بلند اٹھا لیا لیکن آخر پانی وہاں تک پہنچ گیا اور ماں بیٹا ڈوب گئے پس اگر اس دن زمین کے کافروں میں سے کوئی بھی قابل رحم ہوتا تو یہ تھی مگر یہ بھی نہ بچ سکی نہ بچا سکی۔ یہ حدیث غریب ہے لیکن راوی اس کے سب ثقہ ہیں۔

الغرض روئے زمین کے کافر غرق کر دیئے گئے صرف وہ باایمان ہستیاں باقی رہیں جو حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ ان کی کشتی

میں تھیں اور بحکم الٰہی حضرت نوح علیہ السلام نے انہیں اپنے ساتھ اپنی کشتی میں سوار کر لیا تھا۔ چونکہ حضرت نوح علیہ السلام کو سخت تلخ اور دیرینہ تجربہ ہو چکا تھا اس لئے اپنی ناامیدی کو ظاہر فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے اللہ میری چاہت ہے کہ ان تمام کفار کو برباد کر دیا جائے ان میں سے جو بھی باقی بچ رہے گا وہ ہی دوسروں کی گمراہی کا باعث بنے گا اور جو نسل اس کی پھیلے گی وہ بھی اسی جیسی بدکار اور کافر دل ہوگی۔ ساتھ ہی اپنے لئے بخشش طلب کرتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ اے میرے رب! مجھے بخش' میرے والدین کو بخش اور ہر اس شخص کو جو میرے گھر میں آجائے اور ہو بھی وہ باایمان۔ گھر سے مراد مسجد بھی لی گئی ہے' لیکن عام مراد یہی ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں مومن ہی کے ساتھ اٹھ بیٹھ' رہ سہ اور صرف پرہیز گار ہی تیرا کھانا کھائیں۔ یہ حدیث ابوداؤد اور ترمذی میں بھی ہے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ صرف اسی اسناد سے یہ حدیث معروف ہے۔

پھر اپنی دعا کو عام کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تمام ایماندار مردوں اور عورتوں کو بھی بخش خواہ زندہ ہوں خواہ مردہ۔ اسی لئے مستحب ہے کہ ہر شخص اپنی دعا میں دوسرے مومنوں کو بھی شامل رکھے تاکہ حضرت نوح علیہ السلام کی اقتدا بھی ہو اور ان احادیث پر بھی عمل ہو جائے جو اس بارے میں ہیں اور وہ دعائیں بھی آجائیں جو منقول ہیں۔ پھر دعا کے خاتمے پر کہتے ہیں کہ باری تعالیٰ ان کافروں کو تو تباہی و بربادی' ہلاکت اور نقصان میں ہی بڑھاتا رہ' دنیا و آخرت میں وہ برباد ہی رہیں۔ ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ﴾ سورۂ نوح کی تفسیر بھی ختم ہوگئی۔

تفسیر سورۂ جن مکیہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ﴿۱﴾ يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ۭ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا ﴿۲﴾ وَّاَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ﴿۳﴾ وَّاَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا ﴿۴﴾ وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ﴿۵﴾ وَّاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ﴿۶﴾ وَّاَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ﴿۷﴾

اللہ رحمٰن رحیم کے نام سے شروع

(اے محمد ﷺ) تم کہہ دو کہ مجھے وحی کی گئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے قرآن سنا اور کہا کہ ہم نے عجیب قرآن سنا ہے۔ جو راہ راست سمجھاتا ہے ہم تو اس پر ایمان لا چکے' اب ہم ہرگز کسی کو بھی اپنے رب کا شریک نہ بنائیں گے۔ بے شک ہمارے رب کی بڑی شان بلند ہے نہ اس کی بیوی ہے نہ اولاد۔ یقیناً ہم میں سے بیوقوفوں نے اللہ تعالیٰ کے ذمہ جھوٹی باتیں لگا دی ہیں۔ اور ہم تو یہی سمجھتے رہے کہ ناممکن ہے کہ انسان اور جنات اللہ تعالیٰ پر جھوٹی باتیں لگائیں۔ بات یہ ہے کہ چند انسان بعض جنات سے پناہ طلب کیا کرتے تھے جس سے جنات اپنی سرکشی میں اور بڑھ گئے۔ اور انسانوں نے بھی تم جنوں کی

طرح گمان کر لیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کسی کو نہ بھیجے گا (یا کسی کو دوبارہ زندہ نہ کرے گا۔)

جنوں نے قرآن سنا: اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے رسول حضرت محمد مصطفی ﷺ سے فرماتا ہے کہ اپنی قوم کو اس واقعہ کی اطلاع دو کہ جنوں نے قرآن کریم سنا اسے سچا مانا اس پر ایمان لائے اور اس کے مطیع بن گئے۔ تو فرماتا ہے کہ اے نبی! تم کہو کہ میری طرف وحی کی گئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے قرآن کریم سنا اور اپنی قوم میں جا کر خبر کی کہ آج ہم نے عجیب وغریب کتاب سنی جو سچا اور نجات کا راستہ بتلاتی ہے۔ ہم تو اسے مان چکے' ناممکن ہے کہ اب ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کی عبادت کریں۔ یہی مضمون ان آیتوں میں گزر چکا ہے۔ ﴿ وَاِذْصَرَفْنَآ اِلَيْكَ ﴾ یعنی جب کہ ہم نے جنوں کی ایک جماعت کو تیری طرف لوٹایا تاکہ وہ قرآن سنیں الخ۔ اور اس کی تفسیر احادیث سے وہیں ہم بیان کر چکے ہیں' یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں۔ پھر یہ جنات اپنی قوم سے فرماتے ہیں کہ ہمارے رب کے کام قدرت اور امر بہت بلند و بالا بڑا ذی شان اور ذی عزت ہے' اس کی نعمتیں قدرتیں اور مخلوق پر مہربانیاں بہت باوقعت ہیں' اس کی جلالت و عظمت بلند پایہ ہے۔ اس کا جلال و اکرام بہت بڑھا چڑھا ہوا ہے' اس کا ذکر بلند رتبہ ہے اس کی شان اعلیٰ ہے۔

ایک روایت میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جد کہتے ہیں باپ کو اگر جنات کو یہ علم ہوتا کہ انسانوں میں جد ہوتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی نسبت یہ لفظ نہ کہتے۔ گو یہ قول سنداً قوی ہے لیکن کلام بنتا نہیں اور کوئی مطلب سمجھ میں نہیں آتا۔ ممکن ہے کہ اس میں کچھ کلام چھوٹ گیا ہو' واللہ اعلم۔ پھر اپنی قوم سے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے پاک اور برتر ہے کہ اس کی بیوی ہو یا اس کی اولاد ہو۔ پھر کہتے ہیں کہ ہمارا بیوقوف یعنی شیطان اللہ تعالیٰ پر جھوٹ تہمت رکھتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مراد اس سے عام ہو یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کی اولاد اور بیوی ثابت کرتا ہے بے عقل ہے جھوٹ بکتا ہے باطل عقیدہ رکھتا ہے اور ظالمانہ بات منہ سے نکالتا ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ ہم تو اسی خیال میں تھے کہ جن وانس اللہ تعالیٰ پر جھوٹ نہیں باندھ سکتے۔ لیکن قرآن سن کر معلوم ہوا کہ یہ دونوں جماعتیں رب العالمین پر تہمت رکھتی تھیں دراصل اللہ تعالیٰ کی ذات اس عیب سے پاک ہے۔ پھر کہتے ہیں کہ جنات کے زیادہ بہکنے کا سبب یہ ہوا کہ وہ دیکھتے تھے کہ جب کبھی انسان کسی جنگل یا ویرانے میں جاتے ہیں تو جنات کی پناہ طلب کیا کرتے ہیں جیسے کہ جاہلیت کے زمانہ کے عرب کی عادت تھی کہ جب کسی پڑاؤ پر اترتے تو کہتے کہ اس جنگل کے بڑے جن کی پناہ میں ہم آتے ہیں۔ اور سمجھتے تھے کہ ایسا کہہ لینے کے بعد تمام جنات کے شر سے ہم محفوظ ہو جاتے ہیں۔ جس طرح کسی شہر میں جاتے تو وہاں کے بڑے رئیس کی پناہ لے لیتے تاکہ شہر کے اور دشمن لوگ انہیں ایذا نہ پہنچائیں۔ جنوں نے جب یہ دیکھا کہ انسان بھی ہماری پناہ لیتے ہیں تو ان کی سرکشی اور بڑھ گئی اور انہوں نے اور بری طرح انسانوں کو ستانا شروع کیا اور یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ جنات نے یہ حالت دیکھ کر انسانوں کو اور خوف زدہ کرنا شروع کیا اور انہیں طرح طرح سے ستانے لگے۔ دراصل جنات انسانوں سے ڈرا کرتے تھے جیسے کہ انسان جنوں سے بلکہ اس سے بھی زیادہ یہاں تک کہ جس جنگل بیابان میں انسان جا پہنچتا تھا تو وہاں سے جنات بھاگ کھڑے ہوتے تھے۔ لیکن جب سے اہل شرک نے خود ان سے پناہ مانگنی شروع کی اور کہنے لگے کہ اس وادی کے سردار جن کی پناہ میں ہم آتے ہیں اس سے کہ ہمیں یا ہماری اولاد و مال کو ضرر پہنچے۔ اب جنوں نے سمجھا کہ یہ تو خود ہم سے ڈرتے ہیں تو ان کی جرات اور بڑھ گئی اور اب انہوں نے طرح طرح سے ڈرانا ستانا اور چھیڑنا شروع کر دیا وہ گناہ میں خوف میں اور طغیانی میں اور سرکشی میں اور بڑھ گئے۔

کردم بن ابو سائب انصاریؓ کہتے ہیں کہ میں اپنے والد کے ہمراہ مدینہ سے کسی کام کے لئے باہر نکلا اس وقت حضور اکرم ﷺ کی بعثت ہو چکی تھی اور مکہ مکرمہ میں آپ ﷺ بحیثیت پیغمبر ظاہر ہو چکے تھے رات کے وقت ہم ایک چرواہے کے پاس جنگل میں ٹھہر گئے آدھی رات کے وقت ایک بھیڑیا آیا اور بکری اٹھا کر لے بھاگا چرواہا اس کے پیچھے دوڑا اور پکار کر کہنے لگا کہ اے اس جنگل کے آباد رکھنے والے تیری پناہ میں آیا ہوا شخص لٹ گیا۔ ساتھ ہی ایک آواز آئی حالانکہ کوئی شخص نظر نہ آتا تھا کہ اے بھیڑیے اس بکری کو چھوڑ دے۔ تھوڑی دیر میں ہم نے دیکھا کہ وہی بکری بھاگی بھاگی آئی اور ریوڑ میں مل گئی اسے زخم بھی نہ آیا تھا۔ یہی بیان اس آیت میں ہے جو اللہ کے رسول ﷺ پر

مکہ میں اتری کہ بعض لوگ جنات کی پناہ مانگا کرتے تھے' ایسا ممکن ہے کہ یہ بھڑیا بن کر آنے والا بھی جن ہی ہو اور بکری کے بچے کو پکڑ لے گیا ہو اور چرواہے کی اس دہائی پر چھوڑ دیا ہو تا کہ چرواہے کو اور پھر اس کی بات سن کر اوروں کو اس بات کا یقین کامل ہو جائے کہ جنات کی پناہ میں آ جانے سے نقصانات سے محفوظ رہتے ہیں اور پھر اس عقیدے کے باعث وہ اور گمراہ ہوں اور اللہ تعالیٰ کے دین سے خارج ہو جائیں' واللہ اعلم۔ یہ مسلمان جن اپنی قوم سے کہتے ہیں کہ اے جنو! جس طرح تمہارا گمان تھا اسی طرح انسان بھی اس خیال میں تھے کہ اب اللہ تعالیٰ کسی رسول کو نہ بھیجے گا۔

وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًا ﴿۸﴾ وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ۭ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ﴿۹﴾ وَّاَنَّا لَا نَدْرِيْٓ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ﴿۱۰﴾

ہم نے آسمان کو ٹٹول کر دیکھا تو اسے سخت چوکیداروں اور سخت شعلوں سے پر پایا اس سے پہلے ہم باتیں سننے کے لئے آسمان میں جگہ جگہ بیٹھ جایا کرتے تھے۔ اب جو بھی کان لگاتا ہے وہ ایک شعلے کو اپنی تاک میں پاتا ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ زمین والوں کے ساتھ کسی برائی کا ارادہ کیا گیا ہے یا ان کے رب کا ارادہ ان کے ساتھ بھلائی کا ہے۔

جنات کا سننا بند کر دیا گیا: آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پہلے جنات آسمانوں پر جاتے کسی جگہ بیٹھتے اور کان لگا کر فرشتوں کی باتیں سنتے اور پھر آ کر کاہنوں کو خبر دیتے تھے اور کاہن ان باتوں کو بہت کچھ نمک مرچ لگا کر اور ایک میں سو جھوٹ ملا کر اپنے ماننے والوں سے کہتے۔ اب جب حضور اکرم ﷺ کو پیغمبر بنا کر بھیجا گیا۔ اور آپ ﷺ پر قرآن کریم نازل ہونا شروع ہوا تو آسمانوں پر زبردست پہرے بٹھا دیئے گئے۔ اور ان شیاطین کو پہلے کی طرح وہاں جا بیٹھنے اور باتیں اڑا لانے کا موقع نہ رہا۔ تا کہ قرآن کریم اور کاہنوں کا کلام خلط ملط نہ ہو جائے اور حق کے متلاشی کو دقت واقع نہ ہو۔ یہ مسلمان جنات اپنی قوم سے کہتے ہیں کہ پہلے تو ہم آسمان پر جا بیٹھتے تھے' مگر اب تو سخت پہرے لگے ہوئے ہیں' اور آگ کے شعلے تاک میں لگے ہوئے ہیں ایسے چھوٹ کر آتے ہیں کہ خطا ہی نہیں کرتے' جلا بھلسا دیتے ہیں۔ اب ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس سے حقیقی مراد کیا ہے اہل زمین کی کوئی برائی چاہی گئی ہے' یا ان کے ساتھ ان کے رب کا ارادہ نیکی اور بھلائی کا ہے۔ خیال کیجئے کہ یہ مسلمان جن کس قدر ادب داں تھے کہ برائی کی اسناد کے لئے کسی فاعل کا ذکر نہیں کیا' اور بھلائی کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف کی اور کہا در اصل آسمان کی چوکیداری اور اس حفاظت سے کیا مطلب ہے؟ اسے ہم نہیں جانتے۔

اسی طرح حدیث میں بھی آیا ہے کہ اے اللہ تیری طرف سے شر اور برائی نہیں۔ ستارے اس سے پہلے بھی کبھی کبھی جھڑتے تھے لیکن اس طرح کثرت سے ان کا آگ برسانا' قرآن کریم کی حفاظت وصیانت کے باعث ہوا تھا۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ناگہاں ایک ستارا جھڑا اور بڑی روشنی ہو گئی۔ تو آپ نے ہم سے دریافت فرمایا کہ پہلے اسے جھڑتا دیکھ کر تم کیا کہا کرتے تھے؟ ہم نے کہا حضور ہمارا خیال تھا کہ یا تو کسی بڑے کے تولد پر جھڑتا ہے' یا کسی بڑے کی موت پر۔ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں نہیں' بلکہ اللہ تعالیٰ جب کبھی کسی کا آسمان پر فیصلہ کرتا ہے۔ الخ۔ یہ حدیث پورے طور پر سورۂ سبا کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔

در اصل ستاروں کا بکثرت گرنا جنات کا ان سے ہلاک ہونا آسمان کی حفاظت کا بڑھ جانا ان کا آسمان کی خبروں سے محروم ہو جانا ہی اس امر کا باعث بنا کہ یہ نکل کھڑے ہوئے اور انہوں نے چاروں طرف تلاش شروع کر دی کہ کیا وجہ ہوئی جو ہمارا آسمانوں پر جانا موقوف ہو گیا۔

چنانچہ ان میں سے ایک جماعت کا گزر عرب میں ہوا اور یہاں رسول اللہ ﷺ کو صبح کی نماز میں قرآن پڑھتے ہوئے سنا اور سمجھ گئے کہ اس نبی ﷺ کی بعثت اور اس کا کلام کا نزول ہی ہماری بندش کا سبب ہے۔ پس خوش نصیب سمجھدار جن تو مسلمان ہو گئے' باقی اور جنات کو ایمان نصیب نہ ہوا۔ سورۂ احقاف کی آیت ﴿ وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ ﴾ میں اس کا پورا بیان گزر چکا ہے۔ ستاروں کا جھڑنا' آسمان کا محفوظ ہو جانا جنات ہی کے لئے نہیں بلکہ انسانوں کے لئے بھی ایک خوفناکی کی علامت تھی وہ گھبرا رہے تھے اور منتظر تھے کہ دیکھئے کیا نتیجہ ہوتا ہے' عموماً انبیاء علیہم السلام کی تشریف آوری اور دین اللہ تعالیٰ کے اظہار کے وقت ایسا ہوتا بھی تھا۔

حضرت سدیؒ فرماتے ہیں کہ شیاطین اس سے پہلے آسمانی بیٹھکوں میں بیٹھ کر فرشتوں کی آپس کی باتیں اڑالایا کرتے تھے۔ جب حضور اکرم ﷺ پیغمبر بنائے گئے تو ایک رات ان شیاطین پر بڑی شعلہ باری ہوئی جسے دیکھ کر اہل طائف گھبرا گئے کہ شاید آسمان والے ہلاک ہو گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ تابڑ توڑ ستارے ٹوٹ رہے ہیں شعلے اٹھ رہے ہیں اور دور دور تک تیزی کے ساتھ جا رہے ہیں۔ انہوں نے غلام آزاد کرنے' اپنے جانوروں کو راہ للہ چھوڑنا شروع کر دیا۔ آخر عبدیالیل بن عمرو بن عمیر نے ان سے کہا کہ اے "طائف والو! تم کیوں اپنے مال برباد کر رہے ہو؟ تم نجوم دیکھو اگر ستاروں کو اپنی اپنی جگہ پاؤ تو تو سمجھ لو کہ آسمان والے تباہ نہیں ہوئے بلکہ یہ سب کچھ انتظامات صرف ابن ابی کبشہ کے لئے ہو رہے ہیں (اور اگر تم دیکھو کہ فی الحقیقت ستارے اپنی مقررہ جگہ پر نہیں ہیں تو بے شک اہل آسمان کو ہلاک شدہ مان لو"۔) انہوں نے نجوم دیکھا تو ستارے سب اپنی اپنی مقررہ جگہ پر نظر آئے' تب انہیں چین آیا۔

شیطانوں میں ہلچل: شیاطین میں بھی بھاگ دوڑ مچ گئی یہ ابلیس کے پاس آئے' واقعہ کہہ سنایا تو ابلیس نے کہا میرے پاس ہر ہر علاقہ کی مٹی لاؤ' تو مٹی لائی گئی۔ اس نے سونگھی' اور سونگھ کر بتایا کہ اس کا باعث مکہ میں ہے۔ سات جنات نصیبین کے رہنے والے مکہ پہنچے۔ یہاں حضور علیہ السلام مسجد حرام میں نماز پڑھ رہے تھے اور قرآن کریم کی تلاوت کر رہے تھے جسے سن کر ان کے دل نرم ہو گئے۔ بہت ہی قریب ہو کر قرآن سنا پھر اس کے اثر سے مسلمان ہو گئے' اور اپنی قوم کو بھی دعوت اسلام دی۔ (قرآن مجید کے متن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب باتیں جنات حضور اکرم ﷺ سے کہہ رہے ہیں اپنی قوم سے نہیں۔ ہاں البتہ سورۂ احقاف میں جو جنوں کا ذکر ہے اس میں ان کے اپنی قوم کو اسلام کی طرف دعوت دینے کا ذکر ہے۔ اس سے اگلا مضمون بھی ملاحظہ ہو۔ واللہ اعلم۔ مص۔ الحمد اللہ ہم نے اس تمام واقعہ کو پورا پورا اپنی کتاب السیرت میں حضور اکرم ﷺ کی نبوت کے آغاز کے بیان میں لکھا ہے۔ واللہ اعلم۔

وَّاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ۭ كُنَّا طَرَاۗىِٕقَ قِدَدًا ۝ۙ۱۱ وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِي الْاَرْضِ وَلَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا ۝ۙ۱۲ وَّاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰٓى اٰمَنَّا بِهٖ ۭ فَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا ۝ۙ۱۳ وَّاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ ۭ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰۗىِٕكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ۝۱۴ وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ۝ۙ۱۵ وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَي الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّاۗءً غَدَقًا ۝ۙ۱۶ لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ۭ وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ۝ۙ۱۷

اور یہ کہ بے شک بعض تو ہم میں نیکوکار ہیں اور بعض اس کے برعکس بھی ہیں ہم مختلف فریق ہیں۔ ہمیں یقین کامل ہو گیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کو زمین میں ہرگز

عاجز نہیں کر سکتے اور نہ ہم بھاگ کر اسے ہرا سکتے ہیں۔ ہم تو ہدایت سنتے ہی اس پر ایمان لا چکے' اور جو بھی اپنے رب پر ایمان لائے گا اسے نہ کسی نقصان کا اندیشہ ہے نہ ظلم وستم کا۔ ہاں ہم میں بعض تو مسلمان ہیں اور بعض بے انصاف ہیں' پس جو مسلمان ہو گئے انہوں نے تو راہ راست کا قصد کیا۔ اور جو ظالم ہیں وہ جہنم کا ایندھن بن گئے۔ اور (اے نبی اکرم ﷺ یہ بھی کہہ دو) کہ اگر لوگ راہ راست پر سیدھے رہتے تو یقیناً ہم انہیں بہت کچھ وافر پانی پلاتے۔ تا کہ ہم اس میں انہیں آزمالیں' اور جو شخص اپنے پروردگار کے ذکر سے منہ پھیر لے گا تو اللہ تعالیٰ اسے سخت عذاب میں مبتلا کرے گا۔

جنات کا عقائد اور عملی حالت: جنات اپنی قوم کا اختلاف بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم میں نیکوکار بھی ہیں اور بدکار بھی ہیں۔ ہم مختلف راہوں پر لگے ہوئے تھے۔ حضرت اعمشؒ فرماتے ہیں کہ ایک جن ہمارے پاس آیا تھا۔ میں نے ایک مرتبہ اس سے پوچھا کہ تمام کھانوں میں سے تمہیں کونسا کھانا پسند ہے؟ اس نے کہا چاول۔ میں نے لا دیئے تو دیکھا کہ لقمہ برابر اٹھ رہا ہے لیکن کھانے والا کوئی نظر نہیں آتا۔ میں نے پوچھا جو خواہشات ہم میں ہیں کیا وہ تم میں بھی ہیں؟ اس نے کہا ہاں ہیں۔ میں نے پھر پوچھا کہ رافضی تم میں کیسے گنے جاتے ہیں؟ اس نے کہا بدترین۔ حافظ ابوالحجاج مزیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے۔

ابن عساکر میں ہے کہ حضرت عباس بن احمد دمشقیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے رات کے وقت ایک جن کو اشعار میں یہ کہتے سنا کہ "دل اللہ تعالیٰ کی محبت سے پر ہو گئے ہیں یہاں تک کہ مشرق و مغرب میں اس کی جڑیں جم گئی ہیں اور وہ حیران و پریشان ادھر ادھر اللہ تعالیٰ کی محبت میں پھر رہے ہیں جوان کا رب ہے انہوں نے مخلوق سے تعلقات کاٹ کر اپنے تعلقات اللہ تعالیٰ سے وابستہ کر لئے ہیں"۔

پھر کہتے ہیں کہ ہمیں معلوم ہو چکا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہم پر حاکم ہے ہم اس سے بھاگ کر نہ بچ سکیں گے نہ کسی اور طرح اسے عاجز کر سکیں گے' اب فخر یہ کہتے ہیں کہ "ہم تو ہدایت نامی کو سنتے ہی اس پر ایمان لا چکے"۔ فی الواقع ہے بھی یہ فخر کا مقام اس سے زیادہ شرف اور فضیلت اور کیا ہو سکتی ہے کہ رب کا کلام فوری اثر کرے۔

پھر کہتے ہیں کہ مومن کے نہ تو عمل نیک ضائع ہوں گے نہ اس پر خواہ مخواہ کی برائیاں لادی جائیں گی' جیسے اور جگہ ہے ﴿ فَلَا يَخَافُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا ﴾ یعنی نیکوکار مومن کو ظلم و نقصان کا ڈر نہیں۔ پھر کہتے ہیں کہ ہم میں بعض تو مسلمان ہیں اور بعض حق سے ہٹے ہوئے اور عدل کو چھوڑے ہوئے ہیں۔ مسلمان نجات کے متلاشی ہیں اور ظالم جہنم کی لکڑیاں اور ایندھن ہیں۔ اس کے بعد کی آیت ﴿ وَاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا ﴾ کے دو مطلب بیان کئے گئے ہیں۔ ایک تو یہ کہ اگر تمام لوگ اسلام پر اور راہ راست پر اور اطاعت الٰہی پر جم جاتے تو ان پر بہ کثرت بارشیں برساتے اور خوب وسعت سے روزیاں دیتے' جیسے اور جگہ ہے ﴿ وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰةَ ﴾ یعنی اگر یہ توراۃ و انجیل اور آسمانی کتابوں پر سیدھے اترتے تو انہیں آسمان و زمین سے روزیاں ملتیں۔

اور فرمان ہے ﴿ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ﴾ یعنی اگر بستی والے ایمان لے آتے اور اس طرح متقی بن جاتے تو ہم ان پر آسمان و زمین کی برکتیں کھول دیتے' یہ اس لئے کہ ان کی پختہ جانچ ہو جائے کہ ہدایت پر کون جما رہتا ہے اور کون پھر سے گمراہی کی طرف لوٹ جاتا ہے"۔

حضرت مقاتلؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت کفار قریش کے بارے میں اتری ہے جب کہ ان پر سات سال کا قحط پڑا تھا۔ دوسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر یہ سب کے سب گمراہی پر جم جاتے تو ان پر رزق کے دروازے کھول دیئے جاتے' تاکہ یہ خوب مست ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ کو بھول جائیں' اور بدترین سزاؤں کے قابل ہو جائیں جیسے فرمان باری ہے ﴿ فَلَمَّا نَسُوْا ﴾ یعنی جب وہ نصیحتیں بھلا بیٹھے تو ہم نے بھی ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے جس سے وہ مست ہو گئے اور ناگہاں ہم نے انہیں پکڑ لیا' اور پھر وہ مایوس ہو گئے' اسی طرح کی آیت ﴿ اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ ﴾ بھی ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ جو بھی اپنے رب کے ذکر سے بے پرواہی برتے گا اس کا رب اسے دردناک سخت اور مہلک عذابوں میں مبتلا کرے گا۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ﴿ صعد ﴾ جہنم کے ایک کنوئیں کا نام ہے۔

وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ﴿۱۸﴾ وَّاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ﴿۱۹﴾ قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۰﴾ قُلْ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ﴿۲۱﴾ قُلْ اِنِّيْ لَنْ يُّجِيْرَنِيْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۙ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿۲۲﴾ اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلٰتِهٖ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ﴿۲۳﴾ حَتّٰٓي اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّاَقَلُّ عَدَدًا ﴿۲۴﴾

اور یہ کہ مسجدیں صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہیں پس اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو۔ اور جب اللہ تعالیٰ کا بندہ اس کی عبادت کے لئے کھڑا ہوا تو قریب تھا کہ وہ بھیڑ کی بھیڑ بن کر اس پر جھک پڑیں۔ تو کہہ دے کہ میں تو صرف اپنے رب ہی کو پکارتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔ کہہ دے کہ مجھے تمہارے کسی نقصان نفع کا اختیار نہیں۔ کہہ دے کہ مجھے ہرگز ہرگز کوئی اس سے بچا نہیں سکتا' اور میں ہرگز اس کے سوا کوئی جائے پناہ بھی پا نہیں سکتا۔ میں تو صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہنچا دیتا ہوں اور اس کا پیغام سنا دیتا ہوں اب جو بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی نہ مانے گا اس کے لئے جہنم کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔ (ان کی آنکھ نہ کھلے گی) یہاں تک کہ اسے دیکھ لیں جس کا ان کو وعدہ دیا جاتا ہے پس عنقریب جان لیں گے کہ کس کا مددگار کمزور اور کس کی جماعت کم ہے۔

صرف اللہ کو پکارو: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو حکم دیتا ہے کہ اس کی عبادت کی جگہوں کو شرک سے پاک رکھیں' وہاں کسی دوسرے کا نام نہ پکاریں' نہ کسی اور کو اللہ تعالیٰ کی عبادت واطاعت میں شریک کریں۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ یہود ونصاریٰ اپنے گرجوں اور کنیسوں میں جا کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ اوروں کو بھی شریک کرتے تھے تو اس امت کو حکم ہو رہا ہے کہ وہ ایسا نہ کریں بلکہ نبی کریم ﷺ بھی اور امت بھی سب توحید والے رہیں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس آیت کے نزول کے وقت صرف مسجد اقصیٰ اور مسجد حرام تھیں۔ حضرت اعمشؒ نے اس آیت کی تفسیر یہ بھی بیان کی ہے کہ جنات نے حضور علیہ السلام سے اجازت چاہی کہ آپ ﷺ کی مسجد میں اور انسانوں کے ساتھ نماز ادا کریں۔ تو گویا ان سے کہا جا رہا ہے کہ نماز پڑھو لیکن انسانوں کے ساتھ خلط ملط نہ ہو۔ حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ جنوں نے حضور اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ ہم تو دور دراز رہتے ہیں نمازوں میں آپ ﷺ کی مسجد میں کیسے پہنچ سکیں گے؟ تو انہیں کہا جاتا ہے کہ مقصود نماز کا ادا کرنا اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت بجا لانا ہے خواہ کہیں ہو۔ حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت عام ہے اور تمام مساجد کو شامل ہے۔

حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اعضائے سجدہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے یعنی جن اعضاء پر تم سجدہ کرتے ہو وہ سب اللہ تعالیٰ ہی کے ہیں' پس تم پر ان اعضاء سے دوسرے کے لئے سجدہ کرنا حرام ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ مجھے سات ہڈیوں پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ پیشانی اور ہاتھ کے اشارے سے ناک کو بھی اس میں شامل کر لیا اور دونوں ہاتھ دونوں گھٹنے اور دونوں پنجے۔ آیت ﴿لَمَّا قَامَ﴾ کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ جنات نے جب حضور اکرم ﷺ کی زبانی تلاوت قرآن سنی تو اس طرح آگے بڑھ بڑھ کر جھکنے لگے کہ گویا ایک دوسرے کے سروں پر چڑھے چلے جاتے ہیں' دوسرا مطلب یہ ہے کہ جنات اپنی قوم سے کہہ رہے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کے

اصحاب رضی اللہ عنہم کی اطاعت وچاہت کی حالت یہ ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ نماز کو کھڑے ہوتے ہیں اور اصحاب رضی اللہ عنہم پیچھے ہوتے ہیں تو برابر اطاعت واقتداء میں آخر تک مشغول رہتے ہیں گویا ایک حلقہ ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ لوگوں میں اللہ تعالیٰ کی توحید کا اعلان کرتے ہیں تو کافر لوگ دانت چباچبا کر الجھ جاتے ہیں۔ جنات وانسان مل جاتے ہیں گو اس امر دین کو مٹادیں اور اس کی روشنی کو چھپالیں مگر اللہ تعالیٰ کا ارادہ اس کے خلاف ہو چکا ہے۔ یہ تیسرا قول ہی زیادہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کیوں کہ اس کے بعد ہی ہے کہ میں تو صرف اپنے رب کا نام پکارتا ہوں اور کسی اور کی عبادت نہیں کرتا' یعنی جب دعوت حق اور توحید کی آواز ان کے کان میں پڑی جو مدتوں سے غیر مانوس ہو چکی تھی تو ان کفار نے ایذا رسانی مخالفت اور تکذیب پر کمر باندھ لی اور حق کو مٹا دینا چاہا اور رسول اللہ ﷺ کی عداوت پر اجماع کر کیا اس وقت ان سے رسول اللہ ﷺ نے کہا کہ میں تو اپنے پالنے والے وحدہ لاشریک لہ کی عبادت میں مشغول رہوں گا' میں اسی کی پناہ میں ہوں اسی پر میرا توکل ہے وہی میرا اسہارا ہے۔ مجھ سے یہ توقع ہرگز نہ رکھو کہ میں کسی اور کے سامنے جھکوں یا اس کی پرستش کروں' میں تم جیسا انسان ہوں تمہارے نفع نقصان کا مالک نہیں ہوں' میں تو اللہ تعالیٰ کا ایک غلام ہوں' اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے ایک بندہ ہوں تمہاری ہدایت وضلالت کا مختار ومالک نہیں' سب چیزیں اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہیں میں تو صرف پیغام رساں ہوں' اگر میں خود بھی اللہ تعالیٰ کی معصیت کروں تو اللہ تعالیٰ مجھے ضرور عذاب دے گا اور کسی سے نہ ہو سکے گا کہ مجھے بچالے' مجھے کوئی پناہ کی جگہ اس کے سوا نظر ہی نہیں آتی' میری حیثیت صرف مبلغ اور رسول کی ہے۔

بعض تو کہتے ہیں کہ ﴿ اِلَّا ﴾ کا استثنا ﴿ لَآ اَمْلِكُ ﴾ سے ہے' یعنی میں نفع نقصان اور ہدایت وضلالت کا مالک نہیں' میں تو صرف تبلیغ کرنے والا' پیغام پہنچانے والا ہوں' اور ہو سکتا ہے کہ (لَنْ یُّجِیْرَنِیْ) سے یہ استثنا ہو۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے عذابوں سے مجھے صرف میری رسالت کی ادائیگی ہی بچا سکتی ہے' جیسے اور جگہ ہے ﴿ یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ﴾ الخ۔ یعنی "اے رسول (ﷺ) ! تیری طرف جو تیرے رب کی طرف سے اتارا گیا ہے اسے پہنچادے اور اگر تو نے یہ نہ کیا تو تو نے حق رسالت ادا نہیں کیا' اللہ تعالیٰ تجھے لوگوں سے بچالے گا"۔ نافرمانوں کے لئے ہمیشگی والی جہنم کی آگ ہے جس میں سے نہ وہ نکل سکیں گے اور نہ بھاگ سکیں گے۔ جب یہ مشرکین جن وانس قیامت والے دن ڈراؤنے عذابوں کو دیکھ لیں گے اس وقت معلوم ہو جائے گا کہ کمزور مددگاروں والا اور بے وقعت گنتی والا کون ہے؟ یعنی مومن موحد یا مشرک' حقیقت یہ ہے کہ مشرکوں کا برائے نام بھی کوئی مدد کرنے والا اس دن نہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ کے لشکروں کے مقابلہ پر ان کی گنتی بھی گویا نہ ہوگی۔

قُلْ اِنْ اَدْرِیْۤ اَقَرِیْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ یَجْعَلُ لَهٗ رَبِّیْۤ اَمَدًا ﴿۲۵﴾ عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ یَسْلُكُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ﴿۲۷﴾ لِّیَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَیْهِمْ وَاَحْصٰی كُلَّ شَیْءٍ عَدَدًا ﴿۲۸﴾

کہہ دے کہ مجھے نہیں معلوم کہ جس کا وعدہ تم سے کیا جاتا ہے وہ قریب ہے یا میرا رب اس کے لئے دور کی مدت مقرر کرے۔ وہ غیب کا جاننے والا ہے اور اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا۔ سوائے اس پیغمبر کے جسے وہ پسند کر لے لیکن اس کے بھی آگے پیچھے پہرے دار مقرر کر دیتا ہے۔ تاکہ ان کے اپنے رب کے پیغام پہنچا دینے کا علم ہو جائے اللہ تعالیٰ نے ان کے آس پاس کی تمام چیزوں کا احاطہ کر رکھا ہے اور ہر چیز کی گنتی کا شمار کر رکھا ہے۔

کیا آنحضرت ﷺ غیب جانتے تھے: اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو حکم دیتا ہے کہ لوگوں سے کہدیں کہ قیامت کب ہو گی اس کا علم مجھے نہیں بلکہ میں یہ بھی نہیں جانتا کہ اس کا وقت قریب ہے یا دور ہے اور لمبی مدت کے بعد آنے والی ہے۔

(فائدہ) اس آیۃ کریمہ میں دلیل ہے اس امر کی کہ اکثر جاہلوں میں جو مشہور ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام زمین کے اندر کی چیزوں کا علم رکھتے ہیں وہ بالکل غلط ہے اس روایت کی کوئی اصل نہیں محض جھوٹ ہے اور بالکل بے اصل روایت ہے ہم نے تو اسے کسی کتاب میں نہیں پایا۔ ہاں اس کے خلاف صاف ثابت ہے۔ حضور اکرم ﷺ سے قیامت کے قائم ہونے کا وقت پوچھا جاتا تھا اور آپ ﷺ اس کے معین وقت سے اپنی لاعلمی ظاہر کرتے تھے' اعرابی کی صورت میں حضرت جبرائیل علیہ السلام نے بھی آ کر جب قیامت کے بارے میں سوال کیا تھا تو آپ نے صاف فرما دیا تھا کہ اس کا علم نہ پوچھنے والے کو ہے اور نہ اسے ہے جس سے پوچھا جاتا ہے۔

پیغمبرؑ کے علم غیب کی نفی: ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک دیہات کے رہنے والے نے باآواز بلند آپ سے دریافت کیا کہ حضور (ﷺ) ! قیامت کب آئے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا وہ آئے گی ضرور اور بتا کہ تو نے اس کے لئے کیا تیاری کر رکھی ہے؟ اس نے کہا میرے پاس روزے نماز کی کثرت تو نہیں البتہ اللہ تعالیٰ و رسول ﷺ کی محبت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا پھر تو اس کے ساتھ ہو گا جس سے تجھے محبت ہے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ مسلمان کسی حدیث سے اس قدر خوش نہیں ہوئے جتنے اس حدیث سے ہوئے۔ اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ قیامت کا ٹھیک وقت آپ ﷺ کو معلوم نہ تھا۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا اے لوگو اگر تم کو کچھ علم ہے تو اپنے آپ کو مردوں میں شمار کیا کرو اللہ تعالیٰ کی قسم جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ یقیناً ایک وقت آنے والی ہے۔ یہاں بھی آپ ﷺ اس کا کوئی مقررہ وقت نہیں بتلاتے۔ ابوداؤد میں کتاب الملاحم کے آخر میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس امت کو کیا عجب ہے کہ آدھے دن تک کی مہلت دے دے۔ ایک اور روایت میں اتنا اور بھی ہے کہ حضرت سعدؓ سے پوچھا گیا کہ آدھے دن سے کیا مراد ہے؟ فرمایا پانچ سو سال۔ پھر فرماتا ہے اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا مگر رسولوں میں سے جسے چن لے اس کو مطلع کر دیتا ہے۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ﴾ یعنی اس کے علم میں سے کسی چیز کو نہیں گھیر سکتے (یعنی معلوم کر سکتے) مگر جو اللہ تعالیٰ چاہے' یعنی رسول اللہ ﷺ خواہ انسانوں میں سے ہوں خواہ فرشتوں میں سے ہوں جسے اللہ تعالیٰ جتنا چاہتا ہے بتلا دیتا ہے بس وہ اتنا ہی جانتے ہیں۔

فائدہ: پھر اس کی مزید تخصیص یہ ہوتی ہے کہ اس کی حفاظت اور ساتھ ہی اس علم کی اشاعت کے لئے جو اللہ تعالیٰ نے اسے دیا ہے اس کے آس پاس ہر وقت نگہبان فرشتے مقرر رہتے ہیں۔ ﴿لِيَعْلَمَ﴾ کی ضمیر بعض نے تو کہا ہے کہ نبی ﷺ کی طرف ہے' یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام کے آگے پیچھے چار چار فرشتے ہوتے تھے تاکہ حضور اکرم ﷺ کو یقین آ جائے کہ انہوں نے اپنے رب کا پیغام صحیح طور پر مجھے پہنچایا ہے۔

اور بعض کہتے ہیں کہ مرجع ضمیر کا اہل شرک ہے' یعنی باری باری آنے والے فرشتے نبی اللہ ﷺ کی حفاظت کرتے ہیں شیطان سے اور اس کی ذریات سے تاکہ اہل شرک جان لیں کہ رسولوں نے رسالت الٰہی ادا کر دی ہے' یعنی رسولوں کے جھٹلانے والے بھی رسولوں کی رسالت کو جان لیں مگر اس میں ذرا نظر ہے۔ یعقوب کی قراءت پیش کے ساتھ ہے یعنی لوگ جان لیں کہ رسولوں نے تبلیغ کر دی' اور ممکن ہے کہ یہ مطلب ہو کہ اللہ تعالیٰ جان لے یعنی وہ اپنے رسولوں کی اپنے فرشتے بھیج کر حفاظت کرتا ہے تاکہ وہ رسالت ادا کر سکیں اور وحی الٰہی محفوظ رکھ سکیں' اور اللہ جان لے کہ انہوں نے رسالت کر دی' جیسے فرمایا ﴿وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنتَ عَلَيْهَا﴾ یعنی جس قبلہ پر تو تھا اسے ہم نے صرف اس لئے مقرر کیا تھا کہ ہم رسول کے سچے تابعداروں اور مرتدوں کو جان لیں۔ اور جگہ ہے ﴿وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا﴾ الخ۔ یعنی اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو اور منافقوں کو برابر جان کر رہے گا' (کہ مومن کون ہیں اور منافق کون ہیں؟) اور بھی اس قسم کی

آیتیں ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پہلے ہی سے جانتا ہے لیکن اسے ظاہر کر کے بھی جان لیتا ہے اسی لئے یہاں اس کے بعد ہی فرمایا کہ ہر چیز اور سب کی گنتی اللہ تعالیٰ کے علم کے احاطے میں ہے۔

﴿الْحَمْدُ لِلّٰه﴾ سورۂ جن کی تفسیر بھی ختم ہوئی۔

تفسیر سورۂ مزمل مکیہ

سورۃ کا شانِ نزول: بزار میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ قریش دارالندوہ میں جمع ہو کر آپس میں کہنے لگے کہ آؤ مل کر آں حضرت ﷺ کا ایک ایسا نام تجویز کریں کہ سب کی زبان سے وہی نکلے تا کہ باہر کے لوگ ایک ہی آواز سن کر جائیں۔ تو بعضوں نے کہا ان کا نام کاہن رکھو۔ اس پر اوروں نے کہا کہ در حقیقت وہ کاہن تو نہیں۔ کہا اچھا پھر ان کا نام مجنون رکھو۔ اس پر بھی اوروں نے کہا کہ وہ مجنون بھی نہیں۔ پھر بعضوں نے کہا ساحر نام رکھو۔ اس پر اور لوگوں نے کہا کہ وہ ساحر یعنی جادوگر بھی نہیں ہیں غرض وہ کوئی ایسا برا نام تجویز نہ کر سکے جس پر سب کا اتفاق ہو اور یہ مجمع یوں ہی اٹھ کھڑا ہوا۔ آں حضرت ﷺ یہ خبر سن کر منہ لپیٹ کر کپڑا اوڑھ کر لیٹ رہے جبرئیل علیہ السلام آیت لائے اور اسی طرح یعنی اے کپڑا لپیٹ کر اوڑھنے والے کہہ کر آپ ﷺ کو مخاطب کیا۔ اس روایت کے ایک راوی معلی بن عبدالرحمن سے گو اہل علم کی جماعت روایت لیتی ہے اور وہ اس سے حدیثیں نقل کرتے ہیں لیکن ان کی روایتوں میں بہت سی ایسی حدیثیں بھی ہیں جن پر ان کی متابعت نہیں کی جاتی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝۱ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝۲ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۝۳ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۝۴ اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ۝۵ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْـًٔا وَّاَقْوَمُ قِيْلًا ۝۶ اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا ۝۷ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ۝۸ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ۝۹

اللہ تعالیٰ بہت بڑے بخشنے والے اور بہت زیادہ رحم کرنے والے کے نام سے شروع۔

اے جھرمٹ مار کر کپڑا اوڑھنے والے۔ رات کو تہجد پڑھا کر مگر تھوڑی رات۔ آدھی رات یا اس سے بھی کچھ کم کر لے یا اس پر بڑھا دے اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر صاف پڑھا کر۔ یقیناً ہم تجھ پر بہت بھاری بات عنقریب نازل کریں گے۔ بے شک رات کا اٹھنا نفس کو خوب کچل دیتا ہے اور بات کو بہت درست کر دیتا ہے۔ یقیناً تجھے دن میں بہت شغل رہتا ہے۔ تو اپنے رب کے نام کا ذکر کیا کر اور تمام خلائق سے کٹ کر اس کی طرف متوجہ ہو جا۔ مشرق و مغرب کا پروردگار جس کے سوا کوئی معبود نہیں تو اسی کو اپنا کارساز بنا لے۔

پیغمبرؐ کو نمازِ تہجد کا حکم: اللہ تعالیٰ اپنے نبی اکرم ﷺ کو حکم دیتا ہے کہ راتوں کے وقت کپڑے لپیٹ کر سو رہنے کو چھوڑ دیں اور تہجد کی نماز کے قیام کو اختیار کر لیں۔ جیسے فرمان ہے۔ ﴿ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ ﴾ ان کی کروٹیں بستروں سے الگ ہوتی ہیں اور اپنے رب کو خوف اور لالچ سے پکارتے ہیں اور ہمارے دیئے ہوئے میں سے دیتے رہتے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ پوری عمر اس حکم کی بجا آواری کرتے رہے تہجد کی نماز صرف آپ پر واجب تھی یعنی امت پر واجب نہیں ہے جیسے اور جگہ ہے۔ ﴿ وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ

نَافِلَةً لَّکَ ﴾ راتوں کو تہجد پڑھا کر، یہ حکم نفل کے طور پر صرف تجھے ہے تیرا رب تجھے مقام محمود میں پہنچانے والا ہے۔ یہاں اس حکم کے ساتھ ہی مقدار بھی بیان فرما دی کہ آدھی رات یا کچھ کم و بیش۔ مزمل کے معنی سونے والے اور کپڑا لپیٹنے والے کے ہیں۔ اس وقت حضور اکرم ﷺ اپنی چادر اوڑھے لیٹے ہوئے تھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اے قرآن کے اچھی طرح لینے والے تو آدھی رات تک تہجد میں مشغول رہا کر، یا کچھ بڑھا گھٹا دیا کر اور قرآن کریم کو آہستہ آہستہ ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کر تاکہ خوب سمجھتا جائے۔ اس حکم کے بھی حضور اکرم ﷺ عامل تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کا بیان ہے کہ آپ ﷺ قرآن کریم کو ترتیل کے ساتھ پڑھتے تھے جس سے بڑی دیر میں سورت ختم ہوتی تھی۔ گویا چھوٹی سی سورت بڑی سے بڑی ہو جاتی تھی۔

حضور کی تہجد کا تفصیلی: صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت انسؓ سے رسول اللہ ﷺ کی قراءت کا وصف پوچھا جاتا تھا تو آپؓ فرماتے تھے کہ خوب مد کھینچ کر کے حضور اکرم ﷺ پڑھا کرتے تھے۔ پھر ﴿ **بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ** ﴾ پڑھ کر سنائی جس میں لفظ اللہ پر لفظ رحمٰن پر لفظ رحیم پر مد کیا ابن جریج میں ہے کہ ہر ہر آیت پر آپ ﷺ پورا وقف فرمایا کرتے تھے۔ جیسے ﴿ **بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ** ﴾ پڑھ کر وقف کرتے ﴿ **اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ** ﴾ پڑھ کر وقف کرتے ﴿ **الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ** ﴾ پڑھ کر وقف کرتے ﴿ **مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ** ﴾ پڑھ کر ٹھہرتے۔ یہ حدیث مسند احمد، ابوداؤد اور ترمذی میں بھی ہے۔ مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ قرآن کے قاری سے قیامت کے دن کہا جائے گا۔ کہ "پڑھتا جا اور چڑھتا جا اور ترتیل سے پڑھ جیسے دنیا میں ترتیل سے پڑھا کرتا تھا، تیرا درجہ وہ ہے جہاں تیری آخری آیت ختم ہو"۔ یہ حدیث ابوداؤد، ترمذی اور نسائی میں بھی ہے اور امام ترمذیؒ اسے حسن صحیح کہتے ہیں، ہم نے اس تفسیر کے شروع میں وہ احادیث وارد کر دی ہیں جو ترتیل کے مستحب ہونے اور اچھی آواز سے قرآن پڑھنے پر دلالت کرتی ہیں۔ جیسے وہ حدیث جس میں ہے کہ قرآن کو اپنی آوازوں سے مزین کرو، اور وہ شخص ہم میں سے نہیں (مسلمان نہیں) جو خوش آوازی سے قرآن نہ پڑھے، اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی نسبت حضور اکرم ﷺ کا یہ فرمانا کہ اسے آل داؤد کی خوش آوازی عطا کی گئی ہے اور حضرت ابو موسیٰؓ کا فرمانا اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ ﷺ سن رہے ہیں تو میں اور اچھے گلے سے زیادہ عمدگی کے ساتھ پڑھتا۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا یہ فرمان کہ ریت کی طرح قرآن کو نہ پھیلاؤ اور شعروں کی طرح قرآن کو بے تہذیبی سے نہ پڑھو، اس کے عجائب پر غور کرو اور دلوں میں اثر لیتے جاؤ اور اس کے پیچھے نہ پڑ جاؤ کہ جلد سورت ختم ہو (بغوی)۔

ایک شخص نے آ کر حضرت ابن مسعودؓ سے کہا کہ میں نے مفصل کی تمام سورتیں آج کی رات ایک ہی رکعت میں پڑھ ڈالیں۔ آپ نے فرمایا کہ پھر تو تو نے شعروں کی طرح جلدی جلدی پڑھا ہوگا۔ مجھے وہ برابر برابر کی سورتیں خوب یاد ہیں جنہیں رسول کریم ﷺ ملا کر پڑھا کرتے تھے۔ پھر مفصل سورتوں میں سے بیس سورتوں کے نام لئے کہ ان میں سے دو دو سورتیں حضور ﷺ ایک ایک رکعت میں پڑھا کرتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم تجھ پر عنقریب بھاری بوجھل بات اتاریں گے، یعنی عمل میں ثقیل ہوگی اور اترتے وقت بوجہ اپنی عظمت کے گراں قدر ہوگی۔ حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ پر وحی اتری، اس وقت آپ ﷺ کا گھٹنا میرے گھٹنے پر تھا۔ وحی کا اتنا بوجھ پڑا کہ میں تو ڈرنے لگا کہ میری ران کہیں ٹوٹ نہ جائے۔

مسند احمد میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ وحی کا احساس بھی آپ ﷺ کو ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا میں ایسی آواز سنتا ہوں جیسے کسی زنجیر کے بجنے کی آواز ہو، میں چپکا ہو جاتا ہوں جب بھی وحی نازل ہوتی ہے مجھ پر اتنا بوجھ پڑتا ہے کہ میں سمجھتا ہوں میری جان نکل جائے گی۔ صحیح بخاری کے شروع میں ہے کہ حضرت حارثؓ بن ہشام پوچھتے ہیں، یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ کے پاس وحی کس طرح آتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کبھی تو گھنٹی کی آواز کی طرح ہوتی ہے جو مجھ پر بہت بھاری پڑتی ہے اور جب وہ گن گناہٹ کی آواز ختم ہو جاتی ہے تو اس دوران میں جو کچھ کہا گیا تھا وہ مجھے خوب محفوظ ہو جاتا ہے اور کبھی فرشتہ

انسانی صورت میں میرے پاس آتا ہے اور مجھ سے کلام کرتا ہے اور میں یاد کر لیتا ہوں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے دیکھا ہے کہ سخت جاڑے والے دن میں بھی جب آپ ﷺ پر وحی اتر چکتی تو آپ ﷺ کی پیشانی مبارک سے پسینے کے قطرے ٹپکنے لگتے۔ مسند احمد میں ہے کہ کبھی اونٹنی پر حضور اکرم ﷺ سوار ہوتے اور اسی حالت میں وحی آتی تو اونٹنی جھک جاتی۔ ابن جریر میں یہ بھی ہے کہ پھر جب تک وحی ختم نہ ہو لیتی اونٹنی سے قدم نہ اٹھایا جاتا اور نہ اس کی گردن اونچی ہوتی۔ مطلب یہ ہے کہ خود وحی کا اترنا بھی اہم اور بوجھل تھا پھر احکام کا بجالانا اور ان کا عامل ہونا بھی ایسا ہی تھا۔ یہی قول حضرت امام ابن جریرؒ کا ہے۔ حضرت عبدالرحمنؒ سے منقول ہے کہ جس طرح دنیا میں یہ ثقیل کام ہے اسی طرح آخرت میں اجر بھی بھاری ملے گا۔ پھر فرماتا ہے کہ رات کا اٹھنا نفس کو زیر کرنے کے لئے اور زبان کو درست کرنے کے لئے اکسیر ہے۔ نشأ کے معنی حبشی زبان میں قیام کرنے کے ہیں، رات بھر میں جب اٹھے اسے ﴿ نَاشِئَةَ الَّيْلِ ﴾ کہتے ہیں۔

تہجد کے فوائد: تہجد کی نماز کی خوبی یہ ہے کہ دل اور زبان ایک ہو جاتا ہے اور تلاوت کے جو الفاظ زبان سے نکلتے ہیں دل میں گڑ جاتے ہیں اور بہ نسبت دن کے رات کی تنہائی میں معنی مطلب خوب ذہن نشین ہو تا جاتا ہے کیوں کہ دن بھیڑ بھڑ کے کا شور غل کا کمائی دھندے کا وقت ہوتا ہے۔ حضرت انسؓ نے ﴿ اَقْوَمُ قِيْلًا ﴾ کو ﴿ اَصْوَبُ قِيْلًا ﴾ پڑھا تو لوگوں نے کہا ہم تو ﴿ اقوم ﴾ پڑھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ﴿ اَقْوَمُ، اَصْوَبُ، اَهْيَاءُ ﴾ اور ان جیسے سب الفاظ ہم معنی ہیں۔ پھر فرماتا ہے دن میں تجھے بہت فراغت ہے، نیند کر سکتے ہو، سو اور بیٹھ سکتے ہو، راحت حاصل کر سکتے ہو، نوافل بکثرت ادا کر سکتے ہو، اپنے دنیوی کام کاج پورے کر سکتے ہو۔ پھر رات کو آخرت کے کام کے لئے خاص کر لو۔ اس بنا پر یہ حکم اس وقت تھا جب رات کی نماز فرض تھی۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے بندوں پر احسان کیا اور بطور تخفیف کے اس میں کمی کر دی، اور فرمایا تھوڑی سی رات قیام کیا کرو۔ اس فرمان کے بعد حضرت عبدالرحمنؒ بن زید بن اسلم نے ﴿ اِنَّ رَبَّكَ ﴾ سے ﴿ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ﴾ تک پڑھا، اور آیت ﴿ وَمِنَ الَّيْلِ ﴾ کی بھی تلاوت کی۔ آپ کا یہ قول ہے بھی ٹھیک۔

مسند احمد میں ہے کہ حضرت سعید ابن ہشامؒ نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور مدینہ کی طرف چلے تاکہ وہاں کے اپنے مکانات بیچ ڈالیں اور ان کی قیمت سے ہتھیار وغیرہ خرید کر جہاد میں جائیں اور رومیوں سے لڑتے رہیں۔ یہاں تک کہ یا تو روم فتح ہو یا شہادت نصیب ہو۔ مدینہ میں اپنی قوم والوں سے ملے اور اپنا ارادہ ظاہر کیا تو انہوں نے کہا، سنو رسول اللہ ﷺ کی حیات میں آپ ہی کی قوم میں سے چھ شخصوں نے یہی ارادہ کیا تھا کہ عورتوں کو طلاق دے دیں مکانات وغیرہ بیچ ڈالیں اور راہ اللہ میں کھڑے ہو جائیں۔ حضور اکرم ﷺ کو جب یہ معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ جس طرح میں کرتا ہوں اس طرح کرنے میں تمہارے لئے اچھائی نہیں ہے؟ خبردار ایسا نہ کرنا اپنے ارادہ سے باز آجاؤ۔ یہ حدیث سن کر حضرت سعید نے بھی اپنا ارادہ ترک کر دیا اور وہیں اسی جماعت سے کہا کہ تم گواہ رہنا کہ میں نے اپنی بیوی سے رجوع کر لیا۔ اب حضرت سعیدؒ چلے گئے پھر جب اس جماعت سے ملاقات ہوئی تو کہا کہ یہاں سے جانے کے بعد میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس گیا اور ان سے آں حضرت ﷺ کے وتر پڑھنے کی کیفیت دریافت کی تو انہوں نے کہا کہ اس مسئلہ کو سب سے زیادہ بہتر طور پر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بتلا سکتی ہیں تم وہیں جاؤ اور ان ہی سے دریافت کرو اور ان سے جو سنو وہ ذرا مجھ سے کہہ جانا۔ میں حضرت حکیم بن افلحؒ کے پاس گیا اور ان سے میں نے کہا کہ تم مجھے ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں لے چلو۔ انہوں نے فرمایا کہ میں وہاں نہیں جاؤں گا اس لئے کہ میں نے انہیں مشورہ دیا کہ ان دونوں آپس میں لڑنے والی جماعتوں یعنی حضرت علیؓ اور ان کے مقابلوں کے بارے میں آپ کچھ دخل نہ دیجئے۔ لیکن انہوں نے نہ مانا اور دخل دیا۔ میں نے انہیں قسم دی اور کہا کہ نہیں آپ مجھے ضرور وہاں لے چلئے۔ خیر بہ مشکل تمام وہ راضی ہو گئے اور میں ان کے ساتھ گیا۔ ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت حکیمؒ کی آواز پہچان لی اور فرمایا کیا حکیم ہے؟ جواب دیا گیا کہ ہاں حضور میں حکیم بن افلح ہوں۔ پوچھا تمہارے ساتھ کون ہیں؟ کہا سعید بن ہشامؒ۔ پوچھا

ہشام کون؟ عامر کے لڑکے؟ کہاہاں عامر کے لڑکے۔ تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہانے حضرت عامرؓ کے لئے دعائے رحمت کی اور فرمایا عامر بہت اچھے آدمی تھے اللہ تعالیٰ ان پر رحم کرے۔ میں نے عرض کیا' ام المومنین! مجھے بتلائیے کہ رسول اللہ ﷺ کے اخلاق مبارک کیا تھے؟ آپ نے فرمایا کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟ میں نے کہا کیوں نہیں۔ فرمایا بس حضور اکرم ﷺ کا خلق قرآن تھا۔ اب میں نے اجازت مانگنے کا قصد کیا' لیکن فوراً ہی یاد آگیا کہ رسول اللہ ﷺ کی رات کی نماز کا حال بھی دریافت کرلوں۔ اس سوال کے جواب میں انہوں نے فرمایا کیا تم نے سورۂ مزمل نہیں پڑھی؟ میں نے کہا' ہاں پڑھی ہے۔ فرمایا سنو' اس سورت کے اول حصے میں قیام لیل فرض ہوا اور سال بھر تک حضور اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم تہجد کی نماز بطور فرضیت کے ادا کرتے رہے یہاں تک کہ قدموں پر ورم آ گیا۔ بارہ ماہ کے بعد اس سورت کے خاتمہ کی آیتیں اتریں اور اللہ تعالیٰ نے تخفیف کر دی' فرضیت اٹھ گئی' اور نفلیت باقی رہ گئی۔ میں نے پھر اٹھنے کا ارادہ کیا' لیکن خیال آیا کہ وتر کا مسئلہ بھی دریافت کرلوں۔ تو میں نے کہا' ام المومنین! حضور اکرم ﷺ کے وتر پڑھنے کی کیفیت سے بھی آگاہ فرمایئے۔ آپ نے فرمایا ہاں سنو! ہم آپ ﷺ کی مسواک وضو کا پانی وغیرہ تیار کر کے ایک طرف رکھ دیا کرتے تھے' جب بھی اللہ تعالیٰ چاہتا اور آپ ﷺ کی آنکھ کھلتی' اٹھتے' مسواک کرتے وضو کرتے اور آٹھ رکعتیں پڑھتے بیچ میں تشہد میں بالکل نہ بیٹھتے آٹھویں رکعت پوری کر کے آپ ﷺ التحیات میں بیٹھتے' اللہ تبارک وتعالیٰ کا ذکر کرتے دعا کرتے اور زور سے سلام پھیرتے کہ ہم بھی سن لیں۔ پھر بیٹھے ہی بیٹھے دو رکعتیں اور ادا کرتے (اور ایک وتر پڑھتے) بیٹا! یہ سب مل کر گیارہ رکعتیں ہوئیں' پھر جب آپ ﷺ عمر رسیدہ ہو گئے' اور بدن بھاری ہو گیا تو آپ ﷺ نے سات وتر پڑھے' پھر سلام پھیرنے کے بعد بیٹھ کر دو رکعتیں ادا کیں' بس بیٹا یہ نو رکعتیں ہوئیں۔ اور حضور اکرم ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ جب کسی نماز کو پڑھتے تو اس پر مداومت کرتے۔ ہاں اگر کسی شغل یا نیند یا دکھ تکلیف اور بیماری کی وجہ سے رات کو نماز نہ پڑھ سکتے تو دن کو بارہ رکعت ادا فرمالیا کرتے۔ میں نہیں جانتی کہ کسی ایک رات میں رسول اللہ ﷺ نے پورا قرآن صبح تک پڑھا ہو اور نہ رمضان کے سوا کسی اور مہینے کے پورے روزے رکھے ہوں۔ اب میں ام المومنینؓ سے رخصت ہو کر حضرت ابنؓ عباس کے پاس آیا اور وہاں کے تمام سوال جواب دہرائے۔ آپ نے سب کی تصدیق کی اور فرمایا اگر میری بھی آمد و رفت ان کے پاس ہوتی تو جا کر خود اپنے کانوں سے سن آتا۔ یہ حدیث صحیح مسلم میں بھی ہے۔

ابن جریر میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے لئے بوریا رکھ دیا کرتی جس پر آپ ﷺ تہجد کی نماز ادا فرمالیا کرتے' لوگوں نے کہیں یہ خبر سن لی اور رات کی نماز میں حضور اکرم ﷺ کی اقتداء کرنے کے لئے وہ بھی آگئے۔ حضور اکرم ﷺ غضب ناک ہو کر باہر نکلے چونکہ آپ ﷺ کو امت پر شفقت و رحمت تھی اور ساتھ ہی ڈر تھا کہ ایسا نہ ہو کہ یہ نماز فرض ہو جائے' لہٰذا آپ ﷺ ان سے فرمانے لگے کہ لوگو! ان ہی اعمال کی تکلیف اٹھاؤ جن کی تم میں طاقت ہو' اللہ تعالیٰ ثواب دینے سے نہیں تھکے گا' البتہ تم عمل کرنے سے تھک جاؤ گے' سب سے بہتر عمل وہ ہے۔ جس پر مداومت ہو سکے اور انسان ان سے نبھا سکے۔ ادھر قرآن کریم میں یہ آیتیں اتریں اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے قیام لیل شروع کیا یہاں تک کہ رسیاں باندھنے لگے کہ نیند نہ آجائے آٹھ مہینے اسی طرح گزر گئے۔ انکی اس کوشش کو جو وہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی طلب میں کر رہے تھے' دیکھ کر اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر رحم کیا اور اسے فرض عشاء کی طرف لوٹا دیا اور قیام لیل چھوڑ دیا گیا۔ یہ روایت ابن ابی حاتم میں بھی ہے لیکن اس کا راوی موسیٰ بن عبیدہ ربذی ضعیف ہے۔ اصل حدیث بغیر سورۂ مزمل کے نازل ہونے کے ذکر کے صحیح میں بھی ہے۔ اور اس حدیث کے الفاظ کی روانی سے تو یہ پایا جاتا ہے کہ یہ سورت مدینہ میں نازل ہوئی حالانکہ دراصل یہ سورت مکہ مکرمہ میں اتری ہے۔

اسی طرح اس روایت میں ہے کہ آٹھ مہینے کے بعد اس کی آخری آیتیں نازل ہوئیں۔ یہ قول بھی غریب ہے۔ صحیح وہ ہے جو بحوالہ مسند پہلے گزر چکا کہ سال بھر کے بعد آخری آیتیں نازل ہوئیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے بھی ابن ابی حاتم میں منقول ہے کہ سورۂ مزمل کی

ابتدائی آیتوں کے اترنے کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مثل رمضان مبارک کے قیام کرتے رہے اور اس سورت کے اول آخر آیتوں کے اترنے میں تقریباً سال بھر کا فاصلہ تھا۔ حضرت ابو اسامہؒ سے بھی ابن جریر میں اس طرح مروی ہے۔ حضرت ابو عبدالرحمٰنؒ فرماتے ہیں کہ ابتدائی آیتوں کے اترنے کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سال بھر تک قیام کیا یہاں تک کہ ان کے قدم اور پنڈلیاں ورم آ گئیں، پھر ﴿ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ﴾ نازل ہوئی اور لوگوں نے راحت پائی۔ حسن بصریؒ اور سدیؒ کا بھی یہی قول ہے۔ ابن ابی حاتم میں بروایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سولہ مہینے کی مدت مروی ہے۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ ایک سال یا دو سال تک قیام کرتے رہے، قدم اور پنڈلیاں سوج گئیں پھر آخری سورت کی آیتیں اتری اور تخفیف ہو گئی۔ حضرت سعید بن جبیرؒ دس سال کی مدت بتاتے ہیں (ابن جریر)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ پہلی آیت کے حکم کے مطابق ایمانداروں نے قیام لیل شروع کیا لیکن بڑی مشقت پڑتی تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے رحم فرمایا اور ﴿ عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ ﴾ سے ﴿ مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ﴾ تک کی آیتیں نازل فرما کر وسعت کر دی اور تنگی نہ رکھی، ﴿ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ ﴾ پھر فرمان ہے کہ اپنے رب کے نام کا ذکر کرتا رہ اور اس کی عبادت کے لئے فارغ ہو جا، یعنی امور دنیا سے فارغ ہو کر دلجمعی اور اطمینان کے ساتھ بہ کثرت اس کا ذکر کر، اس کی طرف مائل اور سراسر راغب ہو جا، جیسے اور جگہ ہے ﴿ فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ﴾ یعنی جب اپنے شغل سے فارغ ہو تو ہماری عبادت محنت سے بجالاؤ۔ اخلاص، فارغ البالی، کوشش، محنت، دل لگی اور یکسوئی سے اللہ تعالیٰ کی طرف جھک جاؤ۔

ایک حدیث میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے تبتل سے منع فرمایا یعنی بال بچے اور دنیا کو چھوڑ دینے سے، یہاں مطلب یہ ہے کہ علائق دنیوی سے کٹ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں توجہ اور انہماک کا وقت بھی ضرور نکالا کرو۔ وہ مالک ہے وہ متصرف ہے مشرق مغرب سب اسی کے قبضہ میں ہے اس کے سوا عبادت کے لائق کوئی نہیں۔ تو جس طرح صرف اسی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے اسی طرح صرف اسی پر بھروسہ بھی رکھ، جیسے اور آیت میں ہے ﴿ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ﴾ اسی کی عبادت کر اور اسی پر بھروسہ رکھ۔ یہی مضمون ﴿ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ﴾ میں بھی ہے۔ اس معنی کی اور بھی بہت سی آیتیں ہیں کہ عبادت، اطاعت، توکل اور بھروسہ کے لائق ایک اسی کی پاک ذات ہے۔

وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ﴿١٠﴾ وَذَرْنِيْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ اُولِي النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيْلًا ﴿١١﴾ اِنَّ لَدَيْنَآ اَنْكَالًا وَّجَحِيْمًا ﴿١٢﴾ وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّعَذَابًا اَلِيْمًا ﴿١٣﴾ يَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا مَّهِيْلًا ﴿١٤﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا ۙ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ﴿١٥﴾ فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا ﴿١٦﴾ فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا ﴿١٧﴾ السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ ۭ كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا ﴿١٨﴾

اور جو کچھ وہ کہیں تو سہتا رہ اور انہیں اچھی طرح چھوڑے رکھ۔ اور مجھے اور ان جھٹلانے والے آسودہ حال لوگوں کو چھوڑ دے اور انہیں ذرا سی مہلت دے۔ یقیناً ہمارے ہاں سخت بیڑیاں ہیں اور سلگتی ہوئی جہنم ہے۔ اور حلق میں اٹکنے والا کھانا ہے اور درد دینے والا عذاب ہے۔ جس دن زمین اور پہاڑ تھرتھرا جائیں

گے اور پہاڑ مثل بھر بھری ریت کے ٹیلوں کے ہو جائیں گے۔ ہم نے تو تمہاری طرف بھی تم پر گواہی دینے والا رسول بھیج دیا جیسے کہ ہم نے فرعون کے پاس رسول بھیجا تھا۔ فرعون نے اس رسول کی نافرمانی کی جس کی بنا پر ہم نے اسے سخت وبال کی پکڑ میں لیا۔ تم اگر کافر رہے تو اس دن کیسے پناہ پاؤ گے جو دن بچوں کو بوڑھا کر دے گا۔ جس دن آسمان پھٹ جائے گا اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ہو کر ہی رہنے والا ہے۔

منکروں کیلئے عذاب: اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے نبی کو کفار کی طعن آمیز باتوں پر صبر کرنے کی ہدایت کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ انہیں ان کے حال پر بغیر ڈانٹ ڈپٹ کے ہی چھوڑ دے' میں خود ان سے نمٹ لوں گا۔ میرے غضب اور غصے کے وقت' دیکھ لوں گا کہ کیسے یہ لوگ نجات پاتے ہیں۔ ہاں ان کے مال دار خوش حال لوگوں کو جو بے فکرے ہیں اور تجھے ستانے کے لئے باتیں بنا رہے ہیں' جن پر دوہرے حقوق ہیں مال کے اور جان کے اور یہ ان میں سے ایک بھی ادا نہیں کرتے' تو ان سے بے تعلق ہو جا' پھر دیکھ کہ میں ان کے ساتھ کیا کرتا ہوں؟ تھوڑی دیر دنیا میں تو چاہے یہ فائدہ اٹھالیں' مگر انجام کار عذابوں میں پھنسیں گے اور عذاب بھی کونسے؟

سخت قید و بند کے اور بدترین بھڑکتی ہوئی نہ بجھنے والی اور نہ کم ہونے والی آگ کے اور اس کھانے کے جو حلق میں جا کر اٹک جائے گا' نہ نگل سکیں گے نہ اگل سکیں گے' اور بھی طرح طرح کے المناک عذاب ہوں گے پھر وہ وقت بھی وہ ہو گا' جب زمینوں میں اور پہاڑوں پر زلزلہ پڑا ہوا ہو گا اور سخت اور بڑی چٹانوں والے پہاڑ آپس میں ٹکرا ٹکرا کر چور چور ہو گئے ہوں گے' جیسے بھر بھری ریت کے بکھرے ہوئے ذرے ہوں جنہیں ہوا ادھر سے ادھر لے جائے گی اور نام و نشان تک مٹا دے گی اور زمین ایک چٹیل صاف میدان کی طرح رہ جائے گی جس میں کہیں اونچ نیچ نظر نہ آئے گی۔

کفار کی گرفت: پھر فرماتا ہے کہ اے لوگو! اور خصوصاً اے کافرو! ہم نے تم پر گواہی دینے والا' اپنا صادق رسول تم میں بھیج دیا ہے جیسے کہ فرعون کے پاس ہم نے اپنے احکام کے پہنچا دینے کے لئے اپنے ایک رسول کو بھیجا تھا اس نے جب اس رسول ﷺ کی نہ مانی تو تم جانتے ہو کہ ہم نے اسے بری طرح برباد کیا اور سختی سے پکڑ لیا۔ اسی طرح یاد رکھو اگر اس نبی کی تم نے بھی نہ مانی تو تمہاری بھی خیر نہیں' عذاب الٰہی تم پر بھی اتر آئیں گے اور تہس نہس کر دیئے جاؤ گے' کیونکہ یہ رسول رسولوں کے سردار ہیں ان کے جھٹلانے کا وبال بھی اور وبالوں سے بڑا ہے۔ اس کے بعد کی آیت کے دو معنی ہیں۔ ایک تو یہ کہ اگر تم نے کفر کیا تو بتاؤ تو سہی کہ اس دن کے عذابوں سے کیسے نجات حاصل کرو گے؟ جس دن کی ہیبت خوف اور ڈر بچوں کو بوڑھا کر دے گا۔ اور دوسرے معنی یہ کہ اگر تم نے اتنے بڑے ہولناک دن کا بھی کفر کیا اور اس کے بھی منکر رہے تو تمہیں تقویٰ اور اللہ تعالیٰ کا ڈر کیسے حاصل ہو گا؟

گو یہ دونوں معنی نہایت عمدہ ہیں لیکن اول معنی اولیٰ ہیں' واللہ اعلم۔ طبرانی میں ہے کہ رسول مقبول ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا یہ قیامت کا دن ہے جس دن اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام سے فرمائے گا اٹھو اور اپنی اولاد میں سے جہنم والوں کو الگ کرو۔ وہ پوچھیں گے' اللہ تعالیٰ کتنی تعداد میں سے کتنے؟ حکم ہو گا کہ ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے۔ یہ سنتے ہی مسلمانوں کے تو ہوش اڑ گئے اور گھبرا گئے۔ حضور ﷺ بھی ان کے چہرے دیکھ کر سمجھ گئے اور بطور تشفی کے فرمایا سنو بنو آدم بہت سے ہیں۔ یاجوج و ماجوج بھی اولاد آدم میں سے ہیں جن میں سے ایک ایک اپنے پیچھے خاص اپنی صلبی اولاد ایک ایک ہزار چھوڑ کر جاتا ہے۔ پس ان میں اور ان جیسوں میں مل کر جہنم والوں کی یہ تعداد ہو جائے گی۔ اور جنت تمہارے لئے اور تم جنت کے لئے ہو جاؤ گے۔ یہ حدیث غریب ہے اور سورۂ حج کی تفسیر کے شروع میں اس جیسی احادیث کا تذکرہ گزر چکا ہے۔

اس دن کی ہیبت اور دہشت کے مارے آسمان بھی پھٹ جائے گا۔ بعضوں نے ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ کی طرف کیا ہے' لیکن یہ قوی نہیں' اس لئے کہ یہاں ذکر ہی نہیں۔ اس دن کا وعدہ یقیناً سچ ہے اور ہو کر ہی رہے گا اس دن کے آنے میں کوئی شک نہیں۔

إِنَّ هَٰذِهِ تَذْكِرَةٌ ۖ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ﴿١٩﴾ إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُومُ أَدْنَىٰ مِنْ ثُلُثَيِ اللَّيْلِ وَنِصْفَهُ وَثُلُثَهُ وَطَائِفَةٌ مِنَ الَّذِينَ مَعَكَ ۚ وَاللَّهُ يُقَدِّرُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۚ عَلِمَ أَنْ لَنْ تُحْصُوهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ۖ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ ۚ عَلِمَ أَنْ سَيَكُونُ مِنْكُمْ مَرْضَىٰ ۙ وَآخَرُونَ يَضْرِبُونَ فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُونَ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ ۙ وَآخَرُونَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۚ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَقْرِضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا ۚ وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ هُوَ خَيْرًا وَأَعْظَمَ أَجْرًا ۚ وَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٢٠﴾

بے شک یہ نصیحت ہے پس جو چاہے اپنے رب کی طرف راہ اختیار کرلے۔ تیرا رب بخوبی جانتا ہے کہ تو اور تیرے ساتھ کے لوگوں کی ایک جماعت قریب دو تہائی رات کے اور آدھی رات کے اور ایک تہائی رات کے تہجد پڑھتے ہیں' اور رات دن کا پورا اندازہ اللہ تعالیٰ کو ہے' وہ خوب جانتا ہے کہ تم اسے ہرگز نہ نبھا سکو گے۔ پس اس نے تم پر مہربانی کی لہذا جتنا قرآن پڑھنا تمہارے لئے آسان ہو اتنا ہی پڑھو وہ جانتا ہے کہ تم میں بعض بیمار بھی ہوں گے' بعض دوسرے زمین میں چل پھر کر اللہ تعالیٰ کا فضل یعنی روزی بھی تلاش کریں گے اور کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد بھی کریں گے' سو تم بہ آسانی جتنا قرآن پڑھ سکو پڑھو اور نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہا کرو اور اللہ تعالیٰ کو اچھا قرض دو' اور جو نیکی تم اپنے لئے آگے بھیجو گے اسے اللہ تعالیٰ کے ہاں بہتر سے بہتر اور ثواب میں بہت زیادہ پاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے رہو یقیناً اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ سورت عقل مندوں کے لئے سراسر نصیحت و عبرت ہے جو بھی طالب ہدایت ہو' وہ مرضی مولا سے ہدایت کا راستہ پالے گا اور اپنے رب کی طرف پہنچ جانے کا ذریعہ حاصل کرلے گا۔ جیسے دوسری سورت میں فرمایا ﴿ وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴾

تمہاری چاہت کام نہیں آتی وہی ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کا چاہا ہوا ہو' صحیح علم والا اور پوری حکمت والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ اے نبی ﷺ! آپ کا اور آپ ﷺ کے اصحاب کی ایک جماعت کا کبھی دو تہائی رات تک قیام لیل میں مشغول رہنا' کبھی آدھی رات اسی میں گزارنا' کبھی تہائی رات تک تہجد پڑھنا اللہ تعالیٰ کو بخوبی معلوم ہے' گو تمہارا مقصد ٹھیک اس وقت کو پورا کرنا نہیں ہوتا اور ہے بھی وہ مشکل کام کیونکہ رات دن کا صحیح اندازہ اللہ ہی کو ہے' کبھی دونوں برابر ہوتے ہیں' کبھی رات چھوٹی دن بڑا کبھی دن چھوٹا رات بڑی' اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ کہ اس کو نباہنے کی طاقت تم میں نہیں تو اب رات کی نماز اتنی ہی پڑھو جتنی تم بہ آسانی پڑھ سکو' کوئی وقت مقرر نہیں کہ فرضاً اتنا وقت لگانا ہی ہوگا۔

یہاں صلوٰۃ کی تعبیر قراءت سے کی ہے جیسے سورۂ سبحان میں ہے ﴿ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ ﴾ یعنی اپنی قراءت نہ تو بلند کر نہ بالکل پست کر۔

فاتحہ خلف الامام کامسئلہ : امام ابو حنیفہؒ کے اصحاب نے اس آیت سے استدلال کر کے یہ مسئلہ کہا ہے کہ نماز میں سورۂ فاتحہ ہی کا پڑھنا متعین نہیں' اسے پڑھے خواہ اور کہیں سے پڑھ لے گو ایک ہی آیت پڑھنا کافی ہے' اور پھر اس مسئلہ کی مضبوطی اس حدیث سے کی ہے جس میں ہے کہ بہت جلدی جلدی نماز ادا کرنے والے کو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا تھا کہ پھر پڑھ جو آسان ہو تیرے ساتھ قرآن سے (بخاری مسلم۔)

اور جمہور نے انہیں یہ جواب دیا ہے کہ بخاری مسلم کی حضرت عبادہ بن صامتؓ والی حدیث میں آچکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نماز نہیں ہے مگر یہ کہ تو سورۂ فاتحہ پڑھے اور صحیح مسلم میں بہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر وہ نماز جس میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ بالکل ادھوری محض ناکارہ ناقص اور ناتمام ہے۔ صحیح ابن خزیمہ میں بھی ان ہی کی روایت سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ نماز نہیں ہوتی اس شخص کی جو سورۂ فاتحہ نہ پڑھے (پس ٹھیک قول جمہور کا ہی ہے کہ ہر نماز کی ہر ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا لازمی اور متعین ہے)۔

پھر فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ اس امت میں عذر والے لوگ بھی ہیں جو قیام لیل کے ترک پر معذور ہیں' مثلاً بیمار کہ جنہیں اس کی طاقت نہیں' مسافر کہ روزی کی تلاش میں ادھر ادھر جا رہے ہیں' مجاہد جو اہم تر شغل میں مشغول ہیں۔ یہ آیت بلکہ یہ پوری سورت مکی ہے مکہ میں نازل ہوئی۔ اس وقت جہاد نہیں تھا بلکہ مسلمان نہایت پست حالت میں تھے۔ پھر غیب کی یہ خبر دینا اور اسی طرح ظہور میں بھی آنا کہ مسلمان کو جہاد میں پوری مشغولی ہوئی' یہ نبوت کی اعلیٰ اور بہترین دلیل ہے۔ توان عذروں کے باعث تمہیں رخصت دی جاتی ہے کہ جتنا قیام تم سے بہ آسانی کیا جاسکے کر لیا کرو۔ حضرت ابو رجاء محمد نے' حسنؒ سے پوچھا اے ابو سعید! اس شخص کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں جو پورے قرآن کا حافظ ہے لیکن تہجد نہیں پڑھتا صرف نماز فرض پڑھتا ہے؟ آپ نے فرمایا اس نے قرآن کو تکیہ بنالیا اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک غلام کے لئے فرمایا کہ وہ ہمارے علم کو جاننے والا تھا اور فرمایا تم وہ سکھائے گئے ہو جسے نہ تم جانتے تھے نہ تمہارے باپ دادے۔ میں نے کہا ابو سعید اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ جو قرآن آسانی سے تم پڑھ سکو پڑھو۔ فرمایا ہاں ٹھیک تو ہے پانچ آیتیں ہی پڑھ لو۔ پس بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حافظ قرآن کا رات کی نماز میں کچھ نہ کچھ قیام کرنا امام حسن بصریؒ کے نزدیک حق و واجب تھا۔

ایک حدیث بھی اس پر دلالت کرتی ہے جس میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ سے اس شخص کے بارے میں سوال ہوا جو صبح تک سویا رہتا ہے۔ فرمایا یہ وہ شخص ہے جس کے کان میں شیطان پیشاب کر جاتا ہے۔ اس کا ایک مطلب تو یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو عشاء کے فرض بھی نہ پڑھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو رات کو نفلی قیام نہ کرے۔ سنن کی حدیث میں ہے اے قرآن والو! وتر پڑھا کرو۔ دوسری روایت میں ہے کہ جو وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں۔ حسن بصریؒ کے قول سے بھی زیادہ غریب قول ابو بکر ابن عبد العزیز حنبلیؒ کا ہے جو کہتے ہیں کہ رمضان کے مہینے کا قیام فرض ہے' واللہ اعلم۔

(یہ یاد رہے کہ صحیح مسلک تو یہی ہے کہ تہجد کی نماز نہ تو رمضان میں واجب ہے نہ غیر رمضان میں۔ رمضان مبارک کی بابت بھی حدیث میں صاف آچکا ہے کہ ﴿ وَقِيَامَ لَيْلِهٖ تَطَوُّعًا ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کے قیام کو نفلی قرار دیا ہے۔ وغیرہ' مترجم) طبرانی کی حدیث میں اس آیت کی تفسیر میں مرفوعاً مروی ہے کہ گو سو ۱۰۰ ہی آیتیں ہوں۔ لیکن یہ حدیث بہت غریب ہے صرف معجم طبرانی میں ہی میں نے اسے دیکھا ہے۔ پھر ارشاد ہے کہ فرض نمازوں کی حفاظت کرو اور فرض زکوٰۃ کی ادائیگی کیا کرو۔ یہ آیت ان حضرات کی دلیل ہے جو فرماتے ہیں کہ فرضیت زکوٰۃ کا حکم مکہ میں ہی نازل ہو چکا تھا' ہاں کتنی نکالی جائے؟ نصاب کیا ہے؟ وغیرہ' یہ سب مدینہ میں بیان ہوا' واللہ اعلم۔ حضرت ابن عباسؓ' عکرمہؒ' مجاہدؒ' حسنؒ' قتادہؒ وغیرہ سلف کا فرمان ہے کہ اس آیت نے اس سے پہلے کے حکم رات کے قیام کو منسوخ کر دیا۔ ان دونوں حکموں کے درمیان کس قدر مدت تھی؟ اس میں جو اختلاف ہے اس کا بیان اوپر گزر چکا۔ بخاری مسلم کی حدیث میں ہے کہ

حضور اکرم ﷺ نے ایک شخص سے فرمایا پانچ نمازیں دن رات میں فرض ہیں۔ اس نے پوچھا اس کے سوا بھی کوئی نماز مجھ پر فرض ہے؟ آپ نے فرمایا باقی سب نوافل ہیں۔

راہ اللہ میں خرچ کرو: پھر فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اچھا قرض دو یعنی راہ اللہ صدقہ خیرات کرتے رہو جس پر اللہ تعالیٰ تمہیں بہت بہتر اور اعلیٰ اور پورا پورا بدلہ دے گا۔ جیسے اور جگہ ہے' ایسا کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دے اور اللہ تعالیٰ اسے بہت کچھ بڑھائے چڑھائے۔ تم جو بھی نیکیاں کر کے بھیجو گے وہ تمہارے لئے اس چیز سے جسے تم پیچھے چھوڑ کر جاؤ گے بہت ہی بہتر اور اجر و ثواب میں بہت ہی زیادہ ہے۔ ابو یعلیٰ موصلی کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین سے ایک مرتبہ پوچھا تم میں سے کون ہے جسے اپنے وارث کا مال اپنے مال سے زیادہ محبوب ہے۔ انہوں نے کہا حضور اکرم (ﷺ)! ہم میں سے تو ایک بھی ایسا نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اور سوچ لو۔ انہوں نے کہا حضور اکرم ﷺ یہی بات ہے۔ فرمایا سنو! تمہارا مال وہ ہے جسے تم راہ اللہ دے کر اپنے لئے آگے بھیج دو' اور جو چھوڑ جاؤ گے وہ تمہارا مال نہیں وہ تو تمہارے وارثوں کا مال ہے۔ یہ حدیث بخاری اور نسائی میں بھی مروی ہے۔

پھر فرمان ہے کہ ذکر اللہ بہ کثرت کیا کرو اور اپنے تمام کاموں میں استغفار کیا کرو' جو استغفار کرے وہ مغفرت حاصل کر لیتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ مغفرت کرنے والا اور مہربانیوں والا ہے۔

﴿الحمد للہ﴾ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے سورۂ مزمل کی تفسیر ختم ہوئی۔

تفسیر سورۂ مدثر مکیہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝١ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝٢ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝٣ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝٤ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝٥ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۝٦ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۝٧ فَاِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ ۝٨ فَذٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَّوْمٌ عَسِيْرٌ ۝٩ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ غَيْرُ يَسِيْرٍ ۝١٠

اللہ تعالیٰ رحم کرنے والے رحمت کرنے والے کے نام سے شروع۔

اے کپڑا اوڑھنے والے۔ کھڑا ہو جا اور آگاہ کر دے' اور اپنے رب ہی کی بڑائیاں بیان کر' اپنے کپڑوں کو پاک رکھا کر' ناپاکی کو چھوڑ دے' اور احسان کر کے زیادتی کی خواہش نہ کر' اور اپنے رب کی راہ میں صبر کر' پس جب کہ صور پھونکا جائے گا' ان کا یہ وقت ایک سخت دن ہو گا' جو کافروں پر آسان نہ ہو گا۔

قرآن کی دوسری وحی: حضرت جابرؓ سے صحیح بخاری میں مروی ہے کہ سب سے پہلے قرآن کریم کی یہی آیت ﴿ يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ﴾ نازل ہوئی ہے۔ لیکن جمہور کا قول یہ ہے کہ سب سے پہلی وحی ﴿ اِقْرَاْ بِاسْمِ ﴾ کی آیتیں ہیں' جیسے اسی سورت کی تفسیر کے موقع پر آئے گا' ان شاء اللہ تعالیٰ۔ یحییٰ بن ابو کثیرؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو سلمہ بن عبدالرحمٰنؒ سے سوال کیا کہ سب سے پہلے قرآن کریم کی کونسی آیتیں نازل ہوئیں؟ تو فرمایا ﴿ يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ﴾ میں نے کہا لوگ تو ﴿ اِقْرَاْ بِاسْمِ ﴾ بتلاتے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا میں نے حضرت جابرؓ سے پوچھا تھا' انہوں نے وہی جواب دیا جو میں نے تمہیں دیا اور میں نے بھی وہی کہا جو تم نے مجھے کہا۔ اس

کے جواب میں حضرت جابرؓ نے فرمایا کہ میں تو تم سے وہی کہتا ہوں جو ہم سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے حراء میں یاد الٰہی کی۔ جب میں وہاں سے فارغ ہوا اور اترا تو میں نے سنا کہ گویا مجھے کوئی آواز دے رہا ہے۔ میں نے اپنے آگے پیچھے دائیں بائیں دیکھا مگر کوئی نظر نہ آیا تو میں نے سر اٹھا کر اوپر کو دیکھا اور مجھے کچھ نظر پڑا' میں خدیجہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے پاس آیا اور کہا مجھے چادر اڑھادو اور مجھ پر ٹھنڈا پانی ڈالو۔ انہوں نے ایسا ہی کیا اور ﴿ یٰاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ﴾ کی آیتیں اتریں (بخاری)۔

صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے وحی کے رک جانے کی حدیث بیان فرماتے ہوئے کہا کہ ایک مرتبہ میں چلا جا رہا تھا کہ ناگہاں آسمان کی طرف سے مجھے صدا سنائی دی۔ میں نے نگاہ اٹھا کر دیکھا کہ جو فرشتہ میرے پاس غار حراء میں آیا تھا وہ آسمان و زمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہے میں مارے ڈر اور گھبراہٹ کے زمین کی طرف جھک گیا اور گھر آتے ہی کہا کہ مجھے کپڑوں سے ڈھانپ دو چنانچہ گھر والوں نے مجھے کپڑے اوڑھا دیئے اور سورۂ ﴿ مُدَّثِّرُ کی فَاهْجُرْ ﴾ تک کی آیتیں اتریں۔ ابو سلمہؓ فرماتے ہیں رجز سے مراد بت ہیں۔ پھر وحی برابر تابڑ توڑ گرما گرمی سے آنے لگی۔ یہ لفظ بخاری کے ہیں اور یہی سیاق محفوظ ہے۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اس سے پہلے بھی کوئی وحی آئی تھی کیونکہ آپ ﷺ کا وہ فرمان موجود ہے کہ یہ وہی تھا جو غار حراء میں میرے پاس آیا تھا۔ یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام جب غار حراء میں سورۂ ﴿ اقرا ﴾ کی آیتیں ﴿ مَالَمْ یَعْلَمْ ﴾ پڑھائی گئی تھیں۔ پس اس کے بعد وحی کچھ زمانے تک نہ آئی۔ پھر جو اس کی آمد شروع ہوئی اس میں سب سے پہلی وحی سورۂ مدثر کی ابتدائی آیتیں تھیں اور اس طرح دونوں احادیث میں تطبیق بھی ہو جاتی ہے کہ دراصل سب سے پہلی وحی تو ﴿ اقرا ﴾ کی آیتیں ہیں۔ پھر وحی کے رک جانے کے بعد کی سب سے پہلی وحی اس سورت کی آیتیں ہیں۔ اس کی تائید مسند احمد وغیرہ کی احادیث سے بھی ہوتی ہے جن میں ہے کہ وحی رک جانے کے بعد کی پہلی وحی اس سورت کی ابتدائی آیتیں ہیں۔

سورہ کا شان نزول: طبرانی میں اس سورت کا شان نزول یہ مروی ہے کہ ولید بن مغیرہ نے قریشیوں کی دعوت کی' جب کھاپی چکے تو کہنے لگا' بتاؤ تم اس شخص کی بابت کیا کہتے ہو؟ تو بعضوں نے کہا جادوگر ہے۔ بعض نے کہا نہیں ہے' بعضوں نے کہا کاہن ہے۔ کسی نے کہا کاہن نہیں ہے۔ بعضوں نے کہا شاعر ہے' بعض نے کہا شاعر نہیں ہے۔ بعض نے کہا اس کا یہ کلام یعنی قرآن منقول جادو ہے۔ چنانچہ اس پر اجماع ہو گیا کہ انہیں منقول جادو کہا جائے۔ حضور ﷺ کو جب یہ اطلاع پہنچی تو غمگین ہوئے اور سر پر کپڑا ڈال لیا اور کپڑا اوڑھ بھی لیا جس پر یہ آیتیں ﴿ فَاصْبِرْ ﴾ تک اتریں۔ پھر فرماتا ہے کہ کھڑے ہو جاؤ یعنی عزم اور قوی ارادے کے ساتھ کمر بستہ اور تیار ہو جاؤ' اور لوگوں کو ہماری ذات سے' جہنم سے' ان کے بداعمال کی سزا سے ڈرادو' ان کے کان کھڑے کر دو' ان سے غفلت کو دور کر دو۔ پہلی وحی سے نبوت کے ساتھ حضور اکرم ﷺ کو ممتاز کیا گیا اور اس وحی سے آپ رسول ﷺ بنائے گئے۔ اور اپنے رب ہی کی تعظیم کرو اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو۔ یعنی معصیت بد عہدی وعدہ شکنی وغیرہ سے بچتے رہو' جیسے کہ شاعر کے شعر میں ہے کہ بحمد اللہ میں فسق و فجور کے لباس سے اور غدر کے رومال سے عاری ہوں' عربی محاورے میں یہ برابر آتا ہے کہ کپڑے پاک رکھو' یعنی گناہ چھوڑ دو' اعمال کی اصلاح کر لو۔ یہ بھی مطلب کہا گیا ہے کہ دراصل آپ ﷺ نہ تو کاہن ہیں نہ جادوگر ہیں یہ لوگ کچھ ہی کہا کریں آپ ﷺ پرواہ بھی نہ کریں۔ عربی محاورے میں جو معصیت آلود بد عہد ہو اسے میلے اور گندے کپڑوں والا کہتے ہیں اور جو عصمت مآب پابند وعدہ ہو' اسے پاک کپڑوں والا کہتے ہیں۔ شاعر کہتا ہے۔

﴿ اِذَا الْمَرْءُ لَمْ یَدْنَسْ مِنَ اللُّؤْمِ عِرْضُهٗ ﴾ ﴿ فَکُلُّ رِدَآءٍ یَّرْتَدِیْهِ جَمِیْلٌ ﴾

یعنی انسان جب کہ سیہ کاریوں سے الگ ہے تو ہر کپڑے میں وہ حسین ہے' اور یہ مطلب بھی ہے کہ غیر ضروری لباس نہ پہنو' اپنے کپڑوں کو معصیت آلود نہ کرو' کپڑے پاک صاف رکھو۔ میلوں کو دھو ڈالا کرو' مشرکوں کی طرح اپنا لباس ناپاک نہ رکھو۔ دراصل یہ سب مطالب ٹھیک ہیں' یہ بھی ہو وہ بھی ہو اور ساتھ ہی دل بھی پاک ہو۔ دل پر بھی کپڑے کا اطلاق کلام عرب میں پایا جاتا ہے۔

جیسے امرؤالقیس کے شعر میں ہے اور حضرت سعید ابن جبیرؒ سے اس آیت کی تفسیر میں مروی ہے کہ اپنے دل کو اور اپنی نیت کو صاف رکھو' محمد بن کعب قرظیؒ اور حضرت حسنؒ سے یہ بھی مروی ہے کہ اپنے اخلاق کو اچھے رکھو۔ پھر فرماتا ہے گندگی کو چھوڑ دو' یعنی بتوں کو اور نافرمانی الٰہی کو چھوڑ دو' جیسے اور جگہ فرمان ہے ﴿ يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ ﴾ اے نبی (ﷺ)! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور کافروں اور منافقوں کی نہ مانو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام سے فرمایا تھا' اے ہارون (علیہ السلام)! میرے بعد میری قوم میں تم میری جانشینی کرو' اصلاح کے درپے رہو اور مفسدوں کی راہ پر نہ لگو۔ پھر فرماتا ہے کہ عطیہ دے کر زیادتی کے خواہاں نہ رہو۔ ابن مسعودؓ کی قراءت میں ﴿ اَنْ تَسْتَكْثِرَ ﴾ ہے' یہ بھی مطلب بیان کیا گیا ہے کہ اپنے نیک اعمال کا احسان اللہ تعالیٰ پر طلب زیادتی کے ساتھ نہ رکھو' اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ خیر کی طلب کی کثرت سے کمزوری نہ برتو۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اپنی نبوت کا بار احسان لوگوں پر رکھ کر اس کے عوض دنیا طلبی نہ کرو۔ یہ چار قول ہوئے' لیکن اول اولیٰ ہے۔ واللہ اعلم۔ پھر فرماتا ہے کہ ان کی ایذا پر جو راہ الٰہی میں تجھے پہنچے' تو رب کی رضامندی کی خاطر صبر و سہار کر۔ اللہ تعالیٰ نے جو آپ کو منصب دیا ہے اس پر لگے رہیئے اور جمع رہیئے۔ ﴿نَاقُوْرِ﴾ سے مراد صور ہے۔

صور پھونکا جانا: مسند احمد' ابن ابی حاتم وغیرہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں کیسے راحت سے رہوں' حالانکہ صور والے فرشتے نے اپنے منہ میں صور لے رکھا ہے اور پیشانی جھکائے ہوئے حکم الٰہی کا منتظر ہے کہ کب حکم ہو اور وہ صور پھونک دے۔ اصحاب رسول ﷺ نے کہا یارسول اللہ ﷺ! پھر ہمیں کیا ارشاد ہوتا ہے؟ فرمایا کہو ﴿ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ﴾ پھر صور کے پھونکے جانے کا ذکر کر کے یہ فرما کر کہ جب صور پھونکا جائے گا۔ پھر فرماتا ہے اور وہ دن اور وہ وقت کافروں پر بڑا سخت ہوگا جو کسی طرح آسان نہ ہوگا' جیسے اور جگہ خود کفار کا قول مروی ہے کہ ﴿ يَقُوْلُوْنَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ يه ﴾ آج کا دن تو بے حد گراں بار اور سخت مشکل کا دن ہے۔ ف حضرت زرارہ بن ابی اوفیٰؒ جو بصرہ کے قاضی تھے وہ ایک مرتبہ اپنے مقتدیوں کو صبح کی نماز پڑھا رہے تھے اسی سورت کی تلاوت کی' جب اس آیت پر پہنچے تو بے ساختہ زور کی ایک چیخ منہ سے نکل گئی اور گر پڑے' لوگوں نے دیکھا تو روح پرواز کر چکی تھی' اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔

ذَرْنِيْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيْدًا ﴿١١﴾ وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ﴿١٢﴾ وَّبَنِيْنَ شُهُوْدًا ﴿١٣﴾ وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِيْدًا ﴿١٤﴾ ثُمَّ يَطْمَعُ اَنْ اَزِيْدَ ﴿١٥﴾ كَلَّا ؕ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا ﴿١٦﴾ سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا ﴿١٧﴾ اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ﴿١٨﴾ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿١٩﴾ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿٢٠﴾ ثُمَّ نَظَرَ ﴿٢١﴾ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ﴿٢٢﴾ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ﴿٢٣﴾ فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ ﴿٢٤﴾ اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ﴿٢٥﴾ سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ ﴿٢٦﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ ﴿٢٧﴾ لَا تُبْقِيْ وَلَا تَذَرُ ﴿٢٨﴾ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ﴿٢٩﴾ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ﴿٣٠﴾

مجھے اور اسے چھوڑ دے جسے میں نے اکیلا پیدا کیا ہے۔ اور اسے بہت سا مال دے رکھا ہے۔ اور حاضر باش فرزند بھی۔ اور میں نے اسے بہت کچھ کشادگی دے رکھی ہے۔ پھر بھی اس کی چاہت ہے کہ میں اسے اور زیادہ دوں۔ نہیں نہیں' وہ ہماری آیتوں کا مخالف ہے۔ میں تو اسے مشقت والی تکلیف پہنچاؤں گا۔ اس نے غور کر کے تجویز کی۔ اسے ہلاکت ہو کیسی سوچی؟ وہ پھر غارت ہو کس طرح اندازہ کیا۔ اس نے پھر دیکھا۔ اور ترش رو ہو کر منہ بنا لیا۔ پھر پیچھے ہٹ گیا

اور غرور کیا۔ اور کہنے لگا یہ تو صرف جادو ہے جو نقل کیا جاتا ہے۔ سوائے انسانی قول کے کچھ نہیں۔ میں اسے عنقریب دوزخ میں ڈالوں گا۔ اور تجھے کیا خبر کہ دوزخ کیا چیز ہے۔ نہ وہ باقی رکھتی ہے نہ چھوڑتی ہے۔ کھال کو جھلسا دیتی ہے۔ اور اس پر انیس فرشتے مقرر ہیں۔

ولید بن مغیرہ کی مذمت: جس خبیث شخص نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا کفر کیا اور قرآن کو انسانی قول کہا اس کی سزاؤں کا ذکر ہو رہا ہے' پہلے جو نعمتیں اس پر انعام ہوئی ہیں ان کا بیان ہو رہا ہے کہ یہ تن تنہا خالی ہاتھ دنیا میں آیا تھا۔ مال یا اولاد یا اور کچھ ساتھ نہ تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اسے مال دار بنا دیا' ہزاروں لاکھوں دینار زر زمین وغیرہ عنایت فرمائی اور باعتبار اقوال کے تیرہ اور بعض اور اقوال کے دس لڑکے دیئے جو سب کے سب اس کے پاس بیٹھے رہتے تھے۔ نوکر چاکر لونڈی غلام کام کاج کرتے تھے اور یہ مزے سے اپنی زندگی اپنی اولاد کے ساتھ گزارتا تھا۔ غرض دھن دولت لونڈی غلام' بال بچے آرام آسائش ہر طرح کی مہیا تھی' پھر بھی خواہش نفس پوری نہیں ہوتی تھی اور چاہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ اور بڑھا دے' حالانکہ ایسا اب نہ ہوگا۔ یہ ہماری باتوں کے علم کے بعد کفر اور سرکشی کرتا ہے اسے تو صعود پر چڑھایا جائے گا۔

مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ ویل جہنم کی ایک وادی کا نام ہے جس میں کافر کو گرایا جائے گا۔ چالیس سال تک اندر ہی اندر جاتا رہے گا لیکن پھر بھی تہہ تک نہ پہنچے گا۔ اور صعود جہنم کے ایک ناری پہاڑ کا نام ہے جس پر کافر کو چڑھایا جائے گا۔ ستر سال تک تو چڑھتا ہی رہے گا' پھر وہاں سے نیچے گرا دیا جائے گا۔ ستر سال تک نیچے لڑھکتا رہے گا۔ اور اسی ابدی سزا میں گرفتار رہے گا۔ یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے' اور امام ترمذیؒ اسے غریب کہتے ہیں ساتھ ہی اس میں نکارت بھی ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ صعود جہنم کے ایک پہاڑ کا نام ہے جو آگ کا ہے اسے مجبور کیا جائے گا کہ اس پر چڑھے ہاتھ رکھتے ہی گھل جائے گا اور اٹھاتے ہی بدستور ہو جائے گا۔ اسی طرح پاؤں بھی۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ صعود جہنم کی ایک چٹان کا نام ہے جس پر کافر کو اپنے منہ کے بل گھسیٹا جائے گا۔ سدیؒ کہتے ہیں کہ یہ پتھر بڑا پھسلنا ہے۔ مجاہدؒ کہتے ہیں کہ مطلب آیت کا یہ ہے کہ ہم اسے مشقت والا عذاب کریں گے۔ قتادہؒ فرماتے ہیں کہ ایسا عذاب جس میں اور جس سے کبھی بھی راحت حاصل نہ ہو۔ امام ابن جریرؒ اسی کو پسند فرماتے ہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ ہم نے اسے اس تکلیف دہ عذاب سے اس لئے قریب کر دیا کہ وہ ایمان سے بہت دور تھا وہ سوچ سوچ کر گھڑنت گھڑ رہا تھا کہ وہ قرآن کو کیا کہے اور کیا بات بنائے۔ پھر اس پر افسوس کیا جاتا ہے اور محاورۂ عرب کے مطابق اس کی ہلاکت کے کلمے کہے جاتے ہیں کہ یہ غارت کر دیا جائے یہ برباد کر دیا جائے۔ کتنا بد کلام سوچا اور کتنی بے حیائی کی جھوٹ بات گھڑ نکالی' بار بار کے غور و فکر کے بعد پیشانی پر بل ڈال ڈال کر منہ بگاڑ بگاڑ کر حق سے ہٹ کر بھلائی سے منہ موڑ کر اطاعت الٰہی سے سر پھیر کر دل کڑا کر کے صاف کہہ دیا یہ قرآن اللہ کا کلام نہیں بلکہ محمد ﷺ اپنے سے پہلے لوگوں کا جادو کا منتر نقل کر لیا کرتے ہیں اور اسی کو سنا رہے ہیں یہ کلام الٰہی نہیں بلکہ انسانی قول ہے اور جادو ہے جو نقل کیا جاتا ہے۔ اس ملعون کا نام ولید بن مغیرہ مخزومی تھا جو قریش کا سردار تھا۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ یہ ولید پلید حضرت ابو بکر صدیقؓ کے پاس آیا اور خواہش ظاہر کی کہ آپ کچھ قرآن سنائیں۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے چند آیتیں پڑھ کر سنائیں جو اس کے دل میں گھر کر گئیں۔ جب یہاں سے نکلا اور کفار قریش کے مجمع میں پہنچا تو کہنے لگا لوگو! تعجب کی بات ہے (حضرت محمد ﷺ) جو قرآن پڑھتے ہیں اللہ تعالیٰ کی قسم نہ تو وہ شعر ہے نہ جادو کا منتر ہے نہ مجنونانہ بڑ ہے بلکہ واللہ وہ تو خاص اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اس میں کوئی شک نہیں۔ قریشیوں نے یہ سن کر سر پکڑ لیا اور کہنے لگے اگر یہ مسلمان ہو گیا تو بس پھر قریش میں سے ایک بھی بغیر اسلام لائے باقی نہ رہے گا۔ ابو جہل کو جب یہ خبر پہنچی تو اس نے کہا گھبراؤ نہیں دیکھو میں ایک ترکیب سے اسے اسلام سے پھیر دوں گا۔ یہ کہتے ہی اپنے ذہن میں ایک ترکیب سوچ کر یہ ولید کے گھر پہنچا اور کہنے لگا آپ کی قوم نے آپ کے لئے چندہ کر کے بہت سا مال جمع کر لیا ہے اور وہ آپ کو صدقہ میں دینے والے ہیں۔ اس نے کہا واہ کیا مزے کی بات ہے مجھے ان کے چندوں اور صدقوں کی کیا ضرورت ہے دنیا جانتی ہے کہ ان سب میں مجھ سے زیادہ مال و اولاد والا کوئی نہیں۔ ابو جہل نے کہا یہ تو ٹھیک ہے لیکن لوگوں میں

ایسی باتیں ہو رہی ہیں کہ آپ جو ابو بکرؓ کے پاس آتے جاتے ہیں وہ صرف اس لئے کہ ان سے کچھ حاصل وصول ہو۔ ولید نے کہا او ہو میرے خاندان میں میری نسبت یہ چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں، مجھے مطلق معلوم نہ تھا' اچھا اب اللہ کی قسم نہ میں ابو بکر کے پاس جاؤں گا نہ عمر کے پاس جاؤں گا اور نہ رسول کے پاس جاؤں گا اور وہ تو جو کچھ کہتے ہیں وہ صرف جادو ہے جو نقل کیا جاتا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائی یعنی ﴿ذَرْنِیْ﴾ سے ﴿لَا تَذَرْ﴾ تک۔

دوسری روایت: حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ اس نے کہا تھا کہ میں قرآن کے بارے میں بہت کچھ غور و خوض کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ یہ شعر تو نہیں اس میں حلاوت ہے اس میں چمک ہے' یہ غالب ہے' مغلوب نہیں' لیکن ہے یقیناً جادو۔ اس پر یہ آیتیں اتریں۔ ابن جریر میں ہے کہ ولید حضور علیہ السلام کے پاس آیا تھا' اور قرآن سن کر اس کا دل نرم پڑ گیا تھا اور پورا اثر ہو چکا تھا جب ابو جہل کو یہ معلوم ہوا تو دوڑا بھاگا آیا اور اس ڈر سے کہ کہیں یہ کھلم کھلا مسلمان نہ ہو جائے اسے بھڑکانے کے لئے جھوٹ موٹ کہنے لگا کہ چچا آپ کی قوم آپ کے لئے مال جمع کرنا چاہتی ہے۔ پوچھا کیوں؟ کہا اس لئے کہ آپ کو دیں اور آپ کا محمد ﷺ کے پاس جانا چھڑوائیں کیونکہ آپ وہاں مال حاصل کرنے کی غرض سے ہی جاتے آتے ہیں۔ اس نے غصہ میں آکر کہا کہ میری قوم کو معلوم نہیں کہ میں ان سب سے زیادہ مالدار ہوں؟ ابو جہل نے کہا یہ تو ٹھیک ہے لیکن اس وقت تو لوگوں کا یہ خیال پختہ ہو گیا ہے کہ محمد (ﷺ) سے مال حاصل کرنے کی غرض سے آپ اسی کے ہو گئے ہیں اگر آپ چاہتے ہیں کہ بات لوگوں کے دلوں سے اٹھ جائے تو آپ اس کے بارے میں کچھ سخت الفاظ کہیں' تاکہ لوگوں کو یقین ہو جائے کہ آپ اس کے مخالف ہیں اور آپ کو اس سے کوئی طمع نہیں ہے۔ اس نے کہا بھئی بات تو یہ ہے کہ اس نے جو قرآن مجھے سنایا ہے قسم ہے اللہ تعالیٰ کی نہ وہ شعر ہے نہ قصیدہ اور رجز ہے نہ جنات کا قول اور ان کے اشعار ہیں تمہیں خوب معلوم ہے کہ جنات اور انسان کا کلام مجھے خوب یاد ہے میں خود نامی شاعر ہوں کلام کے حسن و قبح سے خوب واقف ہوں لیکن اللہ تعالیٰ کی قسم محمد ﷺ کا کلام اس میں سے کچھ بھی نہیں' اللہ تعالیٰ جانتا ہے اس میں عجیب حلاوت مٹھاس لذت شیفتگی اور دلبری ہے کہ وہ تمام کلاموں کا سردار ہے اس کے سامنے اور کوئی کلام جچتا نہیں وہ سب پر چھا جاتا ہے' اس میں کشش بلندی اور جذب ہے۔ اب تم ہی بتلاؤ کہ میں اس کلام کی نسبت کیا کہوں؟ ابو جہل نے کہا سنو! جب تک تم اسے برائی کے ساتھ یاد نہ کرو گے تمہاری قوم کے خیالات تمہاری نسبت صاف نہیں ہوں گے۔ اس نے کہا تو مجھے مہلت دو میں سوچ کر اس کی نسبت کوئی ایسا کلمہ کہہ دوں گا۔ چنانچہ سوچ ساچ کر قومی حمیت اور ناک رکھنے کی خاطر اس نے کہہ دیا کہ یہ تو جادو ہے جسے وہ نقل کرتا ہے۔ اس پر ﴿ذَرْنِیْ﴾ سے ﴿تِسْعَةَ عَشَرَ﴾ تک کی آیتیں اُتریں۔

سدیؒ کہتے ہیں کہ دارالندوہ میں بیٹھ کر ان سب لوگوں نے مشورہ کیا کہ موسم حج پر لوگ چاروں طرف سے آئیں گے تو بتلاؤ انہیں محمد ﷺ کی نسبت کیا کہیں؟ کوئی ایسی بات تجویز کرو کہ سب یک زبان وہی بات کہیں تاکہ عرب بھر میں اور پھر اور جگہ بھی وہی مشہور ہو جائے۔ تو اب کسی نے شاعر کہا' کسی نے جادوگر کہا' کسی نے کاہن اور نجومی کہا' کسی نے مجنون اور دیوانہ کہا۔ ولید بیٹھا سوچتا رہا اور غور و فکر کر کے دیکھ بھال کر تیوری چڑھا کر اور منہ بنا کر کہا اگلے جادوگروں کا قول ہے جسے یہ نقل کر رہا ہے۔

جہنم اور جنت کا ذکر: قرآن کریم میں اور جگہ ہے ﴿اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا﴾ یعنی ذرا دیکھ تو سہی' تیری کیسی کیسی مثالیں گھڑتے ہیں لیکن بہک بہک کر رہ جاتے ہیں اور کسی نتیجے تک نہیں پہنچ سکتے۔ اب اس کی سزا کا ذکر ہو رہا ہے کہ میں اسے جہنم کی آگ میں غرق کر دوں گا' جو زبردست خوفناک عذاب کی آگ ہے جو گوشت پوست کو رگ پٹھوں کو کھا جاتی ہے۔ پھر یہ سب نئے آتے ہیں اور پھر جلائے جاتے ہیں۔ نہ موت آئے گی نہ راحت والی زندگی ملے گی' کھال ادھیڑ دینے والی وہ آگ ہے جو ایک ہی لپک میں جسم کو رات سے زیادہ سیاہ کر دیتی ہے۔ جسم و جلد کو بھون بھلس دیتی ہے۔ انیس انیس داروغے اس پر مقرر ہیں جو نہ تھکیں نہ رحم کریں۔ حضرت براءؓ سے مروی ہے کہ چند یہودیوں نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے پوچھا۔ "بتلاؤ تو جہنم کے داروغوں کی تعداد کیا ہے؟" انہوں نے کہا

اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ ہی زیادہ جانتے ہیں۔ پھر کسی شخص نے آ کر حضور اکرم ﷺ سے یہ واقعہ بیان کیا' اسی وقت آیت ﴿ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ﴾ نازل ہوئی۔ آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو سنادی اور فرمایا ذرا انہیں میرے پاس تو لاؤ' میں بھی ان سے پوچھوں کہ جنت کی مٹی کیا ہے؟ فرمایا سنو! وہ سفید میدہ کی طرح ہے۔ پھر یہودی آپ ﷺ کے پاس آئے اور آپ ﷺ سے پوچھا کہ جہنم کے داروغوں کی تعداد کتنی ہے؟ آپ نے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں دو دفعہ جھکائیں' دوسری دفعہ میں انگوٹھا روک لیا یعنی انیس۔ پھر آپ نے فرمایا تم بتلاؤ کہ جنت کی مٹی کیا ہے؟ انہوں نے ابن سلامؓ سے کہا آپ ہی کہئے۔ ابن سلامؓ نے کہا گویا وہ سفید روٹی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یاد رکھو یہ سفید روٹی وہ جو خالص میدے کی ہو (ابن ابی حاتم)۔

مسند بزار میں ہے کہ جس شخص نے حضور اکرم ﷺ کو صحابہ رضی اللہ عنہم کے لاجواب ہونے کی خبر دی تھی اس نے آ کر کہا تھا کہ آج تو آپ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم ہار گئے فرمایا کیسے؟ اس نے کہا ان سے جواب نہ بن پڑا اور کہنا پڑا کہ ہم اپنے نبی اکرم ﷺ سے پوچھ لیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا بھلا وہ بھی ہارے ہوئے کہے جا سکتے ہیں جن سے وہ بات پوچھی جاتی ہے جسے وہ نہیں جانتے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اپنے نبی سے پوچھ کر جواب دیں گے۔ ان یہودیوں کو دشمنان الٰہی کو ذرا میرے پاس تو لاؤ' ہاں انہوں نے اپنے نبی سے اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا سوال کیا تھا اور ان پر عذاب بھیجا گیا تھا۔ اب یہود بلوائے گئے۔ جواب دیا گیا اور حضور اکرم ﷺ کے سوال پر یہ بڑے چکرائے اور ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے' الخ۔

وَمَا جَعَلْنَا أَصْحَابَ النَّارِ إِلَّا مَلَائِكَةً ۙ وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ إِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِينَ كَفَرُوا لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَيَزْدَادَ الَّذِينَ آمَنُوا إِيمَانًا ۙ وَلَا يَرْتَابَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْمُؤْمِنُونَ ۙ وَلِيَقُولَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ وَالْكَافِرُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَٰذَا مَثَلًا ۚ كَذَٰلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي مَن يَشَاءُ ۚ وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ ۚ وَمَا هِيَ إِلَّا ذِكْرَىٰ لِلْبَشَرِ ﴿٣١﴾ كَلَّا وَالْقَمَرِ ﴿٣٢﴾ وَاللَّيْلِ إِذْ أَدْبَرَ ﴿٣٣﴾ وَالصُّبْحِ إِذَا أَسْفَرَ ﴿٣٤﴾ إِنَّهَا لَإِحْدَى الْكُبَرِ ﴿٣٥﴾ نَذِيرًا لِّلْبَشَرِ ﴿٣٦﴾ لِمَن شَاءَ مِنكُمْ أَن يَتَقَدَّمَ أَوْ يَتَأَخَّرَ ﴿٣٧﴾

ع ۱۵

ہم نے دوزخ کے داروغے صرف فرشتوں کو کئے ہیں' اور ہم نے ان کی تعداد صرف کافروں کی آزمائش کے لئے مقرر کی ہے تاکہ اہل کتاب یقین کر لیں اور ایمان دار ایمان میں بڑھ جائیں۔ اور اہل کتاب اور مسلمان شک نہ کریں' اور جن کے دلوں میں بیماری ہے وہ اور کافر کہیں کہ اس بیان سے اللہ تعالیٰ کی کیا مراد ہے؟ اسی طرح اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے تیرے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا' یہ تو کل بنی آدم کے لئے سراسر پند و نصیحت ہے۔ سچ کہتا ہوں قسم ہے چاند کی اور رات کی جب وہ پیچھے ہٹے۔ اور صبح کی جب کہ روشن ہو جائے کہ یقیناً جہنم بڑی چیزوں میں سے ایک ہے۔ بنی آدم کو ڈرانے والی یعنی اسے جو تم میں سے آگے بڑھنا چاہے یا پیچھے ہٹنا چاہے۔

جہنم کے داروغوں کا ذکر: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ عذاب کے کرنے پر اور جہنم کی نگہبانی پر ہم نے فرشتے ہی مقرر کئے جو رحم نہ کرنے

والے اور سخت کلامی کرنے والے ہیں۔ اس میں مشرکین قریش کی تردید ہے' انہیں جس وقت جہنم کے داروغوں کی تعداد بتلائی گئی تو ابوجہل نے کہا اے قریشیو! اگر یہ انیس ہیں تو زیادہ سے زیادہ ایک سو نوے ہم مل کر انہیں ہرا دیں گے۔ اس پر کہا جاتا ہے کہ وہ فرشتے ہیں انسان نہیں ہیں انہیں نہ تم ہرا سکو گے نہ تھکا سکو گے۔ف) یہ بھی کہا گیا ہے کہ ابوالاشدین جس کا نام کلدہ بن اسید بن خلف تھا اس نے اس تعداد کو سن کر کہا کہ قریشیو! تم سب مل کر ان میں سے دو کو روک لینا باقی سترہ کو میں کافی ہوں۔ یہ بڑا مغرور شخص تھا اور ساتھ ہی بڑا قوی تھا۔ یہ گائے کے چمڑے پر کھڑا ہو جاتا پھر دس طاقتور شخص مل کر اسے اس کے پیروں تلے سے نکالنا چاہتے کھال کے ٹکڑے اڑتے جاتے لیکن اس کے قدم جنبش بھی نہ کھاتے۔ یہی شخص ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے آ کر کہا تھا کہ آپ (ﷺ) مجھ سے کشتی لڑیں اگر آپ نے مجھے گرا دیا تو میں آپ (ﷺ) کی نبوت کو مان لوں گا۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے اس سے کشتی لڑی اور کئی بار اس کو گرایا لیکن اسے ایمان لانا نصیب نہ ہوا۔

امام ابن اسحٰق ؒ نے کشتی والا واقعہ رکانہ بن عبد یزید بن حاشم بن المطلب کا بتایا ہے۔ میں کہتا ہوں ان دونوں میں کچھ منافات نہیں (ممکن ہے کہ اس سے اور اس سے دونوں سے کشتی ہوئی ہو) واللہ اعلم۔ پھر فرمایا کہ اس گنتی کا ذکر تھا ہی امتحان کے لئے' ایک طرف کافروں کا کفر کھل پڑا' دوسری جانب اہل کتاب کا یقین کامل ہو گیا کہ اس رسول اللہ ﷺ کی رسالت حق ہے کیونکہ خود ان کی کتاب میں بھی یہی گنتی ہے' تیسری طرف ایمان دار اپنے ایمان میں سوا ہو گئے۔ حضور اکرم ﷺ کی بات کی تصدیق کی اور ایمان بڑھا۔ اہل کتاب اور مسلمانوں کو کوئی شک و شبہ نہ رہا بیمار دل منافق چیخ اٹھے کہ بھلا بتاؤ کہ اسے یہاں ذکر کرنے میں کیا حکمت ہے؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایسی ہی باتیں بہت سے لوگوں کے ایمان کی مضبوطی کا سبب بن جاتی ہیں اور بہت سے لوگوں کے شبہ والے دل اور ڈانواڈول ہو جاتے ہیں اللہ تعالیٰ کے یہ سب کام حکمت سے اور اسرار سے پر ہیں۔ تیرے رب کے لشکروں کی گنتی اور ان کی صحیح تعداد اور ان کی کثرت کا کسی کو علم نہیں وہی خوب جانتا ہے یہ نہ سمجھو کہ بس انیس ہی ہیں' جیسے یونانی فلسفیوں اور ان کے ہم خیال لوگوں نے اپنی جہالت کی وجہ سے سمجھ لیا کہ اس سے مراد عقول عشرہ اور نفوس تسعہ ہیں' حالانکہ یہ مجرد ان کا دعویٰ ہے جس پر دلیل قائم کرنے سے وہ بالکل عاجز ہیں۔ افسوس کہ آیت کے اول پر تو ان کی نظریں ہیں لیکن آخری حصہ کے ساتھ وہ کفر کر رہے ہیں جہاں صاف الفاظ موجود ہیں کہ تیرے رب کے لشکروں کو سوا اس کے کوئی نہیں جانتا' پھر انیس صرف کے کیا معنی؟ بخاری مسلم کی معراج والی حدیث میں ثابت ہو چکا ہے کہ آنحضور ﷺ نے بیت المعمور کا وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ ساتویں آسمان پر ہے اور اس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے جاتے ہیں' اسی طرح دوسرے روز ستر ہزار فرشتے جاتے ہیں' اسی طرح ہمیشہ تک' لیکن فرشتوں کی تعداد اس قدر کثیر ہے کہ جو آج گئے ان کی باری پھر قیامت تک نہیں آنے کی۔

فرشتوں کی کثرت کا ذکر: مسند احمد میں ہے رسول مقبول ﷺ فرماتے ہیں کہ میں وہ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے اور وہ سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے' آسمان چرچرا رہے ہیں اور انہیں چرچرانے کا حق ہے' ایک انگلی ٹکانے کی جگہ ایسی خالی نہیں جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ سجدے میں نہ پڑا ہو اگر تم وہ جان لیتے جو میں جانتا ہوں تو تم بہت کم ہنستے بہت زیادہ روتے اور بستروں پر اپنی بیویوں کے ساتھ لذت نہ پا سکتے بلکہ فریاد و زاری کرتے ہوئے جنگلوں کی طرف نکل کھڑے ہوتے۔ اس حدیث کو بیان فرما کر حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان سے بے ساختہ یہ نکل جاتا کہ کاش کہ میں درخت ہوتا جو کاٹ دیا جاتا۔ یہ حدیث ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی ہے اور امام ترمذی اسے حسن غریب بتلاتے ہیں اور حضرت ابوذرؓ سے مرفوعاً بھی روایت کی گئی ہے۔

طبرانی میں ہے کہ ساتوں آسمانوں میں قدم رکھنے کی بالشت بھر یا ہتھیلی جتنی جگہ بھی ایسی نہیں جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ قیام کی یا رکوع کی یا سجدے کی حالت میں نہ ہو' پھر بھی یہ سب کل قیامت کے دن کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ تو پاک ہے ہمیں جس قدر تیری عبادت کرنی چاہئے تھی اس قدر ہم سے ادا نہیں ہو سکی' البتہ ہم نے تیرے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا۔ امام محمد بن نصر مروزیؒ کی "کتاب الصلوۃ میں ہے

کہ حضور علیہ السلام نے ایک مرتبہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین سے سوال کیا کہ کیا جو میں سن رہا ہوں تم بھی سن رہے ہو؟ انہوں نے جواب میں کہا یا رسول اللہ ﷺ! ہمیں تو کچھ سنائی نہیں دیتا۔ آپ نے فرمایا آسمانوں کا چرچر بولنا میں سن رہا ہوں اور وہ اس چرچراہٹ پر ملامت نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ اس پر اس قدر فرشتے ہیں کہ ایک بالشت بھر جگہ خالی نہیں' کہیں کوئی رکوع میں ہے اور کہیں کوئی سجدے میں۔

دوسری روایت میں ہے کہ آسمان دنیا میں ایک قدم رکھنے کی جگہ بھی ایسی نہیں جہاں سجدے میں یا قیام میں کوئی فرشتہ نہ ہو' اسی لئے فرشتوں کا یہ قول قرآن کریم میں موجود ہے ﴿ وَمَا مِنَّا اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ وَّاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ ﴾ یعنی ہم میں سے ہر ایک کے لئے مقرر جگہ ہے' اور ہم صفیں باندھنے والے اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرنے والے ہیں۔ اس حدیث کا مرفوع ہونا بہت ہی غریب ہے۔ دوسری روایت میں یہ قول حضرت ابن مسعودؓ کا بیان کیا گیا ہے' ایک اور سند سے یہ روایت حضرت علاء بن سعدؓ سے بھی مرفوعاً مروی ہے یہ صحابی فتح مکہ میں اور اس کے بعد کے جہادوں میں حضور اکرم ﷺ کے ساتھ تھے۔ لیکن سنداً یہ بھی غریب ہے۔ ایک اور بہت ہی غریب بلکہ سخت منکر حدیث میں ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ آئے نماز کھڑی ہوئی تھی' اور تین شخص بیٹھے ہوئے تھے جن میں ایک ابو جحش لیثی تھا۔ آپ نے فرمایا اٹھو حضور اکرم ﷺ کے ساتھ نماز میں کھڑے ہو جاؤ۔ تو دو شخص تو کھڑے ہو گئے' لیکن ابو جحش کہنے لگا اگر کوئی ایسا شخص آئے جو طاقت و قوت میں مجھ سے زیادہ ہو اور مجھ سے کشتی لڑے اور مجھے گرا دے پھر میرا منہ مٹی میں ملا دے تو تو میں اٹھوں گا ورنہ بس اٹھ چکا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اور کون آئے گا آ جا میں تیار ہوں' چنانچہ کشتی ہونے لگی اور میں نے اسے پچھاڑا پھر اس کے منہ کو مٹی میں ملا دیا۔ اتنے میں حضرت عثمان بن عفانؓ آ گئے اور اسے میرے ہاتھ سے چھڑا دیا۔ میں بڑا بگڑا اور اسی غصہ کی حالت میں آں حضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے مجھے دیکھتے ہی فرمایا' ابو حفص! آج کیا بات ہے؟ میں نے تمام واقعہ کہہ سنایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر عمر کی مرضی بھی یہی ہو تو اللہ تعالیٰ کی قسم میرے نزدیک تو اس خبیث کا سر اتار لیتا تو اچھا تھا۔ یہ سنتے ہی حضرت عمرؓ یونہی وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے اور اس کی طرف لپکے' خاصی دور نکل چکے تھے جو حضور اکرم ﷺ نے انہیں آواز دی اور فرمایا بیٹھو سن تو لو کہ اللہ تعالیٰ ابو جحش کی نماز سے بالکل بے نیاز ہے' آسمان دنیا میں خشوع و خضوع والے بے شمار فرشتے اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدے میں پڑے ہوئے ہیں جو قیامت تک سر ہی نہیں اٹھانے کے' قیامت کو سجدے سے سر اٹھائیں گے اور یہ کہتے ہوئے حاضر ہوں گے کہ اے ہمارے رب! ہم سے تیری عبادت کا حق ادا نہیں ہو سکا اسی طرح دوسرے آسمان میں بھی یہی حال ہے۔ حضرت عمرؓ نے سوال کیا کہ حضور اکرم (ﷺ) ان کی تسبیح کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا آسمان دنیا کے فرشتے تو کہتے ہیں ﴿ سُبْحَانَ ذِی الْمُلْكِ وَالْمَلَكُوْتِ ﴾ اور دوسرے آسمان کے فرشتے کہتے ہیں ﴿سُبْحَانَ ذِی الْعِزَّةِ وَالْجَبَرُوْتِ ﴾ اور تیسرے آسمان کے فرشتے کہتے ہیں ﴿ سُبْحَانَ الْحَيِّ الَّذِیْ لَا يَمُوْتُ ﴾ عمر تم بھی اپنی نماز میں اسے کہا کرو۔ حضرت عمرؓ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! اس سے پہلے جو پڑھنا آپ ﷺ نے سکھایا ہے اور جس کے پڑھنے کو فرمایا ہے اس کا کیا ہو گا؟ فرمایا کبھی یہ کہو کبھی وہ پڑھو۔ پہلے جو پڑھنے کو آپ ﷺ نے فرمایا تھا وہ یہ تھا۔ ﴿ اَعُوْذُ بِعَفْوِكَ مِنْ عِقَابِكَ وَاَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ جَلَّ وَجْهُكَ ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ تیرے عذابوں سے میں تیری معافی کی پناہ میں آتا ہوں اور تیری ناراضگی سے تیری رضامندی کی پناہ چاہتا ہوں اور تجھ سے تیری ہی پناہ پکڑتا ہوں۔ تیرا چہرہ جلال والا ہے۔

اور اسحٰق مروزی جو راوی حدیث ہے اس سے حضرت امام بخاریؒ روایت کرتے ہیں اور امام ابن حبانؒ بھی انہیں ثقہ راویوں میں گنتے ہیں' لیکن حضرت امام ابوداؤدؒ' امام نسائیؒ' امام عقیلیؒ اور امام دار قطنیؒ انہیں ضعیف کہتے ہیں۔ امام ابو حاتم رازیؒ فرماتے ہیں' تھے تو یہ سچے مگر نابینا ہو گئے تھے اور کبھی کبھی تلقین قبول کر لیا کرتے تھے۔ ہاں ان کی کتابوں کی مرویات صحیح ہیں۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ یہ مضطرب ہیں اور ان کے استاد عبدالملک بن قدامہ ابو قتادہ حجی میں بھی کلام ہے۔ تعجب ہے کہ امام محمد بن نصرؒ نے ان کی اس حدیث کو کیسے روایت کر دیا؟ اور نہ تو اس پر کلام کیا نہ اس کے حال کو معلوم کرایا' نہ اس کے بعد راویوں کے ضعف کو بیان کیا ہاں اتنا تو کیا ہے کہ اسے دوسری سند سے مرسلاً روایت

کر دیا ہے اور مرسل کی دو سندیں لائے ہیں' ایک حضرت سعید ابن جبیرؒ سے دوسری حضرت حسن بصریؒ سے۔

پھر ایک اور روایت لائے ہیں کہ حضرت عدی بن ارطاۃؒ نے مدائن کی جامع مسجد میں اپنے خطبہ میں فرمایا کہ میں نے ایک صحابیؓ سے سنا ہے انہوں نے نبی کریم ﷺ سے سنا کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے بہت سے ایسے فرشتے ہیں جو ہر وقت خوف الٰہی سے کپکپاتے رہتے ہیں' ان کے آنسو گرتے رہتے ہیں اور وہ ان فرشتوں پر ٹپکتے ہیں جو نماز میں مشغول ہیں اور ان میں سے ایسے فرشتے بھی ہیں جو ابتداء دنیا سے رکوع میں ہی ہیں' اور بعض سجدے میں ہی ہیں' قیامت کے دن اپنی پیٹھ اور سر اٹھائیں گے اور نہایت عاجزی سے جناب باری میں عرض کریں گے کہ یاالٰہی تو پاک ہے ہم سے تیری عبادت کا حق ادا نہیں ہو سکا۔ اس حدیث کی اسناد میں کوئی حرج نہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ آگ جس کا وصف تم سن چکے' یہ لوگوں کے لئے سراسر باعث عبرت و نصیحت ہے۔ پھر چاند کی رات کے جانے کی' صبح کے روشن ہونے کی قسمیں کھا کھا کر فرماتا ہے کہ وہ آگ ایک زبردست اور بہت بڑی چیز ہے' جو اس ڈراوے کو قبول کر کے حق کی راہ لگنا چاہے لگ جائے' جو چاہے باوجود اس کے بھی حق کو پیٹھ ہی دیتا رہے اور اس سے دور بھاگتا رہے اور اسے رد کرتا رہے۔

كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ ﴿٣٨﴾ إِلَّا أَصْحَابَ الْيَمِينِ ﴿٣٩﴾ فِي جَنَّاتٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿٤٠﴾ عَنِ الْمُجْرِمِينَ ﴿٤١﴾ مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ ﴿٤٢﴾ قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ ﴿٤٣﴾ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِينَ ﴿٤٤﴾ وَكُنَّا نَخُوضُ مَعَ الْخَائِضِينَ ﴿٤٥﴾ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّينِ ﴿٤٦﴾ حَتَّىٰ أَتَانَا الْيَقِينُ ﴿٤٧﴾ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ ﴿٤٨﴾ فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِينَ ﴿٤٩﴾ كَأَنَّهُمْ حُمُرٌ مُسْتَنْفِرَةٌ ﴿٥٠﴾ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ﴿٥١﴾ بَلْ يُرِيدُ كُلُّ امْرِئٍ مِنْهُمْ أَنْ يُؤْتَىٰ صُحُفًا مُنَشَّرَةً ﴿٥٢﴾ كَلَّا ۖ بَلْ لَا يَخَافُونَ الْآخِرَةَ ﴿٥٣﴾ كَلَّا إِنَّهُ تَذْكِرَةٌ ﴿٥٤﴾ فَمَنْ شَاءَ ذَكَرَهُ ﴿٥٥﴾ وَمَا يَذْكُرُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ ۚ هُوَ أَهْلُ التَّقْوَىٰ وَأَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ﴿٥٦﴾

ہر شخص اپنے اعمال میں محبوس اور مبتلا ہے۔ مگر دائیں ہاتھ والے کہ وہ بہشتوں میں بیٹھے ہوئے گنہگاروں سے سوال کرتے ہوں گے۔ کہ تمہیں دوزخ میں کس چیز نے ڈالا؟ وہ جواب دیں گے کہ ہم نمازی نہ تھے۔ نہ مسکینوں کو کھانا کھلاتے تھے۔ اور ہم بحث کرنے والے انکاریوں کا ساتھ دے کر بحث مباحثہ میں مشغول رہا کرتے تھے۔ اور جزا سزا کے دن کو بھی ہم سچا نہیں جانتے تھے۔ یہاں تک کہ ہمیں موت آ گئی۔ پس انہیں سفارش کرنے والوں کی سفارش نفع نہ دے گی۔ انہیں کیا ہو گیا ہے؟ کہ نصیحت سے منہ موڑ رہے ہیں۔ گویا کہ وہ بدکے ہوئے گدھے ہیں۔ جو شیر سے بھاگے ہوں۔ بلکہ ان میں سے ہر شخص چاہتا ہے کہ اسے کھلی ہوئی کتابیں دی جائیں۔ ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا' دراصل یہ قیامت سے بے خوف ہیں۔ سچی بات تو یہ ہے کہ یہ قرآن ایک نصیحت ہے۔ اب جو چاہے اسے یاد کرلے اور وہ جب ہی یاد کریں گے جب اللہ تعالیٰ چاہے' وہ اسی لائق ہے کہ اس سے ڈریں اور اس لائق بھی کہ وہ بخشے۔

ہر نفس اپنے اعمال پر پکڑا جائے گا: اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ ہر شخص اپنے اعمال میں قیامت کے دن جکڑا بندھا ہو گا لیکن جن کے دائیں ہاتھ میں اعمال نامہ آیا ہے' وہ جنت کے بالا خانوں میں چین سے بیٹھے ہوئے جہنم والوں کو بدترین عذابوں میں دیکھ کر ان سے پوچھیں گے کہ تم یہاں کیسے پہنچ گئے؟ وہ جواب دیں گے کہ ہم نے نہ تو رب کی عبادت کی نہ مخلوق کے ساتھ احسان کیا' بغیر علم کے جو زبان پر چڑھا بکتے

رہے' جہاں کسی کو اعتراض کرتے سنا' ہم بھی ساتھ ہو گئے اور باتیں بنانے لگے' اور قیامت کے دن کی تکذیب ہی کرتے رہے' یہاں تک کہ موت آ گئی۔ یقین کے معنی موت کے اس آیت میں بھی ہیں ﴿ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴾ یعنی موت کے وقت تک اللہ تعالیٰ کی عبادت میں لگا رہ۔ اور حضرت عثمان بن مظعونؓ کی وفات کی نسبت حدیث میں بھی یقین کا لفظ آیا ہے۔ اب اللہ رب العزت فرماتا ہے کہ ایسے لوگوں کو کسی کی سفارش اور شفاعت نفع نہ دے گی اس لئے کہ شفاعت وہاں نافع ہوتی ہے جہاں محل شفاعت ہو لیکن جن کا دم بھی کفر پر نکلا ہو ان کے لئے شفاعت کہاں؟ وہ ہمیشہ کے لئے ہاویہ میں گئے۔ پھر فرمایا کیا بات ہے؟ کونسی وجہ ہے؟ کہ یہ کافر تیری نصیحت اور دعوت سے منہ پھیر رہے ہیں اور قرآن وحدیث سے اس طرح بھاگتے ہیں جیسے جنگلی گدھے شکاری شیر سے 'فارسی زبان میں جسے شیر کہتے ہیں اسے عربی زبان میں اسد کہتے ہیں اور حبشی زبان میں قسورہ کہتے ہیں اور نبطی زبان میں اوبا۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ مشرکین تو چاہتے ہیں کہ ان کے ہر ہر شخص پر علیحدہ علیحدہ کتاب اترے جیسے اور جگہ ان کا مقولہ ہے ﴿ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ ﴾ یعنی جب ان کے پاس کوئی آیت آتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم تو ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ وہ نہ دیئے جائیں جو اللہ تعالیٰ کے رسولوں کو دیا گیا ہے اللہ تعالیٰ کو بخوبی علم ہے کہ رسالت کے قابل کون ہے؟ اور یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ ہم بغیر عمل کے چھٹکارا دے دیئے جائیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے دراصل وجہ یہ ہے کہ انہیں آخرت کا خوف ہی نہیں کیونکہ انہیں اس کا یقین نہیں اس پر ایمان نہیں بلکہ اسے جھٹلاتے ہیں تو ڈرتے کیوں؟ پھر فرمایا سچی بات تو یہ ہے کہ یہ قرآن محض نصیحت و موعظت ہے جو چاہے عبرت حاصل کر لے اور نصیحت پکڑ لے' جیسے فرمان ہے ﴿ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ﴾ یعنی تمہاری چاہتیں اللہ تعالیٰ کی چاہت کی تابع ہیں۔ پھر فرمایا اسی کی ذات اس قابل ہے کہ اس سے خوف کھایا جائے اور وہی ایسا ہے کہ ہر رجوع کرنے والے کی توبہ قبول فرما لے۔ مسند احمد میں ہے کہ رسول کریم ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا کہ تمہارا رب فرماتا ہے کہ میں اس کا حقدار ہوں کہ مجھ سے ڈرا جائے' اور میرے ساتھ دوسرا معبود نہ ٹھہرایا جائے' جو میرے ساتھ شریک بنانے سے بچ گیا' تو وہ میری بخشش کا مستحق ہو گیا۔ ابن ماجہ اور نسائی اور ترمذی وغیرہ میں بھی یہ حدیث ہے اور امام ترمذیؒ اسے حسن غریب کہتے ہیں۔ سہیل اس کا راوی قوی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے احسان سے سورۂ مدثر کی تفسیر بھی ختم ہوئی۔

تفسیر سورۂ قیامہ مکیہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۙ﴿۱﴾ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ﴿۲﴾ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ﴿۳﴾ بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰٓى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ ﴿۴﴾ بَلْ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ ﴿۵﴾ يَسْئَلُ اَيَّانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ ﴿۶﴾ فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ۙ﴿۷﴾ وَخَسَفَ الْقَمَرُ ۙ﴿۸﴾ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۙ﴿۹﴾ يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ ﴿۱۰﴾ كَلَّا لَا وَزَرَ ﴿۱۱﴾ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ ۨ الْمُسْتَقَرُّ ﴿۱۲﴾ يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ﴿۱۳﴾ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ۙ﴿۱۴﴾ وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ ﴿۱۵﴾

معبود برحق رحمٰن ورحیم کے نام سے شروع

میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی۔اور قسم کھاتا ہوں اس نفس کی جو ملامت کرنے والا ہو۔ کیاانسان یہ خیال کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں جمع کریں گے ہی نہیں۔ہاں کریں گے ہم تو قادر ہیں کہ اس کی انگلیوں کی پور پور تک درست کر دیں۔ بلکہ انسان تو چاہتا ہے کہ آگے آگے نافرمانیاں کرتا جائے۔ پوچھتا ہے کہ قیامت کادن کب آئے گا؟ پس جس وقت کہ نگاہ پتھرا جائے اور چاند بے نور ہو جائے اور سورج اور چاند جمع کر دیئے جائیں۔اس دن انسان کہے گا کہ آج بھاگنے کی جگہ کہاں ہے؟ نہیں نہیں کوئی پناہ نہیں' آج تو تیرے پروردگار کی طرف ہی قرارگاہ ہے۔ آج انسان کو اس کے آگے بھیجے ہوئے اور پیچھے چھوڑے ہوئے سے آگاہ کیا جائے گا۔ بلکہ انسان خود اپنے اوپر آپ حجت ہے۔ گو اپنے تمام عذر سامنے ڈال دے۔

قسم قیامت کی: یہ کئی دفعہ بیان ہو چکا ہے کہ جس چیز پر قسم کھائی جائے اگر وہ رد کرنے کی چیز ہو تو قسم سے پہلے لا کا کلمہ نفی کی تائید کے لئے لانا جائز ہوتا ہے۔ یہاں قیامت کے ہونے پر اور جاہلوں کے اس قول کی تردید پر کہ قیامت نہ ہو گی قسم کھائی جارہی ہے تو فرماتا ہے' قسم ہے قیامت کے دن کی اور قسم ہے ملامت کرنے والی جان کی۔ حضرت حسنؒ تو فرماتے ہیں کہ قیامت کی قسم ہے اور ملامت کرنے والے نفس کی قسم نہیں ہے۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ دونوں کی قسم ہے۔ حسنؒ اور اعرجؒ کی قرأت ﴿ لَاُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ﴾ ہے۔اس سے بھی حضرت حسنؒ کے قول کی تائید ہوتی ہے اس لئے کہ ان کے نزدیک پہلے کی قسم ہے اور دوسرے کی نہیں' لیکن صحیح قول یہی ہے کہ دونوں کی قسم کھائی ہے جیسے کہ حضرت قتادہ کا فرمان ہے' ابن عباسؓ اور سعید بن جبیرؒ سے بھی یہی مروی ہے اور امام ابن جریرؒ کا مختار قول بھی یہی ہے۔ یوم قیامت کو تو ہر شخص جانتا ہی ہے۔

قسم نفس لوامہ کی: نفس لوامہ کی تفسیر میں حضرت حسن بصریؒ سے مروی ہے کہ اس سے مراد مومن کا نفس ہے۔ کہ وہ ہر وقت اپنے آپ کو ملامت ہی کرتا رہتا ہے کہ یوں کیوں کہہ دیا؟ یہ کیوں کھالیا؟ یہ خیال دل میں کیوں آیا؟ ہاں فاسق فاجر غافل ہوتا ہے اسے کیا پڑی ہے جو اپنے نفس کو روکے۔ یہ بھی مروی ہے کہ زمین و آسمان کی تمام مخلوق اپنے آپ کو ملامت کرے گی' خیر والے خیر کی کمی پر اور شر والے شر کے سرزد ہو جانے پر۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد مذموم نفس ہے جو نافرمان ہو' فوت شدہ پر نادم ہونے والا اور اس پر ملامت کرنے والا۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ یہ سب اقوال قریب قریب ہیں مطلب یہ ہے کہ یہ وہ نفس والا ہے جو نیکی کی کمی پر برائی کے ہو جانے پر اپنے نفس کو ملامت کرتا ہے اور فوت شدہ پر ندامت کرتا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ انسان یہ سوچے ہوئے ہے کہ ہم قیامت کے دن اس کی ہڈیوں کے جمع کرنے پر قادر نہ ہوں گے۔ یہ تو نہایت غلط خیال ہے۔ ہم اسے متفرق جگہ سے جمع کر کے دوبارہ کھڑا کریں گے اور اس کی پوری پوری بنادیں گے' ابن عباسؓ وغیرہ فرماتے ہیں یعنی ہم قادر ہیں کہ اسے اونٹ یا گھوڑے کے تلوے کی طرح بنادیں۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں یعنی دنیا میں بھی اگر ہم چاہتے اسے ایسا کر دیتے۔ آیت کے لفظوں سے تو بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ﴿ قٰدِرِيْنَ ﴾ حال ہے۔ ﴿ تَجْمَعُ ﴾ سے' یعنی انسان کیا یہ گمان کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں جمع نہ کریں گے۔ہاں ہاں ہم عنقریب جمع کریں گے دراں حالیکہ ہمیں ان کے جمع کرنے کی قدرت ہے بلکہ اگر ہم چاہیں تو جتنا یہ تھا اس سے بھی کچھ زیادہ بنا کر اسے اٹھائیں اس کی انگلیوں کہ سرے برابر کر کے' ابن قتیبہ اور زجاج کے قول کے یہی معنی ہیں۔

انسان کے اعمال: پھر فرماتا ہے کہ انسان اپنے آگے فسق و فجور کرنا چاہتا ہے یعنی قدم بہ قدم بڑھ رہا ہے امیدیں باندھے ہوئے ہے' کہتا جاتا ہے کہ گناہ کر تو لوں توبہ بھی ہو جائے گی' قیامت کے دن سے جو اس کے آگے ہے کفر کرتا ہے وہ گویا اپنے سر پر سوار ہو کر آگے بڑھ رہا ہے' ہر وقت یہی پایا جاتا ہے کہ ایک ایک قدم اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کی معصیت کی طرف بڑھاتا جاتا ہے۔ مگر جن پر رب کا رحم ہے۔ اکثر سلف کا قول اس آیت کی تفسیر میں یہی ہے کہ گناہوں میں جلدی کرتا ہے اور توبہ میں تاخیر کرتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں یوم حساب سے انکاری ہے' ابن زیدؒ بھی یہی کہتے ہیں اور یہی زیادہ ظاہر مراد ہے کیونکہ اس کے بعد ہی ہے کہ وہ پوچھتا ہے قیامت کب ہو گی؟ اس کا یہ سوال بھی

بطور انکار کے ہے یہ تو جانتا ہے کہ قیامت کا آنا محال ہے جیسے اور جگہ ہے ﴿ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ ﴾ کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو بتا دو کہ قیامت کب آئے گی؟ ان سے کہہ دے کہ اس کا ایک دن مقرر ہے جس سے نہ تم ایک ساعت آگے بڑھ سکو گے نہ پیچھے ہٹ سکو گے۔ یہاں بھی فرماتا ہے کہ جب آنکھیں پتھرا جائیں گی' جیسے اور جگہ ہے ﴿ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ﴾ الخ۔ یعنی پلکیں جھپکیں گی نہیں بلکہ رعب و دہشت کے مارے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ادھر ادھر دیکھتے رہیں گے۔ ﴿ بَرِقَ ﴾ کی دوسری قراءت ﴿ بَرَقَ ﴾ بھی ہے معنی قریب قریب ہیں اور چاند کی روشنی بالکل جاتی رہے گی' اور سورج چاند جمع کر دیئے جائیں گے یعنی دونوں کو بے نور کر کے لپیٹ لیا جائے گا۔ جیسے فرمایا ہے ﴿ اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ﴾

حضرت ابن مسعودؓ کی قراءت میں ﴿ وَجُمِعَ بَيْنَ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ ﴾ ہے' انسان جب یہ پریشانی شدت ہول گھبراہٹ اور انتظام عالم کی یہ خطرناک حالت دیکھے گا تو بھاگتا جائے گا اور کہے گا کہ جائے پناہ بھاگنے کی جگہ کہاں ہے؟ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب ملے گا کہ کوئی پناہ نہیں رب کے سامنے اور اس کے پاس ٹھہرنے کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿ مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ يَّوْمَئِذٍ مَّا لَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ ﴾ یعنی آج نہ تو کوئی جائے پناہ ہے نہ ایسی جگہ کہ وہاں جا کر تم انجام اور بے پہچان بن جاؤ۔ آج ہر شخص کو اس کے اگلے پچھلے نئے پرانے چھوٹے بڑے اعمال سے مطلع کیا جائے گا۔ جیسے فرمان ہے ﴿ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ﴾ یعنی جو کیا تھا موجود پالیں گے اور تیرا رب کسی پر ظلم نہ کرے گا۔ انسان اپنے آپ کو بخوبی جانتا ہے' اپنے اعمال کا خود آئینہ ہے گو انکار کرے اور عذر معذرت پیش کرتا پھرے'

جیسے فرمان ہے ﴿ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ﴾ اپنا نامہ اعمال خود پڑھ لے اور اپنے آپ کو آپ ہی جانچ لے' اس کے کان آنکھ ہاتھ پاؤں اور دیگر اعضاء ہی اس پر شہادت دینے کو کافی ہیں' لیکن افسوس کہ یہ دوسروں کے عیبوں اور نقصانوں کو دیکھتا ہے اور اپنے کیڑے چننے سے غافل ہے۔ کہا جاتا ہے کہ توراۃ میں لکھا ہوا ہے کہ اے ابن آدم! تو دوسروں کی آنکھوں کا تو تنکا دیکھتا ہے اور اپنی آنکھ کا شہتیر بھی تجھے سجھائی نہیں دیتا؟ قیامت کے دن گو انسان فضول بہانے بنائے اور جھوٹی دلیلیں دے اور بے کار عذر پیش کرے' ایک بھی قبول نہ کیا جائے گا۔ اس آیت کے ایک معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ وہ پردے ڈالے۔ اہل یمن پردہ کو عذار کہتے ہیں۔ لیکن صحیح معنی اوپر والے ہیں' جیسے اور جگہ ہے کہ کوئی معقول عذر نہ پا کر اپنے شرک کا سرے سے انکار ہی کر دیں گے کہ اللہ تعالیٰ کی قسم ہم مشرک تھے ہی نہیں۔ اور جگہ ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے بھی قسمیں کھا کھا کر سچا ہونا چاہیں گے جیسے دنیا میں تمہارے سامنے ان کی حالت ہے لیکن اللہ تعالیٰ پر تو ان کا جھوٹ ظاہر ہے گو وہ اپنے آپ کو کچھ بھی سمجھتے رہیں۔ غرض عذر معذرت انہیں قیامت کے دن کچھ کار آمد نہ ہو گی' جیسے اور جگہ فرماتا ہے ﴿ لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ ﴾ ظالموں کو ان کی معذرت کچھ کار آمد نہ ہو گی' یہ اپنے شرک کے ساتھ ہی اپنی تمام بداعمالیوں کا انکار کر دیں گے لیکن بے سود ہو گا۔

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ﴿١٦﴾ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ﴿١٧﴾ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ﴿١٨﴾ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ﴿١٩﴾ كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ﴿٢٠﴾ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿٢١﴾ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿٢٢﴾ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿٢٣﴾ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍۭ بَاسِرَةٌ ﴿٢٤﴾ تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ﴿٢٥﴾

اے نبی! تم قرآن کو جلدی یاد کرنے کے لئے اپنی زبان کو حرکت نہ دو۔ اس کا جمع کرنا اور پڑھنا ہمارے ذمہ ہے۔ ہم جب اسے پڑھیں تو تو اس کے پڑھنے

کے درپے رہ۔ پھر اس کا واضح کر دینا ہمارے ذمہ ہے۔ نہیں نہیں تم تو دنیا کی محبت رکھتے ہو۔ اور آخرت کو چھوڑ بیٹھے ہو۔ اس روز بہت سے چہرے تر و تازہ اور بارونق ہوں گے۔ اپنے رب کی طرف دیکھتے ہوں گے۔ اور کتنے ایک چہرے۔ اس دن بدرونق اور اداس ہوں گے۔ سمجھتے ہوں گے کہ ان کے ساتھ کمر توڑ دینے والا معاملہ کیا جائے گا۔

قرآن پڑھنا اور یاد کرنا: یہاں اللہ عزوجل اپنے نبی کریم ﷺ کو تعلیم دیتا ہے کہ فرشتے سے وحی کس طرح لیں‘ آنحضور اکرم ﷺ اس کے لینے میں بہت جلدی کرتے تھے اور قرات میں فرشتے کے بالکل ساتھ ساتھ رہتے تھے۔ پس اللہ عزوجل حکم فرماتا ہے کہ جب فرشتہ وحی لے کر آئے تو آپ سنتے رہیں۔ پھر جس ڈر سے آپ ﷺ ایسا کرتے تھے اس کی بابت تسلی دیتا ہے کہ آپ کے سینے میں اسے جمع کر دینا اور بروقت آپ کی زبان سے اس کا پڑھادینا یہ ہمارے ذمہ ہے اسی طرح اس کا واضح کرانا اور تفسیر اور بیان آپ سے کرانے کے ذمہ دار بھی ہم ہی ہیں‘ پس پہلی حالت تو یاد کرانا دوسری تلاوت کرانا تیسری تفسیر مضمون اور توضیح مطلب کرانا تینوں کی کفالت اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی‘ جیسے اور جگہ ہے ﴿ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِىْ عِلْمًا ﴾ یعنی جب تک تیرے پاس وحی پوری نہ آئے تو پڑھنے میں جلدی نہ کیا کر۔ ہم سے دعامانگ کہ میرے رب! میرے علم کو زیادہ کرتا رہ۔ پھر فرماتا ہے کہ اسے تیرے سینے میں جمع کرنا اور اسے تجھ سے پڑھوانا ہمارے اوپر ہے جب ہم اسے پڑھیں یعنی جب ہمارا نازل کردہ فرشتہ اسے تلاوت کرے تو تو سن لے جب وہ پڑھ چکے تب تو پڑھ ہماری مہربانی سے تجھے پورا یاد نکلے گا‘ اتنا ہی نہیں بلکہ حفظ کرانے تلاوت کرانے کے بعد ہم تجھے اس کے معانی مطالب تبیین و توضیح کے ساتھ سمجھادیں گے تاکہ ہماری اصلی مراد اور صاف شریعت سے تو پوری طرح آگاہ ہو جائے۔

مسند میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو اس سے پہلے وحی لینے میں سخت تکلیف ہوتی تھی اس ڈر کے مارے کہ کہیں میں بھول نہ جاؤں‘ فرشتے کے ساتھ ساتھ پڑھتے جاتے تھے اور آپ ﷺ کے ہونٹ مبارک ہلتے جاتے تھے۔ ابن عباسؓ راوی حدیث نے اپنے ہونٹ ہلا کر دکھایا کہ اس طرح اور ان کے شاگرد سعیدؒ نے بھی اپنے استاد کی طرح ہونٹ ہلا کر اپنے شاگرد کو دکھائے۔ اس پر یہ آیت اتری کہ اتنی جلدی نہ کرو اور ہونٹ نہ ہلاؤ۔ اسے آپ کے سینے میں جمع کرنا اور آپ (ﷺ) کی زبان سے اس کی تلاوت کرانا ہمارے سپرد ہے جب ہم اسے پڑھیں تو آپ سنئے اور چپ رہئے۔ جبرئیل کے چلے جانے کے بعد انہی کی طرح ان کا پڑھایا ہوا پڑھانا بھی ہمارے سپرد ہے۔ بخاری و مسلم میں بھی یہ روایت ہے۔ بخاری میں یہ بھی ہے کہ پھر وحی اترتی تو آپ ﷺ نظریں نیچی کر لیتے اور جب وحی اتر چکتی تو آپ ﷺ پڑھتے۔ ابن ابی حاتم میں بھی یہ روایت ابن عباسؓ یہ حدیث مروی ہے اور بہت سے مفسرین سلف صالحین نے یہی فرمایا ہے۔ یہ بھی مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ ہر وقت تلاوت فرمایا کرتے تھے کہ ایسا نہ ہو کہ میں بھول جاؤں‘ اس پر یہ آیتیں اتریں۔

حضرت ابن عباسؓ اور عطیہ عوفیؒ فرماتے ہیں اس کا بیان ہم پر ہے یعنی حلال حرام کا واضح کرنا۔ حضرت قتادہؒ کا قول بھی یہی ہے۔ پھر فرمان ہوتا ہے کہ ان کافروں کو قیامت کے انکار کرنے اور اللہ تعالیٰ کی پاک کتاب کو نہ ماننے اور اللہ تعالیٰ کے عظیم الشان رسول ﷺ کی اطاعت نہ کرنے پر آمادہ کرنے والی چیز حب دنیا اور ترک آخرت ہے‘ حالانکہ آخرت کا دن بڑی اہمیت والا دن ہے۔ ف) اس دن بہت سے لوگ تو وہ ہوں گے جن کے چہرے ہشاش بشاش‘ تر و تازہ خوش و خرم ہوں گے اور اپنے رب کے دیدار سے مشرف ہو رہے ہوں گے جیسے کہ صحیح بخاری میں ہے کہ عنقریب تم اپنے رب کو صاف صاف کھلم کھلا اپنے سامنے دیکھو گے‘ بہت سی صحیح احادیث سے متواتر سندوں سے جو ائمہ حدیث نے اپنے کتابوں میں وارد کی ہیں ثابت ہو چکا ہے کہ ایمان والے اپنے رب کے دیدار سے قیامت کے دن مشرف ہوں گے‘ ان احادیث کو نہ تو کوئی ہٹا سکے گا نہ ان کا کوئی انکار کر سکے گا۔

صحیح بخاری‘ صحیح مسلم میں حضرت ابو سعیدؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ! کیا ہم اپنے رب کو قیامت کے دن دیکھیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا سورج اور چاند کو جب کہ آسمان صاف بے ابر ہو دیکھنے میں تمہیں کوئی مزاحمت اور

بھیڑ بھاڑ ہوتی ہے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اسی طرح تم اللہ تعالیٰ کو دیکھو گے۔ بخاری مسلم میں ہی حضرت جریرؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے چودھویں رات کے چاند کو دیکھا اور فرمایا تم اسی طرح اپنے رب کو دیکھو گے جس طرح اس چاند کو دیکھ رہے ہو' پس اگر تم سے ہو سکے تو سورج نکلنے سے پہلے کی نماز (یعنی صبح کی نماز) اور سورج ڈوبنے سے پہلے کی نماز (یعنی عصر کی نماز) میں کسی طرح کی سستی نہ کرو۔ حضرت ابو موسیٰؓ سے ان ہی دونوں متبرک کتابوں میں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دو جنتیں سونے کی ہیں وہاں کے برتن بھانڈے اور ہر چیز سونے کی ہے۔ اور دو جنتیں چاندی کی ہیں ان کے برتن بھانڈے اور ہر چیز چاندی ہی کی ہے ان جنتیوں اور اللہ تعالیٰ کے دیدار کے درمیان سوائے کبریائی کی چادروں کے اور کچھ آڑ نہیں۔ یہ جنت عدن کا ذکر ہے۔

صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ جب جنتی جنت میں پہنچ جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے دریافت فرمائے گا کہ کچھ چاہتے ہو کہ بڑھا دوں؟ وہ کہیں گے اللہ تعالیٰ تو نے ہمارے چہرے سفید نورانی کر دیئے ہمیں جنت میں پہنچا دیا جہنم سے بچا لیا اب ہمیں کس چیز کی ضرورت ہے؟ اسی وقت حجاب ہٹا دیئے جائیں گے اور ان اہل جنت کی نگاہیں جمال باری سے منور ہوں گی۔ اس میں انہیں جو سرور و لذت حاصل ہوگی' وہ کسی چیز میں حاصل نہ ہوگی۔ سب سے زیادہ محبوب انہیں دیدار باری ہوگا اسی کو اس آیت میں لفظ ﴿زِيَادَةٌ﴾ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی ﴿ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَ زِيَادَةٌ ﴾ یعنی احسان کرنے والوں کو جنت بھی ملے گی اور دیدار الٰہی بھی۔

صحیح مسلم کی حضرت جابرؓ والی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنوں پر قیامت کے میدان میں مسکراتا ہوا تجلی فرمائے گا' پس معلوم ہوا کہ ایمان دار قیامت کے عرصات میں اور جنتوں میں دیدار الٰہی سے مشرف کئے جائیں گے۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ سب سے ہلکے درجے کا جنتی اپنی ملکیت کو دو ہزار سال دیکھتا رہے گا دور کی اور نزدیک کی چیزیں یکساں نگاہ میں ہوں گی ہر طرف اور ہر جگہ اسی کی بیویاں اور خادم نظر آئیں گے' اور اعلیٰ درجے کے جنتی ایک ایک دن میں دو دو مرتبہ اللہ تعالیٰ کے بزرگ چہرے کو دیکھیں گے۔ ترمذی میں بھی یہ حدیث ہے۔ یہ حدیث بہ روایت حضرت ابن عمرؓ مرفوعاً بھی مروی ہے۔ ہمیں ڈر ہے کہ اگر اس قسم کی تمام حدیثیں اور روایتیں اور ان کی سندیں اور ان کے مختلف الفاظ یہاں جمع کریں گے تو مضمون بہت طویل ہو جائے گا' بہت ہی صحیح اور حسن حدیثیں بہت سی مسند اور سنن کی کتابوں میں مروی ہیں جن میں کی اکثر ہماری اس تفسیر میں متفرق مقامات پر آ بھی گئی ہیں۔ ہاں توفیق اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس مسئلہ میں یعنی اللہ تعالیٰ کا دیدار مومنوں کو قیامت کے دن نصیب ہونے میں صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین تابعین رحمتہ اللہ علیہم اور سلف امت کا اتفاق اور اجماع ہے۔

ائمہ اسلام رحمتہ اللہ علیہم اور ہداۃ انام رحمتہ اللہ علیہم سب اس پر متفق ہیں' جو لوگ اس کی تاویل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مراد اس سے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو دیکھنا ہے' جیسے مجاہد اور ابو صالح سے تفسیر ابن جریر میں مروی ہے ان کا قول حق سے دور اور سراسر تکلف سے معمور ہے۔ ان کے پاس اس آیت کا کیا جواب ہے جہاں بدکاروں کی نسبت فرمایا گیا ہے ﴿ كَلَّاۤ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ﴾ یعنی فاجر قیامت کے دن اپنے پروردگار سے پردے میں کر دیئے جائیں گے۔ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ فاجروں کے دیدار الٰہی سے محروم رہنے کا صاف مطلب یہی ہے کہ ابرار یعنی نیک کار لوگ دیدار الٰہی سے سیراب کئے جائیں گے' اور متواتر احادیث سے ثابت ہو چکا ہے اور اسی پر اس آیت کی روانی الفاظ صاف دلالت کرتی ہے کہ ایمان دار دیدار باری سے محظوظ ہوں گے۔ حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ یہ چہرے حسن و خوبی والے ہوں گے کیوں کہ دیدار رب پر ان کی نگاہیں پڑتی ہوں گی' پھر بھلا یہ منور و حسین کیوں نہ ہوں۔ اور بہت سے منہ اس دن بگڑے ہوئے ہوں گے' بدشکل ہو رہے ہوں گے' بے رونق اور اداس ہوں گے' انہیں یقین ہوگا کہ ہم پر اب کوئی ہلاکت اور اللہ تعالیٰ کی پکڑ آئی' ابھی ہمیں جہنم میں جانے کا حکم ہوا' جیسے اور جگہ ہے ﴿ يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّ تَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ﴾ یعنی اس دن بعض چہرے گورے چٹے خوبصورت اور حسین ہوں گے اور بعض کالے منہ والے ہوں گے اور جگہ ہے ﴿ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ﴾ الخ یعنی قیامت کے دن

بہت سے چہرے خوف زدہ، دہشت زدہ اور ڈر والے بدرونق اور ذلیل ہوں گے جو عمل کرتے رہے تکلیف اٹھاتے رہے لیکن آج بھڑکتی ہوئی آگ میں جا گھسے الخ۔ پھر فرمایا ﴿ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ ﴾ یعنی بعض منہ اس دن نعمتوں والے خوش وخرم چمکیلے شاداں وفرحاں بھی ہوں گے، جو اپنے گزشتہ اعمال سے خوش ہوں گے اور بلند وبالا جنتوں میں اقامت رکھتے ہوں گے۔ اسی مضمون کی اور بھی بہت سی آیتیں ہیں۔

كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ﴿٢٦﴾ وَقِيْلَ مَنْ رَاقٍ ﴿٢٧﴾ وَّظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ ﴿٢٨﴾ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ﴿٢٩﴾ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ الْمَسَاقُ ﴿٣٠﴾ فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ﴿٣١﴾ وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿٣٢﴾ ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰى اَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى ﴿٣٣﴾ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿٣٤﴾ ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿٣٥﴾ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى ﴿٣٦﴾ اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى ﴿٣٧﴾ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى ﴿٣٨﴾ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ﴿٣٩﴾ اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ﴿٤٠﴾

نہیں نہیں جب روح ہنسلی تک پہنچے گی اور کہا جائے گا کہ کوئی جھاڑ پھونک کرنے والا ہے۔ اور یقین ہو جائے گا کہ یہ وقت جدائی ہے۔ اور پنڈلی سے پنڈلی لپٹ جائے گی۔ آج تیرے پروردگار کی طرف چلنا ہے۔ اس نے نہ تو تصدیق کی نہ نماز ادا کی۔ بلکہ جھٹلایا اور روگردانی کی۔ پھر اپنے گھر والوں کے پاس اتراتا ہوا گیا۔ افسوس ہے تجھ پر حسرت ہے تجھ پر۔ وائے ہے اور خرابی ہے تیرے لئے۔ کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ اسے بیکار چھوڑ دیا جائے گا۔ کیا وہ ایک گاڑھے پانی کا قطرہ نہ تھا جو ٹپکایا گیا تھا۔ پھر وہ لہو کی پھٹکی ہو گیا پھر اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا کیا اور درست بنا دیا۔ پھر اس سے جوڑے یعنی نر و مادہ بنائے۔ کیا اللہ تعالیٰ اس امر پر قادر نہیں کہ مردے کو زندہ کر دے؟

عالم نزع کا ذکر: یہاں پر موت کا اور سکرات کے عالم کا بیان ہو رہا ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اس وقت حق پر ثابت قدم رکھے۔ ﴿ كَلَّآ ﴾ کو اگر یہاں ڈانٹ کے معنی میں لیا جائے تو یہ معنی ہوں گے کہ اے ابن آدم تو جو میری خبروں کو جھٹلاتا ہے وہ درست نہیں بلکہ ان کے مقدمات تو تو روزمرہ کھلم کھلا دیکھ رہا ہے۔ اور اگر اس لفظ کو ﴿ حَقًّا ﴾ کے معنی میں لیں تو مطلب اور زیادہ ظاہر ہے، یعنی یہ بات یقینی ہے کہ جب تیری روح تیرے جسم سے نکلنے لگے اور تیرے نرخرے تک پہنچ جائے۔ ﴿ تَرَاقِي ﴾ جمع ہے ﴿ تَرْقُوَةٌ ﴾ کی، ان ہڈیوں کو کہتے ہیں جو سینے پر اور مونڈھوں کے درمیان میں ہیں جسے ہانس کی ہڈی کہتے ہیں جیسے اور جگہ ﴿ فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ﴾ سے ﴿صٰدِقِيْنَ ﴾ تک فرمایا ہے۔ یعنی جب کہ روح حلق تک پہنچ جائے اور تم دیکھ رہے ہو اور ہم تم سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں لیکن تم نہیں دیکھ سکتے۔ پس اگر تم حکم الٰہی کے ماتحت نہیں ہو اور اپنے قول میں سچے ہو تو اس روح کو کیوں نہیں لوٹا لاتے؟ اس مقام میں اس حدیث پر بھی نظر ڈال لی جائے جو بشر بن حجاج کی روایت سے سورۂ یٰس کی تفسیر میں گزر چکی ہے ﴿ تَرَاقِي ﴾ جو جمع ہے ﴿ تَرْقُوَةٌ ﴾ ان ہڈیوں کو کہتے ہیں جو حلقوم کے قریب ہے۔ اس وقت ہائی دہائی ہوتی ہے کہ کوئی ہے جو جھاڑ پھونک کرے؟ یعنی کسی طبیب وغیرہ کے ذریعہ شفا ہو سکتی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ فرشتوں کا قول ہے یعنی اس روح کو لے کر کون چڑھے گا، رحمت کے فرشتے یا عذاب کے؟

اور پنڈلی کے پنڈلی سے رگڑا کھانے کا ایک مطلب تو حضرت ابن عباسؓ وغیرہ سے یہ مروی ہے کہ دنیا اور آخرت اس پر جمع ہو جاتی

ہے دنیا کا آخری دن ہوتا ہے اور آخرت کا پہلا دن ہوتا ہے جس سے سختی پر سختی ہو جاتی ہے مگر جس پر رب رحیم کا رحم و کرم ہو۔ دوسرا مطلب حضرت عکرمہؒ سے یہ مروی ہے کہ ایک بہت بڑا امر دوسرے بہت بڑے امر سے مل جاتا ہے' بلا پر بلا آجاتی ہے۔ تیسرا مطلب حضرت حسن بصریؒ وغیرہ سے یہ مروی ہے کہ خود مرنے والے کی بے قراری اور شدت درد سے پاؤں پر پاؤں کا چڑھ جانا مراد ہے۔ پہلے تو یہ ان پاؤں پر چلتا پھرتا تھا لیکن اب ان میں جان کہاں؟ اور یہ بھی مروی ہے کہ کفن کے وقت پنڈلی سے پنڈلی کا مل جانا مراد ہے۔

چوتھا مطلب حضرت ضحاکؒ سے یہ بھی مروی ہے کہ دو کام دو طرف جمع ہو جاتے ہیں ادھر تو لوگ اس کے جسم کو نہلا دھلا کر سپرد خاک کرنے کو تیار ہیں ادھر فرشتے اس کی روح لے جانے میں مشغول ہیں' اگر نیک ہے تو عمدہ تیاری اور دھوم دھام کے ساتھ اگر بد ہے تو نہایت برائی اور بدتر حالت کے ساتھ۔ اب لوٹنے اور قرار پانے کی جگہ رہنے سہنے اور پہنچ جانے کی جگہ کھنچ کر جانے اور چل کر پہنچنے کی جگہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہے' روح آسمان کی طرف چڑھ جاتی ہے پھر وہاں سے حکم ہوتا ہے کہ اسے زمین کی طرف پھیر لے جاؤ۔ میں نے ان سب کو اسی سے پیدا کیا ہے اسی میں لوٹا کر لے جاؤں گا اور پھر اسی سے انہیں دوبارہ نکالوں گا۔

جیسے کہ حضرت براءؓ کی مطول حدیث میں آیا ہے۔ یہی مضمون اور جگہ بیان ہوا ہے ﴿ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ﴾ وہی اپنے بندوں پر غالب ہے وہی تمہاری حفاظت کے لئے تمہارے پاس فرشتے بھیجتا ہے یہاں تک کہ تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجائے تو ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے اسے فوت کر لیتے ہیں اور وہ کوئی قصور نہیں کرتے پھر سب کے سب اپنے سچے مولا کی طرف لوٹائے جاتے ہیں' یقین مانو کہ حکم اسی کا چلتا ہے اور وہ سب سے جلد حساب لینے والا ہے۔ پھر اس کافر انسان کا حال بیان ہو رہا ہے جو اپنے دل اور اپنے عقیدے سے حق کا جھٹلانے والا اور اپنے عمل سے حق سے روگردانی کرنے والا تھا۔ جس کا ظاہر و باطن برباد ہو چکا تھا اور کوئی بھلائی اس میں باقی نہیں رہی تھی' نہ وہ اللہ تعالیٰ کی باتوں کی دل سے تصدیق کرتا تھا نہ جسم سے عبادت الٰہی بجالاتا تھا یہاں تک کہ نماز کا بھی چور تھا۔ ہاں جھٹلانے اور منہ موڑنے میں بے باک تھا اور اپنے اس ناکارہ عمل پر اتراتا اور پھولتا ہوا بے ہمتی اور بدعملی کے ساتھ اپنے والوں میں جاملتا تھا۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿ وَاِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا فَكِهِيْنَ ﴾ یعنی جب اپنے والوں کی طرف لوٹتے ہیں تو خوب باتیں بناتے ہوئے مزے کرتے ہوئے خوش خوش جاتے ہیں۔

اور جگہ ہے ﴿ اِنَّهٗ كَانَ فِيْٓ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ﴾ یعنی یہ اپنے گھرانے والوں میں شادماں تھا اور سمجھ رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف اسے لوٹنا ہی نہیں ہے' اس کا یہ خیال محض غلط تھا اس کے رب کی نگاہیں اس پر تھیں۔ پھر اسے اللہ تبارک و تعالیٰ دھمکاتا ہے اور ڈر سناتا ہے اور فرماتا ہے کہ خرابی ہو تجھے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کر کے پھر اتراتا ہے' جیسے اور جگہ ہے ﴿ ذُقْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ ﴾ یعنی قیامت کے دن کافر سے بطور ڈانٹ کے اور حقارت کے کہا جائے گا کہ لے اب مزہ چکھ تو تو بڑی عزت اور بزرگی والا تھا۔

اور فرمان ہے ﴿ كُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا قَلِيْلًا اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ ﴾ کچھ کھا پی لو آخر تو بدکار گنہگار ہو۔ اور جگہ ہے ﴿ فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ ﴾ جاؤ اللہ تعالیٰ کے سوا جس کی چاہو عبادت کرو' وغیرہ وغیرہ۔ غرض یہ ہے کہ ان تمام جگہوں میں یہ احکام بطور ڈانٹ ڈپٹ کے ہیں۔ حضرت سعید بن جبیرؒ سے جب یہ آیت ﴿ اَوْلٰى لَكَ ﴾ کی بابت پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا رسول مقبول ﷺ نے ابو جہل کو فرمایا تھا پھر قرآن میں بھی یہی الفاظ نازل ہوئے۔ حضرت ابن عباسؓ سے بھی اسی کے قریب قریب نسائی میں موجود ہے۔ ابن ابی حاتم میں حضرت قتادہؒ کی روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے اس فرمان پر اس دشمن الٰہی نے کہا کہ تو مجھے دھمکاتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی قسم تو اور تیرا رب میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان چلنے والوں میں سب سے زیادہ ذی عزت میں ہوں۔ فرماتا ہے کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ اسے یونہی چھوڑ دیا جائے گا؟ یعنی موت کے بعد زندہ نہ کیا جائے گا؟ اسے کوئی حکم اور کسی چیز کی ممانعت نہ کی جائے گی' ایسا ہرگز نہیں بلکہ دنیا میں اسے حکم و ممانعت اور آخرت میں اپنے اعمال کے بموجب جزا و سزا ضرور ملے گی۔ مقصود یہاں پر قیامت کا اثبات اور منکرین قیامت کا رد

ہے اسی لئے دلیل کے طور پر کہا جاتا ہے کہ انسان دراصل نطفہ کی شکل میں بے جان و بے بنیاد تھا پانی کا ایک ذلیل قطرہ تھا جو پیٹھ سے رحم میں آیا۔ پھر خون کی پھٹکی بنی پھر گوشت کا لوتھڑا ہوا پھر اللہ تعالیٰ نے شکل وصورت دے کر روح پھونکی اور سالم اعضاء والا انسان بنا کر مرد یا عورت کی صورت میں پیدا کیا۔ کیا وہ اللہ تعالیٰ جس نے نطفہ ضعیف کو ایسا صحیح القامت قوی انسان بنا دیا وہ اس بات پر قادر نہیں کہ اسے فنا کر کے پھر دوبارہ پیدا کر دے؟ یقیناً پہلی مرتبہ کا پیدا کرنے والا دوبارہ بنانے پر بہت زیادہ اور بطور اولیٰ قادر ہے' یا کم از کم اتنا ہی جتنا پہلی مرتبہ تھا' جیسے فرمایا ﴿ وَهُوَ الَّذِىْ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهُ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ﴾ اس نے ابتداءً پیدا کیا وہی پھر لوٹا لائے گا اور وہ اس پر بہت زیادہ آسان ہے۔ اس آیت کے مطلب میں بھی دو قول ہیں' لیکن پہلا قول ہی زیادہ مشہور ہے' جیسے کہ سورۂ روم کی تفسیر میں اس کا بیان اور تقریر گزر چکی' واللہ اعلم۔

فائدہ: ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک صحابیؓ اپنی چھت پر بہ آواز بلند قرآن پڑھ رہے تھے جب اس سورت کی آخری آیت کی تلاوت کی تو فرمایا ﴿ سُبْحٰنَكَ بَلٰى ﴾ یعنی اے اللہ! تو پاک ہے اور بے شک قادر ہے۔ لوگوں نے اس کہنے کا باعث پوچھا تو فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس آیت کا یہی جواب دیتے ہوئے سنا ہے۔ ابوداؤد میں بھی یہی حدیث ہے' لیکن دونوں کتابوں میں اس صحابیؓ کا نام نہیں' گویا یہ نام نہ ہونا مضر نہیں۔ ابوداؤد کی ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص تم میں سے سورۂ ﴿والتین﴾ کی آخری آیت ﴿اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ ﴾ پڑھے وہ ﴿ بَلٰى وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴾ کہے' یعنی ہاں اور میں بھی اس پر گواہ ہوں' اور جو شخص سورۂ قیامت کی آخری آیت اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰى اَنْ يُّحْيِ ىَ الْمَوْتٰى پڑھے تو وہ کہے ﴿بلی﴾ اور جو شخص سورۂ والمرسلات کی آخری آیت ﴿ فَبِاَىِّ حَدِيْثٍ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴾ پڑھے وہ ﴿ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ﴾ کہے۔ یہ حدیث مسند احمد اور ترمذی میں بھی ہے' ابن جریر میں حضرت قتادہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ اس سورت کی اس آخری آیت کے بعد فرماتے ﴿ سُبْحَانَكَ بَلٰى ﴾ حضرت ابن عباسؓ سے اس آیت کے جواب میں یہ کہنا ابن ابی حاتم میں مروی ہے۔

﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰه سورۂ قِيَامَه ﴾ کی تفسیر ختم ہوئی۔

تفسیر سورۂ دھر مکیہ

تعارف سورت: صحیح مسلم کے حوالے سے یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے کہ جمعہ کے دن صبح کی نماز میں آں حضرت ﷺ سورۂ ﴿الٓمّٓ تَنْزِيْل﴾ یعنی سورۃ السجدۃ اور سورۂ ﴿ هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَان ﴾ پڑھا کرتے تھے ایک مرسل غریب حدیث میں ہے کہ جب یہ سورت اتری اور حضور ﷺ نے اس کی تلاوت کی' اس وقت آپ ﷺ کے پاس ایک سانولے رنگ کے صحابیؓ بیٹھے ہوئے تھے۔ جب جنت کی صفتوں کا ذکر آیا تو ان کے منہ سے بے ساختہ ایک چیخ نکل گئی اور ساتھ ہی روح پرواز کر گئی۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارے ساتھی اور تمہارے بھائی کی جان جنت کے شوق میں نکل گئی۔

سُوْرَةُ الدَّهْرِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اِحْدٰى وَّثَلٰثُوْنَ اٰيَةً فِيْهَا رُكُوْعَانِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا ﴿۱﴾ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ﴿۲﴾ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا ﴿۳﴾

بہت بڑی بخششوں اور بہت بڑے رحم والے اللہ کے نام سے شروع۔ یقیناً انسان پر زمانہ کا وہ وقت بھی گزر چکا ہے جب کہ یہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا۔ بے شک ہم نے انسان کو ملے جلے نطفے سے امتحان کے لئے پیدا کیا اور اس کو سنتا دیکھتا بنایا۔ ہم نے اسے راہ دکھائی اب خواہ وہ شکر گزار بنے خواہ ناشکرا۔

انسان کی پیدائش سے پہلے کی حالت: اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ اس نے انسان کو پیدا کیا' حالانکہ اس سے پہلے وہ اپنی حقارت اور اپنے ضعف کی وجہ سے ایسی چیز نہ تھا کہ اس کا ذکر کیا جائے۔ اسے مرد اور عورت کے ملے جلے پانی سے پیدا کیا' اور عجب عجب پلٹیوں کے بعد یہ موجودہ شکل و صورت اور ہیئت پر آیا اسے ہم آزما رہے ہیں' جیسے اور جگہ ہے ﴿ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً ﴾ تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے اچھے عمل کرنے والا کون ہے؟ پس اس نے تمہیں کان اور آنکھیں عطا فرمائیں تاکہ اطاعت اور معصیت میں تمیز کر سکو۔ ہم نے اسے راہ دکھادی خوب واضح اور صاف کر کے اپنا سیدھا راستہ اس پر کھول دیا۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿ وَ اَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى ﴾ یعنی ثمودیوں کو ہم نے ہدایت کی لیکن انہوں نے اندھاپے کو ہدایت پر ترجیح دی۔ اور جگہ ہے ﴿ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ﴾ یعنی ہم نے انسان کو دونوں راہیں دکھادیں' یعنی بھلائی' برائی' کی۔

اس آیت کی تفسیر میں مجاہدؒ' ابو صالحؒ' ضحاکؒ اور سدیؒ سے مروی ہے کہ اسے ہم نے راہ دکھائی' یعنی ماں کے پیٹ سے باہر آنے کی۔ لیکن یہ قول غریب ہے اور صحیح قول پہلا ہی ہے اور جمہور سے یہی منقول ہے۔ ﴿ شَاكِرًا ﴾ اور ﴿ كَفُوْرًا ﴾ کا نصب حال کی وجہ سے ذوالحال ہ کی ضمیر ہے جو ﴿ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ ﴾ میں ہے' یعنی وہ اس حالت میں یا تو شقی ہے یا سعید' جیسے صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ ہر شخص صبح کے وقت اپنے نفس کی خرید فروخت کرتا ہے' یا تو اسے ہلاک کر دیتا ہے یا آزاد کرا لیتا ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت کعب بن عجرہؓ سے آپ نے فرمایا اللہ تجھے بیوقوفوں کی سرداری سے بچائے۔ حضرت کعبؓ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ وہ کیا ہے؟ فرمایا وہ میرے بعد کے سردار ہوں گے جو میری سنتوں پر نہ عمل کریں گے نہ میرے طریقہ پر چلیں گے پس جو لوگ ان کے جھوٹ کی تصدیق کریں اور ان کے ظلم کی امداد کریں' وہ نہ میرے ہیں اور نہ میں ان کا ہوں۔ یاد رکھو وہ میرے حوض کوثر پر بھی نہیں آسکتے' اور جو ان کے جھوٹ کو سچا نہ کرے اور ان کے ظلموں میں ان کا مددگار نہ بنے' وہ میرا ہے اور میں اس کا ہوں۔ یہ لوگ میرے حوض کوثر پر مجھ سے ملیں گے۔ اے کعب! روزہ ڈھال ہے اور صدقہ خطاؤں کو مٹادیتا ہے اور نماز قرب الٰہی کا سبب ہے یا فرمایا کہ دلیل نجات ہے۔ اے کعب! وہ گوشت پوست جنت میں نہیں جاسکتا' جو حرام سے پلا ہو' وہ تو جہنم میں ہی جانے کے قابل ہے۔ اے کعب! لوگ ہر صبح اپنے نفس کی خرید و فروخت کرتے ہیں' کوئی تو اسے آزاد کرا لیتا ہے اور کوئی ہلاک کر گزرتا ہے۔ سورۂ روم کی آیت ﴿ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِىْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ﴾ کی تفسیر میں حضرت جابرؓ کی روایت سے حضور ﷺ کا یہ فرمان بھی گزر چکا ہے کہ ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے یہاں تک کہ زبان چلنے لگتی ہے پھر یا تو شکر گزار بنتا ہے یا ناشکرا۔ مسند احمد کی اور حدیث میں ہے کہ جو نکلنے والا نکلتا ہے اس کے دروازے پر دو جھنڈے ہوتے ہیں ایک فرشتے کے ہاتھ میں دوسرا شیطان کے ہاتھ میں۔ پس اگر وہ اس کام کے لئے نکلا جو اللہ تعالیٰ کی مرضی کا کام ہے تو فرشتہ اپنا جھنڈا لئے ہوئے اس کے ساتھ ہو لیتا ہے اور یہ واپسی تک فرشتے کے جھنڈے تلے ہی رہتا ہے اور اگر یہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے کام کے لئے نکلا ہے تو شیطان اپنا جھنڈا لگائے اس کے ساتھ ہو لیتا ہے اور واپسی تک یہ شیطانی جھنڈے تلے رہتا ہے۔

اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَاۡ وَ اَغْلٰلًا وَّ سَعِيْرًا ﴿٤﴾ اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا ﴿٥﴾ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا ﴿٦﴾ يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَ يَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا ﴿٧﴾ وَ يُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ يَتِيْمًا وَّ

اَسِيْرًا ۝ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ۝ اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا ۝ فَوَقٰهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقّٰهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا ۝ وَجَزٰهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا ۝

یقیناً ہم نے کافروں کے لئے زنجیریں اور طوق اور شعلوں والی آگ تیار کر رکھی ہے۔ بے شک نیک لوگ وہ جام پئیں گے جس کی ملونی کافور کی ہے۔ جو ایک چشمہ ہے جس سے اللہ کے بندے پئیں گے اس کی نہریں نکال لے جائیں گے (جدھر چاہیں)۔ جو نذر پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی برائی چاروں طرف پھیل جانے والی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی محبت میں کھانا کھلاتے ہیں مسکین یتیم اور قیدیوں کو۔ ہم تو تمہیں صرف اللہ تعالیٰ کی رضامندی کیلئے کھلاتے ہیں نہ تم سے بدلہ چاہتے ہیں نہ شکر گزاری۔ بے شک ہم اپنے پروردگار سے اس دن کا خوف کرتے ہیں جو تنگی ترشی اور سختی والا ہو گا۔ پس انہیں اللہ تعالیٰ نے اس دن کی برائی سے بچالیا اور انہیں تازگی اور خوشی پہنچائی۔ اور انہیں اپنے صبر کے بدلے جنت اور ریشمی لباس عطا فرمائے۔

یہاں اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ اس کی مخلوق میں سے جو بھی اس سے کفر کرے اس کے لئے زنجیریں طوق اور شعلوں والی بھڑکتی ہوئی تیز آگ تیار ہے، جیسے اور جگہ ہے ﴿ اِذِ الْاَغْلٰلُ فِیْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَ السَّلٰسِلُ یُسْحَبُوْنَ فِی الْحَمِیْمِ ثُمَّ فِی النَّارِ یُسْجَرُوْنَ ﴾ جب کہ طوق ان کی گردنوں میں ہوں گے اور بیڑیاں ان کے پاؤں میں ہوں گی اور یہ حمیم میں گھسیٹے جائیں گے پھر جہنم میں جلائے جائیں گے۔

نیکوں کی جزاء: ان بد نصیبوں کی سزا کا ذکر کر کے اب نیک لوگوں کی جزا کا ذکر ہو رہا ہے کہ انہیں وہ جام پلائے جائیں گے جن کی ملونی کافور نامی نہر کے پانی کی ہو گی، ذائقہ بھی اعلیٰ خوشبو بھی عمدہ اور فائدہ بھی بہتر کافور کی سی ٹھنڈک اور سونٹھ کی سی خوشبو۔ کافور ایک نہر کا نام ہے جس سے اللہ تعالیٰ کے خاص بندے پانی پیتے ہیں اور صرف اسی سے آسودگی حاصل کرتے ہیں اسی لئے یہاں اسے "ب" سے متعدی کیا اور تمیز کی بنا پر عینا پر نصب دیا۔ یہ پانی اپنی خوشبو میں مثل کافور کے ہے یا یہ ٹھیک کافور ہی ہے۔ اور عینا کا زبر یشرب کی وجہ سے ہے، پھر اس نہر تک انہیں آنے کی ضرورت نہیں یہ اپنے باغات میں مکانات میں مجلسوں میں بیٹھکوں میں جہاں بھی چاہیں گے اسے لے جائیں گے اور وہیں وہ پہنچ جائے گی۔ ﴿ تَفْجِیْر ﴾ کے معنی روانگی اور اجراء کے ہیں جیسے آیت ﴿ حَتّٰی تَفْجُرَ لَنَا ﴾ میں اور ﴿ فَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا ﴾ میں۔

پھر ان لوگوں کی نیکیاں بیان ہو رہی ہیں کہ جو عبادتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے ذمہ تھیں وہ تو بجا ہی لاتے تھے بلکہ جو چیز یہ اپنے اوپر کر لیتے اسے بھی بجالاتے یعنی نذر بھی پوری کرتے۔

حدیث میں ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نذر مانے وہ پوری کرے اور جو نافرمانی کی نذر مانے اسے پوری نہ کرے۔ امام بخاریؒ نے اسے امام مالکؒ کی روایت سے بیان فرمایا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے بھاگتے رہتے ہیں کیونکہ قیامت کے دن کا ڈر ہے جس کی گھبراہٹ عام طور پر سب کو گھیر لے گی اور ہر ایک ایک الجھن میں پڑ جائے گا مگر جس پر اللہ تعالیٰ کا رحم و کرم ہو، زمین و آسمان تک ہول رہے ہوں گے۔ ﴿ اِسْتِطَار ﴾ کے معنی ہی ہیں پھیل جانیوالی اور اطراف کو گھیر لینے والی۔ یہ نیکو کار اللہ تعالیٰ کی محبت میں مستحق لوگوں پر اپنی طاقت کے مطابق خرچ بھی کرتے رہتے تھے۔ اور ہ کی ضمیر کا مرجع بعض لوگوں نے طعام کو بھی کہا ہے لفظاً زیادہ ظاہر بھی یہی ہے، یعنی باوجود طعام کی محبت اور خواہش و ضرورت کے راہ اللہ غرباء اور حاجت مندوں کو دیدیتے ہیں، جیسے اور جگہ ہے ﴿ وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّهٖ ﴾ یعنی مال کی چاہت کے باوجود بھی اسے راہ اللہ دیتے رہتے ہیں۔

اور فرمان ہے ﴿ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ﴾ یعنی تم ہرگز بھلائی حاصل نہیں کر سکتے جب تک کہ اپنی چاہت

کی چیزیں راہ اللہ خرچ نہ کرو۔ حضرت نافعؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیمار پڑے آپ کی بیماری میں انگور کا موسم آیا جب انگور پکنے لگے تو آپ کا دل بھی چاہا کہ میں انگور کھاؤں تو آپ کی بیوی صاحبہ حضرت صفیہؒ نے ایک درہم کے انگور منگائے۔ آدمی جو لے کر آیا اسکے ساتھ ہی ساتھ ایک سائل بھی آ گیا اور اس نے آواز دی کہ میں سائل ہوں۔ حضرت عبداللہؓ نے فرمایا یہ سب اسی کو دے دو! چنانچہ دیدئے گئے پھر دوبارہ آدمی گیا اور انگور خرید لایا، اب کی مرتبہ بھی سائل آ گیا اور اسکے سوال پر اسی کو سب کے سب انگور دیدئے گئے' لیکن اب کی مرتبہ حضرت صفیہؒ نے سائل کو کہلوا بھیجا کہ اگر اب آئے تو تمہیں کچھ نہ ملے گا۔ چنانچہ تیسری مرتبہ ایک درہم کے انگور منگوائے گئے (بیہقی)۔

اور صحیح حدیث میں ہے کہ افضل صدقہ وہ ہے جو تو اپنی صحت کی حالت میں باوجود مال کی محبت کے باوجود امیری کی چاہت اور افلاس کے خوف کے راہ اللہ دے' یعنی مال کی حرص بھی ہو حب بھی ہو اور حاجت و ضرورت بھی ہو پھر بھی راہ اللہ اسے قربان کر دے۔ یتیم اور مسکین کسے کہتے ہیں؟ وغیرہ اس کا مفصل بیان پہلے گزر چکا ہے۔ قیدی کی نسبت حضرت سعیدؒ وغیرہ تو فرماتے ہیں کہ مسلمان اہل قبلہ قیدی مراد ہے۔ لیکن ابن عباسؓ وغیرہ کا فرمان ہے اس وقت قیدیوں میں سوائے مشرکین کے اور کوئی مسلم نہ تھا

اور اسی کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں ہے کہ حضور ﷺ نے بدری قیدیوں کے بارے میں اپنے اصحابؓ کو فرمایا تھا کہ ان کا اکرام کرو۔ چنانچہ کھانے پینے میں صحابہؓ خود اپنی جانوں سے بھی زیادہ ان کا خیال رکھتے تھے۔ حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں اس سے مراد غلام ہیں۔ امام ابن جریرؒ بہ سبب آیت کے عام ہونے کے اسی کو پسند کرتے ہیں اور مسلم مشرک سب کو شامل کرتے ہیں۔ غلاموں اور ماتحتوں کے ساتھ احسان و سلوک کرنے کی تاکید بہت سی احادیث میں آئی ہے۔ بلکہ حضرت رسول اکرم محمد مصطفی ﷺ کی آخری وصیت اپنی امت کو یہی ہے کہ اپنی نمازوں کی نگہبانی کرو اور اپنے ماتحتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو' اور ان کا پورا خیال رکھو۔ یہ اس نیک سلوک کا نہ تو ان لوگوں سے کوئی بدلہ چاہتے ہیں نہ شکریہ' بلکہ اپنے حال سے گویا اعلان کر دیتے ہیں کہ ہم تمہیں صرف راہ اللہ دیتے ہیں اس میں ہماری ہی بہتری ہے کہ اس سے رضائے رب اور مرضی مولا ہمیں حاصل ہو جائے' ہم ثواب اور اجر کے مستحق ہو جائیں۔

حضرت سعیدؒ فرماتے ہیں' اللہ کی قسم یہ بات وہ لوگ منہ سے نہیں نکالتے یہ دلی ارادہ ہوتا ہے جس کا علم اللہ کو ہے تو اللہ تعالیٰ نے اسے ظاہر فرمادیا کہ اور لوگوں کی رغبت کا باعث بنے۔ یہ پاکباز جماعت خیرات و صدقات کر کے اس دن کے عذابوں اور ہولناکیوں سے بچنا چاہتی ہے جو ترش رو تنگ و تاریک اور طول طویل ہے' ان کا عقیدہ ہے کہ اس بنا پر اللہ تعالیٰ ہم پر رحم کرے گا اور اس محتاجی اور بے کسی والے دن ہمیں ہماری یہ نیکیاں کام آئیں گی۔ حضرت ابن عباسؓ سے ﴿عَبُوسَ﴾ کے معنی تنگی والا اور ﴿قَمْطَرِيْر﴾ کے معنی طول طویل مروی ہے۔ عکرمہؒ فرماتے ہیں کافر کا منہ اس دن بگڑ جائے گا اس کی تیوری چڑھ جائے گی اور اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان سے عرق بہنے لگے گا جو مثل روغن گندھک کے ہو گا۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں ہونٹ چڑھ جائیں گے' اور چہرہ سمٹ جائے گا۔ حضرت سعیدؒ اور حضرت قتادہؒ کا قول ہے کہ بوجہ گھبراہٹ اور ہولناکیوں کے صورت بگڑ جائے گی پیشانی تنگ ہو جائے گی۔

ابن زیدؒ فرماتے ہیں برائی اور سختی والا دن ہو گا۔ لیکن سب سے واضح بہتر نہایت مناسب و ٹھیک قول حضرت ابن عباسؓ کا ہے' قمطریر کے لغوی معنی امام ابن جریرؒ نے شدید کے کئے ہیں یعنی بہت سختی والا۔ ان کی اس نیک نیتی اور پاک عمل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں اس دن کی برائی سے بال بال بچالیا اور اتنا ہی نہیں بلکہ انہیں بجائے ترش روئی کے خندہ پیشانی اور بجائے دل کی ہولناکی کے اطمینان و سرور قلب عطا فرمایا' خیال کیجئے کہ یہاں عبارت میں کس قدر بلیغ تجانس کا استعمال کیا گیا ہے۔ اور جگہ ہے ﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ﴾ اس دن بہت سے چہرے چمکیلے ہوں گے۔ جو ہنستے ہوئے اور خوشیاں مناتے ہوئے ہوں گے۔ یہ ظاہر ہے کہ جب دل مسرور ہو گا تو چہرہ کھلا ہوا ہو گا۔ حضرت کعب بن مالکؓ کی لمبی حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ کو جب کبھی کوئی خوشی ہوتی تو آپ ﷺ کا چہرہ چمکنے لگتا اور ایسا معلوم ہوتا گویا چاند کا ٹکڑا ہے۔

حضرت عائشہؓ کی لمبی حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ میرے پاس تشریف لائے چہرہ مبارک خوشی سے منور ہو رہا تھا اور مکھڑے مبارک کی رگیں چمک رہی تھیں الخ۔ پھر فرماتا ہے ان کے صبر کے اجر میں انہیں رہنے سہنے کے لئے وسیع جنت پاک زندگی اور پہننے اوڑھنے کے لئے ریشمی لباس ملا۔ ابن عساکر میں ہے کہ ابو سلیمان دارانیؒ کے سامنے اس سورت کی تلاوت ہوئی۔ جب قاری نے اس آیت کو پڑھا تو آپ نے فرمایا انہوں نے دنیاوی خواہشوں کو چھوڑ رکھا تھا۔ پھر یہ اشعار پڑھے۔

﴿ كَمْ قَتِيْلٍ لِشَهْوَةٍ وَ اَسِيْرٍ اُفٍّ مِنْ مُشْتَهِي خِلَافَ الْجَمِيْلِ ﴾

﴿ شَهَوَاتُ الْاِنْسَانِ تُوْرِثُهُ الذُّلَ وَتُلْقِيْهِ فِي الْبَلَاءِ الطَّوِيْلِ ﴾

افسوس شہوت نفس نے اور بھلائیوں کے خلاف برائیوں کی چاہت نے بہت سوں کا گلا گھونٹ دیا اور کئی ایک کو پابجولاں کر دیا۔ نفسانی خواہشیں ہی ہیں جو انسان کو بدترین ذلت ورسوائی اور بلا ومصیبت میں ڈال دیتی ہیں۔

مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ۚ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا ﴿۱۳﴾ وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا ﴿۱۴﴾ وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّاَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيْرَا۠ ﴿۱۵﴾ قَوَارِيْرَا۠ مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا ﴿۱۶﴾ وَيُسْقَوْنَ فِيْهَا كَاْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيْلًا ۚ ﴿۱۷﴾ عَيْنًا فِيْهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًا ﴿۱۸﴾ وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ۚ اِذَا رَاَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا ﴿۱۹﴾ وَاِذَا رَاَيْتَ ثَمَّ رَاَيْتَ نَعِيْمًا وَّمُلْكًا كَبِيْرًا ﴿۲۰﴾ عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّاِسْتَبْرَقٌ ۫ وَّحُلُّوْٓا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ ۚ وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا ﴿۲۱﴾ اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿۲۲﴾ ع

ع ۱ ۲۲ ۱۹

یہ وہاں تختوں پر تکیے لگائے ہوئے بیٹھیں گے، نہ وہاں آفتاب کی گرمی دیکھیں گے نہ جاڑے کی سختی۔ ان جنتوں کے سایے ان پہ جھکے ہوئے ہوں گے اور ان کے میوے اور گچھے نیچے لٹکائے ہوئے ہوں گے۔ اور ان پر چاندی کے برتنوں اور ان جاموں کا دور کرایا جائے گا جو شیشے کے ہوں گے۔ شیشے بھی چاندی کے جن کو ساقی نے اندازے سے ناپ رکھا ہوگا۔ اور انہیں وہاں وہ جام پلائے جائیں گے جن کی ملونی زنجبیل کی ہوگی۔ جو جنت کی ایک نہر ہے جس کا نام سلسبیل ہے۔ اور ان کے ارد گرد گھومتے پھرتے ہیں وہ کم سن بچے جو ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ جب تو انہیں دیکھے تو سمجھے کہ وہ بکھرے ہوئے سچے موتی ہیں۔ تو وہاں جہاں کہیں بھی نظر ڈالے گا سراسر نعمتیں اور عظیم الشان سلطنت ہی دیکھے گا۔ ان کے جسموں پر سبز مہین اور موٹے ریشمی کپڑے ہوں گے اور انہیں چاندی کے کنگن کا زیور پہنایا جائے گا' اور انہیں ان کا رب پاک صاف شراب پلائے گا۔ (کہا جائے گا کہ) یہ ہے تمہارے اعمال کا بدلہ اور تمہاری کوششوں کی قدردانی۔

جنتیوں پر انعامات کی بارش: جنتیوں کی نعمتوں اور راحتوں کا ان کے ملک ومال اور جاہ ومنال کا ذکر ہو رہا ہے کہ یہ لوگ بآرام تمام پورے اطمینان اور خوش دلی کے ساتھ جنت کے مرصع اور مزین جڑاؤ تختوں پر بے فکری سے تکیے لگائے سرور وراحت سے بیٹھے مزے لوٹ رہے ہوں گے۔ سورہ ﴿ وَالصّٰفّٰتِ ﴾ کی تفسیر میں اس کی پوری شرح گزر چکی ہے وہیں یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ ﴿ اِتِّكَا ﴾ سے مراد لیٹنا

ہے یا کہنیاں ٹکانا ہے یا چار زانو بیٹھنا ہے یا کمر لگا کر ٹیک لگانا ہے' اور یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ ﴿ اَرَآئِكُ ﴾ چھپر کھٹوں کو کہتے ہیں۔ پھر ایک اور نعمت بیان ہو رہی ہے کہ وہاں نہ تو سورج کی تیز شعاعوں سے انہیں کوئی تکلیف پہنچے گی' نہ جاڑے کی بہت سرد ہوائیں انہیں ناگوار گزریں گی' بلکہ بہار کا سا موسم ہر وقت اور ہمیشہ رہتا ہے۔ گرمی سردی کے جھمیلوں سے الگ ہیں' جنتی درختوں کی شاخیں جھوم جھوم کر ان پر سایہ کئے ہوئے ہوں گی اور میوے ان سے بالکل قریب ہوں گے' چاہے لیٹے لیٹے توڑ کر کھالیں' چاہے بیٹھے بیٹھے لے لیں' چاہے کھڑے ہو کر لے لیں' درختوں پر چڑھنے کی اور تکلیف کی کوئی ضرورت نہیں' سروں پر میوے دار گچھے اور لدے ہوئے کچھے لٹک رہے ہوں گے' توڑا اور کھا لیا۔ اگر کھڑے ہیں تو میوے اتنے اونچے ہیں' بیٹھے تو قدرے جھک گئے' لیٹے تو اور قریب آ گئے' نہ تو کانٹوں کی رکاوٹ ہے اور نہ دوری کی سر دردی ہے۔

حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ جنت کی زمین چاندی کی ہے' اور اس کی مٹی مشک خالص ہے' اس کے درختوں کے تنے سونے چاندی کے ہیں' ڈالیاں لؤلؤ' زبرجد اور یاقوت کی ہیں۔ ان کے درمیان پتے اور پھل ہیں جن کے توڑنے میں کوئی دقت اور مشکل نہیں' چاہو بیٹھے بیٹھے توڑ لو' چاہو کھڑے کھڑے بلکہ اگر چاہیں لیٹے لیٹے۔ ایک طرف خوش خرام' خوش دل' خوبصورت' باادب' سلیقہ شعار' فرماں بردار خادم قسم قسم کے کھانے چاندی کی کشتیوں میں لگائے لئے کھڑے ہیں۔ دوسری جانب شراب طہور سے چھلکتے ہوئے بلوریں جام لئے ساقیان مہ وش اشارے کے منتظر ہیں' یہ گلاس صفائی میں شیشے جیسے اور سفیدی میں چاندی جیسے ہوں گے' دراصل ہوں گے چاندی کے لیکن شیشے کی طرح شفاف ہوں گے کہ اندر کی چیز باہر سے نظر آئے گی۔ جنت کی تمام چیزوں کی یوں ہی سی برائے نام مشابہت دنیا کی چیزوں میں بھی پائی جاتی ہے لیکن ان چاندی کے بلوریں گلاسوں کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ ہاں یہ یاد رہے کہ پہلے کے لفظ ﴿ قَوَارِیْرَ ﴾ پر زبر تو اس لئے ہے کہ وہ کان کی خبر ہے اور دوسرے پر زبر بدلیت کی بنا پر ہے یا تمیز کی بنا پر۔ پھر یہ جام نپے تلے ہوئے ہیں' ساقی کے ہاتھ میں بھی زیب دیں' ان کی ہتھیلیوں پر بھلے معلوم ہوں اور پینے والوں کی حسب خواہش شراب طہور اس میں سما جائے جو نہ بچے نہ گھٹے۔ ان نایاب گلاسوں میں جو پاک' خوش ذائقہ اور سرور والی بے نشے کی شراب انہیں ملے گی وہ جنت کی نہر ﴿ سَلْسَبِیْل ﴾ کے پانی سے مخلوط کر کے دی جائے گی' جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے کہ نہر کافور کے پانی سے مخلوط کر کے دی جائے گی تو مطلب یہ ہے کہ کبھی اس ٹھنڈک والے سرد مزاج پانی سے کبھی اس نفیس گرم مزاج پانی سے تاکہ اعتدال قائم رہے۔ یہ نیک لوگوں کا ذکر ہے اور خاص مقربین خالص اس نہر کا شربت پئیں گے۔

سلسبیل بقول عکرمہؒ جنت کے ایک چشمے کا نام ہے کیونکہ وہ تیزی کے ساتھ مسلسل روانگی سے لہریا چال بہہ رہا ہے' اس کا پانی بہت ہلکا نہایت شیریں خوش ذائقہ اور خوش بو ہے جو آسانی سے پیا جائے اور سہتا پچتا رہے۔ ان نعمتوں کے ساتھ ہی خوبصورت حسین نوخیز کم عمر لڑکے ان کی خدمت کے لئے کمربستہ ہوں گے' یہ غلمان جنتی جس سن و سال میں ہوں گے اسی میں رہیں گے یہ نہیں کہ سن بڑھ کر صورت بگڑ جائے' یہ نفیس پوشاکیں اور بیش قیمت جڑاؤ زیور پہنے ہوئے۔ تعداد کثیر ادھر ادھر مختلف کاموں پر بٹے ہوئے ہوں گے جنہیں دوڑتے بھاگتے مستعدی اور چالاکی سے انجام دے رہے ہوں گے' ایسا معلوم ہوگا کہ گویا سفید آب دار موتی ادھر ادھر جنت میں بکھرے پڑے ہیں' حقیقت میں اس سے زیادہ اچھی تشبیہ ان کے لئے کوئی اور نہ تھی کہ یہ صاحب جمال خوش خصال بوٹے سے قد والے سفید نورانی چہروں والے پاک صاف سجی ہوئی پوشاکیں پہنے ہوئے زیور میں لدے ہوئے اپنے مالک کی فرماں برداری میں دوڑتے بھاگتے ادھر ادھر پھرتے ایسے بھلے ہوں گے جیسے سجے سجائے پر تکلف فرش پر سفید چمکیلے سچے موتی ادھر ادھر لڑھک رہے ہوں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہر ایک جنتی کے ایک ہزار خادم ہوں گے جو مختلف کام کاج میں لگے ہوئے ہوں گے۔ پھر فرماتا ہے اے نبی! تم جنت کی جس جگہ نظر ڈالو تمہیں نعمتیں اور عظیم الشان سلطنت ہی سلطنت نظر آئے گی' تم دیکھو گے کہ راحت و سرور نعمت و نور سے چپہ چپہ معمور ہے۔ چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ سب سے آخر میں جو جہنم سے نکالا جائے گا اور جنت میں بھیجا جائے گا'

اس سے جناب باری تعالیٰ فرمائے گا' جامیں نے تجھے جنت میں وہ دیا جو مثل دنیا کے ہے بلکہ اس سے بھی دس حصے زیادہ دیا۔

اور حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے وہ حدیث بھی پہلے گزر چکی ہے جس میں ہے کہ ادنیٰ جنتی کی ملکیت وملک دو ہزار سال کی مسافت کا ہوگا۔ ہر قریب وبعید کی چیز پر اس کی بیک نظر یکساں نگاہیں ہوں گی' یہ حال تو ہے ادنیٰ جنتی کا پھر سمجھ لو کہ اعلیٰ جنتی کا درجہ کیا ہوگا؟ اور اس کی نعمتیں کیسی ہونگی (اے اللہ! اے بغیر ہماری دعا اور عمل کے ہمیں شیر مادر کے چشمے عنایت کرنے والے! ہم بہ عاجزی والحاح تیری پاک جناب میں عرض گزار ہیں کہ تو ہماری للچائی ہوئی طبیعت کے ارمانوں کو پورا کر اور ہمیں بھی جنت الفردوس نصیب فرما تا گو ایسے اعمال نہ ہوں لیکن ایمان ہے کہ تیری رحمت اعمال پر ہی موقوف نہیں' (آمین، مترجم)

طبرانی کی ایک بہت ہی غریب حدیث میں وارد ہے کہ ایک حبشی دربار رسالت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے اسے فرمایا تمہیں جو کچھ پوچھنا ہو جس بات کو سمجھنا ہو پوچھ لو۔ اس نے کہا یا رسول اللہ ﷺ صورت شکل میں رنگ روپ میں نبوت ورسالت میں آپ کو ہم پر فضیلت دی گئی ہے' اب تو یہ فرمایئے کہ اگر میں بھی ان چیزوں پر ایمان لاؤں جن پر آپ ایمان لائے ہیں اور جن پر آپ عمل کرتے ہیں اگر میں بھی اسی پر عمل کروں تو کیا جنت میں آپ کے ساتھ ہو سکتا ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں قسم ہے اس اللہ کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ سیاہ رنگ لوگوں کو جنت میں وہ سفید رنگ دیا جائے گا جو ایک ہزار سال کے فاصلے سے دکھائی دے گا۔ پھر حضور ﷺ نے فرمایا جو شخص ﴿ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ﴾ کہے اس کے لئے اللہ کے پاس عہد مقرر ہو جاتا ہے اور جو شخص ﴿ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ ﴾ کہے اس کے لئے ایک لاکھ چوبیس ہزار نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ تو ایک شخص نے کہا پھر یا رسول اللہ ﷺ ہم کیسے ہلاک ہو جائیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا سنو ایک شخص اتنی نیکیاں لائے گا کہ اگر کسی بڑے پہاڑ پر رکھی جائیں تو اس پر بوجھل پڑیں لیکن پھر جو اللہ کی نعمتیں اس کے مقابل آئیں گی تو قریب ہوگا کہ سب فنا ہو جائیں مگر یہ اور بات ہے کہ رحمت رب توجہ فرمائے' اس وقت یہ سورت ﴿ مُلْكًا كَبِيْرًا ﴾ تک اتری تو اسی حبشی نے کہا اے حضور! جو کچھ آپ کی آنکھیں جنت میں دیکھیں گی کیا میری آنکھیں بھی دیکھیں گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں ہاں۔ پس وہ رونے لگا یہاں تک کہ اس کی روح پرواز کر گئی۔

حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ مبارک سے اسے دفن کیا۔ پھر اہل جنت کے لباس کا ذکر ہو رہا ہے کہ وہ سبز ہرے رنگ کا مہین اور چمکدار ریشم ہوگا ﴿ سُنْدُس ﴾ اعلیٰ درجہ کا خالص نرم ریشم جو بدن سے لگا ہوا ہوگا ﴿استبرق﴾ عمدہ بیش بہا گراں قدر ریشم جس میں چمک دمک ہوگی جو اوپر پہنایا جائیگا ساتھ ہی چاندی کے کنگن ہاتھوں میں ہوں گے۔ یہ لباس ابرار کا ہے۔

اور مقربین خاص کے بارے میں اور جگہ ارشاد ہے ﴿ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ﴾ انہیں سونے کے کنگن ہیرے جڑے ہوئے پہنائے جائیں گے اور خالص نرم صاف ریشمی لباس ہوگا۔ ان ظاہری جسمانی استعمالی نعمتوں کے ساتھ ہی انہیں پر کیف بالذت' سرور والی' پاک اور پاک کرنے والی شراب پلائی جائے گی جو تمام ظاہری باطنی برائی دور کر دے گی حسد کینہ بد خلقی غصہ وغیرہ سب دور کر دے گی۔ جیسے امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالبؓ سے مروی ہے کہ جب اہل جنت' جنت کے دروازے پر پہنچیں گے تو انہیں دو نہریں نظر آئیں گی اور انہیں از خود خیال پیدا ہوگا' ایک کا وہ پانی پئیں گے تو ان کے دلوں میں جو کچھ تھا سب دور ہو جائے گا۔ دوسری میں غسل کریں گے جس سے چہرے تروتازہ' ہشاش بشاش ہو جائیں گے۔ ظاہری اور باطنی دونوں خوبیاں انہیں بدرجہ کمال حاصل ہوں گی' جس کا بیان یہاں ہو رہا ہے۔

پھر ان سے ان کے دل خوش کرنے کے لئے اور ان کی خوشی دوبالا کرنے کے لئے بار بار کہا جائے گا کہ یہ تمہارے اعمال کا بدلہ اور تمہاری بھلی کوششوں کی قدردانی ہے' جیسے اور جگہ ہے ﴿ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـئًا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ ﴾ دنیا میں جو اعمال تم نے

کئے ان کی نیک جزا میں آج تم خوب سہتا پچتا بہ آرام واطمینان کھاتے پیتے رہو۔ اور فرمان ہے ﴿ وَنُوْدُوْا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴾ یعنی منادی کئے جائیں گے کہ ان جنتوں کا وارث تمہیں تمہاری نیک کرداریوں کی بنا پر بنایا گیا ہے۔ یہاں بھی فرمایا ہے کہ تمہاری سعی مشکور ہے تھوڑے عمل پر بہت اجر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان میں سے کرے' آمین۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا ﴿۲۳﴾ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَ لَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا ﴿۲۴﴾ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿۲۵﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا ﴿۲۶﴾ اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا ﴿۲۷﴾ نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ وَشَدَدْنَآ اَسْرَهُمْ ۚ وَاِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَآ اَمْثَالَهُمْ تَبْدِيْلًا ﴿۲۸﴾ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۲۹﴾ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۳۰﴾ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ وَالظّٰلِمِيْنَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۳۱﴾

بے شک ہم نے تجھ پر بتدریج قرآن نازل کیا ہے۔ پس تو اپنے رب کے حکم پر قائم رہ اور ان میں سے کسی گنہگار یا ناشکرے کا کہنا مان۔ اور اپنے رب کے نام کا صبح وشام ذکر کیا کر۔ اور رات کے وقت اس کے سامنے سجدے کر اور بہت رات تک اس کی تسبیح کیا کر۔ بے شک یہ لوگ دنیا کو چاہتے ہیں اور اپنے پیچھے ایک بڑے بھاری دن کو چھوڑے دیتے ہیں۔ ہم نے ہی انہیں پیدا کیا اور ہم نے ہی ان کے بندھن مضبوط کئے اور ہم جب چاہیں ان کے عوض ان جیسے اوروں کو بدل لائیں۔ یقیناً یہ تو ایک نصیحت ہے' پس جو چاہے اپنے رب کی راہ لے۔ اور تم نہ چاہو گے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ ہی چاہے' بے شک اللہ تعالیٰ دانا اور باحکمت ہے۔ جسے چاہے اپنی رحمت میں داخل کرلے' اور دردناک عذاب کی تیاری تو صرف گنہگاروں کے لئے ہے۔

قرآن کا نزول بتدریج ہوا: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اکرم ﷺ پر اپنا خاص کرم جو کیا ہے اسے یاد دلاتا ہے کہ ہم نے تجھ پر بتدریج تھوڑا تھوڑا کر کے یہ قرآن کریم نازل فرمایا' اب اس اکرام کے مقابلہ میں تمہیں بھی چاہئے کہ میری راہ میں صبر وسہار سے کام لو' میری قضاو قدر پر صابر شاکر رہو دیکھو تو سہی کہ میں اپنی حسن تدبیر سے تمہیں کہاں سے کہاں پہنچاتا ہوں' ان کافروں منافقوں کی باتوں میں نہ آنا گو یہ تبلیغ سے روکیں' لیکن تم نہ رکنا۔ بلا رو ورعایت بغیر مایوسی اور تکان کے ہر وقت وعظ نصیحت' ارشاد و تلقین سے غرض رکھو' میری ذات پر بھروسہ رکھو میں تمہیں لوگوں کی ایذا سے بچاؤں گا۔ تمہاری عصمت کا ذمہ دار میں ہوں۔ فاجر کہتے ہیں بد اعمال عاصی کو' اور کفور کہتے ہیں دل کے منکر کو' دن کے اول آخر کے حصے میں رب کا نام لیا کرو' راتوں کو تہجد کی نماز پڑھو اور دیر تک اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرو' جیسے اور جگہ فرمایا ﴿ وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ ﴾ رات کو تہجد پڑھو عنقریب تمہیں تمہارا رب مقام محمود میں پہنچائے گا۔ سورۂ مزمل کے شروع میں فرمایا اے لحاف اوڑھنے والے! رات کا قیام کر مگر تھوڑی رات آدھی رات یا اس سے کچھ کم یا کچھ زیادہ اور قرآن کو ترتیل سے پڑھ۔ پھر کفار کو روکتا ہے کہ حب دنیا میں پھنس کر آخرت کو ترک نہ کرو وہ بڑا بھاری دن ہے' اس فانی دنیا کے پیچھے پڑ کر اس خوفناک دن کی دشواریوں سے غافل ہو جانا عقلمندی کا کام نہیں۔ پھر فرماتا ہے سب کے خالق ہم ہیں اور سب کی مضبوط پیدائش اور قوی قویٰ ہم نے ہی بنائے ہیں اور ہم بالکل ہی قادر ہیں کہ قیامت کے دن انہیں بدل کر نئی پیدائش میں پیدا کر دیں۔ یہاں ابتداء آفرینش کو اعادہ کی دلیل بنایا ہے۔

اور اس آیت کا یہ مطلب بھی ہے کہ اگر ہم چاہیں اور جب چاہیں ہمیں قدرت حاصل ہے کہ انہیں فنا کر دیں مٹا دیں اور ان جیسے دوسرے انسانوں کو ان کے قائم مقام کر دیں' جیسے اور جگہ ہے ﴿ اِنۡ یَّشَاۡ یُذۡهِبۡكُمۡ اَیُّهَا النَّاسُ ﴾ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اے لوگو تم سب کو برباد کر دے اور دوسرے لائے' اللہ تعالیٰ اس پر ہر آن قادر ہے۔ اور جگہ فرمایا اگر چاہے تمہیں فنا کر دے اور نئی مخلوق لائے' اللہ پر یہ گراں نہیں۔ پھر فرماتا ہے یہ سورت سراسر عبرت و نصیحت ہے جو چاہے اس سے نصیحت حاصل کر کے اللہ تعالیٰ سے ملنے کی راہ پر چلنے لگ جائے' جیسے اور جگہ فرمان ہے ﴿ وَمَا ذَا عَلَیۡهِمۡ ﴾ ان پر کیا بوجھ پڑ جاتا اگر یہ اللہ کو قیامت کو مان لیتے؟ پھر فرمایا بات یہ ہے کہ جب تک اللہ نہ چاہے تمہیں ہدایت کی چاہت ہی نہ ہو گی۔ اللہ تعالیٰ علیم و حکیم ہے مستحقین ہدایت کو وہ ہدایت کی راہیں آسان کر دیتا ہے اور ہدایت کے اسباب مہیا کر دیتا ہے اور جو اپنے آپ کو مستحق ضلالت بنا لیتا ہے اسے وہ ہدایت سے ہٹا دیتا ہے ہر کام میں اس کی حکمت بالغہ اور حجت تامہ ہے' جسے چاہے اپنی رحمت تلے لے لے اور راہ راست پر کھڑا کر دے' اور جسے چاہے بے راہ چلنے دے اور راہ راست نہ سمجھائے' اس کی ہدایت نہ تو کوئی کھو سکے گا نہ اس کی گمراہی کو کوئی راستی سے بدل سکے گا' اس کے عذاب گنہگاروں' ظالموں اور ناانصافوں کے لئے ہی مخصوص ہیں۔ الحمد اللہ سورۂ دہر کی تفسیر ختم ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے۔

تفسیر سورۂ مرسلات مکیہ

تعارف سورت: حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ہم منٰی کے ایک غار میں تھے جب یہ سورت اتری۔ حضور ﷺ اس کی تلاوت کر رہے تھے اور میں آپ ﷺ سے سن کر یاد کر رہا تھا کہ ناگہاں ایک سانپ ہم پر کودا۔ حضور ﷺ نے فرمایا اسے مارو۔ ہم کو جھپٹے لیکن وہ نکل گیا تو آپ نے فرمایا تمہاری سزا سے وہ بچ گیا جیسے تم اس کی برائی سے محفوظ رہے (بخاری و مسلم)۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی والدہ صاحبہ حضرت ام الفضلؓ فرماتیں ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو مغرب کی نماز میں اس سورت کی قرات کرتے ہوئے سنا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت عبداللہؓ کو اس سورت کو پڑھتے ہوئے سن کر ام فضلؓ نے فرمایا پیارے بچے آج تو تم نے یاد دلا دیا میں نے رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے اس سورت کو مغرب کی نماز میں پڑھتے ہوئے آخری مرتبہ سنا ہے (مسند احمد و بخاری مسلم۔)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَالۡمُرۡسَلٰتِ عُرۡفًا ۙ﴿۱﴾ فَالۡعٰصِفٰتِ عَصۡفًا ۙ﴿۲﴾ وَّالنّٰشِرٰتِ نَشۡرًا ۙ﴿۳﴾ فَالۡفٰرِقٰتِ فَرۡقًا ۙ﴿۴﴾ فَالۡمُلۡقِیٰتِ ذِكۡرًا ۙ﴿۵﴾ عُذۡرًا اَوۡ نُذۡرًا ۙ﴿۶﴾ اِنَّمَا تُوۡعَدُوۡنَ لَوَاقِعٌ ؕ﴿۷﴾ فَاِذَا النُّجُوۡمُ طُمِسَتۡ ۙ﴿۸﴾ وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتۡ ۙ﴿۹﴾ وَاِذَا الۡجِبَالُ نُسِفَتۡ ۙ﴿۱۰﴾ وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتۡ ؕ﴿۱۱﴾ لِاَیِّ یَوۡمٍ اُجِّلَتۡ ؕ﴿۱۲﴾ لِیَوۡمِ الۡفَصۡلِ ۚ﴿۱۳﴾ وَمَاۤ اَدۡرٰىكَ مَا یَوۡمُ الۡفَصۡلِ ؕ﴿۱۴﴾ وَیۡلٌ یَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِیۡنَ ﴿۱۵﴾

معافی دینے والے رحم کرنے والے اللہ کے نام سے شروع۔

دل خوش کن ہلکی ہواؤں کی قسم' پھر زور سے جھونکا دینے والیوں کی قسم' پھر ابر کو ابھار کر پراگندہ کرنیوالیوں کی قسم۔ پھر حق و باطل کو جدا جدا کر دینے والے اور وحی لانے والے فرشتوں کی قسم۔ جو الزام اتارنے یا آگاہ کر دینے کے لئے ہوتی ہے۔ کہ جس چیز کا وعدہ کیا جاتا ہے وہ یقیناً ہونیوالی ہے۔ پس جب ستارے بے نور کر دیئے جائیں گے اور جب آسمان توڑ پھوڑ دیا جائے گا۔ اور جب پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے کر کے اڑا دیئے جائیں گے۔ اور جب رسولوں کو وقت مقررہ پر لایا جائیگا۔ کس دن کے لئے (انہیں) ٹھہرا لیا گیا ہے؟ فیصلے کے دن کیلئے۔ اور تجھے کیا معلوم؟ کہ فیصلے کا دن کیا ہے؟ اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی ہے۔

اللہ کی قسمیں: بعض بزرگ صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمتہ اللہ علیہم سے تو مروی ہے کہ مذکورہ بالا قسمیں ان اوصاف والے فرشتوں کی کھائی ہیں۔ بعض کہتے ہیں پہلے کی چار قسمیں تو ہواؤں کی ہیں اور پانچویں قسم فرشتوں کی ہے۔ بعض نے توقف کیا ہے کہ ﴿ وَ الْمُرْسَلاتِ ﴾ سے مراد یا تو فرشتے ہیں یا ہوائیں ہیں۔ ہاں ﴿ وَالْعٰصِفٰتِ ﴾ میں کہا ہے کہ اس سے مراد تو ہوائیں ہیں۔ بعض ﴿عصفٰت ﴾ میں یہ فرماتے ہیں اور ﴿ نشرات ﴾ میں کوئی فیصلہ نہیں کرتے۔ یہ بھی مروی ہے کہ ﴿ نشرات ﴾ سے مراد بارش ہے۔ بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ﴿مرسلت ﴾ سے مراد ہوائیں ہیں' جیسے اور جگہ فرمان باری تعالیٰ ہے ﴿ وَ اَرْسَلْنَا الرِّيَاحَ لَوَاقِحَ﴾ یعنی ہم نے ہوائیں چلائیں جو ابر کو بوجھل کرنے والیاں ہیں' اور جگہ ہے ﴿ يُرْسِلُ الرِّيَاحَ بُشْرًا ﴾ اپنی رحمت سے پیشتر اس کی خوش خبری دینے والی ٹھنڈی ہوائیں وہ چلاتا ہے۔ ﴿ عصفٰت ﴾ سے بھی مراد ہوائیں ہیں' وہ نرم ہلکی اور بھینی بھینی ہوائیں تھی یہ ذرا تیز جھونکوں والی اور آواز والی ہوائیں ہیں۔ ﴿ نشرات ﴾ سے مراد بھی ہوائی ہیں جو بادلوں کو آسمان میں ہر چہار سو پھیلا دیتی ہیں اور جدھر اللہ کا حکم ہوتا ہے انہیں لے جاتی ہیں۔ ﴿ فرقت ﴾ اور ﴿ مُلْقِيٰت ﴾ سے مراد البتہ فرشتے ہیں جو اللہ کریم کے حکم سے رسولوں پر وحی لے کر آتے ہیں' جس سے حق و باطل حلال و حرام میں ضلالت و ہدایت میں امتیاز اور فرق ہو جاتا ہے تاکہ لوگوں کے عذر ختم ہو جائیں اور منکرین کو تنبیہ ہو جائے۔

قیامت آنے والی ہے: ان قسموں کے بعد فرمان ہے کہ جس قیامت کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے' جس دن تم سب کے سب اول آخر والے اپنی اپنی قبروں سے دوبارہ زندہ کیئے جاؤ گے اور اپنے کرتوت کا پھل پاؤ گے۔ نیکی کی جزا اور بدی کی سزا۔ صور پھونک دیا جائے گا اور ایک چٹیل میدان میں تم سب جمع کر دیئے جاؤ گے' یہ وعدہ یقیناً حق ہے اور ہو کر رہنے والا اور لازمی طور پر آنے والا ہے۔ اس دن ستاروں کا نور اور ان کی چمک دمک ماند پڑ جائے گی۔ جیسے فرمایا ﴿ وَ اِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ﴾ اور جگہ فرمایا ﴿ وَ اِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ﴾ ستارے بے نور ہو کر جھڑ جائیں گے' اور آسمان پھٹ جائے گا' ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر اڑ جائیں گے۔ یہاں تک کہ نام و نشان بھی باقی نہ رہے گا' جیسے اور جگہ ہے ﴿ وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ ﴾ اور جگہ فرمایا ﴿ وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ ﴾ یعنی پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر اڑ جائیں گی اور اس دن وہ چلنے لگیں گے' بالکل نام و نشان مٹ جائے گا اور زمین ہموار بغیر اونچ نیچ کے رہ جائے گی' اور رسولوں کو جمع کیا جائے گا اس وقت مقررہ پر انہیں لایا جائے گا۔

جیسے اور جگہ ہے ﴿ يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ ﴾ اس دن اللہ رسولوں کو جمع کرے گا اور ان سے شہادتیں لے گا' جیسے اور جگہ ہے ﴿ وَ اَشْرَقَتِ الْاَرْضُ ﴾ زمین اپنے رب کے نور سے چمک اٹھے گی۔ نامہ اعمال دیدیئے جائیں گے' نبیوں کو اور گواہوں کو لایا جائے گا اور حق و انصاف کے ساتھ فیصلے کئے جائیں گے اور کسی پر ظلم نہ ہو گا۔ پھر فرماتا ہے کہ ان رسولوں کو ٹھہرایا گیا تھا اس لئے کہ قیامت کے دن فیصلے ہوں گے' جیسے فرمایا ﴿ فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ﴾ یہ خیال نہ کر کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں سے وعدہ خلافی کرے گا۔ نہیں نہیں اللہ تعالیٰ بڑے غلبہ والا اور انتقام والا ہے۔ جس دن یہ زمین بدل دی جائے گی اور آسمان بھی بدل دیا جائے گا اور سب کے سب اللہ واحد و قہار کے سامنے پیش ہو جائیں گے۔ اسی دن کو یہاں فیصلے کا دن کہا گیا پھر اس دن کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے فرمایا میرے معلوم کرائے بغیر اے نبی! تم بھی اس دن کی حقیقت سے باخبر نہیں ہو سکتے۔ اس دن ان جھٹلانے والوں کے لئے سخت خرابی ہے۔ ایک غیر صحیح حدیث میں یہ بھی گزر چکا ہے کہ ویل جہنم کی ایک وادی کا نام ہے۔

اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۷﴾ كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۸﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۹﴾ اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ﴿۲۰﴾

فَجَعَلْنٰهُ فِیْ قَرَارٍ مَّكِیْنٍ ﴿۲۱﴾ اِلٰی قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۲﴾ فَقَدَرْنَا ۖ فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ﴿۲۴﴾ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ﴿۲۵﴾ اَحْیَآءً وَّاَمْوَاتًا ﴿۲۶﴾ وَّجَعَلْنَا فِیْهَا رَوَاسِیَ شٰمِخٰتٍ وَّاَسْقَیْنٰكُمْ مَّآءً فُرَاتًا ﴿۲۷﴾ وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ﴿۲۸﴾

کیا ہم نے اگلوں کو ہلاک نہیں کیا؟ پھر ہم ان کے بعد پچھلوں کو لائے۔ ہم گنہگاروں کے ساتھ اسی طرح کرتے ہیں۔ اس دن جھٹلانے والوں کے لئے ویل (افسوس) ہے۔ کیا ہم نے تمہیں ذلیل پانی سے (منی سے) پیدا نہیں کیا؟ پھر ہم نے اسے مضبوط و محفوظ جگہ میں رکھا ایک مقررہ وقت تک۔ پھر ہم نے اندازہ کیا اور ہم کتنا اچھا اندازہ کرنیوالے ہیں اس دن تکذیب کرنے والوں کی خرابی ہے۔ کیا ہم نے زمین کو سمیٹنے والی نہیں بنایا؟ زندوں کو بھی اور مردوں کو بھی۔ اور ہم نے اس میں بلند و بھاری پہاڑ بنا دیئے اور تمہیں سیراب کرنیوالا میٹھا پانی پلایا۔ اس دن جھوٹ جاننے والوں پر وائے اور افسوس ہے۔

گنہ گاروں کا انجام ہلاکت ہوا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم سے پہلے بھی جن لوگوں نے میرے رسولوں کی رسالت کو جھٹلایا' میں نے انہیں تہس نہس کر دیا' پھر ان کے بعد اور آئے انہوں نے بھی ایسا ہی کیا اور ہم نے انہیں اسی طرح غارت کر دیا۔ ہم مجرموں کی غفلت کا یہی بدلہ دیتے چلے آئے ہیں' اس دن ان جھٹلانے والوں کی درگت ہو گی۔ پھر اپنی مخلوق کو اپنا احسان یاد دلاتا ہے اور منکرین قیامت کے سامنے دلیل پیش کرتا ہے کہ ہم نے اسے حقیر اور ذلیل قطرے سے پیدا کیا جو خالق کائنات کے سامنے ناچیز محض تھا' جیسے سورۂ یٰسٓ کی تفسیر میں گزر چکا کہ اے ابن آدم! بھلا تو مجھے عاجز کر سکے گا۔ میں نے تجھے اس جیسی چیز سے پیدا کیا ہے' پھر اس قطرے کو ہم نے رحم میں جمع کیا جو اس پانی کے جمع ہونے کی جگہ ہے اسے بڑھاتا ہے اور محفوظ رکھتا ہے۔ مدت مقرر تک وہ وہیں رہا یعنی چھ مہینے تا نو مہینے' ہمارے اس اندازے کو دیکھو کہ کس قدر صحیح اور بہترین ہے پھر بھی اگر تم اس آنے والے دن کو نہ مانو گے تو یقین جانو کہ تمہیں قیامت کے دن بڑی حسرت اور سخت افسوس ہو گا۔ پھر فرمایا کیا ہم نے زمین کو یہ خدمت سپرد نہیں کی؟ کہ وہ تمہیں زندگی میں اپنی پیٹھ پر چلاتی رہے اور موت کے بعد بھی تمہیں اپنے پیٹ میں چھپا رکھے۔ پھر زمین کے نہ ہلنے جلنے کے لئے ہم نے مضبوط وزنی بلند پہاڑ اس میں گاڑ دیئے اور بادلوں سے برستا ہوا اور چشموں سے رستا ہوا ہلکا زود ہضم خوش گوار پانی ہم نے تمہیں پلایا۔ ان نعمتوں کے باوجود بھی اگر تم میری باتوں کو جھٹلاتے ہی رہے تو یاد رکھو وہ وقت آ رہا ہے جب حسرت و افسوس کرو گے اور کچھ کام نہ آئے گی۔

اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰی مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۹﴾ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰی ظِلٍّ ذِیْ ثَلٰثِ شُعَبٍ ﴿۳۰﴾ لَّا ظَلِیْلٍ وَّلَا یُغْنِیْ مِنَ اللَّهَبِ ﴿۳۱﴾ اِنَّهَا تَرْمِیْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ ﴿۳۲﴾ كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ ﴿۳۳﴾ وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ﴿۳۴﴾ هٰذَا یَوْمُ لَا یَنْطِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَلَا یُؤْذَنُ لَهُمْ فَیَعْتَذِرُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ﴿۳۷﴾ هٰذَا یَوْمُ الْفَصْلِ ۚ جَمَعْنٰكُمْ وَالْاَوَّلِیْنَ ﴿۳۸﴾ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ كَیْدٌ فَكِیْدُوْنِ ﴿۳۹﴾ وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ﴿۴۰﴾

اس دوزخ کی طرف جاؤ جسے تم جھٹلاتے رہے تھے۔ چلو تین شاخوں دار سائے کی طرف جو دراصل نہ سایہ دینے والا ہے اور نہ شعلے سے بچا سکتا ہے۔ یقیناً

دوزخ چنگاریاں پھینکتی ہے جو مثل قلعہ کے ہیں گویا کہ وہ زرد اونٹ ہیں۔ آج ان جھوٹ جاننے والوں کی درگت ہے۔ آج کا دن وہ دن ہے کہ یہ بول بھی نہ سکیں گے' نہ انہیں معذرت کی اجازت دی جائے گی۔ آج جھوٹا جاننے والوں کی خرابی ہے۔ یہ ہے فیصلہ کا دن' ہم نے تمہیں اور اگلوں کو سب کو جمع کر لیا ہے۔ پس تم مجھ سے کوئی چال چل سکتے ہو تو چل لو۔ وائے ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لئے۔

تین شاخیں: جو کفار قیامت کے دن کو اور جزا سزا کو جنت دوزخ کو جھٹلاتے تھے ان سے قیامت کے دن کہا جائے گا کہ لو جسے سچا نہ مانتے تھے' وہ سزا اور وہ دوزخ یہ موجود ہے اس میں جاؤ اس کے شعلے بھڑک رہے ہیں اور اونچے ہو ہو کر ان میں تین پھانکیں کھل جاتی ہیں' تین حصے ہو جاتے ہیں اور ساتھ ہی دھواں بھی اوپر کو چڑھتا ہے جس سے نیچے کی طرف چھاؤں پڑتی ہے اور سایہ معلوم ہوتا ہے لیکن فی الواقع نہ تو وہ سایہ ہے نہ آگ کی حرارت کو کم کرتا ہے' یہ جہنم اتنی تیز و تند سخت اور بہ کثرت آگ والی ہے کہ اس کی جنگاریاں جو اڑتی ہیں وہ بھی مثل قلعہ کے اور تناور درخت کے مضبوط لمبے چوڑے تنے کے ہیں' دیکھنے والے کو یہ جچتا ہے کہ گویا وہ سیاہ رنگ کے اونٹ ہیں یا کشتیوں کے رسے ہیں یا تانبے کے ٹکڑے ہیں۔

جہنم کا ذکر: حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ہم جاڑے کے موسم میں تین تین ہاتھ کی یا کچھ زیادہ لمبی لکڑیاں لے کر انہیں بلند کر لیتے' اسے ہم قصر کہا کرتے تھے۔ کشتی کی رسیاں جب اکٹھی ہو جاتی ہیں تو خاصی اونچی قد آدم کے برابر ہو جاتی ہیں' اسی کو یہاں مراد لیا گیا ہے۔ ان جھٹلانے والوں پر حسرت و افسوس ہے آج نہ یہ بول سکیں گے اور نہ انہیں عذر و معذرت کرنے کی اجازت ملے گی' کیوں کہ ان پر حجت قائم ہو چکی' اور ظالموں پر اللہ تعالیٰ کی بات ثابت ہو گئی اب انہیں بولنے کی اجازت نہیں۔ یہ یاد رہے کہ قرآن کریم میں ان کا بولنا مکرنا چھپانا عذر کرنا بھی بیان ہوا ہے۔ تو مطلب یہ ہے کہ حجت قائم ہونے سے پہلے عذر معذرت وغیرہ پیش کریں گے' جب سب توڑ دیا جائے گا اور دلیلیں پیش ہو جائیں گی تو اب بول چال عذر معذرت ختم ہو جائے گی۔ غرض میدان حشر کے مختلف مواقع اور لوگوں کی مختلف حالتیں ہوں گی کسی وقت یہ کسی وقت وہ۔ اسی لئے یہاں ہر کام کے خاتمہ پر جھٹلانے والوں کی خرابی کی خبر دے دی جاتی ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ فیصلے کا دن ہے اگلے پچھلے سب یہاں جمع ہیں اگر تم کسی چالاکی اور مکاری سے ہوشیاری اور فریب دہی سے میرے قبضے سے نکل سکتے ہو تو نکل جاؤ' پوری کوشش کر لو۔ خیال فرمائیے کہ کس قدر دل ہلا دینے والا فقرہ ہے پروردگار عالم خود قیامت کے دن ان منکروں سے فرمائے گا کہ اب خاموش کیوں ہو؟ وہ چلت پھرت چالاکی اور بے باکی کیا ہوئی؟ دیکھو میں نے تم سب کو ایک میدان میں حسب وعدہ جمع کر دیا آج اگر کسی حکمت سے مجھ سے چھوٹ سکتے ہو تو کمی نہ کرو' جیسے اور جگہ ہے ﴿ يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ یعنی اے جن وانس کے گروہ اگر تم آسمان وزمین کے کناروں سے باہر چلے جانے کی طاقت رکھتے ہو تو نکل جاؤ مگر اتنا سمجھ لو کہ بغیر قوت کے تم باہر نہیں جا سکتے (اور وہ تم میں نہیں)۔

اور جگہ ہے ﴿ وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ شَيْئًا ﴾ یعنی تم اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ حدیث میں ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے اے میرے بندو! نہ تو تمہیں مجھے نفع پہنچانے کا اختیار ہے نہ نقصان پہنچانے کا۔ نہ تم مجھے کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہو نہ میرا کچھ بگاڑ سکتے ہو۔ حضرت ابو عبداللہ جدلیؒ فرماتے ہیں کہ میں بیت المقدس گیا دیکھا کہ وہاں حضرت عبادہ بن صامتؓ اور حضرت عبداللہ بن عمروؓ اور حضرت کعب احبارؒ بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے ہیں۔ میں بھی بیٹھ گیا تو میں نے سنا کہ حضرت عبادہؓ فرماتے ہیں' قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمام اگلوں پچھلوں کو ایک چٹیل صاف میدان میں جمع کرے گا' آواز دینے والا آواز دے کر سب کو ہشیار کر دے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا آج کا دن فیصلوں کا دن ہے تم سب اگلے پچھلوں کو میں نے جمع کر دیا ہے' اب میں تم سے کہتا ہوں کہ اگر میرے ساتھ کوئی دغا فریب' مکر' حیلہ کر سکتے ہو تو کر و' سنو! متکبر سرکش منکر اور جھٹلانے والا آج میری پکڑ سے بچ نہیں سکتا اور نہ کوئی نافرمان شیطان میرے عذابوں سے نجات پا سکتا ہے۔ حضرت عبداللہ نے فرمایا لو ایک حدیث میں بھی سنا دوں' اس دن جہنم اپنی گردن دراز کر کے لوگوں کے بیچوں بیچ پہنچا کر با آواز بلند کہے گی' اے لوگو! تین قسم

کے لوگوں کو ابھی ہی پکڑ لینے کا مجھے حکم مل چکا ہے' میں انہیں خوب پہچانتی ہوں کوئی باپ اپنی اولاد کو اور کوئی بھائی اپنے بھائی کو اتنا نہ جانتا ہوگا جتنا میں انہیں پہچانتی ہوں' آج نہ تو وہ مجھ سے کہیں چھپ سکتے ہیں نہ کوئی انہیں چھپا سکتا ہے' ایک تو وہ جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کیا ہو' دوسرے وہ جو منکر اور متکبر ہو' اور تیسرے وہ جو نافرمان شیطان ہو' پھر وہ مڑ مڑ کر چن چن کر ان اوصاف کے لوگوں کو میدان حشر میں سے چھانٹ لے گی اور ایک ایک و پکڑ پکڑ کر نگل جائے گی اور حساب سے چالیس سال پہلے ہی یہ جہنم واصل ہو جائیں گے (اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں محفوظ رکھے) آمین۔

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي ظِلَٰلٍ وَعُيُونٍ ﴿٤١﴾ وَفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُونَ ﴿٤٢﴾ كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيٓـًٔا بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٤٣﴾ إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿٤٤﴾ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ﴿٤٥﴾ كُلُوا وَتَمَتَّعُوا قَلِيلًا إِنَّكُم مُّجْرِمُونَ ﴿٤٦﴾ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ﴿٤٧﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ ارْكَعُوا لَا يَرْكَعُونَ ﴿٤٨﴾ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ﴿٤٩﴾ فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ ﴿٥٠﴾

بیشک پرہیز گار لوگ سایوں میں ہیں اور بہتے چشموں میں' اور ان میووں میں جن کی وہ خواہش کریں' (اے جنتیو!) کھاؤ پیو سہتا پچتا اپنے کئے ہوئے اعمال کے بدلے۔ یقیناً ہم نیکی کرنیوالوں کو اسی طرح جزا دیتے ہیں۔ اس دن سچا نہ جاننے والوں کے لئے ویل (افسوس) ہے۔ اے جھٹلانے والو! تم (دنیا میں) تھوڑا سا کھالو برت لو بے شک تم گنہگار ہو۔ قیامت کے دن جھٹلانے والوں کے لئے سخت ہلاکت ہے۔ ان سے جب کہا جاتا ہے کہ رکوع کر لو تو نہیں کرتے' اس دن جھٹلانے والوں کی تباہی ہے۔ اب اس قرآن کے بعد کس بات پر ایمان لائیں گے؟

جنت اور جنتیوں کا ذکر: اوپر چونکہ بدکاروں کی سزاؤں کا بیان ہوا تھا' یہاں نیک کاروں کی جزا کا بیان ہو رہا ہے کہ جو لوگ متقی پرہیز گار تھے اللہ کے عبادت گزار تھے' فرائض اور واجبات کے پابند تھے' اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے حرام کاریوں سے بچتے تھے' وہ قیامت کے دن جنتوں میں ہوں گے' جہاں قسم قسم کی نہریں چل رہی ہیں۔ گنہگار سیاہ بدبودار دھویں میں گھرے ہوئے ہوں گے اور نیک کردار جنتوں کے گھنے ٹھنڈے اور پرکیف سایوں میں لیٹے بیٹھے ہوں گے' سامنے صاف شفاف چشمے اپنی پوری روانی سے جاری ہوں گے' قسم قسم کے پھل میوے اور ترکاریاں موجود ہوں گے' جسے جب جی چاہے کھائیں گے' نہ روک ٹوک ہوگی نہ کمی اور نقصان کا اندیشہ ہوگا۔ نہ فنا ہونے اور ختم ہونے کا خطرہ ہوگا۔ پھر حوصلہ بڑھانے اور دل میں خوشی کو دوبالا کرنے کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے بار بار فرمان ہوگا کہ "اے میرے پیارے بندو! اے جنتیو! تم بہ خوشی اور بافراغت سہتا پچتا خوب کھاؤ پیو' ہم ہر نیک کار پرہیز گار مخلص انسان کو اسی طرح بھلا بدلہ اور نیک جزا دیتے ہیں ہاں جھٹلانے والوں کی تو آج بڑی خرابی ہے"۔

ان جھٹلانے والوں کو دھمکایا جاتا ہے کہ اچھا دنیا میں تو تم کچھ کھا پی لو' برت برتا لو فائدے اٹھا لو' عنقریب یہ نعمتیں بھی فنا ہو جائیں گی اور تم بھی موت کے گھاٹ اترو گے' پھر تمہارا نتیجہ جہنم ہی ہے (جس کا ذکر اوپر گزر چکا) تمہاری بداعمالیوں اور سیاہ کاریوں کی سزا ہمارے پاس تیار ہے۔ کوئی مجرم ہماری نگاہ سے باہر نہیں۔ قیامت کو ہمارے نبی ﷺ کو ہماری' وحی کو نہ ماننے والا' اسے جھوٹا جاننے والا قیامت کے دن سخت نقصان میں اور پورے خسارے میں ہوگا' اس کی سخت خرابی ہوگی جیسے اور جگہ ارشاد ہے ﴿ نُمَتِّعُهُمْ قَلِيلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ إِلَىٰ

عَذَابٍ غَلِيظٍ ﴾ دنیا میں ہم انہیں تھوڑا سا فائدہ پہنچا دیں گے' پھر تو ہم انہیں سخت عذاب کی طرف بے بس کر دیں گے۔ اور جگہ فرمان ہے ﴿ قُلْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴾ یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ پر جھوٹ باندھنے والے کامیاب نہیں ہو سکتے' دنیا میں یوں ہی سا فائدہ اٹھالیں' پھر ان کا لوٹنا تو ہماری ہی طرف ہے' ہم انہیں ان کے کفر کی سزا میں سخت تر عذاب چکھائیں گے۔ پھر فرمایا کہ ان نادان منکروں کو جب کہا جاتا ہے کہ آؤ اللہ کے سامنے جھک تو لو' جماعت کے ساتھ نماز تو ادا کر لو تو ان سے یہ بھی نہیں ہو سکتا۔ اس سے بھی جی چراتے ہیں بلکہ اسے حقارت سے دیکھتے ہیں اور تکبر کے ساتھ انکار کر دیتے ہیں۔ ان کے لئے جو جھٹلانے میں عمریں گزار دیتے ہیں' قیامت کے دن بڑی مصیبت ہو گی۔

پھر فرمایا جب یہ لوگ اس پاک کلام مجید پر بھی ایمان نہیں لاتے تو پھر کس کلام کو مانیں گے؟ جیسے اور جگہ ہے۔ ﴿ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَ اللّٰهِ وَ اٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ﴾ یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ پر اور اس کی آیتوں پر جب یہ ایمان نہ لائے' تو اب کس بات پر ایمان لائیں گے؟ ابن ابی حاتم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ جو شخص اس سورت کی اس آیت کو پڑھے تو اسے اس کے جواب میں ﴿ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَبِمَا اَنْزَلَ ﴾ کہنا چاہئے یعنی میں اللہ تعالیٰ پر اور اس کی اتاری ہوئی کتابوں پر ایمان لایا۔ یہ حدیث سورۂ قیامہ کی تفسیر میں بھی گزر چکی ہے۔

﴿ الحمدُ لله ﴾ سورہ مرسلات کی تفسیر ختم ہوئی۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر ہے کہ انتیسویں پارے کی تفسیر بھی پوری ہوئی ﴿ فالحمدُ لله ﴾

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے کلام پاک کی صحیح سمجھ عطا فرمائے اور اس پر عمل کی توفیق دے اور اسے قبول فرمائے' ﴿ آمین یا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾

تفسیر سورۂ نبا مکیہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ۝۱ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ۝۲ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ ۝۳ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ۝۴ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ۝۵ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ۝۶ وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا ۝۷ وَّخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ۝۸ وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ۝۹ وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ۝۱۰ وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۝۱۱ وَّبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ۝۱۲ وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا ۝۱۳ وَّاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ۝۱۴ لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا ۝۱۵ وَّجَنّٰتٍ اَلْفَافًا ۝۱۶

میں اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والے مہربان کے نام سے شروع کرتا ہوں۔

یہ لوگ کس چیز کی پوچھ گچھ کرتے ہیں؟ اس بڑی خبر کی' جس میں یہ مختلف ہیں' یقیناً یہ ابھی جان لیں گے' اور بالیقین انہیں بہت جلد معلوم ہو جائے گا۔ کیا ہم نے زمین کو فرش نہیں بنایا؟ اور پہاڑوں کو میخیں نہیں بنایا؟ اور ہم نے تمہیں جوڑ جوڑ پیدا کیا' اور ہم نے تمہاری نیند کو آرام کا سبب بنایا' اور رات کو ہم نے پردہ بنایا' اور دن کو ہم نے وقت روزگار بنایا۔ اور تمہارے اوپر ہم نے سات مضبوط آسمان بنائے۔ اور ایک چمکتا ہوا روشن چراغ پیدا کیا' اور بدلیوں سے ہم نے بکثرت بہتا ہوا پانی برسایا۔ تاکہ اس سے اناج اور سبزہ اگائیں۔ اور گھنے باغ بھی اگائیں۔

قیامت یقیناً آئے گی: جو مشرک لوگ قیامت کے آنے کا انکار کرتے تھے اور اس کو جھٹلانے کی نیت سے آپس میں طرح طرح کے سوالات کیا کرتے تھے۔ یہاں اللہ تعالیٰ ان سوالات کا جواب اور ان کی حقیقت بیان فرما کر ان کی تردید کرتا ہے کہ ''یہ لوگ آپس میں کس بارے میں سوالات کر رہے ہیں؟'' یعنی کس چیز کے متعلق پوچھ گچھ کر رہے ہیں؟ کیا قیامت کے بارے میں پوچھ گچھ کر رہے ہیں؟ حالانکہ وہ تو ایک بہت بڑی خبر ہے۔ یعنی ہولناک اور بری خبر ہے اور روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ حضرت قتادہؒ اور ابن زیدؒ نے اس نبا عظیم (بہت بڑی خبر) سے مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنا مراد لیا ہے۔ مگر حضرت مجاہدؒ کہتے ہیں کہ اس سے قرآن مراد ہے۔ لیکن پہلی بات زیادہ ٹھیک معلوم ہوتی ہے کہ اس سے مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنا مراد ہے۔ پھر اس آیت ﴿ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ ﴾ (جس میں یہ لوگ آپس میں اختلاف رکھتے ہیں) میں جس اختلاف کا ذکر ہے وہ یہ ہے کہ لوگ اس بارے میں دو مختلف محاذوں پر ہیں۔ ایک تو اس کو مانتے ہیں کہ وہ ہو کر رہے گی اور دوسرے اس کو نہیں مانتے۔

پھر اللہ تعالیٰ ان منکرین قیامت کو دھمکاتے ہوئے فرماتا ہے کہ ''یقیناً ان کو اس کی حقیقت بہت جلد معلوم ہو جائے گی۔ بہت جلد تو کیا بلکہ ابھی معلوم ہو جائے گی''۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے یہ بہت سخت دھمکی اور وعید سنائی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنی عجیب و غریب مخلوقات کی باریکیاں بتلا کر اپنی عظیم الشان قدرت کی نشانیاں بیان فرماتا ہے۔ جن سے ثابت ہو جاتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ ایسی ایسی چیزیں بغیر کسی نمونہ کے اول مرتبہ پیدا کر سکتا ہے تو کیا ان کو دوبارہ پیدا نہیں کر سکتا؟

زمین بنائی: چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "کیا ہم نے زمین کو تمہارے لیے فرش اور بچھونا نہیں بنایا؟" یعنی تمام مخلوق کے لیے اس کو ہموار کر کے نہیں بچھا دیا۔ اس طرح کہ وہ تمہارے آگے پست اور فرمانبردار ہے۔ بغیر کسی ہلنے جلنے کے خاموشی کے ساتھ جمی ہوئی پڑی ہے۔ اور پہاڑوں کو (اس کی) میخیں بنایا ہے۔ یعنی ان کو اس کی میخیں بنا کر اس میں گاڑ دیا ہے تاکہ وہ ان سے جمی اور تھمی رہے۔ اور پہلے کی طرح ہلے جلے نہیں اور اپنے اوپر بسی ہوئی مخلوق کو پریشان نہ کرے۔

انسان کو جوڑا: پھر فرمایا کہ اس کے بعد اپنے آپ کو دیکھو کہ "ہم نے تم کو جوڑا جوڑا بنا کر پیدا کیا ہے۔" یعنی نر و مادہ اور مرد و عورت۔ جو آپس میں ایک دوسرے سے متمتع ہو کر اپنی خواہش پوری کرتے ہیں۔ اور اس طرح ان کی نسل بڑھتی رہتی ہے۔ جیسے ایک اور جگہ فرماتا ہے کہ ﴿ وَ مِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا ﴾ الخ یعنی اللہ کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے خود تمہیں میں سے تمہارے جوڑے پیدا کئے تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو۔ اس نے اپنی مہربانی سے تم میں آپس میں محبت اور رحم ڈال دیا۔ پھر فرماتا ہے ہم نے تمہاری نیند کو حرکت کے کٹ جانے کا سبب بنایا تاکہ آرام اور اطمینان حاصل کر لو۔ اور دن بھر کی تھکان کسل اور ماندگی دور ہو جائے۔

اسی معنی کی ایک اور آیت سورہ فرقان میں گزر چکی ہے۔ "رات کو ہم نے لباس بنایا کہ اس کا اندھیرا اور سیاہی سب لوگوں پر چھا جاتی ہے" جیسے اور جگہ ارشاد فرمایا کہ ﴿ وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰىهَا ﴾ "قسم ہے رات کی جب کہ وہ ڈھک لے۔" عرب شاعر بھی اپنے شعروں میں رات کو لباس کہتے ہیں۔ حضرت قتادہؒ نے فرمایا ہے کہ رات سکون کا باعث بن جاتی ہے۔ اور برخلاف رات کے دن کو ہم نے روشن اجالے والا اور اندھیرے بغیر کا بنایا ہے۔ تاکہ تم کام دھندا اس میں کر سکو۔ جا آ سکو' بیوپار' تجارت' لین دین کر سکو اور اپنی روزیاں اور رزق حاصل کر سکو۔ اور ہم نے جہاں تمہیں رہنے سہنے کو زمین بنا دی وہاں ہم نے تمہارے اوپر سات آسمان بنائے جو بڑے لمبے چوڑے مضبوط پختہ عمدہ اور زینت والے ہیں۔ تم دیکھتے ہو کہ ان میں ہیروں کی طرح چمکتے ہوئے ستارے لگ رہے ہیں۔ بعض چلتے پھرتے رہتے ہیں' اور بعض ایک جگہ قائم ہیں۔

سورج بنایا: پھر فرمایا ہم نے سورج کو چمکتا چراغ بنایا جو تمام جہاں کو روشن کر دیتا ہے ہر چیز کو جگمگا دیتا ہے اور دنیا کو منور کر دیتا ہے' اور دیکھو کہ ہم نے پانی کی بھری بدلیوں سے بکثرت پانی برسایا۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ہوائیں چلتی ہیں۔ ادھر سے ادھر بادلوں کو لے جاتی ہیں۔ اور پھر ان بادلوں سے خوب بارش برستی ہے اور زمین کو سیراب کرتی ہے اور بھی بہت سے مفسرین نے یہی فرمایا ہے کہ ﴿ مُعْصِرَاتِ ﴾ سے مراد بعضوں نے تو ہوا لی ہے اور بعضوں نے بادل جو ایک ایک قطرہ برابر برساتے رہتے ہیں ﴿ مَرْاَةٌ مُعْصِرَةٌ ﴾ عرب میں اس عورت کو کہتے ہیں جس کے حیض کا زمانہ بالکل قریب آ گیا ہو' لیکن اب تک حیض جاری نہ ہوا ہو۔ حضرت حسنؒ اور قتادہ نے فرمایا ہے ﴿ مُعْصِرَاتِ ﴾ سے مراد آسمان ہے۔ لیکن یہ قول غریب ہے سب سے زیادہ ظاہر قول یہ ہے کہ مراد اس سے بادل ہیں۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿ اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ ﴾ الخ اللہ تعالیٰ ہواؤں کو بھیجتا ہے جو بادلوں کو ابھارتی ہیں اور انہیں پروردگار کی منشا کے مطابق آسمان پر پھیلا دیتی ہیں۔ اور انہیں وہ ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے پھر تو دیکھتا ہے کہ ان کے درمیان سے پانی نکلتا ہے ﴿ ثَجَّاجًا ﴾ کے معنے خوب لگاتار بہنے کے ہیں۔ جو بکثرت بہہ رہا ہو' اور خوب برس رہا ہو۔

ثجاجاً کا معنی: ایک حدیث میں ہے کہ افضل حج وہ ہے جس میں ﴿ لَبَّيْكَ ﴾ خوب پکاری جائے اور خون بکثرت بہایا جائے' یعنی قربانیاں زیادہ کی جائیں۔ اس حدیث میں بھی لفظ ﴿ ثَجّ ﴾ ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ استحاضہ کا مسئلہ پوچھنے والی ایک صحابیہ عورت سے حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم روئی کا پھایا رکھ لو۔ اس نے کہا حضور ﷺ وہ تو بہت زیادہ ہے۔ میں تو ہر وقت خون بکثرت بہاتی رہتی ہوں۔ اس روایت میں بھی لفظ ﴿ اَثُجُّ ثَجًّا ﴾ ہے' یعنی بے روک برابر خون آتا رہتا ہے۔ تو یہاں اس آیت میں بھی مراد

یہی ہے کہ پانی ابر سے بکثرت برابر بے روک برستا ہی رہتا ہے' واللہ اعلم۔

پھر ہم اس پانی سے جو پاک صاف بابرکت نفع بخش ہے اناج اور دانے پیدا کرتے ہیں۔ جو انسان حیوان سب کے کھانے میں آتے ہیں۔ اور سبزیاں اگاتے ہیں جو تر و تازہ کھائی جاتی ہیں۔ اور اناج کھلیان میں رکھا جاتا ہے' پھر کھایا جاتا ہے۔ اور باغات اس پانی سے پھلتے پھولتے ہیں۔ اور قسم قسم کے ذائقوں رنگوں خوشبوؤں والے میوے اور پھل پھول ان سے پیدا ہوتے ہیں گو کہ زمین کے ایک ہی ٹکڑے پر وہ ملے جلے ہیں۔ ﴿ الفافا ﴾ کے معنے جمع کے ہیں۔ اور جگہ ہے ﴿ وَ فِی الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ ﴾ الخ زمین میں مختلف ٹکڑے ہیں جو آپس میں ملے جلے ہیں۔ اور انگور کے درخت ہیں' بعض شاخ دار بعض بغیر زیادہ شاخوں کے۔ اور وہ سب ایک ہی پانی سے سیراب کئے جاتے ہیں۔ اور ہم ایک سے ایک کو میوہ میں زیادہ کرتے ہیں یقیناً عقلمندوں کے لیے اس میں نشانیاں ہیں۔

اِنَّ یَوْمَ الْفَصْلِ کَانَ مِیْقَاتًا ﴿۱۷﴾ یَّوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا ﴿۱۸﴾ وَّ فُتِحَتِ السَّمَآءُ فَکَانَتْ اَبْوَابًا ﴿۱۹﴾ وَّ سُیِّرَتِ الْجِبَالُ فَکَانَتْ سَرَابًا ﴿۲۰﴾ اِنَّ جَهَنَّمَ کَانَتْ مِرْصَادًا ﴿۲۱﴾ لِّلطّٰغِیْنَ مَاٰبًا ﴿۲۲﴾ لّٰبِثِیْنَ فِیْهَآ اَحْقَابًا ﴿۲۳﴾ لَا یَذُوْقُوْنَ فِیْهَا بَرْدًا وَّ لَا شَرَابًا ﴿۲۴﴾ اِلَّا حَمِیْمًا وَّ غَسَّاقًا ﴿۲۵﴾ جَزَآءً وِّفَاقًا ﴿۲۶﴾ اِنَّهُمْ کَانُوْا لَا یَرْجُوْنَ حِسَابًا ﴿۲۷﴾ وَّ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا کِذَّابًا ﴿۲۸﴾ وَ کُلَّ شَیْءٍ اَحْصَیْنٰهُ کِتٰبًا ﴿۲۹﴾ فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِیْدَکُمْ اِلَّا عَذَابًا ﴿۳۰﴾

-ع۲-

بیشک فیصلہ کے دن کا وقت مقرر ہے۔ جس دن کہ صور پھونکا جائے گا پھر تم سب جماعت جماعت بن کر آؤ گے۔ اور آسمان کھول دیا جائے گا تو اس میں دروازے دروازے ہو جائیں گے۔ اور پہاڑ چلائے جائیں گے پس وہ سفید بالو ہو جائیں گے۔ بیشک دوزخ گھات کی جگہ ہے۔ سرکشوں کا ٹھکانہ وہی ہے اس میں وہ قرنوں صدیوں تک پڑے رہیں گے' نہ کبھی اس میں خنکی کا مزہ چکھیں گے نہ پانی کا' سوائے گرم پانی اور بہتی پیپ کے (ان کو) پورا پورا بدلہ ملے گا۔ انہیں تو حساب کی توقع ہی نہ تھی' اور ٹکرا ٹکرا کر ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے تھے۔ ہم نے ہر ایک چیز کو لکھ کر محفوظ کر رکھا ہے۔ اب تم (اپنے کئے) کا مزہ چکھو ہم تمہارا عذاب ہی بڑھاتے رہیں گے۔

روز قیامت کا علم اللہ کے پاس مقدر ہے: یعنی قیامت کا دن ہمارے علم میں مقرر دن ہے نہ وہ آگے ہو گا نہ پیچھے' ٹھیک وقت پر آ جائے گا۔ کب آئے گا اس کا صحیح علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو نہیں۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿ وَ مَا نُؤَخِّرُهٗۤ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ﴾ نہیں ڈھیل دیتے ہم انہیں لیکن وقت مقرر کے لیے۔ اس دن صور میں پھونک ماری جائے گی اور لوگ جماعتیں جماعتیں بن کر آئیں گے۔ ہر ہر امت اپنے اپنے نبی کے ساتھ الگ الگ ہو گی۔ جیسے فرمایا ﴿ یَوْمَ نَدْعُوْا کُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ ﴾ جس دن ہم تمام لوگوں کو ان کے اماموں سمیت بلائیں گے۔ صحیح بخاری میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں دونوں صوروں کے درمیان چالیس ہوں گے۔ لوگوں نے پوچھا چالیس دن؟ فرمایا میں نہیں کہہ سکتا پوچھا چالیس مہینے۔ فرمایا مجھے خبر نہیں۔ پوچھا چالیس سال۔ فرمایا میں یہ بھی نہیں کہہ سکتا۔ پھر اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی برسائے گا' اور جس طرح درخت اگتے ہیں لوگ زمین سے اگیں گے۔ انسان سارا کا سارا گل سڑ جاتا ہے لیکن ایک ہڈی اور وہ کمر کی ریڑھ کی ہڈی ہے۔ اسی سے قیامت کے دن مخلوق مرکب کی جائے گی۔ آسمان کھول دیئے جائیں گے۔ اور اس میں فرشتوں کے اترنے کے راستے اور دروازے بن جائیں گے۔ پہاڑ چلائے جائیں گے اور بالکل ریت کے ذرے بن جائیں

گے۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿ وَ تَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً ﴾ الخ یعنی تم پہاڑوں کو دیکھ رہے ہو جان رہے ہو کہ وہ پختہ مضبوط اور جامد ہیں لیکن یہ بادلوں کی طرح چلنے پھرنے لگیں گے۔ ایک اور جگہ ہے ﴿ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ﴾ پہاڑ مثل دھنی ہوئی اون کے ہو جائیں گے یہاں فرمایا پہاڑ سراب ہو جائیں گے یعنی دیکھنے والا سمجھتا ہے کہ وہ کچھ ہے حالانکہ دراصل کچھ نہیں آخر میں بالکل برباد ہو جائیں گے نام و نشان تک نہ رہے گا جیسے اور جگہ ہے ﴿ وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّىْ نَسْفًا ﴾ لوگ تجھ سے پہاڑوں کے بارے میں دریافت کرتے ہیں' تو کہہ انہیں میرا رب پراگندہ کر دے گا' اور زمین بالکل ہموار میدان رہ جائے گا جس میں نہ کوئی موڑ ہو گا نہ ٹیلا۔ اور جگہ ہے ﴿وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَ تَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ﴾ جس دن ہم پہاڑوں کو چلائیں گے' اور تو دیکھے گا کہ زمین بالکل کھل گئی ہے۔

پھر فرماتا ہے سرکش نافرمان مخالفین رسول کی تاک میں جہنم لگی ہوئی ہے۔ یہی ان کے لوٹنے کی اور رہنے سہنے کی جگہ ہے۔

اس کے معنے حضرت حسن اور حضرت قتادہؒ نے یہ بھی کئے ہیں کہ کوئی شخص جنت میں بھی نہیں جا سکتا جب تک کہ جہنم پر سے نہ گزرے۔ اگر اعمال ٹھیک ہیں تو نجات پالی' اور اگر اعمال بد ہیں تو روک لیا گیا اور جہنم میں جھونک دیا گیا۔ حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ اس پر تین پل ہیں۔ پھر فرمایا وہ اس میں مدتوں اور قرنوں پڑے رہیں گے ﴿ اَحْقَابٌ ﴾ جمع ہے ﴿ حَقَبٌ ﴾ کی ایک لمبے زمانے کو حقب کہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں حقب (۸۰) اسی سال کا ہوتا ہے۔ سال بارہ مہینے کا مہینہ تیس دن کا اور ہر دن ایک ہزار سال کا۔ بہت سے صحابہ اور تابعین سے یہ مروی ہے۔ بعض کہتے ہیں ستر سال کا حقب ہوتا ہے۔ کوئی کہتا ہے چالیس سال کا' جس میں سے ہر دن ایک ہزار سال کا۔ بشیر بن کعبؒ تو کہتے ہیں ایک ایک دن اتنا بڑا اور ایسے تین سو سال کا ایک حقب۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ حقب مہینہ' مہینہ تیس دن کا سال بارہ مہینوں کا' سال کے دن تین سو ساٹھ ہر دن تمہاری گنتی کے حساب سے ایک ہزار سال کا (ابن ابی حاتم)۔

لیکن یہ حدیث سخت منکر ہے۔ اس کے راوی قاسم جو جعفر بن زبیر کے لڑکے ہیں' یہ دونوں متروک ہیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ابن مسلم ابو العلاء نے سلیمان تیمیؒ سے پوچھا کہ کیا جہنم میں سے کوئی نکلے گا بھی؟ تو جواب دیا کہ میں نے نافعؒ سے انہوں نے ابن عمرؓ سے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' اللہ کی قسم جہنم میں سے کوئی بھی بغیر مدت دراز رہے نہ نکلے گا۔ پھر فرمایا اسی سے کچھ اوپر سال کا حقب ہوتا ہے اور ہر سال تین سو ساٹھ دن کا جو تم گنتے ہو۔

سدیؒ کہتے ہیں سات سو حقب رہیں گے۔ ہر حقب ستر سال کا' ہر سال تین سو ساٹھ دن کا اور ہر دن دنیا کے ایک ہزار سال کے برابر کا۔ حضرت مقاتل ابن حیانؒ فرماتے ہیں یہ آیت ﴿ فَذُوْقُوْا ﴾ کی آیت سے منسوخ ہو چکی ہے۔ خالد بن معدانؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اور آیت ﴿ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ﴾ 'یعنی جہنمی جب تک اللہ چاہے گا جہنم میں رہیں گے۔ یہ دونوں آیتیں توحید والوں کے بارے میں ہیں۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں یہ بھی ممکن ہے کہ احقاب تک رہنا متعلق ہو آیت ﴿ حَمِيْمًا وَّغَسَّاقًا ﴾ کے ساتھ۔ یعنی وہ ایک ہی عذاب گرم پانی اور بہتی پیپ کا مدتوں رہے گا پھر دوسری قسم کا عذاب شروع ہو گا۔ لیکن صحیح یہی ہے کہ اس کا خاتمہ ہی نہیں۔

حضرت حسنؒ سے جب یہ سوال ہوا تو کہا کہ احقاب سے مراد ہمیشہ جہنم میں رہنا ہے۔ لیکن حقب کہتے ہیں ستر سال کو جس کا ہر دن دنیا کے ایک ہزار سال کے برابر ہوتا ہے۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ احقاب کبھی ختم نہیں ہوتے۔ ایک حقب ختم ہوا دوسرا شروع ہو گیا۔ ان احقاب کی صحیح مدت کا اندازہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے ہاں یہ ہم نے سنا ہے کہ ایک حقب اسی سال کا ایک سال تین سو ساٹھ دن کا ہر دن دنیا کے ایک ہزار سال کا۔ ان دوزخیوں کو نہ تو کلیجے کی ٹھنڈک نصیب ہو گی نہ کوئی اچھا پانی پینے کو ملے گا۔ ہاں ٹھنڈک کے بدلے گرم کھولتا ہوا پانی ملے گا اور کھانے پینے کی چیز بہتی ہوئی پیپ ملے گی۔ حمیم اتنے سخت گرم کو کہتے ہیں جس کے بعد حرارت کا کوئی درجہ نہ ہو۔ اور غساق کہتے ہیں جہنمی لوگوں کے لہو پیپ پسینہ آنسو اور زخموں سے بہے ہوئے خون پیپ وغیرہ کو۔ اس گرم چیز کے مقابلہ میں یہ

اس قدر سرد ہوگی جو بجائے خود عذاب ہے اور بے حد بدبودار ہے۔

سورہ ص میں غساق کی پوری تفسیر بیان ہو چکی ہے۔ اب یہاں دوبارہ اس کے بیان کی چنداں ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہمیں اپنے کل عذابوں سے بچائے۔ بعضوں نے کہا ہے بَرْدٌ سے مراد نیند ہے۔ عرب شاعروں کے شعروں میں بھی بَرْدٌ نیند کے معنے میں پایا جاتا ہے۔ پھر فرمایا کہ ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ ہے۔ ان کی بداعمالیاں بھی تو دیکھو کہ ان کا عقیدہ تھا کہ حساب کا کوئی دن آنے ہی کا نہیں۔ ہم نے جو دلیلیں اپنے نبی ﷺ پر نازل فرمائی تھیں یہ ان سب کو جھٹلاتے تھے ﴿ كِذَّابًا ﴾ مصدر ہے اس وزن پر اور مصدر بھی آتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ ہم نے اپنے بندوں کے تمام اعمال و افعال کو گن رکھا ہے' اور شمار کر رکھا ہے وہ سب ہمارے پاس لکھے ہوئے ہیں اور سب کا بدلہ بھی ہمارے پاس تیار ہے۔ ان دوزخیوں سے کہا جائے گا کہ اب ان عذابوں کا مزہ اٹھاؤ' ایسے ہی اور اس سے بھی بدترین عذاب تمہیں زیادتی کے ساتھ ہوتے رہیں گے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ دوزخیوں کے لیے اس سے زیادہ سخت اور مایوس کن اور کوئی آیت نہیں۔ ان کے عذاب ہر وقت بڑھتے ہی رہیں گے۔ حضرت ابو برزہ اسلمیؓ سے سوال ہوا کہ دوزخیوں کے لیے سب سے زیادہ سخت آیت کونسی ہے؟ تو فرمایا حضور ﷺ نے اس آیت کو پڑھ کر فرمایا کہ ان لوگوں کو اللہ کی نافرمانیوں نے تباہ کر دیا۔ لیکن اس حدیث کے راوی جسر بن فرقد بالکل ضعیف ہیں۔

اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا ﴿۳۱﴾ حَدَآئِقَ وَاَعْنَابًا ﴿۳۲﴾ وَّكَوَاعِبَ اَتْرَابًا ﴿۳۳﴾ وَّكَاْسًا دِهَاقًا ﴿۳۴﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا كِذّٰبًا ﴿۳۵﴾ جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا ﴿۳۶﴾

یقیناً پرہیزگار لوگوں کے لیے کامیابی ہے۔ باغات ہیں اور انگور ہیں۔ اور نوجوان کنواری ہم عمر عورتیں ہیں اور چھلکتے ہوئے جام شراب ہیں۔ وہاں نہ تو وہ بیہودہ باتیں سنیں گے اور نہ جھوٹی باتیں سنیں گے۔ ان کو تیرے رب کی طرف سے (ان کے نیک اعمال) کا یہ بدلہ ملے گا جو کافی انعام ہوگا (اس رب کی طرف سے ملے گا جو کہ)

جنت میں انعامات ربانی: نیک لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں جو نعمتیں و رحمتیں ہیں ان کا بیان ہو رہا ہے کہ یہ کامیاب مقصود اور نصیب دار ہیں کہ جہنم سے نجات پائی اور جنت میں پہنچ گئے۔ حدائق کہتے ہیں کھجور وغیرہ کے باغات کو۔ انہیں نوجوان کنواری حوریں بھی ملیں گی جو ابھرے ہوئے سینے والیاں اور ہم عمر ہوں گی۔ جیسے کہ سورہ واقعہ کی تفسیر میں اس کا پورا بیان گزر چکا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جنتیوں کے لباس ہی اللہ کی رضامندی کے ہوں گے۔ بادل ان پر آئیں گے اور ان سے کہیں گے کہ بتلاؤ ہم تم پر کیا برسائیں؟ پھر وہ جو فرمائیں گے بادل ان پر برسائیں گے۔ یہاں تک کہ نوجوان کنواری لڑکیاں بھی ان پر برسیں گی (ابن ابی حاتم)۔

انہیں شراب طہور کے چھلکتے ہوئے پاک صاف بھرپور جام پر جام ملیں گے' جس میں نشہ نہ ہوگا کہ بیہودہ گوئی اور لغو باتیں منہ سے نکلیں اور کان میں پڑیں۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿ لَا لَغْوٌ فِيْهَا وَ لَا تَاْثِيْمٌ ﴾ اس میں نہ لغو ہوگا نہ برائی اور نہ گناہ کی باتیں۔ کوئی بات جھوٹ اور فضول نہ ہوگی۔

وہ دارالسلام ہے جس میں کوئی عیب کی اور برائی کی بات ہی نہیں۔ یہ جو کچھ بدلے ان پارسا لوگوں کو ملے ہیں یہ ان کے نیک اعمال کے نتیجے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اور اسکے احسان و انعام کی بنا پر انہیں ملے ہیں۔ جو بے حد کافی وافی ہیں جو بکثرت اور بھرپور ہیں۔ عرب کہتے ہیں ﴿ اَعْطَانِیْ فَاَحْسَبَنِیْ ﴾ انعام دیا اور بھرپور دیا۔ اسی طرح کہتے ہیں ﴿ حَسْبِیَ اللّٰهُ ﴾ یعنی اللہ مجھے ہر طرح کافی وافی ہے۔

رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا ﴿۳۷﴾ يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۖ لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ﴿۳۸﴾ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا ﴿۳۹﴾ اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًا ۚ يَّوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا ﴿۴۰﴾

آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان کا پروردگار ہے اور بڑی بخشش کرنے والا ہے۔ کسی کو اس سے بات چیت کرنے کا اختیار نہیں ہو گا۔ جس دن روح اور فرشتے صفیں باندھ کر کھڑے ہوں گے۔ تو کوئی کلام نہ کر سکے گا مگر جسے رحمٰن اجازت دیدے اور وہ ٹھیک بات زبان سے نکالے۔ یہ دن حق ہے۔ اب جو چاہے اپنے رب کے پاس (نیک اعمال کر کے) ٹھکانا بنالے۔ ہم نے تمہیں عنقریب آنے والے عذاب سے ڈرایا اور چوکنا کر دیا ہے۔ جس دن انسان اپنے ہاتھوں کی کی ہوئی کمائی کو دیکھ لے گا اور کافر کہے گا کہ کاش میں مٹی بن جاتا۔

روز قیامت بغیر اجازت کوئی بول نہ سکے گا: اللہ تعالیٰ اپنی عظمت و جلال کی خبر دے رہا ہے کہ آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی تمام مخلوق کا پالنے پوسنے والا وہی ہے۔ وہ رحمٰن ہے۔ جس کے رحم نے تمام چیزوں کو گھیر لیا ہے۔ جب تک اس کی اجازت نہ ہو کوئی اس کے سامنے لب نہیں ہلا سکتا۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿ مَنْ ذَا الَّذِىْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ﴾ یعنی کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے سامنے سفارش لے جا سکے۔ اور جگہ ارشاد ہے ﴿ يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ﴾ جس دن وہ وقت آ جائے گا کہ کوئی بھی بلا اجازت اس سے بات نہ کر سکے گا۔ روح سے مراد یا تو تمام انسانوں کی روحیں ہیں یا تمام انسان ہیں۔ یا ایک قسم کی خاص مخلوق ہے جو انسانوں کی سی صورتوں والے ہیں۔ کھاتے پیتے ہیں۔ نہ وہ فرشتے ہیں نہ انسان۔ یا مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو اور جگہ بھی روح کہا گیا ہے۔ ارشاد ہے ﴿ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ﴾ الخ اسے امانت دار روح نے تیرے دل پر اتارا ہے تا کہ تو ڈرانے والا بن جائے۔ یہاں مراد روح سے یقیناً حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں۔

حضرت مقاتلؒ فرماتے ہیں کہ تمام فرشتوں سے بزرگ اور اللہ تعالیٰ سے بہت ہی نزدیک اور وحی لے کر آنے والے یہی ہیں۔ یا مراد روح سے قرآن ہے۔ اس کی دلیل میں یہ آیت پیش کی جا سکتی ہے ﴿ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ﴾ یعنی ہم نے اپنے حکم سے تیری طرف روح اتاری۔ یہاں روح سے مراد قرآن ہے۔ چھٹا قول یہ ہے کہ یہ ایک فرشتہ ہے جو تمام مخلوق کے برابر ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ فرشتہ تمام فرشتوں سے بہت بڑا ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ یہ روح نامی فرشتہ چوتھے آسمان میں ہے' تمام آسمانوں کل پہاڑوں اور سب فرشتوں سے بڑا ہے ہر دن بارہ ہزار تسبیحیں پڑھتا ہے۔ ہر تسبیح سے ایک فرشتہ پیدا ہوتا ہے۔ قیامت کے دن اکیلا وہی ایک صف بن کر آئے گا۔ لیکن یہ قول بہت ہی غریب ہے۔

طبرانی میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ فرشتوں میں ایک فرشتہ وہ بھی ہے کہ اگر اسے حکم ہو کہ تمام آسمانوں اور زمینوں کو لقمہ بنالے تو وہ ایک لقمہ میں سب کو لے لے گا اس کی تسبیح یہ ہے ﴿ سُبْحَانَكَ حَيْثُ كُنْتَ ﴾ "اے اللہ تو جہاں کہیں بھی ہے پاک ہے"۔ یہ حدیث بھی بہت غریب ہے بلکہ اس کے فرمان رسول ﷺ ہونے میں بھی کلام ہے۔ ممکن ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول ہو' اور وہ بھی بنی اسرائیل سے لیا ہو' واللہ اعلم۔

امام ابن جریرؒ نے یہ سب اقوال وارد کیے ہیں لیکن کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ میرے نزدیک تو ان تمام اقوال سے بہتر قول یہ ہے کہ

یہاں روح سے مراد کل انسان ہیں، واللہ اعلم۔ پھر فرمایا صرف وہی اس دن بات کر سکے گا جسے وہ رحمٰن اجازت دے۔ جیسے فرمایا ﴿ یَوْمَ یَاْتِ لَاتَکَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِہٖ ﴾ یعنی جس دن وہ وقت آجائے گا کوئی نفس بغیر اس کی اجازت کے کلام بھی نہ کر سکے گا۔ صحیح حدیث میں بھی ہے کہ اس دن سوائے رسولوں کے اور کوئی بات نہ کر سکے گا۔ پھر فرمایا کہ اس کی بات بھی ٹھیک ٹھاک ہو۔ سب سے زیادہ حق بات ﴿ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ﴾ ہے۔ پھر فرمایا کہ یہ دن حق ہے یقیناً آنے والا ہے۔ جو چاہے اپنے رب تعالیٰ کے پاس لوٹنے کی جگہ اور وہ راستہ بنالے جس پر چل کر وہ اس کے پاس سیدھا جا پہنچے۔ ہم نے تمہیں بالکل قریب آئی ہوئی آفت سے آگاہ کر دیا ہے۔ آنے والی چیز کو تو آئی ہوئی سمجھنا چاہیے۔ اس دن نئے پرانے چھوٹے بڑے اچھے برے تمام اعمال انسان کے سامنے ہوں گے۔ جیسے فرمایا ﴿ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ﴾ جو کیا ہوگا اسے سامنے پالیں گے۔

اور جگہ ہے ﴿ یُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ یَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَ اَخَّرَ ﴾ ہر انسان کو اس کے اگلے پچھلے اعمال سے متنبہ کیا جائے گا۔ اس دن کافر آرزو کرے گا کہ کاش وہ مٹی ہوتا' پیدا ہی نہ کیا جاتا' وجود میں ہی نہ آتا۔ اللہ تعالیٰ کے عذابوں کو آنکھ سے دیکھ لے گا۔ اپنی بدکاریاں سامنے ہوں گے جو پاک فرشتوں کے منصف ہاتھوں کی لکھی ہوئی ہیں۔ پس ایک معنی تو یہ ہوئے کہ دنیا میں ہی مٹی ہونے کی یعنی پیدا نہ ہونے کی آرزو کرے گا۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ جب جانوروں کا فیصلہ ہوگا اور ان کے قصاص دلوائے جائیں گے۔ یہاں تک کہ اگر بے سینگ والی بکری کو اگر سینگ والی بکری نے مارا ہوگا تو اس سے بھی بدلہ دلوایا جائے گا۔ پھر ان سے کہا جائے گا کہ مٹی ہو جاؤ۔ چنانچہ وہ مٹی ہو جائیں گے۔ اس وقت یہ کافر انسان بھی کہے گا کہ ہائے ہائے کاش کہ میں بھی حیوان ہوتا اور اب مٹی بن جاتا۔ صور کی لمبی حدیث میں بھی یہ مضمون وارد ہوا ہے' اور حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت عبداللہ بن عمروؓ وغیرہ سے بھی یہی مروی ہے۔

سورۂ نباء کی تفسیر ختم ہوئی ﴿ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ﴾

تفسیر سورۂ نازعات مکیہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ۝۱ وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ۝۲ وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا ۝۳ فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ۝۴ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ۝۵ یَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَۃُ ۝۶ تَتْبَعُھَا الرَّادِفَۃُ ۝۷ قُلُوْبٌ یَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَۃٌ ۝۸ اَبْصَارُھَا خَاشِعَۃٌ ۝۹ یَقُوْلُوْنَ ءَاِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ فِی الْحَافِرَۃِ ۝۱۰ ءَاِذَا کُنَّا عِظَامًا نَّخِرَۃً ۝۱۱ قَالُوْا تِلْکَ اِذًا کَرَّۃٌ خَاسِرَۃٌ ۝۱۲ فَاِنَّمَا ھِیَ زَجْرَۃٌ وَّاحِدَۃٌ ۝۱۳ فَاِذَا ھُمْ بِالسَّاھِرَۃِ ۝۱۴

وقف لازم وقف لازم وقف لازم

میں اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والے مہربان کے نام سے شروع کرتا ہوں۔

سختی سے کھینچنے والوں کی قسم۔ بند کھول کر چھڑا دینے والوں کی قسم۔ اور تیرنے پھرنے والوں کی قسم۔ پھر دوڑ کر آگے بڑھنے والوں کی قسم۔ پھر کام کی تدبیر کرنے والوں کی قسم۔ جس دن کانپنے والی کانپے گی۔ اسکے بعد ایک پیچھے آنے والی پیچھے پیچھے آئیگی۔ بہت سے دل اس دن دھڑکتے ہوں گے۔ جنکی نگاہیں نیچی ہوں گی۔ کہتے ہیں کہ کیا ہم پہلی کی سی حالت کی طرف پھر لوٹائے جائیں گے؟ کیا اس وقت جب کہ ہم بوسیدہ ہڈیاں ہو جائیں گے؟ کہتے ہیں کہ پھر تو یہ لوٹنا نقصان دہ ہے (معلوم ہونا چاہیے کہ) وہ تو صرف ایک خوفناک آواز ہے کہ (جس کے پیدا ہوتے ہی) وہ ایک دم میدان میں جمع ہو جائینگے۔

فرشتوں کی قسمیں: اس سے مراد فرشتے ہیں جو بعض لوگوں کی روحوں کو سختی سے گھسیٹتے ہیں اور بعض روحوں کو بہت آسانی سے نکالتے ہیں۔ جیسے کسی کے بند کھول دیے جائیں۔ کفار کی روحیں کھینچی جاتی ہیں‘ پھر بند کھول دئے جاتے ہیں اور جہنم میں ڈبو دئے جاتے ہیں۔ یہ ذکر موت کے وقت کا ہے۔ بعض کہتے ہیں ﴿ وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ﴾ سے مراد موت ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ دونوں پہلی آیتوں سے مطلب ستارے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ مراد سخت لڑائی کرنے والے ہیں۔ لیکن صحیح بات پہلی ہی ہے یعنی روح نکالنے والے فرشتے۔ اسی طرح تیسری آیت کی نسبت بھی یہ تینوں تفسیریں مروی ہیں۔ یعنی فرشتے موت اور ستارے۔ حضرت عطاءؒ فرماتے ہیں مراد کشتیاں ہیں۔ اسی طرح سبقت کی تفسیر میں بھی تینوں قول ہیں۔ معنے یہ ہیں کہ ایمان اور تصدیق کی طرف آگے بڑھنے والے۔ عطاءؒ فرماتے ہیں کہ مجاہدین کے گھوڑے مراد ہیں۔

پھر حکم الٰہی کی تعمیل تدبیر سے کرنے والے‘ اس سے بھی فرشتے مراد ہیں‘ جیسے حضرت علیؓ وغیرہ کا قول ہے۔ آسمان سے زمین کی طرف اللہ عزوجل کے حکم سے تدبیر کرتے ہیں۔ امام ابن جریرؒ نے ان اقوال میں کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ کانپنے والی کے کانپنے اور اس کے پیچھے آنے والی کے پیچھے آنے سے مراد دونوں نفخے ہیں۔ پہلے نفخہ کا بیان اس آیت میں بھی ہے ﴿ يَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ ﴾ جس دن زمین اور پہاڑ کپکپا جائیں گے۔ دوسرے نفخہ کا بیان اس آیت میں ہے ﴿ وَ حُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ﴾ اور زمین اور پہاڑ اٹھا لیے جائیں گے۔ پھر دونوں ایک ہی دفعہ چورچور کر دیئے جائیں گے

مسند احمدؒ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کانپنے والی آئے گی اس کے پیچھے ہی پیچھے آنے والی ہو گی۔ یعنی موت اپنے ساتھ کی کل آفتوں کو لیے ہوئے آئے گی۔ ایک شخص نے کہا حضور! اگر میں اپنے وظیفہ کا کل وقت آپ ﷺ پر درود پڑھنے میں گزاروں تو؟ آپ ﷺ نے فرمایا پھر تو اللہ تعالیٰ تجھے دنیا اور آخرت کے تمام غم و رنج سے بچالے گا۔ ترمذی میں ہے کہ دو تہائی رات گزرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوتے اور فرماتے کہ اے لوگو! اللہ تعالیٰ کو یاد کرو۔ کپکپانے والی آرہی ہے پھر اس کے پیچھے ہی اور آرہی ہے۔ موت اپنے ساتھ کی تمام آفتوں کو لیے ہوئے چلی آرہی ہے۔ اس دن بہت سے دل ڈر رہے ہوں گے۔ ایسے لوگوں کی نگاہیں ذلت و حقارت کے ساتھ پست ہوں گی کیونکہ وہ اپنے گناہوں اور اللہ تعالیٰ کے عذابوں کا معائنہ کر چکے ہوں گے۔ مشرکین جو روز قیامت کے منکر تھے اور کہا کرتے تھے کہ کیا قبروں میں جانے کے بعد بھی ہم زندہ کیے جائیں گے؟ وہ آج اپنی اس زندگی کو رسوائی اور برائی کے ساتھ آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔

﴿ حَافِرَةِ ﴾ کہتے ہیں قبروں کو بھی۔ یعنی قبروں میں چلے جانے کے بعد جسم اور ہڈی کے سڑ گل جانے اور ریزہ ریزہ ہو جانے کے بعد بھی کیا ہم زندہ کئے جائیں گے؟ پھر تو یہ دوبارہ کی زندگی خسارے اور گھاٹے والی ہو گی۔ کفار قریش کا یہ مقولہ تھا۔ حافرہ کے معنے موت کے بعد زندگی کے بھی مروی ہیں اور جہنم کا نام بھی ہے۔ اس کے نام بہت سے ہیں جیسے جحیم‘ سقر‘ جہنم‘ ہاویہ‘ حَافِرَة‘ لظی‘ حطمہ وغیرہ۔ اب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس چیز کو یہ بڑی بھاری اور ان ہونی اور ناممکن سمجھے ہوئے ہیں وہ ہماری قدرت کاملہ کے تحت ایک ادنی سی بات ہے۔ ادھر ایک آواز دی ادھر سب زندہ ہو کر ایک میدان میں جمع ہو گئے۔ یعنی اللہ تعالیٰ حضرت اسرافیل علیہ السلام کو حکم دے گا وہ صور پھونک دیں گے بس ان کے صور پھونکتے ہی تمام اگلے پچھلے جی اٹھیں گے اور اللہ کے سامنے ایک ہی میدان میں کھڑے ہو جائیں گے۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿ يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ ﴾ الخ جس دن وہ تمہیں پکارے گا اور تم اس کی تعریفیں کرتے ہوئے اسے جواب دو گے اور جان لو گے کہ بہت ہی کم ٹھہرے۔ اور جگہ فرمایا ﴿ وَ مَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ ﴾ ہمارا حکم بس ایسا ایک بار گی ہو جائے گا۔ جیسے آنکھ کا جھپکنا۔

اور جگہ ہے ﴿ وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ﴾ امر قیامت مثل آنکھ جھپکنے کے ہے بلکہ اس سے بھی

زیادہ قریب۔ یہاں بھی یہی بیان ہو رہا ہے کہ صرف ایک آواز ہی کی دیر ہے۔ اس دن پروردگار سخت غضبناک ہوگا۔ یہ آواز بھی غصہ کے ساتھ ہوگی۔ یہ آخری نفخہ ہے جس کے پھونکے جانے کے بعد ہی تمام لوگ زمین کے اوپر آجائیں گے۔ حالانکہ اس سے پہلے نیچے تھے ﴿ سَاهِرَةٌ ﴾ روئے زمین کو کہتے ہیں' اور سیدھے صاف میدان کو بھی کہتے ہیں۔ ثوریؒ کہتے ہیں کہ مراد اس سے شام کی زمین ہے۔ عثمان بن ابو العالیہ کا قول ہے' مراد بیت المقدس کی زمین ہے۔

وہب بن منبہؒ کہتے ہیں کہ بیت المقدس کے ایک طرف یہ ایک پہاڑ ہے۔ قتادہؒ کہتے ہیں کہ جہنم کو بھی ﴿ سَاهِرَةٌ ﴾ کہتے ہیں۔ لیکن یہ اقوال سب کے سب غریب ہیں۔ ٹھیک قول پہلا ہے یعنی روئے زمین۔ سب لوگ زمین پر جمع ہو جائیں گے جو سفید ہوگی اور بالکل صاف اور خالی ہوگی' جیسے میدے کی روٹی ہوتی ہے' اور جگہ ہے ﴿ يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ ﴾ یعنی جس دن یہ زمین بدل کر دوسری زمین ہو جائے گی' اور آسمان بھی بدل جائیں گے۔ اور سب مخلوق اللہ تعالیٰ واحد وقہار کے روبرو ہو جائے گی۔ اور جگہ ہے لوگ تجھ سے پہاڑوں کی بات پوچھتے ہیں تو کہہ دے کہ انہیں میرا رب ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا اور زمین بالکل میدان ہموار بن جائے گی۔ جس میں نہ کوئی موڑ توڑ ہوگا نہ اونچی نیچی جگہ۔ ایک اور جگہ ہے کہ ہم پہاڑوں کو چلائیں گے اور زمین صاف ظاہر ہو جائے گی۔ غرض ایک بالکل نئی زمین ہوگی' جس پر نہ کبھی کوئی خطا ہوئی ہوگی نہ قتل وگناہ۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ﴿١٥﴾ اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ﴿١٦﴾ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿١٧﴾ فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى ﴿١٨﴾ وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى ﴿١٩﴾ فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى ﴿٢٠﴾ فَكَذَّبَ وَعَصٰى ﴿٢١﴾ ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى ﴿٢٢﴾ فَحَشَرَ فَنَادٰى ﴿٢٣﴾ فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ﴿٢٤﴾ فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى ﴿٢٥﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ﴿٢٦﴾

کیا (حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بھی تمہیں معلوم ہے؟ جب کہ انہیں ان کے رب نے پاک میدان طوے میں پکارا۔ کہ تم فرعون کے پاس جاؤ اس نے سرکشی اختیار کر لی ہے۔ اس سے کہو کہ کیا تو اپنی درستگی اور اصلاح چاہتا ہے۔ اور یہ کہ میں تجھے تیرے رب کی راہ دکھاؤں تاکہ تو اس سے ڈرنے لگے۔ پس اسے بڑی نشانی دکھائی۔ پھر بھی وہ جھٹلاتا اور نافرمانی کرتا رہا اور الگ ہٹ کر کوششیں کرنے لگا پھر سب کو جمع کر کے باآواز بلند کہنے لگا۔ کہ تم سب کا رب میں ہی ہوں۔ سب سے بلند وبالا رب نے بھی اسے آخرت کے اور دنیا کے عذاب میں گرفتار کر لیا۔ بے شک اس میں اس شخص کے لیے عبرت ہے جو ڈرے۔

حضرت موسیٰؑ کا واقعہ: اللہ تعالیٰ اپنے رسول حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کو خبر دیتا ہے کہ اس نے اپنے بندے اور اپنے رسول حضرت موسیٰؑ کو فرعون کی طرف بھیجا اور معجزات سے ان کی تائید وامداد کی۔ لیکن باوجود اس کے فرعون اپنی سرکشی اور کفر سے باز نہ آیا۔ بالآخر اللہ تعالیٰ کا عذاب اترا اور وہ برباد ہو گیا۔ اسی طرح اے پیغمبر آخر الزماں آپ ﷺ کے مخالفین کا بھی حشر ہوگا۔ اسی لئے اس واقعہ کے خاتمہ پر فرمایا ڈرنے والوں کے لیے اس میں عبرت ہے۔ پس فرماتا ہے کہ تجھے خبر بھی ہے؟ موسیٰ کو اسکے رب تعالیٰ نے آواز دی جب کہ وہ ایک مقدس میدان میں تھے جس کا نام طوی ہے۔ اس کا تفصیلی بیان سورہ طہٰ میں گزر چکا ہے۔ آواز دے کر فرمایا کہ فرعون نے

سرکشی تکبر تجبر اور تمرد اختیار کر رکھا ہے تم اس کے پاس پہنچو اور اسے میرا یہ پیغام دو کہ کیا تو چاہتا ہے کہ میری بات مان کر اس راہ پر چلے جو پاکیزگی کی راہ ہے۔ میری سن' میری مان' سلامتی کے ساتھ پاکیزگی حاصل کر لے گا' میں تجھے اللہ کی عبادت کے وہ طریقے بتلاؤں گا جس سے تیرا دل نرم اور روشن ہو جائے گا۔ اس میں خشوع و خضوع پیدا ہو جائے گا اور دل کی سختی اور بدبختی دور ہو گی۔ حضرت موسیٰ فرعون کے پاس پہنچے۔ فرمان الٰہی پہنچایا حجت پوری کی دلائل بیان کیے۔ یہاں تک کہ اپنی سچائی کے ثبوت میں معجزات بھی دکھائے لیکن وہ برابر حق کی تکذیب کرتا رہا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی باتوں کی نافرمانی پر جما رہا۔ چونکہ دل میں کفر جا گزیں ہو چکا تھا اس سے طبیعت نہ ہٹی۔ اور باوجود حق واضح ہو جانے کے ایمان و تسلیم نصیب نہ ہوئی۔ ف اور بات ہے کہ دل سے جانتا تھا کہ یہ برحق نبی ہیں اور ان کی تعلیم بھی برحق ہے۔

لیکن دل کی معرفت اور چیز ہے اور ایمان اور چیز ہے دل کی معرفت پر عمل کرنے کا نام ایمان ہے کہ حق کا تابع فرمان بن جائے' اور اللہ و رسول ﷺ کی باتوں پر عمل کرنے کے لیے جھک جائے۔ پھر اس نے حق سے منہ موڑ لیا اور خلاف حق کوشش کرنے لگا۔ جادوگروں کو جمع کر کے ان کے ہاتھوں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نیچا دکھانا چاہا۔ اپنی قوم کو جمع کیا اور اس میں منادی کی کہ تم سب کا بلند و بالا رب میں ہی ہوں۔ اس سے چالیس سال پہلے وہ کہہ چکا تھا کہ ﴿ مَاعَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِیْ ﴾ یعنی میں نہیں جانتا کہ تمہارا معبود میرے سوا کوئی اور بھی ہو۔ اب تو اس کی طغیانی حد سے بڑھ گئی اور صاف کہہ دیا کہ میں ہی رب ہوں بلندیوں والا اور سب پر غالب میں ہی ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے بھی اس سے وہ انتقام لیا جو اس جیسے تمام شرکشوں کے لیے ہمیشہ ہمیشہ سبب عبرت بن جائے۔ دنیا میں بھی اور آخرت کے بدترین عذاب تو ابھی باقی ہیں۔ جیسے فرمایا ﴿ وَ جَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴾ یعنی ہم نے انہیں جہنم کی طرف بلانے والے پیش رو بنایا۔ قیامت کے دن یہ مدد نہ دیئے جائیں گے۔ پس صحیح ترمعنی آیت کے یہی ہیں کہ آخرت اور اولیٰ سے مراد دنیا اور آخرت ہے۔ بعضوں نے کہا ہے کہ اول آخر سے مراد اس کے دونوں قول ہیں۔ یعنی پہلے یہ کہنا کہ میرے علم میں میرے سوا تمہارا کوئی اللہ نہیں۔ پھر یہ کہنا کہ تمہارا سب کا بلند رب میں ہوں۔ بعض کہتے ہیں مراد کفر و نافرمانی ہے۔ لیکن صحیح قول پہلا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں۔ اس میں ان لوگوں کے لیے عبرت و نصیحت ہے جو نصیحت حاصل کریں اور باز آ جائیں۔

ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ۭ بَنٰىهَا ﴿٢٧﴾ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ﴿٢٨﴾ وَ اَغْطَشَ لَيْلَهَا وَ اَخْرَجَ ضُحٰىهَا ﴿٢٩﴾ وَ الْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ﴿٣٠﴾ اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَ مَرْعٰىهَا ﴿٣١﴾ وَ الْجِبَالَ اَرْسٰىهَا ﴿٣٢﴾ مَتَاعًا لَّكُمْ وَ لِاَنْعَامِكُمْ ﴿٣٣﴾

کیا تمہارا پیدا کرنا سخت ہے یا آسمان کا؟ اللہ تعالیٰ نے اسے بنایا۔ اس کی بلندی اونچی کی پھر اسے ٹھیک ٹھاک کر دیا۔ اس کی رات کو تاریک اور اس کے دن کو روشن بنایا۔ اور اس کے بعد زمین کو ہموار بچھا دیا۔ اور اس میں سے پانی اور چارہ پیدا کیا۔ اور پہاڑوں کو مضبوط گاڑ دیا۔ یہ سب تمہارے اور تمہارے جانوروں کے فائدے کے لیے ہے۔

قدرت باری تعالیٰ کے دلائل: جو لوگ مرنے کے بعد جی اٹھنے کے منکر تھے انہیں پروردگار دلیلیں دیتا ہے کہ تمہاری پیدائش سے تو بہت زیادہ مشکل پیدائش آسمانوں کی ہے۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿ لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ ﴾ یعنی

زمین و آسمان کی پیدائش انسانوں کی پیدائش سے زیادہ بھاری ہے''۔ اور ایک جگہ ہے ﴿ اَوَلَيْسَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ بَلٰى وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴾ کیا جس نے زمین و آسمان پیدا کر دیا وہ ان جیسے انسانوں کو دوبارہ پیدا کرنے پر قدرت نہیں رکھتا؟ ضرور قادر ہے۔ اور وہ ہی بڑا پیدا کرنے والا اور خوب جاننے والا ہے۔ آسمان کو اس نے بنایا یعنی بلند و بالا خوب چوڑا اور کشادہ اور بالکل برابر بنایا۔ پھر اندھیری راتوں میں خوب چمکنے والے ستارے اس میں جڑ دیے۔ رات سیاہ اور اندھیرے والی بنائی۔ اور دن کو روشن اور نور والا بنایا۔ اور زمین کو اس کے بعد بچھا دیا۔ یعنی پانی اور چارہ نکالا۔ سورہ حم سجدہ میں یہ بیان گذر چکا ہے کہ زمین کی پیدائش تو آسمان سے پہلے ہے۔ ہاں اس کی برکات کا اظہار آسمانوں کی پیدائش کے بعد ہوا۔ جس کا بیان یہاں ہو رہا ہے۔ ابن عباسؓ اور بہت سے مفسرین سے یہی مروی ہے۔ امام ابن جریرؒ بھی اسی کو پسند فرماتے ہیں۔ اس کا تفصیلی بیان گزر چکا ہے۔ اور پہاڑوں کو اس نے خوب مضبوط گاڑ دیا ہے۔ وہ حکمتوں والا صحیح علم والا ہے۔ اور ساتھ ہی اپنی مخلوق پر بے حد مہربان ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا کیا تو وہ ہلنے لگی۔ پروردگار نے پہاڑوں کو پیدا کر کے زمین پر گاڑ دیا جس سے وہ ٹھہر گئی۔ فرشتوں کو اس سے سخت تر تعجب ہوا' اور پوچھنے لگے اے اللہ! تیری مخلوق میں ان پہاڑوں سے بھی زیادہ سخت چیز کوئی اور ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہاں لوہا۔ پوچھا اس سے بھی زیادہ سخت؟ فرمایا آگ۔ پوچھا' اس سے بھی زیادہ سخت؟ فرمایا ہاں پانی۔ پوچھا اس سے بھی زیادہ سخت؟ فرمایا ہوا پوچھا پروردگار! کیا تیری مخلوق میں اس سے بھاری بھی کوئی اور چیز ہے؟ فرمایا ہاں وہ ابن آدم ہے جو اپنے دائیں ہاتھ سے جو خرچ کرتا ہے اس کی خبر بائیں ہاتھ کو بھی نہیں ہوتی۔ ابن جریر میں حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ جب زمین کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا تو کانپنے لگی اور کہنے لگی کہ مجھ پر تو آدم علیہ السلام کو اور ان کی اولاد کو پیدا کرنے والا ہے جو اپنی گندگی مجھ پر ڈالیں گے' اور میری پیٹھ پر تیری نافرمانیاں کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے پہاڑ کو گاڑ کر زمین کو ٹھہرا دیا ہے۔ بہت سے پہاڑ تم دیکھ رہے ہو اور بہت سے تمہاری نگاہوں سے اوجھل ہیں۔ زمین کا پہاڑوں کے بعد سکون حاصل کرنا بالکل ایسا ہی تھا جیسے اونٹ کو ذبح کرتے ہی اس کا گوشت تھرکتا رہتا ہے پھر کچھ دیر بعد ٹھہر جاتا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ سب تمہارے اور تمہارے جانوروں کے فائدے کے لیے ہے۔ یعنی زمین سے چشموں اور نہروں کا جاری کرنا زمین کے پوشیدہ خزانوں کو ظاہر کرنا' کھیتیاں اور درخت اگانا' پہاڑوں کا گاڑنا تاکہ زمین سے پورا پورا فائدہ تم اٹھا سکو۔ یہ سب باتیں انسانوں کے فائدے کے لیے ہیں۔ اور ان کے جانوروں کے فائدے کے لیے۔ پھر وہ جانور بھی ان ہی کے فائدے کے لیے ہیں کہ بعض کا گوشت کھاتے ہیں' بعض پر سواریاں لیتے ہیں اور اپنی عمر اس دنیا میں سکھ چین سے بسر کر رہے ہیں۔

فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى ﴿٣٤﴾ يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰى ﴿٣٥﴾ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِمَنْ يَّرٰى ﴿٣٦﴾ فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ﴿٣٧﴾ وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿٣٨﴾ فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِىَ الْمَاْوٰى ﴿٣٩﴾ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ﴿٤٠﴾ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِىَ الْمَاْوٰى ﴿٤١﴾ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ﴿٤٢﴾ فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰىهَا ﴿٤٣﴾ اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰىهَا ﴿٤٤﴾ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰىهَا ﴿٤٥﴾ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰىهَا ﴿٤٦﴾

پس جب کہ وہ بہت بڑے ہنگامے کا دن آ جائے گا۔ جس دن کہ انسان اپنے کئے ہوئے کاموں کو یاد کرے گا۔ اور ہر دیکھنے والے کے سامنے جہنم ظاہر کی جائے گی۔ تو جس شخص نے سرکشی کی ہوگی، اور دنیوی زندگی کو ترجیح دی ہوگی، اس کا ٹھکانا جہنم ہی ہے۔ ہاں جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا رہا ہوگا اور اپنے نفس کو اس نے خواہش سے روکا ہوگا' تو اس کا ٹھکانا جنت ہی ہے۔ لوگ تجھ سے قیامت کے قائم ہونے کا وقت دریافت کر رہے ہیں۔ تجھے اس کے بیان کرنے سے کیا تعلق؟ اس کے علم کی انتہا تو اللہ کی جانب ہے تو تو صرف اس سے ڈرتے رہنے والوں کو آگاہ کرنے والا ہے۔ جس روز یہ اسے دیکھ لیں گے تو ایسا معلوم ہوگا کہ صرف دن کا آخری حصہ یا اول حصہ ہی دنیا میں رہے ہیں۔

قیامت تلخ تر ہے: ﴿طَآ مَّةُ الْكُبْرٰى﴾ سے مراد قیامت کا دن ہے۔ اس لیے کہ وہ ہولناک اور بڑے ہنگامے والا دن ہوگا۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَ اَمَرُّ ﴾ یعنی قیامت بڑی سخت اور ناگوار چیز ہے۔ اس دن ابن آدم اپنے بھلے برے اعمال کو یاد کرے گا' اور کافی نصیحت حاصل کرے گا۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿ يَوْمَئِذٍ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَ اَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ﴾ یعنی اس دن آدمی نصیحت حاصل کر لے گا لیکن آج کی نصیحت اسے کچھ فائدہ نہ دے گی۔ لوگوں کے سامنے جہنم لائی جائے گی اور وہ اپنی آنکھوں سے اسے دیکھ لیں گے۔ اس دن سرکشی کرنے والے اور دنیا کو ترجیح دینے والوں کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔ ان کی خوراک زقوم ہوگا اور ان کا پانی حمیم ہوگا۔ ہاں ہمارے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتے رہنے والوں اور اپنے آپ کو نفسانی خواہشوں سے بچاتے رہنے والوں 'خوف الٰہی دل میں رکھنے والوں اور برائیوں سے باز رہنے والوں کا ٹھکانا جنت ہے۔ اور وہاں کی کل نعمتوں کے حصہ دار صرف یہی ہیں۔

پھر فرمایا کہ قیامت کے بارے میں تم سے سوال ہو رہے ہیں۔ تم کہہ دو کہ نہ مجھے اس کا علم ہے نہ مخلوق میں سے کسی اور کو صرف اللہ ہی جانتا ہے کہ قیامت کب آئے گی؟ اس کا صحیح وقت کسی کو معلوم نہیں۔ وہ زمین و آسمان پر بھاری پڑ رہی ہے وہ اچانک آ جائے گی۔ لوگ تجھ سے اس طرح پوچھتے ہیں کہ گویا تم اسے جانتے ہو۔ حالانکہ دراصل اس کا علم سوائے اللہ تبارک وتعالیٰ کے اور کسی کو نہیں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام بھی جس وقت انسانی صورت میں آپ ﷺ کے پاس آئے اور کچھ سوالات کئے جن کے جوابات آپ ﷺ نے دیے۔ پھر اس قیامت کے دن کے تعین کا سوال کیا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا جس سے پوچھتے ہو نہ وہ اسے جانے نہ خود پوچھنے والے کو اس کا علم۔ پھر فرمایا کہ اے نبی! آپ تو صرف لوگوں کے ڈرانے والے ہیں۔ اور اس سے نفع ان ہی کو پہنچے گا جو اس خوفناک دن کا ڈر رکھتے ہیں۔ وہ تیاری کر لیں گے اور اس دن کے خطرے سے بچ جائیں گے۔ باقی لوگ جو ہیں وہ آپ ﷺ کے فرمان سے عبرت حاصل نہیں کریں گے بلکہ مخالفت کریں گے۔ اور اس دن بدترین نقصان اور مہلک عذابوں میں گرفتار ہوں گے۔ لوگ جب اپنی اپنی قبروں سے اٹھ کر محشر کے میدان میں جمع ہوں گے اس وقت اپنی دنیا کی زندگی انہیں بہت ہی کم نظر آئے گی۔ اور ایسا معلوم ہوگا کہ صرف صبح کا یا صرف شام کا کچھ حصہ دنیا میں گزارا ہے۔ ظہر سے لے کر آفتاب کے غروب ہونے کے وقت کو عشیّہ کہتے ہیں اور سورج نکلنے سے لے کر آدھے دن تک کے وقت کو ضحیٰ کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ آخرت کو دیکھ کر دنیا کی لمبی عمر بھی اتنی کم محسوس ہونے لگی گی۔

سورہ نازعات کی تفسیر ختم ہوئی ﴿فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ﴾

تفسیر سورۂ عبس مکیہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

عَبَسَ وَتَوَلّٰىٓ ① اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ② وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰىٓ ③ اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ

الذِّكْرٰى ۝۴ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ۝۵ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ۝۶ وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى ۝۷ وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى ۝۸ وَهُوَ يَخْشٰى ۝۹ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ۝۱۰ كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۝۱۱ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ۝۱۲ فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۝۱۳ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ۝۱۴ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ۝۱۵ كِرَامٍ بَرَرَةٍ ۝۱۶

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت بڑا رحمٰن و رحیم ہے۔ اس نے ترش رو ہو کر منہ موڑ لیا صرف اس لئے کہ اس کے پاس ایک نابینا آیا۔ تجھے کیا خبر شاید وہ سنور جاتا۔ یا نصیحت سنتا اور اسے نصیحت فائدہ پہنچاتی۔ جو بے پروائی کرتا ہے اس کی طرف تو تو پوری توجہ کرتا ہے۔ حالانکہ اس کے نہ سنورنے سے تیرا کوئی نقصان نہیں۔ اور جو شخص تیرے پاس دوڑتا ہوا آتا ہے۔ اور وہ ڈر بھی رہا ہے۔ تو اس سے تو بے رخی برتتا ہے۔ یہ ٹھیک نہیں قرآن تو نصیحت کی چیز ہے۔ جو چاہے اسے یاد کرلے۔ یہ تو پرعظمت صحیفوں میں ہے۔ جو بلند و بالا اور پاک صاف ہیں۔ جو ایسے لکھنے والوں کے ہاتھوں میں ہے جو بزرگ اور پاکباز ہیں۔

شان نزول حضرت ابن ام مکتوم کی فضیلت: بہت سے مفسرین سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ قریش کے سرداروں کو اسلامی تعلیم سمجھا رہے تھے اور مشغولیت کے ساتھ ان کی طرف متوجہ تھے دل میں خیال تھا کہ کیا عجب اللہ تعالیٰ انہیں اسلام نصیب کر دے۔ ناگہاں حضرت عبداللہ بن ام مکتومؓ آپ کے پاس آئے۔ پرانے مسلمان تھے۔ عموماً حضور ﷺ کے خدمت میں حاضر ہوتے رہتے تھے اور دین اسلام کی تعلیم سیکھتے رہتے تھے اور مسائل دریافت کرتے رہتے تھے۔ آج بھی حسب عادت آتے ہی سوالات شروع کیے اور آگے بڑھ بڑھ کر حضور ﷺ کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا۔ آپ ﷺ چونکہ اس وقت ایک اہم امر دینی میں پوری طرح مشغول تھے۔ ان کی طرف توجہ نہ فرمائی بلکہ ذرا گراں خاطر گزرا اور پیشانی مبارک پر بل پڑ گئے۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں کہ آپ ﷺ کی بلند شان اور اعلیٰ اخلاق کے لائق یہ بات نہ تھی کہ اس نابینا سے جو ہمارے خوف سے درز تا بھاگتا آپ ﷺ کی خدمت میں علم دین سیکھنے کے لئے آئے اور آپ ﷺ اس سے منہ پھیر لیں اور ان کی طرف متوجہ رہیں جو سرکش ہیں اور مغرور و متکبر ہیں۔ بہت ممکن ہے کہ یہی پاک ہو جائے اور اللہ کی باتیں سن کر برائیوں سے بچ جائے اور احکام کی تعمیل کے لئے تیار ہو جائے۔ یہ کیا کہ آپ ﷺ ان بے پروا لوگوں کی جانب تمام تر توجہ فرمالیں؟ آپ ﷺ پر کوئی ان کا راہ راست پر لا کھڑا کرنا ضروری تھوڑا ہے؟ وہ اگر آپ ﷺ کی باتیں نہ مانیں تو آپ ﷺ پر ان کے اعمال کی پکڑ ہرگز نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تبلیغ دین میں شریف و ضعیف فقیر و غنی آزاد و غلام مرد و عورت چھوٹے بڑے سب برابر ہیں۔ آپ ﷺ سب کو یکساں نصیحت کیا کریں ہدایت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ اگر کسی کو راہ راست سے دور رکھے تو اس کی حکمت وہی جانتا ہے۔ جسے اپنی راہ پر لگا لے اسے بھی وہی خوب جانتا ہے۔ حضرت ابن ام مکتومؓ کے آنے کے وقت حضور ﷺ کا مخاطب ابی بن خلف تھا۔ اس کے بعد حضور ﷺ ابن ام مکتومؓ کی بڑی تکریم اور آؤ بھگت کیا کرتے تھے' (مسند ابو یعلی)

تبلیغ دین: حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ابن ام مکتومؓ کو قادسیہ کی لڑائی میں دیکھا ہے۔ زرہ پہنے ہوئے تھے اور سیاہ جھنڈا لئے ہوئے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب یہ آئے اور کہنے لگے کہ حضرت مجھے بھلائی کی باتیں سکھایئے تو اس وقت روساء قریش آپ ﷺ کی مجلس میں تھے۔ آپ ﷺ نے ان کی طرف پوری توجہ نہ فرمائی انہیں سمجھاتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے کہو میری بات ٹھیک ہے؟ وہ کہتے جاتے تھے ہاں (حضرت) درست ہے۔ ان لوگوں میں عتبہ بن ربیعہ ابو جہل بن ہشام، عباس بن عبدالمطلب تھے۔ آپ ﷺ کی بڑی کوشش تھی اور پوری حرص تھی کہ کسی طرح یہ لوگ دین حق کو قبول کرلیں ادھر

یہ آ گئے اور کہنے لگے کہ حضور قرآن پاک کی کوئی آیت مجھے سنائیے اور اللہ کی باتیں سکھلائیے۔ آپ ﷺ کو اس وقت ان کی بات ذرا بے موقع لگی اور منہ پھیر لیا اور ادھر ہی متوجہ رہے۔ جب ان سے باتیں پوری کر کے آپ ﷺ گھر جانے لگے تو آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا اور سر نیچا ہو گیا اور یہ آیتیں اتریں۔ پھر تو آپ ﷺ ان کی بڑی عزت کیا کرتے تھے اور پوری توجہ سے کان لگا کر ان کی باتیں سنا کرتے تھے۔ آتے جاتے ہر وقت پوچھتے کہ کچھ کام ہے کچھ حاجت ہے کچھ کہتے ہو کچھ مانگتے ہو؟ (ابن جریر وغیرہ۔) اس روایت میں غرابت ہے نکارت ہے اور اس کی سند میں بھی کلام ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرماتے تھے کہ بلالؓ رات رہتے ہوئے اذان دیا کرتے ہیں تو تم سحری کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ ابن ام مکتومؓ کی اذان سنو۔ یہ وہ نابینا ہیں جن کے بارے میں ﴿ عَبَسَ وَ تَوَلّٰٓى اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ﴾ اتری تھی۔ یہ بھی موذن تھے۔ بینائی میں نقصان تھا۔ جب لوگ صبح صادق دیکھ لیتے اور اطلاع کر دیتے کہ صبح ہو گئی تب یہ اذان کہا کرتے تھے (ابن ابی حاتم۔) ابن ام مکتومؓ کا مشہور نام تو عبداللہ ہے۔ بعضوں نے کہا ہے کہ ان کا نام عمرو ہے۔ واللہ اعلم۔

﴿ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ﴾ یعنی یہ نصیحت ہے اس سے مراد یا تو یہ سورت ہے یا یہ مساوات کہ تبلیغ دین میں سب یکساں ہیں مراد ہے۔ سدیؒ کہتے ہیں کہ اس سے قرآن مراد ہے جو شخص چاہے اسے یاد کر لے۔ یعنی اللہ کو یاد کرے اور اپنے تمام کاموں میں اس کے فرمان کو مقدم رکھے۔ یا یہ مطلب ہے کہ وحی الٰہی کو یاد کر لے۔ یہ سورت اور یہ وعظ و نصیحت بلکہ سارا کا سارا قرآن موقر معزز اور معتبر صحیفوں میں ہے۔ جو بلند قدر اور اعلیٰ مرتبہ والے ہیں۔ جو میل کچیل سے اور کمی زیادتی سے محفوظ اور پاک صاف ہیں۔ جو فرشتوں کے پاک ہاتھوں میں ہیں۔ اور یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ اصحاب رسول ﷺ کے پاکیزہ ہاتھوں میں ہیں۔ حضرت قتادہؒ کا قول ہے کہ اس سے مراد قاری ہیں۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ نبطی زبان کا لفظ ہے معنے ہیں قاری۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ صحیح بات یہی ہے کہ اس سے مراد فرشتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے درمیان سفیر ہیں۔ سفیر اسے کہتے ہیں کہ جو صلح اور بھلائی کے لئے لوگوں میں کوشش کرتا پھرے۔ عرب شاعر کے ایک شعر میں بھی یہی معنی پائے جاتے ہیں۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد فرشتے ہیں۔ وہ فرشتے جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے وحی وغیرہ لے کر آتے ہیں۔ وہ ایسے ہی ہیں جیسے لوگوں میں صلح کرانے والے سفیر ہوتے ہیں۔ وہ ظاہر باطن میں پاک ہیں۔ وجیہ خوش رو شریف اور بزرگ ظاہر میں۔ اخلاق و افعال کے پاکیزہ باطن میں۔ یہاں سے یہ بھی معلوم کر لینا چاہئے کہ قرآن کے پڑھنے والوں کو اخلاق و اعمال اچھے رکھنے چاہئیں۔ مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو قرآن کو پڑھے اور اس کی مہارت حاصل کرے وہ بزرگ لکھنے والے فرشتوں کے ساتھ ہو گا۔ اور جو باوجود مشقت کے بھی پڑھے اسے دوہرا اجر ملے گا۔

قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ ﴿١٧﴾ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ ﴿١٨﴾ مِنْ نُّطْفَةٍ ۭ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ﴿١٩﴾ ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ﴿٢٠﴾ ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ﴿٢١﴾ ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ ﴿٢٢﴾ كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَآ اَمَرَهٗ ﴿٢٣﴾ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖٓ ﴿٢٤﴾ اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ﴿٢٥﴾ ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ﴿٢٦﴾ فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ﴿٢٧﴾ وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا ﴿٢٨﴾ وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا ﴿٢٩﴾ وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا ﴿٣٠﴾ وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا ﴿٣١﴾ مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴿٣٢﴾

اللہ کی مار انسان بھی کیسا ناشکرا ہے۔ اسے اللہ نے کس چیز سے پیدا کیا؟ ایک نطفہ سے پیدا کیا ہے پھر اس کی تقدیر مقرر کی پھر اس کے لئے راستہ آسان کر دیا پھر اسے موت دی اور پھر قبر میں دفن کیا۔ پھر جب چاہے گا اسے زندہ کر دے گا۔ ہرگز نہیں اس نے اب تک اللہ کے حکم کی بجا آوری نہیں کی انسان کو چاہیئے کہ اپنے کھانے کی طرف دیکھ لے۔ کہ ہم نے بارش برسائی۔ پھر زمین کو شق کیا (یعنی پھاڑا۔) پھر اس میں سے اناج اگائے۔ اور انگور اور ترکاری اور زیتون اور کھجور اور گنجان باغات۔ اور میوہ اور گھاس چارہ (بھی اگایا) تمھارے استعمال و فائدہ کے لئے اور تمہارے چوپایوں کے (فائدے و استعمال کے) لئے۔

مرنے کے بعد اٹھنے کے عقلی دلائل: جو لوگ مرنے کے بعد جی اٹھنے کے انکاری تھے ان کی یہاں مذمت بیان ہو رہی ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں یعنی انسان پر لعنت ہو یہ کتنا بڑا ناشکر گزار ہے اور یہ بھی معنی کئے گئے ہیں کہ عموماً کل انسان جھٹلانے والے ہیں بلا دلیل محض اپنے خیال سے ایک چیز کو ناممکن جان کر باوجود علمی سرمایہ کی کمی کے جھٹ سے اللہ کی باتوں کی تکذیب کر دیتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اسے اس جھٹلانے پر کونسی چیز آمادہ کرتی ہے؟ اس کے بعد اس کی اصلیت جتلائی جاتی ہے کہ وہ خیال کرے کہ کس قدر حقیر اور ذلیل چیز سے اللہ نے اسے بنایا ہے کیا وہ اسے دوبارہ پیدا کرنے پر قدرت نہیں رکھتا؟ اس نے انسان کو نطفے سے پیدا کیا پھر اس کی تقدیر مقدر کی یعنی عمر روزی عمل اور نیک و بد ہونا۔ پھر اس کے لئے ماں کے پیٹ سے نکلنے کا راستہ آسان کر دیا۔ اور یہ بھی معنی ہیں کہ ہم نے اپنے دین کا راستہ آسان کر دیا یعنی واضح اور ظاہر کر دیا جیسے اور جگہ ہے ﴿ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا ﴾ یعنی ہم نے اسے راہ دکھائی پھر یا تو وہ شکر گزار بنے یا ناشکرا۔ حسن اور ابن زید اسی کو راجح بتلاتے ہیں واللہ اعلم۔

اس کی پیدائش کے بعد پھر اسے موت دی اور پھر قبر میں لے گیا۔ عرب کا محاورہ ہے کہ وہ جب کسی کو دفن کریں تو کہتے ہیں ﴿قَبَرْتُ الرَّجُلَ﴾ اور کہتے ہیں کہ ﴿ اَقْبَرَهُ اللّٰهُ ﴾ اسی طرح کے اور بھی محاورے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اب اللہ نے اسے قبر والا بنا دیا پھر جب اللہ چاہے گا اسے دوبارہ زندہ کر دے گا اسی زندگی کو بعث بھی کہتے ہیں اور نشور بھی جیسے اور جگہ ہے ﴿ وَ مِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَاۤ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ﴾ اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر تم انسان بن کر اٹھ بیٹھے اور جگہ ہے ﴿ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ﴾ ہڈیوں کو دیکھو کہ ہم کس طرح انہیں اٹھاتے بٹھاتے ہیں پھر کس طرح انہیں گوشت چڑھاتے ہیں۔ ابن ابی حاتم کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ انسان کے تمام اعضاء وغیرہ کو مٹی کھا جاتی ہے مگر ریڑھ کی ہڈی کو۔ لوگوں نے کہا وہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ایک رائی کے دانے کے برابر ہے اسی سے پھر تمہاری پیدائش ہو گی۔ یہ حدیث بغیر سوال جواب کی زیادتی کے بخاری و مسلم میں بھی ہے کہ ابن آدم سڑ گل جاتا ہے مگر ریڑھ کی ہڈی کہ اسی سے پیدا کیا گیا ہے اور اسی سے پھر ترکیب دیا جائے گا۔

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس طرح یہ ناشکرا اور بے قدر انسان کہتا ہے کہ اس نے اپنی جان و مال میں اللہ کا جو حق تھا وہ ادا کر دیا لیکن ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ ابھی تو اس نے فرائض الٰہی سے بھی سبکدوشی حاصل نہیں کی۔ حضرت مجاہدؒ کا فرمان ہے کہ کسی شخص سے اللہ تعالیٰ کے فرائض کی پوری ادائیگی نہیں ہو سکتی۔ حسن بصریؒ سے بھی ایسے ہی معنی مروی ہیں۔ متقدمین میں سے میں نے تو اس کے سوا کوئی اور کلام نہیں پایا۔ ہاں مجھے اس کے یہ معنی معلوم ہوتے ہیں کہ فرمان باری کا یہ مطلب ہے کہ پھر جب چاہے دوبارہ پیدا کرے گا۔ اب تک اس کے فیصلے کے مطابق وقت نہیں آیا۔ یعنی ابھی بھی وہ ایسا نہیں کرے گا' یہاں تک کہ مدت مقررہ ختم ہو اور بنی آدم کی تقدیر پوری ہو۔

ان کی قسمت میں اس دنیا میں آنا اور یہاں بھلا برا کرنا وغیرہ جو مقدر ہو چکا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کے اندازے کے مطابق پورا ہو چکے اس وقت وہ خلاق کل دوبارہ زندہ کر دے گا۔ اور جیسے کہ پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا' اب دوسری دفعہ پیدا کر دے گا۔ ابن ابی حاتم میں

حضرت وہب بن منبہ سے مروی ہے کہ حضرت عزیر علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے پاس ایک فرشتہ آیا اور اس نے مجھ سے کہا کہ قبریں زمین کا پیٹ ہیں اور زمین مخلوق کی ماں ہے جب کہ کل مخلوق پیدا ہو چکے گی پھر قبروں میں پہنچ جائے گی اور قبریں سب بھر جائیں گی اس وقت دنیا کا سلسلہ ختم ہو جائے گا اور جو بھی زمین پر ہوں گے سب مر جائیں گے۔ اور جو کچھ زمین میں ہے اسے زمین اگل دے گی اور قبروں میں جو مردے ہیں سب باہر نکال دیئے جائیں گے۔ یہ قول ہم اپنی اس تفسیر کی دلیل میں پیش کر سکتے ہیں' واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

اللہ کے احسانات: پھر ارشاد ہوتا ہے کہ میرے اس احسان کو دیکھیں کہ میں نے انہیں کھانا دیا اس میں بھی دلیل ہے موت کے بعد جی اٹھنے کی کہ جس طرح خشک غیر آباد زمین سے ہم نے تروتازہ درخت اگائے اور ان سے اناج وغیرہ پیدا کر کے تمہارے لیے کھانا مہیا کیا اسی طرح گلی سڑی کھوکھلی اور چونا ہوگئی ہوئی ہڈیوں کو بھی ہم ایک روز زندہ کر دیں گے اور انہیں گوشت پوست پہنا کر دوبارہ تمہیں زندہ کر دیں گے۔ تم دیکھ لو کہ ہم نے آسمان سے برابر پانی برسایا پھر اسے ہم نے زمین میں پہنچا کر ٹھہرا دیا وہ بیج میں پہنچا اور زمین میں پڑے ہوئے دانوں میں سرایت کی جس سے وہ دانے اگے درخت پھوٹا اونچا ہوا اور کھیتیاں لہلہانے لگیں۔ کہیں اناج پیدا ہوا' کہیں انگور اور کہیں ترکاریاں۔ حب تو کہتے ہیں ہر دانے کو۔ عنب کہتے ہیں انگور کو' اور قضب اس سبز چارے کو کہتے ہیں جسے جانور کھاتے ہیں۔ اور زیتون کو پیدا کیا جو روٹی کے ساتھ سالن کا کام دیتا ہے' جلایا جاتا ہے' تیل نکالا جاتا ہے۔ اور کھجوروں کے درخت پیدا کیے جو گدرائی ہوئی بھی کھائی جاتی ہیں' تر بھی کھائی جاتی ہیں اور خشک بھی کھائی جاتی ہیں اور پکی بھی اور اس کا شیرہ بھی بنایا جاتا ہے اور سرکہ بھی۔ اور باغات پیدا کئے۔ غلبا کے معنی کھجوروں کے بڑے بڑے پر میوہ درخت بھی ہیں۔ حدائق کہتے ہیں ہر اس باغ کو جو گھنا اور خوب بھرا ہوا اور گہرے سائے والا اور بڑے درختوں والا ہو۔ موٹی گردن والے آدمی کو بھی عرب اغلب کہتے ہیں۔ اور میوے پیدا کئے اور اب (گھاس) کہتے ہیں زمین کی اس سبزی کو جسے جانور کھاتے ہیں اور انسان اسے نہیں کھاتے جیسے گھاس پات وغیرہ۔ اب جانور کے لیے ایسا ہی ہے جیسے انسان کے لیے فاکہہ یعنی پھل میوہ۔

حضرت عطاءؒ کا قول ہے کہ زمین پر جو اگتا ہے اسے اب کہتے ہیں۔ ضحاکؒ فرماتے ہیں کہ سوائے میووں کے باقی سب اب ہیں۔ ابو السائبؒ فرماتے ہیں اب آدمی کے کھانے میں بھی آتا ہے اور جانور کے کھانے میں بھی۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ سے اس کی بابت سوال ہوتا ہے تو فرماتے ہیں کونسا آسمان مجھے اپنے تلے سایہ دے گا؟ اور کونسی زمین مجھے اپنی پیٹھ پر اٹھائے گی؟ اگر میں کتاب اللہ تعالیٰ میں وہ کہوں جس کا مجھے علم نہ ہو' لیکن یہ اثر منقطع ہے۔ ابراہیم تیمی نے حضرت صدیقؓ کو نہیں پایا۔ ہاں البتہ صحیح سند سے ابن جریرؒ میں حضرت عمر فاروقؓ سے مروی ہے کہ آپ نے منبر پر سورۂ عبس پڑھی اور یہاں تک پہنچ کر کہا کہ فاکھۃ کو تو ہم جانتے ہیں لیکن یہ اب کیا چیز ہے؟ پھر خود ہی فرمایا عمر اس تکلیف کو چھوڑ۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اس کی شکل وصورت اور اس کی تعیین معلوم نہیں ورنہ اتنا تو صرف آیت کے پڑھنے سے ہی صاف طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ یہ زمین سے اگنے والی ایک چیز ہے کیونکہ پہلے یہ لفظ موجود ہے ﴿ فَأَنْبَتْنَا فِيهَا ﴾ الخ۔ پھر فرماتا ہے یہ تمہاری زندگی کے قائم رکھنے اور تمہیں فائدہ پہنچانے کے لیے اور تمہارے جانوروں کے لیے ہے کہ قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا اور تم اس سے فیضیاب ہوتے رہو گے۔

فَإِذَا جَاءَتِ الصَّاخَّةُ ﴿٣٣﴾ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ﴿٣٤﴾ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ ﴿٣٥﴾ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ ﴿٣٦﴾ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ ﴿٣٧﴾ وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ﴿٣٨﴾ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ﴿٣٩﴾ وَوُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ﴿٤٠﴾

تَرۡهَقُهَا قَتَرَةٌ ﴿۴۱﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡكَفَرَةُ الۡفَجَرَةُ ﴿۴۲﴾

پس جبکہ کان بہرے کر دینے والی قیامت آ جائے گی اس دن آدمی اپنے بھائی سے اور اپنی ماں اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی اور اپنی اولاد سے بھاگے گا ان میں سے ہر ایک کو اس دن ایک ایسا مشغلہ ہو گا جو اسے مشغول رکھنے کے لیے کافی ہو گا اس دن بہت سے چہرے روشن ہوں گے جو ہنستے ہوئے اور ہشاش بشاش ہوں گے اور بہت سے چہرے اس دن غبار آلود ہوں گے جن پر سیاہی چڑھی ہوئی ہو گی وہ یہی کافر بدکردار لوگ ہوں گے۔

قیامت کان بہرے کر دینے والی: حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ صاختہ قیامت کا نام ہے۔ اور اس نام کی وجہ یہ ہے کہ اس کے نفخہ کی آواز اور اس کا شور وغل کانوں کے پردے پھاڑ دے گا اس دن انسان اپنے قریبی رشتہ داروں کو دیکھے گا لیکن بھاگتا پھرے گا کوئی کسی کے کام نہ آئے گا۔ میاں بیوی کو دیکھ کر کہے گا کہ بتلا تیرے ساتھ میں نے دنیا میں کیسا کچھ سلوک کیا وہ کہے گی کہ بے شک آپ نے میرے ساتھ بہت ہی خوش سلوکی کی بہت پیار محبت سے رکھا۔ یہ کہے گا کہ آج مجھے ضرورت ہے صرف ایک نیکی دیدو تاکہ اس آفت سے چھوٹ جاؤں۔ تو وہ جواب دے گی کہ آپ کا سوال تھوڑی سی چیز کا ہی ہے مگر کیا کروں یہی ضرورت مجھے درپیش ہے اور اسی کا خوف مجھے لگ رہا ہے میں تو نیکی نہیں دے سکتی۔ بیٹا باپ سے ملے گا یہی کہے گا اور یہی جواب پائے گا۔

شفاعت: صحیح حدیث میں شفاعت کا بیان فرماتے ہوئے حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ اولوالعزم پیغمبروں سے لوگ شفاعت کی طلب کریں گے اور ان میں سے ہر ایک یہی کہے گا کہ نفسی نفسی یہاں تک کہ حضرت عیسٰی روح اللہ علیہ السلام بھی یہی فرمائیں گے کہ آج میں اللہ تعالیٰ سے سوائے اپنی جان کے اور کسی کے لیے کچھ بھی نہ کہوں گا۔ میں تو آج اپنی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کے لیے بھی کچھ نہ کہوں گا جن کے بطن سے میں پیدا ہوا ہوں۔ الغرض دوست دوست سے رشتہ دار رشتہ دار سے منہ چھپاتا پھرے گا۔ ہر ایک آپا دھاپی میں لگا ہو گا۔ کسی کو دوسرے کا ہوش بھی نہ ہو گا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ تم ننگے پیروں ننگے بدن اور بے ختنہ اللہ تعالیٰ کے ہاں جمع کئے جاؤ گے۔ آپ ﷺ کی بیوی صاحبہ نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! پھر تو ایک دوسرے کی شرمگاہوں پر نظریں پڑیں گی۔ فرمایا اس روز کی گھبراہٹ وہاں کا حیرت انگیز ہنگامہ ہر شخص کو مشغول کیے ہو گا بھلا کسی کو دوسرے کی طرف دیکھنے کا موقعہ اس دن کہاں؟ (ابن ابی حاتم)۔

بعض روایات میں ہے کہ آپ ﷺ نے پھر اسی آیت کی تلاوت فرمائی ﴿ لِكُلِّ امۡرِئٍ ﴾ دوسری روایت میں ہے کہ یہ بیوی صاحبہ حضرت ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ اور روایت میں ہے کہ ایک دن حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ سے کہا یا رسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ آپ ﷺ پر فدا ہوں میں ایک بات پوچھتی ہوں ذرا بتا دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر میں جانتا ہوں تو ضرور بتلاؤں گا۔ پوچھا حضور لوگوں کا حشر کس طرح ہو گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا ننگے پیروں اور ننگے بدن۔ تھوڑی دیر کے بعد پوچھا کیا عورتیں بھی اسی حالت میں ہوں گی؟ فرمایا ہاں۔ یہ سن کر ام المومنین رضی اللہ عنہا افسوس کرنے لگیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا عائشہ! اس آیت کو سن لو پھر تمہیں اس کا کوئی رنج وغم نہ رہے گا کہ کپڑے پہنے ہیں یا نہیں؟ پوچھا حضور وہ آیت کونسی ہے فرمایا ﴿ لِكُلِّ امۡرِئٍ ﴾ ۔

ایک روایت میں ہے کہ ام المومنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا یہ سن کر کہ لوگ اس طرح ننگے بدن ننگے پاؤں بے ختنہ جمع کئے جائیں گے 'پسینے میں غرق ہوں گے کسی کے منہ تک پسینہ پہنچ گیا ہو گا اور کسی کے کانوں تک' تو آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھ کر سنائی۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ وہاں لوگوں کے دو گروہ ہوں گے۔ بعض تو وہ ہوں گے جن کے چہرے خوشی سے چمک رہے ہوں گے 'دل خوشی سے مطمئن ہوں گے' منہ خوبصورت اور نورانی ہوں گے۔ یہ تو جنتی جماعت ہے۔ دوسرا گروہ دوزخیوں کا ہو گا ان کے

چہرے سیاہ ہوں گے گرد آلود ہوں گے حدیث میں ہے کہ ان کا پسینہ مثل لگام کے ہو رہا ہوگا پھر گرد و غبار پڑ رہا ہوگا۔ یہ وہ ہیں جن کے دلوں میں کفر تھا اور اعمال میں بدکاری تھی جیسے اور جگہ ہے ﴿ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴾ یعنی ان کفار کی اولاد بھی بدکار کافر ہی ہو گی۔

سورہ عبس کی تفسیر ختم ہوئی۔ ﴿فالحمدللّٰہ و المنہ﴾

تفسیر سورہ تکویر مکیہ

تعارف سورت: مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جو شخص قیامت کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہے تو وہ ﴿ اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ اور اِذَا السَّمَاۗءُ انْفَطَرَتْ ﴾ اور ﴿ اِذَا السَّمَاۗءُ انْشَقَّتْ ﴾ پڑھ لے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝۱ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ۝۲ وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ۝۳ وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ۝۴ وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ ۝۵ وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ۝۶ وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ۝۷ وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُىِٕلَتْ ۝۸ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ۝۹ وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ۝۱۰ وَاِذَا السَّمَاۗءُ كُشِطَتْ ۝۱۱ وَاِذَا الْجَحِيْمُ سُعِّرَتْ ۝۱۲ وَاِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ ۝۱۳ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ ۝۱۴

اللہ رحمن و رحیم کے نام سے شروع کرتا ہوں۔

جب سورج لپیٹ لیا جائے گا۔ اور جب ستارے بے نور ہو جائیں گے۔ اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے۔ اور جب گابھن اونٹنیاں چھوڑ دی جائیں گے۔ اور جب وحشی جانور اکٹھے کئے جائیں گے۔ اور جب دریا بھڑکائے جائیں گے۔ اور جب ہر ہر قسم کے لوگ ملا دیئے جائیں گے۔ اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے سوال کیا جائے گا کہ کس گناہ کی وجہ سے وہ قتل کی گئی۔ اور جب نامہ اعمال کھول دیئے جائیں گے۔ اور جب آسمان کی کھال اتار لی جائے گی۔ اور جب جہنم بھڑکائی جائے گی۔ اور جب جنت نزدیک کر دی جائے گی۔ تو اس دن ہر شخص جان لے گا جو کچھ لے کر آیا ہوگا۔

قیامت کے وقوع کے مناظر: یعنی سورج بے نور ہو جائے گا جاتا رہے گا۔ اوندھا کر کے لپیٹ کر زمین پر پھینک دیا جائے گا۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سورج کو چاند کو اور ستاروں کو لپیٹ کر بے نور کر کے سمندروں میں ڈال دیا جائے گا اور پھر پچھوا ہوائیں چلیں گی اور آگ لگ جائے گی۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ اس کو تہہ کر کے جہنم میں ڈال دیا جائے گا (ابن ابی حاتم)۔ اور ایک حدیث میں سورج کے ساتھ چاند کا ذکر بھی ہے لیکن وہ ضعیف ہے۔ صحیح بخاری میں یہ حدیث الفاظ کے ہیر پھیر سے مروی ہے اس میں ہے کہ سورج اور چاند قیامت کے دن لپیٹ لیے جائیں گے۔ امام بخاریؒ اسے کتاب بدء الخلق میں لائے ہیں لیکن یہاں لانا زیادہ مناسب تھا یا مطابق عادت وہاں اور یہاں دونوں جگہ لاتے جیسے کہ امام صاحبؒ کی عادت ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ نے جب یہ حدیث بیان کی کہ قیامت کے دن یہ ہوگا۔ تو حضرت حسنؒ کہنے لگے کہ ان کا کیا گناہ ہے؟ فرمایا کہ میں نے حدیث کہی اور تم اس پر باتیں بناتے ہو۔ سورج کی قیامت والے دن یہ حالت ہو گی۔ ستارے سارے کے سارے متغیر ہو کر جھڑ

جائیں گے' جیسے اور جگہ ہے ﴿ وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ﴾ یہ بھی گدلے اور بے نور ہو کر بجھ جائیں گے۔ حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں' قیامت سے پہلے چھ نشانیاں ہوں گی۔ لوگ اپنے بازاروں میں ہوں گے کہ اچانک سورج کی روشنی جاتی رہے گی اور پھر ناگہاں ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے لگیں گے۔ پھر اچانک پہاڑ زمین پر گر پڑیں گے اور زمین زور زور سے جھٹکے لینے لگے گی اور بری طرح ہلنے لگے گی۔ بس پھر کیا انسان کیا جنات کیا جانور اور کیا جنگلی جانور سب آپس میں خلط ملط ہو جائیں گے۔ جانور بھی جو انسانوں سے بھاگتے پھرتے تھے' انسانوں کے پاس آ جائیں گے۔ لوگوں کو اس قدر بدحواسی اور گھبراہٹ ہو گی کہ بہتر سے بہتر مال اونٹنیاں جو بیانے والی ہوں گی ان کی بھی خیر خبر نہ لیں گے۔ جنات کہیں گے کہ ہم جاتے ہیں کہ تحقیق کریں کیا ہو رہا ہے؟ لیکن وہ آئیں گے تو دیکھیں گے کہ سمندر میں بھی آگ لگ رہی ہے اسی حال میں ایک دم زمین پھٹنے لگے گی اور آسمان بھی ٹوٹنے لگیں گے' ساتوں زمینوں اور ساتوں آسمان کا یہی حال ہو گا۔ ادھر سے ایک تند ہوا چلے گی' جس سے تمام جاندار مر جائیں گے (ابن ابی حاتم)۔ وغیرہ

ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ سارے ستارے اور جن جن کی اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کی گئی ہے' سب جہنم میں گرا دیئے جائیں گے۔ صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم علیہ السلام بچ رہیں گے۔ اگر یہ بھی اپنی عبادت سے خوش ہوتے تو یہ بھی جہنم میں داخل کر دئے جاتے (ابن ابی حاتم۔) پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جائیں گے اور بے نام و نشان ہو جائیں گے۔ زمین صاف چٹیل اور ہموار میدان رہ جائے گی' اونٹنیاں بے کار چھوڑ دی جائیں گی' نہ کوئی ان کی نگرانی کرے گا نہ چرائے چگائے گا' نہ دودھ نکالے گا نہ سواری لے گا عِشَارٌ جمع ہے عشراء کی۔ جو گابھن اونٹنی دسویں مہینے میں لگ جائے اسے (عشراء) کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ گھبراہٹ اور بدحواسی بے چینی اور پریشانی اس قدر ہو گی کہ بہتر سے بہتر مال کی بھی پرواہ نہ رہے گی۔ قیامت کی ان بلاؤں نے دل اڑا دیا ہو گا' کلیجے منہ کو آ گئے ہوں گے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ قیامت کے دن ہو گا اور لوگوں کو اس سے کچھ سروکار نہ ہو گا' ہاں ان کے دیکھنے میں یہ ہو گا۔ اس قول کے قائل عشار کے کئی معنی بیان کرتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ کہتے ہیں اس سے مراد بادل ہیں جو دنیا کی بربادی کی وجہ سے آسمان و زمین کے درمیان پھرتے پھریں گے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ زمین ہے جس کا عشر دیا جاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد گھر ہیں جو پہلے آباد تھے' اب ویران ہیں۔ امام قرطبیؒ ان اقوال کو بیان کر کے ترجیح اسی کو دیتے ہیں کہ مراد اس سے اونٹنیاں ہیں اور اکثر مفسرین کا یہی قول ہے اور میں تو کہتا ہوں کہ سلف سے اور ائمہ سے اس کے سوا کچھ وارد ہی نہیں ہوا' واللہ اعلم۔

اور وحشی جانور جمع کئے جائیں گے' جیسے فرمان ہے ﴿ وَ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَ لَا طٰٓئِرٍ ﴾ الخ یعنی زمین پر چلنے والے کل جانور اور ہوا میں اڑنے والے کل پرند بھی تمہاری طرح گروہ ہیں۔ ہم نے اپنی کتاب میں کوئی چیز نہیں چھوڑی پھر یہ سب اپنے رب کی طرف جمع کئے جائیں گے۔ سب جانداروں کا حشر اسی کے پاس ہو گا یہاں تک کہ مکھیاں بھی۔ ان سب کا اللہ تعالیٰ انصاف کے ساتھ فیصلہ کرے گا۔ ان جانوروں کا حشر ان کی موت ہی ہے۔ البتہ جن وانس اللہ کے سامنے کھڑے کئے جائیں گے اور ان سے حساب کتاب ہو گا۔ ربیع بن خثیمؒ نے کہا کہ مراد وحشیوں کے حشر سے ان پر امر اللہ آنا ہے لیکن ابن عباسؓ نے یہ سنکر فرمایا کہ اس سے مراد موت ہے یہ تمام جانور بھی ایک دوسرے کے ساتھ اور انسانوں کے ساتھ ہو جائیں گے خود قرآن میں اور جگہ ہے ﴿ وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً ﴾ پرند جمع کئے ہوئے۔ پس ٹھیک مطلب اس آیت کا بھی یہی ہے کہ وحشی جانور جمع کئے جائیں گے۔ حضرت علیؓ نے ایک یہودی سے پوچھا' جہنم کہاں ہے؟ اس نے کہا سمندر میں۔ آپ نے فرمایا کہ میرے خیال میں یہ سچا ہے قرآن کہتا ہے ﴿ وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ﴾ اور فرماتا ہے۔ ﴿ وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ﴾

ابن عباسؓ وغیرہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ پچھوا ہوائیں بھیجے گا وہ اسے بھڑکا دیں گی اور شعلے مارتی ہوئی آگ بن جائے گا۔

آیت ﴿ وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ﴾ کی تفسیر میں اس کا مفصل بیان گزرا ہے۔

حضرت معاویہ بن سعیدؒ فرماتے ہیں کہ بحر روم میں برکت ہے یہ زمین کے بیچ میں ہے' سب نہریں اس میں آتی ہیں اور بحر کبیر بھی اس میں پڑتا ہے' اس کے نیچے کنوئیں ہیں جن کے منہ تانبے سے بند کیے ہوئے ہیں' قیامت کے دن وہ سلگ اٹھیں گے۔ یہ اثر عجیب ہے اور ساتھ ہی غریب ہے۔ ہاں ابوداؤد میں ایک حدیث ہے کہ سمندر کا سفر صرف حاجی کریں اور عمرہ کرنے والے یا جہاد کرنے والے غازی' اس لیے کہ سمندر کے نیچے آگ ہے اور آگ کے نیچے پانی ہے الخ۔ اس کا بیان بھی سورہ فاطر کی تفسیر میں گزر چکا ہے۔ سجرت کے معنی یہ بھی کیے گئے کہ سکھا دیا جائے گا' ایک قطرہ بھی باقی نہ رہے گا۔ یہ معنی بھی کیے گئے ہیں کہ بہادیا جائے گا اور ادھر ادھر بہہ نکلے گا۔ پھر فرماتا ہے کہ ہر قسم کے لوگ یکجا جمع کر دیے جائیں گے جیسے اور جگہ ہے ﴿ اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ ﴾ ظالموں کو اور ان کے جوڑوں یعنی ان جیسوں کو جمع کرو۔ حدیث میں ہے ہر شخص کا اس قوم کے ساتھ حشر کیا جائے گا جو اس جیسے اعمال کرتی ہو گی' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿ وَكُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ﴾ الخ۔ تم تین طرح کے گروہ ہو جاؤ گے۔ کچھ وہ جن کے داہنے ہاتھ میں نامہ اعمال ہوں گے کچھ بائیں ہاتھ والے کچھ سبقت کرنے والے۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے خطبہ پڑھتے ہوئے اس آیت کی تلاوت فرمائی اور فرمایا ہر جماعت اپنے جیسوں سے مل جائے گی۔ دوسری روایت میں ہے کہ وہ دو شخص جن کے عمل ایک جیسے ہوں وہ یا تو جنت میں ساتھ رہیں گے یا جہنم میں ساتھ جلیں گے۔

حضرت عمرؓ سے اس آیت کی تفسیر پوچھی گئی تو فرمایا نیک نیکوں کے ساتھ مل جائیں گے اور بد بدوں کے ساتھ آگ میں۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے ایک مرتبہ لوگوں سے اس آیت کی تفسیر پوچھی تو سب خاموش رہے آپ نے فرمایا لو میں بتاؤں' آدمی کا جوڑا جنت میں اسی جیسا ہو گا اسی طرح جہنم میں بھی۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں مطلب اس سے یہی ہے کہ تین قسم کے لوگ ہو جائیں گے یعنی اصحاب الیمین اصحاب الشمال اور سابقین۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ ہر قسم کے لوگ ایک ساتھ ہوں گے۔ یہی قول امام ابن جریرؒ بھی پسند کرتے ہیں اور یہی ٹھیک بھی ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ عرش کے پاس سے پانی کا ایک دریا جاری ہو گا جو چالیس سال تک بہتا رہے گا اور بڑی نمایاں چوڑان میں ہو گا۔ اس سے تمام مرے سڑے گلے اگنے لگیں گے۔ اس طرح کے ہو جائیں گے کہ جو انہیں پہچانتا ہو وہ اگر انہیں دیکھ لے تو یک نگاہ پہچان لے' پھر روحیں چھوڑی جائیں گی اور ہر روح اپنے جسم میں آ جائے گی۔ یہی معنی ہیں ﴿ وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ﴾ یعنی روحیں جسموں سے ملادی جائیں گی۔ اور یہ معنی بھی کیے گئے ہیں کہ مومنوں کا جوڑا حوروں سے لگایا جائے گا اور کافروں کا شیطانوں سے (تذکرہ قرطبی)۔ پھر ارشاد ہوتا ہے ﴿ وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ ﴾ الخ۔ جمہور کی قرات یہی ہے۔

زمانہ جاہلیت کی ایک رسم بد: اہل جاہلیت لڑکیوں کو ناپسند کرتے تھے اور انہیں زندہ درگور کر دیا کرتے تھے' ان سے قیامت کے دن سوال ہو گا کہ یہ کیوں قتل کی گئیں تاکہ ان کے قاتلوں کو زیادہ ڈانٹ ڈپٹ اور شرمندگی ہو۔ اور یہ بھی سمجھ لیجئے کہ جب مظلوم سے سوال ہوا تو ظالم کا تو کہنا ہی کیا ہے؟ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ خود پوچھیں گی کہ انہیں کس بنا پر زندہ درگور کیا گیا؟ اس کے متعلق احادیث سنیے۔ مسند احمد میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے قصد کیا کہ لوگوں کو حالت حمل کی مجامعت سے روک دوں لیکن میں نے دیکھا کہ رومی اور فارسی یہ کام کرتے ہیں اور ان کی اولادوں کو اس سے کچھ نقصان نہیں پہنچتا۔ لوگوں نے آپ ﷺ سے عزل کے بارے میں سوال کیا یعنی بروقت نطفہ کو باہر ڈال دینے کے بارے میں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ پوشیدگی سے زندہ گاڑ دینا ہے اور ﴿ وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ﴾ میں اسی کا بیان ہے۔ سلمہ بن یزید رضی اللہ عنہا اور ان کے بھائی سرکار نبوت ﷺ میں حاضر ہو کر سوال کرتے

ہیں کہ ہماری ماں امیر زادی تھیں وہ صلہ رحمی کرتی تھیں مہمان نوازی کرتی تھیں اور بھی نیک کام بہت کچھ کرتی تھیں لیکن جاہلیت میں ہی مر گئی ہیں تو کیا انہیں ان کے یہ نیک کام کچھ نفع دیں گے۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ انہوں نے کہا انہوں نے ہماری ایک بہن کو زندہ دفن کر دیا تھا کیا وہ بھی اسے کچھ نفع دے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا زندہ گاڑی ہوئی اور زندہ گاڑنے والی جہنم میں ہیں۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ اسلام کو قبول کر لے (مسند احمد)۔

ابن ابی حاتم میں ہے زندہ دفن کرنے والی اور جسے دفن کیا ہے دونوں جہنم میں ہیں۔ ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا کے سوال پر کہ جنت میں کون جائے گا' آپ نے فرمایا کہ نبی شہید اور بچے اور زندہ در گور کی ہوئی۔ یہ حدیث مرسل ہے حضرت حسنؒ سے جسے بعض محدثین نے قبولیت کا درجہ دیا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ مشرکوں کے چھوٹی عمر میں مرے ہوئے بچے جنتی ہیں جو انہیں جہنمی کہے وہ جھوٹا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿ وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ ﴾ (ابن ابی حاتم)۔ قیس بن عاصمؓ سوال کرتے ہیں کہ یارسول اللہ ﷺ میں نے جاہلیت کے زمانے میں اپنی بچیوں کو زندہ دبادیا ہے میں کیا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہر ایک کے بدلے ایک غلام آزاد کرو۔ انہوں نے عرض کیا حضور! غلام والا تو میں ہوں نہیں البتہ میرے پاس اونٹ ہیں۔ فرمایا ہر ایک کے بدلے ایک اونٹ اللہ تعالیٰ کے نام پر قربان کرو (عبدالرزاق)۔

دوسری روایت میں ہے کہ میں نے اپنی آٹھ لڑکیاں اس طرح زندہ دبادی ہیں۔ آپ ﷺ کے فرمان میں ہے اگر چاہو تو یوں کر۔ اور روایت میں ہے کہ میں نے بارہ تیرہ لڑکیاں زندہ دفن کر دی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ان کی گنتی کے مطابق غلام آزاد کرو۔ انہوں نے کہا بہت بہتر میں یہی کروں گا۔ دوسرے سال وہ ایک سو اونٹ لے کر آئے اور کہنے لگے حضور! یہ میری قوم کا صدقہ ہے جو اسکے بدلے ہے جو میں نے مسلمانوں کے ساتھ کیا۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں ہم ان اونٹوں کو لے جاتے تھے اور ان کا نام قیسیہ رکھ چھوڑا تھا۔ پھر ارشاد ہے کہ نامہ اعمال بانٹے جائیں گے کسی کے داہنے ہاتھ میں اور کسی کے بائیں ہاتھ میں۔ اے ابن آدم تو لکھوا رہا ہے۔ جو لپیٹ کر پھیلا کر تجھے دیا جائے گا' دیکھ لے کہ کیا لکھوا رہا ہے۔ آسمان گھسیٹ لیا جائے گا اور کھینچ لیا جائے گا اور سمیٹ لیا جائے گا اور برباد ہو جائے گا۔ جہنم بھڑکائی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کے غضب اور بنی آدم کے گناہوں سے اس کی آگ تیز ہو جائے گی' جنت جنتیوں کے پاس آجائے گی۔ جب یہ تمام کام ہو چکیں گے اس وقت ہر شخص جان لے گا کہ اس نے اپنی دنیا کی زندگی میں کیا کچھ اعمال کئے تھے وہ سب عمل اس کے سامنے موجود ہوں گے۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ ﴾ الخ جس دن ہر شخص اپنے کئے ہوئے اعمال پالے گا۔ نیک ہیں تو سامنے دیکھ لے گا اور بد ہیں تو اس دن وہ آرزو کرے گا کہ کاش! اس کے اور ان کے درمیان بہت دوری ہوتی۔ اور جگہ ہے ﴿ يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍۭ بِمَا قَدَّمَ وَ اَخَّرَ ﴾ اس دن انسان کو اسکے تمام اگلے پچھلے اعمال سے تنبیہ کی جائے گی۔ حضرت عمرؓ اس سورت کو سنتے رہے اور اسکو سنتے ہی فرمایا اگلی تمام باتیں اسی لیے بیان ہوئی تھیں۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ﴿۱۵﴾ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ﴿۱۶﴾ وَالَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ ﴿۱۷﴾ وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ ﴿۱۸﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿۱۹﴾ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ﴿۲۰﴾ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ﴿۲۱﴾ وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ ﴿۲۲﴾ وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ ﴿۲۳﴾ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ﴿۲۴﴾ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ﴿۲۵﴾ فَاَيْنَ تَذْ

هُوْنَ ۝۲۶ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝۲۷ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ ۝۲۸ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۲۹ ع

میں قسم کھاتا ہوں پیچھے ہٹنے والے چلنے پھرنے والے۔ چھپنے والے۔ ستاروں کی۔ اور رات کی جب جانے لگے۔ اور صبح کی جب چمکنے لگے۔ یقیناً یہ ایک بزرگ پیغامبر کا کلام ہے۔ جو قوت والا ہے عرش والے اللہ تعالیٰ کے نزدیک ذی عزت ہے۔ جس کی آسمانوں میں اطاعت کی جاتی ہے۔ اور تمہارا رفیق دیوانہ نہیں ہے۔ اس نے اس فرشتے کو آسمان کے کھلے کنارے پر دیکھا بھی ہے اور یہ پوشیدہ باتوں کے بتلانے پر بخیل بھی نہیں۔ اور یہ قرآن شیطان مردود کا کلام نہیں۔ پھر تم کہاں جارہے ہو؟ یہ تو تمام دنیا جہان والوں کے لئے نصیحت نامہ ہے۔ بالخصوص اس کے لئے جو تم میں سے سیدھی راہ پر چلنا چاہے۔ اور تم بغیر اللہ تبارک تعالیٰ کے چاہے کچھ نہیں چاہ سکتے۔

حضرت محمد ﷺ کی شان: حضرت عمرو بن حریثؓ فرماتے ہیں کہ صبح کی نماز میں میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس سورت کی تلاوت کرتے ہوئے سنا۔ اس نماز میں میں بھی مقتدیوں میں شامل تھا (مسلم۔) یہ قسمیں ستاروں کی کھائی ہیں جو دن کے وقت پیچھے ہٹ جاتے ہیں یعنی چھپ جاتے ہیں اور رات کو ظاہر ہوتے ہیں۔ حضرت علیؓ یہی فرماتے ہیں اور بھی صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین وغیرہ سے اس کی یہی تفسیر مروی ہے بعض ائمہ نے فرمایا ہے طلوع کے وقت ستاروں کو خنس کہا جاتا ہے اور اپنی اپنی جگہ پر انہیں جوار کہا جاتا ہے بعضوں نے کہا ہے مراد اس سے جنگلی گائے ہے یہ بھی مروی ہے کہ مراد ہرن ہے۔ ابراہیمؒ نے حضرت مجاہدؒ سے اس کے معنی پوچھے تو حضرت مجاہدؒ نے فرمایا کہ ہم نے اس بارے میں کچھ نہیں سنا البتہ لوگ کہتے ہیں کہ اس سے مراد ستارے ہیں۔ انہوں نے پھر سوال کیا کہ جو تم نے سنا ہو وہ کہو تو فرمایا ہم سنتے ہیں کہ اس سے مراد نیل گائے ہے جب کہ وہ اپنی جگہ چھپ جائے۔ حضرت ابراہیمؒ نے فرمایا وہ مجھ پر جھوٹ باندھتے ہیں جیسے حضرت علیؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے اسفل کو اعلیٰ کا اور اعلیٰ کو اسفل کا ضامن بتایا۔

امام ابن جریرؒ نے اس میں سے کسی کا تعین نہیں کیا اور فرمایا ہے ممکن کہ تینوں چیزیں مراد ہوں یعنی ستارے نیل گائے اور ہرن ﴿ عَسْعَسَ ﴾ کے معنی ہیں اندھیری والی ہوئی اور اٹھ کھڑی ہوئی اور لوگوں کو ڈھانپ لیا اور جانے لگی۔ صبح کی نماز کے وقت حضرت علیؓ ایک مرتبہ نکلے اور فرمانے لگے کہ وتر کے پوچھنے والے کہاں ہیں؟ پھر یہ آیت پڑھی۔ امام ابن جریرؒ اسی کو پسند فرماتے ہیں کہ معنی یہ ہیں کہ رات جب جانے لگے کیونکہ اس کے مقابلہ میں ہے کہ جب صبح چمکنے لگے شاعروں نے ﴿ عَسْعَسَ کو اَدْبَرَ ﴾ کے معنی میں باندھا ہے میرے نزدیک ٹھیک معنی یہ ہیں کہ قسم ہے رات کی جب وہ آئے اور اندھیرا پھیلائے اور قسم ہے دن کی جب وہ آئے اور روشنی پھیلائے جیسے اور جگہ ہے ﴿ وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى وَ النَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ﴾ اور جگہ ہے ﴿ وَالضُّحٰى وَ الَّيْلِ اِذَا سَجٰى ﴾ اور جگہ ہے ﴿ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ وَ جَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا ﴾ اور بھی اس قسم کی آیتیں بہت سی ہیں مطلب سب کا یکساں ہے۔ ہاں بے بیشک اس لفظ کے معنی پیچھے ہٹنے کے بھی ہیں۔ ﴿علما﴾ اصول نے فرمایا ہے کہ یہ لفظ آگے آنے اور پیچھے جانے کے دونوں معنی میں آتا ہے اس بناء پر یہ دونوں معنی ٹھیک ہو سکتے ہیں واللہ اعلم۔ اور قسم ہے صبح کی جب کہ وہ طلوع ہو اور روشنی کے ساتھ آئے پھر ان قسموں کے بعد فرماتا ہے کہ یہ قرآن ایک بزرگ شریف پاکیزہ روخوش منظر فرشتے کا کلام ہے یعنی حضرت جبرائیل علیہ السلام کا وہ قوت والے ہیں جیسے کہ اور جگہ ہے ﴿ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ذُوْ مِرَّةٍ ﴾ یعنی سخت مضبوط اور سخت پکڑ اور فعل والا فرشتہ وہ اللہ عزوجل کے پاس جو عرش والا ہے بلند پایہ اور ذی مرتبہ ہے وہ نور کے ستر پردوں میں جا سکتے ہیں اور انہیں عام اجازت ہے ان کی بات وہاں سنی جاتی ہے۔ برتر فرشتے ان کے فرماں بردار ہیں آسمانوں میں ان کی سرداری ہے کہ اور فرشتے ان کے تابع فرمان ہیں وہ اس پیغام رسانی پر مقرر ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کلام اس

کے رسول تک پہنچائیں یہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے آمین ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ فرشتوں میں سے جو اس رسالت پر مقرر ہیں وہ بھی صاف پاک ہیں اور انسانوں میں جو رسول مقرر ہیں وہ بھی پاک اور برتر ہیں اسی لئے اس کے بعد فرمایا تمہارے ساتھی یعنی حضرت محمد ﷺ دیوانے نہیں یہ پیغمبر ﷺ اس فرشتے کو اس کی اصلی صورت پر بھی دیکھ چکے ہیں کہ جب کہ وہ اپنے چھ سو پروں سمیت ظاہر ہوئے تھے۔ یہ واقعہ بطحا کا ہے اور یہ پہلی مرتبہ کا دیکھنا تھا۔ آسمان کے کھلے کناروں پر یہ دیدار جبرائیل علیہ السلام حاصل ہوا تھا۔

اسی کا بیان اس آیت میں ہے ﴿ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ذُوْ مِرَّةٍ فَاسْتَوٰى وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰى ﴾ یعنی انہیں ایک فرشتہ تعلیم کرتا ہے جو بڑا طاقتور اور قوی ہے جو اصلی صورت پر آسمان کے بلند و بالا کناروں پر ظاہر ہوا تھا پھر وہ نزدیک آیا اور بہت قریب آگیا صرف دو کمانوں کا فاصلہ رہ گیا بلکہ اس سے بھی کم پھر جو وحی اللہ نے اپنے بندے پر نازل کرنی چاہی نازل فرمائی۔ اس آیت کی تفسیر سورہ والنجم میں گزر چکی ہے۔

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورت معراج سے پہلے اتری ہے اس لئے کہ اس میں صرف پہلی مرتبہ کا دیکھنا ذکر ہوا ہے اور دوبارہ کا دیکھنا اس آیت میں مذکور ہے ﴿ وَ لَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ﴾ یعنی انہوں نے اس کو ایک مرتبہ اور بھی سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دیکھا ہے جس کے قریب جنت الماوی ہے جب کہ اس درخت سدرہ کو ایک عجیب و غریب چیز چھپائے ہوئے تھی۔ اس آیت میں دوسری مرتبہ دیکھنے کا ذکر ہے۔

یہ سورت واقعہ معراج کے بعد نازل ہوئی تھی ﴿ بِضَنِيْنٍ ﴾ کی دوسری قرات ﴿ بِظَنِيْنٍ ﴾ بھی مروی ہے یعنی ان پر کوئی تہمت نہیں۔ اور ضاد سے جب پڑھو تو معنی ہوں گے یہ بخیل نہیں ہیں بلکہ ہر شخص کو جو غیب کی باتیں آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے معلوم کرائی جاتی ہیں یہ سکھادیا کرتے ہیں۔ یہ دونوں قراتیں مشہور ہیں اور صحیح ہیں۔ پس آپ نے نہ تو تبلیغ احکام میں کمی کی نہ تہمت لگی۔

قرآن کی شان: یہ قرآن شیطان مردود کا کلام نہیں نہ شیطان اسے لے سکے نہ اس کے مطلب کی یہ چیز نہ اس کے قابل جیسے اور جگہ ہے ﴿ وَ مَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ وَ مَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَ مَا يَسْتَطِيْعُوْنَ اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ﴾ نہ اسے لے کر شیطان اترے نہ انہیں یہ لائق ہے نہ اس کی اسے طاقت ہے وہ تو اس کے سننے سے بھی محروم اور دور ہے پھر فرمایا تم کہاں جارہے ہو؟ یعنی قرآن کی حقانیت اس کی صداقت ظاہر ہو چکنے کے بعد بھی تم کیوں اسے جھٹلا رہے ہو؟ تمہاری عقلیں کہاں جاتی رہیں؟

حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے پاس جب بنو حنیفہ قبیلے کے لوگ مسلمان ہو کو حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا مسیلمہ جس نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کر رکھا ہے جسے تم آج تک مانتے رہے اس نے جو کلام گھڑ رکھا ہے ذرا اسے تو سناؤ جب انہوں نے سنایا تو دیکھا کہ نہایت رکیک الفاظ ہیں بلکہ بکواس محض ہے۔ تو آپ نے فرمایا تمہاری عقلیں کہاں جاتی رہیں؟ ذرا تو سوچو کہ ایک فضول بکواس کو تم کلام اللہ مانتے رہے ناممکن ہے کہ ایسا بے معنی اور بے نور کلام الٰہی کلام ہو۔ یہ بھی مطلب بیان کیا گیا ہے کہ تم کتاب اللہ سے اور اطاعت اللہ سے کہاں بھاگ رہے ہو؟ پھر فرمایا یہ قرآن تمام لوگوں کے لئے پند و نصیحت ہے۔

ہر ایک ہدایت کے طالب کو چاہئے کہ اس قرآن پر عامل بن جائے یہی نجات اور ہدایت کا کفیل ہے اس کے سوا دوسرے کلام میں ہدایت نہیں تمہاری چاہتیں کام نہیں آتیں کہ جو چاہے ہدایت پالے اور جو چاہے گمراہ ہو جائے بلکہ یہ سب کچھ منجانب اللہ ہے وہ رب العالمین جو چاہے کرتا ہے اسی کی چاہت چلتی ہے اس سے اگلی آیت کو سن کر ابوجہل نے کہا تھا کہ پھر تو ہدایت و ضلالت ہمارے بس کی بات ہے اس کے جواب میں یہ آیت اتری۔

﴿ الحمد لله ﴾ سورہ تکویر کی تفسیر ختم ہوئی۔

تفسیر سورۂ انفطار مکیہ

تعارف سورت: نسائی میں ہے کہ حضرت معاذؓ نے عشاء کی نماز پڑھائی اور اس میں لمبی قرآت پڑھی تو نبی ﷺ نے فرمایا معاذ کیا یہ سورتیں نہ تھیں ﴿ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى اور والضُّحٰى ﴾ اور ﴿ اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ﴾ اس حدیث کی اصل بخاری و مسلم میں بھی ہے ہاں ﴿ اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ﴾ کا ذکر صرف نسائی کی روایت میں ہے اور وہ حدیث پہلے گزر چکی ہے جس میں بیان ہے کہ جو شخص قیامت کے دن کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہے تو وہ ﴿ اِذَاالشَّمْسُ كُوِّرَتْ اور اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ اور اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ﴾ پڑھ لے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ﴿۱﴾ وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ﴿۲﴾ وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ﴿۳﴾ وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ﴿۴﴾ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ ﴿۵﴾ يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ﴿۶﴾ الَّذِيْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ﴿۷﴾ فِيْٓ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ﴿۸﴾ كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ ﴿۹﴾ وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ﴿۱۰﴾ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ﴿۱۱﴾ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۱۲﴾

اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والے مہربان کے نام سے میں شروع کرتا ہوں۔

جب آسمان پھٹ جائے گا۔ اور جب ستارے جھڑ جائیں گے۔ اور جب دریا بہہ چلیں گے اور جب قبریں شق کر کے اکھاڑ دی جائیں گی۔ اس وقت ہر شخص اپنے آگے بھیجے ہوئے اور پیچھے چھوڑے ہوئے (یعنی اگلے پچھلے اعمال) کو معلوم کرلیگا۔ اے انسان تجھے اپنے رب کریم سے کس چیز نے بہکایا۔ جس رب نے تجھے پیدا کیا پھر ٹھیک ٹھاک کیا پھر درست اور برابر بنایا۔ جس صورت میں چاہا تیری ترکیب کی اور تجھے ڈھالا۔ نہیں نہیں بلکہ تم تو جزا سزا کے دن کو جھٹلاتے ہو۔ یقیناً تم پر نگہبان بزرگ لکھنے والے مقرر ہیں۔ جو کچھ تم کرتے ہو وہ جانتے ہیں۔

قیامت کے وقوع کے مناظر: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قیامت کے دن آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے جیسے فرمایا ہے ﴿ اَلسَّمَآءُ مُنْفَطِرٌ بِهٖ ﴾ اور ستارے سب کے سب گر پڑیں گے۔ اور کھاری اور میٹھے سمندر آپس میں خلط ملط ہو جائیں گے اور پانی سوکھ جائے گا اور قبریں پھٹ جائیں گی۔ ان کے شق ہونے کے بعد مردے جی اٹھیں گے۔ پھر ہر شخص اپنے اگلے پچھلے اعمال کو بخوبی جان لے گا پھر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دھمکاتا ہے کہ تم کیوں مغرور ہو گئے ہو؟ یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کا جواب طلب کرتا ہو یا سکھاتا ہو۔ بعضوں نے یہ بھی کہا ہے بلکہ انہوں نے جواب دیا ہے کہ کرم الٰہی نے غافل کر رکھا ہے یہ معنی بیان کرنے غلط ہیں۔ صحیح مطلب یہی ہے کہ اے ابن آدم اپنے باعظمت رب سے تو نے کیوں بے پرواہی برت رکھی ہے؟ کس چیز نے تجھے اس کی نافرمانی پر اکسار کھا ہے؟ اور کیوں تو اس کے مقابلہ پر آمادہ ہو گیا ہے؟ حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے ابن آدم تجھے میری جانب سے کس چیز نے مغرور کر رکھا تھا اے ابن آدم بتا تو نے میرے نبیوں کو کیا کیا جواب دیا؟

رب کریم سے کیوں دور ہو: حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو اس آیت کی تلاوت کرتے ہوئے سنا تو فرمایا کہ انسانی جہالت نے اسے غافل بنا رکھا ہے۔ ابن عمرؓ ابن عباسؓ وغیرہ سے بھی یہی مروی ہے۔ قتادہؒ فرماتے ہیں اس کا بہکانے والا شیطان ہے۔ حضرت فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں کہ اگر مجھ سے یہ سوال ہو تو میں جواب دوں کہ تیرے لٹکائے ہوئے پردوں نے۔ حضرت ابو بکر وراق فرماتے ہیں میں تو کہوں گا کہ کریم کے کرم نے بے فکر کر دیا۔ بعض سخن شناس فرماتے ہیں کہ یہاں پر کریم کا لفظ لانا گویا جواب کی طرف اشارہ سکھانا ہے لیکن یہ قول کچھ فائدہ مند نہیں۔ بلکہ صحیح مطلب یہ ہے کہ کرم والے اللہ کے کرم کے مقابلہ میں بد افعال اور برے اعمال نہ کرنے چاہئیں۔ کلبی اور مقاتلؒ فرماتے ہیں کہ اسود بن شریق کے بارے میں یہ نازل ہوئی ہے۔ اس خبیث نے حضور ﷺ کو مارا تھا اور اسی وقت چونکہ اس پر کچھ عذاب نہ آیا تو وہ پھول گیا' اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ پھر فرماتا ہے وہ اللہ جس نے تجھے پیدا کیا پھر درست بنایا' پھر درمیانہ قد و قامت بخشا' خوش شکل اور خوبصورت بنایا۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی ہتھیلی میں تھوکا پھر اس پر اپنی انگلی رکھ کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' اے ابن آدم! کیا تو مجھے عاجز کر سکتا ہے؟ حالانکہ میں نے تجھے اس جیسی چیز سے پیدا کیا ہے پھر ٹھیک ٹھاک کیا پھر صحیح قامت بنایا پھر تجھے پہنا اڑھا کر چلنا پھرنا سکھایا۔ آخر کار تیرا ٹھکانا زمین کے اندر ہے تو نے خوب جمع جتھا کی اور میری راہ میں دینے سے رکتا رہا یہاں تک کہ جب دم حلق میں آ گیا تو کہنے لگا میں صدقہ کرتا ہوں بھلا اب صدقے کا وقت کہاں؟ جس صورت میں چاہا ترکیب دی یعنی باپ کی ماں کی' ماموں کی' چچا کی صورت پر پیدا کیا۔ ایک شخص سے حضور ﷺ نے فرمایا تیرے ہاں کیا بچہ ہوگا۔ اس نے کہا لڑکا یا لڑکی' فرمایا کس کے مشابہ ہوگا کہا میرے یا اس کی ماں کے' فرمایا خاموش ایسا نہ کہہ نطفہ جب رحم میں ٹھہرتا ہے تو حضرت آدم علیہ السلام تک کا نسب اس کے سامنے ہوتا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے آیت ﴿ فِيْٓ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ﴾ پڑھی اور فرمایا جس صورت میں اس نے چاہا تجھے چلایا۔ یہ حدیث اگر صحیح ہوتی تو آیت کے معنی ظاہر کرنے کے لیے کافی تھی لیکن اس کی اسناد ثابت نہیں ہے۔ مظہر بن ہیثم جو اس کے راوی ہیں یہ متروک الحدیث ہیں ان پر اور جرح بھی ہے۔

بخاری و مسلم کی ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت محمد ﷺ کے پاس آ کر کہا میری بیوی کے جو بچہ پیدا ہوا ہے وہ سیاہ فام ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تیرے پاس اونٹ بھی ہیں؟ کہا ہاں۔ فرمایا کس رنگ کے ہیں؟ کہا سرخ رنگ کے۔ فرمایا کیا ان میں کوئی چت کبرا بھی ہے؟ کہا ہاں۔ فرمایا اس رنگ کا بچہ سرخ نر و مادہ کے درمیان کیسے پیدا ہو گیا؟ کہنے لگا شاید اوپر کی نسل کی طرف کوئی رگ کھینچ لے گئی ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا اسی طرح تیرے بچے کے سیاہ رنگ ہونے کی وجہ بھی شاید یہی ہو۔ حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں کہ اگر چاہے بندر کی صورت بنا دے اگر چاہے سور کی۔ ابو صالح فرماتے ہیں اگر چاہے کتے کی صورت بنا دے' اگر چاہے گدھے کی' اگر چاہے سور کی۔

قتادہؒ فرماتے ہیں یہ سب سچ ہے اور اللہ تعالیٰ سب چیز پر قادر ہے لیکن وہ مالک ہمیں بہترین عمدہ اور خوش شکل اور دل لبھانے والی پاکیزہ شکلیں صورتیں عنایت فرماتا ہے پھر فرماتا ہے کہ اس کریم رب کی نافرمانیوں پر تمہیں آمادہ کرنے والی چیز صرف یہی ہے کہ تمہارے دلوں میں قیامت کی تکذیب ہے تم اس کا آنا ہی برحق نہیں جانتے اس لیے اس سے بے پرواہی برت رہے ہو۔ تم یقین مانو کہ تم پر بزرگ محافظ اور کاتب فرشتے مقرر ہیں تمہیں چاہئے کہ ان کا لحاظ رکھو وہ تمہارے اعمال لکھ رہے ہیں' تمہیں برائی کرتے ہوئے شرم آنی چاہئے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اللہ کے یہ بزرگ فرشتے تم سے جنابت اور پاخانہ کی حالت کے سوا کسی وقت الگ نہیں ہوتے۔ تم ان کا احترام کرو۔ غسل کے وقت بھی پردہ کر لیا کرو' دیوار سے یا اونٹ سے ہی سہی' یہ بھی نہ ہو تو اپنے کسی ساتھی کو کھڑا کر لیا کرو تاکہ وہی پردہ ہو جائے (ابن ابی حاتم۔)

بزار کی اس حدیث کے الفاظ میں کچھ ہیر پھیر ہے۔ اور اس میں یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ننگا ہونے سے منع کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ان فرشتوں سے شرماؤ۔ اس میں یہ بھی ہے کہ غسل کے وقت بھی یہ فرشتے دور ہو جاتے ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جب یہ کراماً کاتبین بندے کا روزانہ نامہ اعمال اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کرتے ہیں تو اگر شروع اور آخر میں استغفار ہو تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کے درمیان کی سب خطائیں میں نے اپنے بندہ کی بخش دیں (بزار)۔

بزار کی ایک اور ضعیف حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعض فرشتے انسانوں کو اور ان کے اعمال کو جانتے پہچانتے ہیں۔ جب کسی بندے کو نیکی میں مشغول پاتے ہیں تو آپس میں کہتے ہیں کہ آج کی رات فلاں شخص نجات پا گیا' فلاح حاصل کر گیا۔ اور اگر اس کے خلاف دیکھتے ہیں تو آپس میں ذکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آج کی رات فلاں ہلاک ہوا۔

إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ﴿١٣﴾ وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ ﴿١٤﴾ يَصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّينِ ﴿١٥﴾ وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَائِبِينَ ﴿١٦﴾ وَمَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمُ الدِّينِ ﴿١٧﴾ ثُمَّ مَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمُ الدِّينِ ﴿١٨﴾ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا ۖ وَالْأَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلَّهِ ﴿١٩﴾

یقیناً نیک لوگ (جنت کے عیش و آرام اور) نعمتوں میں ہوں گے اور یقیناً بدکار لوگ دوزخ میں ہوں گے۔ بدلے والے دن اس میں جائیں گے۔ یہ لوگ اس سے کبھی باہر نہ نکلیں گے۔ تجھے کچھ خبر بھی ہے کہ بدلے کا دن کیا ہے؟ میں پھر کہتا ہوں کہ تجھے کیا معلوم کہ جزا اور سزا کا دن کیا ہے۔ (وہ ہے) جس دن کوئی شخص کسی شخص کے لیے کسی چیز کا مختار نہ ہوگا۔ اور تمام تر احکام اور فرمان اس روز اللہ تعالیٰ کے ہی ہوں گے۔

جو اللہ تعالیٰ کے اطاعت گزار فرماں بردار ہیں' گناہوں سے دور رہتے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ جنت کی خوشخبری دیتا ہے' حدیث میں ہے انہیں "ابرار" اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ اپنے ماں باپ کے فرمانبردار تھے اور اپنی اولادوں کے ساتھ نیک سلوک کرتے تھے' بدکار لوگ ہمیشگی والے عذاب میں پڑے رہیں گے' قیامت والے دن جو حساب کا اور بدلے کا دن ہے ان کا داخلہ اس میں ہوگا' ایک ساعت بھی ان پر سے عذاب ہلکا نہ ہوگا' نہ موت آئے گی نہ راحت ملے گی نہ ایک ذرا سی دیر اس سے الگ ہوں گے۔ پھر قیامت کی بڑائی اور اس دن کی ہولناکی ظاہر کرنے کے لیے دو دو بار فرمایا کہ تمہیں کس چیز نے معلوم کرا لیا کہ وہ دن کیسا ہے؟ پھر خود ہی بتلایا کہ اس دن کوئی کسی کو کچھ بھی نفع نہ پہنچا سکے گا نہ عذابوں سے نجات دلوا سکے گا' ہاں یہ اور بات ہے کہ کسی کی سفارش کی اجازت خود اللہ تبارک و تعالیٰ عطا فرمائے۔

اس موقع پر یہ حدیث وارد کرنی بالکل مناسب ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے بنو ہاشم! اپنی جانوں کو جہنم سے بچانے کے لیے نیک اعمال کی تیاریاں کر لو۔ میں تمہیں اس دن اللہ کے عذاب سے بچانے کا اختیار نہیں رکھتا۔ یہ حدیث سورہ شعراء کی تفسیر کے آخر میں گزر چکی ہے۔ یہاں یہ بھی فرمایا کہ اس دن امر محض اللہ ہی کا ہوگا' جیسے اور جگہ ہے ﴿ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴾ اور جگہ ارشاد ہے ﴿ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِنِ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ﴾ اور فرمایا ﴿ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ﴾ مطلب سب کا یہی ہے کہ ملک و ملکیت اس دن صرف اللہ واحد قہار و رحمٰن کی ہی ہوگی' گو آج بھی اسی کی ملکیت ہے وہ ہی تنہا مالک ہے' اسی کا حکم چلتا ہے مگر وہاں تو کوئی ظاہرداری حکومت اور ملکیت اور امر والا بھی نہ ہوگا۔

سورۂ انفطار کی تفسیر ختم ہوئی' ﴿ فالحمدللہ ﴾

تفسیر سورۂ المطففین مکیہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۝١ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ۝٢ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ۝٣ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ۝٤ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝٥ يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝٦

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

بڑی خرابی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کی۔ کہ جب لوگوں سے ناپ کر لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں۔ اور جب انہیں ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں۔ کیا انہیں اپنے مرنے کے بعد جی اٹھنے کا یقین نہیں' اس بڑے بھاری دن۔ جس دن سب لوگ اللہ تعالیٰ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے۔

ناپ تول میں کمی کرنے والوں کیلئے ہلاکت: نسائی اور ابن ماجہ میں ہے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب نبی ﷺ مدینہ میں تشریف لائے اس وقت اہل مدینہ ناپ تول کے اعتبار سے بہت برے تھے جب یہ آیت اتری پھر انہوں نے ناپ تول بہت درست کر لی۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت ہلال ابن طلق نے ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے کہا کہ مکے مدینے والے بہت ہی عمدہ ناپ تول رکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کیوں نہ رکھتے' جب کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ﴿ وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ﴾ الخ ہے۔ پس تطفیف سے مراد ناپ تول کی کمی ہے خواہ اس صورت میں کہ اوروں سے لیتے وقت زیادہ لے لیا اور دیتے وقت کم دیا' اسی لیے انہیں دھمکایا کہ یہ نقصان اٹھانے والے اور ہلاک ہونے والے ہیں کہ جب اپنا حق لیں تو پورا لیں بلکہ زیادہ لے لیں اور دوسروں کو دینے بیٹھیں تو کم دیں۔ ٹھیک یہ ہے کہ ﴿ كَالُوْ اور وَزَنُوْا ﴾ کو متعدی مانیں اور ھم کو محلاً منصوب کہیں' گو بعض نے اسے ضمیر مؤکد مانا ہے۔ جو کالوا اور وزنوا کی پوشیدہ ضمیر کی تاکید کے لیے ہے اور مفعول محذوف مانا ہے جس پر دلالت کلام موجود ہے' دونوں طرح مطلب قریب قریب ایک ہی ہے۔ قرآن کریم نے ناپ تول درست کرنے کا حکم اس آیت میں بھی دیا ہے ﴿ اَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ﴾ الخ یعنی جب ناپو تو ناپ پورا کرو اور وزن بھی سیدھے ترازو سے تول کر دیا کرو اور جگہ حکم ہے ﴿ اَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ﴾ الخ یعنی ناپ تول انصاف کے ساتھ برابر دیا کرو' ہم کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے۔

اور جگہ فرمایا ﴿ وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ﴾ یعنی تول کو قائم رکھو اور میزان کو گھٹاؤ نہیں۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کو اس بدعادت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے غارت و برباد کر دیا۔ یہاں بھی اللہ تعالیٰ ڈرا رہا ہے کہ لوگوں کے حق مارنے والے کیا قیامت کے دن سے نہیں ڈرتے جس دن یہ اس ذات پاک کے سامنے کھڑے کئے جائیں گے' جس پر نہ تو کوئی پوشیدہ بات پوشیدہ ہے نہ ظاہر بات۔ وہ دن بھی نہایت ہولناک و خطرناک ہوگا' بڑی گھبراہٹ اور پریشانی والا دن ہوگا اس دن یہ نقصان رساں لوگ جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے' جس دن لوگ اللہ کے سامنے کھڑے ہوں گے' اس حالت میں ننگے پیر ہوں گے اور ننگے بدن ہوں گے اور بے ختنہ ہوں گے' وہ جگہ بھی نہایت تنگ و تاریک ہوگی اور میدان آفات و بلیات سے پر ہوگا اور وہ مصائب نازل

ہو رہے ہوں گے کہ دل پریشان ہوں گے حواس بگڑے ہوئے ہوں گے ہوش جاتا رہا ہوگا۔ صحیح حدیث میں ہے کہ آدھے آدھے کانوں تک پسینہ پہنچ گیا ہوگا (۔ موطاامام مالک)

مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ اس دن رحمٰن عزوجل کی عظمت کے سامنے سب کھڑے کپکپارہے ہوں گے۔ اور حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن بندوں سے سورج اس قدر قریب ہو جائے گا کہ ایک یا دو نیزے کے برابر اونچا ہوگا اور سخت تیز ہوگا۔ ہر شخص اپنے اپنے اعمال کے مطابق اپنے پسینے میں غرق ہوگا' بعض کی ایڑیوں تک پسینہ ہوگا' بعض کے گھٹنوں تک' بعض کی کمر تک' بعض کو توان کا پسینہ لگام بنا ہوا ہوگا۔ اور حدیث میں ہے کہ دھوپ اس قدر تیز ہوگی کہ کھوپڑی بھنا اٹھے گی' اور اس طرح اس میں جوش اٹھنے لگے گا جس طرح ہنڈیا میں کھد بدیاں آتی ہیں اور روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے منہ پر اپنی انگلیاں رکھ کر بتایا کہ اس طرح پسینہ کی لگام چڑھی ہوئی ہوگی۔ پھر آپ نے ہاتھ سے اشارہ کر کے بتایا کہ بعض بالکل ڈوبے ہوئے ہوں گے اور حدیث میں ہے ستر سال تک بغیر بولے چالے کھڑے رہیں گے' یہ بھی کہا گیا ہے کہ تین سو سال تک کھڑے رہیں گے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ چالیس ہزار سال تک کھڑے رہیں گے اور دس ہزار سال میں فیصلہ کیا جائے گا۔

صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے مرفوعاً مروی ہے کہ اس دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال کی ہوگی۔ ابن ابی حاتم کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بشیر غفاریؓ سے فرمایا تو کیا کرے گا جس دن لوگ اللہ رب العالمین کے سامنے تین سو سال تک کھڑے رہیں گے نہ تو کوئی خبر آسمان سے آئے گی' نہ کوئی حکم کیا جائے گا۔ حضرت بشیرؓ کہنے لگے اللہ ہی مددگار ہے۔ آپ نے فرمایا سنو! جب بستر پر جاؤ تو اللہ تعالیٰ سے قیامت کے دن کی تکلیفوں سے اور حساب کی برائی سے پناہ مانگ لیا کرو۔ سنن ابو داؤد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ قیامت کے دن کے کھڑے ہونے کی جگہ کی تنگی سے پناہ مانگا کرتے تھے۔ حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ چالیس سال تک لوگ سر اونچا کئے کھڑے رہیں گے' کوئی بولے گا نہیں نیک و بد کو پسینے کی لگامیں چڑھی ہوئی ہوں گی۔ ابن عمرؓ فرماتے ہیں' سو سال تک کھڑے رہیں گے (ابن جریر)۔

ابو داؤد' نسائی' ابن ماجہ میں ہے کہ حضور ﷺ جب رات کو اٹھ کر تہجد کی نماز کو شروع کرتے تو (۱۰) دس مرتبہ اللہ اکبر کہتے' (۱۰) دس مرتبہ الحمد اللہ کہتے (۱۰) دس مرتبہ ٭ سُبْحَانَ اللّٰہ ٭ کہتے۔ دس مرتبہ ٭ اسْتَغْفِرُ اللّٰہ ٭ کہتے پھر کہتے ٭ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَ اھْدِنِیْ وَارْزُقْنِیْ وَ عَافِنِیْ ٭ اے اللہ مجھے بخش' مجھے ہدایت دے' مجھے روزیاں دے اور عافیت عنایت فرما۔ پھر اللہ تعالیٰ سے قیامت کے دن کے مقام کی تنگی سے پناہ مانگتے۔

كَلَّآ إِنَّ كِتَٰبَ ٱلْفُجَّارِ لَفِى سِجِّينٍۢ ﴿٧﴾ وَمَآ أَدْرَىٰكَ مَا سِجِّينٌۭ ﴿٨﴾ كِتَٰبٌۭ مَّرْقُومٌۭ ﴿٩﴾ وَيْلٌۭ يَوْمَئِذٍۢ لِّلْمُكَذِّبِينَ ﴿١٠﴾ ٱلَّذِينَ يُكَذِّبُونَ بِيَوْمِ ٱلدِّينِ ﴿١١﴾ وَمَا يُكَذِّبُ بِهِۦٓ إِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ ﴿١٢﴾ إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ ءَايَٰتُنَا قَالَ أَسَٰطِيرُ ٱلْأَوَّلِينَ ﴿١٣﴾ كَلَّا ۖ بَلْ ۜ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِم مَّا كَانُوا۟ يَكْسِبُونَ ﴿١٤﴾ كَلَّآ إِنَّهُمْ عَن رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍۢ لَّمَحْجُوبُونَ ﴿١٥﴾ ثُمَّ إِنَّهُمْ لَصَالُوا۟ ٱلْجَحِيمِ ﴿١٦﴾ ثُمَّ يُقَالُ هَٰذَا ٱلَّذِى كُنتُم بِهِۦ تُكَذِّبُونَ ﴿١٧﴾

یقیناً بدکاروں کا نامہ اعمال سجین میں ہے۔ تجھے کون بتائے کہ سجین کیا ہے۔ یہ تو کتاب میں لکھا جا چکا ہے' اس دن جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہے۔ جو جزا سزا کے دن کو جھٹلاتے رہے' اسے صرف وہی جھٹلاتا ہے جو حد سے آگے نکل جانے والا اور گنہگار ہوتا ہے۔ جب اس کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو کہہ دیتا ہے کہ یہ اگلوں کے افسانے ہیں۔ یوں نہیں بلکہ ان کے دلوں پر ان کے اعمال کی وجہ سے زنگ چڑھ گیا ہے۔ یہی نہیں یہ لوگ اس دن دیدار باری تعالیٰ سے محروم رہیں گے۔ پھر یہ لوگ بالیقین جہنم میں جھونکے جائیں گے۔ پھر کہہ دیا جائے گا کہ یہی ہے وہ جسے تم جھٹلاتے رہے۔

سجین گنہ گاروں کا نامہ اعمال: مطلب یہ ہے کہ برے لوگوں کا ٹھکانا سجین ہے یہ لفظ ﴿ فِعِّيْلٌ ﴾ کے وزن ﴿ سِجْنٌ ﴾ سے ماخوذ ہے سجن کہتے ہیں لغتاً تنگی کو ﴿ ضِيِّقٌ شِرِّيْبٌ خِمِّيْرٌ سِكِّيْرٌ ﴾ وغیرہ کی طرح یہ لفظ بھی سجین ہے۔ پھر اس کی مزید برائیاں بیان کرنے کے لیے فرمایا کہ تمہیں اس کی حقیقت معلوم نہیں وہ المناک اور ہمیشہ کے درد دکھ کی جگہ ہے۔ مروی ہے کہ یہ جگہ ساتوں زمینوں کے نیچے ہے۔ حضرت براء بن عازب کی ایک مطول حدیث میں یہ گزر چکا ہے کہ کافر کی روح کے بارے میں جناب باری تعالیٰ کا ارشاد ہوتا ہے کہ اس کی کتاب سجین میں لکھ لو۔ اور سجین ساتویں زمین کے نیچے ہے۔ کہا گیا ہے کہ یہ ساتویں زمین کے نیچے سبز رنگ کی ایک چٹان ہے اور کہا گیا ہے کہ جہنم میں ایک گڑھا ہے۔

ابن جریر کی ایک غریب منکر اور غیر صحیح حدیث میں ہے کہ فلق جہنم کا ایک منہ بند کردہ کنواں ہے اور سجین کھلے منہ والا گڑھا ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ اس کے معنی ہیں تنگ جگہ جیل خانہ کے نیچے کی مخلوق میں تنگی ہے اور اوپر کی مخلوق میں کشادگی۔ آسمانوں میں ہر اوپر والا آسمان نیچے والے آسمان سے کشادہ ہے اور زمینوں میں ہر نیچے کی زمین اوپر کی زمین سے تنگ ہے یہاں تک کہ بالکل نیچے کی تہہ بہت تنگ ہے۔ اور سب سے زیادہ تنگ جگہ ساتویں زمین کا وسطی مرکز ہے۔ چونکہ کافروں کے لوٹنے کی جگہ جہنم ہے اور وہ سب سے نیچے ہے۔ اور جگہ ہے ﴿ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ﴾ یعنی پھر ہم نے اسے نیچوں کا نیچ کر دیا ہاں جو ایمان والے اور نیک اعمال والے ہیں۔ غرض سجین ایک تنگ اور تہہ کی جگہ ہے جیسے قرآن کریم نے اور جگہ فرمایا ہے ﴿ اِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ﴾ جب وہ جہنم کی کسی تنگ جگہ میں ہاتھ پاؤں جکڑ کر ڈال دیئے جائیں گے تو وہاں موت ہی موت پکاریں گے۔

﴿ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ﴾ یہ سجین کی تفسیر نہیں بلکہ یہ تفسیر ہے اس کی جو ان کے لیے لکھا جا چکا ہے کہ آخر کار جہنم میں پہنچیں گے۔ ان کا نتیجہ یہ لکھا جا چکا ہے اور اس سے فراغت حاصل کر لی گئی ہے' نہ اس میں اب کچھ زیادتی ہوگی نہ کمی۔ تو فرمایا ان کا انجام سجین ہونا ہماری کتاب میں پہلے سے ہی لکھا جا چکا ہے۔ ان جھٹلانے والوں کی اس دن خرابی ہوگی۔ انہیں جہنم کا قید خانہ اور رسوائی والے المناک عذاب ہوں گے ﴿ وَيْلٌ ﴾ کی مکمل تفسیر اس سے پہلے گزر چکی ہے۔ خلاصہ مطلب یہ ہے کہ ان کی ہلاکی بربادی اور خرابی ہے جیسے کہا جاتا ہے ﴿ وَيْلٌ لِّفُلَانٍ ﴾ مسند اور سنن کی حدیث میں ہے ویل ہے اس شخص کے لیے جو کوئی جھوٹی بات کہہ کر لوگوں کو ہنسانا چاہے اسے ویل ہے اسے ویل ہے۔ پھر ان جھٹلانے والوں بدکار کافروں کی مزید تشریح کی اور فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو روز جزا کو نہیں مانتے اسے خلاف عقل کہہ کر اس کے واقع ہونے کو محال جانتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ قیامت کا جھٹلانا انہی لوگوں کا کام ہے جو اپنے کاموں میں حد سے گزر جائیں' حرام کام کرنے لگیں یا جائز کاموں میں حد سے بڑھ جائیں اسی طرح اپنے اقوال میں گنہگار ہوں' جھوٹ بولیں' وعدہ خلافی کریں گالیاں بکیں وغیرہ۔

یہ وہ لوگ ہیں کہ ہماری آیتوں کو سن کر انہیں جھٹلاتے ہیں۔ بدگمانی کرتے ہیں اور کہہ گزرتے ہیں کہ پہلی کتابوں سے جمع جتھا کر لی ہے۔ جیسے اور جگہ فرمایا' ﴿ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّا ذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ قَالُوْآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴾ جب انہیں کہا جاتا ہے کہ تمہارے رب نے کیا کچھ نازل فرمایا تو کہتے ہیں اگلوں کے افسانے ہیں۔ اور جگہ ہے ﴿ وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّ

عَشِیًّا ﴾ یعنی یہ کہتے ہیں کہ اگلوں کے قصے ہیں جو اسے صبح شام لکھوائے جا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں جواب میں فرماتا ہے کہ واقعہ ان کے قول اور ان کے خیال کے مطابق نہیں بلکہ دراصل یہ قرآن کلام الٰہی ہے اس کی وحی ہے جو اس نے اپنے بندے پر نازل کی ہے۔

ہاں ان کے دلوں پر ان کے بداعمال نے پردے ڈال دیئے ہیں۔ گناہوں اور خطاؤں کی کثرت نے ان کے دلوں کو زنگ آلود کر دیا ہے۔ کافروں کے دلوں پر رین ہوتا ہے اور نیک کار لوگوں کے دلوں پر غیم ہوتا ہے۔ ترمذی' نسائی' ابن ماجہ وغیرہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ بندہ جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ ہو جاتا ہے اگر توبہ کر لیتا ہے تو اس کی صفائی ہو جاتی ہے اور اگر گناہ کرتا ہے تو وہ سیاہی پھیلتی جاتی ہے۔ اسی کا بیان ﴿ كَلَّا بَلْ رَانَ ﴾ میں ہے۔ نسائی کے الفاظ میں کچھ اختلاف بھی ہے۔ مسند احمد میں بھی یہ حدیث ہے۔ حضرت حسن بصریؒ وغیرہ کا فرمان ہے کہ گناہوں پر گناہ کرنے سے دل اندھا ہو جاتا ہے اور پھر مر جاتا ہے۔ پھر فرمایا کہ یہ لوگ ان عذابوں میں مبتلا ہو کر دیدار باری تعالیٰ سے بھی محروم اور محجوب کر دیئے جائیں گے۔

فائدہ: (ف) حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں اس آیت میں دلیل ہے کہ مومن قیامت کے دن دیدار باری تعالیٰ سے مشرف ہوں گے۔ امام صاحبؒ کا یہ فرمان بالکل درست ہے اور آیت کا صاف مفہوم یہی ہے۔ اور دوسری جگہ کھلے الفاظ میں بھی یہ بیان موجود ہے۔ فرمان ہے ﴿ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴾ یعنی اس دن بہت سے چہرے تروتازہ ہوں گے اور اپنے رب کو دیکھ رہے ہوں گے۔ صحیح اور متواتر حدیثوں سے بھی یہ ثابت ہے کہ ایمان دار قیامت والے دن اپنے رب عزوجل کو اپنی آنکھوں سے قیامت کے میدان میں اور جنت کے نفیس باغیچوں میں دیکھیں گے۔ حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ حجاب ہٹ جائیں گے' اور مومن اپنے رب کو دیکھیں گے اور کافر۔ پھر کافروں کو پردوں کے پیچھے کر دیا جائے گا۔ البتہ مومن ہر صبح و شام پروردگار عالم کا دیدار حاصل کریں گے' یا اسی جیسا اور کلام ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ نہ صرف اللہ سے ہی یہ محروم رہیں گے بلکہ یہ لوگ جہنم میں جھونک دیئے جائیں گے اور انہیں حقارت' ذلت اور ڈانٹ ڈپٹ کے طور پر غصہ کے ساتھ کہا جائے گا کہ یہی ہے وہ جسے تم جھٹلاتے رہے۔

كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ ﴿١٨﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا عِلِّيُّوْنَ ﴿١٩﴾ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ﴿٢٠﴾ يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿٢١﴾ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ﴿٢٢﴾ عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ﴿٢٣﴾ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيْمِ ﴿٢٤﴾ يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ ﴿٢٥﴾ خِتٰمُهٗ مِسْكٌ ۭ وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ﴿٢٦﴾ وَمِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِيْمٍ ﴿٢٧﴾ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿٢٨﴾

یقیناً نیکو کاروں کا نامہ اعمال میں ہے۔ تجھے کون بتائے کہ علیین کیا ہے؟ وہ تو کتاب میں لکھا جا چکا ہے۔ اس کے پاس مقرب فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ نیک لوگ بڑی نعمتوں میں ہوں گے۔ مسہریوں پر بیٹھے دیکھ رہے ہوں گے۔ تو ان کے چہروں سے ہی نعمت کی تروتازگی پہچان لے گا۔ یہ لوگ سر بمہر خالص شراب پلائے جائیں گے۔ جس پر مشک کی مہر ہو گی۔ رغبت کرنے والوں کو اسی کی رغبت کرنی چاہیے۔ اس کی آمیزش تسنیم ہو گی۔ یعنی وہ چشمہ جس کا پانی مقرب لوگ پئیں گے۔

نیکو کاروں کا نامہ اعمال: بدکاروں کا حشر بیان کرنے کے بعد' اب نیک لوگوں کا بیان ہو رہا ہے کہ ان کا ٹھکانا علیین ہے جو کہ سجین کے بالکل برعکس ہے حضرت ابن عباسؓ نے حضرت کعبؓ سے سجین کا سوال کیا' تو انہوں نے فرمایا کہ وہ ساتویں زمین ہے اور اس میں کافروں کی روحیں ہیں۔ اور علیین کے سوال کے جواب میں فرمایا یہ ساتواں آسمان ہے اور اس میں مومنین کی روحیں ہیں۔ ابن

عباسؓ فرماتے ہیں مراد اس سے جنت ہے۔ عوفیؒ آپ سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے اعمال اللہ تعالیٰ کے نزدیک آسمان میں ہیں۔ قتادہؒ فرماتے ہیں یہ عرش کا داہنا پایہ ہے اور لوگ کہتے ہیں یہ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ لفظ علو یعنی بلندی سے ماخوذ ہے۔ جس قدر کوئی چیز اونچی اور بلند ہو گی اسی قدر بڑی اور کشادہ ہو گی۔ اسی لیے اس کی عظمت و بزرگی کے اظہار کے لیے فرمایا' تمہیں اس کی حقیقت معلوم ہی نہیں۔ پھر اسکی تاکید کی کہ یہ یقینی چیز ہے کتاب میں لکھی جاچکی ہے کہ یہ لوگ علیین میں جائینگے جسکے پاس ہر آسمان کے مقرب فرشتے جاتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ قیامت کے دن یہ نیکوکار ہمیشگی والی نعمتوں اور باغات میں ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے عام فضل و کرم ان پر بارش کی طرح برس رہے ہوں گے۔ یہ مسہریوں پر بیٹھے ہوئے ہوں گے اپنے ملک و مال کو اور نعمتوں اور راحتوں کو عزت و جاہ کو مال متاع کو دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہے ہوں گے یہ خیر و فضل یہ نعمت و رحمت نہ کبھی کم ہو نہ گم ہو نہ گھٹے نہ مٹے۔ اور یہ بھی معنی ہیں کہ اپنی آرام گاہوں میں تخت سلطنت پر بیٹھے دیدار باری تعالیٰ سے مشرف ہوتے رہیں گے۔ تو گویا کہ فاجروں کے بالکل برعکس ہوں گے۔ ان پر دیدار باری تعالیٰ حرام تھا ان کے لیے ہر وقت اجازت ہے جیسے کہ ابن عمرؓ کی حدیث میں ہے جو پہلے بیان ہو چکی کہ سب سے نیچے درجے کا جنتی اپنے ملک اور ملکیت کو دو ہزار سال کی راہ تک دیکھے گا اور سب سے آخر کی چیزیں اس طرح اس کی نظروں کے سامنے ہوں گی جس طرح سب سے اول چیزیں اور اعلیٰ درجہ کے جنتی تو دن بھر میں دو دو مرتبہ دیدار باری تعالیٰ کی نعمت سے اپنے دل کو مسرور اور اپنی آنکھوں کو پر نور کریں گے' اگر کوئی ان کے چہرے پر نظر ڈالے تو بیک نگاہ آسودگی اور خوش حالی' جاہ و حشمت' شوکت و سطوت' خوشی و سرور' بہجت و نور دیکھ کر ان کا مرتبہ تاڑ لے اور سمجھ لے کہ راحت و آرام میں خوش و خرم ہیں۔ جنتی شراب کا دور چلتا رہتا ہے۔

رحیق مختوم کا دائرہ: رحیق جنت کی ایک قسم کی شراب ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو کسی پیاسے مسلمان کو پانی پلائے اسے اللہ تعالیٰ "رحیق مختوم" پلائے گا یعنی جنت کی مہر والی شراب' اور جو کسی بھوکے مسلمان کو کھانا کھلائے اسے اللہ تعالیٰ جنت کے میوے کھلائے گا' اور جو کسی ننگے مسلمان کو کپڑا پہنائے اللہ تعالیٰ اسے جنتی سبز ریشم کے جوڑے پہنائے گا (مسند احمد)۔

"ختامٌ" کے معنی ملونی اور آمیزش کے ہیں۔ اسے اللہ تعالیٰ نے پاک صاف کر دیا ہے اور مشک کی مہر لگا دی ہے۔ یہ بھی معنی ہیں کہ انجام اس کا مشک ہے۔ یعنی کوئی بدبو نہیں بلکہ مشک کی سی خوشبو ہے' چاندی کی طرح سفید رنگ شراب ہے جس کی مہر لگے گی یا ملونی ہو گی۔ اس قدر خوشبو والی ہے کہ اگر کسی اہل دنیا کی انگلی اس پر لگ جائے پھر گو وہ اسی وقت نکال لے لیکن تمام دنیا اس کی خوشبو سے مہک جائے گی اور "ختام" کے معنے خوشبو کے بھی کئے گئے ہیں۔ پھر فرماتا ہے' کہ حرص کرنے والے فخر و مباہات کرنے والے کثرت اور سبقت کرنے والوں کو چاہئے کہ اس کی طرف تمام تر توجہ کریں۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿ لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ ﴾ ایسی چیزوں کے لیے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیے۔ تسنیم جنت کی بہترین شراب کا نام ہے یہ ایک نہر ہے جس سے سابقین لوگ تو برابر پیا کرتے ہیں اور داہنے ہاتھ والے اپنی شراب رحیق میں ملا کر پیتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا كَانُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَضْحَكُوْنَ ﴿٢٩﴾ وَاِذَا مَرُّوْا بِهِمْ يَتَغَامَزُوْنَ ﴿٣٠﴾ وَاِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا فَكِهِيْنَ ﴿٣١﴾ وَاِذَا رَاَوْهُمْ قَالُوْٓا اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَضَآلُّوْنَ ﴿٣٢﴾ وَمَآ اُرْسِلُوْا عَلَيْهِمْ حٰفِظِيْنَ ﴿٣٣﴾ فَالْيَوْمَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُوْنَ ﴿٣٤﴾ عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ﴿٣٥﴾ هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿٣٦﴾

گنہگار لوگ ایمانداروں کی ہنسی اڑایا کرتے تھے۔ ان کے پاس گزرتے ہوئے اشاروں کنایوں سے ان کی حقارت کرتے تھے۔ اور جب اپنے والوں کی طرف لوٹتے تو دل لگیاں کرتے تھے۔ اور جب انہیں دیکھتے تو کہتے یقیناً یہ لوگ گمراہ بے راہ ہیں' یہ ان پر پاسبان بنا کر تو نہیں بھیجے گئے۔ پس آج ایمان داران کافروں پر ہنسیں گے۔ تختوں پر بیٹھے دیکھ رہے ہوں گے کہ اب ان منکروں نے جیسا یہ کرتے تھے بھرپایا۔

اہل ایمان پر ہنسنے والوں کا انجام: یعنی دنیا میں تو ان کافروں کی خوب بن آئی تھی' ایمانداروں کا مذاق اڑاتے رہے' چلتے پھرتے آوازیں کستے رہے۔ اور حقارت و تذلیل کرتے رہے' اور اپنے والوں میں جا کر خوب باتیں بناتے تھے' جو چاہتے تھے پاتے تھے' لیکن شکر تو کہاں اور کفر پر آمادہ ہو کر مسلمانوں کی ایذا رسانی کے درپے ہو جاتے تھے۔ اور چونکہ مسلمان ان کی مانتے نہ تھے تو یہ انہیں گمراہ کہا کرتے تھے۔ اللہ فرماتا ہے کچھ یہ لوگ محافظ بنا کر تو نہیں بھیجے گئے انہیں مومنوں کی کیا پڑی۔ کیوں ہر وقت ان کے پیچھے پڑے ہیں اور ان کے اعمال افعال کی دیکھ بھال رکھتے ہیں اور طعنہ آمیز باتیں بناتے رہتے ہیں۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿ اخْسَئُوْا فِيْهَا ﴾ الخ یعنی اس جہنم میں پڑے جھلستے رہو مجھ سے بات نہ کرو۔ میرے خاص بندے کہتے تھے کہ اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لائے تو ہمیں بخش اور ہم پر رحم کر تو سب سے بڑا رحم و کرم کرنے والا ہے تو تم نے انہیں مذاق میں اڑایا اور اس قدر غافل ہوئے کہ میری یاد بھلا بیٹھے اور ان سے ہنسی مذاق کرنے لگے۔ دیکھو آج میں نے انہیں ان کے صبر کا یہ بدلہ دیا ہے کہ وہ ہر طرح کامیاب ہیں۔ یہاں بھی اس کے بعد ارشاد فرماتا ہے کہ آج قیامت کے دن ایماندار ان بدکاروں پر ہنس رہے ہیں اور تختوں پر بیٹھے اپنے اللہ کو دیکھ رہے ہیں جو صاف ثبوت ہے اس بات کا کہ یہ گمراہ نہ تھے گو تم انہیں راہ گم کردہ کہا کرتے تھے' بلکہ یہ دراصل اولیاء اللہ تھے مقربین رب تھے۔ اسی لیے آج اللہ کا دیدار انکی نگاہوں کے سامنے ہے۔ یہ اللہ کے مہمان ہیں اور اس کے بزرگی والے گھر میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ جیسا کچھ ان کافروں نے مسلمانوں کے ساتھ دنیا میں کیا تھا اس کا پورا بدلہ کیا انہیں آخرت میں مل گیا یا نہیں؟ ان کے مذاق کے بدلے آج ان پر ہنسی اڑی یہ انہیں گھٹاتے تھے' اللہ نے انہیں بڑھایا۔ غرض پورا پورا اتمام و کمال بدلہ دے دیا گیا الحمد اللہ سورۂ مطففین کی تفسیر ختم ہوئی۔

تفسیر سورۂ انشقاق مکیہ

تعارف سورت: موطا امام مالکؒ میں ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ نے لوگوں کو نماز پڑھائی اور اس میں ﴿ اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ﴾ کی سورۃ پڑھی اور سجدہ کیا اور فارغ ہو کر فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے بھی اس کے پڑھتے ہوئے سجدہ کیا تھا۔ یہ حدیث مسلم اور نسائی میں بھی ہے۔ بخاری میں ہے کہ حضرت ابورافعؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوہریرہؓ کے پیچھے عشاء کی نماز پڑھی۔ آپ نے اس میں ﴿ اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ﴾ کی تلاوت کی اور سجدہ کیا۔ میں نے پوچھا تو جواب دیا کہ میں نے ابوالقاسم ﷺ کے پیچھے سجدہ کیا ہے (یعنی حضور ﷺ نے بھی اس سورت کو نماز میں پڑھا اور آیت سجدہ پر سجدہ کیا اور مقتدیوں نے بھی سجدہ کیا) پس میں تو جب تک آپ ﷺ سے ملوں گا (اس موقعہ پر) سجدہ کرتا رہوں گا' (یعنی مرتے دم تک)۔ اس حدیث کی سندیں اور بھی ہیں۔ اور صحیح مسلم اور سنن نسائی میں مروی ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سورہ ﴿ اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ﴾ میں اور سورہ ﴿ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ﴾ میں سجدہ کیا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ۝١ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ۝٢ وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ۝٣ وَاَلْقَتْ مَا

فِيْهَا وَتَخَلَّتْ ۝٤ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ۝٥ يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ ۝٦ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۝٧ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا ۝٨ وَّيَنْقَلِبُ اِلٰٓى اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ۝٩ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ ۝١٠ فَسَوْفَ يَدْعُوْا ثُبُوْرًا ۝١١ وَّيَصْلٰى سَعِيْرًا ۝١٢ اِنَّهٗ كَانَ فِيْٓ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ۝١٣ اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ يَّحُوْرَ ۝١٤ بَلٰٓى اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِيْرًا ۝١٥

معٰ ٧ عند المتاخرين

اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والے کے نام سے شروع۔

جب آسمان پھٹ جائے گا۔ اور اپنے رب کے حکم پر کان لگائے گا اور اسی کے لائق وہ ہے' اور جب زمین کھینچ کر پھیلا دی جائے گی' اور اس میں جو ہے وہ اسے اگل دے گی' اور خالی ہو جائے گی اور اپنے رب کے حکم پر کان لگائے گی' اور اسی کے لائق وہ ہے۔ اے انسان تو اپنے رب سے ملنے تک یہ کوشش اور تمام کام اور محنتیں کر کے اس سے ملاقات کرنے والا ہے۔ تو اس وقت جس شخص کے داہنے ہاتھ میں اعمال نامہ دیا جائے گا' اس کا حساب تو بڑی آسانی سے لیا جائے گا۔ اور وہ اپنے والوں کی طرف ہنسی خوشی لوٹ آئے گا' ہاں جس شخص کا اعمال نامہ اس کی پیٹھ کے پیچھے دیا جائے گا تو وہ موت کو بلانے لگے گا' اور بھڑکتی ہوئی جہنم میں داخل ہوگا۔ یہ شخص اپنے متعلقین میں (دنیا میں) خوش تھا' اس کا خیال تھا کہ اللہ کی طرف لوٹ کر ہی نہ جائے گا' یہ کیسے ہو سکتا ہے حالانکہ اس کا رب اسے بخوبی دیکھ رہا تھا۔

آسمان پھٹ جائے گا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قیامت کے دن آسمان پھٹ جائے گا وہ اپنے رب کے حکم پر کاربند ہونے کے لیے اپنے کان لگائے ہوئے ہوگا۔ پھٹنے کا حکم پاتے ہی پھٹ پھٹ کر ٹکڑے ہو جائے گا۔ اسے بھی چاہیے کہ امر الٰہی بجالائے اس لیے کہ یہ اس اللہ کا حکم ہے جسے کوئی روک نہیں سکتا' جس سے بڑا اور نہیں جو سب پر غالب ہے اس پر غالب کوئی نہیں۔ ہر چیز اس کے سامنے پست ولاچار ہے۔ بے بس و مجبور ہے۔ اور زمین پھیلا دی جائے گی' بچھا دی جائے گی' اور کشادہ کر دی جائے گی۔ حدیث میں ہے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ زمین کو چمڑے کی طرح کھینچ لے گا یہاں تک کہ ہر انسان کو صرف دو قدم ٹکانے کی جگہ ملے گی۔ سب سے پہلے مجھے بلایا جائے گا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی دائیں جانب ہوں گے۔ اللہ کی قسم اس سے پہلے اس نے کبھی اسے نہیں دیکھا تو میں کہوں گا اے اللہ جبرئیل نے مجھ سے کہا تھا کہ یہ تیرے بھیجے ہوئے میرے پاس آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا سچ کہا تو میں کہوں گا اے اللہ! پھر مجھے شفاعت کی اجازت ہو۔ چنانچہ مقام محمود میں کھڑا ہو کر میں شفاعت کروں گا اور کہوں گا اے اللہ! تیرے ان بندوں نے زمین کے گوشے گوشے پر تیری عبادت کی ہے (ابن جریر۔)

پھر فرماتا ہے کہ زمین اپنے اندر کے کل مردے اگل دے گی اور خالی ہو جائے گی۔ یہ بھی رب کے فرمان کی منتظر ہوگی اور اسے بھی یہی لائق ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اے انسان! تو کوشش کرتا رہے گا اور اپنے رب کی طرف آگے بڑھتا رہے گا اعمال کرتا رہے گا یہاں تک کہ ایک دن اس سے مل جائے گا۔ اور اس کے سامنے کھڑا ہوگا اور اپنے اعمال اور اپنی سعی و کوشش کو اپنے آگے دیکھ لے گا۔ ابوداود طیالسی میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا اے محمد ﷺ جی لے جب تک چاہے بالآخر موت آنے والی ہے۔ جس سے چاہ دل بستگی پیدا کر لے ایک دن اس سے جدائی ہونی ہے۔ جو چاہ عمل کر لے ایک دن اس کی ملاقات ہونے والی ہے ﴿ مُلٰقِيْهِ ﴾ کی

ضمیر کا مرجع بعض نے لفظ رب کو بھی بتلایا ہے تو یہ معنے ہوں گے اللہ تعالیٰ سے تیری ملاقات ہونے والی ہے وہ تجھے تیرے کل اعمال کا بدلہ دے گا اور تیری تمام کوشش و سعی کا پھل تجھے عطا فرمائے گا۔ دونوں ہی باتیں آپس میں ایک دوسری کو لازم ملزوم ہیں۔

قتادہؒ فرماتے ہیں اے ابن آدم! تو کوشش کرنے والا ہے لیکن اپنی کوشش میں کمزور ہے۔ جس سے یہ ہو سکے کہ اپنی تمام تر سعی و کوشش نیکیوں کی کرے تو وہ کر لے دراصل نیکی کی قدرت اور برائیوں سے بچنے کی طاقت بجز امداد الٰہی حاصل نہیں ہو سکتی۔ پھر فرمایا جس کے داہنے ہاتھ میں اس کا اعمال نامہ مل جائے گا اس کا حساب سختی بغیر نہایت آسانی سے ہوگا۔ اس کے چھوٹے اعمال معاف بھی ہو جائیں گے اور جس سے اس کے تمام اعمال کا حساب لیا جائے گا وہ ہلاکت سے نہ بچے گا۔ جناب رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جس سے حساب کا مناقشہ ہو گا وہ تباہ ہو گا۔ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ قرآن میں تو ہے کہ نیک لوگوں کا بھی حساب ہو گا ﴿ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا ﴾ آپ ﷺ نے فرمایا دراصل یہ وہ حساب نہیں یہ تو صرف پیشی ہے۔ جس سے حساب میں پوچھ گچھ ہو گی وہ برباد ہو گا (مسند احمد)

دوسری روایت میں ہے کہ یہ بیان فرماتے ہوئے آپ ﷺ نے اپنی انگلی اپنے ہاتھ پر رکھ کر جس طرح کوئی چیز کریدتے ہوں اس طرح اسے ہلا جلا کر بتلایا۔ مطلب یہ ہے کہ جس سے باز پرس اور کرید ہو گی وہ عذاب سے بچ نہیں سکتا۔ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جس سے باقاعدہ حساب ہو گا وہ تو بے عذاب نہیں رہ سکتا۔ اور حساب یسیر سے مراد صرف پیشی ہے۔ حالانکہ اللہ خوب دیکھتا رہا ہے۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے ایک مرتبہ حضور ﷺ سے سنا کہ آپ ﷺ نماز میں یہ دعا مانگ رہے تھے ﴿ اَللّٰهُمَّ حَاسِبْنِيْ حِسَابًا يَّسِيْرًا ﴾ جب آپ ﷺ فارغ ہوئے تو میں نے پوچھا حضور یہ آسان حساب کیا ہے؟ فرمایا صرف نامہ اعمال پر نظر ڈال لی جائے گی اور کہدیا جائے گا کہ جاؤ ہم نے درگزر کیا لیکن اے عائشہ جس سے اللہ تعالیٰ حساب لینے پر آئے گا وہ ہلاک ہو گا (مسند احمد۔) غرض جس کے دائیں ہاتھ میں نامہ اعمال آئے گا وہ اللہ کے سامنے پیش ہوتے ہی چھٹی پا جائیگا اور اپنے والوں کی طرف خوش خوش جنت میں واپس آئے گا۔ طبرانی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں تم لوگ اعمال کر رہے ہو اور حقیقت کا علم کسی کو نہیں عنقریب وہ وقت آنے والا ہے کہ تم اپنے اعمال کو پہچان لو گے بعض وہ لوگ ہوں گا جو ہنسی خوشی اپنوں سے آملیں گے۔ اور بعض ایسے ہونگے کہ رنجیدہ افسردہ اور ناخوش واپس آئیں گے اور جسے پیٹھ پیچھے سے بائیں ہاتھ میں ہاتھ موڑ کر نامہ اعمال دیا جائیگا وہ نقصان اور گھاٹے کی پکار پکارے گا۔ ہلاکت اور موت کو بلائے گا اور جہنم میں جائے گا دنیا میں خوب ہشاش بشاش تھا بے فکری سے مزے کر رہا تھا آخرت کا خوف عاقبت کا اندیشہ مطلق نہ تھا اب اسکو غم و رنج یاس و حرمان رنجیدگی اور افسردگی نے ہر طرف سے گھیر لیا۔ یہ سمجھ رہا تھا کہ موت کے بعد زندگی نہیں اسے یقین نہ تھا کہ لوٹ کر اللہ کے پاس بھی جانا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ ہاں ہاں اسے اللہ ضرور دوبارہ زندہ کریگا جیسے کہ پہلی مرتبہ اس نے اسے پیدا کیا پھر اسکے نیک و بد اعمال کی جزا و سزا دے گا۔ بندوں کے اعمال و احوال کی اسے اطلاع ہے اور وہ انہیں دیکھ رہا ہے۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ﴿۱۶﴾ وَالَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ﴿۱۷﴾ وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ ﴿۱۸﴾ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ﴿۱۹﴾ فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَاِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْاٰنُ لَا يَسْجُدُوْنَ ﴿۲۱﴾ السجدة بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُوْعُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۴﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ﴿۲۵﴾ ع

السجدة ۱۳ ۔ ع ۲۵

مجھے شفق کی، قسم اور رات کی اور اس کی جمع کردہ چیزوں کی قسم۔ اور پورے چاند کی قسم یقیناً تم ایک حالت سے دوسری حالت پر پہنچو گے۔ انہیں کیا ہو گیا کہ ایمان نہیں لاتے۔ اور جب ان کے پاس قرآن پڑھا جاتا ہے تو سجدہ نہیں کرتے۔ بلکہ یہ کفار تو جھوٹا سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ یہ دلوں میں رکھتے ہیں۔ انہیں المناک عذابوں کی خوشخبری سنا دو' ہاں ایمان والوں اور نیک اعمال والوں کو بے شمار اور نہ ختم ہونے والا نیک بدلہ ہے۔

سرخی کی قسم: شفق سے مراد وہ سرخی ہے جو غروب آفتاب کے بعد آسمان کے مغربی کناروں پر ظاہر ہوتی ہے۔ حضرت علیؓ حضرت ابن عباسؓ حضرت عبادہ ابن صامتؓ حضرت ابوہریرہؓ حضرت شداد بن اوسؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ محمد بن علی بن حسینؒ مکحولؒ بکر بن عبداللہ مزنیؒ بکیر بن اشجؒ مالک ابن ابی ذئبؒ عبدالعزیز بن ابوسلمہ ماجشونؒ یہی فرماتے ہیں کہ شفق اس سرخی کو کہتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ مراد سفیدی ہے۔ پس شفق کناروں کی سرخی کو کہتے ہیں۔ وہ طلوع سے پہلے ہو یا غروب کے بعد اور اہل سنت کے نزدیک مشہور یہی ہے۔ خلیل کہتے ہیں عشاء کے وقت تک یہ شفق باقی رہتی ہے۔ جوہری کہتے ہیں سورج کے غروب ہونے کے بعد جو سرخی اور روشنی باقی رہتی ہے اسے شفق کہتے ہیں' یہ اول رات سے عشاء کے وقت تک باقی رہتی ہے۔ عکرمہؒ فرماتے ہیں مغرب سے لے کر عشاء تک۔ صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ مغرب کا وقت شفق غائب ہونے تک ہے۔ مجاہدؒ سے البتہ مروی ہے کہ اس سے مراد سارا دن ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ مراد سورج ہے۔ غالباً اس مطلب کی وجہ اس کے بعد کا جملہ ہے۔ تو گویا روشنی اور اندھیرے کی قسم کھائی۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں دن کے جانے اور رات کے آنے کی قسم ہے۔ اوروں نے کہا ہے سفیدی اور سرخی کا نام شفق ہے۔ اور قول ہے کہ یہ لفظ ان دونوں مختلف معنوں میں بولا جاتا ہے۔ وسق کے معنی ہیں جمع کیا۔ یعنی رات کے ستاروں اور رات کے جانوروں کی قسم۔ اسی طرح رات کے اندھیرے میں تمام چیزوں کا اپنی اپنی جگہ چلے جانا۔ اور چاند کی قسم جب کہ وہ پورا ہو جائے بھرپور ہو جائے اور پوری روشنی والا بن جائے

﴿ لَتَرْكَبُنَّ ﴾ الخ کی تفسیر بخاری میں مرفوع حدیث سے مروی ہے کہ ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف چڑھتے چلے جاؤ گے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں جو سال آئے گا وہ اپنے پہلے سے زیادہ برا ہوگا۔ میں نے اسی طرح تمہارے نبی ﷺ سے سنا ہے۔ اس حدیث کے اور اوپر والی حدیث کے الفاظ بالکل یکساں ہیں۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مرفوع حدیث ہے (واللہ اعلم)۔ اور یہ مطلب بھی اس حدیث کا بیان کیا گیا ہے کہ اس سے مراد ذات نبی ہے' ﷺ۔ اور اس کی تائید حضرت عمرؓ' ابن مسعودؓ' ابن عباسؓ' اور عام اہل مکہ اور اہل کوفہ کی قرائت سے بھی ہوتی ہے۔ ان کی قرائت ﴿ لَتَرْكَبَنَّ ﴾ (ب کے زیر سے)۔

شعبیؒ کہتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ اے نبی! تم ایک آسمان کے بعد دوسرے آسمان پر چڑھو گے۔ مراد اس سے معراج ہے یعنی منزل بمنزل چڑھتے چلے جاؤ گے۔ سدیؒ کہتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ اپنے اپنے اعمال کے مطابق منزلیں طے کرو گے۔ جیسے حدیث میں ہے کہ تم اپنے سے اگلے لوگوں کے طریقوں پر چلو گے۔ بالکل برابر برابر یہاں تک کہ اگر ان میں سے کوئی گوہ کے سوراخ میں داخل ہوا ہو تو تم بھی یہی کرو گے۔ لوگوں نے کہا اگلوں سے مراد آپ کی کیا یہود و نصرانی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا پھر اور کون؟ حضرت مکحولؒ فرماتے ہیں ہر بیس سال کے بعد تم کسی نہ کسی ایسے کام کی ایجاد کرو گے جو اس سے پہلے نہ تھا۔ عبداللہ فرماتے ہیں آسمان پھٹے گا پھر سرخ رنگ ہو جائے گا پھر بھی رنگ بدلتے چلے جائیں گے۔

ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ کبھی تو آسمان دھواں بن جائے گا پھر پھٹ جائے گا۔ حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ یعنی بہت سے لوگ جو دنیا میں پست و ذلیل تھے آخرت میں بلند و ذی عزت بن جائے گے' اور بہت سے لوگ جو دنیا میں مرتبے اور عزت والے تھے وہ آخرت میں ذلیل و نامراد ہو جائیں گے۔ عکرمہؒ یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ پہلے دودھ پیتے تھے پھر غذا کھاتے ہوئے۔ پہلے جوان تھے پھر بڈھے ہوئے۔ حسن بصریؒ فرماتے ہیں نرمی کے بعد سختی' سختی کے بعد نرمی۔ امیری کے بعد فقیری' فقیری کے بعد امیری۔ صحت کے

بعد بیماری' بیماری کے بعد تندرستی۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ابن آدم غفلت میں ہے۔ وہ پرواہ نہیں کرتا کہ کس لیے پیدا کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ جب کسی کو پیدا کرنا چاہتا ہے تو فرشتے سے کہتا ہے کہ اس کی روزی' اس کی اجل' اس کی زندگی' اس کا بد یا نیک ہونا لکھ لے۔ پھر وہ فارغ ہو کر چلا جاتا ہے اور دوسرا فرشتہ آتا ہے اور اس کی حفاظت کرتا ہے یہاں تک کہ اسے سمجھ آ جائے پھر وہ فرشتہ اٹھ جاتا ہے۔ پھر دو فرشتے اس کا نامہ اعمال لکھنے والے آ جاتے ہیں۔ موت کے وقت وہ بھی چلے جاتے ہیں اور ملک الموت آ جاتے ہیں اس کی روح قبض کرتے ہیں۔ پھر قبر میں اس کی روح لوٹا دی جاتی ہے۔ ملک الموت چلے جاتے ہیں۔ اور سوال وجواب کرنے والے فرشتے آ جاتے ہیں اپنے کام کے بعد وہ بھی چلے جاتے ہیں۔ قیامت کے دن نیکی بدی کے فرشتے آ جائیں گے اور اسکی گردن سے اس کا نامہ اعمال کھول لیں گے پھر اس کے ساتھ ہی رہیں گے۔ ایک سائق ہے دوسرا شہید ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا' ﴿ لَقَدْ كُنْتَ فِىْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا ﴾ تو اس سے غافل تھا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے آیت ﴿ لَتَرْكَبُنَّ ﴾ الخ پڑھی یعنی ایک حال سے دوسرا حال' پھر فرمایا لوگو! تمہارے آگے بڑے بڑے اہم امور آ رہے ہیں جن کی تمہیں طاقت ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ بلند و برتر سے مدد چاہو' یہ حدیث ابن ابی حاتم میں ہے منکر حدیث ہے اور اس کی سند میں ضعیف راوی ہیں لیکن اس کا مطلب بالکل صحیح اور درست ہے' واللہ سبحانہ' و تعالیٰ اعلم۔ امام ابن جریرؒ نے ان تمام اقوال کو بیان کر کے فرمایا ہے کہ صحیح مطلب یہ ہے کہ آپ اے محمد ﷺ سخت سخت کاموں میں ایک کے بعد ایک میں پڑنے والے ہیں اور گو خطاب حضور ﷺ سے ہی ہے لیکن مراد سب لوگ ہیں کہ وہ قیامت کی ایک کے بعد ایک ہولناکی دیکھیں گے۔ پھر فرمایا کہ انہیں کیا ہو گیا یہ کیوں نہیں ایمان لاتے؟ اور انہیں قرآن سن کر سجدے میں گر پڑنے سے کونسی چیز روکتی ہے؟ بلکہ یہ کفار تو الٹا جھٹلاتے ہیں اور حق کی مخالفت کرتے ہیں اور سرکشی میں اور برائی میں پھنسے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کی باتوں کو جنہیں یہ چھپا رہے ہیں بخوبی جانتا ہے۔ تم اے نبی! انہیں خبر پہنچا دو کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ پھر فرمایا کہ اس عذاب سے محفوظ ہو کر بہترین اجر کے مستحق ایماندار نیک کردار لوگ ہیں۔ انہیں پورا پورا بے کٹا بے حساب اجر ملے گا۔

جیسے اور جگہ ہے ﴿ عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ ﴾ بعض لوگوں نے یہ بھی کہہ دیا ہے کہ بلا احسان۔ لیکن یہ معنے ٹھیک نہیں۔ ہر آن ہر لحظہ اور ہر وقت اللہ تعالیٰ عزوجل کے اہل جنت پر احسان و انعام ہوں گے۔ بلکہ صرف اس کے احسان اور اس کے فضل و کرم کی بناء پر انہیں جنت نصیب ہوئی نہ کہ ان کے اعمال کی وجہ سے۔ پس اس مالک کا تو ہمیشگی اور مدام والا احسان اپنی مخلوق پر ہے ہی۔ اس کی ذات پاک ہر طرح کی ہر وقت کی تعریفوں کے لائق ہمیشہ ہمیشہ ہے۔ اسی لیے اہل جنت پر اللہ کی تسبیح اور اس کی حمد کا الہام اسی طرح کیا جائے گا جس طرح سانس بلا تکلیف اور بے تکلف بلکہ بے ارادہ چلتا رہتا ہے۔ قرآن فرماتا ہے ﴿ وَ اٰخِرُ دَعْوٰهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ یعنی ان کا آخری قول یہی ہو گا کہ سب تعریف جہانوں کے پالنے والے اللہ کے لیے ہی ہے۔

الحمد للہ سورۂ انشقاق کی تفسیر ختم ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق خیر دے' اور ہمیں برائی سے بچائے۔

تفسیر سورۂ بروج مکیہ

تعارف سورت: مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ عشاء کی نماز میں یہ سورہ اور سورہ ﴿ وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ﴾ پڑھتے تھے۔ اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے سماوات کی ان سورتوں کا عشاء کی نماز میں پڑھنے کا حکم دیا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ۙ﴿۱﴾ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ۙ﴿۲﴾ وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ ؕ﴿۳﴾ قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ۙ﴿۴﴾ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ ۙ﴿۵﴾ اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ۙ﴿۶﴾ وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ؕ﴿۷﴾ وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۙ﴿۸﴾ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ؕ﴿۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيْقِ ؕ﴿۱۰﴾

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع ہے جو بہت بخشش کرنے والا اور بڑا مہربان ہے۔

برجوں والے آسمان کی قسم، وعدہ کئے ہوئے دن کی قسم، حاضر ہونے والے اور حاضر کیے گئے کی قسم۔ کہ خندقوں والے ہلاک کیے گئے' وہ ایک آگ تھی ایندھن والی' یہ لوگ اس کے آس پاس بیٹھے۔ مسلمانوں کے ساتھ جو کر رہے تھے اپنے سامنے دیکھ رہے تھے' یہ لوگ ان مسلمانوں کے کسی اور گناہ کا بدلہ نہیں لے رہے تھے سوائے اس کے کہ وہ اللہ تعالیٰ غالب لائق حمد کی ذات پر ایمان لائے تھے' جس کا آسمان وزمین ملک ہے' اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر حاضر خوب واقف ہے۔ بے شک جن لوگوں نے مسلمان مرد و عورتوں کو ستایا پھر توبہ بھی نہ کی ان کے لیے جہنم کا عذاب ہے اور جلنے کے عذاب ہیں۔

بروج آسمانی کی قسم: بروج سے مراد بڑے بڑے ستارے ہیں' جیسے کہ ﴿ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا ﴾ کی تفسیر میں گزر چکا۔ حضرت مجاہدؒ سے مروی ہے کہ بروج وہ ہیں جن میں حفاظت کرنے والے رہتے ہیں۔ یحییٰؒ فرماتے ہیں کہ یہ آسمانی محل ہے۔ منہال بن عمروؒ کہتے ہیں کہ مراد اچھی بناوٹ والے آسمان ہیں۔ ابن خثیمہؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد سورج چاند کی منزلیں ہیں جو بارہ ہیں کہ سورج ان میں سے ہر ایک میں ایک مہینہ چلتا رہتا ہے اور چاند ان میں سے ہر ایک میں دو دن اور ایک تہائی دن چلتا ہے تو یہ اٹھائیس دن ہوئے اور دو راتوں تک وہ پوشیدہ رہتا ہے نہیں نکلتا۔ ابن ابی حاتم کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ﴿ يَوْمٍ مَّوْعُوْدٍ ﴾ سے مراد قیامت کا دن ہے۔ اور شاہد سے مراد جمعہ کا دن ہے۔ سورج جن جن دنوں پر نکلتا اور ڈوبتا ہے ان میں سب سے اعلیٰ اور افضل دن جمعہ کا دن ہے۔ اس میں ایک ساعت ایسی ہے کہ اس میں بندہ جو بھلائی طلب کرے مل جاتی ہے اور جس برائی سے پناہ چاہے ٹل جاتی ہے۔ اور ﴿مَشْهُوْدٌ ﴾ سے مراد عرفہ کا دن ہے۔

یوم مشہور کیا ہے: ابن خزیمہ میں بھی یہ حدیث ہے۔ موسیٰ بن عبیدہ ربزی اس کے راوی ہیں اور یہ ضعیف ہیں یہ روایت حضرت ابوہریرہؓ سے خود ان کے قول سے مروی ہے اور یہی زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔ مسند میں حضرت ابوہریرہؓ سے بھی یہی مروی ہے اور حضرات سے بھی یہ تفسیر مروی ہے اور ان میں اختلاف نہیں' فالحمد اللہ۔ اور روایت میں مرفوعاً مروی ہے کہ جمعے کے دن کو جسے یہاں شاہد کہا گیا ہے یہ خاص ہمارے لیے بطور خزانے کے چھپا رکھا گیا تھا۔ اور حدیث میں ہے کہ تمام دنوں کا سردار جمعہ کا دن ہے۔ ابن عباسؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ شاہد سے مراد خود ذات محمد ہیں (ﷺ) اور (مشہود) سے مراد قیامت کا دن ہے۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی ﴿ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ لَّهُ النَّاسُ وَ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ﴾ یعنی اس دن کے لیے لوگ جمع کیے گئے ہیں اور یہ دن مشہود یعنی

حاضر کیا گیا ہے۔

ایک شخص نے حضرت حسن بن علیؓ سے سوال کیا کہ شاہد اور مشہود کیا ہے؟ آپ نے فرمایا تم نے کسی اور سے پوچھا؟ اس نے کہا ہاں ابن عمرؓ اور ابن زبیرؓ سے۔ فرمایا انہوں نے کیا جواب دیا؟ کہا قربانی کا دن اور جمعہ کا دن۔ فرمایا نہیں بلکہ مراد شاہد سے محمد ﷺ ہیں جیسے قرآن میں اور جگہ ہے ﴿ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ﴾ یعنی کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت میں سے گواہ لائیں گے اور تجھے ان پر گواہ بنائیں گے' اور مشہود سے مراد قیامت کا دن ہے' قرآن کہتا ہے ﴿ وَ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ﴾ ۔ یہ بھی مروی ہے کہ شاہد سے مراد ابن آدم اور مشہود سے مراد قیامت کا دن' اور مشہود سے مراد جمعہ بھی مروی ہے۔ اور شاہد سے مُراد خود اللہ بھی ہے اور عرفہ کا دن بھی ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے جمعہ کے دن مجھ پر بکثرت درود پڑھا کرو' وہ مشہود دن ہے جس پر فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں شاہد اللہ ہے۔ قرآن کہتا ہے ﴿ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴾ اور مشہود ہم ہیں۔ قیامت کے دن ہم سب اللہ کے سامنے حاضر کر دیئے جائیں گے۔ اکثر حضرات کا یہ فرمان ہے کہ شاہد جمعہ کا دن ہے اور مشہود عرفہ کا دن ہے۔ ان قسموں کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ خندقوں والوں پر لعنت ہو۔ یہ کفار کی ایک قوم تھی جنہوں نے ایمانداروں کو مغلوب کر کے انہیں دین سے ہٹانا چاہا اور ان کے انکار پر زمین میں گڑھے کھود کر ان میں لکڑیاں بھر کر آگ بھڑکائی پھر ان سے کہا کہ اب بھی دین سے پلٹ جاؤ۔ ان اللہ والے لوگوں نے انکار کیا۔ اور ان نہ اللہ ترس کرنے والے کفار نے ان مسلمانوں کو اس بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈال دیا۔ اسی کو بیان کیا جاتا ہے کہ یہ لوگ ہلاک ہوئے۔ یہ ایندھن بھری بھڑکتی ہوئی آگ کی خندقوں کے کناروں پر بیٹھے ان مومنوں کے جلنے کا تماشا دیکھ رہے تھے۔ اور اس عدوات و عذاب کا سبب ان مومنوں کا کوئی قصور نہ تھا' انہیں تو صرف ان کی ایمانداری پر غضب و غصہ تھا۔ دراصل غلبہ رکھنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے اس کی پناہ میں آجانے والا کبھی برباد نہیں ہوتا وہ اپنے تمام اقوال و افعال شریعت اور تقدیر میں قابل تعریف ہے وہ اگر اپنے خاص بندوں کو کسی وقت کافروں کے ہاتھ سے تکلیف بھی پہنچادے اور اس کا راز کسی کو معلوم نہ ہو سکے تو نہ ہو لیکن دراصل وہ مصلحت و حکمت کی بنا پر ہی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے پاکیزہ اوصاف میں سے یہ بھی ہے کہ وہ زمینوں اور آسمانوں اور کل مخلوقات کا مالک ہے اور وہ ہر چیز کا حاضر ناظر ہے۔ کوئی چیز اس سے مخفی نہیں۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ اہل فارس کا ہے۔ ان کے بادشاہ نے یہ قانون جاری کرنا چاہا کہ محرمات ابدیہ یعنی ماں بہن بیٹی وغیرہ سب حلال ہیں' اس وقت کے علمائے کرام نے اس کا انکار کیا اور روکا۔ اس پر اس نے خندقیں کھدوا کر اس میں آگ جلا کر ان حضرات کو اس میں ڈال دیا۔ چنانچہ یہ اہل فارس آج تک ان عورتوں کو حلال ہی جانتے ہیں۔ یہ بھی مروی ہے کہ یہ لوگ یمنی تھے مسلمانوں میں اور کافروں میں لڑائی ہوئی۔ مسلمان غالب آگئے پھر دوسری لڑائی میں کافر غالب آگئے تو انہوں نے گڑھے کھدوا کر ایمان والوں کے جلادیا۔ یہ بھی مروی ہے کہ یہ واقعہ اہل حبش کا ہے۔ یہ بھی مروی ہے کہ یہ واقعہ بنی اسرائیل کا ہے۔ انہوں نے دانیال اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ یہ سلوک کیا تھا۔ اور اقوال بھی ہیں۔

گھائیوں والوں کا واقعہ: مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اگلے زمانہ میں ایک بادشاہ تھا اس کے ہاں جادوگر تھا۔ جب جادوگر بوڑھا ہوا تو اس نے بادشاہ سے کہا کہ اب میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور میری موت کا وقت آرہا ہے مجھے کسی بچے کو سونپ دو تو میں اسے جادو سکھادوں۔ چنانچہ ایک ذہین لڑکے کو وہ تعلیم دینے لگا۔ لڑکا اس کے پاس جاتا تو راستہ میں ایک راہب کا گھر پڑتا جہاں وہ عبادت میں اور کبھی وعظ میں مشغول ہوتا۔ یہ بھی کھڑا ہو جاتا اس کے طریق عبادت کو دیکھتا اور وعظ سنتا۔ آتے جاتے یہاں رک جایا کرتا تھا۔ جادوگر بھی مارتا اور ماں باپ بھی۔ کیونکہ وہاں بھی دیر میں پہنچتا اور یہاں بھی دیر میں آتا۔ ایک دن اس بچے نے راہب کے سامنے

اپنی یہ شکایت بیان کی۔ راہب نے کہا کہ جب جادوگر تجھ سے پوچھے کہ کیوں دیر لگ گئی؟ تو کہہ دینا کہ گھر والوں نے روک لیا تھا۔ اور گھر والے بگڑیں تو کہہ دینا کہ آج جادوگر نے روک لیا تھا یونہی ایک زمانہ گزر گیا کہ ایک طرف تو وہ جادو سیکھتا تھا۔ دوسری جانب کلام اللہ اور دین اللہ سیکھتا تھا۔ ایک دن یہ دیکھتا ہے کہ راستہ میں ایک زبردست ہیبت ناک جانور پڑا ہوا ہے' لوگوں کی آمد ورفت بند کر رکھی ہے۔ ادھر والے ادھر اور ادھر والے ادھر نہیں آ سکتے اور سب لوگ ادھر ادھر حیران و پریشان کھڑے ہیں۔ اس نے اپنے دل میں سوچا کہ آج موقعہ ہے کہ میں امتحان کرلوں کہ راہب کا دین اللہ کو پسند ہے یا جادوگر کا۔ اس نے ایک پتھر اٹھایا اور یہ کہہ کر اس پر پھینکا کہ اے اللہ! اگر تیرے نزدیک راہب کا دین اور اس کی تعلیم جادوگر کے امر سے زیادہ محبوب ہے تو تو اس جانور کو اس پتھر سے ہلاک کردے' تاکہ لوگوں کو اس بلا سے نجات ملے۔ پتھر کے لگتے ہی وہ جانور مر گیا اور لوگوں کا آنا جانا شروع ہو گیا۔ پھر جا کر راہب کو خبر دی اس نے کہا پیارے بچے! تو مجھ سے افضل ہے۔ اب اللہ کی طرف سے تیری آزمائش ہوگی اگر ایسا ہو تو تو کسی کو میری خبر نہ کرنا۔ اب اس بچے کے پاس حاجت مند لوگوں کا تانتا لگ گیا۔ اور اس کی دعا سے مادر زاد اندھے کوڑھی جذامی اور ہر قسم کے بیمار اچھے ہونے لگے۔ بادشاہ کے ایک نابینا وزیر کے کان میں بھی یہ آواز پڑی وہ بڑے تحفے تحائف لے کر حاضر ہوا۔ اور کہنے لگا کہ اگر تو مجھے شفا دے دے تو یہ سب میں تجھے دے دوں گا۔ اس نے کہا کہ شفا میرے ہاتھ نہیں۔ میں کسی کو شفا نہیں دے سکتا' شفا دینے والا تو اللہ وحدہ لاشریک لہ ہے۔ اگر تو اس پر ایمان لانے کا وعدہ کرے تو میں اس سے دعا کروں۔ اس نے اقرار کیا۔ بچے نے اس کے لیے دعا کی اللہ تعالیٰ نے اسے شفا دی وہ بادشاہ کے دربار میں آیا اور جس طرح اندھا ہونے سے پہلے کام کرتا تھا کرنے لگا اور آنکھیں بالکل روشن تھیں۔ بادشاہ نے متعجب ہو کر پوچھا کہ تجھے آنکھیں کس نے دیں؟ اس نے کہا میرے رب نے۔ بادشاہ نے کہا ہاں یعنی میں نے۔ وزیر نے کہا نہیں نہیں میرا اور تیرا رب اللہ ہے۔ بادشاہ نے کہا اچھا تو کیا میرے سوا تیرا کوئی اور رب بھی ہے۔ وزیر نے کہا ہاں میرا اور تیرا رب اللہ عزوجل ہے۔ اب اس نے اسے مار پیٹ شروع کر دی اور طرح طرح کی تکلیفیں اور ایذائیں پہنچانے لگا اور پوچھنے لگا تجھے یہ تعلیم کس نے دی؟ آخر اس نے بتادیا کہ اس بچے کے ہاتھ پر میں نے اسلام قبول کیا۔ اس نے اسے بلوایا' اور کہا اب تو تم جادو میں خوب کامل ہو گئے ہو کہ اندھوں کو دیکھنا اور بیماروں کو تندرست کرنے لگ گئے۔ اس نے کہا غلط ہے' نہ میں کسی کو شفا دے سکتا ہوں نہ جادو۔ شفا اللہ عزوجل کے ہاتھ میں ہے۔ کہنے لگا ہاں یعنی میرے ہاتھ میں ہے کیونکہ اللہ تو میں ہی ہوں۔ اس نے کہا ہرگز نہیں۔ کہا پھر کیا تو میرے سوا کسی اور کو رب مانتا ہے۔ تو وہ کہنے لگا ہاں میرا اور تیرا رب اللہ تعالیٰ ہے۔ اس نے اب اسے بھی طرح طرح کی سزائیں دینی شروع کیں یہاں تک کہ راہب کا پتہ لگالیا۔ راہب کو بلا کر اس سے کہا کہ تو اسلام کو چھوڑ دے اور اس دین سے پلٹ جا۔ اس نے انکار کیا تو بادشاہ نے آرے سے اسے چیر دیا اور ٹھیک دو ٹکڑے کر کے پھینک دیا۔ پھر اس نوجوان سے کہا کہ تو بھی دین سے پھر جا۔ اس نے بھی انکار کیا۔ تو بادشاہ نے حکم دیا کہ ہمارے سپاہی اسے فلاں فلاں پہاڑ پر لے جائیں اور اس کی بلند چوٹی پر پہنچ کر پھر اسے اس کے دین چھوڑ دینے کو کہیں۔ اگر مان لے تو اچھا ورنہ وہیں سے اسے لڑھکا دیں۔ چنانچہ یہ لوگ اسے لے گئے جب وہاں سے دھکا دینا چاہا تو اس نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا کی ﴿ اللّٰهُمَّ اكْفِنِيْهِمْ بِمَا شِئْتَ ﴾ ۔ اے اللہ جس طرح چاہ مجھے ان سے نجات دے۔ اس دعا کے ساتھ ہی پہاڑ ہلا اور وہ سب سپاہی لڑھک گئے صرف وہ بچہ ہی بچا رہا۔ وہاں سے وہ اترا اور ہنسی خوشی پھر اس ظالم بادشاہ کے پاس آ گیا۔ بادشاہ نے کہا کہ یہ کیا ہوا؟ میرے سپاہی کہاں ہیں۔ فرمایا میرے اللہ نے مجھے ان سے بچالیا۔ اس نے کچھ اور سپاہی بلوائے اور ان سے کہا کہ اسے کشتی میں بٹھا کر لے جاؤ اور بیچوں بیچ سمندر میں ڈبو کر چلے آؤ۔ یہ اسے لے کر چلے اور بیچ میں پہنچ کر جب سمندر میں پھینکنا چاہا تو اس نے پھر وہی دعا کی کہ بار الہا جس طرح چاہ مجھے ان سے بچا۔ موج اٹھی اور وہ سپاہی سارے کے سارے سمندر میں ڈوب گئے صرف وہ بچہ ہی باقی رہ گیا۔ یہ پھر بادشاہ کے پاس آیا اور کہا میرے رب نے مجھے ان سے بھی بچالیا۔ اے بادشاہ! تو چاہے تمام تر تدبیریں کر ڈال لیکن مجھے ہلاک نہیں کر سکتا۔ ہاں جس طرح میں کہوں اس طرح اگر کرے تو البتہ میری جان نکل جائے

گی۔ اس نے کہا کیا کروں؟ فرمایا تمام لوگوں کو ایک میدان میں جمع کر کے پھر کھجور کے تنے پر سولی چڑھا اور میرے ترکش میں سے ایک تیر نکال کر میری کمان پر چڑھا اور ﴿ بِسْمِ اللّٰهِ رَبِّ هٰذَا الْغُلَامِ ﴾ یعنی اس اللہ تعالیٰ کے نام سے جو اس بچے کا رب ہے' کہہ کر وہ تیر میری طرف پھینک وہ مجھے لگے گا اور اس سے میں مروں گا۔ چنانچہ بادشاہ نے یہی کیا تیر بچے کی کنپٹی میں لگا اس نے اپنا ہاتھ اس جگہ رکھ لیا اور شہید ہو گیا۔ اس کے اس طرح شہید ہوتے ہی لوگوں کو اس کے دین کی سچائی کا یقین آ گیا چو طرف سے یہ آوازیں آٹھنے لگیں کہ ہم سب اس بچے کے رب پر ایمان لا چکے۔ یہ حال دیکھ کر بادشاہ کے ساتھی بڑے گھبرائے اور بادشاہ سے کہنے لگے اس لڑکے کی ترکیب ہم تو سمجھے ہی نہیں۔ دیکھئے اس کا یہ اثر پڑا کہ یہ تمام لوگ اس کے مذہب پر ہو گئے۔ ہم نے تو اسی لیے اسے قتل کیا تھا کہ کہیں یہ مذہب پھیل نہ پڑے لیکن وہ ڈر تو سامنے ہی آ گیا اور سب مسلمان ہو گئے۔ بادشاہ نے کہا کہ اچھا یہ کرو کہ تمام محلوں اور راستوں میں خندقیں کھدواؤ ان میں لکڑیاں بھرواور ان میں آگ لگا دو۔ جو اس دین سے پھر جائے اسے چھوڑ دو اور جو نہ مانے اسے اس آگ میں ڈال دو۔ ان مسلمانوں نے صبر و سہار کے ساتھ آگ میں جلنا منظور کر لیا اور اس میں کود کود کر گرنے لگے۔ البتہ ایک عورت جس کی گود میں دودھ پیتا چھوٹا سا بچہ تھا وہ ذرا جھجکی تو اس بچہ کو اللہ تعالیٰ نے بولنے کی طاقت دی' اس نے کہا اماں کیا کر رہی ہو تم تو حق پر ہو صبر کرو اور اس میں کود پڑو۔ یہ حدیث مسند احمد میں بھی ہے اور صحیح مسلم کے آخر میں بھی ہے اور نسائی میں بھی قدرے اختصار کے ساتھ ہے۔

ترمذی کی حدیث میں ہے کہ حضرت صہیبؓ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ عصر کی نماز کے بعد عموماً زیر لب کچھ فرمایا کرتے تھے' تو آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ حضور! کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا نبیوں میں سے ایک نبی تھے جو اپنی امت پر فخر کرتے تھے' کہنے لگے ان کی دیکھ بھال کون کرے گا' تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ انہیں اختیار ہے خواہ اس بات کو پسند کریں کہ میں خود ان سے انتقام لوں خواہ اس بات کو پسند کریں کہ میں ان پر ان کے دشمنوں کو مسلط کر دوں۔ انہوں نے انتقام کو پسند کیا۔ چنانچہ ایک ہی دن میں ان میں سے ستر ہزار مر گئے اس کے ساتھ ہی آپ ﷺ نے یہ حدیث بھی بیان کی جو اوپر گزری۔ پھر آخیر میں آپ ﷺ نے' قتل سے مجید تک کی آیتوں کی تلاوت فرمائی۔ یہ نوجوان شہید دفن کر دیے گئے تھے۔ اور حضرت عمر بن خطابؓ کی خلافت کے زمانہ میں ان کی قبر سے انہیں نکالا گیا تھا۔ ان کی انگلی اسی طرح ان کی کنپٹی پر رکھی ہوئی تھی جس طرح بوقت شہادت تھی۔ امام ترمذیؒ اسے حسن غریب بتلاتے ہیں۔ لیکن اس روایت میں یہ صراحت نہیں کہ یہ واقعہ نبی ﷺ نے بیان فرمایا تو ممکن ہے کہ حضرت صہیب رومیؓ نے ہی اس واقعہ کو بیان فرمایا ہو' ان کے پاس نصرانیوں کی ایسی حکایتیں بہت ساری تھیں۔ واللہ اعلم۔

امام محمد بن اسحاق نے بھی اس قصہ کو دوسرے الفاظ میں بیان فرمایا ہے جو اس کے خلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ نجرانی لوگ بت پرست مشرک تھے۔ اور نجران کے پاس ایک چھوٹا سا گاؤں تھا۔ جس میں ایک جادوگر تھا نجرانیوں کو جادو سکھایا کرتا تھا۔ فیمون نامی ایک بزرگ عالم یہاں آئے اور نجران اور اس گاؤں کے درمیان انہوں نے اپنا پڑاؤ ڈالا۔ شہر کے لڑکے جو جادوگر سے جادو سیکھنے جایا کرتے تھے ان میں تاجر کا ایک لڑکا عبداللہ نامی تھا اسے آتے جاتے راہب کی عبادت اور اس کی نماز وغیرہ کے دیکھنے کا موقعہ ملتا۔ اس پر غور و خوض کرتا اور دل میں اس کے مذہب کی سچائی جگہ کرتی جاتی۔ پھر تو اس نے یہاں آنا جانا شروع کر دیا۔ اور مذہبی تعلیم بھی اس راہب سے لینے لگا۔ کچھ دنوں بعد اس مذہب میں داخل ہو گیا اور اسلام قبول کر لیا' توحید کا پابند ہو گیا اور ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے لگا اور علم دین اچھی طرح حاصل کر لیا۔ وہ راہب اسم اعظم بھی جانتا تھا۔ اس نے ہر چند خواہش کی کہ اسے بتا دے لیکن اس نے نہ بتایا اور کہہ دیا کہ ابھی تم میں اس کی صلاحیت نہیں آئی تم ابھی کمزور دل والے ہو اس کی طاقت میں تم میں نہیں پاتا۔ عبداللہ کے باپ تامر کو اپنے بیٹے کے مسلمان ہو جانے کی مطلق خبر نہ تھی۔ وہ تو اپنے نزدیک یہ سمجھ رہا تھا کہ میرا بیٹا جادو سیکھ رہا ہے اور وہیں آتا جاتا رہتا ہے۔ عبداللہ نے جب دیکھا کہ راہب مجھے اسم اعظم نہیں سکھاتے اور انہیں میری کمزوری کا خوف ہے تو ایک دن انہوں نے تیر لیے اور جتنے نام اللہ

تبارک و تعالیٰ کے انہیں یاد تھے ہر ہر تیر پر ایک ایک نام لکھا پھر آگ جلا کر بیٹھ گئے اور ایک ایک تیر کو اس میں ڈالنا شروع کیا جب وہ تیر آیا جس پر اسم اعظم تھا تو وہ آگ میں پڑتے ہی اچھل کر باہر نکل آیا اور اس پر آگ نے بالکل اثر نہ کیا۔ سمجھ لیا کہ یہی اسم اعظم ہے۔ اپنے استاد کے پاس آئے اور کہا حضرت اسم اعظم کا علم مجھے ہو گیا۔ استاد نے پوچھا بتاؤ کیا ہے۔ اس نے بتایا۔ راہب نے پوچھا کیسے معلوم ہوا۔ تو اس نے سارا واقعہ کہہ سنایا۔ تو فرمایا کہ بھائی تم نے خوب معلوم کر لیا واقعی یہی اسم اعظم ہے اسے اپنے ہی تک رکھو لیکن مجھے ڈر ہے کہ تم کھل جاؤ گے۔ ان کی یہ حالت ہوئی کہ یہ نجران میں آئے یہاں جس بیمار پر جس دکھی پر جس ستم رسیدہ پر نظر پڑی اس سے کہا کہ اگر تم موحد بن جاؤ اور دین اسلام قبول کر لو تو میں اپنے رب سے دعا کرتا ہوں' وہ تمہیں شفا اور نجات دے دے گا اور دکھ بلا کو ٹال دیگا۔ وہ اسے قبول کر لیتا یہ اسم اعظم کے ساتھ دعا کرتے اللہ تعالیٰ اسے بھلا چنگا کر دیتا۔ اب نجرانیوں کے ٹھٹھ لگنے لگے اور جماعت کی جماعت روزانہ مشرف باسلام اور فائز المرام ہونے لگی۔ آخر بادشاہ کو اس کا علم ہوا اس نے اسے بلا کر دھمکایا کہ تو نے میری رعیت کو بگاڑ دیا اور میرے اور میرے باپ دادوں کے مذہب پر حملہ کیا میں اس کی سزا میں تیرے ہاتھ پاؤں کاٹ کر تجھے چورنگ کرادوں گا۔ عبداللہ بن تامر نے جواب دیا کہ تو ایسا نہیں کر سکتا۔ اب بادشاہ نے اسے پہاڑ پر سے گرا دیا لیکن وہ نیچے آکر صحیح سلامت رہا۔ سارے جسم پر کہیں چوٹ بھی نہ آئی۔ نجران کے ان طوفان خیز دریاؤں میں گرداب کی جگہ انہیں ڈالا جہاں سے کوئی بچ نہیں سکتا' لیکن یہ وہاں سے بھی صحت و سلامتی کے ساتھ واپس آ گئے۔ غرض ہر طرح عاجز آ گیا تو پھر حضرت عبداللہ بن تامر نے فرمایا کہ اے بادشاہ سن! تو میرے قتل پر کبھی قادر نہ ہو گا یہاں تک کہ تو اس دین کو مان لے جسے میں مانتا ہوں' اور ایک اللہ کی عبادت کرنے لگے اگر تو یہ کر لے گا تو پھر تو مجھے قتل کر سکتا ہے۔ بادشاہ نے ایسا ہی کیا۔ اس نے حضرت عبداللہ کا بتلایا ہوا کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو کر جو لکڑی اس کے ہاتھ میں تھی اس سے حضرت عبداللہ کو مارا جس سے کچھ یونہی سے کھرچ آئی اور اسی سے وہ شہید ہو گئے۔ اللہ ان سے خوش ہو اور اپنی خاص رحمتیں انہیں عنایت فرمائے۔ ان کے ساتھ ہی بادشاہ بھی مر گیا۔ اس واقعہ نے لوگوں کے دلوں میں یہ بات پیوست کر دی کہ دین ان کا ہی سچا ہے۔ چنانچہ نجران کے تمام لوگ مسلمان ہو گئے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سچے دین پر قائم ہو گئے۔ اور وہی مذہب اس وقت برحق تھا۔ ابھی تک حضور ﷺ نبی بن کر دنیا میں آئے نہ تھے لیکن پھر ایک زمانہ کے بعد ان میں بدعتیں پیدا ہونے لگیں اور پھیل گئیں اور دین حق کا نور چھن گیا۔ غرض نجران میں عیسائیت کے پھیلنے کا اصلی سبب یہ تھا۔ ایک زمانہ کے بعد ذونواس یہودی نے اپنے لشکر لے کر ان نصرانیوں پر چڑھائی کی اور غالب آ گیا پھر ان سے کہا یا تو یہودیت قبول کر لو یا موت۔ انہوں نے قتل ہونا منظور کیا۔ اس نے خندقیں کھدوا کر آگ سے پر کر کے ان کو جلا دیا۔ بعضوں کو قتل بھی کیا۔ بعضوں کے ہاتھ پاؤں ناک کان کاٹ دیے وغیرہ۔

تقریباً بیس ہزار مسلمانوں کو اس سرکش نے قتل کیا۔ اسی کا ذکر آیت ﴿ قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ﴾ میں ہے۔ ذونواس کا نام زرعہ تھا اس کی بادشاہت کے زمانہ میں اسے یوسف کہا جاتا تھا۔ اس کے باپ کا نام بیان اسعد ابی کریب تھا جو تبع ہے جس نے مدینہ میں غزوہ کیا اور کعبہ کو پردہ چڑھایا اس کے ساتھ دو یہودی عالم تھے۔ یمن والے ان ہی کے ہاتھ پر یہودی مذہب میں داخل ہوئے۔ ذونو اس نے ایک ہی دن میں صرف صبح کے وقت ان کھائیوں میں بیس ہزار ایمان والوں کو قتل کیا۔ ان میں سے صرف ایک ہی شخص بچ نکلا جس کا نام دوس ذی ثعلبان تھا یہ گھوڑے پر بھاگ کھڑا ہوا۔ گو اس کے پیچھے بھی گھوڑے سوار دوڑائے لیکن یہ ہاتھ نہ لگا۔ یہ سیدھا شاہ روم قیصر کے پاس گیا اس نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کو لکھا۔ چنانچہ دوس وہاں سے حبشہ کے نصرانیوں کا لشکر لے کر یمن آیا اس کے سردار ارباط اور ابرہہ تھے۔ یہودی مغلوب ہوئے یمن یہودیوں کے ہاتھ سے نکل گیا۔ ذونواس بھاگ نکلا لیکن وہ پانی میں غرق ہو گیا۔ پھر ستر سال تک یہاں حبشہ کے نصرانیوں کا قبضہ رہا۔ بالآخر سیف بن ذی یزن حمیری نے فارس کے بادشاہ سے امدادی فوجیں اپنے ساتھ لیں اور سات سو قیدی لوگوں سے اس پر چڑھائی کر کے فتح حاصل کی اور پھر سلطنت حمیری قائم کی۔ اس کا کچھ بیان سورہ فیل میں بھی آئے گا

انشاء اللہ تعالیٰ۔

سیرت ابن اسحٰق میں ہے کہ ایک نجرانی نے حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ میں نجران کی ایک بنجر غیر آباد زمین اپنے کسی کام کے لیے کھودی تو دیکھا کہ حضرت عبداللہ بن تامرؒ کا جسم اس میں ہے۔ آپ بیٹھے ہوئے ہیں' سر پر جس جگہ چوٹ آئی تھی وہیں ہاتھ ہے۔ ہاتھ اگر ہٹاتے ہیں تو خون بہنے لگتا ہے۔ پھر ہاتھ کو چھوڑ دیتے ہیں تو ہاتھ اپنی جگہ چلا جاتا ہے اور خون تھم جاتا ہے۔ ہاتھ کی ایک انگلی میں انگوٹھی ہے جس پر ربی اللہ لکھا ہوا ہے یعنی میرا رب اللہ ہے۔ چنانچہ اس واقعہ کی اطلاع قصر خلافت میں دی گئی۔ یہاں سے حضرت فاروق اعظمؓ کا فرمان گیا کہ اسے یونہی رہنے دو اور اوپر سے مٹی وغیرہ جو ہٹائی ہے وہ ڈال کر جس طرح تھا اسی طرح بے نشان کر دو' چنانچہ یہی کیا گیا۔ ابن ابی الدنیاؒ نے لکھا ہے کہ جب حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے اصبہان فتح کیا تو ایک دیوار دیکھی کہ وہ گر پڑی ہے حکم پر بنادی گئی لیکن پھر گر پڑی' پھر بنوائی پھر گر پڑی۔ آخر معلوم ہوا کہ اس کے نیچے کوئی نیک بخت شخص مدفون ہیں جب زمین کھودی گئی تو دیکھا کہ ایک شخص کا جسم کھڑا ہوا ہے۔ ساتھ ہی ایک تلوار ہے جس پر لکھا ہے ''میں حارث بن مضاض ہوں جس نے کھائیوں والوں سے انتقام لیا''۔

حضرت ابو موسیٰؓ نے اس لاش کو نکال لیا اور وہاں دیوار کھڑی کرادی جو برابر رہی۔ میں کہتا ہوں یہ حارث ابن مضاض بن عمرو جرہمی ہے جو کعبۃ اللہ کے متولی ہوئے تھے۔ ثابت ابن اسمٰعیل بن ابراہیم کی اولاد کے بعد اس کا لڑکا عمرو بن حارث ابن مضاض تھا جو مکہ میں جرہم خاندان کا آخری بادشاہ تھا۔ جس وقت کہ خزاعہ قبیلے نے انہیں یہاں سے نکالا اور یمن کی طرف جلاوطن کیا یہی وہ شخص ہے جس نے پہلے پہلے عرب میں شعر کہا جس شعر میں اوجڑ مکہ کو اپنا آباد کرنا اور زمانہ کے ہیر پھیر سے پھر وہاں سے نکالا جانا اس نے بیان کیا ہے۔ اس واقعہ سے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ قصہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے کچھ زمانہ بعد کا اور بہت پرانا ہے جو کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے تقریباً پانچ سو سال کے بعد کا معلوم ہوتا ہے لیکن ابن اسحٰق کی اس مطول روایت سے جو پہلے گزری یہ ثابت ہو رہا ہے کہ یہ قصہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کا اور حضرت محمد ﷺ سے پہلے کا ہے۔ زیادہ ٹھیک بھی یہی معلوم ہوتا ہے' واللہ اعلم۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ واقعہ دنیا میں کئی بار ہوا ہو۔ جیسے ابن ابی حاتم کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبدالرحمن بن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ تبع کے زمانہ میں یمن میں خندقیں کھدوائی گئی تھیں اور قسطنطین کے زمانہ میں قسطنطنیہ میں بھی مسلمانوں کو یہی عذاب کیا گیا تھا۔ جب کہ نصرانیوں نے اپنا قبلہ بدل دیا دین مسیح میں بدعتیں ایجاد کر لیں توحید کو چھوڑ بیٹھے تو اس وقت جو سچے دیندار تھے انہوں نے ان کا ساتھ نہ دیا اور اصلی دین پر قائم رہے تو ان ظالموں نے خندقیں آگ سے پر کرا کر انہیں جلا دیا۔ اور یہی واقعہ بابل کی زمین پر عراق میں بخت نصر کے زمانہ میں ہوا جس نے ایک بت بنالیا تھا اور لوگوں سے اسے سجدہ کراتا تھا' حضرت دانیال اور ان کے دونوں ساتھی عزریا اور میشائیل نے اس سے انکار کیا تو اس نے انہیں اس آگ کی خندق میں ڈال دیا۔ اللہ تعالیٰ نے آگ کو ان پر ٹھنڈا کر دیا انہیں سلامتی عطا فرمائی۔ صاف نجات دی اور ان سرکش کافروں کو ان خندقوں میں ڈال دیا۔ یہ نو قبیلے تھے سب جل کر خاک ہو گئے۔ سدیؒ فرماتے ہیں تین جگہ یہ معاملہ ہوا۔ عراق میں' شام میں اور یمن میں۔

مقاتلؒ فرماتے ہیں کہ خندقیں تین جگہ تھیں' ایک تو یمن کے شہر نجران میں' دوسری شام میں' تیسری فارس میں۔ شام میں اس کا بانی انطنانوس رومی تھا' اور فارس میں بخت نصر اور زمین عرب پر یوسف ذونواس شام اور فارس کی خندقوں کا ذکر قرآن میں نہیں' یہ ذکر نجران کا ہے۔ حضرت ربیع بن انسؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے سنا ہے فترۃ کے زمانہ میں یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور پیغمبر آخر الزمان ﷺ کے درمیانی زمانہ میں ایک قوم تھی انہوں نے جب دیکھا کہ لوگ فتنے اور شر میں گرفتار ہو گئے ہیں اور گروہ گروہ بن گئے ہیں اور ہر گروہ اپنے خیالات میں خوش ہے تو ان لوگوں نے انہیں چھوڑ دیا۔ اور یہاں سے ہجرت کر کے الگ ایک جگہ بنا کر وہیں رہنا سہنا شروع کیا اور اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ عبادت میں یکسوئی کے ساتھ مشغول ہو گئے' نمازوں کی پابندی' زکوتوں کی ادائیگی میں لگ گئے اور ان سے الگ

تھلگ رہنے لگے۔ یہاں تک کہ ایک سرکش بادشاہ کو اس اللہ والی جماعت کا پتہ لگ گیا۔ اس نے ان کے پاس اپنے آدمی بھیجے اور انہیں سمجھایا کہ تم بھی ہمارے ساتھ مل جاؤ اور بت پرستی شروع کر دو۔ ان سب نے بالکل انکار کیا کہ ہم سے یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ وحدہ لاشریک لہ کے سوا کسی اور کی بندگی کریں۔ بادشاہ نے کہلوایا کہ اگر تمہیں یہ منظور نہیں تو میں تمہیں قتل کراؤں گا۔ جواب ملا کہ جو چاہو کرو لیکن ہم سے دین نہیں چھوڑا جائے گا۔ اس ظالم نے خندقیں کھدوائیں آگ جلوائی اور ان سب مردوں عورتوں بچوں کو جمع کیا اور ان خندقوں کے کنارے کھڑا کر کے کہا بولو یہ آخری سوال وجواب ہے۔ آیا بت پرستی قبول کرتے ہو یا آگ میں گرنا قبول کرتے ہو۔ انہوں نے کہا ہمیں جل مرنا منظور ہے۔ لیکن چھوٹے چھوٹے بچوں نے چیخ پکار شروع کر دی۔ بڑوں نے انہیں سمجھایا کہ بس آج کے بعد آگ نہیں۔ نہ گھبراؤ اور اللہ کا نام لے کر کود پڑو۔ چنانچہ سب کے سب کود پڑے۔ انہیں آنچ بھی نہیں لگنے پائی تھی کہ اللہ نے ان کی روحیں قبض کر لیں اور آگ خندقوں سے باہر نکل پڑی اور ان بدکردار سرکشوں کو گھیر لیا اور جتنے بھی تھے سارے کے سارے جلا دیئے گئے۔ اس کی خبر ان آیتوں قتل الخ میں ہے۔ تو اس بنا پر فتنوا کے معنے ہوئے کہ جلایا۔ تو فرماتا ہے کہ ان لوگوں نے مسلمان مردوں عورتوں کو جلا دیا ہے اگر انہوں نے توبہ نہ کی یعنی اپنے اس فعل سے باز نہ آئے اپنے اس کئے پر نادم نہ ہوئے تو ان کے لیے جہنم ہے اور جلنے کا عذاب ہے تاکہ بدلہ بھی ان کے عمل جیسا ہو۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بزرگ و برتر کے کرم و رحم اس کی مہربانی اور عنایت کو دیکھو کہ جن بدکاروں نے اس کے پیارے بندوں کو ایسے بدترین عذابوں سے مارا انہیں بھی وہ توبہ کرنے کو کہتا ہے اور ان سے بھی مغفرت اور بخشش کا وعدہ کرتا ہے۔ اے اللہ ہمیں بھی اپنی وسیع رحمتوں سے بھرپور حصہ عطا فرما' آمین

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۚ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيرُ ﴿١١﴾ إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ ﴿١٢﴾ إِنَّهُ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيدُ ﴿١٣﴾ وَهُوَ الْغَفُورُ الْوَدُودُ ﴿١٤﴾ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدُ ﴿١٥﴾ فَعَّالٌ لِمَا يُرِيدُ ﴿١٦﴾ هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْجُنُودِ ﴿١٧﴾ فِرْعَوْنَ وَثَمُودَ ﴿١٨﴾ بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي تَكْذِيبٍ ﴿١٩﴾ وَاللَّهُ مِنْ وَرَائِهِمْ مُحِيطٌ ﴿٢٠﴾ بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَجِيدٌ ﴿٢١﴾ فِي لَوْحٍ مَحْفُوظٍ ﴿٢٢﴾

ع ۱۰

بے شک ایمان قبول کرنے والوں اور نیک کام کرنے والوں کے لیے وہ باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں' یہی بڑی کامیابی ہے' یقیناً تیرے رب کی پکڑ بڑی سخت ہے۔ وہی پہلی مرتبہ پیدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ پیدا کرے گا' وہ بڑا بخشش کرنے والا اور بہت محبت کرنے والا ہے۔ عرش کا مالک عظمت والا ہے۔ جو چاہے اسے کر گزرنے والا ہے' تجھے لشکروں کی خبر بھی ملی ہے۔ یعنی فرعون اور ثمود کی' کچھ نہیں بلکہ کافر تو جھٹلانے میں پڑے ہوئے ہیں' اللہ تعالیٰ بھی انہیں ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے' بلکہ یہ قرآن ہے بڑی شان والا' لوح محفوظ میں لکھا ہوا۔

جنت کی نہریں: اپنے دشمنوں کا انجام بیان کر کے اپنے دوستوں کا نتیجہ بیان فرما رہا ہے کہ ان کے لیے جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ ان جیسی کامیابی اور کسے ملے گی۔ پھر فرماتا ہے کہ تیرے رب کی پکڑ بڑی سخت ہے۔ وہ اپنے ان دشمنوں کو جو اس کے رسولوں کو جھٹلاتے رہے اور اسکی نافرمانیوں میں لگے رہے سخت تر قوت کے ساتھ اس طرح پکڑے گا کہ کوئی راہ نجات ان کے لیے باقی نہ رہے۔ وہ بڑی قوتوں والا ہے۔ جو چاہا کیا' جو کچھ چاہتا ہے وہ ایک لمحہ میں ہو جاتا ہے اس کی قدرتوں اور طاقتوں کو دیکھو کہ اس نے تمہیں

پہلے بھی پیدا کیا اور پھر بھی مار ڈالنے کے بعد دوبارہ پیدا کر دے گا نہ اسے کوئی روکے نہ آگے آئے نہ سامنے پڑے۔ وہ اپنے بندوں کے گناہوں کو معاف کرنے والا ہے بشرطیکہ وہ اس کی طرف جھکیں اور توبہ کریں اور اس کے سامنے ناک رگڑیں۔ پھر چاہے کیسی ہی خطائیں ہوں ایک دم میں سب معاف ہو جاتی ھیں۔ اپنے بندوں سے وہ پیار و محبت رکھتا ہے' وہ عرش والا ہے جو عرش تمام مخلوق سے بلند و بالا ہے اور تمام خلائق کے اوپر ہے۔ مجید کی دو قرائتیں ہیں۔ دال کا پیش بھی اور دال کا زیر بھی۔ پیش کے ساتھ وہ اللہ کی صفت بن جائے گا اور زیر کے ساتھ عرش کی صفت ہے۔ معنے دونوں کے بالکل صحیح اور درست بیٹھتے ہیں۔ وہ جس کام کا جب ارادہ کرے کرنے پر قدرت رکھتا ہے۔ اس کی عظمت' عدالت' حکمت کی بناء پر نہ کوئی اسے روک سکے نہ اس سے پوچھ سکے۔ حضرت صدیق اکبرؓ سے ان کی اس بیماری میں جس میں آپ کا انتقال ہوتا ہے' لوگ کہتے ہیں کہ کسی طبیب نے بھی آپ کو دیکھا۔ فرمایا ہاں۔ پوچھا پھر کیا جواب دیا۔ فرمایا کہ جواب دیا ﴿ اِنِّیْ فَعَّالٌ لِمَا یُرِیْدُ ﴾ ۔ پھر فرماتا ہے کہ کیا تجھے خبر بھی ہے کہ فرعونیوں اور ثمودیوں پر کیا کیا عذاب آئے۔ اور کوئی ایسا نہ تھا کہ ان کی کسی طرح مدد کر سکتا اور نہ کوئی اس عذاب کو ہٹا سکا۔ مطلب یہ ہے کہ اس کی پکڑ سخت ہے۔ جب وہ کسی ظالم کو پکڑتا ہے تو دردناکی اور سختی سے بڑی زبردست پکڑ پکڑتا ہے۔

فائدہ: ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لے جا رہے تھے کہ آپ نے سنا کوئی بیوی صاحبہ قرآن پاک کی یہ آیت پڑھ رہی ہیں۔ ﴿ هَلْ اَتٰكَ حَدِیْثُ الْجُنُوْدِ ﴾ آپ ﷺ کھڑے رہ گئے اور کان لگا کر سنتے رہے اور فرمایا ﴿ نَعَمْ قَدْ جَآءَ نِیْ ﴾ یعنی ہاں میرے پاس وہ خبریں آگئیں۔ یعنی قرآن کی اس آیت کا جواب دیا کہ کیا تجھے فرعونیوں اور ثمودیوں کی خبر پہنچی ہے؟ پھر فرمایا کہ بلکہ کافر شک و شبہ میں کفر و سرکشی میں ہیں۔ اور اللہ ان پر قادر اور غالب ہے نہ یہ اس سے گم ہو سکیں نہ اسے عاجز کر سکیں۔ بلکہ یہ قرآن عزت و کرامت والا ہے وہ لوح محفوظ کا نوشتہ ہے۔ بلند مرتبہ فرشتوں میں ہے۔ زیادتی کمی سے پاک اور سر تاپا محفوظ ہے نہ اس میں تبدیلی ہو نہ تحریف۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ یہ لوح محفوظ حضرت اسرافیل علیہ السلام کی پیشانی پر ہے۔ عبدالرحمٰن بن سلمانؒ فرماتے ہیں کہ دنیا میں جو کچھ ہوا' ہو رہا ہے اور ہوگا وہ سب لوح محفوظ میں موجود ہے اور لوح محفوظ حضرت اسرافیل علیہ السلام کی دونوں آنکھوں کے سامنے ہے۔ لیکن جب تک انہیں اجازت نہ ملے وہ اسے دیکھ نہیں سکتے۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ لوح محفوظ کی پیشانی پر یہ عبارت ہے "کوئی معبود نہیں بجز اللہ تعالیٰ کے' وہ اکیلا ہے' اس کا دین اسلام ہے' محمد اس کے بندے ہیں اور اس کے رسول ہیں ﷺ جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اس کے وعدے کو سچا جانا' اس کے رسولوں کی تابعداری کرے اللہ جل جلالہ اسے جنت میں داخل کرے گا"۔ فرماتے ہیں کہ یہ لوح سفید موتی کی ہے۔ اس کا طول آسمان و زمین کے درمیان کے برابر ہے اور اس کی چوڑائی مشرق و مغرب کے برابر ہے۔ اس کے دونوں کنارے موتی اور یاقوت کے ہیں۔ اس کے دونوں پٹھے سرخ یاقوت کے ہیں۔ اس کا قلم نور ہے۔ اس کا کلام عرش کے ساتھ وابستہ ہے۔ اس کی اصل فرشتہ کی گود میں ہے۔ مقاتلؒ فرماتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کے عرش کے دائیں طرف ہے۔ طبرانی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ کو سفید موتی سے پیدا کیا اس کے صفحے سرخ یاقوت کے ہیں۔ اس کا قلم نور کا ہے۔ اس کی کتابت نور ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر دن تین سو ساٹھ مرتبہ اسے دیکھتا ہے' وہ پیدا کرتا ہے' روزی دیتا ہے' مارتا ہے' جلاتا ہے' عزت دیتا ہے' ذلت دیتا ہے' اور جو چاہے کرتا ہے۔ الحمدللہ سورۂ بروج کی تفسیر ختم ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں نیک عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

تفسیر سورۂ طارق مکیہ

تعارف سورت: مسند احمد میں ہے کہ خالد بن ابو جبلؓ عدوانی نے ثقیف قبیلے کی مشرق جانب رسول اللہ ﷺ کو لکڑی یا کمان پر

ٹیک لگائے ہوئے اس پوری سورۃ کو پڑھتے سنا جب کہ آپ لوگوں سے مدد طلب کرنے کے لیے یہاں آئے تھے۔ حضرت خالدؓ نے اسے یاد کر لیا جب یہ ثقیف کے پاس آئے تو ثقیف نے ان سے پوچھا یہ کیا کہہ رہے ہیں' یہ بھی اس وقت مشرک تھے۔ انہوں نے بیان کیا تو جو قریش وہاں تھے جلدی سے بول پڑے کہ اگر یہ حق ہوتا تو کیا اب تک ہم نہ مان لیتے۔ نسائی میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ حضرت معاذؓ نے مغرب کی نماز میں سورۂ بقرہ یا سورۂ نساء پڑھی تو حضور ﷺ نے فرمایا' اے معاذ! کیا تو فتنے میں ڈالنے والا ہے؟ کیا تجھے یہ کافی نہ تھا کہ ﴿ وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ اور وَالشَّمْسِ وَ ضُحٰهَا ﴾ اور ایسی ہی سورتیں پڑھ لیتا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ۝١ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ۝٢ النَّجْمُ الثَّاقِبُ ۝٣ اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ۝٤ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۝٥ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ۝٦ يَّخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ۝٧ اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ ۝٨ يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ ۝٩ فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّ لَا نَاصِرٍ ۝١٠

بخشش کرنے والے مہربان اللہ کے نام سے شروع

قسم ہے آسمان کی اور اندھیرے میں روشن ہونے والے کی' تجھے معلوم بھی ہے کہ وہ رات کو نمودار ہونے والی چیز کیا ہے؟ وہ روشن ستارہ ہے۔ کوئی ایسا نہیں جس پر نگہبان فرشتہ نہ ہو' انسان کو دیکھنا چاہیے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے' وہ ایک اچھلتے پانی سے پیدا کیا گیا ہے' جو پیٹھ اور سینے کے درمیان سے نکلتا ہے' بے شک وہ اسے پھیر لانے پر یقیناً قدرت رکھنے والا ہے' جس دن پوشیدہ بھید کھل پڑیں گے' تو نہ کوئی زور چلے نہ کوئی مددگار ہو

ستاروں کی قسم: اللہ تعالیٰ آسمانوں کی اور ان کے روشن ستاروں کی قسم کھاتا ہے۔ طارق کی تفسیر چمکتے تارے سے کی ہے' وجہ یہ ہے کہ دن کو چھپے رہتے ہیں اور رات کو ظاہر ہو جاتے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا کہ کوئی اپنے گھر رات کے وقت بے خبر آ جائے۔ یہاں بھی لفظ طروق ہے۔ آپ ﷺ کی ایک دعا میں بھی طارق کا لفظ آیا ہے ثاقب کہتے ہیں چمکیلے اور روشنی والے کو جو شیطان پر گرتا ہے اور اسے جلا دیتا ہے ہر شخص پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک محافظ مقرر ہے جو اسے آفات سے بچاتا ہے جیسے اور جگہ ہے ﴿ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ﴾ آگے پیچھے سے باری باری آنے والے فرشتے مقرر ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے بندے کی حفاظت کرتے ہیں پھر انسان کی ضعیفی کا بیان ہو رہا ہے کہ دیکھو تو اس کی اصل کیا ہے؟ اور گویا اس میں نہایت باریکی کے ساتھ قیامت کا یقین دلایا گیا ہے کہ جو ابتدائی پیدائش پر قادر ہے وہ لوٹانے پر قادر کیوں نہ ہوگا۔

جیسے فرمایا ﴿ هُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ﴾ یعنی جس نے پہلے پیدا کیا وہی دوبارہ لوٹائے گا اور یہ اس پر بہت ہی آسان ہے۔ انسان اچھلنے والے پانی یعنی عورت مرد کی منی سے پیدا کیا گیا ہے جو مرد کی پیٹھ سے اور عورت کی چھاتی سے نکلتی ہے۔ عورت کا یہ پانی زرد رنگ اور پتلا ہوتا ہے اور دونوں سے بچہ کی پیدائش ہوتی ہے تریبہ کہتے ہیں ہار کی جگہ کو۔ مونڈھوں سے لے کر سینے تک کو بھی کہا گیا ہے۔ اور نرخرے سے نیچے کو بھی کہا گیا ہے۔ اور چھاتیوں کے اوپر کے حصے کو بھی کہا گیا ہے اور نیچے کی طرف چار پسلیوں کو بھی کہا گیا ہے۔ اور دونوں چھاتیوں اور دونوں پیروں اور دونوں آنکھوں کے درمیان کو بھی کہا گیا ہے۔ دل کے نچوڑ کو بھی کہا

گیا ہے۔ سینہ اور پیٹھ کے درمیان کو بھی کہا جاتا ہے۔ وہ اس کے لوٹانے پر قادر ہے یعنی نکلے ہوئے پانی کو اس کی جگہ واپس پہنچا دینے پر۔ اور یہ مطلب کہ اسے دوبارہ پیدا کر کے آخرت کی طرف لوٹانے پر بھی۔ پچھلا قول ہی اچھا ہے۔ اور یہ دلیل کئی مرتبہ بیان ہو چکی ہے۔

پھر فرمایا کہ قیامت کے دن پوشیدگیاں کھل جائیں گی' راز ظاہر ہو جائیں گے' بھید آشکارا ہو جائیں گے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ہر غدار (عہد شکن وخائن) کی رانوں کے درمیان اس کے غدر (عہد شکنی) کا جھنڈا گاڑ دیا جائے گا اور اعلان ہو جائے گا کہ یہ فلاں بن فلاں کی غداری (عہد شکنی یا خیانت) ہے۔ اس دن نہ تو خود انسان کو کوئی قوت حاصل ہو گی نہ اس کا مددگار کوئی اور کھڑا ہو گا۔ یعنی نہ تو خود اپنے آپ کو عذابوں سے بچا سکے گا نہ کوئی اور ہو گا جو اسے اللہ تعالیٰ کے عذابوں سے بچا سکے۔

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ﴿۱۱﴾ وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ﴿۱۲﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ﴿۱۳﴾ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ﴿۱۴﴾ اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ﴿۱۵﴾ وَّاَكِيْدُ كَيْدًا ﴿۱۶﴾ فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ﴿۱۷﴾

بارش والے آسمان کی قسم' اور پھٹنے والی زمین کی قسم' بے شک یہ قرآن البتہ دوٹوک فیصلہ کرنے والا کلام ہے' یہ ہنسی کی اور بے فائدہ بات نہیں' البتہ کافر داؤں گھات میں ہیں۔ اور میں بھی داؤں کر رہا ہوں' تو کافروں کو مہلت دے' انہیں تھوڑے دنوں چھوڑ دے۔

قرآن کے فیصلے برحق ہیں: رجع کے معنے بارش کے' بادل بارش والے کے' برسنے کے' ہر سال بندوں کی روزی لوٹانے کے جس کے بغیر یہ اور ان کے جانور ہلاک ہو جائیں' سورج اور چاند اور ستاروں کے ادھر ادھر لوٹنے کے مروی ہیں۔ زمین پھٹتی ہے' دانے گھاس چارہ نکلتا ہے۔ یہ قرآن حق ہے' عدل کا حکم ہے یہ کوئی بے کار قصہ باتیں نہیں۔ کافر اسے جھٹلاتے ہیں' اللہ کی راہ سے لوگوں کو روکتے ہیں۔ طرح طرح کے مکر و فریب سے لوگوں کو خلاف قرآن پر اکساتے ہیں۔ تو اے نبی! انہیں ذرا سی ڈھیل دے پھر عنقریب دیکھ لے گا کہ کیسے کیسے بدترین عذابوں میں یہ پکڑے جاتے ہیں جیسے اور جگہ ہے ﴿ نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴾ یعنی ہم انہیں کچھ یونہی سا فائدہ دیں گے پھر نہایت سخت عذاب کی طرف انہیں بے بس کر دیں گے۔

الحمد للہ سورۂ طارق کی تفسیر ختم ہوئی۔

تفسیر سورۂ اعلیٰ مکیہ

تعارف سورت: اس سورۂ کے مکی ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے جو صحیح بخاری میں ہے۔ حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ اصحاب رسول اللہ ﷺ میں سب سے پہلے ہمارے پاس حضرت مصعب بن عمیرؓ اور حضرت ابن ام مکتومؓ آئے ہمیں قرآن پڑھانا شروع کیا۔ پھر حضرت عمارؓ حضرت بلالؓ حضرت سعدؓ آئے۔ پھر حضرت عمر بن خطابؓ اپنے ساتھ بیس صحابیوں کو لے کر آئے پھر حضور ﷺ تشریف لائے' میں نے نہیں دیکھا کہ اہل مدینہ کسی چیز پر اس قدر خوش ہوئے ہوں جیسے اس پر خوش ہوئے یہاں تک کہ چھوٹے چھوٹے بچے اور نابالغ لڑکے بھی پکار اٹھے کہ یہ ہیں رسول اللہ ﷺ آپ تشریف لائے آپ ﷺ کے آنے سے پہلے ہی میں نے یہ سورۂ سبح اسم اسی جیسی اور سورتوں کے ساتھ یاد کر لی تھی۔ مسند احمد میں ہے کہ حضور ﷺ کو یہ سورۃ بہت محبوب تھی۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت معاذؓ سے فرمایا کہ تو نے سورۂ ﴿ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى ﴾ اور ﴿ وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ﴾ اور ﴿ وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ﴾ کے ساتھ نماز کیوں نہ پڑھائی؟

مسند احمد میں مروی ہے کہ حضور رسول اللہ حضرت محمد ﷺ ﴿ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى ﴾ اور ﴿ هَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ﴾

دونوں عید کی نمازوں میں پڑھا کرتے تھے اور جمعہ والے دن اگر عید ہوتی تو عید میں اور جمعہ میں دونوں میں انہی دونوں سورتوں کو پڑھتے۔ یہ حدیث صحیح مسلم میں بھی ہے' ابو داؤد ترمذی اور نسائی میں بھی ہے۔ ابن ماجہ وغیرہ میں بھی مروی ہے۔ مسند احمد میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وتر نماز میں رسول اللہ ﷺ ﴿ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى اور قُلْ يٰاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ﴾ پڑھتے تھے۔ ایک روایت میں اتنی زیادتی بھی ہے کہ سورہ معوذتین یعنی ﴿ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ﴾ بھی پڑھتے تھے۔ یہ حدیث بھی بہت سے صحابیوں سے بہت سے طریق کے ساتھ مروی ہے۔ ہمیں اگر کتاب کے مطول ہو جانے کا خوف نہ ہوتا تو ان سندوں کو اور ان تمام روایتوں کے الفاظ کو جہاں تک میسر ہوتے وارد کرتے لیکن جتنا کچھ اختصار کے ساتھ بیان کر دیا یہ بھی کافی ہے' واللہ اعلم۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ﴿١﴾ الَّذِيْ خَلَقَ فَسَوّٰى ﴿٢﴾ وَالَّذِيْ قَدَّرَ فَهَدٰى ﴿٣﴾ وَالَّذِيْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى ﴿٤﴾ فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰى ﴿٥﴾ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى ﴿٦﴾ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفٰى ﴿٧﴾ وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى ﴿٨﴾ فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ﴿٩﴾ سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى ﴿١٠﴾ وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى ﴿١١﴾ الَّذِيْ يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى ﴿١٢﴾ ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ﴿١٣﴾

بخشش کرنے والے مہربان اللہ کے نام سے شروع۔

اپنے بہت ہی بلند اللہ کے نام کی پاکیزگی بیان کر' جس نے پیدا کیا اور صحیح سالم بنایا' اور جس نے اندازہ کر کے تجویز کیا اور پھر راہ دکھائی' اور جس نے تازہ گھاس پیدا کی' پھر اس نے اس کو سکھا کر سیاہ کوڑا کر دیا' ہم تجھے پڑھائیں گے پھر تو نہ بھولے گا۔ مگر جو کچھ اللہ چاہے' وہ ظاہر اور پوشیدہ کو جانتا ہے۔ ہم تیرے لیے آسانی پیدا کر دیں گے۔ تو تو نصیحت کرتا رہ اگر نصیحت کچھ فائدہ دے' ڈرنے والے تو عبرت حاصل کر لیں گے' ہاں بدبخت لوگ اس سے دور رہ جائیں گے' جو بڑی آگ میں جائیں گے' جہاں پھر نہ وہ مریں گے نہ جئیں گے (بلکہ حالت نزع میں پڑے رہیں گے۔)

خالق کی قدرتیں: مسند احمد میں ہے کہ عقبہ بن عامر جہنیؓ فرماتے ہیں کہ جب آیت ﴿ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴾ اتری تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسے تم رکوع میں کر لو۔ جب ﴿ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى ﴾ اتری تو آپ ﷺ نے فرمایا اسے اپنے سجدے میں کر لو۔ ابو داؤد وغیرہ کی حدیث میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ ﴿ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى ﴾ پڑھتے تو کہتے ﴿ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى ﴾ حضرت علیؓ سے بھی یہ مروی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے بھی یہ مروی ہے۔ اور آپ ﷺ جب ﴿ لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ﴾ پڑھتے اور آخری آیت ﴿ اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِيَ الْمَوْتٰى ﴾ پر پہنچتے تو فرماتے ﴿ سُبْحَانَكَ وَ بَلٰى ﴾ اللہ تعالیٰ یہاں ارشاد فرماتا ہے اپنے بلندیوں والے پرورش کرنے والے اللہ کے پاک نام کی پاکیزگی اور تسبیح بیان کرو جس نے تمام مخلوق رچائی اور سب کو اچھی ہیئت بخشی۔ انسان کو سعادت شقاوت کی رونمائی کی' جانور کو چرنے چگنے وغیرہ کی۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ﴾ یعنی ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی پیدائش عطا فرمائی پھر رہبری کی۔

آسمان وزمین کی پیدائش: صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ زمین و آسمان کی پیدائش سے پچاس ہزار سال پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی تقدیر لکھی اس کا عرش پانی پر تھا۔ جس نے ہر قسم کے نباتات اور کھیت نکالے۔ پھر ان سرسبز چاروں کو خشک اور سیاہ رنگ کر دیا۔ بعض عارفان کلام عرب نے کہا ہے کہ یہاں بعض الفاظ جو ذکر میں مؤخر ہیں معنی کے لحاظ سے مقدم ہیں یعنی مطلب یہ ہے کہ جس نے گھاس چارہ سبز رنگ سیاہی مائل پیدا کیا' پھر اسے خشک کر دیا۔ گو یہ معنی بھی بن سکتے ہیں لیکن کچھ زیادہ ٹھیک نظر نہیں آتے۔ کیونکہ مفسرینؒ کے اقوال کے خلاف ہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ تجھے ہم اے محمد ﷺ! ایسا پڑھائیں گے جسے تو بھولے نہیں۔ ہاں اگر خود اللہ تعالیٰ کوئی آیت بھلادینی چاہے تو اور بات ہے۔

امام ابن جریرؒ تو اسی مطلب کو پسند کرتے ہیں۔ اور مطلب اس آیت کا یہ ہے کہ جو قرآن ہم تجھے پڑھاتے ہیں اسے نہ بھول۔ ہاں جسے ہم خود منسوخ کر دیں اس کی اور بات ہے۔ اللہ تعالیٰ پر بندوں کے چھپے کھلے اعمال احوال عقائد سب ظاہر ہیں۔ ہم تجھ پر بھلائی کے کام اچھی باتیں' شرعی امر آسان کر دیں گے۔ نہ ان میں کجی ہوگی نہ سختی نہ جرم ہوگا۔ تو نصیحت کر اگر نصیحت فائدہ دے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نالائقوں کو نہ سکھانا چاہیے جیسے کہ امیر المومنین حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اگر تم دوسروں کے ساتھ وہ باتیں کرو گے جو ان کی عقل میں نہ آسکیں تو نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ تمہاری بھلی باتیں ان کے لیے بری بن جائیں گی اور باعث فتنہ ہو جائیں گی۔ بلکہ لوگوں سے ان کی سمجھ کے مطابق بات چیت کرو تاکہ لوگ اللہ تعالیٰ ورسول ﷺ کو نہ جھٹلائیں۔

پھر فرمایا کہ اس سے نصیحت وہ حاصل کرے گا جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف ہے جو اس کی ملاقات پر یقین رکھتا ہے اور اس سے وہ عبرت و نصیحت حاصل نہیں کر سکتا جو بدبخت ہو' جو جہنم میں جانے والا ہو جہاں نہ تو راحت کی زندگی ہے نہ بھلی موت ہے بلکہ وہ دائمی عذاب اور ہمیشگی کی برائی ہے اس میں طرح طرح کے عذاب اور بدترین سزائیں ہیں۔ مسند احمد میں ہے کہ جو اصلی جہنمی ہیں انہیں تو نہ تو موت آئے نہ کارآمد زندگی ملے ہاں جن کے ساتھ اللہ کا ارادہ رحمت کا ہے وہ آگ میں گرتے ہی جل کر مر جائیں گے پھر سفارشی لوگ جائیں گے اور انکے ڈھیر چھڑالائیں گے پھر نہر حیاۃ میں ڈال دیئے جائیں گے۔ جنتی نہروں کا پانی ان پر ڈالا جائے گا اور وہ اس طرح جی اٹھیں گے جس طرح دانہ نالی کے کنارے کوڑے پر اگ آتا ہے کہ پہلے سبز ہوتا ہے پھر زرد پھر ہرا۔ لوگ کہنے لگے حضور تو اس طرح بیان فرماتے ہیں جیسے آپ جنگل سے واقف ہوں۔ یہ حدیث مختلف الفاظ سے بہت سی کتب میں مروی ہے۔ قرآن کریم میں ایک اور جگہ وارد ہے ﴿ وَ نَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ﴾ الخ یعنی جہنمی لوگ پکار پکار کر کہیں گے کہ اے مالک داروغہ جہنم اللہ تعالیٰ سے کہہ کہ وہ ہمیں موت دیدے۔ جواب ملے گا تم تو اب اسی میں پڑے رہنے والے ہو۔ اور جگہ ہے ﴿ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا ﴾ الخ نہ تو ان کو موت آئے گی نہ عذاب کم ہوں گے اور بھی اس معنی کی آیتیں ہیں۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ﴿۱۴﴾ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ﴿۱۵﴾ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۱۶﴾ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿۱۷﴾ اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ﴿۱۸﴾ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَ مُوْسٰى ﴿۱۹﴾

ع ۱ | ۱۵ | ۱۲

بے شک ان لوگوں نے فلاح پالی جو پاک ہو گئے۔ اور جنہوں نے اپنے رب کا نام یاد رکھا اور نماز پڑھتے رہے۔ لیکن تم تو دنیا کا جینا سامنے رکھتے ہو۔ اور آخرت بہت بہتر اور بہت بقا والی ہے۔ یہ باتیں پہلی کتابوں میں بھی ہیں۔ (یعنی) ابراہیم اور موسیٰ کی کتابوں میں۔

کامیاب کون: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جس نے رذیل اخلاق سے اپنے آپ کو پاک کر لیا' احکام اسلام کی تابعداری کی نماز کو ٹھیک وقت پر قائم رکھا صرف اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور اس کی خوشنودی طلب کرنے کے لیے' اس نے نجات اور فلاح پالی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کر کے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے وحدہ لاشریک ہونے کی گواہی دے اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرے اور میری رسالت کو مان لے اور پانچوں وقت کی نمازوں کی پوری طرح سے حفاظت کرے وہ نجات پا گیا (بزار)

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد پانچ وقت کی نماز ہے۔ حضرت ابو العالیہؒ نے ایک مرتبہ ابو خلدہ سے فرمایا کہ کل جب عید گاہ جاؤ تو مجھ سے ملتے جانا۔ جب میں گیا تو مجھ سے کہا کچھ کھالیا ہے؟ میں نے کہا ہاں' فرمایا نہا چکے ہو؟ میں نے کہا ہاں' فرمایا زکوۃ فطر ادا کر چکے ہو؟ میں نے کہا ہاں۔ فرمایا بس یہی کہنا تھا کہ اس آیت میں یہی مراد ہے۔ اہل مدینہ فطرہ سے اور پانی پلانے سے افضل اور کوئی صدقہ نہیں جانتے تھے۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ بھی لوگوں کو فطرہ ادا کرنے کا حکم کرتے پھر اسی آیت کی تلاوت کرتے۔ حضرت ابو الاحوصؒ فرماتے ہیں کہ تم میں سے کوئی نماز کا ارادہ کرے اور کوئی سائل آجائے تو اسے خیرات دیدے پھر یہی آیت پڑھی۔

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ اس نے اپنے مال کو پاک کر لیا اور اپنے رب کو راضی کر لیا۔ پھر ارشاد ہے کہ تم دنیا کی زندگی کو آخرت کی زندگی پر ترجیح دے رہے ہو' اور دراصل تمہاری مصلحت' تمہارا نفع اخروی زندگی کو دنیوی زندگی پر ترجیح دینے میں ہے۔ دنیا ذلیل ہے فانی ہے' آخرت شریف ہے باقی ہے۔ ایک عاقل ایسا نہیں کر سکتا کہ فانی کو باقی پر اختیار کر لے اور اس کے انتظام میں پڑ کر اس کے اہتمام کو چھوڑ دے۔ مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں دنیا اس کا گھر ہے جس کا گھر آخرت میں نہ ہو' دنیا اس کا مال ہے جس کا مال وہاں نہ ہو' اس کے جمع کرنے کے پیچھے وہ لگتے ہیں جو بیوقوف ہوں۔ ابن جریر میں ہے حضرت عرفجہ ثقفیؒ اس سورت کو حضرت ابن مسعودؓ کے پاس پڑھ رہے تھے۔ جب اس آیت پر پہنچے تو تلاوت چھوڑ کر اپنے ساتھیوں سے فرمانے لگے کہ سچ ہے کہ ہم نے دنیا کو آخرت پر ترجیح دی' لوگ خاموش رہے تو آپ نے پھر فرمایا کہ اس لیے کہ ہم دنیا کے گرویدہ ہو گئے کہ یہاں کی زینت کو یہاں کی عورتوں کو یہاں کے کھانے پینے کو ہم نے دیکھ لیا آخرت نظروں سے اوجھل ہے تو ہم نے اس سامنے والی کی طرف توجہ کی اور اس دور والی سے آنکھیں پھیر لیں۔ یا تو یہ فرمان حضرت عبداللہؓ کا بطور تواضع کے ہے' یا جنس انسان کی بابت فرماتے ہیں' واللہ اعلم۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جس نے دنیا سے محبت کی اس نے اپنی آخرت کو نقصان پہنچایا اور جس نے آخرت سے محبت کی اس نے دنیا کو نقصان پہنچایا۔ تم اے لوگو! باقی رہنے والی کو فنا ہونے والی پر ترجیح دو (مسند احمد)۔

پھر فرماتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰؑ کے صحیفوں میں بھی یہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ یہ سب بیان ان صحیفوں میں بھی تھا۔ (بزار)۔ نسائی میں حضرت عباسؓ سے یہ مروی ہے اور جب آیت ﴿ وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰۤى ﴾ نازل ہوئی تو فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ایک کا بوجھ دوسرے کو نہ اٹھانا ہے۔ سورۂ نجم میں ہے اَمْ لَمْ يُنَبَّاْ بِمَا فِيْ صُحُفِ مُوْسٰى آخری مضمون تک کی تمام آیتیں یعنی یہ سب احکام اگلی کتابوں میں بھی تھے۔ اسی طرح یہاں بھی مراد ﴿ سَبِّحِ اسْمَ ﴾ کی یہ آیتیں ہیں۔ بعضوں نے پوری سورت کہی ہے' بعضوں نے ﴿ قَدْ اَفْلَحَ ﴾ سے ابقیٰ تک کہا ہے۔ زیادہ قوی بھی یہی معلوم ہوتا ہے' واللہ اعلم۔ الحمد اللہ سورۂ سبح اسم کی تفسیر ختم ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ہر شخص کو اس پر عمل کرنے کی توفیق دے اور عذاب جہنم سے بچائے۔

تفسیر سورۂ غاشیہ مکیہ

تعارف سورت: یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سبح اسم اور غاشیہ کو نماز عیدین اور جمعہ میں پڑھتے تھے۔ موطا امام مالکؒ میں ہے کہ جمعہ کے دن پہلی رکعت میں سورۂ جمعہ اور دوسری میں ﴿ هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ﴾ پڑھتے تھے (ابو داؤد)۔

صحیح مسلم ابن ماجہ اور نسائی میں بھی یہ حدیث ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ۝۱ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ۝۲ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۝۳ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ۝۴ تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ۝۵ لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ ۝۶ لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ ۝۷

اللہ تعالیٰ رحمٰن ورحیم کے نام سے شروع۔

کیا تجھے بھی چھپا لینے والی قیامت کی خبر پہنچی ہے۔ اس دن بہت سے چہرے ذلیل اور مصیبت کے مارے خستہ حال ہوں گے وہ دہکتی ہوئی آگ میں جائیں گے اور نہایت گرم چشمے کا پانی ان کو پلایا جائے گا' ان کے لیے سوائے کانٹے دار درختوں کے اور کچھ کھانا نہ ہو گا جو نہ بدن بڑھائے گا نہ بھوک مٹائے گا۔

قیامت ڈھانپنے والی: غاشیہ قیامت کا نام ہے اس لیے کہ وہ سب پر آئے گی' سب کو گھیرے ہوئے ہو گی اور ہر ایک کو ڈھانپ لے گی۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کہیں جا رہے تھے کہ ایک عورت کی قرآن پڑھنے کی آواز آئی' آپ کھڑے ہو کر سننے لگے۔ اس نے یہی آیت ﴿ هَلْ اَتٰىكَ ﴾ پڑھی یعنی کیا تیرے پاس ڈھانپ لینے والی قیامت کی بات پہنچی ہے؟ تو آپ نے جواب میں فرمایا ﴿ نَعَمْ قَدْ جَآءَنِیْ ﴾ یعنی ہاں میرے پاس پہنچ چکی ہے۔ اس دن بہت سے لوگ ذلیل چہروں والے ہوں گے' پستی ان پر برس رہی ہو گی انکے اعمال غارت ہو گئے ہوں گے اور بڑے بڑے اعمال کئے تھے سخت تکلیفیں اٹھائی تھیں وہ آج بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہو گئے۔

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ ایک خانقاہ کے پاس سے گزرے وہاں کے راہب کو آواز دی وہ حاضر ہوا' آپ اسے دیکھ کر رو دیئے۔ لوگوں نے پوچھا حضرت کیا بات ہے؟ تو فرمایا اسے دیکھ کر یہ آیت یاد آ گئی کہ عبادت ریاضت کرتے ہیں لیکن آخر جہنم میں جائیں گے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس سے مراد نصرانی ہیں۔ عکرمہؒ اور سدیؒ فرماتے ہیں کہ دنیا میں گناہوں کے کام کرتے رہے اور آخرت میں عذاب کی اور مار کی تکلیفیں برداشت کریں گے۔ یہ سخت بھڑکنے والی جلتی' تپتی آگ میں جائیں گے جہاں سوائے ضریع کے اور کچھ کھانے کو نہ ملے گا' یہ آگ کا درخت ہو گا' جہنم کا پتھر ہو گا' یہ عفور کی بیل ہو گی' اس میں زہریلے کانٹوں دار پھل لگے ہوں گے' یہ بدترین کھانا ہو گا اور نہایت ہی برا ہو گا' نہ بدن بڑھائے گا اور نہ بھوک مٹائے گا اور نہ نقصان دور ہو گا۔

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ ۝۸ لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ ۝۹ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۝۱۰ لَّا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً ۝۱۱ فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ۝۱۲ فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ ۝۱۳ وَّاَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ ۝۱۴ وَّنَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌ ۝۱۵ وَّزَرَابِيُّ مَبْثُوْثَةٌ ۝۱۶

وقف لازم

بہت سے چہرے اس دن تر و تازہ اور آسودہ حال ہوں گے' اپنے اعمال سے خوش ہوں گے بلند و بالا جنتوں میں ہوں گے' جہاں کوئی بے ہودہ بات کان میں نہ پڑے گی۔ جہاں چشمے جاری ہوں گے اور اونچے اونچے تخت ہوں گے اور آبخورے رکھے ہوئے ہوں گے اور ایک قطار میں لگے ہوئے تکیے ہوں گے اور مخملی مسندیں پھیلی پڑی ہوں گی۔

نیکوں پر انعامات: اوپر چونکہ بدکاروں کا بیان اور ان کے عذابوں کا ذکر ہوا تھا تو یہاں نیک کاروں کا اور ان کے ثوابوں کا بیان ہو رہا ہے۔ تو فرمایا کہ اس دن بہت سے چہرے ایسے بھی ہوں گے جن پر خوشی کے اور آسودگی کے آثار ظاہر ہوں گے' یہ اپنے اعمال سے خوش ہوں گے جنتوں کے بلند بالاخانوں میں ہوں گے جس میں کوئی لغویات کان میں نہ پڑے گی' جیسے فرمایا ﴿**لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا**﴾ اس میں سوائے سلامتی اور سلام کے کوئی بری بات نہ سنیں گے۔ اور فرمایا ﴿**لَا لَغْوٌ فِيْهَا وَلَا تَاْثِيْمٌ**﴾ نہ اس میں بیہودگی ہے نہ گناہ کی باتیں'

اور فرمایا ہے ﴿ **لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّ لَا تَاْثِيْمًا اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا** ﴾ نہ اس میں فضول گوئی سنیں گے نہ بد باتیں سوائے سلام ہی سلام کے اور کچھ نہ ہوگا۔ اس میں بہتی ہوئی نہریں ہوں گی۔ یہاں نکرہ اثبات کے سیاق میں ہی ایک ہی نہر مراد نہیں بلکہ جنس نہر مراد ہے یعنی نہریں بہتی ہوں گی۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جنت کی نہریں مشک کے پہاڑوں اور مشک کے ٹیلوں سے نکلتی ہیں اس میں اونچے اونچے بلند و بالا تخت ہیں جن پر بہترین فرش ہیں اور ان کے پاس حوریں بیٹھی ہوئی ہیں گو یہ تخت بہت اونچے اور ضخامت والے ہیں لیکن جب یہ اللہ تعالیٰ کے دوست ان پر بیٹھنا چاہیں گے تو وہ جھک جائیں گے' شراب کے بھرپور جام ادھر ادھر قرینے سے چنے ہوئے ہیں جو چاہے' جس قسم کا چاہے' جس مقدار میں چاہے لے لے اور پی لے' اور تکیے ہیں ایک قطار میں لگے ہوئے اور ادھر ادھر بہترین بستر ے اور فرش با قاعدہ بچھے ہوئے ہیں۔

ابن ماجہ وغیرہ میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کوئی ہے جو تہبند چڑھائے' جنت کی تیاری کر لے' اس جنت کی جس کی لمبائی چوڑائی بے حساب ہے' رب کعبہ کی قسم وہ ایک چمکتا ہوا نور ہے' وہ ایک لہلہاتا ہوا سبزہ ہے' وہ بلند و بالا محلات ہیں' وہ بہتی ہوئی نہریں ہیں' وہ بکثرت ریشمی حلے ہیں' وہ پکے پکائے تیار عمدہ پھل ہیں' وہ ہیشگی والی جگہ ہے' وہ سراسر میوے جات' سبزہ راحت اور نعمت ہے وہ تر و تازہ بلند و بالا جگہ ہے۔ سب لوگ بول اٹھے کہ ہم سب اس کے خواہشمند ہیں۔ اور اس کے لیے تیاری کریں گے۔ فرمایا کہ ان شاءاللہ تعالیٰ کہو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے انشاءاللہ تعالیٰ کہا۔

اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ﴿١٧﴾ وَاِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ﴿١٨﴾ وَاِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ﴿١٩﴾ وَاِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ﴿٢٠﴾ فَذَكِّرْ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ﴿٢١﴾ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ﴿٢٢﴾ اِلَّا مَنْ تَوَلّٰى وَكَفَرَ ﴿٢٣﴾ فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ الْاَكْبَرَ ﴿٢٤﴾ اِنَّ اِلَيْنَآ اِيَابَهُمْ ﴿٢٥﴾ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ﴿٢٦﴾

کیا یہ اونٹوں کو نہیں دیکھتے کہ وہ کسطرح پیدا کئے گئے ہیں اور آسمان کو کہ کسطرح اونچا کیا گیا ہے' اور پہاڑوں کیطرف کہ کسطرح گاڑ دیے گئے ہیں۔ اور زمین کی طرف کہ کسطرح بچھائی گئی ہے پس تو تو نصیحت کر دیا کر کیونکہ تو صرف نصیحت کرنیوالا ہے تو کچھ ان پر داروغہ نہیں ہے ہاں جو شخص روگردانی کرے اور کفر کرے اسے اللہ تعالیٰ بہت بڑا عذاب دے گا۔ بے شک ہماری طرف ان کا لوٹنا ہے پھر بیشک ہمارے ذمہ ہے ان سے حساب لینا۔

کیا منکرین اللہ کی نشانیوں کو نہیں دیکھتے: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ اس کی مخلوقات پر تدبر کے ساتھ نظریں ڈالیں اور دیکھیں کہ اس کی بے انتہا قدرت ان میں سے ہر ہر چیز سے اس طرح ظاہر ہوتی ہے' اس کی پاک ذات پر ہر ہر چیز کس طرح دلالت کر رہی ہے' اونٹ کو ہی دیکھو کہ کس عجیب و غریب ترکیب اور ہیئت کا ہے کتنا مضبوط اور قوی ہے اور باوجود اس کے کس طرح نرمی اور آسانی سے بوجھ لاد لیتا ہے اور ایک بچے کے ساتھ بھی کس طرح اطاعت گزار بن کر چلتا ہے۔ اس کا گوشت بھی تمہارے کھانے میں آتا ہے' اس کے بال بھی تمہارے کام آتے ہیں' اس کا دودھ تم پیتے ہو اور طرح طرح کے فائدے اٹھاتے ہو۔ سب سے پہلے اسے اس لیے بیان کیا گیا کہ عموماً عرب کے ملک میں اور عربوں کے پاس یہی جانور تھا (اس جانور کی طرف خاص طور پر توجہ اس لیے ڈالی گئی ہے کہ اسکے کھانے پینے کا چلنے کا بیٹھنے کا رفع حاجت کا اور تناسل کا طریقہ سب جانوروں سے جداگانہ ہے۔ اگر ایک دفعہ کھا پی لیتا ہے تو ہفتوں کافی رہتا ہے۔ بیٹھنا عجیب طرح ہے۔ (علی ہذا القیاس ۱۲)

حضرت شریح قاضی فرمایا کرتے تھے کہ آؤ چلو چل کر دیکھیں کہ اونٹ کی پیدائش کس طرح ہے اور آسمان کی بلندی زمین سے کس طرح ہے وغیرہ۔ اور جگہ ارشاد ہے ﴿ اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ ﴾ الخ کیا ان لوگوں نے اپنے اوپر آسمان کو نہیں دیکھا کہ ہم نے اسے کس طرح بنایا' کیسے مزین کیا اور ایک سوراخ نہیں چھوڑا۔ پھر پہاڑوں کو دیکھو کہ کیسے گاڑ دیے گئے تاکہ زمین ہل نہ سکے اور پہاڑ بھی اپنی جگہ نہ چھوڑ سکیں' پھر اس میں جو بھلائی اور نفع کی چیزیں پیدا کی ہیں ان پر بھی نظر ڈالو' زمین کو دیکھو کہ کس طرح پھیلا کر بچھا دی گئی ہے' غرض یہاں ان چیزوں کا ذکر کیا جو قرآن کے مخاطب عربوں کے ہر وقت پیش نظر رہا کرتی ہیں' ایک بدوی جو اپنے اونٹ پر سوار ہو کر نکلتا ہے زمین اس کے نیچے ہوتی ہے آسمان اسکے اوپر ہوتا ہے۔ پہاڑ اس کی نگاہوں کے سامنے ہوتے ہیں اور اونٹ پر خود سوار ہے۔ ان باتوں سے خالق کی قدرت کاملہ اور صنعت ظاہرہ بالکل ہویدا ہے اور صاف ظاہر ہے کہ خالق' صانع' رب عظمت عزت والا مالک اور متصرف معبود برحق اور اللہ حقیقی صرف وہی ہے' اس کے سوا کوئی ایسا نہیں جس کے سامنے ہم اپنی عاجزی اور پستی کا اظہار کریں' جسے ہم حاجتوں کے وقت پکاریں' جس کا نام جپیں اور جس کے سامنے سرخم ہوں۔

حضرت ضمامؓ نے جو سوالات آنحضرت ﷺ سے کئے تھے وہ اس طرح کی قسمیں دے کر کئے تھے۔ بخاری مسلم ترمذی نسائی مسند احمد وغیرہ میں حدیث ہے حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ہمیں بار بار سوالات کرنے سے روک دیا گیا تھا تو ہماری یہ خواہش رہتی تھی کہ باہر کا کوئی عقلمند شخص آئے وہ سوالات کرے ہم بھی موجود ہوں اور پھر حضور ﷺ کی زبانی جوابات سنیں' چنانچہ ایک دن ایک بادیہ نشین آئے اور کہنے لگے اے محمد ﷺ آپ کے قاصد ہمارے پاس آئے اور ہم سے کہا کہ آپ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنا رسول بنایا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس نے سچ کہا۔ وہ کہنے لگا بتلایئے کس نے آسمان کو پیدا کیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے' کہا زمین کس نے پیدا کی؟ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے' کہا ان پہاڑوں کو کس نے گاڑ دیا؟ اور ان میں یہ فائدے کی چیزیں کس نے پیدا کیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے۔ کہا پس آپ کو قسم ہے اس اللہ تعالیٰ کی جس نے آسمان و زمین پیدا کیے اور ان پہاڑوں کو گاڑ دیا' اللہ تعالیٰ ہی نے آپ ﷺ کو اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ کہا آپ ﷺ کے قاصد نے یہ بھی کہا کہ ہم پر رات دن میں پانچ نمازیں فرض ہیں۔ فرمایا اس نے سچ کہا۔ کہا اس اللہ تعالیٰ کی آپ ﷺ کو قسم ہے جس نے آپ ﷺ کو بھیجا ہے کہ کیا یہ اللہ کا حکم ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں۔ کہا آپ ﷺ کے قاصد نے یہ بھی کہا کہ ہمارے مالوں میں ہم پر زکوٰۃ فرض ہے۔ فرمایا سچ ہے۔ کہا آپ ﷺ کو اپنے بھیجنے والے اللہ کی قسم کیا اللہ نے آپ ﷺ کو یہ حکم دیا ہے؟ فرمایا ہاں۔ کہا اور آپ ﷺ کے قاصد نے ہم میں سے طاقت رکھنے والے لوگوں کو حج کا حکم بھی دیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں اس نے سچ کہا۔ وہ یہ سن کر یہ کہتا ہوا چل دیا کہ اس اللہ لاشریک کی قسم جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے نہ میں ان پر کچھ زیادتی کروں نہ ان میں کوئی کمی کروں۔ نبی

ﷺ نے فرمایا اگر اس نے سچ کہا تو یہ جنت میں داخل ہوگا۔ بعض روایات میں ہے کہ اس نے کہا میں ضمام بن ثعلبہ ہوں بنو سعد بن بکر کا بھائی۔

ابو یعلیٰ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں اکثر یہ حدیث سنایا کرتے تھے کہ زمانہ جاہلیت میں ایک عورت پہاڑ پر تھی اس کے ساتھ اس کا ایک چھوٹا سا بچہ تھا' یہ عورت بکریاں چرایا کرتی تھی' اس کے لڑکے نے اس سے پوچھا کہ اماں جان تمہیں کس نے پیدا کیا؟ اس نے کہا اللہ نے پوچھا مجھے کہا اللہ نے پوچھا آسمان کو کہا اللہ نے پوچھا میرے ابا جی کو کس نے پیدا کیا؟ اس نے کہا اللہ نے۔ پوچھا پہاڑوں کو' بتلایا کہ انہیں بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔ بچے نے پھر سوال کیا کہ اچھا ان بکریوں کو کس نے پیدا کیا؟ ماں نے کہا انہیں بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔ بچے کے منہ سے بے اختیار نکلا کہ اللہ تعالیٰ بڑی شان والا ہے۔ اس کا دل عظمت اللہ سے بھر گیا وہ اپنے نفس پر قابو نہ رکھ سکا اور پہاڑ پر سے گر پڑا ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔

ابن دینارؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ بھی یہ حدیث ہم سے اکثر بیان فرمایا کرتے تھے۔ اس حدیث کی سند میں عبد اللہ بن جعفر مدینی ضعیف ہیں۔

فائدہ: امام علی بن مدینیؒ جوان کے صاحبزادے اور جرح و تعدیل کے امام ہیں وہ انہیں یعنی اپنے والد کو ضعیف بتلاتے ہیں پھر فرماتا ہے کہ اے نبی! تم تو اللہ کی رسالت کی تبلیغ کیا کرو' تم پر صرف بلاغ ہے' حساب ہمارے ذمہ ہے۔ آپ ﷺ ان پر مسلط نہیں ہیں' جبر کرنے والے نہیں ہیں' ان کے دلوں میں آپ ﷺ ایمان پیدا نہیں کر سکتے' آپ ﷺ انہیں ایمان لانے پر مجبور نہیں کر سکتے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں مجھے حکم کیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے لڑوں یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کہیں' جب وہ اسے کہہ لیں تو انہوں نے اپنے جان و مال مجھ سے بچا لیے مگر حق اسلام کے ساتھ' اور ان کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ پھر آپ ﷺ نے اسی آیت کی تلاوت کی (مسلم ترمذی' مسند وغیرہ)۔

پھر فرماتا ہے مگر وہ جو منہ موڑے اور کفر کرے' یعنی نہ عمل کرے نہ ایمان لائے نہ اقرار کرے جیسے فرمان ہے ﴿ فَلَا صَدَّقَ وَ لَا صَلّٰى وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَ تَوَلّٰى ﴾ نہ تو حق بات کی تصدیق کی اور نہ نماز پڑھی بلکہ جھٹلایا اور منہ پھیر لیا۔ اسی لیے اسے بہت بڑا عذاب ہوگا۔ حضرت ابو امامہ باہلیؓ حضرت خالد بن یزید بن معاویہؒ کے پاس گئے تو کہا کہ تم نے نبی ﷺ سے جو آسان سے آسان حدیث سنی ہو اسے مجھے سناؤ۔ تو آپ نے فرمایا میں نے حضور ﷺ سے سنا ہے کہ تم میں سے ہر ایک جنت میں جائے گا مگر وہ جو اس طرح کی سرکشی کرے جیسے شریر اونٹ اپنے مالک پر کرتا ہے (مسند احمد)۔ ان سب کا لوٹنا ہماری ہی جانب ہے اور پھر ہم ہی ان سے حساب لیں گے اور انہیں بدلہ دیں گے' نیکی کا نیک' بدی کا بد۔ الحمد للہ سورۂ غاشیہ کی تفسیر ختم ہوئی۔

تفسیر سورۂ فجر مکیہ

تعارف سورت: نسائی میں ہے کہ حضرت معاذؓ نے نماز پڑھائی ایک شخص آیا اور جماعت میں شامل ہوگیا۔ حضرت معاذؓ نے نماز میں قرات لمبی کی اس نے مسجد کے ایک گوشے میں اپنی نماز پڑھ لی پھر فارغ ہو کر چلا گیا۔ حضرت معاذؓ کو بھی یہ واقعہ معلوم ہوا تو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آکر بطور شکایت یہ واقعہ بیان کیا۔ آپ ﷺ نے اس جوان کو بلوا کر پوچھا تو اس نے کہا حضور! میں کیا کرتا میں ان کے پیچھے نماز پڑھ رہا تھا انہوں نے لمبی قرات شروع کی تو میں نے گھوم کر مسجد کے کونے میں اپنی نماز پڑھ لی پھر اپنی اونٹنی کو چارہ ڈالا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے معاذ کیا تو فتنے میں ڈالنے والا ہے' تو ان سورتوں سے کہاں ہے؟ ﴿ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى ﴾ الخ ﴿ وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا وَالْفَجْرِ ، وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ﴾

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَالۡفَجۡرِ ۙ﴿۱﴾ وَلَیَالٍ عَشۡرٍ ۙ﴿۲﴾ وَّالشَّفۡعِ وَالۡوَتۡرِ ۙ﴿۳﴾ وَالَّیۡلِ اِذَا یَسۡرِ ۚ﴿۴﴾ ہَلۡ فِیۡ ذٰلِکَ قَسَمٌ لِّذِیۡ حِجۡرٍ ؕ﴿۵﴾ اَلَمۡ تَرَ کَیۡفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِعَادٍ ۪ۙ﴿۶﴾ اِرَمَ ذَاتِ الۡعِمَادِ ۪ۙ﴿۷﴾ الَّتِیۡ لَمۡ یُخۡلَقۡ مِثۡلُہَا فِی الۡبِلَادِ ۪ۙ﴿۸﴾ وَثَمُوۡدَ الَّذِیۡنَ جَابُوا الصَّخۡرَ بِالۡوَادِ ۪ۙ﴿۹﴾ وَفِرۡعَوۡنَ ذِی الۡاَوۡتَادِ ۪ۙ﴿۱۰﴾ الَّذِیۡنَ طَغَوۡا فِی الۡبِلَادِ ۪ۙ﴿۱۱﴾ فَاَکۡثَرُوۡا فِیۡہَا الۡفَسَادَ ۪ۙ﴿۱۲﴾ فَصَبَّ عَلَیۡہِمۡ رَبُّکَ سَوۡطَ عَذَابٍ ۚۙ﴿۱۳﴾ اِنَّ رَبَّکَ لَبِالۡمِرۡصَادِ ؕ﴿۱۴﴾

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والا ہے۔

قسم ہے فجر کی اور دس راتوں کی اور جفت اور طاق کی اور رات کی جب وہ چلنے لگے کیا ان میں عقلمند کے واسطے کافی قسم ہے کیا تو نے نہ دیکھا کہ تیرے رب نے عادیوں کے ساتھ کیا کیا۔ ارم والے ستونی عادی جو بلند قامت تھے جن جیسے لوگ دوسرے کسی شہر و ملک میں پیدا نہیں کئے گئے۔ اور ثمودیوں کے ساتھ جنہوں نے واد میں بڑے بڑے پتھر تراشے تھے اور فرعون کے ساتھ جو میخوں والا تھا۔ ان سبھوں نے شہروں میں سر اٹھار کھا تھا اور بہت فساد مچار کھا تھا' آخر تیرے رب نے ان سب پر عذاب کا کوڑا برسایا۔ یقیناً تیرا رب گھات میں ہے۔

فجر کی قسم: فجر تو ہر شخص جانتا ہی ہے یعنی صبح اور یہ مطلب بھی ہے کہ بقر عید کے دن کی صبح' اور یہ مراد بھی ہے کہ صبح کے وقت کی نماز' اور پورا دن' اور دس راتوں سے مراد ذی الحجہ مہینے کی پہلی دس راتیں' چنانچہ صحیح بخاری کی حدیث میں ہے کہ کوئی عبادت ان دس دنوں کی عبادت سے افضل نہیں۔ لوگوں نے پوچھا اللہ کی راہ کا جہاد بھی؟ فرمایا یہ بھی نہیں مگر وہ شخص جو جان مال لے کر نکلا اور پھر کچھ بھی ساتھ لے کر نہ پلٹا۔ بعض نے کہا ہے محرم کے پہلے دس دن مراد ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں' رمضان کے پہلے دس دن۔ لیکن صحیح قول پہلا ہی ہے' یعنی ذی الحجہ کی شروع کی دس راتیں۔

مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ عشر سے مراد عید الاضحیٰ کے دس دن ہیں' اور وتر سے مراد عرفے کا دن ہے اور شفع سے مراد قربانی کا دن ہے۔ اس کی اسناد میں تو کوئی مضائقہ نہیں' لیکن متن میں نکارت ہے' واللہ اعلم۔ وتر سے مراد عرفے کا دن ہے' یہ نویں تاریخ ہوتی ہے تو شفع سے مراد دسویں تاریخ ہے یعنی بقر عید کا دن ہے' وہ طاق ہے یہ جفت ہے۔ حضرت واصل بن سائبؒ نے حضرت عطاؒ سے پوچھا کہ کیا وتر سے مراد یہی وتر نماز ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں' شفع عرفہ کا دن ہے اور وتر عید الاضحیٰ کی رات ہے۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ خطبہ دے رہے تھے کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر پوچھا کہ شفع کیا ہے اور وتر کیا ہے؟ آپ نے فرمایا ﴿ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِیْ یَوْمَیْنِ ﴾ میں جو دو دن کا ذکر ہے وہ شفع ہے اور ﴿ مَنْ تَاَخَّرَ ﴾ میں جو ایک دن ہے وہ وتر ہے۔ یعنی گیارہویں' بارہویں ذی الحجہ کی شفع ہے اور تیرہویں وتر ہے' آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ایام تشریق کا درمیانی دن شفع ہے اور آخری دن وتر ہے۔

جفت اور طاق: بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ایک کم ایک سو نام ہیں جو انہیں یاد کر لے وہ جنتی ہے وہ وتر ہے وتر کو دوست رکھتا ہے۔ زید بن اسلمؒ فرماتے ہیں اس سے مراد تمام مخلوق ہے اس میں شفع بھی ہے اور وتر بھی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ مخلوق

شفع اور اللہ وتر ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ شفع صبح کی نماز ہے اور وتر مغرب کی نماز ہے' یہ بھی کہا گیا ہے کہ شفع سے مراد جوڑ جوڑ اور وتر سے مراد اللہ عزوجل جیسے آسمان' زمین' تری' خشکی' جن' انس' سورج' چاند وغیرہ۔ قرآن میں ہے ﴿ وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴾ ہم نے ہر چیز کو جوڑ جوڑ پیدا کیا ہے' تاکہ تم عبرت حاصل کرلو۔ یعنی جان لو کہ ان تمام چیزوں کا خالق اللہ واحد ہے' جس کا کوئی شریک نہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد گنتی ہے جس میں جفت بھی ہے اور طاق بھی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ شفع سے مراد دو دن ہیں اور وتر سے مراد تیسرا دن' یہ حدیث اس حدیث کے مخالف ہے جو اس سے پہلے گزر چکی ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے مراد نماز ہے کہ اس میں شفع ہے' جیسے صبح کی دو ظہر' عصر اور عشا کی چار چار' اور وتر ہے جیسے مغرب کی تین رکعتیں ہیں جو دن کے وتر ہیں اور اسی طرح آخری رات کا وتر۔ ایک مرفوع حدیث میں مطلق نماز کے لفظ کے ساتھ مروی ہے' بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرض نماز مروی ہے لیکن یہ مرفوع حدیث نہیں زیادہ ٹھیک یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمران بن حصینؓ پر موقوف ہے' واللہ اعلم۔

فجر کا مفہوم: امام ابن جریرؒ نے ان آٹھ نو اقوال میں سے کسی کو فیصل قرار نہیں دیا۔ پھر فرماتا ہے رات کی قسم جب جانے لگے' اور یہ بھی معنی کئے گئے ہیں کہ جب آنے لگے بلکہ یہی معنی زیادہ مناسب اور والفجر سے زیادہ مناسبت رکھتے ہیں۔ فجر کہتے ہیں رات کے جانے کو اور دن کے آنے کو تو یہاں رات کا آنا اور دن کا جانا مراد ہوگا جیسے ﴿ وَالَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ ہ وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ ﴾ میں عکرمہؒ فرماتے ہیں مراد مزدلفہ کی رات ہے۔ حجر سے مراد عقل ہے' حجر کہتے ہیں روک کو چونکہ عقل بھی غلط کاریوں اور جھوٹی باتوں سے روک دیتی ہے اس لیے اسے عقل کہتے ہیں۔ حطیم کو بھی حجر البیت اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ طواف کرنے والے کو کعبۃ اللہ کی شامی دیوار سے روک دیتا ہے' اسی سے ماخوذ ہے حجر یمامہ' اور اسی لیے عرب کہتے ہیں ﴿ حَجَرَ الْحَاكِمُ عَلٰى فُلَانٍ ﴾ ۔ جب کہ کسی شخص کو بادشاہ تصرف سے روک دے' اور کہتے ہیں ﴿ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴾ ۔ تو فرماتا ہے کہ ان میں عقلمندوں کے لیے قابل عبرت قسم ہے۔ کہیں تو قسمیں ہیں عبادتوں کی' کہیں عبادتوں کے وقتوں کی' جیسے حج نماز وغیرہ کہ جن سے اس کے نیک بندے اس کا قرب اور اس کی نزدیکی حاصل کرتے ہیں اور اس کے سامنے اپنی پستی اور خود فراموشی ظاہر کرتے ہیں جب ان پرہیزگار نیک کار لوگوں کا اور ان کی عاجزی اور تواضع کا خشوع خضوع کا ذکر کیا تو اب ان کے ساتھ ہی ان کے خلاف جو سرکش اور بدکار لوگ ہیں ان کا ذکر ہو رہا ہے۔ تو فرماتا ہے کہ کیا تم نے نہ دیکھا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے عادیوں کو غارت کر دیا جو کہ سرکش اور متکبر تھے' اللہ تعالیٰ کی نافرمانی رسول ﷺ کی تکذیب اور بدیوں پر جھک پڑتے تھے' ان میں اللہ کے رسول حضرت ہود آئے تھے' یہ عاد اولیٰ ہیں جو عاد بن ارم بن عوص بن سام بن نوح کی اولاد میں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ایمانداروں کو تو نجات دیدی اور باقی بے ایمانوں کو تیز و تند خوفناک اور ہلاکت آفریں ہواؤں سے ہلاک کیا' سات راتیں اور آٹھ دن تک یہ غضبناک آندھی چلتی رہی اور یہ سارے کے سارے اس طرح غارت ہو گئے کہ ان کے سر الگ تھے اور دھڑ الگ تھے' ان میں سے ایک بھی باقی نہ رہا۔ جس کا مفصل بیان قرآن کریم میں کئی جگہ ہے۔

سورۂ اَلْحَاقَّةُ میں بھی یہ بیان ہے۔ ﴿ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ﴾ ۔ یہ عاد کی تفسیر بطور عطف بیان کے ہے تاکہ بخوبی وضاحت ہو جائے' یہ لوگ مضبوط اور بلند ستونوں والے گھروں میں رہتے تھے اور اپنے زمانے کے اور لوگوں سے بہت بڑے تن و توش والے' قوت و طاقت والے تھے' اسی لیے حضرت ہود علیہ السلام نے انہیں نصیحت کرتے ہوئے فرمایا تھا ﴿ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ ﴾ الخ یعنی یاد کرو۔ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں قوم نوح کے بعد زمین پر خلیفہ بنایا ہے' اور تمہیں جسمانی کشادگی پوری دی ہے' تمہیں چاہئے کہ اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو اور زمین میں فسادی بن کر نہ رہو' اور جگہ ہے کہ عادیوں نے ناحق زمین میں سرکشی کی اور بول اٹھے کہ ہم سے زیادہ قوت والا اور کون ہے؟ کیا وہ بھول گئے کہ ان کا پیدا کرنے والا ان سے بہت ہی زبردست طاقت و قوت والا ہے۔ یہاں بھی ارشاد ہوتا ہے کہ اس قبیلے جیسے طاقتور اور شہروں میں نہ تھے۔ بڑے طویل القامت' قوی الجثہ تھے' ارم ان کا دارالسلطنت تھا۔ انہیں ستونوں

والے کہا جاتا تھا اس لیے بھی کہ یہ لوگ بہت دراز قد تھے بلکہ صحیح وجہ یہی ہے کہ ﴿مِثْلُهَا﴾ کی ضمیر کا مرجع عِمَادُ بتلایا گیا ہے ان جیسے اور شہروں میں نہ تھے یہ احقاف میں بنے ہوئے لمبے لمبے تھے اور بعض نے ضمیر کا مرجع قبیلہ بتلایا ہے یعنی اس قبیلے جیسے لوگ اور شہروں میں نہ تھے' اور یہی قول ٹھیک ہے اور اگلا قول ضعیف ہے' اس لیے بھی کہ یہی مراد ہوتی تو ﴿لَمْ يَجْعَلْ﴾ کہا جاتا نہ کہ ﴿لَمْ يُخْلَقْ﴾۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ان میں اس قدر زور و طاقت تھی کہ ان میں کا کوئی اٹھتا اور ایک بڑی ساری چٹان لے کر کسی قبیلے پر پھینک دیتا تو بیچارے سب کے سب دب کر مر جاتے۔ حضرت ثور بن زید دیلیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک ورق پر یہ لکھا ہوا پڑھا ہے کہ میں شداد بن عاد ہوں' میں نے ستون بلند کیے ہیں' میں نے ہاتھ مضبوط کیے ہیں' میں نے سات ذراع کے خزانے جمع کیے ہیں جو امت محمد ﷺ نکالے گی۔ غرض خواہ یوں کہو کہ وہ عمدہ اونچے اور مضبوط مکانوں والے تھے' خواہ یوں کہو کہ وہ بلند و بالا ستونوں والے تھے' یا یوں کہو کہ وہ بہترین ہتھیاروں والے تھے' یا یوں کہو لمبے لمبے قد والے تھے' مطلب یہ ہے کہ ایک قوم تھی جن کا ذکر قرآن کریم میں کئی جگہ ثمودیوں کے ساتھ آ چکا ہے' یہاں بھی اسی طرح عادیوں اور ثمودیوں کا دونوں کا ذکر ہے' واللہ اعلم۔ بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ ﴿اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ﴾ ایک شہر ہے یا تو دمشق' یا اسکندریہ' لیکن یہ قول ٹھیک نہیں معلوم ہوتا اس لیے کہ عبارت کا ٹھیک مطلب نہیں بنتا' کیونکہ یا تو یہ بدل ہو سکتا ہے یا عطف بیان۔ دوسرے اس لیے بھی کہ یہاں یہ مقصود ہے کہ ہر ایک سرکش کو اللہ تعالیٰ نے برباد کیا جن کا نام عادی تھا' نہ کہ کسی شہر کو۔ میں نے اس بات کو یہاں اس لیے بیان کر دیا ہے تاکہ جن مفسرین کی جماعت نے یہاں یہ تفسیر کی ہے ان میں سے کوئی شخص دھوکے میں نہ پڑ جائے۔ وہ لکھتے ہیں کہ یہ ایک شہر کا نام ہے جس کی ایک اینٹ سونے کی ہے دوسری چاندی کی' اس کے مکانات باغات محلات وغیرہ سب چاندی سونے کے ہیں' کنکر لولو اور جواہر ہیں' مٹی مشک ہے' نہریں بہہ رہی ہیں' پھل تیار ہیں' کوئی رہنے سہنے والا نہیں ہے' در و دیوار خالی ہیں' کوئی ہاں ہوں کرنے والا بھی نہیں' یہ شہر منتقل ہوتا رہتا ہے' کبھی شام میں کبھی یمن میں' کبھی عراق میں' کبھی کہیں کبھی کہیں وغیرہ۔ یہ سب خرافات بنو اسرائیل کی ہیں ان کے بددینوں نے یہ گھڑنت گھڑی ہے تاکہ جاہلوں میں باتیں بنائیں۔

ثعلبی وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ ایک اعرابی حضرت امیر معاویہؓ کے زمانے میں اپنے گم شدہ اونٹوں کو ڈھونڈ رہا تھا کہ جنگل بیابان میں اس نے اسی صفت کا ایک شہر دیکھا۔ اس میں گیا گھوما پھرا پھر لوگوں سے آ کر ذکر کیا لوگ بھی وہاں گئے لیکن پھر کچھ نظر نہ آیا۔ ابن ابی حاتم نے یہاں ایسے قصے بہت سے لمبے چوڑے نقل کیے ہیں' یہ حکایت بھی صحیح نہیں اور اگر یہ اعرابی والا قصہ سنداً صحیح مان لیں تو ممکن ہے کہ اسے ہوس اور خیال ہوا اور اپنے خیال میں اس نے یہ نقشہ جما لیا ہو اور خیالات کی پختگی اور عقل کی کمی نے اسے یقین دلایا ہو کہ وہ صحیح طور پر یہی دیکھ رہا ہے اور فی الواقع یوں نہ ہو۔

فائدہ: ٹھیک اسی طرح جو جاہل حریص اور خیالات کے کچے یوں سمجھتے ہیں کہ کسی خاص زمین تلے سونے چاندی کے پل ہیں اور قسم قسم کے جواہر یاقوت لولو اور موتی ہیں اکسیر کبیر ہے' لیکن ایسے چند موانع ہیں کہ وہاں لوگ پہنچ نہیں سکتے۔ مثلاً خزانے کے منہ پر کوئی اژدہا بیٹھا ہے' کسی جن کا پہرہ ہے وغیرہ۔ یہ سب فضول قصے اور بناوٹی باتیں ہیں' انہیں گھڑ گھڑا کر بیوقوفوں اور مال کے حریصوں کو اپنے دام میں پھانس کر ان سے کچھ وصول کرنے کے لیے مکاروں نے مشہور کر رکھے ہیں پھر کبھی چلے کھینچنے کے بہانے سے' کبھی بخور کے بہانے سے کبھی کسی اور طرح سے ان سے یہ مکار روپے وصول کر لیتے ہیں اور اپنا پیٹ پالتے ہیں۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ زمین میں سے جاہلیت کے زمانے کا' یا مسلمانوں کے زمانے کا کسی کا گاڑا ہوا مال نکل آئے تو اس کا پتہ جسے چل جائے وہ اس کے ہاتھ لگ جاتا ہے نہ وہاں کوئی مار گنج ہوتا ہے نہ کوئی دیو بھوت جن پری۔ جس طرح ان لوگوں نے مشہور کر رکھا ہے یہ بالکل غیر صحیح ہے'' یہ ایسے ہی لوگوں کی گھڑنت ہے یا ان جیسے ہی لوگوں سے سنی سنائی ہے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نیک سمجھ دے۔

امام ابن جریرؒ نے بھی فرمایا ہے کہ ممکن ہے کہ اس سے قبیلہ مراد ہو' اور ممکن ہے کہ شہر مراد ہو لیکن ٹھیک نہیں' یہاں تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ایک قوم کا ذکر ہے نہ کہ شہر کا۔ اسی لیے اس کے بعد ہی ثمودیوں کا ذکر کیا کہ وہ ثمودی جو پتھروں کو تراش لیا کرتے تھے' جیسے اور جگہ ہے ﴿ وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ ﴾ یعنی تم پہاڑوں میں اپنے کشادہ آرام دہ مکانات اپنے ہاتھوں پتھروں میں تراش لیا کرتے ہو۔ اس کے ثبوت میں کہ اس کے معنی تراش لینے کے ہیں عربی شعر بھی ہیں۔ ابن اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ ثمودی عرب تھے وادی القریٰ میں رہتے تھے' عادیوں کا قصہ پورا پورا سورۂ اعراف میں ہم بیان کر چکے ہیں اب اعادہ کی ضرورت نہیں۔

پھر فرمایا میخوں والا فرعون' اوتاد کے معنی ابن عباسؓ نے لشکروں کے کئے ہیں جو کہ اس کے کاموں کو مضبوط کرتے رہتے تھے' یہ بھی مروی ہے کہ فرعون غصے کے وقت لوگوں کے ہاتھ پاؤں میں میخیں گڑوا کر مروا ڈالتا تھا' چورنگ کر کے اوپر سے بڑا پتھر پھینکتا تھا جس سے اس کا کچومر نکل جاتا تھا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ رسیوں اور میخوں وغیرہ سے اس کے سامنے کھیل کئے جاتے تھے' اس کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ اس نے اپنی بیوی صاحبہ کو جو مسلمان ہو گئی تھیں لٹا کر دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں میں میخیں گاڑیں پھر بڑا سارا چکی کا پتھر ان کی پیٹھ پر مار کر جان لے لی' اللہ ان پر رحم کرے۔

فسادیوں کی ہلاکت: پھر فرمایا کہ ان لوگوں نے سرکشی پر کمر باندھ لی تھی اور فسادی لوگ تھے۔ لوگوں کو حقیر و ذلیل جانتے تھے اور ہر ایک کو ایذا پہنچاتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ کے عذاب کا کوڑا برس پڑا' وہ وبال آیا جو ٹالے نہ ٹلا اور ہلاک و برباد اور تہس نہس ہو گئے' تیرا رب گھات میں ہے دیکھ رہا ہے سن رہا ہے' سمجھ رہا ہے' وقت مقرر پر ہر برے بھلے کو نیکی بدی کی جزا سزا دے گا' یہ سب لوگ اس کے پاس جانے والے' تن تنہا اس کے سامنے کھڑے ہونے والے ہیں' اور وہ عدل و انصاف کے ساتھ ان میں فیصلے کرے گا اور ہر شخص کو پورا بدلہ دے گا جس کا وہ مستحق تھا۔ وہ ظلم و جور سے پاک ہے۔

یہاں پر ابن ابی حاتم نے ایک حدیث وارد کی ہے جو بہت غریب ہے جس کی سند میں کلام ہے اور صحت میں بھی نظر ہے۔ اس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے معاذؓ مومن حق کا قیدی ہے اے معاذ مومن تو دغدغے میں ہی رہتا ہے جب تک کہ پل صراط سے پار نہ ہو جائے۔ اے معاذ مومن کو قرآن نے بہت سی دلی خواہشوں سے روک رکھا ہے تاکہ وہ ہلاکت سے بچ جائے' قرآن اس کی دلیل ہے' خوف اس کی حجت ہے' شوق اس کی سواری ہے' نماز اس کی پناہ ہے روزہ اس کی ڈھال ہے' صدقہ اس کا چھٹکارا ہے' سچائی اس کی امیر ہے' شرم اس کی وزیر ہے' اور اس کا رب ان سب کے بعد اس پر واقف و آگاہ ہے وہ تیز تیز نگاہوں سے اسے دیکھ رہا ہے۔ اس کے راوی یونس الحذاء' اور ابو حمزہ مجہول ہیں پھر اس میں ارسال بھی ہے' ممکن ہے یہ ابو حمزہ ہی کا کلام ہو۔ اسی ابن ابی حاتم میں ہے کہ ابن عبد الکلاعی نے اپنے ایک وعظ میں کہا "لوگو جہنم کے سات پل ہیں ان سب پر پل صراط ہے پہلے ہی پل پر لوگ روکے جائیں گے یہاں نماز کا حساب کتاب ہوگا' یہاں سے نجات مل گئی تو دوسرے پل پر روک ہوگی یہاں امانت داری کا سوال ہوگا جو امانت دار ہوگا اس نے نجات پائی اور جو خیانت والا نکلا ہلاک ہوا۔ تیسرے پل پر صلہ رحمی کی پرسش ہوگی اس کے کاٹنے والے یہاں سے نجات نہ پا سکیں گے اور ہلاک ہوں گے' رشتہ داری یعنی صلہ رحمی وہیں موجود ہوگی اور یہ کہہ رہی ہوگی کہ اے اللہ! جس نے مجھے جوڑا تو اسے جوڑ' اور جس نے مجھے توڑا تو اسے توڑ۔ یہی معنی ہیں ﴿ اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ﴾ ۔ یہ اثر اتنا ہی ہے پورا نہیں۔

فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ ؁ وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ ؀ كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ

الْيَتِيْمَ ﴿١٧﴾ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿١٨﴾ وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ﴿١٩﴾ وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ﴿٢٠﴾

انسان کا یہ حال ہے کہ جب اسے اس کا رب آزماتا ہے اور عزت و نعمت دیتا ہے تو وہ کہنے لگتا ہے کہ میرے رب نے میرا اکرام کیا' اور جب وہ اس کا امتحان لیتے ہوئے اس کی روزی تنگ کر لیتا ہے تو وہ کہنے لگتا ہے کہ میرے رب نے میری اہانت کی اور ذلیل کیا' ایسا ہرگز نہیں بلکہ بات یہ ہے کہ تم ہی لوگ یتیموں کی عزت نہیں کرتے۔ اور مسکینوں کے کھلانے کی ایک دوسرے کو ترغیب نہیں دیتے۔ اور مردوں کی میراث سمیٹ سمیٹ کر کھاتے ہو۔ اور مال کو جی بھر کر عزیز رکھتے ہو۔

مطلب یہ ہے کہ جو لوگ وسعت اور کشادگی پا کر یوں سمجھ بیٹھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا اکرام کیا' یہ غلط ہے بلکہ دراصل یہ امتحان ہے جیسے اور جگہ ہے ﴿اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ﴾ یعنی مال واولاد کے بڑھ جانے کو یہ لوگ نیکیوں کی بڑھوتری سمجھتے ہیں' دراصل یہ ان کی بے سمجھی ہے' اسی طرح اس کے برعکس بھی' یعنی تنگی ترشی کو انسان اپنی اہانت سمجھ بیٹھتا ہے' حالانکہ دراصل یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش ہے' اسی لئے یہاں ﴿كَلَّا﴾ کہہ کر ان دونوں خیالات کی تردید کی کہ یہ واقعہ نہیں کہ جسے اللہ تعالیٰ مال کی وسعت دے اس سے وہ خوش ہے اور جس پر تنگی کرے اس سے ناخوش ہے بلکہ مدار خوشی اور ناخوشی کا ان دونوں حالتوں میں عمل پر ہے' غنی ہو کر شکر گزاری کرے تو اللہ تعالیٰ کا محبوب' اور فقیر ہو کر صبر کرے تو اللہ تعالیٰ کا محبوب۔ اللہ تعالیٰ اس طرح اور اس طرح آزماتا ہے۔ پھر یتیم کی عزت کرنے کا حکم دیا۔ حدیث میں ہے کہ سب سے اچھا گھر وہ ہے جس میں یتیم ہو اور اس کی اچھی پرورش ہو رہی ہو۔ اور بدترین گھر وہ ہے جس میں یتیم ہو اور اس سے بدسلوکی کی جاتی ہو' پھر آپ ﷺ نے انگلی اٹھا کر فرمایا میں اور یتیم کا پالنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے یعنی قریب قریب۔ ابوداؤد کی حدیث میں ہے کہ کلمہ کی اور بیچ کی انگلی ملا کر انہیں دکھا کر آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اور یتیم کا پالنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے۔ پھر فرمایا کہ یہ لوگ فقیروں مسکینوں کے ساتھ سلوک احسان کرنے' انہیں کھانا پینا دینے کی ایک دوسرے کو رغبت ولالچ نہیں دلاتے' اور یہ عیب بھی ان میں ہے کہ میراث کا مال حلال ہو یا حرام ہضم کر جاتے ہیں اور مال کی محبت بھی ان میں بے طرح ہے۔

كَلَّآ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا ﴿٢١﴾ وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿٢٢﴾ وَجِايْٓءَ يَوْمَئِذٍۢ بِجَهَنَّمَ ۙ يَوْمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ﴿٢٣﴾ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِيْ ﴿٢٤﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهٗٓ اَحَدٌ ﴿٢٥﴾ وَّلَا يُوْثِقُ وَثَاقَهٗٓ اَحَدٌ ﴿٢٦﴾ يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿٢٧﴾ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿٢٨﴾ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ﴿٢٩﴾ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ﴿٣٠﴾

یقیناً جس وقت زمین بالکل برابر پست کر کے بچھا دی جائے گی' اور تیرا رب خود آ جائے گا اور فرشتے صفیں باندھ کر آ جائیں گے اور جس دن جہنم بھی لائی جائے گی اس دن انسان عبرت حاصل کرے گا لیکن آج عبرت کا فائدہ کہاں؟ وہ کہے گا کہ کاش کہ میں نے اپنی اس زندگی کے لئے کچھ نیک اعمال

پہلے ہی کر رکھتے ہوتے۔ پس آج اللہ کے عذابوں جیسا عذاب کسی کا نہ ہوگا۔ نہ اس کی قید و بند جیسی کسی کی قید و بند ہوگی۔ اے اطمینان والی روح۔ تو اپنے رب کی طرف لوٹ چل اس طرح کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے خوش۔ پس میرے خاص بندوں میں داخل ہو جا اور میری جنت میں چلی جا۔

قیامت کی ہولناکیاں: قیامت کے ہولناک حالات کا بیان ہو رہا ہے کہ بالیقین اس دن زمین پست کر دی جائے گی' اونچی نیچی زمین برابر کر دی جائے گی۔ اور بالکل صاف ہموار ہو جائے گی' پہاڑ زمین کے برابر کر دیئے جائیں گے تمام مخلوق قبر سے نکل آئے گی' خود اللہ تعالیٰ مخلوق کے فیصلے کرنے کے لئے آجائے گا' یہ اس عام شفاعت کے بعد جو تمام اولاد آدم کے سردار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ہوگی' اور یہ شفاعت اس وقت ہوگی جبکہ تمام مخلوق ایک ایک بڑے بڑے پیغمبرؑ کے پاس ہو کر آئے گی' اور ہر نبی کہہ دے گا کہ میں اس قابل نہیں پھر سب کے سب حضور اکرم ﷺ کے پاس آئیں گے' آپ ﷺ فرمائیں گے کہ ہاں ہاں میں اس کے لئے تیار ہوں' پھر آپ جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے سفارش کریں گے کہ وہ پروردگار لوگوں کے درمیان فیصلے کرنے کے لئے تشریف لائے یہی پہلی شفاعت ہے اور یہی وہ مقام محمود ہے جس کا مفصل بیان سورۂ سبحان میں گزر چکا ہے پھر اللہ تعالیٰ رب العزت فیصلے کے لئے تشریف لائے گا اس کے آنے کی کیفیت وہی جانتا ہے' فرشتے بھی اس کے آگے آگے صف بستہ حاضر ہوں گے جہنم بھی لائی جائے گی' صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جہنم کی اس روز ستر ہزار لگامیں ہوں گی ہر لگام پر ستر ہزار فرشتے ہوں گے جو اسے گھسیٹ رہے ہوں گے۔ یہی روایت خود حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے بھی مروی ہے' اس دن انسان اپنے نئے پرانے تمام اعمال کو یاد کرنے لگے گا' برائیوں پر پچھتائے گا' نیکیوں کے نہ کرنے یا کم کرنے پر افسوس کرے گا گناہوں پر نادم ہوگا۔ مسند احمد میں ہے کہ رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں اگر کوئی بندہ اپنے پیدا ہونے سے لے کر مرتے دم تک سجدے میں پڑا رہے اور اللہ تعالیٰ کا پورا اطاعت گزار رہے پھر بھی اپنی اس عبادت کو قیامت کے دن حقیر اور ناچیز سمجھے گا اور چاہے گا کہ میں دنیا کی طرف اگر لوٹایا جاؤں تو اجر و ثواب کے کام اور زیادہ کروں' پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس دن اللہ تعالیٰ کے عذابوں جیسا عذاب کسی اور کا نہ ہوگا جو وہ اپنے نافرمان اور نافرجام بندوں کو دے گا' نہ اس جیسی زبردست پکڑ دھکڑ و قید و بند کسی کی ہو سکتی ہے۔ زبانیہ فرشتے بدترین بیڑیاں اور ہتھکڑیاں انہیں پہنائے ہوئے ہوں گے' یہ تو ہوا بدبختوں کا انجام' اب نیک بختوں کا حال سنئے' جو روحیں سکون اور اطمینان والی ہیں' پاک اور ثابت ہیں' حق کی ساتھی ہیں' ان سے موت کے وقت اور قبر سے اٹھنے کے وقت کہا جائے گا کہ تو اپنے رب کی طرف' اس کے پڑوس کی طرف' اس کے ثواب اور اجر کی طرف' اس کی جنت اور رضامندی کی طرف لوٹ چل' یہ اللہ تعالیٰ سے خوش ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہے اور اتنا دے گا کہ یہ بھی خوش ہو جائے گا۔ تو میرے خاص بندوں میں آجا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت حضرت عثمان بن عفانؓ کے بارے میں اتری ہے۔ بریدہؓ فرماتے ہیں کہ حضرت حمزہ بن عبدالمطلبؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ حضرت عبداللہؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ قیامت کے دن اطمینان والی روحوں سے کہا جائے گا کہ تو اپنے رب یعنی اپنے ساتھی یعنی اپنے جسم کی طرف لوٹ جا جسے تو دنیا میں آباد کئے ہوئے تھی' تم دونوں آپس میں ایک دوسرے سے راضی رضامند ہو' یہ بھی مروی ہے کہ حضرت عبداللہؓ اس آیت کو ﴿فَادْخُلِىْ فِىْ عَبْدِىْ﴾ پڑھتے تھے یعنی اے روح میرے بندے میں یعنی اس کے جسم میں چلی جا۔ لیکن یہ غریب ہے اور ظاہر قول پہلا ہی ہے جیسے اور جگہ ہے ﴿ثُمَّ رُدُّوْآاِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ﴾ یعنی پھر سب کے سب اپنے سچے مولا کی طرف لوٹائے جائیں گے' اور جگہ ہے ﴿وَاَنَّ مَرَدَّنَآ اِلَى اللّٰهِ﴾ یعنی ہمارا لوٹنا اللہ تعالیٰ کی طرف یعنی اس کے حکم کی طرف اور اس کے سامنے ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ یہ آیتیں حضرت صدیق اکبرؓ کی موجودگی میں اتریں تو آپ نے کہا کتنا اچھا قول ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا تمہیں بھی یہی کہا جائے گا۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے سامنے حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے یہ آیتیں پڑھیں تو حضرت صدیقؓ نے یہ فرمایا جس پر آپ ﷺ نے یہ خوشخبری سنائی کہ تجھے فرشتہ موت کے وقت یہی کہے گا۔ ابن ابی حاتم میں یہ روایت بھی ہے کہ جب

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے چچازاد بھائی کا طائف میں انتقال ہوا تو ایک پرندہ آیا جس جیسا پرندہ کبھی زمین پر دیکھا نہیں گیا۔ وہ نعش میں چلا گیا پھر نکلتے ہوئے نہیں دیکھا گیا جب آپ کو دفن کر دیا گیا تو قبر کے کونے سے اسی آیت کی تلاوت کی آواز آئی اور یہ نہ معلوم ہو سکا کہ کون پڑھ رہا ہے' یہ روایت طبرانی میں ہے۔ ابو ہاشم قباث بن رزینؒ فرماتے ہیں کہ جنگ روم میں ہم دشمنوں کے ہاتھ قید ہو گئے' شاہ روم نے ہمیں اپنے سامنے بلایا اور کہا یا تو تم اس دین کو چھوڑ دو یا قتل ہونا منظور کر لو۔ ایک ایک کو وہ یہ کہتا کہ ہمارا دین قبول کر، ورنہ جلاد کو حکم دیتا ہوں کہ تمہاری گردن مارے تین شخص تو مرتد ہو گئے جب چوتھا آیا تو اس نے صاف انکار کیا' بادشاہ کے حکم سے اس کی گردن اُڑا دی گئی اور سر کو نہر میں ڈال دیا گیا وہ نیچے ڈوب گیا اور ذرا سی دیر میں پانی پر آ گیا اور ان تینوں کی طرف دیکھ کر کہنے لگا کہ اے فلاں اور اے فلاں' اور اے فلاں' ان کا نام لے کر انہیں آواز دی۔ جب یہ متوجہ ہوئے سب درباری لوگ بھی دیکھ رہے تھے اور خود بادشاہ بھی تعجب کے ساتھ سن رہا تھا۔ اس مسلمان شہید کے سر نے کہا سنو! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿يَآيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِىْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِىْ فِىْ عِبٰدِىْ وَادْخُلِىْ جَنَّتِىْ﴾ ۔ اتنا کہہ کر وہ سر پھر پانی میں غوطہ لگا گیا۔ اس واقعہ کا اتنا اچھا اثر ہوا کہ قریب تھا کہ نصرانی اسی وقت مسلمان ہو جاتے' بادشاہ نے اسی وقت دربار برخاست کرا دیا اور وہ تینوں پھر مسلمان ہو گئے اور ہم سب یونہی قید میں رہے' آخر خلیفہ ابو جعفر منصور کی طرف سے ہمارا فدیہ آ گیا اور ہم نے نجات پائی۔ ابن عساکر میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص سے فرمایا کہ یہ دعا پڑھا کر ﴿اَللّٰهُمَّ اِنِّىْٓ اَسْئَلُكَ نَفْسًا بِكَ مُطْمَئِنَّةً تُؤْمِنُ بِلِقَآئِكَ وَتَرْضٰى بِقَضَآئِكَ وَتَقْنَعُ بِعَطَآئِكَ﴾ اے اللہ تعالیٰ! میں تجھ سے ایسا نفس طلب کرتا ہوں جو تیری ذات پر اطمینان اور بھروسہ رکھتا ہو' تیری ملاقات پر ایمان رکھتا ہو' تیری قضا پر راضی ہو' تیرے دیئے ہوئے پر قناعت کرنے والا ہو۔ الحمدللہ سورۂ فجر کی تفسیر ختم ہوئی' اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

تفسیر سورۂ بلد مکیہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ① وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ② وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ ③ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِىْ كَبَدٍ ④ اَيَحْسَبُ اَنْ لَّنْ يَّقْدِرَ عَلَيْهِ اَحَدٌ ⑤ يَقُوْلُ اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا ⑥ اَيَحْسَبُ اَنْ لَّمْ يَرَهٗٓ اَحَدٌ ⑦ اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ⑧ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ⑨ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ⑩

وقف لازم

میں اللہ تعالیٰ رحمٰن و رحیم کے نام سے شروع کرتا ہوں۔

میں اس شہر کی قسم کھاتا ہوں۔ تجھے اس شہر میں لڑائی حلال ہونے والی ہے۔ اور قسم ہے انسانی باپ اور اولاد کی۔ یقیناً ہم نے انسان کو بڑی مشقت میں پیدا کیا ہے۔ کیا یہ گمان کرتا ہے کہ یہ کسی کے بس میں ہی نہیں؟ کہتا پھرتا ہے کہ میں نے تو بہت کچھ مال خرچ کر ڈالا۔ کیا یوں سمجھتا ہے کہ کسی نے اسے دیکھا ہی نہیں؟ کیا ہم نے اس کی دو آنکھیں نہیں بنائیں؟ اور زبان اور ہونٹ (نہیں بنائے) اور دونوں راہیں دکھا دیں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ یہاں مکہ مکرمہ کی قسم کھاتا ہے اور درآنحالیکہ وہ آباد ہے اس میں لوگ بستے ہیں' اور وہ بھی امن چین میں ہیں ﴿لا﴾ سے ان پر رد کیا' پھر قسم کھائی اور فرمایا کہ اے نبی ﷺ تیرے لئے یہاں ایک مرتبہ لڑائی حلال ہونے والی ہے جس میں کوئی گناہ اور حرج نہ ہوگا اور اس میں جو ملے وہ حلال ہوگا' صرف اسی وقت کے لئے یہ حکم ہے۔ صحیح حدیث میں بھی ہے کہ اس بابرکت شہر مکہ کو پروردگار عالم نے اول دن سے ہی حرمت والا بنایا ہے اور قیامت تک یہ حرمت و عزت اس کی باقی رہنے والی ہے' اس کا درخت نہ کاٹا جائے اس کے کانٹے نہ اکھیڑے جائیں' میرے لئے بھی صرف ایک دن ہی کی ایک ساعت کے لئے حلال کیا گیا تھا آج پھر اس کی حرمت اسی طرح لوٹ آئی جیسے کل تھی' ہر حاضر کو چاہئے کہ غیر حاضر کو پہنچادے۔ ایک روایت میں ہے کہ اگر یہاں کے جنگ و جدال کے جواز کی دلیل میں کوئی لڑائی پیش کرے تو کہہ دینا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو اجازت دی تھی اور تمہیں نہیں دی۔ پھر قسم کھاتا ہے باپ کی' اور اولاد کی۔ بعض نے تو کہا ہے کہ ﴿مَاوَلَدَ﴾ میں ﴿مَا﴾ نافیہ ہے یعنی قسم ہے اس کی جو اولاد والا ہے اور قسم ہے اس کی جو بے اولاد ہے یعنی عیالدار اور بانجھ' اور اگر ﴿مَا﴾ کو موصولہ مانا جائے تو معنی یہ ہوئے کہ باپ کی اور اولاد کی قسم۔ باپ سے مراد حضرت آدم علیہ السلام اور اولاد سے مراد کل انسان۔ زیادہ قوی اور بہتر بات یہی معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ اس سے پہلے قسم ہے مکہ کی جو تمام زمین اور کل بستیوں کی ماں ہے تو اس کے بعد اس کے رہنے والوں کی قسم کھائی اور رہنے والوں یعنی انسان کی اصل اور اس کی جڑ یعنی حضرت آدم علیہ السلام کی پھر ان کی اولاد کی قسم کھائی۔ ابو عمرانؒ فرماتے ہیں مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کی اولاد ہے۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں عام ہے یعنی ہر باپ اور ہر اولاد۔ پھر فرماتا ہے کہ ہم نے انسان کو بالکل درست قامت بچے تلے اعضاء والا ٹھیک ٹھاک پیدا کیا ہے اس کی ماں کے پیٹ میں ہی اسے یہ پاکیزہ ترتیب اور عمدہ ترکیب دے دی جاتی ہے۔ جیسے فرمایا ﴿الَّذِیْ خَلَقَكَ فَسَوّٰكَ﴾ الخ یعنی اس اللہ تعالیٰ نے تجھے پیدا کیا' درست کیا' ٹھیک ٹھاک بنایا اور پھر جس صورت میں چاہا ترکیب دی' اور جگہ ہے ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْۤ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ﴾ ہم نے انسان کو بہترین صورت پر بنایا ہے۔ ابن عباسؓ وغیرہ سے مروی ہے کہ قوت و طاقت والا پیدا کیا ہے۔ خود اسے دیکھو اس کی پیدائش کی طرف غور کرو' اس کے دانتوں کا نکلنا دیکھو وغیرہ۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں پہلے نطفہ' پھر خون بستہ' پھر لوتھڑا گوشت کا' غرض اپنی پیدائش میں خوب مشقتیں اٹھاتا ہے جیسے اور جگہ ہے ﴿حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّ وَضَعَتْهُ كُرْهًا﴾ یعنی اس کی ماں نے حمل میں تکلیف اٹھائی پھر وضع حمل میں مشقت برداشت کی' بلکہ دودھ پلانے میں بھی مشقت اور معیشت میں بھی تکلیف۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں سختی اور طلب کسب میں پیدا کیا گیا ہے۔ عکرمہؒ فرماتے ہیں شدت اور طول میں پیدا ہوا ہے۔ قتادہ فرماتے ہیں مشقت میں' یہ بھی مروی ہے کہ اعتدال اور قیام میں۔ دنیا اور آخرت میں سختیاں سہنی پڑتی ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام چونکہ آسمان میں پیدا ہوئے تھے اس لئے یہ کہا گیا۔ کیا وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس کے مال کے لینے پر کوئی قادر نہیں۔ اس پر کسی کا بس ہی نہیں' کیا وہ نہ پوچھا جائے گا کہ کہاں سے مال لایا اور کہاں خرچ کیا؟ یقیناً اس پر اللہ تعالیٰ کا بس ہے اور وہ پوری طرح اس پر قادر ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ میں نے بڑے وارے نیارے کئے ہزاروں لاکھوں خرچ کر ڈالے' کیا وہ خیال کرتا ہے کہ اسے کوئی دیکھ نہیں رہا؟ یعنی کیا اللہ تعالیٰ کی نظروں سے وہ اپنے آپ کو غائب سمجھتا ہے۔ کیا ہم نے انسان کو دیکھنے والی دو آنکھیں نہیں دیں؟ اور دل کی باتوں کے اظہار کے لئے زبان عطا نہیں فرمائی؟ اور دو ہونٹ نہیں دیئے؟ جن سے کلام کرنے میں مدد ملے' کھانا کھانے میں مدد ملے اور چہرے کی خوبصورتی بھی ہو اور منہ کی بھی۔ ابن عساکر میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے ابن آدم میں نے بڑی بڑی بے حد نعمتیں تجھ کو بخشیں جنہیں تو گن بھی نہیں سکتا' نہ اس کے شکر ادا کرنے کی تجھ میں طاقت ہے' میری ہی یہ نعمت بھی ہے کہ میں نے تجھے دیکھنے کو دو آنکھیں دیں' پھر میں نے ان پر پلکوں کا غلاف بنادیا ہے پس ان آنکھوں سے میری حلال کردہ چیزیں دیکھ اگر حرام چیزیں تیرے سامنے آئیں تو ان دونوں کو بند کرلے۔ میں نے تجھے زبان دی ہے اور اس کا خلاف بھی عنایت فرمایا ہے' میری مرضی کی بات زبان سے نکال اور میری منع کی ہوئی باتوں سے زبان بند کر

لے۔ میں نے تجھے شرمگاہ دی ہے اور اس کا پردہ بھی عطا فرمایا ہے حلال جگہ تو بے شک استعمال کر لیکن حرام جگہ پر پردہ ڈال لے۔ اے ابن آدم! تو میری ناراضگی نہیں اٹھا سکتا اور میرے عذابوں کے سہنے کی طاقت نہیں رکھتا پھر فرمایا کہ ہم نے اسے دونوں راستے دکھا دیئے بھلائی کا اور برائی کا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں دو راستے ہیں پھر تمہیں برائی کا راستہ بھلائی کے راستے سے زیادہ اچھا کیوں لگتا ہے؟ یہ حدیث بہت ضعیف ہے۔ یہ حدیث مرسل طریقے سے بھی مروی ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں مراد اس سے دونوں دودھ ہیں' اور مفسرین نے بھی یہی کہا ہے۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں ٹھیک قول پہلا ہی ہے' جیسے اور یہی جگہ ہے ﴿اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ﴾ الخ یعنی ہم نے انسان کو ملے جلے نطفے سے پیدا کیا پھر ہم نے اسے سنتا دیکھتا کیا' ہم نے اس کی رہبری کی اور راستہ دکھا دیا' پس یا تو شکر گزار ہے یا ناشکرا۔

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ﴿۱۱﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ﴿۱۲﴾ فَكُّ رَقَبَةٍ ﴿۱۳﴾ اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ﴿۱۴﴾ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ﴿۱۵﴾ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ﴿۱۷﴾ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ﴿۱۸﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ﴿۱۹﴾ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ﴿۲۰﴾

سو اس سے نہ ہو سکا کہ گھاٹی میں داخل ہوتا۔ اور تو کیا سمجھا کہ گھاٹی ہے کیا؟ کسی گردن (غلام لونڈی) کو آزاد کرنا یا بھوک والے دن کھانا کھلانا کسی رشتہ دار یتیم کو یا خاکسار مسکین کو پھر ان لوگوں میں سے ہو جاتا جو ایمان لاتے اور ایک دوسرے کو صبر کی اور رحم کرنے کی وصیت کرتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن کے دائیں ہاتھ میں نامہ اعمال دیئے جانے والے ہیں' اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کے ساتھ کفر کیا یہ وہ لوگ ہیں جن کے بائیں ہاتھ میں نامہ اعمال دیئے جانے والے ہیں' انہی پر آگ ہوگی جو چاروں طرف سے گھیری ہوئی ہوگی۔

غلام آزاد کرنے کا ثواب، عقبہ سے کیا مراد ہے: حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ عقبہ جہنم کے ایک پھسلنے پہاڑ کا نام ہے حضرت کعب احبارؒ فرماتے ہیں کہ اس کے ستر درجے ہیں جہنم میں۔ قتادہؒ فرماتے ہیں کہ یہ سخت گھاٹی داخلے کی ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری سے داخل ہو جاؤ۔ پھر اس کا داخلہ بتلایا یہ کہہ کر کہ تمہیں کس نے بتلایا کہ یہ گھاٹی کیا ہے؟ تو فرمایا غلام آزاد کرنا اور اللہ تعالیٰ کے نام کھانا دینا۔ ابن زیدؒ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ یہ نجات اور خیر کی راہوں میں کیوں نہ چلا؟ پھر ہمیں تنبیہ کی اور فرمایا تم کیا جانو عقبہ کیا ہے؟ آزادگی گردن یا صدقہ طعام ﴿فَكُّ رَقَبَةٍ﴾ جو اضافت کے ساتھ ہے اسے ﴿فَكَّ رَقَبَةً﴾ بھی پڑھا گیا ہے یعنی فعل فاعل' دونوں قراءتوں کا مطلب قریبًا ایک ہی ہے۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جو کسی مسلمان کی گردن چھڑائے اللہ تعالیٰ اس کے ہر ہر عضو کو اس کے ہر ہر عضو کے بدلے جہنم سے آزاد کر دیتا ہے یہاں تک کہ ہاتھ کے بدلے ہاتھ پاؤں کے بدلے پاؤں اور شرمگاہ کے بدلے شرمگاہ۔ حضرت علی بن حسین یعنی امام زین العابدینؒ نے جب یہ حدیث سنی تو سعید بن مرجانہ راوی حدیث سے پوچھا کہ کیا تم نے خود حضرت ابوہریرہؓ کی زبانی یہ حدیث سنی ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں' تو آپ نے اپنے غلام سے فرمایا کہ مطرف کو بلا لو جب وہ سامنے آیا تو آپ نے فرمایا جاؤ تم اللہ تعالیٰ کے نام پر آزاد ہو۔ بخاری و مسلم ترمذی اور نسائی میں بھی یہ حدیث ہے۔ صحیح مسلم میں یہ بھی ہے کہ یہ غلام دس ہزار درہم کا خریدا ہوا تھا۔ اور حدیث میں ہے کہ جو مسلمان کسی مسلمان غلام کو آزاد کرے اللہ تعالیٰ اس کی ایک ایک ہڈی کے بدلے اس کی ایک ایک ہڈی جہنم سے آزاد کرتا ہے اور جو مسلمان عورت کسی مسلمان لونڈی کو آزاد کرے اس کی بھی ایک ایک ہڈی کے بدلے اس کی ایک ایک ہڈی جہنم سے آزاد ہو جاتی ہے (ابن جریر)۔ مسند احمد میں ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لئے مسجد

بنادے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر بناتا ہے اور جو مسلمان غلام کو آزاد کرے اللہ تعالیٰ اسے اس کا فدیہ بنا دیتا ہے اور اسے جہنم سے آزاد کر دیتا ہے۔ جو شخص اسلام میں بوڑھا ہوا اسے قیامت کے دن نور ملے گا۔ اور روایت میں یہ بھی ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں تیر چلائے خواہ وہ لگے یا نہ لگے اسے اولاد اسمٰعیل میں سے ایک غلام کے آزاد کرنے کا ثواب ملے گا۔ اور حدیث میں ہے کہ جس مسلمان کے تین بچے بلوغت سے پہلے مر جائیں اسے اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے جنت میں داخل کرے گا اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں جوڑے دے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دے گا جس سے چاہے چلا جائے۔ ان تمام احادیث کی سندیں نہایت عمدہ ہیں۔ ف ابوداؤد میں ہے کہ ایک مرتبہ ہم نے حضرت واثلہ بن اسقعؓ سے کہا کہ ہمیں کوئی ایسی حدیث سنایئے جس میں کوئی کمی زیادتی نہ ہو تو آپ بہت ناراض ہوئے اور فرمانے لگے کہ تم میں سے کوئی پڑھے اور اس کا قرآن اس کے گھر میں ہو تو کیا وہ کمی زیادتی کرتا ہے؟ ہم نے کہا حضرت ہمارا مطلب یہ نہیں، ہم تو یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے سنی ہوئی حدیث ہمیں سنائیں۔ آپ نے فرمایا ہم ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اپنے ایک ساتھی کے بارے میں حاضر ہوئے جس نے قتل کی وجہ سے اپنے اوپر جہنم واجب کر لی تھی تو آپ ﷺ نے فرمایا اس کی طرف سے غلام آزاد کرو اللہ تعالیٰ اس کے ایک عضو کے بدلے اس کا ایک ایک عضو جہنم کی آگ سے آزاد کر دے گا۔ یہ حدیث نسائی میں بھی ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی کی گردن آزاد کرائے اللہ تعالیٰ اسے اس کا فدیہ بنا دیتا ہے۔ ایسی اور بہت سی حدیثیں ہیں۔

غریب و مسکین کو کھانا کھلانا: مسند احمد میں ہے کہ ایک اعرابی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا حضور اکرم ﷺ کوئی ایسا کام بتا دیجئے جس سے میں جنت میں جا سکوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تھوڑے سے الفاظ میں بہت ساری باتیں تو پوچھ بیٹھا نسمہ آزاد کر رقبہ چھڑا۔ اس نے کہا حضرت کیا یہ دونوں ایک چیز نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں۔ نسمہ کی آزادگی کے معنی یہ ہیں کہ تو اکیلا ایک غلام آزاد کرے اور ﴿فَكُّ رَقَبَةٍ﴾ کے معنی ہیں کہ تھوڑی بہت مدد کرے' دودھ والا جانور دودھ پینے کے لئے کسی مسکین کو دینا' ظالم رشتہ دار سے نیک سلوک کرنا' یہ ہیں جنت کے کام' اگر اس کی تجھے طاقت نہ ہو تو بھوکے کو کھلا' پیاسے کو پلا' نیکیوں کا حکم کر' برائیوں سے روک' اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو سوائے بھلائی کے اور نیک بات کے اور کوئی کلمہ زبان سے نہ نکال۔ ﴿ذِىْ مَسْغَبَةٍ﴾ کے معنی ہیں بھوک والا' جب کھانے کی اشتہا ہو۔ غرض بھوک کے وقت کا کھلانا اور وہ بھی اسے جو نادان بچہ ہے سر سے باپ کا سایہ اٹھ چکا ہو اور ہے بھی اس کا رشتہ دار۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں مسکین کو صدقہ دینا اکہرا ثواب رکھتا ہے اور رشتے دار کو دنیا دہرا اجر دلواتا ہے۔ (مسند احمد) یا ایسے مسکین کو دنیا جو خاک آلود ہو' راستے میں پڑا ہوا ہو' گھر در نہ ہو' بر بستر نہ ہو' بھوک کی وجہ سے پیٹھ زمین سے لگ رہی ہو' اپنے گھر سے دور ہو' مسافرت میں ہو' فقیر مسکین محتاج مقروض مفلس ہو' کوئی پرسان حال بھی نہ ہو' اہل و عیال والا ہو' یہ سب معنی قریب قریب ایک ہی ہیں' پھر یہ شخص باوجود ان نیک کاموں کے دل میں ایمان رکھتا ہو ان نیکیوں پر اللہ تعالیٰ سے اجر کا طالب ہو' جیسے اور جگہ ہے ﴿مَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ﴾ الخ جو شخص آخرت کا ارادہ رکھے اور اسی کے لئے کوشش کرے اور ہو بھی وہ باایمان تو ان کی کوشش اللہ تعالیٰ کے ہاں مشکور ہے۔ اور جگہ ہے ﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ﴾ الخ ایمان والوں میں سے جو مرد و عورت نیک عمل کرے یہ جنت میں جائیں گے اور وہاں بے حساب روزیاں پائیں گے۔ پھر ان کا اور وصف بیان ہو رہا ہے کہ لوگوں کے صدمات سہنے اور ان پر رحم و کرم کرنے کی یہ آپس میں ایک دوسروں کو نصیحت و وصیت کرتے ہیں۔ جیسے کہ حدیث میں ہے رحم کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ بھی رحم کرتا ہے۔ تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔ اور حدیث میں ہے جو رحم نہ کرے اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔ ابوداؤد میں ہے جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور بڑوں کے حق نہ سمجھے وہ ہم میں سے نہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ لوگ وہ ہیں جن کے داہنے ہاتھ میں اعمالنامہ دیا جائے گا اور ہماری آیتوں کے جھٹلانے والوں کے بائیں ہاتھ میں اعمال نامہ ملے گا۔ اور سر بند تہ بہ تہ آگ میں جائیں گے' جس سے نہ کبھی چھٹکارا ملے گا نہ نجات نہ آرام نہ راحت۔ اس آگ کے دروازے ان پر بند رہیں گے' مزید بیان اس کا سورۂ ﴿وَيْلٌ لِّكُلِّ﴾ الخ میں آئے گا' انشاء اللہ تعالیٰ۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ نہ اس میں روشنی ہو گی نہ سوراخ ہو گا' نہ کبھی

وہاں سے نکلنا ملے گا۔ حضرت ابو عمران جونی فرماتے ہیں کہ جب قیامت کا دن آئے گا اللہ تعالیٰ حکم دے گا اور ہر سرکش کو ہر ایک شیطان کو اور ہر اس شخص کو جس کی شرارت سے لوگ دنیا میں ڈرتے رہتے تھے لوہے کی زنجیروں سے مضبوط باندھ دیا جائے گا پھر جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔ پھر جہنم بند کر دی جائے گی اللہ تعالیٰ کی قسم کبھی ان کے قدم ٹکیں گے ہی نہیں اللہ تعالیٰ کی قسم انہیں کبھی آسمان کی صورت ہی دکھائی نہ دے گی اللہ تعالیٰ کی قسم کبھی آرام سے ان کی آنکھ لگے گی ہی نہیں' اللہ تعالیٰ کی قسم انہیں کبھی کوئی مزے کی چیز کھانے پینے کو ملے گی ہی نہیں (ابن ابی حاتم)۔ الحمد للہ سورۂ بلد کی تفسیر ختم ہوئی۔

تفسیر سورۂ والشمس مکیہ

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث پہلے گزر چکی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ تم نے ﴿سبح اسم ربك الاعلى اور والشمس وضحها اور والليل اذا يغشى﴾ کے ساتھ امامت کیوں نہ کرائی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ۝۱ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰىهَا ۝۲ وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰىهَا ۝۳ وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰىهَا ۝۴ وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰىهَا ۝۵ وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰىهَا ۝۶ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۝۷ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۝۸ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝۹ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ۝۱۰

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان بڑا رحیم ہے۔

قسم ہے سورج کی اور اس کی دھوپ کی' قسم ہے چاند کی جب اس کے پیچھے آئے۔ قسم ہے دن کی جب سورج کو نمایاں کرے' قسم ہے رات کی جب اسے ڈھانپ لے' قسم ہے آسمان کی اور اس کے بنانے کی' قسم ہے زمین کی اور اسے ہموار کرنے کی' قسم ہے نفس کی اور اسے درست بنانے کی۔ پھر قسم ہے اس کے دل میں بدی اور نیکی ڈالنے کی جس نے اسے پاک کیا وہ کامیاب ہوا اور جس نے اسے خاک میں ملا دیا وہ ناکام ہوا۔

سورج اور چاند کی قسم: حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں ضحٰی سے مراد روشنی ہے۔ قتادہؒ فرماتے ہیں پورا دن مراد ہے۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ ٹھیک بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورج کی اور دن کی قسم کھائی ہے' اور چاند جب کہ اس کے پیچھے آئے یعنی سورج چھپ جائے اور چاند چمکنے لگے۔ ابن زیدؒ فرماتے ہیں کہ مہینے کے پہلے پندرہ دن میں تو چاند سورج کے پیچھے رہتا ہے اور پچھے پندرہ دنوں میں یہ آگے ہوتا ہے۔ زید بن اسلمؒ فرماتے ہیں مراد اس سے لیلۃ القدر ہے۔ پھر دن کی قسم کھائی جب کہ وہ منور ہو جائے یعنی سورج دن کو گھیر لے۔ بعض عربی دانوں نے یہ بھی کہا ہے کہ دن جبکہ اندھیرے کو روشن کر دے لیکن اگر یوں کہا جاتا کہ پھیلاوٹ کو وہ جب چمکا دے تو اور اچھا ہوتا تاکہ ﴿يغشها﴾ میں بھی یہ معنی ٹھیک بیٹھتے' اسی لئے حضرت مجاہد فرمائے ہی دن کی قسم جب کہ وہ اسے روشن کر دے امام ابن جریرؒ اس قول کو پسند فرماتے ہیں کہ ان سب میں ضمیر ھا کا مرجع شمس ہے کیونکہ اسی کا ذکر چل رہا ہے' رات جب کہ اسے ڈھانپ لے اور چوطرف اندھیرا پھیل جائے یزید بن ذی حمامہؒ کہتے ہیں کہ جب رات آتی ہے تو اللہ جل جلالہ فرماتا ہے میرے بندوں کو میری ایک بہت بری خلق نے چھپا لیا' پس مخلوق رات سے ہیبت کرتی ہے تو اس کے پیدا کرنے والے سے اور زیادہ ہیبت کرنی چاہئے (ابن ابی حاتم) پھر آسمان کی قسم کھاتا ہے یہاں جو ما ہے یہ مصدریہ بھی ہو سکتا ہے' یعنی آسمان اور اس کی بناوٹ کی قسم۔ حضرت قتادہؒ کا قول یہی ہے اور یہ ما معنی میں من کے بھی ہو سکتا ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ آسمان کی قسم اور اس کے بنانے والے کی قسم یعنی خود اللہ تعالیٰ کی۔ مجاہد

یہی فرماتے ہیں۔ یہ دونوں معنی ایک دوسرے کو لازم ملزوم ہیں۔ بنا کے معنی بلندی کے ہیں جیسے اور جگہ ہے ﴿والسمآء بنینھا باید﴾ الخ یعنی آسمان کو ہم نے قوت کے ساتھ بنایا اور ہم کشادگی والے ہیں۔ ہم نے زمین کو بچھایا اور کیا ہی اچھا ہم بچھانے والے ہیں۔ اس طرح یہاں بھی فرمایا کہ زمین کی اور اس کی ہمواری کی اسے بچھانے اسے پھیلانے کی اس کی تقسیم کی اس کی مخلوق کی قسم۔ زیادہ مشہور قول اس کی تفسیر میں پھیلانے کا ہے۔ اہل لغت کے نزدیک بھی یہی معروف ہے۔ جوہری فرماتے ہیں ﴿طَحَوْتُهٗ﴾ مثل ﴿دَحَوْتُهٗ﴾ کے ہے اور اس کے معنی پھیلانے کے ہیں۔ اکثر مفسرین کا یہی قول ہے پھر فرمایا نفس کی اور اسے ٹھیک ٹھاک بنانے کی قسم' یعنی اسے پیدا کیا در آنحالیکہ یہ ٹھیک ٹھاک اور فطرت پر قائم جیسے اور جگہ ہے ﴿فَاَقِمْ وَجْهَكَ﴾ الخ اپنے چہرے اور فطرت پر قائم تھا جیسے اور جگہ ہے اپنے چہرے کو قائم رکھ دین حنیف کے لئے فطرت ہے اللہ کی جس پر لوگوں کو بنایا اللہ تعالیٰ کی خلق کی تبدیل نہیں' حدیث میں ہے کہ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا لیتے ہیں۔ جیسے چوپائے جانور کا بچہ صحیح سالم پیدا ہوتا ہے کوئی ان میں تم کن کٹا نہ پاؤ گے۔ (بخاری و مسلم) صحیح مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اپنے بندوں کو یکسوئی والے پیدا کئے ان کے پاس شیطان پہنچا اور دین سے ورغلا لیا۔ پھر فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے بدکاری و پرہیزگاری کو بیان کر دیا۔ اور جو چیز اس کی قسمت میں تھی اس کی طرف اس کی رہبری ہوئی۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں یعنی خیر و شر ظاہر کر دیا۔ ابن جریر میں ہے حضرت ابوالاسودؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمران ابن حصینؓ نے پوچھا ذرا بتلاؤ تو لوگ جو کچھ اعمال کرتے ہیں اور تکلیفیں اٹھا رہے ہیں یہ کیا ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی جانب سے مقرر ہو چکی ہے اور ان کی تقدیر میں لکھی جا چکی ہے یا یہ خود آئندہ کے لئے اپنے طور پر کر رہے ہیں اس بنا پر کہ انبیاء علیہم السلام ان کے پاس آ چکے اور اللہ تعالیٰ کی حجت ان پر پوری ہوئی۔ میں نے جواب میں کہا نہیں نہیں بلکہ یہ چیز پہلے سے فیصل شدہ ہے اور مقدر ہو چکی ہے۔ حضرت عمرانؓ نے کہا پھر یہ تو ظلم نہ ہو گا۔ میں تو اسے سن کر کانپ اٹھا اور گھبرا کر کہا کہ ہر چیز کا خالق مالک وہی اللہ تعالیٰ جل جلالہ ہے' تمام ملک اسی کے ہاتھ میں ہے' اس کے افعال کی باز پرس کوئی نہیں کر سکتا وہ سب سے سوال کر سکتا ہے۔ میرا یہ جواب سن کر حضرت عمرانؓ بہت خوش ہوئے اور کہا اللہ تعالیٰ تجھے درستگی عنایت فرمائے میں نے تو یہ سوالات اسی لئے کئے تھے کہ امتحان ہو جائے۔ سنو ایک شخص مزینہ جہنیہ قبیلے کا آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہی سوال کیا جو میں نے پہلے آپ سے کیا اور حضور اکرم ﷺ نے بھی وہی جواب دیا جو آپ نے دیا تو اس نے کہا پھر ہمارے اعمال سے کیا؟ آپ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ جس کسی کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے جس منزل کے لئے پیدا کیا ہے اس سے ویسے ہی کام ہو کر رہیں گے اگر جنتی ہے تو اعمال جنت اور اگر دوزخی لکھا گیا ہے تو ویسے ہی اعمال اس پر آسان ہوں گے۔ سنو قرآن میں اس کی تصدیق موجود ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا﴾ یہ حدیث مسلم میں بھی ہے۔

تزکیہ نفس: مسند احمد میں بھی ہے کہ جس نے اپنے نفس کو پاک کیا وہ بامراد ہوا یعنی اطاعت رب میں لگا رہا' نکمے اعمال' رذیل اخلاق چھوڑ دیئے جیسے اور جگہ ہے ﴿قد افلح من تزکی وذکراسم ربه فصلی﴾ جس نے پاکیزگی کی اور اپنے رب کا نام یاد کیا' پھر نماز پڑھی اس نے کامیابی پالی اور جس نے اپنے ضمیر کا ستیاناس کیا اور ہدایت سے ہٹا کر اسے برباد کیا' نافرمانیوں میں پڑ گیا' اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو چھوڑ بیٹھا' یہ ناکام اور نامراد ہوا' اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ جس کے نفس کو اللہ تعالیٰ نے پاک کیا وہ بامراد ہوا اور جس نفس کو اللہ تعالیٰ نے نیچے گرا دیا وہ برباد اور خائب و خاسر رہا۔ عوفی اور علی بن ابوطلحہ حضرت ابن عباسؓ سے یہی روایت کرتے ہیں۔ ابن ابی حاتم کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے آیت ﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا﴾ پڑھ کر فرمایا کہ جس نفس کو اللہ تعالیٰ نے پاک کیا اس سے چھٹکارا پالیا' لیکن اس حدیث میں ایک علت تو یہ ہے کہ جویبر بن سعید متروک الحدیث ہے' دوسری علت یہ ہے کہ ضحاک جو حضرت عبداللہؓ سے روایت کرتے ہیں ان کی ملاقات ثابت نہیں۔ طبرانی کی حدیث میں ہے کہ ﴿فالهمها فجورها و تقوٰها﴾ پڑھ کر آپ ﷺ نے یہ دعا پڑھی ﴿اَللّٰهُمَّ اٰتِ نَفْسِیْ تَقْوٰهَا وَزَكِّهَاۤ اَنْتَ خَیْرُ مَنْ زَكّٰهَا اَنْتَ وَلِیُّهَا وَمَوْلَاهَا۔﴾ مسند احمد کی

حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رات کو ایک مرتبہ میری آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا کہ حضور اکرم ﷺ اپنے بستر پر نہیں اندھیرے کی وجہ سے میں گھر میں اپنے ہاتھوں سے ٹٹولنے لگی تو میرے ہاتھ آپ ﷺ پر پڑے آپ اس وقت سجدے میں تھے اور یہ دعا پڑھ رہے تھے۔ ﴿رَبِّ اَعْطِ نَفْسِیْ تَقْوٰھَا وَزَکِّھَآ اَنْتَ خَیْرُ مَنْ زَکّٰھَآ اَنْتَ وَلِیُّھَا وَمَوْلَاھَا۔﴾ یہ حدیث صرف مسند احمد میں ہی ہے۔ مسلم اور مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول کریم ﷺ یہ دعا مانگتے تھے ﴿اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْکَسَلِ وَ الْھَرَمِ وَالْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وعذاب الْقَبْرِ اَللّٰھُمَّ اٰتِ نَفْسِیْ تَقْوٰھَا وزکّھا اَنْتَ خَیْرُ مَنْ زَکّٰھَآ اَنْتَ وَلِیُّھَا وَمَوْلَاھَا اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مَنْ قَلْبٍ لَّا یَخْشَعُ وَمِنْ نَفْسٍ لَّا تَشْبَعُ وَعِلْمٍ لَّا یَنْفَعُ وَدَعْوَۃٍ لَّا یُسْتَجَابُ لَھَا۔﴾ یا اللہ میں عاجز اور بے چارہ ہو جانے سے، سستی سے اور ہار جانے سے، بڑھاپے سے اور نامردی سے اور بخیلی سے اور عذاب قبر سے تیری پناہ چاہتا ہوں، اے اللہ میرے دل کو اس کا تقویٰ عطا فرما اور اسے پاک کر دے تو ہی اسے بہتر پاک کرنے والا ہے تو ہی اس کا والی اور مولیٰ ہے۔ اے اللہ مجھے ایسے دل سے بچا جس میں تیرا ڈر نہ ہو اور ایسے نفس سے بچا جو آسودہ نہ ہو، اور ایسے علم سے بچا جو نفع نہ دے اور ایسی دعا سے بچا جو قبول نہ کی جائے۔ راوی حدیث حضرت زید بن ارقمؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے ہمیں دعا سکھلائی اور ہم تمہیں سکھاتے ہیں۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰىهَآ ﴿۱۱﴾ اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا ﴿۱۲﴾ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا ﴿۱۳﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا ۙ فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ﴿۱۴﴾ وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ﴿۱۵﴾

ثمودیوں نے اپنی سرکشی کے باعث جھٹلایا، جب ان میں کا بڑا بدبخت اٹھ کھڑا ہوا، انہیں اللہ کے رسول نے فرما دیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی اونٹنی اور اس کے پانی پینے کی باری کی حفاظت کرو، ان لوگوں نے اپنے پیغمبر کو جھوٹا سمجھ کر اس اونٹنی کی کوچیں کاٹ دیں۔ پس ان کے رب نے ان کے گناہوں کے باعث ان پر ہلاکت ڈالی اور پھر ہلاکت کو عام کر دیا اور اس بستی کو برابر کر دیا، وہ اس سزا کے انجام سے بے خوف ہے۔

ثمودیوں سے سرکشی کا بدلہ: اللہ تعالیٰ بیان فرما رہا ہے کہ ثمودیوں نے اپنی سرکشی اور تکبر و تجبر کی بناء پر اپنے رسولوں کی تصدیق نہ کی، محمد بن کعبؒ فرماتے ہیں ﴿بطغوٰھا﴾ کا مطلب یہ ہے کہ ان سب نے تکذیب کی۔ لیکن پہلی بات ہی زیادہ اولیٰ ہے۔ حضرت مجاہدؒ اور حضرت قتادہؒ نے بھی یہی بیان کیا ہے، اس سرکشی کی وجہ سے اور اس تکذیب کی شامت سے یہ اس قدر بدبخت ہو گئے کہ ان میں سے جو زیادہ بدبخت شخص تھا وہ تیار ہو گیا اس کا نام قدار بن سالف تھا، اسی نے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی کوچیں کاٹی تھیں اسی کے بارے میں فرمان ہے ﴿فنادوا صاحبھم فتعاطی فعقر﴾ ثمودیوں کی آواز پر یہ آ گیا اور اس نے اونٹنی کو مار ڈالا، یہ شخص اس قوم میں ذی عزت تھا ذی نسب تھا شریف تھا قوم کا رئیس اور سردار تھا۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ اپنے خطبے میں اس اونٹنی کا اور اس کے مار ڈالنے والے کا ذکر فرمایا اور اس آیت کی تلاوت فرمائی اور فرمایا کہ جیسے ابوزمعہ ہے، اسی جیسا یہ شخص بھی اپنی قوم میں شریف عزیز اور بڑا آدمی تھا۔ امام بخاریؒ بھی اسے تفسیر میں اور امام مسلم جہنم کی صفت میں لائے ہیں، اور سنن ترمذی، سنن نسائی میں بھی یہ روایت تفسیر میں ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ میں تجھے دنیا بھر کے بدبخت ترین دو شخص بتلاتا ہوں، ایک تو احیمر ثمود جس نے اونٹنی کو مار ڈالا، دوسرا وہ شخص جو تیری پیشانی پر زخم لگائے گا یہاں تک کہ داڑھی خون سے تربتر ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کے رسول حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرما دیا تھا کہ اے قوم! اللہ تعالیٰ کی اونٹنی کو برائی پہنچانے سے ڈرو، اس کے پانی پینے کے مقرر دن میں ظلم کر کے اسے پانی سے نہ روکو، تمہاری اور اس کی باریاں بندھی ہوئی ہیں لیکن ان بدبختوں نے پیغمبر علیہ السلام کی نہ مانی جس گناہ کے

باعث ان کے دل سخت ہو گئے اور پھر یہ صاف طور پر مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے اور اس اونٹنی کی کوچیں کاٹ دیں جسے اللہ تعالیٰ نے بغیر ماں باپ کے پتھر کی ایک چٹان سے پیدا کیا تھا جو حضرت صالح علیہ السلام کا معجزہ اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کی کامل نشانی تھی' اللہ تعالیٰ بھی ان پر غضبناک ہو گیا اور ہلاکت ڈال دی اور سب پر برابر سے عذاب اترا یہ اس لئے کہ احیمر ثمود کے ہاتھ پر اس کی قوم کے چھوٹے بڑوں نے مرد عورت نے بیعت کر لی تھی اور سب کے مشورے سے اس نے اس اونٹنی کو کاٹا تھا اس لئے عذاب میں بھی سب پکڑے گئے۔ ﴿ولا یخاف﴾ کو ﴿فلا یخاف﴾ بھی پڑھا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو سزا کرے تو اسے یہ خوف نہیں ہوتا کہ اس کا انجام کیا ہو گا؟ کہیں یہ بگڑ نہ بیٹھیں' یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اس بدکار احیمر نے اونٹنی کو مار توڑالا لیکن انجام سے نہ ڈرا' مگر پہلا قول ہی اولیٰ ہے' واللہ اعلم۔ ﴿الحمد للہ﴾ سورۂ والشمس کی تفسیر ختم ہوئی۔

تفسیر سورۂ الیل مکیہ

آنحضرت ﷺ کا حضرت معاذؓ سے یہ فرمانا پہلے بیان ہو چکا ہے کہ تو نے سبح اسم اور والشمس اور واللیل سے امامت کیوں نہ کرائی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ﴿1﴾ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ﴿2﴾ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ﴿3﴾ اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى ﴿4﴾ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ﴿5﴾ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ﴿6﴾ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ﴿7﴾ وَاَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ﴿8﴾ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ﴿9﴾ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ﴿10﴾ وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗٓ اِذَا تَرَدّٰى ﴿11﴾

اللہ تعالیٰ رحمٰن و رحیم کے نام سے شروع۔

قسم ہے رات کی جب چھا جائے' اور قسم ہے دن کی جب روشن ہو۔ اور قسم ہے اس ذات کی جس نے نر مادہ کو پیدا کیا۔ یقیناً تمہاری کوشش مختلف قسم کی ہے' تو جو شخص دیتا ہے اور ڈرتا رہے گا اور نیک بات کی تصدیق کرتا رہے گا تو ہم بھی اس کے لئے آسانی پیدا کر دیں گے۔ لیکن جو بخیلی کرے گا اور بے پرواہی برتے گا' اور نیک بات کی تکذیب کرے گا تو ہم بھی اس کی تنگی و مشکل کے سامان میسر کر دیں گے' اس کا مال اسے اوندھا گرنے کے وقت کچھ کام نہ آئے گا۔

دن اور رات کی قسم: مسند احمد میں ہے کہ حضرت علقمہؓ شام میں آئے اور دمشق کی مسجد میں جا کر دو رکعت نماز ادا کی اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ! مجھے نیک ساتھی عطا فرما پھر چلے تو حضرت ابو الدرداءؓ سے ملاقات ہوئی' پوچھا کہ تم کہاں کے ہو؟ تو حضرت علقمہؓ نے کہا میں کوفے والا ہوں۔ پوچھا کہ ابن ام عبدؓ اس سورۃ کو کس طرح پڑھتے تھے؟ میں نے کہا والذکر والانثی پڑھتے تھے۔ حضرت ابو الدرداءؓ فرمانے لگے کہ میں نے بھی رسول اللہ ﷺ سے یونہی سنا ہے اور یہ لوگ مجھے شک و شبہ میں ڈال رہے ہیں۔ پھر فرمایا تم میں تکیے والے یعنی جن کے پاس سفر میں حضور اکرم ﷺ کا بستر رہتا تھا اور راز داں ایسے بھیدوں سے واقف جن کا علم اور کسی کو نہیں وہ جو شیطان سے بزبان رسول اللہ ﷺ بچا لئے گئے تھے وہ نہیں؟ یعنی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ یہ حدیث بخاری میں بھی

ہے اس میں یہ ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے شاگرد اور ساتھی حضرت ابوالدرداءؓ کے پاس آئے آپ بھی انہیں ڈھونڈتے ہوئے پہنچے' پھر پوچھا کہ تم میں حضرت عبداللہؓ کی قرات پر قرآن پڑھنے والا کون ہے؟ تو کہا ہم سب ہیں' پھر پوچھا کہ تم سب میں حضرت عبداللہؓ کی قراءت کو زیادہ یاد رکھنے والا کون ہے؟ لوگوں نے حضرت علقمہؓ کی طرف اشارہ کیا تو ان سے سوال کیا کہ ﴿والیل اذا یغشی﴾ کو حضرت عبداللہؓ سے تم نے کس طرح سنا؟ تو کہا وہ ﴿والذکر والانثیٰ﴾ پڑھتے تھے۔ کہا میں نے بھی حضور علیہ السلام سے اسی طرح سنا ہے اور یہ لوگ چاہتے ہیں کہ میں ﴿وما خلق الذکر والانثی﴾ پڑھوں' اللہ تعالیٰ کی قسم میں تو ان کی مانوں گا نہیں۔ الغرض حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت ابوالدرداءؓ کی قراءت یہی ہے' اور حضرت ابوالدرداءؓ نے تو اسے مرفوع بھی کہا ہے' باقی جمہور کی قرات وہی ہے جو موجودہ قرآنوں میں ہے۔ پس اللہ تعالیٰ رات کی قسم کھاتا ہے جب کہ مخلوق پر چھا جائے' اور دن کی قسم کھاتا ہے جب کہ وہ تمام چیزوں کو اپنی روشنی سے منور کردے' اور اپنی ذات کی قسم کھاتا ہے جو نر و مادہ کا پیدا کرنے والا ہے' جیسے فرمایا ﴿وخلقنکم ازواجا﴾ ہم نے تمہیں جوڑا جوڑا پیدا کیا ہے۔ اور فرمایا ﴿ومن کل شیء خلقنا زوجین﴾ ہر چیز کے جوڑے ہم نے پیدا کئے ہیں۔ ان متضاد اور ایک دوسری کے خلاف قسمیں کھا کر فرماتا ہے کہ تمہاری کوششیں اور تمہارے اعمال بھی متضاد اور ایک دوسرے کے خلاف ہیں' بھلائی کرنے والے بھی ہیں اور برائیوں میں مبتلا رہنے والے بھی ہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ جس نے دیا یعنی اپنے مال کو اللہ تعالیٰ حکم کے ماتحت خرچ کیا اور پھونک پھونک کر قدم رکھا ہر ہر امر میں اللہ تعالیٰ کا ڈر تا رہا اور اس کے بدلے کو سچا جانتا رہا اس کے ثواب پر یقین رکھا۔ ﴿حُسْنٰی﴾ کے معنی لاالہ الااللہ کے بھی کئے گئے ہیں' اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے بھی کئے گئے ہیں' نماز' روزہ' زکوۃ صدقہ' فطر جنت کے بھی مروی ہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ ہم اسے آسانی کی راہ میں نہ دنیا اور اللہ سے بے نیازی برتی اور حسنیٰ کی یعنی قیامت کی بدلے کی اور جس نے اپنے مال کو اللہ تعالیٰ کی راہ آسان کریں گے یعنی بھلائی کی اور جنت کی اور نیک بدلے کی' تکذیب کی تو اس پر ہم برائی کا راستہ آسان کر دیں گے' جیسے فرمایا ﴿وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ﴾ الخ یعنی ہم ان کے دل اور ان کی آنکھیں الٹ دیں گے جس طرح وہ پہلی بار قرآن پر ایمان نہ لائے تھے اور ہم انہیں ان کی سرکشی میں ہی بھٹکتے رکھیں گے۔ اس مطلب کی آیتیں قرآن کریم میں جا بجا موجود ہیں کہ ہر عمل کا بدلہ اسی جیسا ہوتا ہے' خیر کا قصد کرنے والے کو توفیق خیر ملتی ہے اور شر کا قصد رکھنے والوں کو اسی کی توفیق ہوتی ہے' اس معنی کی تائید میں یہ احادیث بھی ہیں۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ ہمارے اعمال فارغ شدہ تقدیر کے ماتحت ہیں یا نو پید ہماری طرف سے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا بلکہ تقدیر کے لکھے ہوئے کے مطابق۔ کہنے لگے پھر عمل کی کیا ضرورت۔ فرمایا ہر شخص پر وہ عمل آسان ہوں گے جس چیز کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے (مسند احمد)۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ بقیع غرقد میں ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک جنازے میں شریک تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا سنو تم میں سے ہر ایک کی جگہ جنت دوزخ میں مقرر کردہ ہے اور لکھی ہوئی ہے۔ لوگوں نے کہا پھر ہم اس پر بھروسہ کر کے بیٹھ کیوں نہ رہیں؟ تو آپ نے فرمایا عمل کرتے رہو ہر شخص کو وہی اعمال راس آئیں گے جن کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے یہی آیتیں تلاوت فرمائیں۔ (صحیح بخاری)۔ اسی روایت کے اور طریق میں ہے کہ اس بیان کے وقت آپ ﷺ کے ہاتھ میں ایک تنکا تھا اور سر نیچا کئے ہوئے زمین پر اسے پھیر رہے تھے الفاظ میں کچھ کمی بیشی بھی ہے۔

مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بھی ایک ایسا ہی سوال جیسا کہ اوپر کی حدیث میں حضرت صدیق اکبرؓ کا گزرا مروی ہے' اور آپ کا جواب بھی انہیں تقریباً ایسا ہی مروی ہے۔ ابن جریر میں حضرت جابرؓ سے بھی ایسی ہی روایت مروی ہے ابن جریر کی ایک حدیث میں دو نوجوانوں کا ایسا ہی سوال اور حضور اکرم ﷺ کا ایسا ہی جواب مروی ہے اور پھر ان دونوں حضرات کا یہ قول بھی ہے کہ یا رسول اللہ ﷺ! ہم بہ کوشش نیک اعمال کرتے رہیں گے۔ حضرت ابوالدرداءؓ سے بھی اسی طرح مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ہر دن غروب کے وقت سورج کے

دونوں طرف دو فرشتے ہوتے ہیں وہ با آواز بلند دعا کرتے ہیں جسے تمام چیزیں سنتی ہیں سوائے جنات اور انسان کے کہ "اے اللہ سخی کو نیک بدلہ دے اور بخیل کا مال تلف کر"۔ یہی معنی ہیں قرآن کی ان چار آیتوں کے۔ ابن ابی حاتم کی ایک بہت ہی غریب حدیث میں اس پوری سورت کا شان نزول یہ لکھا ہے کہ ایک شخص کا کھجوروں کا باغ تھا ان میں سے ایک درخت کی شاخیں ایک مسکین شخص کے گھر میں پڑتی تھیں وہ بے چارہ غریب نیک بخت اور بال بچے دار تھا' باغ والا جب اس درخت کی کھجوریں اتارنے آتا تو اس مسکین کے گھر میں جا کر وہاں کی کھجوریں اتارتا اس میں جو کھجوریں نیچے گرتیں انہیں اس غریب شخص کے بچے چن لیتے تو یہ آ کر ان سے چھین لیتا بلکہ اگر کسی بچے نے منہ میں ڈال بھی لی تو انگلی ڈال کر اس کے منہ سے نکلوا لیتا' اس مسکین نے اس کی شکایت رسول اللہ ﷺ سے کی' آپ ﷺ نے ان سے تو فرما دیا کہ اچھا تم جاؤ اور آپ ﷺ اس باغ والے سے ملے اور فرمایا کہ تو اپنا وہ درخت جس کی شاخیں فلاں مسکین کے گھر میں ہیں مجھے دے دے اللہ تعالیٰ اس کے بدلے تجھے جنت کا ایک درخت دے گا وہ کہنے لگا اچھا حضرت! میں نے دیا مگر مجھے اس کی کھجوریں بہت اچھی لگتی ہیں' میرے تمام باغ میں ایسی کھجوریں کسی اور درخت کی نہیں۔ آنحضرت ﷺ یہ سن کر خاموشی کے ساتھ واپس تشریف لے چلے۔ ایک شخص جو یہ بات چیت سن رہا تھا وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا حضرت اگر یہ درخت میرا ہو جائے اور میں آپ کا کر دوں تو کیا مجھے بھی اس کے بدلے جنتی درخت مل سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں۔ یہ شخص اس باغ والے کے پاس آئے ان کا بھی ایک باغ کھجوروں کا تھا یہ پہلا شخص ان سے وہ ذکر کرنے لگا کہ حضرت مجھے میرے فلاں درخت کھجور کے بدلے جنت کا ایک درخت دینے کو فرما رہے تھے میں نے یہ جواب دیا' یہ سن کر خاموش ہو رہے' پھر تھوڑی دیر بعد فرمایا کہ کیا تم اسے بیچنا چاہتے ہو؟ اس نے کہا نہیں' ہاں یہ اور بات ہے کہ جو قیمت اس کی مانگوں وہ کوئی مجھے دے دے' لیکن کون دے سکتا ہے؟ پوچھا کیا قیمت لینا چاہتے ہو؟ کہا چالیس درخت خرما کے۔ اس نے کہا یہ تو بڑی زبردست قیمت لگا رہے ہو ایک کے چالیس؟ پھر اور باتوں میں لگ گئے' پھر کہنے لگے اچھا میں اسے اتنے میں ہی خریدتا ہوں۔ اس نے کہا اچھا اگر سچ مچ خریدنا ہے تو گواہ کر لو۔ اس نے چند لوگوں کو بلا لیا اور معاملہ طے ہو گیا گواہ مقرر ہو گئے' پھر اسے کچھ سوجھی تو کہنے لگا کہ دیکھئے صاحب جب تک ہم تم الگ نہیں ہوئے یہ معاملہ طے نہیں ہوا' اس نے بھی کہا بہت اچھا میں بھی ایسا احمق نہیں ہوں کہ تیرے ایک درخت کے بدلے جو خم کھایا ہوا ہے اپنے چالیس درخت دے دوں' تو یہ کہنے لگا اچھا اچھا مجھے منظور ہے لیکن درخت جو میں لوں گا وہ تنے والے بہت عمدہ لوں گا۔ اس نے کہا اچھا منظور۔ چنانچہ گواہوں کے روبرو یہ سودا فیصل ہوا اور مجلس برخاست ہوئی۔ یہ شخص خوشی خوشی رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ! اب وہ درخت میرا ہو گیا اور میں نے اسے آپ ﷺ کو دے دیا۔ رسول اللہ ﷺ اس مسکین کے پاس تشریف لے گئے اور فرمانے لگے کہ یہ درخت تمہارا ہے اور تمہارے بال بچوں کا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔ ابن جریر میں مروی ہے کہ یہ آیتیں حضرت ابو بکر صدیقؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہیں' آپ مکہ میں ابتدائے اسلام کے زمانے میں بڑھیا عورتوں کو اور ضعیف لوگوں کو جو مسلمان ہو جاتے تھے آزاد کر دیا کرتے تھے اس پر ایک مرتبہ آپ کے والد حضرت ابو قحافہؓ نے جو اب تک مسلمان نہیں ہوئے تھے کہا بیٹا تم جوان کمزور ہستیوں کو آزاد کراتے پھرتے ہو اس سے یہ اچھا ہو کہ نوجوان طاقت والوں کو آزاد کراؤ تاکہ وقت پر وہ تمہیں کام آئیں تمہاری مدد کریں اور دشمنوں سے لڑیں تو صدیق اکبرؓ نے جواب دیا کہ ابا جی میرا ارادہ دنیوی فائدے کا نہیں میں تو صرف رضائے رب مرضی مولا چاہتا ہوں' اس بارے میں یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ تردی کے معنی مرنے کے بھی مروی ہیں اور آگ میں گرنے کے بھی۔

إِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدَىٰ ﴿١٢﴾ وَإِنَّ لَنَا لَلْآخِرَةَ وَالْأُولَىٰ ﴿١٣﴾ فَأَنذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظَّىٰ ﴿١٤﴾ لَا يَصْلَاهَا إِلَّا الْأَشْقَى ﴿١٥﴾ الَّذِي كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ﴿١٦﴾ وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى ﴿١٧﴾ الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّىٰ ﴿١٨﴾ وَمَا لِأَحَدٍ عِندَهُ مِن نِّعْمَةٍ تُجْزَىٰ ﴿١٩﴾ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ

رَبِّهِ الْاَعْلٰى ۝ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ۝

راہ دکھا دینا ہمارے ذمہ ہے' اور ہمارے ہی ہاتھ ہے آخرت اور دنیا' میں نے تو تمہیں شعلے مارتی ہوئی آگ سے ڈرایا ہے۔ جس میں صرف وہ بدبخت تر لوگ داخل ہوں گے جنہوں نے جھٹلایا اور (اس کی پیروی سے) منہ پھیر لیا ہے۔ اس سے ایسا شخص دور رکھا جائے گا جو پرہیزگار ہو گا۔ جو پاکی حاصل کرنے کے لئے اپنا مال دیتا ہو گا کسی کا اس پر کوئی احسان نہیں کہ جس کا بدلہ دیا جا رہا ہو' بلکہ صرف اپنے پروردگار بزرگ و بلند کی رضا مطلوب ہوتی ہے۔ یقیناً وہ (اللہ تعالیٰ) بھی عنقریب رضامند ہو جائے گا۔

یعنی حلال و حرام کا ظاہر کر دینا ہمارے ذمہ ہے۔ یہ بھی معنی ہیں کہ جو ہدایت پر چلا وہ یقیناً ہم تک پہنچ جائے گا۔ جیسے فرمایا ﴿وعلى الله قصد السبيل﴾ آخرت اور دنیا کی ملکیت ہماری ہی ہے۔ میں نے بھڑکتی ہوئی آگ سے تمہیں ہوشیار کر دیا ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت نعمان بن بشیرؓ نے اپنے خطبہ میں فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ سے میں نے خطبہ کی حالت میں سنا ہے کہ آپ بہت بلند آواز سے فرما رہے تھے۔ یہاں تک کہ اس جگہ سے بازار تک آواز پہنچے اور بار بار فرماتے جاتے تھے لوگوں میں تمہیں جہنم کی آگ سے ڈرا چکا' لوگوں میں تمہیں جہنم کی آگ سے ڈرا رہا ہوں' بار بار یہ فرما رہے تھے۔ یہاں تک کہ چادر مبارک کندھوں سے سرک کر پیروں میں گر پڑی۔ صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سب سے ہلکے عذاب والا جہنمی قیامت کے دن وہ ہو گا کہ جس کے دونوں تلووں تلے دو انگارے رکھ دیئے جائیں گے۔ جس سے اس کا دماغ ابل رہا ہو گا۔ مسلم کی حدیث میں ہے کہ ہلکے عذاب والا جہنمی وہ ہو گا جس کا دونوں جوتیاں اور دونوں تسمے آگ کے ہوں گے جن سے اس کا دماغ اس طرح ابل رہا ہو گا جس طرح ہنڈیا آ رہی ہو' باوجود یہ کہ سب سے ہلکے عذاب والا یہی ہے لیکن اس کے خیال میں اس سے زیادہ عذاب والا کوئی نہ ہو گا۔ اس جہنم میں صرف وہی لوگ گھیر گھار کر بدترین عذاب کئے جائیں گے جو بدبخت تر ہوں جن کے دل میں تکذیب ہو اور جسم سے اسلام پر عمل نہ ہو۔ مسند احمد کی حدیث میں بھی ہے کہ جہنم میں صرف شقی لوگ جائیں گے۔ لوگوں نے پوچھا کہ شقی کون ہے؟ فرمایا جو اطاعت گزار نہ ہو اور نہ اللہ کے خوف سے کوئی بدی چھوڑتا ہو۔ مسند کی اور حدیث میں ہے کہ میری ساری امت جنت میں جائے گی سوائے ان کے جو انکار کریں۔ لوگوں نے پوچھا انکاری کون ہے؟ فرمایا جو میری اطاعت کرے وہ جنت میں گیا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کر دیا اور فرمایا کہ جہنم سے دوری اسے ہو گی جو تقویٰ شعار' پرہیزگار' اللہ سے ڈرنے والا ہو' جو اپنے مال کو اللہ کی راہ میں دے تاکہ خود بھی پاک ہو جائے اور اپنی چیزوں کو بھی پاک کر لے اور دین دنیا میں پاکیزگی حاصل کر لے' یہ اس لئے کہ کسی کے ساتھ سلوک نہیں کرتا کہ اس کا بھی کوئی احسان اس پر ہے بلکہ اس لئے کہ آخرت میں جنت لے اور وہاں اللہ کا دیدار نصیب ہو۔ پھر فرماتا ہے کہ بہت جلد بالیقین ایسی پاک صفتوں والا شخص راضی ہو جائے گا۔

فضائل صدیق اکبرؓ: اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ یہ آیتیں حضرت ابوبکرؓ کے بارے میں اتری ہیں۔ یہاں تک کہ بعض مفسرین نے تو اس پر اجماع نقل کیا ہے' بے شک صدیق اکبرؓ اس میں داخل ہیں اور اس کے عموم میں ساری امت سے پہلے ہیں گو الفاظ آیت کے عام ہیں لیکن آپ سب سے اول اس کے مصداق ہیں' ان تمام اوصاف میں اور کل کی کل نیکیوں میں سب سے پہلے اور سب سے آگے اور سب سے بڑے چڑھے آپ ہی تھے' آپ صدیق تھے' پرہیزگار تھے' سخی تھے' اپنے مالوں کو اپنے مولا کی اطاعت میں اور رسول اللہ ﷺ کی امداد میں دل کھول کر خرچ کرتے رہتے تھے' ہر ایک کے ساتھ احسان و سلوک کرتے اور کسی دنیوی فائدے کی چاہت پر نہیں' کسی کے احسان کے بدلے نہیں' بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی مرضی کے لئے' رسول اللہ ﷺ کی فرمانبرداری کے لئے' جتنے لوگ تھے خواہ بڑے ہوں' خواہ چھوٹے سب کے سب پر حضرت صدیق اکبرؓ کے احسانات کے بار تھے' یہاں تک کہ عروہ بن مسعود جو قبیلہ ثقیف

کا سردار تھا صلح حدیبیہ کے موقع پر جب کہ حضرت صدیقؓ نے انسے ڈانٹاڈپٹااور دو باتیں سنائیں تو اس نے کہا کہ اگر آپ کے احسان مجھ پر نہ ہوتے جس کا بدلہ میں نہیں دے سکا تو میں آپ کو ضرور جواب دیتا' پس جب کہ عرب کے سردار اور قبائل عرب کے بادشاہ کے اوپر آپ کے اس قدر احسان تھے کہ وہ سر نہیں اٹھا سکتا تھا تو بھلا اور تو کہاں؟ اسی لئے یہاں بھی فرمایا گیا کہ کسی کے احسان کا بدلہ انہیں دینا نہیں بلکہ صرف دیدار الٰہی کی خواہش ہے۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ جو شخص جوڑا اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرے اسے جنت کے داروغے پکاریں گے کہ اے اللہ کے بندے ادھر سے آ یہ دروازہ سب سے اچھا ہے تو حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا یارسول اللہ ﷺ کوئی ضرورت تو ایسی نہیں لیکن فرمایئے کوئی ایسا بھی ہے کہ جو جنت کے تمام دروازوں سے بلایا جائے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں ہے اور مجھے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ تم ان میں سے ہو۔ الحمد للہ سورۂ الیل کی تفسیر ختم ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے اور اس کا شکر ہے۔

تفسیر سورۂ الضحٰی مکیہ

تعارف سورت: اسماعیل بن قسطنطین اور شبل بن عباد کے سامنے حضرت عکرمہؒ تلاوت قرآن کر رہے تھے جب اس سورت تک پہنچے تو دونوں نے فرمایا کہ اب سے آخر تک ہر سورت کے خاتمہ پر اللہ اکبر کہا کرو۔ ہم نے ابن کثیرؒ کے سامنے پڑھا تو انہوں نے ہمیں یہی فرمایا اور انہوں نے فرمایا کہ ہم سے مجاہدؒ نے یہ فرمایا ہے اور مجاہدؒ کو حضرت ابن عباسؓ کی یہی تعلیم تھی اور اور ابن عباسؓ کو حضرت ابی بن کعبؓ نے یہی فرمایا تھا' اور ابی ابن کعبؓ کو رسول اللہ نے یہ حکم دیا تھا۔ امام القرات حضرت ابوالحسنؒ بھی اس سنت کے راوی ہیں۔ حضرت ابو حاتم رازیؒ اس حدیث کو ضعیف کہتے ہیں اس لیے کہ ابوالحسنؒ ضعیف ہیں' ابو حاتم تو ان سے حدیث ہی نہیں لیتے۔ اسی طرح ابو جعفر عقیلیؒ بھی انہیں منکر الحدیث کہتے ہیں' لیکن شیخ شہاب الدین ابو شامہ شرح شاطبیہ میں حضرت امام شافعیؒ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ایک شخص سے سنا کہ وہ نماز میں اس تکبیر کو کہتے تھے تو آپ نے فرمایا تو نے اچھا کیا اور سنت کو پہنچ گیا۔ یہ واقعہ اس بات کا مقتضی ہے کہ یہ حدیث صحیح ہو۔ پھر قاریوں میں اس بات کا بھی اختلاف ہے کہ کس جگہ یہ تکبیر پڑھے اور کس طرح پڑھے' بعض تو کہتے ہیں ﴿ وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى﴾ کے خاتمہ سے۔ بعض کہتے ہیں والضحیٰ کے آخر سے۔ پھر بعض تو کہتے ہیں کہ صرف اللہ اکبر کہے' بعض کہتے ہیں کہ لاالہ الااللہ واللہ اکبر کہے۔ بعض قاریوں نے سورۂ والضحیٰ سے ان تکبیروں کے کہنے کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ جب وحی کے آنے میں دیر لگی اور کچھ مدت حضور ﷺ پر وحی نہ اتری پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور یہی سورۂ لائے تو خوشی اور فرحت کے باعث آپ ﷺ نے تکبیر کہی۔ لیکن یہ کسی ایسی اسناد کے ساتھ مروی نہیں جس سے صحت وضعف کا پتہ چل سکے' واللہ اعلم۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالضُّحٰى ﴿١﴾ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ﴿٢﴾ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ﴿٣﴾ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ﴿٤﴾ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ﴿٥﴾ اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ﴿٦﴾ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ﴿٧﴾ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ﴿٨﴾ فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ﴿٩﴾ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ﴿١٠﴾ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ﴿١١﴾

شروع اللہ کے نام سے جو بخشش کرنے والا نہایت مہربان ہے۔

قسم ہے چاشت کے وقت کی' اور قسم ہے رات کی جب چھا جائے' نہ تو تیرے رب نے تجھے چھوڑا اور نہ وہ بیزار ہو گیا ہے' یقیناً تیرے لیے انجام آغاز سے بہتر ہے' تجھے تیرا رب بہت جلد انعام دے گا' اور تو راضی خوشی ہو جائے گا' کیا اس نے تجھے یتیم پا کر جگہ نہیں دی؟ اور تجھے راہ بھولا پا کر ہدایت نہیں دی؟ اور تجھے تنگدست پا کر تونگر نہیں بنا دیا؟ پس یتیم پر تو بھی سختی نہ کیا کر' اور نہ سوال کرنے والے کو ڈانٹ ڈپٹ اور اپنے رب کے احسانوں کو بیان کرتا رہ۔

شان نزول: مسند احمد میں ہے کہ حضور ﷺ بیمار ہو گئے اور ایک یا دو راتوں تک آپ ﷺ تہجد کی نماز کے لیے نہ اٹھ سکے تو ایک عورت کہنے لگی کہ تجھے تیرے شیطان نے چھوڑ دیا۔ اس پر یہ اگلی آیتیں نازل ہوئیں (بخاری و مسلم وغیرہ۔) حضرت جندبؓ فرماتے ہیں کہ جبرئیل علیہ السلام کے آنے میں کچھ دیر ہوئی تو مشرکین کہنے لگے کہ یہ تو چھوڑ دیئے گئے تو اللہ تعالیٰ نے والضحیٰ سے ما قلی تک کی آیتیں نازل کیں۔ اور روایت میں ہے کہ حضور ﷺ کی انگلی پر پتھر مارا گیا تھا جس میں سے خون نکلا اور جس پر آپ ﷺ نے فرمایا۔

﴿ هَلْ اَنْتِ اِلَّا اِصْبَعٌ دَمِيْتِ. وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَالَقِيْتِ ﴾ یعنی تو صرف ایک انگلی ہے اور اللہ کی راہ میں تجھے یہ زخم لگا ہے۔ طبیعت کچھ ناساز ہو جانے کی وجہ سے دو تین رات آپ ﷺ بیدار نہ ہوئے جس پر اس عورت نے وہ ناشائستہ الفاظ نکالے اور یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ کہا گیا ہے کہ یہ عورت ابولہب کی جورو ام جمیل تھی' اس پر اللہ کی مار۔ آپ ﷺ کی انگلی کا زخمی ہونا اور اس موزوں کلام کا بے ساختہ زبان مبارک سے ادا ہونا تو بخاری و مسلم میں بھی ثابت ہے لیکن ترک قیام کا سبب اسے بتانا اور اس پر ان آیتوں کا نازل ہونا یہ غریب ہے۔

ابن جریر میں ہے کہ حضرت خدیجہؓ نے کہا تھا کہ آپ ﷺ کا رب آپ ﷺ سے کہیں ناراض نہ ہو گیا ہو؟ اس پر یہ آیتیں اتریں۔ اور روایت میں ہے کہ جبرئیل علیہ السلام کے آنے میں دیر ہوئی تو حضور ﷺ بہت گھبرائے' اس پر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے یہ سبب بیان کیا اور اس پر یہ آیتیں اتریں۔ یہ دونوں روایتیں مرسل ہیں اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا نام تو اس میں محفوظ نہیں معلوم ہوتا' ہاں یہ ممکن ہے کہ بی بی صاحبہ رضی اللہ عنہا نے افسوس اور رنج کے ساتھ یہ فرمایا ہو' واللہ اعلم۔

ابن اسحٰقؒ اور بعض اور سلف نے فرمایا ہے کہ جب حضرت جبرئیل علیہ السلام اپنی اصلی صورت میں ظاہر ہوئے تھے اور بہت ہی قریب ہو گئے تھے اس وقت اسی سورت کی وحی نازل فرمائی تھی۔ ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ وحی کے رک جانے کی بنا پر مشرکین کے اس ناپاک قول کے رد میں یہ آیتیں اتریں۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے دھوپ چڑھنے کے وقت کی دن کی روشنی اور رات کے سکون اور اندھیرے کی قسم کھائی جو قدرت قادر اور خلق خالق کی صاف دلیل ہے جیسے اور جگہ ہے ﴿ وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ﴾ ۔

اور جگہ ہے ﴿ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ﴾ الخ مطلب یہ ہے کہ اپنی اس قدرت کا یہاں بھی بیان کیا ہے پھر فرماتا ہے کہ تیرے رب نے نہ تو تجھے چھوڑا نہ تجھ سے دشمنی کی' تیرے لیے آخرت اس دنیا سے بہت بہتر ہے اسی لیے رسول اللہ ﷺ دنیا میں سب سے زیادہ زاہد تھے اور سب سے زیادہ تارک دنیا تھے آپ ﷺ کی سیرت کا مطالعہ کرنے والے پر یہ بات ہرگز مخفی نہیں رہ سکتی۔

حضور ﷺ کی شان: مسند احمد میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ بوریئے پر سوئے جسم مبارک پر بوریئے کے نشان پڑ گئے جب بیدار ہوئے تو میں آپ ﷺ کی کروٹ پر ہاتھ پھیرنے لگا اور کہا حضور ہمیں کیوں اجازت نہیں دیتے کہ اس بوریئے پر کچھ بچھا دیا کریں۔ حضور ﷺ نے فرمایا مجھے دنیا سے کیا واسطہ ہے؟ میں کہاں دنیا کہاں؟ میری اور دنیا کی مثال تو اس راہرو سوار کی طرح ہے جو کسی درخت تلے ذرا سی دیر ٹھہر جائے پھر اسے چھوڑ کر چل دے۔ یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے

اور حسن ہے۔ پھر فرمایا تیرا رب تجھے آخرت میں تیری امت کے بارے میں اس قدر نعمتیں دے گا کہ تو خوش ہو جائے ان کی بڑی تکریم ہو گی اور آپ ﷺ کو خاص کر کے حوض کوثر عطا فرمایا جائے گا جس کے کنارے پر کھوکلے موتی کے خیمے ہوں گے جس کی مٹی خالص مشک ہو گی' یہ حدیثیں عنقریب آ رہی ہیں' انشاء اللہ تعالیٰ۔ ایک روایت میں ہے کہ جو خزانے آپ ﷺ کی امت کو ملنے والے تھے وہ ایک ایک کر کے آپ ﷺ پر ظاہر کیے گئے آپ بہت خوش ہوئے اس پر یہ آیت اتری' جنت میں ایک ہزار محل آپ کو دیئے گئے ہر ہر محل میں پاک بیویاں اور بہترین خادم ہیں' ابن عباسؓ تک اس کی سند صحیح ہے اور بظاہر ایسی بات بغیر حضور اکرم ﷺ سے سنے روایت نہیں ہو سکتی حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں حضور اکرم ﷺ کی رضامندی میں سے یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کے اہل بیت میں سے کوئی دوزخ میں نہ جائے۔ حسنؒ فرماتے ہیں اس سے مراد شفاعت ہے۔

ابن ابی شیبہ میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہم وہ لوگ ہیں جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے آخرت دنیا پر پسند کر لی ہے پھر آپ نے آیت ﴿وَلَسَوْفَ﴾ کی تلاوت فرمائی۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنی نعمتیں جتاتا ہے' پہلی نعمت یہ بیان فرمائی کہ آپ ﷺ کی یتیمی کی حالت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ ﷺ کا بچاؤ کیا اور آپ ﷺ کی حفاظت کی اور پرورش کی اور جگہ عنایت فرمائی۔ آپ ﷺ کے والد کا انتقال تو آپ کی پیدائش سے پہلے ہی ہو چکا تھا' بعض کہتے ہیں کہ ولادت کے بعد ہوا۔ چھ سال کی عمر میں والدہ صاحبہ کا بھی انتقال ہو گیا۔ اب آپ ﷺ دادا کی کفالت میں تھے لیکن جب آٹھ سال کی آپ کی عمر ہوئی تو دادا کا سایہ بھی اٹھ گیا۔ اب آپ ﷺ اپنے چچا ابو طالب کی پرورش میں آئے۔ ابو طالب آپ ﷺ کی نگرانی اور امداد میں رہے' آپ ﷺ کی پوری توقیر وعزت کرتے اور قوم کی مخالفت کے چڑھتے طوفان کو روکتے رہتے تھے اور اپنے نفس کو بطور ڈھال کے پیش کر دیا کرتے تھے' کیونکہ چالیس سال کی عمر میں آپ ﷺ کو نبوت مل چکی تھی' اور قریش سخت تر مخالف بلکہ دشمن جان ہو گئے تھے' ابو طالب باوجود بت پرست مشرک ہونے کے آپ ﷺ کا ساتھ دیتا تھا اور مخالفین سے لڑتا بھڑتا رہتا تھا۔ یہ تھی منجانب اللہ حسن تدبیر کہ آپ ﷺ کی یتیمی کے ایام اس طرح گزارے اور مخالفین سے آپ ﷺ کی خدمت اسی طرح لی' یہاں تک کہ ہجرت سے کچھ پہلے ابو طالب بھی فوت ہو گئے' اب سفہاء وجہلا قریش اٹھ کھڑے ہوئے تو پروردگار عالم نے آپ ﷺ کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کی رخصت عطا فرمائی اور اوس وخزرج جیسی قوموں کو آپ ﷺ کا انصار بنا دیا۔ ان بزرگوں نے آپ ﷺ کو اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کو جگہ دی اور مدد کی' حفاظت کی اور مخالفین سے سینہ سپر ہو کر مردانہ وار لڑائیاں کیں' اللہ ان سب سے خوش رہے' یہ سب کا سب اللہ کی حفاظت اور اس کی عنایت احسان اور اکرام سے تھا۔ پھر فرمایا کہ راہ بھولا پا کر صحیح راستہ دکھا دیا' جیسے اور جگہ ہے ﴿مَا كُنْتَ تَدْرِىْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ﴾ الخ یعنی اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے تمہاری طرف روح (جبرئیل یا قرآن) کی وحی کی تم یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ ایمان کیا چیز ہوتی ہے' نہ کتاب کی خبر تھی بلکہ ہم نے اسے نور بنا کر جسے چاہا ہدایت کر دی۔ بعض کہتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ حضور ﷺ بچپن میں مکہ کی گلیوں میں گم ہو گئے تھے اس وقت اللہ نے لوٹا لیا' بعض کہتے ہیں کہ شام کی طرف اپنے چچا کے ساتھ جاتے ہوئے رات کو شیطان نے آپ ﷺ کی اونٹنی کی نکیل پکڑ کر راہ سے ہٹا کر جنگل میں ڈال دیا پس جبرئیل علیہ السلام آئے اور پھونک مار کر شیطان کو تو حبشہ میں ڈال دیا اور سواری کو راہ پر لگا دیا۔ بغوی نے یہ دونوں قول نقل کیے ہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ بال بچوں والا ہوتے ہوئے تنگ دست پا کر ہم نے آپ ﷺ کو غنی کر دیا پس فقیر صابر اور غنی شاکر ہونے کے درجات آپ ﷺ کو مل گئے' صلوات اللہ وسلامہ علیہ۔

مسکین کو نہ جھڑکو: حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ یہ سب حال نبوت سے پہلے کے ہیں۔ بخاری ومسلم وغیرہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تونگری مال واسباب کی زیادتی سے نہیں' بلکہ حقیقی تونگر وہ ہے جس کا دل بے پرواہ ہو۔ صحیح مسلم میں ہے اس نے فلاح پالی جسے اسلام نصیب ہوا' اور کافی ہو جائے اتنا رزق بھی ملا' اور اللہ کے دیئے ہوئے پر قناعت کی توفیق ملی۔ پھر فرماتا ہے کہ یتیم کو

حقیر نہ خیال کر نہ ڈانٹ ڈپٹ کر بلکہ اس کے ساتھ احسان و سلوک کر اور اپنی یتیمی کو نہ بھول۔ قتادہؒ فرماتے ہیں کہ یتیم کے لیے ایسا ہو جانا چاہیے جیسے سگا باپ اپنی اولاد پر مہربان ہوتا ہے۔ سائل کو نہ جھڑک جس طرح تم بے راہ تھے اور اللہ نے ہدایت دی تو اب جو تم سے علمی باتیں پوچھے صحیح راستہ دریافت کرے تو تم اسے ڈانٹ ڈپٹ نہ کرو، غریب مسکین ضعیف بندوں پر تکبر تجبر نہ کرو، انہیں ڈانٹو ڈپٹو نہیں، برا بھلا نہ کہو، سخت سست نہ بولو اگر مسکین کو کچھ نہ دے سکے تو بھی بھلا اور اچھا جواب دے نرمی اور رحم کے ساتھ لوٹا دے۔ پھر فرمایا کہ اپنے رب کی نعمتیں بیان کرتے رہو، یعنی جس طرح تمہاری فقیری کو ہم نے تونگری سے بدل دیا تم بھی ہماری ان نعمتوں کو بیان کرتے رہو، اسی لیے حضور ﷺ کی دعاؤں میں یہ بھی تھا ﴿ وَاجْعَلْنَا شٰكِرِيْنَ لِنِعْمَتِكَ مُثْنِيْنَ بِهَا عَلَيْكَ قَابِلِيْهَا وَاَتِمَّهَا عَلَيْنَا ﴾ یعنی اے اللہ! ہمیں اپنی نعمتوں کی شکر گزاری کرنے والا ان کی وجہ سے تیری ثنا بیان کرنے والا ان کا اقرار کرنے والا کر دے اور ان نعمتوں کو ہمیں بھرپور دے۔ ابو نضرہؒ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کا یہ خیال تھا کہ نعمتوں کی شکر گزاری میں یہ بھی داخل ہے کہ ان کا بیان ہو۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ جس نے تھوڑے پر شکر نہ کیا اس نے زیادہ پر بھی شکر نہیں کیا، لوگوں کی شکر گزاری جس نے نہ کی اس نے اللہ کی بھی نہیں کی۔ نعمتوں کا بیان بھی شکر ہے اور ان کا بیان نہ کرنا ناشکری ہے، جماعت کے ساتھ رہنا رحمت کا سبب ہے اور تفرقہ عذاب کا باعث ہے، اس کی اسناد ضعیف ہے۔ بخاری و مسلم میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ مہاجرین نے کہا یا رسول اللہ ﷺ انصار سارا کا سارا اجر لے گئے فرمایا نہیں جب تک کہ تم ان کے لیے دعا کیا کرو اور ان کی تعریف کرتے رہو۔

ابوداؤد میں ہے کہ اس نے اللہ کی شکر گزاری نہیں کی جس نے لوگوں کی شکر گزاری نہ کی۔ ابوداؤد کی اور حدیث میں ہے کہ جسے کوئی نعمت ملی اور اس نے اسے بیان کیا تو وہ شکر گزار ہے اور جس نے اسے چھپایا اس نے ناشکری کی۔ اور روایت میں ہے کہ جسے کوئی عطا دی جائے اسے چاہیے کہ اگر ہو سکے تو بدلہ اتار دے اگر نہ ہو سکے تو اس کی ثنا بیان کرے، جس نے ثنا کی وہ شکر گزار ہوا، اور جس نے اس نعمت کا اظہار نہ کیا اس نے ناشکری کی (ابوداؤد)۔

مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ یہاں نعمت سے مراد نبوت ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ قرآن مراد ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ جو بھلائی کی باتیں آپ کو معلوم ہیں وہ اپنے بھائیوں سے بھی بیان کرو۔ محمد بن اسحاقؒ کہتے ہیں کہ جو نعمت و کرامت نبوت کی تمہیں ملی ہے اسے بیان کرو، اس کا ذکر کرو اور اس کی طرف لوگوں کو دعوت دو۔ چنانچہ حضور ﷺ نے اپنے والوں میں سے جن پر آپ ﷺ کو اطمینان ہوتا پوشیدگی سے پہلے پہل دعوت دینی شروع کی اور آپ ﷺ پر نماز فرض ہوئی جو آپ ﷺ نے ادا کی۔ سورۂ والضحیٰ کی تفسیر ختم ہوئی۔ اللہ کے احسان پر اس کا شکر ہے۔

تفسیر سورۂ الم نشرح مکیہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ﴿۱﴾ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ﴿۲﴾ الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ﴿۳﴾ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ﴿۴﴾ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ﴿۵﴾ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ﴿۶﴾ فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ﴿۷﴾ وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ﴿۸﴾

بنام بخشنے والے مہربان اللہ کے۔

کیا ہم نے تیرا سینہ نہیں کھول دیا؟ اور تجھ پر سے تیرا بوجھ ہم نے اتار دیا' جس نے تیری پیٹھ توڑ دی تھی' اور ہم نے تیرا ذکر بلند کر دیا' سو البتہ مشکل کے ساتھ آسانی ہے' یقیناً دشواری کے ساتھ سہولت ہے' پس جب تو فارغ ہو تو عبادت میں محنت کر' اور اپنے پروردگار ہی کی طرف دل لگا۔

اللہ نے اپنے پیغمبر کا سینہ کشادہ کر دیا: یعنی ہم نے تیرے سینے کو منور کر دیا چوڑا کشادہ اور رحمت و کرم والا کر دیا۔ اور جگہ ہے ﴿فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ﴾ الخ یعنی جسے اللہ ہدایت دینا چاہتا ہے اس کے سینے کو اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔ جس طرح آپ ﷺ کا سینہ کشادہ کر دیا گیا تھا' اسی طرح آپ ﷺ کی شریعت بھی کشادگی والی نرمی اور آسانی والی بنادی جس میں نہ تو کوئی حرج ہے نہ تنگی نہ ترشی نہ تکلیف اور سختی۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مراد معراج والی رات سینے کا شق کیا جانا ہے' جیسے کہ مالک بن صعصعہ کی روایت سے پہلے گزر چکا' امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو یہیں وارد کیا ہے' لیکن یہ یاد رہے کہ یہ دونوں واقعے مراد ہو سکتے ہیں' یعنی معراج کی رات سینے کا شق کیا جانا اور سینہ کو راز الٰہی کا گنجینہ بنا دینا' واللہ اعلم۔

حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ (حضرت) ابو ہریرہؓ بڑی دلیری سے رسول اللہ ﷺ سے وہ وہ باتیں پوچھ لیا کرتے تھے جسے دوسرے نہ پوچھ سکتے تھے۔ ایک مرتبہ سوال کیا یا رسول اللہ ﷺ امر نبوت میں سب سے پہلے آپ نے کیا دیکھا؟ آپ سنبھل بیٹھے اور فرمانے لگے ابو ہریرہ! میں ۱۰ دس سال کچھ ماہ کا تھا' جنگل میں کھڑا تھا کہ میں نے اوپر آسمان کی طرف سے کچھ آواز سنی کہ ایک شخص دوسرے سے کہہ رہا ہے کیا یہ وہی ہیں؟ اب دو شخص میرے سامنے آئے جن کے منہ ایسے منور تھے کہ میں نے ایسے کبھی نہیں دیکھے اور ایسی خوشبوئیں آ رہی تھیں کہ میرے دماغ نے ایسی خوشبو کبھی نہیں سونگھی اور ایسے کپڑے پہنے ہوئے تھے کہ میں نے کبھی کسی پر ایسے کپڑے نہیں دیکھے' اور آ کر انہوں نے میرے دونوں بازو تھام لیے لیکن مجھے یہ بھی نہیں معلوم ہوتا تھا کہ کوئی میرے بازو تھامے ہوئے ہے' پھر ایک نے دوسرے سے کہا کہ انہیں لٹا دو۔ چنانچہ اس نے لٹا دیا لیکن اس میں بھی نہ مجھے تکلیف ہوئی نہ محسوس ہوا۔ پھر ایک نے دوسرے سے کہا ان کا سینہ شق کرو۔ چنانچہ میرا سینہ چیر دیا لیکن نہ تو مجھے اس میں کچھ دکھ ہوا نہ میں نے خون دیکھا۔ پھر کہا اس میں سے غل و غش حسد و بغض سب نکال دو۔ چنانچہ اس نے ایک خون بستہ جیسی کوئی چیز نکالی اور اسے پھینک دیا۔ پھر اس نے کہا اس میں رافت و رحمت رحم و کرم بھر دو۔ پھر ایک چاندی جیسی چیز جتنی نکالی تھی اتنی ڈال دی پھر میرے دائیں پاؤں کا انگوٹھا ہلا کر کہا جائیے اور سلامتی سے زندگی گزاریئے۔ اب میں جو چلا تو میں نے دیکھا کہ ہر چھوٹے پر میرے دل میں رقت ہے اور ہر بڑے پر رحمت ہے (مسند احمد)۔

اللہ نے پیغمبر کا بوجھ ہلکا کیا: پھر فرمان ہے کہ ہم نے تیرا بوجھ اتار دیا' یہ اسی معنی میں ہے کہ اللہ نے آپ ﷺ کے اگلے پچھلے گناہ معاف فرما دیئے' جس نے تیری کمر کو بوجھل کر دیا تھا' ہم نے تیرا ذکر بلند کیا۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں یعنی جہاں میرا ذکر کیا جائے وہاں تیرا ذکر کیا جائے گا' جیسے ﴿ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ ﴾ قتادہؒ فرماتے ہیں کہ دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کا ذکر بلند کر دیا' کوئی خطیب کوئی واعظ کوئی کلمہ گو کوئی نمازی ایسا نہیں جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اور آپ ﷺ کی رسالت کا کلمہ نہ پڑھتا ہو۔ ابن جریر میں ہے کہ حضور ﷺ کے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور فرمایا کہ میرا اور آپ کا رب فرماتا ہے کہ میں آپ ﷺ کا ذکر کس طرح بلند کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ ہی کو پورا علم ہے۔ فرمایا جب میں ذکر کیا جاؤں تو آپ ﷺ کا بھی ذکر کیا جائے گا۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں میں نے اپنے رب سے ایک سوال کیا لیکن نہ کرتا تو اچھا ہوتا۔ میں نے کہا اے اللہ! مجھ سے پہلے نبیوں میں سے کسی کے لیے تو نے ہوا کو تابعدار کر دیا تھا' کسی کے ہاتھوں مردوں کو زندہ کر دیا تھا' تو اللہ

تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا کیا تجھے میں نے یتیم پا کر جگہ نہیں دی؟ میں نے کہا بے شک۔ فرمایا راہ گم کردہ پا کر میں نے تجھے ہدایت نہیں کی؟ میں نے کہا بے شک۔ فرمایا کیا فقیر پا کر غنی نہیں بنادیا؟ میں نے کہا بے شک۔ فرمایا کیا میں نے تیرا سینہ کھول نہیں دیا؟ کیا میں نے تیرا ذکر بلند نہیں کیا؟ میں نے کہا بے شک کیا ہے۔

ابو نعیم دلائل النبوۃ میں لائے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب میں فارغ ہوا اس چیز سے جس کا حکم مجھے میرے رب عزوجل نے کیا تھا آسمان اور زمین کے کام سے تو میں نے کہا اے اللہ! مجھ سے پہلے جتنے انبیاء علیھم السلام ہوئے ان سب کی تو نے تکریم کی' ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا' موسیٰ کو کلیم بنایا' داوٗد علیہ السلام کے لیے پہاڑوں کو مسخر کیا' سلیمان علیہ السلام کے لیے ہواؤں کو تابعدار بنایا اور شیاطین کو بھی' عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر مردے زندہ کرائے ہیں' پس میرے لیے کیا کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا میں نے تجھے ان سب سے افضل چیز نہیں دی؟ کہ میرے ذکر کے ساتھ ہی تیرا ذکر بھی کیا جاتا ہے اور میں نے تیری امت کے سینوں کو ایسا کر دیا کہ وہ قرآن کو ظاہراً پڑھتے ہیں۔ یہ میں نے کسی اگلی امت کو نہیں دیا اور میں نے تجھے عرش کے خزانوں میں سے خزانہ دیا جو ﴿ لا حَوْلَ وَلا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ ﴾ ہے۔

نبی کا نام زندہ رہے گا: ابن عباسؓ اور مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد اذان ہے' یعنی اذان میں آپ ﷺ کا ذکر ہے۔ جس طرح حضرت حسانؓ کے شعروں میں ہے

﴿ اَغَرَّ عَلَيْهِ لِلنُّبُوَّةِ خَاتَمٌ ۔۔۔ مِنَ اللّٰهِ مِنْ نُّوْرٍ يَّلُوْحُ وَيَشْهَدُ ﴾
﴿ وَضَمَّ الْاِلٰهُ اسْمَ النَّبِيِّ اِلَى اسْمِهٖ ۔۔۔ اِذَا قَالَ فِي الْخَمْسِ الْمُؤَذِّنُ اَشْهَدُ ﴾
﴿ وَشَقَّ لَهٗ مِنِ اسْمِهٖ لِيُجِلَّهٗ ۔۔۔ فَذُو الْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَّ هٰذَا مُحَمَّدٌ ﴾

یعنی اللہ تعالیٰ نے مہر نبوت کو اپنے پاس کا ایک نور بنا کر آپ ﷺ پر چمکا دی جو آپ ﷺ کی رسالت کی گواہ ہے۔ اپنے نام کے ساتھ اپنے نبی ﷺ کا نام ملا لیا جب کہ پانچوں وقت ﴿ مؤذن اشهدا ﴾ الخ کہتا ہے۔ آپ ﷺ کی عزت و جلال کے اظہار کے لیے اپنے نام سے آپ ﷺ کا نام نکالا دیکھو وہ عرش والا محمود ہے اور آپ ﷺ محمد ہیں (ﷺ) اور لوگ کہتے ہیں کہ اگلوں پچھلوں میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا ذکر بلند کیا اور تمام انبیاء علیھم السلام سے روز میثاق میں عہد لیا گیا کہ وہ آپ ﷺ پر ایمان لائیں اور اپنی اپنی امتوں کو بھی آپ ﷺ پر ایمان لانے کا حکم کریں۔ پھر آپ ﷺ کی امت میں آپ ﷺ کے ذکر کو مشہور کیا کہ اللہ کے ذکر کے ساتھ آپ ﷺ کا ذکر کیا جائے۔

صرصریؒ نے کتنی اچھی بات بیان فرمائی ہے' فرماتے ہیں کہ فرضوں کی اذان صحیح نہیں ہوتی مگر آپ ﷺ کے پیارے اور میٹھے نام سے جو پسندیدہ اور اچھے منہ سے ادا ہو' اور فرماتے ہیں کہ تم نہیں دیکھتے کہ ہماری اذان اور ہمارا فرض صحیح نہیں ہوتا' کہ جب تک کہ آپ ﷺ کا ذکر بار بار اس میں نہ آئے۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ تکرار اور تاکید کے ساتھ (۲) دو (۲) دفعہ فرماتا ہے کہ سختی کے ساتھ آسانی' دشواری کے ساتھ سہولت ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ بیٹھے ہوئے تھے اور آپ ﷺ کے سامنے ایک پتھر تھا۔ پس لوگوں نے کہا اگر سختی آئے اور اس پتھر میں گھس جائے تو آسانی بھی آئے گی اور اسی میں جائے گی اور اسے نکال لائے گی۔ اس پر یہ آیت اتری۔ مسند بزار میں ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اگر دشواری اس پتھر میں داخل ہو جائے تو آسانی آ کر اسے نکالے گی۔ پھر آپ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی' یہ حدیث صرف عائذ بن شریح حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں اور ان کے بارے میں ابو حاتم رازیؒ کا فیصلہ ہے کہ ان کی حدیث میں ضعف ہے اور ابن مسعودؓ سے یہ موقوف مروی ہے۔

سختی کے ساتھ آسانی: حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ لوگ کہتے تھے کہ ایک سختی دو آسانیوں پر غالب نہیں آسکتی۔ حضرت

حسنؒ سے ابن جریر میں مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک دن شاداں وفرحاں آئے اور ہنستے ہوئے فرمانے لگے ہرگز ایک دشواری دو نرمیوں پر غالب نہیں آسکتی، پھر اس آیت کی آپ ﷺ نے تلاوت کی۔ یہ حدیث مرسل ہے۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کو خوشخبری سنائی کہ دو آسانیوں پر ایک سختی غالب نہیں آسکتی۔ مطلب یہ ہے کہ عسرۃ کے لفظ کو تو دونوں جگہ معرفہ لائے ہیں تو وہ مفرد ہوا اور یسر کے لفظ کو نکرہ لائے ہیں تو وہ متعدد ہو گیا۔ ایک حدیث میں ہے کہ معونۃ یعنی امداد اللہ بقدر مئونۃ یعنی تکلیف کے آسمان سے نازل ہوتی ہے اور صبر مصیبت کے مقدار پر نازل ہوتا ہے۔ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں

﴿ صَبْرًا جَمِيْلًا مَا اَقْرَبَ الْفَرَجَا   مَنْ رَّاقَبَ اللّٰهَ فِى الْاُمُوْرِ نَجَا ﴾

﴿مَنْ صَدَّقَ اللّٰهَ لَمْ يَنَلْهُ اَذَى   وَمَنْ رَجَاهُ يَكُوْنُ حَيْثُ رَجَا ﴾

یعنی اچھا صبر کشادگی سے کیا ہی قریب ہے؟ اپنے کاموں میں اللہ تعالیٰ کا لحاظ رکھنے والا نجات یافتہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی باتوں کی تصدیق کرنے والے کو کوئی ایذا نہیں پہنچتی۔ اس سے بھلائی کی امید رکھنے والا اسے اپنی امید کے ساتھ ہی پاتا ہے۔ حضرت ابو حاتم بجستانی کے اشعار ہیں کہ جب مایوسی دل پر قبضہ کر لیتی ہے اور سینہ باوجود کشادگی کے تنگ ہو جاتا ہے تکلیفیں گھیر لیتی ہیں اور مصیبتیں ڈیرہ جما لیتی ہیں، کوئی چارہ سجھائی نہیں دیتا اور کوئی تدبیر نجات کارگر نہیں ہوتی، اس وقت اچانک اللہ کی مدد آپہنچتی ہے اور وہ دعاؤں کا سننے والا ب باریک بین اللہ اس سختی کو آسانی سے اور اس تکلیف کو راحت سے بدل دیتا ہے۔ تنگیاں جب کہ بھرپور آپڑتی ہیں پروردگار معاً کشادگیاں نازل فرما کر نقصان فائدہ سے بدل دیتا ہے، کسی اور شاعر نے کہا ہے

﴿ وَلَرُبَّ نَازِلٍ يَضِيْقُ بِهِ الْفَتٰى   ذَرْعًا وَعِنْدَاللّٰهِ مِنْهَا الْمَخْرَجُ﴾

﴿كَمُلَتْ فَلَمَّا اسْتَحْكَمَتْ حَلَقَاتُهَا   فُرِجَتْ وَكَانَ يَظُنُّهَا لَا تُفْرَجُ ﴾

یعنی بہت سی ایسی مصیبتیں انسان پر نازل ہوتی ہیں جن سے وہ تنگ دل ہو جاتا ہے حالانکہ اللہ کے پاس ان سے چھٹکارا بھی ہے، جب یہ مصیبتیں کامل ہو جاتی ہیں اور زنجیر کے حلقے مضبوط ہو جاتے ہیں اور انسان گمان کرنے لگتا ہے کہ بھلا اب یہ کیا ہٹے گی؟ کہ اچانک اس رحیم وکریم اللہ کی شفقت بھری نظریں پڑتی ہیں اور اس مصیبت کو اس طرح دور کر دیتا ہے کہ گویا آئی ہی نہ تھی۔ اس کے بعد ارشاد باری ہوتا ہے جب تو دنیوی کاموں سے اور یہاں کے اشغال سے فرصت پا تو ہماری عبادتوں میں لگ جا اور فارغ البال ہو کر دلی توجہ کر کے ہمارے سامنے عاجزی میں لگ جا، اپنی نیت خالص کر لے، اپنی پوری رغبت کے ساتھ ہماری جناب کی طرف متوجہ ہو جا۔

اسی معنی کی وہ حدیث ہے جس کی صحت پر اتفاق ہے جس میں ہے کھانا سامنے موجود ہونے کے وقت نماز نہیں اور اس حالت میں بھی کہ انسان کو پاخانہ پیشاب کی حاجت ہو۔ اور حدیث میں ہے کہ جب نماز کھڑی کی جائے اور شام کا کھانا سامنے موجود ہو تو پہلے کھانے سے فراغت حاصل کر لو۔ حضرت مجاہدؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ جب امر دنیا سے فارغ ہو کر نماز کے لیے کھڑا ہو تو محنت کے ساتھ عبادت کر اور مشغولیت کے ساتھ رب کی طرف توجہ کر۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جب فرض نماز سے فارغ ہو تو تہجد کی نماز میں کھڑا ہو۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ نماز سے فارغ ہو کر بیٹھے ہوئے اپنے رب کی طرف توجہ کر۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یعنی دعا کر۔

زید ابن اسلم اور ضحاک فرماتے ہیں کہ جہاد سے فارغ ہو کر اللہ کی عبادت میں لگ جا۔ ثوری فرماتے ہیں کہ اپنی نیت اور اپنی رغبت اللہ ہی کی طرف رکھ۔

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ سورۂ الم نشرح کی تفسیر اللہ کے فضل وکرم سے ختم ہوئی۔

تفسیر سورۂ التین مکیہ

تعارف سورت: حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے سفر میں دو رکعتوں میں سے کسی ایک میں یہ سورت پڑھ رہے تھے میں نے آپ ﷺ سے زیادہ اچھی آواز اور اچھی قرات کسی کی نہیں سنی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ① وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ② وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ③ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ④ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ⑤ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ⑥ فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ ⑦ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ ⑧

اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والے مہربانی کرنے والے کے نام سے شروع۔

قسم ہے انجیر کی اور زیتون کی اور طور سینین کی' اور اس امن والے شہر کی یقیناً ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا پھر اسے نیچوں سے نیچا کر دیا لیکن جو لوگ ایمان لائے اور پھر نیک عمل کئے تو ان کے لیے ایسا اجر ہے جو کبھی ختم نہ ہو گا پس تجھے اب روز جزا کے جھٹلانے پر کونسی چیز آمادہ کرتی ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ سب حاکموں کا حاکم نہیں ہے؟

انجیر یا تین کیا ہے: ﴿تِيْنِ﴾ سے مراد کسی کے نزدیک تو مسجد دمشق ہے کوئی کہتا ہے خود دمشق مراد ہے کسی کے نزدیک دمشق کا ایک پہاڑ مراد ہے' بعض کہتے ہیں کہ اصحاب کہف کی مسجد مراد ہے کوئی کہتا ہے جودی پہاڑ پر مسجد نوح جو ہے وہ مراد ہے' بعض کہتے ہیں کہ انجیر مراد ہے۔ زیتون سے کوئی کہتا ہے مسجد بیت المقدس مراد ہے۔

زیتون اور طور سینا: کسی نے کہا وہ زیتون جسے نچوڑتے ہو۔ طور سینین وہ پہاڑ ہے جس پر حضرت موسیٰ سے اللہ تعالیٰ نے کلام کیا تھا۔ ﴿ بَلَدِ الْاَمِيْنَ ﴾ سے مراد مکہ ہے' اس میں کسی کو اختلاف نہیں' بعض کا قول یہ ہے کہ یہ تینوں وہ جگہیں ہیں جہاں تین اولوالعزم صاحب شریعت پیغمبر علیہم السلام بھیجے گئے ہیں' تین سے مراد تو بیت المقدس ہے جہاں پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا گیا تھا اور طور سینین سے مراد طور سینا ہے جہاں حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے کلام کیا تھا اور بلد امین سے مراد مکہ مکرمہ ہے جہاں ہمارے سردار حضرت محمد ﷺ بھیجے گئے۔ تورات کے آخر میں ان تینوں جگہوں کا نام ہے۔ اس میں ہے کہ طور سینا سے اللہ تعالیٰ آیا یعنی وہاں پر حضرت موسیٰ سے اللہ تعالیٰ نے کلام کیا اور ساعیر یعنی بیت المقدس کے پہاڑ سے اس نے نور چمکایا۔

مکہ کی عظمت: یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وہاں بھیجا' اور فاران کی چوٹیوں پر وہ بلند ہوا یعنی مکہ کے پہاڑوں سے حضرت محمد ﷺ کو بھیجا' پھر ان تینوں زبردست بڑے مرتبے والے پیغمبروں کی زبانی اور وجودی ترتیب بیان کر دی' اسی طرح یہاں بھی پہلے جس کا نام لیا اس سے زیادہ شریف چیز کا نام پھر لیا' پھر ان دونوں سے بزرگ تر چیز کا نام آخر میں لیا' پھر ان قسموں کے بعد بیان فرمایا کہ انسان کو

اچھی شکل وصورت میں صحیح قدو قامت والا درست اور سڈول اعضاء والا خوبصورت اور سہاؤنے چہرے والا پیدا کیا۔ پھر اسے نیچوں سے نیچا کر دیا یعنی جہنمی ہو گیا' اگر اللہ کی اطاعت اور رسول ﷺ کی اتباع نہ کی تو' اسی لیے ایمان والوں کو اس سے الگ کر لیا۔ بعض کہتے ہیں کہ مراد پھوس بڑھاپے کی طرف لوٹا دینا ہے۔

حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں کہ جس نے قرآن جمع کیا وہ رذیل عمر کو نہ پہنچے گا۔ امام ابن جریرؒ اسی کو پسند فرماتے ہیں' لیکن اگر یہی بڑھاپا مراد ہوتا تو مومنوں کا استثناء کیوں ہوتا۔ بڑھاپا تو بعض مومنوں پر بھی آتا ہے۔ پس ٹھیک بات وہی ہے جو اوپر ہم نے ذکر کی۔ جیسے اور جگہ سورۂ والعصر میں ہے کہ تمام انسان نقصان میں ہیں سوائے ایمان اور اعمال صالح والوں کے کہ انہیں نیک جزا وہ ملے گی جس کی انتہا نہ ہو جیسے پہلے بیان ہو چکا' پھر فرماتا ہے اے انسان جب کہ تو اپنی پہلی اور اول مرتبہ کی پیدائش کو جانتا ہے تو پھر جزا و سزا کے دن کے آنے پر اور تیرے دوبارہ زندہ ہونے پر تجھے کیوں یقین نہیں؟ کیا وجہ ہے کہ تو اسے نہیں مانتا حالانکہ ظاہر ہے کہ جس نے پہلی دفعہ پیدا کر دیا اس پر دوسری دفعہ کا پیدا کرنا کیا مشکل ہے؟

حضرت مجاہدؒ ایک مرتبہ حضرت ابن عباسؓ سے پوچھ بیٹھے کہ اس سے مراد آنحضرت ﷺ ہیں؟ آپ نے فرمایا معاذ اللہ اس سے مراد مطلق انسان ہے۔ عکرمہؒ وغیرہ کا بھی یہی قول ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ کیا اللہ احکم الحاکمین نہیں ہے؟ وہ نہ ظلم کرے نہ بے عدلی کرے اسی لیے وہ قیامت قائم کرے گا اور ہر ایک ظالم سے مظلوم کا انتقام لے گا۔ حضرت ابوہریرہؓ سے مرفوع حدیث میں گزر چکا ہے کہ جو شخص ﴿ وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ﴾ پڑھے اور اس کے آخر کی آیت ﴿اَلَيْسَ اللّٰهُ﴾ الخ پڑھے تو کہدے ﴿ بَلٰى وَ اَنَا عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴾ یعنی ہاں اور میں اس پر گواہ ہوں۔

﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ﴾ اللہ کے فضل و کرم سے سورۂ والتین کی تفسیر ختم ہوئی۔

تفسیر سورۂ علق مکیہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝۱ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝۲ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝۳ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝۴ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝۵

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت بڑی بخشش کرنے والا بہت زیادہ مہربان ہے۔

اپنے رب کا نام لے کر پڑھ جس نے پیدا کیا' جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ تو پڑھتا رہ تیرا رب بڑے کرم والا ہے' جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا' جس نے انسان کو وہ سکھایا جسے وہ نہیں جانتا تھا۔

پہلی وحی: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ کی وحی کی ابتدا اچھے خوابوں سے ہوئی' جو خواب آپ ﷺ دیکھتے وہ صبح کے ظہور کی طرح ظاہر ہو جاتا۔ پھر آپ ﷺ نے گوشہ نشینی اور خلوت اختیار کی۔ ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے توشہ لے کر غار حرا میں تشریف لے جاتے اور کئی کئی راتیں وہیں عبادت میں گزارا کرتے پھر آتے اور توشہ لے کر چلے جاتے یہاں تک کہ ایک مرتبہ اچانک وہیں شروع شروع میں وحی آئی فرشتہ آپ ﷺ کے پاس آیا اور کہا اقراء یعنی پڑھیے۔ آپ

ﷺ فرماتے ہیں میں نے کہا میں تو پڑھا ہوا نہیں' فرشتے نے مجھے پکڑا اور دبوچا یہاں تک کہ مجھے تکلیف ہوئی پھر مجھے چھوڑ دیا اور فرمایا پڑھ۔ میں نے پھر کہا میں پڑھنا نہیں جانتا۔ فرشتے نے مجھے دوبارہ دبوچا جس سے مجھے تکلیف بھی ہوئی پھر چھوڑ دیا اور فرمایا پڑھو' میں نے پھر بھی یہی کہا کہ میں پڑھنے والا نہیں' اس نے مجھے تیسری مرتبہ پکڑ کر دبایا اور تکلیف پہنچائی پھر چھوڑ دیا اور ﴿ اقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ﴾ سے ﴿ مَا لَمْ يَعْلَمْ ﴾ تک پڑھا۔ آپ ﷺ ان آیتوں کو لئے ہوئے کانپتے ہوئے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور فرمایا مجھے کپڑا اڑھادو' چنانچہ کپڑا اڑھادیا یہاں تک کہ ڈر خوف جاتا رہا تو آپ ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے سارا واقعہ بیان فرمایا اور فرمایا مجھے اپنی جان جانے کا خوف ہے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا حضور! آپ خوش ہو جائیے اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ آپ کو ہرگز رسوانہ کرے گا' آپ صلہ رحمی کرتے ہیں' سچی باتیں کرتے ہیں دوسروں کا بوجھ خود اٹھا لیتے ہیں' مہمان نوازی کرتے ہیں' اور حق پر دوسروں کی مدد کرتے ہیں۔ پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کو لے کر اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبدالعزے بن قصی کے پاس آئیں' جاہلیت کے زمانہ میں یہ نصرانی ہوگئے تھے' عربی کتاب لکھتے تھے اور عبرانی میں انجیل لکھتے تھے' بہت بڑی عمر کے بوڑھے پھوس تھے' آنکھیں جا چکی تھیں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان سے کہا کہ اپنے بھتیجے کا واقعہ سنئے۔ ورقہ نے پوچھا بھتیجے! آپ نے کیا دیکھا؟ رسول اللہ ﷺ نے سارا واقعہ کہہ سنایا۔ ورقہ نے سنتے ہی کہا کہ یہی وہ راز داں فرشتہ ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس بھی اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا آیا کرتا تھا' کاش کہ میں اس وقت جوان ہوتا' کاش کہ میں اس وقت زندہ ہوتا جب کہ آپ کو آپ کی قوم نکال دے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے تعجب سے سوال کیا کہ کیا وہ مجھے نکال دیں گے؟ ورقہ نے کہا کہ ہاں' ایک آپ کیا جتنے بھی لوگ آپ کی طرح نبوت سے سرفراز ہو کر آئے ان سب سے دشمنیاں کی گئیں' اگر وہ وقت میری زندگی میں آ گیا تو میں آپ کی پوری پوری مدد کروں گا۔

لیکن اس واقعہ کے بعد ورقہ بہت کم مدت زندہ رہے اور ادھر وحی بھی رک گئی اور اس کے رکنے کا حضور ﷺ کا بڑا قلق تھا' کئی مرتبہ آپ ﷺ نے پہاڑ کی چوٹی پر سے اپنے آپ کو گرادینا چاہا لیکن ہر وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام آجاتے اور فرمادیتے کہ اے محمد! آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ﷺ ہیں۔ اس سے آپ ﷺ کا قلق اور رنج و غم جاتا رہتا اور دل میں قدرے اطمینان پیدا ہو جاتا اور آرام سے گھر واپس آجاتے (مسند احمد)

یہ حدیث صحیح بخاری' صحیح مسلم میں بھی بروایت زہری مروی ہے۔ اس کی سند میں اس کے متن میں' اس کے معانی میں جو کچھ بیان کرنا چاہیے تھا وہ ہم نے اپنی شرح بخاری میں پورے طور پر بیان کر دیا ہے اگر جی چاہے وہیں دیکھ لیا جائے' ﴿ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ ﴾

پس قرآن کریم کی عتبار نزول کے سب سے پہلی آیتیں یہی ہیں' یہی پہلی نعمت ہے جو اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنے بندوں پر انعام کی اور یہی وہ پہلی رحمت ہے جو اس ارحم الرحمین نے اپنے رحم و کرم سے ہمیں دی۔ اس میں تنبیہ ہے انسان کی اول پیدائش پر کہ وہ ایک جمے ہوئے خون کی شکل میں تھا اللہ تعالیٰ نے اس پر یہ احسان کیا کہ اسے اچھی صورت میں پیدا کیا پھر علم جیسی اپنی خاص نعمت اسے مرحمت فرمائی اور وہ سکھایا جسے وہ نہیں جانتا تھا' علم ہی کی برکت تھی کہ کل انسانوں کے باپ حضرت آدم علیہ السلام فرشتوں میں بھی ممتاز نظر آئے۔ علم کبھی تو ذہن میں ہی ہوتا ہے اور کبھی زبان پر ہوتا ہے اور کبھی کتابی صورت میں لکھا ہوا ہوتا ہے' پس علم کی تین قسمیں ہوئیں ذہنی لفظی اور رسمی' اور رسمی علم ذہنی اور لفظی کو مستلزم ہے لیکن وہ دونوں اسے مستلزم نہیں' اسی لیے فرمایا کہ پڑھ! تیرا رب تو بڑے اکرام والا ہے جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا اور آدمی کو جو وہ نہیں جانتا تھا معلوم کرادیا۔

ایک اثر میں وارد ہے کہ علم کو لکھ لیا کرو' اسی اثر میں ہے کہ جو شخص اپنے علم پر عمل کرے اسے اللہ تعالیٰ اس علم کا بھی وارث کر دیتا ہے جسے وہ نہیں جانتا تھا۔

كَلَّآ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَيَطْغٰىٓ ﴿٦﴾ أَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ﴿٧﴾ إِنَّ إِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى ﴿٨﴾ أَرَءَيْتَ الَّذِي يَنْهٰى ﴿٩﴾ عَبْدًا إِذَا صَلّٰى ﴿١٠﴾ أَرَءَيْتَ إِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰىٓ ﴿١١﴾ أَوْ أَمَرَ بِالتَّقْوٰى ﴿١٢﴾ أَرَءَيْتَ إِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿١٣﴾ أَلَمْ يَعْلَمْ بِأَنَّ اللّٰهَ يَرٰى ﴿١٤﴾ كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ ﴿١٥﴾ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ﴿١٦﴾ فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ ﴿١٧﴾ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ﴿١٨﴾ كَلَّا لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ﴿١٩﴾ السجدة

بندے کو روکتا ہے' جب کہ وہ بندہ نماز ادا کرتا ہے' بھلا بتلا تو اگر وہ ہدایت پر ہو تا' یا تقویٰ کی تعلیم دیتا' تو کتنا اچھا ہوتا اچھا یہ بھی بتا کہ اگر یہ جھٹلاتا ہوا اور منہ پھیرتا ہو تو' کیا یہ نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ اسے خوب دیکھ رہا ہے' یقیناً اگر یہ باز نہ رہا تو ہم اس کی چوٹی پکڑ کر گھسیٹیں گے' ایسی چوٹی جو جھوٹی خطاکار ہے' یہ اپنی مجلس والوں کو بلالے' ہم بھی دوزخ کے پیادوں کو بلالیں گے' خبر دار! اس کا کہنا ہر گز نہ ماننا اور سجدے میں اور قرب الٰہی کی طلب میں لگے رہنا۔

اللہ سے ڈرنا: فرماتا ہے کہ انسان کے پاس جہاں (۲) دو پیسے ہو گئے ذرا فارغ البال ہوا کہ اس کے دل میں کبر و غرور عجب و خود پسندی آئی اسے ڈرتے رہنا چاہیے اور خیال رکھنا چاہیے کہ اسے ایک دن اللہ کی طرف لوٹنا ہے' وہاں جہاں اور حساب ہوں گے' مال کی بابت بھی سوال ہو گا کہ لایا کہاں سے اور خرچ کہاں کیا۔ حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں دو لالچی ایسے ہیں جن کا پیٹ ہی نہیں بھرتا' ایک طالب علم' دوسرا طالب دنیا'

شان نزول: ان دونوں میں بڑا فرق ہے' علم کا طالب تو اللہ کی رضامندی کے حاصل کرنے میں بڑھتا رہتا ہے' اور دنیا کا لالچی سرکشی اور خود پسندی میں بڑھتا رہتا ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی جس میں دنیاداروں کا ذکر ہے' پھر طالب علموں کی فضیلت کے بیان کی یہ آیت تلاوت کی ﴿ إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَآءُ ﴾ ۔ یہ حدیث مرفوعاً یعنی نبی ﷺ کے فرمان سے بھی مروی ہے کہ (۲) دو لالچی ہیں جو شکم پر نہیں ہوتے طالب علم اور طالب دنیا۔ اس کے بعد کی آیتیں ابو جہل ملعون کے بارے میں نازل ہوئی ہیں کہ یہ آنحضرت ﷺ کو بیت اللہ میں نماز پڑھنے سے روکتا تھا۔ پس پہلے تو اسے بہترین طریقہ سے سمجھایا گیا کہ جنہیں تو روکتا ہے یہی اگر سیدھی راہ پر ہوں' انہی کی باتیں تقویٰ کا حکم کرتی ہوں پھر تو انہیں اگر ڈانٹ ڈپٹ کرے اور اللہ کے گھر سے روکے تو تیری بدقسمتی کی انتہا ہے یا نہیں؟ کیا یہ روکنے والا جو ایسے مرشد حق کو راہ حق سے روکنے کے درپے ہے' اتنا بھی نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے اس کا کلام سن رہا ہے اور اس کے کلام اور کام پر اسے سزا دے گا' اس طرح سمجھا چکنے کے بعد اب ڈرا رہا ہے کہ اگر اس نے اپنی مخالفت اور سرکشی اور ایذا دہی نہ چھوڑی تو ہم بھی اس کی پیشانی کے بال پکڑ کر گھسیٹیں گے جو اقوال میں کاذب اور افعال میں خطاکار ہے' یہ اپنے مددگاروں ہم نشینوں کو قرابت داروں کو کنبہ قبیلے کو بلالے' دیکھیں تو کون اسکی مدد کر سکتا ہے ہم بھی اپنے عذاب کے فرشتوں کو بلالیتے ہیں پھر ہر ایک کو کھل جائے گا کہ کون جیتا اور کون ہارا۔ صحیح بخاری میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ابو جہل نے کہا کہ اگر میں محمد ﷺ کو کعبہ میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھوں گا تو گردن ناپوں گا۔ حضور ﷺ کو بھی یہ خبر پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا اگر یہ ایسا کرے گا تو اللہ کے فرشتے اسے پکڑ لیں گے۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضور ﷺ مقام ابراہیم کے پاس بیت اللہ میں

نماز پڑھ رہے تھے کہ یہ معلون آیا اور کہنے لگا میں نے تجھے منع کر دیا پھر بھی تو باز نہیں آتا۔ اگر اب میں نے تجھے کعبے میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو سخت سزا دوں گا وغیرہ۔ نبی ﷺ نے سختی سے جواب دیا اس کی بات ٹھکرا دی اور اچھی طرح ڈانٹ دیا اس پر وہ کہنے لگا کہ تو مجھے ڈانٹتا ہے' اللہ کی قسم میری ایک آواز پر یہ ساری وادی آدمیوں سے بھر جائے گی۔ اس پر یہ آیت اتری کہ اچھا تو اپنے حامیوں کو بلا ہم بھی اپنے فرشتوں کو بلا لیتے ہیں۔

ابو جہل کا واقعہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اگر وہ اپنے والوں کو پکارتا تو اسی وقت عذاب کے فرشتے اسے لپک لیتے (ملاحظہ ہو ترمذی وغیرہ)

مسند احمد میں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ابو جہل نے کہا کہ اگر میں رسول اللہ ﷺ کو بیت اللہ میں نماز پڑھتے دیکھ لوں گا تو اس کی گردن توڑ دوں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر وہ ایسا کرتا تو اسی وقت لوگوں کے دیکھتے ہوئے عذاب کے فرشتے اسے پکڑ لیتے اور اسی طرح جب کہ یہودیوں سے قرآن نے کہا تھا کہ اگر تم سچے ہو تو موت مانگو اگر وہ اسے قبول کر لیتے اور موت طلب کرتے تو سارے کے سارے مر جاتے اور جہنم میں اپنی جگہ دیکھ لیتے۔

اور جن نصرانیوں کو مباہلہ کی دعوت دی گئی تھی اگر یہ مباہلہ کے لیے نکلتے تو لوٹ کر نہ اپنا مال پاتے نہ اپنے بال بچوں کو پاتے۔ ابن جریر میں ہے کہ ابو جہل نے کہا اگر میں آپ ﷺ کو مقام ابراہیم کے پاس نماز پڑھتا ہوا دیکھ لوں گا تو جان سے مار ڈالوں گا اس پر یہ سورت اتری' حضور ﷺ تشریف لے گئے ابو جہل موجود تھا' اور آپ ﷺ نے وہیں نماز ادا کی تو لوگوں نے اس بدبخت سے کہا کہ کیوں بیٹھا رہا؟ اس نے کہا کیا بتاؤں کون میرے اور ان کے درمیان حائل ہو گئے۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں اگر ذرا بھی ہلتا جلتا تو لوگوں کے دیکھتے ہوئے فرشتے اسے ہلاک کر ڈالتے۔ ابن جریر کی ایک اور روایت میں ہے کہ ابو جہل نے پوچھا کہ کیا محمد ﷺ تمہارے سامنے سجدہ کرتے ہیں؟ لوگوں نے کہا ہاں' تو کہنے لگا اللہ کی قسم اگر میرے سامنے اس نے یہ کیا تو اس کی گردن روند دوں گا اور اس کے منہ میں مٹی ملا دوں گا۔ ادھر اس ملعون نے یہ کہا ادھر رسول اللہ ﷺ نے نماز شروع کی جب آپ ﷺ سجدے میں گئے تو یہ آگے بڑھا لیکن ساتھ ہی اپنے ہاتھ سے اپنے آپ کو بچاتا ہوا پچھلے پیروں نہایت بدحواسی سے پیچھے ہٹا۔ لوگوں نے کہا کیا ہے؟ کہنے لگا کہ میرے اور حضور ﷺ کے درمیان آگ کی خندق ہے اور گھبراہٹ کی خوفناک چیزیں ہیں اور فرشتوں کے پر ہیں وغیرہ۔ اس وقت حضور ﷺ نے فرمایا اگر یہ اور ذرا قریب آ جاتا تو فرشتے اس کا ایک ایک عضو الگ الگ کر دیتے۔

پس یہ آیتیں ﴿ كَلَّا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰى ﴾ سے آخر سورۃ تک نازل ہوئیں' اللہ ہی کو علم ہے کہ یہ کلام حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث میں ہے یا نہیں؟

یہ حدیث مسند مسلم نسائی اور ابن ابی حاتم میں بھی ہے۔ پھر فرمایا کہ اے نبی! تم اس مردود کی بات نہ ماننا' عبادت پر مداومت کرنا اور بکثرت عبادت کرتے رہنا اور جہاں جی چاہے نماز پڑھتے رہنا اور اس کی مطلق پرواہ نہ کرنا اللہ تعالیٰ خود تیرا حافظ و ناصر ہے' وہ تجھے دشمنوں سے محفوظ رکھے گا' تو سجدے میں اور قرب الٰہی کی طلب میں مشغول رہ۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں سجدہ کی حالت میں بندہ اپنے رب تبارک و تعالیٰ سے بہت ہی قریب ہوتا ہے' پس تم بکثرت سجدوں میں دعائیں کرتے رہو۔ پہلے یہ حدیث بھی گزر چکی ہے کہ حضور ﷺ سورۂ ﴿ اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ﴾ میں اور اس سورۂ میں سجدہ کیا کرتے تھے۔

﴿ الحمد للہ ﴾ سورۂ اقرا کی تفسیر بھی ختم ہوئی۔ اللہ کا شکر و احسان ہے۔

تفسیر سورۂ لیلتہ القدر مکیہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

إِنَّآ أَنزَلْنَٰهُ فِى لَيْلَةِ ٱلْقَدْرِ ۝١ وَمَآ أَدْرَىٰكَ مَا لَيْلَةُ ٱلْقَدْرِ ۝٢ لَيْلَةُ ٱلْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ ۝٣ تَنَزَّلُ ٱلْمَلَٰٓئِكَةُ وَٱلرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِم مِّن كُلِّ أَمْرٍ ۝٤ سَلَٰمٌ هِىَ حَتَّىٰ مَطْلَعِ ٱلْفَجْرِ ۝٥

اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والے مہربان کے نام سے شروع

یقیناً ہم نے اسے شب قدر میں نازل فرمایا' تو کیا سمجھا کہ شب قدر کیا ہے؟ شب قدر ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہے' اس میں ہر کام کے سر انجام دینے کو اللہ کے حکم سے فرشتے اور روح (جبرئیل علیہ السلام) اترتے ہیں' یہ رات سراسر سلامتی کی ہوتی ہے اور فجر کے طلوع ہونے تک (ہوتی ہے۔)

لیلۃ القدر کی فضیلت: مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو لیلۃ القدر میں نازل فرمایا ہے' اس کا نام لیلۃ المبارکہ بھی ہے۔ جیسے اور جگہ ارشاد ہے ﴿ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ ﴾ اور یہ بھی قرآن سے ثابت ہے کہ یہ رات رمضان المبارک کے مہینے میں ہے' جیسے فرمایا ﴿ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ ﴾ ۔ابن عباسؓ وغیرہ کا قول ہے کہ پورا قرآن پاک لوح محفوظ سے آسمان اول پر بیت العزت میں اس رات اترا پھر تفصیل وار واقعات کے مطابق بتدریج تئیس سال میں رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا۔ پھر اللہ تعالیٰ لیلۃ القدر کی شان و شوکت کا اظہار فرماتا ہے کہ اس رات کی ایک زبردست برکت تو یہ ہے کہ قرآن کریم جیسی اعلیٰ نعمت اسی رات اتری۔ تو فرماتا ہے کہ تمہیں کیا خبر کہ لیلۃ القدر کیا ہے؟ پھر خود بتاتا ہے کہ یہ ایک رات ایک ہزار مہینے سے افضل ہے۔

شان نزول: امام ابو عیسیٰ ترمذی ترمذی میں اس آیت کی تفسیر میں ایک روایت لائے ہیں کہ یوسف بن سعد نے حضرت حسن بن علیؓ سے جب کہ آپ نے حضرت معاویہؓ سے صلح کر لی کہا کہ تم نے ایمان والوں کے منہ کالے کر دیئے' یا یوں کہا کہ اے مومنوں کے منہ سیاہ کرنے والے! تو آپ نے فرمایا اللہ تجھ پر رحم کرے مجھ پر خفا نہ ہو نبی ﷺ کو دکھلایا گیا کہ گویا آپ ﷺ کے منبر پر بنو امیہ ہیں' آپ ﷺ کو یہ برا معلوم ہوا تو ﴿ اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ﴾ نازل ہوئی۔ یعنی جنت کی نہر کوثر آپ ﷺ کو عطا کئے جانے کی خوشخبری ملی اور ﴿ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ ﴾ اتری۔ پس ہزار مہینے وہ مراد ہیں جن میں آپ ﷺ کے بعد بنو امیہ کی مملکت رہے گی۔ قاسم کہتے ہیں کہ ہم نے حساب لگایا تو وہ پورے ایک ہزار مہینے ہوئے نہ ایک دن زیادہ نہ ایک دن کم۔ امام ترمذی اس روایت کو غریب بتلاتے ہیں اور اس کی سند میں یوسف بن سعد ہیں جو مجہول ہیں اور صرف اسی ایک سند سے یہ مروی ہے۔

مستدرک حاکم میں بھی یہ روایت ہے' امام ترمذی کا یہ فرمانا کہ یوسف مجہول ہیں اس میں نظر ہے' ان کے بہت سے شاگرد ہیں' یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ یہ مشہور ہیں اور ثقہ ہیں۔ اور اس کی سند میں کچھ اضطراب جیسا بھی ہے' واللہ اعلم۔

بہر صورت ہے یہ روایت بہت ہی منکر' ہمارے شیخ حافظ حجت ابو الحجاج المزی بھی اس روایت کو منکر بتلاتے ہیں (یہ یاد رہے کہ قاسم کا قول جو ترمذی کے حوالے سے بیان ہوا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے حساب لگایا تو بنی امیہ کی سلطنت ٹھیک ایک ہزار دن تک

رہی' یہ نسخے کی غلطی ہے ایک ہزار مہینے لکھنا چاہیے تھا۔ میں نے ترمذی میں دیکھا تو وہاں بھی ایک ہزار مہینے ہیں اور آگے بھی یہی آتا ہے' مترجم) قاسم بن فضل حدانی کا یہ قول کہ بنوامیہ کی سلطنت کی ٹھیک مدت ایک ہزار مہینے تھی یہ بھی صحیح نہیں' اس لیے کہ حضرت معاویہؓ کی مستقل سلطنت ۴۰ھ میں قائم ہوئی جب کہ حضرت حسنؓ نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور امر خلافت آپ کو سونپ دیا۔ اور سب لوگ بھی حضرت معاویہؓ کی بیعت پر جمع ہو گئے اور اس سال کا نام ہی عام الجماعۃ مشہور ہوا۔ پھر شام وغیرہ میں برابر بنوامیہ کی سلطنت قائم رہی' ہاں تقریباً نو سال تک حرمین شریفین اور اہواز اور بعض شہروں پر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی سلطنت ہو گئی تھی لیکن تاہم اس مدت میں بھی کلیۃً ان کے ہاتھ سے حکومت نہیں گئی البتہ بعض شہروں پر سے حکومت ہٹ گئی تھی۔ ہاں ۱۳۲ھ میں بنوالعباس نے ان سے خلافت اپنے قبضے میں کر لی پس ان کی سلطنت کی مدت (۹۲) بانوے برس ہوئی اور یہ ایک ہزار ماہ سے بہت زیادہ ہے' ایک ہزار مہینے کے (۸۳) تراسی سال چار ماہ ہوتے ہیں' ہاں قاسم بن فضل کا یہ حساب اس طرح تو تقریباً ٹھیک ہو جاتا ہے کہ حضرت ابن زبیرؓ کی مدت خلافت اس گنتی میں سے نکال دی جائے' واللہ اعلم۔ اس روایت کے ضعیف ہونے کی ایک یہ وجہ بھی ہے کہ بنوامیہ کی سلطنت کے زمانے کی تو برائی اور مذمت بیان کرنی مقصود ہے اور لیلۃ القدر کی اس زمانہ پر فضیلت کا ثابت ہونا کچھ ان کے زمانے کی مذمت کی دلیل نہیں' لیلۃ القدر تو ہر طرح بزرگی والی ہے اور یہ پوری سورت اس مبارک رات کی مدح وستائش بیان کر رہی ہے۔ پس بنوامیہ کے زمانے کے دنوں کی مذمت سے لیلۃ القدر کی کونسی فضیلت ثابت ہو جائے گی' یہ تو بالکل وہی مثل اصل ہو جائے گی کہ کوئی شخص تلوار کی تعریف کرتے ہوئے کہے کہ لکڑی سے بہت تیز ہے کسی بہترین فضیلت والے شخص کو کسی کم درجے کے ذلیل شخص پر فضیلت دینا تو اس شریف بزرگ کی توہین کرنا ہے' اور وجہ سنئے' اس روایت کی بنا پر یہ ایک ہزار مہینے وہ ہوئے جن میں بنوامیہ کی سلطنت رہے گی اور یہ سورت اتری ہے مکہ مکرمہ میں تو اس میں ان مہینوں کا حوالہ کیسے دیا جا سکتا ہے جو بنوامیہ کے زمانے کے ہیں' اس پر نہ کوئی لفظ دلالت کرتا ہے اور نہ معنی کے طور پر یہ سمجھا جا سکتا ہے منبر تو مدینہ میں قائم ہوتا ہے اور ہجرت کے ایک مدت بعد منبر بنایا جاتا ہے اور رکھا جاتا ہے' پس ان تمام وجوہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت ضعیف اور منکر ہے' واللہ اعلم۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے بنی اسرائیل کے ایک شخص کا ذکر فرمایا جو ایک ہزار ماہ تک اللہ کی راہ میں یعنی جہاد میں ہتھیار بند رہا۔ مسلمانوں کو یہ سن کر تعجب ہوا تو اللہ عزوجل نے یہ سورت اتاری کہ ایک لیلۃ القدر کی عبادت اس شخص کی ایک ہزار مہینے کی عبادت سے افضل ہے۔

ابن جریر میں ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جو رات کو قیام کرتا تھا صبح تک اور دن میں دشمنان دین سے جہاد کرتا تھا شام تک' ایک ہزار مہینے تک یہی کرتا رہا' پس اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی کہ اس امت کے کسی شخص کا صرف لیلۃ القدر کا قیام اس عابد کی ایک ہزار مہینے کی اس عبادت سے افضل ہے۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بنی اسرائیل کے چار عابدوں کا ذکر فرمایا جنہوں نے اسی سال تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کی تھی' ایک آنکھ جھپکنے کے برابر بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کی تھی۔ حضرت ایوب' حضرت زکریا' حضرت حزقیل بن عجوز' حضرت یوشع بن نون علیہم السلام۔ اصحاب رسول اللہ ﷺ کو سخت تعجب ہوا' آپ ﷺ کے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہا کہ اے محمد ﷺ آپ ﷺ کی امت نے اس جماعت کی اس عبادت پر تعجب کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس سے بھی افضل چیز آپ ﷺ پر نازل فرمائی اور فرمایا کہ یہ افضل ہے اس سے جس پر آپ ﷺ اور آپ ﷺ کی امت نے تعجب ظاہر کیا تھا پس آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم بے حد خوش ہوئے۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ اس رات کا نیک عمل اس کا روزہ اس کی نماز ایک ہزار مہینوں کے روزے نماز سے افضل ہے جن میں لیلۃ القدر نہ ہو' اور مفسرین کا بھی یہ قول ہے۔

امام ابن جریرؒ نے بھی اسی کو پسند فرمایا ہے کہ وہ ایک ہزار مہینے جن میں لیلتہ القدر نہ ہو' یہی ٹھیک ہے اس کے سوا اور کوئی قول ٹھیک نہیں' جیسے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ایک رات کی جہاد کی تیاری اس کے سوا کی ایک ہزار راتوں سے افضل ہے (مسند احمد) اسی طرح اور حدیث میں ہے کہ جو شخص اچھی نیت اور اچھی حالت سے جمعہ کی نماز کے لیے جائے اس کے لیے سال کے اعمال کا ثواب لکھا جاتا ہے سال بھر کے روزوں کا اور سال بھر کی نمازوں کا۔ اسی طرح کی اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں۔ پس مطلب یہ ہے کہ مراد ایک ہزار مہینے سے وہ مہینے ہیں جن میں لیلتہ القدر نہ آئے جیسے ایک ہزار راتوں سے مراد وہ راتیں ہیں جن میں کوئی رات اس عبادت کی نہ ہو' اور جیسے جمعہ کی طرف جانے والے کو ایک سال کی نیکیاں یعنی وہ سال جس میں جمعہ نہ ہو۔

مسند احمد میں ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جب رمضان المبارک آگیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوگو! تم پر رمضان المبارک کا مہینہ آگیا یہ بابرکت مہینہ آگا اس کے روزے اللہ نے تم پر فرض کئے ہیں' اس میں جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں' شیطان قید کر لیے جاتے ہیں' اس میں ایک رات ہے جو ایک ہزار مہینے سے افضل ہے اس کی بھلائی سے محروم رہنے والا حقیقی بدقسمت ہے۔

نسائی میں بھی یہ روایت ہے چونکہ اس رات کی عبادت ایک ہزار مہینے کی عبادت سے افضل ہے اس لیے بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص لیلتہ القدر کا قیام ایمانداری اور نیک نیتی سے کرے اس کے تمام اگلے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ اس رات کی برکت کی زیادتی کی وجہ سے بکثرت فرشتے اس میں نازل ہوتے ہیں' فرشتے تو ہر برکت اور رحمت کے ساتھ نازل ہوتے رہتے ہیں' جیسے تلاوت قرآن کے وقت اترتے ہیں اور ذکر کی مجلسوں کو گھیر لیتے ہیں اور علم دین کے سیکھنے والوں کے لیے راضی خوشی اپنے پر بچھا دیا کرتے ہیں اور ان کی عزت و تکریم کرتے ہیں۔

روح سے مراد حضرت جبرائیل ہیں: روح سے مراد یہاں حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں یہ خاص کا عطف ہے عام پر' بعض کہتے ہیں کہ روح نام کے ایک خاص قسم کے فرشتے ہیں جیسے کہ سورہ ﴿عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ﴾ کی تفسیر میں تفصیل سے گزر چکا' واللہ اعلم۔ پھر فرمایا وہ سراسر سلامتی والی رات ہے جس میں شیطان نہ تو برائی کر سکتا ہے نہ ایذا پہنچا سکتا ہے' حضرت قتادہؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ اس میں تمام کاموں کا فیصلہ کیا جاتا ہے' عمر اور رزق مقدر کیا جاتا ہے جیسے اور جگہ ہے ﴿ فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ﴾ یعنی اسی رات میں ہر حکمت والے کام کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ حضرت شعبیؒ فرماتے ہیں کہ اس رات میں فرشتے مسجد والوں پر صبح تک سلام بھیجتے رہتے ہیں۔ امام بیہقیؒ نے اپنی کتاب فضائل اوقات میں حضرت علیؓ کا ایک غریب اثر فرشتوں کے نازل ہونے میں اور نمازیوں پر ان کے گزرنے میں اور انہیں برکت حاصل ہونے میں وارد کیا ہے۔ ابن ابی حاتم میں حضرت کعب احبارؒ سے ایک عجیب و غریب بہت طول طویل اثر وارد کیا ہے جس میں فرشتوں کا سدرۃ المنتہیٰ سے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ زمین پر آنا اور مومن مردوں اور مومن عورتوں کے لیے دعائیں کرنا وارد ہے۔ ابوداؤد طیالسیؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ لیلتہ القدر (۲۷) ستائیسویں ہے یا (۲۹) انتیسویں' اس رات میں فرشتے زمین پر سنگریزوں کی گنتی سے بھی زیادہ ہوتے ہیں' عبدالرحمن بن ابویعلیٰ فرماتے ہیں اس رات میں ہر امر سے سلامتی ہے یعنی کوئی نئی بات پیدا نہیں ہوتی۔

حضرت قتادہؒ اور حضرت ابن زیدؒ کا قول ہے کہ یہ رات سراسر سلامتی والی ہے کوئی برائی صبح ہونے تک نہیں ہوتی۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ لیلتہ القدر (۱۰) دس باقی کی راتوں میں ہے جو ان کا قیام طلب ثواب کی نیت سے کرے اللہ تعالیٰ اس کے اگلے اور پچھلے گناہ معاف فرما دیتا ہے' یہ رات اکائی کی ہے یعنی اکیسویں یا تیسویں یا پچیسویں یا ستائیسویں یا آخری رات۔ آپ فرماتے ہیں کہ یہ رات بالکل صاف اور ایسی روشن ہوتی ہے کہ گویا چاند چڑھا ہوا ہے اس میں سکون اور دلجمعی ہوتی ہے نہ سردی زیادہ ہوتی ہے نہ

گرمی' صبح تک ستارے نہیں جھڑتے' ایک نشانی اس کی یہ بھی ہے کہ اس کی صبح کو سورج تیز شعاعوں سے نہیں نکلتا بلکہ وہ چودھویں رات کی طرح صاف نکلتا ہے' اس دن اس کے ساتھ شیطان بھی نہیں نکلتا۔ یہ اسناد تو صحیح ہے لیکن متن میں غرابت ہے اور بعض الفاظ میں نکارت بھی ہے۔

ابوداؤد طیالسی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ لیلتہ القدر صاف پر سکون سردی گرمی سے خالی رات ہے' اس کی صبح کو سورج مدھم روشنی والا سرخ نکلتا ہے۔ حضرت ابو عاصم نبیلؒ اپنی اسناد سے حضرت جابرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ فرمایا میں لیلتہ القدر دکھلایا گیا پھر بھلا دیا گیا' یہ آخری دس راتوں میں ہے' یہ صاف شفاف سکون و وقار والی رات ہے نہ زیادہ سردی ہوتی ہے نہ زیادہ گرمی' اس قدر روشن رات ہوتی ہے کہ یہ معلوم ہوتا ہے گویا چاند چڑھا ہوا ہے' سورج کے ساتھ شیطان نہیں نکلتا۔ یہاں تک کہ دھوپ چڑھ جائے۔

کیا لیلتہ القدر پہلی امتوں میں بھی تھی: فصل اس باب میں علماء کا اختلاف ہے کہ لیلتہ القدر اگلی امتوں میں بھی تھی یا صرف اسی امت کو خصوصیت کے ساتھ عطا کی گئی ہے۔ پس ایک حدیث میں تو یہ آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب نظریں ڈالیں اور یہ معلوم کیا کہ اگلے لوگوں کی عمریں بہت زیادہ ہوتی تھیں تو آپ ﷺ کو خیال گزرا کہ میری امت کی عمریں ان کے مقابلہ میں کم ہیں تو نیکیاں بھی کم رہیں گی اور پھر درجات اور ثواب میں کمی رہے گی' تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو یہ رات عنایت فرمائی' اور اس کا ثواب ایک ہزار مہینے کی عبادت سے زیادہ دینے کا وعدہ فرمایا' اس حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ صرف اسی امت کو یہ رات دی گئی ہے' بلکہ صاحب عدۃ نے جو شافعیہ میں سے ایک امام ہیں جمہور علماء کا یہی قول نقل کیا ہے' واللہ اعلم۔

اور خطابی نے تو اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ لیکن ایک حدیث اور ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ رات جس طرح اس امت میں ہے اگلی امتوں میں بھی تھی۔ چنانچہ حضرت مرثدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوذرؓ سے پوچھا کہ آپ نے لیلتہ القدر کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے کیا سوال کیا تھا؟ آپ نے فرمایا سنو میں حضور ﷺ سے اکثر باتیں دریافت کرتا رہتا تھا' ایک مرتبہ میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! یہ تو فرمائیے کہ لیلتہ القدر رمضان میں ہی ہے یا اور مہینوں میں؟ آپ نے فرمایا رمضان میں۔ میں نے کہا اچھا یا رسول اللہ ﷺ! یہ انبیاء کے ساتھ ہی ہے کہ جب تک وہ ہیں یہ بھی ہے جب انبیاء قبض کیے جاتے ہیں تو یہ بھی اٹھ جاتی ہے یا یہ قیامت تک باقی رہے گی؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ نہیں وہ قیامت تک باقی رہے گی۔ میں نے کہا رمضان کے کس حصے میں ہے؟ آپ نے فرمایا اسے رمضان کے اول دہے میں اور آخری دہے میں ڈھونڈو۔ پھر میں خاموش ہو گیا' آپ بھی اور باتوں میں مشغول ہو گئے۔ میں نے پھر موقعہ پا کر سوال کیا کہ حضور! ان دونوں عشروں میں سے کس عشرے میں اس رات کو تلاش کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا آخری عشرے میں بس اب کچھ نہ پوچھنا۔ میں پھر چپکا ہو گیا لیکن پھر موقعہ پا کر میں نے سوال کیا کہ حضور آپ کو قسم ہے میرا بھی کچھ حق آپ پر ہے۔ فرما دیجئے کہ وہ کونسی رات ہے؟ آپ ﷺ سخت غصہ ہوئے' میں نے تو کبھی آپ ﷺ کو اپنے اوپر اتنا غصہ ہوتے ہوئے دیکھا ہی نہیں' اور فرمایا آخری ہفتہ میں تلاش کرو' اب کچھ نہ پوچھنا۔ یہ روایت نسائی میں بھی مروی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ رات اگلی امتوں میں بھی تھی' اور اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ رات نبی ﷺ کے بعد بھی قیامت تک ہر سال آتی رہے گی۔ بعض شیعہ کا قول ہے کہ یہ رات بالکل اٹھ گئی' یہ قول غلط ہے ان کو غلط فہمی اس حدیث سے ہوئی ہے جس میں ہے کہ وہ اٹھالی گئی اور ممکن ہے کہ تمہارے لیے اسی میں بہتری ہو' یہ حدیث پوری ابھی آئے گی'

مطلب حضور ﷺ کے اس فرمان سے یہ ہے کہ اس رات کی تعین اور اس کا تقرر اٹھ گیا نہ یہ کہ سرے سے لیلتہ القدر ہی اٹھ گئی۔ مندرجہ بالا حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ رات رمضان المبارک میں آتی ہے کسی اور مہینہ میں نہیں۔ حضرت ابن مسعودؓ

اور علماء کوفہ کا قول ہے کہ سارے سال میں ایک رات ہے اور ہر مہینہ میں اسکا ہو جانا ممکن ہے' یہ حدیث اس کے خلاف ہے۔ سنن ابوداؤد میں باب ہے کہ اس شخص کی دلیل جو کہتا ہے کہ لیلتہ القدر سارے رمضان میں ہے۔ پھر حدیث لائے ہیں کہ حضور ﷺ سے لیلتہ القدر کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ سارے رمضان میں ہے۔ اس کی سند کے کل راوی ثقہ ہیں یہ موقوف بھی مروی ہے۔ امام ابو حنیفہؒ سے ایک روایت میں ہے کہ رمضان المبارک کے سارے مہینے میں اس رات ہو کا ہونا ممکن ہے۔ غزالی نے اسی کو نقل کیا ہے لیکن رافعی اسے بالکل غریب بتلاتے ہیں۔

لیلۃالقدر کونسی رات ہے: فصل ابورزینؒ تو فرماتے ہیں کہ رمضان کی پہلی رات ہی لیلتہ القدر ہے۔ امام شافعی محمد بن ادریسؒ کا فرمان ہے کہ یہ سترہویں شب ہے۔ ابوداؤد میں اس مضمون کی ایک حدیث مرفوع مروی ہے اور حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت زید بن ارقمؓ اور حضرت عثمان بن ابوالعاص سے موقوف بھی مروی ہے' حضرت حسن بصریؒ کا مذہب بھی یہی نقل کیا گیا ہے۔ اس کی ایک دلیل یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ رمضان المبارک کی یہی سترہویں رات شب جمعہ تھی اور یہی رات بدر کی رات تھی اور سترہویں تاریخ کو جنگ بدر واقع ہوئی تھی جس دن کو قرآن نے یوم الفرقان کہا ہے۔ حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ انتیسویں رات لیلتہ القدر ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اکیسویں رات ہے۔

حضرت ابوسعید خدریؒ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رمضان المبارک کے پہلے دس دن کا اعتکاف کیا ہم بھی آپ ﷺ کے ساتھ ہی اعتکاف میں بیٹھے' پھر آپ ﷺ کے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور فرمایا کہ جسے آپ ﷺ ڈھونڈتے ہیں وہ تو آپ ﷺ کے آگے ہے' پھر آپ نے (۱۰) دس سے (۲۰) بیس دن کا اعتکاف کیا اور ہم نے بھی پھر جبرائیل علیہ السلام آئے اور یہی فرمایا کہ جسے آپ ڈھونڈتے ہیں وہ تو ابھی آگے ہے یعنی لیلتہ القدر۔ پس رمضان کی بیسویں تاریخ کی صبح کو نبی ﷺ نے کھڑے ہو کر خطبہ فرمایا کہ میرے ساتھ اعتکاف کرنے والوں کو چاہیے کہ وہ پھر اعتکاف میں بیٹھ جائیں' میں نے لیلتہ القدر دیکھ لی لیکن میں بھول گیا' لیلتہ القدر آخری عشرے کی طاق راتوں میں ہے میں نے دیکھا ہے کہ گویا میں کیچڑ میں سجدہ کر رہا ہوں۔ راوی حدیث فرماتے ہیں کہ مسجد نبوی کی چھت صرف کھجور کے پتوں کی تھی آسمان پر اس وقت ابر کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا بھی نہ تھا پھر ابر اٹھا اور بارش ہوئی اور نبی ﷺ کا خواب سچا ہوا اور میں نے خود دیکھا کہ نماز کے بعد آپ ﷺ کی پیشانی پر تر مٹی لگی ہوئی تھی۔

اسی روایت کے ایک طریق میں ہے کہ یہ اکیسویں رات کا واقعہ ہے' یہ حدیث صحیح بخاری میں' صحیح مسلم دونوں میں ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں تمام روایتوں میں سب سے زیادہ صحیح یہی حدیث ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ لیلتہ القدر رمضان المبارک کی تیئیسویں رات ہے اس کی دلیل حضرت عبداللہ بن انیسؒ کی صحیح مسلم والی ایسی ہی ایک روایت ہے' واللہ اعلم۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ چوبیسویں رات ہے۔ ابوداؤد طیالسی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ لیلتہ القدر چوبیسویں شب ہے۔ اس کی سند بھی صحیح ہے۔ مسند احمد میں بھی یہ روایت ہے لیکن اس کی سند میں ابن لہیعہ ہیں جو ضعیف ہیں۔ بخاری میں حضرت بلالؓ سے جو آنحضرت ﷺ کے موذن ہیں مروی ہے کہ یہ پہلی ساتویں ہے آخری (۱۰) دس میں سے یہ موقوف روایت ہی صحیح ہے' واللہ اعلم۔ حضرت ابن مسعودؓ' ابن عباسؓ' جابرؓ' حسنؒ' قتادہؒ عبداللہ بن وہبؒ بھی فرماتے ہیں کہ چوبیسویں رات لیلتہ القدر ہے۔ سورۃ بقرہ کی تفسیر میں حضرت واثلہ بن اسقعؓ کی روایت کی ہوئی مرفوع حدیث بیان ہو چکی ہے کہ قرآن کریم رمضان المبارک کی چوبیسویں رات کو اترا' بعض کہتے ہیں کہ پچیسویں رات لیلتہ القدر ہے' ان کی دلیل بخاری کی یہ حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا اسے رمضان کے آخری عشرے میں ڈھونڈو نو باقی رہیں تب' سات باقی رہیں تب' پانچ باقی رہیں تب' اکثر محدثین نے اس کا یہی مطلب بیان کیا ہے کہ اس سے مراد طاق راتیں ہیں' یہی زیادہ ظاہر ہے اور زیادہ مشہور ہے' گو بعض اوروں نے اسے جفت راتوں پر بھی محمول کیا ہے جیسے کہ صحیح

مسلم میں ہے کہ حضرت ابو سعیدؓ نے اسے جفت پر محمول کیا ہے' واللہ اعلم۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ستائیسویں رات ہے۔ اس کی دلیل صحیح مسلم کی حدیث ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں یہ ستائیسویں رات ہے۔

مسند احمد میں ہے کہ حضرت زرؒ نے حضرت ابی بن کعبؓ سے کہا کہ آپ کے بھائی حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ جو شخص سال بھر راتوں کو قیام کرے گا وہ لیلتہ القدر کو پائے گا۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ان پر رحم کرے وہ جانتے ہیں کہ یہ رات رمضان میں ہی ہے یہ ستائیسویں رات رمضان کی ہے پھر اس بات پر حضرت ابیؓ نے قسم کھائی' میں نے پوچھا آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا؟ جواب دیا کہ ان نشانیوں کو دیکھنے سے جو ہم کو بتائی گئی ہیں کہ اس دن سورج شعاعوں بغیر نکلتا ہے۔ اور روایت میں ہے کہ حضرت ابیؓ نے کہا اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ یہ رات رمضان میں ہی ہے' آپ نے اس پر ان شاء اللہ بھی نہیں فرمایا اور پختہ قسم کھائی' پھر فرمایا مجھے خوب معلوم ہے کہ وہ کونسی رات ہے جس میں قیام کرنے کا رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے یہ ستائیسویں رات ہے اس کی نشانی یہ ہے کہ اس کی صبح کو سورج سفید رنگ کا نکلتا ہے اور تیزی زیادہ نہیں ہوتی۔ حضرت معاویہؓ حضرت ابن عمرؓ حضرت ابن عباسؓ وغیرہ سے بھی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ رات ستائیسویں رات ہے۔ سلف کی ایک جماعت نے بھی یہی کہا ہے۔ اور امام احمد بن حنبلؒ کا مختار مسلک بھی یہی ہے اور امام ابو حنیفہؒ سے ایک روایت اسی قول کی ہے۔

بعض سلف نے قرآن کریم کے الفاظ سے بھی اس کے ثبوت کا حوالہ دیا ہے اس طرح کہ ﴿هِيَ﴾ اس سورت میں ستائیسواں کلمہ ہے اور اس کے معنی ہیں "یہ" واللہ اعلم۔ طبرانی میں ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے اصحاب رسول اللہ ﷺ کو جمع کیا اور ان سے لیلتہ القدر کی بابت سوال کیا تو سب کا اجماع اس امر پر ہوا کہ یہ رمضان کے آخری دہے میں ہے۔ ابن عباسؓ نے اس وقت فرمایا کہ میں تو یہ بھی جانتا ہوں کہ وہ کونسی رات ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا پھر کہو وہ کونسی رات ہے؟ فرمایا اس آخری عشرے میں سات گزرنے پر یا سات باقی رہنے پر۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا یہ کیسے معلوم ہوا؟ تو جواب دیا کہ دیکھو اللہ تعالیٰ نے آسمان بھی سات پیدا کئے اور زمینیں بھی سات بنائیں مہینہ بھی ہفتوں پر ہے انسان کی پیدائش بھی سات پر ہے کھانا بھی سات ہے' سجدہ بھی سات ہے طواف بیت اللہ کی تعداد بھی سات کی ہے' رمی جمار کی کنکریاں بھی سات ہیں اور اسی طرح کی سات کی گنتی کی بہت سی چیزیں اور بھی گنوادیں۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا تمہاری سمجھ وہاں پہنچی جہاں تک ہمارے خیالات کو رسائی نہ ہو سکی۔ یہ جو فرمایا سات ہی کھانا ہے اس سے قرآن کریم کی آیتیں ﴿فَاَنْبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا وَّ عِنَبًا﴾ الخ مراد ہیں' جن میں سات چیزوں کا ذکر ہے جو کھائی جاتی ہیں' اس کی اسناد بھی جید اور قوی ہے لیکن متن میں بہت غرابت ہے' واللہ اعلم۔

یہ بھی مروی ہے کہ انتیسویں رات ہے۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ کے سوال کے جواب میں حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ اسے آخری عشرے میں ڈھونڈو طاق راتوں میں' اکیس' تئیس' پچیس' ستائیس' اور انتیس یا آخری رات۔ مسند میں ہے کہ لیلتہ القدر ستائیسویں رات ہے یا انتیسویں رات' اس رات فرشتے زمین پر سنگریزوں کی گنتی سے بھی زیادہ ہوتے ہیں' اس کی اسناد بھی اچھی ہے' ایک قول یہ بھی ہے کہ آخری رات لیلتہ القدر ہے کیونکہ ابھی جو حدیث گزری اس میں ہے' اور ترمذی اور نسائی میں بھی ہے کہ جب (۹) نو باقی رہ جائیں' یا سات' یا پانچ یا تین یا آخری رات یعنی ان راتوں میں لیلتہ القدر کی تلاش کرو۔ امام ترمذیؒ اسے حسن صحیح کہتے ہیں مسند میں ہے کہ یہ آخری رات ہے۔

لیلتہ القدر کی تلاش: فصل حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ان مختلف احادیث میں تطبیق یوں ہو سکتی ہے کہ یہ سوالوں کا جواب ہے کسی نے کہا حضرت ہم اسے فلاں رات میں تلاش کریں تو آپ ﷺ نے فرمادیا ہاں۔ حقیقت یہ ہے کہ لیلتہ القدر مقرر ہے اور اس میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ امام ترمذیؒ نے امام شافعیؒ کا اسی معنی کا قول نقل کیا ہے۔ ابو قلابہؒ فرماتے ہیں کہ آخری عشرے کی راتوں میں یہ پھیر

بدل ہوا کرتی ہے۔ امام مالکؒ امام ثوریؒ امام احمد بن حنبلؒ امام اسحاق بن راہویہؒ ابو ثور مزنیؒ ابو بکر بن خزیمہؒ وغیرہ نے بھی یہی فرمایا ہے۔ امام شافعیؒ سے بھی قاضی نے یہی نقل کیا ہے اور یہی ٹھیک بھی ہے واللہ اعلم۔ اس قول کی تھوڑی بہت تائید بخاری و مسلم کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ چند اصحاب رسول اللہ ﷺ خواب میں لیلتہ القدر رمضان کی سات پچھلی راتوں میں دکھائے گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں دیکھتا ہوں کہ تمہارے خواب اس بارے میں موافق ہیں ہر طلب کرنے والے کو چاہیے کہ لیلتہ القدر کو ان سات آخری راتوں میں تلاش کرے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی بخاری و مسلم میں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں شب قدر کی جستجو کرو۔ امام شافعیؒ کے اس فرمان پر کہ لیلتہ القدر ہر رمضان میں ایک معین رات ہے اور اسکا ہیر پھیر نہیں ہوتا یہ حدیث دلیل بن سکتی ہے جو صحیح بخاری میں حضرت عبادہ بن صامتؓ کی روایت سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں لیلتہ القدر کی خبر دینے کے لیے کہ فلاں رات لیلتہ القدر ہے نکلے یہاں (۲) دو مسلمان آپس میں جھگڑ رہے تھے تو آپ نے فرمایا کہ تمہیں لیلتہ القدر کی خبر دینے کے لیے میں آیا تھا لیکن فلاں فلاں کی لڑائی کی وجہ سے وہ اٹھالی گئی اور ممکن ہے کہ اسی میں تمہاری بہتری ہو۔ اب اسے نویں ساتویں اور پانچویں میں ڈھونڈو۔ وجہ دلالت یہ ہے کہ اگر اس کا تعین ہمیشہ کے لیے نہ ہوتا تو ہر سال کی لیلتہ القدر کا علم حاصل نہ ہوتا اگر لیلتہ القدر کا ہیر پھیر ہوتا رہتا تو صرف اس سال کے لئے تو معلوم ہو جاتا

کہ فلاں رات ہے لیکن اور برسوں کے لیے تعیین نہ ہوتی۔ ہاں یہ ایک جواب اس کا ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ صرف اسی سال کی اس مبارک رات کی خبر دینے کے لیے تشریف لائے تھے اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ لڑائی جھگڑا خیر و برکت کو اور نفع دینے والے علم کو غارت کر دیتا ہے۔ ایک اور صحیح حدیث میں ہے کہ بندہ اپنے گناہ کے باعث اللہ کی روزی سے محروم رکھ دیا جاتا ہے۔ یہ یاد رہے کہ اس حدیث میں جو آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ اٹھالی گئی اس سے مراد اس کی تعیین کے علم کا اٹھا لیا جانا ہے نہ یہ کہ بالکل لیلتہ القدر ہی دنیا سے اٹھالی گئی جیسے کہ جاہل شیعہ کا قول ہے اس پر بڑی دلیل یہ ہے کہ اس لفظ کے بعد ہی یہ ہے کہ آپ نے فرمایا اسے نویں ساتویں اور پانچویں میں ڈھونڈو۔ آپ ﷺ کا یہ فرمان کہ ممکن ہے اسی میں تمہاری بہتری ہو یعنی اس کی مقرر تعیین کا علم نہ ہونے میں اس کا مطلب یہ ہے کہ جب یہ مبہم ہے تو اس کا ڈھونڈنے والا جن جن راتوں میں اس کا ہونا ممکن دیکھے گا ان تمام راتوں میں کوشش و خلوص کے ساتھ عبادت میں لگا رہے گا بخلاف اس کے کہ معلوم ہو جائے کہ فلاں رات ہی ہے تو وہ صرف اسی ایک رات کی عبادت کرے گا۔ کیونکہ ہمتیں پست ہیں اس لیے حکمت حکیم کا تقاضا یہی ہوا کہ اس رات کی تعین کی خبر نہ دی جائے تاکہ اس رات کے پالینے کے شوق میں اس مبارک مہینے میں جی لگا کر اور دل کھول کر بندے اپنے معبود حقیقی کی بندگی کریں اور آخری عشرے میں تو پوری کوشش اور خلوص کے ساتھ عبادتوں میں مشغول رہیں۔ اسی لیے خود پیغمبر اللہ حضرت محمد ﷺ بھی اپنے انتقال تک رمضان المبارک کے آخری عشرے کا اعتکاف کرتے رہے اور آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کی ازواج مطہرات نے اعتکاف کیا۔ یہ حدیث بخاری و مسلم دونوں میں ہے۔

حضرت ابن عمرؓ کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ رمضان المبارک کے آخری عشرے کا اعتکاف کیا کرتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب آخری دس راتیں رمضان المبارک کی رہ جاتیں تو اللہ کے رسول ﷺ ساری رات جاگتے اور اپنے گھر والوں کو بھی جگاتے اور کمر کس لیتے (صحیح بخاری و مسلم) مسلم المبارک میں ہے کہ حضور ﷺ ان دنوں میں جس محنت کے ساتھ عبادت کرتے اتنی محنت سے عبادت آپ ﷺ کی اور وقت نہیں ہوتی تھی۔ یہی معنی ہیں اوپر والی حدیث کے اس جملے کے کہ آپ تہبند مضبوط باندھ لیا کرتے یعنی کمر کس لیا کرتے یعنی عبادت میں پوری کوشش کرتے گو اس کے یہ معنی بھی کئے گئے ہیں

کہ آپ بیویوں سے نہ ملتے' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دونوں ہی باتیں مراد ہوں یعنی بیویوں سے ملنا بھی ترک کر دیتے تھے اور عبادت کی مشغولی میں بھی کمر باندھ لیا کرتے تھے۔ چنانچہ مسند احمد کی حدیث کے یہ لفظ ہیں کہ جب رمضان کا آخری دہا باقی رہ جاتا تو آپ تہبند مضبوط باندھ لیتے اور عورتوں سے الگ رہتے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ رمضان کی آخری دسوں راتوں میں لیلتہ القدر کی یکساں جستجو کرے کسی ایک رات کو دوسری رات پر ترجیح نہ دے (شرح رافعی)۔

رمضان میں عبادت زیادہ کرے: یہ بھی یاد رہے کہ یوں تو ہر وقت دعا کی کثرت مستحب ہے لیکن رمضان میں اور زیادتی کرے اور خصوصاً آخری عشرے میں اور بالخصوص طاق راتوں میں اور اس دعا کو بکثرت پڑھے ﴿ **اللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّی** ﴾ اے اللہ! تو در گزر کرنے والا اور در گزر کو پسند فرمانے والا ہے مجھ سے بھی در گزر فرما۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ اگر مجھے لیلتہ القدر سے موافقت ہو تو میں کیا دعا پڑھوں؟ آپ ﷺ نے یہی بتلائی' یہ حدیث ترمذی' نسائی اور ابن ماجہ میں بھی ہے۔

امام ترمذیؒ اسے حسن صحیح کہتے ہیں مستدرک حاکم میں بھی یہ مروی ہے' اور امام حاکم اسے شرط بخاری و مسلم پر صحیح بتلاتے ہیں۔ ایک عجیب و غریب اثر جس کا تعلق لیلتہ القدر سے ہے۔

امام ابو محمد بن ابو حاتم نے اپنی تفسیر میں اس سورۃ کی تفسیر میں حضرت کعبؓ سے یہ روایت وارد کی ہے کہ سدرہ المنتہیٰ جو ساتویں آسمان کی حد پر جنت سے متصل ہے جو دنیا اور آخرت کے فاصلہ پر ہے اس کی بلندی جنت میں ہے اس کی شاخیں اور ڈالیاں کرسی تلے ہیں اس میں اس قدر فرشتے ہیں جن کی گنتی اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا اس کی ہر ہر شاخ پر بے شمار فرشتے ہیں' ایک بال برابر بھی جگہ ایسی نہیں جو فرشتوں سے خالی ہو اس درخت کے بیچوں بیچ حضرت جبرئیل علیہ السلام کا مقام ہے' اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو آواز دی جاتی ہے کہ اے جبرئیل! لیلتہ القدر میں اس درخت کے تمام فرشتوں کو لے کر زمین پر جاؤ۔ یہ کل کے کل فرشتے رافت و رحمت والے ہیں جن کے دلوں میں ہر ہر مومن کے لیے رحم کے جذبات موج زن ہیں' سورج غروب ہوتے ہی یہ کل کے کل فرشتے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ لیلتہ القدر میں اترتے ہیں تمام روئے زمین پر پھیل جاتے ہیں ہر ہر جگہ سجدے میں قیام میں مشغول ہو جاتے ہیں' اور تمام مومن مردوں اور مومن عورتوں کے لیے دعائیں مانگتے رہتے ہیں' ہاں گرجا گھر' مندر میں آتش کدے میں بت خانے میں غرض اللہ کے سوا اوروں کی جہاں پرستش ہوتی ہے وہاں تو یہ فرشتے نہیں جاتے اور ان جگہوں میں بھی جن میں تم گندی چیزیں ڈالتے ہو اور اس گھر میں جہاں نشے والا شخص ہو یا نشہ والی چیز ہو یا جس گھر میں کوئی بت گڑا ہوا ہو یا جس گھر میں باجے گاجے گھنٹیاں ہوں' یا بیولے ہو یا کوڑا کرکٹ ڈالنے کی جگہ ہو وہاں تو یہ رحمت کے فرشتے جاتے نہیں' باقی چپے چپے پر گھوم جاتے ہیں اور ساری رات مومن مردوں عورتوں کے لیے دعائیں مانگنے میں گزار دیتے ہیں' حضرت جبرئیل علیہ السلام تمام مومنوں سے مصافحہ کرتے ہیں' اس کی نشانی یہ ہے کہ رونگٹے جسم پر کھڑے ہو جائیں' دل نرم پڑ جائے آنکھیں بہہ نکلیں۔ اس وقت آدمی کو سمجھ لینا چاہیے کہ اس وقت میرا ہاتھ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ہاتھ میں ہے۔

حضرت کعبؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص اس رات میں تین مرتبہ لاالہ الااللہ پڑھے اس پہلی مرتبہ کے پڑھنے پر گناہوں کی بخشش ہو جاتی ہے' دوسری مرتبہ کے کہنے پر آگ سے نجات مل جاتی ہے' تیسری مرتبہ کے کہنے پر جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ راوی نے پوچھا کہ اے ابو اسحٰق جو اس کلمہ کو سچائی سے کہے اس کے؟ فرمایا یہ تو نکلے گا ہی اس کے منہ سے جو سچائی سے اس کا کہنے والا ہو۔ اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ لیلتہ القدر کافر و منافق پر تو اتنی بھاری پڑتی ہے کہ گویا اس کی پیٹھ پر پہاڑ آ پڑا۔ غرض کہ فجر ہونے تک فرشتے اسی طرح رہتے ہیں پھر سب سے پہلے حضرت جبرئیل علیہ السلام چڑھتے ہیں اور بہت اونچے چڑھ کر اپنے پروں کو پھیلا دیتے

ہیں' بالخصوص ان دو سبز پروں کو جنہیں اس رات کے سوا وہ کبھی نہیں پھیلاتے یہی وجہ ہے کہ سورج کی تیزی ماند پڑ جاتی ہے اور شعاعیں جاتی رہتی ہیں پھر ایک ایک فرشتے کو پکارتے ہیں اور سب کے سب اوپر چڑھتے ہیں' پس فرشتوں کا نور اور جبرئیل علیہ السلام کے پروں کا نور مل کر سورج کو ماند کر دیتا ہے' اس دن سورج متحیر رہ جاتا ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام اور یہ سارے کے سارے بے شمار فرشتے اس دن آسمان وزمین کے درمیان مومن مردوں اور مومن عورتوں کے لیے رحمت کی دعائیں مانگنے میں اور ان کے گناہوں کی بخشش طلب کرنے میں گزار دیتے ہیں' نیک نیتی کے ساتھ روزہ رکھنے والوں کے لیے اور ان لوگوں کے لیے بھی جن کا یہ خیال رہا کہ اگلے سال بھی اگر اللہ نے زندگی رکھی تو رمضان کے روزے عمدگی کے ساتھ پورے کریں گے' یہی دعائیں مانگتے رہتے ہیں' شام کو آسمان دنیا پر چڑھ جاتے ہیں وہاں کے تمام فرشتے حلقے باندھ باندھ کر ان کے پاس جمع ہو جاتے ہیں اور ایک ایک مرد اور ایک ایک عورت کے بارے میں ان سے سوال کرتے ہیں اور یہ جواب دیتے ہیں یہاں تک کہ وہ پوچھتے ہیں کہ فلاں شخص کو امسال تم نے کس حالت میں پایا تو یہ کہتے ہیں کہ گزشتہ سال تو ہم نے اسے عبادتوں میں پایا تھا لیکن اس سال تو وہ بدعتوں میں مبتلا تھا اور فلاں شخص گزشتہ سال بدعتوں میں مبتلا تھا لیکن اس سال ہم نے اسے سنت کے مطابق عبادتوں میں پایا۔ پس یہ فرشتے اس پہلے شخص کے لیے بخشش کی دعائیں مانگنی موقوف کر دیتے ہیں اور اس دوسرے شخص کے لیے دعائیں مانگنی شروع کر دیتے ہیں' اور یہ فرشتے انہیں سناتے ہیں کہ ہم نے فلاں فلاں کو ذکر اللہ میں پایا اور فلاں کو رکوع میں اور فلاں کو سجدے میں اور فلاں کو کتاب اللہ کی تلاوت میں' غرض کہ ایک رات دن یہاں گزار کر دوسرے آسمان پر جاتے ہیں یہاں بھی یہی ہوتا ہے' یہاں تک کہ سدرۃ المنتہیٰ میں اپنی اپنی جگہ پہنچ جاتے ہیں۔ اس وقت سدرۃ المنتہیٰ ان سے پوچھتا ہے کہ مجھ میں بسنے والو میرا بھی تم پر حق ہے میں بھی ان سے محبت رکھتا ہوں جو اللہ تعالیٰ سے محبت رکھیں' ذرا مجھے تو لوگوں کی حالت کی خبر دو اور ان کے نام بتاؤ۔

حضرت کعب احبارؒ فرماتے ہیں کہ اب فرشتے اس کے سامنے گنتی کر کے اور ایک ایک مرد و عورت کا مع ولدیت کے نام بتلاتے ہیں' پھر جنت سدرۃ المنتہیٰ کی طرف متوجہ ہو کر پوچھتی ہے کہ تجھ میں رہنے والے فرشتوں نے جو خبریں تجھے دی ہیں مجھ سے بھی تو بیان کر۔ چنانچہ سدرۃ المنتہیٰ اس سے ذکر کرتا ہے' یہ سن کر وہ کہتی ہے کہ اللہ کی رحمت ہو فلاں مرد پر اور فلاں عورت پر' اے اللہ! انہیں جلدی مجھ سے ملا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام سب سے پہلے اپنی جگہ پہنچ جاتے ہیں' انہیں الہام ہوتا ہے اور یہ عرض کرتے ہیں پروردگار! میں نے تیرے فلاں فلاں بندوں کو سجدے میں پایا تو انہیں بخش دے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں نے انہیں بخشا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام اسے عرش کے اٹھانے والے فرشتوں کو سناتے ہیں' پھر سب کہتے ہیں کہ فلاں فلاں مرد و عورت پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوئی اور مغفرت ہوئی۔

پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام خبر دیتے ہیں کہ باری تعالیٰ فلاں شخص کو گزشتہ سال تو عامل سنت اور عابد چھوڑا تھا لیکن امسال تو بدعتوں میں پڑ گیا ہے اور تیرے احکام سے روگردانی کر لی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے جبرئیل علیہ السلام! اگر یہ مرنے سے تین ساعت پہلے بھی توبہ کر لے تو میں اسے بخش دوں گا۔ اس وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام بے ساختہ کہہ اٹھتے ہیں کہ اے اللہ! تیرے ہی لیے سب تعریفیں سزاوار ہیں' الٰہی تو اپنی مخلوق پر سب سے زیادہ مہربان ہے' بندوں پر تیری مہربانی خود ان کی اپنی مہربانی سے بھی بڑھی ہوئی ہے۔ اس وقت عرش اور اس کے آس پاس کی چیزیں اور پردے اور تمام آسمان جنبش میں آ جاتے ہیں اور کہہ اٹھتے ہیں ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الرَّحِیْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الرَّحِیْمِ ﴾۔ حضرت کعبؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ جو شخص رمضان المبارک کے روزے پورے کرے اور اس کی نیت یہ بھی ہو کہ رمضان کے بعد بھی گناہوں سے بچتا رہوں گا' وہ بغیر سوال جواب کے اور بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل ہوگا۔

﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ﴾ سورۃ لیلۃ القدر کی تفسیر ختم ہوئی۔

تفسیر سورۂ بینہ مدنیہ

تعارف سورت: جب یہ سورۃ اتری تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آنحضرت ﷺ سے فرمایا کہ اللہ کا آپ کو حکم ہوا ہے کہ یہ سورۃ (حضرت) ابی کو سنائیں۔ حضور ﷺ نے حضرت ابیؓ سے اس کا ذکر کیا تو حضرت ابیؓ نے فرمایا یا رسول اللہ ﷺ! کیا وہاں میرا ذکر کیا گیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں ہاں۔ تو حضرت ابیؓ رو پڑے (مسند احمد۔) مسند ہی کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ابیؓ نے پوچھا تھا کہ یا رسول اللہ ﷺ! کیا اللہ تعالیٰ نے میرا نام لیا؟ یہ حدیث بخاری' مسلم' ترمذی اور نسائی میں بھی ہے۔ مسند کی ایک اور روایت میں ہے کہ جس وقت حضرت ابیؓ نے یہ واقعہ بیان کیا اس وقت حضرت عبدالرحمن بن ابزیؒ نے کہا کہ پھر تو تم اے ابو منذر بہت خوش ہوئے ہوں گے۔ کہا ہاں خوش کیوں نہ ہوتا اللہ خود فرماتا ہے ﴿ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا. هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴾ یعنی کہہ دے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت کے ساتھ لوگ خوش ہوا کریں' یہ ان کے جمع کیے ہوئے سے بہت ہی بہتر ہے۔

اور حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے یہ سورۃ حضرت ابیؓ کے سامنے پڑھی' اس میں یہ آیت بھی تھی ﴿ لَوْاَنَّ ابْنَ اٰدَمَ سَاَلَ وَادِيًا مِّنْ مَّالٍ فَاُعْطِيَهٗ لَسَاَلَ ثَانِيًا وَّلَوْ سَاَلَ ثَانِيًافَاُعْطِيَهٗ لَسَاَلَ ثَالِثًا وَلَا يَمْلَاُ جَوْفَ ابْنِ اٰدَمَ اِلَّا التُّرَابُ وَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ تَابَ. وَاِنَّ ذَاتَ الدِّيْنِ عِنْدَاللّٰهِ الْحَنِيْفَةُ غَيْرَ الْمُشْرِكَةِ وَلَا الْيَهُوْدِيَّةِ وَلَاالنَّصْرَانِيَّةِ وَمَنْ يَّفْعَلْ خَيْرًا فَلَنْ يُّكْفَرَهٗ﴾ یعنی اگر انسان مجھ سے ایک جنگل بھر کر سونا مانگے اور میں اسے دیدوں تو پھر دوسرا مانگے گا اور دوسرے کو دیدوں تو یقیناً تیسرے کی طلب کرے گا انسان کے پیٹ کو سوا مٹی کے کوئی چیز نہیں بھر سکتی' جو توبہ کرے اللہ تعالیٰ بھی اسکی توبہ قبول فرماتا ہے' اللہ کے نزدیک دیندار وہ ہے جو یکطرفہ ہو کر صرف اس کی عبادت کرے' نہ وہ مشرک ہو نہ یہودی ہو نہ نصرانی ہو' جو شخص بھی کوئی نیک کام کرے اللہ کے ہاں اس کی ناقدری نہ کی جائے گی (مسند احمد)۔ ترمذی میں بھی یہ روایت ہے اور اسے امام ترمذیؒ نے حسن صحیح کہا ہے۔ طبرانی میں ہے کہ جب حضور ﷺ نے حضرت ابی سے فرمایا کہ مجھے حکم ہوا ہے کہ میں تمہارے سامنے قرآن پڑھوں تو حضرت ابیؓ نے عرض کیا کہ حضرت میں اللہ پر ایمان لایا۔ آپ ﷺ کے ہاتھ پر اسلام لایا۔ آپ ﷺ ہی سے علم دین حاصل کیا۔ آپ ﷺ نے پھر یہی فرمایا اس پر حضرت ابیؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا میرا وہاں ذکر کیا گیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا تیرے نام اور نسب کے ساتھ ﴿مَلَاُالْاَعْلٰى﴾ میں تیرا ذکر ہوا۔ حضرت ابیؓ نے عرض کیا اچھا پھر پڑھیے۔ یہ روایت اس طریقہ سے غریب ہے اور ثابت وہ ہے جو پہلے بیان ہوا۔

فائدہ: یہ یاد رہے کہ حضور ﷺ کا اس سورت کو حضرت ابیؓ کے سامنے پڑھنا یہ ان کی ثابت قدمی اور ان کے ایمان کی زیادتی کے لیے تھا۔ مسند احمد' ابوداؤد' نسائی اور مسلم میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی قراءت سن کر حضرت ابیؓ بگڑ بیٹھے تھے کیونکہ انہوں نے جس طرح اس سورت کو آنحضرت سے سیکھا تھا حضرت عبداللہؓ نے اسی طرح نہیں پڑھا تھا' تو غصے میں آ کر انہیں لے کر خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے۔ حضور ﷺ نے ان دونوں سے قرآن سنا۔ اس نے اپنے طریقے پر اس نے اپنے طور پر پڑھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا دونوں نے درست پڑھا۔ حضرت ابیؓ فرماتے ہیں میں تو اس قدر شک و شبہ میں پڑ گیا کہ جاہلیت کے زمانہ کا شک سامنے آ گیا۔ آپ ﷺ نے یہ حالت دیکھ کر میرے سینے پر اپنا ہاتھ رکھ دیا' جس سے میں پسینوں پسینوں ہو گیا اور اس قدر مجھ پر ڈر خوف طاری ہوا کہ گویا میں اللہ تعالیٰ کو اپنے سامنے دیکھ رہا ہوں' پھر آپ ﷺ نے فرمایا سن جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آئے اور فرمایا اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ قرآن ایک ہی قرأت پر اپنی امت کو پڑھاؤ۔ میں نے کہا میں اللہ تعالیٰ سے عفو و درگزر اور بخشش و مغفرت چاہتا ہوں' پھر مجھے دو طرح کی قراتوں کی اجازت ہوئی لیکن پھر بھی زیادتی طلب کرتا رہا یہاں تک کہ سات قراتوں کی اجازت ملی۔ یہ

حدیث بہت سی سندوں اور مختلف الفاظ سے تفسیر کے شروع میں پوری طرح بیان ہو چکی ہے اب جب کہ یہ مبارک سورت نازل ہوئی اور اس میں آیت ﴿ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ﴾ بھی نازل ہوئی۔ اس لیے حضور ﷺ کو حکم ہوا کہ بطور پہنچا دینے کے اور ثابت قدمی عطا فرمانے کے اور آگاہی کرنے کے پڑھ کر حضرت ابیؓ کو سنا دیں۔ کسی کو یہ خیال نہ رہے کہ بطور سیکھنے کے اور یاد رہنے کے آپ ﷺ نے یہ سورت ان کے پاس تلاوت کی تھی، واللہ اعلم۔

پس جس طرح آپ ﷺ نے حضرت ابیؓ کے اس دن کے شک وشبہ کو دفع کرنے کے لیے جو انہیں مختلف قراتوں کو حضور ﷺ کے جائز رکھنے پر پیدا ہوا تھا ان کے سامنے یہ سورت تلاوت کر کے سنائی، ٹھیک اسی طرح حضرت عمر بن خطابؓ کا واقعہ ہے کہ انہوں نے بھی حدیبیہ والے سال صلح کے معاملہ پر اپنی ناراضگی ظاہر کرتے ہوئے بہت سے سوالات حضور ﷺ سے کیے تھے، جن میں ایک یہ بھی تھا کہ کیا آپ ﷺ نے ہمیں یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم بیت اللہ میں جائیں گے اور طواف کریں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں یہ تو ضرور کہا تھا لیکن یہ نہیں کہا تھا کہ اسی سال یہ ہوگا، یقیناً وہ وقت آ رہا ہے کہ تو وہاں پہنچے گا اور طواف کرے گا۔ اب حدیبیہ سے لوٹتے ہوئے سورۂ فتح نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ کو بلوایا اور یہ سورت پڑھ کر سنائی جس میں یہ آیت بھی ہے ﴿لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ﴾ الخ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کا خواب سچا کر دکھایا یقیناً" تمہارا داخلہ مسجد حرام میں امن وامان کے ساتھ ہوگا جیسے کہ پہلے اس کا بیان بھی گزر چکا۔ حافظ ابو نعیمؒ اپنی کتاب اسماء صحابہ میں حدیث لائے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جب سورۂ بینہ کی قرات سنتا ہے تو فرماتا ہے میرے بندے خوش ہو جائے مجھے اپنی عزت کی قسم میں تجھے جنت میں ایسا ٹھکانا دوں گا کہ تو خوش ہو جائے گا۔ یہ حدیث بہت ہی غریب ہے، اور روایت میں اتنی زیادتی بھی ہے کہ میں تجھے دنیا اور آخرت کے احوال میں سے کسی حال میں نہ بھولوں گا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝١ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۝٢ فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ۝٣ وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝٤ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ۝٥

اللہ تعالیٰ رحم وکرم کرنے والے کے نام سے شروع

اہل کتاب کے کافر اور مشرک لوگ جب تک کہ انکے پاس ظاہر دلیل نہ آ جائے باز رہنے والے نہ تھے (وہ دلیل یہ تھی کہ) اللہ تعالیٰ کا ایک رسول ﷺ جو پاک صحیفے پڑھے جن میں صحیح اور درست احکام ہوں، اہل کتاب اپنے پاس ظاہر دلیل کے آ جانے کے بعد ہی اختلاف میں پڑ کر متفرق ہو گئے، انہیں اس کے سوا حکم نہیں دیا گیا کہ صرف اللہ کی عبادت کریں اسی کے لیے دین کو خالص رکھیں، ابراہیم حنیف کے دین پر اور نماز کو قائم رکھیں اور زکوۃ دیتے رہیں یہی دین درست اور مضبوط ہے۔

اہل کتاب کے پاس دلیل آ گئی: اہل کتاب سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں اور مشرکین سے مراد بت پوج عرب اور آتش پرست عجمی ہیں۔ فرماتا ہے کہ یہ لوگ بغیر دلیل کے آجانے کے باز رہنے والے نہ تھے پھر بتلایا کہ وہ دلیل اللہ کے رسول محمد ﷺ ہیں جو پاک صحیفے یعنی قرآن کریم پڑھ کر سناتے ہیں جو اعلیٰ فرشتوں نے پاک ورقوں میں لکھا ہوا ہے۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿ فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ﴾ الخ کہ وہ نامی گرامی بلند و بالا پاک صاف ورقوں میں پاکباز نیکوکار بزرگ فرشتوں کے ہاتھوں لکھے ہوئے ہیں۔ پھر فرمایا کہ ان پاک صحیفوں میں اللہ کی لکھی ہوئی باتیں عدل و استقامت والی موجود ہیں جن کے اللہ کی جانب سے ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں نہ ان میں کوئی خطا اور غلطی ہوئی ہے۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ وہ رسول ﷺ عمدگی کے ساتھ قرآنی وعظ فرماتے ہیں اور اس کی اچھی تعریفیں بیان فرماتے ہیں ابن زیدؒ فرماتے ہیں کہ ان صحیفوں میں کتابیں ہیں استقامت اور عدل و انصاف والی

پھر فرمایا کہ اگلی کتابوں والے اللہ کی حجتیں قائم ہو چکنے اور دلیلیں آجانے کے بعد کلام الٰہی کی مراد میں اختلاف کرنے لگے اور جدا جدا راہوں میں بٹ گئے جیسے کہ اس حدیث میں ہے جو مختلف طریقوں سے مروی ہے کہ یہودیوں کے اکہتر فرقے ہو گئے اور نصرانیوں کے بہتر اور اس امت کے تہتر فرقے ہو جائیں گے۔ سوا ایک کے سب جہنم میں جائیں گے۔ لوگوں نے پوچھا وہ ایک کون ہے؟ فرمایا وہ جو اس پر ہو جس پر میں اور میرے اصحاب ہیں۔ پھر فرمایا کہ انہیں صرف اتنا ہی حکم تھا کہ خلوص اور اخلاص کے ساتھ صرف اپنے سچے معبود کی عبادت میں لگے رہیں جیسے اور جگہ فرمایا ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ﴾ یعنی تجھ سے پہلے بھی ہم نے جتنے رسول بھیجے سب کی طرف یہی وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود برحق نہیں تم سب صرف میری ہی عبادت کرتے رہو۔ اسی لیے یہاں بھی فرمایا ہے کہ یکسو ہو کر یعنی شرک سے دور اور توحید میں مشغول ہو کر جیسے اور جگہ ہے ﴿ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ﴾ یعنی ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور اللہ کے سوا دوسروں کی عبادت سے بچو۔ حنیف کی پوری تفسیر سورۂ انعام میں گزر چکی ہے جسے لوٹانے کی اب ضرورت نہیں۔

پھر فرمایا کہ نمازوں کو قائم کریں جو کہ بدن کی تمام عبادتوں میں سب سے اعلیٰ عبادت ہے اور زکوٰۃ دیتے رہیں یعنی فقیروں اور محتاجوں کے ساتھ سلوک کرتے رہیں یہی دین مضبوط سیدھا درست عدل والا اور عمدگی والا ہے۔

فائدہ: بہت سے آئمہ کرامؒ جیسے امام زہریؒ امام شافعیؒ وغیرہ نے اس آیت سے اس امر پر استدلال کیا ہے کہ اعمال ایمان میں داخل ہیں کیونکہ ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی خلوص اور یکسوئی کے ساتھ کی عبادت اور نماز و زکوٰۃ کو دین فرمایا گیا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ۝ۭ۶ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰۗىِٕكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ۝ۭ۷ جَزَاۗؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ ۝۸

بے شک جو لوگ اہل کتاب میں سے کافر ہوئے اور مشرکین وہ دوزخ کی آگ میں جائیں گے جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ لوگ بدترین خلائق ہیں بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے یہ لوگ بہترین خلائق ہیں ان کا بدلہ ان کے رب کے پاس ہمیشگی والی جنتیں ہیں جن کے نیچے

نہریں بہہ رہی ہیں جن میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سے خوش رہے گا اور یہ اس سے' یہ ہے اس کے لیے جو اپنے پروردگار سے ڈرے۔

کفار کا انجام: اللہ تعالیٰ کافروں کا انجام بیان فرماتا ہے وہ کافر خواہ یہود و نصاریٰ ہوں یا مشرکین عرب و عجم ہوں جو بھی انبیاء اللہ کے مخالف ہوں اور کتاب اللہ کے جھٹلانے والے ہوں وہ قیامت کے دن جہنم کی آگ میں ڈال دیئے جائیں گے اور اسی میں پڑے رہیں گے نہ وہاں سے نکلیں نہ چھوٹیں' یہ لوگ تمام مخلوق سے بدتر اور کمتر ہیں۔ پھر اپنے نیک بندوں کے انجام کی خبر دیتا ہے جن کے دلوں میں ایمان ہے اور جو اپنے جسموں سے سنت کی بجا آوری میں رہا کرتے ہیں کہ یہ ساری مخلوق سے بہتر اور بزرگ ہیں

فائدہ: اس آیت سے حضرت ابوہریرہؓ اور علمائے کرام کی ایک جماعت نے استدلال کیا ہے کہ ایمان والے انسان فرشتوں سے بھی افضل ہیں۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ان کا نیک بدلہ ان کے رب کے پاس ان ہیشگی والی جنتوں کی صورت میں ہے جن کے چپے چپے پر پاک صاف پانی کی نہریں بہہ رہی ہیں جن میں دوام اور ہیشگی کی زندگی کے ساتھ رہیں گے' نہ وہاں سے نکالے جائیں نہ وہ نعمتیں ان سے جدا ہوں' نہ کم ہوں نہ اور کوئی کھٹکا ہے نہ غم۔ پھر ان سب سے بڑھ چڑھ کر نعمت و رحمت یہ ہے کہ رضائے رب مرضی مولا انہیں حاصل ہو گئی ہے' اور انہیں اس قدر نعمتیں جناب باری تعالیٰ نے عطا فرمائی ہیں کہ یہ بھی بہ دل راضی ہو گئے ہیں۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ یہ بہترین بدلہ یہ جزائے جزیل یہ اجر عظیم دنیا میں اللہ سے ڈرتے رہنے کا عوض ہے۔ ہر وہ شخص جس کے دل میں ڈر ہو' جس کی عبادت میں اخلاص ہو جو جانتا ہو کہ اللہ کی اس پر نظریں ہیں' بلکہ عبادت کے وقت اس مشغولی اور دلچسپی سے عبادت کر رہا ہو کہ گویا وہ خود اپنی آنکھوں سے اپنے خالق مالک سچے رب اور حقیقی اللہ کو دیکھ رہا ہے۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں میں تمہیں بتاؤں کہ سب سے بہتر شخص کون ہے؟ لوگوں نے کہا ضرور۔ فرمایا وہ شخص جو اپنے گھوڑے کی لگام تھامے ہوئے ہے کہ کب جہاد کی آواز اٹھے اور کب میں کود کر اس کی پیٹھ پر سوار ہو جاؤں' اور کڑکڑاتا ہوا دشمن کی فوج میں گھسوں اور داد شجاعت دوں۔ لو میں تمہیں ایک اور بہترین مخلوق کی خبر دوں' وہ شخص جو اپنی بکریوں کے ریوڑ میں ہے نہ نماز کو چھوڑتا ہے نہ زکوٰۃ سے جی چراتا ہے۔ آؤ اب میں بدترین مخلوق بتاؤں وہ شخص کہ اللہ تعالیٰ کے نام سے سوال کرے اور پھر نہ دیا جائے۔

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ﴾ سورہ بینہ کی تفسیر ختم ہوئی' اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے۔

تفسیر سورۂ الزلزال مدنیہ

تعارف سورت: ترمذی میں ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا حضور مجھے پڑھائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ﴿الٓر﴾ والی تین سورتیں پڑھو تو' اس نے کہا بوڑھا ہو گیا' حافظہ کمزور ہو گیا زبان موٹی ہو گئی۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا اچھا ﴿حٰمٓ﴾ والی سورتیں پڑھا کرو' اس نے پھر وہی عذر بیان کیا' آپ ﷺ نے فرمایا ﴿ یُسَبِّحُ ﴾ والی تین سورتیں پڑھ لیا کرو۔ اس نے پھر وہی عذر بیان کیا اور درخواست کی کہ حضور مجھے تو کوئی جامع سورۃ کا سبق دید یجئے' تو آپ ﷺ نے اسے یہ سورت پڑھائی' جب پڑھا چکے تو وہ کہنے لگا کہ اس اللہ کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ نبی بنا کر بھیجا ہے کہ میں کبھی اس پر زیادتی نہ کروں گا۔ پھر وہ پیٹھ پھیر کر جانے لگا تو آپ ﷺ نے فرمایا اس مرد نے فلاح پالی یہ نجات کو پہنچ گیا۔ پھر فرمایا ذرا اسے بلا لانا۔ وہ حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا مجھے بقر عید کا حکم کیا گیا ہے' اس دن کو اللہ تعالیٰ نے امت کی عید کا دن بنایا ہے' تو اس شخص نے کہا کہ اگر میرے پاس قربانی کا جانور نہ ہو اور کسی شخص نے مجھے دودھ پینے کے لیے کوئی جانور تحفہ دے رکھا ہو تو کیا میں اسے ذبح کر ڈالوں؟ فرمایا نہیں نہیں پھر تو تو اپنے بال کتروا' ناخن لوا' مونچھیں پست کرا' زیر ناف کے بال لے' اللہ تعالیٰ عزوجل کے نزدیک تیری پوری قربانی یہی ہے۔ یہ حدیث مسند احمد' ابوداؤد

نسائی میں بھی ہے۔

ترمذی کی اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جو شخص اس سورۃ کو پڑھے تو اسے نصف قرآن پڑھنے کا ثواب ملتا ہے۔ یہ حدیث غریب ہے اور روایت میں ہے کہ ﴿ اِذَا زُلْزِلَتِ ﴾ آدھے قرآن کے برابر ہے اور ﴿ قُلْ هُوَ اللّٰهُ ﴾ تہائی قرآن کے برابر ہے اور ﴿ قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ﴾ چوتھائی قرآن کے برابر ہے۔ یہ حدیث بھی غریب ہے اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابیوں میں سے ایک سے فرمایا کہ کیا تم نے نکاح کر لیا؟ اس نے کہا نہیں' حضور میرے پاس اتنا ہے ہی نہیں جو میں اپنا نکاح کر سکوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ﴿ قُلْ هُوَ اللّٰهُ ﴾ تیرے ساتھ نہیں؟ اس نے کہا ہاں یہ تو ہے۔ فرمایا تہائی قرآن یہ ہوا۔ فرمایا کیا اِذَا جَآءَ نہیں؟ کہا وہ بھی ہے۔ فرمایا چوتھائی قرآن یہ ہوا۔ فرمایا کیا ﴿ قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ﴾ یاد نہیں؟ کہا ہاں۔ فرمایا چوتھائی قرآن کے برابر یہ ہے' جا اب نکاح کر لے۔ یہ حدیث حسن ہے' یہ تینوں حدیثیں صرف ترمذی میں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ① وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ② وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا ③ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ④ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ⑤ يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ۙ لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ⑥ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ⑦ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ⑧

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بخشش کرنے والا مہربان ہے۔

جب زمین پوری طرح جھنجوڑ دی جائے گی' اور اپنے بوجھ باہر نکال پھینکے گی' انسان کہنے لگے گا کہ اسے کیا ہو گیا؟ اس دن زمین اپنی سب خبریں بیان کر دے گی' اس لیے کہ تیرے رب نے اسے یہ حکم دیا ہو گا۔ اس روز لوگ مختلف جماعتیں ہو کر واپس لوٹیں گے تاکہ انہیں ان کے اعمال دکھا دیئے جائیں۔ پس جس نے ذرے برابر نیکی کی ہو گی وہ اسے دیکھ لے گا' اور جس نے ذرے برابر برائی کی ہو گی وہ اسے دیکھ لے گا۔

جب زمین پر زلزلہ آئے گا: زمین نیچے سے اوپر تک کپکپانے لگے گی اور جتنے مردے اس میں ہیں سب نکال پھینکے گی' جیسے اور جگہ ہے ﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ﴾ لوگو! اپنے رب سے ڈرو' یقین مانو کہ قیامت کا زلزلہ اس دن کی بھونچال بڑی چیز ہے' اور جگہ ارشاد ہے ﴿ وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَتَخَلَّتْ ﴾ جب کہ زمین کھینچ کھاج کر برابر ہموار کر دی جائے گی' اور اس میں جو کچھ ہے وہ اسے باہر اگل دے گی اور بالکل خالی ہو جائے گی۔ صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں زمین اپنے کلیجے کے ٹکڑوں کو اگل دے گی سونا چاندی مثل ستونوں کے باہر نکل پڑے گا' قاتل اسے دیکھ کر افسوس کرتا ہوا کہے گا کہ ہائے اسی مال کے لیے میں نے فلاں کو قتل کیا تھا آج یہ یوں ادھر ادھر رل رہا ہے کوئی آنکھ بھر کر دیکھتا بھی نہیں' اسی طرح صلہ رحمی توڑنے والا بھی کہے گا کہ اسی کی محبت میں آ کر رشتے داروں سے میں سلوک نہیں کرتا تھا' چور بھی کہے گا کہ اسی کی محبت میں میں نے ہاتھ کٹوا دیئے غرض کہ وہ مال یونہی رلتا پھرے گا کوئی نہیں لے گا' انسان اس وقت ہکا بکا رہ جائے گا اور کہے گا کہ یہ تو ہلنے جلنے والی نہ تھی بالکل ٹھہری ہوئی بوجھل اور جمی ہوئی تھی' اسے کیا ہو گیا کہ یوں بید کی طرح تھرانے لگی؟ اور ساتھ ہی جب دیکھے گا کہ تمام اگلی پچھلی لاشیں

بھی زمین نے اگل دیں تو اور حیران و پریشان ہو جائے گا کہ آخر اسے کیا ہو گیا ہے؟ پس زمین بالکل بدل دی جائے گی اور آسمان بھی' اور سب لوگ اس قہار اللہ کے سامنے کھڑے ہو جائیں گے' زمین کھلے طور پر صاف صاف گواہی دے گی کہ فلاں فلاں شخص نے فلاں فلاں نافرمانی اس پر کی ہے۔ حضور ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کر کے فرمایا جانتے بھی ہو کہ زمین کی بیان کردہ خبریں کیا ہوں گی؟ لوگوں نے کہا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ ہی کو خوب علم ہے' تو آپ نے فرمایا جو جو اعمال بنی آدم نے زمین پر کئے ہیں وہ تمام وہ ظاہر کر دے گی کہ فلاں فلاں شخص نے فلاں نیکی یا بدی فلاں جگہ فلاں وقت کی ہے۔ امام ترمذیؒ اس حدیث کو حسن صحیح غریب بتلاتے ہیں۔

زمین ہر بات کھول دے گی: معجم طبرانی میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا زمین سے بچو یہ تمہاری ماں ہے جو شخص جو نیکی بدی اس پر کرتا ہے۔ یہ سب کھول کر بیان کر دے گی۔ یہاں وحی سے مراد حکم دینا ہے ﴿اَوْحٰی﴾ اور اسکے ہم معنی افعال کا صلہ حرف لام بھی آتا ہے اور ﴿الٰی﴾ بھی۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے فرمائے گا کہ بتا اور وہ بتاتی جائے گی' اس دن لوگ حساب کی جگہ سے مختلف قسموں کی جماعتیں بن بن کر لوٹیں گے' کوئی بد ہو گا کوئی نیک کوئی جنتی بنا ہو گا کوئی جہنمی۔ یہ معنی بھی ہیں کہ یہاں سے جو الگ الگ ہوں گے تو پھر اجتماع نہ ہو گا۔ یہ اس لیے کہ وہ اپنے اعمال کو جان لیں اور بھلائی برائی کا بدلہ پالیں اسی لیے آخر میں بیان فرمادیا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ گھوڑوں والے تین قسم کے ہیں' ایک اجر پانے والا ایک پردہ پوشی والا' ایک بوجھ اور گناہ والا۔ اجر والا تو وہ ہے جو گھوڑا پالتا ہے جہاد کی نیت سے اگر اس کے گھوڑے کی اگاڑی پچھاڑی ڈھیلی ہو گئی اور یہ ادھر ادھر سے چر تا رہا تو یہ بھی گھوڑے والے کے لیے اجر کا باعث ہے اور اگر یہ رسی اس کی ٹوٹ گئی اور یہ ادھر ادھر چڑھ گیا تو اس کے نشان قدم اور اسکی لید کا بھی اسے ثواب ملتا ہے اگر یہ کسی نہر پر جا کر پانی پی لے گو ارادہ پلانے کا نہ ہو تاہم ثواب مل جاتا ہے' یہ گھوڑا تو اس شخص کے لیے سراسر اجر و ثواب ہے' دوسرا وہ شخص جس نے اس لیے پال رکھا ہے کہ دوسروں سے بے پرواہ رہے اور کسی سے سوال کی ضرورت نہ ہو لیکن اللہ کا حق نہ تو خود اس میں بھولتا ہے نہ اس کی سواری میں پس یہ اس کے لیے پردہ ہے۔ تیسرا وہ شخص ہے جس نے فخر و ریاکاری اور ظلم و ستم کے لیے پال رکھا ہے پس یہ اس کے ذمہ بوجھ اور اس پر گناہ کا بار ہے۔ پھر حضور ﷺ سے سوال ہوا کہ گدھوں کے بارے میں کیا حکم ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا مجھ پر اللہ تعالے کی جانب سے سوائے اس تنہا اور جامع آیت کے اور کچھ نازل نہیں ہوا کہ ذرے برابر نیکی اتنی ہی بدی ہر شخص دیکھ لے گا (مسلم)۔

حضرت صعصعہ بن مالکؓ نے تو حضور ﷺ کی زبانی یہ آیت سن کر کہہ دیا تھا کہ صرف یہی آیت کافی ہے اور زیادہ اگر نہ بھی سنوں تو کوئی ضرورت نہیں (مسند احمد و نسائی)۔ صحیح بخاری میں یہ روایت حضرت عدی بن حاتمؓ مروی ہے کہ آگ سے بچو اگرچہ آدھی کھجور کا صدقہ ہی ہو۔ اسی طرح صحیح حدیث میں ہے کہ نیکی کے کام کو ہلکا نہ سمجھو گو اتنا ہی کام ہو کہ تو اپنے ڈول میں سے ذرا سا پانی کسی پیاسے کو پلوادے یا اپنے کسی مسلمان بھائی سے کشادہ روئی اور خندہ پیشانی سے ملاقات کرلے۔ دوسری ایک صحیح حدیث میں ہے کہ اے ایمان والی عورتو! تم اپنی پڑوسن کے بھیجے ہوئے تحفے ہدیے کو حقیر نہ سمجھو گو ایک کھر ہی آیا ہو۔ اور حدیث میں ہے کہ سائل کو کچھ نہ کچھ دیدو گو جلا ہوا کھر ہی ہو۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ اے عائشہ گناہوں کو حقیر نہ سمجھو یاد رکھو کہ ان کا بھی اللہ حساب لینے والا ہے۔

ابن جریر میں ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ جناب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے کہ یہ آیت اتری تو حضرت صدیقؓ نے کھانے سے ہاتھ اٹھا لیا اور پوچھنے لگے کہ یا رسول اللہ ﷺ کیا میں ایک ایک ذرے برابر برائی کا بدلہ دیا جاؤں گا تو آپ ﷺ نے فرمایا اے صدیق دنیا میں جو جو تکلیفیں تمہیں پہنچی ہیں یہ تو اس میں آگئیں اور نیکیاں تمہارے لیے اللہ کے ہاں ذخیرہ بنی ہوئی ہیں اور ان سب کا پورا پورا بدلہ قیامت کے دن تمہیں دیا جائے گا۔ ابن جریر کی ایک اور روایت میں ہے کہ یہ سورت حضرت ابو بکرؓ کی موجودگی میں نازل ہوئی تھی آپ اسے سن کر بہت روئے۔ حضور ﷺ نے سبب پوچھا تو آپؓ نے فرمایا مجھے یہ سورت رلا رہی ہے۔ آپ ﷺ

نے فرمایا اگر تم خطا اور گناہ نہ کرتے کہ تمہیں بخشا جائے اور معاف کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کسی اور امت کو پیدا کرتا جو خطا اور گناہ کرتے اور اللہ انہیں بخشتا۔

حضرت ابو سعید خدریؓ نے حضور ﷺ سے یہ آیت سن کر پوچھا کہ حضور کیا مجھے اپنے سب اعمال دیکھنے پڑیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں! پوچھا بڑے بڑے فرمایا ہاں! پوچھا اور چھوٹے چھوٹے بھی فرمایا ہاں۔ میں نے کہا ہائے افسوس۔ آپ ﷺ نے فرمایا ابو سعیدؓ خوش ہو جاؤ نیکی تو دس گنے سے لے کر سات سو گنے تک بلکہ اس سے بھی زیادہ تک اللہ جسے چاہے دے گا ہاں گناہ اسی کے مثل ہوں گے یا اللہ تعالیٰ اسے بھی بخش دے گا۔ سنو کسی شخص کو صرف اس کے اعمال نہ نجات دے سکیں گے۔ میں نے کہا حضور کیا آپ کو بھی نہیں؟ فرمایا نہ مجھے بھی مگر یہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی رحمت سے مجھے ڈھانپ لے۔ اس کے راویوں میں ایک ابن لہیعہ ہیں یہ روایت صرف انہیں سے مروی ہے۔

ہر عمل کا بدلہ ملے گا: حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ جب آیت ﴿ وَ يُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ ﴾ الخ نازل ہوئی یعنی مال کی محبت کے باوجود مسکین یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں تو لوگ یہ سمجھ گئے کہ اگر ہم تھوڑی سی چیز راہ اللہ دیں گے تو کوئی ثواب ملے گا۔ مسکین ان کے دروازے پر آتا لیکن ایک آدھ کھجور یا روٹی کا ٹکڑا وغیرہ دینے کو حقارت خیال کر کے یونہی لوٹا دیتے تھے کہ اگر دیں تو کوئی اچھی محبوب و مرغوب چیز دیں۔ ادھر تو اس خیال کی یہ ایک جماعت تھی' دوسری جماعت وہ تھی جنہیں یہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ چھوٹے چھوٹے گناہوں پر ہماری پکڑ نہ ہو گی مثلاً کبھی کوئی جھوٹ بات کہہ دی کبھی ادھر ادھر نظریں ڈال لیں کبھی غیبت کر لی وغیرہ جہنم کی وعید تو کبیرہ گناہوں پر ہے تو یہ آیت ﴿ فَمَنْ يَّعْمَلْ ﴾ نازل ہوئی اور انہیں یہ بتلایا گیا کہ چھوٹی سی نیکی کو حقیر نہ سمجھو یہ بڑی ہو کر ملے گی اور تھوڑے سے گناہ کو بھی بے جان نہ سمجھو کہیں تھوڑا تھوڑا مل کر بہت نہ بن جائے۔ ذرہ کے معنی چھوٹی چیونٹی کے ہیں' یعنی نیکیوں اور برائیوں کو چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی اپنے نامۂ اعمال میں دیکھ لے گا' بدی تو ایک ہی لکھی جاتی ہے نیکی ایک کے بدلے دس بلکہ جس کے لیے اللہ چاہے اس سے بھی بہت زیادہ بلکہ ان نیکیوں کے بدلے برائیاں بھی معاف ہو جاتی ہیں' ایک ایک نیکی کے بدلے دس دس برائیاں معاف ہو جاتی ہیں' پھر یہ بھی ہے کہ جس کی نیکی برائی سے ایک ذرے کے برابر بڑھ گئی وہ جنتی ہو گیا' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ گناہوں کو ہلکا نہ سمجھا کرو یہ سب جمع ہو کر آدمی کو ہلاک کر ڈالتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے ان برائیوں کی مثال بیان فرمائی کہ جیسے کچھ لوگ کسی جگہ اترے پھر ایک ایک دو دو لکڑیاں چن لائے تو لکڑیوں کا ڈھیر لگ جائے گا پھر اگر انہیں سلگائی جائیں تو اس آگ میں جو چاہیں پکا سکتے ہیں (اسی طرح تھوڑے تھوڑے گناہ بہت زیادہ ہو کر آگ کا کام کرتے ہیں اور انسان کو جلا دیتے ہیں)۔ سورہ الزلزال کی تفسیر ختم ہوئی ﴿وَالْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ﴾

تفسیر سورۂ العادیات مکیہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ۝١ فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ۝٢ فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا ۝٣ فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ۝٤

فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ۝٥ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۝٦ وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ۝٧ وَاِنَّهٗ

لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيدٌ ⑧ أَفَلَا يَعْلَمُ إِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُورِ ⑨ وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُورِ ⑩
إِنَّ رَبَّهُم بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيرٌ ⑪

ع ۲۵

شروع اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والے مہربان کے نام سے۔

ہانپتے ہوئے دوڑنے والے گھوڑوں کی قسم' پھر ٹاپ مار کر آگ جھاڑنے والوں کی' پھر صبح کے وقت دھاوا بولنے والوں کی' پس اس وقت غبار اڑاتے ہیں' پھر فوجوں کے درمیان گھس جاتے ہیں' یقیناً انسان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے' اور یقیناً وہ خود بھی اس سے باخبر ہے' یہ مال کی محبت میں بھی بڑا سخت ہے' کیا اسے وہ وقت معلوم نہیں جب قبروں کے مردے اٹھا کھڑے کر دیئے جائیں گے' اور سینوں کی پوشیدہ باتیں ظاہر کر دی جائیں گی' بے شک ان کا رب اس دن ان کے حال سے پورا باخبر ہوگا۔

مجاہدین کے گھوڑوں کی قسم: مجاہدین کے گھوڑے جب کہ اللہ کی راہ کے لیے ہانپتے اور ہنہناتے ہوئے دوڑتے ہیں ان کی اللہ تبارک وتعالیٰ قسم کھاتا ہے' پھر اس تیزی میں دوڑتے ہوئے پتھروں کے ساتھ ان کے نعل کا ٹکرانا اور اس رگڑ سے آگ کی چنگاریاں اڑنا پھر صبح کے وقت دشمن پر ان کا چھاپہ مارنا اور دشمنان رب کو تہہ وبالا کرنا۔ آنحضرت ﷺ کی یہی عادت مبارک تھی کہ دشمن کی کسی بستی پر آپ ﷺ جاتے تو وہاں رات کو ٹھہر کر کان لگا کر سنتے اگر اذان کی آواز آ گئی تو آپ ﷺ رک جاتے۔ نہ آتی تو لشکر کو حکم دیتے کہ بزن بول دیں۔ پھر ان گھوڑوں کا گرد وغبار اڑانا اور ان سب کا دشمنوں کے درمیان گھس جانا' ان سب چیزوں کی قسم کھا کر پھر مضمون شروع ہوتا ہے۔ حضرت عبداللہؓ سے مروی ہے کہ ﴿وَالْعَادِيَاتِ﴾ سے مراد اونٹ ہیں' حضرت علیؓ بھی یہی فرماتے ہیں'

حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول ہے کہ اس سے مراد گھوڑے ہیں' جب حضرت علیؓ کو معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا گھوڑے ہمارے پاس بدر والے دن تھے ہی کب؟ یہ تو اس چھوٹے لشکر میں تھا جو بھیجا گیا تھا' حضرت عبداللہ بن عباسؓ ایک مرتبہ حطیم میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص نے آ کر اس آیت کی تفسیر پوچھی تو آپ نے فرمایا اس سے مراد مجاہدین کے گھوڑے ہیں جو بوقت جہاد دشمنوں پر دھاوا بولتے ہیں پھر رات کے وقت یہ گھوڑے سوار مجاہد اپنے کیمپ میں آ کر کھانے پکانے کے لیے آگ جلاتے ہیں وہ یہ پوچھ کر حضرت علیؓ کے پاس گیا آپ اس وقت زمزم کا پانی لوگوں کو پلا رہے تھے اس نے آپ سے بھی یہی سوال کیا۔ آپ نے فرمایا مجھ سے پہلے کسی اور سے بھی تم نے پوچھا ہے؟ کہا ہاں (حضرت ابن عباس سے پوچھا ہے' تو انہوں نے فرمایا مجاہدین کے گھوڑے ہیں جو اللہ کی راہ میں دھاوا کریں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا جانا ذرا انہیں میرے پاس بلا لانا' جب وہ آ گئے تو حضرت علیؓ نے فرمایا تمہیں معلوم نہیں اور تم لوگوں کو فتوے دے رہے ہو' اللہ کی قسم پہلا غزوہ اسلام میں بدر کا ہوا اس لڑائی میں ہمارے ساتھ صرف دو گھوڑے تھے' ایک حضرت زبیرؓ کا' دوسرا حضرت مقدادؓ کا تو عادیات ضبحا یہ کیسے ہو سکتے ہیں' اس سے مراد تو عرفات سے مزدلفہ کی طرف جانے والے اور پھر مزدلفہ سے منیٰ کی طرف جانے والے ہیں۔ حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں یہ سن کر میں نے اپنے اگلے قول سے رجوع کر لیا اور حضرت علیؓ نے جو فرمایا تھا وہی کہنے لگا۔ مزدلفہ میں پہنچ کر حاجی بھی اپنی ہنڈیا روٹی کے لیے آگ سلگاتے ہیں۔ غرض حضرت علیؓ کا فرمان یہ ہوا کہ اسؓ سے مراد اونٹ ہیں اور یہی قول ایک جماعت کا ہے جن میں ابراہیم' عبید بن عمیر وغیرہ ہیں' اور حضرت ابن عباسؓ سے گھوڑے مروی ہیں۔

صبح کے وقت حملہ کرنے والے: مجاہد' عکرمہ' عطاء' قتادہ' ضحاک رحمتہ اللہ علیہم' بھی یہی کہتے ہیں اور امام ابن جریرؒ بھی اسی کو پسند فرماتے ہیں' بلکہ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عطاءؒ سے مروی ہے کہ ﴿ضَبْحًا﴾ یعنی ہانپنا کسی جانور کے لیے نہیں ہوتا سوائے گھوڑے اور کتے کے' ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ان کے منہ سے ہانپتے ہوئے جو آواز اح اح نکلتی ہے یہی ضبح ہے۔ اور دوسرے جملے

کے ایک تو معنے یہ کئے گئے ہیں کہ ان گھوڑوں کی ٹاپوں کا پتھر سے ٹکرا کر آگ پیدا کرنا اور دوسرے معنے یہ بھی کئے گئے ہیں کہ ان کے سواروں کا لڑائی کی آگ کو بھڑکانا' اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ لڑائی میں مکر و دھوکہ کرنا' اور یہ بھی مروی ہے کہ راتوں کو اپنی قیام گاہ پہنچ کر آگ روشن کرنا اور مزدلفہ میں حاجیوں کا بعد از مغرب پہنچ کر آگ جلانا۔

امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں میرے نزدیک سب سے زیادہ ٹھیک قول یہی ہے کہ گھوڑوں کی ٹاپوں اور سموں کا پتھر سے رگڑ کھا کر آگ پیدا کرنا' پھر صبح کے وقت مجاہدین کا دشمنوں پر اچانک ٹوٹ پڑنا۔ اور جن صاحبان نے اس سے مراد اونٹ لیے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد مزدلفہ سے منیٰ کی طرف صبح کو جانا ہے' پھر یہ سب کہتے ہیں کہ پھر ان کا جس مکان میں یہ اترے ہیں خواہ جہاد میں ہوں یا حج میں غبار اڑانا پھر ان مجاہدین کا کفار کی فوجوں میں درانہ گھس جانا اور چیرتے پھاڑتے مارتے پچھاڑتے ان کے بیچ لشکر میں پہنچ جانا' اور یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ سب جمع ہو کر اس جگہ درمیان میں آ جاتے ہیں تو اس صورت میں جمعا حال مئوکد ہونے کی وجہ سے منصوب ہو گا۔ ابو بکر بزار میں اس جگہ ایک غریب حدیث ہے جس میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک لشکر بھیجا تھا ایک مہینہ گزر گیا لیکن اس کی کوئی خبر نہ آئی اس پر یہ آیتیں اتریں اور اس لشکر کی اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ انکے گھوڑے ہانپتے ہوئے تیز چال سے گئے ان کے سموں کی ٹکر سے چنگاریاں اڑ رہی تھیں انہوں نے صبح ہی صبح دشمنوں پر پوری یلغار کے ساتھ حملہ کر دیا ان کی ٹاپوں سے گرد اڑ رہا تھا پھر غالب آ کر سب جمع ہو کر بیٹھ گئے۔ ان قسموں کے بعد اب وہ مضمون بیان ہو رہا ہے جس پر قسمیں کھائی گئی تھیں کہ انسان اپنے رب کی نعمتوں کا قدر دان نہیں 'اگر کوئی دکھ درد کسی وقت آ گیا ہے تو وہ بخوبی یاد ہے لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ کی ہزار ہا نعمتیں جو ہیں سب کو بھلائے ہوئے ہے۔

ابن ابی حاتم کی حدیث میں ہے کہ ﴿كَنُوْد﴾ وہ ہے جو تنہا کھائے غلاموں کو مارے اور احسان و سلوک نہ کرے' اس کی اسناد ضعیف ہے۔ پھر فرمایا اللہ تعالیٰ اس پر شاہد ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ خود اس بات پر اپنا گواہ آپ ہے' اس کی ناشکری اس کے افعال و اقوال سے صاف ظاہر ہے جیسے اور جگہ ہے ﴿شَاهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ﴾ یعنی مشرکین سے اللہ تعالیٰ کی مسجدوں کی آبادی نہیں ہو سکتی جب کہ یہ اپنے کفر کے آپ گواہ ہیں۔ پھر فرمایا یہ مال کی چاہت میں بڑا سخت ہے یعنی اسے مال کی بے حد محبت ہے اور یہ بھی معنی ہیں کہ اس کی محبت میں پھنس کر ہماری راہ میں دینے سے جی چراتا ہے اور بخل کرتا ہے' پھر پروردگار عالم اسے دنیا سے بے رغبت کرنے اور آخرت کی طرف متوجہ کرنے کے لیے فرما رہا ہے کہ کیا انسان کو یہ معلوم نہیں کہ ایک وقت وہ آ رہا ہے کہ جب تمام مردے قبروں سے نکل کھڑے ہوں گے اور جو کچھ باتیں چھپی لگی ہوئی تھیں سب ظاہر ہو جائیں گی۔ سن لو ان کا رب ان کے تمام کاموں سے باخبر ہے اور ہر ایک عمل کا بدلہ پورا پورا دینے والا ہے' ایک ذرے کے برابر وہ ظلم روا نہیں رکھتا اور نہ رکھے۔ سورہ عادیات کی تفسیر اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان سے ختم ہوئی' والحمد للہ رب العالمین۔

تفسیر سورۂ قارعۃ مکیہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْقَارِعَةُ ۝١ مَا الْقَارِعَةُ ۝٢ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُ ۝٣ يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ۝٤ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ۝٥ فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ

مَوَازِيْنُهٗ ۝ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۝ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا هِيَهْ ۝ نَارٌ حَامِيَةٌ ۝

اللہ تعالیٰ بہت مہربان بڑے رحم والے کے نام سے۔

کھڑکھڑا دینے والی' کیا ہے وہ کھڑکھڑانے والی' تجھے کیا معلوم کہ وہ کھڑکھڑانے والی کیا ہے' جس دن انسان پراگندہ پروانوں کی طرح ہو جائیں گے اور پہاڑ دھنی ہوئی رنگین اون کی طرح ہو جائیں گے پھر جس کا پلہ بھاری ہو گا' وہ تو خاطر خواہ آرام کی زندگی میں ہو گا اور جس کی تول ہلکی ہو گی اس کا ٹھکانہ ہاویہ ہے تجھے کون بتائے کہ وہ کیا ہے؟ وہ تیز و تند آگ ہے۔

قیامت کھڑکھڑا دینے والی ہے: ﴿قَارِعَه﴾ بھی قیامت کا نام ہے جیسے ﴿حاقّه' طامّه' صاخه' غاشيه﴾ وغیرہ۔ اس کی بڑائی اور ہولناکی کے بیان کے لیے سوال ہوتا ہے کہ وہ کیا چیز ہے؟ اس کا علم بغیر میرے بتائے کسی کو حاصل نہیں ہو سکتا ہے۔ پھر خود بتلاتا ہے کہ اس دن لوگ منتشر اور پراگندہ حیران و پریشان ادھر ادھر گھوم رہے ہوں گے جس طرح پروانے ہوتے ہیں جیسے اور جگہ فرمایا ہے ﴿ كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ ﴾ گویا وہ ٹڈیاں ہیں پھیلی ہوئیں۔ پھر فرمایا پہاڑوں کا یہ حال ہو گا کہ وہ دھنی ہوئی اون کی طرح ادھر ادھر اڑتے نظر آئیں گے۔ پھر فرماتا ہے اس دن ہر نیک و بد کا انجام ظاہر ہو جائے گا' نیکوں کی بزرگی اور بروں کی اہانت کھل جائے گی' جس کی نیکیاں وزن میں برائیوں سے بڑھ گئیں وہ عیش و آرام کی جنت میں بسر کرے گا' اور جس کی بدیاں نیکیوں پر چھا گئیں' بھلائیوں کا پلڑا ہلکا ہو گیا وہ جہنمی ہو جائے گا' وہ منہ کے بل اوندھا جہنم میں گرا دیا جائے گا۔ ام سے مراد دماغ ہے' یعنی سر کے بل ہاویہ میں جائے گا' اور یہ بھی معنے ہیں کہ فرشتے جہنم میں اس کے سر پر عذابوں کی بارش برسائیں گے' اور یہ بھی مطلب ہے کہ اس کا اصلی ٹھکانا وہ جگہ ہے جہاں اس کے لیے قرار گاہ مقرر کیا گیا ہے وہ جہنم ہے۔ ﴿هَاوِيَه﴾ جہنم کا نام ہے اسی لیے اس کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ تمہیں نہیں معلوم کہ ہاویہ کیا ہے؟ اب میں بتاتا ہوں کہ وہ شعلے مارتی بھڑکتی ہوئی آگ ہے۔

حضرت اشعث بن عبداللہؒ فرماتے ہیں کہ مومن کی موت کے بعد اس کی روح کو ایمانداروں کی روحوں کی طرف لے جاتے ہیں اور فرشتے ان سے کہتے ہیں کہ اپنے بھائی کی دلجوئی اور تسکین کرو' یہ دنیا کے رنج و غم میں مبتلا تھا' اب وہ نیک روحیں اس سے پوچھتی ہیں کہ فلاں کا کیا حال ہے؟ وہ کہتا ہے کہ وہ تو مر چکا' کیا تمہارے پاس نہیں آیا؟ تو یہ سمجھ لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ پھونکو اسے وہ تو اپنی ماں ہاویہ میں پہنچا۔ ابن مردویہ کی ایک مرفوع حدیث میں یہ بیان خوب بسط سے ہے اور ہم نے بھی اسے کتاب صفۃ النار میں وارد کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فضل و کرم سے اس آگ جہنم سے نجات دے' آمین۔

آگ جھلسا دینے والی: پھر فرماتا ہے کہ وہ سخت تیز حرارت والی آگ ہے' بڑے شعلے مارنے والی' جھلسا دینے والی۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں تمہاری یہ آگ تو اس کا سترواں حصہ ہے۔ لوگوں نے کہا حضرت! ہلاکت کو تو یہی کافی ہے' آپ ﷺ نے فرمایا ہاں لیکن آتش دوزخ تو اس سے انہتر حصے تیز ہے۔ صحیح بخاری میں یہ حدیث ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ ہر ہر حصہ اس آگ جیسا ہے۔ مسند احمد میں بھی یہ روایت موجود ہے۔ مسند احمد کی ایک حدیث میں اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ یہ آگ باوجود اس آگ کا سترواں حصہ ہونے کے پھر بھی دو مرتبہ سمندر کے پانی میں بجھا کر بھیجی گئی ہے اگر یہ نہ ہوتا تو اس سے بھی نفع نہ اٹھا سکتے۔

اور ایک حدیث میں ہے کہ یہ آگ ۱۰۰ سوواں حصہ ہے۔ طبرانی میں ہے کہ جانتے ہو کہ تمہاری اس آگ اور آگ جہنم کے درمیان کیا نسبت ہے؟ تمہاری اس آگ کے دھوئیں سے بھی ستر حصہ زیادہ سیاہ خود وہ آگ ہے۔ ترمذی اور ابن ماجہ میں حدیث ہے کہ

جہنم کی آگ ایک ہزار سال تک جلائی گئی تو سرخ ہو گئی پھر ایک ہزار سال تک جلائی گئی تو سفید ہو گئی' پھر ایک ہزار سال تک جلائی گئی تو سیاہ ہو گئی'پس اب وہ سخت سیاہ اور بالکل اندھیرے والی ہے۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ سب سے ہلکے عذاب والا جہنمی وہ ہے جس کے پیروں میں آگ کی دو جوتیاں ہوں گی جن سے اس کا دماغ کھد بدیاں لے رہا ہو گا۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ آگ نے اپنے رب سے شکایت کی کہ وہ اے اللہ! میرا ایک حصہ دوسرے کو کھائے جا رہا ہے تو پروردگار نے اسے دو سانس لینے کی اجازت دی' ایک جاڑے میں ایک گرمی میں'پس سخت جاڑا جو تم پاتے ہو یہ اس کا سرد سانس ہے اور سخت گرمی جو پڑتی ہے یہ اس کے گرم سانس کا اثر ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ جب گرمی شدت کی پڑے تو نماز ٹھنڈی کر کے پڑھو۔ کیونکہ گرمی کی سختی جہنم کے جوش کی وجہ سے ہے۔ الحمد للہ سورہ قارعہ کی تفسیر ختم ہوئی۔

تفسیر سورۂ تکاثر مکیہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۝١ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝٢ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝٣ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝٤ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ۝٥ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ۝٦ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ۝٧ ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ۝٨

ع ۱ | ۸ | ۲۷

بہت بڑے مہربان نہایت رحم کرنے والے اللہ کے نام سے شروع۔

زیادتی کی چاہت نے تمہیں غافل کر دیا' یہاں تک کہ تم قبرستان جا پہنچے' نہیں نہیں تم معلوم کر لو گے۔ اور ابھی ابھی تمہیں علم ہو جائے گا۔ یوں نہیں اگر تم یقینی طور پر جان لیتے۔ بیشک تم جہنم دیکھ لو گے۔ اور تم اسے یقین کی آنکھ سے دیکھ لو گے' پھر اس دن تم سے ضرور بالضرور نعمتوں کا سوال ہو گا۔

دنیا کی محبت میں آخرت سے غفلت: ارشاد ہوتا ہے کہ دنیا کی محبت اس کے پالینے کی کوشش نے تمہیں آخرت کی طلب اور نیک کاموں سے بے پرواہ کر دیا' تم اسی دنیا کی ادھیڑ بن میں رہے کہ اچانک موت آ گئی اور تم قبروں میں پہنچ گئے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اطاعت پروردگار سے تم نے دنیا کی جستجو میں پھنس کر بے رغبتی کر لی اور مرتے دم تک غفلت برتی (ابن ابی حاتم)۔ حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ مال اور اولاد کی زیادتی کی ہوس میں موت کا خیال پرے پھینک دیا۔ صحیح بخاری کتاب الرقاق میں ہے کہ حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں ہم ﴿ لَوْ كَانَ لِابْنِ آدَمَ وَادٍ مِنْ ذَهَبٍ ﴾ یعنی اگر ابن آدم کے پاس ایک جنگل بھر کر سونا ہو' اسے ہم قرآن کی آیت ہی سمجھتے رہے یہاں تک کہ ﴿ اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ﴾ نازل ہوئی۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن شخیرؓ فرماتے ہیں کہ میں جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جب آیا تو آپ ﷺ اس آیت کو پڑھ رہے تھے' آپ ﷺ نے فرمایا ابن آدم کہتا رہتا ہے کہ میرا مال میرا مال' حالانکہ تیرا مال تو صرف وہ ہے جسے تو نے کھا کر فنا کر دیا' یا پہن کر پھاڑ دیا یا' صدقے دے کر باقی رکھ لیا۔ صحیح مسلم میں اتنا اور زیادہ ہے کہ اس کے سوا جو کچھ ہے اسے تو تو لوگوں کے لیے چھوڑ چھاڑ کر چل دے گا۔

بخاری کی حدیث میں ہے کہ میت کے ساتھ تین چیزیں جاتی ہیں جن میں سے دو تو پلٹ آتی ہیں صرف ایک ساتھ رہ جاتی

ہے۔ گھر والے' مال اور اعمال۔ اہل ومال تو لوٹ آئے عمل ساتھ رہ گئے' مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ ابن آدم بوڑھا ہو جاتا ہے لیکن دو چیزیں اسکے ساتھ باقی رہ جاتی ہیں' لالچ اور امنگ۔ حضرت ضحاکؒ نے ایک شخص کے ہاتھ میں ایک درہم دیکھ کر پوچھا کہ یہ درہم کس کا ہے؟ اس نے کہا میرا۔ فرمایا تیرا تو اس وقت ہوگا کہ کسی نیک کام میں تو خرچ کر دے یا بطور شکر اللہ تعالیٰ کے خرچ کرے۔ حضرت احنفؒ نے اس واقعہ کو بیان کر کے پھر یہ شعر پڑھا۔

﴿ اَنْتَ لِلْمَالِ اِذَا اَمْسَكْتَهُ فَاِذَا اَنْفَقْتَهُ فَالْمَالُ لَكَ ﴾

یعنی جب کہ تو مال کو لیے بیٹھا ہے تو تو مال کی ملکیت ہے' ہاں جب اسے خرچ کر دے گا اس وقت مال تیری ملکیت میں ہو جائے گا۔

ابن بریدہؓ فرماتے ہیں بنو حارثہ اور بنو حارث انصار کے قبائل آپس میں فخر و غرور کرنے لگے' ایک کہتا دیکھو ہم میں فلاں شخص ایسا بہادر ایسا جیوٹ یا اتنا بڑا مالدار وغیرہ ہے' دوسرے قبیلے والے اپنے میں ایسوں کو پیش کرتے تھے' جب زندوں کے ساتھ یہ فخر و مباہات کر چکے تو کہنے لگے کہ آؤ قبرستان میں چلیں وہاں جا کر اپنے اپنے مردوں کی قبروں کی طرف اشارے کر کے کہنے لگے بتلاؤ اس جیسا بھی تم میں کوئی گزرا ہے' وہ انہیں اپنے مردوں کے ساتھ الزام دینے لگے' اس پر یہ دونوں ابتدائی آیتیں اتریں کہ تم فخر و مباہات کرتے ہوئے قبرستان پہنچ گئے اور اپنے اپنے مردوں پر بھی فخر و غرور کرنے لگے۔ چاہیے تھا کہ یہاں آ کر عبرت حاصل کرتے اپنا مرنا اور سڑنا اور گلنا یاد کرتے۔

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ لوگ اپنی زیادتی اور اپنی کثرت پر گھمنڈ کرتے تھے یہاں تک کہ ایک ایک ہو کر قبروں میں ٹھس گئے۔ مطلب یہ ہے کہ بہتایت کی چاہت نے غفلت میں ہی رکھا یہاں تک کہ مر گئے اور قبروں میں دفن ہو گئے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ ایک اعرابی کی عیادت کو تشریف لے گئے اور حسب عادت فرمایا کہ کوئی ڈر خوف نہیں انشاء اللہ تعالیٰ گناہوں سے پاکیزگی حاصل ہوگی' تو اس نے کہا آپ اسے خوب پاک بتلا رہے ہیں یہ تو وہ بخار ہے جو بوڑھے بڑوں پر جوش مارتا ہے اور قبر تک پہنچا کر رہتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اچھا پھر یوں ہی سہی۔ اس حدیث میں بھی لفظ ﴿ تُزِيْرُهُ الْقُبُوْرَ ﴾ ہے اور یہاں قرآن میں بھی۔ ﴿ زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ﴾ ہے۔ پس معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد مر کر قبر میں دفن ہونا ہی ہے۔ ترمذی میں ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ' فرماتے ہیں کہ جب تک یہ آیت نہ اتری ہم عذاب قبر کے بارے میں شک میں ہی رہے۔ یہ حدیث غریب ہے۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس آیت کی تلاوت کی پھر کچھ دیر سوچ کر فرمانے لگے میمون! قبروں کا دیکھنا تو صرف بطور زیارت ہے' اور ہر زیارت کرنے والا اپنی جگہ لوٹ جاتا ہے یعنی خواہ جنت کی طرف خواہ دوزخ کی طرف۔ ایک اعرابی نے بھی ایک شخص کی زبانی ان دونوں آیتوں کی تلاوت سن کر یہی فرمایا تھا کہ اصل مقام اور ہی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ دھمکاتے ہوئے دو دو مرتبہ فرماتا ہے کہ حقیقت حال کا علم تمہیں ابھی ہو جائے گا۔ یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ پہلے مراد کفار ہیں دوبارہ مومن مراد ہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ اگر تم علم یقینی کے ساتھ اسے معلوم کر لیتے یعنی اگر ایسا ہوتا تو تم غفلت میں نہ پڑتے اور مرتے دم تک اپنی آخری منزل آخرت سے غافل نہ رہتے پھر جس چیز سے پہلے دھمکایا تھا اسی کا بیان کر رہا ہے کہ تم جہنم کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے کہ اس کی ایک ہی جنبش کے ساتھ اور تو اور انبیاء علیہم السلام بھی ہیبت و خوف کے مارے گھٹنوں کے بل گر جائیں گے اس کی عظمت اور دہشت ہر دل پر چھائی ہوئی ہوگی جیسے کہ بہت سی احادیث میں بہ تفصیل مروی ہے۔

روز قیامت نعمتوں کے متعلق سوال ہوگا: پھر فرمایا کہ اس دن تم سے نعمتوں کی باز پرس ہوگی' صحت امن رزق وغیرہ تمام نعمتوں کی نسبت سوال ہوگا کہ ان کا شکر کہاں تک ادا کیا۔ ابن ابی حاتم کی ایک غریب حدیث میں ہے کہ ٹھیک دوپہر کو رسول اللہ ﷺ اپنے گھر سے چلے دیکھا کہ حضرت ابوبکرؓ بھی مسجد میں آ رہے ہیں' پوچھا کہ اس وقت کیسے نکلے ہو؟ کہا حضور جس

چیز نے آپ کو نکالا ہے اسی نے مجھے بھی نکالا ہے' اتنے میں حضرت عمر ابن خطابؓ بھی آ گئے' ان سے بھی حضور ﷺ نے یہی فرمایا اور آپ نے بھی یہی جواب دیا۔ پھر حضور ﷺ نے ان دونوں بزرگوں سے باتیں کرنی شروع کیں' پھر فرمایا اگر ہمت ہو تو اس باغ تک چلے چلو کھانا پینا مل ہی جائے گا اور سایہ دار جگہ بھی۔ ہم نے کہا بہت اچھا' پس آپ ﷺ ہمیں لے کر ابوالہیثم انصاریؓ کے باغ کے دروازے پر آئے۔ آپ ﷺ نے سلام کیا اور اجازت چاہی' ام ہیثم انصاریہ دروازے کے پیچھے ہی کھڑی تھیں سن رہی تھیں لیکن اونچی آواز سے جواب نہیں دیا اس لالچ سے کہ اللہ کے رسول ﷺ اور زیادہ سلامتی کی دعا کریں اور کئی کئی مرتبہ آپ ﷺ کا سلام سنیں' جب تین مرتبہ حضور ﷺ سلام کر چکے اور کوئی جواب نہ ملا تو واپس روانہ ہوئے۔ اب تو حضرت ابوالہیثم کی والدہ صاحبہ دوڑیں اور کہا حضور ﷺ میں آپ کی آواز سن رہی تھیں لیکن میرا ارادہ تھا کہ اللہ کرے آپ کئی کئی مرتبہ سلام کریں اس لئے میں نے اپنی آواز آپ کو نہ سنائی آپ آیئے تشریف لے چلئے۔ آپ ﷺ نے ان کے اس فعل کو اچھی نظروں سے دیکھا' پھر فرمایا کہ خود ابوالہیثمؓ کہاں ہیں؟ والدہ صاحبہ نے فرمایا حضور وہ بھی یہیں قریب ہی پانی لینے گئے ہیں' آپ تشریف لایئے ان شاءاللہ آتے ہی ہوں گے۔ حضور ﷺ باغ میں رونق افروز ہوئے' بی بی صاحبہ نے ایک سایہ دار درخت تلے کچھ بچھا دیا' جس پر آپ ﷺ تشریف فرما ہوئے' اتنے میں حضرت ابوالہیثمؓ بھی آ گئے بے حد خوش ہوئے آنکھوں کو ٹھنڈک اور دل کو سکھ نصیب ہوا اور جلدی جلدی ایک کھجور کے درخت پر چڑھ گئے اور اچھے اچھے خوشے اتار اتار کر دینے لگے یہاں تک کہ خود آپ ﷺ نے روک دیا۔ صحابی نے کہا یا رسول اللہ! گدلی اور تر اور بالکل پکی اور جس طرح کی چاہیں تناول فرمائیں۔ جب کھجوریں کھا چکے تو میٹھا پانی لائے جسے پیا پھر حضور ﷺ فرمانے لگے یہی وہ نعمتیں ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے ہاں پوچھے جاؤ گے۔

ابن جریرؒ کی اسی حدیث میں ہے کہ ابو بکرؓ و عمرؓ بیٹھے ہوئے تھے کہ ان کے پاس حضور ﷺ تشریف لائے اور فرمایا کہ یہاں کیسے بیٹھے ہو؟ دونوں نے کہا حضور بھوک کے مارے گھر سے نکل کھڑے ہوئے ہیں۔ فرمایا اس اللہ کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے میں بھی اسی وجہ سے اس وقت نکلا ہوں۔ اب آپ انہیں لے کر چلے اور ایک انصاری کے گھر آئے ان کی بیوی صاحبہ مل گئیں پوچھا کہ تمہارے میاں کہاں گئے ہیں؟ کہا گھر کے لیے میٹھا پانی لانے گئے ہیں۔ اتنے میں وہ مشک اٹھائے ہوئے آ ہی گئے' خوش خوش ہو گئے اور کہنے لگے مجھ جیسا خوش قسمت آج کوئی بھی نہیں جس کے گھر اللہ کے نبی تشریف لائے ہیں۔ مشک تو لٹکا دی اور خود جا کر کھجوروں کے تازہ تازہ خوشے لے آئے آپ ﷺ نے فرمایا چن کر الگ کر کے لاتے تو جواب دیا کہ حضور میں نے چاہا آپ اپنی طبیعت کے مطابق اپنی پسند سے چن لیں اور نوش فرمالیں' پھر چھری ہاتھ میں تھامی کہ کوئی جانور ذبح کر کے گوشت پکائیں تو آپ ﷺ نے فرمایا دیکھو دودھ دینے والا جانور ذبح نہ کرنا۔ چنانچہ اس نے ذبح کیا آپ ﷺ نے وہیں کھانا تناول فرمایا۔ پھر فرمانے لگے دیکھو بھوکے گھر سے نکلے اور پیٹ بھرے جا رہے ہو یہی وہ نعمتیں ہیں جن کے بارے میں قیامت کے دن سوال ہو گا۔ رسول اللہ ﷺ کے آزاد غلام حضرت ابو عسیبؓ کا بیان ہے کہ رات کو رسول اللہ ﷺ نے مجھے آواز دی میں نکلا پھر حضرت ابو بکرؓ کو بلایا پھر حضرت عمرؓ کو بلایا پھر کسی انصاریؓ کے باغ میں تشریف لے گئے اور فرمایا لاؤ بھائی کھانے کو دو' وہ انگور کے خوشے اٹھا لائے اور آپ ﷺ کے سامنے رکھ دیے آپ ﷺ نے اور آپ کے ساتھیوں نے کھائے پھر فرمایا ٹھنڈا پانی پلاؤ' وہ لائے آپ ﷺ نے پیا' پھر فرمانے لگے قیامت کے دن اس سے باز پرس ہو گی۔ حضرت عمرؓ نے وہ خوشہ اٹھا کر زمین پر دے مارا اور کہنے لگے اس کے بارے میں بھی اللہ کے ہاں پرسش ہو گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں صرف تین چیزوں کی تو پرسش نہیں' پردہ پوشی کے لائق کپڑا' بھوک روکنے کے قابل ٹکڑا' اور سردی گرمی میں سر چھپانے کے لیے مکان (مسند احمد۔)

مسند احمد کی ایک اور حدیث میں ہے کہ جب یہ سورت نازل ہوئی اور حضور ﷺ نے پڑھ کر سنائی تو صحابہ رضی اللہ عنہم

کہنے لگے کہ ہم سے کس نعمت پر سوال ہوگا؟ کھجوریں کھا رہے ہیں اور پانی پی رہے ہیں تلواریں گردنوں میں لٹک رہی ہیں اور دشمن سر پر کھڑا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا گھبراؤ نہیں عنقریب نعمتیں آجائیں گی۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم بیٹھے ہوئے تھے کہ حضور ﷺ تشریف لائے اور نہائے ہوئے معلوم ہوتے تھے ہم نے کہا حضور اس وقت تو آپ خوش و خرم نظر آتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں۔ پھر لوگ تونگری کا ذکر کرنے لگے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کے دل میں خوف الٰہی ہو اس کے لیے تونگری کوئی بری چیز نہیں اور یاد رکھو متقی شخص کے لیے صحت تونگری سے بھی اچھی ہے اور خوش نفسی بھی اللہ کی نعمت ہے (مسند احمد)۔

کن کن نعمتوں کا سوال ہوگا: ابن ماجہ میں بھی یہ حدیث ہے۔ ترمذی میں ہے نعمتوں کے سوال میں قیامت والے دن سب سے پہلے یہ کہا جائے گا کہ ہم نے تجھے صحت نہیں دی تھی؟ اور ٹھنڈے پانی سے تجھے آسودہ نہیں کیا کرتے تھے۔ ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے کہ اس آیت ﴿ ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ ﴾ الخ کو سن کر صحابہ رضی اللہ عنہم کہنے لگے کہ حضور ہم تو جو کی روٹی اور وہ بھی آدھا پیٹ کھا رہے ہیں۔ تو اللہ کی طرف سے وحی آئی کہ کیا تم پیر بچانے کے لئے جوتیاں نہیں پہنتے اور کیا تم ٹھنڈے پانی نہیں پیتے؟ یہی قابل پرسش نعمتیں ہیں۔ اور روایت میں ہے کہ امن اور صحت سے سوال ہوگا' پیٹ بھر کھانے سے۔ ٹھنڈے پانی سے۔ سایے دار گھروں سے میٹھی نیند سے بھی سوال ہوگا شہد پینے سے 'لذتیں حاصل کرنے سے' صبح شام کے کھانے سے گھی شہد اور میدے کی روٹی وغیرہ' غرض ان تمام نعمتوں کے بارے میں اللہ کے ہاں سوال ہوگا۔ حضرت ابن عباسؓ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ بدن کی صحت' کانوں اور آنکھوں کی صحت کے بارے میں بھی سوال ہوگا کہ ان طاقتوں سے کیا کیا کام کیے'

جیسے قرآن کریم میں ہے ﴿ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ﴾ ہر شخص سے اس کے کان اس کی آنکھ اور اس کے دل کے بارے میں بھی پوچھ ہوگی۔ صحیح بخاری وغیرہ کی حدیث میں ہے کہ دو نعمتوں کے بارے میں لوگ بہت ہی غفلت برت رہے ہیں' صحت اور فراغت یعنی نہ تو ان کا پورا شکر ادا کرتے ہیں نہ ان کی عظمت کو جانتے ہیں نہ انہیں رب کی مرضی کے مطابق صرف کرتے ہیں۔ بزار میں ہے تہ بند کے سوا اور سائے دار دیواروں کے سوا اور روٹی کے ٹکڑے کے سوا ہر چیز کا قیامت کے دن حساب دینا پڑے گا۔

مسند احمد کی مرفوع حدیث میں ہے کہ اللہ عزوجل قیامت کے دن فرمائے گا اے ابن آدم! میں نے تجھے گھوڑوں پر اور اونٹوں پر سوار کرایا' عورتیں تیرے نکاح میں دیں' تجھے مہلت دی کہ تو ہنسی خوشی آرام وراحت سے زندگی گزارے۔ اب بتا کہ اس کا شکریہ کہاں ہے؟ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے سورۂ تکاثر کی تفسیر ختم ہوئی' والحمدللہ رب العالمین۔

تفسیر سورۂ والعصر مکیہ

تعارف سورت: حضرت عمرو بن عاصؓ اپنے مسلمان ہونے سے پہلے ایک مرتبہ مسلیمہ کذاب سے ملے اس نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کر رکھا تھا۔ عمروؓ کو دیکھ کر پوچھنے لگا کہو اس مدت میں تمہارے نبی پر بھی کوئی وحی نازل ہوئی ہے؟ حضرت عمروؓ نے جواب دیا ایک مختصر سی نہایت فصاحت والی سورۂ اتری ہے۔ پوچھا وہ کیا ہے؟ حضرت عمروؓ نے سورۂ والعصر پڑھ کر سنائی۔ مسیلمہ ذرا دیر سوچتا رہا پھر کہنے لگا عمرو! دیکھو مجھ پر بھی اسی جیسی سورۂ اتری ہے۔ عمروؓ نے کہا وہ کیا؟ کہا یہ ﴿ يَاوَبْرُ يَا وَبْرُ. اِنَّمَا اَنْتَ اُذْنَانِ وَصَدْرٌ. وَ سَائِرُ حَضَرٍ نَقْرٍ. ﴾ پھر کہنے لگے عمرو! کہو تمہارا کیا خیال ہے؟ عمروؓ نے کہا میرا خیال تو تو خود ہی جانتا ہے کہ مجھے تیرے جھوٹا ہونے کا علم ہے۔ وبر بلی جیسا ایک جانور ہے اس کے دونوں کان ذرا بڑے ہوتے ہیں اور سینہ بھی' باقی جسم بالکل حقیر اور واہیات ہوتا ہے۔ اس کذاب نے ایسی فضول گوئی اور بکواس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے کلام کا معارضہ کرنا چاہا جسے سن کر عرب کے بت پرست لوگوں نے

بھی اس کا کاذب اور مفتری ہونا سمجھ لیا۔ طبرانی میں ہے کہ دو صحابیوں کا یہ دستور تھا کہ جب ملتے ایک اس سورۃ کو پڑھتا دوسرا سنتا پھر سلام کر کے رخصت ہو جاتے۔

فائدہ: حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر لوگ اس سورۃ کو غور و تدبر سے پڑھیں اور سمجھیں تو یہی ایک سورۃ کافی ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

وَالۡعَصۡرِۙ ﴿۱﴾ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَفِىۡ خُسۡرٍۙ ﴿۲﴾ اِلَّا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوۡا بِالۡحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ ﴿۳﴾

اللہ تعالیٰ بہت بڑی بخشش کرنے والے بہت بڑے رحم کرنے والے کے نام سے شروع۔

زمانے کی قسم، بے شک وبالیقین انسان سر تا سر نقصان میں ہے۔ سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے اور جنہوں نے آپس میں حق کی وصیت کی اور ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کی۔

سورہ عصر کی مختصر تفسیر: عصر سے مراد زمانہ ہے جس میں انسان نیکی بدی کے کام کرتا ہے۔ حضرت زید بن اسلم نے اس سے مراد عصر کی نماز یا عصر کی نماز کا وقت بیان کیا ہے، لیکن مشہور پہلا قول ہی ہے۔ اس قسم کے بعد بیان فرماتا ہے کہ انسان نقصان میں ٹوٹے میں اور ہلاکت میں ہے، ہاں اس نقصان سے بچنے والے وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں ایمان ہو، اعمال میں نیکیاں ہوں، حق کی وصیتیں کرنے والے ہوں، یعنی نیکی کے کام کرنے کی حرام کاموں سے رکنے کی ایک دوسرے کو تاکید کرتے ہوں، قسمت کے لکھے پر مصیبتوں کی برداشت پر صبر کرتے ہوں، اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین کرتے ہوں، ساتھ ہی بھلی باتوں کا حکم کرنے اور بری باتوں سے روکنے میں لوگوں کی طرف سے جو بلائیں اور تکلیفیں پہنچیں ان کی بھی سہار کرتے ہوں اور اسی کی تلقین اپنے ساتھیوں کو بھی کرتے ہوں، یہ ہیں جو اس صریح نقصان سے مستثنےٰ ہیں۔ سورۂ والعصر کی تفسیر بحمد اللہ ختم ہوئی۔

تفسیر سورۂ الھمزہ مکیہ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

وَيۡلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۙ﴿۱﴾ اۨلَّذِىۡ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۙ﴿۲﴾ يَحۡسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخۡلَدَهٗ ۚ﴿۳﴾ كَلَّا لَيُنۡۢبَذَنَّ فِى الۡحُطَمَةِ ۖ﴿۴﴾ وَمَاۤ اَدۡرٰٮكَ مَا الۡحُطَمَةُ ؕ﴿۵﴾ نَارُ اللّٰهِ الۡمُوۡقَدَةُ ۙ﴿۶﴾ الَّتِىۡ تَطَّلِعُ عَلَى الۡاَفۡـِٕدَةِ ؕ﴿۷﴾ اِنَّهَا عَلَيۡهِمۡ مُّؤۡصَدَةٌ ۙ﴿۸﴾ فِىۡ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ﴿۹﴾

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت بخشش کرنے والا نہایت مہربان ہے۔

بڑی خرابی ہے ہر ایسے شخص کی جو عیب ٹٹولنے والا غیبت کرنے والا ہو۔ جو مال کو جمع کرتا جائے اور گنتا جائے۔ سمجھے کہ اس کا مال اس کے پاس سدا

رہے گا۔ نہیں نہیں یہ توتوڑ پھوڑ دینے والی آگ میں پھینک دیا جائے گا' تجھے کیا معلوم کہ ایسی آگ کیا کچھ ہو گی؟ وہ اللہ تعالیٰ کی سلگائی ہوئی آگ ہو گی' جو دلوں پر چڑھتی چلی جائے گی' اور ان پر بڑے بڑے ستونوں میں ہر طرف سے بند کی ہوئی ہو گی۔

ناحق مال جمع کرنے والوں کیلئے ہلاکت: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے زبان سے لوگوں کی عیب گیری کرنے والا اپنے کاموں سے دوسروں کی حقارت کرنے والا خرابی والا شخص ہے۔ ﴿ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍ بِنَمِيْمٍ ﴾ کی تفسیر بیان ہو چکی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ اس سے مراد طعنہ دینے والا غیبت کرنے والا ہے۔ ربیع بن انسؓ کہتے ہیں کہ سامنے برا کہنے ﴿همز﴾ ہے اور پیٹھ پیچھے عیب بیان کرنا ﴿لمز﴾ ہے۔ قتادہؒ کہتے ہیں کہ زبان سے اور آنکھ کے اشاروں سے بندگان الٰہی کو ستانا اور چڑانا مراد ہے کہ کبھی تو ان کا گوشت کھائے یعنی غیبت کرے اور کبھی ان پر طعنہ زنی کرے۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ ﴿همز﴾ ہاتھ اور آنکھ سے ہوتا ہے اور ﴿لمز﴾ زبان سے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد اخنس بن شریق کافر ہے۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ آیت عام ہے۔ پھر فرمایا جو جمع کرتا جاتا ہے اور گن گن کر رکھتا جاتا ہے۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿جَمَعَ فَاَوْعٰى﴾۔

حضرت کعبؓ فرماتے ہیں کہ دن بھر تو مال کمانے کی ہائے وائے میں لگا رہا اور رات کو سڑی بھسی لاش کی طرح پڑا رہا' اس کا خیال یہ ہے کہ اس کا مال اسے ہمیشہ دنیا میں رکھے گا حالانکہ واقعہ یوں نہیں بلکہ یہ بخیل اور لالچی انسان جہنم کے اس طبقے میں گرے گا جو ہر اس چیز کو جو اس میں گرے چور چور کر دیتا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ توڑ پھوڑ کرنے والی کیا چیز ہے؟ اس کا حال اے نبی! تمہیں معلوم نہیں' یہ اللہ تعالیٰ کی سلگائی ہوئی آگ ہے جو دلوں پر چڑھ جاتی ہے جلا کر بھسم کر دیتی ہے لیکن وہ مرتے نہیں۔ حضرت ثابت بنانی جب اس آیت کی تلاوت کر کے اس کا یہ معنی بیان کرتے تو رو دیتے اور کہتے کہ انہیں عذاب نے بڑا ستایا۔

محمد بن کعبؒ فرماتے ہیں کہ آگ جلاتی ہوئی حلق تک پہنچ جاتی ہے پھر لوٹتی پھر پہنچتی ہے' یہ آگ ان پر چوطرف سے بند کر دی گئی ہے جیسے کہ سورۂ بلد کی تفسیر میں گزرا۔ ایک مرفوع حدیث میں بھی یہ ہے اور دوسرا طریق اس کا موقوف ہے۔ لوہا جو مثل آگ کے ہے اس کے ستونوں میں یہ لمبے لمبے دروازے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی قرات میں ﴿بِعَمَدٍ﴾ مروی ہے۔ ان دوزخیوں کی گردنوں میں زنجیریں ہوں گی' یہ لمبے لمبے ستونوں میں جکڑے ہوئے ہوں گے اور اوپر سے دروازے بند کر دیئے جائیں گے' ان آگ کے ستونوں میں انہیں بدترین عذاب کیے جائیں گے۔ ابو صالحؒ فرماتے ہیں یعنی وزنی بیڑیاں اور قید و بند ان کے لیے ہوں گی۔ اس سورۃ کی تفسیر بھی اللہ کے فضل و کرم سے پوری ہوئی ﴿فالحمد لله رب العالمين﴾

تفسیر سورۂ فیل مکیہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ۝۱ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ۝۲ وَّ اَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ۝۳ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝۴ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ۝۵

اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والے مہربانی کرنے والے کے نام سے شروع۔

کیا تو نے نہ دیکھا کہ تیرے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟ کیا ان کے مکر کو بے کار نہیں کر دیا؟ اور ان پر پرندوں کے جھرمٹ بھیج دیئے' جو انہیں مٹی اور پتھر کی کنکریاں مار رہے تھے' پس انہیں کھائے ہوئے بھوسے کی طرح کر دیا۔

ہاتھی والوں کا واقعہ: اللہ رب العزت نے قریش پر جو اپنی خاص نعمت انعام فرمائی تھی اس کا ذکر کر رہا ہے کہ جس لشکر نے ہاتھیوں کو ساتھ لیکر کعبے کو ڈھانے کے لیے چڑھائی کی تھی اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے کہ وہ کعبے کے وجود کو مٹائیں ان کا نام و نشان مٹا دیا ان کی تمام فریب کاریاں ان کی تمام قوتیں سلب کر لیں برباد و غارت کر دیا۔ یہ لوگ مذہباً نصرانی تھے لیکن دین مسیح کو مسخ کر دیا تھا' قریب قریب بت پرست ہو گئے تھے انہیں اس طرح نامراد کرنا یہ گویا پیش خیمہ تھا آنحضرت ﷺ کی بعثت کا اور اطلاع تھی آپ ﷺ کی آمد آمد کی۔ حضور ﷺ اسی سال تولد ہوئے۔ اکثر تاریخ داں حضرات کا یہی قول ہے تو گویا رب عالم فرما رہا ہے کہ اے قریشیو! حبشہ کے اس لشکر پر تمہیں فتح تمہاری بھلائی کی وجہ سے نہیں دی گئی تھی بلکہ اس میں ہمارے گھر کا بچاؤ تھا جسے ہم شرف بزرگی عظمت و عزت میں اپنے آخر الزماں پیغمبر حضرت محمد ﷺ کی نبوت سے بڑھانے والے تھے۔

واقعہ کی تفصیل: غرض اصحاب فیل کا مختصر واقعہ تو یہ ہے جو بیان ہوا اور مطول واقعہ اصحاب الاخدود کے بیان میں گزر چکا ہے کہ قبیلہ حمیر کا آخری بادشاہ ذونواس جو مشرک تھا جس نے اپنے زمانے کے مسلمانوں کو کھائیوں میں قتل کیا تھا جو سچے نصرانی تھے اور تعداد میں تقریباً بیس ہزار تھے سارے کے سارے ہی شہید کر دیئے گئے تھے' صرف دوس ذو ثعلبان ایک بچ گیا تھا جو ملک شام جا پہنچا اور قیصر روم سے فریاد رسی چاہی یہ بادشاہ نصرانی مذہب پر تھا اس نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کو لکھا کہ اس کے ساتھ اپنی پوری فوج کر دو اس لیے کہ یہاں سے دشمن کا ملک قریب تھا اس بادشاہ نے ارباط اور ابویکسوم ابرہہ بن صباح کو امیر لشکر بنا کر بہت بڑا لشکر دے کر دونوں کو اس کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا' یہ لشکر یمن پہنچا' یمن کو اور یمنیوں کو تاخت و تاراج کر دیا' ذونواس بھاگ کھڑا ہوا اور دریا میں ڈوب کر مر گیا اور ان لوگوں کی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا اور سارے یمن پر شاہ حبشہ کا قبضہ ہو گیا اور یہ دونوں سردار یہاں رہنے سہنے لگے' لیکن کچھ تھوڑی ہی مدت کے بعد ان میں ناچاقی ہو گئی۔ آخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ دونوں نے آمنے سامنے صفیں باندھ لیں اور لڑنے کے لیے نکل آئے۔ عام حملہ ہوا اس سے بیشتر ان دونوں سرداروں نے آپس میں کہا کہ فوجوں کو لڑانے اور لوگوں کو قتل کرانے کی کیا ضرورت آؤ ہم تم دونوں میدان میں نکلیں اور ایک دوسرے سے لڑ کر فیصلہ کر لیں جو زندہ بچ جائے ملک و فوج اسی کی' چنانچہ یہ بات طے ہو گئی اور دونوں میدان میں نکل آئے۔ ارباط نے ابرہہ پر حملہ کیا اور تلوار کے ایک ہی وار سے چہرہ خون خون کر دیا' ناک ہونٹ اور منہ کٹ گیا' ابرہہ کے غلام عتودہ نے اس موقعہ پر ارباط پر ایک بے پناہ حملہ کیا اور اسے قتل کر دیا' ابرہہ زخمی ہو کر میدان سے زندہ واپس گیا' علاج معالجہ سے زخم اچھے ہو گئے اور یمن کا یہ مستقل بادشاہ بن بیٹھا۔ نجاشی شاہ حبشہ کو جب یہ واقعہ معلوم ہوا تو وہ سخت غصہ ہوا اور ایک خط ابرہہ کو لکھا اسے بڑی لعنت ملامت کی اور کہا کہ قسم رب کی میں تیرے شہروں کو پامال کروں گا اور تیری چوٹی کاٹ لاؤں گا۔ ابرہہ نے اس کا جواب نہایت عاجزی سے لکھا اور قاصد کو بہت سارے ہدیے دیئے اور ایک تھیلی میں یمن کی مٹی بھر دی اور اپنی پیشانی کے بال کاٹ کر اس میں رکھ دیئے اور اپنے خط میں اپنے قصوروں کی معافی طلب کی اور لکھا کہ یہ یمن کی مٹی حاضر ہے اور میری چوٹی کے بال بھی' آپ اپنی قسم پوری کیجئے اور ناراضی معاف فرمائیے۔ اس سے شاہ حبشہ خوش ہو گیا اور یہاں کی سرداری اسی کے نام کر دی۔ اب ابرہہ نے نجاشی کو لکھا کہ میں یہاں یمن میں آپ کے لیے ایک ایسا گرجا تعمیر کرا رہا ہوں کہ اب تک دنیا میں ایسا نہ بنا ہو۔ اس گرجا گھر کا بنانا شروع کیا

بڑے اہتمام اور کروفر سے بہت اونچا بہت مضبوط بے حد خوبصورت اور منقش و مزین گرجا بنایا' اس قدر بلند تھا کہ چوٹی

تک نظر ڈالنے والے کی ٹوپی گر پڑتی تھی' اس لیے عرب اسے قلیس کہتے تھے یعنی ٹوپی پھینک دینے والا۔ اب ابرہہ اشرم کو یہ سوجھی کہ لوگ بجائے کعبۃ اللہ کے حج کے اس کا حج کریں' اپنی ساری مملکت میں اس کی منادی کرادی۔ عدنانیہ اور قحطانیہ عرب کو یہ بہت برا لگا ادھر سے قریش بھی بھڑک اٹھے' تھوڑے دن میں کوئی شخص رات کے وقت اس کے اندر گھس گیا اور وہاں پاخانہ کر کے چلا آیا۔ چوکیداروں نے جب یہ دیکھا تو بادشاہ کو خبر پہنچائی اور کہا کہ یہ کام قریشیوں کا ہے' چونکہ آپ نے ان کا کعبہ روک دیا ہے لہٰذا انہوں نے جوش اور غضب میں آ کر یہ حرکت کی ہے۔ ابرہہ نے اسی وقت قسم کھالی کہ میں مکہ پہنچوں گا اور بیت اللہ کی اینٹ سے اینٹ بجادوں گا۔ ایک روایت میں یوں بھی ہے کہ چند من چلے نوجوان قریشیوں نے اس گرجا میں آگ لگادی تھی اور اس وقت ہوا بھی بہت تیز تھی سارا گرجا جل گیا اور منہ کے بل زمین پر گر گیا۔ اس پر ابرہہ نے بہت بڑا لشکر ساتھ لے کر مکہ پر چڑھائی کی تاکہ کوئی روک نہ سکے' اور اپنے ساتھ ایک بڑا اونچا اور موٹا ہاتھی لیا جسے محمود کہا جاتا تھا اس جیسا ہاتھی اور کوئی نہ تھا' شاہ حبشہ نے یہ ہاتھی اس کے پاس اسی غرض سے بھیجا تھا' آٹھ یا بارہ ہاتھی اور بھی ساتھ تھے' یہ کعبے کے ڈھانے کی نیت سے چلا یہ سوچ کر کہ کعبہ کی دیواروں میں مضبوط زنجیریں ڈال دوں گا اور ہاتھیوں کی گردنوں میں ان زنجیروں کو باندھ دوں گا ہاتھی ایک ہی جھٹکے میں چاروں دیواریں بیت اللہ کی جڑ سے گرا دیں گے۔ جب اہل عرب کو یہ خبریں معلوم ہوئیں تو ان پر بڑا بھاری اثر پڑا' اور انہوں نے مصمم ارادہ کر لیا کہ خواہ کچھ ہی ہو ہم ضرور اس کا مقابلہ کریں گے اور اسے اسکی اس بدکرداری سے روکیں گے۔ ایک یمنی شریف سردار جو وہاں کے بادشاہوں کی اولاد میں سے تھا جسے ذونفر کہا جاتا تھا یہ کھڑا ہو گیا' اپنی قوم کو اور کل آس پاس کے عرب کو جمع کیا اور اس بدنیت بادشاہ سے مقابلہ کیا لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا' عربوں کو شکست ہوئی اور ذونفر اس خبیث کے ہاتھ قید ہو گیا۔ اس نے اسے بھی ساتھ لیا اور مکہ شریف کی طرف بڑھا۔ خثعم قبیلے کی زمین پر جب یہ پہنچا تو یہاں نفیل بن حبیب خثعمی نے اپنے لشکروں سے اس کا مقابلہ کیا لیکن ابرہہ نے انہیں بھی مغلوب کر لیا اور نفیل بھی قید ہو گیا' پہلے تو اس ظالم نے اسے قتل کرنا چاہا لیکن پھر قتل نہ کیا اور قید کر کے ساتھ لے لیا تاکہ راستہ بتائے۔ جب طائف کے قریب پہنچا تو قبیلہ ثقیف نے اس سے صلح کر لی کہ ایسا نہ ہو ان کے بت خانوں کو جس میں لات نامی بت تھا یہ توڑ دے اس نے بھی ان کی بڑی آؤ بھگت کی انہوں نے ابورغال کو اس کے ساتھ کر دیا کہ یہ تمہیں وہاں کا راستہ بتائے گا۔ ابرہہ جب مکے کے بالکل قریب مغمس کے پہنچا تو اس نے یہاں پڑاؤ کیا اسکے لشکر نے آس پاس مکہ والوں کے جو جانور اونٹ وغیرہ چر چگ رہے تھے سب کو اپنے قبضہ میں کیا ان جانوروں میں دو سو اونٹ تو صرف عبدالمطلب کے تھے۔ اسود بن مقصود جو اس کے لشکر کے ہراول کا سردار تھا اس نے ابرہہ کے حکم سے ان جانوروں کو لوٹا تھا جس پر عرب شاعروں نے اس کی ہجو میں اشعار تصنیف کیے ہوئے ہیں جو سیرۃ ابن اسحق میں موجود ہیں۔ اب ابرہہ نے اپنا قاصد حناطہ حمیری مکہ والوں کے پاس بھیجا کہ مکہ کے سب سے بڑے سردار کو میرے پاس لاؤ اور یہ بھی اعلان کر دو کہ میں مکہ والوں سے لڑنے کو نہیں آیا میرا ارادہ صرف بیت اللہ کو گرانے کا ہے' ہاں اگر مکہ والے اس کو بچانے کے درپے ہوئے تو لامحالہ مجھے ان سے لڑائی کرنی پڑے گی۔ حناطہ جب مکہ میں آیا اور لوگوں سے ملا جلا تو معلوم ہوا کہ یہاں کا بڑا سردار عبدالمطلب ابن ہاشم ہے' یہ عبدالمطلب سے ملا اور شاہی پیغام پہنچایا جس کے جواب میں عبدالمطلب نے کہا واللہ نہ ہمارا ارادہ اس سے لڑنے کا ہے نہ ہم میں اتنی طاقت ہے یہ اللہ کا حرمت والا گھر ہے اس کے خلیل حضرت ابرہیم علیہ السلام کی زندہ یادگار ہے اللہ اگر چاہے گا تو اپنے گھر کی آپ حفاظت کرے گا ورنہ ہم میں تو ہمت و قوت نہیں۔ حناطہ نے کہا اچھا تو آپ میرے ساتھ بادشاہ تک چلے چلئے' عبدالمطلب ساتھ ہو لیے' بادشاہ نے جب انہیں دیکھا تو ہیبت میں آ گیا عبدالمطلب گورے چٹے سڈول اور مضبوط قوی والے حسین و جمیل انسان تھے' دیکھتے ہی ابرہہ تخت سے نیچے اتر آیا اور فرش پر عبدالمطلب کے ساتھ بیٹھ گیا اور اپنے ترجمان سے کہا کہ ان سے پوچھ کہ کیا چاہتا ہے؟ عبدالمطلب نے کہا میرے دو سو اونٹ جو بادشاہ نے لے لیے ہیں انہیں واپس کر دیا جائے۔ بادشاہ نے کہا ان سے کہدے کہ

پہلی نظر میں تیرا رعب مجھ پر پڑا تھا اور میرے دل میں تیری وقعت بیٹھ گئی تھی لیکن پہلے ہی کلام میں تو نے سب کچھ کھو دیا اپنے دو سو اونٹ کی تو تجھے فکر ہے اور اپنے اور اپنی قوم کے دین کی تجھے فکر نہیں۔ میں تو تم لوگوں کا عبادت خانہ توڑنے اور اسے خاک میں ملانے کے لیے آیا ہوں۔ عبدالمطلب نے جواب دیا کہ سن بادشاہ! اونٹ تو میرے ہیں اس لیے انہیں بچانے کی کوشش میں میں ہوں اور خانہ کعبہ اللہ تعالیٰ کا ہے وہ خود اسے بچالے گا۔ اس پر یہ سرکش کہنے لگا کہ خدا بھی آج اسے میرے ہاتھ سے نہیں بچا سکتا۔ عبدالمطلب نے کہا بہتر ہے وہ جانے اور تو جان۔ یہ بھی مروی ہے کہ اہل مکہ نے تمام حجاز کا تہائی مال ابرہہ کو دینا چاہا کہ وہ اپنے اس بدارادہ سے باز آئے لیکن اس نے قبول نہ کیا۔ خیر عبدالمطلب تو اپنے اونٹ لے کر چل دیے اور آکر قریش کو حکم دیا کہ مکہ بالکل خالی کر دو پہاڑوں میں چلے جاؤ۔ اب عبدالمطلب اپنے ساتھ قریش کے چیدہ چیدہ لوگوں کو لے کر بیت اللہ میں آیا اور بیت اللہ کے دروازے کا کنڈا تھام کر رو رو کر اور گڑگڑا گڑگڑا کر دعائیں مانگنی شروع کیں کہ باری تعالیٰ! ابرہہ اور اس کے خونخوار لشکر سے اپنے پاک اور ذی عزت گھر کو بچالے۔ عبدالمطلب نے اس وقت یہ دعائیہ اشعار پڑھے

﴿ لَا هَمَّ اِنَّ الْمَرْاَ يَمْ نَعُ رَحْلَهٗ فَامْنَعْ رِحَالَكَ ﴾

﴿ لَا يَغْلِبَنَّ صَلِيْبُهُمْ وَ مَحَالُهُمْ اَبَدًا مَحَالَكَ ﴾

"یعنی ہم بے فکر ہیں ہم جانتے ہیں کہ ہر گھر والا اپنے گھر کا بچاؤ آپ کرتا ہے' اے اللہ تو بھی اپنے گھر کو اپنے دشمنوں سے بچا۔ یہ تو ہرگز نہیں ہو سکتا کہ ان کی صلیب اور ان کی ڈولیں تیری ڈولوں پر غالب آجائیں۔"

اب عبدالمطلب نے بیت اللہ کے دروازے کا کنڈا ہاتھ سے چھوڑ دیا اور اپنے تمام ساتھیوں کو لے کر آس پاس کے پہاڑوں کی چوٹیوں پر چڑھ گیا۔ یہ بھی مذکور ہے کہ جاتے ہوئے قربانی کے سو اونٹ بیت اللہ کے اردگرد نشان لگا کر چھوڑ دیئے تھے' اس نیت سے کہ اگر یہ بددین آئے اور انہوں نے اللہ کے نام کی قربانی کے ان جانوروں کو چھیڑا تو عذاب اللہ ان پر اترے گا۔ دوسری صبح ابرہہ کے لشکر میں مکہ کے میں جانے کی تیاریاں ہونے لگیں' اپنا خاص ہاتھی جس کا نام محمود تھا اسے تیار کیا لشکر میں کمربندی ہو چکی اور مکہ کی طرف منہ اٹھا کر چلنے کی تیاری کی۔ اس وقت نفیل بن حبیب جو اس سے راستے میں لڑا تھا اور اب بطور قیدی اس کے ساتھ تھا وہ آگے بڑھا اور شاہی ہاتھی کا کان پکڑ لیا اور کہا محمود بیٹھ جا اور جہاں سے آیا ہے وہیں خیریت کے ساتھ چلا جا' تو اللہ تعالیٰ کے محترم شہر میں ہے' یہ کہہ کر کان چھوڑ دیا اور بھاگ کر قریب کی پہاڑی میں جا چھپا' محمود ہاتھی یہ سنتے ہی بیٹھ گیا' اب ہزار جتن فیلبان کر رہے ہیں لشکری بھی کوششیں کرتے کرتے تھک گئے لیکن ہاتھی اپنی جگہ سے ہلتا ہی نہیں' سر پر آنکس مار رہے ہیں ادھر ادھر سے بھالے اور برچھے مار رہے ہیں' آنکھوں میں آنکس ڈال رہے ہیں' غرض تمام جتن کر لیے لیکن ہاتھی جنبش بھی نہیں کرتا' پھر بطور امتحان کے اس کا منہ یمن کی طرف کر کے چلانا چاہا تو جھٹ سے کھڑا ہو کر دوڑتا ہوا چل دیا' شام کی طرف چلانا چاہا تو بھی پوری قوت سے آگے بڑھ گیا' مشرق کی طرف لے جانا چاہا تو بھی بھاگا بھاگا گیا' پھر مکہ مکرمہ کی طرف منہ کر کے آگے بڑھانا چاہا تو وہیں بیٹھ گیا۔ انہوں نے پھر اسے مارنا پیٹنا شروع کیا کہ دیکھا کہ ایک گھٹاٹوپ پرندوں کا جھرمٹ بادل کی طرح سمندر کے کنارے کی طرف سے امڈا چلا آرہا ہے ابھی پوری طرح دیکھنے بھی نہیں پائے تھے کہ وہ جانور سر پر آگئے چوطرف سے سارے لشکر کو گھیر لیا ان میں سے ہر ایک کی چونچ میں ایک مسور یا ماش کے دانے کے برابر کنکری تھی' اور دونوں پنجوں میں دو کنکریاں تھیں' یہاں پر پھینکنے لگے جس جس پر کنکری آپڑی وہ وہیں ہلاک ہو گیا' اب تو اس لشکر میں بھاگڑ پڑ گئی' ہر ایک نفیل نفیل کرنے لگا کیونکہ اسے ان لوگوں نے اپنا رہبر اور راستہ بتانے والا سمجھ رکھا تھا۔ نفیل تو ہاتھی کو کہہ کر پہاڑ پر چڑھ گیا تھا اور دیگر اہل مکہ ان لوگوں کی یہ درگت اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے اور نفیل وہیں کھڑا یہ شعر پڑھ رہا تھا۔

﴿ اَيْنَ الْمَفَرُّ وَالْاِلٰهُ الطَّالِبُ ﴾ ﴿ وَالْاَشْرَمُ الْمَغْلُوْبُ لَيْسَ الْغَالِبُ ﴾

اب جائے پناہ کہاں ہے؟ جب کہ اللہ تعالیٰ خود تاک میں لگ گیا ہے۔ سنو اشرم بدبخت مغلوب ہو گیا اب یہ پنپنے کا نہیں۔ اور بھی نفیل نے اس واقعہ کے متعلق بہت سے اشعار کہے ہیں جن میں اس قصہ کو بیان کیا ہے اور کہا ہے کہ کاش تو اس وقت موجود ہوتا جب کہ ان ہاتھی والوں کی شامت آئی ہے اور وادی محصب میں ان پر عذاب کے سنگریزے برسے ہیں تو اس وقت تو اس الٰہی لشکر یعنی پرندوں کو دیکھ کر قطعاً سجدے میں گر پڑتا ہم تو وہاں کھڑے حمد الٰہی کی راگنیاں الاپ رہے تھے گو کلیجے ہمارے بھی اونچے ہو گئے تھے کہ کہیں کوئی کنکری ہمارا کام بھی تمام نہ کر دے۔ نصرانی منہ موڑے بھاگ رہے تھے اور نفیل نفیل پکار رہے تھے گویا کہ نفیل پر ان کے باپ دادوں کا کوئی قرض تھا۔ واقدیؒ فرماتے ہیں کہ یہ پرندے زرد رنگ کے تھے کبوتر سے کچھ چھوٹے تھے ان کے پاؤں سرخ تھے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ جب محمود ہاتھی بیٹھ گیا اور پوری کوشش کے باوجود بھی نہ اٹھا تو انہوں نے دوسرے ہاتھی کو آگے کیا اس نے قدم بڑھایا ہی تھا کہ اس کی مستک پر کنکری پڑی اور وہ بلبلا کر پیچھے ہٹا اور پھر اور ہاتھی بھی بھاگ کھڑے ہوئے اور ادھر برابر کنکریاں آنے لگیں اکثر تو وہیں ڈھیر ہو گئے اور بعض جو ادھر ادھر بھاگ نکلے تھے ان میں سے بھی کوئی جاں بر نہ ہوا بھاگتے بھاگتے ان کے اعضاء کٹ کٹ کر گرتے جاتے تھے اور بالآخر جان سے جاتے تھے۔ ابرہہ بادشاہ بھی بھاگا لیکن ایک ایک عضو بدن جھڑنا شروع ہوا یہاں تک کہ خثعم کے شہروں میں سے صنعاء میں جب وہ پہنچا تو بالکل گوشت کا لوتھڑا بنا ہوا تھا وہیں بلک بلک کر دم توڑا اور کتے کی موت مرا دل تک پھٹ گیا تھا قریشیوں کو بڑا مال ہاتھ لگا۔ عبدالمطلب نے تو سونے سے ایک کنواں پر کر لیا تھا زمین عرب میں آبلہ اور چیچک اسی سال پیدا ہوتے ہوئے دیکھے گئے اور اسی طرح سپند اور حنظل وغیرہ کے کڑوے درخت بھی اسی سال زمین عرب میں دیکھے گئے۔ پس اللہ تعالیٰ بزبان رسول معصوم ﷺ اپنی یہ نعمت یاد دلاتا ہے اور گویا فرما رہا ہے کہ اگر تم میرے گھر کی اسی طرح عزت و حرمت کرتے رہتے اور میرے رسول کا کہا مانتے تو میں بھی اسی طرح تمہاری حفاظت کرتا اور دشمنوں سے نجات دیتا۔

ابابیل کا ذکرہ: ابابیل جمع کا صیغہ ہے اس کا واحد لغت عرب میں پایا نہیں گیا۔ سجیل کے معنے ہیں بہت سخت۔ اور بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ دو فارسی لفظوں سے مرکب ہے یعنی سنگ اور گل سے یعنی پتھر اور مٹی۔ غرض سجیل وہ ہے جس میں پتھر مع مٹی کے ہو۔ ﴿عَصْف﴾ جمع ہے ﴿عَصْفَةٌ﴾ کی کھیتی کے ان پتوں کو کہتے ہیں جو پک نہ گئے ہوں۔ ابابیل کے معنے ہیں گروہ گروہ جھنڈ جھنڈ بہت سارے پے در پے جمع شدہ ادھر ادھر سے آنے والے۔ بعض نحوی کہتے ہیں کہ اس کا واحد ابیل ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ان پرندوں کی چونچ تھی پرندوں جیسی اور پنجے تھے کتوں جیسے۔ عکرمہؒ فرماتے ہیں کہ یہ سبز رنگ کے پرندے تھے جو سمندر سے نکلے تھے ان کے سر درندوں جیسے تھے اور اور اقوال بھی ہیں۔ یہ پرندے باقاعدہ ان لشکریوں کے سروں پر پرے باندھ کر کھڑے ہو گئے اور چیخنے لگے پھر پتھراؤ کیا جس کے سر میں لگا اس کے نیچے سے نکل گیا اور دو ٹکڑے ہو کر زمین پر گر پڑا جس کے بعض عضو پر گرا وہ عضو ساقط ہو گیا ساتھ ہی تیز آندھی آئی جس سے اور آس پاس کے کنکر بھی ان کی آنکھوں میں گھس گئے اور سب تہ و بالا ہو گئے۔ عصف کہتے ہیں چارے کو اور کٹی کو اور گیہوں کے درخت کے پتوں کو اور ﴿مَّاْكُوْلٍ﴾ سے مراد ٹکڑے ٹکڑے کیا ہوا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ عصف کہتے ہیں بھوسی کو جو اناج کے دانوں کے اوپر ہوتی ہے۔ ابن زیدؒ فرماتے ہیں کہ مراد کھیتوں کے وہ پتے ہیں جنہیں جانور چر چکے ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا تہس نہس کر دیا اور عام خاص کو ہلاک کر دیا ان کی ساری تدبیریں پٹ پڑ گئیں کوئی بھلائی انہیں نصیب نہ ہوئی ایسا بھی کوئی ان میں صحیح سالم نہ رہا کہ ان کی خبر پہنچائے۔ جو بھی بچا وہ زخمی ہو کر اور اس زخم سے پھر جانبر نہ ہو سکا خود بادشاہ بھی گو وہ ایک گوشت کے لوتھڑے کی طرح ہو گیا تھا جوں توں صنعاء میں پہنچا لیکن وہاں جاتے ہی اس کا کلیجہ پھٹ گیا اور واقعہ بیان کر ہی چکا تھا جو مر گیا۔ اس کے بعد اس کا لڑکا یکسوم یمن کا بادشاہ بنا پھر اس کے دوسرے بھائی مسروق بن ابرہہ کو سلطنت ملی۔ اب سیف بن ذویزن حمیری کسریٰ کے دربار میں پہنچا اور اس سے مدد طلب کی تاکہ وہ اہل حبشہ سے

لڑے اور یمن ان سے خالی کرائے۔ کسریٰ نے اس کے ساتھ ایک لشکر جرار کر دیا اس لشکر نے اہل حبشہ کو شکست دی اور ابرہہ کے خاندان کے ہاتھ سے سلطنت نکل گئی اور پھر قبیلہ حمیر یہاں کا بادشاہ بن گیا۔ عربوں نے اس پر بڑی خوشی منائی اور چوطرف سے مبارکبادیاں موصول ہوئیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ابرہہ کے لشکر کے فیلبان اور چرکٹے کو میں نے مکہ میں دیکھا دونوں اندھے ہو گئے تھے چل پھر نہیں سکتے تھے اور بھیک مانگا کرتے تھے۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اساف اور نائلہ بتوں کے پاس یہ بیٹھے رہتے تھے جہاں مشرکین اپنی قربانیاں کرتے تھے اور لوگوں سے بھیک مانگتے پھرتے تھے۔ اس فیلبان کا نام انیس تھا بعض تاریخوں میں یہ بھی ہے کہ ابرہہ خود اس چڑھائی میں نہ تھا بلکہ اس نے اپنے لشکر کو بہ ماتحتی شمر بن مقصود کے بھیجا تھا' یہ لشکر بیس ہزار کا تھا اور یہ پرندے ان کے اوپر رات کے وقت آئے تھے اور صبح تک ان سب کا ستیاناس ہو چکا تھا۔ لیکن یہ روایت بہت غریب ہے اور صحیح بات یہ ہے کہ خود ابرہہ اشرم حبشی ہی اپنے ساتھ لشکر لے آیا تھا' یہ ممکن ہے کہ اس کے ہراول کے دستہ پر یہ شخص سردار ہو۔ اس واقعہ کو بہت سے عرب شاعروں نے اپنے اپنے شعروں میں بھی بسط کے ساتھ بیان کیا ہے'

سورۂ فتح کی تفسیر میں ہم اس واقعہ کو مفصل بیان کر آئے ہیں' جس میں ہے کہ جب حدیبیہ والے دن رسول اللہ ﷺ اس ٹیلے پر چڑھے جہاں سے آپ ﷺ قریشیوں پر جانے والے تھے تو آپ ﷺ کی اونٹنی بیٹھ گئی' لوگوں نے اسے ڈانٹا ڈپٹا لیکن وہ نہ اٹھی' لوگ کہنے لگے قصواء تھک گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ تھکی نہ اس میں اڑنے کی عادت' اسے اللہ نے روک لیا ہے جس نے ہاتھیوں کو روک لیا تھا' پھر فرمایا اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے مکے والے جن شرائط پر مجھ سے صلح چاہیں گے میں سب مان لوں گا بشرطیکہ اللہ کی حرمتوں کی ہتک اس میں نہ ہو۔ پھر آپ ﷺ نے اسے ڈانٹا تو وہ فوراً اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ یہ حدیث صحیح بخاری میں ہے بخاری و مسلم کی اور ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مکہ پر سے ہاتھیوں کو روک لیا اور اپنے نبی ﷺ کو وہاں کا قبضہ دیا اور اپنے ایماندار بندوں کو' سنو آج اس کی حرمت ویسی ہی لوٹ کر آ گئی ہے جیسے کل تھی' خبردار ہر حاضر کو چاہیے کہ غیر حاضر کو پہنچا دے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے سورۂ فیل کی تفسیر ختم ہوئی۔

تفسیر سورۂ قریش مکیہ

تعارف سورت: اس کی فضیلت میں ایک غریب حدیث بیہقی کی کتاب خلافیات میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے قریشیوں کو سات فضیلتیں دی ہیں ایک تو یہ کہ میں ان میں سے ہوں' دوسرے یہ کہ نبوت ان میں ہے' ۳ تیسرے یہ کہ بیت اللہ کے پاسبان یہ ہیں' ۴ چوتھے یہ کہ چاہ زمزم کے ساقی یہ ہیں' پانچویں یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ہاتھی والوں پر غالب کیا' چھٹے یہ کہ دس سال تک انہوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جب کہ اور کوئی عبادت الٰہی نہ کرتا تھا' ساتویں یہ کہ ان کے بارے میں قرآن کریم کی یہ سورت نازل ہوئی۔ پھر آپ ﷺ نے بسم اللہ پڑھ کر یہ سورت تلاوت فرمائی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ ﴿١﴾ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ ﴿٢﴾ فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ﴿٣﴾ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ﴿٤﴾

ع ۲۱

شروع ہے اللہ تعالٰی نہایت مہربان رحم کرنے والے کے نام سے۔

قریش کو الفت دلانے کے شکریہ میں یعنی انہیں جو جاڑے اور گرمی کے سفر میں خوگر کر دیا ہے تو (اس کے شکریہ) میں 'انہیں چاہیے کہ اسی گھر کے رب کی عبادت کرتے رہیں' جس نے انہیں بھوک میں کھانا دیا' اور ڈر وخوف میں امن وامان دیا۔

قریش پر رب کریم کے خاص انعامات: موجودہ عثمانی قرآن کی ترتیب میں یہ سورت سورۂ فیل سے علیحدہ ہے اور دونوں کے درمیان بسم اللہ الخ کی آیت کا فاصلہ موجود ہے۔ مضمون کے اعتبار سے یہ سورت پہلی سورت کے متعلق ہی ہے جیسے کہ محمد بن اسحٰق 'عبدالرحمٰن بن زید بن اسلمؒ وغیرہ نے تصریح کی ہے۔ اس بنا پر معنی یہ ہوں گے کہ ہم نے مکہ سے ہاتھیوں کو روکا اور ہاتھی والوں کو ہلاک کیا' یہ قریشیوں کو الفت دلانے اور انہیں اجتماع کے ساتھ باامن اس شہر میں رہنے سہنے کے لیے تھا اور یہ مراد بھی بیان کی گئی ہے کہ یہ قریشی جاڑوں میں کیا اور گرمیوں میں کیا دور دراز کے سفر امن وامان سے طے کر سکتے تھے' کیونکہ مکے جیسے محترم شہر میں رہنے کی وجہ سے ہر جگہ ان کی عزت ہوتی تھی بلکہ ان کے ساتھ بھی جو ہوتا تھا امن وامان سے سفر طرح کر لیتا تھا اسی طرح وطن میں ہر طرح کا امن انہیں حاصل تھا جیسے کہ اور جگہ قرآن میں موجود ہے کہ کیا یہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے حرم کو امن والی جگہ بنا دیا ہے' اس کے آس پاس تو لوگ اچک لیے جاتے ہیں لیکن یہاں کے رہنے والے نڈر ہیں۔

امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ ﴿لِاِیْلٰفِ﴾ میں پہلا لام تعجب کا لام ہے اور دونوں سورتیں بالکل جداگانہ ہیں' جیسا کہ مسلمانوں کا اجماع ہے' تو گویا یوں فرمایا جارہا ہے کہ تم قریشیوں کے اس اجتماع اور الفت پر تعجب کرو کہ میں نے انہیں کیسی بھاری نعمت عطا فرما رکھی ہے' انہیں چاہیے کہ میری اس نعمت کا شکر اس طرح ادا کریں کہ صرف میری ہی عبادت کرتے رہیں جیسے اور جگہ ہے ﴿قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِیْ حَرَّمَهَا﴾ الخ

یعنی اے نبی! تم کہہ دو کہ مجھے تو صرف یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں اس شہر کے رب کی ہی عبادت کروں جس نے اسے حرم بنایا جو ہر چیز کا مالک ہے' مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اسکا مطیع اور فرمانبردار رہوں۔

رب نے اہل مکہ کو بھوک پر کھانا عنائیت فرمایا: پھر فرماتا ہے وہ رب بیت جس نے انہیں بھوک میں کھلایا اور خوف میں نڈر رکھا' انہیں چاہیے کہ اسکی عبادت میں کسی چھوٹے بڑے کو شریک نہ ٹھہرائیں جو اللہ تعالٰی کے اس حکم کی بجاآوری کرے گا وہ دنیا کے اس امن کے ساتھ آخرت کے دن بھی امن وامان سے رہے گا اور اس کی نافرمانی کرنے سے یہ امن بھی بے امنی سے اور آخرت کا امن بھی ڈر خوف سے اور انتہائی مایوسی سے بدل جائے گا۔

جیسے اور جگہ فرمایا ﴿ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْیَةً كَانَتْ اٰمِنَةً﴾ الخ اللہ تعالٰی ان بستی والوں کی مثال بیان فرماتا ہے جو امن و اطمینان کے ساتھ تھے' ہر جگہ سے بافراغت روزیاں کھچی چلی آتی تھیں' لیکن انہیں اللہ کی نعمتوں کی ناشکرنی کرنے کی سوجھی' چنانچہ اللہ تعالٰی نے انہیں بھوک اور خوف کا لباس چکھا دیا' یہی ان کے کرتوت کا بدلہ تھا ان کے پاس ان ہی میں سے اللہ کے بھیجے ہوئے آئے لیکن انہوں نے ان کو جھٹلایا' اس ظلم پر اللہ تعالٰی کے عذابوں نے انہیں گرفتار کر لیا۔

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قریشیو! تمہیں تو اللہ یوں راحت و آرام پہنچائے گھر بیٹھے کھلائے پلائے چوطرف بدامنی کی آگ کے شعلے بھڑک رہے ہوں اور تمہیں امن و امان سے میٹھی نیند سلائے پھر تم پر کیا مصیبت ہے جو تم اپنے اس پروردگار کی توحید سے جی چراؤ۔ اور اس کی عبادت میں دل نہ لگاؤ بلکہ اس کے سوا دوسروں کے آگے سر جھکاؤ۔

﴿الْحَمْدُ لله سوره لِاِیْلٰفِ﴾ کی تفسیر ختم ہوئی۔

تفسیر سورۂ ماعون مکیہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ۝ فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ۝ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ۝ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۝

رکوع ۳۲

شروع اللہ کے نام سے جو رحمن ورحیم ہے۔

کیا تو نے اسے بھی دیکھا ہے جو روز جزا کو جھٹلاتا ہے؟ یہی وہ ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کو کھلانے کی رغبت نہیں دیتا ان نمازیوں کے لیے افسوس اور ویل نامی جہنم کی جگہ ہے جو اپنی نماز سے غافل ہیں۔ جو ریاکار ہیں۔ اور برتنے کی چیز کو روکتے ہیں۔

روز قیامت کو جھٹلانے والا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے محمد ﷺ تم نے اس شخص کو دیکھا؟ جو قیامت کے دن کو جو جزا سزا کا دن ہے جھٹلاتا ہے یتیم پر ظلم وستم کرتا ہے اس کا حق مار کھاتا ہے اسکے ساتھ سلوک واحسان نہیں کرتا مسکینوں کو خود تو کیا دیتا دوسروں کو بھی اس کار خیر پر آمادہ نہیں کرتا جیسے اور جگہ ہے ﴿ كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴾ یعنی جو برائی تمہیں پہنچتی ہے وہ تمہارے اعمال کا نتیجہ ہے کہ نہ تم یتیموں کی عزت کرتے ہو نہ مسکینوں کو کھانا دینے کی رغبت دلاتے ہو یعنی اس فقیر کو جو اتنا نہیں پاتا کہ اسے کافی ہو۔ پھر فرمان ہے کہ غفلت برتنے والے نمازیوں کے لیے ویل ہے یعنی ان منافقوں کے لیے جو لوگوں کے سامنے تو نماز ادا کریں ورنہ ہضم کر جائیں یہی معنے حضرت ابن عباسؓ نے کئے ہیں۔ اور یہ بھی معنی ہیں کہ مقرر کردہ وقت ٹال دیتے ہیں جیسے کہ مسروق اور ابوالضحے کہتے ہیں۔

یتیموں کو دھکے دینے والا: حضرت عطاء بن دینار فرماتے ہیں اللہ کا شکر ہے کہ فرمان باری میں ﴿ عَنْ صَلٰوتِهِمْ ﴾ ہے ﴿ فِىْ صَلٰوتِهِمْ ﴾ نہیں یعنی نمازوں سے غفلت کرتے ہیں فرمایا نمازوں میں غفلت برتتے ہیں نہیں فرمایا۔ اسی طرح یہ لفظ شامل ہے ایسے نمازی کو بھی جو ہمیشہ نماز کو آخری وقت میں ادا کرے یا عموماً آخری وقت پڑھے یا ارکان وشروط کی پوری رعایت نہ کرے یا خشوع وخضوع اور تدبر وغور وفکر نہ کرے۔ لفظ قرآن ان میں سے ہر ایک کو شامل ہے یہ سب باتیں جس میں ہوں وہ تو پورا پورا بدنصیب ہے اور جس میں جتنی ہوں اتنا ہی وہ ویل والا ہے اور نفاق عملی کا حصہ دار ہے۔ بخاری ومسلم کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ یہ نماز منافق کی ہے یہ نماز منافق کی ہے کہ بیٹھا ہوا سورج کا انتظار کرتا رہے جب وہ غروب ہونے کے قریب پہنچے اور شیطان اپنے سینگ اس میں ملالے تو کھڑا ہو اور مرغ کی طرح چار ٹھونگیں مارلے جس میں اللہ کا ذکر بہت ہی کم کرے۔ یہاں مراد عصر کی نماز ہے جو صلوٰۃ وسطی جیسے کہ حدیث کے لفظوں سے ثابت ہے یہ شخص مکروہ وقت میں کھڑا ہوتا ہے اور کوے کی طرح چونچیں مار لیتا ہے جس میں اطمینان ارکان بھی نہیں ہوتا نہ خشوع وخضوع ہوتا ہے بلکہ ذکر اللہ بھی بہت ہی کم ہوتا ہے اور کیا عجب کہ یہ نماز محض دکھاوے کی نماز ہو تو پڑھی نہ پڑھی یکساں ہے انہی منافقین کے بارے میں اور جگہ ارشاد ہے ﴿ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴾ یعنی منافق اللہ تعالیٰ کو

دھوکہ دیتے ہیں اور وہ انہیں' یہ جب بھی نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو تھکے ہارے بادل نخواستہ صرف لوگوں کو دکھاوے کے لیے نماز گزارتے ہیں' اللہ تعالیٰ کی یاد بہت ہی کم کرتے ہیں۔ یہاں بھی فرمایا یہ ریاکاری کرتے ہیں لوگوں میں نمازی بنتے ہیں۔

نمازیوں کیلیئے ہلاکت: طبرانی کی ایک حدیث میں ہے ویل جہنم کی ایک وادی کا نام ہے جس کی آگ اس قدر تیز ہے کہ اور آگ جہنم کی اس سے ہر دن چار سو مرتبہ پناہ مانگتی ہے۔ یہ ویل اس امت کے ریاکار علماء کے لیے ہے اور ریاکاری کے طور پر صدقہ خیرات کرنے والوں کے لیے ہے اور ریاکاری کے طور پر حج کرنے والوں کے لیے ہے اور ریاکاری کے طور پر جہاد کرنے والوں کے لیے ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو شخص دوسروں کو سنانے کے لیے کوئی نیک کام کرے اللہ تعالیٰ بھی لوگوں کو سنا کر عذاب کرے گا اور اسے ذلیل و حقیر کرے گا۔ ہاں اس موقعہ پر یہ یاد رہے کہ اگر کسی شخص نے بالکل نیک نیتی سے کوئی اچھا کام کیا اور لوگوں کو اس کی خبر ہو گئی اس پر اسے بھی خوشی ہوئی تو یہ ریاکاری نہیں' اس کی دلیل مسند ابویعلی موصلی کی یہ حدیث ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ نے سرکار نبوی ﷺ میں یہ ذکر کیا کہ حضور! میں تو تنہا نوافل پڑھتا ہوں لیکن اچانک کوئی آ جاتا ہے تو ذرا مجھے بھی یہ اچھا معلوم ہونے لگتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تجھے دو دو اجر ملیں گے ایک اجر پوشیدگی کا اور دوسرا ظاہر کرنے کا۔

حضرت ابن المبارکؒ فرمایا کرتے تھے کہ یہ حدیث ریاکاروں کے لیے بھی اچھی چیز ہے۔ یہ حدیث بروئے اسناد غریب ہے' لیکن اس معنی کی حدیث اور سند سے بھی مروی ہے۔ ابن جریر کی ایک بہت ہی ضعیف سند والی حدیث میں ہے کہ جب یہ آیت اتری تو حضور ﷺ نے فرمایا اللہ اکبر یہ تمہارے لیے بہتر ہے اس سے کہ تم میں سے ہر شخص کو مثل تمام دنیا کے دیا جائے اس سے مراد وہ شخص ہے کہ نماز پڑھے تو اس کی بھلائی سے اسے کچھ سروکار نہ ہو اور نہ پڑھے تو اللہ کا خوف اسے نہ ہو۔ اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کا مطلب پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو نماز کو اس کے وقت سے مؤخر کرتے ہیں۔ اس کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ سرے سے پڑھتے ہی نہیں' دوسرے معنے یہ ہیں کہ شرعی وقت سے نکال دیتے ہیں' پھر پڑھتے ہیں' یہ معنی بھی ہیں کہ اول وقت میں ادا نہیں کرتے۔ ایک موقوف روایت میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے مروی ہے کہ تنگ وقت کر ڈالتے ہیں۔ زیادہ صحیح موقوف روایت ہی ہے۔ امام بیہقیؒ بھی فرماتے ہیں کہ مرفوع تو ضعیف ہے ہاں موقوف صحیح ہے۔ امام حاکم کا قول بھی یہی ہے۔ پس جس طرح یہ لوگ عبادت رب میں سست ہیں اسی طرح لوگوں کے حقوق بھی ادا نہیں کرتے یہاں تک کہ برتنے کی کم قیمت چیزیں لوگوں کو اس لیے بھی نہیں دیتے کہ وہ اپنا کام نکال لیں اور پھر وہ چیز جوں کی توں واپس کر دیں۔ پس ان خسیس لوگوں سے یہ کہاں بن آئے کہ وہ زکوٰۃ ادا کریں یا اور نیکی کے کام کریں۔ حضرت علیؓ سے ماعون کا مطلب ادائیگی زکوٰۃ بھی مروی ہے اور حضرت ابن عمرؓ سے بھی اور دیگر حضرات مفسرین معتبرین سے بھی۔ امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اس کی نماز میں ریاکاری ہے اور اس کے مال کے صدقہ میں روک ہے۔ حضرت زید بن اسلمؒ فرماتے ہیں کہ یہ منافق لوگ ہیں نماز تو چونکہ ظاہر ہے پڑھنی پڑتی ہے اور زکوٰۃ چونکہ پوشیدہ ہے تو ادا نہیں کرتے۔ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ماعون میں ہر وہ چیز ہے جو لوگ آپس میں ایک دوسرے سے مانگ لیا کرتے ہیں' جیسے کدال' پھاوڑا' دیگچی' ڈول وغیرہ۔

دوسری روایت میں ہے کہ اصحاب رسول ﷺ اس کا یہی مطلب بیان کرتے تھے۔ اور روایت میں ہے کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ تھے اور ہم اس کی تفسیر یہی کرتے تھے۔ نسائی کی حدیث میں ہے کہ ہر نیک چیز صدقہ ہے' ڈول اور ہانڈی یا پتیلی مانگنے پر دینے کو ہم آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ماعون سے تعبیر کرتے تھے۔ غرض اس کے معنی زکوٰۃ نہ دینے کے' اطاعت نہ کرنے کے' مانگی چیز نہ دینے کے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی بے جان چیزیں کوئی دو گھڑی کے لیے مانگنے آئے اس سے انکار کر دینا۔ مثلاً چھلنی' ڈول' سوئی' سل بٹا' کدال' پھاوڑا' پتیلی' دیگچی وغیرہ۔

ایک غریب حدیث میں ہے کہ قبیلہ نمیر کے وفد نے حضور ﷺ سے کہا کہ ہمیں خاص حکم کیا ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ماعون سے منع نہ کرنا۔ انہوں نے پوچھا ماعون کیا؟ فرمایا پتھر 'لوہا' پانی۔ انہوں نے پوچھا لوہے سے مراد کونسا لوہا ہے؟ فرمایا یہی تمہاری تانبے کی پتیلیاں اور کدال وغیرہ۔ پوچھا پتھر سے کیا مراد؟ فرمایا یہی دیگچی وغیرہ۔ یہ حدیث بہت ہی غریب ہے بلکہ مرفوع ہونا منکر ہے' اور اس کی اسناد میں وہ راوی ہیں جو مشہور نہیں۔ علی نمیریؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے میں نے سنا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا مسلمان کا مسلمان بھائی ہے جب ملے سلام کرے۔ جب سلام کرے تو بہتر جواب دے اور ماعون کا انکار نہ کرے۔ میں نے پوچھا حضور! ماعون کیا ہے؟ فرمایا پتھر لوہا اور اسی جیسی اور چیزیں۔ واللہ اعلم۔ الحمد اللہ تعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کے احسان و رحم سے اس سورۃ کی تفسیر بھی ختم ہوئی۔

تفسیر سورۂ کوثر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝ ١ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝ ٢ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝ ٣

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے'

یقیناً ہم نے تجھے حوض کوثر اور بہت کچھ دیا ہے۔ پس تو اپنے رب کی نماز پڑھ' اور قربانی کر' یقیناً تیرا دشمن ہی بے نام نشان ہے۔

واقعہ نزول: مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر کچھ غنودگی سی طاری ہوئی اور دفعتہ سر اٹھا کر مسکرائے پھر یا تو خود آپ ﷺ نے فرمایا یا لوگوں کے اس سوال پر کہ حضور کیسے مسکرائے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا مجھ پر اس وقت ایک سورت اتری' پھر آپ ﷺ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر اس پوری سورت کی تلاوت کی اور فرمایا جانتے ہو کوثر کیا ہے؟ لوگوں نے کہا اللہ اور اس کا رسول ہی خوب جانتے ہیں۔ فرمایا وہ ایک جنتی نہر ہے جس پر بہت بھلائی ہے جو میرے رب نے مجھے عطا فرمائی ہے جس پر میری امت قیامت والے دن آئے گی' اس کے برتن آسمان کے ستاروں کی گنتی کے برابر ہیں۔

بعض لوگ اس سے ہٹائے جائیں گے تو میں کہوں گا اے میرے رب یہ بھی میرے امتی ہیں تو کہا جائے گا کہ آپ کو نہیں معلوم کہ ان لوگوں نے آپ کے بعد کیا کیا بدعتیں نکالی تھیں۔ اور حدیث میں وارد ہوا ہے کہ اس میں دو پرنالے آسمان سے گرتے ہوں گے۔ نسائی کی حدیث میں ہے کہ یہ واقعہ مسجد میں گزرا' اسی سے اکثر قاریوں کا استدلال ہے کہ یہ سورت مدنی ہے

فائدہ: اور اکثر فقہاء نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہر سورت میں اس کے ساتھ ہی نازل ہوئی تھی اور ہر سورت کی ایک مستقل آیت ہے۔ مسند کی اور حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کر کے فرمایا کہ مجھے کوثر عنایت کی گئی ہے جو ایک جاری نہر ہے لیکن گڑھا نہیں ہے اس کے دونوں کنارے موتی کے خیمے ہیں' اس کی مٹی خالص مشک ہے' اسکے کنکر بھی سچے موتی ہیں۔

اور روایت میں ہے کہ معراج والی رات آپ ﷺ نے آسمان پر جنت میں اس نہر کو دیکھا اور جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کونسی نہر ہے؟ تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا یہ کوثر ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی ہے۔ اور اس قسم کی بہت سی حدیثیں ہیں' اور بہت سی ہم نے سورۂ اسراء کی تفسیر میں بیان بھی کر دی ہیں

ایک اور حدیث میں ہے کہ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہے اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے جس کے کنارے دراز گردن والے پرندے بیٹھے ہوئے ہیں۔ حضرت صدیق ؓ نے سن کر فرمایا وہ پرندے تو بہت ہی خوبصورت ہوں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کھانے میں بھی وہ بہت ہی لذیذ ہیں (ابن جریر)۔ اور روایت میں ہے کہ حضرت انس ؓ نے حضور ﷺ سے سوال کیا کہ کوثر کیا ہے؟ اس پر آپ نے یہ حدیث بیان کی تو حضرت عمر ؓ نے ان پرندوں کی نسبت یہ فرمایا (مسند احمد)۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ نہر بیچوں بیچ جنت کے ہے۔ ایک منقطع سند سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ کوثر کے پانی کے گرنے کی آواز جو سننا چاہے وہ اپنے دونوں کانوں میں اپنی دونوں انگلیاں ڈال لے۔

فائدہ: اولاً تو اس کی سند ٹھیک نہیں' دوسرے اس کے معنی یہ ہیں کہ اس جیسی آواز آتی ہے کہ نہ خاص اسی کی آواز ہو' واللہ اعلم۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے مروی ہے کہ کوثر سے مراد وہ بھلائی اور خیر ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو عطا فرمائی ہے۔ ابو بشر ؒ کہتے ہیں کہ میں نے سعید بن جبیر ؒ سے یہ سن کر کہا کہ لوگ تو کہتے ہیں کہ یہ جنت کی ایک نہر ہے تو حضرت سعید ؒ نے فرمایا وہ بھی ان بھلائیوں اور خیر میں سے ہے جو آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عنایت ہوئی ہیں۔ اور بھی حضرت ابن عباس ؓ سے مروی ہے کہ اس سے مراد بہت سی خیر ہے' تو یہ تفسیر شامل ہے حوض کوثر وغیرہ سب کو۔ کوثر ماخوذ ہے کثرت سے جس سے مراد خیر کثیر ہے' اور اسی خیر کثیر میں حوض جنت بھی ہے جیسے کہ بہت سے مفسرین سے مروی ہے۔

فائدہ: حضرت مجاہد ؒ فرماتے ہیں کہ دنیا اور آخرت کی بہت بہت بھلائیاں مراد ہے۔ عکرمہ ؒ فرماتے ہیں نبوت' قرآن' ثواب آخرت کوثر ہے۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے کوثر کی تفسیر نہر کوثر سے بھی مروی ہے جیسے کہ ابن جریر میں سنداً مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کوثر جنت کی ایک نہر ہے جس کے دونوں کنارے سونا چاندی ہے جو یاقوت اور موتیوں پر بہہ رہی ہے جس کا پانی برف سے زیادہ سفید ہے اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے۔

فائدہ: حضرت ابن عمر ؓ سے بھی یہ تفسیر مروی ہے (ابن جریر)۔ ترمذی اور ابن ماجہ وغیرہ میں یہ روایت مرفوع بھی آئی ہے۔ امام ترمذی ؒ اسے حسن صحیح بتلاتے ہیں۔ ابن جریر میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن حضرت حمزہ بن عبدالمطلب ؓ کے گھر تشریف لے گئے آپ اس وقت گھر پر نہ تھے' آپ کی بیوی صاحبہ جو قبیلہ بن نجار سے تھیں انہوں نے کہا یا نبی اللہ! وہ تو ابھی ابھی آپ ﷺ ہی کی طرف گئے ہیں' شاید بنو نجار میں رک گئے ہوں' آپ ﷺ تشریف لائیے۔ حضور ﷺ گھر میں تشریف لے گئے تو مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کے سامنے ملیدہ رکھا جو آپ ﷺ نے تناول فرمایا۔ مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا خوش ہو کر فرمانے لگیں کہ اللہ رچائے پچائے اچھا ہوا کہ خود تشریف لے آئے میں تو حاضر دربار ہونے کا ارادہ کر چکی تھی کہ آپ ﷺ کو حوض کوثر عطا ہونے کی مبارکباد دوں' مجھ سے ابھی ابھی حضرت ابو عمارہ ؓ نے کہا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں اس حوض کی زمین یاقوت اور مرجان اور زمرد اور موتیوں کی ہے۔ اس کے ایک راوی حرام بن عثمان ضعیف ہیں لیکن واقعہ حسن ہے' اور اصل تو تواتر سے ثابت ہو چکی ہے'

کوثر کیا ہے: بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمتہ اللہ علیہم وغیرہ سے ثابت ہے کہ کوثر نہر کا نام ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ جیسے ہم نے تمہیں خیر کثیر عنایت فرمائی اور ایسی پر شوکت نہر دی تو تم بھی صرف میری ہی عبادت کرو خصوصاً نفل فرض نماز اور قربانی اسی وحدہ لاشریک لہ کے نام کی کرتے رہو' جیسے فرمایا ﴿ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُكِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ﴾ مراد قربانی سے اونٹوں کا نحر کرنا وغیرہ ہے۔ مشرکین سجدے اور قربانیاں اللہ تعالیٰ کے سوا اوروں کے نام کی کرتے تھے۔ تو یہاں حکم ہوا کہ تم صرف اللہ تعالیٰ ہی کے نام کی مخلصانہ عبادتیں کیا کرو۔ اور جگہ ہے ﴿ لَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ یُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَیْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ﴾ الخ جس جانور پر اللہ کا نام نہ لیا جائے اسے نہ کھاؤ یہ تو فسق ہے۔

نحر سے مراد: اور کہا گیا ہے کہ مراد وانحر سے دائیں ہاتھ کا بائیں ہاتھ پر نماز میں سینے پر رکھنا ہے۔ یہی حضرت علیؓ سے غیر صحیح سند کے ساتھ مروی ہے۔ حضرت شعبیؒ اس لفظ کی یہی تفسیر کرتے ہیں۔ حضرت ابو جعفر باقرؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد نماز کے شروع کے وقت رفع الیدین کرنا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مطلب یہ ہے کہ اپنے سینے سے قبلہ کی طرف متوجہ ہو۔ یہ تینوں قول ابن جریر میں منقول ہیں۔

فائدہ: ابن ابی حاتم میں اس جگہ ایک بہت منکر حدیث مروی ہے جس میں ہے کہ جب یہ سورۂ نبی ﷺ پر اتری تو آپ ﷺ نے فرمایا اے جبرئیل! وانحر سے کیا مراد ہے؟ جو مجھے میرے پروردگار کا حکم ہو رہا ہے' تو حضرت جبرئیل نے فرمایا اس سے مراد قربانی نہیں بلکہ اللہ کا تمہیں حکم ہو رہا ہے کہ نماز کی تکبیر تحریمہ کے وقت رفع الیدین کرو' اور رکوع کے وقت بھی' اور جب رکوع سے اٹھو تب بھی اور جب سجدہ کرو' یہی ہماری نماز ہے اور ان فرشتوں کی نماز ہے جو ساتوں آسمانوں میں ہیں۔ ہر چیز کی زینت ہوتی ہے اور نماز کی زینت ہر تکبیر کے بعد رفع الیدین کرنا ہے۔ یہ حدیث اسی طرح مستدرک حاکم میں بھی ہے۔ حضرت عطا خراسانی فرماتے ہیں وانحر سے مراد ہے یہ ہے کہ اپنی پیٹھ رکوع سے اٹھاؤ تو اعتدال کرو اور سینے کو ظاہر کرو یعنی اطمینان حاصل کرو (ابن ابی حاتم)۔ یہ سب اقوال غریب ہیں' اور صحیح پہلا قول ہے کہ مراد نحر سے قربانیوں کا ذبح کرنا ہے۔

اسی لیے رسول مقبول ﷺ نماز عید سے فارغ ہو کر اپنی قربانی ذبح کرتے تھے' اور فرماتے تھے جو شخص ہماری نماز پڑھے اور ہم جیسی قربانی کرے اس نے شرعی قربانی کی' اور جس نے نماز سے پہلے ہی جانور ذبح کر لیا اس کی قربانی نہیں ہوئی۔ ابو بردہ بن نیارؓ نے کھڑے ہو کر کہا کہ یا رسول اللہ! میں نے نماز عید سے پہلے ہی قربانی کر لی یہ سمجھ کر کہ آج کے دن گوشت کی چاہت ہوگی۔ آپ ﷺ نے فرمایا بس وہ تو کھانے کا گوشت ہو گیا صحابیؓ نے کہا اچھا یا رسول اللہ! اب میرے پاس ایک بکری کا بچہ ہے جو مجھے دو بکریوں سے بھی زیادہ محبوب ہے کیا یہ کافی ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں تجھے تو کافی ہے لیکن تیرے بعد چھ مہینے کا بکری کا بچہ کوئی اور قربانی نہیں دے سکتا۔ امام ابو جعفر بن جریرؒ فرماتے ہیں کہ ٹھیک قول اس کا ہے جو کہتا ہے کہ اس کے معنے یہ ہیں کہ اپنی تمام نمازیں خالص اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ادا کرو اس کے سوا کسی اور کے لیے نہ کر' اسی طرح اس کی راہ خون بہا کسی اور کے نام پر قربانی نہ کر' اس کا شکر بجالا جس نے تجھے یہ بزرگی دی اور وہ نعمت دی جس جیسی کوئی اور نعمت نہیں' تجھی کو اس کے ساتھ خاص کیا۔ یہی قول بہت اچھا ہے۔

محمد بن کعب قرظیؒ اور عطاءؒ کا بھی یہی قول ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اے نبی! تجھ سے اور تیری طرف اتری ہوئی وحی سے دشمنی رکھنے والا ہی قلت و ذلت والا بے برکتا اور دم بریدہ ہے۔ یہ آیت عاص بن وائل کے بارے میں اتری ہے۔ یہ پاجی جہاں حضور ﷺ کا ذکر خیر سنتا تو کہتا اسے چھوڑ دو وہ دم کٹا ہے اس کے پیچھے اس کی نرینہ اولاد نہیں' اس کے انتقال کرتے ہی اس کا نام دنیا سے اٹھ جائے گا۔ اس پر یہ مبارک سورۃ نازل ہوئی ہے۔ شمر بن عطیہؒ فرماتے ہیں کہ عقبہ بن ابی معیط کے حق میں یہ آیت اتری ہے۔ ابن عباسؓ وغیرہ فرماتے ہیں کہ کعب بن اشرف اور جماعت قریش کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ بزار میں ہے کہ جب کعب بن اشرف مکہ معظمہ میں آیا تو قریشیوں نے اس سے کہا کہ آپ تو ان کے سردار ہیں' آپ اس بچہ کی طرف نہیں دیکھتے؟ جو اپنی ساری قوم سے الگ تھلگ ہے اور خیال کرتا ہے کہ وہ افضل ہے۔ حالانکہ ہم حاجیوں کے اہل میں در در بست بیت اللہ ہمارے ہاتھوں میں ہے' زمزم پر ہمارا قبضہ ہے۔ تو یہ خبیث کہنے لگا کہ بیشک تم اس سے بہتر ہو۔ اس پر یہ آیت اتری۔ اس کی سند صحیح ہے۔

شان نزول: حضرت عطاءؒ فرماتے ہیں کہ ابو لہب کے بارے میں یہ آیت اتری ہے' جب رسول اللہ ﷺ کے صاحبزادے کا انتقال ہوا تو یہ بدنصیب مشرکین سے کہنے لگا کہ آج کی رات محمدؐ کی نسل کٹ گئی اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔ ابن عباسؓ سے بھی یہ منقول ہے۔ آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد حضور ﷺ کا ہر دشمن ہے جن جن کے نام لیے گئے وہ بھی اور جن کا ذکر نہیں

ہو اوہ بھی۔ ﴿ابتر﴾ کے معنے ہیں تنہا' عرب کا یہ بھی محاورہ ہے کہ جب کسی کی نرینہ اولاد مر جائے تو کہتے ہیں ﴿بتر﴾۔ حضور ﷺ کے صاحبزادوں کے انتقال پر بھی انہوں نے دشمنی کی وجہ سے یہی کہا جس پر یہ آیت اتری' تو مطلب یہ ہوا کہ ﴿ابتر﴾ وہ ہے جس کے مرنے کے بعد اس کا ذکر مٹ جائے۔ ان مشرکین نے حضور ﷺ کی نسبت بھی یہی خیال کیا تھا کہ ان کے لڑکے تو انتقال کر گئے وہ نہ رہے جن کی وجہ سے آپ ﷺ کے انتقال کے بعد بھی ان کا نام رہتا۔ حاشا وکلا اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کا نام رہتی دنیا تک رکھے گا۔ آپ ﷺ کی شریعت ابد الآباد تک باقی رہے گی' آپ ﷺ کی اطاعت ہر کہہ ومہ پر فرض کر دی گئی ہے' آپ ﷺ کا پیارا اور پاک نام ہر ایک مسلمان کے دل وزبان پر ہے اور قیامت تک فضائے آسمانی میں عروج واقبال کے ساتھ گونجتا رہے گا' بحر و بر میں ہر وقت اس کی منادی ہوتی رہے گی' اللہ تعالیٰ آپ ﷺ پر اور آپ ﷺ کی آل واولاد پر اور ازواج واصحابؓ پر قیامت تک دورد وسلام بے حد و بکثرت بھیجتا رہے' آمین۔

﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ﴾ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کے احسان ورحم سے سورۂ کوثر کی تفسیر بھی ختم ہوئی۔

تفسیر سورۂ کافرون مکیہ

تعارف سورت: صحیح مسلم میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سورۃ کو اور سورۃ ﴿ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ ﴾ کو طواف کے بعد (۲) دو رکعت نماز میں تلاوت فرمایا۔ صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ صبح کی (۲) دو سنتوں میں بھی آنحضرت ﷺ انہی دونوں سورتوں کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ مسند احمد میں حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صبح کے فرضوں سے پہلے کی (۲) دو رکعتوں میں اور مغرب کے بعد کی (۲) دو رکعتوں میں (۲۰) بیس اوپر کچھ دفعہ یا (۱۰) دس اوپر کچھ مرتبہ سورۃ ﴿ قُلْ یٰۤاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ ﴾ اور ﴿ سورۃ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ ﴾ پڑھی (یعنی اتنی مرتبہ میں نے آپ ﷺ کو یہ سورتیں ان نمازوں میں پڑھتے ہوئے سنا)۔ مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ کو میں نے (۲۴) چوبیس یا (۲۵) پچیس مرتبہ صبح کی (۲) دو سنتوں میں ان دونوں سورتوں کو پڑھتے ہوئے بخوبی دیکھا۔

مسند ہی کی دوسری روایت میں آپ سے مروی ہے کہ مہینہ بھر تک میں نے آپ ﷺ کو ان دونوں رکعتوں میں یہی دونوں سورتیں پڑھتے ہوئے پایا۔ یہ روایت ترمذی' ابن ماجہ اور نسائی میں بھی ہے۔ امام ترمذیؒ اسے حسن کہتے ہیں۔ وہ روایت پہلے بیان ہو چکی ہے کہ یہ سورۂ چوتھائی قرآن کے برابر ہے اور سورۃ ﴿اِذَا زُلْزِلَتِ﴾ بھی۔ مسند احمد میں روایت ہے کہ حضرت نوفل بن معاویہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ ہماری ربیبہ زینبؓ کی پرورش تم اپنے ہاں کرو۔ میرے خیال سے یہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا تھیں' یہ ایک مرتبہ پھر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہو بچی کیا کر رہی ہو؟ کہا میں انہیں ان کی ماں کے پاس چھوڑ آیا ہوں۔ فرمایا اچھا کیوں آئے ہو؟ عرض کیا اس لیے کہ آپ سے کوئی وظیفہ سیکھ جاؤں جو سوتے وقت پڑھ لوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ﴿ قُلْ یٰۤاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ ﴾ پڑھ کر سو جایا کرو اس میں شرک سے برات اور بیزاری ہے۔ طبرانی کی روایت میں ہے کہ جبلہ بن حارثہؓ کو بھی آپ ﷺ نے یہی فرمایا تھا۔

طبرانی کی اور روایت میں ہے کہ خود حضور ﷺ بھی اپنے بستر پر لیٹ کر اس سورۃ کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ مسند احمد کی روایت میں ہے کہ حضرت حارث بن جبلہؓ نے کہا یا رسول اللہ! مجھے کوئی ایسی چیز بتایئے کہ میں سونے کے وقت اسے پڑھ لیا کروں۔ آپ ﷺ نے فرمایا جب تو رات کو اپنے بستر پر جائے تو سورۃ ﴿ قُلْ یٰۤاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ ﴾ پڑھ لیا کر' یہ شرک سے بیزاری ہے۔ واللہ اعلم۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝۱ لَاۤ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝۲ وَلَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ ۝۳
وَلَاۤ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۝۴ وَلَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ ۝۵ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۝۶

میں پڑھتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام کی برکت سے جو رحمن اور رحیم ہے۔

کہہ دے کہ اے کافرو! نہ میں تمہارے معبودوں کو پوجتا ہوں نہ تم میرے معبود کو پوجتے ہو اور نہ میں تمہارے معبودوں کی پرستش کروں گا۔ نہ تم اس کی پرستش کرو گے جس کی میں عبادت کر رہا ہوں تمہارے لیے تمہارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین ہے۔

مومن بتوں کی عبادت نہیں کر سکتا: اس سورۃ مبارکہ میں مشرکین کے عمل سے بیزاری کا اعلان ہے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کے اخلاص کا حکم ہے گو یہاں خطاب مکہ کے کفار قریش سے ہے لیکن دراصل روئے زمین کے تمام کافر مراد ہیں۔ اس کا شان نزول یہ ہے کہ ان کافروں نے حضور ﷺ سے کہا تھا کہ ایک سال آپ ہمارے معبودوں کی عبادت کریں تو اگلے سال ہم بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں گے اس پر یہ سورۃ نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی برحق ﷺ کو یہ حکم دیا کہ ان کے دین سے اپنی پوری بیزاری کا اعلان فرما دیں کہ میں تمہارے ان بتوں کو اور جن جن کو تم اللہ تعالیٰ کا شریک مان رہے ہو ہرگز نہ پوجوں گا" گو تم بھی میرے معبود برحق اللہ وحدہ لاشریک لہ کو نہ پوجو۔ پس ما یہاں پر معنے میں من کے ہے' پھر دوبارہ یہی فرمایا کہ میں تم جیسی عبادت نہ کروں گا' تمہارے مذہب پر میں کاربند نہیں ہو سکتا۔ نہ میں تمہارے پیچھے لگ سکتا ہوں' بلکہ میں تو صرف اپنے رب کی عبادت کروں گا اور وہ بھی اسی طریقے پر جو اسے پسند ہو اور جیسے وہ چاہے۔ اسی لیے فرمایا کہ نہ تم میرے رب کے احکام کے آگے سر جھکاؤ گے نہ اس کی عبادت اس کے فرمان کے مطابق بجا لاؤ گے' بلکہ تم نے تو اپنے طرف سے طریقے مقرر کر لیے ہیں۔

جیسے اور جگہ ہے ﴿ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ ﴾ الخ یہ لوگ صرف اٹکل اور گمان کے اور خواہش نفسانی کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں حالانکہ ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے ہدایت پہنچ چکی ہے۔ پس جناب نبی محمد مصطفے ﷺ نے ہر طرح سے اپنا دامن ان سے چھڑا لیا اور صاف طور پر ان کے معبودوں سے اور ان کی عبادت کے طریقوں سے علیحدگی اور ناپسندیدگی کا اعلان فرما دیا' ظاہر ہے کہ ہر عابد کا معبود ہو گا اور طریقہ عبادت ہو گا' پس رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کی امت صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرتے ہیں۔ اور طریقہ عبادت ان کا وہ ہے جو سرور رسل ﷺ نے تعلیم فرمایا ہے۔

فائدہ: اسی لیے کلمہ اخلاص ﴿ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ﴾ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس کا راستہ وہی ہے جس کے بتانے والے محمد ہیں ﷺ جو اللہ کے پیغمبر ہیں۔ اور مشرکین کے معبود بھی اللہ کے سوا غیر ہیں اور طریقہ عبادت بھی اللہ کا بتلایا ہوا نہیں' اسی لیے فرمایا کہ تمہارا دین تمہارے لیے اور میرا دین میرے لیے جیسے اور جگہ ہے ﴿ وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ اَنْتُمْ بَرِيْٓـــُٔوْنَ مِمَّاۤ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴾ یعنی اگر یہ تجھے جھٹلائیں تو تو کہہ دے کہ میرے لیے میرا عمل ہے اور تمہارے لیے تمہارے عمل ہے' تم میرے اعمال سے الگ ہو اور میں تمہارے کاموں سے بیزار ہوں۔ اور جگہ فرمایا ﴿ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ﴾ ہمارے عمل ہمارے ساتھ اور تمہارے عمل تمہارے ساتھ۔ صحیح بخاری میں اس آیت کی تفسیر میں ہے کہ تمہارے لئے تمہارا دین ہے یعنی کفر اور میرے لیے میرا دین ہے یعنی اسلام۔ یہ لفظ اصل میں ﴿ دِيْنِيْ ﴾ تھا لیکن چونکہ اور آیتوں کا وقف نون پر ہے اس لیے اس میں بھی یا کو حذف کر دیا۔ جیسے ﴿ فَهُوَ يَهْدِيْنِ ﴾ میں اور ﴿ يَسْقِيْنِ ﴾ میں۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ مطلب یہ ہے کہ میں اب تو تمہارے معبودوں کی پرستش کرتا نہیں اور آگے کے لیے بھی تمہیں ناامید کر دیتا ہوں کہ عمر بھر میں کبھی بھی یہ کفر مجھ سے نہ ہو سکے گا' اسی طرح نہ تم اب میرے رب کو پوجتے ہو نہ آئندہ اس کی عبادت کرو گے۔ اس سے مراد وہ کفار ہیں جن کا ایمان نہ لانا اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا' جیسے قرآن میں اور جگہ ہے ﴿ ولیزیدن کثیرا منھم ما انزل الیک من ربک طغیانا و کفرا ﴾ یعنی تیری طرف جو اترتا ہے اس سے ان میں کے اکثر تو سرکشی اور کفر میں بڑھ جاتے ہیں۔ ابن جریرؒ نے بعض عربی داں حضرات سے نقل کیا ہے کہ دو مرتبہ اس جملے کا لانا صرف تاکید کے لیے ہے جیسے ﴿ فان مع العسر یسرا ان مع العسر یسرا ﴾ میں اور جیسے ﴿ لترون الجحیم ثم لترونھا عین الیقین ﴾ پس ان دونوں جملوں کو دو مرتبہ لانے کی حکمت میں یہ تین قول ہوئے' ایک تو یہ کہ پہلے جملے سے مراد معبود اور دوسرے سے مراد طریق عبادت' دوسرے یہ کہ پہلے جملے سے مراد حال دوسرے سے مراد استقبال یعنی آئندہ۔ تیسرے یہ کہ پہلے جملہ کی تاکید دوسرے جملہ سے ہے' لیکن یہ یاد رہے کہ یہاں ایک چوتھی توجیہ بھی ہے جسے حضرت امام ابن تیمیہؒ اپنی بعض تصنیفات میں قوت دیتے ہیں۔ وہ یہ کہ پہلے تو جملہ فعلیہ ہے دوبارہ جملہ اسمیہ ہے' تو مراد یہ ہوئی کہ نہ تو میں غیر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہوں نہ مجھ سے کبھی بھی کوئی امید رکھ سکتا ہے' یعنی واقعہ کی بھی نفی ہے اور شرعی طور پر ممکن ہونے کا بھی انکار ہے۔ یہ قول بھی بہت اچھا ہے' واللہ اعلم۔

فائدہ: حضرت امام شافعیؒ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ کفر ایک ہی ملت ہے' اس لیے یہود نصرانی کا اور نصرانی یہود کا وارث ہو سکتا ہے جب کہ ان دونوں میں نسب یا سبب ورثے کا پایا جائے' اس لیے کہ اسلام کے سوا کفر کی جتنی راہیں ہیں وہ سب باطل ہونے میں ایک ہی ہیں۔ حضرت امام احمدؒ اور ان کے موافقین کا مذہب اس کے برخلاف ہے کہ نہ یہودی نصرانی کا وارث ہو سکتا ہے نہ نصرانی یہودی کا' کیونکہ حدیث میں ہے کہ دو مختلف مذہب والے آپس میں ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے۔ سورۃ کافرون کی تفسیر ختم ہوئی۔ ﴿والحمد اللہ علی احسانہ﴾

تفسیر سورۂ نصر مدنیہ

تعارف سورت: پہلے وہ حدیث بیان ہو چکی ہے کہ یہ سورۃ چوتھائی قرآن کے برابر ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے عبید اللہ بن عبد اللہ سے پوچھا جانتے ہو سب سے آخر کونسی سورۃ اتری؟ جواب دیا کہ ہاں یہی سورۃ ﴿اذا جاء﴾ تو آپ نے فرمایا تم سچے ہو (نسائی)۔ حافظ ابو بکر بزارؒ اور حافظ بیہقیؒ نے حضرت ابن عمرؓ کی یہ روایت وارد کی ہے کہ یہ سورۃ ایام تشریق کے درمیان کے دن اتری تو آپ ﷺ سمجھ گئے کہ یہ رخصت کی سورۃ ہے' اسی وقت حکم دیا اور آپ ﷺ کی اونٹنی قصویٰ کسی گئی اور آپ ﷺ اس پر سوار ہوئے اور اپنا وہ پرزور خطبہ پڑھا جو مشہور ہے۔ بیہقی میں ہے کہ جب یہ سورۃ نازل ہوئی تو حضور ﷺ نے اپنی لخت جگر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بلایا اور فرمایا مجھے میرے انتقال کی خبر آ گئی ہے۔ حضرت زہراؓ رونے لگیں۔ پھر یکایک ہنس پڑیں۔ جب اوروں نے وجہ پوچھی تو فرمایا خبر انتقال نے تو رلا دیا لیکن روتے ہوئے حضور ﷺ نے تسلی دی اور فرمایا بیٹی صبر کرو میری اہل میں سے سب سے پہلے تم مجھ سے ملو گی' تو مجھے بے ساختہ ہنسی آ گئی۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ وَالۡفَتۡحُ ۙ﴿۱﴾ وَرَاَيۡتَ النَّاسَ يَدۡخُلُوۡنَ فِىۡ دِيۡنِ اللّٰهِ اَفۡوَاجًا ۙ﴿۲﴾ فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ وَاسۡتَغۡفِرۡهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ﴿۳﴾

وقف النبی

شروع کرتا ہوں ساتھ نام اللہ رحم کرنے والے مہربان کے

جب اللہ کی مدد اور فتح آجائے' اور تو لوگوں کو اللہ کے دین میں جوق در جوق آتا دیکھ لے۔ تو اپنے رب کی تسبیح اور حمد کرنے لگ اور اس سے مغفرت کی دعا مانگ' بے شک وہ معاف کرنے والا ہے۔

اللہ کی مدد اور فتح سے مراد: حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ بڑی عمر والے بدری مجاہدین کے ساتھ ساتھ حضرت عمر فاروقؓ مجھے بھی شامل کر لیا کرتے تھے تو شاید کسی کے دل میں اس سے کچھ ناراضگی پیدا ہوئی ہوگی' اس نے کہا کہ یہ ہمارے ساتھ نہ آیا کریں' ان جتنے تو ہمارے بچے ہیں' خلیفۃ المسلمین حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تم انہیں خوب جانتے ہو۔ ایک دن سب کو بلایا اور مجھے بھی یاد فرمایا' میں سمجھ گیا کہ آج انہیں کچھ دکھانا چاہتے ہیں' جب ہم سب جا پہنچے تو امیر المومنینؓ نے ہم سے پوچھا کہ سورۃ ﴿اذا جاء﴾ کی نسبت تمہیں کیا علم ہے؟ بعض نے کہا اس میں ہمیں خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرنے اور گناہوں کی بخشش چاہنے کا حکم کیا گیا ہے کہ جب مدد الٰہی آجائے اور ہماری فتح ہو تو ہم یہ کریں اور بعض بالکل خاموش رہے' تو آپ نے میری طرف توجہ فرمائی اور کہا کیا تم بھی یہی کہتے ہو؟ میں نے کہا نہیں۔ فرمایا پھر اور کیا کہتے ہو؟ میں نے کہا یہ رسول اللہ ﷺ کے انتقال کا پیغام ہے' آپ ﷺ کو معلوم کرایا جا رہا ہے کہ اب آپ ﷺ کی دنیوی زندگی ختم ہونے کو ہے آپ ﷺ تسبیح اور حمد میں اور استغفار میں مشغول ہو جایئے۔ حضرت فاروقؓ نے فرمایا یہی میں بھی جانتا ہوں (بخاری)۔

شان نزول: جب یہ سورت اتری تو حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ اب اسی سال میرا انتقال ہو جائے گا' مجھے میرے انتقال کی خبر دیدی گئی ہے (مسند احمد)۔ مجاہدؒ' ابوالعالیہؒ' ضحاکؒ وغیرہ بھی یہی تفسیر بیان کرتے ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ مدینہ میں تھے فرمانے لگے اللہ اکبر' اللہ اکبر' اللہ تعالیٰ کی مدد آ گئی اور فتح بھی' یمن والے آ گئے پوچھا گیا حضور! یمن والے کیسے ہیں' فرمایا نرم دل لوگ ہیں سلجھی ہوئی طبیعت والے ہیں۔ ایمان تو یمنیوں کا ہے اور سمجھ بھی یمنیوں کی ہے اور حکمت بھی یمن والوں کی ہے (ابن جریر)۔ ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ جب یہ سورہ اتری تو چونکہ اس میں آپ ﷺ کے انتقال کی خبر تھی تو آپ ﷺ نے اپنے کاموں میں اور کمر کس لی' اور تقریباً وہی فرمایا جو اوپر گزرا (طبرانی)۔

حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ سورتوں میں پوری سورۃ نازل ہونے کے اعتبار سے سب سے آخری سورۃ یہی ہے (طبرانی)۔ اور حدیث میں ہے کہ جب یہ سورۃ اتری تو آپ ﷺ نے اس کی تلاوت کی اور فرمایا کہ لوگ ایک کنارہ ہیں اور میں اور میرے اصحاب ایک کنارہ میں ہیں' سنو فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں البتہ جہاد اور نیت ہے۔ مروان کو جب یہ حدیث حضرت ابو سعید خدریؓ نے سنائی تو یہ کہنے لگا جھوٹ کہتا ہے۔ اس وقت مروان کے ساتھ اس کے تخت پر حضرت رافع بن خدیجؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ بھی بیٹھے ہوئے تھے' تو حضرت ابو سعیدؓ فرمانے لگے کہ ان دونوں کو بھی اس حدیث کی خبر ہے یہ بھی اس حدیث کو بیان کر سکتے ہیں لیکن ایک کو تو اپنی سرداری چھن جانے کا خوف ہے اور دوسرے کو زکوۃ کی وصولی کے عہدے سے سبکدوش ہو جانے کا ڈر ہے۔ مروان نے یہ سن کر کوڑا اٹھا کر حضرت ابو سعیدؓ کو مارنا چاہا' ان دونوں بزرگوں نے جب یہ دیکھا تو کہنے لگے' مروان سن لو ابو سعید نے سچ بیان فرمایا ہے (مسند احمد) یہ حدیث ثابت ہے

حضرت ابن عباسؓ سے بھی مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فتح مکہ کے دن فرمایا ہجرت نہیں رہی ہاں جہاد اور نیت ہے' جب تمہیں چلنے کو کہا جائے تو اٹھ کھڑے ہو جایا کرو۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں یہ حدیث موجود ہے۔ ہاں یہ بھی یاد رہے کہ جن بعض صحابہ نے حضرت فاروق اعظمؓ کے سامنے اس سورۃ کا یہ مطلب بیان کیا کہ جب ہم پر اللہ تعالیٰ شہر اور قلعے فتح کر دے اور ہماری مدد فرمائے تو ہمیں حکم مل رہا ہے کہ ہم اس کی تعریفیں بیان کریں اور اس کا شکر ادا کریں' اس کی پاکیزگی کی بیان کریں' نماز ادا کریں اور اپنے

گناہوں کی بخشش طلب کریں۔ یہ مطلب بھی بالکل صحیح ہے اور تفسیر بھی نہایت پیاری ہے۔ دیکھو رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ والے دن ضحیٰ کے وقت آٹھ رکعت نماز ادا کی گو لوگ کہتے ہیں کہ یہ ضحیٰ کی نماز تھی لیکن ہم کہہ سکتے ہیں کہ ضحیٰ کی نماز آپ ﷺ ہمیشہ نہیں پڑھتے تھے پھر اس دن جب کہ شغل اور کام بہت زیادہ تھا مسافرت تھی اسے کیسے پڑھی؟ آپ ﷺ کی اقامت فتح مکہ کے موقعہ پر مکہ میں رمضان کے آخر تک انیس دن رہی' آپ ﷺ فرض نماز کو بھی قصر کرتے رہے روزہ بھی نہیں رکھا اور تمام لشکر جو تقریباً دس ہزار تھا اسی طرح کرتا رہا۔ ان حقائق سے یہ بات صاف ثابت ہوتی ہے کہ یہ نماز فتح کے شکریہ کی نماز تھی' اس لیے سردار لشکر امام وقت پر مستحب ہے کہ جب کوئی شہر فتح ہو تو داخل ہوتے ہی آٹھ رکعت نماز ادا کرے۔ سعد بن ابی وقاص نے فتح مدائن کے دن ایسا ہی کیا تھا۔ ان آٹھ رکعتوں کو دو دو رکعتیں کر کے ادا کرے' گو بعض کا یہ قول بھی ہے کہ آٹھوں رکعتوں کو ایک ہی سلام سے پڑھ لے' لیکن ابوداؤد میں صراحتاً مروی ہے کہ حضور ﷺ نے اس نماز میں ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرا ہے۔

تسبیح سے مراد کیا ہے: دوسری تفسیر بھی صحیح ہے جو ابن عباسؓ وغیرہ نے کی ہے کہ اس میں آپ ﷺ کو آپ ﷺ کی وصال کی خبر دی گئی کہ جب آپ ﷺ اپنی بستی مکہ معظمہ فتح کر لیں جہاں سے ان کفار نے آپ ﷺ کو نکل جانے پر مجبور کیا تھا اور آپ ﷺ اپنی آنکھوں اپنی محنت کا پھل دیکھ لیں کہ فوجوں کی فوجیں آپ ﷺ کے جھنڈے تلے آ جائیں۔ جوق در جوق لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو جائیں تو ہماری طرف آنے کی اور ہم سے ملاقات کی تیاریوں میں لگ جاؤ' سمجھ لو کہ جو کام ہمیں تم سے لینا تھا پورا ہو چکا' اب آخرت کی طرف نگاہیں ڈالو جہاں آپ ﷺ کے لیے بہت بہتری ہے اور اس دنیا سے بہت زیادہ بھلائی آپ ﷺ کے لیے وہاں ہے' وہیں آپ ﷺ کی مہمانی تیار ہے اور مجھ جیسا میزبان ہے' آپ ﷺ ان نشانات کو دیکھ کر بکثرت میری حمد و ثنا کرو اور توبہ استغفار میں لگ جاؤ۔

صحیح بخاری کی حدیث میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنے رکوع سجدے میں بکثرت ﴿سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ' اللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ﴾ پڑھا کرتے تھے' آپ ﷺ قرآن کی اس آیت ﴿فَسَبِّحْ﴾ الخ پر عمل کرتے تھے۔ اور روایت میں ہے کہ حضور ﷺ اپنی آخری عمر میں ان کلمات کا اکثر ورد کرتے تھے سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے اسی کے لیے سب تعریفیں سزاوار ہیں' میں اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں اور اس کی طرف جھکتا ہوں اور فرمایا کرتے تھے کہ میرے رب نے مجھے حکم دے رکھا ہے کہ جب میں یہ علامت دیکھ لوں کہ مکہ معظمہ فتح ہو گیا اور دین اسلام میں فوجوں کی فوجیں داخل ہونے لگیں تو میں ان کلمات کو بکثرت کہوں' چنانچہ بحمد اللہ میں اسے دیکھ چکا لہٰذا اب اس وظیفے میں مشغول ہوں۔ (مسند احمد)۔

ابن جریر میں حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ اپنی آخری عمر میں بیٹھتے اٹھتے چلتے پھرتے آتے جاتے ﴿سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ﴾ پڑھا کرتے' میں نے ایک مرتبہ پوچھا کہ حضور! اس کی کیا وجہ ہے؟ تو آپ ﷺ نے اس سورت کی تلاوت کی اور فرمایا مجھے حکم الٰہی یہی ہے۔ کسی مجلس میں بیٹھیں تو پھر وہ مجلس برخاست ہو تو کیا پڑھنا چاہیے اسے ہم اپنی ایک مستقل تصنیف میں لکھ چکے ہیں۔ مسند احمد میں ہے کہ جب یہ سورۃ اتری تو حضور ﷺ اسے اکثر اپنی نماز میں تلاوت کرتے اور رکوع میں تین مرتبہ یہ پڑھتے ﴿سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ﴾ فتح سے مراد یہاں فتح مکہ ہے اس پر اتفاق ہے' عموماً عرب قبائل اسی کے منتظر تھے کہ اگر یہ اپنی قوم پر غالب آ جائیں اور مکہ معظمہ ان کے زیر نگیں آ جائے تو پھر ان کے نبی ہونے میں ذرا سا بھی شبہ نہیں۔ اب جب کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کے ہاتھوں مکہ معظمہ فتح کرا دیا تو یہ سب اسلام میں آ گئے' والحمد للہ۔

صحیح بخاری میں بھی حضرت عمرو بن سلمہ کا یہ مقولہ موجود ہے کہ مکہ معظمہ فتح ہوتے ہی ہر قبیلے نے اسلام کی طرف سبقت کی' ان سب کو اسی کا انتظار تھا اور کہتے تھے کہ انہیں اور ان کی قوم کو چھوڑ دو دیکھو اگر یہ نبی برحق ہیں تو اپنی قوم پر غالب آ جائیں گے اور مکہ معظمہ پر ان کا جھنڈا نصب ہو جائے گا۔ ہم نے غزوہ فتح مکہ کا پورا پورا واقعہ تفصیل کے ساتھ اپنی سیرت کی کتاب میں لکھا ہے جو صاحب تفصیلات دیکھنا چاہیں وہ اس کتاب کو دیکھ لیں 'فالحمد اللہ ۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ کے پڑوسی جب اپنے کسی سفر سے واپس آئے تو حضرت جابرؓ ان سے ملاقات کرنے کے لیے گئے انہوں نے لوگوں کی پھوٹ اور انکے اختلاف کا حال بیان کیا اور ان کی نو ایجاد بدعتوں کا تذکرہ کیا تو صحابی رسول ﷺ کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے اور روتے ہوئے فرمانے لگے کہ میں نے حبیب کبریا شافع روز جزا حضرت محمد مصطفے ﷺ سے سنا ہے کہ لوگوں کی فوجوں کی فوجیں اللہ کے دین میں داخل ہوئیں لیکن عنقریب جماعتوں کی جماعتیں ان میں سے نکلنے بھی لگ جائیں گی۔ اس سورۃ کی تفسیر ختم ہوئی' والحمد اللہ علی احسانہ

تفسیر سورۂ لھب مکیہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تَبَّتۡ یَدَاۤ اَبِیۡ لَہَبٍ وَّ تَبَّ ؕ﴿۱﴾ مَاۤ اَغۡنٰی عَنۡہُ مَالُہٗ وَ مَا کَسَبَ ؕ﴿۲﴾ سَیَصۡلٰی نَارًا ذَاتَ لَہَبٍ ۚۖ﴿۳﴾ وَّ امۡرَاَتُہٗ ؕ حَمَّالَۃَ الۡحَطَبِ ۚ﴿۴﴾ فِیۡ جِیۡدِہَا حَبۡلٌ مِّنۡ مَّسَدٍ ٪﴿۵﴾

میں اللہ کے نام سے پڑھتا ہوں جو بڑا مہربان نہایت رحیم ہے۔

ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹیں اور وہ خود ہلاک ہو گیا نہ تو اس کا مال اس کے کام آیا اور نہ اس کی کمائی۔ وہ عنقریب بھڑ کنے والی آگ میں جائے گا۔ اور اس کی بیوی بھی (جائیگی) جو لکڑیاں ڈھونے والی ہے' اس کی گردن میں پوست کھجور کی بٹی ہوئی رسی ہوگی۔

واقعہ نزول: صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ بطحاء میں جا کر ایک پہاڑی پر چڑھ گئے اور اونچی اونچی آواز سے ﴿یا صباحاہُ یا صباحاہُ﴾ کہنے لگے۔ قریش سب جمع ہو گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا اگر میں تم سے کہوں کہ صبح یا شام دشمن تم پر چھاپہ مارنے والا ہے تو کیا تم مجھے سچا سمجھو گے؟ سب نے جواب دیا جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا سنو! میں تمہیں اللہ تعالیٰ کے سخت عذاب کے آنے کی خبر دے رہا ہوں' تو ابولہب کہنے لگا تجھے ہلاکی ہو کیا اسی لیے تو نے ہمیں جمع کیا تھا۔ اس پر یہ سورۃ اتری (بخاری)۔ دوسری روایت میں ہے کہ یہ ہاتھ جھاڑتا ہوا یوں کہتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ ﴿تبّتْ﴾ بددعا ہے اور ﴿تبّ﴾ خبر ہے۔ یہ ابولہب آنحضرت ﷺ کا چچا تھا اس کا نام عبدالعزے بن عبدالمطلب تھا اس کی کنیت ابوعتبہ تھی' اس کے چہرے کی خوبصورتی اور چمک دمک کی وجہ سے اسے ابولہب یعنی شعلے والا کہا جاتا تھا' یہ حضور ﷺ کا بدترین دشمن تھا' ہر وقت ایذا دہی' تکلیف رسانی اور نقصان پہنچانے کے درپے رہا کرتا تھا۔ ربیعہ بن عباد دیلی اپنے اسلام لانے کے بعد اپنا جاہلیت کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ذوالمجاز کے بازار میں دیکھا کہ آپ ﷺ فرما رہے ہیں کہ لوگو ﴿لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ﴾ کہو تو فلاح پاؤ گے۔ لوگوں کا مجمع آپ ﷺ کے آس پاس لگا ہوا تھا' میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کے پیچھے ہی ایک گورے چٹے چمکتے چہرے والا بھینگی آنکھ والا جس کے سر کے بڑے بڑے بالوں کی دو مینڈھیاں تھیں آیا اور کہنے لگا ''لوگو! یہ بے دین ہے' جھوٹا ہے''۔ غرض آپ ﷺ لوگوں کے مجمع میں جا کر اللہ کی توحید کی دعوت دیتے تھے اور یہ شخص

پیچھے پیچھے یہ کہتا ہوا چلا جا رہا تھا۔ میں نے لوگوں سے پوچھا یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا یہ آپ ﷺ کا چچا ابولہب ہے۔ لعنہ اللہ (مسند احمد)۔

ابولہب کی مذمت: ابوالزناد نے راوی حدیث حضرت ربیعہ سے کہا کہ آپ تو اس وقت بچہ سے ہوں گے۔ فرمایا نہیں میں اس وقت خاصی عمر کا تھا، مشک لاد کر پانی بھر لایا کرتا تھا، دوسری روایت میں ہے کہ میں اپنے باپ کے ساتھ تھا میری جوان عمر تھی اور میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ ایک ایک قبیلے کے پاس جاتے اور فرماتے لوگو! میں تمہاری طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں، میں تم سے کہتا ہوں کہ ایک اللہ ہی کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، مجھے سچا جانو، مجھے میرے دشمنوں سے بچاؤ تاکہ میں اس کام کو بجا لاؤں جس کا مجھے حکم دے کر اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے۔ آپ ﷺ جہاں یہ پیغام پہنچا کر فارغ ہوتے کہ آپ ﷺ کا چچا ابولہب پیچھے سے پہنچتا، اور کہتا اے فلاں قبیلے کے لوگو! یہ شخص تو تمہیں لات و عزیٰ سے ہٹانا چاہتا ہے اور بنو مالک بن اقیش کے تمہارے حلیف جنوں سے تمہیں دور کر رہا ہے اور اپنی نئی لائی ہوئی گمراہی کی طرف تمہیں بھی گھسیٹ رہا ہے، خبردار! نہ اس کی سننا نہ ماننا (احمد و طبرانی)۔

اللہ تعالیٰ اس سورۃ میں فرماتا ہے کہ ابولہب برباد ہوا، اس کی کوشش غارت ہوئی، اس کے اعمال ہلاک ہوئے بالیقین اس کی بربادی ہو چکی، اس کی اولادیں اس کے کام نہ آئیں۔ ابن مسعودؓ فرماتیں ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے اپنی قوم کو اللہ کی طرف بلایا تو ابولہب کہنے لگا اگر میرے بھتیجے کی باتیں حق ہیں تو میں قیامت کے دن اپنا مال و اولاد اللہ کو فدیہ میں دے کر اس کے عذاب سے چھوٹ جاؤں گا، اس پر یہ آیت ﴿ماأغنی﴾ اتری۔ پھر فرمایا کہ یہ شعلے مارنے والی آگ میں جو سخت جلانے والی اور بہت تیز ہے داخل ہو گا، اور اس کی بیوی بھی، جو قریش عورتوں کی سردار تھی، اس کی کنیت ام جمیل تھی، نام اروی تھا، حرب ابن امیہ کی لڑکی تھی، ابوسفیان کی بہن تھی اور اپنے خاوند کے کفر و عناد اور سرکشی و دشمنی میں یہ بھی اس کے ساتھ تھی، اسی لیے قیامت کے دن عذابوں میں بھی اس کے ساتھ ہو گی، لکڑیاں اٹھا اٹھا کر لائیگی اور جس آگ میں اس کا خاوند جل رہا ہو گا ڈالتی جائے گی، اس کے گلے میں آگ کی رسی ہو گی، اور جہنم کا ایندھن سمیٹتی رہے گی۔ یہ معنے بھی کئے گئے ہیں کہ ﴿حمّالة الحطب﴾ سے مراد اس کا غیبت گو ہونا ہے۔ امام ابن جریرؒ اسی کو پسند کرتے ہیں۔ ابن عباسؓ وغیرہ نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ یہ جنگل سے خاردار لکڑیاں چن لاتی تھی اور حضور ﷺ کی راہ میں بچھا دیا کرتی تھی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ چونکہ یہ عورت نبی ﷺ کو فقیری کا طعنہ دیا کرتی تھی تو اسے اسکا لکڑیاں چننا یاد دلایا گیا، لیکن صحیح قول پہلا ہی ہے، واللہ اعلم۔

سعید ابن مسیبؒ فرماتے ہیں کہ اس کے پاس ایک نفیس ہار تھا کہتی تھی کہ میں اسے فروخت کر کے محمد ﷺ کی مخالفت میں خرچ کروں گی، تو یہاں فرمایا گیا کہ اس کے بدلے اس کے گلے میں آگ کا طوق ڈالا جائے گا۔ ﴿مسد﴾ کے معنے کھجوروں کی رسی کے ہیں۔ حضرت عروہؒ فرماتے ہیں کہ یہ جہنم کی زنجیر ہے جس کی ایک ایک کڑی ستر ستر گز کی ہے۔ ثوریؒ فرماتے ہیں کہ یہ جہنم کا طوق ہے جس کی لمبائی ستر ہاتھ ہے۔ جوہریؒ فرماتے ہیں کہ یہ اونٹ کی کھال کی اور اونٹ کے بالوں کی بنائی جاتی ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ یعنی لوہے کا طوق،

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالے عنہا فرماتی ہیں کہ جب یہ سورۃ اتری تو یہ بھینگی عورت ام جمیل بنت حرب اپنے ہاتھ میں نوکدار پتھر لیے یوں کہتی ہوئی حضور ﷺ کی پاس آئی۔

﴿ مُذَمَّمًا اَبَیْنَا وَدِیْنَهٗ قَلَیْنَا وَاَمْرَهٗ عَصَیْنَا ﴾

یعنی ہم مذمم کے منکر ہیں، اس کے دین کے دشمن ہیں، اور اس کے نافرمان ہیں۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ کعبۃ اللہ میں بیٹھے ہوئے تھے، آپ کے ساتھ میرے والد حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی تھے، صدیق اکبر نے اسے اس حالت میں دیکھ کر حضور ﷺ سے

عرض کیا کہ یارسول اللہ! یہ آ رہی ہے ایسا نہ ہو کہ آپ کو دیکھ لے۔ آپ نے فرمایا صدیق بے غم رہو یہ مجھے نہیں دیکھ سکتی۔ پھر آپ ﷺ نے قرآن کی تلاوت شروع کر دی تاکہ اس سے بچ جائیں۔ خود قرآن فرماتا ہے ﴿ وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَیْنَكَ وَبَیْنَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ﴾ یعنی جب تو قرآن پڑھتا ہے تو ہم تیرے اور ایمان نہ لانے والوں کے درمیان پوشیدہ پردے ڈال دیتے ہیں۔ یہ ڈائن آ کر حضرت ابو بکرؓ کے پاس کھڑی ہو گئی گو حضور ﷺ بھی حضرت صدیق اکبرؓ کے پاس ہی بالکل ظاہر بیٹھے ہوئے تھے، لیکن قدرتی حجابوں نے اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا وہ حضور ﷺ کو نہ دیکھ سکی۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ سے کہنے لگی کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تیرے ساتھی نے میری ہجو کی ہے، یعنی شعروں میں میری مذمت کی ہے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا نہیں نہیں رب البیت کی قسم حضور ﷺ نے تیری کوئی ہجو نہیں کی، تو یہ کہتی ہوئی لوٹ گئی کہ قریش جانتے ہیں کہ میں ان کے سردار کی بیٹی ہوں (ابن ابی حاتم)۔

ایک مرتبہ یہ اپنی لمبی چادر اوڑھے طواف کر رہی تھی پیر چادر میں الجھ گیا اور پھسل پڑی تو کہنے لگی مذمم غارت ہو۔ ام حکیم بنت عبدالمطلب نے کہا میں تو پاکدامن عورت ہوں اپنی زبان نہیں بگاڑوں گی اور دوست کرنی والی ہوں پس داغ نہ لگاؤں گی اور ہم سارے ایک ہی دادا کی اولاد میں ہیں اور قریش ہی، پھر تو زیادہ جاننے والے ہیں۔ بزار میں ہے کہ اس نے حضرت ابو بکر صدیقؓ سے کہا کہ تیرے ساتھی نے میری ہجو کی ہے تو حضرت صدیق اکبرؓ نے قسم کھا کر جواب دیا کہ نہ تو آپ ﷺ شعر گوئی جانتے ہیں نہ کبھی آپ ﷺ نے شعر کہے۔ اسکے جانے کے بعد حضرت صدیقؓ نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ یارسول اللہ! کیا اس نے آپ کو نہیں دیکھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا فرشتہ آڑ بن کر کھڑا ہوا تھا جب تک وہ واپس نہ چلی گئی۔

بعض اہل علم نے کہا ہے کہ اس کے گلے میں جہنم کی آگ کی رسی ہوگی جس سے اسے کھینچ کر جہنم کے اوپر لایا جائے گا پھر ڈھیلی چھوڑ کر جہنم کی تہہ میں پہنچایا جائے گا یہی عذاب اسے ہوتا رہے گا۔ ڈول کی رسی کو عرب ﴿مَسَد﴾ کہدیا کرتے۔ عربی شعروں میں بھی یہ لفظ اسی معنی میں لایا گیا ہے۔ یہاں یہ یاد رہے کہ یہ بابرکت سورۃ ہمارے نبی ﷺ کی نبوت کی ایک اعلیٰ دلیل ہے، کیونکہ جس طرح ان کی بدبختی کی خبر اس سورۃ میں دی گئی تھی اسی طرح واقعہ بھی ہوا، ان دونوں کو ایمان لانا آخر تک نصیب ہی نہ ہوا نہ تو وہ ظاہر میں مسلمان ہوئے نہ باطن میں نہ چھپے نہ کھلے۔ پس یہ سورۃ زبردست بہت صاف اور روشن دلیل ہے حضور ﷺ کی نبوت کی اس سورۃ کی تفسیر بھی ختم ہوئی، اللہ تعالیٰ ہی کے لیے سب تعریفیں ہیں اور اسی کے فضل و کرم اور اسی کے احسان و انعام کی یہ برکت ہے۔

تفسیر سورۂ اخلاص مکیہ

اس کا شان نزول اور اس کی فضیلت کا بیان: مسند احمد میں ہے کہ مشرکین نے حضور ﷺ سے کہا اپنے رب کے اوصاف بیان کرو، اس پر یہ سورۃ نازل ہوئی۔ صمد کے معنے ہیں جو نہ تو پیدا ہوا ہو نہ اس کی اولاد ہو، اس لیے کہ جو پیدا ہوا ہے وہ ایک وقت مرے گا بھی اور دوسرے اس کے وارث ہوں گے، اللہ عزوجل نہ مرے نہ اس کا کوئی وارث ہو، اس جیسا اور اس کی جنس کا کوئی نہیں، نہ اس کے مثل کوئی چیز ہے۔ ترمذی وغیرہ میں بھی یہ روایت ہے۔ ابویعلیٰ موصلی میں بھی ہے کہ ایک اعرابی نے یہ سوال کیا تھا اور روایت میں ہے کہ مشرکین کے اس سوال کے جواب میں یہ سورۃ اتری۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ہر چیز کی نسبت ہے اور اللہ کی نسبت یہ سورۃ ہے۔ صمد اسے کہتے ہیں جو کھوکھلا نہ ہو۔ بخاری کتاب التوحید میں ہے کہ حضور ﷺ نے ایک چھوٹا سا لشکر کہیں بھیجا جس وقت وہ پلٹے تو انہوں نے کہا کہ حضور ﷺ نے ہم پر جسے سردار بنایا تھا وہ ہر نماز کی قرات کے خاتمہ پر سورۃ ﴿ قُلْ هُوَ اللّٰهُ ﴾ الخ پڑھا کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ان سے پوچھو کہ وہ ایسا کیوں کرتے تھے۔ پوچھنے پر انہوں نے کہا کہ یہ سورۃ رحمٰن کی صفت ہے،

مجھے اس کا پڑھنا بہت ہی پسند ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا انہیں خبر دو کہ اللہ بھی اس سے محبت رکھتا ہے۔

بخاری کتاب الصلوۃ میں ہے کہ ایک انصاریؓ مسجد قبا کے امام تھے ان کی عادت تھی کہ الحمد ختم کر کے پھر اس سورۃ کو پڑھتے پھر جو نسی سورۃ پڑھنی ہوتی یا جہاں سے چاہتے قرآن پڑھتے۔ ایک دن مقتدیوں نے کہا کہ آپ اس سورۃ کو پڑھتے ہیں پھر دوسری سورۃ ملاتے ہیں یہ کیا؟ یا تو آپ صرف اسی کو پڑھئے یا چھوڑ دیجیے دوسری سورۃ ہی پڑھا کیجیے۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں تو جس طرح کرتا ہوں کرتا رہوں گا، تم چاہو تو مجھے امام رکھو، کہو تو میں تمہاری امامت چھوڑ دوں۔ اب انہیں یہ بات بھاری پڑی، جانتے تھے کہ ان سب میں یہ زیادہ افضل ہیں، ان کی موجودگی میں دوسرے کا نماز پڑھانا بھی انہیں گوارہ نہ ہو سکا۔ ایک دن جب کہ حضور ﷺ ان کے پاس تشریف لائے تو ان لوگوں نے آپ ﷺ سے یہ واقعہ بیان کیا۔ آپ ﷺ نے امام صاحب سے فرمایا کہ تم کیوں اپنے ساتھیوں کی بات نہیں مانتے اور ہر رکعت میں اس سورۃ کو کیوں پڑھتے ہو؟ وہ کہنے لگے یا رسول اللہ! مجھے اس سورۃ سے محبت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس کی محبت نے تجھے جنت میں پہنچا دیا۔ ترمذی اور مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے آپ ﷺ سے کہا کہ میں اس سورۃ سے بہت محبت رکھتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس کی محبت نے تجھے جنت میں پہنچا دیا۔ ایک شخص نے کسی کو اس سورۃ کو پڑھتے ہوئے رات کے وقت سنا کہ وہ بار بار اسی کو دہرا رہا ہے، صبح کے وقت آ کر اس نے حضور ﷺ سے ذکر کیا گویا کہ وہ اسے ہلکے ثواب کا کام جانتا تھا، تو نبی ﷺ نے فرمایا اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے یہ سورۃ مثل تہائی قرآن کے ہے (بخاری)۔

صحیح بخاری کی اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحابؓ سے فرمایا کہ کیا تم سے یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک رات میں ایک تہائی قرآن پڑھ لو تو یہ صحابیؓ پر بھاری پڑا اور کہنے لگے بھلا اتنی طاقت تو ہر ایک میں نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا سنو سورۃ ﴿ **قُلْ هُوَ اللّٰهُ** ﴾ الخ تہائی قرآن ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت قتادہ بن نعمانؓ ساری رات اسی سورت کو پڑھتے رہے، حضور ﷺ سے جب ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ سورۃ آدھے قرآن یا تہائی قرآن کے برابر ہے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ابوایوب انصاریؓ نے فرمایا کہ کیا تم میں سے کسی کو اس کی طاقت ہے کہ وہ ہر رات تیسرا حصہ قرآن کا پڑھ لیا کرے۔ صحابہؓ کہنے لگے یہ کس سے ہو سکے گا؟ آپ نے فرمایا سنو ﴿ **قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ** ﴾ تہائی قرآن کے برابر ہے۔ اتنے میں رسول اللہ ﷺ بھی تشریف لائے آپ ﷺ نے سن لیا اور فرمایا کہ ابوایوب سچ کہتے ہیں (مسند احمد)۔

ترمذی میں ہے کہ رسول مقبول ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ جمع ہو جاؤ میں تمہیں آج تہائی قرآن سناؤں گا، لوگ جمع ہو کر بیٹھ گئے آپ ﷺ گھر سے تشریف لائے سورۃ ﴿ **قُلْ هُوَ اللّٰهُ** ﴾ الخ پڑھی اور پھر گھر تشریف لے گئے۔ اب صحابہؓ میں باتیں ہونے لگیں کہ وعدہ تو حضور ﷺ کا یہ تھا کہ تہائی قرآن سنائیں گے شاید آسمان سے کوئی وحی آ گئی ہو۔ اتنے میں آپ ﷺ پھر واپس تشریف لائے اور فرمایا میں نے تم سے تہائی قرآن سنانے کا وعدہ کیا تھا، سنو! یہ سورۃ تہائی قرآن کے برابر ہے۔ حضرت ابوالدرداءؓ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم اس سے عاجز ہو کہ ہر دن تہائی قرآن کریم پڑھ لیا کرو۔ لوگوں نے عرض کیا حضور! ہم اس سے بہت عاجز اور بہت ضعیف ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا سنو! اللہ تعالیٰ نے قرآن کے تین حصے کیے ہیں ﴿ **قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ** ﴾ الخ تیسرا حصہ ہے (مسلم و نسائی وغیرہ)۔ ایسی ہی روایتیں صحابہ کرامؓ کی ایک بہت بڑی جماعت سے مروی ہیں۔ آنحضرت ﷺ ایک مرتبہ کہیں سے تشریف لا رہے تھے آپ ﷺ کے ساتھ حضرت ابوہریرہؓ بھی تھے تو آپ ﷺ نے ایک شخص کو اس سورۃ کی تلاوت کرتے ہوئے سن کر فرمایا کہ واجب ہو گئی۔ حضرت ابوہریرہؓ نے پوچھا کیا واجب ہو گئی؟ فرمایا جنت (ترمذی و نسائی)۔ ابو یعلی کی ایک ضعیف حدیث میں ہے کہ کیا تم میں سے کوئی یہ طاقت نہیں رکھتا کہ سورۃ ﴿ **قُلْ هُوَ اللّٰهُ** ﴾ الخ کو رات میں تین مرتبہ پڑھ لے؟ یہ سور تہائی تہائی قرآن کے برابر ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ عبداللہ ابن حبیبؓ فرماتے ہیں کہ ہم پیاسے تھے رات اندھیری تھی

حضور ﷺ کا انتظار تھا کہ آپ ﷺ تشریف لائیں اور نماز پڑھائیں' آپ ﷺ تشریف لائے اور میرا ہاتھ پکڑ کر فرمانے لگے پڑھ' میں چپکا رہا۔ آپ ﷺ نے پھر فرمایا پڑھ' میں نے عرض کیا کیا پڑھوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہر صبح و شام تین تین مرتبہ سورۃ ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ اور ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ اور ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ پڑھ لیا کر' یہ کافی ہو جائے گی۔

اس سورت کے مذید فضائل: نسائی کی ایک روایت میں ہے ہر چیز سے تجھے یہ کفایت کرے گی۔ مسند کی ایک اور ضعیف حدیث میں ہے کہ جس نے ان کلمات کو دس مرتبہ پڑھ لیا اسے چالیس لاکھ نیکیاں ملیں گی' وہ کلمات یہ ہیں ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاحِدًا اَحَدًا صَمَدًا لَمْ يَتَّخِذْ صَاحِبَةً وَّ لَا وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ﴾ اس کے راوی خلیل بن مرہ ہیں جنہیں حضرت امام بخاری وغیرہ بہت ضعیف بتلاتے ہیں۔ مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جو شخص اس پوری سورۃ کو دس مرتبہ پڑھ لے گا اللہ تعالیٰ اسکے لیے جنت میں ایک محل تعمیر کرے گا۔ حضرت عمرؓ نے کہا یا رسول اللہ! پھر تو ہم بہت سے محل بنوالیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ اس سے بھی زیادہ اور اس سے بھی اچھے دینے والا ہے۔ دارمی میں ہے کہ۔ (۱۰) دس مرتبہ پر ایک محل بیس پر دو تیں پر تیں الخ۔ یہ حدیث مرسل ہے۔ ابو یعلیٰ موصلی کی ایک ضعیف حدیث میں ہے کہ جو شخص اس سورۃ کو پچاس مرتبہ پڑھ لے تو اسکے پچاس سال کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اسی کی ایک اور ضعیف سند والی حدیث میں ہے کہ جو شخص اس سورہ کو ایک دن میں دو سو مرتبہ پڑھ لے اس کے لیے ایک ہزار پانچ سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں بشرطیکہ اس پر قرض نہ ہو۔ ترمذی کی ایک حدیث میں ہے کہ اس کے پچاس سال کے گناہ معاف کئے جاتے ہیں مگر یہ کہ اس پر قرض نہ ہو۔ ترمذی کی ایک غریب حدیث میں ہے کہ جو شخص سونے کے لیے اپنے بستر پر جائے پھر داہنی کروٹ پر لیٹ کر سو دفعہ اس سورۃ کو پڑھ لے تو قیامت کے دن رب عزوجل فرمائے گا اے میرے بندے اپنی داہنی طرف سے جنت میں چلا جا۔ بزار کی ایک ضعیف حدیث میں ہے کہ جو شخص اس سورہ کو دو سو مرتبہ پڑھے اللہ تعالیٰ اس کے دو سو سال کے گناہ معاف فرمادیتا ہے۔ نسائی میں اس آیت کی تفسیر میں ہے کہ نبی ﷺ مسجد میں تشریف لائے تو دیکھا کہ ایک شخص نماز پڑھ رہا ہے دعا مانگ رہا ہے' اپنی دعا میں کہتا ہے ﴿اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِاَنِّیْ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ يَلِدْ وَ لَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ﴾ یعنی اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس بات کی گواہی دے کر کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو اکیلا ہے' بے نیاز ہے نہ اس کے ماں باپ نہ اولاد نہ ہمسر اور ساتھی کوئی اور۔ آپ ﷺ یہ سن کر فرمانے لگے اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس نے اسم اعظم کے ساتھ دعا مانگی ہے' اللہ کے اس بڑے نام کے ساتھ کہ جب کبھی اس نام کے ساتھ سوال کیا جائے تو عطا ہو اور جب کبھی اس نام کے ساتھ دعا کی جائے تو قبول ہو۔ ابو یعلی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ تین کام ہیں جو انہیں ایمان کے ساتھ کر لے وہ جنت کے تمام دروازوں میں سے جس سے چاہے جنت میں چلا جائے اور جس کسی حور جنت سے چاہے نکاح کرا دیا جائے۔ جو اپنے قاتل کو معاف کر دے' اور پوشیدہ قرض ادا کر دے' اور ہر فرض نماز کے بعد دس مرتبہ سورۃ ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ الخ کو پڑھ لے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے پوچھا یا رسول اللہ! جو ان تینوں کاموں میں سے ایک کر لے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ایک پر بھی درجہ ہے۔ طبرانی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جو شخص اس سورہ کو گھر میں جاتے وقت پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ اس گھر والوں سے اور اس کے پڑوسیوں سے فقیری دور کر دے گا۔ اس کی اسناد ضعیف ہے۔

فائدہ: مسند ابو یعلی میں ہے کہ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ میدان تبوک میں تھے' سورج ایسی روشنی نور اور شعاعوں کے ساتھ نکلا کہ ہم نے اس سے پہلے ایسا صاف شفاف اور روشن و منور نہیں دیکھا تھا' حضور ﷺ کے پاس جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے تو حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ آج سورج کی اس تیز روشنی اور زیادہ نور اور چمکیلی شعاعوں کی کیا وجہ ہے؟ تو آپ نے فرمایا آج مدینہ میں حضرت معاویہؓ بن معاویہ کا انتقال ہو گیا ہے جن کے جنازے کی نماز کے لیے اللہ تعالیٰ نے ستر

ہزار فرشتے آسمان سے بھیجے ہیں۔ پوچھا ان کے کس عمل کے باعث؟ فرمایا وہ سورۂ ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ الخ کو دن رات چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے پڑھا کرتے تھے۔ اگر آپ ﷺ کا ارادہ ہو تو میں زمین سمیٹ لوں اور آپ ﷺ ان کے جنازے کی نماز ادا کرلیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا بہت اچھا۔ پس آپ ﷺ نے ان کے جنازے کی نماز ادا کی۔ اس حدیث کو حافظ ابوبکر بیہقیؒ بھی اپنی کتاب ''دلائل النبوہ'' میں یزید بن ہارون کی روایت سے لائے ہیں' وہ علاء بن محمد سے روایت کرتے ہیں' ان پر موضوع حدیثیں بیان کرنے کی تہمت ہے' واللہ اعلم۔ مسند ابو یعلی میں اس کی دوسری سند بھی ہے جس میں یہ راوی نہیں' اس میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام رسول مقبول ﷺ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ معاویہ بن معاویہ لیثیؓ کا انتقال ہو گیا ہے' کیا آپ ﷺ ان کے جنازے کی نماز پڑھنا چاہتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اپنا پر مارا تمام درخت اور سب ٹیلے وغیرہ پست ہو گئے ان کا جنازہ حضور ﷺ کو نظر آنے لگا' آپ ﷺ نے نماز شروع کی اور آپ ﷺ کے پیچھے فرشتوں کی دو صفیں تھیں ہر صف میں ستر ہزار فرشتے تھے' آپ ﷺ نے دریافت کیا کہ آخر اس مرتبہ کی کیا وجہ ہے؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا ان کی اس سورہ سے محبت اور ہر وقت آتے جاتے اٹھتے بیٹھتے اس کی تلاوت۔ اسے بیہقی نے بھی روایت کیا ہے' اور بیہقی کی سند میں محبوب بن ہلال ہیں۔

ابو حاتم رازیؒ فرماتے ہیں کہ یہ مشہور نہیں۔ ابو یعلے میں یہ راوی نہیں وہاں ان کی جگہ ابو عبداللہ محمود ہیں' لیکن ٹھیک بات محبوب کا ہونا ہے۔ اس روایت کی اور بھی بہت سی سندیں ہیں اور سب ضعیف ہیں' ہم نے اختصار کے لیے انہیں یہاں نقل نہیں کیا۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت عقبہ بن عامرؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز میری رسول اللہ ﷺ سے ملاقات ہوئی میں نے جلدی سے آپ ﷺ کا ہاتھ تھام لیا اور کہا یا رسول اللہ! مومن کی نجات کس عمل پر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اے عقبہؓ! زبان تھامے رکھ اپنے گھر میں ہی بیٹھا رہا کر اور اپنی خطاؤں پر روتا رہ۔ پھر دوبارہ جب حضور ﷺ سے میری ملاقات ہوئی تو آپ ﷺ نے خود میرا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا عقبہ! کیا میں تمہیں تورات اور انجیل اور زبور اور قرآن میں اتری ہوئی تمام سورتوں سے بہتر تین سورتیں بتاؤں؟ میں نے کہا ہاں حضور! ضرور ارشاد فرمایئے۔ اللہ تعالیٰ مجھے آپ ﷺ پر فدا کرے۔ پس آپ نے مجھے سورۂ ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ اور ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ اور ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ پڑھائیں۔ پھر فرمایا دیکھو عقبہؓ! انہیں نہ بھولنا اور ہر رات انہیں پڑھ لیا کرنا۔ فرماتے ہیں کہ پھر میں نہ انہیں بھولا اور نہ کوئی رات ان کے پڑھے بغیر گزاری۔ میں نے پھر آپ ﷺ سے ملاقات کی اور جلدی کر کے آپ ﷺ کے دست مبارک کو اپنے ہاتھ میں لے کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے بہترین اعمال کا ارشاد فرمایئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا سن! جو تجھ سے توڑے تو اس سے جوڑ' جو تجھے محروم رکھے تو اسے دے' جو تجھ پر ظلم کرے تو اسے سے درگزر کر' اور معاف کر دے۔ اس کا بعض حصہ امام ترمذیؒ نے بھی زہد کے باب میں وارد کیا ہے اور فرمایا ہے یہ حدیث حسن ہے۔ مسند احمد میں بھی اس کی اور سند ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ رات کے وقت جب بستر پر تشریف لے جاتے تو ہر رات ان تینوں سورتوں کو پڑھ کر اپنی دونوں ہتھیلیاں ملا کر ان پر دم کر کے اپنے جسم مبارک پر پھیر لیا کرتے جہاں تک ہاتھ پہنچتے پہنچاتے پہلے سر پر پھر منہ پر پھر اپنے سامنے کے جسم پر تین مرتبہ اسی طرح کرتے' یہ حدیث سنن میں بھی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ ① اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۚ ② لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۙ ③ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ④

میں اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والے مہربان کے نام سے شروع کرتا ہوں۔

کہدے کہ وہ اللہ تعالیٰ ایک ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے' نہ اس سے کوئی پیدا ہوا' نہ وہ کسی سے پیدا ہوا' اور نہ کوئی اسکا ہم جنس ہے۔

اللہ کی توحید کا بیان: اس کے نازل ہونے کی وجہ پہلے بیان ہو چکی ہے۔ حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں کہ یہود کہتے تھے ہم حضرت عزیر علیہ السلام کو پوجتے ہیں جو اللہ کے بیٹے ہیں اور نصرانی کہتے تھے کہ ہم حضرت مسیح علیہ السلام کو پوجتے ہیں جو اللہ کے بیٹے ہیں اور مجوسی کہتے تھے ہم سورج چاند کی پرستش کرتے ہیں اور مشرک کہتے تھے۔ ہم بت پرست ہیں' تو اللہ تعالیٰ نے یہ سورۃ اتاری کہ اے نبی! تم کہہ دو کہ ہمارا معبود تو اللہ تعالیٰ ہے جو واحد ہے احد ہے جس جیسا کوئی نہیں' جس کا کوئی وزیر نہیں جس کا کوئی شریک نہیں' جس کا کوئی ہمسر نہیں' جس کا کوئی ہم جنس نہیں' جس کا برابر اور کوئی نہیں' جس کے سوا کسی میں الوہیت نہیں' اس لفظ کا اطلاق صرف اسی کی ذات پاک پر ہوتا ہے' وہ اپنی صفتوں میں اور اپنے حکمت بھرے کاموں میں یکتا اور بے نظیر ہے۔ وہ صمد ہے یعنی ساری مخلوق اس کی محتاج ہے اور وہ سب سے بے نیاز ہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ صمد وہ ہے جو اپنی سرداری میں اپنی شرافت میں اپنی بزرگی میں اور اپنی عظمت میں اپنے حلم و علم میں اپنی حکمت و تدبر میں سب سے بڑھا ہوا ہو' یہ صفتیں صرف اللہ تعالیٰ جل شانہ' میں ہی پائی جاتی ہیں' اس کا ہمسر اور اس جیسا کوئی اور نہیں' وہ اللہ سبحانہ و تعالےٰ سب پر غالب ہے اور اپنی ذات و صفات میں یکتا اور بے نظیر ہے۔ صمد کے یہ معنے بھی کئے گئے ہیں کہ جو تمام مخلوق کے فنا ہو جانے کے بعد بھی باقی رہے' جو ہمیشہ بقاوالا سب کی حفاظت کرنے والا ہو' جس کی ذات لازوال اور غیر فانی ہو۔

حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں کہ صمد وہ ہے جو نہ کچھ کھائے نہ اس میں سے کچھ نکلے' نہ وہ کسی میں سے نکلے یعنی نہ اس کی اولاد ہو نہ ماں باپ' یہ تفسیر بہت اچھی اور عمدہ ہے' اور ابن جریرؒ کی روایت سے حضرت ابی بن کعبؓ سے صراحتاً یہ مروی ہے جیسے کہ پہلے گزرا۔ اور بہت سے صحابہؓ اور تابعینؒ سے مروی ہے کہ صمد کہتے ہیں ٹھوس چیز کو جو کھوکھلی نہ ہو' جس کا پیٹ نہ ہو۔ شعبیؒ کہتے ہیں جو نہ کھاتا ہو نہ پیتا ہو۔ عبداللہ ابن بریدہؒ فرماتے ہیں صمد وہ نور ہے جو روشن ہو اور چمک دمک والا ہو۔ ایک مرفوع حدیث میں بھی ہے کہ صمد وہ ہے جس کا پیٹ نہ ہو۔ لیکن اس کا مرفوع ہونا ٹھیک نہیں' صحیح یہ ہے کہ موقوف ہے۔

حافظ ابوالقاسم طبرانی اپنی "کتاب السنہ" میں لفظ صمد کی تفسیر میں ان تمام اقوال وغیرہ کو وارد کر کے لکھتے ہیں کہ دراصل یہ سب سچے ہیں' اور صحیح ہیں یہ کل صفتیں ہمارے رب عزوجل میں ہیں' اس کی طرف سب محتاج بھی ہیں وہ سب سے بڑھ کر سردار اور سب سے بڑا ہے' اسے نہ پیٹ ہے نہ وہ کھوکھلا ہے نہ وہ کھائے نہ پیئے' سب فانی ہیں اور وہ باقی ہے وغیرہ پھر فرمایا کہ اس کی اولاد نہیں نہ اس کے ماں باپ ہیں نہ بیوی۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنّٰی یَکُوْنُ لَہٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَکُنْ لَّہٗ صَاحِبَۃٌ وَّ خَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ﴾ یعنی وہ زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا ہے' اسے اولاد کیسے ہو گی؟ اس کی بیوی نہیں۔ ہر چیز کو اسی نے پیدا کیا ہے' یعنی وہی ہر چیز کا خالق مالک ہے۔ پھر اس کی مخلوق اور ملکیت میں سے اس کی برابری اور ہمسری کرنے والا کون ہو گا؟ وہ ان تمام عیوب اور نقصان سے پاک ہے' جیسے اور جگہ فرمایا ﴿قَالُوْا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا﴾ الخ یعنی یہ کفار کہتے ہیں کہ اللہ کی اولاد ہے' تم تو ایک بڑی بری چیز لائے' قریب ہے کہ آسمان پھٹ جائیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ پارہ پارہ ہو کر گر پڑیں اس بناء پر کہ انہوں نے کہا کہ اللہ کی اولاد ہے' حالانکہ اللہ کو یہ لائق ہی نہیں کہ اس کی اولاد ہو' تمام زمین و آسمان میں کل کے کل اللہ کے غلام ہی بن کر آنے والے ہیں' اللہ کے پاس تمام کا شمار ہے اور انہیں ایک ایک کر کے گن رکھا ہے' اور یہ سب کے سب تنہا تنہا اس کے پاس قیامت کے دن حاضر ہونے والے ہیں۔ اور جگہ ہے ﴿وَقَالُوْا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحَانَہٗ بَلْ﴾ الخ یعنی ان کافروں نے کہا کہ رحمٰن کی اولاد ہے' اللہ اس سے پاک ہے' بلکہ وہ تو اللہ کے باعزت بندے ہیں' بات میں بھی اس سے سبقت نہیں کرتے اسی کے فرمان پر عامل ہیں۔ اور جگہ ہے ﴿وَجَعَلُوْا بَیْنَہٗ وَبَیْنَ الْجِنَّۃِ

نَسَبًا﴾ الخ یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اور جنات کے درمیان نسب قائم کر رکھا ہے' حالانکہ جنات تو خود اس کی فرمانبرداری میں حاضر ہیں' اللہ تعالیٰ ان کے بیان کردہ عیوب سے پاک و برتر ہے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ ایذا دینے والی باتوں کو سنتے ہوئے صبر کرنے میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ صابر کوئی نہیں' لوگ اس کی اولاد بتاتے ہیں اور پھر بھی وہ انہیں روزیاں دیتا ہے اور عافیت و تندرستی عطا فرماتا ہے۔ بخاری کی اور روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ابن آدم مجھے جھٹلاتا ہے حالانکہ اسے ایسا نہ چاہیے' مجھے گالیاں دیتا ہے اور اسے یہ لائق بھی نہ تھا' اس کا مجھے جھٹلانا تو یہ ہے کہ وہ کہتا ہے جس طرح اولاً اللہ نے مجھے پیدا کیا ایسے ہی پھر نہیں لوٹائے گا۔ حالانکہ پہلی مرتبہ کی پیدائش دوسری مرتبہ کی پیدائش سے آسان تو نہ تھی جب میں اس پر قادر ہوں تو اس پر کیوں نہیں؟ اور اس کا مجھے گالیاں دینا یہ ہے کہ وہ کہتا ہے اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے' حالانکہ میں تنہا ہوں' میں ایک ہی ہوں' میں صمد ہوں' نہ میری اولاد نہ میرے ماں باپ' نہ مجھ جیسا کوئی اور۔

﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰه ﴾ سورۃ اخلاص کی تفسیر اللہ کے فضل و کرم اور اس کے لطف و رحم سے ختم ہوئی۔

تفسیر سورہ فلق اور سورۂ ناس (مدنی یا مکی)

تعارف اور فضائل: مسند احمد میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس سورۃ کو اور اس کے بعد کی سورۃ کو قرآن میں نہیں لکھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ میری گواہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے خبر دی کہ جبرئیل علیہ السلام نے آپ ﷺ سے فرمایا ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ﴾ الخ تو میں نے بھی یہی کہا۔ پھر فرمایا ﴿ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ﴾ الخ تو میں نے یہی کہا۔ تو ہم بھی اس طرح کہتے ہیں جس طرح حضور ﷺ نے کہا۔ حضرت ابی بن کعبؓ سے ان دونوں سورتوں کے بارے میں پوچھا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ آپ کے بھائی حضرت ابن مسعودؓ تو ان دونوں کو قرآن کریم میں سے کاٹ دیا کرتے تھے تو فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا مجھ سے کہا گیا کہو' میں نے کہا۔ پس ہم بھی کہتے ہیں جس طرح حضور ﷺ نے کہا (ابو بکر حمیدی)۔ مسند میں بھی یہ روایت الفاظ کے ہیر پھیر کے ساتھ مروی ہے اور بخاری شریف میں بھی۔ مسند ابو یعلیٰ وغیرہ میں ہے کہ ابن مسعودؓ ان دونوں سورتوں کو قرآن کریم میں نہیں لکھتے تھے اور نہ قرآن میں انہیں شمار کرتے تھے' بلکہ قاریوں اور فقیہوں کے نزدیک مشہور بات یہی ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ ان دونوں سورتوں کو قرآن کریم میں نہیں لکھتے تھے' شاید انہوں نے آنحضرت ﷺ سے نہ سنا ہو اور تواتر کے ساتھ ان تک نہ پہنچا ہو۔

فائدہ: پھر یہ اپنے اس قول سے رجوع کر کے جماعت کے قول کی طرف پلٹ آتے ہیں۔

صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے ان سورتوں کو آئمہ کے قرآن میں داخل کیا' جس کے نسخے چوطرف پھیلے' وللہ الحمد والمنۃ۔ صحیح مسلم میں حضرت عقبہ بن عامرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم نے نہیں دیکھا کہ چند آیتیں مجھ پر اس رات ایسی نازل ہوئی ہیں جن جیسی کبھی نہیں دیکھی گئیں۔ پھر آپ ﷺ نے ان دونوں سورتوں کی تلاوت فرمائی۔ یہ حدیث مسند احمد میں ترمذی میں اور نسائی میں بھی ہے۔ امام ترمذی اسے حسن صحیح کہتے ہیں۔

مسند احمد میں ہے کہ حضرت عقبہؓ فرماتے ہیں کہ میں حضور ﷺ کے ساتھ مدینہ کی گلیوں میں آپ ﷺ کی سواری کی نکیل تھامے چلا جا رہا تھا کہ آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا' اب آؤ تم سوار ہو جاؤ۔ میں نے اس خیال سے کہ اگر آپ ﷺ کی بات نہ مانوں گا تو نافرمانی ہو گی' سوار ہونا منظور کر لیا' تھوڑی دیر کے بعد میں اتر گیا اور حضور ﷺ سوار ہو گئے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا عقبہؓ! میں تجھے دو بہترین سورتیں کیا نہ سکھاؤں'؟ میں نے عرض کیا ہاں یارسول اللہ! ضرور سکھائیے' پس آپ ﷺ نے مجھے سورۃ ﴿

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ﴾ اور ﴿ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ﴾ سکھائیں پھر نماز کھڑی ہوئی آپ ﷺ نے نماز پڑھائی اور ان ہی دونوں سورتوں کی تلاوت کی' پھر مجھ سے فرمایا تو نے دیکھ لیا' سن جب تو سوئے اور جب کھڑا ہوا نہیں پڑھ لیا کر۔ ترمذی' ابوداؤد اور نسائی میں بھی یہ حدیث ہے۔

مسند احمد کی اور حدیث میں ہے کہ حضرت عقبہ بن عامرؓ کو رسول اللہ ﷺ نے ہر نماز کے وقت ان سورتوں کی تلاوت کا حکم دیا۔ یہ حدیث بھی ابوداؤد' ترمذی اور نسائی میں ہے' امام ترمذیؒ اسے غریب بتلاتے ہیں اور روایت میں ہے کہ ان جیسی سورتیں تو نے پڑھی ہی نہیں۔ حضرت عقبہؓ والی حدیث جس میں حضور ﷺ کی سواری کیساتھ آپ کا ہونا مذکور ہے' اس کے بعض طرق میں یہ بھی ہے کہ جب حضور ﷺ نے مجھے یہ سورتیں بتلائیں تو مجھے کچھ زیادہ خوش ہوتے نہ دیکھ کر فرمایا کہ شاید تو انہیں چھوٹی سی سورتیں سمجھتا ہے' سن! نماز کے قیام میں ان جیسی سورتوں کی قرات اور ہے ہی نہیں نسائی کی حدیث میں کہ ان جیسی سورتیں کسی پناہ پکڑنے والے کے لیے اور نہیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عقبہؓ سے یہ سورتیں حضور ﷺ نے پڑھوائیں پھر فرمایا کہ ان جیسی پناہ مانگنے کی اور سورتیں نہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ صبح کی فرض نماز حضور ﷺ نے ان ہی دونوں سورتوں سے پڑھائیں۔

اور حدیث میں ہے کہ حضرت عقبہؓ حضور ﷺ کی سواری کے پیچھے جاتے ہیں اور آپ ﷺ کے قدم پر ہاتھ رکھ کر عرض کرتے ہیں حضور! مجھے سورۂ ھود یا سورۂ یوسف پڑھایئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ کے پاس نفع دینے والی کوئی سورۂ ﴿ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ﴾ سے زیادہ نہیں۔ اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے چچا حضرت عباسؓ سے فرمایا کہ میں تمہیں بتاؤں کہ پناہ حاصل کرنے والوں کے لیے ان دونوں سورتوں سے افضل سورۂ اور کوئی نہیں۔ پس بہت سی حدیثیں اپنے تواتر کی وجہ سے اکثر علماء کے نزدیک قطعیت کا فائدہ دیتی ہیں' اور وہ حدیث بھی بیان ہو چکی کہ آپ ﷺ نے ان دونوں سورتوں اور سورۂ اخلاص کی نسبت فرمایا کہ چاروں کتابوں میں ان جیسی سورتیں نہیں اتریں۔

نسائی وغیرہ میں ہے کہ ہم حضور ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے' سواریاں کم تھیں باری باری سوار ہوتے تھے' حضرت ﷺ نے ایک شخص کے مونڈھوں پر ہاتھ رکھ کر یہ دونوں سورتیں پڑھائیں اور فرمایا جب نماز پڑھے تو انہیں پڑھا کر۔ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص حضرت عقبہ بن عامرؓ ہوں گے' واللہ اعلم۔ حضرت عبداللہ بن اسلم کے سینے پر ہاتھ رکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا کہہ وہ نہ سمجھے کہ کیا کہیں' پھر فرمایا کہہ تو انہوں نے سورۃ ﴿ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ﴾ الخ پڑھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہہ پھر سورۂ فلق پڑھی۔ آپ ﷺ نے پھر بھی یہی فرمایا تو سورۂ ناس پڑھی تو آپ ﷺ نے فرمایا اسی طرح پناہ مانگا کر اس جیسی پناہ مانگنے کی اور سورتیں نہیں (نسائی)۔

نسائی کی اور حدیث میں ہے کہ حضرت جابرؓ سے یہ دونوں سورتیں آپ ﷺ نے پڑھوائیں' پھر فرمایا انہیں پڑھتا رہ ان جیسی سورتیں تو اور نہ پڑھے گا۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا والی وہ حدیث پہلے گزر چکی ہے کہ حضور ﷺ انہیں پڑھ کر اپنے دونوں ہاتھوں پر پھونک کر اپنے سر چہرے اور سامنے جسم پر پھیر لیتے تھے۔ موطا امام مالکؒ میں ہے کہ جب نبی ﷺ بیمار پڑتے تو ان دونوں سورتوں کو پڑھ کر اپنے اوپر پھونک لیا کرتے تھے' جب آپ ﷺ کی بیماری سخت ہوئی تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا معوذات پڑھ کر خود آپ ﷺ کے ہاتھوں کو آپ ﷺ کے جسم مبارک پر پھیرتی تھیں' اور اس سے قصد آپ کا آپ ﷺ کے ہاتھوں کی برکت کا ہوتا تھا۔ سورۂ ن کی تفسیر کے آخر میں یہ حدیث گزر چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جنات کی اور انسانوں کی آنکھوں سے پناہ مانگا کرتے تھے' جب یہ دونوں سورتیں اتریں تو آپ ﷺ نے انہیں لے لیا' اور باقی سب چھوڑ دیں۔ امام ترمذیؒ اسے حسن صحیح فرماتے ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ﴿۱﴾ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ﴿۲﴾ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ﴿۳﴾ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ ﴿۴﴾ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ﴿۵﴾

اللہ تعالیٰ مہربانی اور رحم کرنے والے کے نام سے شروع کرتا ہوں۔

تو کہہ کہ میں صبح کے رب کی پناہ میں آتا ہوں' ہر اس چیز کی برائی سے جو اس نے پیدا کی ہے' اور اندھیری رات کی برائی سے جب اس کا اندھیرا پھیل جائے۔ اور گرہ لگا کر ان میں پھونکنے والیوں کی برائی سے بھی اور حسد کرنے والے کی برائی سے بھی جب وہ حسد کرے۔

فلق کا معنی: حضرت جابرؓ وغیرہ فرماتے ہیں فلق کہتے ہیں صبح کو خود قرآن میں اور جگہ ہے ﴿ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ﴾ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ فلق سے مراد مخلوق ہے۔ حضرت کعب احبارؒ فرماتے ہیں کہ فلق جہنم میں ایک جگہ ہے جب اس کا دروازہ کھلتا ہے تو اس کی آگ کی گرمی اور سختی کی وجہ سے تمام جہنمی چیخنے لگتے ہیں۔ ایک مرفوع حدیث میں بھی اسی کے قریب قریب مروی ہے لیکن وہ حدیث منکر ہے۔ یہ بھی بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ جہنم کا نام ہے۔

امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ سب سے زیادہ ٹھیک قول پہلا ہی ہے' یعنی مراد اس سے صبح ہے۔ امام بخاریؒ بھی یہی فرماتے ہیں' اور یہی صحیح ہے۔ تمام مخلوق کی برائی سے جس میں جہنم بھی داخل ہے' اور ابلیس اور اولاد ابلیس بھی۔ غاسق سے مراد رات ہے' اذا وقب سے سورج کا غروب ہو جانا مراد ہے' یعنی رات جب اندھیرا لیے ہوئے آ جائے۔ ابن زید کہتے ہیں کہ عرب ثریا ستارے کے غروب ہونے کو غاسق کہتے ہیں بیماریاں اور وبائیں اس کے واقع ہونے کے وقت بڑھ جاتی تھیں اور اس کے طلوع ہونے کے وقت اٹھ جاتی تھیں۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ ستارہ غاسق ہے' لیکن اس کا مرفوع ہونا صحیح نہیں۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ مراد اس سے چاند ہے'

ان کی دلیل مسند احمد کی یہ حدیث ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ہاتھ تھامے ہوئے چاند کی طرف اشارہ کر کے فرمایا اللہ تعالیٰ سے اس غاسق کی برائی سے پناہ مانگ۔ اور روایت میں ہے کہ غاسق اذا وقب سے یہی مراد ہے' دونوں قولوں میں با آسانی یہ تطبیق ہو سکتی ہے کہ چاند کا چڑھنا اور ستاروں کا ظاہر ہونا وغیرہ' یہ سب رات ہی کے وقت ہوتا ہے جب رات آ جائے' واللہ اعلم۔

گرہوں پر پھونکنے والیاں: گرہ لگا کر پھونکنے والیوں سے مراد جادوگر عورتیں ہیں۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ شرک کے بالکل قریب وہ منتر ہیں جنہیں پڑھ کر سانپ کے کاٹے پر دم کیا جاتا ہے' اور آسیب زدہ پر۔ دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا اے محمد ﷺ کیا آپ بیمار ہیں آپ ﷺ نے فرمایا ہاں' تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے یہ دعا پڑھی ﴿ بسم اللّٰه ارقيك من كل داء يؤذيك ومن شر كل حاسد وعين اللّٰه يشفيك ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کے نام سے میں دم کرتا ہوں ہر اس بیماری سے جو تجھے دکھ پہنچائے' اور ہر حاسد کی برائی اور بد نظر سے اللہ تجھے شفا دے۔

آنحضرت ﷺ پر جادو کیا گیا: اس بیماری سے مراد شاید وہ بیماری ہے جب کہ آپ ﷺ پر جادو کیا گیا تھا' پھر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو عافیت اور شفا بخشی' اور حاسد یہودیوں کے جادو کے مکر کو رد کر دیا اور ان کی تدبیروں کو بے اثر کر دیا' اور انہیں رسوا

اور فضیحت کیا' لیکن باوجود اس کے رسول اللہ ﷺ نے کبھی بھی اپنے اوپر جادو کرنے والے کو ڈانٹا ڈپٹا تک نہیں' اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی کفایت کی اور آپ ﷺ کو عافیت اور شفا عطا فرمائی۔ مسند احمد میں ہے کہ نبی ﷺ پر ایک یہودی نے جادو کیا جس سے کئی دن تک آپ ﷺ بیمار رہے' پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آکر بتایا کہ فلاں یہودی نے آپ ﷺ پر جادو کیا ہے' اور فلاں فلاں کنوئیں میں گرہیں لگا کر رکھا ہے آپ ﷺ کسی کو بھیج کر اسے نکلوا لیجیے۔ آنحضرت ﷺ نے آدمی بھیجا اور اس کنوئیں سے وہ جادو نکلوا لیا' گرہیں کھول دیں سارا اثر جاتا رہا' پھر نہ تو آپ ﷺ نے اس یہودی سے کبھی ذکر کیا اور نہ کبھی اس کے سامنے منہ میلا کیا۔ صحیح بخاری کتاب الطب میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر جادو کیا گیا' آپ ﷺ سمجھتے تھے کہ آپ ﷺ ازواج مطہرات کے پاس آئے حالانکہ نہ آئے تھے۔

حضرت سفیانؒ فرماتے ہیں کہ یہی سب سے بڑا جادو کا اثر ہے۔ جب یہ حالت آپ ﷺ کی ہو گئی' ایک دن آپ ﷺ فرمانے لگے کہ عائشہ! میں نے اپنے رب سے پوچھا اور میرے پروردگار نے بتلا دیا' دو شخص آئے ایک میرے سرہانے بیٹھا' ایک پائینتیوں' سرہانے والے نے اس دوسرے سے پوچھا ان کا کیا حال ہے؟ دوسرے نے کہا ان پر جادو کیا گیا ہے۔ پوچھا کس نے جادو کیا ہے؟ کہا لبید بن اعصم نے جو بنی زریق کے قبیلے کا ہے جو یہود کا حلیف ہے اور منافق شخص ہے۔ کہا کس چیز میں؟ کہا سر کے بالوں اور کنگھی میں۔ پوچھا دکھا کہاں ہے؟ کہا تر کھجور کے درخت کے چھال میں پتھر کی چٹان تلے ذروان کے کنوئیں میں۔ پھر حضور ﷺ اس کنوئیں کے پاس تشریف لائے اور اس میں سے وہ نکلوایا' اس کا پانی ایسا تھا گویا مہندی کا گدلا پانی' اسکے پاس کے کھجوروں کے درخت شیطانوں کے سر جیسے تھے۔ میں نے کہا بھی کہ یا رسول اللہ! ان سے بدلہ لینا چاہیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا الحمد اللہ' اللہ تعالیٰ نے مجھے تو شفا دیدی اور میں لوگوں میں برائی پھیلانا پسند نہیں کرتا۔

دوسری روایت میں یہ بھی ہے کہ ایک کام کرتے نہ تھے اور اس کے اثر سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا میں کر چکا ہوں۔ اور یہ بھی ہے کہ اس کنوئیں کو آپ ﷺ کے حکم سے بند کر دیا گیا۔ یہ بھی مروی ہے کہ چھ مہینے تک آپ ﷺ کی یہی حالت رہی۔ تفسیر ثعلبی میں حضرت ابن عباس اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ یہود کا ایک بچہ نبی ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا اسے یہودیوں نے بہکا سکھا کر آپ ﷺ کے چند بال اور آپ ﷺ کی کنگھی کے چند دندانے منگوا لیے اور ان میں جادو کیا' اس کام میں زیادہ تر کوشش کرنے والا لبید بن اعصم تھا' پھر ذروان نامی کنوئیں میں جو بنو زریق کا تھا اس میں ڈال دیا' پھر حضور ﷺ بیمار ہو گئے' سر کے بال جھڑنے لگے۔ خیال آتا تھا کہ میں عورتوں کے پاس ہو آیا حالانکہ آتے نہ تھے۔ گو آپ ﷺ اسے دور کرنے کی کوشش میں تھے لیکن وجہ معلوم نہ ہوتی تھی چھ ماہ تک یہی حالت رہی' پھر وہ واقعہ ہوا جو اوپر بیان کیا کہ فرشتوں کے ذریعہ آپ ﷺ کو اس تمام حال کا علم ہو گیا' اور آپ ﷺ نے حضرت علی کو حضرت زبیر کو اور حضرت عمار بن یاسر کو بھیج کر کنوئیں میں سے وہ سب چیزیں نکلوائیں۔ ان میں ایک تانت تھی جس میں بارہ گرہیں لگی ہوئی تھیں' اور ہر گرہ پر ایک سوئی چبھی ہوئی تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں سورتیں اتاریں' حضور ﷺ ایک ایک آیت ان کی پڑھتے جاتے تھے اور ایک گرہ اس کی خود بخود کھلتی جاتی تھی' جب یہ دونوں سورتیں پوری ہوئیں وہ سب گرہیں کھل گئیں' اور آپ ﷺ بالکل شفایاب ہو گئے۔

ادھر جبرئیل علیہ السلام نے وہ دعا پڑھی جو اوپر گزر چکی ہے۔ لوگوں نے کہا حضور! ہمیں اجازت دیجیے کہ ہم اس خبیث کو پکڑ کر قتل کر دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں' اللہ تعالیٰ نے تو مجھے تندرستی عطا فرمائی' اور میں لوگوں میں شر و فساد پھیلانا نہیں چاہتا۔ یہ روایت تفسیر ثعلبی میں بلا سند مروی ہے۔ اس میں غرابت بھی ہے اور اسکے بعض حصے میں سخت نکارت ہے اور بعض کے شواہد بھی ہیں جو پہلے بیان ہو چکے' واللہ اعلم۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۙ﴿۱﴾ مَلِكِ النَّاسِ ۙ﴿۲﴾ اِلٰهِ النَّاسِ ۙ﴿۳﴾ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۙ الْخَنَّاسِ ۙ﴿۴﴾ الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۙ﴿۵﴾ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ ﴿۶﴾

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ بخشش اور مہربانی کرنے والے کے نام سے۔

تو کہہ کہ میں لوگوں کے پروردگار کی پناہ میں آتا ہوں'لوگوں کے مالک کی اور لوگوں کے معبود کی (پناہ میں) وسوسہ ڈالنے والے پیچھے ہٹ جانے والے کی برائی سے۔جو لوگوں کے سینوں میں وسوسہ ڈالتا ہے'خواہ وہ جن ہو یا انسان۔

اللہ کی تین صفات: اس میں اللہ عزوجل کی تین صفتیں بیان ہوئی ہیں'پالنے اور پرورش کرنے کی'مالک اور شہنشاہ ہونے کی'معبود اور لائق عبادت ہونے کی'تمام چیزیں اسی کی پیدا ہوئی ہیں اور اسی کی ملکیت میں ہیں اور اسی کی غلامی میں مشغول ہیں'پس وہ حکم دیتا ہے کہ ان پاک اور برتر صفات والے اللہ کی پناہ میں آ جائے'جو بھی پناہ اور بچاؤ کا طالب ہو۔ شیطان جو انسان پر مقرر ہے اس کے وسوسوں سے بچانے والا ہے'ہر انسان کے ساتھ یہ ہے۔ برائیوں اور بدکاریوں کو خوب زینت دار کر کے لوگوں کے سامنے وہ پیش کرتا رہتا ہے'اور بھکانے میں'راہ راست سے ہٹا دینے میں کوئی کمی نہیں کرتا'اس کے شر سے وہی محفوظ رہ سکتا ہے جسے اللہ بچا لے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ تم میں سے ہر شخص کے ساتھ ایک شیطان ہے' لوگوں نے عرض کیا کیا آپ ﷺ کے ساتھ بھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں لیکن اللہ تعالیٰ نے اس پر میری مدد فرمائی ہے'پس میں سلامت رہتا ہوں'وہ مجھے صرف نیکی اور اچھائی کی بات ہی کہتا ہے۔

شیطان وسوسے ڈالتے ہیں: بخاری ومسلم کی اور حدیث میں حضرت انسؓ کی زبانی ایک واقعہ منقول ہے جس میں بیان ہے کہ حضرت ﷺ جب اعتکاف میں تھے توام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ ﷺ کے پاس رات کے وقت آئیں'جب واپس جانے لگیں تو حضور ﷺ بھی پہنچانے کے لیے ساتھ چلے'راستے میں دو انصاری صحابی مل گئے'جو آپ ﷺ کو بی بی صاحبہ کے ساتھ دیکھ کر جلدی چل دیئے۔ حضور ﷺ نے انہیں آواز دے کر ٹھہرایا اور فرمایا سنو! میرے ساتھ میری بیوی صفیہ بنت حی ہیں۔انہوں نے کہا سبحان اللہ یارسول اللہ! اس فرمان کی ضرورت ہی کیا تھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا انسان کے خون کے جاری ہونے کی جگہ میں شیطان گھومتا پھرتا رہتا ہے' مجھے خیال ہوا کہ کہیں تمہارے دلوں میں وہ کوئی بدگمانی نہ ڈال دے۔

حافظ ابویعلیٰ موصلیؒ نے ایک حدیث وارد کی ہے جس میں ہے کہ نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ شیطان اپنا ہاتھ انسان کے دل پر رکھے ہوئے ہے' اگر یہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے تب تو اس کا ہاتھ ہٹ جاتا ہے'اور اگر یہ ذکر اللہ بھول جاتا ہے تو وہ اس کے دل پر پورا قبضہ کر لیتا ہے'یہی وسواس الخناس ہے۔ یہ حدیث غریب ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے گدھے پر سوار ہو کر کہیں تشریف لے جا رہے تھے'ایک صحابیؓ آپ ﷺ کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے'گدھے نے ٹھوکر کھائی تو ان کے منہ سے نکلا شیطان برباد ہو۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا یوں نہ کہو اس سے شیطان بڑھ جاتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے اپنی قوت سے گرا دیا'اور جب تم بسم اللہ کہو تو وہ گھٹ جاتا ہے'یہاں تک کہ مکھی کے برابر ہو جاتا ہے۔اس سے ثابت ہوا کہ ذکر اللہ سے شیطان پست اور مغلوب ہو جاتا ہے'اور اس کے چھوڑ دینے سے بڑا ہو جاتا ہے اور غالب آ جاتا ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جب تم میں سے کوئی مسجد میں ہوتا ہے اس کے پاس شیطان آتا ہے اور اسے تھپکتا اور بہلاتا ہے'جیسے کوئی شخص اپنے جانور کو بہلاتا ہو'پھر اگر وہ خاموش رہا تو وہ ناک میں نکیل یا منہ میں لگام چڑھا دیتا ہے۔

شیطان جنوں اور انسانوں دونوں میں ہوتے ہیں: حضرت ابوہریرہؓ نے یہ حدیث بیان فرما کر فرمایا کہ تم خود اسے دیکھتے ہو نکیل والا تو وہ ہے جو ایک طرف جھکا کھڑا ہو اور اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کرتا ہو' اور لگام والا وہ ہے جو منہ کھولے ہوئے ہو اور اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کرتا ہو۔ حضرت ابن عباسؓ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ شیطان ابن آدم کے دل پر چنگل مارے ہوئے ہے' جہاں یہ بھولا اور غفلت کی اس نے وسوسے ڈالنے شروع کئے' اور جہاں اس نے ذکر اللہ کیا اور یہ پیچھے ہٹا۔ سلیمانؒ فرماتے ہیں مجھ سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ شیطان راحت و رنج کے وقت انسان کے دل میں سوراخ کرنا چاہتا ہے' یعنی اسے بہکانا چاہتا ہے' اگر یہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے تو یہ بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ شیطان برائی سکھاتا ہے جہاں انسان نے اس کی مان لی پھر ہٹ جاتا ہے۔ پھر فرمایا جو وسوسے ڈالتا ہے لوگوں کے سینے میں لفظ ناس جو انسان کے معنے میں ہے اس کا اطلاق جنوں پر بھی بطور غلبہ کے آجاتا ہے۔ قرآن کریم میں اور جگہ ﴿ برِجَالٍ مِنَ الْجِنِّ ﴾ کہا گیا ہے' تو جنات کو لفظ ناس میں داخل کر لینے میں کوئی قباحت نہیں۔ غرض یہ ہے کہ شیطان جنات کے اور انسان کے سینے میں وسوسے ڈالتا رہتا ہے۔

اس کے بعد کے جملے ﴿مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ﴾ کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ جن کے سینوں میں شیطان وسوسے ڈالتا ہے وہ جن بھی ہیں اور انسان بھی' اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ وہ وسواس ڈالنے والا خواہ کوئی جن ہو یا کوئی انسان' جیسے اور جگہ ﴿ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ﴾ یعنی اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن انسانی اور جنات شیطان بنائے ہیں' ایک دوسرے کے کان میں دھوکے کی باتیں بنا سنوار کر ڈالتے رہتے ہیں۔

مسند احمد میں ہے کہ حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس مسجد میں آیا اور بیٹھ گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا نماز بھی پڑھی؟ میں نے کہا نہیں۔ فرمایا کھڑے ہو جاؤ اور دو رکعتیں ادا کر لو۔ میں اٹھا اور دو رکعتیں پڑھ کر بیٹھ گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے ابوذر! اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو انسان شیطانوں اور جن شیاطین سے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا انسانی شیطان بھی ہوتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں۔ میں نے کہا یا رسول اللہ! نماز کیسی چیز ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا بہترین چیز ہے' جو چاہے کم کرے جو چاہے زیادتی کرے۔ میں نے عرض کیا روزہ؟ فرمایا کافی ہونے والا فرض ہے اور اللہ تعالیٰ کے پاس زیادتی ہے۔ میں نے عرض کیا روزہ؟ فرمایا کافی ہونے والا فرض ہے اور اللہ تعالیٰ کے پاس زیادتی ہے۔ میں نے پھر پوچھا صدقہ؟ حضور ﷺ نے فرمایا بہت ہی بڑھا چڑھا کر کئی کئی گنا کر کے بدلہ دیا جائے گا۔ میں نے پھر عرض کی حضور! کونسا صدقہ افضل ہے؟ فرمایا باوجود مال کی کمی کے صدقہ کرنا یا چپکے سے چھپا کر کسی مسکین فقیر کے ساتھ سلوک کرنا۔ میں نے سوال کیا حضور! سب سے پہلے نبی کون تھے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام۔ میں نے کہا کیا وہ نبی تھے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں نبی اور وہ بھی وہ جن سے اللہ تعالیٰ نے بات چیت کی۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! رسول کتنے ہوئے؟ فرمایا ۳۰۰ تین سو کچھ اوپر ۱۰ دس بہت بڑی جماعت' اور کبھی فرمایا تین سو پندرہ۔ میں نے کہا یا رسول اللہ! جو کچھ آپ ﷺ پر نازل کیا گیا ان میں سب سے بڑی عظمت والی آیت کونسی ہے؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا آیۃ الکرسی ﴿ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ﴾ الخ یہ حدیث نسائی میں بھی ہے' اور ابو حاتم ابن حبان کی ''صحیح ابن حبان'' میں تو دوسری سند سے دوسرے الفاظ کے ساتھ' یہ حدیث بہت بڑی ہے' واللہ اعلم۔ مسند احمد کی ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ یا رسول اللہ! ﷺ میرے دل میں تو ایسے ایسے خیالات آتے ہیں کہ ان کا زبان سے نکالنا مجھ پر آسمان پر سے گر پڑنے سے بھی زیادہ برا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا ﴿ اَللّٰهُ اَكْبَرُ ' اَللّٰهُ اَكْبَرُ ﴾ اللہ تعالیٰ ہی کے لیے حمد و ثنا ہے' جس نے شیطان کے مکر و فریب کو وسوسے میں ہی لوٹا دیا۔ یہ حدیث ابوداؤد اور نسائی میں بھی ہے

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ سورۃ الناس کی تفسیر ختم ہوئی۔ اور اس کے ساتھ ہی تفسیر ابن کثیر کا تیسواں پارہ تمام ہوا

H. AHMAD NAEEM CHISHTI — حافظ احمد نعیم چشتی

FAZIL DAR-UL-ULOOM MUHAMMADIA GHUOSIA (BHERA)
M.A. ISLAMYAT (PUNJAB)

رجسٹرڈ پروف ریڈر محکمہ اوقاف پنجاب
مدرس دارالعلوم محمدیہ غوثیہ لاہور

DAR-UL-ULOOM MUHAMMADIA GHUOSIA, DATA NAGAR BADAMI BAGH LAHORE. PH: 7603545

Ref.________ Date. 4-8-2004

سرٹیفکیٹ

میں نے اس تفسیر ابن کثیر کے متن قرآن مجید کو حرفاً بحرفاً بغور پڑھا ہے۔ اور میں تصدیق کرتا ہوں کہ اس کے متن میں کوئی کمی بیشی اور کتابت میں کوئی غلطی نہیں ہے۔



خواب نامہ کبیر اردو ترجمہ کامل التعبیر

یعنی

تعبیر الرؤیا

خواب اور اسکی تعبیر سے متعلق سب سے جامع کتاب

مشہور معبر

علامہ ابن سیرینؒ اور دیگر نامور معبرین اور اولیاء کرام کی

تبلائی ہوئی خواب کی تعبیروں پر مشتمل اہم اور نادر کتاب کا مکمل اردو ترجمہ

شمع بک ایجنسی

یوسف مارکیٹ ○ غزنی سٹریٹ ○ اُردو بازار ○ لاہور

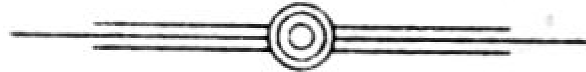
Ph: 042-7232132

سیرتِ سیدۃ عائشہ رضی اللہ عنہا

اِس کتاب میں علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا
محققانہ رسالہ "حضرت عائشہؓ کی عمر پر تحقیق" بھی شامل کر دیا گیا ہے

تالیف

علامہ سید سلیمان ندوی





تحفۂ خواتین

خواتینِ اسلام سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں

تالیف: مولانا محمد عاشق الٰہی بلند شہریؒ

جس میں اسلامی عقائد، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کے مفصل احکام مذکور ہیں۔ ذکر و تلاوت اور دعا کے فضائل دعا کے آداب اور مختلف موقع کی دعائیں درج ہیں۔ نکاح، طلاق، خلع، عدت وغیرہ کے مسائل تفصیل سے لکھے ہیں، اولاد کی دینی تعلیم و تربیت کی اہمیت، اسلامی معاشرہ کی تفصیل اور اس کی ضرورت بتائی گئی ہے۔ اسلامی آداب، اسلامی اخلاق کی تشریح کرتے ہوئے غیر اسلامی معاشرہ پر بھرپور تبصرہ کیا گیا ہے۔ آخر میں توبہ کا طریقہ اور زندگی گزارنے کا دستور العمل لکھ دیا گیا ہے۔ خواتین کی دینی زندگی بنانے کے لیے بہت جامع کتاب ہے جو سینکڑوں احادیث شریفہ کی روشنی میں لکھی گئی ہے۔

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا

اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ تم کو دیں اس کو لے لو، جس سے منع کریں اس سے باز آجاؤ

مُسندِ امامِ اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ

اردو مُترجم

۵۲۳ احادیث نبوی کا ایمان افروز خزانہ جسے فقہ حنفی کے بانی حضرت امامِ اعظم ابو حنیفہؒ نے مرتّب فرما کر مسلمانانِ عالم پر احسانِ عظیم فرمایا ہے

نظر ثانی و اصلاح

مولانا خورشید عالم صاحب اُستاذ دارُ العلوم دیوبند

تقویۃ الایمان

معہ

تذکیر الاخوان

مؤلفہ

علامہ شاہ محمد اسمٰعیل شہید

نصیحۃ المسلمین

مؤلفہ: مولانا خرم علی بلہوری